بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاویٰ شامی

مسمّٰی رد المحتار

محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین شامی

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی — پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

درِ مختار

از محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویر الابصار

از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

جلد پنجم

مسمّیٰ ردّ المحتار

از محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِ مختار

از محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد پنجم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:۔37221953 فیکس:۔042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350۔فیکس042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

کتاب النکاح

باب الولی

باب المہر

کتاب الطلاق

باب الامر بالید

فصل فی المشیئۃ

باب التعلیق

کِتَابُ النِّکَاحِ

لَیْسَ لَنَا عِبَادَۃٌ شُرِعَتْ مِنْ عَھْدِ آدَمَ اِلَی الْآنَ ثُمَّ تَسْتَمِرُّ فِی الْجَنَّۃِ اِلَّا النِّکَاحُ وَ الْاِیْمَانُ

نکاح کے احکام

نکاح اور ایمان کے سوا ہماری کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک مشروع ہو پھر یہ جنت تک جاری رہے۔

حضرت مصنف نے کتاب النکاح کا ذکر چار عبادات کے بعد کیا ہے جو عبادات دین کے ارکان ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کی ان ارکان کی طرف نسبت اس طرح ہے جس طرح بسیط کی مرکب کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ نکاح من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے۔ اس کتاب کو کتاب الجہاد پر مقدم کیا ہے اگرچہ دونوں اس چیز میں شریک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک، مسلمان اور اسلام کے وجود کا سبب ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے نکاح سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اس سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو قتال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاد میں عموماً افراد کو قتل کیا جاتا ہے اور ذمی بنایا جاتا ہے مگر جہاد مسلم کے وجود کا مجازاً سبب بنتا ہے اس چیز کو دیکھتے ہوئے کہ صفت کا تجدد ذات کے تجدد کے قائم مقام ہے (نکاح سے نئے افراد جنم لیتے ہیں اور جہاد سے کافر مسلمان ہوتے ہیں)۔ اسی طرح اس بحث کو عتق، وقف اور اضحیہ کی بحث سے مقدم کیا ہے اگرچہ وہ بھی عبادات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح چاروں ارکان کے قریب ہے۔ یہاں تک کہ بعض علما نے کہا: نکاح میں مشغول ہونا نفلی عبادات میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ اس میں مشغول ہونے سے مراد نکاح، مصالح نکاح، نفس کو حرام چیزوں سے روکنا، اولاد کی تربیت وغیرہ ہے۔

11094۔ (قولہ: لَیْسَ لَنَا عِبَادَۃٌ الخ) ''الاشباہ'' میں عبارت اس طرح ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے یہ دنیا میں عبادت ہے وہ اس لیے کیونکہ یہ مسلمانوں کی کثرت کا سبب ہے۔ اسی طرح یہ اس وجہ سے عبادت ہے کہ اس میں پاک دامنی وغیرہ ہے جن باتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ جنت میں تو یہ چیز مفقود ہے۔ بلکہ یہ وارد ہوا ہے کہ اہل جنت کی اس میں اولاد نہ ہوگی (1) لیکن ایک اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے: المومن اذا اشتھی الولد فی الجنۃ کان حملہ و وضعہ و سنہ فی ساعۃ واحدۃ کما یشتھی۔ (2) (مومن جنت میں جب بچے کی خواہش کرے گا تو بچے کا حمل، اس کی ولادت اور اس کا بڑا ہونا ایک گھڑی میں ہو جائے گا جس طرح اس نے خواہش کی)

یہ روایت پہلی روایت سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں امام ''ترمذی'' نے یہ کہا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر اور شکر جنت میں دنیا کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ انسان کا حال فرشتوں کے حال جیسا ہو

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی حدیث وکیع بن حدس، جلد 19، صفحہ 211، حدیث نمبر 477، مکتبۃ احیاء التراث الاسلامی

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب صفۃ الجنۃ، جلد 2، صفحہ 698، حدیث نمبر 4328

هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ (عَقْدٌ يُفِيدُ مِلْكَ الْمُتْعَةِ) أَيْ حِلَّ اسْتِمْتَاعِ الرَّجُلِ
فقہاء کے نزدیک یہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ عطا کرتا ہے۔ یعنی مرد کے لیے

جو کے کا جورات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں وہ اس میں وقفہ نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ عبادت ایسی نہیں جس کا اسے مکلف بنایا تھا بلکہ ہر طبع کا مقتضا ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کی خدمت لذت اور شرف ہوتی ہے اور قرب نصیب ہونے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ مفصل بحث ''الاشباہ'' کے حاشیہ ''حموی'' میں ہے۔

نکاح کی شرعی تعریف

11095۔ (قولہ: عَقْدٌ) عقد سے مراد گفتگو کرنے والوں میں سے ایک کے ایجاب اور دوسروں کے قبول کا مجموعہ ہے یا عقد سے مراد ایک ایسے فرد کا کلام ہے جو دونوں کے قائم مقام ہو۔ میری مراد ہے وہ فرد ایجاب وقبول میں دونوں طرفوں کا ذمہ دار ہو''بحر''۔ اس کے بارے میں گفتگو آگے آئے گی۔

11096۔ (قولہ: أَيْ حِلَّ اسْتِمْتَاعِ الرَّجُلِ) مرد کو متعہ کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ یہ ایسا عقد ہے جو شرعی ضابطہ کی بنا پر اپنے حکم کا فائدہ دیتا ہے۔ ''بدائع'' میں ہے: ملک متعہ اس عقد کے احکام میں سے ہے اس سے مراد ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے بضعہ کے منافع اور باقی اعضاء سے لطف اندوز ہونے میں خصوصیت اختیار کر جاتا ہے (یعنی صرف وہی اس سے یہ منافع حاصل کر سکتا ہے) یا خاوند عورت کی ذات اور نفس سے لطف اندوز ہونے کے لیے خاص ہو جاتا ہے اس بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، ''بحر''۔

علامہ ''دبوسی'' نے پہلے معنی کو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن مصنف کا کلام (کالکنز) ان کے نزدیک پسندیدہ قول ہونے میں صریح ہے۔ جس طرح ''نہر'' میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ اختلاف لفظی ہے۔ کیونکہ علامہ ''دبوسی'' کا قول ہے: یہ ملکیت حقیقی نہیں بلکہ یہ حکمی ہے۔ اس کا معنی ہے کہ مرد کے لیے اس عورت سے وطی کرنا حلال ہو جاتا ہے اس کے علاوہ احکام جو حقوق زوجیت سے متصل نہیں ان میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ وہ قول جس کو علامہ ''دبوسی'' نے ہمارے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس سے مراد ذات کی ملکیت ہے یہ ذات کی ملکیت حقیقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ متعہ کی ملکیت ہی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی صرف خاوند ہی اس کے بضعہ سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جس طرح ''بدائع'' میں تعبیر کیا گیا ہے۔ انه ملك المتعة کے قول سے یہی مراد ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ملک کی تفسیر اختصاص کے ساتھ کرنا جس طرح ''بدائع'' میں اس کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے یہ اس تفسیر سے اولیٰ ہے جو''بحر'' کی تبع میں حِل سے کی گئی ہے۔ کیونکہ اختصاص ملک کے معنی کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ملک اس کی نوع ہے۔ حِل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ملک متعہ کا لازم ہے۔ اور وہ اس کو لازم ہے کہ عورت شرعی طور پر خاوند کے لیے خاص ہو چکی ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ ہر شے کی ملکیت اس کے حساب سے ہوتی ہے۔ مرد کو عقد نکاح کے ساتھ متعہ کی جو ملکیت حاصل ہوتی ہے وہ ملک شرعی ہے جس طرح مستاجر منفعت کا مالک ہوتا ہے جسے وہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھتا ہے۔ ''بحر'' میں جو قول ہے: ان المراد بالملك الحل لا

مِنْ امْرَأَةٍ لَمْ يَمْنَعْ مِنْ نِكَاحِهَا مَانِعٌ شَرْعِيٌّ
ایسی عورت سے لطف اندوزی حلال ہو جس کے ساتھ نکاح سے کوئی شرط مانع نہ ہو۔

الملك الشرعی لان المنكوحة لو وطئت بشبهة فمهرها لها ولو ملك الانتفاع ببضعها حقيقة لكان بدله له (ملک سے مراد صرف حلال ہونا ہے ملک شرعی مراد نہیں۔ کیونکہ منکوحہ عورت سے اگر شبہ کی وجہ سے وطی کی جائے تو اس کا مہر اس عورت کو دیا جاتا ہے۔ اگر خاوند حقیقت کے اعتبار سے اس کے بضعہ کا مالک ہوتا تو مہر اس خاوند کے لیے ہوتا) وہ اسے رد نہیں کرتا۔ کیونکہ خاوند کا حقیقت کے اعتبار سے بضعہ سے انتفاع کا مالک ہونا اس امر کو لازم نہیں کہ وہ بدل کا مالک ہو یہ صرف نفس بضع کی ملکیت کو لازم کرتا ہے۔ جس طرح کسی کی لونڈی سے وطی کی جائے تو عقر اس کے مالک کے لیے ہوگا۔ کیونکہ وہ نفس بضع کا مالک ہے۔ زوج کا معاملہ مختلف ہے اسے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ

شارح اور ''بدائع'' کی کلام اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تمتع (لطف اندوز ہونے) کا حق مرد کو حاصل ہوتا ہے عورت کے لیے یہ حق نہیں ہوتا۔ جس طرح سید ''ابوالسعود'' نے ''حواشی مسکین'' میں ذکر کیا ہے۔ کہا: اس پر وہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے جسے ''ابیاری'' (جو شارح کنز ہیں) نے ''جامع صغیر'' کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ قول سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك(1) (اپنی شرمگاہ کو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر کسی سے محفوظ رکھو) کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے: مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کی شرمگاہ (فرج) اور دبر کے حلقہ کو دیکھے مگر عورت کا معاملہ مختلف ہے وہ مرد کی شرمگاہ اس وقت نہیں دیکھ سکتی جب خاوند عورت کو شرمگاہ دیکھنے سے منع کرے۔ ''طحطاوی'' نے اسے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ کلام سے ظاہر یہ ہوتا ہے عورت مرد کو اس پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد اسے منع کرے تو اس کے لیے مرد کی شرمگاہ دیکھنا حلال نہیں۔ کیونکہ نکاح کے احکام میں سے یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے سے لطف اندوز ہونا حلال ہے۔ ہاں مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ عورت جب شرعی مانع کے بغیر حقوق زوجیت ادا کرنے سے رکے تو مرد اس کے ساتھ جبراً وطی کر سکتا ہے اور مرد نے عورت سے جب ایک دفعہ حقوق زوجیت ادا کر لیے ہوں تو عورت مرد کو وطی پر مجبور نہیں کر سکتی اگرچہ بعض اوقات دیانت کے طریقہ پر اس کے ساتھ وطی کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسا (مقولہ 12698 میں) آئے گا۔ اس میں خوب غور وفکر کر لے۔

عقد نکاح کا محل

11097۔ (قولہ: مِنْ امْرَأَةٍ) یہ من ابتدائیہ ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ حضرت مصنف بامراۃ کے الفاظ استعمال کرتے۔ اس سے مراد ہے کہ اس کا مؤنث ہونا یقینی ہو خنثی سے بچنے کا قرینہ ہے۔ یہ عقد کے محل کا بیان ہے۔ ''فتح''

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع، جلد 1، صفحہ 596، حدیث نمبر 1909

فَخَرَجَ الذَّكَرُ وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ وَالْوَثَنِيَّةُ لِجَوَازِ ذُكُورَتِهِ
پس مذکر، خنثیٰ مشکل اور بت پرست عورت خارج ہوگئی۔ کیونکہ اس (خنثیٰ) کا مذکر ہونا جائز ہے

سے نقل کرنے کے بعد ''بحر'' میں کہا: عقد نکاح کا محل مؤنث ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے: اس کا محل وہ ہے جس کا مؤنث ہونا یقینی ہو جو حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں سے ہو اور وہ محرمات میں سے نہ ہو۔ ''عنایہ'' میں ہے: عقد نکاح کا محل ایسی عورت ہے جس کے نکاح سے کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ پس مذکر، مذکر کے لیے اور خنثیٰ کے لیے مطلق خارج ہو گیا۔ اور جنیہ انسانوں کے لیے خارج ہوگئی۔ اسی طرح اس قید سے وہ عورتیں بھی خارج ہوگئیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہیں جس طرح محارم۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ ان کے قول لم یمنع من نکاحھا میں نکاح سے مراد عقد ہے وطی نہیں۔ کیونکہ مراد عقد کے محل کو بیان کرنا ہے۔ اسی وجہ سے ''مانع شرعی'' کے لفظ سے محارم سے احتراز کیا ہے۔ اس سے مراد نسب اور سبب کے ذریعے حرمت ہے جس طرح سسرالی رشتہ اور رضاعت۔ جہاں تک حیض، نفاس، احرام اور ظہار کے کفارہ کی ادائیگی سے پہلے کا تعلق ہے تو یہ امور حقوق زوجیت سے مانع ہیں عقد کے محل ہونے سے مانع نہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

عورت کا نکاح خنثیٰ سے یا خنثیٰ کا خنثیٰ کے ساتھ کرنا جائز نہیں

11098۔ (قولہ: فَخَرَجَ الذَّكَرُ وَالْخُنْثَى الْمُشْكِلُ) یعنی ان دونوں پر عقد وارد کرنا مرد کو اس چیز کا فائدہ نہیں دیتا کہ مرد ان دونوں سے لطف اندوز ہولے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کے لیے محل نہیں۔ اسی طرح عورت کے لیے خنثیٰ پر یا خنثیٰ کے لیے خنثیٰ پر یہ عقد واقع کرنا حلال نہیں۔ ''بحر'' میں ''زیلعی'' سے ''کتاب الخنثیٰ'' میں مروی ہے: جب خنثیٰ کا باپ یا اس کا آقا اس کی شادی کسی عورت سے کر دے یا کسی مرد سے کر دے تو عقد کی صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا یہاں تک کہ اس کا حال واضح ہو جائے کہ وہ مرد ہے یا عورت ہے۔ جب یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ جنس میں اس کے خلاف ہے جس کے ساتھ اس کی شادی کی گئی ہے تو عقد صحیح ہوگا۔ بصورت دیگر عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد محل میں واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح جب خنثیٰ کا عقد نکاح خنثیٰ سے کیا گیا تو نکاح کی صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو کہ ان دونوں میں سے ایک مذکر ہے اور دوسرا مؤنث ہے۔ اگر ''شارح'' والخنثی المشکل مطلقا کہتے تو یہ کلام تینوں صورتوں کو شامل ہو جاتی مگر اس کے بعض احکام کے اضافہ پر اقتصار کیا۔ اس میں کوئی اجمال نہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

بت پرست عورت، محرمات یا غیر جنس سے نکاح کا شرعی حکم

11099۔ (قولہ: وَالْوَثَنِيَّةُ) بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں۔ بعض نسخوں میں والخنثی کے قول سے پہلے ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کا ذکر خنثیٰ کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ مانع شرعی کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ شارح نے وثنیہ کے قول کے ساتھ کلام کو تعبیر کیا ہے یہ اصل میں اس انداز کے تابع ہے جو محرمات کی فصل میں مصنف نے تعبیر کیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ مشرکہ کے قول کے ساتھ تعبیر کیا جاتا جس طرح وہاں شارح نے وضاحت کی ہے۔

وَالْمَحَارِمُ وَالْجِنِّيَّةُ وَإِنْسَانُ الْمَاءِ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ وَأَجَازَ الْحَسَنُ نِكَاحَ الْجِنِّيَّةِ بِشُهُودٍ قُنْيَةٌ

ذی رحم محرم، جنی عورت اور پانی کا انسان نکل گیا۔ کیونکہ اس کی جنس مختلف ہے حسن نے جنیہ کے عقد نکاح کو جائز قرار دیا جب کہ گواہوں کی موجودگی میں ہو

11100۔ (قولہ: وَالْمَحَارِمُ) محرمات بھی شرعی مانع کے ساتھ اس حکم سے خارج ہیں۔ اسی طرح ''علامہ'' کا قول الجنية وانسان الماء تعلیل کے قرینہ کے ساتھ کلمہ سے خارج ہے۔ کیونکہ انسان اور ان دونوں کی جنس مختلف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (النحل:72) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے بنائے ہیں۔ مراد کو اس ارشاد سے واضح کیا: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء:3) عورتوں میں سے جو تمہیں پاکیزہ لگیں ان سے نکاح کرلو۔ انثی یہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہی عورتیں ہیں۔ بغیر دلیل کے عقد کی حلت ثابت نہیں ہوسکتی اور جن مختلف صورتیں اپنا سکتے ہیں۔ بعض اوقات وہ مذکر ہوتے ہیں تو وہ عورتوں کی صورت اپنا لیتے ہیں۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے کہ جوان کے ساتھ شادی کے جواز کا سوال کرے تو اس کی جہالت اور حماقت کی وجہ سے اسے طمانچہ مارا جائے کیونکہ اس کا تصور نہیں ہوسکتا تو یہ قول بعید ہے۔ کیونکہ تصور تو ممکن ہے کیونکہ ان کا شکل وصورت اپنانا تو احادیث، آثار اور حکایات کثیرہ سے ثابت ہے۔ اسی وجہ سے بعض قسم کے سانپوں کو قتل کرنے سے نہی ثابت ہے۔ جس طرح مکروهات الصلوة میں یہ بحث (مقولہ 5492 میں) گزر چکی ہے۔ کیونکہ اس کا عدم تصور سائل کی حماقت پر دال نہیں جس طرح ''اشباہ'' میں کہا۔ کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ ''ابولیث'' فقیہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا: اگر کفار انبیاء میں سے کسی نبی کو ڈھال بنالیں کیا ان پر تیر برسائے جائیں گے جب کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو کسی نبی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن تصور کی تقدیر پر اس کا جواب دیا کہ اس طرح ہوگا۔ اس کی تمام بحث ہمارے رسالہ ''سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبندی'' میں موجود ہے۔

تنبیہ

''اشباہ'' میں ''سراجیہ'' سے قول منقول ہے: انسانوں، جنوں اور پانی کے انسان کے درمیان باہمی نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں۔ باب مفاعلہ (مناکحۃ) لانے کا فائدہ یہ ہے کہ جن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی انسان میں سے کسی عورت سے شادی کرے۔ تعلیل کی بھی یہی غرض ہے۔

11101۔ (قولہ: وَأَجَازَ الْحَسَنُ) ''الحسن'' سے مراد حضرت ''حسن بصری'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں جس طرح ''بحر'' میں تصریح ہے۔ مناسب یہ تھا کہ ''بصری'' کے لفظ کے ساتھ قید ذکر کی جاتی تاکہ اس قول کے ساتھ حضرت ''حسن بن زیاد'' جو امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں کو خارج کیا جاتا۔ کیونکہ اس قید کے بغیر ذکر کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ مذہب حنیفہ میں ایک روایت ہے۔ جب کہ بات اس طرح نہیں۔ ''طحطاوی''۔ لیکن اس کے بعد ''شرح الملتقی'' سے وہ ''زواہر الجواہر'' سے نقل کرتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ آدمی کا جنیہ سے نکاح صحیح نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی جائز نہیں۔ کیونکہ جنسیں مختلف ہیں۔ وہ باقی حیوانات کی طرح ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے اصح کا مقابل حضرت ''حسن بصری'' کا مذکورہ قول ہے۔ اس

قَصْدًا، خَرَجَ مَا يُفِيدُ الْحِلَّ ضِمْنًا، كَشِرَاءِ أَمَةٍ لِلتَّسَرِّي (وَ) عِنْدَ أَهْلِ الْأُصُولِ وَاللُّغَةِ (هُوَ حَقِيقَةٌ فِي الْوَطْءِ مَجَازٌ فِي الْعَقْدِ) فَحَيْثُ جَاءَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ مُجَرَّدًا عَنِ الْقَرَائِنِ
یہ قصداً ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس سے وہ عقد خارج ہو جاتا ہے جو ضمناً حلت کو ثابت کرتا ہے جس طرح وطی کے لیے لونڈی خریدنا۔ اور اہل اصول اور اہل لغت کے نزدیک نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت اور عقد میں مجاز ہے کتاب یا سنت میں جہاں کہیں قرائن سے الگ ہو کر آیا ہے

میں خوب غور وفکر کیجئے۔

11102۔ (قولہ: قَصْدًا) یہ یفید کی ضمیر (فاعل) سے حال ہے۔ مصدر کا حال ہونا سماعی ہے اگرچہ یہ اکثر واقع ہوتا ہے۔

11103۔ (قولہ: كَشِرَاءِ أَمَةٍ) لونڈی خریدنے میں اصل مقصد پوری ذات کا مالک بننا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد بضعہ سے لطف اندوزی کی حلت یہ ضمنی امر ہے۔ اسی وجہ سے ایسی لونڈی جو خریدار کی نسبی یا رضاعی ذی رحم محرم ہو یا اس لونڈی کی ملکیت میں کوئی اور بھی شریک ہو تو اس میں یہ حلت ثابت نہیں ہوتی۔

11104۔ (قولہ: لِلتَّسَرِّي) اس کا خصوصاً ذکر کیا۔ کیونکہ وہ اسے تسری کے لیے نہ بھی خریدے تب بھی بدرجہ اولیٰ ضمناً اس سے لطف اندوز ہونا حلال ہوتا ہے۔ اگر شارح ولو للتسری کا قول کرتے تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ ''بحر'' کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے انہوں نے کہا: و ملك المتعة ثابت ضمنا وان قصده المشتری، ''ح''۔ ملک متعہ ضمناً ثابت ہوگا اگرچہ مشتری اس کا قصد بھی کرے۔

اہل اصول اور لغت کے نزدیک نکاح کا حقیقی اور مجازی معنیٰ

11105۔ (قولہ: وَعِنْدَ أَهْلِ الْأُصُولِ وَاللُّغَةِ الخ) حاصل کلام یہ ہے مصنف نے جو کچھ پہلے بیان کیا ہے وہ فقہا کے نزدیک معنی عرفی تھا اب جو ذکر کیا ہے یہ اس کا شرعی اور لغوی معنی ہے۔ کیونکہ اہل اصول نصوص شرعیہ کے معنی سے بحث کرتے ہیں۔ مصنف کی دونوں کلاموں میں کوئی منافات نہیں۔ ''بحر'' میں کہا: اس معنی میں لغت اور شرع برابر ہیں۔ امام ''طحطاوی'' نے بیان کیا۔

11106۔ (قولہ: مَجَازٌ فِي الْعَقْدِ) ایک قول اس کے برعکس کیا گیا ہے۔ اصولین نے اسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں میں مشترک لفظی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ وضع کیا گیا ہے اس ملاپ کے لیے جو عقد اور وطی پر صادق آئے۔ یہ مشترک معنوی ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہی تصریح کی ہے، ''بحر''۔ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ وطی میں حقیقت ہے۔ جس طرح ''شرح التحریر'' میں ہے۔

11107۔ (قولہ: مُجَرَّدًا عَنِ الْقَرَائِنِ) یہ کلام خارجی مرجح کے بغیر معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں کا احتمال رکھتی

يُرَادُ بِهِ الْوَطْءُ كَمَا فِي (وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) فَتَحْرُمُ مَزْنِيَّةُ الْأَبِ عَلَى الِابْنِ بِخِلَافِ (حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ) لِإِسْنَادِهِ إلَيْهَا وَالْمُتَصَوَّرُ مِنْهَا الْعَقْدُ لَا الْوَطْءُ إلَّا مَجَازًا

اس سے مراد وطی ہی ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء:22) اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا۔ تو بیٹے پر وہ عورت حرام ہو جائے گی جس سے اس کے باپ نے بدکاری کی ہو۔ حتی تنکح زوجا غیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ فعل نکاح اس کی طرف منسوب ہے اور عورت سے عقد میں متصور ہو سکتا ہے وطی کا فعل نہیں ہو سکتا مگر مجازاً۔

ہے۔ قولہ یراد الوطء، اس سے وطی اس لیے مراد لی جائے گی کیونکہ مجاز حقیقت کا نائب ہے۔ پس حقیقت فی نفسہا مجاز پر راجح ہوتی ہے۔

وہ عورت جس کے ساتھ باپ نے بدکاری کی تو وہ بیٹے پر حرام ہو گی

11108۔(قولہ: فَتَحْرُمُ مَزْنِيَّةُ الْأَبِ عَلَى الِابْنِ) باپ نے جس عورت سے بدکاری کی وہ اس کے فروع (بیٹوں وغیرہ) پر حرام ہو جائے گی۔ اس عورت کی حرمت اس کے بیٹوں پر نص سے ثابت ہے۔ جہاں تک ان پر اس عورت کی حرمت کا تعلق ہے جس کے ساتھ عقد صحیح کیا تو وہ اجماع سے ثابت ہے۔ اگر کسی خاوند نے اپنی بیوی سے کہا ان نکحتک فانت طالق تو یہ طلاق حقوق زوجیت کے ساتھ مشروط ہو گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی پھر اس سے عقد نکاح کر لیا تو اسے اس قول کی وجہ سے طلاق حقوق زوجیت کے ساتھ مشروط ہو گی۔ اجنبیہ کو یہی الفاظ کہے تو معاملہ مختلف ہو گا اور طلاق عقد نکاح کے ساتھ متعلق ہو گی۔ کیونکہ اجنبی عورت سے وطی کرنا جب اس پر شرعاً حرام ہے تو یہاں حقیقی معنی حقیقت مہجورہ ہو گی تو مجازی معنی متعین ہو گیا۔ ''بحر''، ''تحریر'' اور اس کی شرح میں اسی طرح ہے۔

11109۔(قولہ: بِخِلَافِ) یہ لفظ اس ماموصولہ سے حال ہے جو کما میں ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ ولا تنکحوا سے حال ہے۔ کلام یوں بنے گی ولا تنکحوا ای حال کونہ مخالفا بقولہ حتی تنکح۔ اس حتی تنکح میں لفظ نکاح سے وطی کا ارادہ نہیں بلکہ عقد کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ قرائن سے خالی نہیں بلکہ اس میں قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کی جانب سے وطی کا محال ہونا ہے کیونکہ وطی فعل ہے اور وہ عورت منفعلہ ہے فاعلہ نہیں۔ ''علامہ'' کے قول المتصور کا یہی معنی ہے۔

11110۔(قولہ: لِإِسْنَادِهِ إلَيْهَا) اس محل سے جو معنی سمجھا گیا ہے کہ یہاں نکاح سے مراد عقد ہے اس کی یہ علت ہے۔ جہاں تک محل میں وطی کا شرط ہونا ہے وہ حدیث عسیلہ سے ماخوذ ہے(1)۔

11111۔(قولہ: إلَّا مَجَازًا) بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: جب دونوں تقدیروں کی صورت میں مجاز سے انفکاک (علیحدگی) نہیں ہو سکتا تو دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے والی کیا چیز ہو سکتی ہے ''ح''۔ یعنی اگر آیت میں موجود

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، جلد 3، صفحہ 145، حدیث نمبر 4856

(وَيَكُونُ وَاجِبًا عِنْدَ التَّوَقَانِ) فَإِنْ تَيَقَّنَ الزِّنَا إلَّا بِهِ فُرِضَ نِهَايَةٌ

جب غلبہ شہوت ہو تو نکاح کرنا واجب ہے اگر اسے زنا میں پڑنے کا یقین ہو جائے مگر نکاح کے ساتھ (بچنے کا امکان ہے) تو عقد نکاح کرنا فرض ہو جائے گا۔ ''نہایہ''۔

لفظ نکاح سے مراد وطی ہو تو یہ مجاز عقلی ہوگا۔ کیونکہ عورت کی جانب سے یہ فعل واقع نہیں ہو سکتا۔ اگر مراد عقد ہو تو یہ مجاز لغوی ہو گا۔ کیونکہ یہ وطی کی حقیقت ہے تو آیت کو دونوں میں سے ایک پر محمول کرنا ترجیح بلا مرجح ہوگا۔ بعض اوقات ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آیت کو وطی پر محمول کرنا امر واقع کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ محلل زوج ثانی کی وطی کے بغیر حلال نہیں ہوتی۔ ہاں ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کثرت استعمال کو مرجح قرار دیا جائے ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر تو یہی ہے دونوں معنوں میں سے کسی معنی کے بھی مراد لینے سے کوئی مانع نہیں۔ لیکن جب نزاع اس میں ہو کہ لفظ نکاح وطی میں حقیقت ہے یا عقد میں حقیقت ہے اور ہمارے نزدیک راجح پہلا قول ہے تو انہوں نے کہا: اس آیت میں مجاز لغوی ہے یہ عقد کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ قول اس کے رد میں زیادہ صریح ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ لفظ اس معنی میں حقیقت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اسناد میں مجاز عقلی ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ جس طرح تیرے اس قول جری النہر میں مجاز عقلی صحیح ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ علاقہ حالیت اور محلیت کے ساتھ مجاز لغوی ہو۔ کیونکہ شارح (علامہ حصکفی) کی کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کے مانع ہو۔ کیونکہ شرح کے قول والمتصور منها العقد لا الوطی الا مجازا کو بھی مجاز عقلی (اسناد مجازی) پر محمول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس پر قرینہ لا سنادہ الیها ہے۔ یعنی یہ کلام اس قسم سے ہے جس میں ایک شے غیر من هوله کی طرف منسوب ہے۔ قوله والمتصور الخ اس امر کا بیان ہے کہ اس فعل کی نسبت جو عورت کی طرف کی گئی ہے یہ غیر حقیقی ہے۔ اس نکتہ کو خوب ذہن نشین کر لیں۔

عقد نکاح کا شرعی حکم

11112۔ (قوله: عِنْدَ التَّوَقَانِ) توقان یہ تاقت نفسه الی کذا کا مصدر ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کا نفس کسی شے کا مشتاق ہو۔ یہ طلب کے باب سے ہے۔ ''بحر'' میں ''المغرب'' سے منقول ہے۔ یہ لگا تار تین فتحہ کے ساتھ ہے جیسے مَیَلَان، سَیَلَان۔ اس سے مراد شدت اشتیاق ہے جس طرح ''زیلعی'' میں ہے یعنی اگر وہ شادی نہ کرے تو اسے زنا میں پڑنے کا خوف ہو۔ کیونکہ جماع کے اشتیاق سے مذکورہ خوف لازم نہیں آتا ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر معنی کی طرح اس وقت بھی نکاح کرنا واجب ہوگا جب وہ اپنے آپ کو ایسی نظر سے نہ روک سکے جو نظر حرام ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے آپ کو مشت زنی سے نہ روک سکے اگرچہ زنا میں پڑنے کا ڈر نہ ہو۔

11113۔ (قوله: فَإِنْ تَيَقَّنَ الزِّنَا إلَّا بِهِ فُرِضَ) یعنی عقد نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو یعنی وہ حرام کا ترک عقد نکاح کے ساتھ ہی کر سکتا ہے تو عقد نکاح فرض ہو جائے گا ''بحر''۔

وَهَذَا إِنْ مَلَكَ الْمَهْرَ وَالنَّفَقَةَ، وَإِلَّا فَلَا إِثْمَ بِتَرْكِهِ بَدَائِعُ
عقد نکاح کرنا اس وقت فرض ہوگا اگر وہ (بیوی کے) مہر اور نفقہ کا مالک ہو بصورت دیگر عقد نکاح کے ترک کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اس میں ایک اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ حرام کا ترک بعض اوقات نکاح کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے وہ کسی لونڈی کو خواہش نفس کے لیے خریدنا ہے اس وقت عقد نکاح کا وجوب لازم نہیں آتا مگر اس صورت میں کہ ہم یہ فرض کریں کہ وہ لونڈی خریدنے پر قادر نہ ہو، ''نہر''۔ لیکن علامہ کا قول: لا یمکنه الاحتراز عنه الابه اس میں ظاہر ہے کہ مسئلہ کی صورت یہ بنائی جائے کہ وہ لونڈی خریدنے پر قادر نہیں۔ اسی طرح وہ روزہ رکھنے پر بھی قادر نہیں جو اسے زنا میں واقع ہونے سے روکے۔ اگر ان میں سے کسی شے پر بھی وہ قادر ہو تو نکاح فرض عین اور واجب عین نہ رہے گا۔ بلکہ نکاح اور اس کا غیر ان چیزوں میں سے ہو جائے گا جو اسے محرم میں واقع ہونے سے روکے۔

11114۔ (قوله: إِنْ مَلَكَ الْمَهْرَ وَالنَّفَقَةَ) یہ ایسی شرط ہے جو دونوں قسموں کی طرف راجع ہے۔ میری مراد واجب اور فرض ہے، ''بحر''۔ ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے اور وہ ظلم کا خوف نہ ہونا ہے۔ کہا: اگر شادی نہ کرے تو زنا میں پڑنے کا خوف اور اگر شادی کرے تو ظلم کا خوف باہم متعارض آ جائیں تو دوسرے (ظلم) کو مقدم رکھا جائے اور اس پر نکاح کرنا فرض نہ ہوگا۔ بلکہ نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔ ''کمال'' نے ''فتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔ شاید اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ظلم ایسی معصیت ہے جو بندوں کے ساتھ متعلق ہے۔ اور زنا سے اپنے آپ کو روکنا حقوق اللہ کی ادائیگی ہے جب دونوں حقوق بالمقابل ہوں تو بندہ کا حق مقدم ہے۔ کیونکہ بندہ محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ الخ۔

میں کہتا ہوں: جب وہ (بیوی کے) مہر اور نفقہ کا مالک نہ ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں بندے کے حقوق ہیں اگرچہ اسے زنا کا خوف ہو۔ لیکن یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس مرد کے لیے قرض لینا مستحب ہو جائے۔ ''بحر'' میں کہا: اللہ تعالیٰ اس قرض کی ادائیگی کا ضامن ہے پس وہ مرد فقر کا خوف نہ کرے جب اس کی نیت پاک دامنی اور عفت کی ہو۔ الخ

اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس پر نکاح کرنا واجب ہے اگرچہ وہ مہر کا مالک نہ بھی ہو جب کہ وہ قرض لینے پر قادر ہو۔ یہ مذکورہ شرط کے منافی ہے مگر جب یہ کہا جائے کہ شرط مہر اور نفقہ میں سے ہر ایک کا مالک ہونا ہے اگرچہ وہ قرض لے کر ان کا مالک ہو۔ یہ کہا جائے گا کہ یہ شرط کمائی کرنے سے عاجز کے بارے میں ہے اور جس کے پاس مال واپس کرنے کی بھی کوئی صورت نہ ہو۔ کتاب الحج کے آغاز میں شارح نے کہا: اگر کسی مسلمان نے حج نہ کیا یہاں تک کہ اس نے اپنے مال کو تلف کر دیا اس کیلئے گنجائش ہے کہ وہ قرض لے اور حج کرے اگرچہ مال واپس کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غلطی پر اسکا مواخذہ نہ کرے گا۔ اس کلام سے مراد یہ ہے وہ یہ نیت تو رکھتا تھا کہ اگر قادر ہوا تو قرض واپس کرے گا۔ جس طرح ''ظہیریہ'' میں قید ذکر کی ہے۔

ہم پہلے (مقولہ 9569 میں) ذکر کر چکے ہیں مراد فی الحال اس مال کے واپس کرنے پر قادر نہ ہونا ہے۔ جب کہ ظن غالب یہ موجود ہے کہ اگر وہ کوشش کرے تو قادر ہو جائے ورنہ افضل اس کا قرض نہ لینا ہے جیسا ہم نے ذکر کیا ہے کہ قرض لینے

(وَ) یَکُونُ (سُنَّةً) مُؤَكَّدَةً فِي الْأَصَحِّ فَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ وَيُثَابُ إِنْ نَوَى تَحْصِينًا وَوَلَدًا (حَالَ الِاعْتِدَالِ) أَيْ الْقُدْرَةِ عَلَى وَطْءٍ

صحیح ترین قول کے مطابق حالت اعتدال میں یہ سنت مؤکدہ ہے۔اس کے ترک کرنے پر گناہگار ہوگا اگر اس نے عقد نکاح سے زنا کے ارتکاب سے بچنے اور اولاد کے حصول کی نیت کی جب کہ وہ وطی،

کو جو مستحب قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ وہ مال واپس کرنے کی قدرت کا گمان رکھتا ہو۔جب قرض لینا اس وقت مستحب ہے جب اسے زنا میں پڑنے سے امن ہو جب زنا میں پڑنے کا یقین ہو تو پھر قرض لینا فرض ہونا چاہیے۔ بلکہ قرض لینے کا وجوب اس وقت بھی ہوگا جب اس کو یہ ظن غالب نہ ہو کہ وہ مال واپس کر سکے گا۔اس میں خوب غور کیجئے۔

مستحب اور سنت کا بیان

11115۔(قولہ: سُنَّةً مُؤَكَّدَةً فِي الْأَصَحِّ) استحباب کے قول کی یہی مراد ہے۔اکثر مستحب کا لفظ سنت پر بول دیا جاتا ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقد نکاح فرض کفایہ ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ واجب کفایہ ہے۔اس کی مفصل وضاحت ''فتح'' میں ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقد نکاح واجب عین ہے۔''نہر'' میں اس قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح وہ قول آئے گا۔''بحر'' میں کہا: حالت اعتدال میں اس کی سنت ہونے کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے حال میں آپ کی اقتدا کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جس نے عبادت کی غرض سے تخلیہ کا ارادہ کیا اس کا رد بلیغ کرنا ہے جس طرح ''صحیحین'' میں ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی (1) جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔جس طرح ''فتح'' میں واضح کیا۔یہ تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے سے بھی بہتر ہے جس طرح ''درر البحار'' میں ہے۔ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ نوافل کے لیے تخلیہ سے یہ بہتر ہے۔

11116۔(قولہ: فَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ) کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ سنت مؤکدہ کو ترک کرنا گناہ کا باعث ہے جس طرح نماز کے احکام میں معلوم ہو چکا ہے،''بحر''۔ہم سنن الصلاۃ میں (مقولہ 4037 میں) بیان کر آئے ہیں: کبھی کبھی ترک کرنا یہ چھوٹا گناہ ہے۔مراد اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے۔اس گفتگو سے سنت مؤکدہ، واجب سے جدا ہو گئی اگرچہ ''بدائع'' کی کلام جو امامت کے باب میں ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ سوائے عبارت کے اس میں کوئی فرق نہیں۔

11117۔(قولہ: يُثَابُ إِنْ نَوَى تَحْصِينًا) تحصین سے مراد ہے وہ اپنے آپ اور اپنی بیوی کو حرام سے روکنے کی نیت کرے، اسی طرح کا حکم ہے اگر صرف اتباع اور حکم بجالانے کی نیت کرے۔جب وہ صرف شہوت اور لذت کے حصول کی نیت کرے تو پھر کوئی ثواب نہیں۔

11118۔(قولہ: الْقُدْرَةِ عَلَى وَطْءٍ) توقان میں اعتدال یہ ہے کہ واجب اور فرض میں جو معنی (شدت اشتیاق)

1۔صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، جلد 3، صفحہ 64، حدیث نمبر 4675

وَمَهْرٍ وَنَفَقَةٍ وَرَجَّحَ فِي النَّهْرِ وُجُوبَهُ لِلْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهِ وَالْإِنْكَارِ عَلَى مَنْ رَغِبَ عَنْهُ (وَمَكْرُوهًا لِخَوْفِ الْجَوْرِ) فَإِنْ تَيَقَّنَهُ حَرُمَ ذٰلِكَ

مہر اور نفقہ پر قادر ہو، ''نہر'' میں اس کے واجب ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت اختیار کی اور جو اس عقد سے اعراض کرے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اور جب ظلم کرنے کا اندیشہ ہو تو پھر عقد نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔ اگر ظلم کا یقین ہو تو پھر یہ عقد حرام ہے

(مقولہ 11112 میں) گزر چکا ہے وہ نہ ہو اور نہ اس میں حد درجہ کی شکستگی ہو جس طرح عنین میں ہوا کرتی ہے۔ ''ملتقی'' کی شرح میں کہا: وہ فتور اور شوق کے درمیان ہو۔ یہاں مہر اور نفقہ کا اضافہ کیا کیونکہ دونوں سے عجز عقد نکاح کے فرض ہونے کو ساقط کر دیتا ہے تو بدرجہ اولیٰ سنیت کو بھی ساقط کرے گا۔ ''بحر'' میں ہے: مراد وطی، مہر اور نفقہ پر قدرت کی حالت ہے ساتھ ہی ساتھ زنا، فرائض اور سنن کے ترک کا خوف نہ ہو۔ اگر وہ ان تین چیزوں میں سے کسی پر قادر نہ ہو یا ان آخری تین میں سے کسی سے خوف کھاتا ہو تو وہ معتدل نہیں ہوگا تو اس کے حق میں عقد نکاح سنت نہ ہوگا۔ جس طرح ''بدائع'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

11119۔ (قولہ: لِلْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهِ وَالْإِنْكَارِ) کیونکہ کسی عمل پر ایسا دوام جو ترک پر انکار کے ساتھ ملا ہو تو یہ وجوب کی دلیل ہوتا ہے۔ ''الرحمتی'' نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں نکاح کے ترک کرنے والے کے لیے ناپسندیدگی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ جو اس سے اعراض کرتا ہے اس کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنت سے اعراض کرنے والا انکار کا محل ہے۔

11120۔ (قولہ: وَمَكْرُوهًا) اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، ''بحر''۔

11121۔ (قولہ: فَإِنْ تَيَقَّنَهُ) اگر جور و ظلم کا یقین ہو تو نکاح حرام ہوگا۔ کیونکہ نکاح اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ نفس کو پاک دامن رکھا جائے اور ثواب حاصل کیا جائے۔ ظلم کے ساتھ وہ گنہگار ہوگا اور محرمات کا ارتکاب کرے گا۔ ان مقاصد کے غالب ہونے کی وجہ سے مصالح نکاح معدوم ہو جائیں گے۔ ''بحر''۔ علامہ ''حصکفی'' نے چھٹی قسم کو ترک کر دیا ہے جسے ''بحر'' میں ذکر کیا جو ''مجتبیٰ'' سے ماخوذ ہے۔ الخ۔ یعنی ایسا خوف ہو جو راجح نہ ہو اگر خوف راجح ہو تو نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ کیونکہ ظلم کا نہ ہونا اس کے فرائض میں سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ جب سنت کو قائم کرنے کا قصد نہ ہو بلکہ نکاح سے مقصود صرف شہوت پوری کرنا ہو اور اسے کوئی خوف نہ ہو تو اسے کوئی ثواب نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ثواب کا دارومدار تو نیت پر ہے [illegible] پھر بھی نکاح مباح ہوگا جس طرح شہوت پوری کرنے کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی کہ ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے ثواب کیسے دیا جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا معنی یہ ہے بتاؤ اگر وہ اس فعل کا ارتکاب محل حرام میں کرتا تو کیا اسے عقاب نہ دیا جاتا (1)۔ تو یہ مطلق ثواب کا فائدہ دیتا ہے۔ مگر جب یہ کہا جائے: حدیث میں مراد اپنے نفس کو پاک دامن بنانے کے لیے شہوت کو پورا کرنا ہے۔ ''الاشباہ'' میں تصریح کی گئی ہے کہ نکاح سنت مؤکدہ ہے پس نیت کی ضرورت ہوگی اور فا کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ اس کا سنت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من معروف،

وَيُنْدَبُ إِعْلَانُهُ وَتَقْدِيمُ خُطْبَةٍ وَكَوْنُهُ
اس عقد کا اعلان اور خطبہ پہلے پڑھنا مستحب ہے۔

ہونا نیت پر موقوف ہے۔ پھر فرمایا: جہاں تک مباح امور کا تعلق ہے تو ان کی صفت مختلف ہوگی اسی اعتبار سے جس کے لیے اس کا قصد کیا گیا۔ اگر اس کے ساتھ طاعات پر عمل کر کے تقویٰ اور طاعات تک پہنچنے کا قصد کیا گیا تو یہ عبادت ہوگا جس طرح کھانا، سونا، مال کمانا اور وطی کرنا۔ پھر میں نے ''فتح'' میں دیکھا کہا: ہم نے ذکر کیا ہے اگر نیت نہ کی گئی ہو تو یہ عقد مباح ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مقصود محض شہوت کا پورا کرنا ہے اور عبادت کی بنیاد اس کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ اس میں ایک اعتبار سے فضیلت ہے کیونکہ وہ مشروع طریقہ سے ہٹ کر بھی اپنی شہوت پوری کر سکتا تھا۔ اس کا مشروع طریقہ کی طرف پھرنا جب کہ اس میں اسے معلوم ہے کہ اس عقد سے کئی بوجھ اس پر لازم ہوں گے اس میں ترک گناہ کا ارادہ موجود ہے۔

11122۔ (قولہ: وَيُنْدَبُ إِعْلَانُهُ) اس عقد کا اظہار مستحب ہے۔ اعلانہ کی ضمیر نکاح کی طرف لوٹ رہی ہے جو عقد کے معنی میں ہے کیونکہ ترمذی شریف کی حدیث ہے: اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد و اضربوا عليه بالدفوف۔ (1) اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دف بجایا کرو، ''فتح''۔

خطبہ کی ایجاب وقبول پر تقدیم مستحب ہے

11123۔ (قولہ: وَتَقْدِيمُ خُطْبَةٍ) خطبہ یہ خا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد عقد سے پہلے جو حمد اور تشہد کا ذکر کیا جاتا ہے جب خا کے نیچے کسرہ دیا جائے تو اس سے مراد دعوت نکاح ہے خطبہ کو مطلق ذکر کیا ہے تو اس کلام نے یہ فائدہ دیا کہ خطبہ مخصوص الفاظ کے ساتھ متعین نہیں اگر وہ ان الفاظ کے ساتھ خطبہ دے جو اس بارے میں وارد ہیں تو یہ بہت اچھا ہے۔ ان میں سے وہ الفاظ بھی ہیں جو صاحب الحصن الحصین سے مروی ہیں (2) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُ بِهٖ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد طلب کرتے ہیں، ہم اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفوس کے شرور سے اور اپنے اعمال کی سیئات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جن کے حق میں گمراہی مقدر کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر ان آیات کی

1۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، جلد 1، صفحہ 583، حدیث نمبر 1009

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب خطبۃ النکاح، جلد 2، صفحہ 46، حدیث نمبر 1809

فِي مَسْجِدٍ يَوْمَ جُمُعَةٍ بِعَاقِدٍ رَشِيدٍ وَشُهُودٍ عُدُولٍ،
اور عقد نکاح کا مسجد میں جمعہ کے روز ہونا۔ جب کہ نکاح خواں دانشمند ہو اور عادل گواہوں کی موجودگی میں،

تلاوت کرے۔ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿ (النساء) اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ سے وہ اللہ تعالیٰ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطہ سے اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿ (آل عمران) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مومن ہو۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (الاحزاب) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی۔

جمعہ کے روز مسجد میں عقد نکاح کرنا مستحب ہے

11124۔(قولہ: فِي مَسْجِدٍ) حدیث (1) میں اس کے بارے میں حکم ہے۔

11125۔(قولہ: يَوْمَ جُمُعَةٍ) یہ جمعہ کے روز ہو، "فتح"۔

دو عیدوں کے درمیان نکاح اور زفاف کا شرعی حکم

"بزازیہ" میں کہا: دو عیدوں کے درمیان زوجہ کو حرم میں داخل کرنا اور نکاح کرنا جائز ہے اور زفاف مکروہ ہے جب کہ پسندیدہ نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں نکاح کیا تھا اور شوال میں ہی انہیں حرم میں داخل کیا تھا (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: لا نکاح بین العیدین، اگر یہ درست ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز موسم سرما کے مختصر ترین دن میں نماز عید سے لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تا کہ افضل وقت میں جمعہ کی طرف جانا فوت نہ ہو جائے۔

11126۔(قولہ: بِعَاقِدٍ رَشِيدٍ وَشُهُودٍ عُدُولٍ) یہ مناسب نہیں کہ نکاح خواں عورت کا عقد نکاح عورت کے عصبات کی موجودگی کے بغیر کرے اور نہ ہی اس کا عقد نکاح ایسے عصبہ کی موجودگی میں کرے جو فاسق ہو اور نہ ہی غیر عادل

1۔ سنن دارمی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، جلد 1، صفحہ 583، حدیث نمبر 1009

2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، جلد 2، صفحہ 325، حدیث نمبر 2601

وَالِاسْتِدَانَةُ لَهُ وَالنَّظَرُ إِلَيْهَا قَبْلَهُ، وَكَوْنُهَا دُونَهُ سِنًّا وَحَسَبًا وَعِزًّا، وَمَالًا وَفَوْقَهُ خُلُقًا وَأَدَبًا وَوَرَعًا وَجَمَالًا
عقد نکاح کے لیے قرض لینا اور عقد نکاح سے قبل اس عورت کو دیکھنا، عورت کا مرد سے عمر، حسب، عزت اور مال میں کم ہونا۔ اور خلق، ادب، تقویٰ اور جمال میں مرد سے بڑھ کر ہونا (یہ مستحب ہے)۔

گواہوں کی موجودگی میں اس کا عقد نکاح کرے تا کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف سے بچا جا سکے۔

11127۔ (قولہ: وَالِاسْتِدَانَةُ لَهُ) کیونکہ قرض کی ضمانت اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ ''امام ترمذی''، ''امام نسائی'' اور ''امام ابن ماجہ'' رحمہم اللہ نے روایت کی ہے ثلاث حق علی اللہ تعالیٰ عونهم: المكاتب الذی یرید الاداء والناكح الذی یرید العفاف والمجاهد فی سبیل الله تعالیٰ (1) تین قسم کے افراد ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے ایسا مکاتب جو مال مکاتبہ دینے کا ارادہ رکھتا ہو، ایسا نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کا ارادہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ بعض محشی علما نے اس کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں مفصل گفتگو (مقولہ 11114 میں) گزر چکی ہے۔

عقد نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا مستحب ہے

11128۔ (قولہ: وَالنَّظَرُ إِلَيْهَا قَبْلَهُ) عقد نکاح سے قبل عورت کو دیکھ لینا اگرچہ شہوت کا خوف ہو جس طرح الحظر والاباحۃ میں علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہ امر اس وقت مستحب ہوگا جب یہ علم ہو کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کی دعوت قبول کر لی جائے گی۔

11129۔ (قولہ: دُونَهُ سِنًّا) اس قید کی حکمت یہ ہے کہ وہ جلد بانجھ نہ ہو جائے اور وہ بچہ نہ جنے۔

11130۔ (قولہ: وَحَسَبًا) اس سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جنہیں تو آباء و اجداد کے فخر کے طور پر شمار کرتا ہے ''قاموس''۔ یعنی اس کے آباء و اجداد شرف، کرم اور دیانت والے لوگ ہیں۔ یہ اس وقت پیش نظر ہوں گی جب عورت مرد سے ان چیزوں میں کم مرتبہ ہو۔ اسی طرح عزت یعنی جاہ و مرتبہ میں بھی عورت مرد سے کم ہو اور مال میں بھی اس کے تابع ہو۔ عورت اسے حقیر نہ جانے مگر اس صورت میں کہ وہ بناوٹی بڑائی اور بلندی کا اظہار کرے۔ ''فتح'' میں ہے: ''طبرانی'' نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تزوج امرأة لعزها لم یزده الله الا ذلا و من تزوج لمالها لم یزده الله الا فقرا و من تزوجها لحسبها لم یزده الله الا دناءة و من تزوج امرأة لم یرد بها الا ان یغض بصره و یحصن فرجه او یصل بارك الله له فیها و بارك لها فیه (2)

جس نے کسی عورت سے اس کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے شادی کی اللہ تعالیٰ اس مرد کی ذلت میں ہی اضافہ کرے گا۔ جس نے اس عورت کے مال کی وجہ سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں ہی اضافہ فرمائے گا اور جس نے اس کے حسب کی وجہ سے شادی

1۔ سنن ترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی المجاهد والناكح، جلد 1، صفحہ 867، حدیث نمبر 1579

2۔ مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج لیغض بصرہ، جلد 2، صفحہ 310، حدیث نمبر 233، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت

وَهَلْ يُكْرَهُ الزِّفَافُ الْمُخْتَارُ لَا إِذَا لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَى مَفْسَدَةٍ دِينِيَّةٍ
کیا زفاف مکروہ ہے؟ پسندیدہ قول یہی ہے کہ یہ کوئی مکروہ نہیں جب وہ کسی دینی مفسد پر مشتمل نہ ہو۔

کی تو اللہ تعالیٰ اسکی کمینگی میں اضافہ کرے گا اور جس نے کسی عورت سے شادی کی وہ اس سے ارادہ نہیں کرتا مگر یہ کہ اپنی نظر کو جھکائے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے یا صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کیلئے اس عورت کیلئے اس میں برکت رکھ دے گا۔

وہ امور نکاح کے لیے عورت کے انتخاب کے وقت جن کا لحاظ رکھنا مستحب ہے

''بحر'' میں یہ اضافہ کیا وہ ایسی عورت کا انتخاب کرے جو دعوت نکاح اور نکاح کی ذمہ داریوں میں آسان ترین ہو۔ باکرہ عورت سے نکاح کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: علیکم بالابکار فانھن اعذب افواھا وانقی ارحاما وارضی بالیسیر (1) تم پر لازم ہے کہ باکرہ عورتوں سے شادی کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ میٹھے منہ والی، سب سے زیادہ پاکیزہ رحم والی اور تھوڑی سی چیز پر راضی ہونے والی ہوتی ہیں۔ اور اس عورت سے شادی نہ کرے جو لمبی کمزور، پست قد جو حقیر نظر آتی ہو اور نہ مکثر (مالدار) ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ صاحب اولاد ہو اور نہ ہی بوڑھی ہو۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: سیاہ رنگ کی عورت جو بچے جنے اس خوبصورت عورت سے بہتر ہے جو بانجھ ہو (2)۔ آزاد عورت کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو تو لونڈی سے شادی نہ کرے اور نہ کسی بدکار عورت سے شادی کرے۔ عورت ایسے خاوند کو پسند کرے جو دین دار ہو، اچھے اخلاق والا ہو، سخی اور خوشحال ہو۔ وہ فاسق سے شادی نہ کرے۔ کسی باپ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی جواں بیٹی کی شادی بوڑھے اور بدشکل مرد سے کرے۔ وہ اس کی شادی اس کے کفو میں کرے۔ اگر اس بچی کے لیے کفو دعوت نکاح دے تو اس میں تاخیر نہ کرے۔ کفو سے مراد ہر متقی مسلمان ہے۔ بچیوں کو زیورات اور اچھا لباس پہنانا تا کہ مرد ان میں رغبت کریں سنت ہے۔ وہ کسی ایسی عورت کو دعوت نکاح نہ دے جس کو کسی اور مرد نے دعوت نکاح دے رکھی ہو۔ کیونکہ یہ ظلم اور خیانت ہے۔

11131۔ (قولہ: وَهَلْ يُكْرَهُ الزِّفَافُ) زفاف کا لفظ زا کے کسرہ کے ساتھ ہے جس طرح کِتاب کا لفظ ہے یعنی اس کا ''فا'' کلمہ مکسور ہے۔ اس سے مراد زوجہ کو خاوند کے پاس بھیجنا ہے، ''قاموس''۔ یہاں زفاف سے مراد اس مقصد کے لیے عورتوں کا جمع ہونا ہے۔ کیونکہ عرف میں یہ اسی امر کو لازم ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

شادی کے موقع پر دف بجانے اور گانا گانے کا شرعی حکم

11132۔ (قولہ: الْمُخْتَارُ لَا) ''فتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''ترمذی'' کی جو حدیث (مقولہ 11122 میں) گزر چکی ہے اس سے استدلال کیا ہے اور ''امام بخاری'' نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: زففنا امراۃ الی رجل من الانصار فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب تزویج الابکار، جلد 1، صفحہ 578، حدیث نمبر 1850

3۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 19، صفحہ 416، حدیث نمبر 1004، مکتبۃ احیاء التراث الاسلامی

وَيَنْعَقِدُ) مُلتبسا (بِإِيجَابٍ
عقد نکاح ایک فریق کے ایجاب

یکون معہ لہو فان الانصار یعجبھم اللھو(1)۔ہم انصاری میں سے ایک مرد کے (گھر) اس کی بیوی کو لے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا ان کے ساتھ کوئی لہو کا سلسلہ نہیں تھا کیونکہ انصار کو لہو کا عمل اچھا لگتا ہے۔''امام ترمذی'' اور ''امام نسائی'' نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے: فصل ما بین الحلال والحرام الدف و الصوت(2) حلال اور حرام کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف اور آواز ہے۔

فقہا نے کہا: دف سے مراد ہے جس کی آواز زیادہ شدید نہ ہو۔''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے یہ قول منقول ہے: شادی کے موقع پر دف بجانے میں علما کا اختلاف ہے۔اسی طرح شادی اور ولیمہ کے موقع پر گانا گانے میں بھی علما نے اختلاف کیا ہے۔علما میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اسے مکروہ نہیں کہتے جس طرح دف بجانے کا معاملہ ہے۔

عقد نکاح کا رکن

11133۔(قولہ: وَيَنْعَقِدُ)''شرح وقایہ'' میں کہا: العقد ربط اجزاء التصرف عقد سے مراد تصرف کے اجزاء یعنی ایجاب وقبول کو شرعی طور پر مربوط کرنا ہے۔لیکن یہاں عقد سے مراد حاصل مصدر ہے جو ارتباط ہے۔لیکن نکاح سے مراد اس ارتباط کے ساتھ ایجاب اور قبول ہے۔ہم نے یہ قول اس لیے کیا ہے کیونکہ شرع نے ایجاب وقبول کو ہی عقد نکاح کے ارکان کے طور پر معتبر مانا ہے اور خارجیہ امور جیسے شرائط کو معتبر نہیں مانا۔میں نے ''شرح التنقیح'' میں نہی کی فصل میں اس کا ذکر کیا ہے کہ شرع یہ حکم دیتی ہے کہ ایسا ایجاب وقبول جو حساً موجود ہوں وہ ارتباط حکمی کے اعتبار سے مرتبط ہو جاتے ہیں۔پس معنی شرعی حاصل ہو جاتا ہے۔مشتری کی ملکیت اس کا اثر ہے یہی معنی، بیع ہے۔اس معنی سے مراد ایجاب وقبول کا مجموعہ ہے ساتھ ہی ساتھ شے کا ارتباط بھی ہو۔اس سے مراد یہ نہیں کہ بیع محض وہ شرعی معنی ہے اور ایجاب وقبول اس کا آلہ ہیں جس طرح بعض لوگوں کا وہم ہے۔کیونکہ ایجاب وقبول کا رکن ہونا اس کے منافی ہے۔یعنی دونوں کے آلہ ہونے کے منافی ہے۔''شارح'' نے اس امر کی طرف اشارہ کیا جب انہوں نے با حرف جار کو ملامسہ کے معنی میں لیا۔جس طرح بنیت البیت بالحجر میں ہے۔اس میں با ملامسہ کے معنی میں ہے میں نے پتھروں سے گھر بنایا استعانت کے معنی میں نہیں لیا جس طرح کتبت بالقلم میں ہے میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح، بیع اور ان دونوں کی مثل عقود اگرچہ ایجاب وقبول کے ساتھ حساً پائے جاتے ہیں لیکن ان کی یہ صفت بیان کی کہ یہ ایسے عقود ہیں جو ارکان وشرائط کے ساتھ خاص ہیں جن پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔اور اسی سے وہ عقود

1۔صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب النسوۃ اللاتی یھدین المرأۃ الی زوجھا، جلد 3، صفحہ 105، حدیث نمبر 4765

2۔سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، جلد 1، صفحہ 589، حدیث نمبر 1885

مِنْ أَحَدِهِمَا (وَقَبُولٍ) مِنَ الْآخَرِ (وُضِعَا لِلْمُضِيِّ) لِأَنَّ الْمَاضِيَ أَدَلُّ عَلَى التَّحْقِيقِ (كَزَوَّجْتُ) نَفْسِي أَوْ بِنْتِي أَوْ مُوَكِّلَتِي مِنْكَ (وَ) يَقُولُ الْآخَرُ (تَزَوَّجْتُ،

اور دوسرے فریق کے قبول سے منعقد ہو جاتا ہے۔ جو دونوں فعل ماضی کے صیغے ہوں کیونکہ فعل ماضی کا صیغہ امر کے تحقق پر زیادہ دلالت کرتا ہے جس طرح میں نے اپنی یا اپنی بیٹی یا اپنے مؤکلہ کی شادی تجھ سے کردی اور دوسرا کہے میں نے شادی کر دی یعنی میں نے اسے قبول کرلیا۔

منتفی ہو جاتے ہیں جن میں وجود شرعی نہیں ہوتا جو امر حسی سے زائد ہے۔ عقد شرعی صرف ایجاب وقبول کا نام نہیں اور نہ ہی صرف ارتباط کا نام ہے بلکہ عقد شرعی ان تینوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کا قول ینعقد سے مراد ینعقد النکاح ہے یعنی نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول سے حاصل ہو جاتا ہے۔

11134۔ (قولہ: مِنْ أَحَدِهِمَا) اس قول سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ متعاقدین (عقد نکاح کرنے والوں) میں سے جو بھی پہلے قول کرے وہ قول ایجاب ہوگا خواہ پہلے خاوند کا کلام ہو یا بیوی کا کلام ہو اور متاخر (بعد والے) کا قول قبول ہوگا۔ ''حلبی'' نے ''المنح'' سے نقل کیا ہے۔ پس قبول کے پہلے واقع ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ متعاقد کا قول تزوجت ابنتك میں نے تیری بیٹی سے شادی کی یہ ایجاب ہوگا اور دوسرے کا قول زوجتكها میں نے تیری اس سے شادی کر دی یہ قبول ہوگا۔ اس قول سے ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے جنہوں نے یہ کہا: یہ ایجاب ہر قبول کے متقدم ہونے کی مثال ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ''فتح'' میں ہے۔

عقد نکاح کے صیغے

11135۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَاضِيَ) ''بحر'' میں کہا: ماضی کا لفظ اختیار کیا گیا کیونکہ واضع لغت نے انشا کے لیے لفظ خاص وضع نہیں کیا۔ بے شک انشا کو شرع سے پہچانا گیا۔ ماضی کے لفظ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کیونکہ یہ تحقیق اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے مضارع کا صیغہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ علی التحقیق کے قول سے مراد امر جدید کے وقوع کی تحقیق ہے۔

11136۔ (قولہ: كَزَوَّجْتُ نَفْسِي) اس قول سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ ایجاب کرنے والا اصل ہو، ولی ہو یا وکیل ہو۔ منك یہ کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حضرت شارح کا اس قول سے مقصود ان الفاظ کا استیعاب واحصا نہیں جو الفاظ ایجاب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت شارح پر اس کے ساتھ اعتراض وارد ہو کہ بنتی کی مثل ابنی کا لفظ ہے، موکلتی کی مثل موکلی کا لفظ ہے۔ اور ان پر یہ بھی لازم تھا کہ وہ اپنے منك کے قول کے بعد بفتح الکاف وکسرہا کا لفظ ذکر کرتے یا مَنْ مَوليَّتِكَ یا مَنْ مُوَكِّلَتِكَ بفتح الکاف و کسرھا کے الفاظ بھی ذکر کرتے تا کہ یہ تمام احتمالات کو شامل ہو جاتا۔ اس امر کو خوب سمجھ لو۔

11137۔ (قولہ: وَيَقُولُ الْآخَرُ تَزَوَّجْت) اس سے مراد ہے میں نے اسے اپنی ذات، اپنے موکل یا اپنے بیٹے یا

وَ يَنْعَقِدُ أَيْضًا (بِمَا) أَيْ بِلَفْظَيْنِ (وُضِعَ أَحَدُهُمَا لَهُ) لِلْمُضِيِّ (وَالْآخَرُ لِلِاسْتِقْبَالِ) أَوْ لِلْحَالِ، فَالْأَوَّلُ الْأَمْرُ (كَزَوِّجْنِي) أَوْ زَوِّجِينِي نَفْسَكِ أَوْ كُونِي امْرَأَتِي فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِيجَابٍ بَلْ هُوَ تَوْكِيلٌ ضِمْنِيٌّ

اور عقد نکاح ایسے دو لفظوں کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک فعل ماضی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور دوسرا استقبال کے لیے یا حال کے لیے ہو، پہلا امر کا صیغہ ہے جس طرح زوجنی۔ یا تو عورت مجھ سے شادی کر لے یا میری بیوی ہو تو یہ ایجاب نہیں بلکہ یہ توکیل ضمنی ہے

اپنی بیٹی کے لیے قبول کر لیا۔

11138۔(قولہ: فَالْأَوَّلُ) یعنی پہلا امر اد ایجاب کا لفظ استقبال کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

11139۔(قولہ: نَفْسَكِ) یہ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ زوجینی کا مفعول ہے یا کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ زوجنی کا مفعول بہ ہے۔ اس کلام میں دو فعلوں میں سے ایک فعل کا مفعول محذوف ہے۔ اگر اس موجود مفعول کو حذف کرتے تو یہ ولی اور وکیل کو بھی شامل ہو جاتا۔ اسے ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

11140۔(قولہ: أَوْ كُونِي امْرَأَتِي) اسی کی مثل کونی امراۃ ابنی او امرأۃ مؤکلی ہے یعنی میرے بیٹے کی بیوی ہو جا یا میرے موکل کی بیوی بن جا۔ اسی طرح یہ کلام ہے کن زوجی او کن زوج بنتی او زوج موکلتی میرا خاوند بن جا یا میری بیٹی کا خاوند ہو جا یا میری مؤکلہ کا خاوند ہو جا۔ اسے ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

11141۔(قولہ: فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِيجَابٍ) اس میں فافصیحہ ہے یعنی جب تو نے پہچان لیا ہے کہ حضرت مصنف کا قول بما وضع حضرت مصنف کے قول بایجاب و قبول پر معطوف ہے۔ اور تو نے یہ بھی پہچان لیا ہے کہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے تو تو نے یہ بھی پہچان لیا ہوگا کہ لفظ امر ایجاب نہیں۔ لیکن اس صورت میں یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے فریق کا قول زوجت قبول نہیں بنے گا۔ یہ اسی طرح ہے یعنی یہ قول محض نہیں۔ بلکہ یہ ایجاب و قبول کے قائم مقام ہے جس طرح حضرت شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حال کا استقبال پر عطف یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا قول اتزوجك ایجاب نہ ہو اور عورت کا قول قبلت جب کہ وہ مرد کے قول کے جواب میں ہو یہ قبول نہ ہو جب کہ یہ دونوں قطعی طور پر ایجاب و قبول ہیں، ''ح''۔

11142۔(قولہ: بَلْ هُوَ تَوْكِيلٌ ضِمْنِيٌّ) یعنی مرد کا قول زوجنی مامور کو معنوی اعتبار سے نکاح کا وکیل بنانا ہے۔ اگر وہ صراحۃً اسے وکیل بناتا اور کہتا وکلتك بان تزوجی نفسك منی فقالت زوجت میں نے تجھے وکیل بنایا کہ تو اپنا نکاح مجھ سے کر دے تو عورت کہے میں نے نکاح کر لیا تو نکاح صحیح ہو جاتا۔ یہاں حکم اسی طرح ہے ''غایۃ البیان''۔ حضرت شارح نے ضمنی کے لفظ سے اس اعتراض کا جواب دینے کا ارادہ کیا جو ان پر وارد کیا گیا کہ اگر یہ توکیل (وکیل بنانا) ہوتا تو یہ امر مجلس تک محدود نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ اختیار مجلس تک محدود ہوتا ہے۔

(فَإِذَا قَالَ) فِي الْمَجْلِسِ (زَوَّجْتُ) أَوْ قَبِلْتُ أَوْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ بَزَّازِيَّةٌ قَامَ مَقَامَ الطَّرَفَيْنِ وَقِيلَ هُوَ إِيجَابٌ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ

جب اس نے مجلس میں کہا: زوجت (میں نے شادی کی یا کہا قبلت میں نے قبول کیا یا کہا سر آنکھوں پر، ''بزازیہ''۔ تو اس کا یہ قول ایجاب وقبول دونوں طرفوں کے قائم مقام ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ایجاب ہے اور ''البحر'' میں اسے ترجیح دی ہے۔

''رحمتی'' نے جس طرح بیان کیا ہے: جواب کی توضیح یوں ہے کہ متضمن (اسم مفعول) کی شروط کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ متضمن (اسم فاعل) کی شروط کا اعتبار ہوتا ہے۔ امر سے مراد نکاح کا طلب کرنا ہے اس میں نکاح کی شروط ملحوظ خاطر ہوں گی جیسے عقد کے دونوں رکنوں (ایجاب وقبول) میں مجلس کا ایک ہونا اس کی شروط کا اعتبار نہیں ہوگا جو امر اس کے ضمن میں سمجھا رہا ہے جیسے وکالت۔ جس طرح کوئی آدمی کہے: اعتق عبدك عني بالف میری طرف سے ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کر دو جب اس قول میں بیع ضمنی طور پر سمجھی جا رہی ہے تو اس میں ایجاب وقبول شرط نہ ہوں گے۔ کیونکہ آزادی میں یہ دونوں شروط نہیں۔ کیونکہ آزاد کرنے میں صرف ملکیت شرط ہے اور وہ مقتضی جو عتق ہے کے تابع ہے۔ کیونکہ شروط تابع ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے بیع جو مقتضی ہے مقتضی کی شروط کے ساتھ ثابت ہو جائے گی۔ اور مقتضی عتق ہے وہ یعنی بیع اپنی شروط کے ساتھ ثابت نہ ہو گی۔ تاکہ تبعیت کا اظہار ہو تو قبول جو بیع کا رکن ہے وہ ساقط ہو جائے گا اس میں خیار رؤیت اور خیار عیب ثابت نہ ہوگا۔ اس میں یہ شرط بھی نہ ہوگی کہ اس کا سپرد کرنا اس کی قدرت میں ہو۔ جس طرح ''منح'' میں نکاح الرقیق کے آخر میں اس امر کا ذکر کیا۔

11143۔ (قولہ: فَإِذَا قَالَ) یہاں قال کی ضمیر سے مراد وہ فرد ہے جسے نکاح کا حکم دیا گیا۔

11144۔ (قولہ: أَوْ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ) اس کا تعلق کلام محذوف سے ہے جس پر مذکور فعل دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: زوجت او قبلت ملتبسا بالسمع والطاعة لامرك۔ اس کے امر پر سمع اور طاعت حاصل نہیں ہو سکتی مگر جواب کو ایسے فعل ماضی کے ساتھ مقدر مانا جائے جس سے مراد انشا ہو تاکہ عقد کی شرط مکمل ہو کہ ان میں سے ایک صیغہ ماضی کا ہو۔

11145۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) ''بزازیہ'' کی عبارت کی نص یہ ہے: قال زوجي نفسك مني فقالت بالسمع والطاعة مرد نے کہا: تو اپنی شادی مجھ سے کر دے تو عورت نے کہا: بالسمع والطاعة حکم سر آنکھوں پر۔ تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔ ... ''بحر'' میں ''نوازل'' سے منقول ہے۔ ایک اور جگہ خلاصہ سے اسے نقل کیا ہے اسے خوب ذہن نشین کر لو۔

11146۔ (قولہ: هُوَ إِيجَابٌ) یہ کلام قول بل ھو توکیل کے مقابل ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''مجمع'' میں پہلے قول پر عمل کیا اور ''فتح'' میں اسے محققین کی طرف منسوب کیا۔ ''کنز'' کی ظاہر عبارت میں دوسرے قول کو اپنایا۔ ''درر'' میں اس پر اعتراض کیا کہ یہ ان کی کلام کے مخالف ہے۔ ''بحر'' اور ''نہر'' میں اس کا جواب دیا کہ ''خلاصہ'' اور ''خانیہ'' میں اس کی وضاحت کی۔ ''خانیہ'' میں کہا: نکاح میں امر کا صیغہ ایجاب ہے۔ اسی طرح خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی امر کا صیغہ ایجاب ہے۔ ''فتح'' میں کہا: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ ایجاب نہیں ہوتا مگر ایسا لفظ جو معنی کا فائدہ دے معنی کے تحقق کا قصد کیا جائے یا قصد نہ کیا

....

جائے۔ لفظ امر پر یہ چیز صادق آتی ہے۔ پھر کہا: ظاہر یہ ہے اس میں توکیل کا اعتبار کرنا ضروری ہے مگر نکاح اور بیع میں فرق کی بحث باقی ہے کیونکہ بیع بعنیه بکذا (مجھے یہ اتنے میں بیچ دو) فیقول بعت (وہ کہتا ہے میں نے بیچ دیا) جب یہ جواب کے بغیر ہو تو بیع مکمل نہیں ہوگی۔ لیکن ''بحر'' میں ''الفتح'' کے (باب البیوع) سے فرق نقل کیا گیا ہے کہ نکاح میں بھاؤ تاؤ داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ نکاح کا انعقاد بحث وتمحیص کے بعد ہوتا ہے پس یہ تحقیق کے لیے ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ''بحر'' میں یہ ذکر کیا کہ یہ ایجاب ہے۔ خلاصہ میں ہے: اگر نکاح کے وکیل نے کہا: اپنی بیٹی فلاں کے لیے ہبہ کر دو تو باپ نے کہا: میں نے ہبہ کر دی تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا جب تک وکیل بعد میں نہ کہے: میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ کیونکہ وکیل کسی اور کو وکیل بنانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور جو ''ظہیریہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: اپنی بیٹی میرے بیٹے کے لیے ہبہ کر دو۔ اس نے کہا: میں نے ہبہ کر دی عقد نکاح صحیح نہ ہوگا جب تک بچے کا باپ نہ کہے میں نے اسے قبول کر لیا۔ پھر اس قول کے ساتھ جواب دیا: مگر یہ قول کیا جائے کہ یہ اس قول کی تفریع ہے کہ یہ توکیل ہے ایجاب نہیں۔ اس وقت دونوں قولوں کے درمیان اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہو جائے گا۔ مگر یہ نقل پر موقوف ہوگا۔ ''فتح'' میں تصریح کی گئی ہے کہ اس قول کی بنا پر کہ امر توکیل ہے تو جواب کے ساتھ عقد مکمل ہو جائے گا۔ اور اس قول کی بنا پر کہ یہ ایجاب ہے عقد کی تکمیل ان دونوں کے ساتھ قائم ہوگی۔ اس قول کی بنا پر کہ یہ توکیل ہے اس سے آمر کا قول قبلت لازم نہیں آتا۔ یہ مذکورہ جواب کے خلاف ہے۔ اسی طرح ''خلاصہ'' کی تعلیل کے خلاف ہے کہ وکیل کو حق نہیں کہ وہ کسی کو آگے وکیل بنائے۔ ہاں ''ظہیریہ'' میں جو کچھ ہے وہ جواب کا مؤید ہے۔ لیکن ''نہر'' میں کہا: ''ظہیریہ'' میں جو ہے وہ مشکل ہے کیونکہ یہ تصریح صحیح نہیں کہ امر ایجاب ہے۔ جس طرح یہ ظاہر ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ توکیل ہے۔ کیونکہ باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائے۔ کیونکہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو عقد کی تکمیل مجیب کے ساتھ ہی ہو جائے گی یہ باپ کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا۔ اس گفتگو سے وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو ''بحر'' میں ہے کہ یہ اس امر کی تفریع ہے کہ یہ توکیل ہے۔ لیکن ''علامہ مقدسی'' نے اپنی شرح میں کہا: عقد نکاح کا انعقاد قبول پر موقوف ہوگا جب باپ یا وکیل کہے اپنی بیٹی فلاں کے لیے ہبہ کر دے یا میرے بیٹے کے لیے ہبہ کر دے یا وہ عطا کر دے مثلاً۔ کیونکہ یہ امر کا صیغہ طلب میں ظاہر ہے۔ یہ ایسا فعل ہے جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے جس سے حال اور تحقیق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کے ساتھ عقد مکمل نہ ہوگا۔ لیکن یہ صورت مختلف ہوگی زوجنی ابنتك بکذا میری شادی اپنی بیٹی سے اتنے کے بدلے میں کر دے۔ یہ گفتگو دعوت نکاح وغیرہ کے بعد ہوگی۔ کیونکہ یہ کلام تحقیق اور اس اثبات میں ظاہر ہے جو ایجاب کا معنی ہے۔ اس نکتہ لطیفہ کو خوب ذہن نشین کر لو۔

''بحر'' میں ہے کہ یہ قول اس قول پر مبنی ہے کہ یہ توکیل ہے گواہوں کا صیغہ امر کا سننا شرط نہیں کیونکہ توکیل پر گواہ بنانا شرط نہیں دوسرے قول کی بنا پر گواہ بنانا شرط ہے۔ پھر ''معراج'' سے ایسی عبارت ذکر کی جو مطلق شرط ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ بے شک زوجنی کا لفظ اگرچہ وکیل بنانا ہے لیکن جب زوجت کا لفظ اس کے بغیر عمل نہیں کرتا تو اسے عقد کی شرط کے قائم مقام

وَالثَّانِي الْمُضَارِعُ الْمَبْدُوُّ بِهَمْزَةٍ أَوْ نُونٍ أَوْ تَاءٍ كَتُزَوِّجِينِي نَفْسَكِ إِذَا لَمْ يَنْوِ الِاسْتِقْبَالَ
دوسرا مضارع کا صیغہ ہے جو ہمزہ سے شروع ہو، نون سے شروع ہو یا تا سے جیسے تنزوجینی نفسك تو مجھ سے شادی کر جب وہ اس سے استقبال مراد نہ لے۔

رکھ دیا۔ پھر ''ظہیریہ'' سے ایسی بات ذکر کی جو اس کے برعکس پر دلالت کرتی ہے اس سے مراد وہ ہے جسے شارح عقد بالکتابۃ کے مسئلہ کے قریب ذکر کریں گے اور اس کی وضاحت آگے (مقولہ 11162 میں) آئے گی۔

11147۔(قولہ: وَالثَّانِي) اس سے مراد جو فعل زمانہ حال کے لیے وضع کیا گیا۔ یہی قول ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ ہے متکلم کا قول کل مملوك املکه فهو حر۔ جو اس وقت اس کی ملکیت میں تھا وہ سب آزاد ہو جائے گا۔ بعد میں جو غلام اس کی ملک میں آئے وہ آزاد نہیں ہوگا۔ مگر جب ان کی بھی نیت کر لی جائے اور یہ قول کہ یہ زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص ہے تو اس کے قول اتزوجك کے ساتھ بھی عقد نکاح منعقد ہونا چاہیے کیونکہ یہ زمانہ حال کا احتمال رکھتا ہے جس طرح کلمہ شہادت ہے۔ یہاں اس سے مراد انہوں نے تحقیق (امر کو ثابت کرنا) لی ہے بھاؤ تاؤ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے دعوت نکاح ہوئی اور نکاح کے مقدمات ہوئے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ یہ روایت ''محیط'' سے مروی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جب حال میں حقیقت ہے تو اس کے ساتھ عقد نکاح کے انعقاد میں کوئی کلام نہیں۔ اسی طرح جب وہ استقبال میں حقیقت ہو کیونکہ حال کے ارادہ پر قرینہ موجود ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے استقبال اور وعدہ کا ارادہ کیا تھا تو قبول کے ساتھ جب عقد مکمل ہو گیا تو اس کے دعویٰ کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ قریب ہی بحث (مقولہ 11151 میں) آئے گی جو اسی امر کی تائید کرے گی۔

11148۔(قولہ: الْمَبْدُوءُ بِهَمْزَةٍ) جیسے اتزوجك کاف ضمیر پر فتحہ ہو یا کسرہ ہو۔ ''ح''۔

11149۔(قولہ: أَوْ نُونٍ) ''نہر'' میں بحث کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا جب یہ کہا: انہوں نے اس مضارع کا ذکر نہیں کیا جو نون کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ جیسے نتزوجك او نزوجك من ابنی مناسب تو یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہو جس طرح وہ مضارع کا صیغہ ہے جو ہمزہ کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

11150۔(قولہ: كَتُزَوِّجِينِي) اس میں تا پر ضمہ ہے اور نفسك میں کاف مکسور ہے۔ اس کی مثل تزوجنی نفسك ہے تا پر ضمہ اور کاف پر زبر ہے۔ اس صورت میں خطاب مذکور ہے اے مرد تو میری اپنی ذات سے شادی کر لے۔

11151۔(قولہ: إِذَا لَمْ يَنْوِ الِاسْتِقْبَالَ) جب وہ استیعاد یعنی وعدہ طلب کرنے کی نیت نہ کرے۔ یہ آخر میں قید ہے جس طرح ''بحر'' اور دوسری کتب میں ہے۔ ''فتح'' کی عبارت ہے: جب ہم نے یہ جان لیا کہ عقد نکاح کے انعقاد کے ثبوت اور اس کے حکم کے لزوم میں شرع کی جانب سے پیش نظر جانب رضا ہے تو ہم نے اس کے حکم کو ہر اس لفظ کی طرف متعدی کر دیا جو اس کا فائدہ دے جب کہ ایسا احتمال نہ ہو جو طرف آخر کے مساوی ہو۔ پس ہم نے کہا: اگر اس نے ایسا مضارع کا صیغہ استعمال کیا جو ہمزہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس نے کہا اتزوجك تو عورت نے کہا: زوجت نفسی تو عقد نکاح

وَكَذَا أَنَا مُتَزَوِّجُكِ أَوْ جِئْتُكِ خَاطِبًا
اس طرح یہ جملہ ہے انا متزوجك (میں تیری شادی کرنے والا ہوں) یا جئتك خاطبا ہے

منعقد ہو جائے گا۔ اور مضارع کا ایسا صیغہ جو تا سے شروع ہوتا ہے جیسے تزوجنی بنتك تو جواب میں اس نے کہا میں نے ایسا کر دیا جب کہ تزوجنی بنتك کا قول کرنے والے کے پیش نظر وعدہ لینے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ اس قول میں یہ احتمال متحقق ہوتا ہے۔ پہلے قول اتزوجك کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے وعدہ کی خبر نہیں چاہتا۔ جب معاملہ اس طرح ہے اور نکاح ان چیزوں میں سے ہے جس میں بھاؤ تاؤ جاری نہیں ہوتا تو وہ فی الحال امر کو ثابت کرنے کے لیے ہوگا۔ اس کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جائے گا نہ اس اعتبار سے کہ وہ انشا کے لیے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس اعتبار سے عقد نکاح منعقد ہوگا کہ اسے تحقیق کی غرض کے لیے اور اس کی جانب سے رضا کے فائدے دینے کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم نے کہا: اگر اس نے کلمہ استفہام کی تصریح کر دی تو زمانہ حال کے سمجھنے کا اعتبار ہوگا۔ "شرح طحطاوی" میں کہا: اگر اس نے کہا: هل اعطیتنیها تو جواب میں اس نے کہا اعطیت اگر مجلس وعدہ کی ہو تو یہ وعدہ ہوگا اگر مجلس عقد کی ہو تو یہ عقد نکاح ہوگا۔

علامہ "رحمتی" نے کہا: پس ہم جان گئے کہ اعتبار ان کی کلام سے جو ظاہر ہوگا اس کا ہے ان دونوں کی نیتوں کا اعتبار نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عقد نکاح ہنسی مذاق سے بھی منعقد ہو جاتا ہے اور ہنسی مذاق کرنے والے نے نکاح کا ارادہ نہیں کیا ہوتا۔ مضارع کا وہ صیغہ جو تا سے شروع ہو اس میں استقبال کی نیت صحیح ہوتی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں اس سے حرف استفہام کی تقدیر عام ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مضارع کا وہ صیغہ جو ہمزہ کے ساتھ شروع ہو جس طرح اس کے ساتھ وعدہ لینا صحیح نہیں اس میں زمانہ مستقبل میں تزوج کا وعدہ بھی صحیح نہ ہوگا جب کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو تحقیق اور رضا کے ارادہ پر دلالت کرے۔ جس طرح ہم نے ابھی ابھی بحث کی ہے۔ اس بات کو خوب سمجھ لو۔

11152۔ (قولہ: وَكَذَا أَنَا مُتَزَوِّجُكِ) "فتح" میں اس پر گفتگو کی جب کہا: انا متزوجك کے قول کے ساتھ عقد نکاح کا انعقاد ہو تو مناسب تو یہ ہے کہ یہ بھی اس فعل مضارع کے صیغہ کی مثل ہو جس کے شروع میں ہمزہ ہوتا ہے۔

"حلبی" نے کہا: کیونکہ متزوج اسم فاعل ہے۔ اسم فاعل کا صیغہ اس ذات کے لیے موضوع ہے جس کے ساتھ معنی حدثی قائم ہوتا ہے اور تکلم کے وقت وہ متحقق ہوتا ہے۔ پس وہ زمانہ حال پر دال ہوگا۔ اگرچہ اس پر اس کی دلالت دلالت التزامیہ ہوگی۔

11153۔ (قولہ: أَوْ جِئْتُكِ خَاطِبًا) "فتح" میں کہا: اگر اس نے اسم فاعل کا صیغہ ذکر کیا جس طرح جئتك خاطبا بابنتك یا کہا جئتك لتزوجنی ابنتك میں تیرے پاس آیا اس حال میں کہ تیری بیٹی کو دعوت نکاح دوں میں آیا تا کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دے تو باپ نے کہا زوجتك میں نے تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔ تو نکاح لازم ہو جائے گا۔ دعوت نکاح دینے والے کے لیے یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ قبول نہ کرے کیونکہ اس میں بھاؤ تاؤ جاری نہیں ہوتا۔

"حلبی" نے کہا: اگر تو کہے: اس مسئلہ میں ایجاب و قبول دونوں ماضی کے صیغے ہیں یہاں اس کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ میں نے اس کا جواب دیا: یہاں معتبر اس کا قول خاطبا ہے اس کا قول جئتك نہیں کیونکہ جئتك سے عقد نکاح

لِعَدَمِ جَرَیَانِ الْمُسَاوَمَةِ فِی النِّکَاحِ أَوْ هَلْ أَعْطَیْتَنِیهَا إنْ الْمَجْلِسُ لِلنِّکَاحِ، وَإِنْ لِلْوَعْدِ فَوَعْدٌ: وَلَوْ قَالَ لَهَا یَا عِرْسِی فَقَالَتْ لَبَّیْكَ انْعَقَدَ عَلَی الْمَذْهَبِ (فَلَا یَنْعَقِدُ) بِقَبُولٍ بِالْفِعْلِ کَقَبْضِ مَهْرٍ وَلَا بِتَعَاطٍ

کیونکہ عقد نکاح میں بھاؤ تاؤ جاری نہیں ہوتا یا کیا تو نے وہ مجھے عطا کر دی ہے مجلس نکاح کی ہو (تو نکاح)۔ اگر مجلس وعدہ کی ہو تو وعدہ۔ اگر مرد نے عورت سے کہا: اے میری دلہن! عورت نے جواب دیا لبیک (میں حاضر) تو مذہب کے مطابق عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا اگر اس نے کسی فعل کے ساتھ اسے قبول کیا جس طرح مہر پر قبضہ کرنا اور نہ ہی عقد نکاح منعقد ہوگا باہم لینے دینے سے۔

منعقد نہیں ہوتا اس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

11154۔ (قولہ: لِعَدَمِ جَرَیَانِ الْمُسَاوَمَةِ فِی النِّکَاحِ) یہ قول کر کے بیع سے احتراز کیا۔ اگر اس نے کہا انا مشتر یا کہا: جئتك مشتریا تو بیع منعقد نہیں ہوگی کیونکہ اس میں بھاؤ تاؤ جاری ہوتا ہے،'' ط''۔

11155۔ (قولہ: إنْ الْمَجْلِسُ لِلنِّکَاحِ) یعنی مجلس، عقد نکاح کے انعقاد کے لیے ہو۔ کیونکہ اس سے فی الحال عقد نکاح کو ثابت کرنے کا معنی سمجھا جاتا ہے۔ جب دوسرے نے کہا: اعطیتکھا یا کہا فعلت تو عقد نکاح لازم ہوگا پہلے کے لیے یہ کوئی حق نہ ہوگا کہ وہ قبول نہ کرے۔

11156۔ (قولہ: انْعَقَدَ عَلَی الْمَذْهَبِ) صحیح بات یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ''بحر'' میں ''صیرفیہ'' سے نقل ہے کہ اس صورت میں عقد نکاح کو تسلیم کرنا ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اسی کی مثل ''نہر'' میں ہے۔ ''شرح المقدسی'' '' الشریعہ'' کے فوائد سے اسی طرح ہے۔ '' تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک مرد نے لوگوں کی موجودگی میں ایک عورت سے کہا: عروسی اے میری دلہن! اس عورت نے کہا: لبیك (میں حاضر ہوں) تو نکاح ہو جائے گا قاضی ''بدیع الدین'' نے کہا: یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے۔

11157۔ (قولہ: فَلَا یَنْعَقِدُ) یہ اس پر تفریع ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ عقد نکاح دو لفظوں سے منعقد ہوتا ہے،'' ح''۔

11158۔ (قولہ: کَقَبْضِ مَهْرٍ) ''بحر'' میں کہا: کیا فعل کے ساتھ قبول ہو سکتا ہے جس طرح لفظ کے ساتھ قبول ہوتا ہے جس طرح بیع میں فعل کے ساتھ قبول ہو جاتا ہے؟ ''بزازیہ'' میں کہا: صاحب ''ہدایہ'' نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جواب دیا جس نے گواہوں کی موجودگی میں ہزار کے بدلے میں ایک مرد سے عقد نکاح کیا۔ خاوند نے اسے پیچھے نہ کہا تھا مجلس میں اسے مہر دے دیا تو یہ قبول ہوگا۔ صاحب ''محیط'' نے اس کا انکار کیا۔ اور کہا: عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا جب تک اس نے زبان سے قبلت کے الفاظ نہ کہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تعاطی (باہم لینے دینے) سے منعقد ہو جاتی ہے۔ عقد نکاح اپنی شان و عظمت کی وجہ سے منعقد نہیں ہوتا یہاں تک کہ یہ گواہوں پر موقوف ہوتا ہے۔ فضولی کے نکاح کی اجازت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں بھی قول موجود ہوتا ہے،'' ح''۔

11159۔ (قولہ: وَلَا بِتَعَاطٍ) یہ بالفعل کقبض مهر کے قول کا تکرار ہے۔ اور ان دونوں (بالفعل اور قبض مہر) میں

وَلَا بِكِتَابَةِ حَاضِرٍ بَلْ غَائِبٍ بِشَرْطِ إِعْلَامِ الشُّهُودِ بِمَا فِي الْكِتَابِ مَا لَمْ يَكُنْ بِلَفْظِ الْأَمْرِ فَيَتَوَلَّى الطَّرَفَيْنِ فَتْحٌ

حاضر کی کتابت سے عقد نکاح نہیں بلکہ غائب کی کتابت سے منعقد ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ مکتوب میں جو کچھ ہے گواہوں کو اس سے آگاہ کر دیا جائے جب تک وہ صیغہ امر سے نہ ہو پس وہ دونوں طرفوں کا والی ہو جائے گا ''فتح''۔

یہ ایک کا متن کے آنے والے قول ولا بتعاط کے ساتھ تکرار ہے۔ کیونکہ مہر پر قبضہ کرنے کا مسئلہ جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ اسے ''بحر'' سے نقل کیا ہے۔ مصنف نے اپنے قول ولا بِتَعَاطٍ کے ساتھ اس کی شرح کی ہے۔

11160۔ (قولہ: وَلَا بِكِتَابَةِ حَاضِرٍ) اگر مرد نے لکھا میں نے تجھ سے شادی کر لی اور عورت نے لکھا میں نے عقد نکاح کو قبول کر لیا تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا ''بحر''۔ زیادہ ظاہر یہ تھا کہ کہتے فقالت قبلت پس عورت نے کہا: میں نے قبول کر لیا (عقد نکاح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ قول کے بغیر دونوں جانب سے کتابت (تحریر) کنایہ نہیں بنتی اگر چہ غیبوبت کی صورت میں ہو اس میں خوب غور وفکر کر لو۔

11161۔ (قولہ: بَلْ غَائِبٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد مجلس سے غائب ہے اگر چہ شہر میں وہ حاضر ہو ''ط''۔

مکتوب کے ذریعے شادی کرنا

11162۔ (قولہ: فَتْحٌ) کیونکہ انہوں نے کہا: نکاح تحریر سے اسی طرح منعقد ہو جاتا ہے جس طرح خطاب (گفتگو) سے عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ مرد دعوت نکاح کے طور پر عورت کو خط لکھے۔ جب مکتوب عورت تک پہنچے وہ گواہوں کو حاضر کرے اور ان پر اس مکتوب کو پڑھے اور کہے: میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے، یا وہ کہے: فلاں نے مجھے دعوت نکاح دیتے ہوئے خط لکھا ہے گواہ ہو جاؤ میں نے اس سے شادی کر لی ہے۔ اگر اس نے ان کے سامنے زوجت نفسی من فلان (میں نے اس سے شادی کر لی ہے) کے سوا کوئی کلام نہ کی تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دونوں شطروں کا سماع شرط ہے۔ اس کا انہیں مکتوب سنانا یا اپنی طرف سے اس کے قول کی تعبیر کو سننے سے ان گواہوں نے دونوں شطروں کو سن لیا ہے۔ جب وہ دونوں نہ ہوں تو معاملہ مختلف ہوگا۔

''مصفی'' میں کہا: یہ اختلاف اس صورت میں ہوگا جب مکتوب تزوج کے لفظ کے ساتھ ہو۔ مگر جب وہ لفظ امر کے ساتھ ہو جس طرح اس کا قول ہے زوجنی نفسک منی مجھ سے اپنی شادی کر لو۔ اس میں عورت پر یہ لازم نہیں کہ مکتوب میں جو کچھ ہے اس پر گواہوں کو آگاہ کرے۔ کیونکہ عورت وکالت کے حکم سے عقد کی دونوں طرفوں کی والی بن چکی ہے۔ یہ ''کامل'' سے نقل کیا ہے۔ صیغہ امر کی صورت میں اختلاف کی نفی کا جو قول نقل کیا ہے مصنف اور محققین کے قول کے مطابق اس میں کوئی شبہ نہیں مگر جس نے صیغہ امر ایجاب بنایا ہے جس طرح ''قاضی خان''۔ ہم نے ان سے اسے (مقولہ 11146 میں) نقل کیا ہے

وَلَا (بِالْإِقْرَارِ عَلَى الْمُخْتَارِ) خُلَاصَةٌ كَقَوْلِهِ هِيَ امْرَأَتِي لِأَنَّ الْإِقْرَارَ إِظْهَارٌ لِمَا هُوَ ثَابِتٌ، وَلَيْسَ بِإِنْشَاءٍ (وَقِيلَ إِنْ) كَانَ (بِمَحْضَرٍ مِنَ الشُّهُودِ صَحَّ) كَمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ الْجَعْلِ

اور مختار مذہب کے مطابق نکاح کے اقرار سے بھی عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا ''خلاصہ''۔ جس طرح مرد کا یہ قول: یہ میری بیوی ہے۔ کیونکہ اقرار اس کا اظہار ہے جو ثابت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو نکاح صحیح ہوگا جس طرح لفظ جعل سے عقد نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

تو عورت پر لازم ہوگا کہ مکتوب میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں گواہوں کو آگاہ کرے۔

مصنف کے قول لا شبهة فيه۔ اس کے بارے میں ''رحمتی'' نے کہا: اس میں مناقشہ ہے۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے جس نے کہا: یہ توکیل ہے وہ یہ بھی کہتا ہے یہ توکیل ضمنی ہے۔ پس یہ ثابت ہو جاتی ہے ان شروط کے ساتھ جنہیں یہ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوں وہ ایجاب ہے جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی شرطوں میں سے گواہوں کا سننا بھی ہے۔ یہاں دونوں قولوں پر سماع کی شرط ہونی چاہیے مگر اس صورت میں کہ یہ کہا جائے کہ یہاں نص پائی گئی ہے کہ سماع واجب نہیں پس اس کی طرف سے رجوع کیا گیا ہے۔

تنبیہ

اگر خاوند مکتوب گواہوں کے پاس لایا تو اس نے کہا: یہ فلاں عورت کی جانب میرا مکتوب ہے اس پر گواہ بن جاؤ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ جائز نہیں یہاں تک کہ گواہ جان لیں کہ مکتوب میں کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب عقد کے بعد خاوند مکتوب کا انکار کر دے۔ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ اس کا مکتوب ہے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی گواہی نہ دی اس شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اور نکاح کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شہادت قبول کی جائے گی اور نکاح کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے وہ تو گواہی کے بغیر بھی صحیح ہے۔ جہاں تک گواہی کا تعلق ہے یہ اس لیے ہے تا کہ عورت مکتوب کو ثابت کر سکے جب خاوند اس کا انکار کر دے جس طرح ''فتح'' میں ''شیخ الاسلام'' کی ''مبسوط'' سے منقول ہے۔

11163۔ (قولہ: وَلَا بِالْإِقْرَارِ) یہ قول اس تصریح کے منافی نہیں جو علما نے کی ہے کہ نکاح، تصادق سے ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں مراد ہے کہ اقرار عقد کے صیغوں میں سے نہیں۔ اور علما کے قول الا يثبت بالتصادق کا مطلب ہے کہ قاضی باہم تصدیق سے اسے ثابت کر دے گا۔ اور ''ابوسعود''، ''حانوتی'' سے یہی حکم نقل کرتے ہیں۔

11164۔ (قولہ: كَمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ الْجَعْلِ) یعنی گواہوں نے کہا: تم دونوں نے اسے نکاح بنا دیا ہے تو انہوں نے کہا: ہاں۔ تو عقد نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ عقد نکاح جعل سے منعقد ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عورت نے اگر یہ کہا: میں نے اپنے آپ کو تیری بیوی بنا لیا ہے مرد نے اسے قبول کر لیا تو عقد نکاح مکمل ہو جائے گا، ''فتح''۔

(وَجُعِلَ) الْإِقْرَارُ (إِنْشَاءً، وَهُوَ الْأَصَحُّ) ذَخِيرَةٌ (وَلَا يَنْعَقِدُ بِتَزَوَّجْتُ نِصْفَكِ عَلَى الْأَصَحِّ) احْتِيَاطًا خَانِيَةٌ
اور اقرار کو انشا بنایا جائے گا یہی اصح ہے۔ صحیح ترین قول کے مطابق عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا جب کوئی مرد کہے میں نے تیرے نصف سے شادی کی یہ بطور احتیاط ہے ''خانیہ''۔

شارح کی عبارت میں تشبیہ کا مقتضا یہ ہے کہ یہ دونوں قولوں پر صحیح ہے یہ امر تو ظاہر ہے۔

11165۔(قولہ: وَجُعِلَ) یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اس کا عطف صح پر ہے۔

11166۔(قولہ: ذَخِيرَةٌ) کیونکہ اس نے کہا: ''الاصل'' کے باب الصلح میں ذکر کیا گیا ہے: ایک مرد نے عورت کے بارے میں نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے نکاح کا انکار کر دیا۔ مرد نے عورت سے اس امر پر صلح کی کہ وہ عورت کو سو دے گا شرط یہ ہے کہ عورت نکاح کا اقرار کرے عورت نے عقد نکاح کا اقرار کرلیا عورت کی جانب سے یہ اقرار جائز ہوگا اور مال لازم ہوگا۔ یہ اقرار نئے سرے سے عقد نکاح کرنے کے قائم مقام ہوگا۔ کیونکہ یہ عوض کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ فی الحال نئی تملیک سے عبارت ہے۔ اگر یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو نکاح صحیح ہوگا بصورت دیگر نہیں ہوگا یہ صحیح ترین قول ہے ملخص۔

''فتح'' میں کہا: ''قاضی خان'' نے کہا: مناسب ہے کہ جواب تفصیل سے دیا جائے: اگر اس نے زمانہ گزشتہ سے عقد نکاح کا اقرار کیا جب کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عقد نہ تھا تو وہ نکاح نہیں ہوگا۔ اگر مرد نے اقرار کیا کہ وہ اس عورت کا خاوند ہے اور عورت نے اقرار کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے تو یہ نکاح کرنا ہوگا۔ دونوں کا اقرار انشا کو اپنے ضمن میں لینے والا ہوگا۔ جب دونوں زمانہ ماضی سے عقد نکاح کا اقرار کریں تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔ وہ اسی طرح ہے جس طرح امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب اس نے اپنی بیوی سے کہا لستِ لی امراۃ تو میری بیوی نہیں اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی گویا اس نے کہا: کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ اگر اس نے کہا لم اکن تزوجتھا میں نے اس سے شادی ہی نہ کی تھی اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ محض جھوٹ ہے۔ یعنی جب گواہوں نے یہ نہ کہا: جعلتما ھذا نکاحا تم نے اس کو نکاح بنا دیا ہے تو یہ تفصیل مناسب ہے۔

11167۔(قولہ: احْتِيَاطًا) ''بحر'' میں کہا: ان کا قول وہ چیز جن کی تجزی نہ ہو سکے اس کے بعض کا ذکر اس کے کل کے ذکر کی طرح ہے جس طرح طلاق ہے اس کا نصف صحت کا تقاضا کرتا ہے۔ ''مبسوط'' میں اس کے جواز کے محل میں یہ مذکور ہے: مگر یہ کہا جائے: فروج میں احتیاط برتی جاتی ہے۔ بعض کا ذکر کافی نہیں۔ کیونکہ ایک ہی ذات میں وہ چیز جمع ہو رہی ہے جو حلت اور حرمت کو واجب کرتی ہے پس حرمت راجح ہو جائے گی۔ ''خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''خانیہ'' میں جسے صحیح قرار دیا ہے ''ظہیریہ'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: اگر مرد نے نکاح کو عورت کے نصف کی طرف مضاف کیا اس میں دو روایات ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ پھر میں نے ''ظہیریہ'' کے دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے اس طرح پایا۔ جس نے کہا: ''ظہیریہ'' میں اس نے صحت کی تصحیح کی ہے گویا اس کے نسخہ سے لا نافیہ ساقط ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُضِيفَهُ إِلَى كُلِّهَا أَوْ مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْكُلِّ، وَمِنْهُ الظَّهْرُ وَالْبَطْنُ عَلَى الْأَشْبَهِ ذَخِيرَةٌ وَرَجَّحُوا فِي الطَّلَاقِ خِلَافَهُ فَيَحْتَاجُ لِلْفَرْقِ (وَإِذَا وُصِلَ الْإِيجَابُ بِالتَّسْمِيَةِ) لِلْمَهْرِ (كَانَ مِنْ تَمَامِهِ) أَيِ الْإِيجَابِ

بلکہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقد نکاح عورت کے کل یا اس کے ایسے جز کی طرف منسوب کرے جس سے کل کی تعبیر کی جاتی ہو اس میں سے پشت اور بطن ہے۔ یہ اشبہ مذہب کے مطابق ہے ''ذخیرہ''۔ طلاق میں اس کے برعکس کو راجح قرار دیا ہے۔ پس فرق کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہے۔ جب اس نے ایجاب کو مہر کے تسمیہ کے ساتھ ملایا تو مہر کا ذکر کرنا ایجاب کی تکمیل ہوگا

11168۔ (قولہ: أَوْ مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْكُلِّ) جس طرح سر، گردن، ''بحر''۔

11169۔ (قولہ: وَرَجَّحُوا فِي الطَّلَاقِ خِلَافَهُ) ''بحر'' میں کہا: علما نے کہا: اصح یہ ہے اگر اس نے طلاق کی نسبت اس کی پشت اور اس کے بطن کی طرف کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح عتق (آزادی) ہے۔ اگر مرد نے نکاح کو عورت کی پشت اور اس کے بطن کی طرف منسوب کیا ''حلوانی'' نے ذکر کیا ہمارے علما نے کہا: ہمارے اصحاب کے مذہب میں سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے۔ اور ''رکن الاسلام'' اور ''سرخسی'' نے ایسا قول ذکر کیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ'' میں کتاب الطلاق میں اس طرح کہا: اگر کہا: تیری پشت کو طلاق یا تیرے بطن کو۔ ''سرخسی'' نے اس کی شرح میں کہا: اصح یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ اور ایک ایسے مسئلہ سے استدلال کیا جسے ''اصل'' میں ذکر کیا جب کہا: تیری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا تیرا پیٹ مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے وہ اس سے ظہار کرنے والا نہ ہوگا۔ ''حلوانی'' نے اس کی شرح میں کہا: ہمارے اصحاب کے مذہب کے مطابق زیادہ مناسب یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ کہا: یہ مسئلہ بھی اس مسئلہ کی مثل ہے جو ہمارے مشائخ نے کہا جب عقد نکاح کو عورت کی پشت یا اس کے بطن کی طرف منسوب کیا جائے تو ہمارے اصحاب کے مذہب کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے۔

11170۔ (قولہ: فَيَحْتَاجُ لِلْفَرْقِ) ''نہر'' میں اسی طرح کہا ہے۔ لیکن تجھے اس قول سے علم ہو چکا ہوگا جو ہم نے ''ذخیرہ'' سے پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ نقل کیا ہے کہ ''حلوانی'' جس نے نکاح کے انعقاد کو صحیح قرار دیا ہے انہوں نے طلاق کے وقوع کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''سرخسی'' جنہوں نے نکاح کے انعقاد کو صحیح قرار نہیں دیا انہوں نے طلاق کے وقوع کو صحیح قرار نہیں دیا بلکہ اس کے عدم کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر فرق بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ''بحر'' میں جو ذکر کیا اور شارح نے جس کی پیروی کی وہ تیسرا قول ہے جو دونوں قولوں سے مل کر بنا ہے اور اس کی وجہ ظاہر نہیں۔

11171۔ (قولہ: كَانَ) اس سے مراد تسمیہ ہے۔ اسی طرح اس کے قبل کی ضمیر بھی تسمیہ کے لیے ہے ''ح''۔ یعنی ضمیر کو مذکر ذکر کرنا مذکور کے اعتبار سے ہے یا تسمیہ سے مراد مسمی ہے۔ یعنی مہر ہے۔

فَلَوْ قَبِلَ الْآخَرُ قَبْلَهُ لَمْ يَصِحَّ) لِتَوَقُّفِ أَوَّلِ الْكَلَامِ عَلَى آخِرِهِ لَوْ فِيهِ مَا يُغَيِّرُ أَوَّلَهُ وَمِنْ شَرَائِطِ الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ لَوْ حَاضِرَيْنِ، وَإِنْ طَالَ كَمُخَيَّرَةٍ

اگر دوسرے فریق نے مہر کے ذکر سے پہلے قبول کرلیا تو عقد نکاح صحیح نہیں۔ کیونکہ کلام کا اول حصہ اس کے آخر پر موقوف ہوتا ہے اگر کلام کے آخر میں کوئی چیز ہو جو اس کے اول کو بدل دے۔ اور ایجاب وقبول کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مجلس متحد ہو اگر دونوں حاضر ہوں اگرچہ مجلس طویل ہو جائے جس طرح جس عورت کو اختیار دیا گیا اس میں مجلس کا متحد ہونا ضروری ہوتا ہے۔

11172۔ (قولہ: فَلَوْ قَبِلَ) ''فتح'' میں کہا: جس طرح عورت ہے جس نے مرد سے کہا: میں نے اپنا نکاح تجھ سے ایک سو دینار پر کر دیا ہے ابھی عورت نے سو دینار کا لفظ ذکر نہیں کیا تھا کہ خاوند نے قبول کرلیا تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ کلام کا اول حصہ اس کے آخر پر موقوف ہوتا ہے جب اس کے آخر میں ایسی چیز ہو جو اس کے اول کو تبدیل کر دے۔ یہاں معاملہ اسی طرح ہے کیونکہ صرف زوجت کے لفظ سے مہر مثل کے ساتھ نکاح منعقد ہوتا ہے اس کے ساتھ معین مہر کا ذکر پہلی کلام کو تبدیل کر رہا ہے مذکور کی تعیین کی طرف۔ پس خاوند کا اس سے پہلے والا قول عامل نہیں ہوگا۔

11173۔ (قولہ: اتِّحَادُ الْمَجْلِسِ) ''بحر'' میں کہا: اگر مجلس مختلف ہوئی تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اگر ان میں سے ایک نے ایجاب کیا تو دوسرا کھڑا ہو گیا یا کسی اور کام میں مشغول ہو گیا تو ایجاب باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ ارتباط کی شرط زمان کا متحد ہونا ہے پس مجلس کو آسانی کے لیے جامع بنا دیا جائے گا۔ جہاں تک فور (فوری) کا تعلق ہے تو یہ اس کی شرط نہیں۔ اگر دونوں نے عقد کیا جب کہ وہ دونوں چل رہے تھے یا جانور پر رواں دواں تھے تو یہ عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ جاری کشتی پر ہوں تو یہ جائز ہوگا کیونکہ کشتی ایک مکان کے قائم مقام ہوگی۔

فرع

''منیہ'' میں کہا: میں نے تیری شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہے دعوت نکاح دینے والا خاموش رہا اور سسر یعنی بیٹی کے باپ نے کہا: مہر دے دو تو اس نے کہا: ہاں تو یہ قبول ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ یہ تعبیر اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ ہمارے نزدیک فور کے شرط ہونے کا قول ہے جب کہ پسندیدہ قول شرط کا نہ ہونا ہے۔ ''فتح'' میں اس کا جواب دیا کہ اس قول کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ دعوت نکاح دینے والے کی صفت سے متصف تھا جب وہ خاموش ہوا اور بالفور جواب نہ دیا تو یہ انداز دعوت نکاح سے رجوع میں ظاہر ہوگا۔ اس کے بعد اس کا ہاں کہنا کیلئے فائدہ مند نہ ہوگا نہ کہ اس لیے کہ بالفور مطلق شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

11174۔ (قولہ: لَوْ حَاضِرَيْنِ) اس قید کے ساتھ غائب کی کتابت سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ ''بحر'' میں ''محیط'' سے منقول ہے: مکتوب اور خطاب میں یہ فرق ہے اگر خطاب میں یہ کہا: میں نے ایک مجلس میں قبول کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اور مکتوب کی صورت میں یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ کلام جونہی پائی گئی وہ معدوم ہو گئی تو ایجاب ایک ہی مجلس میں قبول کے ساتھ متصل نہ ہوا۔ جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے تو وہ دوسری مجلس میں بھی قائم ہے اس کو پڑھنا حاضر کے خطاب کے قائم مقام ہے۔ پس ایجاب

وَأَنْ لَا يُخَالِفَ الْإِيجَابُ الْقَبُولَ كَقَبِلْتُ النِّكَاحَ لَا الْمَهْرَ نَعَمْ يَصِحُّ الْحَطُّ كَنِزِيَادَةٍ قَبِلَتْهَا فِي الْمَجْلِسِ

اور یہ کہ ایجاب قبول کے خلاف نہ ہو جس طرح وہ کہے میں نے نکاح کو قبول کیا مہر کو قبول نہیں کیا۔ ہاں کمی کرنا صحیح ہوگا جس طرح زیادتی جسے عورت نے مجلس میں قبول کرلیا تھا۔

قبول کے ساتھ متصل ہے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ دوسری مجلس میں مکتوب کا پڑھنا ضروری ہے تاکہ ایجاب، قبول میں اتصال حاصل ہو اس صورت میں مکتوب میں بھی مجلس کا متحد ہونا شرط ہوا فرق مکتوب کا موجود ہونا اور دوبارہ اس کے پڑھنے کا امکان ہے اگر حاضرین کا قول حذف ہوتا۔ جس طرح ''نہر'' میں حذف ہے تو یہ انداز ہ زیادہ بہتر ہوتا۔ ظاہر یہ ہے اگر مکتوب کی جگہ ایجاب کرنے والا قاصد ہوتا اور عورت اسے قبول نہ کرتی پھر ایک مجلس میں قاصد ایجاب کا اعادہ کرتا اور عورت اسے قبول کرتی تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا قاصد ہونا پہلی دفعہ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ کتابت کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ باقی رہتا ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

11175۔ (قولہ: كَقَبِلْتُ النِّكَاحَ لَا الْمَهْرَ) یہ منفی امر کی تمثیل ہے یعنی جب مرد نے کہا: میں نے تجھ سے ایک ہزار پر نکاح کیا عورت نے کہا: میں نے نکاح کو قبول کیا اور میں مہر کو قبول نہیں کرتی عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا اگرچہ مہر کی تعیین نکاح کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں۔ عقد نکاح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے اس نے اس مہر کی مقدار کے ساتھ ایجاب کیا تھا اگر ہم عورت کے اس کے قول کو صحیح قرار دے دیں تو مرد پر مہر مثل لازم آئے گا۔ جب کہ وہ اس پر راضی نہیں بلکہ وہ اس پر راضی ہے جس کا اس نے ذکر کیا ہے تو اس پر وہ چیز لازم ہوگی جس کو اس نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا۔ جب اس نے مہر ذکر نہ کیا تو معاملہ مختلف ہوگا اس وقت اس کی غرض مہر مثل کے ساتھ نکاح ہوگی۔ کیونکہ وہ مہر کے ذکر سے خاموش رہا ہے۔ اگر عورت صرف یہ کہہ دے میں نے اسے قبول کرلیا اور اس پر اس نے کوئی اضافہ نہ کیا تو عقد نکاح اس مہر پر صحیح ہو جائے گا جو مہر اس نے ذکر کیا تھا۔ اس کی مکمل وضاحت ''فتح'' میں ہے۔

11176۔ (قولہ: نَعَمْ يَصِحُّ الْحَطُّ) یعنی جب مرد نے کہا: میں نے تجھ سے ہزار پر نکاح کیا عورت نے کہا: میں نے پانچ سو پر قبول کیا تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔ اسے یوں بنایا جائے گا گویا عورت نے ہزار کو قبول کیا اور اس میں سے پانچ سو معاف کر دی۔ ''بحر''۔ مرد کی جانب سے قبول کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حق میں اسقاط اور اس سے برابری کرنا ہے۔ زیادتی کا مسئلہ مختلف ہے۔ جس طرح عورت کہے: میں نے تجھ سے ہزار پر شادی کی خاوند کہے: میں نے دو ہزار پر قبول کی تو عقد نکاح ایک ہزار پر صحیح ہو جائے گا۔ مگر اس صورت میں کہ عورت مجلس میں اسے قبول کرے تو مفتی بہ قول کے مطابق دو ہزار پر عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ جس طرح ''نہر'' میں ہے: کمی کی صورت عورت کی جانب سے اور زیادتی کی صورت مرد کی جانب سے ہوگی جس طرح آپ جان چکے ہیں۔ ''ذخیرہ'' اور ''خلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''نہر'' میں کہا: یہ صورت مختلف ہوگی جب عورت نے مرد سے ایک ہزار کے بدلے میں شادی کرلی اور مرد نے دو ہزار یا پانچ سو کے بدلے میں اسے قبول کرلیا تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔ زیادتی کا قبول کرنا اس پر موقوف ہوگا کہ عورت مجلس میں قبول کرلے جس پر فتویٰ ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ عورت نے ہزار کے ساتھ ایجاب کیا اور

وَأَنْ لَا يَكُونَ مُضَافًا وَلَا مُعَلَّقًا كَمَا سَيَجِيءُ وَلَا الْمَنْكُوحَةُ مَجْهُولَةً

اور نکاح مضاف نہ ہو (زمانہ مستقبل کی طرف) اور نہ ہی کسی شرط کے ساتھ معلق ہو جس طرح عنقریب آئے گا اور نہ ہی منکوحہ مجہول ہو۔

مرد نے پانچ سو کے ساتھ قبول کیا یہ مشکل ہے۔ کیونکہ کمی وہ ہی کر سکتا ہے جس کا حق ہو وہ عورت ہے۔ وہ کمی نہیں کر سکتا جس پر وہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں قبول ایجاب کے خلاف ہے پس عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

11177۔ (قولہ: وَأَنْ لَا يَكُونَ مُضَافًا) جس طرح میں نے تجھ سے آنے والے کل میں نکاح کیا۔ اور نہ ہی معلق ہو یعنی ایسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو جو ابھی متحقق نہ ہوئی ہو جس طرح میں نے تجھ سے شادی کی اگر زید آیا۔ کما سیجئ کے قول سے مراد ہے مضاف اور معلق کے بارے میں کلام ''باب الولی'' سے تھوڑا پہلے آئے گی۔

11178۔ (قولہ: وَلَا الْمَنْكُوحَةُ مَجْهُولَةً) اگر مرد نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح کسی مرد سے کیا جب کہ اس کی دو بیٹیاں ہیں تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اس صورت میں عقد نکاح صحیح ہوگا جب ان میں سے ایک شادی شدہ ہو کہ اس عقد نکاح کو اس کی طرف پھیر دیا جائے گا جس کی شادی ابھی نہیں ہوئی۔ جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''نہر''۔ اس معنی میں یہ صورت بھی ہو گی جب ان دونوں میں سے ایک اس پر حرام ہو۔ اس کی طرف رجوع کرو۔ ''رحمتی''۔ لا یصح کے قول کا اطلاق عدم صحت پر دال ہے۔ اگر وہ خطبہ کے مقدمات ان دونوں بیٹوں میں سے ایک معین بیٹی کے لیے جاری ہوں تا کہ گواہوں پر وہ (دوسری سے) ممتاز ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی چارہ کار نہیں۔ ''رملی''۔

میں کہتا ہوں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر خطبہ کے مقدمات ایک معین بیٹی پر جاری ہوں اور وہ بچی گواہوں کے ہاں بھی ممتاز ہو جائے تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ مقصود جہالت کی نفی ہے۔ یہ امر اس صورت میں حاصل ہو جاتا ہے جب وہ لڑکی عقد کرنے والوں اور گواہوں کے نزدیک ممتاز ہو جائے اگرچہ وہ اس کے نام کی تصریح نہ کرے جس طرح جب اس کی بچیوں میں سے دوسری بچی شادی شدہ ہو۔ جو گفتگو بعد میں آرہی ہے وہ اس امر کی تائید کر رہی ہے کہ اگر عورت غائب ہو اور اس کا بننے والا خاوند ہی اس کا وکیل ہو اگر گواہ اس عورت کو پہچانتے ہوں اور انہیں علم ہو کہ مرد اسی عورت کا ارادہ کر رہا ہے تو اس عورت کا نام لے دینا کافی ہے۔ بصورت دیگر اس کے باپ اور دادا کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ باپ یہ کہے: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا جب کہ اس کی دو بیٹیاں ہوں اس قول میں کم ابہام ہے اس وکیل کے قول سے جس میں وہ یہ کہتا ہے: میں نے فاطمہ سے نکاح کیا۔ اس کے بارے میں تمام بحث وحضور شاھدین حرین اور ان کے قول غلط وکیلھا کے ضمن میں آئے گی۔

تنبیہ

عقد کے وقت مرد کی عورت سے تمیز کی شرط کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ ''نوازل'' میں دو چھوٹے بچوں

وَلَا يُشْتَرَطُ الْعِلْمُ بِمَعْنَى الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ فِيمَا يَسْتَوِي فِيهِ الْجِدُّ وَالْهَزْلُ
وہ عقود جن میں ارادہ اور عدم ارادہ برابر ہوں ان میں ایجاب اور قبول کے معنی کو جاننا شرط نہیں۔

کے بارے میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کے بیٹے نے کہا: میں نے اپنی اس بیٹی کا نکاح تیرے اس بیٹے سے کر دیا ہے اور دوسرے نے اسے قبول کر لیا پھر پتہ چلا جسے بچی قرار دیا گیا تھا وہ بچہ تھا اور جسے بچہ سمجھا گیا تھا وہ بچی تھی تو یہ عقد نکاح جائز ہے۔ ''عتابی'' نے کہا: جائز نہیں۔ ''بحر''۔ ''رملی'' نے کہا: اکثر علما نے پہلے قول کو اپنایا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زوجت اور تزوجت کے الفاظ جانبین سے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ''منیہ'' سے ''فتح'' میں اسی طرح تصریح کی گئی ہے۔ اس کی مثل ''البحر'' میں ہے۔

وہ عقود جن میں ارادہ اور عدم ارادہ برابر ہو ان میں ایجاب وقبول کے معنی کو جاننا شرط نہیں

11179۔ (قولہ: وَلَا يُشْتَرَطُ الخ) جب عقد نکاح تزویج اور نکاح کے ساتھ واقع ہو تو اس میں یہ شرط نہ ہوگا۔ جب یہ عقد کنایہ الفاظ کے ساتھ ہو جن کا ذکر آ رہا ہے تو اس میں نیت یا قرینہ اور گواہوں کا سمجھنا ضروری ہے لیکن ''درر'' میں شرط نہ ہونے کی قید ذکر کی ہے جب دونوں جانتے ہوں کہ اس لفظ کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر چہ وہ اس کے معنی کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوں۔ ''فتح'' میں کہا ہے: اگر عورت کو عربی زبان میں زوجت نفسی کے الفاظ ادا کرنے کی تلقین کی گئی اور وہ اس کے معنی نہ جانتی ہو اور مرد اسے قبول کر لے گواہ اسے (معنی کو) جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا جس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا نہیں ہوگا جس طرح بیع نہیں ہوتی۔ ''خلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔ مرد کی جانب میں بھی اسی طرح ہے جب وہ اپنی زبان سے یہ جملہ نکالے اور وہ اس کا معنی نہ جانتا ہو۔ یہ سب طلاق، عتاق (آزاد کرنا) تدبیر (غلام کو مدبر بنانا) نکاح اور خلع کے مسائل میں قاعدہ جاری ہوگا۔ پہلے تین (طلاق، عتاق، تدبیر) حکم میں واقع ہو جائیں گے۔ اس کا ذکر باب التدبیر میں عتاق ''الاصل'' کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ جب وہ جواب کو پہچانتا ہو تو ''قاضی خان'' نے کہا: چاہیے کہ نکاح بھی اسی طرح ہو۔ کیونکہ لفظ کے مضمون کے علم کا اعتبار قصد وارادہ کے لئے ہوتا ہے۔ وہ امور جن میں ارادہ اور عدم ارادہ برابر ہوں ان میں یہ شرط نہیں۔ بیع وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ جہاں تک خلع کا تعلق ہے جب عورت کو اختلعت نفسی منك بمهري و نفقة عدتي (میں نے تجھ سے اپنے مہر اور عدت کے نفقہ کے عوض خلع کر لیا) تلقین کی گئی کہ وہ یہ الفاظ کہے اور اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے اور وہ عورت اس کا معنی نہ جانتی ہو اور مرد نے خلع کا لفظ نہ بولا اس صورت میں علما نے اختلاف کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: مناسب تو یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے مہر اور نفقہ ساقط نہ ہو۔ اسی طرح اگر اسے تلقین کی گئی کہ وہ بری کر دے تو اس نے اس مرد کو بری کرنے کا اظہار کیا۔ اسی طرح مدیون (مقروض) جب قرض خواہ کو ابراء کے الفاظ کہنے کی تلقین کرے (اور قرض خواہ یہ الفاظ کہہ دے) تو مقروض اس قرض

اِذْ لَمْ یَحْتَجْ لِنِیَّةٍ بِهِ یُفْتٰی (وَاِنَّمَا یَصِحُّ بِلَفْظِ تَزْوِیْجٍ وَنِكَاحٍ) لِاَنَّهُمَا صَرِیْحٌ (وَمَا) عَدَاهُمَا كِنَایَةٌ
کیونکہ اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اس پر فتویٰ ہے۔ عقد نکاح تزویج اور نکاح کے لفظ سے صحیح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ صریح ہیں اور ان دونوں کے علاوہ کنایہ ہیں۔

سے بری نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: گواہوں کے فہم کی تصحیح میں اختلاف ہے جس طرح اس کی وضاحت آگے (مقولہ 11192 میں) آرہی ہے۔

11180۔ (قولہ: اِذْ لَمْ یَحْتَجْ لِنِیَّةٍ) اذ یہ لفظ ذال کے سکون کے ساتھ ہے یہ جملہ ماقبل کی علت ہے یحتج کی ضمیر ما کے لئے ہے۔

11181۔ (قولہ: بِهِ یُفْتٰی) ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح ہے۔ ''بحر'' میں ہے: ''تجنیس'' کی کلام اس کی ترجیح کا فائدہ دیتی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''فتح'' کی گزشتہ کلام کا مقتضا یہی ہے۔ ''ملتقی''، ''درر'' اور ''وقایہ'' کے متن میں اسی کو حتمی قول قرار دیا گیا ہے۔ ''شارح'' نے ''ملتقی'' کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے: اس کی تصحیح میں اختلاف ہے۔

وہ الفاظ جن کے ساتھ عقد نکاح صحیح ہو جاتا ہے

11182۔ (قولہ: وَاِنَّمَا یَصِحُّ الخ) یہ چیز ذہن نشین کر لیں کہ لفظ صریح کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ صریح کے علاوہ اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) ایسی قسم جس کے ساتھ عقد نکاح کے انعقاد میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف مذہب سے باہر ہے۔ (۲) ایسی قسم جس میں ہمارے نزدیک بھی اختلاف ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ (۳) ایسی قسم جس میں اختلاف ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (۴) ایسی قسم جس میں عقد نکاح کے منعقد نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ پہلی یہ نکاح اور تزویج کے علاوہ الفاظ سے عقد نکاح کیا جاتا ہے جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک اور جعل۔ جس طرح کوئی کہے جعلت بنتی لك بالف میں نے اپنی بیٹی ہزار کے بدلے میں تیری (بیوی) کر دی۔ دوسری بعت نفسی منك بكذا او ابنتی میں نے اپنے آپ کو یا اپنی بیٹی کو تیرے ہاتھ میں اتنے میں بیچ دیا۔ اشتریتك بكذا میں نے تجھے اتنے میں خرید لیا تو عورت کہے ہاں۔ اسی طرح وہ سلم، صرف، قرض اور صلح کے الفاظ ہیں۔ تیسری اجارہ اور وصیت ہے۔ چوتھی اباحت، احلال، اعارہ، رہن، تمتع، اقالہ اور خلع ہے۔ ''فتح'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

11183۔ (قولہ: وَمَا عَدَاهُمَا كِنَایَةٌ الخ) اس ترکیب میں متن کو اس کے مدلول سے یوں خارج کیا گیا ہے کہ یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ عقد نکاح ان الفاظ کے ساتھ بھی جائز ہوتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے ''کنایہ'' کے الفاظ کے ساتھ عقد نکاح کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس میں شہادت ہوتی ہے اور کنایہ میں نیت کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور گواہوں کو نیت پر کوئی آگاہی نہیں ہوتی۔ ''زیلعی'' نے کہا: ہم کہتے ہیں: مہر ذکر کرنے کے ساتھ نیت کوئی شرط نہیں۔ ''سرخسی'' نے ذکر کیا ہے: نیت

هُوَ كُلُّ لَفْظٍ (وُضِعَ لِتَمْلِيكِ عَيْنٍ) كَامِلَةٍ فَلَا يَصِحُّ بِالشَّرِكَةِ (وَفِي الْحَالِ) خَرَجَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ الْمُقَيَّدَةِ بِالْحَالِ

اس سے مراد ایسا لفظ ہے جو کامل طور پر فی الحال کسی عینی چیز کی ملکیت ثابت کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہو۔ عقد نکاح شرکت واقع ہونے سے صحیح نہیں ہوگا۔ فی الحال کی قید سے وصیت خارج ہوگی جو فی الحال کی قید سے مقید نہ ہو۔

مطلقاً شرط نہیں کیونکہ التباس موجود نہیں اور اس لئے بھی کہ ہماری کلام اس میں ہے جب وہ دونوں اس کی تصریح کر دیں اور کوئی احتمال باقی نہ ہو۔ محقق ''ابن ہمام'' کی اس میں طویل بحث ہے جس کا کچھ حصہ قریب ہی (مقولہ 11192 میں) آئے گا۔

11184۔ (قولہ: هُوَ كُلُّ لَفْظٍ الخ) ''بحر'' میں اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے ایسے الفاظ سے بھی جن کا ذکر نہیں ہوا۔ جیسے مرد کہے کونی امراتی تو میری بیوی ہو جا۔ عورت کہے عرستك نفسی میں نے اپنے آپ کو تیری دلہن بنا دیا۔ مرد اپنی مطلقہ بائنہ کو کہے راجعتك بكذا میں نے اتنے کے عوض تجھ سے رجوع کر لیا اور عورت کہے رددت نفسی علیك میں نے اپنے آپ کو تجھ پر لوٹا دیا۔ مرد کہے صرتِ لی۔ تو میری ہوگئی یا مرد کہے صرتُ لكِ۔ میں تیرا ہوگیا یا مرد کہے۔ ثبت حقی فی منافع بضعك۔ تیرے بضع کے منافع میں میرا حق ثابت ہوگیا اور کئی اور الفاظ کا ذکر کیا۔ تمام الفاظ ذکر کرنے کی صورت میں اگر قبول واقع ہو جائے تو عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ پھر جواب دیا عقود میں اعتبار معانی کا ہوا کرتا ہے یہاں تک کہ نکاح میں بھی یہی صورت حال ہوتی ہے جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے اور یہ الفاظ نکاح کا معنی دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ الفاظ نکاح میں داخل ہیں۔ کیونکہ مراد اس (نکاح) کا لفظ ہوتا ہے یا جو اس کا معنی دے۔ اس میں غور و فکر کریں۔ تامل

11185۔ (قولہ: وُضِعَ لِتَمْلِيكِ عَيْنٍ) اس سے وہ الفاظ نکل گئے جو اصلاً ملکیت کا فائدہ ہی نہیں دیتے۔ جس طرح رہن، ودیعت اور وہ بھی اس سے خارج ہو گئے جو منفعت کی ملکیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ جس طرح اجارہ اور اعارہ ہے جس طرح آگے آئے گا۔

11186۔ (قولہ: كَامِلَةٍ) اس کے مفہوم کی وضاحت فلا یصح بالشرکۃ کے ساتھ کی ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا: وکذا یعنی شرکت کے لفظ سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کل میں ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ یہ بعض میں ملکیت کا فائدہ دیتی ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی نے کہا: زوجتُكَ نصفَ جاریتی میں نے اپنی نصف لونڈی سے تیری شادی کر دی تو عقد نکاح نہیں ہوگا۔

11187۔ (قولہ: خَرَجَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ الْمُقَيَّدَةِ بِالْحَالِ) یعنی وصیت مطلق ہو یا موت کے بعد کی طرف مضاف ہو۔ جہاں تک اس وصیت کا تعلق ہے جو زمانہ حال کے ساتھ مقید ہو جس طرح وہ کہے: اوصیت لك ببضع ابنتی للحال بالف درهم میں ہزار درہم کے بدلے فی الحال اپنی بیٹی کے بضع کی تیرے حق میں وصیت کرتا ہوں تو اس کے ساتھ عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ ''فتح'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اور ''نہر'' میں یہ کہتے ہوئے اس کی پیروی کی ہے: وارتضاه غیر واحد۔ ''بحر'' میں ان کی مخالفت کی ہے: شارحین نے جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ قابل اعتماد امر یہ ہے کہ اس کے ساتھ عقد نکاح جائز نہیں

رِ کَهِبَةٍ وَتَمْلِيكٍ وَصَدَقَةٍ وَعَطِيَّةٍ وَقَرْضٍ
جس طرح ہبہ، تملیک، صدقہ، عطیہ اور قرض۔

کیونکہ وصیت تملیک سے مجاز ہے۔ اگر اس کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جائے تو یہ نکاح سے مجاز ہو گی۔ اور مجاز کا مجاز نہیں ہوتا۔ جس طرح ''العنایہ'' کے کتاب البیوع میں سے (شاید صحیح ''النہایہ'' ہے مترجم) ''رملی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے کہ ان کا قول مجاز کا مجاز نہیں ہوتا یہ قول مردود ہے۔ جو آدمی بلاغت کی اساس کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس امر کو پہچانتا ہے۔ جس طرح انہوں نے رایتُ مِشفَرَ زیدٍ میں اس امر کو واضح کیا ہے کہ وہ دو مراتب کے اعتبار سے مجاز ہے اسی طرح فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل: 112) پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس۔ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: مصنف کا قول ما وضع لتمليك العين في الحال بھی اس کے غیر کی طرح ہے یعنی وہ الفاظ جو فی الحال عینی چیز کی ملکیت کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ وصیت کو شامل نہیں۔ کیونکہ وصیت کا لفظ موت کے بعد عین کی ملکیت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ جب یہ فی الحال عین کی ملکیت کے لئے استعمال ہو تو یہ مجاز ہو گا اس کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ وصیت کا لفظ فی الحال تملیک کے لئے وضع نہیں کیا گیا اس کی بنا اس پر نہ ہو گی کہ یہ مجاز کا مجاز ہے۔ مگر یہ جواب دیا جائے گا کہ ان کا قول وضع یہ استعمل کے معنی میں ہو۔ پس یہ حقیقت و مجاز کو شامل ہو گا۔ یا یہ اس پر مبنی ہے کہ مجاز وضع نوعی کے ساتھ موضوع ہے۔ جس طرح شارح ''تحریر'' نے فصل خامس کے شروع میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پس اس میں غور و فکر کر لے۔

11188۔ (قوله: كَهِبَةٍ) یعنی ہبہ نکاح کی صورت میں ہو۔

یہ چیز ذہن نشین کر لیں کہ منکوحہ لونڈی ہو گی یا آزاد۔ جب اس نے ہبہ کے لفظ کو لونڈی کی طرف منسوب کیا کہ اس نے کہا وهبت امتي هذه منك میں نے اپنی یہ لونڈی تجھے ہبہ کی۔ اگر حال نکاح پر دلالت کرتا ہو جیسے گواہ حاضر ہوں، مہر معجّل یا مؤجل ذکر کیا جائے وغیرہ تو یہ کلام نکاح کی طرف پھر جائے گی۔ اگر حال نکاح پر دلیل نہ ہو اگر اس نے نکاح کی نیت کی اور موهوب له (جس کو ہبہ کیا گیا) نے اس کی تصدیق کر دی تو اس طرح نیت کے قرینہ کی وجہ سے یہ کلام نکاح کی طرف پھر جائے گی۔ اگر اس نے نیت نہ کی تو پھر یہ کلام ملک رقبہ کی طرف پھر جائے گی۔ اگر ہبہ کو آزاد عورت کی طرف منسوب کیا گیا تو عقد نکاح اس قرینہ کے علاوہ سے منعقد ہو گا۔ کیونکہ محل معنی حقیقی کو قبول نہیں کرتا جو آزاد پر ملکیت کا واقع ہونا ہے اور مجاز پر حمل کو واجب کرتا ہے پس یہی قرینہ ہے۔ اگر قرینہ نکاح کے عدم پر واقع ہو تو عقد نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اگر مرد نے عورت سے زنا کا مطالبہ کیا تو عورت نے کہا: میں نے تجھے اپنا آپ ہبہ کر دیا تو مرد نے کہا: میں نے قبول کر لیا یہ نکاح نہیں ہو گا۔ جس طرح بیٹی کا باپ کہے۔ میں نے اسے تجھے ہبہ کیا تا کہ وہ تیری خدمت کرے تو مخاطب کہے میں نے اسے قبول کر لیا۔ مگر جب وہ اس سے نکاح کا ارادہ کرے۔ ''بحر'' میں اسی طرح ہے، ''ط''۔

11189۔ (قوله: وَقَرْضٍ الخ) ''نہر'' میں کہا: صرف، قرض، صلح اور رہن میں دو قول ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ صرف کے ساتھ انعقاد کو راجح کیا جائے تا کہ کلیہ پر عمل ہو جائے کیونکہ فی الجملہ یہ عین کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ ''صیرفیہ'' میں جو

وَسَلَمٍ وَاسْتِئْجَارٍ) وَصُلْحٍ وَصَرْفٍ

بیع سلم، اجرت پر لینا، صلح کرنا، بیع صرف کرنا

کچھ ہے اس سے بھی یہی راجح ہوتا ہے کہ قرض کے ساتھ بھی عقد نکاح کا انعقاد صحیح ہوتا ہے۔ اگرچہ "الشرنبلالیہ" وغیرہ میں عدم نکاح کو راجح قرار دیا۔ "سرخسی" نے "صلح" اور "عطیہ" کے ساتھ اس کے انعقاد کو یقینی قرار دیا ہے۔ "اتقانی" نے اس میں کی حکایت بیان نہیں کی۔ رہن کے بارے میں گفتگو آئے گی لیکن اس کا قول ولم يحك "الاتقانی" غیرہ یہ قلم کی سبقت ہے۔ کیونکہ "اتقانی" نے "غایۃ البیان" میں جو ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ صلح کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ "بحر" میں بھی ان سے یہی منقول ہے۔ "فتح" میں اسے اجناس کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر "سرخسی" کا کلام ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تفصیل اور توفیق چاہئے کہ یوں کہا جائے: اگر عورت کو صلح کا بدل بنایا جائے جس طرح بیٹی کا باپ اپنے قرض خواہ کو کہے میں نے تجھ سے اس ہزار کے عوض، جو تیرا میرے اوپر لازم تھا، اس بیٹی پر صلح کی اور اگر اس عورت کو مصالح عنہا بنایا جائے جیسے وہ کہے میں نے تجھ سے بیٹی کے عوض ہزار پر صلح کی تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ "غایۃ البیان" کا کلام اس پر محمول ہونا چاہئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کی علت اس قول کے ساتھ بیان کی ہے۔ کیونکہ صلح حق میں کمی کرنا اور اس کو ساقط کرنا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ حق میں اسقاط، مصالح عنہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ عقد نکاح سے مقصود عورت کا ملک متعہ ہوتا ہے اس ملکیت کا اسقاط نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے صلح کے لفظ سے عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ جہاں تک بدل صلح کا تعلق ہے اس میں مقصود ملکیت ہوتی ہے۔ پس اس کے ساتھ متعہ کی ملکیت صحیح ہو جائے گی۔ اس نکتہ لطیفہ کو ذہن نشین کرلو۔ میں نے کسی کو نہیں پایا جس نے عطیہ کے لفظ سے عقد نکاح کرنے میں اختلاف کیا ہو جس طرح وہ قول کرے۔ هي لك عطية بكذا یہ تیرے لئے اتنے کے بدلہ میں عطیہ ہے۔ کیونکہ عطیہ ہبہ کے قائم مقام ہے۔ "خیریہ" میں اسی پر فتوی دیا ہے۔ جہاں تک اس لفظ کا تعلق ہے اعطیتك بنتی بكذا میں نے تجھے اپنی بیٹی اتنے کے بدلے میں عطا کی جس طرح بدلوگوں اور کسانوں میں عام و مروج ہے۔ اس کے ساتھ عقد نکاح صحیح ہو جاتا ہے جس طرح ہم "فتح" کے واسطہ سے "شرح الطحاوی" سے (مقولہ 11151 میں) نقل کر چکے ہیں۔ اکثر یہ واقع ہوتا ہے کہ مرد کہتا ہے: میں تیرے پاس آیا ہوں کہ تیری بیٹی کو اپنے لئے دعوت نکاح دوں اور لڑکی کا باپ کہتا ہے: یہ تیرے مطبخ میں خادمہ ہے۔ جب وہ عقد نکاح کا قصد کرے وعدہ کا ارادہ نہ کرے تو نکاح [illegible] چاہئے۔ یہ "بحر" کی اس عبارت سے استدلال ہے جس کو ہم نے ابھی ابھی وهبتها لك لتخدمها (میں نے اسے تجھے ہبہ کر دیا تا کہ وہ تیری خدمت کرے) میں (مقولہ 11188 میں) ذکر کیا ہے۔ اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جس کا ذکر "ذخیرہ" میں ہے: جب مرد کہے جعلت ابنتی هذه لك بالف صح (میں نے اپنی بیٹی تیرے لئے کر دی) تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اسے نکاح کے معنی میں لایا ہے عقود میں اعتبار معانی کا ہوا کرتا ہے۔ الفاظ کا نہیں ہوا کرتا۔

11190۔ (قولہ: وَسَلَمٍ وَاسْتِئْجَارٍ) یہ اس صورت میں ہوگا جب عورت کو بیع سلم کا رأس المال بنا دیا جائے یا اسے اجرت بنا دیا جائے تو بالاجماع عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر اسے مسلم فیہ بنایا جائے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے:

وَكُلِّ مَا تُمْلَكُ بِهِ الرِّقَابُ بِشَرْطِ نِيَّةٍ أَوْ قَرِينَةٍ وَفَهْمِ الشُّهُودِ الْمَقْصُودَ
اور ہر ایسے لفظ کے ساتھ جس کے ساتھ گردنوں کا مالک ہوا جاتا ہے نیت یا قرینہ اور گواہوں کے مقصود سمجھنے کی شرط کے ساتھ (عقد نکاح صحیح ہے)۔

عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیع سلم حیوان میں صحیح نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس صورت میں عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر اس کے ساتھ قبضہ بھی ہو جائے تو یہ ملک کو فاسد کرنے کی صورت میں ملک رقبہ کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو معنی حقیقی کو فاسد کرے وہ اس کے مجازی معنی کو فاسد نہیں کرتی۔ ''فتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ ''متون'' میں جو چیز ہے اس کا مقتضی یہی ہے۔ اگر اسے اجرت نہ بنایا جائے جس طرح باپ کہے اجرتك ابنتی بكذا (میں نے تجھے اپنی بیٹی اتنے میں اجرت پر دی) تو صحیح یہی ہے کہ عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجارہ عینی چیز کی ملکیت کو تبدیل نہیں کرتا۔ ''بحر'' میں اسے ہی بیان کیا ہے۔

11191۔ (قولہ: وَكُلِّ مَا تُمْلَكُ بِهِ الرِّقَابُ) جیسے جعل، بیع اور شرط کا فعل ان کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 11182 میں) گزر چکا ہے۔

الفاظ کنایہ کے ساتھ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے نیت یا قرینہ شرط ہے

11192۔ (قولہ: بِشَرْطِ نِيَّةٍ أَوْ قَرِينَةٍ الخ) یہ وہ چیز ہے جسے ''فتح'' میں ثابت کیا ہے۔ اور ''زیلعی'' سے جو ہم نے پہلے (مقولہ 11183 میں) ذکر کیا ہے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' نے مہر کے ذکر کرنے کی صورت میں نیت کو شرط قرار نہیں دیا تھا۔ اور ''سرخسی'' کا رد کیا ہے کیونکہ انہوں نے نیت کو مطلق شرط قرار نہیں دیا۔

رد کا حاصل یہ ہے کہ مختار مذہب یہ ہے کہ گواہوں کے لئے مراد کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر سامع یہ حکم لگائے کہ متکلم نے لفظ سے اس معنی کا ارادہ کیا ہے جس کے لئے اس لفظ کو وضع نہیں کیا گیا تھا تو متکلم کے ارادہ پر قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ اگر قرینہ نہ ہو تو گواہوں کو اپنی مراد پر آگاہ کرنا ضروری ہوگا۔ اسی وجہ سے ''درایہ'' میں کہا: جو علما لفظ اجارہ کے ساتھ عقد نکاح کے صحیح ہونے کا قول کرتے ہیں انہوں نے عقد کے انعقاد کی یہ صورت بنائی ہے کہ باپ یہ کہے اجرت ابنتی (میں نے اپنی بیٹی اجرت پر دی) ان الفاظ سے اس نے نکاح کی نیت کی اور گواہوں کو آگاہ کر دیا۔ اس کا قول بعتك بنتی (میں نے اپنی بیٹی تجھے بیچی) اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ محل کا بیع کو قبول نہ کرنا واجب کرتا ہے کہ اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے۔ پس یہ ایسا قرینہ ہے جو گواہوں کو کفایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ عورت جس کا عقد ہو رہا ہے وہ لونڈی ہو تو ایک سے زائد قرینہ کی ضرورت ہوگی جو نکاح پر دلالت کرے جیسے گواہوں کا حاضر کرنا اور مہر معجّل یا مؤجل کا ذکر کرنا ورنہ اگر اس نے نیت کی اور جس کو ہبہ کیا گیا اس نے اس کی تصدیق کر دی تو عقد صحیح ہو جائے گا۔ اگر اس نے نیت نہ کی تو یہ عقد ملک رقبہ کی طرف پھر جائے گا۔ جس طرح ''بدائع'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نیت کے ساتھ ساتھ گواہوں کو آگاہ کرنا بھی ضروری ہے۔ ''شمس الائمہ'' نے اس

(لَا يَصِحُّ (بِلَفْظِ إِجَارَةٍ) بِرَاءٍ أَوْ بِزَايٍ (وَإِعَارَةٍ وَوَصِيَّةٍ) وَرَهْنٍ وَ وَدِيعَةٍ وَنَحْوِهَا مِمَّا لَا يُفِيدُ الْمِلْكَ، لَكِنْ تَثْبُتُ بِهِ الشُّبْهَةُ فَلَا يُحَدُّ وَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ الْمُسَمَّى، وَمَهْرِ الْمِثْلِ،

لفظ اجارہ کے ساتھ عقد نکاح صحیح نہیں۔ اجارہ کا لفظ را کے ساتھ ہو یا زا کے ساتھ ہو۔ اعارہ، وصیت، رہن اور ودیعت وغیرھا الفاظ جو ملکیت کا فائدہ نہیں دیتے (کے ساتھ بھی عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا) لیکن اس کے ساتھ شبہ ثابت ہوتا ہے پس حد نہ ہوگی۔ اس عورت کے لئے مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے اقل ملے گا

کے اثبات کی طرف رجوع کیا ہے۔ جب انہوں نے کہا: ولان کلامنا فیما اذا صرحا به ولم یبق احتمال۔ ''فتح'' میں جو عبارت ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے کہ نکاح کے کنایات میں ضروری ہے کہ نیت ہو ساتھ ہی قرینہ ہو یا موجب کو قبول کرنے والا اس کی تصدیق کرے اور گواہ مراد کو سمجھتے ہوں یا انہیں اس سے آگاہ کیا جائے۔

وہ الفاظ جن کے ساتھ عقد نکاح صحیح نہیں

11193۔(قولہ: بِلَفْظِ إِجَارَةٍ) صحیح ترین قول یہی ہے جس طرح عورت کہے آجرتك نفسی بكذا میں نے اتنے کے عوض اپنے آپ کو تجھے اجرت پر دیا۔ استئجار کے لفظ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس طرح کہ عورت کو بدل بنا دیا جائے جس طرح کوئی کہے استاجرت دارك بنفسی او بنتی میں نے اپنی ذات یا اپنی بیٹی کے بدلہ میں تیرا گھر اجرت پر لیا جبکہ ان الفاظ سے مراد نکاح کا انعقاد ہو جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 11190 میں) گزر چکی ہے۔ وہاں استئجار کے لفظ سے تعبیر اور یہاں اجارہ کے لفظ سے تعبیر کیا مذکورہ فرق کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ پس تکرار نہیں۔ اسے خوب ذہن نشین کر لو۔

11194۔(قولہ: وَوَصِيَّةٍ) یعنی ایسی وصیت جو حال کے ساتھ مقید نہ ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

11195۔(قولہ: وَرَهْنٍ) اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جس طرح ''بنایہ'' میں ہے۔ ''ولوالجیہ'' میں عقد نکاح کے صحیح نہ ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ شائد ''ابن ہمام'' نے دوسرے قول کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ اس کی دلیل ظاہر نہیں۔ اور رہن کو اس قسم میں سے شمار کیا ہے جس کے ساتھ عقد نکاح کے صحیح نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ رہن تو اصلاً ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔

11196۔(قولہ: وَنَحْوِهَا) جس طرح اباحت، احلال، تمتع، اقالہ اور خلع جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11182 میں) ''فتح'' سے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن ''نہر'' میں مذکور ہے: مناسب یہ ہے کہ آخری (خلع) کو اس قید کے ساتھ مقید کیا جائے۔ جب اسے خلع کا بدل نہ بنایا جائے۔ اگر اسے خلع کا بدل بنایا جائے جس طرح ایک اجنبی کے لئے اخلع زوجتك ببنتی هذه میری اس بیٹی کے بدلے میں اپنی بیوی سے خلع کر لے تو اس مرد نے اسے قبول کر لیا تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔ اسے اجارہ کے مسئلہ سے اخذ کیا ہے۔

11197۔(قولہ: لَكِنْ تَثْبُتُ بِهِ) ہ ضمیر سے مراد مذکورات کی مثل ہیں۔

وَكَذَا تَثْبُتُ بِكُلِّ لَفْظٍ لَا يَنْعَقِدُ بِهِ النِّكَاحُ فَلْيُحْفَظْ (وَأَلْفَاظٍ مُصَحَّفَةٍ كَتَجَوَّزْتُ) لِصُدُورِهِ لَا عَنْ قَصْدٍ صَحِيحٍ بَلْ عَنْ تَحْرِيفٍ وَتَصْحِيفٍ، فَلَمْ تَكُنْ حَقِيقَةً

اسی طرح شبہ ہر ایسے لفظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ پس اسے یاد رکھنا چاہئے اور تصحیف والے الفاظ کے ساتھ جیسے تجوزتُ۔ کیونکہ یہ قصد صحیح کے ساتھ صادر نہیں ہوتا بلکہ تحریف و تصحیف کے ساتھ صادر ہوتا ہے نہ یہ حقیقت ہے۔

11198۔ (قولہ: وَكَذَا تَثْبُتُ بِكُلِّ لَفْظٍ لَا يَنْعَقِدُ بِهِ النِّكَاحُ) یہ جملہ بعض نسخوں سے ساقط ہے۔ اور ساقط ہونا احسن ہے۔ اسی وجہ سے ''حلبی'' نے کہا: یہ کلام لكن تثبت به الشبهة کے قول کے ساتھ مکرر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بكل لفظ لا ينعقد به النكاح ایسے لفظ کو شامل ہے جس کا اصلاً کوئی عمل دخل نہیں جس طرح مرد عورت سے کہے انت صديقتي تو میری دوست ہے تو عورت کہے نعم ہاں۔ یہ ایسا جملہ ہے جس کے ساتھ عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا ساتھ ہی ساتھ اس کے ساتھ شبہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی عبارت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ متن میں مذکور کی مثل کا بیان تھا۔ پس وہ ہر ایسے لفظ کے ساتھ خاص ہوگا جو ملکیت کا فائدہ تو دے اور اس کے ساتھ نکاح منعقد نہ ہو۔

کیا الفاظ مصحفہ جیسے لفظ تجوزت کے ساتھ نکاح درست ہوگا

11199۔ (قولہ: وَأَلْفَاظٍ مُصَحَّفَةٍ) مصحفہ یہ تصحیف سے مشتق ہے۔ اس سے مراد لفظ کو تبدیل کر دینا ہے یہاں تک کہ اس لفظ کے وضع سے جو معنی مقصود ہوتا ہے وہ بھی بدل جاتا ہے جس طرح ''صحاح'' میں ہے۔ ''مغرب'' میں ہے: تصحیف یہ ہے کہ کسی شے کو اس طرح پڑھا جائے جو اس کے خلاف ہو، کاتب نے جس کا ارادہ کیا تھا یا اس کے برعکس ہو جو انہوں نے اس کا اصطلاحی معنی بیان کیا۔

11200۔ (قولہ: كَتَجَوَّزْتُ) اس لفظ میں جیم زا پر مقدم ہے۔ ''مغرب'' میں کہا: جاز المكان و اجازه و تجاوزه یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آدمی اس مکان میں چلے اور اسے پیچھے چھوڑ جائے۔ اس کا حقیقی معنی قطع جوزہ ہے یعنی اس کے درمیان کو قطع کر دیا۔ اسی سے جاز البيع او النكاح ہے جب اسے نافذ کر دیا۔ اجازه القاضی جب قاضی نے اسے جائز قرار دیا اور اس کا حکم دے دیا۔ اسی سے مجیز ہے جو وکیل اور وصی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اسے جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے نافذ کرتا ہے۔ جوز الحكم اس نے حکم کو جائز قرار دیا۔ جوز الضراب الدراهم جب اس نے دراہم کو رائج اور جائز قرار دے دیا۔ اجازه بجائزة سنية جب اس نے اسے عطیہ دیا اسی سے جوائز الوفود ہے یہ تحفوں اور مہربانیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ تجاوز عن المسئ و تجوز عنه گناہگار سے آنکھ بند کر لی اور معاف کر دیا۔ تجوز فی الصلاة نماز میں سستی و کاہلی سے کام لیا۔ اسی سے یہ بھی ہے تجوز فی اخذ الدراهم اس نے دراہم لینے میں نرمی کی۔ ملخصا

11201۔ (قولہ: لِصُدُورِهِ لَا عَنْ قَصْدٍ صَحِيحٍ) اس کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے اور عجمی لفظ

وَلَا مَجَازًا لِعَدَمِ الْعَلَاقَةِ بَلْ غَلَطًا فَلَا اعْتِبَارَ بِهِ أَصْلًا تَلْوِيحٌ نَعَمْ لَوْ اتَّفَقَ قَوْمٌ عَلَى النُّطْقِ بِهَذِهِ الْغَلْطَةِ وَصَدَرَتْ عَنْ قَصْدٍ كَانَ ذَلِكَ وَضْعًا جَدِيدًا فَيَصِحُّ، بِهِ أَفْتَى أَبُو السُّعُودِ

اور نہ ہی مجاز کیونکہ معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان کوئی علاقہ نہیں، ''تلویح''۔ ہاں اگر ایک قوم اس غلطی کے نطق پر متفق ہو جائے اور یہ نطق ارادہ سے صادر ہو تو یہ وضع جدید ہوگی پس اس وقت غلط الفاظ کے ساتھ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ ''ابوسعود'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

کے ساتھ انعقاد میں فرق ہے۔ کیونکہ عجمی لغت صادر ہوتی ہے اس آدمی کی جانب سے جس نے قصد صحیح کے ساتھ تکلم کیا۔ لفظ تجویز کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ قصد صحیح کے ساتھ صادر نہیں ہوتا بلکہ یہ تحریف اور تصحیف کے ساتھ صادر ہوا ہے۔ پس یہ نہ حقیقت ہے اور نہ ہی مجاز ہے۔ ''منح''۔ یہ ملخصاً ہے۔ تحریف سے مراد تغییر ہے اور تصحیف سے بھی یہی مراد ہے۔ جس طرح پہلے (مقولہ 11199 میں) گزر چکا ہے۔

11202۔ (قولہ: تَلْوِيحٌ) اس سے مراد مسئلہ کو ''تلویح'' کی طرف منسوب کرنا نہیں بلکہ تعلیل کے مضمون کو اس کی طرف منسوب کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ''تلویح'' میں مذکور نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ متقدمہ کتب میں منقول ہے۔ مصنف نے اسے اپنے متن میں ذکر کیا ہے۔ اس کی شرح ''منح'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ عام شہروں میں اس کے بارے میں اکثر پوچھا جاتا ہے۔ اس بارے میں ایک رسالہ لکھا گیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس لفظ کے ساتھ عقد نکاح کے منعقد نہ ہونے پر اعتماد کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس لفظ کو فی الحال عین کی ملکیت کے لئے وضع نہیں کیا گیا۔ یہ نکاح اور تزویج کا لفظ نہیں اس کے درمیان اور نکاح کے الفاظ کے درمیان کوئی ایسا علاقہ بھی نہیں جو مجازی معنی کو ثابت کرے جس طرح نکاح کے لئے ہبہ اور بیع کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علما نے یہ تصریح کی ہے کہ احلال، اجارہ اور وصیت کے ساتھ عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ استعارہ صحیح نہیں ہوتا۔ عجمی لغت پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں قصد صحیح نہیں ہوتا جس طرح پہلے (مقولہ 11201 میں) گزر چکا ہے۔ پھر اس کے لئے اس چیز کو بطور شہادت پیش کیا ہے جسے محقق ''سعد تفتازانی'' نے حقیقت و مجاز کی بحث میں ''تلویح'' میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ مستعمل جو صحیح استعمال پر ہو قانون پر جاری ہو وہ حقیقت ہوگا یا مجاز ہوگا۔ اگر وہ اس معنی میں استعمال ہو جس کے لئے اسے وضع کیا گیا تو وہ حقیقت ہوگا۔ اگر وہ غیر حقیقی معنی میں مستعمل ہو اگر اس معنی اور معنی موضوع لہ کے درمیان علاقہ ہوگا تو وہ مجاز ہوگا بصورت دیگر وہ مرتجل ہوگا۔ مرتجل بھی حقیقت کی اقسام میں سے ہے کیونکہ علاقہ کے بغیر غیر میں اس لفظ کا استعمال یہ بھی وضع جدید ہوتی ہے۔ لفظ معنی موضوع لہ میں استعمال ہو تو اسے حقیقت کہتے ہیں ہم نے استعمال کی قید صحیح سے لگائی ہے۔ مقصود غلط سے احتراز کرنا ہے جس طرح ارض کا لفظ وضع جدید کا قصد کئے بغیر سماء کے لئے استعمال کرنا۔

11203۔ (قولہ: نَعَمْ الخ) مصنف نے اسے بھی ذکر کیا جب ''تلویح'' کی مذکورہ عبارت کے بعد کہا: ہاں اگر قوم

....

اس غلطی کی نطق پر متفق ہوگئی اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ استمتاع کے حلال ہونے پر دلالت کو طلب کرتے ہیں اور یہ نطق ان سے قصد و اختیار کے ساتھ صادر ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کے انعقاد کے قول کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ان کی طرف سے وضع جدید ہوگی جبکہ حالت یہ ہو کہ ایسی قوم جو اس غلطی پر متفق ہوئی ان کے نزدیک ایسے لفظ سے عقد نکاح کے انعقاد کے بارے میں شیخ الاسلام ''ابوسعود'' نے فتویٰ دیا جو دیار رومیہ کے مفتی تھے۔ جہاں تک اس غلط لفظ کے صادر ہونے کا تعلق ہے جبکہ وضع جدید کا قصد نہ ہو جس طرح بعض جاہلوں سے واقع ہوتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ''تلویح'' میں کہا: لفظ کا اپنے معنی موضوع لہ یا غیر معنی موضوع لہ کے لئے استعمال اس وقت معتبر ہوگا جب اس پر دلالت اور اس سے ارادہ کی طلب ہو۔ محض ذکر تصحیح استعمال نہیں ہوگا۔ اور یہ وضع جدید بھی نہیں ہوگا۔

مصنف کی کلام کا حاصل یہ ہے: اگر وہ تجویز کا لفظ نکاح میں استعمال کے لئے وضع جدید کے ساتھ قصداً اتفاق کرلیں تو یہ حقیقت عرفیہ ہوگی جس طرح حقائق مرتجلہ ہوں۔ اور جس طرح عجمی الفاظ میں جنہیں نکاح کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ پس اس کے ساتھ عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ معنی مراد پر دلالت کی طلب پائی جا رہی ہے اور لفظ سے قصد و ارادہ کیا جا رہا ہے۔ ورنہ مذکورہ چیز کے ذکر کے بغیر اس لفظ کا کہنا حقیقت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس معنی کے لئے اسے وضع نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ مجاز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ علاقہ موجود نہیں اس کے ساتھ عقد واقع نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ غلط ہے جس طرح مصنف نے فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ میں انہوں نے اپنے شیخ ''ابونجیم'' اور اپنے معاصر علما کی پیروی کی ہے۔ مگر علامہ خیر ''رملی'' نے ''فتاویٰ خیریہ'' میں اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ علامہ ''رملی'' نے اس سے منازعہ کیا ہے جس سے مصنف نے دلیل پیش کی۔ اسی طرح اپنے ''حاشیہ'' میں جو ''منح'' پر ہے اس میں بھی منازعہ کیا ہے کہ حقیقت اور مجاز کی بحث جو علاقہ کے نہ ہونے پر مرتب ہے اس کا کوئی عمل دخل نہیں جبکہ مصنف اس کا اقرار کر چکے ہیں کہ یہ تصحیف ہے تو پھر علاقہ کی نفی کے ذکر کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایک حرف کے بدلنے کے ساتھ اس میں تصحیف ہے۔ اگر یہ عارف (پہچاننے والا) سے صادر ہو تو اس کے ساتھ عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یہی شیخ ''زین بن نجیم'' اور اس کے معاصر علما کا فتویٰ ہے۔ دلیل اس کے محل میں واقع ہے۔ مشائخ سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ مسئلہ نہیں پایا گیا پس یہ نیا فتویٰ ہے۔

شافعیہ نے ذکر کیا ہے کہ عام آدمی سے اگر یہ صادر ہو کہ زا کو جیم سے بدل دے یا جیم کو زا سے بدل دے تو یہ حکم کے ثابت ہونے میں کوئی نقصان نہیں دے گا جبکہ وہ نکاح کے انعقاد میں بہت ہی سختی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ عقد نکاح کو لفظ نکاح اور تزویج سے جائز سمجھتے ہیں۔ والافتاء بحسب الانہاء فتویٰ علم کی رسائی تک ہوا کرتا ہے۔ جب مفتی سے پوچھا جائے گا کیا لفظ تجویز کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہو جائے گا؟ وہ جواب دے گا: ''نہیں''۔ کیونکہ تصحیف کے ذکر سے تعرض نہیں کیا گیا جبکہ اصل تصحیف کا نہ ہونا ہے جب ایک عامی کے بارے میں پوچھا جائے گا جس نے جیم کو زا پر مقدم کیا اس نے استعارہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اسے تو استعارہ کا پتہ ہی نہیں بلکہ اس نے شرعاً استمتاع کے حلال ہونے کا قصد کیا ایسے لفظ سے جو وارد ہو۔

وَأَمَّا الطَّلَاقُ فَيَقَعُ بِهَا قَضَاءً كَمَا فِي أَوَائِلِ الْأَشْبَاهِ
جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو وہ ایسے الفاظ کے ساتھ قضاءً واقع ہو جائے گی جس طرح ''اشباہ'' کے اوائل میں ہے۔

کہ اس کے لئے وہ واقع ہوا جو ذکر کیا گیا اس میں شافعیہ کی موافقت ہونی چاہئے جب لوگوں کا اس غلطی پر اتفاق ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ اس سے عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ جس طرح ''ابوالسعود'' نے قطعی بات کی ہے۔ جبکہ علما نے غلط اور تصحیف کے اعتبار نہ کرنے کی کئی جگہ تصریح بیان کی ہے۔ علما نے تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ طلاق کو واقع کیا ہے جبکہ طلاق اور نکاح اس چیز میں مشترک ہیں کہ ان دونوں کا ارادہ اور ہنسی مذاق دونوں حتمی ہیں اور شرمگاہیں ذی شان ہیں۔ اور علما نے اس میں طلاق کے وقوع کا فتویٰ دیا ہے جب اس سے علی الطلاق کہا اور انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ کلام تعلیق ہے۔ جب شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ کلام اس کلام کے قائم مقام ہے ان فعلت فانت کذا۔ اس کی مثل ہے الطلاق یلزمنی لا افعل کذا جبکہ یہ کلام ظاہراً شرعی اور لغوی اعتبار سے غلط ہے۔ کیونکہ اس کا رکن موجود نہیں اور مرد طلاق کا محل نہیں۔ ''ابو السعود'' کا قول ''یہ طلاق نہ صریح ہے نہ کنایہ ہے'' انہوں نے محض لفظ کو پیش نظر رکھا ہے عام استعمال کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے شہروں میں موجود نہ تھا۔ جب ہم اس غلط فاحش کا اعتبار نہ کریں تو ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہم اس کا اس میں اعتبار نہ کریں جس میں ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں جبکہ اہل قری اور اہل امصار میں استعمال عام ہے اور کثرت سے ان کا دوران رہتا ہے۔ اس حیثیت سے اگر ان میں سے کسی کو لفظ تزویج کی تلقین کی جائے تو اس پر اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں وہ استعارہ کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ ہم علاقہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نقطہ نظر کا رد کریں بلکہ یہ تو تصحیف ہے جو ان کی زبانوں پر عام ہو چکی ہے۔

بعض مشائخ نے اس امر کو مستحسن قرار دیا ہے کہ کسی حرف کے بدل دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس میں عموم بلویٰ ہے تو جس مسئلہ میں ہم بحث کر رہے ہیں تو اس کا کیا حال ہوگا۔

تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ طلاق کے واقع ہونے کا حکم

11204۔ (قولہ: وَأَمَّا الطَّلَاقُ فَيَقَعُ بِهَا الخ) جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو وہ تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ واقع ہو جائے گی۔ جس طرح الفاظ تلاق، تلاک، طلاک، طلاغ، تلاغ۔ ''بحر'' میں کہا: طلاق قضاءً واقع ہوگی اور اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر جب وہ یہ الفاظ بولنے سے قبل اپنے اوپر گواہ بنائے کہ اس نے کہا: میری بیوی مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور میں اسے طلاق نہیں دیتا تو میں یہ کہتا ہوں۔ عالم اور جاہل میں کوئی فرق نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پھر کوئی فرق نہیں جو نکاح اور طلاق کے درمیان ظاہر ہو۔ ہم نے ''قاضی خان'' کا جو قول پہلے (مقولہ 11179 میں) ذکر کیا ہے اس سے خیر ''رملی'' نے استدلال کیا ہے: مناسب یہ ہے کہ نکاح بھی طلاق اور عتاق کی طرح ہو کہ اس کے معنی کا جاننا شرط نہ ہو۔ کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم اعتبار، قصد و ارادہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جن امور میں ہزل اور جد برابر ہوں ان میں یہ شرط نہیں ہوتا۔ کہا: جب ہم یہ

....

جان چکے ہیں کہ طلاق تصحیف کے ساتھ واقع ہوجاتی ہے تو چاہئے کہ نکاح بھی تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ نافذ ہوجائے۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب کہ طلاق کا وقوع شرمگاہوں میں احتیاط کی وجہ سے ہے۔ پس یہ الزام میں مشترک ہے اس بنا پر کہ نکاح کے واقع ہونے کے بعد صرف تصحیف شدہ لفظ یا مہمل لفظ کی ادائیگی کے ساتھ تفریق میں کوئی احتیاط نہیں بلکہ احتیاط تو نکاح کو باقی رکھنے میں ہے یہاں تک کہ نکاح کو زائل کرنے والی چیز واقع ہوجائے۔ اگر علما وضع جدید اور علاقہ کے بغیر اس تصحیف شدہ لفظ سے قصد کا اعتبار نہ کرتے تو اس کے ساتھ طلاق واقع نہ کرتے۔ کیونکہ وہ لفظ جو غلط ہو اور حقیقت ومجاز سے خارج ہو اس کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے معنی حقیقی جو مراد ہے کا اعتبار کیا ہے۔ انہوں نے لفظ کی تحریف کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ ان کا قول یقع بھا قضاء اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس پر طلاق کے وقوع کا فیصلہ کیا جائے گا اگرچہ وہ کہے میں نے اس کے ساتھ طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کلام کو صریح کی اقسام پر محمول کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی تصدیق کو گواہ بنانے کے ساتھ مقید کیا۔ تو بدرجہ اولی عقد نکاح صحیح ہوگا جب ایک عامی آدمی ''زوجیت'' کی بجائے جوّزت جیم کو مقدم کرنے کے ساتھ ذکر کرے اور زوزت جیم کی جگہ زا ذکر کرے۔ ان الفاظ سے وہ نکاح کے معنی کا قصد کرے۔ اسی چیز پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو ہم نے پہلے ''ذخیرۃ'' سے (مقولہ 11189 میں) نقل کیا ہے۔ جب اس نے کہا: جعلت بنتی ھذہ لك بالف صح میں نے ہزار کے بدلے میں یہ بیٹی تیرے لئے کردی تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ نکاح کا معنی لایا ہے۔ عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا۔ یہ تعلیل اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ کلام جو نکاح کا معنی دے وہ اس کا حکم بھی دے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جب وہ لفظ نکاح یا تزویج یا ایسے لفظ کے ساتھ ہو جو فی الحال کسی عینی چیز کی ملکیت کے لئے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ جوزت یا زوزت سے دونوں متعاقد اور گواہ نہیں سمجھتے مگر یہ کہ اس سے مراد تزویج ہے۔ اور عرف کے اعتبار سے اس سے اس معنی کا قصد کیا جاتا ہے۔ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ ہر عاقد (عقد کرنے والا)، ہر حالف (قسم اٹھانے والا) اور ہر واقف (وقف کرنے والا) کی کلام کو عرف پر ہی محمول کیا جائے گا۔ جب طلاق تصحیف شدہ الفاظ سے واقع ہوجاتی ہے اگرچہ یہ الفاظ عالم سے ہی واقع ہوں جس طرح پہلے (مقولہ 11199 میں) گزر چکا ہے اگرچہ وہ الفاظ متعارف نہ ہوں جس طرح ان کا اس میں اطلاق کا ظاہر ہے تو عوام سے ایسے الفاظ کا واقع ہونا جن میں تصحیف ہو اور وہ متعارف بھی ہوں تو بدرجہ اولیٰ ان کے ساتھ عقد نکاح منعقد ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

تنبیہ

جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ازوجت (جبکہ شروع میں ہمزہ ہو) سے بھی عقد نکاح جائز ہوجائے گا اس سے السید ''محمد ابوسعود'' نے ''حاشیۃ مسکین'' میں اپنے شیخ سے عدم جواز کا قول نقل کرنے کے ساتھ یہ علت بیان کرتے ہوئے اختلاف کیا ہے کہ انہوں نے اسے کتب لغت میں نہیں پایا۔ پس یہ تحریف اور غلط ہوگا۔

(وَلَا بِتَعَاطٍ) احْتِرَامًا لِلْفُرُوجِ (وَشُرِطَ سَمَاعُ كُلٍّ مِنَ الْعَاقِدَيْنِ لَفْظَ الْآخَرِ) لِيَتَحَقَّقَ رِضَاهُمَا

اور نہ عقد نکاح صحیح ہوگا تعاطی کے ساتھ شرمگاہوں کے احترام کی وجہ سے۔ اور متعاقدین میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کے قول کا سننا شرط ہے تاکہ ان دونوں کی رضا ثابت ہو جائے۔

11205۔ (قولہ: احْتِرَامًا لِلْفُرُوجِ) یعنی ان شرمگاہوں کے امر کے ذی شان ہونے اور حرمت کی شدت کی وجہ سے پس شرمگاہوں پر عقد صحیح نہ ہوگا مگر صریح یا کنایہ کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح صحیح ہوگا۔

صحت نکاح کے لیے متعاقدین میں سے ہر ایک کا سننا اور دو گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے

11206۔ (قولہ: سَمَاعُ كُلٍّ) یعنی اگرچہ سننا حکماً ہو جس طرح غائب کی طرف خط لکھا جائے۔ کیونکہ اس کا پڑھنا خطاب کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح پہلے (مقولہ 11162 میں) گزر چکا ہے۔ ''فتح'' میں ہے: گونگے کی جانب سے عقد نکاح منعقد ہو جائے گا جب اس کا اشارہ معلوم ہو۔

11207۔ (قولہ: لِيَتَحَقَّقَ رِضَاهُمَا) یعنی دونوں سے ایسی چیز صادر ہو جو رضامندی پر دال ہو کیونکہ حقیقی رضامندی نکاح میں شرط نہیں کیونکہ عقد جبر اور ہنسی مذاق سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، ''رحمتی''۔

سید ''ابوسعود'' نے ذکر کیا ہے کہ عورت کی جانب سے رضا شرط ہے مرد کی جانب سے رضا شرط نہیں۔ اس کیلئے انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے جو ''قہستانی'' نے مہر میں عقد کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے جب اکراہ عورت کی جانب سے ہو۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''نقایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ نکاح فاسد کی صورت میں کوئی چیز واجب نہ ہوگی اگر اس نے عورت سے وطی نہ کی ہو۔ اگر اس صورت میں مرد نے عورت سے وطی کر لی ہو تو مہر مثل واجب ہو جائے گا۔ ''قہستانی'' نے نکاح فاسد میں کہا: ای الباطل کالنکاح للمحارم المؤبدۃ او المؤقتۃ او باکراہ من جھتھا۔ ان کے قول من جھتھا کا معنی ہے کہ عورت خاوند کو مجبور کرے کہ وہ اس کے ساتھ عقد نکاح کرے۔ عورت کے حق میں مرد پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ کیونکہ جبر عورت کی جانب سے واقع ہوا ہے تو یہ باطل کے حکم میں ہوگا۔ حقیقتاً باطل نہیں ہوگا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ کسی نے عورت کو عقد نکاح پر مجبور کیا ہو۔ اس مسئلہ کی نظیر وہ ہے جو انہوں نے کتاب الاکراہ میں کہی: ''اگر مرد کو مجبور کیا گیا کہ وہ حقوق زوجیت سے قبل ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو مرد پر نصف مہر لازم ہوگا۔ اگر جبر کرنے والا اجنبی ہو تو خاوند نصف مہر کا اس سے مطالبہ کرے گا۔ اگر عورت ہی خاوند کو مجبور کرے کہ خاوند اسے طلاق دے دے تو عورت کے لئے مرد پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ وہاں بھی ''قہستانی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مکرہ کا نکاح صحیح ہے اگر مکرہ مرد ہو، اگر مکرہ عورت ہو تو اس کا نکاح فاسد ہے میں نے کسی سے نہیں پایا کہ جس نے یہ قول ذکر کیا ہو اگرچہ ''قہستانی'' کا سابقہ کلام اس کا وہم دلاتا ہے۔ بلکہ ان کی عبارت مطلق ہے کہ مکرہ کا نکاح صحیح ہے جس طرح اس کی طلاق اور اس کی آزادی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو ہنسی مذاق سے بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ مکرہ کا لفظ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔ جو

وَ شُرِطَ حُضُورُ شَاهِدَيْنِ
اور دو گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے

تخصیص کا دعویٰ کرے تو اس پر لازم ہے کہ نقل صریح کے ساتھ اسے ثابت کرے۔ ہاں علما نے دو روایتوں میں سے ایک میں فرق کیا ہے کہ مرد اور عورت زنا میں جبر کریں۔ پھر میں نے ''حاکم شہید'' کی اکراہ ''الکافی'' میں دیکھا جو جواز میں صریح ہے کیونکہ کہا: اگر عورت کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک ہزار مہر پر عقد نکاح کرے جبکہ اس کا مہر مثل دس ہزار ہے اس عورت کی شادی اس کے اولیاء نے کی جبکہ وہ جبر کرنے والے تھے تو نکاح جائز ہو جائے گا۔ اور قاضی خاوند سے کہے گا: اگر تو چاہے تو اس کا مہر مثل مکمل کر دے اور یہ تیری بیوی رہے اگر مرد اس کا کفو ہو بصورت دیگر ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور عورت کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔ اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔

11208۔ (قولہ: وَ شُرِطَ حُضُورُ شَاهِدَيْنِ) دو گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو عقد نکاح پر گواہیاں دیں۔ جہاں تک نکاح پر وکیل بنانے کا تعلق ہے تو اس کے صحیح ہونے کے لئے گواہی شرط نہیں جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 11146 میں) ''بحر'' میں سے نقل کیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا جب وکیل بنانے کا انکار کیا جائے گا تو اس امر کو ثابت کیا جائے گا۔ ''بحر'' میں ہم نے گواہ بنانے کی قید ذکر کی ہے کہ یہ امر نکاح کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ''اسبیجابی'' کے قول کی وجہ سے ہے۔ جہاں تک باقی عقد کا تعلق ہے وہ گواہوں کے بغیر بھی نافذ ہو جاتے ہیں لیکن گواہ بنانا آیہ کریمہ کی وجہ سے مستحب ہے۔ ''واقعات'' میں ہے: یہ مداینات میں واجب ہے۔ جہاں تک تحریر کا تعلق ہے تو ''محیط'' کے کتاب العتق میں اسے مستحب قرار دیا ہے کہ آزادی کے لئے ایک تحریر لکھ لی جائے اور اس پر گواہ بنا لئے جائیں تا کہ انکار سے بچا جا سکے جس طرح ادھار کاروبار کرنے کی صورت میں تحریر کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ باقی تجارتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں تحریر حرج کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا وقوع بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ نکاح بھی آزادی کی طرح ہو۔ کیونکہ اس کی تحریر میں کوئی حرج نہیں۔

تنبیہ

جو قول ولا المنكوحة مجهولة گزرا ہے اپنے اس قول کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ''بحر'' میں اس قول ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفى الجهالة کی طرف اشارہ ہے۔ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تا کہ جہالت منتفی ہو۔ اگر منکوحہ حاضر ہو اور نقاب میں ہو تو اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔ احتیاط اس میں ہے کہ اس منکوحہ کا چہرہ ظاہر ہو۔ اگر لوگ منکوحہ کی ذات کو نہ دیکھیں اور کمرے سے اس کی کلام کو سنیں اگر وہ کمرہ میں اکیلی ہو تو عقد نکاح جائز ہوگا۔ اگر منکوحہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو جہالت کے زائل نہ ہونے کی وجہ سے عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح جب وہ عقد نکاح کے لئے کسی کو وکیل بنائے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا یعنی اگر لوگ اسے دیکھیں یا وہ کمرے میں تنہا ہو تو لوگوں

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کے لئے جائز ہوگا کہ اس عورت کے خلاف وکیل بنانے پر گواہی دیں جب وہ عورت وکیل بنانے کا انکار کرے بصورت دیگر وہ وکیل بنانے پر گواہی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ موکل کوئی دوسری عورت ہو۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ اس کے بغیر وکیل بنانا صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا یہ معنی ہے کہ یہ عقد فضولی کا عقد ہوگا۔ تو وہ عقد اس کے بعد قولی یا فعلی اجازت کے ساتھ صحیح ہو جائے گا اسی وجہ سے جس کو تو نے ابھی جان لیا ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

خصاف بڑے عالم ہیں ان کی اقتدا کرنا جائز ہے

پھر ''بحر'' میں کہا: اگر منکوحہ غائب ہو اور لوگ اس کا کلام نہ سنیں اس طرح کہ اس کا وکیل اس کا عقد نکاح کرے اگر گواہ اسے پہچانتے ہوں تو اس عورت کا نام ذکر کر دینا ہی کافی ہوگا جب انہیں یہ علم ہو کہ وکیل نے اسی عورت کا ارادہ کیا ہے۔ مگر وہ اسے نہ پہچانتے ہوں تو اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادے کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ ''خصاف'' نے نکاح کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے یہاں تک کہ اگر عورت نے اسے وکیل بنایا تو اس نے دونوں گواہوں کی موجودگی میں کہا: میں نے اپنی موکلہ سے شادی کر لی یا اس عورت سے نکاح کر لیا ہے جس نے اپنا معاملہ میرے سپرد کیا تھا تو ''خصاف'' کے نزدیک عقد صحیح ہو گا۔ ''قاضی خان'' نے کہا۔ ''خصاف'' علم میں بڑی شان والے تھے ان کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ ''حاکم شہید'' نے ''منتقیٰ'' میں ذکر کیا ہے جس طرح ''خصاف'' نے کہا۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ''مضمرات'' سے مروی ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح ''بحر'' ... فصل الوکیل والفضولی میں کہا: مذہب میں مختار اس کے برعکس ہے جو ''خصاف'' نے کہا اگر چہ ''خصاف'' عظیم شخصیت ہیں۔ علما نے عورت کے بارے میں جو ذکر کیا ہے اسی کی مثل مرد میں جاری ہوگا۔ ''خانیہ'' میں ہے: امام ''ابن فضل'' نے کہا: اگر خاوند حاضر ہو اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو عقد جائز ہوگا۔ اگر خاوند غائب ہو تو عقد صحیح نہ ہوگا جب تک خاوند کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام ذکر نہ کیا جائے۔ احتیاط اس میں ہے کہ محلہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ ان سے عرض کی گئی اگر چہ غائب، گواہوں کے نزدیک معروف بھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اگر چہ وہ معروف ہو تو بھی عقد کو اس کی طرف منسوب کرنا ضروری ہوگا۔ غائبہ عورت کے بارے میں ہم نے دوسرے علما سے ذکر کیا ہے کہ جب صرف اس عورت کا نام لیا جائے کسی اور کا نام نہ لیا جائے جبکہ وہ عورت گواہوں کے نزدیک معروف ہو اور گواہوں کو علم بھی ہو جائے کہ گفتگو کرنے والے نے اسی عورت کا ارادہ کیا ہے تو نکاح جائز ہو جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ غائبہ عورت کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام ضروری ہے۔ ''ابن فضل'' کے قول کے مطابق اگر چہ وہ معروف ہو اور دوسرے علما کے نزدیک عورت کا نام ذکر کر دینا کافی ہے اگر وہ لوگوں کے نزدیک معروف ہو ورنہ کافی نہیں ہوگا۔ ''صاحب ہدایہ'' نے ''تجنیس'' میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہا: نام ذکر کرنے سے مقصود

(حُرَّيْنِ) أَوْ حُرِّ وَحُرَّتَيْنِ (مُكَلَّفِيْنَ سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَا مَعًا)
وہ دونوں آزاد مرد ہوں یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتیں ہوں۔ دونوں مکلف ہوں متعاقدین کا قول اکٹھے سن رہے ہوں۔

تعریف ہوتی ہے جبکہ تعریف حاصل ہو چکی ہے۔ ''فتح'' اور ''بحر'' میں اسی کو ثابت کیا ہے۔ ''خصاف'' کے قول کے مطابق مطلقاً کافی ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ جب گواہ زیادہ ہوں تو سب کی معرفت لازمی نہیں بلکہ جب اس عورت کا نام لیا گیا اور حاضرین میں سے دو نے پہچان لیا تو یہ کافی ہو جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ دونوں گواہ (حرین) او حر و حرتین آزاد ہوں یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتیں ہوں۔

یہ پتہ چل جائے کہ جس عورت کا عقد کیا جا رہا ہے وہ فلانہ بنت فلاں ہے اس کی شخصیت اور ذات کی معرفت مراد نہیں۔ اور نام ذکر کرنا بھی کوئی شرط نہیں بلکہ مراد اسم یا جو چیز اسے معین کر دے جو اس اسم کے قائم مقام ہو جائے۔ کیونکہ ''بحر'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور بیٹی کا نام نہ لیا جبکہ اس کی دو بیٹیاں ہوں تو عقد نکاح جہالت کی وجہ سے صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح ''تجنیس'' میں ہے۔ اس میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے: جب نکاح کرنے والے کی ایک ہی بیٹی ہو اور قبول کرنے والے کا ایک بیٹا ہو تو بیٹی کا باپ کہے میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تیرے بیٹے سے کر دیا تو عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ اگر قبول کرنے والے کے دو بیٹے ہوں اگر اس نے ایک بیٹے کا نام لے دیا تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اس میں ''خلاصہ'' سے مروی ہے: جب عورت کا عقد نکاح اس کا بھائی کرے وہ کہے میں نے اپنی بہن کا عقد نکاح کر دیا اور اس کا نام نہ لیا تو عقد نکاح جائز ہو جائے گا اگر اس کی ایک بہن ہو۔ شارح کے قول ولا المنکوحۃ کے ضمن میں جو ہم نے پہلے (مقولہ 11178 میں) ذکر کیا ہے اسے دیکھ لیں۔

11209۔ (قولہ: حُرَّيْنِ الخ) ''بحر'' میں کہا: گواہوں میں آزاد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے۔ غلاموں، مجنونوں، بچوں اور کفار کی موجودگی میں مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہیں (مسلمانوں پر) کوئی ولایت حاصل نہیں۔ غلام قن ہو، مدبر ہو اور مکاتب ہو کسی میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اگر تحمل شہادت کے بعد غلام آزاد ہو جائیں یا بچے بالغ ہو جائیں جبکہ وہ عقد پر گواہ تھے پھر انہوں نے گواہی دی ان کے ساتھ عقد کے وقت ان کے علاوہ کوئی اور فرد بھی موجود تھا پس جو ان کی موجودگی میں عقد نکاح کرتا ہے تو اس کی گواہی جائز ہوتی ہے کیونکہ وہ گواہ بننے کے اہل تھے۔ پس عقد ان غلاموں اور بچوں کے علاوہ کے ساتھ منعقد ہو گیا بصورت دیگر عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ جس طرح ''خلاصہ'' اور دوسری کتابوں میں ہے۔

11210۔ (قولہ: أَوْ حُرِّ وَحُرَّتَيْنِ) ''کنز'' میں اسی طرح ہے۔ مصنف اسے بھول گئے اور ''شارح'' نے اس کا ذکر کیا تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ نکاح کی گواہی میں مرد ہی کافی ہیں جس پر ''خیر رملی'' نے متنبہ کیا ہے۔

صحت نکاح کے لیے دونوں گواہوں کا متعاقدین کے قول کو ایک ساتھ سننا شرط ہے

11211۔ (قولہ: سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَا مَعًا) دو ایسے گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح نہیں ہوگا جو دونوں سوئے

عَلَى الْأَصَحِّ (فَاهِمَيْنِ) أَنَّهُ نِكَاحٌ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ
یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے۔ دونوں گواہ سمجھتے ہوں کہ یہ نکاح ہے مختار مذہب کے مطابق۔ ''بحر''۔

ہوئے ہوں اور بہرے ہوں۔ یہ عام علما کا قول ہے۔ ''زیلعی'' کا اس قول کی تصحیح کرنا کہ عقد نکاح ایسے دو گواہوں کی موجودگی میں صحیح ہو جاتا ہے جو سوئے ہوئے ہوں دو بہروں کی موجودگی میں عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ ''زیلعی'' کا یہ قول ضعیف ہے اسے ''فتح'' اور ''بحر'' میں روایت کیا ہے۔ ''نہر'' میں جواب دیا کہ سونے والوں کو دو ایسے افراد پر محمول کیا جائے جو اونگھنے والے اور سننے والے ہوں اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ تو اتفاق کا محل ہوگا اختلاف کا محل نہیں ہوگا۔ پھر ''نہر'' میں کہا: مناسب تو یہ ہے کہ دو بہروں کی موجودگی میں عقد نکاح کے انعقاد میں بھی اختلاف نہ کیا جائے۔ جب میاں اور بیوی میں سے ہر ایک گونگے ہوں کیونکہ گونگے کا عقد نکاح اشارہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا اشارہ معلوم ہوتا ہے جس طرح علما نے کہا۔

''فتح'' میں کہا: مکتوب کے ذریعے عقد نکاح کی صورت میں جو ہم نے سماع کو شرط قرار دیا تھا کہ وہ مکتوب جو دعوت نکاح پر مشتمل ہے اس کو گواہوں کا سننا شرط ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عورت ان گواہوں پر اس مکتوب کو پڑھے یا وہ اس عبارت کو سنیں کہ عورت کہے کہ فلاں مرد نے مجھے لکھا کہ وہ مجھے دعوت نکاح دیتا ہے۔ پھر وہ ان حاضرین کو گواہ بناتی ہے کہ اس نے اپنا نکاح اس مرد سے کر دیا ہے۔ لیکن جب مکتوب لفظ امر کے ساتھ ہو کہ اس نے لکھا تو عورت اپنی شادی مجھ سے کر دے تو گواہوں کا سننا شرط نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں معاملہ اس پر مبنی ہے کہ امر کا صیغہ وکیل بنانا ہے۔ کیونکہ وکیل بنانے پر گواہ بنانا شرط نہیں۔ جہاں تک اس کے ایجاب ہونے کا تعلق ہے تو گواہ بنانا شرط ہوگا جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ جو بحث گزر چکی ہے ہم نے اس میں سے اس کی وضاحت (مقولہ 11208 میں) کر دی ہے۔

معاً کے قول سے وہ خارج ہو جائے گا جب دونوں متفرق طور پر سنیں اس طرح کہ ایک عقد میں حاضر ہو پھر وہ غائب ہو جائے اور دوسرے کی موجودگی میں اسے دہرایا جائے، یا ان دونوں میں سے ایک عقد کو سنے پھر اسے دہرایا جائے تو دوسرا اسے سنے پہلا نہ سنے، یا دونوں میں سے ایک ایجاب کو سنے اور دوسرا قبول کو سنے پھر اعادہ کیا جائے تو ہر ایک وہ حصہ سنے جسے اس نے پہلے نہیں سنا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں دو عقد پائے گئے ان دونوں میں سے کسی میں بھی دو گواہ حاضر نہ تھے جس طرح ''نقایہ'' کی شرح میں ہے۔

11212۔ (قوله: عَلَى الْأَصَحِّ) یہ ان کے قول سامعین اور ان کے قول معاً کی طرف راجع ہے۔ قول اول کے مقابل دونوں کا محض حاضر ہونا ہے اور دوسرے قول کا مقابل جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر مجلس متحد ہو تو استحساناً عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ جس طرح ''فتح'' میں ہے۔

11213۔ (قوله: فَاهِمَيْنِ الخ) ''بحر'' میں کہا: ''تبیین'' میں قطعی طور پر کہا کہ اگر دونوں نے دو ہندی لوگوں کے سامنے عقد نکاح کیا جو دونوں ان کا کلام سمجھتے ہی نہ تھے تو عقد نکاح جائز نہ ہوگا۔ ''جوہرۃ'' میں اس کی تصحیح بیان کی ہے۔ ''ظہیریہ'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ سمجھنا شرط ہے کہ یہ عقد نکاح ہے۔ ''خانیہ'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے یہی مذہب ہے۔

مُسْلِمَيْنِ لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ
مسلمان عورت کے نکاح کے لئے دونوں گواہ مسلمان ہوں اگر چہ فاسق ہوں۔ یا دونوں پر حد قذف لگائی گئی ہو

لیکن ''خلاصہ'' میں ہے: اگر دونوں عربی زبان کو اچھی طرح سمجھتے ہوں دونوں نے اسی زبان میں عقد کیا جبکہ گواہ اسے نہ پہچانتے ہوں۔ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اصح یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فہم کے شرط ہونے میں اختلاف ہے۔ ''خلاصہ'' میں جو کلام ہے ''نہر'' میں اسے اس پر محمول کیا ہے کہ گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے سننا اور سمجھنا شرط نہیں۔ یعنی یہ اصح کے خلاف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ''رحمتی'' نے دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ شرط ہونے کا قول اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ سمجھنا شرط ہے کہ یہ عقد نکاح ہے اور شرط نہ ہونے کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ جاننے کے بعد کہ ان سے مراد عقد نکاح ہے الفاظ کے معانی سمجھنا شرط نہیں۔

11214۔ (قولہ: لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ) یہ ان کے قول مسلمین کے لئے قید ہے۔ اس قول کے ساتھ ذمیہ کے نکاح سے احتراز کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمیہ (اہل کتاب) سے دو ذمیوں کی موجودگی میں عقد نکاح کرے گا تو وہ عقد نکاح صحیح ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

لیکن یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اس سے قبل جو شرطیں ہیں کہ یہ کفار کے نکاح میں بھی شرط ہیں جبکہ اس کا نکاح گواہوں کے بغیر بھی صحیح ہو جاتا ہے جب وہ گواہوں کے بغیر عقد نکاح کے انعقاد کا اعتقاد رکھتے ہوں جس طرح یہ بحث اس کے باب میں آئے گی۔ اس اعتراض کو دور کرنے کے لئے ''ہدایہ'' میں کہا: مسلمانوں کا عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو ایسے گواہوں کی موجودگی میں جو آزاد ہوں الخ۔

بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کلام مسلمانوں کے نکاح کے بارے میں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کے نکاح کے بارے میں علیحدہ باب باندھیں گے۔ جب مسلمان ذمیہ عورت سے شادی کرے تو اس میں دونوں گواہوں کا مسلمان ہونا شرط نہیں تو اپنے اس قول (نکاح مسلمۃ) کے ساتھ احتراز کیا ہے۔

11215۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِقَيْنِ الخ) یہ چیز جان لیں کہ نکاح کے دو حکم ہیں۔ (۱) انعقاد کا حکم (۲) اظہار کا حکم۔ پہلا تو وہی ہے جو ذکر کر دیا ہے۔ دوسرا اس وقت ہوگا جب باہم انکار کیا جائے گا۔ اظہار میں اس کی شہادت قبول ہوگی جس کی باقی احکام میں شہادت قبول ہوگی جس طرح ''شرح طحاوی'' میں ہے۔ ہمارے نزدیک عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب دو ایسے گواہ حاضر ہوں جو فاسق ہوں، اندھے ہوں، محدود فی القذف ہوں اگر چہ وہ توبہ نہ کریں۔ دونوں متعاقدین کے بیٹے ہوں اگر چہ قاضی کے سامنے ان گواہوں کی اداء شہادت قبول نہ ہوگی جس طرح دو دشمنوں کی موجودگی میں عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

خاص کا عام پر عطف

11216۔ (قولہ: أَوْ مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ) یعنی حد قذف کے جاری ہونے کے بعد وہ دونوں توبہ کر چکے ہیں۔

أَوْ أَعْمَيَيْنِ أَوْ ابْنَيِ الزَّوْجَيْنِ أَوْ ابْنَيْ أَحَدِهِمَا، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتُ النِّكَاحُ بِهِمَا) بِالِابْنَيْنِ (إِنْ ادَّعَى الْقَرِيبُ،

یا دونوں اندھے ہوں یا متعاقدین کے بیٹے ہوں یا ان دونوں میں سے ایک کے بیٹے ہوں اگرچہ دونوں کے ساتھ عقد نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ ھما ضمیر سے مراد دو بیٹے ہیں اگرچہ قریبی دعوی کرے

''نہر'' میں کہا: اس قید کا ہونا ضروری ہے بصورت دیگر تکرار لازم آئے گا۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مصنف کے مطلقاً ذکر کرنے سے مقصود امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے جو فاسق معلن اور ایسے محدود فی قذف کے بارے میں ہے جس نے ابھی توبہ نہ کی ہو۔ جہاں تک مستور الحال اور ایسا محدود فی قذف جو توبہ کر چکا ہو ان دونوں کے بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں۔ اعم کے بعد اخص کا ذکر افصح کلام میں واقع ہوا ہے۔ کیونکہ علما نے تصریح بیان کی ہے کہ جب خاص کو عام کے مقابل ذکر کیا جائے تو اس عام سے مراد خاص کے علاوہ افراد ہوتے ہیں۔ لیکن ''مغنی'' میں ہے: خاص کا عام پر جب عطف کیا جائے تو صرف عطف واؤ اور حتی کے ساتھ ہوگا۔ لیکن فقہا او کے ساتھ عطف میں بھی تسامح سے کام لیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض علما نے ثم اور او کے ساتھ عطف کے جواز کی بھی تصریح کی ہے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے۔ من کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ ینکحھا (1) جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے پائے یا عورت کی طرف ہو کہ اس سے نکاح کرے (یہاں خاص کا عام پر عطف حرف او کے ساتھ ہے)۔

11217۔ (قولہ: أَوْ أَعْمَيَيْنِ) ''ہدایہ''، ''کنز''، ''وقایہ''، ''مختار''، ''اصلاح''، ''جوہرہ''، ''شرح نقایہ''، ''فتح'' اور ''خلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔ یہ ''خانیہ'' میں موجود قول کے خلاف ہے: ہمارے نزدیک اندھے کی گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان تمیز پر قادر نہیں۔ اور اسی طرح ان دونوں کی طرف اشارہ کرنے پر بھی قادر نہیں۔ اس کی کلام شہادت نہ ہوگی اور اس کی موجودگی میں عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ مختار مذہب وہی ہے جس پر اکثر علما ہیں، ''نوح''۔

11218۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَثْبُتُ النِّكَاحُ بِهِمَا) ھما ضمیر سے مراد دونوں بیٹے ہیں یعنی ان دونوں کی گواہی سے عقد نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ ان کا قول بالابنین یہ ضمیر مجرور سے بدل ہے۔ ایک نسخہ میں لھما ای للزوجین ہے۔ ہم نے انعقاد کے حکم اور اظہار کے حکم میں جو فرق بیان کیا ہے اس کی طرف (مقولہ 11215 میں) اشارہ کیا ہے۔ یعنی ان دونوں کی شہادت سے عقد نکاح منعقد تو ہو جائے گا اگرچہ انکار کی صورت میں عقد نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ یہ حکم بیٹوں کے ساتھ خاص نہیں جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11215 میں) بیان کر چکے ہیں۔

11219۔ (قولہ: إِنْ ادَّعَى الْقَرِيبُ) یعنی اگرچہ وہ دونوں صرف مرد کے بیٹے ہوں یا صرف اس عورت کے بیٹے ہوں۔ ان دونوں میں سے ایک نکاح کے انعقاد کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کا انکار کرے تو مدعی کے دونوں بیٹوں کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے خلاف قبول ہوگی۔ اگر دونوں عورت کے بیٹے ہوں تو ان دونوں کی گواہی مدعی کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ، جلد 1، صفحہ 45، حدیث نمبر 1

كَمَا صَحَّ نِكَاحُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ) وَلَوْ مُخَالِفَيْنِ لِدِينِهَا (وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ) النِّكَاحُ (بِهِمَا مَعَ إِنْكَارِهِ) وَالْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ مَلَكَ قَبُولَ النِّكَاحِ بِوِلَايَةِ نَفْسِهِ انْعَقَدَ بِحَضْرَتِهِ

جس طرح مسلمان مرد کا نکاح ذمیہ عورت کے ساتھ دو ذمیوں کی موجودگی میں صحیح ہے اگرچہ دین میں اس عورت کے خلاف ہوں۔ اگرچہ اس کے انکار کے ساتھ دونوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی ولایت کی وجہ سے نکاح کے قبول کا مالک ہو اس کی موجودگی میں عقد نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

حق اور اس کے خلاف قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ ان کی شہادت ان کے اصل کے حق میں ہونے سے خالی نہیں۔ اسی طرح اگر ان دونوں میں سے ایک عورت کا بیٹا ہو اور دوسرا مرد کا بیٹا ہو تو اصلاً گواہی قبول نہ ہوگی۔ جس طرح ''بحر'' میں ہے۔

11220۔ (قولہ: كَمَا صَحَّ الخ) کیونکہ شہادت نکاح میں شرط ہے۔ کیونکہ اس میں مرد کے حق میں عورت کے خلاف متعہ کی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔ گواہی کا شرط ہونا آدمی کے جز کی تعظیم کی خاطر ہے۔ عورت کے حق میں مرد کے خلاف مہر کے ثبوت کے لئے نہیں۔ کیونکہ مال کے وجوب میں شہادت شرط نہیں جس طرح بیع وغیرہ میں ہے۔ ذمی اپنی مثل پر گواہ بن سکتا ہے کیونکہ اسے ذمی پر ولایت حاصل ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ صحیح نہیں۔ اس کی مفصل بحث ''فتح'' وغیرہ میں ہے۔ ذمیہ سے مراد کتابیہ ہے۔ جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: غیر کتابیہ خارج ہو گئی جس طرح محرمات کی فصل میں آئے گا۔ اور حربی کتابیہ داخل ہوگی اگرچہ دار الحرب میں اس کا نکاح مکروہ ہے جس طرح شارح نے اس کا ذکر محرمات ''شرح الملتقی'' میں کیا ہے۔

11221۔ (قولہ: وَلَوْ مُخَالِفَيْنِ لِدِينِهَا) جس طرح وہ دونوں گواہ نصرانی ہوں اور وہ عورت یہودی ہو۔ اس کا اطلاق ان دو ذمیوں کو بھی شامل ہے جو کتابی نہ ہوں جیسے مجوسی۔ ظاہر یہ ہے کہ اس قید سے دو حربی گواہوں سے احتراز کیا گیا۔ کیونکہ ''زیلعی'' کا قول ہے: ذمی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مثل کے خلاف گواہی دے۔ اس نے اس امر کا فائدہ دیا کہ حربی کی ذمی کے خلاف شہادت قبول نہ ہوگی۔ امان لے کر آنے والا بھی حربی ہی ہوتا ہے یہ سید ''ابو السعود'' نے بیان کیا ہے۔

11222۔ (قولہ: مَعَ إِنْكَارِهِ) یعنی مسلمان مرد، ذمیہ عورت کے ساتھ عقد نکاح کا انکار کرے۔ جہاں تک عورت کے انکار کا تعلق ہے تو شیخین کے نزدیک مطلقاً قبول ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر دونوں نے کہا: عقد نکاح کے وقت ہمارے پاس دو مسلمان تھے تو وہ عقد قبول ہوگا بصورت دیگر قبول نہیں ہوگا۔ یہی اختلاف کی صورت ہوگی اگر دونوں مسلمان ہو جائیں اور گواہی دیں، ''نہر''۔

11223۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ عِنْدَنَا الخ) یہ ''نہر'' کی عبارت ہے۔ ''اسبیجابی'' نے کہا: اصل یہ ہے کہ جو آدمی اپنی ذات پر ولایت کی وجہ اس میں ولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ہمارے قول بولایۃ نفسہ سے مراد ہے کہ مکاتب کو اس سے خارج کیا جائے اگرچہ مکاتب اپنی لونڈی کا عقد نکاح کرنے کا مالک ہے مگر

(أَمَرَ الْأَبُ (رَجُلًا أَنْ يُزَوِّجَ صَغِيرَتَهُ فَزَوَّجَهَا عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَتَيْنِ، وَ) الْحَالُ أَنَّ (الْأَبَ حَاضِرٌ صَحَّ) لِأَنَّهُ يُجْعَلُ عَاقِدًا حُكْمًا (وَإِلَّا لَا وَلَوْ زَوَّجَ بِنْتَهُ الْبَالِغَةَ) الْعَاقِلَةَ (بِمَحْضَرِ شَاهِدٍ وَاحِدٍ جَازَ إنْ) كَانَتْ ابْنَتُهُ (حَاضِرَةً) لِأَنَّهَا تُجْعَلُ عَاقِدَةً

باپ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کی چھوٹی بیٹی کا عقد نکاح کر دے تو اس آدمی نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں اس کی شادی کر دی جبکہ باپ حاضر تھا تو یہ صحیح ہوگا کہ باپ کو حکماً عاقد بنالیا جائے بصورت دیگر عقد نکاح نہ ہوگا۔ اگر باپ نے اپنی بالغ عاقلہ بچی کا نکاح کیا ایک گواہ کی موجودگی میں تو عقد نکاح جائز ہوگا اگر بچی حاضر ہو۔ کیونکہ اسے عقد کرنے والی بنایا جائے گا

اپنی ذات پر ولایت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ولایت اسے اس کے آقا سے حاصل ہوئی ہے۔

یہ قول اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ جس آدمی پر حجر کیا گیا ہو اس کی موجودگی میں بھی عقد نکاح نہ ہو۔ میں نے اس قول کو دیکھا نہیں۔

11224۔ (قولہ: أَمَرَ الْأَبُ رَجُلًا) یعنی باپ نے اسے وکیل بنایا صغیرتہ میں ضمیر بارز باپ کے لئے ہے۔ زوجھا میں ضمیر مستتر اس مرد کے لئے ہے جسے نکاح کا حکم دیا گیا۔ اس کا مرد ہونا مثال ہے اگر وہ عورت ہو تب بھی صحیح ہے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ اس کے ساتھ ایک مرد ہو یا ایک مرد اور ایک عورت ہو جس طرح ''بحر'' میں بیان کیا ہے۔

11225۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُجْعَلُ عَاقِدًا حُكْمًا) کیونکہ نکاح میں وکیل سفیر اور معبر ہے جو موکل کی عبارت نقل کرتا ہے۔ جب موکل حاضر ہو تو وہ خود عقد نکاح کرنے والا ہے۔ کیونکہ عبارت (گفتگو) اس موکل کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جبکہ وہ مجلس میں ہو۔ مباشر سے مراد اس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ جب وہ غائب ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مباشر میں جو حضور کا مفہوم ہے اس سے ماخوذ ہے۔ تو اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ حاضر کو مباشر کی حیثیت دینا جبری ہے۔ اس سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جسے ''نہایہ'' میں وارد کیا ہے کہ یہ تکلف ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ باپ گواہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے مباشر سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر بالغ بچی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''فتح'' میں ملخص اس کی مفصل بحث ''بحر'' میں ہے۔

11226۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر وہ حاضر نہ ہو تو صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عدم موجودگی میں عبارت کے اس کی طرف منتقل ہونے سے وہ مباشر نہیں بنے گا۔

11227۔ (قولہ: وَلَوْ زَوَّجَ بِنْتَهُ الْبَالِغَةَ الْعَاقِلَةَ) اس عورت کا اس کی بیٹی ہونا قید نہیں کیونکہ اگر وہ عورت کسی اور کو وکیل بناتی تو پھر بھی حکم یہی ہوتا۔ ''ہندیہ'' میں اسی طرح ہے۔

بالغ کی قید ذکر کی ہے کیونکہ اگر وہ صغیرہ ہو تو ولی شاہد نہیں ہوگا۔ کیونکہ عقد کا عورت کی طرف منتقل کرنا ممکن نہیں، ''بحر''۔ عاقلہ کی قید لگائی ہے کیونکہ مجنونہ صغیرہ کی طرح ہے۔ ''ط'' نے اسے بیان کیا ہے۔

11228۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تُجْعَلُ عَاقِدَةً) کیونکہ وکیل کی عبارت اس موکلہ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ یہ مجلس میں

وَإِلَّا لَا، الْأَصْلُ أَنَّ الْآمِرَ مَتَى حَضَرَ جُعِلَ مُبَاشِرًا، ثُمَّ إِنَّمَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمَأْمُورِ إذَا لَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ عَقَدَهُ لِئَلَّا يَشْهَدَ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ وَلَوْ زَوَّجَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ الْبَالِغَ بِحَضْرَتِهِ وَوَاحِدٍ لَمْ يَجُزْ عَلَى الظَّاهِرِ

بصورت دیگر نہیں۔ اصل یہ ہے کہ آمر جب حاضر ہوتو اسے مباشر بنایا جاتا ہے پھر مامور کی گواہی قبول کی جائے گی جب وہ یہ ذکر نہ کرے کہ اس نے یہ عقد کیا تا کہ اپنے فعل پر گواہی نہ دے۔ اگر آقا نے اپنے بالغ غلام کا نکاح اس کی اور ایک اور آدمی کی موجودگی میں کیا تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں ہوگا۔

ہوسکتا ہے تو وہ ضرورت کی بنا پر مباشر ہوگی کیونکہ اسے اپنی ذات کے خلاف گواہ بنانا ممکن نہیں۔

11229۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) وہ عورت حاضر نہ ہوتو عقد نافذ نہ ہوگا بلکہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ جس طرح ''حموی'' میں ہے۔ کیونکہ یہ فضولی سے ادنیٰ حال میں نہیں اور فضولی کا عقد باطل نہیں ہوتا۔ ''ط'' میں ''ابوالسعود'' سے مروی ہے۔

11230۔ (قولہ: جُعِلَ مُبَاشِرًا) کیونکہ جب وہ مجلس میں ہوتو عبارت اس کی طرف منتقل ہو جائے گی جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 11225 میں) بیان کیا ہے۔

11231۔ (قولہ: ثُمَّ إِنَّمَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمَأْمُورِ) یعنی باہمی انکار اور اظہار کے ارادہ کے وقت۔ جہاں تک انعقاد کا معاملہ ہے جس کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے تو شہادت مطلقاً قبول ہوگی۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مرد جب عقد کا والی بنے تو وہ گواہ بنے اور خاوند فوت ہو جائے اور اس کے وارث انکار کر دیں۔ جس طرح ''صفار'' سے حکایت بیان کی گئی ہے۔ کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ عقد کا ذکر کرے کسی اور چیز کو ذکر نہ کرے وہ کہے: یہ اس کی منکوحہ ہے۔ اسی طرح علما نے ان دو بھائیوں کے بارے میں کہا: جب دونوں نے اپنی بہن کی شادی کی پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ نکاح کے گواہ بن جائیں تو انہیں کہنا چاہئے یہ اس کی منکوحہ ہے۔ ''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے منقول ہے۔

11232۔ (قولہ: لِئَلَّا يَشْهَدَ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ) قبانی (وزن کرنے والا) اور قاسم (تقسیم کرنے والا) کی گواہی اس کو رد کرتی ہے۔ کیونکہ اسے قبول کیا جاتا ہے جبکہ وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ فعل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی خفا نہیں کہ عقد، عاقد کے فعل کے ساتھ لازم ہوتا ہے اس کی اپنے ہی فعل پر گواہی یہ گواہی ہے کہ اس نے ہی عقد کے موجبات کو لازم کیا تو یہ گواہی لغو ہے۔ قبانی اور قاسم کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان کا فعل کسی چیز کو لازم کرنے والا نہیں۔ جہاں تک قبانی کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے جہاں تک قاسم کا تعلق ہے تو شہادات ''بزازیہ'' میں ہے کہ قبول کی وجہ یہ ہے کہ ملک تقسیم سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ باہم رضامندی سے ہوتی ہے یا قرعہ کے استعمال سے ثابت ہوتی ہے، پھر اس پر رضامندی سے ہوتی ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

11233۔ (قولہ: وَلَوْ زَوَّجَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ) یعنی آقا نے اپنے غلام اور اپنی لونڈی کا عقد نکاح کیا جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ قولہ: بحضرتہ میں ضمیر سے مراد عبد (غلام) ہے۔ قولہ: وواحد واحد جر کے ساتھ اس کا عطف ضمیر پر ہے۔ قولہ: لم یجز علی الظاهر۔ ''نہر'' میں اسے ذکر کیا۔ سید ''ابوسعود'' نے اسے ''الداریہ'' سے نقل کیا ہے جب آقا اپنی لونڈی کا عقد نکاح

وَلَوْ أَذِنَ لَهُ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ الْمَوْلَى وَرَجُلٍ صَحَّ، وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى (وَلَوْ قَالَ) رَجُلٌ لِآخَرَ (زَوَّجْتَنِي ابْنَتَكَ فَقَالَ) الْآخَرُ (زَوَّجْتُ أَوْ) قَالَ (نَعَمْ) مُجِيبًا لَهُ (لَمْ يَكُنْ نِكَاحًا مَا لَمْ يَقُلْ) الْمُوجِبُ بَعْدَهُ (قَبِلْتُ) لِأَنَّ زَوَّجْتَنِي اسْتِخْبَارٌ وَلَيْسَ بِعَقْدٍ،

اگر اس غلام کو اجازت دی اور غلام نے اپنے آقا اور ایک اور آدمی کی موجودگی میں عقد نکاح کیا تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔ فرق مخفی نہیں۔ اگر ایک آدمی نے دوسرے سے کہا تو نے اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دیا ہے تو دوسرے نے کہا میں نے نکاح کر دیا ہے یا کہا: ہاں۔ یہ اسے جواب دیتے ہوئے کہا تو نکاح نہ ہوگا۔ جب تک موجب (پہلا مرد) اس کے بعد یہ نہ کہے میں نے قبول کیا کیونکہ زوجتنی استخبار واستفہام ہے عقد نہیں۔

کرے۔ لونڈی اور غلام میں کوئی فرق نہیں۔ ''بحر'' میں مذکور ہے کہ انہوں نے ''فتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ آقا کا خود عقد کرنا یہ دونوں سے شادی کے متعلق حجر (روکنا) کو ختم کرنا نہیں بصورت دیگر اس کے وکیل کے مسئلہ میں بھی فک صحیح ہوگا۔ یعنی اگر آقا کے وکیل نے غلام کا عقد نکاح غلام کی موجودگی میں ایک اور آدمی کے ہوتے ہوئے کیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

11234۔ (قولہ: صَحَّ) یعنی عقد صحیح ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ کلام سید کی طرف منتقل ہو جائے گا کیونکہ غلام تو آقا کا وکیل ہے۔ فائدہ۔ (نکاح کرنے والا آقا ہو تو نکاح کے لئے دو گواہ ضروری ہیں جبکہ یہاں گواہ ایک ہے اور دوسرا غلام ہے۔ جس کا عقد نکاح کیا جا رہا ہے نصاب شہادت مکمل نہیں اس لئے عقد نہ ہوگا) ''مترجم''۔

''فتح'' میں کہا: زیادہ صحیح جائز ہونا ہے۔ جواز اس پر مبنی ہے کہ لونڈی اور غلام کا وکیل ہونا ممنوع ہے۔ کیونکہ انہیں عقد نکاح کی اجازت ان دونوں سے عقد نکاح کے بارے میں حجر کو ختم کرنا ہے، وہ دونوں اس کے بعد تصرف کرتے ہیں اور دونوں اپنی اہلیت کی بنا پر تصرف کرتے ہیں نیابت کے طریقہ پر تصرف نہیں کرتے۔

11235۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى) اس سے مراد وہی ہے جو ہم نے ''فتح'' سے ذکر کیا ہے کہ آقا کا خود عقد نکاح کرنا یہ غلام سے عقد نکاح کے بارے میں فک حجر نہیں۔ پس عقد غلام کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ آقا ہی خود عقد کرنے والا ہوگا اور وہ گواہ نہیں بن سکے گا۔ مگر جب وہ غلام کو نکاح کرنے کی اجازت دے دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ غلام کو نکاح سے روکا گیا ہے وہ آقا کے حق کی وجہ سے ہے اہلیت کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں روکا گیا۔ اجازت کے ساتھ وہ اصیل بن جاتا ہے نائب نہیں رہتا۔ پس عقد آقا کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور آقا گواہ بن سکے گا اور اس کی موجودگی میں عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔

11236۔ (قولہ: مَا لَمْ يَقُلْ الْمُوجِبُ بَعْدَهُ) یعنی دوسرے کے قول زوجت یا نعم کے بعد قبلت نہ کہے۔ کیونکہ دوسرے کا یہ قول زوجت یا نعم ایجاب ہوگا تو اسے پہلے کے قول کی ضرورت ہوگی کہ وہ کہے قبلت میں نے قبول کیا۔ اسے موجب کا نام صورت کو دیکھتے ہوئے دیا ہے۔

11237۔ (قولہ: لِأَنَّ زَوَّجْتَنِي اسْتِخْبَارٌ) مسئلہ ''خانیہ'' سے ماخوذ ہے۔ یہ پہلے (مقولہ 11151 میں) گزر

بِخِلَافِ زَوِّجْنِي: لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ (غَلِطَ وَكِيلُهَا بِالنِّكَاحِ فِي اسْمِ أَبِيهَا بِغَيْرِ حُضُورِهَا لَمْ يَصِحَّ) لِلْجَهَالَةِ وَكَذَا لَوْ غَلِطَ فِي اسْمِ بِنْتِهِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً وَأَشَارَ إِلَيْهَا فَيَصِحُّ

زوجنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ توکیل (وکیل بنانا) ہے جس کو عورت کا نکاح کرنے کے لئے وکیل بنایا گیا اس نے عورت کے باپ کا نام لینے میں غلطی کی جبکہ عورت حاضر نہ تھی تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جہالت ہے اس طرح اگر اس کی بیٹی کا نام لینے میں غلطی کی مگر جب وہ عورت حاضر ہوا اور وکیل نے اس کی طرف اشارہ کیا تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔

چکا ہے کہ اگر وہ استفہام کی تصریح کرتا اور کہتا: کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے عطا کر دی ہے تو وہ کہتا۔ میں نے عطا کر دی ہے اور مجلس نکاح کی ہو تو عقد نکاح منعقد ہو جائے گا تو یہ انعقاد کے زیادہ مناسب ہے۔ یا تو اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ مجلس عقد نکاح کی نہیں۔ اور ''کافی'' حاکم میں کہا: جب ایک مرد نے ایک عورت سے کہا: میں تجھ سے اتنے یا اتنے کے بدلے میں نکاح کرتا ہوں تو عورت نے کہا: میں نے ایسا کر دیا تو یہ اس کے اس قول کے قائم مقام ہوگا: قد تزوجتك میں نے تجھ سے شادی کر لی۔ اس مسئلہ میں اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ خاوند کہے: میں نے اسے قبول کر لیا۔ اسی طرح جب کوئی مرد کہے: میں نے تجھے ایک ہزار درہم کے بدلہ میں دعوت نکاح دی تو عورت نے کہا: میں نے تیری شادی اپنے سے کر دی یہ سب جائز ہے جب اس عقد کے گواہ ہوں۔ کیونکہ یہ لوگوں کا کلام ہے یہ قیاس نہیں، ''رحمتی''۔

11238۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ) یعنی دوسرے کی کلام ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایجاب ہے اس میں جو ضعف ہے وہ گزر چکا ہے، ''ط''۔

اگر وکیل نکاح نے باپ یا اس کی بیٹی کا نام لینے میں غلطی کی تو اس کا حکم

11239۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ) کیونکہ غائب عورت کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادے کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات پہلے (مقولہ 11208 میں) گزر چکی ہے جب گواہ اس عورت کو پہچانتے ہوں تو صرف اس عورت کا نام لے دینا کافی ہوتا ہے۔ ''ابن فضل'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''خصاف'' کے نزدیک مطلقاً کافی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ہمارے مسئلہ میں یہ سب کے نزدیک صحیح نہیں۔ کیونکہ صرف نام ذکر کرنا وہ عورت کو مراد سے غیر کی طرف نہیں پھیرتا۔ اس اسم کا ذکر جسے کسی اور باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ فاطمہ بنت احمد اس کا صدق فاطمہ بنت محمد پر نہیں ہوتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔ اسی طرح کی بات اس صورت میں بھی کی جاتی ہے جب وکیل عورت کے نام میں غلطی کرتا ہے۔

11240۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَاضِرَةً الخ) یہ عبارت دونوں مسئلوں کی طرف راجع ہے یعنی اگر اس عورت کی طرف اشارہ کیا گیا اور وکیل نے اس کے باپ کے نام یا اس کے نام میں غلطی کی تو یہ اسے کچھ نقصان نہیں دے گا۔ کیونکہ اشارہ حسیہ کی صورت میں تعریف، نام کے ساتھ تعریف سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ کسی عارضہ کی وجہ سے تسمیہ میں اشتراک ہو سکتا ہے پس نام لینا لغو چلا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: اقتديت بزيد هذا میں نے اس زید کی اقتدا کی تو وہ عمرو تھا تو یہ صحیح ہوگا۔

وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ أَرَادَ تَزْوِيجَ الْكُبْرَى فَغَلِطَ فَسَمَّاهَا بِاسْمِ الصُّغْرَى صَحَّ لِلصُّغْرَى خَانِيَةٌ (وَلَوْ بَعَثَ) مُرِيدُ النِّكَاحِ

اور اگر اس کی دو بیٹیاں ہوں وہ کبریٰ کے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو تو اس نے غلطی کی اور اس نے اس کے نام کی جگہ چھوٹی کا نام لیا تو عقد نکاح چھوٹی کے لئے صحیح ہوگا۔''خانیہ''۔اگر نکاح کے ارادہ کرنے والے نے کچھ لوگوں کو

11241۔(قولہ: وَلَوْ لَهُ بِنْتَانِ الخ) مثلاً بڑی کا نام عائشہ ہو اور چھوٹی کا نام فاطمہ ہو۔ اور وہ کہے: میں نے تجھ سے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کی شادی کر دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فاطمہ کا عقد صحیح ہو جائے گا اگر چہ اس کی مراد عائشہ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ ''بڑی'' کے ساتھ صفت نہ لگائے۔ اگر وہ کہے: میں نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کا نکاح کیا تو ''ولوالجیہ'' میں ہے کہ کسی کا بھی عقد نکاح نہ ہو کیونکہ اس نام کی اس کی بڑی بیٹی نہیں۔''فتح''میں''خانیہ'' سے اسی طرح ہے۔

یہاں نیت کوئی نفع نہ دے گی۔ جب لفظ کو مراد سے پھیر دیا گیا تو گواہوں کی پہچان بھی نہ رہی۔ جس طرح ہم نے (مقولہ 11239 میں) کہا۔ اس کی مثل ''بحر''میں''ظہیریہ'' سے ہے: اگر صغیرہ کے باپ نے صغیر کے باپ سے کہا: میں نے اسے قبول کر لیا تو نکاح باپ کے لئے ثابت ہوگا یہی قول صحیح ہے۔ ضروری ہے کہ اس میں احتیاط برتی جائے۔ وہ کہے: میں نے اپنے بیٹے کے لئے قبول کی۔''فتح''میں فارسی زبان میں مسئلہ ذکر کرنے کے بعد کہا: باپ کے لئے نکاح جائز ہوگا اگر چہ مقدمات نکاح بیٹے کے لئے ہوتے رہے۔ یہی پسندیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ باپ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر بچی کا باپ کہے: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تیرے بیٹے سے کر دیا تو بیٹے کے باپ نے کہا: میں نے اسے قبول کر لیا اور اس نے ''اپنے بیٹے کے لئے'' کا لفظ ذکر نہ کیا تو نکاح بیٹے کے لئے جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ نکاح کرنے والے نے یقین کے ساتھ نکاح کو بیٹے کی طرف منسوب کیا اور قبول کرنے والے کا قول اس کا جواب ہے۔ جواب، اول قول کے ساتھ مقید ہوتا ہے تو اس کا یہ قول اس طرح ہو جائے گا اگر وہ کہے میں نے اپنے بیٹے کے لئے اسے قبول کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ بطریقہ اولی اس امر کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جس کا وقوع اکثر ہوتا ہے جب ایک آدمی کہتا ہے اپنی بچی کی شادی میرے بیٹے سے کر دے تو بیٹی کا باپ کہتا ہے: میں نے تیرے ساتھ شادی کر دی تو پہلا کہتا ہے: میں نے قبول کر لیا تو عقد باپ کے لئے ہوگا جبکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔ مجھ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے اسے یہی جواب دیا۔ اور باپ کے لئے اب یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ اس عورت کو طلاق دے۔ اور اپنے بیٹے سے دوبارہ اس کا نکاح کرے کیونکہ بیٹے پر اب وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہے۔ اس کی مثل اکثر واقع ہوتا ہے جب ایک آدمی کہتا ہے: تو نے اپنی بچی کا نکاح میرے بیٹے سے کر دیا ہے تو دوسرا کہتا ہے: میں نے تجھ سے نکاح کر دیا ہے اگر پہلا کہے: میں نے قبول کیا تو عقد نکاح اس کی ذات کے لئے ہوگا بصورت دیگر اصلاً منعقد نہیں ہوگا۔ نہ اس کے لئے نہ اس کے بیٹے کے لئے۔ جس طرح ''خیریہ''میں اس کے بارے میں فتویٰ دیا ہے۔ ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے جب ایک آدمی کہتا ہے: اپنی بیٹی کا نکاح میرے بیٹے سے کر دو تو دوسرے نے کہا: میں نے اسے تیرے لئے ہبہ کر دیا ہے یا میں نے اس کی شادی تیری وجہ سے کر دی ہے تو عقد نکاح بیٹے کے لئے ہو جائے گا۔''ظہیریہ'' سے جو قول گزرا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں تو دعوت نکاح ہے۔

(قَوْمًا لِلْخِطْبَةِ فَزَوَّجَهَا الْأَبُ) أَوِ الْوَلِيُّ (بِحَضْرَتِهِمْ صَحَّ)

دعوت نکاح کے لئے بھیجا تو اس بچی کے باپ یا اس کے ولی نے ان لوگوں کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔

جہاں تک اس کا تعلق ہے تو اس کا قول: اپنی بیٹی کا نکاح میرے بیٹے سے کر دو یہ توکیل ہے یہاں تک کہ بعد میں وہ قبول کا محتاج نہیں تو دوسرے کا قول: میں نے اسے تیرے لئے ہبہ کر دیا اس کا معنی ہے میں نے اس کا عقد نکاح تیری وجہ سے تیرے بیٹے سے کر دیا ہے۔ عرف میں ان دو قولوں میں کوئی فرق نہیں زوجتھا لك (میں نے تیری وجہ سے اس کی شادی کر دی) وھبتھا لك میں نے تیری وجہ سے اسے ہبہ کر دیا۔ ''فتاوی خیریہ'' میں اسی طرح وضاحت کی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اگر اس نے کہا: زوجتك میں نے تجھ سے شادی کر دی کسی کے لئے بھی عقد صحیح نہیں مگر جب دوسرا کہے: میں نے اسے قبول کیا تو اس کے لئے وہ عقد صحیح ہوگا۔

ان کا قول ابھی باقی ہے: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے تیرے بیٹے کے لئے کر دیا تو وہ کہتا ہے: میں نے قبول کر لیا۔ میرے لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تزویج فعل کے اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عقد اس کے باپ کے لئے منعقد ہوگا۔ اور بیٹی کے باپ کے قول لابنك جس کا معنی ہوگا۔ تیرے بیٹے کی وجہ سے، یہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اسی طرح اگر دوسرے نے کہا: قبلتُ لابنی تو یہ بھی کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ ہاں اگر وہ کہے: میں نے اپنی بیٹی تجھے تیرے بیٹے کے لئے عطا کی تو دوسرا کہے: میں نے قبول کیا تو ظاہر یہ ہے کہ عقد نکاح بیٹے کے لئے منعقد ہوگا۔ کیونکہ اس کے قول اعطیتك بنتی لابنك عرف میں اس کا معنی ہے میں نے اپنی بیٹی تجھے تیرے بیٹے کی بیوی کے طور پر دی۔ یہی معنی اگرچہ عرف میں ان کے اس قول کا ہے: زوجتك بنتی لابنك لیکن الفاظ اس کے معاون نہیں جس طرح تو نے جان لیا ہے۔ محض نیت اس میں کوئی نفع نہیں دیتی جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک ''خیریہ'' میں جو اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے اپنے بیٹے کے لئے اپنی بھتیجی کو دعوت نکاح دی تو اس بچی کے باپ نے کہا: زوجتك بنتی فلانة لابنك میں اپنی فلانہ بیٹی کا نکاح تجھ سے تیرے بیٹے کے لئے کر دیا اور دوسرے نے کہا: میں نے نکاح کر لیا تو اس کا جواب دیا عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ تزوج تزویج سے مختلف ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے بلکہ بیٹے کے لئے عقد نکاح نہیں ہوگا کیونکہ بیٹی کے باپ نے کہا: زوجتك کاف خطاب کا ہے میں نے تیری شادی کی۔ اور عقد نکاح باپ کے لئے بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ بیٹی کا چچا ہے۔ ہاں اگر باپ اس بچی کا اجنبی ہو تو عقد نکاح باپ کے لئے منعقد ہو جائے گا۔ یہ اس کے حق میں عقد نکاح کے منعقد ہونے میں اس مسئلہ سے اولیٰ ہے جو ''ظہیریہ'' سے مروی ہے جو گزر چکا ہے کیونکہ اس کی طرف اضافت ایجاب وقبول دونوں میں حاصل ہے۔ ''ظہیریہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ زوجتك کا مصدر تزویج اور تزوجت کا مصدر تزوج ہونا کوئی بطور وجہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ ایجاب وقبول میں مادہ کا اتحاد لازم نہیں چہ جائیکہ صیغہ ایک ہو۔ اگر اس نے زوجتك کہا: تو اس نے کہا قبلت یا کہا: رضیت تو عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ اس میں غور کیجئے۔

11242۔ (قولہ: صَحَّ الخ) ''فتاوی'' سے ''فتح'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقد نکاح صحیح نہ ہوگا اگرچہ خاوند

فَيُجْعَلُ الْمُتَكَلِّمُ فَقَطْ خَاطِبًا وَالْبَاقِي شُهُودًا، بِهِ يُفْتَى، فَتْحٌ (فُرُوعٌ) قَالَ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ عَلَى أَنَّ أَمْرَهَا بِيَدِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُ الْأَمْرُ لِأَنَّهُ تَفْوِيضٌ قَبْلَ النِّكَاحِ وَكَّلَهُ بِأَنْ يُزَوِّجَهُ فُلَانَةَ بِكَذَا فَزَادَ الْوَكِيلُ فِي الْمَهْرِ لَمْ يَنْفُذْ، فَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ حَتَّى دَخَلَ بَقِيَ الْخِيَارُ بَيْنَ إِجَازَتِهِ وَفَسْخِهِ وَلَهَا الْأَقَلُّ

پس متکلم کو صرف دعوت نکاح دینے والا بنایا جائے گا اور باقی افراد کو گواہ بنایا جائے گا اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''فتح''۔ مسائل فرعیہ: اس نے کہا: اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دے اس شرط پر کہ اس کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا تو معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ نکاح سے پہلے تفویض ہے۔ ایک آدمی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا فلاں عورت سے اتنے مہر پر عقد نکاح کر دے وکیل نے مہر میں اضافہ کر دیا تو عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ اگر اسے علم نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کر لئے تو خیار موکل کے پاس رہے گا کہ اس عقد کو جائز قرار دے یا اسے فسخ کر دے۔ اور عورت کیلئے

کی جانب سے ایک انسان نے قبول بھی کیا۔ کیونکہ یہ نکاح گواہوں کے بغیر ہے کیونکہ ساری قوم دعوت نکاح دینے والی ہے جس نے کلام کی وہ بھی اور جس نے کلام نہیں کی وہ بھی۔ کیونکہ معروف یہی ہے کہ ایک آدمی گفتگو کرتا ہے اور باقی خاموش رہتے ہیں اور دعوت نکاح دینے والا گواہ نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ تمام کو دعوت نکاح دینے والا بنانا یہ ضرورت تھی۔ پس متکلم کو دعوت نکاح دینے والا بنایا جائے گا اور باقی کو گواہ بنادیا جائے گا۔ اس کے بعد ''بحر'' میں ''خلاصہ'' سے نقل کیا گیا ہے کہ پسندیدہ مذہب عدم جواز ہے۔ یہ امر کوئی مخفی نہیں کہ فتویٰ کالفظ تصحیح کے الفاظ میں سے مؤکدترین ہے۔ بعض علما نے یوں تطبیق دی ہے کہ ''خلاصہ'' میں جو عبارت ہے اسے اس امر پر محمول کیا جائے جب وہ سب کے سب قبول کریں۔

میں کہتا ہوں: ''خلاصہ'' کا قول و قَبِل واحد من القوم اس کے منافی ہے۔ اس کی مثل وہ ہے جو ''فتح'' سے گزر چکا ہے وان قَبِل عن الزوج انسانٌ واحد، اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔

11243۔ (قولہ: لَمْ يَكُنْ لَهُ الْأَمْرُ الخ) شارح نے باب الامر بالید کے آخر میں (مقولہ 13717 میں) کہا: اس نے اس عورت سے عقد نکاح کیا اس شرط پر کہ معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا یہ صحیح ہے۔ لیکن وہاں ہی ''بحر'' میں مذکور ہے اگر یہ گفتگو عورت نے شروع کی اس نے کہا: میں نے اپنا نکاح کیا اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا میں اپنے آپ کو طلاق دوں گی جب بھی میں ارادہ کروں گی یا میں نے شادی کی اس شرط پر کہ میں طلاق دینے والی ہوں۔ مرد نے کہا: میں نے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا۔ اگر مرد اس کا آغاز کرے تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی اور معاملہ بھی اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔

11244۔ (قولہ: بَقِيَ الْخِيَارُ) یعنی مؤکل کا خیار باقی رہے گا۔

11245۔ (قولہ: وَلَهَا الْأَقَلُّ) یعنی جب مرد نے حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد فسخ نکاح کو اختیار کیا۔ اگر مقرر کیا

مِنَ الْمُسَمّٰى، وَمَهْرِ الْمِثْلِ؛ لِأَنَّ الْمَوْقُوفَ كَالْفَاسِدِ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ اللهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَجُزْ، بَلْ قِيلَ يُكْفَرُ، وَاللهُ أَعْلَمُ

مسمی اور مہر مثل میں سے کم ملے گا۔ کیونکہ موقوف فاسد کی طرح ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی گواہی سے نکاح کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا بلکہ ایک قول یہ کیا گیا ہے اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

کیا مہر مہر مثل سے کم ہوا تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔ کیونکہ عورت اس پر راضی ہوگئی تھی تو مہر مثل تک جو زیادتی ہے اس کو وہ ساقط کرنے والی ہے۔ اگر مہر مثل مقرر کردہ مہر سے کم ہو تو اس کے لئے مہر مثل ہی ہوگا۔ کیونکہ اس سے زائد لازم نہیں ہوتا مگر جب اس کا عقد کے ضمن میں ذکر کیا جائے جب عقد فاسد ہوگیا تو جو کچھ اس کے ضمن میں تھا وہ سب فاسد ہوگیا۔ جب یہاں عقد موقوف ہے فاسد نہیں تو اس قول کے ساتھ جواب دیا کیونکہ موقوف فاسد کی طرح ہے۔ یہ ''رحمتی'' نے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ امر بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ مہر مسمی سے مراد وہ مہر ہے جو وکیل نے معین کیا۔ وہ مراد نہیں جو موکل نے وکیل کے لئے معین کیا تھا۔ کیونکہ اس کی تو کوئی وجہ نہیں۔ اسے خوب ذہن نشین کرلیں۔

11246۔(قولہ: قِيلَ يُكْفَرُ) کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔

فائدہ: تعبیر و دلیل عجیب و غریب ہے۔ اصل میں جو بات عیاں ہے کہ یہ انداز اپنانے سے شرع کے ظاہری احکام کا ابطال لازم آتا ہے۔ جب قطعی حکم دیا گیا ہے کہ معاملات میں انسانوں میں سے گواہ بناؤ تاکہ نزاع کی صورت میں قاضی کے سامنے انہیں پیش کرسکو اور نزاع ختم ہوسکے۔ بات کیا تھی اور کہاں پہنچادی یہ سچ ہے لکل جواد کبوۃ (مترجم)

''تاتر خانیہ'' نے کہا: ''حجہ'' میں ''ملتقط'' سے مذکور ہے کہ ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اشیاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر پیش کیا جاتا ہے۔

اور رسل بعض امور غیب کو جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن) وہ عالم الغیب ہے وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس سے راضی ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ علما نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے کہ اولیاء کی کرامت میں سے یہ ہے کہ وہ بعض امور غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ اور علما نے معتزلہ کا رد پیش کیا جو معتزلہ اس آیت سے کرامات کی نفی کا استدلال کرتے ہیں کہ یہاں اظہار سے مراد واسطہ کے بغیر اظہار ہے۔ اس آیت میں رسول سے مراد فرشتہ ہے یعنی واسطہ کے بغیر اظہار صرف فرشتہ کرتا ہے جہاں تک نبی اور اولیاء کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اظہار فرشتے یا اس کے علاوہ کسی اور واسطہ سے کرتا ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے تفصیلی گفتگو اپنے رسالہ، جس کا نام ''سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبندی'' ہے، میں کی ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں نفیس فوائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَصْلٌ فِي الْمُحَرَّمَاتِ

أَسْبَابُ التَّحْرِيمِ أَنْوَاعٌ قَرَابَةٌ، مُصَاهَرَةٌ رَضَاعٌ، جَمْعٌ،

محرمات کے احکام

فصل: محرمات نکاح۔تحریم کے اسباب کی کئی انواع ہیں: قرابت، سسرالی رشتہ۔رضاعت، جمع،

نکاح کی شروط کے بیان میں شروع ہوتے ہیں۔ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عورت محللہ ہو (محرمات میں سے نہ ہو) تاکہ وہ نکاح کا محل بن سکے۔اس کی علیحدہ فصل ذکر کی کیونکہ اس کی بے شمار اقسام ہیں،''بحر''۔

تحریم کے اسباب کی انواع

11247۔(قولہ: قَرَابَةٌ) جس طرح اس مرد کی فروع وہ اس کی بیٹیاں، اولاد کی بیٹیاں اگرچہ وہ نیچے کتنی ہی دور چلی جائیں۔اس کی اصل، وہ اس کی مائیں، اس کی ماؤں اور آباء کی مائیں اگرچہ کتنی اوپر چلی جائیں۔اس کے آباء کی فروع اگرچہ نیچے چلی جائیں۔پس بھائیوں، بہنوں کی بیٹیاں، بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کی بیٹیاں اگرچہ نیچے چلی جائیں۔دادوں اور دادیوں کی فروع جو ایک بطن سے ہوں۔اسی وجہ سے پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں۔پھوپھیوں، چچاؤں، خالاؤں اور ماموؤں کی بیٹیاں حلال ہیں،''فتح''۔

11248۔(قولہ: مُصَاهَرَةٌ) ان عورتوں کی فروع جن سے حقوق زوجیت ادا کئے ہوں اگرچہ وہ نیچے چلی جائیں۔بیویوں کی مائیں اور ان کی دادیاں نانیاں جو عقد صحیح کے ساتھ ہوں اگرچہ وہ اوپر چلی جائیں۔اگرچہ اس نے بیویوں سے حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں اپنے آباء واجداد کی موطوءہ عورتیں بھی حرام ہیں اگرچہ وہ اوپر چلی جائیں اگرچہ موطوءہ زنا کی صورت میں ہو۔اور عقد صحیح کے ساتھ ان کے عقد میں آنے والیاں۔اپنے بیٹوں کی موطوءہ، بیٹوں کی اولاد کی موطوءہ اگرچہ وہ نیچے چلی جائیں اگرچہ زنا کی صورت میں ہو۔اور عقد صحیح کے ساتھ ان کے عقد میں آنے والیاں،''فتح''۔

اسی طرح وہ عورتیں جن کا اس کے اصول وفروع نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہو یا اسے چھوا ہو یا جن عورتوں کے اصول وفروع سے اس نے بوسہ لیا ہو۔

11249۔(قولہ: رَضَاعٌ) رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں مگر جنہیں مستثنیٰ کیا گیا ہے۔جس طرح اپنے باب میں (مقولہ 12795 میں) اس کا ذکر آئے گا یہ تین رشتے ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔

11250۔(قولہ: جَمْعٌ) یعنی محارم کو جمع کرنا جس طرح دو بہنوں کو ایک عقد میں جمع کرنا۔اسی طرح دوسری محارم کو ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا۔یا چار سے زیادہ اجنبی عورتوں کو عقد میں جمع کرنا۔

مِلْكٌ، شِرْكٌ، إِدْخَالُ أَمَةٍ عَلَى حُرَّةٍ، فَهِيَ سَبْعَةٌ ذَكَرَهَا الْمُصَنِّفُ بِهٰذَا التَّرْتِيبِ وَبَقِيَ التَّطْلِيقُ ثَلَاثًا، وَتَعَلُّقُ حَقِّ الْغَيْرِ بِنِكَاحٍ أَوْ عِدَّةٍ ذَكَرَهُمَا فِي الرَّجْعَةِ

ملکیت، شرک، آزاد پر لونڈی کو عقد میں داخل کرنا۔ یہ سات حرمت کے اسباب ہیں۔ مصنف نے اس ترتیب سے انہیں ذکر کیا۔ طلاق مغلظہ والی عورت، نکاح اور عدت کی وجہ سے غیر کا حق جس سے متعلق ہوان دونوں کا ذکر کتاب باب الرجعۃ میں کردیں گے وہ باقی ہیں۔

11251۔ (قولہ: مِلْكٌ) جس طرح آقا کا اپنی لونڈی سے عقد نکاح کرنا اور مالکہ کا اپنے غلام سے نکاح کرنا۔ "فتح"۔ اور ملک کی بجائے تنافی سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی مالکیت مملوکیت کے منافی ہے جیسے اس کی وضاحت عنقریب (مقولہ 11383 میں) آئے گی۔ اور یہ خاوند کے بیوی کے بعض اور بیوی کے خاوند کے بعض حصہ کے مالک ہونے کو بھی شامل ہے۔

11252۔ (قولہ: شِرْكٌ) "فتح" کی عبارت ہے: عدم الدين السماوي كالمجوسية والمشركة ساوی دین کا اعتقاد نہ رکھنا جیسے مجوسیہ اور مشرکہ۔ یہ مرتدہ اور اللہ تعالیٰ کی نفی کرنے والی کو بھی شامل ہے۔

11253۔ (قولہ: إِدْخَالُ أَمَةٍ عَلَى حُرَّةٍ) "زیلعی" نے اسے جمع کی حرمت میں داخل کیا ہے اور کہا: و حرمة الجمع بين الحرة والامة والحرة متقدمة اور آزاد اور لونڈی کو عقد نکاح میں جمع کرنا جبکہ آزاد عورت پہلے عقد نکاح میں ہو۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔ "بحر"۔ یعنی ضبط اور اقسام کو قلیل بنانے میں یہ قول زیادہ مناسب ہے۔ "فتح" میں اسی طرح کہا ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: آزاد عورت جو متاخر نہ ہوتا کہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہو جاتا اگر خاوند ایک عقد میں ان دونوں سے شادی کرے۔ "زیلعی" میں ہے: آزاد کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور لونڈی کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

11254۔ (قولہ: وَبَقِيَ الخ) "ملتقی" کی شرح میں یہ اضافہ کیا کہ دو اور بھی ہیں کیونکہ کہا: میں کہتا ہوں: محرمات میں سے خنثیٰ مشکل باقی ہے کیونکہ اس کا مذکر ہونا جائز ہے اور جنوں میں سے عورت اور پانی کا انسان کیونکہ جنس مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: گویا یہاں ان دونوں کے ذکر سے استغنا کی کیونکہ نکاح کے باب کے شروع میں (مقولہ 11100 میں) ان کا ذکر کیا ہے۔ پانچویں بھی زائد کی جاتی ہے اس کا ذکر عنقریب اس کے باب میں ذکر کریں گے۔ وہ لعان کی حرمت ہے۔ میں نے سات کو پانچ زائدہ کے ساتھ نظم میں بیان کیا ہے۔

انواع　تحريم　النكاح　سبع　　قرابة　ملك　رضاع　جمع

كذلك　شرك　نسبة　المصاهرة　　وامة　على　حرة　مؤخرة

نکاح جن عورتوں سے حرام ہے اس کی انواع سات ہیں۔ رشتہ داری، ملک، رضاعت اور جمع کرنا۔ اسی طرح شرک، مصاہرت کی نسبت اور ایسی لونڈی جس سے آزاد عورت کے بعد شادی کی گئی ہو۔

و　زيد　خمسة　اتتك　بالبيان　　تطليقه　لها　ثلاثا　واللعان

(حَرُمَ عَلَى الْمُتَزَوِّجِ ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى نِكَاحُ (أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ) عَلَا أَوْ نَزَلَ (وَبِنْتِ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ وَبِنْتِهَا)

شادی کرنے والا مذکر ہو یا مؤنث، اس کے لئے اپنی اصل اور اپنی فرع سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ اصل بہت اوپر چلی جائے یا فرع بہت ہی نیچے چلی جائے۔ اپنی بھتیجی، اپنی بہن اور اس کی بیٹی

تعلق بحق غير من نكاح او عدة خنوثة بلا اتضاح
و آخر الكل اختلاف الجنس كالجن والمائى لنوع الانس

اور پانچ زائد کی گئی ہیں جن کی وضاحت تجھ پر آ رہی ہے۔ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، جس سے لعان کیا گیا ہو، جس میں غیر کا حق متعلق ہو جیسے نکاح یا عدت کی وجہ سے، وہ خنثی ہو جس کی صورت واضح نہ ہو۔ سب کے آخر میں جنس کا مختلف ہونا ہے جیسے جنوں میں سے عورت اور پانی کے انسان میں سے عورت یہ نوع انسانی کے لئے حرام ہیں۔

11255۔ (قولہ: حَرُمَ عَلَى الْمُتَزَوِّجِ) یعنی جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو قولہ: ذکرا کان او انثی ضمیر جو متزوج کی طرف لوٹ رہی ہے اس کے فائدہ کا بیان ہے وہ تزوج جو مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے صرف مرد کی طرف راجع نہیں۔ کیونکہ جو مرد پر حرام ہے وہ عورت پر بھی حرام ہے مگر جو دو فریقوں میں سے ایک کے ساتھ دلیل کے ساتھ مختص ہو۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جس طرح مرد پر اپنی اصل اور اپنی فرع سے شادی کرنا حرام ہے اسی طرح عورت پر اپنی اصل اور اپنی فرع سے شادی کرنا حرام ہے۔ جس طرح مرد پر اپنی بھتیجی سے شادی کرنا حرام ہے اسی طرح عورت پر اپنے بھتیجے سے شادی کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دوسرے رشتے دار بھی ہیں۔ مرد کی جانب سے جس کو لیا جائے گا عورت کی جانب سے اس کی مثل کو لیا جائے گا اس کے عین کو نہیں لیا جائے گا۔ ''منح'' میں ان کے قول کا یہی معنی ہے: جس طرح مرد پر حرام ہے کہ وہ ان سے شادی کرے جن کا ذکر ہوا اسی طرح عورت پر بھی حرام ہے کہ وہ ان سے شادی کرے جو ذکر کئے گئے رشتوں کی نظیر ہیں۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے: لازم آتا ہے کہ اس کا معنی ہو عورت پر حرام ہے کہ وہ اپنی بھتیجی سے نکاح کرے کیونکہ مرد کی جانب میں بھتیجی کی نظیر عورت کی جانب میں بھتیجی ہے اور یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا کہ مرد کے اپنی اصل جیسے ماں سے نکاح کی حرمت سے یہ لازم آتا ہے کہ عورت کے لئے اپنی فرع سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ لازم کی وضاحت کرنے سے کوئی نہیں لازم نہیں آتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

11256۔ (قولہ: عَلَا أَوْ نَزَلَ) لف کی ترتیب پر نشر ہے۔ جب مراد ظاہر ہو تو کلام فصیح میں فک ضمائر واقع ہوتا رہتا ہے اسے خوب ذہن نشین کر لو۔

11257۔ (قولہ: وَأُخْتِهِ) اس کا عطف بنت پر ہے اخیہ پر نہیں ہے اس کا قرینہ و بنتہا ہے۔ شرح کو پیش نظر رکھیں تو یہ مجرور ہے اور متن کو پیش نظر رکھیں تو مرفوع ہے'' ح''۔ کیونکہ مضاف جو لفظ نکاح ہے یہ اصلہ کے قول پر داخل ہے جو لفظ نکاح شارح کے کلام میں سے ہے۔

وَلَوْ مِنْ زِنًى
اگرچہ زنا کی وجہ سے ہو

زنا کے سبب جو بچی پیدا ہوا اس سے نکاح کا حکم

11258۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ زِنًى) یعنی ایک بدکار مرد باکرہ عورت سے بدکاری کرے اور اس کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ بیٹی جن دے۔ ''بحر'' میں ''فتح'' سے مروی ہے۔ ''حانوتی'' نے کہا: اس عورت سے زنا سے اس کی بیٹی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر اسی طریقہ سے کیونکہ اسی طریقہ سے اس کی اولاد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ اس عورت کو اپنے پاس نہ روکے تو یہ احتمال ہوگا کہ کسی اور نے اس کے ساتھ بدکاری کی کیونکہ یہ کسی کی فراش تو نہیں جو فراش اس احتمال کی نفی کرتا۔

''ح'' نے کہا: شارح کا قول ولو من زنا ماقبل سب کو عام ہے یعنی اصل، فرع اور بہن میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زنا سے ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب اس کا کوئی بھائی زنا کی وجہ سے ہو جس کی نکاح کی وجہ سے بیٹی ہو یا اس کا بھائی ہو جو نکاح سے پیدا ہوا جس کی ایک بچی زنا کی وجہ سے ہو۔ اسی قیاس پر اس کا قول و بنتہا و عمتہ و خالتہ محمول کیا جائے گا۔ یعنی ایسی بہن جو نکاح کی وجہ سے پیدا ہوئی جس کی بیٹی زنا کی وجہ سے ہو۔ یا ایسی بہن ہو جو زنا سے پیدا ہوئی جس کی بیٹی نکاح سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اس کا باپ ہو جو نکاح کی وجہ سے باپ بنا اور اس کی بہن ہو جو زنا سے پیدا ہوئی، یا اس کا باپ ہو جو زنا کے باعث باپ بنا اور نکاح کے ساتھ اس کی بہن پیدا ہوئی ہو، یا وہ باپ زنا کی وجہ سے بنا اور اس کی بہن زنا سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اس کی ماں نکاح سے بنی جس کی زنا کی وجہ سے بہن ہو، یا اس کی ماں زنا کی وجہ سے بنی اور اس کی بہن نکاح سے پیدا ہوئی، یا اس کی ماں زنا سے بنی اور ماں کی بہن زنا سے پیدا ہوئی۔ جب تو نے اسے پہچان لیا ہے تو مناسب تھا کہ وہ تعمیم کو اپنے قول و خالتہ کے بعد لاتا۔

میں کہتا ہوں: شارح نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے اسی تک محدود رکھا جس کو انہوں نے ''بحر'' میں ''فتح'' سے منقول دیکھا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: بیٹی میں زنا سے پیدا ہونے والی بیٹی شامل ہوگی تو اس پر صریح نص سے وہ حرام ہوگی کیونکہ لغوی اعتبار سے اس کی بیٹی ہے اور خطاب لغت عربیہ میں ہے جب تک ''نقل'' ثابت نہ ہو جس طرح لفظ صلاۃ وغیرہ ہیں۔ پس یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کی بہن جو زنا کی وجہ سے بہن بنی، اس کی بھتیجی، اس کی بھانجی اور اس کی پوتی جو زنا سے بنی ہو۔ اگر تعمیم کو سب سے مؤخر کرتے تو نقل کی اتباع میں مصیب نہ ہوتے۔ کیونکہ جو ''بحر'' میں ذکر کیا وہ اس کے خلاف ہے جو انہوں نے خود کتاب الرضاع میں ذکر کیا ہے کہ زنا کی وجہ سے بیٹی وہ زانی کے چچا اور اس کے ماموں پر حرام نہیں ہوتی کیونکہ اس بچی کا نسب زانی سے ثابت نہیں کہ اس بچی میں قرابت کا حکم ظاہر ہوتا۔ جہاں تک زانی کے آبا اور اس کی اولاد پر اس کے حرام ہونے کا تعلق ہے تو یہ جزئیت کے اعتبار سے ہے اور اس بچی اور زانی کے چچا اور اس کے ماموں میں کوئی قرابت نہیں۔ اس کی مثل ''فتح'' میں ''تجنیس'' سے مروی ہے۔ ہم عنقریب (مقولہ 11274

(وَعَمَّتِهِ وَخَالَتِهِ) فَهَذِهِ السَّبْعَةُ مَذْكُورَةٌ فِي آيَةِ (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ) وَيَدْخُلُ عَمَّةُ جَدِّهِ وَجَدَّتِهِ وَخَالَتُهُمَا الْأَشِقَّاءُ وَغَيْرُهُنَّ،
اور اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ سے نکاح حرام ہے۔ یہ سات، آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ میں مذکور ہیں اس کے دادا اور دادی کی پھوپھی اور دونوں کی خالائیں سگی ہوں یا دوسری۔

میں)''تجنیس'' کی عبارت ذکر کریں گے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

تنبیہ

''بحر'' میں ذکر کیا: لعان کرنے والی کی بیٹی بھی اسی حکم میں داخل ہوگی۔ اس کا حکم بھی بیٹی جیسا ہوگا کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ مرد اپنے آپ کو جھٹلا دے اور اس بچی کے نسب کا دعویٰ کر دے تو اس بچی کا نسب اس مرد سے ثابت ہو جائے گا۔ جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ کہا: ہم باب المصرف میں ''معراج'' سے ذکر کر چکے ہیں کہ ام ولد کا بچہ جس کے بارے میں مالک نے اپنا بچہ ہونے کی نفی کر دی مالک کے لئے جائز نہیں کہ اس کو زکوۃ دے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ بیٹی ہونا ثابت ہو جائے گا۔ یہ ان امور میں سے ہے جن کی بنیاد احتیاط پر رکھی گئی ہے۔ تو اس کے بچے کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے کیونکہ یہ اس کی بطور احتیاط بہن ہے۔ یہ امر نقل پر موقوف ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملاعنہ کی بیٹی میں کہا جائے کہ وہ حرام ہوگی کیونکہ وہ اس کی ربیبہ (جس کی پرورش کی گئی) ہے جبکہ اس مرد نے اس کی ماں کے ساتھ دخول کیا ہے۔ اس لئے نہیں جس کا ''فتح'' میں تکلف کیا ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ کلام انتہا کو پہنچ گئی۔ لیکن لعان کا ثبوت اس کی ماں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے پر موقوف نہیں تو یہ کوئی لازم نہیں آئے گا کہ وہ اس کی ربیبہ ہو، ''نہر''۔

11259۔ (قولہ: فَهَذِهِ السَّبْعَةُ الخ) دادیوں اور نواسیوں کی حرمت کی توجیہ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ کی وضع اور اس کی حقیقت کی وجہ سے حرمت ثابت ہے۔ کیونکہ لغت میں ام سے مراد اصل ہے اور بنت سے مراد فرع ہے۔ پس اس وقت اسم مشکک کے قبیل سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عموم مجاز کے قبیل سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دلالۃ النص سے ہوگا۔ سب صحیح ہے۔ اس کی مکمل بحث ''بحر'' میں ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ زنا سے [illegible] بیٹی کی حرمت مذکورہ نص سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

11260۔ (قولہ: وَيَدْخُلُ عَمَّةُ جَدِّهِ وَجَدَّتِهِ) یعنی دادا اور دادی کی پھوپھی۔ متن کے قول عمتہ میں داخل ہوگی جس طرح یہ الله تعالیٰ کے فرمان وَعَمّٰتُكُمْ (النساء: 23) تمہاری پھوپھیاں۔ میں داخل ہیں۔ اس کی مثل ان کا قول و خالتهما ہے جس طرح ''زیلعی'' اور ''ح'' میں ہے۔

11261۔ (قولہ: الْأَشِقَّاءُ وَغَيْرُهُنَّ) یہ تعمیم پھوپھی اور خالہ کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ فرع اور اصل کے سوا جتنے رشتے بھی گزرے ہیں ان سب کا حکم یہی ہے جس طرح اطلاق نے فائدہ دیا ہے۔ لیکن اس کی تصریح کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی

وَ أَمَّا عَمَّةُ عَمَّةِ أُمِّهِ وَ خَالَةُ خَالَةِ أَبِيهِ فحلالٌ كَبِنْتِ عَمِّهِ وَعَمَّتِهِ وَ خَالِهِ وَ خَالَتِهِ لقوله تعالىٰ (وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ (وَ) حَرُمَ بِالْمُصَاهَرَةِ (بِنْتُ زَوْجَتِهِ الْمَوْطُوءَةِ

جہاں تک اس کی ماں کی اخیافی پھوپھی کی پھوپھی اور اس کے باپ کی سوتیلی خالہ کی خالہ کا تعلق ہے تو وہ حلال ہے جس طرح چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی اس کے لئے حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ان کے علاوہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ اور مصاہرت سے اپنی موطوءہ بیوی کی بیٹی

مخالفت پر تنبیہ ہو جائے جس کا ذکر بعد میں آ رہا ہے جس طرح تو پہچان لے گا۔ پس اسے ذہن نشین کر لو۔

11262۔ (قولہ: وَأَمَّا عَمَّةُ عَمَّةِ أُمِّهِ الخ) ''نہر'' میں کہا: جہاں تک پھوپھی کی پھوپھی اور خالہ کی خالہ کا تعلق ہے اگر اس کی ماں کی قریبی پھوپھی ہو تو حرام نہ ہوگی ورنہ حرام ہوگی۔ کیونکہ پھوپھی کا باپ اس وقت اس کے باپ کی ماں کا خاوند ہو گا اور اس کی اور پھوپھی کی پھوپھی، دادی جو باپ کی ماں ہے کے خاوند کی بہن ہوگی اور ماں کے خاوند کی بہن حرام نہ ہوگی تو دادی کے خاوند کی بہن بدرجہ اولیٰ حرام نہ ہوگی اور خالہ قریبی کی ماں وہ نانا جو ماں کا باپ ہے کی بیوی ہوگی پس اس کی بہن نانا کی بیوی کی بہن ہوگی۔ اور نانا کی بیوی کی بہن حرام نہیں ہوتی۔

ان کے قول لامہ سے مراد ہے کہ عمتا اس کے باپ کی حقیقی بہن نہ ہو بلکہ ماں کی جانب سے بہن ہو۔ یہ قول اس سے احتراز ہے کہ جب وہ باپ کی طرف سے بہن ہو یا حقیقی بہن ہو۔ کیونکہ اس پھوپھی کی یہ پھوپھی حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہ دادا کی بہن ہے جو باپ کا باپ ہے۔ اور ان کے قول وان کانت الخالۃ القربیٰ لابیہ سے یہ مراد ہے کہ وہ اس کی ماں کی باپ کی طرف سے بہن ہو یہ اس سے احتراز ہے کہ جب وہ اس کی ماں کی طرف سے بہن ہو یا حقیقی بہن ہو۔ کیونکہ اس کی خالہ کی خالہ وہ اس کی جدہ یعنی نانی کی بہن ہوگی تو وہ حلال نہیں ہوگی۔ گویا شارح نے ''نہر'' کے قول لامہ اور قول لابیہ سے یہ سمجھا کہ دونوں میں ضمیر نکاح کے ارادہ کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے جس طرح اس سے فوری طور پر سمجھ آتا ہے۔ تو انہوں نے کہا جو کچھ کہا جبکہ معاملہ ایسا نہیں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے ان پر لازم تھا کہ یہ کہتے جہاں تک پھوپھی کی پھوپھی جو ماں کی جانب سے ہو اور خالہ کی خالہ جو باپ کی طرف سے ہو۔ ان کے کلام کی تصحیح یوں بھی ممکن ہے کہ عمہ قربیٰ کی قید یوں لگائی جائے کہ وہ دادا کی ماں کی جانب سے بہن ہو اور خالہ قربیٰ کی قید یوں لگائی جائے کہ وہ نانی کی باپ کی طرف سے بہن ہو جس طرح محشی نے وضاحت کی ہے جہاں تک مطلق کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں۔

11263۔ (قولہ: بِنْتُ زَوْجَتِهِ الْمَوْطُوءَةِ) یعنی موطوءہ بیوی کی بیٹی خواہ وہ اس کی گود میں پرورش پا رہی ہو یا پرورش نہ پا رہی ہو وہ حرام ہوگئی ہے۔ آیت کریمہ میں حجر (گود) کا ذکر بطور عادت ہے یا ان پر شناعت کا اظہار کرنے کے لئے ہے جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ اور موطوءہ کا لفظ ذکر کر کے اس کے غیر سے احتراز کیا ہے۔ پس اس کی بیٹی محض عقد نکاح سے حرام نہ ہوگی۔ ''ح'' میں ہندیہ سے مروی ہے کہ بیوی سے خلوت اس کی بیٹی کی حرمت میں وطی کے قائم مقام نہ ہوگی۔

وَأُمُّ زَوْجَتِهِ) وَجَدَّاتُهَا مُطْلَقًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ (وَإِنْ لَمْ تُوطَأْ)
اور اپنی بیوی کی ماں اور ان کی جدات مطلقاً محض عقد صحیح کے ساتھ حرام ہو جاتی ہیں۔ اگر چہ بیوی سے وطی نہ کی ہو

میں کہتا ہوں: لیکن ''تجنیس'' میں ''اجناس ناطفی'' سے منقول ہے: ''نوادر ابی یوسف'' میں کہا: جب اس نے رمضان شریف کے روزے کی حالت میں اس بیوی سے خلوت کی یا حالت احرام میں خلوت کی تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگا کہ وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نکاح کرنا حلال ہوگا کیونکہ خاوند کو وطی کرنے والا تسلیم نہیں کیا گیا یہاں تک کہ عورت کے لئے نصف مہر ہوگا۔

کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اختلاف خلوت فاسدہ میں ہے جہاں تک خلوت صحیحہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بیٹی کو اس پر حرام کر دیتا ہے۔ اس میں خوب غور وفکر کرلو۔ اس کے بارے میں تمام گفتگو باب المہر میں (مقولہ 12017 میں) خلوت کے احکام ذکر کرتے وقت ہوگی۔ اس کے ساتھ وطی کی شرط اس صورت میں ہے جب وہ عورت ایسی ہو جس کو دیکھ کر شہوت آ جاتی ہو۔ اگر اس نے اس سے دخول کیا جبکہ وہ چھوٹی ہو جس کو دیکھ کر شہوت نہ آتی ہو تو مرد نے اسے طلاق دے دی تو عورت نے مہینوں کے اعتبار سے عدت گزاری پھر اس نے کسی اور مرد سے شادی کر لی تو اس نے بچی جنی تو جس مرد نے اس کی ماں سے اس وقت وطی کی تھی جب اس کو دیکھ کر شہوت نہ آتی تھی اس کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرلے جس طرح متن میں آ رہا ہے۔ اسی طرح مرد میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ وطی کی حالت میں ایسا ہو کہ اسے دیکھ کر شہوت آ جاتی ہو جس طرح ہم وہاں (مقولہ 11316 میں) اس کا ذکر کریں گے۔

11264۔ (قولہ: وَأُمُّ زَوْجَتِهِ) اس قول سے اس کی لونڈی کی ماں خارج ہوگئی۔ پس لونڈی کی ماں وطی یا وطی کے دواعی سے حرام ہوگی۔ کیونکہ نساء کا لفظ جب ازواج کی طرف منسوب کیا جائے تو نساء سے مراد آزاد عورتیں ہوتی ہیں جس طرح ظہار اور ایلاء میں واضح ہے ''بحر''۔ حرائر سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ عقد کیا گیا ہو اگر چہ وہ کسی اور کی لونڈی ہو جس طرح ''رحمتی'' اور ''ابو سعود'' نے بیان کیا ہے۔

11265۔ (قولہ: وَجَدَّاتِهَا مُطْلَقًا) خواہ جدات باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے ہوں اگر چہ وہ کتنی ہی اوپر چلی جائے، ''بحر''۔

11266۔ (قولہ: بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ) اس کی تفسیر حضرت مصنف کا قول و ان لم توطأ کرتا ہے،'' ح''۔

11267۔ (قولہ: الصَّحِيحِ) اس کے ساتھ نکاح فاسد سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ نکاح فاسد صرف نکاح سے حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتا بلکہ وطی یا جو امور وطی کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے شہوت کے ساتھ مس کرنا اور شہوت کے ساتھ دیکھنا وغیرہ کے ساتھ حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ اضافت صرف عقد صحیح کے ساتھ ہی ثابت ہوتی ہے ''بحر''۔ یعنی اس ضمیر کی طرف اضافت جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (النساء: 23) اور مائیں تمہاری بیویوں کی۔ یا اس قول میں ہے و امر زوجتہ۔ بعض نسخوں میں یہ الفاظ زائد پائے جاتے ہیں: نکاح فاسد حرمت ثابت نہیں کرتا مگر شہوت

الزَّوْجَةُ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ وَطْءَ الْأُمَّهَاتِ يُحَرِّمُ الْبَنَاتِ وَنِكَاحَ الْبَنَاتِ يُحَرِّمُ الْأُمَّهَاتِ، وَيَدْخُلُ بَنَاتُ الرَّبِيبَةِ وَالرَّبِيبِ وَفِي الْكَشَّافِ وَاللَّمْسُ وَنَحْوُهُ كَالدُّخُولِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَزَوْجَةُ أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ مُطْلَقًا)

کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ ماؤں سے وطی بیٹیوں کو حرام کر دیتی ہے اور بیٹیوں سے نکاح ماؤں کو حرام کر دیتا ہے اور حرمت میں ربیبہ اور ربیب کی حرمت داخل ہے۔ اور ''کشاف'' میں ہے: چھونا وغیرہ حقوق زوجیت کی طرح ہے یہ امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رطیٹھیہ کا نقطہ نظر ہے۔ مصنف نے اسی کو ثابت کیا ہے اور اپنے اصل وفرع کی زوجہ مطلقاً حرام ہیں۔

وغیرہ کے ساتھ مس کرنے کی صورت میں۔

11268۔ (قولہ: الزَّوْجَةُ) ''الدرر'' میں اسے الامہات سے بدل دیا ہے اور یہ قلم کی غلطی ہے۔

11269۔ (قولہ: وَيَدْخُلُ) یعنی اپنی زوجہ کی بیٹی میں ربیبہ اور ربیب کی بیٹیاں بھی داخل ہوں گی ان کی حرمت اجماع اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَرَبَآئِبُكُمُ (النساء: 23) اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں۔ سے ثابت ہے، ''بحر''۔

11270۔ (قولہ: وَفِي الْكَشَّافِ الخ) اس سے نقل کرنے میں ''صاحب بحر'' کی پیروی کی ہے۔ یہ مخفی نہیں کہ متون بھرے پڑے ہیں کہ چھونا وغیرہ حرمت مصاہرہ کے ثابت کرنے میں وطی کرنے کی طرح ہیں کسی محل کا کوئی اختصاص نہیں۔ لیکن جب آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ ربائب دخول کی قید کے ساتھ حرام ہیں اور عدم دخول کی صورت میں حرام نہیں تو یہ وہم کرنے کا محل ہوگا کہ دخول کا خصوص یہاں ضروری ہے اور یہ وہم ہوگا کہ لمس اور اس جیسی چیزیں جو حرمت مصاہرت کو ثابت کرتی ہیں یہ ربائب کے علاوہ کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ آیت کے ظاہر کی بنا پر ہے۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس نقل کی تصریح کہ یہ عمل وطی کے قائم مقام ہے۔ یہ وہم کو دور کرنے کے لئے ہے اور اس امر کی وضاحت کے لئے ہے کہ یہ مشائخ کی تخریجات سے نہیں۔ گویا انہوں نے ''کشاف'' کے علاوہ میں حضرت امام ''ابوحنیفہ'' رطیٹھیہ سے اس بارے میں تصریح نہیں پائی۔ پس اسے اس سے نقل کیا کیونکہ ''زمخشری'' مذہب کے مشائخ میں سے ہے وہ نقل میں حجت ہے۔ اور کیونکہ موقع ومحل خفا کا ہے تو اپنے اس قول کے ساتھ اسے مؤکد کیا: واقرہ المصنف۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

11271۔ (قولہ: وَزَوْجَةُ أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ) اس کی علت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (النساء: 22) اور نہ نکاح کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (النساء: 23) (اور حرام کی گئی ہیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں۔ حلیلہ سے مراد بیوی ہے۔ وہ عورت جس کے ساتھ عقد نکاح کے بغیر وطی کی جائے اس عورت کی حرمت ایک اور دلیل سے ہے۔ اصلاب کا ذکر متبنیٰ بیٹے کی بیوی کو ساقط کرنے کے لئے ہے۔ رضاعی بیٹے کی بیوی کو حلال کرنے کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہ تو حرام ہو جاتی ہے جس طرح نسب سے حرام ہو جاتی ہے۔ ''بحر'' وغیرہ۔

وَلَوْ بَعِيدًا دَخَلَ بِهَا أَوْ لَا وَأَمَّا بِنْتُ زَوْجَةِ أَبِيهِ أَوْ ابْنِهِ فَحَلَالٌ (وَ) حَرُمَ (الْكُلُّ) مِمَّا مَرَّ تَحْرِيمُهُ نَسَبًا، وَمُصَاهَرَةً (رَضَاعًا) إِلَّا مَا اُسْتُثْنِيَ فِي بَابِهِ

اگرچہ بعید ہوں خواہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں یا ادا نہ کئے ہوں یا اپنے باپ اور اپنے بیٹے کی بیوی کی بیٹی تو وہ حلال ہے۔ وہ تمام رشتے جو گزر چکے ہیں ان کی حرمت نسب اور مصاہرت کی وجہ سے تھی وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے مگر اس بات میں جن کو مستثنیٰ کیا گیا۔

11272۔ (قولہ: وَلَوْ بَعِيدًا الخ) یہ اطلاق کا بیان ہے یعنی اگر اصل اور فرع بعید جس طرح دادا اگرچہ وہ اوپر چلا جائے اور بیٹے کا بیٹا اگرچہ کتنا ہی نیچے چلا جائے۔ اصل اور فرع کی زوجہ محض عقد نکاح کرنے سے حرام ہو جائے گی خواہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں یا نہ کئے ہوں۔

11273۔ (قولہ: وَأَمَّا بِنْتُ زَوْجَةِ أَبِيهِ أَوْ ابْنِهِ فَحَلَالٌ) اسی طرح اپنے بیٹے کی بیٹی۔ ''بحر''۔ ''خیر رملی'' نے کہا: ماں کے خاوند کی بیٹی حرام نہیں اور نہ ہی اس کی ماں حرام ہے نہ باپ کی بیوی کی ماں اور نہ ہی اس کی بیٹی حرام ہے نہ ہی بیٹے کی بیوی کی ماں اور نہ ہی اس کی بیٹی حرام ہے اور نہ ہی ربیب (جس کی پرورش کی جائے) کی زوجہ اور نہ ہی راب (پرورش کرنے والے) کی زوجہ حرام ہے۔

11274۔ (قولہ: نَسَبًا) نسبا کا لفظ تحریمہ کی ضمیر جو مضاف الیہ ہے کی نسبت سے تمیز ہے۔ اسی طرح مصاهرة یہ بھی نسبت سے تمیز ہے اور رضاعا یہ تحریم کی جو کل کی طرف نسبت ہے اس سے تمیز ہے۔ یعنی رضاعت سے بچے پر اس کے اصول و فروع، اس کے والدین کے فروع اور ان کے فروع کے فروع بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے دادوں اور دادیوں کے صلبی فروع حرام ہو جاتے ہیں۔ اپنی بیوی کے فروع اور اصول اور اپنے خاوند کے اصول و فروع اور اپنے اصول و فروع کی بیویاں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔

(قولہ: إِلَّا مَا اُسْتُثْنِيَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یہ نو صورتیں ہیں پھیلانے سے ایک سو اٹھارہ صورتیں بن جاتی ہیں۔ جس طرح ہم انہیں ثابت کریں گے، ''ح''۔

تنبیہ: ان کے قول والکل رضاعا ان کے قول ولو من زنا کے ساتھ کا مقتضا یہ ہے کہ مزنیہ کی فرع اور اصل جو رضاعت سے بنتی ہو اس کی حرمت بھی ثابت ہوگی۔ ''قہستانی'' میں ''شرح الطحاوی'' سے حرمت کا ثابت نہ ہونا منقول ہے۔ پھر کہا: لیکن ''النظم'' اور دوسری کتب میں ہے کہ زانی اور مزنیہ میں سے ہر ایک دوسرے کی رضاعی اصل اور فرع پر حرام ہو جائے گا۔

فرع اور اصل کی قید لگانے کا مقتضا یہ ہے کہ ان دو کے علاوہ باقی رشتوں پر حرمت کے ثابت نہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح بھائی اور چچا۔ ''تجنیس'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک عورت سے بدکاری کی اس عورت نے بچہ جن دیا اس عورت نے یہ دودھ ایک بچی کو پلایا اس بدکار مرد کے لئے اس بچی سے عقد نکاح جائز نہ ہوگا اور نہ ہی یہ بچی اس مرد کے اصول و

فُرُوعٌ: تَقَعُ مَغْلَطَةٌ فَيُقَالُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَتَيْنِ، وَلَهَا مِنْهُ لَبَنٌ فَاعْتَدَّتْ، فَنَكَحَتْ صَغِيرًا فَأَرْضَعَتْهُ، فَحَرُمَتْ عَلَيْهِ فَنَكَحَتْ آخَرَ فَدَخَلَ بِهَا فَأَبَانَهَا فَهَلْ تَعُودُ لِلْأَوَّلِ بِوَاحِدَةٍ أَمْ بِثَلَاثٍ؟ الْجَوَابُ لَا تَعُودُ إِلَيْهِ أَبَدًا

چند مسائل جن میں غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ پس کہا جاتا ہے ایک آدمی نے بیوی کو دو طلاقیں دیں اسی مرد کی وجہ سے عورت کے ہاں دودھ تھا عورت نے عدت گزاری پھر صغیر سے نکاح کیا اور اسے دودھ پلایا تو عورت اس بچے پر حرام ہوجائے گی۔ اس عورت نے ایک اور مرد سے شادی کی جس نے اس کے ساتھ دخول کیا پھر اسے طلاق بائنہ دے دی کیا وہ عورت پہلے خاوند کی طرف ایک طلاق کے ساتھ لوٹے گی یا تین کے حق کے ساتھ لوٹے گی؟ جواب ہے: وہ عورت پہلے خاوند کی طرف کبھی بھی نہ لوٹے گی۔

فروع سے شادی کرسکتی ہے۔ اور بدکار کے چچا کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس بچی سے نکاح کرلے جس طرح اس کی یہ بچی زنا سے پیدا ہوئی۔ ماموں بھی چچا کی طرح ہے۔ کیونکہ اس بچی کا نسب اس زانی سے ثابت نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس بچی میں قرابت کا حکم ظاہر ہو۔ زانی کے باپ، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر حرمت جزئیت کے اعتبار سے ہے جبکہ اس بچی اور زانی کے چچا میں کوئی جزئیت نہیں۔ جب زنا سے پیدا ہونے والی میں یہ ثابت ہوگئی اسی طرح زنا کے نتیجہ میں آنے والا دودھ جس کو پلایا گیا اس میں بھی حرمت ثابت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس عموم کے ثبوت کے خلاف ہے جو شارح کے قول ولو من الزنا سے ثابت ہے جس طرح ہم نے وہاں (مقولہ 11258 میں) آگاہ کردیا تھا۔

فروع

11275۔ (قولہ: يَقَعُ مَغْلَطَةٌ) مغلطة یہ مفعلة کا وزن ہے یعنی غلطی کا محل۔ یا اس کا تلفظ یوں ہے کہ میم مضموم ہو اور لام مشدد ہو اور اس پر کسرہ ہو۔ یعنی یہ ایسا مسئلہ ہے جس کا جواب دینے والا غور وفکر نہ کرے تو وہ غلطی کرے گا۔

11276۔ (قولہ: وَلَهَا مِنْهُ لَبَنٌ) یعنی اس مرد کی وجہ سے اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کے نتیجہ میں اس کا دودھ اتر آیا۔

11277۔ (قولہ: فَحَرُمَتْ عَلَيْهِ) کیونکہ وہ عورت اب اس کی رضاعی ماں بن گئی ہے۔

11278۔ (قولہ: فَدَخَلَ بِهَا) اس کے ساتھ اسے مقید کیا ہے تاکہ پہلے خاوند کے لئے اس کے حلال کرنے کا وہم ممکن ہو جبکہ صغیر سے دخول ممکن نہیں ہے۔

11279۔ (قولہ: بِوَاحِدَةٍ أَمْ بِثَلَاثٍ) پہلا قول اس قول پر مبنی ہے کہ دوسرا خاوند تین سے کم طلاقوں کو ختم نہیں کرتا اور دوسرا قول اس قول پر مبنی ہے کہ دوسرا خاوند تین سے کم طلاقوں کو بھی ختم کردیتا ہے جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 13777 میں) وضاحت آئے گی۔

لِصَيْرُورَتِهَا حَلِيلَةَ ابْنِهِ رَضَاعًا شَرَى أَمَةَ أَبِيهِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ وَطِئَهَا تَزَوَّجَ بِكْرًا فَوَجَدَهَا ثَيِّبًا وَقَالَتْ أَبُوكَ فَضَّنِي، إِنْ صَدَّقَهَا بَانَتْ بِلَا مَهْرٍ، وَإِلَّا لَا شُمُنِّيٌّ (وَ) حَرُمَ أَيْضًا بِالصِّهْرِيَّةِ (أَصْلُ مَزْنِيَّتِهِ)

کیونکہ وہ عورت اس کے رضاعی بیٹے کی بیوی بن چکی ہے۔ ایک آدمی نے اپنے باپ کی لونڈی خریدی اگر خریدار کو علم ہو کہ اس کے باپ نے اس لونڈی سے وطی کی تھی تو اس لونڈی سے وطی کرنا حلال نہ ہوگا۔ ایک آدمی نے باکرہ سے شادی کی تو اسے ثیبہ پایا اس عورت نے کہا تیرے باپ نے میرے ساتھ مجامعت کی ہے اگر خاوند نے اس کی تصدیق کردی تو مہر کے بغیر وہ جدا ہوجائے گی اگر تصدیق نہ کی تو جدا نہ ہوگی، ''شمنی''۔ رشتہ مصاہرت کی بنا پر مزنیہ کی اصل حرام ہوجائے گی۔

11280۔ (قولہ: لِصَيْرُورَتِهَا حَلِيلَةَ ابْنِهِ رَضَاعًا) کیونکہ دودھ پلانے کے ساتھ بیٹے ہونے کا ثبوت زوجیت کے ساتھ مقارن ہے تو اس عورت کے لئے یہ وصف صحیح ہوگا کہ وہ عورت اپنے خاوند کے رضاعی بیٹے کی بیوی بن چکی ہے اور خود اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی بن چکی ہے۔ اس طرح اگر ہم کہیں: بیٹے ہونے کا ثبوت زوجیت کے رشتہ کے بعد واقع اور عارض ہوا ہے۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں یہ دو وصف جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے وہ بچی جس کی پرورش کی گئی جس کی ولادت اس کی ماں کو طلاق دینے کے بعد ہوئی وہ اس عورت کے خاوند پر حرام ہوتی ہے۔ اور اسی طرح رضاعی باپ کی وہ بیوی جس کو رضاعت سے پہلے طلاق دی گئی تھی وہ بھی اس پر حرام ہوتی ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

11281۔ (قولہ: إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ وَطِئَهَا) اگر اسے وطی کے نہ ہونے کا علم ہو یا اسے شک ہو تو وہ لونڈی خریدار پر حلال ہوگی۔ علم سے مراد ایسا علم ہے جو غلبہ ظن کو شامل ہو کیونکہ اس میں علم یقینی کا حصول نادر ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ باپ یہ بتائے کہ اس نے اس لونڈی سے اس وقت وطی کی تھی جب وہ اس کی ملک میں تھی۔ ''بحر'' میں ''محیط'' سے یہ قول مروی ہے: ایک آدمی کی لونڈی ہو تو وہ کہے میں نے اس سے وطی کی ہے تو وہ لونڈی اس کے بیٹے کے لئے حلال نہ ہوگی اگر وہ لونڈی باپ کی ملک میں نہ ہو تو باپ کہے میں نے اس سے وطی کی ہوئی ہے تو بیٹے کے لئے حلال ہے کہ وہ باپ کو جھٹلا دے اور اپنی لونڈی سے وطی کرے کیونکہ ظاہر بیٹے کی تائید کرتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مراد یہ خبر دینا ہے کہ وطی اس کی ملکیت میں نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ لونڈی اس کی ملکیت میں تھی پھر اس نے اس کو بیچا پھر باپ نے خبر دی کہ اس نے اس لونڈی سے اس وقت وطی کی تھی جب وہ لونڈی اس کی ملکیت میں تھی تو یہ لونڈی اس کے بیٹے کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس میں غور و فکر کیجئے۔

11282۔ (قولہ: فَوَجَدَهَا ثَيِّبًا) یعنی جب اس نے اس عورت سے جماع کا ارادہ کیا جس طرح ''بحر'' اور ''منح'' میں ہے۔ یہ اطلاع عورت کے خبر دینے سے ہو یا جماع کے علاوہ کسی اور امر سے ہو۔ اگر اس مرد نے اس عورت سے جماع کیا تو اسے ثیبہ پایا تو اس مرد پر اس عورت کا مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ شبہ کی وجہ سے وطی پائی گئی۔ دارالاسلام میں وطی حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتی، ''رحمتی''۔

11283۔ (قولہ: وَحَرُمَ أَيْضًا بِالصِّهْرِيَّةِ أَصْلُ مَزْنِيَّتِهِ) ''بحر'' میں کہا: حرمت مصاہرت سے مراد چار حرمتیں

أَرَادَ بِالزِّنَا الْوَطْءَ الْحَرَامَ (وَ) أَصْلُ (مَمْسُوسَتِهِ بِشَهْوَةٍ) وَلَوْ لِشَعْرٍ عَلَى الرَّأْسِ
زنا سے مراد حرام وطی لی ہے۔ اور جس کو شہوت کے ساتھ چھوا اس کی اصل حرام ہے اگر چہ سر کے بال کو چھوا ہو

ہیں: زانی کے رضاعی اور نسبی اصول وفروع پر عورت کا حرام ہونا، عورت کے نسبی اور رضاعی اصول وفروع کا زانی پر حرام ہونا جس طرح حلال وطی میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ زانی کے اصول وفروع مزنیہ کے اصول وفروع پر حلال ہوتے ہیں۔ اس کی مثل وہ بحث ہے جو ہم نے ''قہستانی'' سے نقل کی ہے انہوں نے ''النظم'' وغیرہ سے نقل کی ہے۔

قولہ: ویحل الخ، یعنی ''بحر'' کی جو یہ عبارت ہے اس سے مراد ہے جس طرح یہ رشتے حلال وطی کے ساتھ بھی حلال رہتے ہیں اسے چار حرمتوں کے ساتھ مقید کرنا باقی ماندہ کو خارج کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق گفتگو ابھی قریب ہی (مقولہ 11274 میں) گزر چکی ہے۔

11284۔ (قولہ: أَرَادَ بِالزِّنَا فِی الْوَطْءِ الْحَرَامِ) کیونکہ زنا سے مراد مکلف کا فرج مشتہاۃ میں وطی کرنا ہے اگر چہ یہ عمل پہلے ہوا ہو۔ ایسی فرج (شرمگاہ) جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو۔ اسی طرح حرمت مصاہرت ہو جائے گی اگر اس نے نکاح فاسد کی صورت میں منکوحہ سے وطی کی ہو، یا ایسی خریدی ہوئی لونڈی سے وطی کی ہو جس کی خریداری میں فساد ہو، یا مشترک لونڈی سے وطی کی ہو، یا مکاتبہ سے وطی کی ہو، یا جس سے ظہار کیا گیا تھا، یا وہ مجوسیہ لونڈی ہو اس سے وطی کی گئی ہو، یا ایسی بیوی سے وطی کی ہو جس کو حیض یا نفاس کا خون آیا ہوا ہو، یا وہ بیوی احرام میں ہو، یا روزے دار ہو اس سے وطی کی ہو۔ اسے زنا سے مقید کیا کیونکہ اس میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور اس لئے بھی تا کہ یہ فائدہ دے کہ یہ حرمت دبر میں وطی کرنے سے ثابت نہیں ہوتی جس طرح امام ''اوزاعی'' اور امام ''احمد'' کا اختلاف آئے گا۔ ''فتح'' میں کہا: ہمارے قول کے مطابق ہی امام ''مالک'' سے ایک روایت ہے۔ اور امام ''احمد'' نے یہی فرمایا۔ یہی قول حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے صحیح ترین روایت کے مطابق۔ اور یہی قول حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر، حضرت ابی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور جمہور تابعین کا ہے جیسے حضرت حسن بصری، امام شعبی، امام نخعی، امام اوزاعی، طاؤس، مجاہد، عطا، ابن مسیب، سلیمان بن یسار، حماد، ثوری اور ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ تمام تفصیلات کے ساتھ یہ اس ''فتح'' میں موجود ہے۔

جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا اس کی اور چھونے والے کی اصل کا حکم

11285۔ (قولہ: وَ أَصْلُ مَمْسُوسَتِهِ الخ) کیونکہ چھونا اور دیکھنا یہ وطی کے داعی ہیں تو محل احتیاط میں یہ وطی کے قائم مقام ہوں گے ''ہدایہ''۔ ''فتح'' میں اسے احادیث اور صحابہ وتابعین کے آثار سے استدلال کیا ہے۔

11286۔ (قولہ: بِشَهْوَةٍ) اگر چہ شہوت ان دونوں میں ایک سے واقع ہو۔ جس طرح بعد میں (مقولہ 11327 میں) آئے گا۔

11287۔ (قولہ: وَلَوْ لِشَعْرٍ عَلَى الرَّأْسِ) وہ بال جو سر سے لٹک رہے ہیں اس قید کے ساتھ خارج ہو گئے۔ ''خانیہ''

بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ (وَأَصْلُ مَاسَّتِهِ وَنَاظِرَةٍ إِلَى ذَكَرِهِ وَالْمَنْظُورِ إِلَى فَرْجِهَا) الْمُدَوَّرِ (الدَّاخِلِ)
ایسی رکاوٹ کے ساتھ جو حرارت کو نہ روکے۔ اور حرام ہو جاتی ہے مرد کو چھونے والی اور مرد کی شرمگاہ کو دیکھنے والی کی اصل۔ اور جس عورت کی گول فرج داخل کو دیکھا گیا ہو اس کی اصل

میں جو کچھ ہے وہ اس امر کو راجح قرار دیتا ہے کہ بال کو چھونا حرمت کو ثابت نہیں کرتا۔ ''محیط'' میں اس کے برعکس کو بیان کیا ہے اور ''بحر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے اور ''خلاصہ'' میں الگ الگ حکم لگایا ہے۔ اور حرمت کو صرف ان بالوں کے ساتھ خاص کیا ہے جو سر کے اوپر ہیں لٹکے ہوئے نہیں اور اسی امر کو ''جوہرہ'' میں قطعی طور پر بیان کیا ہے۔ ''بحر'' میں اسے دونوں قولوں کا محمل بنایا ہے۔ یہ ظاہر ہے اسی وجہ سے الشارح نے اسے یقینی انداز میں ذکر کیا ہے۔

11288۔ (قولہ: بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ) یعنی اگرچہ درمیان میں کوئی رکاوٹ ہو۔ اگر ایسی رکاوٹ ہو جو حرارت کو روک دے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اکثر کتابوں میں اسی طرح ہے۔ یہی حکم ہوگا اگر مرد نے عورت سے جماع کیا جبکہ مرد کے ذکر پر کپڑا ہو۔ جو ''ذخیرہ'' میں ہے کہ امام ''ظہیر الدین'' حرمت کا فتویٰ دیا کرتے تھے جب کوئی مرد منہ، ٹھوڑی، رخسار اور سر پر بوسہ دے اگرچہ نقاب کے اوپر سے ہی بوسہ دے اسے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ جب وہ نقاب پتلا ہو جس کی موجودگی میں حرارت پہنچ جاتی ہے، ''بحر''۔

11289۔ (قولہ: وَأَصْلُ مَاسَّتِهِ) یعنی جو شہوت کے ساتھ چھوتا ہے۔ ''فتح'' میں ہے: عورت کو چھونے کی صورت میں حرمت کے ثبوت میں یہ شرط ہے کہ مرد اس عورت کی تصدیق کرے اور مرد کے ہاں غالب رائے یہ ہے کہ عورت سچی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ چاہئے کہ یہ کہا جائے جب مرد اس عورت کو چھوئے: وہ عورت چھونے والے کے باپ اور اس کے بیٹے پر حرام نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ وہ دونوں مرد اس کی تصدیق کریں یا اس کا صدق ان کے ظن غالب میں ہو۔ پھر میں نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا قول دیکھا جو اس چیز کا فائدہ دیتا ہے۔

11290۔ (قولہ: وَنَاظِرَةٍ) یعنی وہ شہوت کے ساتھ دیکھے۔

11291۔ (قولہ: وَالْمَنْظُورِ إِلَى فَرْجِهَا) یہاں فرج کی قید لگائی کیونکہ ''ذخیرہ'' وغیرہ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ [illegible] اتفاق ہے کہ فرج کے علاوہ باقی اعضا کو شہوت کے ساتھ دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ تو اس وقت ''کنز'' کا اطلاق [illegible] میں ہوگا، ''بحر''۔

11292۔ (قولہ: الْمُدَوَّرِ الدَّاخِلِ) ''ہدایہ'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ''محیط'' اور ''ذخیرہ'' میں اسی کی تصحیح کی ہے ''خانیہ'' میں ہے: اس پر فتویٰ ہے۔ ''فتح'' میں ہے: یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ یہ ایسا حکم ہے جو فرج سے متعلق ہے اور داخل یہ ہر اعتبار سے فرج ہے اور خارج ایک اعتبار سے فرج ہے۔ فرج خارج سے احتراز متعذر ہے۔ پس اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ یہ امر متحقق نہیں ہوگا مگر وہ جب ٹیک لگائے ہوئے ہو ''بحر''۔ اگر وہ کھڑی ہو یا بیٹھی ہو جبکہ ٹیک لگائے ہوئے نہ ہو

وَلَوْ نَظَرَهُ مِنْ زُجَاجٍ أَوْ مَاءٍ هِيَ فِيهِ (وَفُرُوعُهُنَّ) مُطْلَقًا وَالْعِبْرَةُ لِلشَّهْوَةِ عِنْدَ الْمَسِّ وَالنَّظَرِ لَا بَعْدَهُمَا وَحَدُّهَا فِيهِمَا تَحَرُّكُ آلَتِهِ أَوْ زِيَادَتُهُ بِهِ يُفْتَى

اگرچہ اس نے اسے شیشے یا پانی سے دیکھا ہو جس میں وہ عورت ہو اور ان کی فروع بھی حرام ہو جاتی ہیں مطلقاً۔ شہوت کا اعتبار چھونے اور دیکھنے کے وقت ہوگا ان دونوں کے بعد نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں شہوت کی حد یہ ہے کہ مرد کے آلہ تناسل میں حرکت پیدا ہو جائے یا اس کی حرکت میں اضافہ ہو جائے اس کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، ''اسماعیل''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بال اگنے کی جگہ کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے پھٹن (سوراخ) کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ''خلاصہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے، ''بحر''۔

11293۔ (قولہ: أَوْ مَاءٍ هِيَ فِيهِ) اس قول کے ذریعے اس صورت سے احتراز ہے جب وہ پانی کے اوپر ہو تو مرد نے اسے پانی سے دیکھا جس طرح آگے (مقولہ 11306 میں) آئے گا۔

11294۔ (قولہ: وَفُرُوعُهُنَّ) یہ مرفوع ہے اس کا عطف اصل مزنیتہ پر ہے۔ اس میں مؤنث کو مذکر پر غلبہ دیا گیا ہے کیونکہ پہلے قول گزرا ہے و ناظرۃ الی ذکرہ۔

11295۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ اصول اور فروع کی طرف راجع ہے یعنی اگرچہ وہ اوراو پر یا نیچے چلے جائیں، ''ط''۔

11296۔ (قولہ: وَالْعِبْرَةُ الخ) ''فتح'' میں کہا: ان کا قول شھوۃ حال کی جگہ میں ہے۔ پس یہ چھونے کی حالت میں شہوت کے شرط ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر اس نے شہوت کے بغیر چھوا پھر چھونے کے بعد اسے شہوت ہوئی تو وہ عورت اس کی اصل پر حرام نہ ہوگی۔ یہی حکم دیکھنے میں بھی ہے جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ اگر اسے شہوت اس وقت آئی جب وہ آنکھ بند کر چکا تھا تو وہ عورت حرام نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس عورت پر شہوت کا واقع ہونا شرط ہے اس کے غیر پر شہوت کا واقع ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ ''الفیض'' میں ہے: اگر کسی نے اپنی بیٹی کی شرمگاہ کو دیکھا تو اس نے اس کی مثل لونڈی کی خواہش کی پس مرد کے لئے شہوت بیٹی پر واقع ہوئی تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر شہوت اس پر واقع ہوئی جس کی اسنے تمنا کی تھی تو حرمت واقع نہ ہوگی۔

شہوت کی حد

11297۔ (قولہ: وَحَدُّهَا فِيهِمَا) یعنی چھونے اور دیکھنے میں شہوت کی حد یہ ہے، ''ح''۔

11298۔ (قولہ: أَوْ زِيَادَتُهُ) یعنی اگر ان دونوں اعمال سے پہلے حرکت تھی تو حرکت میں اضافہ ہو جائے۔

11299۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی حد یہ ہے کہ اگر اس میں اشتہا نہ تھی تو وہ دل سے خواہش کرے۔ اگر پہلے اشتہا تھی تو وہ اشتہا بڑھ جائے اس میں آلہ کی حرکت شرط نہیں۔ ''محیط'' اور ''تحفہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: اسی پر اعتماد ہے۔ اور مذہب پہلا قول ہے، ''بحر''۔ ''فتح'' میں ہے: اس پر ایک مسئلہ کی تفریع یہ بیان

وَفِي امْرَأَةٍ وَنَحْوِ شَيْخٍ كَبِيرٍ تَحَرُّكُ قَلْبِهِ أَوْ زِيَادَتُهُ وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَا يُشْتَرَطُ فِي النَّظَرِ لِفَرْجٍ تَحْرِيكُ آلَتِهِ بِهِ يُفْتَى هَذَا إِذَا لَمْ يُنْزِلْ فَلَوْ أَنْزَلَ مَعَ مَسٍّ أَوْ نَظَرٍ فَلَا حُرْمَةَ بِهِ يُفْتَى ابْنُ كَمَالٍ وَغَيْرُهُ وَفِي الْخُلَاصَةِ

عورت اور بوڑھے شیخ میں دل کی حرکت یا حرکت کا اضافہ ہو جانا مراد ہے۔''جوہرہ'' میں ہے: شرمگاہ کو دیکھنے میں مرد کے آلہ کا حرکت کرنا شرط نہیں۔ اسی پر فتوی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب انزال نہ ہو۔ اگر چھونے یا دیکھنے سے انزال ہو جائے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی اسی پر''ابن کمال'' وغیرہ فتوی دیتے ہیں۔ خلاصہ میں ہے:

کی ہے کہ اگر آلہ میں انتشار ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو طلب کیا اور اپنی بیٹی کی ران میں غلطی سے ادخال کیا ہے تو جب تک آلہ کے انتشار میں اضافہ نہ ہوا تو اس کی ماں حرام نہ ہوگی۔

11300۔(قولہ: وَفِي امْرَأَةٍ وَنَحْوِ شَيْخٍ الخ)''فتح'' میں کہا: یہ حد نوجوان کے حق میں ہے۔ جہاں تک شیخ ہے اور عنین کا تعلق ہے تو ان دونوں کی حد ان کے دل کی حرکت یا اس کی حرکت میں اضافہ ہے اگر وہ پہلے متحرک ہو۔ صرف میلان نفس کافی نہیں۔ کیونکہ میلان اس میں بھی پایا جاتا ہے جس میں اصلاً شہوت نہیں ہوتی جس طرح شیخ فانی میں ہوتا ہے۔ پھر کہا: علمانے عورت کے بارے میں اس حد کا ذکر نہیں کیا جو حرمت کو ثابت کرے۔ اس کی کم سے کم صورت یہ ہے کہ دل اس طرح حرکت کرے جو دل میں تشویش پیدا کر دے۔''ط'' نے کہا: میں شہوت میں خنثی مشکل کا حکم نہیں دیکھتا۔ اس کے معاملہ میں مقتضیٰ اس سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ اس پر عورت کا حکم جاری کیا جائے۔

11301۔(قولہ: وَفِي الْجَوْهَرَةِ الخ)''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر شرمگاہ کو چھونے کا حکم یہی ہونا چاہئے بلکہ بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہونا چاہئے۔ کیونکہ چھونے کی تاثیر دیکھنے کی تاثیر سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ کیونکہ چھونا شرمگاہ کے علاوہ میں بھی حرمت مصاہرت کو ثابت کرتا ہے جب چھونا شہوت کے ساتھ ہو۔ جبکہ نظر کا معاملہ مختلف ہے،''ح''۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے''جوہرہ'' میں جو کچھ ہے وہ شہوت کی حد میں دوسرے قول پر متفرع ہو پس نظر یہ شرمگاہ کو چھونے یا غیر کے چھونے سے احتراز نہ ہو۔ اس میں غور کر لیجئے۔

11302۔(قولہ: فَلَا حُرْمَةَ) کیونکہ انزال کے ساتھ یہ واضح ہو گیا ہے کہ وہ وطی کرنے پر قادر نہیں،''ہدایہ''۔''عنایہ'' میں ہے: ان کے قول کا معنی یہ ہے انزال کے ساتھ حرمت ثابت نہ ہوگی۔ شہوت کے ساتھ چھونے سے آغاز میں حرمت کا حکم موقوف ہوگا۔ یہاں تک کہ انزال سے حقیقت حال واضح ہو گئی۔ اگر اسے انزال ہو گیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی بصورت دیگر حرمت ثابت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چھونے سے حرمت ثابت ہوگی پھر انزال سے حرمت ساقط ہوگی۔ کیونکہ حرمت مصاہرت جب ثابت ہو جائے تو کبھی بھی ساقط نہ ہوگی۔

اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کی بہن سے وطی کی تو اس پر اس کی بیوی حرام نہ ہوگی

11303۔(قولہ: وَفِي الْخُلَاصَةِ الخ) یہ اصول وفروع کے ساتھ تقیید سے احتراز ہے۔ قولہ: لا تحرم یعنی حرمت

وَطِئَ أُخْتَ امْرَأَتِهِ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ (لَا) تَحْرُمُ (الْمَنْظُورُ إِلَى فَرْجِهَا الدَّاخِلِ) إِذَا رَآهُ (مِنْ مِرْآةٍ أَوْ مَاءٍ) لِأَنَّ الْمَرْئِيَّ مِثَالُهُ (بِالِانْعِكَاسِ) لَا هُوَ

ایک آدمی نے اپنی بیوی کی بہن سے وطی کی تو اس مرد پر اپنی بیوی حرام نہ ہوگی۔ وہ عورت حرام نہ ہوگی جس کی فرج داخل کو دیکھا گیا ہو جب مرد نے اسے آئینہ یا پانی سے دیکھا۔ کیونکہ جسے دیکھا گیا ہے وہ انعکاس سے اس کی مثال ہے نہ کہ اسے دیکھا گیا۔

مصاہرت ثابت نہ ہوگی معنی ہوگا دائمی حرمت ثابت نہ ہوگی ورنہ موطوءہ کی عدت کے ختم ہونے تک حرمت ثابت ہو جائے گی اگرچہ وطی شبہ کی بنا پر ہی ہو۔ ''بحر'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کر لی تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک شبہ کے ساتھ وطی کی جانے والی عورت کی عدت ختم نہیں ہو جاتی۔ ''درایہ'' میں ''کامل'' سے مروی ہے: اگر کسی نے دو بہنوں میں سے ایک کے ساتھ بدکاری کی تو وہ دوسری کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ دوسری ایک حیض گزار نہ لے۔ ''فتح'' میں اسے مشکل خیال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زانی کے پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی وجہ سے اگر کسی مرد کی بیوی نے بدکاری کی تو وہ عورت اس مرد پر حرام نہ ہوگی اور مرد کے لئے بدکاری کے بعد اس سے وطی کرنا حلال ہوگا۔

11304۔ (قولہ: لَا تَحْرُمُ الْمَنْظُورُ إِلَى فَرْجِهَا الخ) اس تعبیر میں شارح نے صاحب ''الدرر'' کی اتباع کی ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے: بانه لا يصح الا بتقدير مضاف یعنی وہ عورت جس کی شرمگاہ کو دیکھا گیا اس کے اصول و فروع دیکھنے والے پر حرام نہ ہوں گے کیونکہ جس کی شرمگاہ کو دیکھا گیا ہے اس کی ذات حرام نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مراد ہے دیکھنے والے کے اصول و فروع پر وہ عورت حرام نہ ہوگی۔ اور اس میں ہے کہ حرمت اور عدم حرمت میں کلام عورت کے اصول و فروع کی نسبت سے ہے تو اولی لفظ تحرم کو ساقط کرنا اور متن کو اپنی حالت پر رکھنا ہے۔ پس ان کا قول لا المنظور ان کے قول المنظور پر معطوف ہوگا۔ معنی ہوگا اس عورت کی اصل اور فرع حرام نہ ہوگی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ عورت اس مرد پر حرام نہ ہوگی تو اس مرد کے اصول و فروع پر بدرجہ اولی حرام نہ ہوگی۔ اسے خوب سمجھ لو۔

اگر کسی مرد نے کسی عورت کو آئینہ یا پانی میں سے دیکھا تو اس کا حکم

11305۔ (قولہ: إِذَا رَآهُ) اس قول کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ حرف جار کو لفظ المنظور کے ساتھ متعلق کرنا صحیح ہے۔

11306۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَرْئِيَّ مِثَالُهُ الخ) ''فتح'' میں شیشہ، آئینہ میں دیکھنے اور پانی میں دیکھنے اور پانی سے دیکھنے میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہا: کیونکہ علت (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ اس عورت کی مثل ہے وہ خود نہیں۔ اسی کے ساتھ قسم توڑنے کی علت بیان کی ہے جب ایک آدمی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کے چہرے کو نہیں دیکھے گا تو قسم اٹھانے والے نے اس کے چہرہ کو آئینہ یا پانی میں دیکھا اس تعبیر کی بنا پر شیشہ کی دوسری جانب سے دیکھنے کی صورت میں حرمت اس لئے ثابت ہوگی کہ نظر، شیشہ سے آر پار ہو جاتی ہے پس انسان مرئی کی ذات کو دیکھتا ہے۔ آئینہ اور پانی کا معاملہ مختلف ہے یہ تو اس امر کی نفی کرتا ہے کہ آئینہ اور پانی سے دیکھنا ثابت ہو جو شعاع کے انعکاس سے

(هٰذَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً مُشْتَهَاةً) وَلَوْ مَاضِيًا (أَمَّا غَيْرُهَا) يَعْنِي الْمَيِّتَةَ وَصَغِيرَةً لَمْ تُشْتَهَ (فَلَا) تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِهَا أَصْلًا كَوَطْءِ دُبُرٍ مُطْلَقًا

یہ حکم اس وقت ہے جب وہ زندہ ہو اور اسے دیکھ کر شہوت آتی ہو اگرچہ ماضی میں ہو۔ رہی اس کے علاوہ یعنی فوت شدہ اور بچی جس سے شہوت نہیں آتی تو اس کے ساتھ اصلاً حرمت ثابت نہیں ہوتی جس طرح دبر میں مطلقاً وطی کرنا۔

ہوتا ہے۔ ورنہ وہ اس کی ذات کو دیکھ لیتا ہے۔ بلکہ وہ اس لئے دیکھتا ہے کہ ان دونوں (آئینہ، پانی) میں صورت کی مثل پیدا ہوتی ہے۔ پانی میں جس کو دیکھا جاتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ نظر اس میں نفوذ کر جاتی ہے جب وہ صاف ہو۔ پس اس پانی میں جو کچھ ہوتا ہے اسے دیکھتا ہے اگرچہ وہ اس صورت میں اسے نہیں دیکھتا جس میں وہ اس کے اوپر ہو۔ اسی وجہ سے اسے اختیار ہوتا ہے جب وہ ایسی مچھلی خریدے جس کو وہ پانی میں دیکھے اس طرح کہ اس مچھلی کو حیلہ کے بغیر پکڑ لیا جائے۔

اس کے ساتھ شارح کے قول (مثالہ) کا فائدہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ''المصنف'' کے قول کے ''بالانعکاس'' جو ''الدرر'' کی پیروی کرتے ہوئے کیا ہے اس کے مناسب نہیں۔ اسی وجہ سے ''فتح'' میں کہا: و ھذا ینفی۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ''المصنف'' کی بالانعکاس سے مراد یہ نہیں کہ اس قول پر بنا کی جائے کہ آنکھ سے نکلنے والی شعاع جو صیقل شدہ چیز کی سطح پر پڑتی ہے جس طرح آئینہ اور پانی تو وہ شعاع صیقل شدہ سے دیکھی جانے والی چیز کی طرف منعکس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ لازم آئے کہ اس وقت دیکھی جانے والی چیز اس کی حقیقت ہے اس کی مثال نہیں۔ انہوں نے اس سے دیکھی جانے والی چیز کا انعکاس لیا ہے یہی مثال سے مراد ہے۔ یہ دوسرے قول پر مبنی ہے۔ اسے لفظ انطباع سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ صیقل شدہ چیز کا مقابل جو چیز ہوتی ہے تو اس کی صورت اور مثال اس میں پیدا ہوتی ہے اس کا عین پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر ''قاضی خان'' کی یہ تعبیر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس نے عورت کی فرج کو نہیں دیکھا بلکہ شرمگاہ کا عکس دیکھا اسے ذہن نشین کر لو۔

11307۔ (قولہ: هٰذَا) اسم اشارہ سے مراد تمام مذکورہ مسائل ہیں۔

11308۔ (قولہ: مُشْتَهَاةً) اس کی تعریف عنقریب (مقولہ 11316 میں) آئے گی کہ یہ نو سال یا اس سے زیادہ کی عمر کی ہو۔

11309۔ (قولہ: وَلَوْ مَاضِيًا) جس طرح انتہائی بوڑھی۔ کیونکہ وہ حرمت کے تحت داخل ہے تو وہ نہ نکلے گی اور اس لئے بھی کہ اس سے بچے کا وقوع جائز ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کی بیویوں سے ہوا۔

11310۔ (قولہ: فَلَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِهَا) یعنی اس کے ساتھ وطی کرنے، اس کو چھونے اور اس کی فرج کو دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ و قولہ: اصلاً یعنی شہوت ہو یا نہ ہو انزال ہو یا نہ ہو۔

11311۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ بچے سے ہو یا عورت سے ہو جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ جس طرح ''الواقعات''، ''ح'' میں ''بحر'' سے منقول ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: ایک مرد نے دوسرے مرد سے ہم جنسی کی تو اس مرد کے لئے حلال ہے کہ اس کی بیٹی سے نکاح کر لے کیونکہ اگر یہ فعل عورتوں کے ساتھ ہوتا تو حرمت مصاہرت کو

وَكَمَا لَوْ أَفْضَاهَا لِعَدَمِ تَيَقُّنِ كَوْنِهِ فِي الْفَرْجِ مَا لَمْ تَحْبَلْ مِنْهُ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ زِنًا وَنِكَاحٍ (فَلَوْ تَزَوَّجَ صَغِيرَةً لَا تُشْتَهَى، فَدَخَلَ بِهَا فَطَلَّقَهَا وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِآخَرَ جَازَ لِلْأَوَّلِ (التَّزَوُّجُ بِبِنْتِهَا) لِعَدَمِ الْإِشْتِهَاءِ وَكَذَا تُشْتَرَطُ الشَّهْوَةُ فِي الذَّكَرِ: فَلَوْ جَامَعَ غَيْرُ مُرَاهِقٍ زَوْجَةَ أَبِيهِ لَمْ تَحْرُمْ فَتْحٌ

اور اسی طرح اگر اس نے اس کو مفضاۃ بنا دیا مگر یقین نہیں کہ جماع فرج میں ہوا جب تک وہ حاملہ نہ ہو۔ زنا اور نکاح میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اس نے ایسی چھوٹی لڑکی سے شادی کی جس کو دیکھ کر شہوت نہیں ہوتی پھر اس کے ساتھ دخول کیا پھر اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس عورت نے ایک اور مرد کے ساتھ شادی کی تو پہلے کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کی بیٹی سے عقد نکاح کر لے کیونکہ اشتہا نہیں پائی جا رہی۔ اسی طرح مذکر میں بھی شہوت شرط ہے۔ اگر غیر مراہق نے اپنے باپ کی بیوی سے جماع کیا تو وہ حرام نہ ہوگی۔

ثابت نہ کرتا تو مذکر کے ساتھ یہ فعل کرنے سے بدرجہ اولیٰ حرمت مصاہرت ثابت نہیں کرے گا۔

11312۔(قولہ: لِعَدَمِ تَيَقُّنِ كَوْنِهِ فِي الْفَرْجِ) یعنی مفضاۃ (جس کی دونوں شرمگاہیں ملی ہوں) سے وطی حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرے گی۔ جہاں تک دبر میں وطی سے حرمت مصاہرت کے ثابت نہ ہونے کا تعلق ہے اس کی علت یہ ہے کہ یہ یقین ہے کہ وطی فرج میں نہیں ہوئی جو کھیتی کا محل (حمل کا محل) ہے۔ شارح نے علت کے ذکر کو ترک کیا کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ سمجھ آرہی ہے۔ ''بحر'' میں کہا: دونوں مسئلوں پر اعتراض کیا گیا ہے کہ دونوں میں وطی اگر حرمت کا سبب نہیں تو پھر شہوت کے ساتھ چھونا تو سبب ہے بلکہ دونوں میں یہ بدرجہ اقویٰ موجود ہے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حرمت کی علت ایسی وطی ہے جو بچے کا سبب ہو اور چھونے سے حرمت کا ثبوت نہیں مگر اس لئے کہ یہ اس وطی کا سبب ہے اور یہ دونوں صورتوں میں متحقق نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مسئلوں میں انزال اور عدم انزال میں کوئی فرق نہیں، ''ح''۔

11313۔(قولہ: مَا لَمْ تَحْبَلْ مِنْهُ) ''فتح'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے اور اس کو علم ہو کہ یہ حمل اسی کا ہے۔ یعنی اس مرد نے اسے اپنے پاس ہی روکے رکھا یہاں تک کہ اس عورت نے بچے کو جنم دیا جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11258 میں) بیان کر چکے ہیں۔ یہ زنا میں ہو سکتا ہے نکاح میں نہیں ہوتا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

11314۔(قولہ: بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ زِنًا وَنِكَاحٍ) یہ قول بھی اس امر کی طرف راجع ہے کہ عورت ایسی ہو جس کو دیکھ کر شہوت آتی ہو تبھی حرمت ثابت ہوگی۔ جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ اسی پر یہ قول تفریع ہے فلو تزوج صغیرۃ الخ۔

11315۔(قولہ: جَازَ لِلْأَوَّلِ التَّزَوُّجُ بِبِنْتِهَا) جہاں تک اس کی ماں کا تعلق ہے وہ تو محض عقد نکاح کے ساتھ حرام ہو جائے گی، ''ط''۔

غیر مراہق اپنے باپ کی بیوی سے جماع کرے تو اس کا حکم

11316۔(قولہ: فَلَوْ جَامَعَ غَيْرُ مُرَاهِقٍ الخ) ''فتح'' میں ہے: اگر چار سال کے بچے نے اپنے باپ کی بیوی

(وَلَا فَرْقَ) فِيمَا ذُكِرَ (بَيْنَ اللَّمْسِ وَالنَّظَرِ بِشَهْوَةٍ بَيْنَ عَمْدٍ وَنِسْيَانٍ) وَخَطَأٍ، وَإِكْرَاهٍ، فَلَوْ أَيْقَظَ زَوْجَتَهُ أَوْ أَيْقَظَتْهُ هِيَ لِجِمَاعِهَا فَمَسَّتْ يَدُهُ بِنْتَهَا الْمُشْتَهَاةَ أَوْ يَدُهَا ابْنَهُ حَرُمَتْ الْأُمُّ أَبَدًا فَتْحٌ

جس حرمت کا ذکر کیا گیا ہے چھونے اور دیکھنے کی صورت میں جبکہ وہ شہوت کے ساتھ ہو وہ جان بوجھ کر یا بھول کر ہو خطاء ہو یا مجبور کرنے کی صورت میں ہو۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کو بیدار کیا یا بیوی نے اسے بیدار کیا تا کہ جماع کرے پس مرد کا ہاتھ اس عورت کی بیٹی کو چھو گیا جس بیٹی کو دیکھ کر شہوت آجاتی ہے یا عورت کا ہاتھ خاوند کے بیٹے تک جا پہنچا تو ماں ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ ''فتح''۔

سے جماع کیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ ''بحر'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ جماع کرنے والے کی عمر کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ شہوت کی حد کو پہنچی ہوئی ہو میری مراد ہے کہ وہ نو سال ہو۔ ''نہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں شہوت نہ ہونے کی علت اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ جس کو شہوت نہ آتی ہو اس کے جماع کرنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ نو سال کا بچہ اس سے عاری ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مراہق ہو۔ پھر میں نے ''الخانیہ'' میں دیکھا۔ کہا: وہ بچہ جس کی مثل جماع کرتا ہے وہ بالغ کی طرح ہے۔ علما نے کہا: وہ یہ کہ وہ جماع کرے، اسے شہوت آتی ہو اور عورتیں اس جیسے سے حیا کرتی ہوں۔ اسے مراہق اعتبار کرنا ظاہر ہے نہ یہ کہ وہ نو سال کا ہو۔ ''فتح'' میں جو کچھ ہے اس پر دلالت کرتا ہے: مراہق کا چھونا بالغ کی طرح ہے۔ ''البزازیہ'' میں ہے: مراہق بالغ کی طرح ہے یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا یا اس نے شہوت کے ساتھ چھوا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارح نے جو اسے ''فتح'' کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ وہ اس کی کلام کا صریح معنی نہیں لیکن اس کی مراد ہے اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ دونوں کا مراہق کی عمر کا ہونا ضروری ہے مؤنث کے لئے کم از کم عمر نو سال ہے۔ اور مذکر کے لئے بارہ سال ہے کیونکہ یہ کم از کم عمر ہے جس میں بلوغت واقع ہوتی ہے جس طرح علما نے باب بلوغ الغلام میں تصریح کی ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو گزر چکا ہے کہ علت وہ وطی ہے جو بچے کا سبب ہے یا علت وہ چھونا ہے جو اس وطی کا سبب ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ ان دونوں میں سے جو مراہق نہ ہو اس سے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

11317۔ (قولہ: وَلَا فَرْقَ فِيمَا ذُكِرَ) یعنی جس تحریم کا ذکر کیا گیا ہے و قولہ بین اللمس والنظر یعنی فی اللمس و النظر ہے۔ ''فتح'' کی عبارت ہے: چھونے کی صورت حرمت کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں کہ وہ جان بوجھ کر چھوئے، بھول کر چھوئے، اسے مجبور کیا گیا ہو یا اس نے خطاء چھوا ہو۔ یہ ''ح'' نے بیان کیا ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا: جب چھونے اور دیکھنے میں یہ حکم معلوم ہوا ہے تو جماع میں بدرجہ اولیٰ یہی حکم معلوم ہوا ہے۔

11318۔ (قولہ: فَلَوْ أَيْقَظَ الخ) یہ خطا پر تفریع ہے، ''ط''۔

11319۔ (قولہ: أَوْ يَدُهَا ابْنَهُ) اس سے ایسا بیٹا ہے جو مراہق ہو جس طرح جو مسئلہ (مقولہ 11316 میں) گزر

(قَبَّلَ أُمَّ امْرَأَتِهِ) فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ عَلَى الصَّحِيحِ جَوْهَرَةٌ
مرد نے اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لیا کسی بھی جگہ تو صحیح مذہب کے مطابق۔ ''جوہرہ''۔

چکا ہے اس سے معلوم ہوا ہے۔ جہاں تک ''فتح'' میں اس کی قید کا ذکر ہے کہ وہ کسی اور عورت سے بیٹا ہو تو ''نہر'' میں کہا: تا کہ معلوم ہو جائے کہ جب وہ بیٹا اس عورت کے بطن سے ہو تو بدرجہ اولیٰ حرمت ثابت ہوگی۔ یہ ضروری ہے کہ دونوں صورتوں میں شہوت یا شہوت کے زیادہ ہونے کی قید ذکر کی جائے۔

اگر مرد نے اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لیا تو اس کا حکم

11320۔ (قولہ: قَبَّلَ أُمَّ امْرَأَتِهِ الخ) ''ذخیرہ'' میں کہا: جب مرد نے اپنی ساس کا بوسہ لیا یا اسے چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا پھر کہا: یہ شہوت سے نہیں تھا۔ ''صدر شہید'' نے ذکر کیا کہ بوسہ میں تو حرمت کا فتویٰ دیا جائے جب تک یہ واضح نہ ہو کہ یہ شہوت کے بغیر تھا۔ چھونے اور نظر میں حکم یہ نہیں ہوگا۔ مگر اگر یہ واضح ہو کہ یہ شہوت کے ساتھ تھا کیونکہ بوسہ لینے میں اصل شہوت ہوتی ہے۔ چھونے اور دیکھنے کا مسئلہ مختلف ہے ''عیون'' کی کتاب البیوع میں معاملہ اس کے خلاف ہے: جب کسی نے لونڈی خریدی اس شرط پر کہ اسے خیار ہوگا اور اس لونڈی کا بوسہ لیا یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا پھر کہا: یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا اور اس نے لونڈی کو لوٹانے کا ارادہ کیا تو خریدار کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر عورت مباشر (جماع کے لائق ہو) تو مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ علما میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بوسہ میں فرق کرتے ہیں۔ ایک نے کہا: اگر بوسہ منہ پر ہو تو حرمت کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اور اس امر میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ یہ شہوت کے بغیر ہوا ہے۔ اگر بوسہ سر، ٹھوڑی اور رخسار پر ہوا تو حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ مگر یہ واضح ہو جائے کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ ہوا۔ امام ''ظہیر الدین'' بوسہ میں مطلق حرمت کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے: اس کی اس امر میں تصدیق نہ کی جائے گی کہ یہ شہوت کے ساتھ عمل نہیں ہوا۔ ''عیون'' کی بیوع کے اطلاق کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ منہ اور دوسری جگہ بوسہ دینے کی صورت میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ''بقالی'' میں ہے: جب چھونے میں شہوت کا انکار کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ وہ انتشار کی صورت میں اس لونڈی کی طرف اٹھے اور اس سے معانقہ کرے۔ ''مجرد'' میں اسی طرح کہا اور اس کا انتشار شہوت کی دلیل ہے۔

11321۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ جَوْهَرَةٌ) ''حدادی'' کی ''جوہرہ'' میں اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر اس نے چھوا یا بوسہ لیا اور کہا: مجھے شہوت نہیں آئی تھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی مگر جب وہ شرمگاہ پر ہاتھ مارے اور منہ پر بوسہ لے۔

یہ قول اس کے موافق ہے جسے شارح ''حدادی'' سے عنقریب نقل کریں گے اور جسے انہوں نے ''بحر'' سے نقل کیا ہے یہ کہتے ہوئے: اور ''فتح القدیر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے اور رخسار کو منہ کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

''الفیض'' میں کہا: اگر وہ عورت کی طرف اٹھا اور انتشار کی حالت میں اس سے معانقہ کیا یا اس کا بوسہ لیا اور کہا: یہ عمل

(حَرُمَتْ) عَلَیْهِ (امْرَأَتُهُ مَا لَمْ یَظْهَرْ عَدَمُ الشَّهْوَةِ) وَلَوْ عَلَی الْفَمِ کَمَا فَهِمَهُ فِی الذَّخِیرَةِ (وَفِی الْمَسِّ لَا) تَحْرُمُ (مَا لَمْ تُعْلَمِ الشَّهْوَةُ) لِأَنَّ الْأَصْلَ فِی التَّقْبِیلِ الشَّهْوَةُ، بِخِلَافِ الْمَسِّ (وَالْمُعَانَقَةُ کَالتَّقْبِیلِ)

اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک شہوت کا نہ ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔ اگر چہ بوسہ منہ پر ہو جس طرح اسے ''ذخیرہ'' سے سمجھا ہے۔ چھونے کی صورت میں حرمت ثابت نہ ہوگی جب تک شہوت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ بوسے میں اصل شہوت ہے۔ چھونے کا معاملہ مختلف ہے۔ معانقہ بوسہ کی طرح ہے۔

شہوت سے نہیں تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور اگر اس نے بوسہ لیا اور اس کا آلہ منتشر نہیں ہوا اور اس نے کہا: یہ عمل شہوت کے بغیر ہوا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: اگر اس نے منہ پر بوسہ لیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح فتوی دیا جاتا ہے۔

جس طرح تم دیکھ رہے ہو یہ فرق کرنے کی ترجیح میں صریح ہے۔ جہاں تک اطلاق کی تصحیح کا تعلق ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے تو میں نے اسے غیر سے نہیں دیکھا۔ ہاں ''قہستانی'' نے کہا: بوسہ میں حرمت کا فتوی دیا جاتا ہے۔ جب تک یہ واضح نہ ہو کہ یہ شہوت کے بغیر تھا اور یہ برابر ہے کہ وہ منہ، ٹھوڑی، رخسار اور سر پر بوسہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس نے منہ پر بوسہ دیا تو حرمت کا فتویٰ دیا جائے گا اگر چہ وہ شہوت نہ ہونے کا بھی دعویٰ کرے اگر وہ کسی اور جگہ بوسہ لے تو حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا مگر جب شہوت ثابت ہو۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ بوسہ لینے کی صورت میں اطلاق کو ترجیح دی جائے لیکن تو اس تصریح کو جان چکا ہے کہ فرق کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس میں غور و فکر کیجئے۔

11322۔ (قولہ: حَرُمَتْ عَلَیْهِ امْرَأَتُهُ الخ) جب اس بارے میں پوچھا جائے گا تو حرمت کا فتویٰ دیا جائے گا۔ جب وہ شہوت کے نہ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر جب قرینہ حال سے شہوت کا نہ ہونا ظاہر ہو جائے۔ ''قہستانی'' اور ''شہید'' سے جو پہلے (مقولہ 11321 میں) گزر چکا ہے یہ اس کے موافق ہے۔ اور ''جوہرہ'' سے جو ہم نے نقل کیا ہے اس کے خلاف ہے۔ ''فتح'' میں اسے ترجیح دی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ کہنا مناسب ہے: جب تک شہوت کا علم نہ ہو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ یعنی وہ انتشار کی حالت میں بوسہ لے یا منہ پر بوسہ لے تو یہ اس کے موافق ہو جائے گا جو ہم نے ''الفیض'' سے نقل کیا ہے اور اس وجہ سے بھی جس کا ذکر (مقولہ 11341 میں) آئے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر بوسہ لینے اور چھونے میں کوئی فرق نہیں۔

11323۔ (قولہ: وَلَوْ عَلَی الْفَمِ) منفی پر مبالغہ ہے نفی پر مبالغہ نہیں۔ معنی ہے جب اشتہا کا نہ ہونا ظاہر نہ ہو تو اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔ وہ شہوت کے ظہور میں سچا ہوگا جب اسے شہوت میں شک ہو۔ مگر جب شہوت کا نہ ہونا ظاہر ہو گیا تو وہ عورت حرام نہ ہوگی اگر چہ بوسہ منہ پر ہو''ح''۔

11324۔ (قولہ: کَمَا فَهِمَهُ فِی الذَّخِیرَةِ) یعنی ''العیون'' کی عبارت سے سمجھا جب کہا: ''عیون'' کی کتاب بیوع میں جو مطلق ہے اس کا ظاہر۔ آخر تک جو (مقولہ 11320 میں) گزر چکا ہے۔ تو جانتا ہے کہ مصنف کا کلام اس امر پر مبنی

وَكَذَا الْقَرْصُ وَالْعَضُّ بِشَهْوَةٍ، وَلَوْلِأَجْنَبِيَّةٍ وَتَكْفِي الشَّهْوَةُ مِنْ أَحَدِهِمَا، وَمُرَاهِقٌ، وَمَجْنُونٌ وَسَكْرَانُ كَبَالِغٍ بَزَّازِيَّةٌ

اسی طرح چٹکی لینا، دانت سے کاٹنا اگرچہ اجنبیہ سے ہو۔ شہوت ان دونوں میں سے ایک کی جانب سے کافی ہے۔ مراہق، مجنون اور جو نشہ میں ہو وہ بالغ کی طرح ہے'' بزازیہ''۔

ہے کہ بوسہ لینے میں اصل شہوت ہے۔ شہوت کے نہ ہونے کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ''العیون'' میں جو کچھ ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں خوب غور وفکر کرو۔

11325۔ (قوله: وَكَذَا الْقَرْصُ وَالْعَضُّ بِشَهْوَةٍ) مناسب یہ تھا کہ شہوۃ کا لفظ ترک کر دیا جائے جس طرح مصنف نے معانقہ میں کیا ہے۔ کیونکہ مقصود ان امور کو بوسہ لینے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس طرح تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے پس اس تقلید کا کیا فائدہ الخ ''ح''۔

11326۔ (قوله: وَلَوْلِأَجْنَبِيَّةٍ) یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ زوجہ یا اجنبیہ میں فرق ہو۔ جہاں تک اجنبیہ کا تعلق ہے تو اس کی صورت ظاہر ہے جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو جس طرح ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کی تو اس نے اس کی چٹکی لی یا اسے دانتوں سے کاٹا یا اس کا بوسہ لیا یا اس سے معانقہ کیا پھر حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے اسے طلاق دی تو اس پر اس کی بیٹی حرام ہو گی۔

یہ امر جان لیجئے کہ یہ تعمیم اس مسئلہ کے ساتھ خاص نہیں جس مسئلہ میں اب ہم گفتگو کر رہے ہیں کیونکہ جتنے بھی مسائل گزرے ہیں سب کا حکم اسی طرح کا ہے ''ح''۔ بیٹی کو خاص کیا ہے کیونکہ ماں تو محض عقد سے حرام ہو جاتی ہے۔

11327۔ (قوله: وَتَكْفِي الشَّهْوَةُ مِنْ أَحَدِهِمَا) یہ حکم چھونے میں ظاہر ہوتا ہے جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے تو اس صورت میں دیکھنے والے کی شہوت کا اعتبار کیا جاتا ہے خواہ دوسرے میں شہوت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ ''ط''۔

''خیر رملی'' نے اس طرح بحث کی ہے۔ وہ اس رائے کو علمائے کے اس مسئلہ کے ذکر سے اخذ کرتے ہیں جو انہوں نے صرف چھونے کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔ کہا: فرق یہ ہے کہ چھونے کی لذت میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ جس طرح دونوں جماع کی لذت میں شریک ہوتے ہیں جبکہ دیکھنے کا مسئلہ مختلف ہے۔

مراہق، مجنون اور جو نشہ میں ہو اس کا حکم

11328۔ (قوله: كَبَالِغٍ) یعنی وطی، چھونے اور دیکھنے کے ساتھ حرمت مصاہرۃ کے ثبوت میں بالغ کی طرح ہے۔ اگر وہ مقابلات کو مکمل کرتے یہ کہتے ہوئے کہ اس بالغ کی طرح ہے جو دانشمند ہو اور ہوش میں ہو تو یہ انداز بہتر ہوتا۔ ''ط'' ''فتح'' میں ہے: اگر مراہق مس کرے اور یہ اقرار کرے کہ اسے شہوت آئی ہے تو اس پر حرمت ثابت ہو جائے گی۔

11329۔ (قوله: بَزَّازِيَّةٌ) میں نے اس میں صرف مراہق کا ذکر پایا ہے مجنون اور سکران کو نہیں دیکھا۔ ہاں میں

وَفِي الْقُنْيَةِ قَبَّلَ السَّكْرَانُ بِنْتَهُ تَحْرُمُ الْأُمُّ، وَبِحُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ لَا يَرْتَفِعُ النِّكَاحُ حَتَّى لَا يَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ إِلَّا بَعْدَ الْمُتَارَكَةِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، وَالْوَطْءُ بِهَا لَا يَكُونُ زِنًا وَفِي الْخَانِيَّةِ

''قنیہ'' میں ہے: جسے نشہ چڑھا ہوا تھا اس نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو ماں حرام ہو جائے گی حرمت مصاہرت کے ساتھ نکاح ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے مگر اس صورت میں کہ طلاق ہو اور عدت گزر جائے (تب وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کر سکے گی)۔ اور یہ خاوند اگر اسی بیوی کے ساتھ وطی کرتا ہے تو یہ زنا نہ ہوگا۔ خانیہ میں ہے:

نے ان دونوں کا ذکر ''حاوی الزاہدی'' میں پایا ہے۔

11330۔ (قولہ: تَحْرُمُ الْأُمُّ) بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے۔ عام نسخوں میں لفظ الام کے بغیر ہے۔ تو یہ حذف اور ایصال کے باب میں سے ہوگا۔ جس طرح ''ح'' نے کہا۔ ''قنیہ'' کی عبارت اس طرح ہے: مجنون نے اپنی بیوی کی ماں کو شہوت کے ساتھ چھوا یا نشہ میں دھت نے اپنی بیٹی کو چھوا تو وہ حرام ہو جائے گی یعنی اس کی بیوی جو اس بچی کی ماں ہے اس پر حرام ہو جائے گی۔

11331۔ (قولہ: وَبِحُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ الخ) ''ذخیرہ'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصل'' میں نکاح کے باب میں یہ ذکر کیا کہ نکاح حرمت مصاہرت اور رضاعت سے ختم نہیں ہوگا بلکہ نکاح فاسد ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر اسی خاوند نے اسی بیوی سے وطی کی تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی اس پر معاملہ مشتبہ ہو یا مشتبہ نہ ہو۔

11332۔ (قولہ: إِلَّا بَعْدَ الْمُتَارَكَةِ) یعنی اگرچہ اس پر کئی سال گزر جائیں جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اور ''حاوی'' کی عبارت ہے: ''مگر قاضی کی جانب سے تفریق یا ایک دوسرے کو ترک کرنے کے بعد''

یقیناً آپ جان چکے ہیں کہ نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اور علما نے یہ تصریح کی ہے کہ نکاح فاسد میں متارکہ (ایک دوسرے کو ترک کرنا) متحقق نہیں ہوتا مگر قول سے متحقق ہوتا ہے اگر وہ عورت مدخول بہا ہو۔ جس طرح مرد کہے: میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تیرا راستہ کھلا چھوڑ دیا۔ جہاں تک غیر مدخول بہا کا تعلق ہے اس کے بارے میں ایک قول یہ کیا گیا ہے: متارکہ قول سے بھی ہو سکتا ہے اور دوبارہ اس کی طرف سے لوٹنے کا ارادہ نہ ہونے سے بھی ہو سکتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں قسم کی عورتوں میں متارکہ قول سے ہی ہو سکتا ہے یہاں تک کہ مرد نے اسے چھوڑے رکھا اور اس کی عدت کو کئی سال گزر گئے تو اس عورت کے لئے یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی اور مرد سے شادی کرے۔ اسے خوب ذہن نشین کر لو۔

11333۔ (قولہ: وَالْوَطْءُ بِهَا الخ) یعنی وہ وطی جو اس حرمت میں قاضی کی جانب سے تفریق اور متارکہ سے پہلے واقع ہو تو وہ زنا نہیں ہوگا۔ ''حاوی'' میں کہا: اس میں وطی زنا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ اور حرمت کے بعد وطی کی صورت میں مرد پر مہر مثل ہوگا اس پر کوئی حد نہیں ہوگی اور نسب ثابت ہو جائے گا۔

11334۔ (قولہ: وَفِي الْخَانِيَّةِ الخ) جو گفتگو گزر چکی ہے اس سے اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، ''ح''۔

أَنَّ النَّظَرَ إِلَى فَرْجِ ابْنَتِهِ بِشَهْوَةٍ يُوجِبُ حُرْمَةَ امْرَأَتِهِ وَكَذَا لَوْ فَزِعَتْ فَدَخَلَتْ فِرَاشَ أَبِيهَا عُرْيَانَةً فَانْتَشَرَ لَهَا أَبُوهَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ أُمُّهَا (وَبِنْتٌ) سِنُّهَا (دُونَ تِسْعٍ لَيْسَتْ بِمُشْتَهَاةٍ) بِهِ يُفْتَى (وَإِنِ ادَّعَتِ الشَّهْوَةَ) فِي تَقْبِيلِهِ أَوْ تَقْبِيلِهَا ابْنَهُ (وَأَنْكَرَهَا الرَّجُلُ فَهُوَ مُصَدَّقٌ) لَا هِيَ (إِلَّا أَنْ يَقُومَ إِلَيْهَا مُنْتَشِرًا)

اپنی بیٹی کی فرج کی طرف شہوت سے دیکھنا یہ اس کی بیوی (جو اس بچی کی ماں ہے) کی حرمت کو ثابت کر دے گی۔ اسی طرح اگر بچی گھبرائی اور وہ بے لباس اپنے باپ کے بستر میں داخل ہو گئی تو اس کے باپ کو اس کے لئے انتشار واقع ہو گیا تو اس کی ماں اس باپ پر حرام ہو جائے گی۔ اور بچی جس کی عمر نو سال سے کم ہے وہ مشتہاۃ نہ ہو گی۔ اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ وہ عورت شہوت کا دعویٰ کرے۔ جب مرد نے بوسہ لیا یا اس عورت نے مرد کے بیٹے کا بوسہ لیا۔ اور مرد شہوت کا انکار کرے تو مرد کی تصدیق کی جائے گی۔ عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر اس صورت میں جب وہ عورت کی طرف آلہ کے انتشار کی حالت میں اٹھے

11335۔ (قولہ: فَدَخَلَتْ فِرَاشَ أَبِيهَا) یہ کلام چھونے سے کنایہ ہے ورنہ چھونے کے بغیر داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، "ط"۔

11336۔ (قولہ: لَيْسَتْ بِمُشْتَهَاةٍ بِهِ يُفْتَى) "بحر" میں "خانیہ" سے اسی طرح منقول ہے۔ پھر کہا: اس کلام نے یہ فائدہ دیا کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ موٹی ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے "معراج" میں کہا: پانچ سال کی بچی مشتہاۃ نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور نو سال یا اس سے زائد کی بچی مشتہاۃ ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ پانچ اور نو کے درمیان روایت اور مشائخ میں اختلاف ہے۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

11337۔ (قولہ: وَإِنِ ادَّعَتِ الشَّهْوَةَ فِي تَقْبِيلِهِ) بیوی نے دعویٰ کیا کہ مرد نے عورت کے اصول وفروع میں سے کسی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا عورت کے اصول وفروع میں سے کسی نے مرد کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے۔ پس یہ تقبیل مصدر ہو گا جو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو گا۔

اسی طرح اس کا یہ قول ہے۔ یا وہ عورت اس کے بیٹے کا بوسہ لے اگر اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو ابنہ فاعل ہو گا۔ نظم کلام کے اعتبار سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ پہلا مصدر تقبل اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اور دوسرا مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوتا کہ یقوم کا فاعل الرجل یا ابنہ ہو جس طرح "ح" نے اسے بیان کیا ہے۔

11338۔ (قولہ: فَهُوَ مُصَدَّقٌ) مرد کی تصدیق اس وجہ سے کی جائے گی کیونکہ وہ حرمت کے ثبوت کا منکر ہے۔ قول منکر کا ہوتا ہے۔ "ذخیرہ" میں اس مسئلہ کو چھونے کے ضمن میں ذکر کیا ہے بوسہ لینے کے ضمن میں ذکر نہیں کیا۔ جس طرح شارح نے کیا ہے۔ مصنف جس اسلوب پر چلے ہیں یہ اس کے خلاف ہے کہ بوسہ لینے میں حرمت کا فتویٰ دیا جائے گا جب تک شہوت کا نہ ہونا ظاہر نہ ہو۔ ہم اس بارے میں "ذخیرہ" سے پہلے ہی اختلاف (مقولہ 11320 میں) بیان کر چکے ہیں جو یہاں ہے

آَلَتُهُ (فَيُعَانِقَهَا) لِقَرِينَةِ كَذِبِهِ أَوْ يَأْخُذَ ثَدْيَهَا (أَوْ يَرْكَبَ مَعَهَا) أَوْ يَمَسَّهَا عَلَى الْفَرْجِ أَوْ يُقَبِّلَهَا عَلَى الْفَمِ قَالَهُ الْحَدَّادِيُّ وَفِي الْفَتْحِ يَتَرَاءَى إِلْحَاقُ الْخَدَّيْنِ بِالْفَمِ، وَفِي الْخُلَاصَةِ قِيلَ لَهُ مَا فَعَلْتَ بِأُمِّ امْرَأَتِكَ فَقَالَ جَامَعْتُهَا تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ:

اور اس عورت سے معانقہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے جھوٹے کا قرینہ پایا جا رہا ہے یا اس عورت کا پستان پکڑے یا اس کے ساتھ سوار ہو جائے یا اس عورت کی شرمگاہ کو چھوئے یا اس کے منہ پر بوسہ لے۔ یہ ''حدادی'' نے کہا۔ ''فتح'' میں ہے: قیاس یہ کیا جاتا ہے رخساروں کو ملانا منہ سے بوسہ لینے کی طرح ہے۔ ''خلاصہ'' میں ہے: اسے کہا گیا: تو نے اپنی بیوی کی ماں سے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی

یہ عیون کے بیوع میں جو ہے اس پر مبنی ہے۔

11339۔ (قولہ: آَلَتُهُ) رفع کی صورت میں منتشرا کا فاعل ہے، ''ط''۔

11340۔ (قولہ: أَوْ يَرْكَبَ مَعَهَا) یعنی سواری پر اس کے ساتھ سوار ہو جائے۔ وہاں یہ صورت مختلف ہو گی جب وہ عورت مرد کی پشت پر سوار ہو اور مرد پانی کو عبور کرے۔ اس صورت میں مرد کی تصدیق کی جائے گی کہ شہوت نہیں تھی ''بزازیہ''۔

11341۔ (قولہ: وَفِي الْفَتْحِ الخ) اس بارے میں کہا: حاصل کلام یہ ہے جب اس نے نظر کا اقرار کیا اور شہوت کا انکار کیا تو بغیر اختلاف کے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور جو میں جانتا ہوں مباشرت کی صورت میں مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بوسہ لینے کی صورت میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ عموماً بوسہ شہوت سے ہی ہوتا ہے۔ پس اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا مگر اس کا خلاف ظاہر ہو انتشار آلہ وغیرہ کے ساتھ ہے۔ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بوسہ بوسہ میں فرق کیا جائے گا۔ سر، پیشانی اور رخسار پر بوسہ لینے میں مرد کی تصدیق کی جائے گی اور منہ پر بوسہ لینے کی صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ زیادہ راجح قول یہی ہے۔ مگر رخسار کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ اسے منہ کے ساتھ لاحق کیا جائے۔

(قولہ: الا ان يظهر الخ) حق تو یہ تھا کہ اسے و قيل يقبل کے بعد ذکر کیا جاتا جس طرح یہ مخفی نہیں۔ اور چھونے کا ذکر نہیں کیا۔ اور ہم پہلے ''ذخیرہ'' سے (مقولہ 11320 میں) ذکر کر چکے ہیں: اس میں اصل شہوت کا نہ ہونا ہے جس طرح دیکھنا۔ جب وہ شہوت کا انکار کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی مگر اس صورت میں جب وہ آلہ کے انتشار کی حالت میں اس کی طرف اٹھے۔ یعنی آلہ کا انتشار شہوت کی دلیل ہے اس طرح جب شرمگاہ کو چھوئے جس طرح پہلے ''حدادی'' سے گزرا ہے۔ کیونکہ یہ عموماً شہوت کی دلیل ہے۔ ''فتح'' میں جو بحث ذکر کی ہے کہ رخسار پر بوسہ لینے کو منہ پر بوسہ لینے کے ساتھ لاحق کیا جائے یعنی اس کا حکم سر اور پیشانی پر بوسہ لینے کے خلاف ہے یہ اس کے برعکس ہے جو ''ذخیرہ'' میں امام ''ظہیر الدین'' کا قول (مقولہ 11320 میں) گزرا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا اسے خوب سمجھ لو۔

وَلَا یُصَدَّقُ أَنَّهُ کَذَبَ وَلَوْ هَازِلًا (وَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ عَلَى الْإِقْرَارِ بِاللَّمْسِ وَالتَّقْبِیلِ عَنْ شَهْوَةٍ وَکَذَا) تُقْبَلُ (عَلَى نَفْسِ اللَّمْسِ وَالتَّقْبِیلِ) وَالنَّظَرِ إِلَى ذَکَرِهِ أَوْ فَرْجِهَا (عَنْ شَهْوَةٍ فِی الْمُخْتَارِ) تَجْنِیسٌ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ مِمَّا یُوقَفُ عَلَیْهَا فِی الْجُمْلَةِ بِانْتِشَارٍ أَوْ آثَارٍ (وَ) حَرُمَ (الْجَمْعُ) بَیْنَ الْمَحَارِمِ

اور اس قول میں مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اگر چہ وہ ہنسی مذاق کرنے والا ہو۔ شہوت سے چھونے اور بوسہ لینے کے اقرار پر گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح چھونے اور بوسہ لینے، مرد کے آلہ تناسل اور عورت کی فرج کی طرف شہوت سے دیکھنے پر مختار قول کے مطابق گواہی قبول کی جائے گی''تجنیس''۔ کیونکہ شہوت ان چیزوں میں سے ہے جس پر انتشار یا آثار سے فی الجملہ آگاہی ہوسکتی ہے۔ اور محارم کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے۔

11342۔(قولہ: وَلَا یُصَدَّقُ أَنَّهُ کَذَبَ الخ) یعنی قاضی کے ہاں اس کی اس بارے میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے جھوٹ بولا۔ جہاں تک اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ کا تعلق ہے اگر وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح جب وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے اپنی بیوی سے نکاح سے پہلے بیوی کی ماں سے جماع کیا تھا تو بیوی کے حق میں مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر اس نے یہ اقرار اپنی بیوی سے حقوق زوجیت کے بعد کیا تو بیوی کو پورا مہر ملے گا۔ اگر اس نے یہ اقرار اپنی بیوی سے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل کیا تو بیوی کے لئے نصف مہر ہوگا،''بحر''۔

11343۔(قولہ: تَجْنِیسٌ)''بحر'' میں بھی اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے بھی اسی میں اس طرح دیکھا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے: مختار یہ ہے کہ شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے''جامع'' میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ فخر الاسلام''علی بزدوی'' بھی اسی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ شہوت پر اس کے عضو کی حرکت سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے جس کا عضو متحرک ہوتا ہے اور جس کا عضو متحرک نہیں ہوتا اس کی شہوت پر آگاہی دوسرے آثار سے ہوسکتی ہے۔ جو علت ذکر کی ہے یہ بھی''تجنیس'' کا کلام ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ''نہر'' میں جو''تجنیس'' کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ مختار شہادت کو قبول نہ کرنا ہے یہ سبقت قلم ہے (غلطی ہے)۔

محرمات کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے

11344۔(قولہ: بَیْنَ الْمَحَارِمِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے حذف کیا جاتا۔ کیونکہ مصنف کا قول بین امراتین اس سے غنی کر دیتا ہے اور اس لئے بھی تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ دوسرا (المحارم) ملک یمین کی وجہ سے وطی میں جمع کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا یہ اعراب صحیح نہیں کہ اسے بدل بنایا جائے کہ مفصل، مجمل سے بدل ہے۔ کیونکہ شارح نے اس کا ایسا عامل ذکر کیا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے وہ ان کا قول وحرم الجمع ہے۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

محارم سے مراد جو نسب اور رضاعت کو جامع ہے۔ اگر دونوں بیویاں ایسی عورتیں ہوں جن کو ایک اجنبی عورت نے دودھ

(نِكَاحًا) أَيْ عَقْدًا صَحِيحًا (وَعِدَّةً وَلَوْ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ، وَ) حَرُمَ الْجَمْعُ (وَطْئًا بِمِلْكِ يَمِينٍ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ أَيَّتُهُمَا فُرِضَتْ ذَكَرًا لَمْ تَحِلَّ لِلْأُخْرَى)

اور عدت میں بھی جمع کرنا حرام ہے اگرچہ وہ طلاق بائنہ کی عدت ہو۔ اور جمع کرنا حرام ہے دو عورتوں کو ملک یمین کی وجہ سے وطی میں جمع کرنا حرام ہے ان میں سے کسی کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو وہ دوسری کے لئے کبھی بھی حلال نہ ہو۔

پلایا ہو تو دونوں کا نکاح فاسد ہو جائے گا جس طرح ''بحر'' میں ہے۔

11345۔(قولہ: أَيْ عَقْدًا صَحِيحًا) زیادہ مناسب یہ تھا کہ صحیحا کا قول حذف کر دیا جاتا جس طرح ''بحر'' اور ''نہر'' میں کیا ہے۔ اسی وجہ سے ''ح'' نے کہا: اس قید کا کوئی فائدہ نہیں جب وہ ان دونوں عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کرے کیونکہ یہ قطعی طور پر صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس صورت میں اس قید کا فائدہ ہوگا جب وہ ان دونوں کے آگے پیچھے شادی کرے۔ اور پہلی کا نکاح صحیح ہوگا اور دوسری کا نکاح قطعی طور پر باطل ہوگا جبکہ یہ حالت ہو۔ ہاں اس کا ثمرہ اس وقت مرتب ہوگا جب وہ پہلی عورت سے فاسد نکاح کرے اس وقت اس کو اجازت ہے کہ دوسری سے عقد کر لے۔ اس پر صادق آئے گا کہ اس نے دونوں کو نکاح میں جمع کیا ہے۔ پہلی کا نکاح اگرچہ فاسد ہے تو بھی اس کو نکاح کہیں گے جس طرح ان کی عبارات میں عام ہے۔

11346۔(قولہ: وَعِدَّةً) اس کا عطف نکاحا پر ہے اسی طرح یہ منصوب ہے اور تمیز ہے۔

11347۔(قولہ: وَلَوْ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ) یہ قول طلاق رجعی کی عدت کو بھی شامل ہوگا، یا ام ولد کو آزاد کیا گیا تو وہ آزادی کی عدت گزار رہی ہو۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس میں اختلاف کیا ہے، یا نکاح فاسد کے بعد تفریق کرنے کی وجہ سے عدت گزار رہی ہو۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا جس آدمی نے اپنی چاروں بیویوں کو طلاق دے دی تو اس کے لئے جائز نہیں کہ ان کی عدت ختم ہونے سے قبل وہ کسی عورت سے شادی کرے اگر تمام کی اکٹھی عدت ختم ہو گئی تو اس کے لئے ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر ایک کی عدت ختم ہوئی تو ایک عورت سے شادی کرنا جائز ہے، ''بحر''۔

مسئلہ: ایک آدمی کی بیوی مر گئی تو اس کی موت کے ایک روز بعد اس کی بہن سے وہ شادی کر سکتا ہے جس طرح ''خلاصہ'' میں ''اصل'' سے مروی ہے۔ ''صدر الاسلام'' کی ''مبسوط''، ''سرخسی'' کی ''محیط''، ''بحر''، ''تاتر خانیہ'' اور دوسری معتمد کتب میں اسی طرح موجود ہے۔ ''النتف'' کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ عدت واجب ہوگی اس پر کوئی اعتماد نہیں۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ہے۔

11348۔(قولہ: بِمِلْكِ يَمِينٍ) یہ قول وطئا کے متعلق ہے الجمع وطئا کے قول کے ساتھ وطی کے بغیر ملک میں جمع کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ جائز ہے جس طرح ''بحر'' میں ہے، ''ط''۔

11349۔(قولہ: بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ) یہ نکاح، عدت اور ملک یمین کی صورت میں جمع کرنے کی طرف راجع ہے، ''ط''۔ یہ مصنف کی عبارت میں ہے۔ جہاں تک شارح کی عبارت کا تعلق ہے تو وہ صرف آخری کے ساتھ متعلق ہے۔

11350۔(قولہ: أَيَّتُهُمَا فُرِضَتْ الخ) یعنی ان دونوں میں سے جس کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو دوسری کے لئے

أَبَدًا الْحَدِیثِ مُسْلِمٍ لَا تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ عَلَی عَمَّتِھَا وَھُوَ مَشْھُورٌ یَصْلُحُ مُخَصِّصًا لِلْکِتَابِ (فَجَازَ الْجَمْعُ بَیْنَ امْرَأَۃٍ وَبِنْتِ زَوْجِھَا)

کیونکہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہیں کیا جائے گا۔ یہ حدیث مشہور ہے یہ کتاب اللہ کا مخصص بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس عورت اور اس کے خاوند کی بیٹی

حلال نہیں جس طرح ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو ایک وقت میں عقد میں جمع کرنا، نسب یا رضاعت کی وجہ سے ماں اور بیٹی کو جمع کرنا، دو پھوپھیوں اور دو خالاؤں کو جمع کرنا جس طرح دو مردوں میں سے ہر ایک دوسرے کی ماں سے عقد نکاح کرے ان دونوں میں سے ہر ایک سے بیٹی پیدا ہو تو دونوں بچیاں ایک دوسری کی پھوپھیاں ہوں گی یا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرے اور دونوں کی بیٹیاں پیدا ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک دوسری کی خالہ ہو گی جس طرح ''بحر'' میں ہے۔

11351۔ (قولہ: أَبَدًا) ''بحر'' اور دوسری کتب کی اتباع میں یہ قید ذکر کی ہے تاکہ مسئلہ کی اس صورت کو خارج کیا جائے کہ اگر کوئی مرد کسی لونڈی سے نکاح کرے پھر اس کی مالکہ سے نکاح کرے تو ان دونوں کو عقد نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ کیونکہ جب لونڈی کو مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے صحیح نہیں کہ وہ اپنی مالکہ سے نکاح کرے اور اگر مالکہ کو مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی لونڈی سے نکاح کرے مگر احتیاط کے محل میں جس طرح آگے آئے گا۔ مگر یہ حرمت جانبین سے ملک یمین کے زوال تک ہے۔ جب یہ ملکیت زائل ہو جائے تو جس کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے صحیح ہے کہ دوسری سے عقد نکاح کر لے۔ اس وجہ سے ان دونوں کو جمع کرنا جائز ہو گا۔ اس صورت کو مذکورہ قاعدہ سے نکالنے کے لئے ابداً کی قید لگانا ضروری ہے۔ لیکن یہ اس امر پر مبنی ہے کہ قول ایتھما فرضت ذکرا لم تحل للاخری میں عدم حل سے مراد عقد نکاح کرنے کا حلال نہ ہونا ہو۔ اگر اس سے مراد وطی کا حلال نہ ہونا ہو تو ابداً کی قید سے اسے خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ اس قید کے بغیر بھی خارج ہے۔ کیونکہ اگر مالکہ کو مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے اپنی لونڈی سے وطی کرنا حلال ہے، ''ح''۔

11352۔ (قولہ: لَا تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ عَلَی عَمَّتِھَا) مکمل عبارت اس طرح ہے: ولا علی خالتھا، ولا علی ابنۃ اخیھا ولا علی ابنۃ اختھا (1)۔

حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے

11353۔ (قولہ: وَھُوَ مَشْھُورٌ) یہ حدیث صحیح ''مسلم'' اور صحیح ''ابن حبان'' میں ثابت ہے۔ اسے ''ابو داؤد''،

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتھا، جلد 2، صفحہ 314، حدیث نمبر 2568

سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا، جلد 1، صفحہ 604، حدیث نمبر 1045

أَوْ امْرَأَةِ ابْنِهَا أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ سَيِّدَتِهَا
یا اس عورت کے بیٹے کی بیوی کو جمع کرنا جائز ہے۔ یا لونڈی پھر اس کی مالکہ سے شادی کرے

''ترمذی'' اور ''نسائی'' نے روایت کیا ہے۔ اور صدر اول میں صحابہ اور تابعین نے اسے قبول کیا اور جم غفیر نے اس کو روایت کیا۔ ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء: 24) اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے ماسوا ان کے۔ کے عموم کے لئے مخصص ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مذکورہ عموم مشرکہ، مجوسیہ اور رضاعی بیٹیوں کے ساتھ بھی مخصوص ہے۔ اگر یہ اخبار احاد میں سے ہو تب بھی اس کے ساتھ تخصیص جائز ہے جبکہ اس کے مشہور ہونے کا علم نہ ہو۔

ظاہر یہ ہے کہ مشہور ہونے کا دعویٰ ضروری ہے کیونکہ حدیث کا موقع نسخ ہے تخصیص نہیں۔ کیونکہ آیت وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ (البقرہ: 221) اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ۔ آیت وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ کے عموم کے لئے ناسخ ہے۔ کیونکہ اگر حدیث کا زمانہ پہلے کا ہو تو اس کا نسخ آیت سے ہوگا۔ پس مشرکات کا حلال ہونا لازم ہوگا جبکہ مشرک عورت کی حلت کی تو نفی کی جا چکی ہے یا نسخ کا تکرار لازم آئے گا جبکہ یہ اصل کے خلاف ہے۔ اس کے لازم ملزوم ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے مشرکات کی حرمت ہو پھر عام کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا جائے۔ وہ عام وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ہے پھر ایک ناسخ کو مقدر ماننا واجب ہوگا۔ کیونکہ اب حرمت ثابت ہے۔ ''فتح''، ''عنایہ'' میں جو کچھ ہے اس کے ساتھ وہ اعتراض بھی اٹھ جاتا ہے کہ تخصیص کی شرط ہمارے نزدیک ملا ہونا ہے اور مقارنت (ملا ہونا) معلوم نہیں۔

جنت میں دو بہنوں کے ایک عقد میں جمع ہونے کا جواز

جو دلیل ذکر کی ہے وہ قاعدہ کے عموم کے اثبات کے لئے کافی نہیں کہ تمام محرمات کو جمع کرنا حرام ہے۔ ان کو جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ان کو جمع کرنا قطع رحمی کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ عموماً دو سوکنوں کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے معتبر ہونے کی دلیل وہ ہے جو طبرانی کی روایت سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے فانکم اذا فعلتم ذلك قطعتم ارحامکم(1) اگر تم ایسا کرو گے تو تم اپنی رشتہ داری کو قطع کرو گے۔ مفصل گفتگو ''فتح'' میں ہے۔

تتمہ

''رملی'' شافعی نے جنت میں دو بہنوں کے عقد میں جمع ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے کوئی مانع نہیں کیونکہ حکم وجوداً اور عدماً علت کے گرد گھومتا ہے۔ باہم ناراض ہونے اور قطع رحمی کی علت جنت میں نہ ہوگی۔ مگر ماں اور بیٹی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ماں بیٹی میں جزئیت کی علت ہے یہ جنت میں بھی موجود ہوگی۔ بہنوں کا معاملہ مختلف ہے۔

11354۔ (قولہ: أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ سَيِّدَتِهَا) زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ اس صورت کا ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ تو جانتا ہے کہ اسے

1۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لاتنکح المرأۃ علی عمتها، جلد 1، صفحہ 604، حدیث نمبر 1044

لِأَنَّهُ لَوْ فُرِضَتْ الْمَرْأَةُ أَوْ امْرَأَةُ الِابْنِ أَوْ السَّيِّدَةُ ذَكَرًا لَمْ يَحْرُمْ بِخِلَافِ عَكْسِهِ (وَإِنْ تَزَوَّجَ) بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ (أُخْتَ أَمَةٍ) قَدْ (وَطِئَهَا صَحَّ) النِّكَاحُ
کیونکہ بیوی، بیٹے کی بیوی یا مالکہ کو مذکر فرض کیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر ایک آدمی نے نکاح صحیح کے ساتھ لونڈی کی بہن سے شادی کی جبکہ لونڈی سے وطی کر چکا تھا تو نکاح صحیح ہو جائے گا

ابدًا کی قید کے ساتھ خارج کرنا اس پر مبنی ہے کہ عدم حل (حلال نہ ہونا) سے مراد عقد وارد کرنے کے لئے حلال نہ ہونا ہے۔ یہ دونوں طرفوں سے ثابت ہے جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے تو یہ آنے والے قول لم یحرم کے منافی ہے۔ اگر عدم حل سے مراد وطی کا حلال نہ ہونا ہے تو یہ قول لم یحرم صحیح ہوگا۔ لیکن یہ ابدًا کی قید سے مستغنی ہے۔ شاید اشارہ اس امر کا کیا ہے کہ دونوں کو جمع کرنے کا جواز دونوں تقدیروں کی بنا پر ثابت ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

''ح'' نے کہا: یہ اشارہ کیا ہے پھر اگر اس نے دونوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو ایک کا بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا اگر اس نے دو عقدوں میں ان سے شادی کی جبکہ مالکہ سے عقد نکاح پہلے ہوا تو لونڈی سے نکاح صحیح نہیں جس طرح ہم نے اسے فصل کے شروع میں بیان کر دیا ہے۔

11355۔ (قولہ: لَمْ يَحْرُمْ) تینوں صورتوں میں نکاح حرام نہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں جس کو مذکر فرض کیا گیا ہے وہ خاوند کی بیٹی سے نکاح کرنے والا ہے تو یہ اجنبی مرد کی بیٹی ہے اور دوسری صورت میں وہ اجنبی عورت سے شادی کرنے والا ہے اور تیسری صورت میں وہ اپنی لونڈی سے وطی کرنے والا ہے۔

11356۔ (قولہ: بِخِلَافِ عَكْسِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند کی بیٹی یا خاوند کی ماں یا لونڈی کو مذکر فرض کیا جائے تو دوسری حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں وہ خاوند کا بیٹا بنتا ہے تو بیٹے کے لئے باپ کی موطوءہ حلال نہیں۔ دوسری صورت میں وہ خاوند کا باپ بنتا ہے اس کے لئے اپنے بیٹے کی بیوی حلال نہیں۔ تیسری صورت میں وہ غلام بنتا ہے اس کے لئے اس کی مالکہ حلال نہیں۔

11357۔ (قولہ: وَإِنْ تَزَوَّجَ الخ) تزوج کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ اپنی موطوءہ لونڈی کی بہن خریدتا تو اس کے لئے پہلی لونڈی سے وطی کرنا حلال ہوتا۔ اس کو دوسری لونڈی سے وطی کرنے کی اجازت نہ ہوتی یہاں تک کہ وہ پہلی کو اپنے اوپر حرام کر لیتا۔ اگر وہ وطی کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ پھر اس کے لئے ان میں سے کسی سے بھی وطی کرنا حلال نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ دوسری کو اپنے اوپر حرام نہ کر لے۔ نکاح صحیح ہوگا۔ کیونکہ اگر نکاح فاسد ہوتا تو موطوءہ لونڈی اس پر حرام نہ ہوتی جب تک وہ منکوحہ سے حقوق زوجیت ادا کر لیتا تاکہ دونوں بہنوں کا جمع کرنا حقیقت میں پایا جاتا۔ شادی کرنے والی بہن کو مطلق ذکر کیا۔ پس یہ آزاد اور لونڈی دونوں کو شامل ہوگا۔ لونڈی کو مطلق ذکر کیا تو یہ ام ولد کو شامل ہوگا۔ لونڈی کے لئے موطوءہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر منکوحہ سے وطی کرنا اس کے لیے جائز ہے جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ لونڈی حکماً موطوءہ نہیں تو وہ دو بہنوں کو نہ حقیقۃً اور نہ ہی حکماً جمع کرنے والا ہوگا۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اگر اس نے منکوحہ سے

لَكِنْ (لَا يَطَأُ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتَّى يُحَرِّمَ) حِلَّ اسْتِمْتَاعِ (إِحْدَاهُمَا عَلَيْهِ بِسَبَبِ مَا)

لیکن دونوں بہنوں میں سے کسی سے وطی نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ لطف اندوز ہونے کو کسی بھی سبب سے حرام کردے۔

حقوق زوجیت ادا نہیں کئے تھے یہاں تک کہ اس کی بہن کو خرید لیا تھا تو وہ لونڈی سے وطی نہ کرے کیونکہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہے۔ ''بحر'' میں یہی بیان کیا ہے۔ اور لونڈی کی بہن سے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان دونوں عورتوں کے درمیان جزئیت کا رشتہ نہ ہو یہ کہہ کر اس کی ماں اور اس کی بیٹی سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ ایسی دو عورتیں جن میں جزئیت کا رشتہ ہو ان میں سے ایک سے وطی دوسری کو ہمیشہ کے لئے حرام کردیتی ہے۔

11358۔ (قولہ: حَتَّى يُحَرِّمَ) یہاں تک کہ وہ ان میں سے ایک کو اپنے اوپر حرام کردے جس طرح ان کی عبارت میں واقع ہے اس سے جو بات فوری طور پر ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ فعل علامت مضارع پر ضمہ اور تشدید کے ساتھ مزید فیہ سے ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کے حکم کی دلالت اس مرد کے فعل کے بغیر ہے جس طرح ان دونوں میں سے ایک مرجائے یا ان دونوں میں سے ایک مرتد ہوجائے۔ کیونکہ اس طرح مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر اس لفظ کو علامت مضارع کے فتحہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بھی صحیح ہوگا اور اس مذکورہ امر کو بطور منطوق (نہ بطور مفہوم) شامل ہوگا۔ لیکن یہ لازم نہ ہوگا اس وجہ سے جسے تو جانتا ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

11359۔ (قولہ: حِلَّ اسْتِمْتَاعِ) اس میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے یعنی وہ حلال طریقہ سے نفع اٹھانے کو حرام کرلیتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ یا اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ حلال شے کو حرام کرلیتا ہے جو استمتاع ہے۔ یہ ''رحمتی'' نے بیان کیا ہے۔ اس سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے کہ حلت اور حرمت مکلف کے فعل کی صفات ہیں جس طرح لطف اندوز ہونا اس وجہ سے ان دونوں میں سے ایک کی دوسری کے ساتھ صفت لگانا صحیح نہیں۔

11360۔ (قولہ: بِسَبَبِ مَا) پس منکوحہ کی حرمت طلاق، خلع اور ردت کے ساتھ ہو جبکہ عدت بھی ختم ہوچکی ہو۔ ''قہستانی''۔ مملوکہ کی بیع کے ساتھ ہو خواہ مکمل بیع کردے یا اس کے کچھ حصہ کی بیع کردے اور اس طرح لونڈی کو آزاد کرنے کی صورت ہے اور اس کو ہبہ کرنے کی صورت ہے جبکہ وہ سپرد بھی کردے، اس کو مکاتب بنادے اور نکاح صحیح کے ساتھ اس کی شادی کردے۔ نکاح فاسد کا معاملہ مختلف ہے۔ مگر اس صورت میں جب خاوند اس سے حقوق زوجیت ادا کرلے۔ کیونکہ اس طرح اس پر عدت واجب ہوجائے گی اور آقا پر وہ حرام ہوجائے گی۔ اس وقت منکوحہ بہن اس کے لئے حلال ہوجائے گی۔ احرام، حیض، نفاس، روزہ، رہن، اجارہ، مدبر بنانا مؤثر نہ ہوگا کیونکہ ان اسباب سے اس کی فرج اس پر حرام نہ ہوگی، ''بحر''۔ ''نہر'' میں کہا: میں نے ان کی کلام میں نہیں دیکھا اگر وہ لونڈی کو بیع فاسد کی صورت میں بیچ دے یا اسے اسی طرح ہبہ کردے اور اس پر قبضہ کرلیا جائے۔ ظاہر یہ ہے کہ منکوحہ سے وطی کرنا حلال ہے۔ یعنی کیونکہ بیع فاسد کی صورت میں قبضہ کے ساتھ بیع کا مالک بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح جسے فاسد ہبہ کی صورت قبضہ میں دے دیا جائے۔ مفتی بہ قول یہی ہے۔ یہ اس سے مختلف ہے

لِأَنَّ لِلْعَقْدِ حُكْمَ الْوَطْءِ حَتَّى لَوْ نَكَحَ مَشْرِقِيٌّ مَغْرِبِيَّةً يَثْبُتُ نَسَبُ أَوْلَادِهَا مِنْهُ لِثُبُوتِ الْوَطْءِ حُكْمًا وَلَوْ لَمْ يَكُنْ وَطِئَ الْأَمَةَ لَهُ وَطْءُ الْمَنْكُوحَةِ، وَدَوَاعِي الْوَطْءِ كَالْوَطْءِ ابْنُ كَمَالٍ (وَإِنْ تَزَوَّجَهُمَا مَعًا) أَيْ الْأُخْتَيْنِ أَوْ مَنْ بِمَعْنَاهُمَا

کیونکہ عقد وطی کے حکم میں ہے۔ یہاں تک کہ اگر مشرقی مرد نے مغربی عورت سے نکاح کیا تو عورت کی اولاد کا نسب مرد سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ حکماً وطی ثابت ہو چکی ہے۔ اگر اس نے لونڈی سے وطی نہ کی ہو تو اس کے لئے منکوحہ سے وطی کرنا جائز ہو گا۔ اور وطی کے دواعی وطی کے طرح ہیں، ''ابن کمال''۔ اگر اس نے دونوں سے اکٹھے نکاح کیا یعنی دونوں بہنوں سے یا ان سے جو ان دونوں کے حکم میں ہیں

جسے ''عمادیہ'' میں صحیح قرار دیا گیا ہے جس طرح اس باب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

تنبیہ

''بحر'' میں کہا: اگر موطوءہ ملک سے نکالنے کے بعد پھر اس کی ملک کی طرف لوٹ آئی خواہ وہ لوٹنا فسخ نکاح کی صورت میں ہو یا نئے خریدنے کی صورت میں ہو تو ان دونوں بہنوں میں سے کسی سے وطی کرنا حلال نہیں ہو گا یہاں تک کہ وہ لونڈی کو کسی سبب سے اپنے اوپر حرام نہ کرے جس طرح پہلے گزرا ہے۔

11361۔ (قولہ: لِأَنَّ لِلْعَقْدِ حُكْمَ الْوَطْءِ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا اگر یہ اسی طرح ہے تو ضروری ہو گا کہ یہ عقد نکاح ہی صحیح نہ ہو جس طرح بعض مالکیہ نے کہا ہے بصورت دیگر وہ حکماً دو بہنوں کو جمع کرنے والا ہو گا۔ کیونکہ سابقہ وطی حکماً قائم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اس لونڈی کو بیچنے کا ارادہ کرے تو استبراء رحم کرنا مستحب ہے۔ یہ لازم (جمع کرنا) باطل ہے تو اس کے ملزوم کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ یہ عقد کی صحت ہے۔ ''فتح'' میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ لازم مفارق ہے کیونکہ اس کو زائل کرنا اس کے ہاتھ میں ہے تو یہ صحت عقد کو کچھ نقصان نہیں دے گا۔

11362۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَكُنْ الخ) یہ قول اس قول قد وطئھا سے احتراز ہے، ''ح''۔

11363۔ (قولہ: لَهُ وَطْءُ الْمَنْكُوحَةِ) اگر اس نے منکوحہ سے وطی کر لی تو مملوکہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ منکوحہ سے جدائی اختیار کر لے۔ ''اختیار'' میں اسی طرح ہے۔

11364۔ (قولہ: وَدَوَاعِي الْوَطْءِ كَالْوَطْءِ) یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی لونڈی کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ اسے چھوا یا عورت نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا پھر مرد نے اس لونڈی کی بہن سے نکاح کیا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کے لئے حلال نہیں ہو گی یہاں تک کہ وہ دوسری کو حرام کر دے، ''رحمتی''۔

11365۔ (قولہ: أَوْ مَنْ بِمَعْنَاهُمَا) مراد ہر وہ دو عورتیں ہیں ان میں سے جس کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو وہ دوسری کے لئے حلال نہ ہو ''ح''۔ اس زیاتی کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ مصنف کا مابعد قول و کذا الحکم فی کل ما جمعھا من

(أَوْ بِعَقْدَیْنِ وَنَسِیَ) النِّکَاحَ (الْأَوَّلَ فَرَّقَ) الْقَاضِي (بَیْنَهُ وَبَیْنَهُمَا) وَیَکُونُ طَلَاقًا (وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ)

یا دو عقدوں میں اور وہ پہلا نکاح بھول گیا تو قاضی اس مرد اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہو گی اور دونوں کے لئے نصف مہر ہو گا۔

البحار مراس سے مستغنی کر رہا ہے۔ ''ط''۔

11366۔ (قولہ: وَنَسِيَ النِّکَاحَ الْأَوَّلَ) اگر معلوم ہو تو پہلا صحیح ہو گا اور دوسرا باطل ہو گا اور مرد کو صرف پہلی سے وطی کرنے کا حق ہو گا مگر جب وہ دوسری سے وطی کرے تو دوسری کی عدت کے ختم ہونے تک پہلی حرام ہو جائے گی۔ جس طرح ایک خاوند نے اپنی بیوی کی بہن سے شبہ کے ساتھ وطی کر لی تو جب تک اس شبہ والی کی عدت ختم نہیں ہوتی اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ ''بحر'' سے ''ح'' نے یہ قول نقل کیا ہے۔ ''درر بحار'' میں کہا: نسیان کی قید لگائی ہے کیونکہ خاوند اگر ان دونوں میں سے ایک کو فعل کے ساتھ معین کر دیتا کہ اس کے ساتھ دخول کرتا یا یہ وضاحت کر دیتا کہ یہ سابقہ ہے۔ تو اس کے نکاح کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں نے تصدیق کر دی۔ اور اس مرد اور دوسری عورت کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اگر دونوں میں سے ایک کے ساتھ دخول کر لے پھر اس نے بیان کیا کہ دوسری پہلے تھی تو وضاحت کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ دلالت صریح کے مقابل نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثل ''شرنبلالیہ'' میں ''شرح المجمع'' سے منقول ہے۔

11367۔ (قولہ: فَرَّقَ الْقَاضِي بَیْنَهُ وَبَیْنَهُمَا) یعنی خاوند پر لازم ہو گا کہ ان کو جدا کر دے اگر وہ ان کو جدا نہیں کرتا تو قاضی پر واجب ہے (اگر اسے علم ہو) کہ وہ مرد اور ان دونوں عورتوں کے درمیان جدائی کر دے تا کہ ان میں معصیت کو دور کیا جائے ''بحر''۔ لیکن ''فتاوی ہندیہ'' میں ''شرح الطحاوی'' سے منقول ہے: اگر اس مرد نے دو عقدوں میں ان سے شادی کی اور وہ نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے پہلی کون ہے؟ تو خاوند کو حکم دیا جائے گا کہ وہ وضاحت کرے۔ اگر وہ واضح کر دے تو جو اس نے بیان کیا اس کے مطابق حکم ہو گا۔ اگر وہ واضح نہ کرے تو قاضی اس میں تحری (تلاش و جستجو) نہیں کرے گا اور اس مرد اور ان دونوں عورتوں کے درمیان تفریق کر دے گا ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ خاوند کا بیان اس پر مبنی ہے کہ اس کو علم ہے کہ یہ پہلی ہے۔ کیونکہ ہم اسے ''شرح الدرر'' سے (مقولہ 11366 میں) نقل کر چکے ہیں اور اس قول کی وجہ سے لا یتحری۔ اس میں خوب غور و فکر کر لو۔ ''نہر'' میں ہے: خاوند کی جانب سے تفریق سے مراد یہ ہو گا کہ خاوند ان کو طلاق دے دے میں نے اسے نہیں دیکھا۔

11368۔ (قولہ: وَیَکُونُ طَلَاقًا) قاضی کی مذکورہ تفریق طلاق ہو گی۔ ''فتح'' کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ کی جانب سے اس پر بحث و تمحیص کی گئی ہے۔ کیونکہ آپ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ طلاق ہے یہاں تک کہ اگر یہی مرد ان میں سے کسی سے نکاح کرے گا تو ان کو طلاق دینے کے حق میں سے ایک طلاق کم ہو جائے گی۔ ''بحر'' اور ''نہر'' میں اسے ہی بیان کیا ہے۔ اس کی تائید ''زیلعی'' بھی کرتے ہیں کہ آپ نے مذکورہ تفریق کو طلاق سے تعبیر کیا ہے۔ ''اتقانی'' نے ''غایۃ البیان'' میں یہی کہا ہے: قاضی کی جانب سے تفریق خاوند کی جانب سے طلاق کی طرح ہے۔ پھر ''فتح'' میں کہا ہے: اگر حقوق زوجیت سے قبل

يَعْنِي فِي مَسْأَلَةِ النِّسْيَانِ إِذِ الْحُكْمُ فِي تَزَوُّجِهِمَا مَعًا الْبُطْلَانُ وَعَدَمُ وُجُوبِ الْمَهْرِ إِلَّا بِالْوَطْءِ كَمَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ فَتَنَبَّهْ، وَهٰذَا إِنْ (كَانَ مَهْرَاهُمَا مُتَسَاوِيَيْنِ) قَدْرًا وَجِنْسًا

یعنی نسیان کے مسئلہ میں، کیونکہ دونوں سے اکٹھی شادی کا حکم بطلان ہے اور وطی کے بغیر مہر کا واجب نہ ہونا ہے جس طرح عام کتابوں میں ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔ یہ اس وقت ہوگا جب دونوں کے مہر قدر و جنس کے لحاظ سے برابر ہوں۔

تفریق واقع ہوگئی تو مرد کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے فی الحال شادی کر لے۔ اگر تفریق حقوق زوجیت کے بعد واقع ہوئی تو ان دونوں میں سے کسی سے بھی نکاح نہیں کر سکتا یہاں تک کہ دونوں کی عدت ختم ہو جائے۔ اگر ایک کی عدت ختم ہو جائے دوسری کی عدت ختم نہ ہو تو اس کے لئے اجازت ہے کہ اس سے عقد نکاح کر لے جس کی عدت ختم نہیں ہوئی۔ دوسری سے عقد نکاح نہیں کر سکتا تا کہ دو کو جمع کرنے والا نہ ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کے ساتھ حقوق زوجیت کے بعد تفریق واقع ہوئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ فی الحال اس سے عقد نکاح کر لے۔ دوسرے سے عقد نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی عدت دوسری بہن کے ساتھ نکاح سے مانع ہے۔

11369۔ (قولہ: يَعْنِي فِي مَسْأَلَةِ النِّسْيَانِ) یہ دیکون طلاقاً کے لئے اور مصنف کے قول ولھما نصف المھر کے لئے تقیید ہے۔ کیونکہ نکاح باطل میں تفریق طلاق نہیں ہوتی۔ اسے خوب ذہن نشین کر لو۔

11370۔ (قولہ: إِذِ الْحُكْمُ الخ) دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیان کے مسئلہ میں سابقہ کا نکاح صحیح ہے لاحقہ کا نکاح صحیح نہیں۔ جہالت کی وجہ سے دونوں تفریق میں متعین ہو گئیں۔ جس کا نکاح صحیح تھا اس کے لئے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل تفریق کی صورت میں نصف مہر واجب ہوگا۔ جب وہ عورت مجہول ہو تو دونوں کے لئے ثابت ہوگا۔ جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ دونوں کے ساتھ اکٹھے ایک ہی عقد میں نکاح کرنا تو دونوں کا نکاح یقینی طور پر باطل ہوگا۔ جب تفریق دخول سے پہلے ہو تو دونوں کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا اور دونوں پر عدت بھی لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے دونوں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے تو ہر ایک کے لئے مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ واجب ہوگا جس طرح نکاح فاسد کا حکم ہے اور دونوں پر عدت ہوگی۔ ''بحر'' کہا: ''محیط'' میں دونوں کے بطلان کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ دونوں میں سے ایک کسی غیر کے نکاح یا اس کی عدت میں مشغول نہ ہو۔ اگر معاملہ اس طرح ہو تو فارغہ (نکاح وعدت میں سے فارغ عورت) کا نکاح صحیح ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان جمع کرنا متحقق نہیں جس طرح ایک عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کر لیا جبکہ ان دونوں میں سے ایک چار عورتوں سے پہلے ہی نکاح کئے ہوئے تھا تو یہ عورت دوسرے مرد کی بیوی ہوگی۔ کیونکہ دو مردوں کے درمیان جمع ہونا متحقق نہیں ہوا جب وہ ان دونوں میں سے ایک کے لئے حلال نہ تھی۔

11371۔ (قولہ: وَهٰذَا) یعنی دونوں کے لئے نسیان کے مسئلہ میں نصف مہر کا واجب ہونا۔

11372۔ (قولہ: مُتَسَاوِيَيْنِ قَدْرًا وَجِنْسًا) جس طرح ان دونوں میں سے ہر ایک کا مہر ہزار درہم ہو، ''ح''۔

(وَهُوَ مُسَمًّى فِي الْعَقْدِ وَكَانَتُ الْفُرْقَةُ قَبْلَ الدُّخُولِ) وَادَّعَى كُلٌّ مِنْهُمَا أَنَّهَا الْأُولَى، وَلَا بَيِّنَةَ لَهُمَا فَإِنْ اخْتَلَفَ مَهْرَاهُمَا، فَإِنْ عُلِمَا فَلِكُلٍّ رُبْعُ مَهْرِهَا، وَإِلَّا فَلِكُلٍّ نِصْفُ أَقَلِّ الْمُسَمَّيَيْنِ

اور عقد میں مہر بیان کر دیا گیا ہو اور فرقت حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل ہے اور دونوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ اس کا نکاح پہلے ہوا ہے اور دونوں کے پاس گواہ بھی نہ ہوں۔ اگر دونوں کے مہر مختلف ہوں، اگر دونوں کے مہر معلوم ہوں تو ہر ایک کے لئے اس کے مہر کا چوتھائی ہوگا بصورت دیگر ہر ایک کے لئے دونوں مہر مسمی میں سے اقل کا نصف ہوگا۔

11373۔(قولہ: وَهُوَ مُسَمًّى) ضمیر مذکور کی تاویل میں دو مہروں کی طرف لوٹ رہی ہے،''ح''۔

11374۔(قولہ: وَادَّعَى كُلٌّ مِنْهُمَا أَنَّهَا الْأُولَى) جب دونوں نے کہا: ہم نہیں جانتے دونوں نکاحوں میں سے پہلے کس کا نکاح ہے۔ دونوں کے لئے کسی چیز کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس کے حق میں فیصلہ ہونا ہے وہ مجہول ہے۔ یہ قضا کی صحت کے مانع ہے۔ جس طرح ایک آدمی نے دو آدمیوں سے کہا: ان دونوں میں سے ایک کے مجھ پر ہزار لازم ہیں تو ان دونوں میں سے کسی کے لئے بھی کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں کہ وہ مصالحت کر لیں۔ اس طرح کہ وہ نصف مہر لینے پر اتفاق کر لیں تو نصف مہر کا ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہ قید یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ ''ابوجعفر ہندوانی'' نے اسے زائد قرار دیا ہے۔''ہدایہ'' کا ظاہر اس کو ضعیف قرار دیتا ہے لیکن یہ حسن ہے''بحر''۔ تمام گفتگو اس میں ہے۔

11375۔(قولہ: وَلَا بَيِّنَةَ لَهُمَا) دونوں کے گواہ نہ ہوں۔ اسی کی مثل یہ صورت بھی ہوگی کہ اگر دونوں میں سے ہر ایک کے پاس پہلے نکاح ہونے کے گواہ ہوں جس طرح ''فتح'' وغیرہ میں ہے۔ یعنی اس لئے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلاتی ہیں۔''ح'' نے کہا: اگر دونوں میں سے ایک نے نکاح کے پہلے واقع ہونے پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا نکاح صحیح اور دوسری کا نکاح باطل ہوگا۔ اس کی مثل جو ہم نے ونسی الاول کے قول میں بیان کر آئے ہیں۔

11376۔(قولہ: فَإِنْ اخْتَلَفَ مَهْرَاهُمَا) یہ متساویین قدرا وجنسا کے قول سے احتراز ہے۔ یہ اس صورت میں سچا ہوگا جب دونوں مہر صرف قدر میں مختلف ہوں جیسے ان دونوں میں سے ایک کا مہر چاندی کے ہزار درہم کے برابر ہو اور دوسری کا مہر سونے کے دو ہزار درہم کے وزن کے برابر ہو۔ وہ قدر و جنس دونوں کے اعتبار سے مختلف ہو جیسے ان دونوں میں سے ایک کا مہر چاندی کے ہزار درہم کے برابر ہو اور دوسری کا مہر سونے کے دو ہزار درہم کے برابر ہو۔

فائدہ: سونے کے دینار ہوتے ہیں ترجمہ متن کے مطابق کیا گیا ہے۔''مترجم''۔

11377۔(قولہ: فَإِنْ عُلِمَا الخ) یہ جان لو کہ یہ تفصیل ''الدرر'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا حاشیہ لکھنے والوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کا غیر پایا بھی نہیں گیا جو اکثر کتب میں پایا گیا کہ اگر مسمی دونوں کا مختلف ہو تو ہر ایک کے لئے اسی کے مہر مسمی کے چوتھائی کا فیصلہ کیا جائے گا جو اس کے بعض میں پایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دونوں مہر مسمی میں سے اقل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کا مہر سو درہم ہو اور دوسری کا اسی درہم ہو تو پہلے قول کے مطابق پہلی کے لئے پچیس درہم اور

(وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُسَمًّى فَالْوَاجِبُ مُتْعَةٌ وَاحِدَةٌ لَهُمَا) بَدَلَ نِصْفِ الْمَهْرِ (وَإِنْ كَانَتِ الْفُرْقَةُ بَعْدَ الدُّخُولِ وَجَبَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مَهْرٌ كَامِلٌ) لِتَقَرُّرِهِ بِالدُّخُولِ
اگر مہر مسمیٰ نہ ہو تو دونوں کے لئے نصف مہر کے بدلے ایک متعہ ہوگا اور اگر فرقت دخول کے بعد ہو تو ہر ایک کے لئے کامل مہر ہوگا کیونکہ یہ حقوق زوجیت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسری کے لئے بیس درہم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور دوسرے قول کے مطابق دونوں مقرر کردہ مہروں کے نصف اقل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ وہ چالیس درہم ہیں پھر اسے دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا تو ہر ایک کے لئے بیس درہم ہوں گے۔ ''نوح آفندی'' کے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ شیخ ''اسماعیل'' کی شرح میں ہے کہ احتیاط دوسرے قول میں ہے۔ ''الکافی'' اور ''الکفایہ'' میں علت کے ساتھ موجود ہے کہ اس میں یقین ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مصنف یعنی صاحب ''الدرر'' نے ارادہ کیا کہ دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دیں گے کہ پہلا قول اس صورت میں ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے جو معین کیا گیا ہے وہ بعینہ معلوم ہے جس طرح فاطمہ کے لئے پانچ سو اور زاہدہ کے لئے ایک ہزار ہو۔ اور دوسرا قول اس صورت میں ہے جب وہ مہر اس طریقہ سے معلوم نہ ہو۔ اس طرح کہ اسے یہ علم تو ہے کہ اس نے ان میں سے ایک کے لئے پانچ سو درہم مہر مقرر کیا تھا اور دوسری کے لئے ہزار درہم مقرر کیا تھا مگر دونوں میں سے ہر ایک کی تعیین کو وہ بھول گیا تھا۔ لیکن ''الکافی'' اور ''الکفایہ'' میں جو سیاق ہے وہ اس میں انحصار کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے فرمایا: اگر اسے روایت کے اختلاف پر محمول کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو تو نے جان لیا کہ شارح کا قول ''الدرر'' کی پیروی میں ہے ورنہ ہر ایک کے لئے دونوں مقررہ مہروں میں سے اقل کا نصف ہوگا صحیح نہیں ہے جس طرح ''الشرنبلالیہ'' اور دوسری کتب میں اس پر متنبہ کیا۔ کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ دونوں کامل مہر لیں جبکہ اس پر واجب نصف مہر ہے۔ شرح کے بعض نسخوں میں جو صحیح ہے وہ یہ ہے ورنہ دونوں مقررہ مہروں میں سے اقل دونوں کے لئے ہوگا۔ یہ قول اس پر مبنی ہے جو ''الدرر'' میں دونوں قولوں میں تطبیق کی گئی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اسے آپ جان چکے ہیں۔

11378۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُسَمًّى) یعنی اگر دونوں مہروں میں سے کوئی ایک بھی مقرر نہ ہو تو واجب متعہ ہوگا۔ جب ایک کا مہر مقرر کیا دوسری کا مقرر نہ کیا تو جس کا مہر مقرر ہوگا تو وہ اپنے مہر کا چوتھائی لے گی۔ جس کے لئے مقرر نہیں کیا تو وہ نصف متعہ لے گی، ''ح''۔

شیخ ''اسماعیل'' کی شرح اسی کی مثل ہے۔

11379۔ (قولہ: وَجَبَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مَهْرٌ كَامِلٌ) ''فتح'' میں کہا: اگر جدائی حقوق زوجیت کے بعد ہو تو ہر ایک کے لئے اس کا کامل مہر ہوگا۔ اور نکاح فاسد میں مہر کامل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کا محمل اس پر ہوگا جب دونوں کا مہر قدر اور

....

جنس میں متحد ہو۔ جب دونوں مختلف ہوں تو مہر کا واجب کرنا متعذر رہوگا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اولیٰ نہیں کہ دوسری کو چھوڑ کر اسے مہر والی بنایا جائے۔ کیونکہ یہ حکم کی فرع ہے کیونکہ یہ نکاح فاسد میں موطوءہ ہے۔ یہ حکم ہے جبکہ نکاح فاسد میں وطی کے حکم میں مہر نہیں ہوتا جب مہر معین کیا گیا ہو بلکہ مقرر کردہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہوتا ہے وہ لازم ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں اسی کی مثل ہے۔ صرف یہ قول نہیں مع ان الفاسد الخ۔

ظاہر یہ ہے کہ ''صاحب الفتح'' نے پہلے تعبیر کیا کہ ہر ایک کے لئے کامل مہر واجب ہوتا ہے پھر عقر کی بات کی اس کی اتباع میں جو دوسرے علما کی کلام میں ہے پھر اس امر کو ثابت کیا کہ نکاح فاسد میں وطی کے بعد واجب وہ مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہے وہ واجب ہوگا۔ تو اس سے معلوم ہو گیا ہے مراد مہر ہے۔ اور ''مغرب'' میں ہے: عقر سے مراد عورت کا مہر ہے جب شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کی جائے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ نکاح فاسد کی صورت میں وطی شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ''کنز'' اور دوسری کتب میں اس کی تصریح ہے کہ نکاح فاسد میں واجب مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہوتا ہے وہ ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ''بحر'' میں عقر کے ساتھ تعبیر کا اقتصار صحیح ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تو جان چکا ہے کہ دو نکاحوں میں سے ایک نسیان کے مسئلہ میں صحیح ہے اور دوسرا فاسد ہے۔ اور حقوق زوجیت کے بعد صحیح نکاح میں مہر مسمی واجب ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں عقر لازم آتا ہے یعنی مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہے۔ جب نکاح فاسد والی سے نکاح صحیح والی کا علم نہ ہو تو دونوں مہر مذکورہ نصف کے ساتھ دونوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ پس ہر ایک کے لئے کامل مہر ہوگا۔

پھر یہ جان لیں کہ صورتیں چار ہیں: کیونکہ یا تو دونوں کا مہر مسمی متحد ہوگا، یا مختلف ہوگا اور ہر صورت میں یا دونوں کا مہر مثل بھی متحد ہوگا، یا مختلف ہوگا۔

اگر دونوں کا مہر مسمی اور مہر مثل ایک ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کامل مہر واجب ہوگا۔

جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ مہر مسمی تو متحد ہو اور مہر مثل مختلف ہو جیسے خاوند نے ہند کے لئے سو مہر مقرر کیا اور اس کا مثل نوے ہے اور اس کی بہن دعد کا بھی سو مہر مقرر کیا اور اس کا مہر مثل اسی ہو تو جس کا نکاح صحیح ہے اس کے لئے واجب مہر مسمی ہوگا جو سو ہے اور جس کا نکاح فاسد ہے اس کے لئے عقر ہوگا جو نوے اور اسی کے درمیان متردد ہے۔ دونوں میں سے ایک کو واجب کرنا متعذر ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی زیادہ مستحق نہیں کہ وہ عقر والی ہو۔ اسی وجہ سے محشی نے ''فتح'' کے قول کو مقید کیا ہے۔ اس کا محمل واجب ہے یعنی کامل مہر کے وجوب کا محمل دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس شرط پر ہوگا کہ دونوں کا مسمی ایک ہو اور دونوں کا مہر مثل بھی ایک ہو۔

جہاں تک ''فتح'' کے قول کا تعلق ہے: جب دونوں کے مہر مسمی مختلف ہوں تو عقر کا وجوب متعذر رہوگا۔ اس کے اطلاق میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ظاہر ہے جب دونوں مہر بھی مختلف ہوں جیسے اس نے ہند کے لئے سو مقرر کیا اور اس کا مہر

وَمِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ دُخُولِهِ بِوَاحِدَةٍ
اور اس سے اس کا حکم معلوم ہو جائے گا جب اس نے ایک کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں۔

مثل اسی ہو اور دعد کے لئے نوے مقرر کیا اور اس کا مہر مثل ساٹھ ہو تو یہاں عقر کو واجب کرنا متعذر رہو گا اور مقررہ مہر کو واجب کرنا بھی متعذر رہو گا۔ کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے اولیٰ نہیں اس اعتبار سے کہ وہ نکاح صحیح والی ہے یا نکاح فاسد والی ہے۔ یہاں تک کہ ہم ان دونوں کے لئے دونوں مقررہ مہروں میں سے ایک بعینہ اور دونوں عقروں میں سے ایک بعینہ واجب کر دیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جب دونوں مقررہ مہر مختلف ہوں اور مہر مثل متحد ہوں جیسے اس نے ہند کے لئے سو اور دعد کے لئے نوے مقرر کئے اور دونوں میں سے ہر ایک کا مہر مثل اسی تھا تو عقر کا واجب کرنا متعذر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ہر حال میں اسی ہے خواہ نکاح فاسد والی ہند ہو یا دعد ہو بلکہ مہر مسمی کا ایجاب متعذر رہے۔ پھر ''فتح'' کی کلام سے ان تینوں صورتوں میں حکم معلوم نہیں۔ ''ط'' نے کہا: ظاہر یہ ہے عقر کو واجب کرنے کے مشکل ہونے کی صورت میں مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہو گا وہ واجب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ اس میں دونوں کے حق میں کمی ہے اور یقینی کے بعض کو ترک کرنا ہے۔ کیونکہ کوئی شک نہیں کہ ان دونوں میں ایک نکاح صحیح والی ہے اور اس کے لئے کامل مہر ہوتا ہے اور خصوصاً جب مقررہ مہر ایک ہو اس شرط پر کہ یہ معلوم نہیں کہ کیا حکم ہوگا جب عقر کو واجب کرنا متعذر نہ ہو بلکہ وہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ وہ ہے جسے ہمارے ''شیخ'' نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب صحیح نکاح والی اور فاسد نکاح والی مجہول ہو اور ان دونوں میں سے ایک کے لئے مہر مسمی اور دوسری کے لئے عقر ہو کہ وہ دونوں یقینی لے لیں اور چاروں صورتوں میں آپس میں تقسیم کر لیں۔ جب دونوں مہر مسمی اور مہر مثل متحد ہوں تو دونوں کو ایک مہر مسمی اور ایک مہر مثل دے دیا جائے گا اور جب صرف مہر مسمی متحد ہوں تو دونوں کو دونوں مقررہ مہروں میں سے ایک اور دونوں مہروں میں سے اقل عطا کیا جائے گا اور جب صرف مقررہ مہر مختلف ہوں تو دونوں کو دونوں مقررہ مہروں میں سے کم اور دونوں مہر مثل میں سے ایک دیا جائے گا اور جب مقررہ مہر اور مہر مثل مختلف ہوں تو دونوں مہر مسمی میں سے اقل اور دونوں مہر مثل میں سے کم دیا جائے گا اللہ تعالیٰ سبحانہ بہتر جانتا ہے۔

11380۔(قولہ: وَمِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ دُخُولِهِ بِوَاحِدَةٍ) یعنی جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں اس کیلئے مقررہ مہر کا نصف اور مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے اقل کا نصف واجب ہوگا کیونکہ اگر وہ عورت سابقہ ہو تو اس کے لئے تمام مقررہ مہر واجب ہوگا۔ اگر متاخرہ ہو تو اس کے لئے مہر مثل اور مہر مسمی میں سے اقل واجب ہوگا۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف لے گی اور غیر مدخول بھا کے لئے مہر مسمی کا چوتھائی واجب ہوگا کیونکہ اگر وہ سابقہ (جس کا پہلے نکاح ہوا) ہے تو اس کے لئے مقررہ مہر کا نصف ہوگا اگر وہ متاخرہ ہو تو اس کے لئے کچھ بھی واجب نہ ہوگا تو پس نصف کا نصف ہوگا، ''ح''۔

(وَكَذَا الْحُكْمُ فِيمَا جَمَعَهُمَا مِنَ الْمَحَارِمِ فِي نِكَاحٍ (وَ) حَرُمَ (نِكَاحُ الْمَوْلَى (أَمَتَهُ وَ) الْعَبْدِ (سَيِّدَتَهُ) لِأَنَّ الْمَمْلُوكِيَّةَ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ،

اور اسی طرح اس کا حکم بھی معلوم ہو جائے گا جب وہ نکاح میں دو باہم ذی رحم محرم عورتوں کو جمع کرے۔ آقا کا اپنی لونڈی سے اور غلام کا اپنی مالکہ سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ مملوکیت مالکیت کے منافی ہے

میں کہتا ہوں: یہ جسے شارح نے ذکر کیا ہے ''شرنبلالیہ'' سے ماخوذ ہے۔ اس کی تقیید ضروری ہے جب وہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے جبکہ وہ اقرار کرتا ہو کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کا نکاح پہلے ہے۔ اگر اس نے ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے جبکہ صورت حال واضح ہے تو اس کے نکاح کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح ہم پہلے ''شرح درر البحار'' وغیرہ سے (مقولہ 11366 میں) بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت اس کے لئے تمام مسمی واجب ہوگا اور اس مرد اور دوسری عورت کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اس عورت کے لئے کوئی چیز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ یہی وہ عورت ہے جس سے نکاح بعد میں ہوا۔ اس کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ نکاح باطل کی صورت میں مہر صرف حقوق زوجیت ادا کرنے کی صورت میں ہی واجب ہوتا ہے۔

11381۔ (قولہ: وَكَذَا الخ) سب سے بہتر ''زیلعی'' کا قول ہے۔ ہم نے دو بہنوں کے جو احکام ذکر کئے ہیں وہ ہی احکام ان تمام ذی رحم محرم عورتوں کے ہیں جن کو ایک وقت میں عقد نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہوتا۔

آقا کا اپنی لونڈی سے اور غلام کا اپنی مالکہ سے نکاح کرنا حرام ہے

11382۔ (قولہ: وَ حَرُمَ نِكَاحُ الْمَوْلَى أَمَتَهُ الخ) یعنی اگر وہ لونڈی کے بعض کا مالک ہو۔ اسی طرح اگر عورت صرف ایک حصہ کی مالک بنی۔ ''فتح''۔ ''جوہرہ'' میں یہ زائد ہے: اسی طرح جب دونوں میں سے ایک اپنے صاحب کا مالک بنا یا اس کے بعض کا مالک بنا تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ جہاں تک عبد ماذون اور مدبر کا تعلق ہے جب دونوں نے اپنی بیوی کو خریدا تو نکاح فاسد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں عقد کے ساتھ اس کے مالک نہیں ہوئے۔ اسی طرح مکاتب ہے کیونکہ وہ بھی اس کا عقد کے ساتھ مالک نہیں ہوتا۔ اس کا اس عورت میں ملکیت کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرد کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی زوجہ کو خریدا جبکہ اس مرد کو اس میں اختیار ہو تو نکاح فاسد نہیں ہوگا۔ یہ ''امام اعظم'' کے اصول کے مطابق ہے جو یہ ہے کہ مشتری کا خیار مبیع کو مشتری کی ملک میں داخل نہیں کرے گا۔

11383۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَمْلُوكِيَّةَ الخ) یہ دونوں مسئلوں کی علت ہے۔ ''فتح'' میں کہا: کیونکہ نکاح مشروع نہیں کیا تھا مگر دونوں نکاح کرنے والوں کے درمیان ملکیت کے اعتبار سے مشترک ثمرات کا ثمر بار کرنے کے لئے۔ ان ثمرات میں سے کچھ مرد کی ملکیت کے ساتھ خاص ہیں جس طرح عورت کا مرد کو قدرت دینا، مرد کے گھر میں رہنا، کسی اور مرد سے اپنے آپ کو بچانا۔ ان میں سے کچھ ثمرات ایسے ہیں جن میں ملکیت مشترک ہوتی ہے جس طرح جماع اور مباشرت سے لطف اندوز

نَعَمْ لَوْ فَعَلَهُ الْمَوْلَى احْتِيَاطًا كَانَ حَسَنًا
اگر آقا نے بطور احتیاط اپنی لونڈی سے نکاح کیا تو یہ بہت اچھا ہوگا۔

ہونا اور بچے کا دونوں کی طرف منسوب ہونا۔ مملوکیت مالکیت کے منافی ہے پس اس نے عقد نکاح کے لازم کی نفی کر دی ہے اور لازم کا منافی ملزوم کا منافی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ بھی ساقط ہو جاتا ہے جو یہ قول کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک رق کے اعتبار سے مملوک ہو اور نکاح کی جہت سے مالک ہو۔ کیونکہ فرض یہ ہے کہ نکاح کا لازمہ ہر ایک کی ملکیت خالص ہونے کی صورت میں ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں جبکہ غلامی اس کے مانع ہے۔

11384۔ (قولہ: نَعَمْ لَوْ فَعَلَهُ الخ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شارح کے قول وحرم سے حرمت سے مراد مطلق منع ہے نہ کہ وہ خصوصی منع ہے جو منع سے فوراً سمجھ آتا ہے کہ یہ منع اس طریقہ پر ہے جس پر گناہ مرتب ہوتا ہے۔ ورنہ فعل حرام ممتنع ہوگا تا کہ آقا کے اپنی لونڈی سے نکاح کرنے میں جو موہوم امر ہے اس سے بچا جائے۔ یا اس سے مراد اس عقد شرعی کے وجود کی نفی ہے جو ثمرات کے باعث ہوتا ہے جس طرح اس کی طرف پہلے (مقولہ 11383 میں) اشارہ کیا ہے اس قول میں جو ''فتح'' سے نقل ہوا ہے۔ ''جوہرہ'' میں جو کچھ ہے اس کا بھی یہی معنی ہے۔ ''بحر'' میں ''مضمرات'' سے اسی طرح منقول ہے: احکام نکاح سے مراد مولیٰ کے ذمہ مہر کا ثبوت، آزادی کے بعد نکاح کی بقا اور عورت پر طلاق کا واقع ہونا ہے وغیرہ۔ رہا یہ مسئلہ کہ آقا نے اپنی لونڈی سے اس لئے نکاح کیا کہ وہ اس حرام وطی سے بچے جو بسبیل احتمال ہے تو یہ نکاح کرنا حسن ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ لونڈی اصل میں آزاد ہو یا غیر کی آزاد کردہ ہو یا اس کی آزادی کی قسم اٹھائی جا چکی ہو جبکہ قسم اٹھانے والا قسم توڑ چکا ہو بہت سی صورتیں واقع ہو سکتی ہیں۔ خصوصاً جب وہ عورت کئی ہاتھوں میں گھومتی رہی ہو۔

وہ قیدی عورتیں جن کو ہمارے زمانے میں قید کر کے لایا جاتا ہے

میں کہتا ہوں: خصوصاً وہ قیدی عورتیں جنہیں ہمارے زمانہ میں مال غنیمت کے طور پر پکڑ کر لایا جاتا ہے یہ یقینی ہے کہ غنیمت کی تقسیم نہیں ہوتی۔ ان میں خمس لینے والوں اور مجاہدین کا حق باقی ہوتا ہے۔ شارح نے جہاد کے باب میں مفتی ''ابو السعود'' سے جو نقل کیا ہے، ان کے زمانہ میں سلطان کی جانب سے عام انعام واقع ہوا۔ خمس دینے کے بعد ان کے ساتھ وطی کرنے میں کوئی شبہ باقی نہیں، وہ قول مفید نہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عام انعام صحیح نہیں۔ خواہ سلطان نے اس میں خمس لینے کی شرط لگائی یا شرط نہ لگائی کیونکہ اس مقررہ حصہ کا ابطال ہے جس طرح امام ''سرخسی'' نے ''شرح السیر الکبیر'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانہ کے سلطان کا انعام ہمارے زمانہ تک باقی نہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے انہوں نے خمس عطا کرنے کی وجہ سے شبہ کی نفی کی۔ اور ہمارے زمانہ میں معلوم یہ ہے کہ لشکر میں سے جس کا ہاتھ کسی چیز تک پہنچتا ہے وہ اسے لے لیتا ہے اور خمس نہیں دیتا۔ تو اس لئے یہی مناسب ہے کہ عقد نکاح واجب ہو جب

وَفِيهِ مَا لَا يَخْفَى فِي عَدَمِ عَدِّهَا خَامِسَةً، وَنَحْوِهِ مِنْ عَدَمِ الِاحْتِيَاطِ (وَ) حَرُمَ نِكَاحُ (الْوَثَنِيَّةِ) بِالْإِجْمَاعِ

اور اس میں جو امر مخفی نہیں وہ یہ ہے کہ اسے پانچویں شمار نہ کرنا وغیرہ عدم احتیاط میں سے ہے۔ اور بت پرست عورت سے نکاح کرنا بالاجماع حرام ہے۔

یہ علم ہو کہ یہ عورت مال غنیمت سے حاصل کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے بعض شافعیہ نے کہا: وہ قیدی عورتیں جو آج کل روم، ہند اور ترک سے لائی جاتی ہیں وہ حرام ہیں۔

جہاں تک ان کے قول جو ''الاشباہ'' میں ہے اس کے بعد اسے ایک قاعدہ میں بیان کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ابضاع (بضع کی جمع) میں اصل تحریم ہے: یہ ورع ہے لازم حکم نہیں۔ کیونکہ وہ لونڈی جس کا حال مجہول ہو اگر چھوٹی ہو تو رجوع اس کی طرف کیا جائے گا جس کے وہ قبضہ میں ہے اگر وہ بڑی ہو تو اس کے اقرار کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اس کے حال کا علم ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں۔''

یہ قول اس لونڈی کے بارے میں ہے جس کے بارے میں علم نہ ہو کہ اسے مال غنیمت میں پکڑا گیا ہے۔ جس کے بارے میں یہ علم ہو تو اس کے بارے میں یہ اقوال ہیں جو ہم نے ذکر کر دیئے ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: یہ احتمال ہے کہ اسے امام نے بیچا ہو یا لشکر میں سے کسی نے بیچا ہو اور امام اس کی بیع کو جائز قرار دے اس کے سوا کے بارے میں۔ ''شرح السیر الکبیر'' میں یہ بیان کیا ہے کہ غازی کی تقسیم سے قبل اپنے حصہ کی بیع باطل ہے جس طرح اس کو آزاد کرنا باطل ہے۔ لیکن اس کا عقد کرنا شبہ کو ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ جب وہ غنیمت ہے تو وہ مجاہدین اور اصحاب خمس کے درمیان مشترک ہوگی۔ اس لونڈی کا خود اپنی شادی کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ شبہ کو ختم کرنے والی چیز اس لونڈی کو بیت المال سے خریدنا ہے یا اسے فقیر پر صدقہ کرنا ہے پھر اس سے خریدنا ہے۔ ان شاء اللہ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کتاب جہاد میں (مقولہ 19791 میں) ہوگی۔

11385۔(قولہ: وَفِيهِ الخ) یہ ''شرنبلالیہ'' سے ماخوذ ہے۔ اور ان کا قول و نحوہ سے مراد ہے کہ وہ اس کے لئے باری مقرر نہ کرے، اس کو طلاق واقع نہ کرے اور دعویٰ کے بغیر اس لونڈی کی اولاد کا نسب آقا سے ثابت نہ ہو۔ لیکن اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس کے ساتھ عقد کرنے میں احتیاط اس صورت میں ہوگی کہ ملکیت کی صحت کے نہ ہونے کا احتمال قوی ہوتا کہ شبہ کے بغیر وطی حلال ہو۔ اس کے ساتھ عقد نکاح کرنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنے اوپر پانچویں شمار نہ کرے وغیرہ۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں اسے اس میں احتیاط بھی کرنی چاہئے۔

11386۔(قولہ: وَ حَرُمَ نِكَاحُ الْوَثَنِيَّةِ) یہ بتوں کی عبادت کی طرف منسوب ہے۔ وثن اسے کہتے ہیں جس کا جثہ ہو۔ یعنی انسان کی صورت ہو جیسے لکڑی، پتھر، چاندی، جوہر جسے تراشا جائے۔ وثن کی جمع اوثان آتی ہے۔ صنم اس صورت کو کہتے ہیں جس کا جثہ نہ ہو۔ کثیر اہل لغت نے اسی طرح ان میں فرق بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں کوئی فرق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وثن کا اطلاق غیر صورت پر کیا جاتا ہے۔ ''بنایہ'' اور ''نہر'' میں اسی طرح ہے۔ ''فتح'' میں ہے: اوثان کی پوجا کرنے والوں میں سورج، ستارہ اور صورتوں کی پوجا کرنے والے بھی ہیں۔ جن صورتوں کو وہ اچھا خیال کرتے

(وَصَحَّ نِكَاحُ كِتَابِيَّةٍ)، وَإِنْ كُرِهَ تَنْزِيهًا (مُؤْمِنَةٍ بِنَبِيٍّ) مُرْسَلٍ (مُقِرَّةٍ بِكِتَابٍ) مُنَزَّلٍ،

کتابیہ عورت سے مسلمان کا نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے جب کہ وہ نبی مرسل پر ایمان رکھتی ہو جو آسمان سے نازل شدہ کتاب کا اقرار کرتی ہو

ہیں۔ اسی طرح ان میں معطلہ، زنادقہ، باطنیہ اور اباحیہ بھی داخل ہوتے ہیں۔ "شرح الوجیز" میں ہے: کل مذهب یکفر به معتقده ہر ایسا مذہب جس کی وجہ سے اس کے معتقد کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حکم دروز، نصیریہ اور تیامنہ کو بھی شامل ہے ان کے ساتھ نکاح حلال نہیں اور ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ ان کی کوئی سماوی کتاب نہیں۔ اور نکاح کی حرمت سے ملک یمین کی وجہ سے وطی کی حرمت کا حکم بیان کیا ہے جس طرح یہ حکم آئے گا۔ مراد مسلمان پر اس کا حرام ہونا ہے۔ کیونکہ "الخانیہ" میں ہے: مجوسیہ اور وثنیہ مرتد کے سوا ہر کافر کے لئے حلال ہے۔

11387۔ (قوله: كِتَابِيَّةٍ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ حربی، ذمیہ، حرہ اور لونڈی کو شامل ہوگا، "حلبی" میں "بحر" سے مروی ہے۔

11388۔ (قوله: وَإِنْ كُرِهَ تَنْزِيهًا) خواہ وہ ذمیہ ہو یا حربیہ ہو۔ کیونکہ صاحب "البحر" نے احتیاط سے کام لیا ہے کہ کتابی حربی میں کراہت تنزیہی ہے تو ذمیہ میں بدرجہ اولیٰ تنزیہی ہوگا، "ح"۔

میں کہتا ہوں: "البحر" میں یہ علت بیان کی ہے کہ اس کراہت تحریمی کے لئے نہی کا ہونا ضروری ہے یا جو نہی کے معنی میں ہو۔ کیونکہ یہ واجب کے رتبہ میں ہے۔

اس "البحر" میں ہے کہ حربی عورت میں علما کا مطلق کراہت ذکر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ کراہت تحریمی ہے اور مجتہد کے نزدیک وہی ہے کہ تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے۔ "فتح" میں ہے: کتابی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان کتابی عورت سے شادی نہ کرے اور ان کے ذبیحہ کو نہ کھائے مگر ضرورت کی صورت میں ایسا کرے۔ کتابیہ حربیہ بالاجماع مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ کیونکہ ایسا تعلق ممکن ہے جو مرد سے تقاضا کرے کہ وہ بیوی کے ساتھ دارالحرب میں مقیم ہو اور اپنے بچے کو اہل کفر کے اخلاق اور کفر پر پیش کرے اس طرح کہ اس عورت کو قیدی بنا لیا جائے جبکہ وہ حاملہ ہو اور وہ غلامی کی حیثیت میں بچہ جنے اگرچہ وہ مسلمان ہو۔

(قوله: والاولى ان لا يفعل) یہ قول اس کا فائدہ دیتا ہے کہ غیر حربی سے عقد نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اس کا مابعد حربی کتابیہ کے بارے میں مکروہ تحریمی کا فائدہ دیتا ہے۔ اس میں خوب غور وفکر کر لے۔

11389۔ (قوله: مُؤْمِنَةٍ بِنَبِيٍّ) یہ کتابیہ کی تفسیر ہے یہ کوئی قید نہیں، "ح"۔

جو عورت دین کا اعتقاد رکھتی ہو اس سے نکاح اور اس کا ذبیحہ جائز ہے

11390۔ (قوله: مُقِرَّةٍ بِكِتَابٍ) "نہر" میں "زیلعی" سے ہے: "یہ امر ذہن نشین کر لو جو آدمی دین سماوی کا اعتقاد

وَإِنْ اعْتَقَدُوا الْمَسِيحَ إِلَهًا، وَكَذَا حِلُّ ذَبِيحَتِهِمْ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ وَفِي النَّهْرِ تَجُوزُ مُنَاكَحَةُ الْمُعْتَزِلَةِ لِأَنَّا لَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ إِنْ وَقَعَ إِلْزَامًا فِي الْمَبَاحِثِ

اگر چہ وہ حضرت مسیح کے الہ ہونے کا اعتقاد رکھیں۔ اسی طرح ان کا ذبیحہ حلال ہے یہ مذہب کے مطابق ہے، ''بحر''۔ ''نہر'' میں ہے: معتزلہ سے نکاح جائز ہے کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے اگر چہ مباحث میں الزاماً واقع ہوا ہے۔

رکھتا ہو اس کی نازل شدہ کتاب بھی ہو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور تو وہ اہل کتاب میں سے ہوگا۔ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

11391۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) اس سے مختلف ہے جو ''المستصفی'' میں ہے کہ حلت کے لئے یہ قید لگائی گئی ہے کہ وہ اس کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں۔ اور ''شیخ الاسلام'' کی ''مبسوط'' میں جو کچھ ہے وہ بھی اس کے موافق ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمان اہل کتاب کے ذبیحہ کو نہ کھائیں جب اہل کتاب یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ حضرت مسیح الہ ہیں، حضرت عزیر الہ ہیں اور ان کی عورتوں سے شادی نہ کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن دلیل کو دیکھا جائے تو یہ چاہئے کہ کھانا اور شادی کرنا جائز ہو۔

''بحر'' میں ہے: اس کا حاصل ہے مذہب قید کے بغیر ہے یعنی مطلق ہے۔ کیونکہ ''شمس الائمہ'' نے ''مبسوط'' میں اسے بیان کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلق حلال ہے خواہ وہ ثالث ثلاثہ کا قول کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ یہاں کتاب اللہ اور دلیل مطلق ہے۔ ''فتح القدیر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ یہ قول کرنے والے یہود و نصاریٰ میں سے دو گروہ تھے وہ ختم ہو چکے ہیں وہ سب ایسا نہیں کہا کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ لفظ شرک جب شرع کی زبان میں مطلق ذکر کیا جائے تو یہ لفظ اہل کتاب کی طرف نہیں پھرتا۔ اگر چہ لغت کے اعتبار سے ایک طائفہ میں یا چند طائفوں میں صحیح ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کے ارادہ سے یہ معہود ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے اور یہ ان لوگوں میں سے ہو جو کسی نبی اور کتاب کی اتباع کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ الخ

11392۔ (قولہ: وَفِي النَّهْرِ الخ) یہ کلام ''فتح'' سے ماخوذ ہے۔ جب کہا: جہاں تک معتزلہ کا تعلق ہے تو دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ کیونکہ حق یہی ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے۔ اگر چہ مباحث میں الزاماً ایسا واقع ہوا۔ ان لوگوں کا معاملہ مختلف ہے جو ان امور کا انکار کریں جن کا دین سے ہونا بداہت سے معلوم ہو۔ جس طرح کوئی کہے عالم قدیم ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے جزئیات کے علم کا انکار کرے۔ جیسے محققین نے تصریح کی ہے۔ میں کہتا ہوں: جو کسی اور کو واجب بالذات کہتا ہے اور بندے کے اختیار کی نفی کرتا ہے اس کا حکم بھی یہی ہے۔

معتزلہ سے نکاح کا شرعی حکم

(قولہ: إِنْ وَقَعَ إِلْزَامًا فِي الْمَبَاحِثِ) اس کا معنی ہے اگر چہ معتزلہ وغیرہ کے کفر کی تصریح واقع ہوئی ہے جب ان کے ساتھ اس وقت بحث ہوئی جب ان کے مذہب کا رد ہو رہا تھا کہ یہ کفر ہے یعنی ان کے اس قول سے کفر لازم آتا ہے۔ یہ امر ان کے کفر کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ مذہب کا لازم مذہب نہیں۔ نیز یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا مگر اس لئے کہ ان کے گمان پر

(لَا) يَصِحُّ نِكَاحُ (عَابِدَةِ كَوْكَبٍ لَا كِتَابَ لَهَا)

مسلمان کا عقد نکاح کسی ایسی عورت سے صحیح نہیں جو ستارہ کی پرستش کرتی ہو اور اس کی کوئی آسمانی کتاب نہ ہو

دلیل شرعی کا شبہ پایا جا رہا ہے اگرچہ انہوں نے اس میں خطا کی ہے۔ اور ایک ممنوع عمل انہیں لازم ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے ادنیٰ حالت میں نہیں بلکہ وہ تمام کتابوں میں سے اشرف کتاب کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نکاح کے حلال نہ ہونے کا قول کرتا ہے وہ ان کے اعتقاد کی وجہ سے ان پر ردت کا حکم لگاتا ہے۔ یہ قول حقیقت سے بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ یہ ان کے اعتقاد کا اصل ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ کفر ہے تو یہ ردت نہ ہوگی۔ ''بحر'' میں کہا: مناسب یہ ہے کہ جو آدمی کسی مذہب کا اعتقاد رکھتا ہے جس کی وجہ سے اسے کافر قرار دیا ہے۔ اگر تو یہ اعتقاد، اعتقاد صحیح سے پہلے ہے تو وہ مشرک ہوگا اگر یہ اعتقاد اس پر بعد میں طاری ہوا تو وہ مرتد ہوگا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رافضی اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حضرت جبریل امین نے وحی پہنچانے میں غلطی کی ہے یا وہ حضرت ابوبکر صدیق کے صحابی ہونے کا انکار کرتا ہے یا وہ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگاتا ہے تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ امور قطعیہ کی مخالفت کرتا ہے جن کا دین سے ہونا بالبداہۃ ثابت ہے۔ جب وہ حضرت علی شیر خدا کو فضیلت دیتا ہے یا صحابہ کو سب وشتم کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے کافر نہیں جس طرح میں نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام، علی احکام شاتم خیر الانام، او احد اصحابہ الکرام، علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام'' میں واضح کر دیا ہے۔

تنبیہ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی یہ کہے میں مومن ہوں ان شاء اللہ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔ ''بحر'' میں کہا: یہ حکم اس پر محمول ہے جو اپنے ایمان میں شک کی بنا پر یہ کہتا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ایمان میں شک کی بنا پر یہ قول نہیں کرتے ان کے اور ہمارے درمیان نکاح بغیر کسی شبہ کے جائز ہے۔

''فتح'' میں اس پر تحقیق کی ہے: امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اس قول سے وفات کے وقت ایمان کا ارادہ کرتے ہیں جس طرح انہوں نے تصریح بیان کی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر بندے کی روح قبض کی جاتی ہے۔ یہ اپنے بارے میں زمانہ مستقبل میں ایک فعل کی خبر دینا ہے یا قاعدہ استصحاب کے تحت اس کی خبر دینا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف) ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ نفس کو اس جیسی صورتحال میں جزم ویقین کا عادی بنانا اس سے بہتر ہے کہ صرف تردد کو داخل کیا جائے کہ وہ وفات کے وقت مومن ہوگا یا مومن نہیں ہوگا۔

ستارہ پرست عورت کے ساتھ نکاح کا حکم

11393۔ (قولہ: لَا عَابِدَةِ كَوْكَبٍ لَا كِتَابَ لَهَا) یہی صابیہ کا معنی ہے جو متون میں اس کی تعبیروں میں سے ایک

وَلَا وَطْؤُهَا بِمِلْكِ يَمِينٍ (وَالْمَجُوسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ) هٰذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ ثَابِتٌ فِي نُسَخِ الْمَتْنِ، وَهُوَ عَطْفٌ عَلَى عَابِدَةِ كَوْكَبٍ وَقَوْلُهُ (وَالْمُحْرِمَةِ) بِحَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ

اور ملک یمین کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کرنا بھی صحیح نہیں۔ مجوسیہ اور وثنیہ کے ساتھ عقد نکاح صحیح نہیں۔ یہ شرح کی عبارت سے ساقط ہے اور متن کی عبارت میں موجود ہے۔ اس کا عطف عابدۃ کوکب پر ہے۔ اور حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والی کا عقد نکاح صحیح ہے۔

تعبیر کے طور پر مذکور ہے۔ ''ہدایہ'' میں فرمایا: صابیات سے عقد نکاح جائز ہے اگر وہ نبی کے دین پر ایمان رکھتی ہوں اور کتاب کا اقرار کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ اور اگر وہ کواکب کی عبادت کرتی ہیں اور ان کی کوئی کتاب نہ ہو تو ان کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ صابی کے بارے میں جو اختلاف منقول ہے وہ ان کے مذہب کے اشتباہ پر محمول ہے۔ ہر امام نے اسی کے مطابق جواب دیا ہے، صابی کی جو تعبیر ان کے نزدیک واقع ہوئی۔ ان کے ذبیحہ کا بھی یہی حال ہوتا ہے یعنی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ جو حلت کے قائل ہیں ان کی تفسیر پر مبنی ہے کہ ان کی کتاب ہے لیکن وہ ستاروں کی تعظیم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح مسلمان کعبہ شریف کی تعظیم کرتے ہیں اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما جو اس کے عدم حل کا قول کرتے ہیں وہ اس پر مبنی ہے کہ وہ ستاروں کی عبادت کرتے ہیں۔

''فتح'' میں کہا: اگر ان کی تفسیر پر اتفاق ہو تو ان کے بارے میں حکم پر بھی اتفاق ہوگا۔ ''بحر'' میں فرمایا: ''ہدایہ'' کی عبارت کا ظاہر معنی ہے ان کے ساتھ نکاح کی ممانعت دو قیدوں کے ساتھ مقید ہے: کواکب کی عبادت اور کتاب کا نہ ہونا۔ اگر وہ کواکب کی عبادت کرتے ہوں اور ان کی کتاب بھی ہو تو ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ یہ بعض مشائخ کا قول ہے۔ انہوں نے گمان کیا ستاروں کی پرستش انہیں اہل کتاب سے ہونے سے خارج نہیں کرتی۔ صحیح یہ ہے اگر وہ ستاروں کی حقیقۃً عبادت کرتے ہوں تو وہ اہل کتاب نہیں اور اگر وہ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان کعبہ شریف کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ اہل کتاب ہیں۔ ''مجتبیٰ'' میں اسی طرح ہے۔

اس تعبیر کی بنا پر مصنف کا قول لا کتاب لھا کا کوئی مفہوم نہیں لیکن جو قول (مقولہ 11391 میں) گزرا ہے کہ نصرانیہ حلال ہے اگرچہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ مانے یہ بعض مشائخ کے قول کی تائید کرتا ہے جس طرح ''نہر'' میں بیان کیا ہے۔

مجوسیہ کے ساتھ نکاح کا شرعی حکم

11394۔ (قولہ: وَالْمَجُوسِيَّةِ) مجوس کی طرف منسوب ہے۔ اس سے مراد آتش پرست ہیں ان کے ساتھ نکاح کا جائز نہ ہونا ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے خواہ ملک یمین کی وجہ سے ہو۔ ''داؤد'' نے اس سے اختلاف کیا ہے اختلاف اس پر مبنی ہے کہ ان کی کتاب تھی جسے اٹھا لیا گیا۔ اس کی مکمل وضاحت ''فتح'' میں ہے۔

11395۔ (قولہ: هٰذَا سَاقِطٌ الخ) وثنیہ کے تکرار پر معذرت ہے اور المحرمۃ کے بارے میں عطف کے

(وَلَوْ بِمُحْرِمٍ) عَطْفٌ عَلَى كِتَابِيَّةٍ فَتَنَبَّهْ (وَالْأَمَةِ وَلَوْ كَانَتْ (كِتَابِيَّةً أَوْ مَعَ طَوْلِ الْحُرَّةِ) الْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ وَطْءٍ يَحِلُّ بِمِلْكِ يَمِينٍ يَحِلُّ بِنِكَاحٍ، وَمَا لَا فَلَا (وَإِنْ كُرِهَ) تَحْرِيمًا فِي الْمُحْرِمَةِ وَتَنْزِيهًا فِي الْأَمَةِ

اگرچہ محرم ہو اس کا عطف کتابیہ پر ہے۔ اس پر خوب آگاہ ہو جاؤ۔ اور لونڈی کے ساتھ عقد نکاح کرنا حلال ہے اگرچہ وہ کتابیہ ہو یا آزاد عورت کو خرچہ دینے کی طاقت کی صورت میں۔ ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر وطی جو ملک یمین کی وجہ سے حلال ہو تو وہ نکاح کی وجہ سے حلال ہوگی اور جو ایسے نہ ہو وہ حلال نہیں اگرچہ آزاد محرمہ کے حق میں مکروہ تحریمی ہے اور لونڈی میں مکروہ تنزیہی ہے۔

حوالے سے جو وہم تھا اس کو دور کرنا ہے۔

11396۔ (قولہ: وَلَوْ بِمُحْرِمٍ) مناسب محرم کی بجائے لمحرم ہے یعنی با کی بجائے لام حرف جار ہے۔ کیونکہ وہ نکاح جو معطوف علیہ میں مقدر ہے وہ با کے ساتھ متعدی نہیں مگر یہ دعویٰ کیا جائے تزوج کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہو۔ کیونکہ قلیل لغت میں یہ با کے ساتھ متعدی آیا ہے۔

11397۔ (قولہ: أَوْ مَعَ طَوْلِ الْحُرَّةِ) یعنی وہ آزاد عورت کو مہر اور نفقہ دینے پر قادر ہو۔ طول کی طا پر زبر ہو تو اس کا معنی فضل اور زیادتی ہے۔ اس کو علیٰ اور الیٰ کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے۔ طول الحرۃ میں کیونکہ حرف جار حذف ہے اور یہ مفعول کی طرف مضاف ہے اس لئے اس میں مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ ''مطرزی'' اور ''قہستانی'' نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

11398۔ (قولہ: الْأَصْلُ الخ) آزاد کے بعد لونڈی سے وطی کرنے کی اجازت کی وجہ سے اس قاعدہ پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آزاد عورت سے نکاح ہو تو لونڈی سے ملک یمین کی وجہ سے وطی کرنا جائز ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں ہوتا کہ آزاد کے بعد لونڈی سے نکاح کرے۔ ''ط''۔

11399۔ (قولہ: تَحْرِيمًا فِي الْمُحْرِمَةِ وَتَنْزِيهًا فِي الْأَمَةِ) جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ وہی ہے جسے ''بحر'' میں ''البدائع'' کے کلام سے قوی قرار دیا ہے۔ اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔ اور ''مبسوط'' کے قول کے ساتھ اس کی تائید کی ہے: ''اولیٰ یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو وہ وہ ہے جسے انہوں نے ''النہر'' میں ''فتح'' کے کلام سے سمجھا ہے۔ اور وہ ایسا فہم ہے جو بے محل ہے۔ کیونکہ ''فتح'' میں انہوں نے ہمارے لئے مسئلہ کی دلیل کو ذکر کیا ہے۔ یہی وہ دلیل ہے جسے ائمہ ستہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں تھے اور ان کو حرم میں داخل کیا جب کہ آپ احرام سے فارغ ہو چکے تھے (1) اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا ذکر کیا۔ وہ دلیل یہ ہے جسے امام ''بخاری'' کے علاوہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لاینکح المحرم ولاینکح (2)۔ پہلے فعل میں یا پر فتحہ ہے اور دوسرے فعل میں یا پر ضمہ ہے جبکہ کاف کے نیچے کسرہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم، جلد 2، صفحہ 316، حدیث نمبر 2578

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 315، حدیث نمبر 2572

(وَ حُرَّةٍ عَلَى أَمَةٍ لَا) يَصِحُّ (عَكْسُهُ
اور لونڈی پر آزاد سے عقد نکاح کرنا صحیح ہے اس کے برعکس صحیح نہیں

ہے۔ جس نے دوسرے فعل میں کاف پر فتحہ دیا ہے اس نے تصحیف کی ہے ''بحر''۔ امام ''مسلم'' نے یہ اضافہ کیا ہے: ولا یخطب (1) نہ وہ دعوت نکاح دے۔ پہلے قول کو کئی وجوہ سے راجح قرار دیا ہے۔ پھر تعارض کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ جواب دیا ہے: دوسرے فعل کی نہی کو یا تو تحریم پر محمول کیا ہے۔ اور اس میں نکاح سے مراد وطی ہے یا دلائل کو جمع کرتے ہوئے نہی کو کراہت پر محمول کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ محرم نکاح کے عقد کے معاملات کو بجالانے سے غافل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ عقد اس کے دل کو عبادت کے احسان سے غافل کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس میں دعوت نکاح، ایک دوسرے کو راغب کرنا، دعوت اور اجتماع وغیرہ کے معاملات ہوتے ہیں۔ اور یہ عقد نفس کو جماع کی طلب پر متنبہ کرنے کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ ولا یخطب کے قول کا بھی یہی معنی ومفہوم ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکروہ عمل کیا ہے۔ کیونکہ وہ معنی جس پر کراہت کا دارومدار ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے منزہ ہیں۔ ہمارے حق میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں حکم کے اختلاف میں کوئی بعید بات نہیں۔ کیونکہ جس پر امر کا دارومدار ہے وہ ہم میں اور آپ کی ذات میں مختلف ہے جس طرح صوم وصال۔ ہمیں صوم وصال سے منع کیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صوم وصال رکھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لا ینکح میں اگر نکاح سے مراد وطی ہے تو نہی تحریم کے لئے ہوگی۔ یہ قطعی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں یا نکاح سے مراد عقد ہوگا تو یہ نہی کراہت کے لئے ہوگی۔ اور جس وجہ سے ذکر کیا ہے تو وہ مکروہ تحریمی کا تقاضا نہیں کرتی ورنہ محرم کے لئے لونڈیوں کی تجارت حرام ہوتی۔ کیونکہ اس میں بھی دل کی غفلت اور نفس کو جماع کے لئے متنبہ کرنا لازم آتا ہے۔ اس کی تائید یہ قول کرتا ہے: ھذا محمل قولہ یہ آپ کے فرمان ولا یخطب کا محمل ہے۔ ولا یخطب کیونکہ ''شرح درر البحار'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کہ نہی تنزیہ کے لئے ہے اور ''کنز'' کا قول ہے: ''کتابیہ، صابیہ اور محرمہ سے عقد نکاح کرنا حلال ہے۔ یہ قول اس مسئلہ میں صریح ہے۔ کیونکہ مکروہ تحریمی حلال نہیں ہوتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

لونڈی پر آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

11400۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ عَكْسُهُ) اس کے برعکس صحیح نہیں اور نہ ہی ایک عقد میں دونوں کو جمع کرنا صحیح ہے بلکہ جمع کی صورت میں آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوگا۔ لونڈی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ جس طرح اس کی تصریح ''زیلعی'' اور دوسرے علما نے کی ہے۔ اور ''اشباہ'' میں جو یہ قاعدہ ہے: جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو دونوں میں باطل ہو جائے گا یہ قلم سے سبقت واقع ہوئی ہے۔

یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ لونڈی کو آزاد عورت پر نکاح میں داخل کرنے کی حرمت اس وقت ہے جب آزاد عورت کا نکاح صحیح

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم، جلد 2، صفحہ 315، حدیث نمبر 2572

وَلَوْ) أُمَّ وَلَدٍ (فِي عِدَّةِ حُرَّةٍ) وَلَوْ مِنْ بَائِنٍ (وَصَحَّ لَوْ رَاجَعَهَا) أَيْ الْأَمَةَ (عَلَى حُرَّةٍ) لِبَقَاءِ الْمِلْكِ (وَلَوْ تَزَوَّجَ أَرْبَعًا مِنَ الْإِمَاءِ وَخَمْسًا مِنَ الْحَرَائِرِ فِي عَقْدٍ) وَاحِدٍ (صَحَّ نِكَاحُ الْإِمَاءِ) لِبُطْلَانِ الْخَمْسِ (وَ) صَحَّ (نِكَاحُ أَرْبَعٍ مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ فَقَطْ لِلْحُرِّ) لَا أَكْثَرَ (وَلَهُ التَّسَرِّي بِمَا شَاءَ مِنَ الْإِمَاءِ)

اگرچہ وہ ام ولد ہو۔ آزادعورت کی عدت میں اگرچہ اسے طلاق بائنہ ہو۔ اور یہ صحیح ہے اگر وہ مرد لونڈی سے رجوع آزاد عورت سے عقد نکاح کرنے کے بعد کرے کیونکہ لونڈی پر عقد نکاح کی ملکیت باقی تھی۔ اگر اس نے ایک عقد میں چار لونڈیوں اور پانچ آزادعورتوں سے عقد نکاح کیا تو لونڈیوں سے عقد نکاح صحیح ہوجائے گا۔ کیونکہ پانچ آزادعورتوں سے نکاح باطل ہے۔ اور آزاد مرد کے لئے آزاد اور لونڈیوں میں سے چار سے عقد نکاح صحیح ہے۔ اس سے زیادہ سے عقد نکاح صحیح نہیں۔ اور وہ لونڈیوں میں سے جتنی چاہے جماع کیلئے رکھ سکتا ہے۔

ہو۔ اگر اس نے آزادعورت کیساتھ نکاح فاسد کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو لونڈی کا نکاح ممنوع نہیں ہوگا۔ ''شرنبلالیہ''۔

مسئلہ: ایک مرد نے لونڈی سے عقد نکاح کیا جبکہ اس لونڈی کے آقا سے اجازت نہ لی اور اس نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے تھے یہاں تک کہ آزاد سے عقد نکاح کرلیا پھر آقا نے اسے اجازت دے دی تو لونڈی کے ساتھ عقد نکاح جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ حلت اجازت کے وقت ہی ثابت ہوتی ہے۔ تو یہ اجازت نئے سرے سے عقد نکاح کے حکم میں ہوگی۔ تو وہ آزاد پر لونڈی سے نکاح کرنے والا ہوگا۔ اگر اجازت سے پہلے اس لونڈی کی آزاد بیٹی سے عقد نکاح کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ نکاح موقوف حلت کے حق میں معدوم ہوتا ہے تو یہ اس کے غیر کے نکاح میں مانع نہیں۔ ''بحر'' میں ''محیط'' سے ملخصاً مروی ہے۔

11401۔ (قولہ: وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ) یہ حکم مدبرہ اور مکاتبہ دونوں کو شامل ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

11402۔ (قولہ: فِي عِدَّةِ حُرَّةٍ) مراد ہے اگرچہ وہ آزادعورت کی عدت میں ہی اس سے نکاح کرے۔

11403۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ بَائِنٍ) اس کے ساتھ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں انہوں نے عقد کے جواز کا قول کیا ہے۔ اور آزاد کی طلاق رجعی کی عدت میں لونڈی سے عقد نکاح کے منع پر اتفاق کیا ہے۔

11404۔ (قولہ: لِبَقَاءِ الْمِلْكِ) لونڈی کے ساتھ عقد نکاح کی ملکیت باقی تھی کیونکہ لونڈی طلاق رجعی کے ساتھ نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ پس آزادعورت ہی لونڈی پر داخل ہونے والی ہوگی۔

11405۔ (قولہ: فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ) یعنی ایک عقد جو نو عورتوں پر واقع ہوا، ''ح''۔

11406۔ (قولہ: لِبُطْلَانِ الْخَمْسِ) اس کا مقصود یہ ہے اگر آزادعورتیں جن سے عقد نکاح کیا جا رہا ہے اگر وہ چار ہوتیں تو ان کا عقد نکاح صحیح ہوتا اور لونڈیوں میں عقد نکاح باطل ہوتا جس طرح ایک عقد میں آزاد کو لونڈی کے ساتھ جمع کردیا جاتا۔ ''رحمتی'' نے ''کافی الحاکم'' سے جو نقل کیا ہے وہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ آزادعورتوں کے نکاح میں غور کیا جائے گا اگر وہ نکاح جائز ہوا اگر وہ سب اکٹھی ہوں تو ان کے نکاح کو جائز کردے گا اور لونڈیوں کے نکاح کو باطل کردے گا۔ اگر آزاد کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو تو اس کو باطل کردے گا اور لونڈیوں کے ساتھ نکاح کو جائز کردے گا اگر وہ جائز ہو

فَلَوْ لَهُ أَرْبَعٌ وَأَلْفُ سُرِّيَّةٍ وَأَرَادَ شِرَاءَ أُخْرَى فَلَامَهُ رَجُلٌ خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ وَلَوْ أَرَادَ الشِّرَى فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ أَقْتُلُ نَفْسِي لَا يَمْتَنِعُ لِأَنَّهُ مَشْرُوعٌ، لَكِنْ لَوْ تَرَكَ لِئَلَّا يَغُمَّهَا يُؤْجَرُ

اگر اس مرد کی چار بیویاں ہوں اور ہزار لونڈیاں ہوں اور وہ مرد ایک اور لونڈی خریدنے کا ارادہ کرے اور ایک آدمی اسے ملامت کرے تو اس کے بارے میں کفر کا خوف ہے۔ اگر وہ مرد اپنی لونڈی سے خواہش پوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی بیوی کہتی ہے میں اپنے نفس کو قتل کر ڈالوں گی تو وہ لونڈی سے فائدہ اٹھانے سے نہ رکے کیونکہ لونڈی سے انتفاع مشروع ہے۔ لیکن اگر وہ اسے ترک کرے تاکہ بیوی غمگین نہ ہو تو مرد کو اجر دیا جائے گا۔

اگر وہ اکٹھی ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ سمجھ آتا ہے اگر تمام آزاد عورتیں اور لونڈیاں چار سے زائد نہ ہوں تو صرف آزاد عورتوں کا عقد نکاح صحیح ہوگا۔ جو ہم نے ابھی قولہ لا یصح عکسہ کے تحت ذکر کیا ہے اس میں یہ صریح ہے۔

11407۔ (قولہ: سُرِّيَّةٍ) یہ سر کی طرف منسوب ہے۔ اس سے مراد نکاح ہے۔ سین کو ضمہ دینا لازم ہے جس طرح دھریۃ میں دال کو ضمہ دینا لازم ہے جو دھر کی طرف منسوب ہے یا سرور کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ سرور حاصل ہوتا ہے، ''ط''۔

اگر کسی کے نکاح میں چار عورتیں اور ہزار لونڈیاں ہوں تو وہ مزید خرید سکتا ہے

11408۔ (قولہ: خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ) اس پر کفر کا خوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ (المومنون) بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں میں ملکیت ہیں تو بے شک انہیں ملامت نہ کی جائے گی۔ ''بزازیہ''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر اس نے شادی کرنے پر اس کو ملامت کی۔ اور ''بحر'' میں جو فرق کیا: ''کیونکہ آزاد عورتوں کو عقد میں جمع کرنے پر مشقت ہوتی ہے کیونکہ ان میں عدل کرنا واجب ہوتا ہے جبکہ لونڈیوں کو جمع کرنے میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا کیونکہ لونڈیوں میں کوئی باری نہیں ہوتی۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا نص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا ''نہر''۔ کیونکہ نص نے تو دونوں جہتوں سے ملامت کی نفی کی ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ لونڈی کے بارے میں جو فوری ملامت ہوتی ہے وہ اصل فعل پر ملامت ہے جبکہ دوسری سے شادی کرنے پر ملامت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے فوری ملامت تو ظلم کے خوف کی وجہ سے اسے لاحق ہوتی ہے۔ اصل فعل پر ملامت نہیں ہوتی تاکہ اللہ کے اس فرمان پر عمل ہو جائے: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء: 3) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس کے ساتھ ''بحر'' میں فرق بیان کیا ہے۔ صاحب ''البحر'' نے علما کی اس نص سے یہ اخذ کیا کہ ملامت صرف لونڈی کے بارے میں ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ اگر اصل فعل پر ملامت کا ارادہ کیا ہے اس معنی میں کہ تو نے قبیح عمل کیا ہے تو وہ دونوں جگہ کافر ہے۔ اگر اس معنی میں ہے تو نے ایسا عمل کیا ہے جس

لِحَدِيثِ (مَنْ رَقَّ لِأُمَّتِي رَقَّ اللهُ لَهُ) بَزَّازِيَّةٌ (وَنِصْفُهَا لِلْعَبْدِ) وَلَوْ مُدَبَّرًا (وَيَمْتَنِعُ عَلَيْهِ غَيْرُ ذٰلِكَ) فَلَا يَحِلُّ لَهُ التَّسَرِّي أَصْلًا: لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ. إِلَّا الطَّلَاقَ (وَ) صَحَّ نِكَاحُ (حُبْلَى مِنْ زِنًا)

کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جو میری امت کے لئے نرم دل ہوا اللہ تعالیٰ اس کے لئے نرمی فرمائے گا(1) ''بزازیہ''۔ اور چار کا نصف، غلام کے لئے جائز ہے اگر چہ وہ غلام مدبر ہو۔ اس پر اس کے علاوہ ممتنع ہے۔ غلام کے لئے لونڈی سے انتفاع اصلاً حلال نہیں کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا مگر وہ طلاق دینے کا مالک ہوتا ہے۔ اور زنا کی وجہ سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے

کا ترک کرنا تیرے لیے اولیٰ تھا کیونکہ اس کے نتیجہ میں تجھے نفقہ، کثرت عیال، لونڈی سے انتفاع کرنے کی وجہ سے بیوی کو تکلیف یا اس پر شادی کرنے کی وجہ سے اسے تکلیف دینے کی مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا تو دونوں جگہ کوئی کفر نہیں ہوگا۔ اگر دونوں معنوں میں سے کوئی چیز بھی پیش نظر نہ تھی تو پھر بھی دونوں جگہ کفر نہیں ہوگا۔ لیکن علما نے کہا: پہلی صورت میں اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اس سے متبادر اصل فعل پر ملامت ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں متبادر اس کے خلاف ہوتا ہے جس طرح ہم نے کہا۔ یہ صورت میرے لئے ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس میں غور کرو۔

11409۔ (قولہ: لِحَدِيثِ مَنْ رَقَّ لِأُمَّتِي) یعنی جس نے میری امت پر رحم کیا اللہ تعالیٰ اسے بدلہ عطا فرمائے گا اور اس پر احسان فرمائے گا، ''ط''۔

11410۔ (قولہ: وَلَوْ مُدَبَّرًا) مدبر کی مثل مکاتب اور ام ولد کا وہ بیٹا ہے جو اس کے آقا سے نہ ہو جس طرح ''الغایہ'' میں ہے، ''ط''۔

11411۔ (قولہ: وَيَمْتَنِعُ عَلَيْهِ) یعنی غلام پر ممتنع ہے اگر چہ مکاتب ہو جس طرح ''بحر'' میں ہے۔

11412۔ (قولہ: أَصْلًا) یعنی اگر چہ آقا سے اس کی اجازت دے۔

11413۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِلَّا الطَّلَاقَ) یعنی وہ اس باب میں صرف طلاق کا ہی مالک ہوتا ہے یہ اس امر کے منافی نہیں کہ وہ اس کے علاوہ کا مالک ہو جس طرح وہ اپنی ذات پر اقرار کرے وغیرہ۔

حاملہ عورت سے نکاح کا شرعی حکم

11414۔ (قولہ: وَ صَحَّ نِكَاحُ حُبْلَى مِنْ زِنًا) یعنی طرفین کے نزدیک زنا کی وجہ سے حاملہ کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صحیح نہیں ہوگا۔ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے جس طرح ''قہستانی'' نے ''محیط'' سے نقل کیا ہے۔ ''تمرتاشی'' نے ذکر کیا ہے کہ اس بیوی کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے لئے نفقہ ہوگا۔ پہلا قول زیادہ راجح ہے۔ کیونکہ حقوق زوجیت سے مانع، عورت کی جانب سے ہے۔ حیض کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حیض کا عارضہ آسمانی ہے۔ ''بحر'' میں ''فتح'' سے منقول ہے۔

1۔ کنز العمال، کتاب فی الاخلاق فی قسم الافعال، باب الاکمال، جلد 3، صفحہ 48، حدیث نمبر 5410

لَا حُبْلَى (مِنْ غَيْرِهِ) أَيْ الزِّنَا لِثُبُوتِ نَسَبِهِ وَلَوْ مِنْ حَرْبِيٍّ أَوْ سَيِّدِهَا الْمُقِرِّ بِهِ (وَإِنْ حَرُمَ وَطْؤُهَا) وَدَوَاعِيهِ

زنا کے علاوہ سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس کا نسب ثابت ہوتا ہے خواہ وہ حربی سے نسب ثابت ہو یا اس آقا سے جو اس کے نسب کا اقرار کرے۔ اگرچہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت اور اس کے دواعی حرام ہوں گے

11415۔(قولہ: لَا حُبْلَى مِنْ غَيْرِهِ الخ) یہ قول اس حاملہ کو بھی شامل ہے جو نکاح صحیح، نکاح فاسد، شبہ کے ساتھ جس سے وطی کی گئی ہو یا ملک یمین کی وجہ سے وطی واقع ہوا گرچہ وہ حمل مسلمان، ذمی یا حربی کا ہو۔

11416۔(قولہ: لِثُبُوتِ نَسَبِهِ) کیونکہ اس کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ عورت عدت میں ہو۔ اور معتدہ عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا،''ط''۔

11417۔(قولہ: وَلَوْ مِنْ حَرْبِيٍّ) جس طرح وہ عورت دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی ہو یا اسے قیدی بنا کر لایا گیا ہو۔ امام اعظم''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: عقد نکاح صحیح ہوگا۔''زیلعی'' نے نکاح کے ممنوع ہونے کی تصحیح کی ہے۔ اسی پر اعتماد ہے۔''فتح'' میں ہے: یہی ظاہر مذہب ہے،''بحر''۔

11418۔(قولہ: الْمُقِرِّ بِهِ) قاف کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے ساتھ اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جو''ہدایہ'' میں ہے: اگر اس نے اپنی ام ولد کی شادی کی جبکہ وہ اس سے حاملہ ہو تو نکاح باطل ہوگا۔ اس قول کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اس کا اقرار کرے۔ کیونکہ اس کا قول ہے: وہ اس سے حاملہ ہے،''نہر'' میں کہا:''توشیح'' میں کہا: اس وجہ سے چاہیے اگر اس نے ام ولد کی شادی حمل کے جاننے کے بعد کی مگر اس کے اعتراف سے پہلے نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہوگا اور نکاح کرنا اس کے علم کی نفی ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس سے تو نے جان لیا ہوگا اگر اس نے اپنی ام ولد کے علاوہ کی شادی کی جبکہ وہ حاملہ تھی تو عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا نکاح کرنا اس حمل کے نسب کی نفی ہوگا جس حمل کے نسب کا ثبوت دعویٰ پر موقوف نہیں تو جس صورت میں نسب کا ثبوت دعویٰ پر موقوف ہو اس میں نکاح بدرجہ اولیٰ نفی ہوگا۔

11419۔(قولہ: وَدَوَاعِيهِ)''بحر'' میں کہا: طرفین کے قول کے مطابق دواعی کا حکم وطی کی طرح ہے جس طرح ''نہایہ'' میں ہے۔

''ح'' نے کہا: جو''البحر'' کے کتاب النفقات میں ہے وہ دواعی وطی کا جواز ہے۔ پس چاہئے کہ اسے بیان کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: نفقات میں جو ہے کہ صغیر کی زوجہ پر اگر صغیر کا باپ خرچ کرے پھر وہ زوجہ بچہ جن دے اور یہ اعتراف کرے کہ وہ زنا کی وجہ سے حاملہ تھی تو وہ نفقہ میں سے کسی چیز کو واپس نہ کرے گی۔ کیونکہ زنا کی وجہ سے حمل اگرچہ وطی کے مانع ہے دواعی کے مانع نہیں۔

توفرق اس طرح ممکن ہے کہ جس عورت کا یہاں ذکر ہے وہ وہ عورت ہے جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو پھر وہ اس کے ساتھ

حَتّٰى تَضَعَ، مُتَّصِلٌ بِالْمَسْأَلَةِ الْأُولٰى لِئَلَّا يَسْقِيَ مَاءُهُ زَرْعَ غَيْرِهِ إِذِ الشَّعْرُ يَنْبُتُ مِنْهُ (فُرُوعٌ) لَوْ نَكَحَهَا الزَّانِي حَلَّ لَهُ وَطْؤُهَا اتِّفَاقًا وَالْوَلَدُ لَهُ وَلَزِمَهُ النَّفَقَةُ،

یہاں تک کہ اسے وضع حمل ہو جائے۔ یہ پہلے مسئلہ کے ساتھ متصل ہے۔ تا کہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے کیونکہ بال اس سے اگتے ہیں۔ فروع: اگر زانی ہی اس حاملہ عورت سے نکاح کرے تو بالاتفاق اس خاوند کے لئے اس حاملہ عورت سے وطی کرنا حلال ہے۔ بچہ اس کا ہی ہوگا اور اس پر نفقہ لازم ہوگا۔

شادی کر لے۔ اور نفقات میں گفتگو اس بیوی کے بارے میں ہے جب وہ زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہو۔ پس اس میں غور و فکر کر لے۔ یہ جواب ممکن نہیں ہوگا کہ نفقات میں جو ہے وہ امام کے قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ ''بحر'' کا قول اس کی دلیل ہے على قولهما۔ کیونکہ قولهما کی ضمیر امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لوٹ رہی ہے جو دونوں صحت نکاح کے قائل ہیں۔ جہاں تک امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے وہ تو اس نکاح کی صحت کا قول نہیں کرتے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

11420۔ (قولہ: مُتَّصِلٌ بِالْمَسْأَلَةِ الْأُولٰى) متصل میں جو ضمیر ہے وہ مصنف کے قول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ قول یہ ہے: وان حرم وطؤها حتى تضع۔ اسے خوب سمجھ لو۔

11421۔ (قولہ: إِذِ الشَّعْرُ يَنْبُتُ مِنْهُ) مراد بالوں کا بڑھنا ہے اگنا نہیں۔ اسی وجہ سے ''التبیین'' اور ''الکافی'' میں ہے: کیونکہ اس کے ساتھ اس کی سماعت اور بصارت کی تیزی میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح خبر میں آیا ہے۔

یہی وہ حکمت ہے ورنہ مراد وطی سے منع کرنا ہوتا۔ کیونکہ ''فتح'' میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب کرے (1) یعنی حاملہ عورت کے پاس حقوق زوجیت کے لئے آئے۔ اسے ''ابوداؤد'' اور امام ''ترمذی'' نے روایت کیا ہے۔ اور کہا: یہ حدیث حسن ہے ''شرنبلالیہ''۔

11422۔ (قولہ: اِتِّفَاقًا) یعنی طرفین اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اتفاق منقول ہے۔ سابقہ اختلاف زانی کے علاوہ میں تھا جس طرح ''فتح'' اور دوسری کتب میں ہے۔

11423۔ (قولہ: وَالْوَلَدُ لَهُ) یعنی اگر نکاح کے چھ ماہ بعد وہ عورت بچہ جنے ''مختارات نوازل''۔ اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ سے پہلے بچہ جن دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور وہ اس کا وارث بھی نہیں ہوگا۔ مگر وہ یہ کہے: یہ بچہ میرا ہے۔ اور وہ یہ نہ کہے: من الزنا، ''خانیہ''۔

ظاہر یہ ہے یہ قضا کے اعتبار سے ہے جہاں تک دیانت کا تعلق ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ شرع نے تو اس کا نسب اس سے قطع کر دیا ہے اس لئے اسے اپنے ساتھ لاحق کرنا حلال نہیں۔ اسی وجہ سے اگر اس نے تصریح کی کہ یہ زنا سے ہے تو قضاءً بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔ نسب اس وقت ثابت ہوگا جب وہ زنا کی تصریح نہ کرے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ سابقہ نکاح کی وجہ سے ہو یا شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو۔ کیونکہ مسلمان کی حالت کو صالحیت پر ہی محمول کیا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب وطی السبایا، جلد 2، صفحہ 59، حدیث نمبر 1844

وَلَوْ زَوَّجَ أَمَتَهُ أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ الْحَامِلَ بَعْدَ عِلْمِهِ قَبْلَ إِقْرَارِهِ بِهِ جَازَ وَكَانَ نَفْيًا دَلَالَةً نَهْرٌ عَنِ التَّوْشِيحِ (وَ) صَحَّ نِكَاحُ (الْمَوْطُوْءَةِ بِمِلْكٍ) يَمِينٍ وَلَا يَسْتَبْرِئُهَا زَوْجُهَا بَلْ سَيِّدُهَا وُجُوبًا عَلَى الصَّحِيحِ ذَخِيرَةٌ

اگر ایک آدمی نے اپنی لونڈی یا اپنی ام ولد کی شادی کر دی جو حاملہ تھی۔ اس نے اس کی شادی اس کے حمل کو جاننے کے بعد کی تھی جبکہ اقرار سے پہلے تھی تو عقد نکاح جائز ہوگا اور دلالۃً یہ اس کے حمل کے اس آقا سے ہونے کی نفی ہوگی۔ ''نہر'' میں ''توشیح'' سے مروی ہے۔ اور ملک یمین کی وجہ سے جس سے وطی کی گئی ہو اس کا نکاح صحیح ہے اور اس لونڈی کا خاوند اپنی بیوی کا استبراء رحم نہ کرے۔ بلکہ اس کا آقا وجوبی طور پر استبرا کرے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے ''ذخیرہ''۔

جاتا ہے۔ اگر نکاح کے چھ ماہ گزرنے پر بچہ جنے تو نسب مطلقاً ثابت ہوگا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ حمل عقد کے بعد ٹھہرا ہو۔ جہاں تک عقد سے پہلے کا تعلق ہے وہ صرف ہوا ہو حمل نہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہو نسب کے ثابت کرنے میں احتیاط کی جائے گی۔

11424۔ (قولہ: وَلَوْ زَوَّجَ أَمَتَهُ الخ) یہ قول اس قول السقر بہ سے احتراز ہے جس طرح ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

11425۔ (قولہ: وَلَا يَسْتَبْرِئُهَا زَوْجُهَا) یعنی خاوند پر اس کا استبرا نہ استحباباً لازم ہے اور نہ وجوباً ہے۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں اسے پسند نہیں کرتا کہ خاوند استبرا سے پہلے وطی کرے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ رحم آقا کے پانی سے مشغول ہے تو رحم کو پاک کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔ جس طرح جب وہ لونڈی کو خریدے تو استبراء رحم ضروری ہے۔ ''ہدایہ''۔ ''ابو لیث'' نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے ہم اسی کو اپناتے ہیں۔ بنایہ۔ نہایہ میں یوں تطبیق کی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے استحباب کی نفی کی ہے اور شیخین نے اس کے بغیر جواز کو ثابت کیا ہے تو باہم کوئی معارضہ نہیں۔ ''بحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ اسکے خلاف ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے۔ لیکن ''نہر'' میں اسے اچھا جانا ہے کہ کسی قول میں بھی نفس استبرا میں تردد نہیں کرنا چاہئے۔ کہا: اسکے ساتھ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح سے استغنا ثابت ہوگئی ہے۔

میں کہتا ہوں: جب صحیح یہ ہے کہ آقا پر استبرا رحم واجب ہے تو خاوند سے استحباب کی نفی جائز ہوگی تا کہ مقصود حاصل ہو۔ ہاں اگر اسے علم ہو کہ آقا نے استبرا نہیں کیا تو خاوند کے لئے استبرا کے استحباب میں تردد مناسب نہیں بلکہ اگر اس کے وجوب کا قول کیا جائے تو یہ کوئی بعید نہیں ہوگا۔ اور اس کے قریب ہے کہ ''فتح'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول لا احب کو اس پر محمول کیا ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ یہ واجب ہے۔ کیونکہ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ مولیٰ کے پانی کے شغل کا احتمال موجود ہے۔ کیونکہ یہ اس کے وجوب پر دال ہے۔ کہا: کیونکہ متقدمین اکثر اکرہ کذا کا لفظ حرمت یا مکروہ تحریمی میں ذکر کرتے اور احب کا لفظ اس کے مقابلہ میں ذکر کرتے۔

11426۔ (قولہ: بَلْ سَيِّدُهَا) صحیح قول کے مطابق آقا وجوباً استبراء رحم کرے گا۔ ''سرخسی'' بھی اسی طرف مائل

(أَوْ) الْمَوْطُوْءَةِ (بِزِنیً) أَیْ جَازَ نِکَاحُ مَنْ رَآهَا تَزْنِیْ، وَلَهُ وَطُوْهَا بِلَا اسْتِبْرَاءٍ، وَأَمَّا قَوْلُه تَعَالٰی (وَالزَّانِیَةُ لَایَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ) فَمَنْسُوْخٌ بِاٰیَةِ (فَانْکِحُوا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ) وَفِی آخِرِ حَظْرِ الْمُجْتَبٰی

یا ایسی عورت جس کے ساتھ زنا کی صورت میں وطی کی گئی اس کا نکاح بھی صحیح ہے یعنی جس نے عورت کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھا اس کا اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس خاوند کو استبراء رحم کے بغیر وطی کرنا جائز ہے۔ جہاں تک آیت وَالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ یہ اس آیت فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ کے ساتھ منسوخ ہے۔ ''المجتبیٰ'' کے باب حظر کے آخر میں ہے:

ہوئے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ لونڈی کے نکاح کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ اس لونڈی کے ساتھ وطی کرتا تھا۔ اگر وہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے تو استبراء رحم مستحب ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیع کی صورت میں خریدار پر استبراء رحم کرنا واجب ہے تو مقصود حاصل ہو جائے گا تو بائع پر اس کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ ''المنتقی'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ جو اپنی لونڈی کے ساتھ وطی کرتا تھا کہ وہ اسے بیچے یہاں تک کہ اس کا استبراء رحم نہ کرے،'' ذخیرہ''۔

بدکار عورت سے نکاح اور استبراء رحم کے بغیر وطی کا جواز

11427۔ (قولہ: وَطُوْهَا بِلَا اسْتِبْرَاءٍ) اسے استبراء رحم کے بغیر وطی کرنے کا حق ہے۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں اسے پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے یہاں تک کہ اس کا استبراء رحم نہ کرے۔ ''ہدایہ''۔ ظاہر یہ ہے کہ سابقہ ترجیح یہاں بھی آتی ہے۔ اسی وجہ سے ''النہر'' میں ندب کو یقین سے بیان کیا ہے۔ مگر یہ فرق بیان کیا جائے کہ زنا کے پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔

ایک بات باقی ہے: اگر اس عورت کا حمل ظاہر ہو گیا تو وہ خاوند سے ہی ہوگا۔ کیونکہ فراش اسی کا ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے: وہ تو غیر کی کھیتی کو سیراب کر رہا ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ عقد کے وقت سے چھ ماہ پہلے بچہ نہ جنے۔ اگر اس نے چھ ماہ سے پہلے بچہ جن دیا تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔ جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ بچہ زنا کی وجہ سے ہو بلکہ شبہ کی وجہ سے وطی سے جنم لے رہا ہو۔ پس زنا کی وجہ سے حاملہ کے نکاح کی صحت کا اعتراض یہاں وارد نہ ہوگا۔ اس میں غور کر لو۔

وَالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ کا حکم منسوخ ہے

11428۔ (قولہ: فَمَنْسُوْخٌ بِاٰیَةِ فَانْکِحُوا) ''بحر'' میں کہا: اس پر دلیل حدیث ہے: ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ دور نہیں کرتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے طلاق دے دو۔ اس نے عرض کی: میں اس سے محبت کرتا ہوں وہ بڑی خوبصورت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اس سے لطف اندوز ہو(1)۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب ما یستدل بہ علی قصر الآیۃ، جلد 7، صفحہ 155

لَا یَجِبُ عَلَی الزَّوْجِ تَطْلِیقُ الْفَاجِرَةِ وَلَا عَلَیْهَا تَسْرِیحُ الْفَاجِرِ إِلَّا إِذَا خَافَا أَنْ لَا یُقِیمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ یَتَفَرَّقَا، فَمَا فِی الْوَهْبَانِیَّةِ ضَعِیفٌ كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ (وَ) صَحَّ نِكَاحُ (الْمَضْمُومَةِ إِلَی مُحَرَّمَةٍ

خاوند پر واجب نہیں کہ وہ فاجرہ عورت کو طلاق دے اور نہ عورت پر لازم ہے کہ وہ بدکار مرد سے خلاصی حاصل کرے مگر جب دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ کر سکیں گے تو پھر کوئی حرج نہیں کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ جو ''وہبانیہ'' میں قول ہے وہ ضعیف ہے جس طرح مصنف نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ عورت جس کو عقد میں محرم کے ساتھ ملایا گیا ہو اس کا عقد نکاح صحیح ہوگا۔

11429۔(قولہ: تَطْلِیقُ الْفَاجِرَةِ) فجور سے مراد نافرمانی ہے جس طرح ''مغرب'' میں ہے۔

11430۔(قولہ: وَلَا عَلَیْهَا) یعنی عورت اس سے برا سلوک کرے یا اس کے لئے مال خرچ کرے تاکہ مرد اس سے خلع کر لے۔

11431۔(قولہ: إِلَّا إِذَا خَافَا) یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تفریق مندوب ہے۔ اس کا قرینہ لاباس ہے۔ لیکن طلاق کے شروع میں (مقولہ 12916 میں) آئے گا: یہ مستحب ہوگا اگر وہ عورت اذیت دینے والی ہو یا نماز ترک کرنے والی ہو۔ اور اگر امساک بالمعروف فوت ہو جائے تو تفریق واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں لاباس کا استعمال وجوب کے لئے اس آیت فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا یُقِیمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیمَا افْتَدَتْ بِهِ (بقرہ:229) (پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے)۔ کی اقتدا میں کہا ہے۔ کیونکہ باس کی نفی جناح کی نفی کے معنی میں ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔

11432۔(قولہ: فَمَا فِی الْوَهْبَانِیَّةِ الخ) یہ قول ولہ وطؤھا بلا استبراء کے قول پر تفریع ہے۔ مصنف نے ''المنح'' میں کہا: اگر تو کہے ''شرح النظم الوہبانی'' میں جو پہلے گزر چکا ہے وہ اشکال پیدا کرتا ہے: اگر اس کی بیوی نے بدکاری کی تو خاوند اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ اس کی بیوی کو حیض آجائے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر جائے۔ پس وہ غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرتا رہے۔ ناظم نے اس کی تصریح کی ہے کہ ایسی بیوی سے وطی کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اسے حیض آجائے اور وہ پاک ہو جائے۔ یہ اس امر سے مانع ہے کہ اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ استحباب کا قول کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: ''شرح النظم'' میں جو ذکر کیا ہے اسے ہی ''النتف'' میں ذکر کیا ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اگر کسی نے کسی کی بیوی سے نکاح کیا جبکہ اسے اس کا علم تھا اس نے اس کے ساتھ وطی کی تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی یہاں تک کہ خاوند پر اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہو جائے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ زنا ہے۔ اور جب عورت سے بدکاری کی گئی ہو وہ خاوند پر حرام نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی تو اس پر عدت واجب ہوگی۔ اور خاوند پر اس کے ساتھ وطی کرنا حرام ہوگا۔ ''النتف'' میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔

11433۔(قولہ: وَ الْمَضْمُومَةِ إِلَی مُحَرَّمَةٍ) محرمہ شد کے ساتھ ہے۔ جیسے ایک مرد نے ایک عقد میں دو

وَالْمُسَمّٰى) كُلُّهُ (لَهَا) وَلَوْ دَخَلَ بِالْمُحَرَّمَةِ فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ (وَبَطَلَ نِكَاحُ مُتْعَةٍ، وَمُؤَقَّتٌ)

اور مقرر کردہ مہر تمام کا تمام اسی کا ہوگا۔ اگر اس مرد نے محرمہ کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔ نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے۔

عورتوں سے عقد نکاح کیا ان دونوں میں سے ایک حلال تھی اور دوسری حرام تھی کیونکہ وہ مرد کی محرم تھی یا اس عورت کا کوئی خاوند تھا یا وہ عورت مشرکہ تھی کیونکہ نکاح کو باطل کرنے کا سبب ان دونوں میں سے ایک میں تھا تو حکم اس کے حساب سے مقدر کیا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ مختلف ہوگا جب وہ آزاد اور غلام کو جمع کرے اور دونوں کو ایک عقد میں بیچے تو دونوں میں بیع باطل ہوگی۔ کیونکہ بیع شرط فاسد کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ نکاح کا معاملہ مختلف ہے،''نہر''۔

11434۔(قولہ: وَالْمُسَمّٰى كُلُّهُ لَهَا)''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مقررہ مہر اسی عورت کے لئے ہوگا جس کا عقد نکاح صحیح ہے۔ آپ اس امر کو دیکھتے ہیں کہ عقد نکاح میں محرمہ کو ملانا لغو ہے جس طرح دیوار کو ساتھ ملانا کیونکہ وہ نکاح کا محل ہی نہیں۔ مہر کا منقسم ہونا اس وقت ہے جب عقد میں داخل ہونے کے اعتبار سے حکم میں برابر ہوں۔ محرمہ کے ساتھ وطی کرنے سے حد واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ حد کا سقوط عقد کی صورت کے حکم سے ہے عقد کے انعقاد کے حکم سے نہیں۔ اس (مہر) کے عدم انقسام کا قول، جو عقد میں عدم دخول پر مبنی ہے، اس قول''حد ساقط'' ہوگی۔ کیونکہ عقد کی صورت پائی جارہی ہے کے منافی ہے جس طرح وہم کیا گیا ہے۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ ان دونوں کے مہر مثل کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ مفصل بحث''البحر'' میں ہے۔

11435۔(قولہ: فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ) یعنی مہر مثل جہاں تک جا پہنچے وہ لازم ہوگا جس طرح''مبسوط'' میں ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔''زیادات'' میں جو مذکور ہے:''وہ مقررہ مہر سے زیادہ نہ ہو'' یہ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے جس طرح''تبیین'' میں ہے۔ بے شک مہر مثل واجب ہوگا جہاں تک بھی وہ جا پہنچے جس طرح''مبسوط'' میں ہے۔ کیونکہ یہ عورت عقد میں داخل ہی نہ تھی جس طرح ہم پہلے''البحر'' سے نقل کر چکے ہیں۔ پس مقررہ مہر کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر تو سوال کرے ان دونوں میں اور اس صورت میں کیا فرق ہے جب وہ ایک عقد میں دو بہنوں سے شادی کرے اور دونوں سے حقوق زوجیت ادا کرے تو تم نے ان دونوں بہنوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل اور مہر مسمی میں سے کم کو واجب کیا ہے؟

میں اس کا جواب دوں گا: ان دونوں بہنوں میں سے ہر ایک عقد کے وارد ہونے کا محل ہے۔ ممتنع ان کا جمع کرنا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے دونوں کے عقد میں داخل ہونے کا قول کیا ہے۔ یہاں معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ محرمہ اصلاً محل عقد نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے،''ح''۔

نکاح متعہ اور موقت کی بطلان

11436۔(قولہ: وَبَطَلَ نِكَاحُ مُتْعَةٍ، وَمُؤَقَّتٌ)''فتح'' میں کہا:''شیخ الاسلام'' نے دونوں میں فرق بیان کرتے

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

ہوئے کہا: کہ لفظ نکاح اور لفظ تزویج کے ساتھ وقت ذکر کرے۔ اور متعہ میں کہے: میں لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یعنی جو متعہ کے مادہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ میں گواہ اور مدت کی تعیین شرط نہیں ہوتی۔ اور نکاح موقت میں گواہ اور مدت کی تعیین شرط ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے لئے کوئی دلیل نہیں کہ وہ اس متعہ کی تعیین کریں جو متعہ مباح کیا گیا پھر اسے حرام کیا گیا۔ وہ وہ ہے جس میں ''م ت ع'' کا مادہ مجتمع ہو کیونکہ آثار سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کو متعہ کی اجازت دی گئی۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جو یہ عمل کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس لفظ سے خطاب کرے اتمتع وغیرہ۔ کیونکہ یہ معروف ہے کہ لفظ بولا جاتا ہے اور اس کا معنی مراد لیا جاتا ہے۔ جب یہ کہا جائے تمتعوا اس کا معنی ہے: انہوں نے اس لفظ کا معنی پایا۔ اس کا مشہور معنی ہے کہ وہ عورت پر ایسا عقد ایجاد کرے جس کے ساتھ عقد نکاح کے مقاصد کا ارادہ نہ کیا گیا ہو جیسے بچے کی پیدائش اور اس کی تربیت۔ بلکہ مدت معینہ کے ختم ہونے کے ساتھ عقد ختم ہو جائے یا مدت معین نہ ہو اس معنی کے ساتھ کہ عقد اس وقت تک قائم رہے گا جب تک وہ اس عورت کے ساتھ ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پاس سے چلا جائے تو پھر کوئی عقد نہیں رہے گا۔ تو اس میں وہ عقد بھی داخل ہو جائے گا جو متعہ کے مادے کے ساتھ ہو اور نکاح مؤقت بھی اس میں داخل ہو جائے گا۔ تو نکاح مؤقت بھی متعہ کے افراد میں سے ہوگا اگرچہ اس نے لفظ تزویج کے ساتھ عقد کیا اور گواہ بھی حاضر کئے۔ ''ملخصا''۔ ''بحر'' اور ''نہر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔

پھر ''فتح'' میں حرمت متعہ پر ادلہ ذکر کئے کہ حرمت کا حکم حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا۔ یہ دائمی حرمت ہے۔ ائمہ اور مختلف زمانوں کے علما میں کوئی اختلاف نہیں صرف شیعہ کے ایک طائفہ نے اس کے جواز کا قول کیا ہے۔ امام ''مالک'' کی طرف سے اس کے جواز کی نسبت جس طرح ''ہدایہ'' میں واقع ہے سراسر غلط ہے۔ پھر امام ''زفر'' کے اس قول کو ترجیح دی کہ نکاح مؤقت صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے کہ نکاح مؤقت ہمیشہ کے لئے منعقد ہو جائے گا اور وقت کی قید لغو چلی جائے گی۔ کیونکہ غایت امر یہ ہے کہ مؤقت متعہ ہے جو نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن منسوخ کا مطلب ہے کہ پہلے یہ شرعاً جائز تھا۔ یہ عقد وہ ہے جو مدت کے ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔ پس توقیت کی شرط کو لغو قرار دینا یہ نسخ کا اثر ہے۔ اس کے قریب ترین نظیر نکاح شغار ہے۔ نکاح شغار یہ ہے کہ دو عورتوں میں سے ایک کے بضعہ کو دوسری عورت کا مہر بنا دیا جائے۔ بے شک اس سے نہی ثابت ہے(1)۔ ہم نے کہا: نکاح شغار صحیح ہے۔ یہ دونوں عورتوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل کو ثابت کرنے والا ہے۔ پس نہی ہمیں لازم نہ ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ متعہ کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح کرے اور وہ نکاح صحیح اور دائمی کا ارادہ کرے۔ کیونکہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اگرچہ گواہ حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ نکاح متعہ کی ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ جس طرح احلال کا لفظ متعہ کی ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ جو آدمی کسی دوسرے فرد کے لئے کھانے کو حلال قرار دیتا ہے وہ اسے مالک نہیں بناتا تو یہ لفظ نکاح کے معنی سے مجاز نہیں ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ملخص

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الشغار، جلد 3، صفحہ 84، حدیث نمبر 4720

وَإِنْ جُهِلَتِ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ فِي الْأَصَحِّ وَلَيْسَ مِنْهُ مَا لَوْ نَكَحَهَا عَلَى أَنْ يُطَلِّقَهَا بَعْدَ شَهْرٍ أَوْ نَوَى مُكْثَهُ مَعَهَا مُدَّةً مُعَيَّنَةً وَلَا بَأْسَ بِتَزَوُّجِ النَّهَارِيَّاتِ عَيْنِيٌّ (وَ) يَحِلُّ (لَهُ وَطْءُ امْرَأَةٍ ادَّعَتْ عَلَيْهِ)

اگر چہ مدت مجہول ہو یا طویل ہو صحیح ترین قول کے مطابق اگر اس نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ وہ ایک ماہ کے بعد اسے طلاق دے دے گا یا اس مرد نے یہ نیت کی کہ وہ معین مدت تک اس عورت کے ساتھ رہے گا تو ایسا نکاح اس حکم میں نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ عورت کے پاس دن کے وقت رہے گا، ''عینی''۔ اور مرد کے لئے یہ حلال ہے کہ وہ اس عورت سے وطی کرے جس عورت نے قاضی کے پاس

11437۔ (قولہ: وَإِنْ جُهِلَتِ الْمُدَّةُ) اس کی مدت مجہول ہو جس طرح وہ مرد عورت سے اس وقت تک کے لئے شادی کرے جب تک وہ اس کے پاس سے چلا نہ جائے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ''ح''۔

11438۔ (قولہ: أَوْ طَالَتْ فِي الْأَصَحِّ) جس طرح وہ عورت سے دوسو سال کے لئے نکاح کرے۔ یہ ظاہر مذہب ہے۔ یہی صحیح ہے جس طرح ''المعراج'' میں ہے۔ کیونکہ وقت کی تعیین ہی متعہ کی جہت کو معین کرتی ہے، ''بحر''۔

11439۔ (قولہ: وَلَيْسَ مِنْهُ الخ) کیونکہ نکاح کے قاطع (طلاق) کی شرط نکاح کے ہمیشہ کے لیے منعقد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور شرط باطل ہے، ''بحر''۔

11440۔ (قولہ: أَوْ نَوَى الخ) کیونکہ وقت کی تعین تو الفاظ سے ہوتی ہے، ''بحر''۔

مرد نے اس شرط پر شادی کی کہ مرد عورت کے پاس صرف دن کے وقت رہے گا تو جائز ہے

11441۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ بِتَزَوُّجِ النَّهَارِيَّاتِ) یعنی مرد نے عورت سے شادی کی کہ مرد اس کے پاس دن کے وقت رہے گا رات کے وقت نہیں رہے گا۔ ''فتح''۔ ''بحر'' میں کہا: مناسب یہ ہے کہ یہ شرط اس پر لازم نہ ہو اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مرد سے مطالبہ کرے کہ وہ رات کے وقت اس کے پاس رہے۔ کیونکہ قسم کے باب میں یہ معلوم ہو چکا ہے۔ یعنی جب مرد کی اس عورت کے علاوہ کوئی اور بیوی بھی ہو اور مرد نے یہ شرط لگائی تھی کہ دن کے وقت وہ اس کے پاس رہے گا اور رات کے وقت اس کی سوکن کے پاس رہے گا۔ اگر اس عورت کی کوئی سوکن نہ ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا۔ خصوصاً اس وقت جب مرد کو رات بے وقت ڈیوٹی دینا پڑتی ہو جس طرح وہ چوکیدار ہو۔ بلکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین سے قسم (باری) میں (مقولہ 12744 میں) یہ ذکر آئے گا: چوکیدار اپنی بیویوں میں دنوں کو تقسیم کرے گا۔ ''نہر'' میں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔

11442۔ (قولہ: وَيَحِلُّ لَهُ الخ) مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ اس عورت سے حقوق زوجیت ادا کرے۔ اسی طرح عورت کے لئے حلال ہے کہ مرد کو وطی پر قدرت دے۔ ہاں گناہ اس پر ہوگا کہ اس نے باطل دعویٰ کا اقدام کیا ہے۔ جس طرح ''بحر'' میں ہے۔ حلت کا ثبوت امام کے قول کے مطابق اس پر مبنی ہوگا کہ نکاح کے فیصلے سے پہلے باطناً نکاح نافذ ہو جائے گا۔

عِنْدَ قَاضٍ (أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا) بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ (وَهِيَ) أَيْ وَالْحَالُ أَنَّهَا (مَحَلٌّ لِلْإِنْشَاءِ) أَيْ لِإِنْشَاءِ النِّكَاحِ خَالِيَةٌ عَنِ الْمَوَانِعِ (وَقَضَى الْقَاضِي بِنِكَاحِهَا بِبَيِّنَةٍ) أَقَامَتْهَا (وَلَمْ يَكُنْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ تَزَوَّجَهَا، وَكَذَا) تَحِلُّ لَهُ

یہ دعویٰ کیا کہ مرد نے اس سے نکاح صحیح کے ساتھ شادی کی ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ عورت نئے نکاح کے قائم کرنے کا محل ہے جبکہ وہ موانع نکاح سے خالی ہے اور قاضی نے اس کے نکاح کے انعقاد کا فیصلہ کر دیا ان گواہیوں کی وجہ سے جو عورت نے قائم کی تھیں جبکہ نفس الامر میں مرد نے اس عورت سے عقد نکاح نہیں کیا تھا۔ اسی طرح وہ عورت مرد کے لئے حلال ہے

اسی طرح ظاہراً بھی نکاح بالاتفاق نافذ ہو جائے گا۔ پس نفقہ، باری وغیرہ واجب ہو جائیں گے۔

11443۔ (قولہ: عِنْدَ قَاضٍ) کیا اس کی مثل کا فیصلہ کیا جائے گا تا کہ اس کو واضح کیا جائے۔ قابل توجہ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہی ہے کہ ہاں۔ کیونکہ علما نے ان کے درمیان فرق کیا کہ وہ قصاص، حد اور عاقلہ پر دیت کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

11444۔ (قولہ: بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ) صحیح کی قید ذکر کر کے فاسد سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ نکاح فاسد وطی کی حلت کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگرچہ نکاح فاسد حقیقت میں صادر ہو'' ط''۔

عورت سے نکاح کے موانع

11445۔ (قولہ: خَالِيَةٌ عَنِ الْمَوَانِعِ) عورت کے لئے عقد نکاح کے محل ہونے کی یہ تفسیر ہے۔ نکاح کے موانع یہ ہو سکتے ہیں وہ مشرکہ ہو، اس کی ذی رحم محرم ہو، غیر کی بیوی ہو یا غیر کی معتدہ ہو (غیر نے اسے طلاق دی تھی اب وہ عدت گزار رہی ہو)، ''ح''۔

قضاء قاضی کے باطناً نافذ ہونے کے لیے شرط

11446۔ (قولہ: وَقَضَى الْقَاضِي بِنِكَاحِهَا) قاضی کے فیصلہ کے باطناً نافذ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جب قاضی قضیت کے الفاظ کہے تو اس وقت گواہ حاضر ہوں۔ عام مشائخ نے اس قول کو ہی لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا نہیں۔ کیونکہ عقد باطن میں ثابت ہوا اس کے نتیجہ میں کہ قاضی کی قضا صحیح ہے اور جو امر غیر کی صحت کے نتیجہ کے طور پر ثابت ہو وہ اپنی شرائط کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا جس طرح اس قول میں بیع ہے: اعتق عبدك عني بالف میری جانب سے اپنے غلام کو ایک ہزار کے بدلے میں بیچ دو۔ ''فتح'' میں ہے: یہ سب سے اچھی توجیہ ہے۔ متون کا اطلاق اسی پر دلالت کرتا ہے، ''بحر''۔

فائدہ: قاضی کا فیصلہ امر واقع کی توثیق کرتا ہے۔ اس لئے فیصلہ سے پہلے قضاءً نکاح ماننا ہوگا ''ہدایہ''۔ (مترجم)

میں کہتا ہوں: لیکن'' بحر'' میں کتاب القاضی الی القاضی میں ذکر کیا ہے: جس قول پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ پہلا قول ہے۔

11447۔ (قولہ: وَلَمْ يَكُنْ الخ) یہ جملہ حال ہے۔

(لَوْ ادَّعَى هُوَ نِكَاحَهَا) خِلَافًا لَهُمَا، وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْمَوَاهِبِ وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتَى (وَلَوْ قَضَى بِطَلَاقِهَا بِشَهَادَةِ الزُّورِ مَعَ عِلْمِهَا) بِذَلِكَ نَفَذَ،

اگر وہ اس عورت کے ساتھ عقد نکاح کا دعویٰ کرے۔ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''مواہب'' سے ''شرنبلالیہ'' میں منقول ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔ اگر قاضی نے جھوٹی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر دیا جبکہ عورت کو اس کا علم تھا تو تب بھی فیصلہ نافذ ہو جائے گا

11448۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) یہ اختلاف دونوں مسئلوں کی طرف راجع ہے۔ یہ اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما کے نزدیک جھوٹی گواہی سے قضا باطناً نافذ نہیں ہوتی خواہ یہ گواہی عقد کے انعقاد کے بارے میں ہو، عقد کے فسخ کے بارے میں ہو۔ کیونکہ قاضی نے فیصلہ میں غلطی کی ہے۔ غلطی کی وجہ یہ ہے کہ گواہ جھوٹے ہیں۔

امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃاللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک گواہ سچے ہیں۔ یہی حجت ہے۔ کیونکہ صدق کی حقیقت پر آگاہی متعذر ہے اور (نکاح کو اقتضاء النص کے ذریعے فیصلہ سے تھوڑا پہلے تسلیم کرنے سے) قضا کو باطناً نافذ کرنا بھی ممکن ہے۔ پس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے یہ نافذ ہو جائے گا۔ بعض مغربی علما نے اس امر پر طعن کیا ہے۔ کیونکہ طلاق کے ذریعے بھی نزاع کو ختم کرنا ممکن تھا۔ ''اکمل'' نے اس کا جواب یہ دیا ہے: اگر تو اس سے غیر مشروع طلاق کا ارادہ کرے تو وہ معتبر نہ ہوگی یا مشروع کا ارادہ کرے گا تو مطلوب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ مشروع طلاق نکاح صحیح میں متحقق ہوتی ہے۔ اس پر ان کے شاگرد ''قاری الہدایہ'' نے اعتراض کیا ہے کہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ طلاق غیر مشروع کا ارادہ کرے تاکہ وہ نزاع کے ختم کرنے کا طریقہ بن جائے۔ اس پر ان کے شاگرد ''ابن ہمام'' نے اعتراض کیا کہ حق یہ ہے کہ فرق کیا جائے اگر عورت مدعیہ ہو تو نزاع ختم کرنے کے لئے یہ مناسب ہے، اگر مرد مدعی ہو تو اس سے خلاصی ممکن نہ ہوگی مگر اسی صورت میں کہ فیصلہ کو باطناً نافذ کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ حکم عورت یا مرد کے دعویٰ سے عام ہے۔

بغیر ضرورت اور دلیل کی کمزوری کے قول امام سے عدول جائز نہیں

11449۔ (قولہ: وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتَى) ''کمال'' نے کہا: ''امام'' کا قول زیادہ مناسب ہے۔ اور آپ کے حق میں دلالت اجماع سے استدلال کیا ہے کہ جس نے ایک لونڈی خریدی پھر اس نے لونڈی کی بیع کے فسخ کا دعویٰ کر دیا جبکہ یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی تھا اور گواہیاں بھی پیش کر دیں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا تو بائع کے لئے حلال ہوگا کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے اور اس سے خدمت لے جبکہ اسے علم ہے کہ مشتری کا دعویٰ جھوٹا تھا جبکہ وہ لونڈی کو آزاد کر کے خلاصی پا سکتا تھا اگرچہ اس میں اس کے مال کا اتلاف ہے۔ کیونکہ اسے دو مصیبتوں میں آزمایا گیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں میں سے اہون کو اختیار کرے۔ اہون وہ ہوگا جس میں اس کا دین سلامت رہے۔ علامہ ''قاسم'' کا اس مسئلہ میں ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے امام کے قول کے موافق استدلال کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

وَ(حَلَّ لَهَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ بَعْدَ الْعِدَّةِ وَحَلَّ لِلشَّاهِدِ) زُورًا (تَزَوُّجُهَا وَحَرُمَتْ عَلَى الْأَوَّلِ) وَعِنْدَ الثَّانِي لَا تَحِلُّ لَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ مَا لَمْ يَدْخُلْ الثَّانِي وَهِيَ مِنْ فُرُوعِ الْقَضَاءِ بِشَهَادَةِ الزُّورِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَالنِّكَاحُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ)

اور عدت کے بعد عورت کے لئے حلال ہوگا کہ وہ کسی اور مرد سے شادی کرے اور جھوٹے گواہ کے لئے حلال ہوگا کہ وہ اس عورت سے نکاح کر لے اور وہ عورت پہلے خاوند پر حرام ہوگئی۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے لئے حلال نہیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عورت پہلے کے لئے حلال ہے جب تک دوسرے خاوند نے حقوق زوجیت ادا نہ کئے اور یہ مسئلہ جھوٹی گواہی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی فروعات سے ہے جس طرح عنقریب آگے (مقولہ 26340 میں) آئے گا۔ نکاح کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں

میں کہتا ہوں: جب دلیل کے اعتبار سے زیادہ مناسب ''امام اعظم'' کا قول ہے جیسے ''فتح'' میں ہے اور جس طرح اس رسالہ میں تحقیق کی ہے تو اس قول سے عدول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ امام کے قول سے عدول نہیں کیا جائے گا مگر ضرورت کے لئے یا دلیل کی کمزوری کی وجہ سے جس طرح ہم نے ''منظومۃ رسم المفتی'' اور اس کی شرح میں واضح کر دیا ہے۔

11450۔ (قولہ: وَحَلَّ لِلشَّاهِدِ) گواہ کے لئے حلال ہے اور اس کے غیر کے لئے بدرجہ اولیٰ حلال ہوگا۔ کیونکہ اسے حقیقت حال کا علم نہیں۔

11451۔ (قولہ: لَا تَحِلُّ لَهُمَا) یعنی وہ عورت اس خاوند کے لئے بھی حلال نہیں جس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اور دوسرے خاوند کے لئے بھی حلال نہیں۔ دوسرے خاوند کا معاملہ تو ظاہر ہے۔ حلال نہ ہونا اس پر مبنی ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک جھوٹی گواہی کی صورت میں قضا باطناً نافذ نہیں ہوگی۔ جہاں تک پہلے خاوند کا تعلق ہے اگرچہ فرقت باطناً واقع نہیں ہوگی لیکن امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول نے شبہ واقع کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ لوگوں کے نزدیک زانی ہوگا تو لوگ اسے حد لگائیں گے۔ ''رسالۃ العلامہ قاسم'' میں اسی طرح ہے۔

11452۔ (قولہ: مَا لَمْ يَدْخُلْ الثَّانِي) جب اس نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو وہ پہلے پر حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ اس پر عدت واجب ہو جائے گی جس طرح منکوحہ عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو۔ ''بحر''۔ (تو اس پر عدت لازم ہو جاتی ہے)۔

11453۔ (قولہ: وَهِيَ) اس سے مراد تینوں مسائل ہیں۔

11454۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی کتاب القضاء میں آئے گا۔

11455۔ (قولہ: وَالنِّكَاحُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ) مراد یہ ہے ایسا نکاح جو شرط پر معلق ہو وہ صحیح نہیں ہوتا۔ اس سے مراد وہ نہیں ظاہر عبارت جس کا وہم دلاتی ہے کہ یہ تعلیق لغو ہوگی اور عقد نکاح صحیح رہے گا جس طرح آنے والے مسئلہ

كَتَزَوَّجْتُكَ إِنْ رَضِيَ أَبِي لَمْ يَنْعَقِدِ النِّكَاحُ لِتَعْلِيقِهِ بِالْخَطَرِ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ وَغَيْرِهَا، فَمَا فِي الدُّرَرِ فِيهِ نَظَرٌ (وَلَا إِضَافَتُهُ إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ) كَتَزَوَّجْتُكَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ لَمْ يَصِحَّ (وَلَكِنْ لَا يَبْطُلُ) النِّكَاحُ (بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ وَ) إِنَّمَا (يَبْطُلُ الشَّرْطُ دُونَهُ) يَعْنِي لَوْ عَقَدَ مَعَ شَرْطٍ فَاسِدٍ

جس طرح میں نے تجھ سے شادی کی اس شرط پر کہ میرا باپ راضی ہو جائے تو یہ عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک معدوم امر کے ساتھ مشروط ہے جس کے پائے جانے کی امید ہے جس طرح ''عمادیہ'' وغیرہ میں ہے۔ جو قول ''الدرر'' میں ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے اور اسے مستقبل کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں جیسے میں نے تجھ سے کل یا پرسوں شادی کی تو یہ عقد صحیح نہ ہوگا۔ لیکن نکاح شرط فاسد کی وجہ سے باطل نہ ہوگا۔ بے شک نکاح کے بغیر شرط باطل ہوگی۔ یعنی اگر اس نے شرط فاسد کے ساتھ

میں (مقولہ 11461 میں) ہے۔ ''درر'' کے آنے والے تو ہم کا یہی منشا ہے۔

11456۔ (قولہ: لِتَعْلِيقِهِ بِالْخَطَرِ) خطر یہ خا نقطے والی اور طا نقطہ کے بغیر ہے۔ خطر سے مراد جو معدوم ہو اور جس کے وجود کی امید ہو، ''ح''۔

11457۔ (قولہ: فَمَا فِي الدُّرَرِ) کیونکہ کہا: نکاح کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں جس طرح وہ اپنی بیٹی سے کہے۔ اگر تو گھر میں داخل ہوگی تو میں تیرا نکاح فلاں سے کردوں گا اور فلاں نے کہا: میں نے اس سے نکاح کرلیا۔ کیونکہ تعلیق صحیح نہیں اگرچہ نکاح صحیح ہے۔

11458۔ (قولہ: فِيهِ نَظَرٌ) کیونکہ ''فتح''، ''خلاصہ''، ''بزازیہ'' میں ''اصل'' سے، ''خانیہ''، ''تتارخانیہ''، ''فتاویٰ ابی لیث''، ''جامع الفصولین'' اور ''قنیہ'' میں نکاح معلق کے صحیح نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ شاید ان پر ایسا نکاح جو شرط پر معلق تھا اس نکاح مشروط کے ساتھ مشتبہ ہو گیا جس کے ساتھ شرط فاسد تھی دونوں میں فرق واضح ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

11459۔ (قولہ: كَتَزَوَّجْتُكَ) اس میں کاف خطاب مفتوح ہے۔

11460۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ) متن کا کلام اس سے غنی ہے۔

11461۔ (قولہ: وَلَكِنْ لَا يَبْطُلُ الخ) جب یہ وہم کیا جاتا ہے کہ وہ نکاح جو شرط فاسد پر معلق ہوتا ہے اور وہ نکاح جو شرط فاسد کے ساتھ ملا ہوتا ہے ان میں کوئی فرق نہیں جس طرح ''الدرر'' کے لئے واقع ہوا اس لئے حرف استدراک لکن لائے اگرچہ دوسرا مسئلہ بھی مستقل مسئلہ ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے بعد میں کہا بخلاف ما لو علقه بالشرط۔ اس قول کے ساتھ ''الدرر'' کے وہم کے منشا پر تنبیہ کی۔ اسے خوب ذہن نشین کرلیں۔

11462۔ (قولہ: لَوْ عَقَدَ) مصنف کی کلام سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا کہ یہ پہلے مسئلہ کا تتمہ تھا جبکہ یہ مسئلہ مستقل ہے اس وجہ سے یہ اہتمام کیا۔ اس کے شروع میں حرف استدراک لکن لائے تا کہ سابقہ چیز پر تنبیہ ہو جائے۔

11463۔ (قولہ: مَعَ شَرْطٍ فَاسِدٍ) جس طرح وہ کہے: میں نے تجھ سے اس شرط پر شادی کی کہ تیرے لئے کوئی

لَمْ يَبْطُلِ النِّكَاحُ بَلِ الشَّرْطُ بِخِلَافِ مَا لَوْ عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ (إِلَّا أَنْ يُعَلِّقَهُ بِشَرْطٍ) مَاضٍ (كَائِنٍ) لَا مَحَالَةَ (فَيَكُونُ تَحْقِيقًا) فَيَنْعَقِدُ فِي الْحَالِ كَأَنْ خَطَبَ بِنْتًا لِابْنِهِ فَقَالَ أَبُوهَا زَوَّجْتُهَا قَبْلَكَ مِنْ فُلَانٍ فَكَذَّبَهُ فَقَالَ إِنْ لَمْ أَكُنْ زَوَّجْتُهَا لِفُلَانٍ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا لِابْنِكَ فَقَبِلَ ثُمَّ عَلِمَ كَذِبَهُ انْعَقَدَ لِتَعْلِيقِهِ بِمَوْجُودٍ، وَكَذَا إِذَا وُجِدَ الْمُعَلَّقُ عَلَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ، كَذَا ذَكَرَهُ جوي زاده وَعَمَّمَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا

عقد کیا تو نکاح باطل نہ ہوگا بلکہ شرط باطل ہوگی۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی اگر اس نے نکاح کو شرط پر معلق کیا۔ مگر وہ جب کسی شرط پر نکاح کو معلق کرے جو واقع ہو چکی اور لامحالہ واقع ہو چکی ہو (تو نکاح صحیح ہو جائے گا) تو وہ ثابت ہوگا (معلق نہ ہوگا) تو نکاح فی الحال منعقد ہو جائے گا جس طرح ایک آدمی نے کسی کی بیٹی کو اپنے بیٹے کے لئے دعوت نکاح دی تو بیٹی کے باپ نے کہا: میں نے تیری دعوت نکاح سے قبل اس کا عقد نکاح فلاں سے کر دیا ہے اس نے باپ کی تکذیب کی تو باپ نے کہا: اگر میں نے اس بیٹی کا نکاح فلاں سے نہیں کیا تو میں نے اس کا نکاح تیرے بیٹے سے کر دیا بیٹے کے باپ نے اسے قبول کر لیا پھر اس کو اس کے جھوٹ کا علم ہوا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ نکاح موجود شرط کے ساتھ معلق ہے۔ اسی طرح عقد نکاح صحیح ہو جائے گا اگر وہ شرط مجلس میں ہی موجود ہو جس پر عقد نکاح کو معلق کیا گیا تھا۔ ''جوی زادہ'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور مصنف نے اسے عام رکھا ہے۔

مہر نہیں ہوگا۔ اس صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی اور مہر مثل واجب ہو جائے گا۔

11464۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُعَلِّقَهُ) یہ لا يصح تعليقه بالشرط سے مستثنیٰ ہے۔

11465۔ (قولہ: مَاضٍ) یعنی وہ ایسی شرط ہو جو زمانہ حال تک جاری ہو۔ ماضی کی قید اس لئے ذکر کی ہے تا کہ ایسی شرط کی تعلیق سے احتراز ہو جائے جو زمانہ مستقبل میں یقینی طور پر واقع ہونے والی ہو۔ جس طرح آنے والے کل کا آنا۔

(قولہ: كَائِنٍ) کائن اگرچہ اسم فاعل ہے جو فی الحال فعل بجا لا رہا ہو اس میں یہ حقیقت ہے۔ لیکن یہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔

11466۔ (قولہ: وَكَذَا الخ) اس کا عطف الا ان يعلقه پر ہے۔ ''فتح'' میں ''الفصول العمادیہ'' سے اس کی مثال یہ ہے: اگر اس مرد نے کہا: میں نے تجھ سے ہزار درہم کے بدلے نکاح کیا اگر آج فلاں راضی ہو گیا اگر فلاں مجلس عقد میں حاضر تھا تو اس نے کہا: میں راضی ہوں تو استحساناً عقد نکاح جائز ہوگا۔ اگر وہ غیر حاضر تھا تو عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔

11467۔ (قولہ: وَعَمَّمَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا) جب ''العمادیہ'' کی کلام کے بعد کہا: مناسب یہ ہے کہ یہ تفصیل تعلیق کے مسئلہ میں باپ کی رضا پر جاری ہو کیونکہ جو ظاہر ہوتا ہے اس میں دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی اس میں کوئی فرق نہیں اگر میرا باپ راضی ہو یا فلاں راضی ہو۔ دونوں مسئلوں میں وضاحت یہی ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ جب یہ جائز ہے کہ فلاں اجنبی جو حاضر ہے اس کی رضامندی پر نکاح کو معلق کیا جائے تو باپ کی رضامندی پر معلق کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ باپ کو تو کسی نہ کسی صورت میں ولایت حاصل ہے۔ اگر خاوند عورت کے

لَکِنْ فِی النَّهْرِ قُبَیْلَ کِتَابِ الصَّرْفِ فِی مَسْأَلَةِ التَّعْلِیقِ بِرِضَا الْأَبِ وَالْحَقُّ الْإِطْلَاقُ فَلْیُتَأَمَّلْ الْمُفْتِی
لیکن ''نہر'' میں کتاب الصرف سے تھوڑا پہلے باپ کی رضامندی کا ذکر ہے جبکہ حق مطلق ہے۔ مفتی کو اس میں غور کرنا چاہئے۔

کفو میں سے نہ ہو تو باپ کو نکاح پر اعتراض کا حق بھی ہوتا ہے۔ اور باپ میں کمال شفقت ہوتی ہے وہ بچی کے لئے مناسب ہی اختیار کرتا ہے تو باپ کو چھوڑ کر اجنبی کے حق میں جواز کا قول کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ باپ کے مسئلہ میں ''ظہیریہ'' میں وضاحت کی ہے: اگر مجلس عقد میں باپ حاضر ہو وہ قبول کر لے تو عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ مصنف نے جو بحث کی ہے وہ منقول کے موافق ہے۔

11468۔ (قولہ: لَکِنْ فِی النَّهْرِ) مصنف نے جو بحث کی ہے اس سے استدراک ہے۔ ''الظہیریہ'' کی کلام ذکر کرنے کے بعد ''نہر'' کی عبارت یہ ہے: یہ مشکل ہے اور حق وہ ہے جو ''خانیہ'' میں ہے۔

جو ''خانیہ'' میں ہے وہ یہ قول ہے: مرد نے کہا: میں نے تجھ سے شادی کی اگر میرے باپ نے اجازت دی یا وہ راضی ہو گیا تو عورت نے کہا: میں نے نکاح کو قبول کر لیا تو یہ عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے اور نکاح تعلیق کا احتمال نہیں رکھتا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے جو عبارت ''خانیہ'' میں ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب باپ مجلس میں حاضر نہ ہو یا اسے اس پر محمول کیا جائے کہ یہ قیاس ہے۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں مسئلہ تعلیق کے بعد فلاں کی رضامندی کا ذکر کیا ہے اور کہا: اگر فلاں مجلس میں حاضر ہو اور وہ راضی ہو جائے تو استحساناً جائز ہے بصورت دیگر نہیں اگرچہ وہ راضی ہو۔

جو کچھ ہم نے کہا اس کے ساتھ دونوں کلاموں میں تطبیق ہو جاتی ہے جب تک باپ اور غیر میں فرق ثابت نہ ہو تو ''ظہیریہ'' کی عبارت سے اس کا عدم (نہ ہونا) جان چکے ہیں اور یہ بھی جان چکے ہیں کہ باپ میں جواز بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔ اور ہم نے کسی کو بھی نہیں دیکھا جس نے اس کے برعکس کی تصریح کی ہے یہاں تک کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

بَابُ الْوَلِيِّ

(هُوَ لُغَةً خِلَافُ الْعَدُوِّ وَعُرْفًا الْعَارِفُ بِاللهِ تَعَالَى وَشَرْعًا (الْبَالِغُ الْعَاقِلُ الْوَارِثُ) وَلَوْ فَاسِقًا عَلَى الْمَذْهَبِ مَا لَمْ يَكُنْ مُتَهَتِّكًا

ولی کے احکام

لغت میں ولی دشمن کی ضد ہے۔ اور عرف میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا ہے۔ اور شرع میں اس سے مراد ایسا بالغ عاقل ہے جو وارث ہو اگرچہ وہ فاسق ہو۔ یہی مذہب ہے جب کہ وہ ہتک عزت کا مرتکب نہ ہو۔

جب نکاح، اس کے الفاظ اور اس کے محل کا ذکر کر دیا تو اب نکاح کے انعقاد کرنے والے کا ذکر شروع کیا۔ اسے بعد میں ذکر کیا کیونکہ تمام صورتوں میں یہ نکاح کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے نہیں ہے۔ ولی یہ فعیل کا وزن ہے اور فاعل کے معنی میں ہے "ط"۔

عرف میں ولی کی تعریف

11469۔ (قولہ: وَعُرْفًا) یعنی اہل اصول الدین کے عرف میں۔ "بحر" میں کہا: اصول الدین میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو جس قدر ممکن ہو طاعات پر مواظبت اختیار کرنے والا ہو، معاصی سے اجتناب کرنے والا ہو، شہوات اور لذات میں منہمک نہ ہو۔ جس طرح شرح عقائد میں ہے، "ح"۔

ولی کی شرعی تعریف

11470۔ (قولہ: الْوَارِثُ) "فتح" اور دوسری کتب میں اسی طرح ہے۔ "رملی" نے کہا: اس کا ذکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حاکم ولی ہوتا ہے جبکہ وہ وارث نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح غلام کا آقا ہے۔ یہ تعریف صرف قرابت کی جہت سے جو ولی ہوتا ہے اس کے ساتھ خاص ہے۔

11471۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) مذہب کے مطابق۔ "بزازیہ" میں ہے: باپ اور دادا جب فاسق ہوں تو قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ کفو میں شادی کر دے۔ "فتح" میں کہا: مذہب میں معروف نہیں۔

11472۔ (قولہ: مَا لَمْ يَكُنْ مُتَهَتِّكًا) "قاموس" میں ہے: رجل منهتك و متهتك و مستهتك ایسا آدمی جو اس کی کوئی پرواہ نہ کرتا ہو کہ اس کے عزت کے پردہ کو چاک کر دیا جائے۔

"فتح" میں اس قول کے بعد جو ہم نے ابھی نقل کیا ہے کہا: ہاں اگر وہ ایسا شخص ہے جو اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی عزت کا پردہ چاک ہو تو اس کی جانب سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا جب وہ مہر مثل میں کمی کرے گا اور غیر کفو میں شادی کرے گا۔

وَخَرَجَ نَحْوُ صَبِيٍّ وَوَصِيٍّ مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ (وَالْوِلَايَةُ تَنْفِيذُ الْقَوْلِ عَلَى الْغَيْرِ)

بچہ اور وصی مذہب کے مطابق اس سے مطلق خارج ہو جائیں گے۔ ولایت سے مراد غیر پر قول کو نافذ کرنا ہے

اس کا حاصل یہ ہے: فسق اگرچہ ہمارے نزدیک اہلیت کو سلب نہیں کرتا مگر جب باپ ایسا ہو کہ وہ عزت کے پردہ کے چاک ہونے کی پرواہ نہ کرتا ہو تو اس کا عقد نکاح کرنا نافذ نہیں ہوگا مگر مصلحت کی شرط کے ساتھ۔ اس کی مثل مصنف کے قول سے آئے گا: اور عقد نکاح لازم ہو جائے گا اگرچہ غبن فاحش کی صورت میں ہو یا غیر کفو میں ہو اگر ولی باپ یا دادا ہو ان دونوں سے سوء اختیار معروف نہ ہو اگر یہ معروف ہو کہ وہ انتخاب میں اچھے نہیں تو پھر عقد نکاح لازم نہیں ہوگا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں فاسق متہتک (جس کا انتخاب اچھا نہ ہو) اس کی ولایت مطلقاً ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر وہ مہر مثل کے ساتھ کفو میں عقد نکاح کرے تو عقد نکاح صحیح ہوگا جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 11612 میں) آئے گی۔ یہ قول اس کے برعکس ہے جو گزر چکا ہے اور ''بزازیہ'' سے منقول تھا۔ اور جو قول گزر چکا ہے اس کو اس پر محمول کر کے تطبیق دینا بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کا قول: ''قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ کفو میں اس کی شادی کر دے'' یہ باپ کی ولایت کے اصلاً سقوط کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

11473۔ (قولہ: نَحْوُ صَبِيٍّ) جس طرح مجنون اور معتوہ ہو۔ صبی تو بالغ کے قول سے خارج ہو گیا، مجنون اور معتوہ عاقل کے قول سے خارج ہو گئے ''ط''۔

11474۔ (قولہ: وَوَصِيٍّ) جیسے ایسا وصی جو وارث نہ ہو جیسے غلام۔ اور کافر کی مثل جس کی ایک مسلمان بیٹی ہو یا مسلمان جس کی بیٹی کافر ہو جس طرح آگے آئے گا۔ ہاں اگر وصی قریبی ہو یا حاکم ہو تو وہ ولایت کی وجہ سے تزویج کا مالک ہو گا۔ جس طرح اولیا کے بیان کے وقت عنقریب شرح میں آئے گا۔

11475۔ (قولہ: مُطْلَقًا عَلَى الْمَذْهَبِ) خواہ باپ نے اسے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ایک روایت میں ہے: یہ جائز ہے۔ اسی طرح یہ برابر ہے کہ وصی نے اپنی زندگی میں ایک آدمی کو معین کیا ہو یا معین نہ کیا ہو۔ ''فتح'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے جس طرح آگے (مقولہ 11705 میں) آئے گا۔

ولایت کی فقہی تعریف

11476۔ (قولہ: وَالْوِلَايَةُ الخ) ولایت واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ جو مصنف نے ذکر کیا ہے یہ اس کی فقہی تعریف ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے ورنہ اس کا لغوی معنی محبت اور نصرت ہے جس طرح ''مغرب'' میں ہے۔ لیکن جو ذکر کیا ہے وہ اس کی دو میں سے ایک نوع کی تعریف ہے۔ وہ ولایت اجبار ہے اس کا قرینہ یہ قول ہے: وھی ھنا نوعان۔ اور اس امر کو بیان کیا کہ متن میں مذکور اس باب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس سے وصی اور وقف کے منتظم کی ولایت ہے اور صدقہ فطر کے وجوب کی ولایت ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ قول کی تنفیذ سے مراد وہ ہے جو نفس یا مال یا دونوں میں اکٹھے ہو۔ اس باب میں مراد

تَثْبُتُ بِأَرْبَعٍ قَرَابَةٍ، وَمِلْكٍ، وَوَلَاءٍ، وَإِمَامَةٍ (شَاءَ أَوْ أَبَى) وَهِيَ هُنَا نَوْعَانِ وِلَايَةُ نَدْبٍ
یہ چار صورت میں ثابت ہوتی ہے رشتہ داری، ملکیت، ولا اور امامت۔ وہ چاہے یا انکار کرے۔ یہاں اس کی دو قسمیں ہیں: مکلف پر ولایت ندب

وہ قول ہے جو پہلی اور تیسری قسم میں نافذ ہو دوسری قسم میں نافذ نہ ہو۔

11477۔(قولہ: تَثْبُتُ) یعنی مذکورہ ولایت ثابت ہوتی ہے۔ اس باب میں یہاں مراد صرف ولایت اجبار ہے۔ اس میں استخدام کی صورت ہے ورنہ ولایت معروفہ عام ہوتی ہے جس طرح تو جانتا ہے۔ جب وہ ولایت عام ہے تو اس سے مراد وہ ولایت نہ ہوگی جو خصوصی والی کے لئے ثابت ہوگی جو بالغ، عاقل اور وارث ہونے کے ساتھ معروف ہو یہاں تک یہ اعتراض وارد ہو کہ ملک اور امامت میں وراثت نہیں ہوتی۔ اس وقت جواب میں تکلف کی کوئی حاجت نہیں کہ وراثت جو ولی کی تعریف میں ماخوذ ہے اس سے مراد وہ مال ہے جو موت کے بعد لیا جاتا ہے۔ یہ عموم مجاز میں سے ہے۔ پس امام اس آدمی کا مال لیتا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہوتا کہ اس مال کو بیت المال میں رکھے۔ اور ولی اپنے اس غلام کی کمائی لیتا ہے جسے تجارت کی اجازت دی گئی ہو۔ جب وہ مرجاتا ہے تو ولی اس مال کو لیتا ہے اگر چہ یہ حقیقت میں وارثت نہیں ہوتی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ''ط'' نے کہا: اس مجاز پر کوئی دلیل نہیں اور تعریف کو اس کی مثل سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔

11478۔(قولہ: قَرَابَةٍ) اس میں عصبات اور ذی رحم محرم داخل ہوتے ہیں۔

11479۔(قولہ: وَمِلْكٍ) آقا اپنے غلام اور لونڈی کا مالک ہوتا ہے۔

11480۔(قولہ: وَوَلَاءٍ) آزاد کرنے اور موالات کی ولا جس طرح آگے آئے گا۔

11481۔(قولہ: وَإِمَامَةٍ) اس میں وہ قاضی داخل ہے جس کو شادی کرانے کی اجازت دی گئی ہو۔ کیونکہ ایسا قاضی امام کا نائب ہوتا ہے۔

11482۔(قولہ: شَاءَ أَوْ أَبَى) اس قول کے ساتھ وکیل کی ولایت سے احتراز کیا ہے۔

ولایت کی اقسام

11483۔(قولہ: وَهِيَ هُنَا) اس میں استخدام کی صورت ہے۔ کیونکہ ولایت معرفہ یہ ولایت اجبار کے ساتھ خاص ہے۔ ھنا کے قول کے ساتھ مقید کیا یہ نکاح کے علاوہ ولایت سے احتراز کیا ہے جس طرح ہم پہلے اسے (مقولہ 11476 میں) بیان کر چکے ہیں۔

مستحب ولایت

11484۔(قولہ: وِلَايَةُ نَدْبٍ) عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کر دے تا کہ اسے بے حیائی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ ''بحر''۔ نیز امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے باکرہ کے معاملہ میں جو اختلاف کیا ہے اس سے نکلا جا

عَلَى الْمُكَلَّفَةِ وَلَوْ بِكْرًا وَوِلَايَةُ إِجْبَارٍ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَلَوْ ثَيِّبًا وَمَعْتُوهَةٍ وَمَرْقُوقَةٍ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَهُوَ أَيِ الْوَلِيُّ (شَرْطٌ) صِحَّةِ (نِكَاحِ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَرَقِيقٍ) لَا مُكَلَّفَةٍ (فَنَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا) رِضَا (وَلِيٍّ)

خواہ وہ باکرہ ہو، اور صغیرہ پر ولایت اجبار اگرچہ ثیبہ ہو۔ اور بے ہوش اور لونڈی ہو جس طرح مصنف نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے: یعنی ولی چھوٹے، مجنون اور غلام کے نکاح میں شرط ہے مکلفہ (عاقلہ بالغہ) میں شرط نہیں۔ آزاد عاقل بالغ عورت کا عقد نکاح ولی کی رضا کے بغیر نافذ ہو جائے گا۔

سکے۔ یہ حقیقت میں ولایت وکالت ہے۔

11485۔ (قولہ: عَلَى الْمُكَلَّفَةِ) مکلفہ سے مراد بالغہ عاقلہ ہے۔

11486۔ (قولہ: وَلَوْ بِكْرًا) زیادہ مناسب یہ تھا کہ کہتے ولو ثیبا اگرچہ ثیبہ ہوتا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ باکرہ کا اپنا معاملہ ولی کو سپرد کرنا بدرجہ اولیٰ مستحب ہے۔ کیونکہ علت ندب سے تو اسے جان چکا ہے۔ مگر یہ کہ ان کی مراد امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ مابعد اس کا قرینہ موجود ہے یعنی یہ مستحب ہے واجب نہیں اگرچہ وہ باکرہ ہو۔ یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

ولایت اجبار

11487۔ (قولہ: وَلَوْ ثَيِّبًا) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں: ولایت اجبار کا دارومدار بکارت پر ہے۔ ولی باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دے اگرچہ وہ بالغہ ہی ہو۔ اگر وہ ثیبہ ہو تو نہیں اگرچہ وہ ثیبہ صغیرہ ہو۔ اور ثیبہ صغیرہ کا عقد نکاح امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ بالغہ نہ ہو۔ کیونکہ باپ کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے۔

11488۔ (قولہ: وَمَعْتُوهَةٍ وَمَرْقُوقَةٍ) دونوں اسم مجرور ہیں ان کا عطف الصغیرۃ پر ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں چھوٹے ہونے کی قید نہیں۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ ان دونوں اسما کو معرف باللام ذکر کیا جاتا تاکہ ان دونوں کے ثیبا پر عطف کا وہم نہ ہوتا۔

11489۔ (قولہ: صَغِيرٍ الخ) موصوف محذوف ہے۔ اصل میں ''شخص صغیر'' ہے۔ یہ مذکر اور مؤنث کو شامل ہے۔

11490۔ (قولہ: لَا مُكَلَّفَةٍ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ حرۃ کے لفظ کا اضافہ ہوتا تاکہ یہ الرقیق مقابل ہوتا ''ط''۔ یہ متن کے مفہوم کی تصریح ہے۔ اس کا ذکر کیا تاکہ یہ اس امر کا فائدہ دے کہ قول نفذ اس پر تفریع ہے۔

ولی کی رضا کے بغیر آزاد عاقل بالغ عورت کے نکاح کا شرعی حکم

11491۔ (قولہ: فَنَفَذَ الخ) یہاں نفاذ سے مراد صحت اور احکام کا مرتب ہونا ہے جیسے طلاق، وارث ہونا اور ان کے علاوہ دوسرے احکام۔ اس سے مراد نکاح کا لزوم نہیں۔ کیونکہ لزوم نکاح صحتِ نکاح سے عام ہے۔ کیونکہ لزوم کا نقض ممکن

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي مَالِهِ تَصَرَّفَ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَا فَلَا (وَلَهُ) أَيْ لِلْوَلِيِّ

قانون یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے وہ اپنے نفس میں تصرف کرسکتا ہے اور جو مال میں تصرف نہیں کرسکتا وہ نفس میں بھی تصرف نہیں کرسکتا۔

نہیں جبکہ صحت نکاح کا اٹھانا ممکن ہے جب عقد نکاح غیر کفو میں ہو۔ ''شرنبلالیہ'' میں یہ قول ہے: ای ینعقد لازما وبالا زم طور پر منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کے اطلاق میں نظر ہے۔ حرۃ کا لفظ ذکر کر کے مرقوقہ (لونڈی) سے احتراز کیا ہے اگرچہ وہ مکاتبہ ہو یا ام ولد ہو۔ اور مکلفہ کا لفظ ذکر کر کے صغیرہ اور مجنونہ سے احتراز کیا ہے۔ عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا مگر جب ولی عقد نکاح کرے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ جہاں تک یہ حدیث: ایما امراۃ نکحت نفسھا بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل (1)۔ جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے اور اس کا نکاح باطل ہے۔ اسے امام ''ترمذی'' نے حسن قرار دیا ہے اور یہ حدیث: لانکاح الا بولی (2)۔ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح نہیں اسے ''ابوداؤد'' نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو احادیث ہیں یہ اس حدیث: الایم احق بنفسھا من ولیھا (1)۔ عورت اپنے ولی کی بنسبت اپنے بارے میں زیادہ حق رکھتی ہے جسے امام ''مسلم''، امام ''ابوداؤد''، امام ''ترمذی''، ''نسائی''، امام ''مالک'' نے ''موطا'' میں روایت کیا ہے، کے معارض ہے۔ ایّمٌ اسے کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو باکرہ ہو یا باکرہ نہ ہو کیونکہ ولی کو کوئی اختیار نہیں مگر وہ عقد کا انتظام کرے جب وہ عورت راضی ہو۔ اس حدیث نے عورت کو ولی کے مقابلہ میں نکاح کا زیادہ حقدار بنایا ہے۔ یہ حدیث سند کی قوت اور اس کی صحت پر اتفاق کی وجہ سے راجح ہوگئی ہے۔ پہلی دو حدیثیں اس سے مختلف ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں ضعیف ہیں یا دونوں حسن ہیں یا تخصیص کے ساتھ جمع کیا جائے گا یا نفی کمال کیلئے ہے یا ولی سے مراد وہ ہے جس کے اذن پر نکاح موقوف ہوتا ہے یعنی نکاح نہیں ہوتا مگر اس کے واسطہ سے جس کو ولایت کا حق حاصل ہے تاکہ کافر کے مسلمان عورت، مدہوش عورت، غلام اور لونڈی کے نکاح کی نفی کرے۔ یہاں باطل سے مراد اس کا حقیقی معنی ہوگا یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو اس عقد نکاح کی تصحیح نہیں کرتا جو عقد نکاح عورت غیر کفو میں خود کرتی ہے یا اس سے مراد حکم ہے۔ یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو اس کی تصحیح کرتا ہے یعنی ولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ پہلے عقد نکاح کو باطل کردے۔ یہ سب نصوص کے مطلق ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ اور معارضہ کو ختم کرنے کے لئے اس کا ارتکاب واجب ہے۔ اس کے بارے میں تمام کلام ''فتح'' میں موجود ہے۔

عاقلہ بالغہ کے نکاح کے نفاذ میں ضابطہ

11492۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) ''بحر'' کی عبارت یہ ہے: والاصل ھنا ان کل من یجوز تصرفہ فی مالہ بولایۃ نفسہ الخ۔ اس سے ایسا بچہ خارج ہو جاتا ہے جس کو اذن دیا گیا ہو اگرچہ اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے لیکن اسے

1۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب لانکاح الا بولی، جلد 3، صفحہ 588، حدیث نمبر 1021 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح، جلد 2، صفحہ 322، حدیث نمبر 2595

(اِذَا كَانَ عَصَبَةً) وَلَوْ غَيْرَ مُحْرَمٍ كَابْنِ عَمٍّ فِي الْأَصَحِّ خَانِيَّةٌ، وَخَرَجَ ذَوُو الْأَرْحَامِ وَالْأُمُّ وَالْقَاضِي (الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) فَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي

اور ولی جب عصبہ ہو اگرچہ غیر محرم ہو جیسے چچازاد بھائی یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے۔ ''خانیہ''۔ (غیر کفو میں اعتراض کا حق ہوتا ہے) اس قید سے ذی رحم محرم، ماں اور قاضی خارج ہو گئے۔

ولایت نفس حاصل نہیں۔ لیکن اس کے برعکس پر اعتراض وارد ہوتا ہے جو مجورہ ہے۔ کیونکہ مجورہ نکاح کی تو مالک ہوتی ہے اگرچہ وہ اپنے مال میں تصرف کی مالک نہیں ہوتی۔ یہ قول ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما کے قول کے مطابق ہے جو آزاد پر حجر کرنے کے قائل ہیں۔ جبکہ قاعدہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃاللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے اس میں غور وفکر کیجئے۔

11493۔ (قولہ: اِذَا كَانَ عَصَبَةً) جب وہ عصبہ بنفسہ ہو۔ عصبہ بالغیر ہو تو اسے اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا جس طرح بیٹے کے ساتھ بیٹی۔ اور نہ ہی عصبہ مع الغیر کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا جس طرح بیٹی کے ساتھ بہن جس طرح ''بحر'' میں ہے، ''ح''۔

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کو اعتراض کا حق ہوگا

11494۔ (قولہ: فِي غَيْرِ الْكُفْءِ) یعنی جب عورت اپنا عقد نکاح غیر کفو میں کرے۔ اسی طرح عصبہ کو اعتراض کا حق ہوگا جب وہ اپنا عقد نکاح اپنے مہر مثل سے کم پر کرے یہاں تک کہ خاوند اس کا مہر مثل مکمل کر دے یا قاضی تفریق کر دے جس طرح مصنف باب الکفاءۃ میں ذکر کریں گے۔

11495۔ (قولہ: فَيَفْسَخُهُ الْقَاضِي) یہ جدائی قضا سے ہی ثابت ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور دونوں مدمقابل میں سے ہر ایک دلیل سے وابستہ ہے۔ پس نکاح قاضی کے فیصلہ سے ہی منقطع ہوگا۔ اس سے قبل نکاح صحیح ہوگا وہ اس کے ذریعے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جب قضا سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے۔ یہ جدائی فسخ نکاح ہے۔ یہ طلاق کی تعداد میں کمی نہیں کرے گی۔

فائدہ: آزاد عورت سے عقد نکاح کرنے کی صورت میں مرد تین طلاقوں کا مالک ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ نہ دے بلکہ ایک یا دو طلاقیں دے پھر وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرنے سے پہلے اسی سابقہ خاوند سے نکاح کرے تو سابقہ خاوند مابقی کا مالک ہوگا۔ (مترجم)

اگر یہ فرقت حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے واقع ہوگئی تو عورت کو مہر میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ اور اگر فرقت حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد واقع ہوئی تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ خلوت صحیحہ کے بعد بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر عورت پر عدت لازم ہوئی تو عورت کو عدت کا نفقہ بھی ملے گا۔ کیونکہ نفقہ واجب تھا، ''فتح''۔ اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ خاوند کو وطی کا موقع نہ دے یہاں تک کہ ولی راضی ہو جائے۔ جس طرح فقیہ ''ابولیث'' نے پسند کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ولی تفریق کرا دے تو یہ وطی شبہ کی وطی

وَيَتَجَدَّدُ بِتَجَدُّدِ النِّكَاحِ (مَا لَمْ) يَسْكُتْ حَتَّى (تَلِدَ مِنْهُ) لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ وَيَنْبَغِي إِلْحَاقُ الْحَبَلِ الظَّاهِرِ بِهِ (وَيُفْتَى) فِي غَيْرِ الْكُفْءِ

پس قاضی اس نکاح کو فسخ کر دے گا اور نکاح کے تجدد سے فسخ میں تجدد ہو گا۔ جب تک ولی خاموش نہ رہے یہاں تک کہ عورت اس سے بچہ جن دے تا کہ بچہ ضائع نہ ہو اور مناسب ہے کہ ظاہر حمل کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے۔ اور غیر کفو میں فتویٰ دیا جائے گا

بن جائے۔ جہاں تک آنے والے مفتی بہ قول کا تعلق ہے تو وطی حرام ہوگی کیونکہ نکاح منعقد نہیں۔ ''بحر'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

11496۔ (قولہ: وَيَتَجَدَّدُ) یعنی نئے نکاح کی صورت میں ولی کا اعتراض بھی نئے سرے سے واقع ہو جائے گا۔ جس طرح ولی نے اس عورت کا نکاح عورت کی اجازت سے غیر کفو میں کیا تو اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی پھر اس عورت نے اس مرد سے دوبارہ شادی کر لی تو اس ولی کو حق حاصل ہو گا کہ تفریق کا مطالبہ کرے پہلے نکاح کی صورت میں مرد کی رضامندی دوسرے نکاح پر رضامندی نہیں۔ ''فتح''۔ یہاں تجدید نکاح کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ عورت کو طلاق رجعی دے پھر عدت میں مرد اس عورت سے رجوع کر لے تو ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہو گا جس طرح ''ذخیرہ'' میں اس کا ذکر کیا۔

11497۔ (قولہ: مَا لَمْ يَسْكُتْ حَتَّى تَلِدَ) یسکت کے لفظ کا اضافہ کیا۔ مقصود یہ اشارہ کرنا ہے کہ ولادت سے قبل کی خاموشی رضا نہیں ہوگی۔ یہ ان مسائل میں سے نہیں جن میں سکوت قول کے قائم مقام ہو جس طرح اس کی طرف اشارہ آگے (مقولہ 11501 میں) آئے گا۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے اگر وہ خاموش نہ ہوا بلکہ اس سے مخاصمت کی جب اس کو علم ہوا تو بدرجہ اولیٰ حکم اسی طرح ہو گا۔ اسے خوب ذہن نشین کر لو۔ لیکن اس صورت کے بارے میں کلام باقی ہے جب اسے بالکل علم ہی نہ ہو یہاں تک کہ عورت بچہ جن دے تو کیا اب بھی ولی کو اعتراض کا حق ہو گا؟ متن کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ اعتراض کا حق نہیں ہو گا۔ اور شرح کا ظاہر بتاتا ہے کہ اعتراض کا حق ہو گا۔ اسے خوب ذہن نشین کر لیں۔

11498۔ (قولہ: لِئَلَّا يَضِيعَ الْوَلَدُ) یعنی والدین میں تفریق کی صورت میں بچہ ضائع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کی پرورش کے لئے دونوں کا اکٹھے ہونا بلاشبہ بچے کے لئے زیادہ حفاظت کا باعث ہے۔ اسے سمجھ لیجئے۔

11499۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي الخ) یہ بحث صاحب ''البحر'' کی ہے، ''ح''۔

11500۔ (قولہ: وَيُفْتَى فِي غَيْرِ الْكُفْءِ الخ) یہ قید ذکر کی تا کہ اس قول کی طرف لوٹنے کا وہم پیدا نہ ہو: فنفذ نکاحہ۔ اور اس سے بچا جا سکے کہ اگر وہ عورت مہر مثل کے بغیر نکاح کر لے تو تو جانتا ہے کہ ولی کو اس پر بھی اعتراض کرنے کا حق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عقد کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ مفتی بہ قول غیر کفو کے ساتھ خاص ہے جس طرح شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میں اسے نہیں جانتا کہ جس نے اس قول کو دونوں مسئلوں میں جاری کیا ہو۔ فرق یہ ہے کہ مہر مثل مکمل کر کے ازالہ ممکن ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہو گا یہاں تک کہ خاوند مہر مثل مکمل کر دے یا قاضی تفریق کر دے۔ جب وہ مہر مکمل کر دے تو اعتراض کا سبب زائل ہو جائے گا۔ مگر کفو کے نہ ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔

(بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا) وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى (لِفَسَادِ الزَّمَانِ) فَلَا تَحِلُّ مُطَلَّقَةٌ ثَلَاثًا نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ بِلَا رِضَا وَلِيٍّ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ إِيَّاهُ

کہ اصلاً نکاح جائز نہ ہوگا۔ فتویٰ کے لئے یہی مختار قول ہے۔ کیونکہ زمانہ میں فساد واقع ہو چکا ہے۔ وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ اس پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی جب وہ غیر کفو میں ولی کی رضا کے بغیر نکاح کرے بعد اس کے کہ ولی شوہر کو پہچان چکا ہو۔

یہ وہ چیز ہے جو میرے لئے ظاہر ہوئی اسے خوب سمجھ لو۔

11501۔ (قولہ: بِعَدَمِ جَوَازِهِ أَصْلًا) یہ امام ''حسن شیبانی'' کی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس عورت کا ولی ہو جو عقد سے پہلے اس پر راضی نہ ہو تو یہ اس کے بعد رضا کا فائدہ نہیں دے گا، ''بحر''۔ اگر اس کا ولی نہ ہو تو وہ عقد نکاح مطلقاً اور اتفاقاً صحیح اور نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح آگے (مقولہ 11504 میں) آئے گا۔ کیونکہ اس روایت پر نکاح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ اولیا سے ضرر کو دور کرنا ہے۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے۔ ''فتح'' اور ''بحر'' کا قول لم یرض بہ اسے بھی شامل ہے کہ جب وہ اسے اصلاً نہ جانتا ہو۔ پس راضی نہ ہونے کی تصریح لازم نہیں آتی بلکہ اس کی جانب سے خاموشی رضا نہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس اس وقت عقد کے صحیح ہونے کے لئے ولی کی صریحاً رضا ضروری ہوگی۔ اور اس قول کی بنا پر اگر ولی پہلے خاموش رہا پھر بعد میں راضی ہوا تو یہ کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ پس اس میں غور کرنا چاہئے۔

11502۔ (قولہ: وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى) ''شمس الائمہ'' نے کہا: یہ قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ جس طرح ''تصحیح العلام قاسم'' میں ہے۔ کیونکہ ہر ولی قاضی کے سامنے اچھا معاملہ پیش نہیں کرتا اور اچھی طرح خصومت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر قاضی عدل کرتا ہے۔ اگر ولی اچھی طرح معاملہ پیش کرنے والا ہو اور قاضی عدل کرے تو بعض اوقات عزت نفس کی خاطر معاملہ پیش کرنے کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح حکام کے دروازوں پر بار بار جانا پڑتا ہے۔ اور خصومات کو ثقیل سمجھا جاتا ہے۔ پس ضرر ثابت ہو جاتا ہے۔ پس اس سے روکنا اس اذیت کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے، ''فتح''۔

11503۔ (قولہ: نَكَحَتْ) یہ مطلقۃ کی صفت ہے اور بلا رضا کا قول نکحت کے متعلق ہے بعد یہ رضا کی ظرف ہے۔ معرفتہ کی ضمیر ولی کے لئے ہے۔ ایاہ میں ضمیر غیر کفو کے لئے ہے۔ بلا رضا کا قول یہ ایسی نفی ہے جو اس مقید پر واقع ہے جو رضاء ولی ہے۔ اور نفی اس قید پر واقع ہے جو ولی کے خاوند کے پہچاننے کے بعد واقع ہو۔ پس یہ قول معرفت کے بعد رضا کی نفی اور اس کے عدم اور معرفت نہ ہونے کی صورت میں رضا کے پائے جانے پر صادق آتا ہے۔ ان تین صورتوں میں وہ حلال نہ ہوگی۔ وہ چوتھی صورت میں حلال ہوگی۔ وہ ولی کا راضی ہونا ہے جب وہ عورت غیر کفو میں عقد نکاح کرے جبکہ ولی کو اس کے خاوند کا علم ہو، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ کہتے مع علمہ بہ عیناً ولی کو خاوند کی ذات کا علم ہو۔ کیونکہ ''بحر'' میں ہے: اگر

فَلْيُحْفَظْ (وَ) بِنَاءً (عَلَى الْأَوَّلِ) وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ (فَرِضَا الْبَعْضِ) مِنَ الْأَوْلِيَاءِ قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ (كَالْكُلِّ) لِثُبُوتِهِ لِكُلٍّ كَمَلًا

پس چاہئے کہ اسے یاد رکھا جائے۔اور پہلے قول پر بنا کرتے ہوئے جو ظاہر روایت ہے عقد سے پہلے اور عقد کے بعد بعض اولیا کی رضا تمام کی رضا کی طرح ہے کیونکہ یہ کل کیلئے کاملاً ثابت ہو جاتی ہے

ولی کہے: میں اس پر راضی ہوں جو اس نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے۔اور وہ خاوند کی ذات کو نہیں جانتا کیا یہ کافی ہے۔ صارت حادثة الفتوی (ایسا نیا واقعہ جس میں فتویٰ کی ضرورت ہو)۔ چاہئے یہ کہ یہ کافی نہ ہو۔ کیونکہ مجہول پر رضا صحیح نہیں جس طرح ''خانیہ'' میں ذکر کیا ہے جب ولی نے اس عورت سے اجازت طلب کی اور ولی نے خاوند کا نام نہ لیا کیونکہ مجہول کی رضا متحقق نہیں ہوتی اور میں نے اسے منقول نہیں پایا۔ ''نہر'' میں اسے بیان کیا ہے لیکن وہ عموم پر نہیں۔ کیونکہ شارح کے کلام میں عنقریب آئے گا: عورت نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا تو یہ صحیح ہوگا جس طرح عورت کا یہ قول ہے: زوجنی ممن تختار ونحوہ جس سے چاہو میری شادی کر دو وغیرہ۔ ''خیر رملی'' نے کہا: اس کا مقتضا یہ ہے اگر ولی نے عورت سے کہا: تو جو کرے گی میں اس پر راضی ہوں یا جس سے تو پسند کرتی ہے نکاح کر لے اور اس کی مثل تو یہ کافی ہے۔ یہ ظاہر ہے کیونکہ مرد نے امر عورت کے سپرد کر دیا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ اسقاط کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔

11504۔(قولہ: فَلْيُحْفَظْ) پس اسے یاد رکھنا چاہئے۔ ''حقائق'' جو ''المنظومة النسفية'' کی شرح ہے اس میں کہا: یہ ایسی چیز ہے جس کا یاد رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

''کمال'' نے کہا: کیونکہ عموماً محلل غیر کفو ہوتا ہے۔ اگر ولی نے محلل کا عقد خود کیا تو ایسی عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

''بحر'' میں ہے: یہ سب باتیں اس وقت ہیں جب اس عورت کا ولی ہو ورنہ عقد نکاح مطلقاً اور اتفاقاً صحیح ہوگا۔

11505۔(قولہ: وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ) بہت سے مشائخ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ فتویٰ میں اختلاف ہے، ''بحر''۔ لیکن تو جانتا ہے کہ دوسرا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔

11506۔(قولہ: قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ) اس قول میں یہ ہے کہ پہلے قول اور دوسرے قول میں سے ہر قول پر عقد سے پہلے رضا صحیح ہے جہاں تک پہلے قول پر بنا کا تعلق ہے تو وہ صرف عقد کے بعد رضا پر منحصر ہے۔ کیونکہ وہ اس قول پر صحیح ہے۔ دوسرے قول پر بنا صحیح نہیں جس پر فتویٰ ہے جس طرح ہم پہلے اسے ''بحر'' سے نقل کر چکے ہیں۔ اور متن کا کلام وہم دلاتا ہے کہ یہ دوسرے قول کی صورت میں بعض کی رضا کل کی رضا کی طرح نہیں۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ شاید شارح نے یہ ذکر کر کے اس وہم کو دور کرنے کا قصد کیا ہے۔ اس میں خوب غور و فکر کیجئے۔

11507۔(قولہ: لِثُبُوتِهِ لِكُلٍّ كَمَلًا) کیونکہ یہ ایک حق ہے یہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایسے سبب سے ثابت ہوا جو تقسیم نہیں ہوتا، ''بحر''۔

كَوِلَايَةِ أَمَانٍ وَقَوَدٍ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْوَقْفِ (لَوْ اسْتَوَوْا فِي الدَّرَجَةِ وَإِلَّا فَلِلْأَقْرَبِ) مِنْهُمْ (حَقُّ الْفَسْخِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ فَهُوَ) أَيْ الْعَقْدُ (صَحِيحٌ) نَافِذٌ

جس طرح امان اور قصاص کی ولایت ہے اور وقف میں اس کی پوری تحقیق کریں گے۔ اگر تمام اولیا درجہ میں برابر ہوں بصورت دیگران میں سے جو سب سے قریبی ہوگا اسے عقد نکاح فسخ کرنے کا حق ہوگا اگر اس کا کوئی ولی نہ ہو تو عقد مطلقاً صحیح اور نافذ ہوگا

11508۔ (قولہ: كَوِلَايَةِ أَمَانٍ وَقَوَدٍ) جب مسلم نے حربی کو امان دے دی تو کسی اور مسلمان کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس حربی یا اس کے مال سے چھیڑ چھاڑ کرے اور جب قصاص کے اولیا میں سے کسی ایک نے معاف کر دیا تو دوسرے ولی کو قصاص کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا، ''ح''۔

11509۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْوَقْفِ) جو کچھ یہاں ہے اس سے وہاں کچھ زائد کلام کی ہے جس میں بعض کل کے قائم مقام ہوتے ہیں: وقف کے بعض مستحق سب کی جانب سے بطور خصم کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح بعض وارث ہیں۔ اسی طرح ایک قرض خواہ کے لئے تنگ دستی کو ثابت کرنا۔ اسی طرح مسلمانوں کے راستہ سے عام ضرر کو زائل کرنے کے لئے مطالبہ کرنے کی ولایت۔

11510۔ (قولہ: وَإِلَّا الخ) یعنی اگر وہ درجہ کے برابر نہ ہوں اگر بعیدی راضی ہو جائے تو قریبی کو اعتراض کا حق ہو گا۔ ''بحر'' میں ''فتح'' وغیرہ سے منقول ہے۔

اگر عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو عقد مطلقاً صحیح ہوگا

11511۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ الخ) یعنی اگر اس کا کوئی عصبہ نہ ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس سے تعبیر کیا جائے۔ مصنف نے جو حکم ذکر کیا ہے اسے ''فتح'' میں ینبغی کے صیغہ سے ذکر کیا ہے جبکہ اولیا سے ضرر کو دور کرنے کی علت سے بحث کرتے ہوئے اخذ کر رہے تھے اور یہ ذکر کیا کہ عورت تو اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے۔ ''بحر'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے مصنف نے ان کی پیروی کی ہے۔

ظاہر یہ ہے اگر اس عورت کا عصبہ صغیر ہو تو یہ عورت اس کے قائم ہوگی جس کا ولی نہ ہو۔ کیونکہ چھوٹے کو کوئی ولایت حاصل نہیں۔ اسی طرح اگر وہ غلام یا کافر ہو جس طرح شارح اس کی طرف اپنے قول: الولی فی النکاح العصبة میں اشارہ کرتے ہیں جس طرح ہم اسے وہاں (مقولہ 11682 میں) بیان کریں گے۔ اس تاویل کی بنا پر اگر وہ بعد میں بالغ ہو گیا یا آزاد ہو گیا یا وہ مسلمان ہو گیا تو اس کے لئے نئے سرے سے اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔ اگر اس عورت کا ایسا عصبہ ہو جو غائب ہو تو وہ حاضر عصبہ کی طرح ہے۔ کیونکہ غائب کی ولایت منقطع نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے اگر اس ولی نے صغیرہ کی شادی کی جہاں بھی وہ تھا تو اس کا عقد نکاح صحیح ہوگا اگرچہ اس ولی کے علاوہ اس عورت کا ایک اور ولی بھی تھا جو حاضر تھا۔ اس میں

(مُطْلَقًا) اِتِّفَاقًا (وَقَبْضِهِ) أَيْ وَلِيٍّ لَهُ حَقُّ الِاعْتِرَاضِ (الْمَهْرَ وَنَحْوَهُ) مِمَّا يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا (رِضًا) دَلَالَةً إِنْ كَانَ عَدَمُ الْكَفَاءَةِ ثَابِتًا عِنْدَ الْقَاضِي قَبْلَ مُخَاصَمَتِهِ وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ رِضًا كَمَا (لَا) يَكُونُ (سُكُوتُهُ)

اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ایسا ولی جس کو اعتراض کا حق ہو اس کا مہر پر قبضہ کرنا اور اس طرح ایسے امور جو رضا پر دلالت کرتے ہیں یہ رضا ہے از روئے دلالت کے اگر چہ قاضی کے نزدیک جھگڑا سے پہلے عدم کفاءت ثابت ہو بصورت دیگر رضا نہ ہوگی جس طرح ولی کا خاموش رہنا رضا نہ ہوگی

اختلاف ہے جس طرح بعد میں (مقولہ 11721 میں) آئے گا۔

ظاہر یہ بھی ہے کہ یہ بالغہ کے بارے میں ہے۔ جہاں تک صغیرہ کا تعلق ہے تو وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر اس کا عصبہ ہو اور ولی نے اس کا عقد نکاح غیر کفو میں کر دیا تو وہ عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا؟ اسی طرح جب اس کا عصبہ نہ ہو۔ یہ سب گفتگو وہ ہے جو ان کی کلام کو سمجھنے سے میرے لئے ظاہر ہوئی ہے میں نے اسے صریح نہیں دیکھا۔

11512۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ اس عورت نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں نکاح کیا ہو،''ح''۔

11513۔ (قولہ: اِتِّفَاقًا) یہ اتفاق ان لوگوں کی جانب سے بھی ہے جو ظاہر مذہب کی روایت کے قائل ہیں اور حضرت''حسن شیبانی'' کی روایت جو مفتی بہ ہے کے قائل ہیں۔

11514۔ (قولہ: أَيْ وَلِيٍّ لَهُ حَقُّ الِاعْتِرَاضِ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اس قول وان لم یکن لھا ولی میں ولی سے مراد وہ ہے جو ارحام کو شامل ہو۔ یہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے جانا۔ اس تفسیر کا ذکر مناسب وہاں تھا تا کہ دونوں جگہ مراد کا علم ہو جائے اور مذکور ایہام اٹھ جائے۔

11515۔ (قولہ: وَنَحْوُهُ) نحوہ رفع کی صورت میں قبضہ پر معطوف ہے یعنی مہر پر قبضہ کرنا نفقہ پر قبضہ کرنے کی طرح ہے یا ان دونوں میں سے ایک میں مخاصمت اگر چہ وہ قبضہ نہ کرے اور سامان تیار کرنا وغیرہ،''فتح''۔

11516۔ (قولہ: إِنْ كَانَ)''ذخیرہ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔''بحر''،''نہر''،''شرنبلالیہ''،''شرح المقدسی'' میں اسی کو ثابت کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف از روئے دلالت رضا میں شرط ہے۔ اور کفاءت کے نہ ہونے کا محض علم یہاں کافی نہیں۔ صریح رضا کا معاملہ مختلف ہے اس میں صرف علم کافی ہوتا ہے لیکن یہ مطلق متون کے مخالف ہے۔''فتح'' میں اس کا ذکر نہیں اور نہ ہی''کافی الحاکم'' میں اس کا ذکر کیا ہے جس نے''ظاہر الروایہ'' کی کتب کو جمع کیا۔ نیز اس کی وجہ ظاہر نہیں مگر یہ فرق کہ دلالت کا رتبہ صریح سے پست ہے۔ پس غور و فکر کیجئے۔

مسئلہ کی صورت: اس عورت نے غیر کفو میں شادی کی ولی نے قاضی کے سامنے مسئلہ اٹھایا اور قاضی کے نزدیک عدم کفاءت کو ثابت کیا پس ولی نے تفریق سے پہلے مہر پر قبضہ کیا یا قاضی نے دونوں میں تفریق کر دی پھر عورت نے اس مرد سے دوبارہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور ولی نے مہر پر قبضہ کر لیا۔

11517۔ (قولہ: كَمَا لَا يَكُونُ الخ) یہ گزشتہ قول مالم یسکت حتی تلد کا تکرار ہے۔

رِضَا مَا لَمْ تَلِدْ، وَأَمَّا تَصْدِيقُهُ بِأَنَّهُ كُفْءٌ، فَلَا يُسْقِطُ حَقَّ الْبَاقِينَ مَبْسُوطٌ (وَلَا تُجْبَرُ الْبَالِغَةُ الْبِكْرُ عَلَى النِّكَاحِ) لِانْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ بِالْبُلُوغِ (فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا هُوَ) أَيْ الْوَلِيُّ وَهُوَ السُّنَّةُ (أَوْ وَكِيلُهُ أَوْ رَسُولُهُ

جب تک وہ عورت بچہ نہ جن دے۔ جہاں تک اس کا یہ تصدیق کرنا کہ خاوند عورت کا کفو ہے یہ باقی اولیا کے حق کو ساقط نہیں کرتا۔ ''مبسوط''۔ بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بالغ ہونے کے ساتھ ولایت منقطع ہو جاتی ہے اگر ولی اس عورت سے اجازت طلب کرے جبکہ یہی طریقہ ہے یا اس کا وکیل یا قاصد

11518۔(قولہ: وَأَمَّا تَصْدِيقُهُ الخ) ''بحر'' میں کہا: رضا کے ساتھ مقید کیا کیونکہ بعض اولیا کی جانب سے کفو ہونے کی تصدیق یہ ان کے حق کو ساقط نہیں کرتی جو اس کے کفو کا ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ ''مبسوط'' میں کہا: اگر ایک ولی نے دعویٰ کیا کہ خاوند عورت کا کفو ہے اور دوسرے ولی نے ثابت کیا مرد عورت کا کفو نہیں اس ولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ میاں بیوی میں تفریق کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ مصدق وجوب کے سبب کا انکار کرتا ہے اور شے کے سبب کا انکار اس کا اسقاط نہیں ہوتا۔ ''الفوائد التاجیہ'' میں ہے: اس عورت کے ولی نے کفو نہ ہونے کے دو گواہ قائم کئے یا عورت کے خاوند نے کفو ہونے پر گواہ پیش کئے تو گواہوں کے لئے لفظ شہادت کا استعمال کرنا کوئی ضروری نہیں کیونکہ یہ خبر دینا ہے۔

بالغہ باکرہ عورت کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا

11519۔(قولہ: وَلَا تُجْبَرُ الْبَالِغَةُ) بالغہ، آزاد بالغ، مکاتب اور مکاتبہ اگرچہ چھوٹے ہوں انہیں نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''ح'' نے ''قہستانی'' سے نقل کیا ہے۔

11520۔(قولہ: الْبِكْرُ) اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ یہ اس امر کو شامل ہے جب اس نے اس سے قبل شادی کی اور پردہ بکارت زائل ہونے سے قبل اس کو طلاق ہوگئی تو اس کے ساتھ اسی طرح نکاح کیا جائے گا جس طرح باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے۔ ''الاصل'' میں اس پر نص قائم کی ہے، ''بحر''۔

11521۔(قولہ: وَهُوَ السُّنَّةُ) یہی طریقہ ہے جیسے ولی نکاح سے پہلے اس عورت کو کہے فلاں تجھے دعوت نکاح دیتا ہے یا تیرا ذکر کرتا تھا تو وہ عورت خاموش ہوگئی اگر ولی نے مشورہ کے بغیر اس عورت کی شادی کر دی تو اس نے طریقہ کی خلاف ورزی کی۔ یہ نکاح عورت کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔ ''محیط'' سے ''بحر'' میں منقول ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے مستحسن قرار دیا ہے جسے شافعیہ نے ذکر کیا ہے: اجازت طلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس عورت کی طرف ایسی قابل اعتماد عورتیں بھیجے جو اس عورت کے مفادات کا خیال رکھتی ہوں۔ ماں اس کا زیادہ حق رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی چیزوں پر مطلع ہوتی ہے جس پر غیر مطلع نہیں ہوتی۔

11522۔(قولہ: أَوْ وَكِيلُهُ أَوْ رَسُولُهُ) پہلے کو یہ کہے میں نے تجھے وکیل بنایا ہے کہ تو میرے لئے فلاں سے اس کے بارے میں اجازت طلب کرے دوسرے کو یہ کہے فلانہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو تیرا فلاں بھائی تجھ سے فلاں کے

أَوْ زَوْجَهَا) وَلِيُّهَا وَأَخْبَرَهَا رَسُولُهُ أَوْ فُضُولِيٌّ عَدْلٌ (فَسَكَتَتْ) عَنْ رَدِّهِ مُخْتَارَةً (أَوْ ضَحِكَتْ غَيْرَ مُسْتَهْزِئَةٍ أَوْ تَبَسَّمَتْ

اجازت طلب کرے یا ولی اس عورت کا نکاح کر دے اور اس کا قاصد عورت کو خبر دے۔ یا اسے فضولی نے جو عادل تھا (نے اجازت طلب کی) پس وہ عورت اپنی پسند سے اسے رد کرنے سے خاموش ہوگئی۔ یا وہ ہنسی جبکہ استہزا نہیں کر رہی تھی یا وہ مسکرائی

بارے میں اجازت طلب کرتا ہے۔

11523۔ (قولہ: وَأَخْبَرَهَا رَسُولُهُ الخ) یہ قول اس قول کا فائدہ دیتا ہے کہ مصنف کا قول او زوجھا یہ اس حالت پر محمول ہے کہ ولی نے اس عورت کا نکاح اس کی عدم موجودگی میں کیا یہ اگرچہ متبادر معنی کے خلاف ہے لیکن تکرار کا دفع کرنا آنے والے قول کے ساتھ اسے راجع کرتا ہے۔ اسی طرح ولی نے اس عورت کی شادی کی جبکہ عورت وہاں موجود تھی تو وہ خاموش رہی۔ ''بحر'' میں ہے: اس مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہے جب ولی نے عورت کا عقد نکاح غیر کفو میں کیا تو اسے خبر پہنچی تو وہ خاموش ہوگئی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ رضا نہ ہوگی۔ ایک قول امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا گیا ہے: یہ رضامندی ہوگی اگرچہ نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو۔ اگر ولی ان کے علاوہ ہو تو پھر نہیں جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ یہ مسئلہ انہوں نے اس صغیرہ سے لیا ہے جس کا عقد نکاح غیر کفو میں کیا گیا۔

''نہر'' میں کہا: ''الدرایہ'' میں پہلے قول کو قالوا کے لفظ کے ساتھ یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

11524۔ (قولہ: أَوْ فُضُولِيٌّ عَدْلٌ) فضولی میں عدالت یا عدد شرط ہے۔ ایک عادل یا مرد مستور الحال افراد کا خبر دینا کافی ہے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ ایک جو غیر عادل ہو اس کا خبر دینا کافی نہیں۔ اس کی کئی مثالیں ہیں جو قضاء کے متفرقات میں (مقولہ 26725 میں) آئیں گی۔

11525۔ (قولہ: فَسَكَتَتْ) یعنی باکرہ بالغہ خاموش ہو جائے۔ بڑے بیٹے کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی خاموشی رضا نہ ہوگی یہاں تک کلام کر کے رضامندی کا اظہار کرے، ''کافی الحاکم''۔

11526۔ (قولہ: عَنْ رَدِّهِ) اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ مراد مطلق خاموشی نہیں۔ کیونکہ اگر اسے خبر پہنچی تو اس اجنبی سے کلام کی تو یہ وہاں سکوت ہوگا اور یہ اجازت ہوگی۔ اگر اس نے کہا: الحمد للہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں یا کہا: وہ چمڑہ رنگنے والا ہو میں اس کا ارادہ نہیں کرتی۔ یہ ایک کلام ہے پس یہ رد ہے، ''بحر''۔

11527۔ (قولہ: مُخْتَارَةً) اگر اسے چھینک یا کھانسی نے آلیا جب اسے خبر دی گئی جب اسے یہ عارضہ ختم ہوگیا تو اس نے کہا: میں راضی نہیں یا اس نے اس عورت کے منہ پر ہاتھ یا کوئی چیز رکھ دی پھر اسے چھوڑا تو عورت نے سابقہ قول کیا تو اس کا رد کرنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کی خاموشی اضطرار کی حالت میں ہوگی، ''بحر''۔

11528۔ (قولہ: غَيْرَ مُسْتَهْزِئَةٍ) استہزا والا ضحک اس پر مخفی نہیں ہوتا جو اس کے پاس حاضر ہو۔ کیونکہ ضحک

أَوْ بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ) فَلَوْ بِصَوْتٍ لَمْ يَكُنْ إِذْنًا وَلَا رَدًّا حَتَّى لَوْ رَضِيَتْ بَعْدَهُ انْعَقَدَ معراج وَغَيْرُهُ، فَمَا فِي الْوِقَايَةِ وَالْمُلْتَقَى فِيهِ نَظَرٌ (فَهُوَ إِذْنٌ) أَيْ تَوْكِيلٌ فِي الْأَوَّلِ إِنْ اتَّحَدَ الْوَلِيُّ،

یا آواز کے بغیر روئی اگر آواز کے ساتھ روئی تو یہ اذن نہیں ہوگا اور نہ ہی رد ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ بعد میں راضی ہوئی تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ ''معراج'' وغیرہ۔ ''الوقایۃ'' اور ''الملتقی'' میں جو قول ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے تو وہ اذن ہو گا۔ یعنی پہلی صورت میں یہ وکیل بنانا ہوگا اگر ولی ایک ہو۔

(ہنسنے) کو اجازت قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ رضامندی پر دلالت کرتا ہے۔ جب یہ رضا پر دلالت نہ کرے تو یہ اذن نہیں ہو گا۔ ''بحر'' وغیرہ۔

11529۔ (قولہ: أَوْ بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ) یا آواز کے بغیر روئی فتوی کے لئے یہ ہی مختار ہے۔ کیونکہ اسے اپنے اہل سے جدائی پر حزن ہوتا ہے۔ ''بحر'' اور یہ اسی وقت ہوگا جب وہ نکاح کی اجازت دے، ''معراج''۔

11530۔ (قولہ: فَمَا فِي الْوِقَايَةِ وَالْمُلْتَقَى) دونوں کتابوں میں یہ ہے: بغیر آواز کے رونا اجازت ہے اور آواز کے ساتھ رونا رد ہے۔

11531۔ (قولہ: فِيهِ نَظَرٌ) کیونکہ یہ قول اس قول کے خلاف ہے جو ''معراج'' میں ہے۔ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ ''الوقایہ'' اور ''الملتقی'' میں جو ہے اسی کی مثل ''النقایہ'' اور ''الاصلاح'' میں ذکر کیا۔ اور متون، شروح پر مقدم ہوتے ہیں۔ ''قاضی خان'' کی ''شرح الجامع الصغیر'' میں ہے: اگر وہ رو دے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو دو روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک میں یہ رد ہوگا اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت میں ہوگا کہ یہ رضا ہوگی۔ انہوں نے کہا اگر رونا آواز اور ویل کے ساتھ ہو تو رضا نہیں ہوگی اگر رونا خاموشی کی صورت میں ہو تو یہ رضا ہوگی۔'' اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اصل اختلاف اس میں ہے کہ رونا کیا رد ہے یا نہیں؟ اور اس ''قاضی خان'' کا قول قالوا یہ دونوں روایتوں میں تطبیق ہے۔ لا یکون رضا کا معنی یہ ہوگا کہ یہ رد ہوگا جس طرح ''صاحب الوقایہ'' وغیرہ نے اسے سمجھا اور ''الذخیرہ'' میں بھی اس کی تصریح کی ہے جب دونوں روایتیں ذکر کرنے کے بعد کہا: ''ان میں سے بعض نے کہا: اگر رونا چیخنے اور آواز کے ساتھ ہو تو یہ رد ہوگا ورنہ یہ رضا ہوگا۔ یہی زیادہ مناسب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

آواز اور ویل کے ساتھ رونا رد اور رضا کے نہ ہونے پر کیسے قرینہ ہو سکتا ہے؟ ''فتح'' میں دونوں روایتوں کی حکایت کے بعد کہا: جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ بکا اور ضحک میں احوال کے قرائن کا اعتبار ہے۔ اگر ان میں تعارض ہو یا اشکال ہو تو احتیاط کی جائے۔ ''معراج'' میں جو ہے اس کے بارے میں تیرے لئے ظاہر ہو چکا ہے وہ ضعیف ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

11532۔ (قولہ: فَهُوَ إِذْنٌ) اگرچہ عورت کو علم نہ ہو کہ یہ اجازت ہے جس طرح ''فتح'' میں ہے۔

11533۔ (قولہ: أَيْ تَوْكِيلٌ فِي الْأَوَّلِ) یعنی جب اس نے عورت سے عقد سے پہلے اجازت لی یہاں تک کہ اگر

فَلَوْ تَعَدَّدَ المزوج لَمْ يَكُنْ سُكُوتُهَا إِذْنًا، وَإِجَازَةٌ فِي الثَّانِي إِنْ بَقِيَ النِّكَاحُ لَا لَوْ بَطَلَ بِمَوْتِهِ وَلَوْ قَالَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ زَوَّجَنِي أَبِي بِأَمْرِي وَأَنْكَرَتْ الْوَرَثَةُ فَالْقَوْلُ لَهَا فَتَرِثُ وَتَعْتَدُّ، وَلَوْ قَالَتْ بِغَيْرِ أَمْرِي لَكِنَّهُ بَلَغَنِي فَرَضِيت

اگر نکاح کرنے والے ولی متعدد ہوں تو عورت کی خاموشی اذن نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اجازت ہوگی اگر نکاح باقی ہو۔ اجازت نہ ہوگی اگر خاوند کے مرجانے سے نکاح باطل ہوگیا۔ اگر عورت نے خاوند کے مرجانے کے بعد کہا: میرے باپ نے میرے امر سے میری شادی کردی تھی اور مرد کے ورثاء اس کا انکار کرتے ہیں تو قول عورت کا معتبر ہوگا وہ عورت اس خاوند کی وارث ہوگی اور عدت گزارے گی۔ اگر عورت نے کہا میرے باپ نے میرے امر کے بغیر نکاح کیا تھا لیکن مجھے اس کی خبر پہنچی تو میں راضی ہوگئی

اس نے بعد میں کہا: میں راضی نہیں ہوں اور ولی کو اس کا علم نہ ہوا تو ولی نے اس کا نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ کیونکہ وکیل معزول نہیں ہوتا یہاں تک کہ اسے معزولی کا علم ہوجائے ''بحر''۔

اگر نکاح کرنے والے ولی متعدد ہوں تو عورت کی خاموشی اذن نہ ہوگا

11534۔(قولہ: فَلَوْ تَعَدَّدَ المزوج الخ) اگر نکاح کرنے والے ولی متعدد ہوں۔ ''بحر'' کی عبارت یہ ہے: اگر دو ہم مرتبہ ولی اس عورت کا نکاح کریں ان میں سے ہر ایک نے اس کی شادی الگ الگ مرد سے کی اس عورت نے دونوں کے نکاح کو جائز قرار دیا تو اولیت کے نہ ہونے کی وجہ سے دونوں نکاح باطل ہوجائیں گے۔ اگر وہ عورت خاموش رہی تو دونوں موقوف رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے نکاح کو قول یا فعل سے جائز قرار دے دے۔ یہی جواب کا ظاہر ہے جس طرح ''بدائع'' میں ہے۔

اس میں کوئی خفا نہیں یہ گفتگو اجازت میں تھی اور اب توکیل میں ہوگی یعنی عقد سے قبل اذن میں ہوگی۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ حکم دونوں مواقع پر مختلف نہیں اگر اجازت کے بعد دونوں اولیا نے اکٹھے اس عورت کی شادی کی۔ اگر دونوں نے اس سے اجازت طلب کی اور وہ خاموش ہوگئی تو دونوں اولیا نے یکے بعد دیگرے دو مردوں سے شادی کی تو چاہئے کہ جس کے ساتھ اس کا پہلے عقد نکاح ہوا وہ نکاح صحیح ہوجائے کیونکہ مزاحم نہیں۔ اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

11535۔(قولہ: وَإِجَازَةٌ) اس کا عطف توکیل پر ہے اور قولہ: فی الثانی یعنی جب عقد کے بعد عورت سے اجازت طلب کی۔ یہی قول صحیح ہے۔ ایک روایت میں ہے: عقد کے بعد سکوت رضا نہیں جس طرح ''فتح'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہم نے اس اختلاف کو اس مسئلہ میں بیان کردیا تھا جب ولی اس عورت کا نکاح غیر کفو میں کردے تو اس عورت کو خبر پہنچے تو وہ خاموش رہے۔

11536۔(قولہ: لَا لَوْ بَطَلَ بِمَوْتِهِ) کیونکہ اجازت کی شرط عقد کا قائم رہنا ہے، ''بحر''۔

11537۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا) کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مکلف مسلمان عقد نہیں کرتا مگر ایسا عقد کرتا ہے جو صحیح اور نافذ ہو۔

فَالْقَوْلُ لَهُمْ وَقَوْلُهَا غَيْرُهُ أَوْلَى مِنْهُ رَدٌّ قَبْلَ الْعَقْدِ لَا بَعْدَهُ وَلَوْ زَوَّجَهَا لِنَفْسِهِ فَسُكُوتُهَا رَدٌّ بَعْدَ الْعَقْدِ لَا قَبْلَهُ، وَلَوْ اسْتَأْذَنَهَا فِي مُعَيَّنٍ فَرَدَّتْ ثُمَّ زَوَّجَهَا مِنْهُ

تو قول مرد کے ورثاء کا قبول ہوگا۔ اور عورت کا قول: ''اس مرد کا غیر اس سے بہتر ہے'' یہ عقد سے پہلے رد ہوگا اس کے بعد رد نہیں ہوگا۔ اگر اس مرد ولی نے اس عورت کا نکاح اپنی ذات سے کیا تو عقد کے بعد اس کا سکوت رد ہوگا اس سے پہلے رد نہیں ہوگا۔ اگر ولی نے اس عورت سے معین فرد کے بارے میں اجازت مانگی تو اس نے اجازت نہ دی۔ پھر ولی نے اس عورت کا نکاح اسی مرد سے کر دیا

11538۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُمْ) قول مرد کے ورثا کا ہوگا۔ کیونکہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ عقد نامکمل واقع ہوا پھر اس نے اس کے بعد نفاذ کا دعویٰ کیا۔ تو تہمت کے محل کی وجہ سے اس قول کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''بحر''۔ اس وقت وہ عورت وارث نہیں ہوگی۔ کیا وہ عورت عدت گزارے گی؟ اگر وہ نفس الامر میں سچی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ دیانۃً اس پر عدت واجب ہوگی ورنہ اس پر عدت واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس نے ارادہ کیا کہ وہ شادی کرے تو اس کے قول کی وجہ سے مواخذہ کے طور پر اسے روک لیا جائے گا۔ اگر اس نے شادی کر لی تو ''ذخیرہ'' میں ہے: اگر عورت نے شادی کی پھر عدت کا دعویٰ کیا اور خاوند نے کہا: میں نے عدت کے بعد تجھ سے شادی کی تو قول مرد کا قبول ہوگا کیونکہ وہ نکاح کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ شاید یہاں اسی طرح قول کیا جائے گا کیونکہ اس کا پہلا اقرار ہر اعتبار سے ثابت نہیں۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

11539۔(قولہ: وَقَوْلُهَا غَيْرُهُ) اس سے مراد اس خاوند کے علاوہ۔

11540۔(قولہ: رَدٌّ قَبْلَ الْعَقْدِ لَا بَعْدَهُ) علما نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ یہ اجازت اور عدم اجازت کا احتمال رکھتا ہے۔ نکاح سے پہلے نکاح نہیں تو یہ شک کے ساتھ جائز نہیں ہوگا۔ نکاح کے بعد نکاح ہے تو یہ شک کے ساتھ باطل نہیں ہو گا۔ ''ظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔ یہ مشکل ہے۔ کیونکہ یہ نکاح نہیں ہوتا مگر صحت کے بعد ہی اور صحت اجازت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اجازت نہیں ''بحر''۔ اصل اشکال صاحب ''الفتح'' کا ہے۔ ''مقدسی'' نے ان کی طرف سے جواب دیا ہے کہ عقد جب واقع ہو گیا پھر اس کے بعد ایسی چیز وارد ہوئی جو اس امر کا احتمال رکھتی ہے کہ یہ نکاح کو پختہ کرتی ہے اور اس کا بھی احتمال رکھتی ہے کہ یہ نکاح کا رد ہو تو نکاح کے وقوع کے ساتھ نکاح کے ثبوت کا احتمال راجح ہو گیا جب نکاح کے وقوع سے پہلے ایسی چیز وارد ہوئی جو اجازت اور عدم اجازت کا احتمال رکھتی ہے تو نکاح کے عدم وقوع کی وجہ سے رد راجح ہو گیا کیونکہ اجازت متحقق نہیں ہوئی اس لئے یہ نکاح کے واقع کرنے سے مانع ہے۔

11541۔(قولہ: وَلَوْ زَوَّجَهَا لِنَفْسِهِ الخ) مصنف کے قول زوجہا سے احتراز ہے یعنی اگر ولی نے اس عورت سے خود شادی کی جس طرح چچازاد بھائی ہو جب اس نے چچازاد بہن کے ساتھ شادی کی جو باکرہ بالغہ تھی جبکہ اس نے اجازت نہ لی تھی اس کو خبر پہنچی تو وہ خاموش ہو گئی تو اس کی خاموشی رضا نہ ہوگی کیونکہ چچازاد بھائی اپنی ذات میں اصیل اور عورت کی

فَسَكَتَتْ صَحَّ فِي الْأَصَحِّ بِخِلَافِ مَا لَوْ بَلَغَهَا فَرَدَّتْ ثُمَّ قَالَتْ رَضِيتُ لَمْ يَجُزْ لِبُطْلَانِهِ بِالرَّدِّ، وَلِذَا اسْتَحْسَنُوا التَّجْدِيدَ عِنْدَ الزِّفَافِ لِأَنَّ الْغَالِبَ إِظْهَارُ النُّفْرَةِ عِنْدَ فَجْأَةِ السَّمَاعِ وَلَوِ اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ فَوَكَّلَ مَنْ يُزَوِّجُهَا مِمَّنْ سَمَّاهُ جَازَ

اور وہ عورت خاموش رہی تو صحیح ترین قول کے مطابق اس کا عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی کہ اگر اس عورت کو خبر پہنچی تو اس عورت نے اسے رد کر دیا پھر اس کے بعد کہا: میں راضی ہوں تو عقد نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ رد کرنے کے ساتھ نکاح باطل ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے علما نے شب زفاف کے وقت تجدید نکاح کو مستحسن جانا ہے کیونکہ اچانک نکاح کی خبر سنی جائے تو عموماً نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر اس عورت سے اجازت طلب کی تو عورت خاموش رہی تو ولی نے ایک آدمی کو وکیل بنایا جو اس عورت کا نکاح کر دے اس سے جس کا اس نے نام لیا ہے تو یہ عقد نکاح جائز ہوگا

جانب سے فضولی تھا۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عقد مکمل نہ ہوگا تو یہ رضا نہ ہوگی۔ اگر چچازاد بھائی چچازاد بہن سے اپنے ساتھ نکاح کرنے کا مشورہ کرے تو وہ خاموش رہی تو بالا جماع عقد نکاح جائز ہوگا۔ ''بحر'' میں ''خانیہ'' سے منقول ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فضولی اگرچہ ایک جانب سے ہو جب وہ عقد کی دونوں طرفوں کا والی ہو تو اس کا عقد ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اجازت پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ نکاح باطل ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر فضولی نے عقد کیا کسی اور کے ساتھ خواہ وہ اصیل ہو، وصی ہو، وکیل ہو یا دوسرا فضولی ہو تو یہ عقد نکاح بالاتفاق موقوف ہوگا جس طرح کفاءت کے باب کے آخر میں (مقولہ 11852 میں) آئے گا۔

11542۔ (قولہ: فَسَكَتَتْ) وہ خاموش ہو گئی مگر اس نے کہا جب اسے خبر پہنچی میں نے کہا تھا: میں فلاں کا ارادہ نہیں کرتی۔ اور اس نے اس سے زائد کچھ نہ کہا تو نکاح جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے پہلے انکار پر ہے، ''ذخیرہ''۔

11543۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ بَلَغَهَا الخ) کیونکہ شادی کا نفاذ اجازت پر موقوف ہوتا ہے جبکہ نکاح رد کے ساتھ باطل ہو چکا ہے۔ پہلے میں رد یہ اجازت طلب کرنے کے متعلق تھا نہ کہ یہ اس تزویج کے بارے میں تھا جو اس کے بعد عارض آتا ہے۔ لیکن ''فتح'' میں کہا: زیادہ مناسب عدم صحت ہے۔ کیونکہ یہ صریح رد اس امر کو کمزور کر دیتا ہے کہ وہ خاموشی رضامندی کی دلالت ہو۔ ''بحر'' میں اس کو واضح کیا ہے۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس عورت نے اس کے بعد اس کے حسن حال کو جانا۔ اور بعض اوقات اس کا پہلا رد حیا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ تجھے علم ہے کہ عموماً جب اچانک نکاح کے بارے میں سنا جائے تو نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر وہ پہلے امتناع پر رہے تو وہ صراحۃً رد کر دے گی جس طرح اس سے پہلی دفعہ رد کیا تھا اور اس سے کچھ حیا نہ کیا تھا۔

إِنْ عُرِفَ الزَّوْجُ وَالْمَهْرُ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَاسْتَشْكَلَهُ فِي الْبَحْرِ بِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَكِيلِ أَنْ يُوَكِّلَ بِلَا إِذْنٍ، فَمُقْتَضَاهُ عَدَمُ الْجَوَازِ أَوْ أَنَّهَا مُسْتَثْنَاةٌ (إِنْ عَلِمَتْ بِالزَّوْجِ) أَنَّهُ مَنْ هُوَ لِتَظْهَرَ الرَّغْبَةَ فِيهِ أَوْ عَنْهُ، وَلَوْ فِي ضِمْنِ الْعَامِّ كَجِيرَانِي أَوْ بَنِي عَمِّي لَوْ يُحْصَوْنَ

اگر خاوند اور مہر معلوم ہو گیا جس طرح ''قنیہ'' میں ہے۔ اور ''بحر'' میں اسے مشکل جانا ہے ''کہ وکیل کو حق نہیں کہ وہ اجازت کے بغیر کسی کو وکیل بنائے'' تو اس کا مقتضا نکاح کا جائز نہ ہونا ہے یا یہ مسئلہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ اگر عورت کو علم ہو جائے کہ وہ کون ہے؟ تا کہ اس مرد میں اس کی رغبت ظاہر ہو جائے یا اس سے اعراض ظاہر ہو جائے اگر چہ علم عموم کے حوالے سے ہو جس طرح کہے: میں اپنے پڑوسیوں یا چچا کے بیٹوں سے تیری شادی کرتا ہوں اگر وہ حد و شمار میں ہوں

11544۔ (قولہ: إِنْ عُرِفَ) فعل مجہول ہے۔ نائب فاعل مرأۃ کی ضمیر ہے۔ ''بحر'' میں عبارت: ان عرفت ہے۔

11545۔ (قولہ: وَالْمَهْرُ) مناسب یہی ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہو جس طرح متن کے آنے والے مسئلہ میں ہے، ''ح''۔

11546۔ (قولہ: وَاسْتَشْكَلَهُ فِي الْبَحْرِ الخ) ہم نے نکاح کے باب کے شروع میں جو بیان کیا وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ قول زوجنی توکیل ہے یا ایجاب ہے۔ یہ ''خلاصہ'' سے مروی ہے۔ اگر وکیل نے کہا: اپنی بیٹی فلاں کے لئے ہبہ کر دو اس نے کہا: میں نے ہبہ کر دی تو عقد نکاح منعقد نہیں ہوگا جب تک اس کے بعد وکیل نہ کہے: میں نے اسے قبول کیا۔ کیونکہ وکیل کسی اور کو وکیل بنانے کا مالک نہیں ہوتا۔

یہ امر اس پر دال ہے کہ جسے نکاح میں وکیل بنایا جائے اسے آگے وکیل بنانے کی اجازت نہیں۔ یہ ان مسائل میں سے نہیں جن کو انہوں نے اس قاعدہ سے مستثنیٰ کیا ہے۔ ''رحمتی'' نے وہاں کہا: ''اشباہ'' پر ''حموی'' کے حاشیہ میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جو ''اصل'' میں ہے: نکاح کے وکیل کی موجودگی میں وکیل کے وکیل کا عقد نکاح کرنا بذات خود عقد نکاح کرنے کی طرح نہیں ہوتا بیع میں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ''مختصر عصام'' میں ہے کہ عقد نکاح کو بیع کی طرح بنایا ہے۔ وکیل کی موجودگی میں عقد نکاح کرنا وکیل کے عقد نکاح کرنے کی طرح ہے۔

ممکن ہے کہ ''القنیہ'' میں جو کچھ ہے وہ ''عصام'' کی روایت پر تفریع ہے لیکن ''الاصل'' (جو ''مبسوط'' ہے) ظاہر روایہ کی کتب میں سے ہے ظاہر جواز کا نہ ہونا ہے اسے خوب سمجھ لو۔

11547۔ (قولہ: وَلَوْ فِي ضِمْنِ الْعَامِّ) اسی طرح اگر اس نے عورت کے سامنے نام لئے فلاں، فلاں عورت خاموش ہو گئی تو ولی کو حق حاصل ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے اس کی شادی کر دے، ''بحر''۔

11548۔ (قولہ: لَوْ يُحْصَوْنَ) ''فتح'' کی عبارت ہے: وہ اس عورت کے لئے محدود اور معروف ہوں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر وہ ان کو نہ پہچانتی ہو تو یہ عقد نکاح صحیح نہ ہوا گر چہ وہ محدود و محصور ہوں۔

وَإِلَّا لَا مَا لَمْ تُفَوِّضْ لَهُ الْأَمْرَ (لَا الْعِلْمِ (بِالْمَهْرِ) وَقِيلَ يُشْتَرَطُ، وَهُوَ قَوْلُ الْمُتَأَخِّرِينَ بَحْرٌ عَنِ الذَّخِيرَةِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ،

ورنہ نہیں۔ جب تک وہ عورت نکاح کا معاملہ اس کے سپرد نہ کردے مہر کا علم ہونا ضروری نہیں۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: مہر سے آگاہی شرط ہے۔ یہ متاخرین کا قول ہے۔ ''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔ مصنف نے اسی کو ثابت رکھا ہے

11549۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) جس طرح اس کا یہ قول ہے: میں تیری شادی ایک مرد سے یا بنی تمیم میں سے ایک فرد سے کرتا ہوں ''بحر''۔

11550۔ (قولہ: مَا لَمْ تُفَوِّضْ لَهُ الْأَمْرَ) جب تک وہ نکاح کا معاملہ اس کے سپرد نہ کرے مگر جب عورت نے کہا: میں اس پر راضی ہوں جو تو کرے جبکہ عورت نے یہ قول ولی کے اس قول ''کچھ لوگ تجھے دعوت نکاح دے رہے ہیں'' کے بعد کہا یا عورت نے کہا: میری شادی اس مرد سے کردے جس سے شادی کرنا تو پسند کرتا ہے یا اسی طرح کا قول کرے یہ صحیح اذن ہے جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ اس گفتگو کے ساتھ ولی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی شادی اس مرد سے کرے جس کے ساتھ نکاح کو عورت پہلے رد کر چکی ہے۔ کیونکہ اس عموم سے مراد اس مرد کے علاوہ لوگ ہیں جس طرح مرد کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے وکیل بنائے تو وکیل کے لئے یہ اجازت نہیں کہ وہ اس مرد کا عقد نکاح اس کی مطلقہ عورت سے کردے جب مرد نے اس عورت کی شکایت وکیل سے کی ہو۔ اور وکیل کو اپنی طلاق کا بتایا ہو۔ جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے، ''بحر''۔

11551۔ (قولہ: لَا الْعِلْمُ بِالْمَهْرِ) شارح نے العلم کا لفظ مقدر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف نے المهر کو الزوج پر معطوف کر کے معنی کی رعایت کی اصل ترکیب یہ ہے: بشرط العلم بالزوج لا المهر، ''ح''۔

11552۔ (قولہ: وَقِيلَ يُشْتَرَطُ) اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا اگرچہ ''فتح'' میں کہا: یہ سب سے مناسب ہے کیونکہ صاحب ''ہدایہ'' نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ ''بحر'' میں کہا: یہی مذہب ہے۔ کیونکہ ''ذخیرہ'' کا قول ہے: بے شک امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے اشارات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: مہر کے ذکر کرنے کی شرط کے قول کی بنا پر یہ شرط ہے کہ وہ مہر مثل ہو اس کے بغیر سکوت رضا نہ ہوگی۔ جس طرح ''بحر'' میں ''زیلعی'' سے مروی ہے۔ شرط نہ ہونے کے قول پر گفتگو باقی ہے کیا یہ شرط ہے کہ وہ عورت کا عقد نکاح مہر مثل پر کرے یہاں تک کہ اگر وہ مہر مثل میں کمی کرے تو عقد اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک وہ راضی نہ ہو جائے۔ تو یہ ایسا واقعہ ہو جائے گا جس میں فتویٰ کی ضرورت ہے۔ میں نے ''بزازیہ'' کے ''الحادی عشر'' میں دیکھا: ''اگر مہر ذکر نہ کیا گیا اور وکیل نے مہر مثل سے زائد پر عقد نکاح کر دیا جس میں لوگ غبن نہیں کرتے یا مہر مثل سے کم پر عقد نکاح کر دیا جس میں لوگ غبن نہیں کرتے تو یہ امام اعظم کے نزدیک عقد نکاح صحیح ہو جائے گا جبکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن عورت کی جانب سے اولیا کو اعتراض کا حق ہوگا تاکہ وہ اپنے آپ سے عار کو دور کر دیں۔ یعنی وہ عورت جب راضی ہو جائے۔

اس کا مقتضا یہ ہے: جب وکیل ہی ولی ہو جس طرح ہمارے واقعہ میں ہے اور عورت راضی ہو جائے تو عقد نکاح صحیح ہو

وَمَا صَحَّحَهُ فِي الدُّرَرِ عَنْ الْكَافِي رَدَّهُ الْكَمَالُ (وَكَذَا إذَا زَوَّجَهَا الْوَلِيُّ عِنْدَهَا) أَيْ بِحَضْرَتِهَا (فَسَكَتَتْ) صَحَّ (فِي الْأَصَحِّ) إنْ عَلِمَتْهُ كَمَا مَرَّ وَالسُّكُوتُ كَالنُّطْقِ فِي سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً مَذْكُورَةً فِي الْأَشْبَاهِ (فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا غَيْرُ الْأَقْرَبِ) كَأَجْنَبِيٍّ أَوْ وَلِيٍّ بَعِيدٍ

اور ''درر'' میں ''کافی'' سے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ ''کمال'' نے اسے رد کیا۔ اسی طرح جب ولی نے عورت کی موجودگی میں اس کا نکاح کیا اور وہ عورت خاموش رہی تو صحیح ترین قول کے مطابق عقد نکاح صحیح ہو جائے گا اگر وہ خاوند کو جانتی ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ سینتیس مسئلوں میں سکوت نطق کی طرح ہے جو مسئلے ''الاشباہ'' میں مذکور ہیں۔ اگر سب سے قریبی ولی کی بجائے کسی اور نے اس سے اجازت طلب کی جس طرح اجنبی یا بعید ولی

جائے گا ورنہ نہیں۔ اس میں غور وفکر کرو۔

11553۔(قولہ: وَمَا صَحَّحَهُ فِي الدُّرَرِ) یعنی جو تفصیل بیان کی ہے وہ یہ ہے: اگر ولی باپ یا والد ہو تو خاوند کا ذکر کافی ہوگا۔ کیونکہ باپ نے اگر مہر مثل سے کم مہر مقرر کیا ہوگا تو ضرور بہ ضرور کوئی مصلحت ہوگی جو مہر سے بڑھ کر ہوگی۔ اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی ولی ہو تو خاوند اور مہر کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔

11554۔(قولہ: عَنْ الْكَافِي) اس حال میں کہ اس کی تصحیح کافی سے نقل کی اسے خوب سمجھ لیں۔

11555۔(قولہ: رَدَّهُ الْكَمَالُ) ''کمال'' نے اس قول کے ساتھ رد کیا۔ جو تفصیل ذکر کی گئی ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہ صغیرہ کے نکاح میں جبر کے حکم کے ساتھ ہے۔ اور گفتگو بڑی بچی میں ہو رہی ہے جس کے ساتھ ولی کی مشاورت واجب ہے۔ اس میں باپ اجنبی کی طرح ہے۔

11556۔(قولہ: إنْ عَلِمَتْهُ) یعنی اگر عورت خاوند کو جان لے جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وہی قول ہے جو ابھی (مقولہ 11552 میں) گزرا ہے جس طرح ''بحر'' میں اس پر متنبہ کیا۔

11557۔(قولہ: فِي سَبْعٍ وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً مَذْكُورَةً فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی قاعدہ میں: قول خاموش کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ ''محشی'' نے اس کی عبارت مکمل ذکر کی ہے۔ ''ط'' نے ''حموی'' سے اس پر اور مسائل کا اضافہ کیا جن کو شارح ''الفوائد'' میں (مقولہ 22012 میں) ذکر کریں گے جن فوائد کو کتاب الوقف اور کتاب البیوع کے درمیان ذکر کیا۔ ان پر مکمل کلام (مقولہ 22012 میں) وہاں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

11558۔(قولہ: كَأَجْنَبِيٍّ) اس سے مراد ہے جسے ولایت حاصل نہ ہو۔ یہ باپ کو بھی شامل ہے جو کافر ہو یا غلام ہو یا مکاتب ہو ان کو بھی شامل ہے۔ لیکن ولی کا قاصد ولی کے قائم مقام ہے تو جب ولی اس سے اجازت طلب کرے تو اس عورت کی خاموشی رضا ہو جائے گی جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ وکیل اس طرح ہے جس طرح ''بحر'' میں ''قنیہ'' سے ہے۔

11559۔(قولہ: أَوْ وَلِيٍّ بَعِيدٍ) جس طرح باپ کے ساتھ بھائی۔ جب باپ غیبت منقطعہ پر نہ ہو جس طرح

(فَلَا) عِبْرَةَ لِسُكُوتِهَا (بَلْ لَا بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ كَالثَّيِّبِ) الْبَالِغَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا إِلَّا فِي السُّكُوتِ لِأَنَّ رِضَاهُمَا يَكُونُ بِالدَّلَالَةِ كَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (أَوْ مَا هُوَ فِي مَعْنَاهُ) مِنْ فِعْلٍ يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا (كَطَلَبِ مَهْرِهَا) وَنَفَقَتِهَا (وَتَمْكِينِهَا مِنَ الْوَطْءِ)

تو اس کے سکوت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ ثیبہ بالغہ کا قول ضروری ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں مگر سکوت میں۔ کیونکہ دونوں کی رضا دلالت کے ساتھ ہوتی ہے جس طرح اس قول کے ساتھ اس کا ذکر کیا یا جو فعل اس کے معنی میں ہو جو رضا پر دلالت کرے جس طرح عورت کا مہر اور اس کا نفقہ طلب کرنا اور اسے وطی کا موقع دینا۔

''خانیہ'' میں ہے۔

11560۔(قولہ: فَلَا عِبْرَةَ لِسُكُوتِهَا) ''کرخی'' سے یہ مروی ہے: اس کا سکوت کافی ہے،''فتح''۔

11561۔(قولہ: كَالثَّيِّبِ الْبَالِغَةِ) جس طرح ثیبہ بالغہ۔ جہاں تک چھوٹی ثیبہ کا تعلق ہے اس کے حق میں کوئی اجازت طلب کرنا نہیں جس طرح باکرہ صغیرہ ہوتی ہے،''فتح''۔

باکرہ بالغہ کی خاموشی ولی اقرب کے حق میں اجازت ہوگی اور ثیبہ کے حق میں نہیں

11562۔(قولہ: إِلَّا فِي السُّكُوتِ) باکرہ بالغہ کی خاموشی ولی اقرب کے حق میں اجازت ہوگی۔ اور ثیبہ بالغہ کے حق میں خاموشی مطلقاً اجازت نہ ہوگی۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ مصنف کا قول کالثیب یہ اس باکرہ کے ساتھ ثیبہ ہے جس سے ولی اقرب کے علاوہ کوئی اور اجازت لے اس صورت میں باکرہ بالغہ اور ثیبہ بالغہ کے سکوت میں کوئی فرق نہیں۔

11563۔(قولہ: لِأَنَّ رِضَاهُمَا يَكُونُ بِالدَّلَالَةِ الخ) اس عبارت میں شارح نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''زیلعی'' نے ''کنز'' وغیرہ پر اعتراض کیا ہے: کہ ان دونوں کی رضا صرف قول پر محصور نہیں۔ کیونکہ دونوں میں اجازت لینے اور رضا کی شرط میں کوئی فرق نہیں۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ دونوں کی رضا بعض اوقات صریح ہوتی ہے اور بعض اوقات دلالۃً ہوتی ہے۔ مگر باکرہ کی خاموشی دلالۃً رضا ہوتی ہے کیونکہ وہ حیا کرتی ہے۔ مگر ثیبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ثیبہ کا حیا تجربہ کی وجہ سے کم ہوتا ہے۔ مصنف نے یہ الفاظ او ما ھو فی معناہ کے قول کے اضافہ کے ساتھ اس بحث سے اعراض کیا ہے۔ لیکن ''فتح'' میں جواب دیا ہے: ''حق یہ ہے کہ یہ سب قول کے قبیل سے ہے مگر خاوند کو اپنی ذات پر قدرت دینا تھا۔ یہ (حقوق زوجیت کا موقع دینا) دلالۃً ثابت ہے۔ کیونکہ یہ قول سے فائق ہے۔ یعنی جب رضا قول سے ثابت ہو جاتی ہے تو حقوق زوجیت کی قدرت دینے سے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ کیونکہ یہ رضا پر زیادہ دال ہے۔ ''بحر'' میں یہ اعتراض کیا ہے: کہ مبارک باد کو قبول کرنا قول نہیں بلکہ سکوت ہے۔ ''نہر'' میں یہ اضافہ کیا: اسی وجہ سے انہوں نے اسے سکوت کے مسائل میں شمار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض ہے۔ کیونکہ ''فتح'' کے کلام کا مقتضا یہ ہے کہ مبارک باد کے قبول کرنے سے مراد وہ ہے جو زبان سے قول ہو محض خاموشی نہ ہو۔ کیونکہ اس سے مراد تمام کو قول کے تحت داخل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حقوق زوجیت کی

وَ دُخُولِهِ بِهَا بِرِضَاهَا ظَهِيرِيَّةٌ (وَقَبُولِ التَّهْنِئَةِ) وَالضَّحِكِ سُرُورًا
اور مرد کا عورت کی رضا مندی سے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا ''ظہیریہ''۔ اور مبارک باد کو قبول کرنا اور خوشی سے ہنسنا

قدرت کے بغیر کسی کی استثنا نہیں کی۔ اس کا قول من قبیل القول اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد رضا کے متعلق قول صریح کے قبیل سے ہے۔ اسی کی مثل اس کا قول ہے رضیت وغیرہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے کہا: یا تو وہ قول ہوگا جیسے نعم، رضیت بارك الله لنا، احسنت، یا دلالت کے ساتھ ہوگا جس طرح مہر اور نفقہ طلب کرنا۔

پھر کہا: حق یہ ہے کہ یہ سب قول کے قبیل سے ہے۔ یعنی اس قول کے قبیل سے جس کا ذکر کیا۔ جہاں تک ''نہر'' میں اس کا قول ہے: ولهذا الخ اس میں ہے سکوت کے مسائل میں مذکور ان کا یہ قول ہے: جب باپ خاموش ہوگیا اور مبارک بادی کی مدت میں اس نے بچے کی نفی نہ کی تو اس کا نسب اس پر لازم ہو جائے گا۔ اس کا معنی ہے: وہ بچے کے نسب کی نفی سے خاموش رہا نہ کہ مبارک باد کا جواب دینے سے خاموش رہا۔ جہاں تک ''بحر'' کے اعتراض کے جواب کا تعلق ہے کہ ''فتح'' کا قول: یہ قول کے قبیل سے ہے نہ کہ حقیقۃً قول ہے بلکہ اسے قول کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ پس سکوت مبارک باد کے موقع پر نہیں ہو سکتا۔ اس میں یہ بھی ہے اگر اس کی مراد یہ ہو تو حقوق زوجیت پر قدرت دینے کی استثنا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور ''زیلعی'' نے جو سوال اٹھایا اس کا کوئی رد نہ ہوتا۔ کیونکہ ''زیلعی'' کہتے ہیں: کیونکہ دلالت الزام میں قول کے قائم مقام ہے اسے خوب سمجھ لیں۔

ہاں ''زیلعی'' نے جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مہر وغیرہ کے طلب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قول کے ساتھ ہو۔ اسی وجہ سے شارح نے اپنے اس قول: من فعل يدل على الرضا سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا رضا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ اسے ولی کے حق میں دلالۃً رضا بنایا ہے۔ اسی کے ساتھ ''خانیہ'' میں اس قول کے ساتھ تصریح کی ہے: ولی نے جب ثیبہ کا عقد نکاح کیا تو وہ عورت اپنے دل سے راضی ہوگئی اور اپنی زبان سے رضا کو ظاہر نہ کیا تو عورت کو حق حاصل ہے کہ عقد نکاح کو رد کر دے۔ کیونکہ ثیبہ میں معتبر زبان سے رضا مندی ہے یا معتبر ایسا فعل ہے جو رضا پر دلالت کرے جس طرح وطی پر قدرت دینا، مہر طلب کرنا اور مہر قبول کرنا نہ کہ ہدیہ کا قبول کرنا۔ لڑکے کے حق میں بھی یہی ہے۔

11564۔ (قولہ: وَدُخُولِهِ بِهَا الخ) یہ مکرر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں تحریف ہے۔ اصل کلام یہ ہے: دخلوته بها۔ کیونکہ ''ظہیریہ'' سے ''بحر'' میں ہے: اگر مرد نے بیوی کی رضا مندی سے اس کے ساتھ خلوت کی۔ کیا یہ اجازت ہوگی؟ اس مسئلہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں۔ میرے نزدیک یہ اجازت ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ اجازت ہے۔

11565۔ (قولہ: وَالضَّحِكِ سُرُورًا) یہ قول استہزا کے ساتھ ہنسنے سے احتراز ہے۔ ''بحر'' میں کہا: جہاں تک ضحک کا تعلق ہے ''فتح القدیر'' میں پہلے ذکر کیا کہ یہ سکوت کی طرح ہے یہ کافی نہیں۔ اور یہاں تسلیم کیا کہ یہ کافی ہے۔ اور اسے قول کے قبیل سے بنایا ہے کیونکہ یہ حروف ہے۔

میں کہتا ہوں: جو یہاں ہے یہ اس کے موافق ہے جس کی ''زیلعی'' وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

وَنَحْوِ ذَلِكَ بِخِلَافِ خِدْمَتِهِ أَوْ قَبُولِ هَدِيَّتِهِ (مَنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ) أَيْ نَطَّةٍ (أَوْ دُرُورٍ (حَيْضٍ أَوْ حُصُولِ (جِرَاحَةٍ أَوْ تَعْنِيسٍ) أَيْ كِبَرٍ (بِكْرٌ حَقِيقَةً) كَتَفْرِيقٍ بِجَبٍّ، أَوْ عُنَّةٍ

وغیرہ، اس کی خدمت کرنا اور اس کا ہدیہ قبول کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ جس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا چھلانگ لگانے سے یعنی بلندی سے پستی کی طرف یا زیادہ حیض آنے کی صورت میں یا زخم لگنے کی وجہ سے یا زیادہ عرصہ نکاح کے بغیر رہنے کی وجہ سے یعنی بڑھاپے کی وجہ سے تو وہ حقیقت میں باکرہ ہے جس طرح آلہ تناسل کے کٹے ہونے کے باعث یا عنین ہونے کے باعث میاں بیوی میں جدائی واقع ہو۔

11566۔(قولہ: وَنَحْوِ ذَلِكَ) جس طرح مہر قبول کرنا جس طرح ''خانیہ'' سے قول (مقولہ 11563 میں) گزر چکا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی مثل نفقہ کو قبول کرنا ہے۔

11567۔(قولہ: بِخِلَافِ خِدْمَتِهِ) اگر وہ عورت پہلے بھی اس کی خدمت کرتی ہو۔ ''بحر'' میں ''محیط'' اور ''ظہیریہ'' سے ہے: اگر عورت نے مرد کا کھانا کھایا یا عورت نے مرد کی خدمت کی جس طرح پہلے خدمت کرتی تھی تو یہ دلالۃً رضا نہ ہوگی۔

11568۔(قولہ: أَيْ نَطَّةٍ) یہ اوپر سے نیچے کی طرف چھلانگ لگانا ہوتا ہے۔ اور طَفْرَۃ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

11569۔(قولہ: أَيْ كِبَرٍ) یعنی شادی کے بغیر۔ ''نہر'' میں ''صحاح'' سے مروی ہے: یوں کہا جاتا ہے عنست الجارية تعنس، عنوسا وعناسا فهي عانس جب بالغ ہونے کے بعد عورت طویل وقت تک اپنے گھر والوں کے ہاں ہی رہے یہاں تک کہ وہ باکرہ عورتوں کے شمار سے خارج ہو جائے۔

11570۔(قولہ: بِكْرٌ حَقِيقَةً) یہ من کی خبر ہے۔ ''ظہیریہ'' میں ہے: بکر اس عورت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح یا کسی اور صورت میں جماع نہ کیا جائے کیونکہ اس تک رسائی حاصل کرنے والا پہلا رسائی حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی سے باکورہ ہے یہ پہلا پھل ہوتا ہے۔ بکرہ سے مراد دن کا پہلا پہر ہے۔

ان کی کلام کا ماحصل یہ ہے ان مسائل میں زائل ہونے والی چیز عُذْرَہ ہے بکارہ نہیں۔ عذرہ اس جلد کو کہتے ہیں جو اس محل پر ہوتی ہے۔ پس ایسی عورت حقیقۃً اور حکماً باکرہ ہوگی۔ اسی وجہ سے اگر کسی نے بنی فلاں کی باکرہ عورتوں کے لئے وصیت کی تو ایسی عورت وصیت میں داخل ہوگی۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ لونڈی کو اگر خریدا جائے کہ وہ باکرہ ہے تو اس کا پردہ بکارت ان وجوہات میں سے کسی وجہ سے زائل پایا گیا تو خریدار کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ عرف میں بکارت کی شرط پر وہ بکارت کا موجود ہونا ہے۔ اسے ''بحر'' میں بیان کیا ہے۔

11571۔(قولہ: كَتَفْرِيقٍ بِجَبٍّ) یعنی وہ عورت جس کو خاوند سے جدا کیا گیا ہو خاوند کے آلہ تناسل کے کٹا ہونے کی بنا پر۔ ''ط''۔ یہ اس کے حقیقۃً اور حکماً باکرہ ہونے کی نظیر بیان کرنا ہے یہ تمثیل نہیں۔ اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اس کا تو پردہ بکارت زائل نہیں ہوا تو اسے اس کے ساتھ کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کا پردہ بکارت زائل ہو چکا ہو؟ ''ح''۔

أَوْ طَلَاقٍ أَوْ مَوْتٍ بَعْدَ خَلْوَةٍ قَبْلَ وَطْءٍ (أَوْ زِنًا) وَهَذِهِ فَقَطْ (بِكْرٌ حُكْمًا) إنْ لَمْ يَتَكَرَّرْ وَلَمْ تُحَدَّ بِهِ وَإِلَّا فَثَيِّبٌ كَمَوْطُوءَةٍ بِشُبْهَةٍ أَوْ نِكَاحٍ فَاسِدٍ

یا ایسی طلاق یا موت کی صورت میں جو وطی سے پہلے خلوت کے بعد واقع ہو یا زنا کے ساتھ پردہ بکارت زائل ہو چکا ہو یہ صرف حکما باکرہ ہے۔ اگر اس نے یہ عمل بار بار نہ کیا اور اس پر حد جاری نہ کی گئی ورنہ وہ ثیبہ ہوگی جس طرح شبہ یا نکاح فاسد کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کی گئی ہو۔

11572۔(قولہ: أَوْ طَلَاقٍ) اس کا عطف تفریق پر ہے جب پر عطف نہیں، ''ح''۔

11573۔(قولہ: بَعْدَ خَلْوَةٍ) یہ تفریق، طلاق اور موت کی ظرف بن سکتی ہے۔ لیکن جب قول قبل الوطئ صرف آخری دو کی ظرف بن سکتی ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں وطی کا امکان نہیں۔ جہاں تک آلہ تناسل کے کٹے ہونے کی صورت ہے تو امر ظاہر ہے۔ جہاں تک عنین کا تعلق ہے تو کیونکہ وطی تفریق سے روکتی ہے تو زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ تعلق صرف آخری دو سے ہو۔ ان کے قول بعد خلوۃ سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر طلاق اور موت خلوت سے پہلے ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ حقیقۃً اور حکما باکرہ ہوگی۔ اور قبل وطئ کے قول سے مقید کیا کیونکہ وطی کے بعد تو وہ حقیقۃً اور حکماً ثیبہ ہوگی، ''ح''۔

11574۔(قولہ: وَهَذِهِ فَقَطْ بِكْرٌ حُكْمًا) حکمی سے مراد یہ لیا ہے کہ وہ حقیقی باکرہ نہیں۔ یہ تعبیر مقابلہ کی دلالت کی وجہ سے ہے جس طرح فوری طور پر ذہن میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے مصنف کی عبارت میں تبدیلی کی اور من کی خبر اور بکر کے مبتدا کو مقدر کیا۔ ورنہ مصنف کی عبارت اپنی جگہ صحیح ہے۔ کیونکہ حقیقی باکرہ بھی حکمی باکرہ ہوتی ہے۔ اور حکمی عام ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ غیر حقیقی ہوتی ہے۔ لیکن جب حکمی کا لفظ بولنے سے ذہن میں فوراً یہ آتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو حقیقی باکرہ نہ ہو تو مصنف کی عبارت میں تاویل کی۔ اور یہ قول بکر حکما فقط کا قول نہیں کیا اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اسے خوب سمجھ لیں۔

11575۔(قولہ: إنْ لَمْ يَتَكَرَّرْ وَلَمْ تُحَدَّ بِهِ) علما کے اس قول ''اگر عورت کا زنا مشہور نہ ہوا تو اس کا سکوت کافی ہے'' کا بھی یہی معنی ہے۔ کیونکہ لوگ اسے باکرہ پہچانتے ہیں۔ پس بولنے کی وجہ سے لوگ اس پر عیب لگائیں گے۔ پس اس عورت کا سکوت کافی ہوگا تا کہ اس پر اس کے مصالح معطل نہ ہوں۔ شارع علیہ السلام نے زنا کی پردہ پوشی کو مستحب قرار دیا ہے وہ عورت شرعی طور پر باکرہ ہوگی۔ جب اس کا زنا کا عمل مشہور ہو جائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

11576۔(قولہ: وَإِلَّا) یہ تینوں پر صادق آئے گا: جب وہ بار بار بدکاری کرے اور اس پر حد جاری نہ کی جائے، یا اس پر حد جاری کی جائے اور اس نے یہ عمل بار بار نہ کیا ہو، یا اس نے یہ عمل بار بار کیا ہو اس پر حد بھی جاری کی جائے، ''ح''۔

11577۔(قولہ: كَمَوْطُوءَةٍ بِشُبْهَةٍ) یعنی ایسی عورت حقیقۃً اور حکما ثیبہ ہوگی جس طرح وہ عورت ثیبہ ہوتی ہے جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو، ''ح''۔

11578۔(قولہ: أَوْ نِكَاحٍ فَاسِدٍ) اس کا عطف بشبهة پر ہے۔ یعنی ایسی عورت جس کے ساتھ نکاح فاسد کی وجہ

(قَالَ) الزَّوْجُ لِلْبِکْرِ الْبَالِغَةِ (بَلَغَكِ النِّکَاحُ فَسَکَتِّ وَقَالَتْ رَدَدْتُ) النِّکَاحَ (وَلَا بَیِّنَةَ لَهُمَا) عَلَی ذٰلِكَ (وَلَمْ یَکُنْ دَخَلَ بِهَا طَوْعًا) فِی الْأَصَحِّ (فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا)

خاوند نے باکرہ بالغہ سے کہا: تجھے نکاح کی خبر پہنچی اور تو نے خاموشی اختیار کی اور عورت نے کہا: نہیں بلکہ میں نے نکاح کو رد کر دیا تھا اور اس پر دونوں کے پاس گواہ نہیں۔ اور خاوند نے عورت سے اس کی رضامندی کے ساتھ حقوق زوجیت بھی ادا نہ کئے ہوں صحیح ترین قول کے مطابق تو قول عورت کا قبول کیا جائے گا۔

سے وطی کی ہوگئی ہو۔ اسے خوب سمجھ لو۔ مگر جب اس کے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو تو وہ حقیقۃً اور حکماً باکرہ ہوگی جس طرح نکاح صحیح میں ہوتا ہے،''ط''۔

11579۔(قولہ: وَقَالَتْ رَدَدْتُ) عورت نے کہا: میں نے تو رد کر دیا تھا اور اس سے کوئی ایسی چیز بھی نہ پائی گئی جو رضا پر دلالت کرے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے،''ط''۔

11580۔(قولہ: وَلَا بَیِّنَةَ لَهُمَا) اس کے ساتھ قید لگائی کیونکہ ان دونوں میں سے جس نے بھی گواہی قائم کر دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی وضاحت ولو برھنا میں آئے گی۔

11581۔(قولہ: وَلَمْ یَکُنْ دَخَلَ بِهَا طَوْعًا) مرد نے اس عورت سے حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں یا حقوق زوجیت جبر کے ساتھ ادا کئے ہوں۔ اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ جب اس نے عورت سے عورت کی رضامندی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں عورت کے اس دعویٰ کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے نکاح کو رد کر دیا تھا۔ یہی صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ خاوند کو حقوق زوجیت پر قدرت عطا کرنا یہ اقرار کی طرح ہے۔''ولوالجیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے:''اگر عورت نے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد رد پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ لیکن ''حاشیۃ الغزی علی الاشباہ'' میں ہے: اس امر کی تصحیح میں اختلاف ہے کہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد عورت کی گواہی قبول کی جائے گی کہ اس نے اجازت سے پہلے نکاح رد کر دیا تھا۔''بزازیہ'' میں ہے: کتب میں یہ مذکور ہے کہ گواہی قبول نہ کی جائے گی۔''الواقعات'' میں عدم قبول کی تصحیح کی ہے کیونکہ عورت کے دعویٰ میں تناقض ہے۔ صحیح گواہی کو قبول کرنا ہے۔ کیونکہ اگرچہ دعویٰ باطل ہے تو پھر بھی گواہی باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ فرج کی حرمت پر واقع ہے۔ اور حرمت فرج پر گواہی دعویٰ کے بغیر بھی مقبول ہے۔''غزی'' نے کہا: ہمارے شیخ ''علی المقدسی'' نے اس بارے میں ایک رسالہ تالیف کیا جس میں قبول کی تصحیح پر اعتماد کیا۔

11582۔(قولہ: فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا) عورت کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ مرد عقد کے لازم ہونے اور بضعہ کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے تو عورت انکار کرنے والی ہوگی۔ عورت کے ولی کا قول کہ عورت راضی ہے عورت کے خلاف قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ولی عورت کے خلاف ملکیت کے ثبوت کا اقرار کرتا ہے۔ اور عورت کے بالغ ہونے

بِيَمِينِهَا عَلَى الْمُفْتَى بِهِ وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ عَلَى سُكُوتِهَا
اس کی قسم کے ساتھ یہی مفتی بہ قول ہے۔ اور عورت کی خاموشی پر مرد کی گواہیاں قبول کی جائیں گی

کے بعد ولی کا عورت کے بارے میں نکاح کا اقرار صحیح نہیں۔ ''فتح'' میں اسی طرح ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ولی کی گواہی ایک اور گواہ کے ساتھ عورت کی رضامندی پر قبول نہ کی جائے۔ کیونکہ ولی سے جو امر صادر ہو چکا ہے وہ اس کی تکمیل کی کوشش کر رہا ہے۔ پس ولی ایسا فرد ہے جس پر تہمت ہے۔ میں نے اس قول کو منقول نہیں پایا، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: حاکم شہید کی ''الکافی'' میں ہے: جب ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو بچی نے رضامندی کا انکار کر دیا تو اس بچی کی رضامندی پر اس کے باپ اور اس کے بھائی نے گواہی دی تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس میں غور وفکر کیجئے۔

پھر یہ پیش نظر رہے کہ ''بحر'' میں باب المہر میں نکاح فاسد پر گفتگو کرتے ہوئے کہا جس کی عبارت یہ ہے: جب عورت نے نکاح کے فاسد ہونے کا دعویٰ کیا اور خاوند نے نکاح کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اور عورت پر عدت بھی ہوگی۔ اگر مرد نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کئے ہوں گے تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔ اگر حقوق زوجیت ادا کئے ہوں تو پورا مہر ملے گا۔ ''خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اور مناسب ہے کہ ہم اس سے اس چیز کو مستثنیٰ کریں جسے ''حاکم شہید'' نے ''کافی'' میں ذکر کیا ہے: کہ اگر ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ نکاح مرد کی چھوٹی عمر میں ہوا تھا تو قول مرد کا معتبر ہوگا اور ان دونوں کے درمیان کوئی نکاح نہیں ہوگا۔ اور عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا اگر مرد نے حقوق زوجیت سے قبل اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ''المحیط'' سے اخیرہ کی اس قول کے ساتھ علت بیان کی ہے: کیونکہ عقد کے پائے جانے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: کیونکہ حالت صغر میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح معناً نکاح ہی نہیں۔ اور اس سے پہلے ذکر کیا: اختلاف اگر صحت اور فساد میں ہو تو قول اس کا معتبر ہوگا جس نے نکاح کی صحت کا دعویٰ کیا۔ یہ ظاہر کی شہادت کی وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف عقد کے وجود کے بارے میں ہو تو قول اس کا معتبر ہوگا جس نے نکاح کے وجود کا انکار کیا۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر تو کوئی استثنا نہیں۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں جو قول ہے وہ پہلی صورت کے بارے میں ہے اور ''الکافی'' میں جو قول ہے وہ دوسری صورت کے بارے میں ہے۔ شاید ''خانیہ'' میں جو قول: وعلی عکسہ فرق بینھما ہے اس کی دلیل ہے مواخذہ اس کے اقرار پر ہے تو اس کا اثر اس پر ہوگا۔ اور اسی وجہ سے عورت کے لئے مہر ہوگا۔

پھر جو ظاہر ہے کہ ہم جس میں گفتگو کر رہے ہیں وہ عقد کے وجود میں اختلاف ہے۔ کیونکہ رد نے ایجاب کو قبول کے بغیر بنا دیا ہے۔ اسی طرح آنے والا مسئلہ ہے یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔

11583۔ (قولہ: عَلَى الْمُفْتَى بِهِ) یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ امام اعظم کے نزدیک عورت پر کوئی قسم نہیں جس طرح ''دعویٰ'' میں چھ اشیاء کے بارے میں آئے گا، ''بحر''۔

لِأَنَّهُ وُجُودِیٌّ بِضَمِّ الشَّفَتَيْنِ وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَتُهَا أَوْلَى إِلَّا أَنْ يُبَرْهِنَ عَلَى رِضَاهَا أَوْ إِجَازَتِهَا
کیونکہ سکوت وجودی امر ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہونٹ ملے ہوتے ہیں اور اگر دونوں گواہ پیش کر دیں۔ تو عورت کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی مگر یہ کہ خاوند عورت کی رضامندی پر گواہیاں قائم کر دے یا اس کی اجازت پر گواہیاں قائم کر دے۔

11584۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وُجُودِيٌّ الخ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ مرد کا عورت کے سکوت پر گواہیاں پیش کرنا یہ تو نفی پر گواہی ہے جو غیر مقبول ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ سکوت وجودی امر ہے۔ کیونکہ اس سے مراد دو ہونٹوں کو ملانا ہے۔ اس سے عدم کلام لازم آتا ہے جس طرح ''معراج'' میں ہے۔ ''بحر'' میں یہ زائد کلام کی ہے: یا وہ نفی ہو جسے گواہ کا علم محیط ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ جس طرح اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے ایسی کلام کی جو ارتداد تھا اور یہ مجلس میں ہو تو خاوند نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے مجلس میں کوئی کلام نہیں کی تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح جب گواہوں نے کہا: ہم اس عورت کے پاس تھے اور ہم نے اسے کلام کرتے ہوئے نہیں سنا تو عورت کا سکوت ثابت ہو جائے گا جس طرح ''جوامع'' میں ہے۔

اس میں کوئی خفا نہیں کہ پہلا جواب منع پر اور دوسرا تسلیم پر مبنی ہے پہلے کے بارے میں ''السعدیہ'' میں بحث کی ہے جو ''شرح عقائد'' میں ہے کہ سکوت کلام کو ترک کرنا ہے۔ اور ''نہر'' میں اسی کو ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب بھی ممکن ہے کہ یہ لازم کی تفسیر ہے اور دوسرے کے بارے میں بھی بحث کی ہے کہ یہ اس کے مخالف ہے جو ''ہدایہ'' کے باب الیمین فی الحج والصلاۃ میں ہے کہ نفی کے بارے میں شہادت مطلقاً غیر مقبول ہے شاہد کا علم اس کا احاطہ کئے ہوئے ہو یا احاطہ نہ کئے ہوئے ہو۔

اسی طرح وہاں ''بحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: نفی مقصود پر گواہی قبول نہیں کی جاتی خواہ صورۃً نفی ہو یا معناً نفی ہو خواہ شاہد کا علم اسے احاطہ میں لئے ہوئے ہو یا احاطہ میں لئے ہوئے نہ ہو۔

میں نے کہا: یہ شروط کے علاوہ ہے۔ اگر اس نے کہا: اگر آج میں گھر میں داخل نہ ہوا تو اس کا یہ حکم ہے تو دونوں نے گواہی دی کہ وہ گھر میں داخل ہوا ہے تو گواہی قبول کی جائے گی۔

11585۔ (قولہ: فَبَيِّنَتُهَا أَوْلَى) کیونکہ یہ زیادتی کو ثابت کرنے والی ہے عورت کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ زیادتی سے میری مراد رد کرنا ہے کیونکہ یہ سکوت سے زائد ہے، ''بحر''۔

11586۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُبَرْهِنَ عَلَى رِضَاهَا أَوْ إِجَازَتِهَا) پس مرد کی گواہیاں راجح ہوں گی۔ کیونکہ دونوں کی گواہیاں نکاح کے اثبات میں برابر ہیں۔ اور گواہوں کی زیادتی نکاح کے لزوم کے اثبات میں ہے۔ شروح میں اسی طرح ہے۔ ''نہایہ'' میں ''تمرتاشی'' کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ اسی طرح فقہ کی کئی کتابوں میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''خلاصہ'' میں ''خصاف'' کی ''ادب القاضی'' میں ہے کہ عورت کے بینہ اولیٰ ہوں گے۔ اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ شاید

(كَمَا لَوْ زَوَّجَهَا أَبُوهَا) مَثَلًا زَاعِمًا عَدَمَ بُلُوغِهَا (فَقَالَتْ أَنَا بَالِغَةٌ وَالنِّكَاحُ لَمْ يَصِحَّ وَهِيَ مُرَاهِقَةٌ وَقَالَ الْأَبُ) أَوْ الزَّوْجُ (بَلْ هِيَ صَغِيرَةٌ) فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهَا إِنْ ثَبَتَ أَنَّ سِنَّهَا تِسْعٌ وَكَذَا لَوْ ادَّعَى الْمُرَاهِقُ بُلُوغَهُ وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَةُ الْبُلُوغِ أَوْلَى

مثال کے طور پر جس طرح عورت کی شادی اس کا باپ کرے جبکہ یہ گمان کرتا ہو کہ بچی بالغ نہیں ہوئی تو بچی نے کہا میں تو بالغ ہوں تو نکاح صحیح نہ ہوگا جبکہ وہ قریب البلوغ ہو۔ اور باپ نے یا خاوند نے کہا: بلکہ وہ بچی ہے قول عورت کا معتبر ہوگا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی عمر نو سال تھی۔ اسی طرح اگر قریب البلوغ نے دعویٰ کیا کہ وہ بالغ ہے اگر دونوں نے گواہیاں پیش کیں تو بلوغ کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب سکوت ایسی چیز ہے جس کے ساتھ اجازت متحقق ہوتی ہے کہ اجازت کی گواہی سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سکوت پر زائد امر ہے جب تک وہ اس کی تصریح نہ کریں۔ ''فتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''بحر'' میں اس کی ہی اتباع کی ہے۔ اس سے دونوں قولوں میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے کہ پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب گواہ اس امر کی وضاحت کریں کہ عورت نے کہا: میں نے نکاح کو جائز قرار دیا یا میں راضی ہوں اور دوسرے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب انہوں نے گواہی دی کہ عورت نے اجازت دی ہے یا وہ راضی ہے۔ کیونکہ اس کی اجازت سکوت کا احتمال رکھتی ہے۔ اسے ذہن نشین کر لیجئے۔

11587۔ (قولہ: كَمَا لَوْ زَوَّجَهَا الخ) یعنی بالغ ہونے میں اختلاف اسی طرح ہے جس طرح سکوت میں اختلاف تھا جس طرح ''نہر'' میں ہے۔

11588۔ (قولہ: مَثَلًا) مراد ایسا ولی ہے جو جبر کرنے والا ہے۔

11589۔ (قولہ: فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهَا) کیونکہ جب لڑکی قرب البلوغ ہے تو جو خبر دی گئی ہے وہ ثبوت کا احتمال رکھتی ہے تو اس کی خبر قبول کی جائے گی کیونکہ عورت اپنے اوپر ملکیت کے واقع ہونے کا انکار کرتی ہے۔ ''بحر'' سے ''ح'' میں منقول ہے۔

11590۔ (قولہ: إِنْ ثَبَتَ أَنَّ سِنَّهَا تِسْعٌ) یہ قریب البلوغ عورت کی تفسیر ہے جس طرح اس پر ''المنح'' کی کلام دلالت کرتی ہے۔ ''ح''

11591۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ ادَّعَى الْمُرَاهِقُ بُلُوغَهُ) جیسے اس کے باپ نے اس کے مال کو بیچ دیا تو بیٹے نے کہا: میں بالغ ہوں تو بیع صحیح نہیں۔ مشتری اور باپ نے کہا: یہ چھوٹا ہے تو قول بیٹے کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی ملکیت کے زائل ہونے کا انکار کرتا ہے اس کے خلاف بھی قول کیا گیا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔

11592۔ (قولہ: وَلَوْ بَرْهَنَا الخ) پہلے مسئلہ کے ذکر کرنے کے بعد ''البزازیہ'' میں ذکر کیا۔ گویا شارح نے اسے بعد میں ذکر کیا تاکہ یہ فائدہ دے کہ حکم دونوں مسئلوں میں اسی طرح ہے۔ اسے سمجھ لیجئے۔ بعض محشی حضرات نے بلوغ پر برہان کے تصور کو مشکل خیال کیا ہے۔

عَلَى الْأَصَحِّ بِخِلَافِ قَوْلِ الصَّغِيرَةِ رَدَدْتُ حِينَ بَلَغْتُ وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ لَهُ لِإِنْكَارِهِ زَوَالَ مِلْكِهِ هَذَا لَوْ اخْتَلَفَا بَعْدَ زَمَانِ الْبُلُوغِ وَلَوْ حَالَةَ الْبُلُوغِ فَالْقَوْلُ لَهَا شَرْحٌ وَهْبَانِيَّةٍ فَلْيُحْفَظْ (وَلِلْوَلِيِّ) الْآتِي بَيَانُهُ (إِنْكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ)

یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے۔ صغیرہ کا قول میں نے نکاح اس وقت رد کر دیا تھا جب میں بالغ ہوئی، کا معاملہ مختلف ہے اور خاوند اس کو جھٹلاتا ہے تو قول خاوند کا معتبر ہوگا کیونکہ وہ ملکیت کے زوال کا انکار کرتا ہے یہ صورت اس وقت ہے جب دونوں بلوغ کے زمانہ کے بعد اختلاف کریں اور بلوغ کی حالت میں اختلاف کریں تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ ''شرح وہبانیہ''۔ اسے یاد کرلو۔ ولی جس کا ذکر آگے آئے گا وہ چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا عقد نکاح

میں کہتا ہوں: یہ حمل، وطی کے ساتھ حاملہ کرنے، بلوغ کی عمر، خون دیکھنے یا منی کے ساتھ ممکن ہے جس طرح زنا پر شہادت میں ہے۔

11593۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) یہ قول مراہقہ اور مراہق کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ ''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے دونوں میں تصحیح کو نقل کیا ہے۔

11594۔ (قولہ: بِخِلَافِ قَوْلِ الصَّغِيرَةِ) وہ صغیرہ جس کی باپ اور دادا کے علاوہ نے شادی کی۔ ان دونوں نے جس بچی کی شادی کی تو اس بچی کو کوئی اختیار نہ ہوگا، ''ط''۔

11595۔ (قولہ: رَدَدْتُ حِينَ بَلَغْتُ الخ) یعنی اس نے بالغ ہونے کے بعد کہا: میں نے نکاح کو رد کر دیا اور میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا جب وہ بالغ ہوئی تھی تو عورت کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور وہ اس کے ساتھ اپنے او پر ثابت شدہ ملکیت کو باطل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ فافہم

اس سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا یہ قول بالغ ہونے کے بعد ہے۔ گویا صغیرہ نام دیا ہے کیونکہ عقد کے زمانہ میں وہ صغیرہ تھی۔ یعنی اس وقت اس کا صغر متحقق تھا۔ مراہقہ کا معاملہ مختلف ہے اس وقت جس کے بلوغ کا احتمال ہے۔

11596۔ (قولہ: وَلَوْ حَالَةَ الْبُلُوغِ) یعنی قاضی اور گواہوں کے پاس اس نے کہا: میں اب بالغ ہوگئی ہوں اور میں نے عقد نکاح فسخ کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہوگا جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 11666 میں) آئے گی۔

11597۔ (قولہ: وَلِلْوَلِيِّ الْآتِي بَيَانُهُ) یعنی اس قول میں اس کا ذکر آئے گا۔ نکاح میں ولی وہ عصبہ بنفسہ ہے۔ اس کے ساتھ اس ولی سے احتراز کیا ہے جس کو اعتراض کا حق ہوتا ہے۔ وہ صرف عصبہ کے ساتھ حق ہوتا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 11511 میں) گزر چکا ہے اور اس وصی سے بھی احتراز کیا ہے جو قریبی نہ ہو جس طرح پہلے (مقولہ 11474 میں) گزر چکا ہے اور بعد میں آئے گا۔

11598۔ (قولہ: إِنْكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ) یہاں انکاح کی قید لگائی گئی ہے کیونکہ ولی کا صغیر اور صغیرہ پر نکاح کا

جَبْرًا (وَلَوْ ثَيِّبًا) كَمَعْتُوهٍ وَمَجْنُونٍ شَهْرًا (وَلَزِمَ النِّكَاحُ وَلَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ)
جبراً کرسکتا ہے۔ اگر چہ وہ صغیرہ ثیبہ ہو جیسے احمق، بدتدبیر ہو اور مہینہ بھر مجنون رہتا ہو۔ اور نکاح لازم ہو جائے گا

اقرار صحیح نہیں مگر گواہوں کے ساتھ یا بالغ ہونے کے بعد دونوں نکاح کی تصدیق کریں جس طرح مصنف باب کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اگر کہتے: ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ غیر مکلف اور غلام کا نکاح کرے تو یہ قول احمق بدتدبیر وغیرہ کو شامل ہوتا۔

تتمہ

باپ اور دادا کے علاوہ کو حق حاصل نہیں کہ وہ صغیرہ کو خاوند کے سپرد کر دے قبل اس کے کہ وہ اتنے مہر پر قبضہ کر لے جتنے مہر پر قبضہ کرنا معروف و مشہور ہو۔ اگر باپ اس بچی کو سپرد کرے تو باپ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ بچی کو روک لے۔ ''ط'' نے اسے بیان کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''بحر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جب تک بچی وطی کے قابل نہ ہو حقوق زوجیت کے لئے باپ کو حق نہیں کہ وہ بچی خاوند کے سپرد کرے عمر کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح باب المہر کے آخر میں شارح ذکر کریں گے۔

11599۔ (قولہ: وَلَوْ ثَيِّبًا) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی وجہ سے اس کی تصریح بیان کی ہے کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجبور کرنے کی علت باکرہ ہونا ہے اور ہمارے نزدیک عقل کے نہ ہونے یا عقل میں کمی کی وجہ سے عجز ہے۔ اس کی وضاحت اصول کی کتب میں ہے۔

11600۔ (قولہ: كَمَعْتُوهٍ وَمَجْنُونٍ) اگر یہ دونوں بڑے ہوں۔ مراد کشخص معتوہ ہے تو یہ مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے۔ ''نہر'' میں کہا: ولی کو حق حاصل ہے کہ دونوں کا نکاح کرے جب جنون لگا تار ہو۔ یہ ایک ماہ کا جنون ہے جس پر فتوی ہے۔ ''منیۃ المفتی'' میں ہے: ایک لڑکا مجنون یا احمق بدتدبیر بالغ ہوا تو باپ کی ولایت اسی طرح باقی رہے گی جس طرح پہلے ولایت تھی۔ اگر وہ بالغ ہونے کے بعد مجنون ہوا یا احمق ہو گیا تو صحیح ترین قول کے مطابق ولایت لوٹ آئے گی۔ ''الخانیہ'' میں ہے: باپ نے اپنے بیٹے کا نکاح بیٹے کی اجازت کے بغیر کیا تو وہ مجنون ہو گیا تو علما نے کہا: باپ کو چاہئے کہ وہ کہے: میں نے اپنے بیٹے پر نکاح کو جائز کر دیا۔ کیونکہ جنون کے بعد وہ نئے سرے سے نکاح کرنے کا مالک نہیں۔

11601۔ (قولہ: وَلَزِمَ النِّكَاحُ) کسی کی اجازت پر توقف کے بغیر نکاح لازم ہو جائے گا۔ اور باپ، دادا اور مولیٰ کے نکاح کرنے کی صورت میں خیار کے ثبوت کے بغیر نکاح لازم ہو جائے گا۔ یہی کیفیت بیٹے کی ہے جس طرح آگے (مقولہ 11608 میں) آئے گا۔

11602۔ (قولہ: وَلَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ) یعنی جس میں لوگ غبن نہیں کرتے۔ یعنی وہ اتنا غبن نہیں کرتے۔ اس قول کے ذریعے تھوڑے غبن سے احتراز ہے۔ اس سے مراد ہے جتنا لوگ غبن کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جتنا وہ برداشت کر لیتے ہیں۔ ''جوہرہ'' میں کہا: لوگ جس میں غبن کرتے ہیں جو نصف مہر سے کم ہو۔ ہمارے شیخ ''موفق الدین'' نے یہی کہا ہے۔

بِنَقْصِ مَهْرِهَا وَزِيَادَةِ مَهْرِهِ (أَوْ) زَوَّجَهَا (بِغَيْرِ كُفْءٍ إِنْ كَانَ الْوَلِيُّ) الْمُزَوِّجُ بِنَفْسِهِ بِغَبْنٍ (أَبًا أَوْ جَدًّا) وَكَذَا الْمَوْلَى

اگر چہ مہر میں کمی یا زیادتی غبن فاحش کی صورت میں ہو۔ اس بچی کے مہر میں کمی کرنے کے ساتھ اور بچے کے مہر میں زیادتی کرنے کے ساتھ یا بچی کی شادی غیر کفو میں کردی اگر چہ ولی جو نکاح کرنے والا ہے باپ ہو یا دادا ہو۔ اسی طرح آقا

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو دسویں حصہ سے کم ہو۔ پہلی تعبیر کی صورت میں غبن فاحش وہ نصف یا اس سے زیادہ ہے۔ دوسری تعبیر کی صورت میں دسواں حصہ یا اس سے زائد ہے۔ تامل۔

11603۔ (قولہ: بِنَقْصِ) ''با'' غبن کی وضاحت کے لئے ہے۔ یعنی غبن صغیرہ کے حق میں مہر مثل سے کمی کی صورت میں ہے۔ اور صغیر کے حق میں زیادتی کی صورت میں ہے۔

11604۔ (قولہ: أَوْ زَوَّجَهَا بِغَيْرِ كُفْءٍ) جیسے اپنے بیٹے کا نکاح لونڈی سے یا بیٹی کا غلام سے کر دیا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: یہ جائز نہیں کہ وہ بچی کا نکاح غیر کفو سے کرے۔ اور کمی کرنا اور زیادتی کرنا جائز نہیں مگر جس قدر لوگ غبن کرتے ہیں۔ ''ح'' میں ''منح'' سے مروی ہے۔ پہلی مثال ذکر کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ کفاءت عورت کی جانب سے مرد کے لئے غیر معتبر ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ اسی کی مثل ''ط'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی کے متعلق شارح نے کہا: او زوجہا مونث کی ضمیر کی طرف فعل کو منسوب کیا جبکہ غبن فاحش میں اس قول بنقص مہرھا و زیادۃ مہرہ کے ساتھ عمومیت کو بیان کیا ہے۔ اللہ ہی جانے اس نے کیا مہر معین کیا۔ فافہم۔ لیکن اس میں گفتگو کی گنجائش ہے جس کو ہم قریب ہی (مقولہ 11615 میں) ذکر کریں گے۔

11605۔ (قولہ: الْمُزَوِّجُ بِنَفْسِهِ) اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا کہ جب ولی نے بچی کا عقد نکاح کرنے کے لئے اس نے کسی کو وکیل معین کیا۔

11606۔ (قولہ: بِغَبْنٍ) اس پر یہ کہنا لازم تھا او بغیر کفؤ۔ اگر وہ کہتے: المزوج بنفسہ علی الوجہ المذکور جس طرح ''المنح'' میں کہا تو اس احتراز سے محفوظ رہتے، ''ح''۔

11607۔ (قولہ: وَكَذَا الْمَوْلَى) یعنی جب آقا نے چھوٹے بچے یا بچی جو دونوں غلام تھے کا عقد نکاح کیا پھر دونوں کو آزاد کر دیا پھر وہ دونوں بالغ ہو گئے تو ان دونوں کا نکاح لازم ہوگا اگر چہ وہ غیر کفو یا مہر مثل کے بغیر ہو۔ دونوں کیلئے خیار بلوغ ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ مولی کو کامل ولایت حاصل ہے۔ وہ باپ اور دادا سے ولایت میں اقوی ہے۔ اور خیار عتق اس سے غنی کر دیتا ہے، ''ط''۔ صورت میں یہی درست ہے۔ جہاں تک مسئلہ کی وہ صورت ہے جب آزادی شادی سے پہلے ہو تو وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں انہیں خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ جس طرح ہم (مقولہ 11624 میں) ذکر کریں گے۔ کلام خیار کے بغیر لزوم کے بارے میں ہے جس طرح باپ اور دادا میں ہے۔ فافہم۔

وَابْنُ الْمَجْنُونَۃِ (لَمْ یُعْرَفْ مِنْهُمَا سُوْءُ الِاخْتِیَارِ) مَجَانَۃً وَفِسْقًا (وَإِنْ عُرِفَ لَا) یَصِحُّ النِّکَاحُ اتِّفَاقًا

اور مجنون کا بیٹا ہو۔ ان دونوں سے بدتدبیری، بیبا کی اور فسق معروف نہ ہو۔ اگر ان کی بدتدبیری معروف ہو تو نکاح صحیح نہیں اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔

11608۔(قولہ: وَابْنُ الْمَجْنُونَۃِ) اس کی مثل مجنون ہے۔ ''بحر'' میں کہا: مجنون اور مجنونہ کا نکاح جب بیٹے نے کیا پھر دونوں کو افاقہ ہو گیا تو دونوں کے لئے کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

11609۔(قولہ: لَمْ یُعْرَفْ مِنْهُمَا الخ) یعنی باپ اور دادا سے بے تدبیری معروف نہ ہو چاہے بیٹا بھی ایسے ہی ۔مولی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ چاہے اس کا تصرف مطلقاً نافذ ہو۔ جس طرح وہ باقی ماندہ احوال میں تصرف کرتا ہے۔ ''رحمتی'' فافہم۔

11610۔(قولہ: مَجَانَۃً وَفِسْقًا) یہ دونوں تمیز ہونے کے اعتبار سے منصوب ہیں۔ ''مغرب'' میں ہے: ماجن وہ ہوتا ہے جو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کہا گیا ہے۔ اس کا مصدر مجون ہے اور مجانہ اس سے اسم ہے۔ فعل طلب کے باب سے ہے۔ ''شرح المجمع'' میں ہے: یہاں تک کہ اگر باپ سے بدتدبیری، بے وقوفی یا لالچ کی وجہ سے برا اختیار معروف ہو تو اس کا عقد بالا جماع جائز نہیں ہو گا۔

اگر کسی نے اپنی بچی کا نکاح ایسے مرد سے کیا جو نشہ کرتا ہے تو اس کا حکم

11611۔(قولہ: وَإِنْ عُرِفَ لَا یَصِحُّ النِّکَاحُ) ''فتح القدیر'' میں اسے مشکل قرار دیا ہے۔ کیونکہ ''النوازل'' میں ہے: اگر اس نے اپنی بچی کا نکاح اس مرد سے کیا جو اس امر کا انکار کرتا ہے کہ وہ کسی نشہ آور چیز کو پیتا ہے جبکہ وہ اسے ہمیشہ پیتا ہے۔ اس بچی نے کہا: میں نکاح پر راضی نہیں۔ یعنی جب وہ بڑی ہو گئی اگر اس بچی کا باپ اس کی شراب نوشی کو نہیں جانتا تھا اور اس مرد کے گھر والوں میں سے اکثر صالح لوگ تھے تو نکاح باطل ہو گا۔ کیونکہ باپ نے بچی کا نکاح اس گمان پر کیا تھا کہ یہ مرد اس بچی کا کفو ہے۔

صاحب ''فتح القدیر'' نے کہا: کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر باپ اس کی شراب نوشی کو جانتا ہو تو نکاح نافذ ہو گا۔ ساتھ ہی جس نے اپنی ایسی چھوٹی بچی جو خیر و شر کے اخلاق کو اپنانے والی تھی کا عقد نکاح اس سے کیا جس کے بارے میں اسے علم ہے وہ شراب نوشی کرتا ہے اور فاسق ہے تو باپ کی بدتدبیری ظاہر ہے۔ پھر اس کا جواب دیا: اس کی بدتدبیری کے تحقق سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بدتدبیری میں معروف ہے۔ بدتدبیری کے متحقق ہونے سے نکاح کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ ساتھ ہی ساتھ لوگوں کے ہاں یہ ثابت نہیں کہ وہ اس جیسے امور میں معروف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقد نکاح کے مانع یہ ہے کہ باپ عقد نکاح سے پہلے بدتدبیری میں مشہور ہو۔ جب وہ بدتدبیری میں مشہور نہ ہو پھر اس نے اپنی بچی کا نکاح کسی فاسق سے کر دیا تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا اگر چہ اس کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا کہ

وَكَذَا لَوْ كَانَ سَكْرَانَ فَزَوَّجَهَا مِنْ فَاسِقٍ، أَوْ شِرِّيرٍ، أَوْ فَقِيرٍ، أَوْ ذِي حِرْفَةٍ دَنِيَّةٍ لِظُهُورِ سُوءِ اخْتِيَارِهِ فَلَا تُعَارِضُهُ شَفَقَتُهُ الْمَظْنُونَةُ بَحْرٌ (وَإِنْ كَانَ الْمُزَوِّجُ غَيْرَهُمَا)

اسی طرح عقد نکاح صحیح نہ ہوگا اگر وہ مست ہو تو اس نے بچی کا نکاح فاسق، شریر، فقیر یا کمینہ پیشہ والے سے کر دیا۔ کیونکہ اس کی بدتدبیری ظاہر ہو چکی ہے اس لئے اس کی مظنون شفقت اس کے مقابل نہ ہوگی۔ ''بحر''۔ اگر نکاح کرنے والا

وہ بدتدبیر ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کے ہاں مشہور ہو گیا۔ اگر اس نے دوسری بیٹی کا عقد نکاح فاسق سے کر دیا تو دوسرا عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے بدتدبیری میں مشہور ہو چکا تھا۔ پہلے عقد کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کوئی مانع موجود نہ تھا۔ اگر مانع نکاح صرف بدتدبیری ہو جبکہ مشہور نہ ہو تو مسئلہ کو پھیر دینا لازم ہوگا۔ مسئلہ سے میری مراد ان کا یہ قول ہے: نکاح لازم ہوگا اگرچہ غبن فاحش ہو یا غیر کفو میں ہوا گر ولی باپ اور دادا ہو۔

پھر جان لو قول ''نوازل'' سے گزرا ہے ''کہ نکاح باطل ہے'' اس کا معنی ہے کہ وہ باطل ہو جائے گا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ کیونکہ مسئلہ اس طرح فرض کیا گیا ہے کہ بچی بڑے ہونے کے بعد راضی نہیں جس طرح ''الخانیہ'' اور ''الذخیرۃ'' وغیرہما میں تصریح ہے۔ ''القنیہ'' میں جو ہے اسے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا: اس نے اپنی چھوٹی بچی کا نکاح اس آدمی سے کر دیا جسے وہ اصلی آزاد خیال کرتا تھا جبکہ اسے آزاد کیا گیا تھا تو اس کا عقد نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔

''القنیہ'' کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کفو نہ ہونے میں فسق کے سبب اور دوسرے سبب میں کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ اگر باپ نے اپنی بچی کا نکاح فقیر یا کمینہ پیشے والے سے کر دیا اور وہ مرد اس بچی کا کفو نہ تھا تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ''ابن ہمام'' نے ان کی کلام کو صرف فاسق پر محدود کیا ہے۔ یہ مناسب نہیں جس طرح ''بحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ہم نے بچی کے خیار میں جو ذکر کیا ہے کہ جب وہ بالغ ہو تو یہ صغیرہ کے بارے میں ہے۔ مگر جب اولیا بڑی کا نکاح اس کی اجازت سے کسی سے کر دیں اور انہیں اس کے کفو نہ ہونے کا علم نہ ہو پھر ان کے لئے یہ ظاہر ہوا کہ وہ اس لڑکی کا کفو نہیں تو کسی کو بھی خیار نہیں ہوگا۔ جس طرح شارح آنے والے باب کے شروع میں ذکر کریں گے۔ اور وہاں اس پر مفصل گفتگو (مقولہ 11753 میں) ہوگی۔

اگر نشہ میں مدہوش ولی نے اپنی بچی کا نکاح کسی فاسق، شریر، کمینہ سے کر دیا تو اس کا حکم

11612۔ (قولہ: فَزَوَّجَهَا مِنْ فَاسِقٍ الخ) اسی طرح اگر ایسے ولی، جو نشہ میں مست ہے، نے مہر میں غبن فاحش کی صورت میں بچی کا عقد نکاح کیا تو بالاجماع جائز نہیں۔ اور صاحی (جس کا نشہ اتر گیا ہو) نے عقد نکاح کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ جو آدمی نشے میں ہوتا ہے وہ عموماً غور و فکر نہیں کرتا کیونکہ اس کی کامل رائے نہیں ہوتی۔ تو نقصان خالص ضرر کے طور پر باقی رہا۔ ہوشمند آدمی کی غالب حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غور و فکر کرتا ہے۔ ''بحر'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔ پھر کہا: اسی طرح نشہ میں دھت نے بچی کا عقد نکاح غیر کفو میں کیا جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہے کہ باپ سے مراد وہ ہے جو نشہ میں نہ ہو اور نہ ہی اس کی بدتدبیری معروف ہو۔

أَيْ غَيْرَ الْأَبِ وَأَبِيهِ وَلَوْ الْأُمَّ أَوْ الْقَاضِي أَوْ وَكِيلَ الْأَبِ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ بَحْثًا لَوْ عَيَّنَ لِوَكِيلِهِ الْقَدْرَ صَحَّ

باپ اور دادا کے علاوہ ہو اگرچہ وہ ماں یا قاضی ہو یا باپ کا وکیل ہو۔لیکن ''نہر'' میں بحث کرتے ہوئے کہا: اگر باپ نے وکیل کے لئے ایک مقدار معین کر دی تو عقد نکاح صحیح ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس علت کا مقتضا یہ ہے کہ نشہ میں دھت اور جس کی بدتدبیری معروف ہو اگر اس نے بچی کا عقد نکاح کفو میں مہر مثل سے کیا تو ضرر محض کے نہ ہونے کی وجہ سے عقد نکاح صحیح ہوگا۔ان کے قول ''ظاہر یہ ہے کہ ہوشمند غور وفکر کرتا ہے'' کا معنی یہ ہے کہ باپ ہونے کی وجہ سے وفور شفقت کی بنا پر وہ اپنی بچی کا عقد نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نہیں کرتا مگر ایسی مصلحت کی وجہ سے جو اس ضرر سے بڑھ کر ہوتی ہے جس طرح باپ کو علم ہو کہ وہ اس کی بچی کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا اور اذیت نہ دے گا وغیرہ۔یہ امر اس میں مفقود ہے جو نشہ میں دھت ہو اور جس میں بدتدبیری موجود ہو جب وہ ان امور میں مختلف انداز اپنائے۔کیونکہ اس کی عدم رائے اور بدتدبیری عیاں ہو چکی ہے۔

11613۔(قولہ: أَيْ غَيْرَ الْأَبِ وَأَبِيهِ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ یہ اضافہ کرتے۔بیٹا اور آقا اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔

11614۔(قولہ: وَلَوْ الْأُمَّ أَوْ الْقَاضِي) یہی صحیح ترین قول ہے۔کیونکہ ماں اور قاضی کی ولایت بھائی اور چچا کی ولایت سے متاخر ہے۔جب حاجب سے خیار ثابت ہے تو محجوب میں بدرجہ اولیٰ خیار ثابت ہوگا۔اس کی علت یہ بھی ہے ماں میں رائے کی کمی پائی جاتی ہے اور قاضی میں شفقت کی کمی ہوتی ہے۔''ذخیرہ''۔لیکن ہم عنقریب مسئلہ عضل الاقرب میں ذکر کریں گے کہ قاضی کا عقد نکاح کرنا یہ ولی کی نیابت ہوتی ہے۔پس عورت کو کوئی خیار نہیں ہوگا۔اس کی مفصل بحث وہاں (مقولہ 11723 میں) آئے گی۔

11615۔(قولہ: لَوْ عَيَّنَ لِوَكِيلِهِ الْقَدْرَ) یعنی ولی نے وکیل کے لئے اس مقدار کو معین کر دیا جو غبن فاحش ہے۔''نہر''۔اسی طرح اگر ولی نے ایسے آدمی کو معین کر دیا جو کفو نہ ہو جس طرح علامہ ''مقدسی'' نے بحث کی ہے۔

اگر باپ چھوٹے بچے یا بچی کا عقد نکاح غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ کر دے تو اس کا شرعی حکم

''شرح المجمع'' میں ذکر کیا ہے ''باپ چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا عقد نکاح غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ کر دے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک جائز نہیں۔پھر ''محیط'' میں کہا: نکاح کا وکیل جب مہر مثلی سے زائد یا مہر مثلی سے کم مہر مقرر کرے تو مسئلہ اسی اختلاف پر ہوگا۔

یہ اس کے برعکس ہے جسے شارح نے ''بحر'' کی اتباع میں ذکر کیا ہے جو ''قنیہ'' سے منقول ہے۔کبھی یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ''شرح المجمع'' کی عبارت میں وکیل سے مراد باپ کا وکیل نہیں بلکہ خاوند یا بیوی کا وکیل ہے جو دونوں بالغ ہیں۔اس کا قرینہ وہ ہے جو ''البدائع'' میں ہے جب سابقہ اختلاف کا ذکر کیا پھر کہا: اسی اختلاف پر وکیل بنانا ہے کہ ایک آدمی نے

(لَا يَصِحُّ) النِّكَاحُ (مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ أَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ أَصْلًا)

غیر کفو اور غبن فاحش کے ساتھ عقد نکاح اصلاً صحیح نہیں۔

دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کی شادی ایک عورت سے کر دے تو اس وکیل نے اس کی شادی مہر مثل سے زائد کے ساتھ کر دی اور زیادتی اتنی تھی کہ لوگ اس میں اتنا غبن نہیں کرتے یا ایک عورت نے ایک مرد کو وکیل بنایا کہ وکیل اس کی شادی ایک مرد سے کر دے تو وکیل نے اس کی شادی مہر مثل سے کم یا غیر کفو میں کر دی۔ ہم اس قول کو ''بزازیہ'' سے پہلے (مقولہ 11552 میں) نقل کر چکے ہیں۔ پس کوئی منافات نہ رہی۔ پس اس میں تدبر کیجئے۔

اہم بحث

کیا عصبہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کا عقد نکاح ایسی عورت سے کر دے جو اس کی کفو نہ ہو۔

11616۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ النِّكَاحُ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ) اسی کی مثل ''کنز'' کا قول ہے: اگر اس نے اپنے بچے کا عقد نکاح غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ کر دیا تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا باپ اور دادا کے علاوہ کے لئے یہ جائز نہیں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی کا عقد نکاح ایسی عورت سے کیا جو اس سے کم مرتبہ والی تھی تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اس بارے میں وہی بحث ہے جو ''الشرنبلالیہ'' سے (مقولہ 11604 میں) گزر چکی ہے: کہ خاوند کے لئے کفاءت کا اعتبار نہیں۔ جس طرح اس کے باب میں بھی آئے گا۔ اور ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ شارح نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں نے بہت سی کتب کی طرف رجوع کیا اور اس بارے میں کوئی صریح چیز نہیں دیکھی۔ ہاں میں نے ''البدائع'' میں اسی طرح کی عبارت دیکھی جیسی ''کنز'' میں دیکھی۔ مؤلف نے کہا: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ باپ اور دادا چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا نکاح کرے تو اس میں کفاءت شرط نہیں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ نکاح ایسے فرد کی طرف سے صادر ہو رہا ہے جس میں کمال نظر پائی جا رہی ہے کیونکہ اس میں کمال شفقت پائی جاتی ہے۔ بھائی اور چچا جب غیر کفو میں نکاح کریں تو معاملہ مختلف ہے۔ یہ نکاح بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ضرر محض ہے۔

(قولہ: بخلاف) یہ قول بچے اور بچی میں سے ہر ایک کی طرف راجع ہونے میں ظاہر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر خاوند کے لئے کفو کے اعتبار نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مرد اگر اپنی شادی کسی ایسی عورت سے کرے جو اس سے مرتبہ میں کم ہو تو مرد کے عصبوں کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بیوی کا معاملہ مختلف ہے اور چھوٹے بچوں کا معاملہ بھی مختلف ہے جب ان دونوں کا عقد نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کرے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔ ہم کفاءت کے باب کے شروع میں (مقولہ 11749 میں) ایسی باتیں ذکر کریں گے جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

11617۔ (قولہ: أَصْلًا) یعنی عقد نکاح نہ لازم ہوگا اور نہ ہی بلوغت کے بعد رضا پر موقوف ہوگا۔ ''فتح القدیر'' میں کہا: اسی پر معروف مسئلہ مبنی ہے۔ اگر چچا نے چھوٹی بھتیجی کا عقد نکاح (جو دادا سے آزاد چلی آ رہی ہے) دادا کے آزاد کردہ

وَمَا فِی صَدْرِ الشَّرِیعَةِ صَحَّ وَلَهُمَا فَسْخُهُ وَهُمٌ (وَإِنْ كَانَ مِنْ كُفْءٍ وَبِمَهْرِ الْمِثْلِ صَحَّ وَ) لَكِنْ (لَهُمَا) أَيْ لِصَغِيرٍ وَصَغِيرَةٍ

اور ''صدر الشریعہ'' میں جو یہ ہے کہ عقد نکاح صحیح ہے اور ان دونوں کو نکاح فسخ کرنے کا حق ہوگا یہ وہم ہے۔ اگر نکاح کفو میں اور مہر مثل سے ہو تو نکاح صحیح ہوگا لیکن صغیر اور صغیرہ

غلام سے کر دیا وہ بچی بڑی ہوئی اور اس نے اس عقد نکاح کو جائز قرار دیا تو عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ موقوف عقد نہ تھا کیونکہ اس کی اجازت دینے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ چچا وغیرہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بچی کا عقد نکاح غیر کفو میں کر دیں۔

''بحر'' میں کہا ''اس وجہ سے ''الخانیہ'' وغیرہ میں ذکر کیا ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ جب صغیرہ کا عقد نکاح کرے تو زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ اس بچی کا عقد نکاح دو دفعہ کرے: ایک دفعہ معین مہر کے ساتھ اور ایک دفعہ مہر کے ذکر کے بغیر۔ کیونکہ اگر مہر کی تعیین میں فحش نقصان ہوا اور پہلا نکاح صحیح نہ ہوا تو دوسرا عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ غیر کفو سے شادی کرنے میں حیلہ کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح امر مخفی نہیں۔

11618۔ (قولہ: صَحَّ وَلَهُمَا فَسْخُهُ) یعنی بالغ ہونے کے بعد انہیں عقد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ جملہ کے الفاظ محل رفع میں ہیں کیونکہ یہ ما سے بدل ہیں یا قول محذوف کی حکایت ہے یعنی قائلا۔ اور شارح کا قول وھم یہ ما کی خبر ہے۔ اور صدر الشریعۃ کی عبارت جو متن میں ہے وہ یہ ہے: باپ اور دادا چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا عقد نکاح غبن فاحش اور غیر کفو میں کریں تو عقد نکاح صحیح ہوگا ان دو کے علاوہ کوئی عقد نکاح کرے تو عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور ''شرح'' میں کہا: اگر باپ یا باپ کی عدم موجودگی میں دادا یہ کام کرے تو چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کو بالغ ہونے کے بعد عقد نکاح کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی اور عقد نکاح کرے تو دونوں کو بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

اس میں کوئی خفا نہیں کہ شرح کی عبارت میں وہم ہے۔ اس کے وہم پر ''ابن کمال'' نے متنبہ کیا اور اسی طرح محقق ''تفتازانی'' نے ''التلویح'' میں عوارض کی بحث میں متنبہ کیا اور یہ ذکر کیا: اس کی اصلاً روایت نہیں پائی جاتی۔ ''قہستانی'' نے یہ جواب دیا ہے: غبن فاحش کے ساتھ نکاح کی صحت کو ''جواہر'' میں بعض علما سے نقل کیا ہے اور غیر کفو سے عقد نکاح کو ''الجامع'' میں بعض علما سے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ روایت کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ جو قول بعض مشائخ سے مروی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت مروی ہو خصوصاً جب ایک ضعیف قول اس کے مخالف ہو جو مذہب کی معتمد مشہور کتب میں ہو۔

11619۔ (قولہ: وَلَكِنْ لَهُمَا خِيَارُ بِالْبُلُوغِ) اس کے ساتھ لزوم کے اس وہم کو دور کیا جو صحت کے قول سے فوری طور پر سمجھا جا رہا تھا ''ط''۔ لفظ مطلق ذکر کیا پس یہ ذمیوں اور مسلمانوں کو شامل ہے اور اسے بھی شامل ہے جب چھوٹی بچی نے اپنا نکاح کیا تو ولی نے اس کی اجازت دے دی۔ کیونکہ جواز ولی کی اجازت سے ثابت ہو گیا ہے۔ پس یہ نکاح اس نکاح کو

وَمُلْحَقٍ بِهِمَا (خِيَارُ الْفَسْخِ) وَلَوْ بَعْدَ الدُّخُولِ (بِالْبُلُوغِ أَوْ الْعِلْمِ بِالنِّكَاحِ بَعْدَهُ) لِقُصُورِ الشَّفَقَةِ وَيُغْنِي عَنْهُ خِيَارُ الْعِتْقِ
اور ملحق بہما کو فسخ کا اختیار ہوگا اگرچہ دخول کے بعد بالغ ہونے کے ساتھ یا بالغ ہونے کے بعد نکاح کے علم ہونے پر ایسا ہو کیونکہ شفقت میں کمی ہے اور خیار عتق خیار بلوغ سے غنی کر دیتا ہے۔

لاحق ہو گیا جسے ولی نے خود کیا۔ ''بحر'' میں ''محیط'' سے مروی ہے۔

نوٹ: متن میں اس طرح قول نہیں۔ ''مترجم''۔

11620۔ (قولہ: وَمُلْحَقٍ بِهِمَا) ملحق سے مراد مجنون اور مجنونہ ہے جب وہ ان دونوں کا عقد نکاح کرنے والا باپ، دادا اور بیٹے کے علاوہ ہو مثلاً وہ بھائی یا چچا ہو۔ ''فتح'' میں عصبات کا ذکر کرنے کے بعد کہا: ان میں سے ہر ایک کے لئے بچی اور بچے پر جبر کی ولایت حاصل ہوگی جب کہ وہ دونوں چھوٹے ہوں یا دونوں بڑے ہوں جب دونوں مجنون ہوں۔ مثلاً لڑکا عاقل ہونے کی حیثیت سے بالغ ہوا پھر اسے جنون لاحق ہو گیا تو مجنون کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا جبکہ وہ مرد ہے عقد نکاح جائز ہوگا جبکہ جنون ہمیشہ رہتا ہو۔ جب اسے افاقہ ہو تو اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اگر اس کے بھائی نے اس کی شادی کی اور اسے افاقہ ہو گیا تو اسے اختیار ہوگا۔

11621۔ (قولہ: بِالْبُلُوغِ) یعنی جب دونوں کو بالغ ہونے سے پہلے یا بالغ ہونے کے وقت علم ہوا۔

11622۔ (قولہ: أَوْ الْعِلْمِ بِالنِّكَاحِ بَعْدَهُ) یعنی بالغ ہونے کے بعد نکاح کا علم ہوا۔ یعنی دونوں بالغ ہوئے اور انہیں نکاح کا علم نہ تھا پھر بالغ ہونے کے بعد نکاح کا علم ہوا۔

11623۔ (قولہ: لِقُصُورِ الشَّفَقَةِ) یعنی ان میں شفقت کی کمی ہے اور ماں میں رائے کی کمی ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا جواب ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دونوں کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ وہ اسے اس پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر باپ اور دادا ان دونوں کا عقد نکاح کریں۔

خیار عتق مذکر کے لیے ثابت ہے مؤنث کے لیے نہیں

11624۔ (قولہ: وَيُغْنِي عَنْهُ خِيَارُ الْعِتْقِ) یہ جان لو کہ خیار عتق مذکر کے لئے ثابت نہیں ہوتا یہ صرف مؤنث کے لئے ثابت ہوتا ہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ جب لونڈی کا عقد نکاح اس کا آقا کرے پھر آقا اسے آزاد کر دے تو اسے خیار حاصل ہوگا۔ کیونکہ دو طلاقوں کے ساتھ خاوند کی اس پر ملکیت زائل ہو جاتی تھی۔ اب اس کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ اس کی ملکیت تین طلاقوں سے زائل ہوگی۔ لیکن اگر وہ ابھی صغیرہ ہو تو اسے خیار نہیں ہوگا جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ جب وہ بالغ ہو جائے گی تو قاضی اسے خیار عتق دے گا خیار بلوغ نہ دے گا اگرچہ اس کے لئے خیار بلوغ بھی ثابت ہوگا۔

کیونکہ پہلا خیار عام ہے تو یہ دوسرے کو اپنے تحت لے لے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس بیوی کے لئے خیار بلوغ

وَلَوْ بَلَغَتْ وَهُوَ صَغِيرٌ فُرِّقَ بِحَضْرَةِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ
اگر وہ بالغ ہوئی جبکہ خاوند ابھی نابالغ ہو تو خاوند کے باپ اور اس کے وصی کی موجودگی میں تفریق کردی جائے گی۔

ثابت نہیں ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع'' میں یہی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مولی کی ولایت کامل ولایت ہے۔ کیونکہ یہ ولایت ملک کے سبب ہے۔ پس خیار بلوغ ثابت نہیں ہوگا جس طرح باپ اور دادا عقد نکاح کرے تو خیار بلوغ ثابت نہیں ہوگا۔ اگر آقا نے اپنے نابالغ غلام کا عقد نکاح آزاد عورت سے کر دیا پھر آقا نے اپنے اس غلام کو آزاد کر دیا پھر وہ بالغ ہوا تو اس آزاد کردہ غلام کے لئے نہ خیار بلوغ ہوگا اور نہ ہی آزادی کا خیار ہوگا۔ کیونکہ آقا کا نکاح کرنا ملکیت کے اعتبار سے ہے نظر کے اعتبار سے نہیں۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب آقا اس کا عقد نکاح آزادی کے بعد کرے اور وہ ابھی نابالغ ہو۔ کیونکہ یہ عقد نکاح مصالح کو پیش نظر رکھنے کے اعتبار سے ہے۔ یہ ''ذخیرہ'' کی فصل السابع عشر میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ ہے۔ اسی کی مثل امام ''استروشنی'' کی ''جامع الصغار'' میں ہے۔ ''بحر'' میں ''اسبیجابی'' سے مروی ہے: اگر آقا نے پہلے اپنی چھوٹی لونڈی کو آزاد کر دیا پھر اس کی شادی کر دی پھر وہ بالغ ہوگئی تو اس کو خیار بلوغ ہوگا۔ یعنی اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے کہ آقا کی اس پر ولایت نظری ہے۔ اور اسے اس عورت پر آزاد کرنے کی ولایت بھی حاصل ہے۔ یہ ولایت تمام عصبات کے بعد ہے۔ اس عورت کو خیار بلوغ حاصل ہوگا جس طرح بھائی اور چچا کی ولایت میں خیار ہوتا ہے بلکہ بدرجہ اولیٰ خیار ہوگا۔ یہ مسئلہ مختلف ہوگا کہ اگر آقا نے آزادی سے قبل اس لونڈی کا عقد نکاح کیا پھر وہ لونڈی بالغ ہوگئی تو اسے خیار بلوغ نہیں ہوگا جس طرح پہلے (مقولہ 11607 میں) گزرا ہے۔ کیونکہ ملک کی ولایت باپ اور دادا کی ولایت سے اقوی ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خیار عتق مذکر غلام کے لئے ثابت نہیں وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور مؤنث کے لئے مطلقاً ثابت ہے جب آقا نے اس کی شادی غلامی کی حالت میں کی ہو۔ اور خیار بلوغ بچے اور بچی کے لئے ثابت ہوگا جب آزادی کے بعد اس نے ان دونوں کی شادی کی ہو۔ جب اس نے آزادی سے پہلے ان کی شادی کی تو ان کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا نہ مستقل طور پر اور نہ ہی تبعاً۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق صغیرہ کو خیار عتق حاصل ہوتا ہے۔ قول: ویغنی عنه خیار العتق ضعیف پر مبنی ہے۔

11625۔ (قوله: بِحَضْرَةِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ) باپ اور وصی کی موجودگی میں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا تو قاضی ایک وصی معین کرے گا جو خصومت کرے گا۔ قاضی اس وصی کو حاضر کرے گا اور صغیر کے حق میں حجت طلب کرے گا جو حجت فرقت کے دعویٰ کو باطل کرے گی۔ یہ حجت ان گواہوں کی صورت میں ہوگی کہ بالغ ہونے کے بعد عورت نکاح پر راضی تھی یا فرقت کے مطالبہ کو موخر کر دے بصورت دیگر خصم عورت سے قسم لے۔ اگر عورت قسم اٹھا دے تو حاکم خصم کی موجودگی میں دونوں میں تفریق کر دے گا اور بچے کے بالغ ہونے کا انتظار نہیں کرے گا۔ ''جامع الفصولین'' سے ''ادب الاوصیاء'' میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ باپ کا وصی، دادا کے وصی پر مقدم ہے جس طرح علما نے اس کے باب میں صراحت کی ہے۔ پھر میں نے اسے وہاں ''جامع الصغار'' میں دیکھا۔ بچے کی بیوی کے بارے میں کہا: اگر بچی نے اسے پایا کہ اس کا آلہ

(بِشَرْطِ الْقَضَاءِ) لِلْفَسْخِ (فَيَتَوَارَثَانِ فِيهِ) وَيَلْزَمُ كُلُّ الْمَهْرِ ثُمَّ الْفُرْقَةُ إِنْ مِنْ قِبَلِهَا فَفَسْخٌ لَا يَنْقُصُ عَدَدَ طَلَاقٍ وَلَا يَلْحَقُهَا طَلَاقٌ

عقد کے فسخ کرنے کیلئے قاضی کا فیصلہ شرط ہے۔ پس اس نکاح کی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اور پورا مہر لازم ہوگا پھر اگر فرقت عورت کی جانب سے ہوتو فسخ نکاح ہوگا یہ طلاق کی تعداد میں کمی نہیں کرے گا اور اسے طلاق نہ ہوگی۔

تناسل کٹا ہوا ہے تو قاضی اس کی بیوی کی خصومت کی وجہ سے دونوں میں جدائی کر دے گا۔ اگر بیوی نے اسے عنین پایا تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ پھر کہا: اگر اس کا باپ اور وصی نہ ہو تو دادا یا دادے کا وصی خصم ہوگا۔ اگر وہ بھی نہ ہوتو قاضی اس کی جانب سے خصم معین کر دے گا۔ فافہم۔

11626۔ (قولہ: بِشَرْطِ الْقَضَاءِ) کیونکہ اس کی اصل میں ضعف ہے تو یہ قضا پر موقوف ہوگا۔ جس طرح ہبہ میں رجوع ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر خاوند غائب ہوتو میاں بیوی میں تفریق نہ کی جائے گی جب تک وہ حاضر نہ ہو کیونکہ جدائی کرنے کی صورت میں غائب پر فیصلہ لازم آتا ہے۔''نہر''۔

میں کہتا ہوں: ''استروشنی'' نے اپنی ''جامع'' میں اسی کی تصریح کی ہے۔

11627۔ (قولہ: لِلْفَسْخِ) یہ شرط فسخ کے لئے ہے اختیار کے ثبوت کے لئے نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر بچے اور بچی کا عقد نکاح کرنے والا باپ اور دادا کے علاوہ ہوتو دونوں کو بالغ ہونے یا نکاح کا علم ہونے پر خیار حاصل ہوگا۔ اگر اس نے فسخ کو اختیار کیا تو فسخ نکاح قضا کی شرط کے ساتھ ہوگا۔ اسی وجہ سے اس قول کے ساتھ اس کی تفریع ذکر کی ہے۔ فیتوارثان یعنی اس نکاح میں فسخ کے ثابت ہونے سے پہلے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

11628۔ (قولہ: وَيَلْزَمُ كُلُّ الْمَهْرِ) کیونکہ مہر جس طرح حقوق زوجیت کے ساتھ پورے کا پورا لازم آتا ہے اگرچہ دخول حکما ہو جس طرح خلوت صحیحہ۔ اسی طرح حقوق زوجیت سے قبل دونوں میں سے ایک کی موت سے بھی پورا مہر لازم آئے گا۔ اس کے بغیر مہر ساقط ہو جائے گا اگرچہ نکاح کے بارے میں خیار ہو۔ کیونکہ خیار شرط کی وجہ سے فرقت، عقد کو فسخ کرنا ہوتا ہے۔ اور عقد جب فسخ ہو جائے تو اسے یوں کر دیا جاتا ہے گویا وہ عقد تھا ہی نہیں جس طرح ''نہر'' میں ہے۔

11629۔ (قولہ: إِنْ مِنْ قِبَلِهَا) یعنی یہ فرقت خاوند کی جانب سے کسی سبب کی وجہ سے نہ ہو۔ ''نہر'' میں اسی طرح ہے۔ اس کے ساتھ تخییر اور امر بالید سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں فرقت اگرچہ عورت کی جانب سے ہے لیکن جب مرد کی جانب سے کسی وجہ سے جدائی ہوتو وہ طلاق ہوتی ہے، ''ح''۔

11630۔ (قولہ: لَا يَنْقُصُ عَدَدَ طَلَاقٍ) اگر اس نے اس کے بعد نیا عقد کیا تو خاوند تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا جس طرح ''فتح'' میں ہے۔

11631۔ (قولہ: وَلَا يَلْحَقُهَا طَلَاقٌ) یعنی وہ عورت جو فسخ نکاح کی عدت گزار رہی ہوتو عدت میں طلاق لاحق نہ ہو

إِلَّا فِي الرِّدَّةِ
مگر ارتداد کی صورت میں۔

گی۔ اگر چہ بعد والی طلاق صریح ہی کیوں نہ ہو۔ ''ح''۔ اس عورت پر عدت اس وقت لازم ہوگی جب اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں۔ شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ ''بحر'' میں ''نہایہ'' سے منقول ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ''فتح'' میں بحث کی ہے۔ فسخ کی عدت کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ ''فتح'' میں ہے: ہر فرقت جو طلاق کی صورت میں ہو تو اسے عدت میں طلاق لاحق ہو جاتی ہے مگر لعان میں معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دائمی حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت باب تفویض الطلاق سے تھوڑا پہلے (مقولہ 13553 میں) مفصل آئے گی۔

طلاق صریح مرتدہ کو عدت کے دوران لاحق ہوگی

11632۔ (قولہ: إِلَّا فِي الرِّدَّةِ) یعنی طلاق صریح مرتدہ کو اس کی عدت میں لاحق ہوگی اگر چہ اس کی فرقت فسخ نکاح ہے۔ کیونکہ ارتداد کی صورت میں حرمت دائمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ حرمت اسلام قبول کرنے کی صورت میں ختم ہو جاتی ہے۔ عدت میں اس عورت پر مرد کی طلاق کا وقوع تقاضا کرے گا کہ طلاق کا یہ فائدہ ہو کہ عورت مرد پر تین طلاقوں کے بعد ایسی حرمت کے ساتھ حرام ہو جو دوسرے خاوند کی وطی کے ساتھ انتہا کو پہنچ جائے۔ اسی طرح ''فتح'' میں ہے۔ اور ''نہر'' میں یہ اعتراض کیا ہے: یہ عدت میں طلاق کے عدم وقوع کے قصر کا تقاضا کرتا ہے جب فرقت ایسی چیز سے ہو جو ابدی حرمت کا تقاضا کرے جس طرح بوسہ لینا اور دودھ پلانا۔ اس میں ان کی کلام کے ساتھ مخالفت ظاہر ہے۔ اس بات کو اس نے پہچانا جس نے غور و فکر کیا۔ یعنی علما نے تصریح بیان کی ہے کہ خیار عتق، خیار بلوغ، عدم کفو، مہر کے نقصان، قیدی بن جانے، ہجرت کرنے، اسلام سے انکار کرنے اور ارتداد اختیار کرنے کی وجہ سے جو جدائی واقع ہوگی اس کی عدت میں طلاق لاحق نہ ہوگی۔ ''فتح'' کی جانب سے یہ جواب ممکن ہے کہ تابید سے مراد ہے کہ جو جدائی فسخ نکاح کی جہت سے ہو۔ ''البحر'' میں طلاق کے باب کے شروع میں کہا: ''طلاق فسخ نکاح کی عدت میں واقع نہ ہوگی مگر جب دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے اور قاضی دونوں میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے سے انکار پر دونوں میں جدائی پیدا کر دے۔ لیکن شارح نے تفویض طلاق کے باب سے تھوڑا پہلے ''المنح'' کی پیروی کرتے ہوئے کہا: ردت کی عدت میں طلاق لاحق نہ ہوگی۔ پس ''البحر'' کی کلام کو وہاں عدم لحاق کے ساتھ مقید کیا جائے گا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ میں نے اپنے اس شعر میں اس مسئلہ کو نظم کیا ہے۔

ویلحق الطلاق فرقة الطلاق　　او الابا او ردة بلا لحاق

طلاق طلاق کی فرقت، اسلام سے انکار اور ردت کی فرقت کو لاحق ہوگی جبکہ وہ عورت دار الحرب نہ چلی گئی ہو۔

''ح'' نے کہا: وہاں یہ بھی آئے گا کہ اسلام کی وجہ سے فرقت کی عدت گزاری جا رہی ہو تو اس عدت میں طلاق لاحق نہ ہوگی۔ اس میں غور و فکر اور اس کی طرف رجوع کرو۔

إِلَّا فِي الرِّدَّةِ وَإِنْ مِنْ قِبَلِهِ فَطَلَاقٌ إِلَّا بِمِلْكٍ أَوْ رِدَّةٍ أَوْ خِيَارِ عِتْقٍ

مگر ارتداد کی صورت میں۔ اور اگر فرقت مرد کی جانب سے ہو تو طلاق ہوگی مگر وہ فرقت جو ملک، ارتداد یا خیار عتق کی وجہ سے ہو۔

میں کہتا ہوں: جسے آخر میں ذکر کیا ہے کہ ''خیر رملی'' نے کہا: یہ اہل حرب کی طلاق ہے یعنی اگر ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو کر ہجرت کرے۔ کیونکہ اس عورت پر کوئی عدت نہیں ہوگی۔ اس کی تمام بحث وہاں (مقولہ 13549 میں) اور نکاح الکافر کے باب میں (مقولہ 12590 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

اگر فرقت مرد کی طرف سے ہو تو وہ طلاق ہوگی

11633۔ (قولہ: وَإِنْ مِنْ قِبَلِهِ فَطَلَاقٌ) اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ قول تو اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ دیار کا مختلف ہونا، مرد کا بوسہ لینا، قیدی بنانا، اسلام قبول کرنا، خیار بلوغ، ارتداد اور ملک طلاق ہے اگرچہ یہ مرد کی جانب سے ہو۔ حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح آپ عنقریب اسے دیکھیں گے۔ ملک، ارتداد اور خیار عتق کی استثنا کچھ نفع نہ دے گی۔ کیونکہ دوسری چار باقی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ کہا جائے: اگر فرقت مرد کی جانب سے ہو اور عورت کی جانب سے اس کا پایا جانا ممکن نہ ہو تو یہ طلاق ہوگی۔ جس طرح ہمارے شیخ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر رحمتیں نازل فرمائے۔ ''بحر'' میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب کہا: فسخ کے ساتھ تعبیر کیا ہے تاکہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ فرقت فسخ نکاح ہے طلاق نہیں۔ یہ طلاق کی تعداد میں کمی واقع نہیں کرے گی کیونکہ یہ فرقت عورت کی جانب سے بھی ہو سکتی ہے جبکہ عورت کو طلاق دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں بھی اسی طرح ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے: پھر خیار بلوغ کی وجہ سے فرقت، طلاق نہیں۔ کیونکہ یہ ایسی فرقت ہے جس کے سبب میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ اس وقت پہلے اعتراض کے بارے میں کہا جاتا ہے: پھر اگر فرقت عورت کی جانب سے ہو مرد کی جانب سے کسی سبب سے نہ ہو یا مرد کی جانب سے ہو اور یہ ممکن ہو کہ عورت کی جانب سے بھی ایسا ہو سکتا ہے تو یہ فسخ نکاح ہوگا۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ فانه اجدى من تفاريق العصاء کیونکہ یہ عصا کے اجزاء سے اچھا ہے۔ (یہ ضرب المثل ہے) ''ح''۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خاوند اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔ کیونکہ یہ طلاق ہے جبکہ یہ امکان ہے کہ اسلام سے انکار عورت کی جانب سے ہو۔ اسی طرح لعان ہے۔ کیونکہ لعان دونوں طرف سے ہوتا ہے اور وہ طلاق ہے۔ کبھی پہلے اعتراض (خاوند کا انکار) کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے کہ اسلام سے انکار فسخ ہے اگرچہ یہ اسلام سے انکار خاوند کی جانب سے ہو اور دوسرے اعتراض (لعان) کا جواب دیا جاتا ہے کہ جب لعان کی ابتدا مرد سے ہوئی تو یہ ایسے ہی ہو گیا کہ گویا یہ فسخ صرف مرد کی جانب سے ہوتا ہے۔ اس میں غور و فکر کیجئے۔

11634۔ (قولہ: أَوْ خِيَارِ عِتْقٍ) یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ غلام کے لئے خیار عتق ہے یہ ان کی جانب سے سہو ہے۔ بے شک ہم پہلے ''بحر'' اور ''فتح القدیر'' سے (مقولہ 11624 میں) نقل کر چکے ہیں کہ خیار عتق صرف عورت کے

وَلَيْسَ لَنَا فُرْقَةٌ مِنْهُ وَلَا مَهْرَ عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا اخْتَارَ نَفْسَهُ بِخِيَارِ عِتْقٍ وَشَرَطَ لِلْكُلِّ الْقَضَاءُ

اور ہم احناف کے نزدیک کوئی فرقت نہیں کہ اس پر مہر نہ ہو مگر اس صورت میں کہ وہ اپنا آپ خیار عتق کے ساتھ اختیار کرے اور ہر ایک کے لئے قضا شرط ہے۔

ساتھ خاص ہے۔ شارح اس کی عنقریب وضاحت نکاح الرقیق کے باب میں کریں گے جب وہ کہیں گے: یہ خیار غلام کے لئے ثابت نہیں،''ح''۔

11635۔(قولہ: وَلَيْسَ لَنَا فُرْقَةٌ مِنْهُ) یعنی ہمارے نزدیک حقوق زوجیت سے پہلے کوئی فرقت نہیں،''ح''۔

11636۔(قولہ: إِلَّا إِذَا اخْتَارَ نَفْسَهُ بِخِيَارِ عِتْقٍ) صحیح خیار البلوغ ہے۔ اس پر''البحر'' کا قول دلالت کرتا ہے: ہمارے نزدیک کوئی ایسی فرقت نہیں جو حقوق زوجیت سے پہلے خاوند کی جانب سے ہو اور مرد پر مہر نہ ہو مگر یہ ایک صورت ہے۔ یہ خیار بلوغ کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ گفتگو اسی کے متعلق ہے خیار عتق کے بارے میں نہیں جس طرح تو اس کی طرف رجوع کرنے سے جان لے گا۔ پھر کہا: یہ حصر صحیح نہیں۔ کیونکہ''الذخیرہ'' میں کتاب النفقات سے تھوڑا پہلے ہے: آزاد آدمی نے ایک مکاتبہ لونڈی سے اس کے مالک کی اجازت سے عقد نکاح کیا مہر ایک معین لونڈی مقرر کیا گیا مکاتبہ نے لونڈی پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ اس مکاتبہ نے اس لونڈی کا عقد نکاح اپنے خاوند سے سو درہم مہر پر کر دیا تو دونوں نکاح جائز ہو جائیں گے۔ اگر خاوند نے مکاتبہ کو پہلے طلاق دی پھر لونڈی کو طلاق دی تو مکاتبہ پر طلاق واقع ہو جائے گی لونڈی پر طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ مکاتبہ کو طلاق دینے سے یہ لونڈی اپنے خاوند اور مکاتبہ میں نصف نصف ہو جاتی ہے۔ اور نفس طلاق سے اس کا نصف خاوند کی طرف لوٹ جاتا ہے تو لونڈی کا نکاح اس پر طلاق واقع ہونے سے پہلے فاسد ہو جاتا ہے۔ پس طلاق عمل نہ کرے گی۔ اور خاوند کے ذمہ سے لونڈی کا تمام مہر باطل ہو جاتا ہے جبکہ یہ ایسی فرقت ہے جو خاوند کی جانب سے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ فرقت جب خاوند کی جانب سے واقع ہو تو یہ تمام مہر کو ساقط نہیں کرے گی جب وہ فرقت طلاق ہو۔ اگر یہ فرقت مرد کی جانب سے دخول سے پہلے ہو اور وہ ہر اعتبار سے فسخ نکاح ہو تو یہ تمام مہر کے سقوط کو واجب کرے گی جس طرح بچہ جب بالغ ہو۔ اسی طرح اگر اس نے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل اپنی منکوحہ کو خرید لیا، تو تمام مہر ساقط ہو جائے گا جبکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی۔ کیونکہ نکاح کا فساد ایسا حکم ہے جو ملک کے ساتھ معلق ہے اور ہر حکم جو ملک کے ساتھ متعلق ہو اسے مشتری کے قبول کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اس کا انحصار بائع کے ایجاب پر نہیں ہوتا۔ تمام مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے فسخ ہے۔

صاحب''ذخیرہ'' پر اعتراض وارد ہوتا ہے: جب خاوند حقوق زوجیت سے پہلے مرتد ہو جائے تو یہ فرقت ہے یہ ہر اعتبار سے فسخ ہے ساتھ ہی تمام مہر ساقط نہیں ہو گا بلکہ اس پر نصف مہر واجب ہو گا۔ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی ضابطہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ ہر فرد میں وہی حکم لگایا جائے دلیل جس کا فائدہ دے،''البحر''۔

''نہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: اس دعویٰ میں کہ جو فرقت مرد کی جانب سے ہوتی ہے اس صورت میں جب مرد بیوی کا

إِلَّا ثَمَانِيَةً وَنَظَمَ صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ

فُرَقُ النِّكَاحِ أَتَتْكَ جَمْعًا نَافِعًا فَسْخُ طَلَاقٍ وَهٰذَا الدُّرُّ يَحْكِيهَا

تَبَايُنُ الدَّارِ ....

مگر آٹھ اور صاحب ''النہر'' نے اسے نظم کیا اور کہا: نکاح کی جدائیاں تیرے پاس نافع مجموعہ کی صورت میں فسخ نکاح اور طلاق یہ موتی جیسی نظم انہیں بیان کرتی ہے۔ میاں بیوی کے دیار کا مختلف ہونا،

مالک بن جائے یا اس کے بعض کا مالک بن جائے۔ اس میں نظر ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: ایسی فرقت جو خاوند کے بیوی کا مالک بننے یا اس کے کچھ حصہ کا مالک بننے کی وجہ سے ہو وہ فرقت طلاق کے بغیر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی فرقت ہے جو ایک سبب سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ خاوند کی جانب سے واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ اسے طلاق بنایا جائے۔ پس اسے فسخ نکاح بنایا جائے گا۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہوگی۔ ''نہر''۔ ''ح''۔

11637۔ (قولہ: إِلَّا ثَمَانِيَةً) کیونکہ یہ واضح سبب پر مبنی ہے بخلاف اس کے غیر کے کیونکہ وہ سبب خفی پر مبنی ہے۔ کیونکہ کفاءت ایسی شے ہے جس کو حس سے نہیں پہچانا جاتا۔ اس کے اسباب مختلف ہیں۔ اسی طرح مہر مثل میں کمی ہے۔ خیار بلوغ یہ شفقت کی کمی پر مبنی ہے۔ یہ باطنی امر ہے۔ اسلام سے انکار بعض اوقات پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا ''بحر''۔ ''ح'' میں اسی طرح ہے۔

فرقت نکاح

11638۔ (قولہ: فُرَقُ النِّكَاحِ) یہ پہلا مصرع ''بحر'' کامل سے ہے اور باقی ماندہ مصرع ''بحر'' بسیط میں سے ہے یہ جائز نہیں۔ میں نے اسے اپنے اس قول کی طرف پھیر دیا ہے: ان النکاح لہ فی قولھم فرق ''ح''۔ (علما کے قول میں نکاح کی جدائی کی کئی صورتیں ہیں)۔

نکاح کی فرقتوں کی صورتیں

11639۔ (قولہ: فَسْخُ طَلَاقٍ) یہ قول فرق سے بدل مفصل ہے۔ خبر ان کا یہ قول ہے: اتتک یا خبر کے بعد خبر ہے'' ط''۔

11640۔ (قولہ: وَهٰذَا الدُّرُّ) اسم اشارہ مبتدا ہے۔ الدر اسم اشارہ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔ اس سے مراد نظم مذکور ہے۔ نظم کو نفاست میں در سے تشبیہ دی ہے۔ یحکیھا اس کی خبر ہے۔ یہ نظم ان فرقتوں کو بیان کرتی ہے۔

11641۔ (قولہ: تَبَايُنُ الدَّارِ) داروں کا مختلف ہونا حقیقۃ اور حکماً دونوں طرح ہو جس طرح حربی میاں بیوی میں سے کوئی ایک دار الاسلام کی طرف امان کے بغیر نکلے۔ یعنی وہ ہماری طرف مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر آئے یا ہمارے دار میں ذمی ہو جائے۔ جب امان لے کر ہمارے پاس آئے تو صورت حال مختلف ہوگی۔ کیونکہ صرف حقیقت کے اعتبار سے تو دار مختلف ہیں جب کوئی مسلمان یا ذمی کسی حربی عورت سے وہاں ہی شادی کر لے تو دار صرف حکماً مختلف ہیں۔

.... مَعْ نُقْصَانِ مَهْرٍ کَذَا　فَسَادُ عَقْدٍ وَفَقْدُ الْکُفْءِ یَنْعِیهَا
تَقْبِیلُ سَبْیٌ وَإِسْلَامُ الْمُحَارِبِ أَوْ　............................

اسی طرح مہر کا کم ہونا، عقد کا فاسد ہونا اور کفو کا نہ ہونا عورت کو موت کی خبر دیتا ہے۔ بوسہ لینا، قیدی ہونا، حربی کا اسلام قبول کرنا یا

''ح'' عبارت کچھ زیادتی کے ساتھ ہے۔

11642۔(قولہ: مَعْ نُقْصَانِ مَهْرٍ) مع کا لفظ عین کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ ایک لغت ہے۔ اور ''مہر'' کا لفظ تنوین کے بغیر ضرورت کی بنا پر ہے یعنی جب عورت نے اپنا عقد نکاح مہر سے کم پر کیا۔ اور ولی نے میاں بیوی میں جدائی کروا دی تو یہ فسخ نکاح ہوگا۔ اگر یہ حقوق زوجیت سے پہلے ہو تو اس عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اگر حقوق زوجیت کے بعد ہو تو اس کے لئے وہ مہر ہوگا جو مقرر کیا گیا جس طرح آگے آئے گا۔ ''ط''۔

11643۔(قولہ: کَذَا فَسَادُ عَقْدٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ آزاد عورت پہلے بیوی ہو پھر لونڈی سے شادی کرے یا بغیر گواہوں کے شادی کرے۔

11644۔(قولہ: وَفَقْدُ الْکُفْءِ) جب عورت نے غیر کفو میں شادی کی تو اولیا کو عقد نکاح کے فسخ کا حق ہوگا۔ یہ تعبیر ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ جہاں تک حضرت امام ''حسن'' کی احادیث کا تعلق ہے تو نفس عقد فاسد ہے۔ ''ط''۔ یہ بات پہلے (مقولہ 11502 میں) گزر چکی ہے کہ یہی مفتی بہ قول ہے۔

11645۔(قولہ: یَنْعِیهَا) نعی سے مراد موت کی خبر دینا ہے۔ یہ تکملہ ہے۔ اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جس نے غیر کفو میں نکاح کیا تو گویا وہ عورت مر گئی، ''ط''۔

11646۔(قولہ: تَقْبِیلُ) تقبیل لفظ مرفوع ہے تنوین کا نہ ہونا ضرورت کی بنا پر ہے۔ یعنی مرد کے بوسہ لینے کا عمل ایسی چیز ہے جو اس عورت کے اصول وفروع میں سے مؤنث کو اس مرد پر حرام کر دیتا ہے یا عورت کا یہ فعل مرد کے اصول و فروع میں سے مذکر کو اس پر حرام کر دیتا ہے، ''ط''۔

11647۔(قولہ: سَبْیٌ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ باب نکاح الکافر میں ہے: عورت داروں کے مختلف ہونے سے جدا ہوتی ہے قیدی بننے سے جدا نہیں ہوتی۔ اگر حضرت شارح کی مراد داروں کے مختلف ہونے کے ساتھ قیدی بنانا ہے تو تباین دار اس قید سے غنی کر دیتا ہے، ''ح''۔

11648۔(قولہ: وَإِسْلَامُ الْمُحَارِبِ) یعنی اگر دو مجوسیوں میں سے ایک دارالحرب میں اسلام لے آئے تو عورت تین حیض گزرنے یا تین ماہ گزرنے کے ساتھ خاوند سے جدا ہو جائے گی جبکہ دوسرا اس عرصہ میں مسلمان نہ ہو۔ یہاں فرقت کی شرط (جو تین حیض یا تین ماہ کا گزارنا ہے) کو سبب کے قائم مقام رکھا ہے اور سبب انکار کرنا ہے۔ کیونکہ ولایت کے نہ ہونے سے اسلام پیش کرنا متعذر ہے۔ پس ان (حیض، ماہ) کا گزرنا قاضی کی تفریق کے قائم مقام ہوگا۔ یہ فرقت طرفین

إِرْضَاعُ ضَرَّتِهَا قَدْ عُدَّ ذَا فِيهَا ....
خِيَارُ عِتْقٍ بُلُوغٍ رِدَّةٌ وَكَذَا مِلْكٌ لِبَعْضٍ وَتِلْكَ الْفَسْخُ يُحْصِيهَا
اپنی سوکن کو دودھ پلانا یہ بھی ان جدائیوں میں شمار کی گئی ہے۔ خیار عتق، خیار بلوغ، ارتداد اسی طرح بعض حصہ کا مالک بن جانا فسخ ان سب کو شامل ہے۔

کے نزدیک طلاق ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ نکاح ہے۔ ''البحر'' میں باب نکاح الکافر میں کہا: یہ کہنا چاہئے عورت نے اسلام قبول کیا ہو تو یہ طلاق ہے۔ کیونکہ خاوند حکماً اسلام سے انکار کرنے والا ہے اور مرد کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں یہ فسخ نکاح ہو۔

11649۔ (قولہ: أَوْ إِرْضَاعُ ضَرَّتِهَا) جب بڑی بیوی چھوٹی سوکن کو دودھ پلا دے جبکہ سوکن کی عمر دو سال ابھی نہ ہوئی تو دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ جس طرح رضاع کے باب میں (مقولہ 12856 میں) آئے گا۔ کیونکہ یہ مرد اپنے نکاح میں ماں اور اس کی بیٹی کو جمع کرنے والا ہے۔ ''ط''۔ ضرۃ قید نہیں۔ کیونکہ ''بدائع'' میں اس کی یہ صورت بیان کی ہے: اگر چھوٹی بیوی کو اس کے خاوند کی ماں یعنی ساس نے دودھ پلایا یا دونوں چھوٹی بیویوں کو ایک اجنبی عورت نے دودھ پلایا۔

11650۔ (قولہ: خِيَارُ عِتْقٍ) تو یہ جان چکا ہے کہ خیار عتق صرف عورت کی جانب سے ہوتا ہے (یعنی یہ حق صرف عورت استعمال کر سکتی ہے) مابعد کا معاملہ مختلف ہے، ''ح''۔

11651۔ (قولہ: بُلُوغٍ) بلوغ پر جر اس لئے ہے کیونکہ عتق پر اس کا عطف ہے صرف عطف ساقط کر دیا گیا ہے، ''ط''۔

11652۔ (قولہ: رِدَّةٌ) ردۃ کا لفظ مرفوع ہے۔ اس کا عطف تباین پر ہے۔ یہاں بھی حرف عطف حذف ہے۔ ''ط''۔ مراد دونوں میں سے صرف ایک کی ردت ہے۔ اگر دونوں اکٹھے مرتد ہوں تو پھر اکٹھے مسلمان ہوں تو نکاح باقی رہے گا۔

11653۔ (قولہ: مِلْكٌ لِبَعْضٍ) یہ قول اس امر کا فائدہ دے رہا ہے کہ کل کا مالک ہونا بدرجہ اولیٰ یہی حکم رکھے گا، ''ح''۔

11654۔ (قولہ: وَتِلْكَ الْفَسْخُ يُحْصِيهَا) یعنی فسخ ان سب کو جامع ہے اور ان سب صورتوں میں فسخ متحقق ہوگا۔ اشارہ متقدم بارہ امور کی طرف ہے۔ آپ قیدی بنائے جانے کے سبب نہ ہونے کو جان چکے ہیں۔ مناسب یہ تھا کہ اس کی بجائے وہ کلام ذکر کرتے جو ''بدائع'' میں ہے: ایک مسلمان نے ایک کتابیہ یہودی یا نصرانی سے شادی کی تو وہ عورت مجوسیہ ہو گئی فرقت دونوں میں ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ مجوسیہ مسلمان مرد سے نکاح کے اہل نہیں۔ پھر اگر وہ حقوق زوجیت سے پہلے مجوسیہ ہوئی تو اس بیوی کے لئے کوئی مہر اور نفقہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی جدائی سے جو طلاق نہیں پس یہ فسخ نکاح ہوگا۔ اگر یہی جدائی حقوق زوجیت کے بعد ہو تو اس عورت کے لئے مہر تو ہوگا نفقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جدائی عورت کی جانب سے ہوئی ہے۔

میں نے اس سے قبل شعر میں تبدیلی کی ہے اور اس سبی (قید) کو ساقط کر دیا ہے اور اس مسئلہ کو زائد ذکر کیا ہے۔ میں

أَمَّا الطَّلَاقُ فَجَبٌّ عُنَّةٌ وَكَذَا	إِيلَاؤُهُ وَلِعَانٌ ذَاكَ يَتْلُوهَا
قَضَاءُ قَاضٍ أَتَى شَرْطَ الْجَمِيعِ خَلَا	مِلْكٍ وَعِتْقٍ وَإِسْلَامٍ أَتَى فِيهَا

جہاں تک ان جدائیوں کا تعلق ہے جو طلاق ہیں تو وہ مرد کا مقطوع الذکر ہونا، مرد کا عنین ہونا۔ اسی طرح اس کا ایلا کرنا اور لعان کرنا ہے یہ ماقبل کے تابع ہے۔ قاضی کا فیصلہ سب کے لئے شرط ہے سوائے ملک، خیار عتق اور اسلام کے

نے کہا

اِرضاعٌ اسلامُ حَربِیٍّ تَمجُّسُ نَصْـ　رانِیَّةٍ قُبلَةٌ قد عُدّ ذا فیها

دودھ پلانا، حربی کا اسلام قبول کرنا، نصرانیہ عورت کا مجوسی ہو جانا، بوسہ لینا اسے ان میں شمار کیا گیا ہے۔

تو یہ جان چکا ہے کہ حربی کا اسلام قبول کرنا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ''بحر'' میں جو بحث کی ہے اس پر متفرع ہوتا ہے۔

فرقت کی ان صورتوں کا بیان جو طلاق ہیں

11655۔ (قولہ: أَمَّا الطَّلَاقُ الخ) وہ فرقت جو طلاق ہے وہ وہ فرقت ہے جو آلہ تناسل کے کٹے ہونے، عنین ہونے، ایلا کرنے اور لعان کرنے کی وجہ سے ہے۔ پانچویں صورت رہ گئی ہے جسے ''فتح'' میں ذکر کیا ہے۔ وہ خاوند کا اسلام قبول کرنے سے انکار کرنا ہے۔ یعنی اگر ذمی کی بیوی نے اسلام قبول کیا اور خاوند نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو یہ طلاق ہوگئی اس کے برعکس طلاق نہ ہوگی۔ اگر عورت نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو نکاح باقی رہے گا۔ میں نے شعر کو اپنے اس قول کی طرف پھیر دیا ہے۔

اما الطلاقُ فجبٌّ عُنَّةٌ وابا　ءُ الزوجِ ایلاؤُهٗ واللّعنُ یَتْلُوُهَا

وہ جدائیاں جو طلاق ہیں وہ خاوند کا مقطوع الذکر ہونا، اس کا عنین ہونا، خاوند کا اسلام قبول کرنے سے انکار کرنا، اس کا ایلاء کرنا اور لعان کرنا یہ ماقبل کے تابع ہے۔ اسی طرح دو حربیوں میں سے ایک کا اسلام قبول کرنا یہ ایسی فرقت ہے جو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق طلاق ہے۔ لیکن جب شارح اس طرف گئے ہیں کہ یہ فسخ ہے تو ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

تتمہ

ہم پہلے ''فتح'' سے (مقولہ 11631 میں) ذکر کر چکے ہیں: ہر وہ فرقت جو طلاق ہو اس کی عدت میں طلاق لاحق ہو سکتی ہے مگر لعان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ لعان دائمی حرمت ہوتی ہے۔

11656۔ (قولہ: خَلَا مِلْكٍ الخ) ملک سے مراد دونوں میں سے ایک کا دوسرے کا مکمل یا اس کے بعض کا مالک بننا ہے۔ اور عتق سے مراد لونڈی کا خیار عتق استعمال کرنا ہے جب آقا نے پہلے اس لونڈی کی شادی کی پھر اسے آزاد کر دیا۔ غلام کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اسلام سے مراد دو حربیوں میں سے ایک کا اسلام قبول کرنا ہے۔ اور بوسہ لینے سے مراد ایسا فعل ہے جو

تَقْبِیلُ سَبْیٌ مَعَ الْإِیلَاءِ یَا أَمَلِی تَبَایُنٌ مَعَ فَسَادِ الْعَقْدِ یُدْنِیهَا

(وَبَطَلَ خِیَارُ الْبِکْرِ بِالسُّکُوتِ) لَوْ مُخْتَارَةً (عَالِمَةً بِ) أَصْلِ (النِّکَاحِ)

ان میں بوسہ لینا، قیدی بنانا ایلا کے ساتھ اے میری امید کے مرکز دار کا مختلف ہونا عقد کے فاسد ہونے کے ساتھ جو عورت کو اس کے مرتبہ سے اتار دیتا ہے۔

باکرہ عورت کا خیار سکوت سے باطل ہو جائے گا اگر وہ مختار ہو جبکہ وہ اصل نکاح سے آگاہ ہو۔

حرمت مصاہرت کو واجب کرے۔ کیونکہ محض اس فعل سے نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کو ترک کرنے یا قاضی کی تفریق سے عقد نکاح ختم ہوتا ہے جس طرح محرمات کے باب میں (مقولہ 11332 میں) گزر چکا ہے۔ پس تفریق متعین نہ ہوگی۔ تجھے علم ہے کہ سبی (قیدی بنانے) کا کوئی محل نہیں۔

حضرت شارح نے جن امور کا ذکر کیا ہے جن میں فیصلہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔ ان کا ماحصل یہ ہے کہ وہ آٹھ ہیں۔ اس قول پر ارتداد کی وجہ سے فرقت کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ عنقریب یہ آئے گا کہ ان دونوں میں سے ایک کا ارتداد فی الحال فسخ نکاح ہے۔ میں نے آخری شعر کو اپنے اس قول کی طرف پھیر دیا ہے۔

ایلاؤہ ردۃ ایضا مصاھرۃ تباین مع فساد العقد یدنیھا

مرد کا ایلا کرنا، ارتداد، حرمت مصاہرت، داروں کا تباین ہونا، ساتھ ہی عقد کا فاسد ہونا یہ عورت کو مرتبہ سے گرا دیتا ہے۔

باکرہ عورت اگر مختارہ ہو اور اسے اصل نکاح کا علم ہو تو سکوت سے خیار باطل ہو جائے گا

11657۔ (قولہ: وَبَطَلَ خِیَارُ الْبِکْرِ) یعنی وہ عورت جو بالغ ہو جبکہ وہ باکرہ تھی۔

11658۔ (قولہ: لَوْ مُخْتَارَةً) مگر جب عورت کو خبر پہنچی تو اسے چھینک یا کھانسی نے آلیا جب وہ تکلیف اس عورت سے ختم ہوئی تو عورت نے کہا میں اس عقد پر راضی نہیں جب اس نے متصلاً یہ قول کیا تھا تو رد کرنا جائز ہو جائے گا۔ اسی طرح جب مرد نے اس کا منہ پکڑ لیا پھر اسے چھوڑا تو عورت نے کہا: میں عقد نکاح پر راضی نہیں تو عقد نکاح کا رد جائز ہوگا۔ ''ط''۔ ''ہندیہ'' سے مروی ہے۔

11659۔ (قولہ: عَالِمَةً بِأَصْلِ النِّکَاحِ) یہ شرط نہیں کہ عورت کو خیار بلوغ کے ثبوت کا علم ہو اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ خیار آخر مجلس تک ممتد نہیں ہوگا جس طرح ''شرح الملتقی'' میں ہے۔ اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر عورت بالغ ہوگئی اور اس نے کہا: الحمد لله، اخترت نفسی تو وہ اپنے خیار پر باقی ہوگی۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ بالغ ہونے کے فوراً بعد کہے: اخترت نفسی و نقضت النکاح میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور نکاح کو توڑ دیا۔ اس کے بعد اس کا حق تاخیر کرنے سے باطل نہیں ہوگا یہاں تک کہ قدرت پائی جائے۔

فَلَوْ سَأَلَتْ عَنْ قَدْرِ الْمَهْرِ قَبْلَ الْخَلْوَةِ أَوْ عَنِ الزَّوْجِ أَوْ سَلَّمَتْ عَلَى الشُّهُودِ لَمْ يَبْطُلْ خِيَارُهَا نَهْرٌ بَحْثًا

اگر عورت نے خلوت سے پہلے مہر کی مقدار یا خاوند کے متعلق پوچھا یا عورت نے گواہوں کو سلام کیا تو اس کا خیار باطل نہیں ہو گا۔ یہ قول ''نہر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

اگر عورت نے خلوت سے پہلے مہر کی مقدار یا خاوند کے متعلق پوچھا تو خیار باطل نہیں ہوگا

11660۔ (قولہ: فَلَوْ سَأَلَتْ الخ) اس تفریع کا کوئی محل نہیں بلکہ مقام استدراک کا مقام ہے۔ کیونکہ خیار کا بطلان جو اس پر منحصر ہے کہ اس عورت کو اصل نکاح کا علم ہو تقاضا کرتا ہے کہ بدرجہ اولیٰ ان مذکورہ مسائل میں خیار باطل ہو نہ کہ یہ قول کیا جائے کہ خیار باطل نہ ہو۔ کیونکہ یہ مسائل اصل نکاح کے علم کے بعد ہوتے ہیں۔ اگر اس سے قبل انہیں فرض کر لیا جائے تو خیار کے باطل نہ ہونے میں کوئی نزاع نہیں ہوگا جبکہ نزاع قائم ہے جس طرح تم قریب ہی دیکھو گے۔

11661۔ (قولہ: نَهْرٌ بَحْثًا) یعنی اس کے برعکس جو ''زیلعی''، ''محیط'' اور ''ذخیرہ'' میں منقول ہے۔ اصل بحث محقق ''ابن ہمام'' کی ہے انہوں نے کہا: جو یہ کہا گیا ہے: اگر عورت نے خاوند کے نام کے بارے میں پوچھا یا مہر کے بارے میں سوال کیا یا گواہوں کو سلام کیا تو عورت کا خیار باطل ہو جائے گا یہ محض تکلف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ غایت امر یہ ہے کہ یہ حالت ابتداء نکاح کی حالت ہے۔ اگر باکرہ عورت خاوند کے نام کے بارے میں پوچھے تو عقد نکاح اس پر نافذ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت نے مہر کے بارے میں پوچھا۔ اسی طرح اس کا آنے والے کو سلام کہنا رضا پر دلیل نہیں یہ کیسے رضا پر دلیل ہو سکتی ہے جب اس نے عقد نکاح کو فسخ کرنے پر گواہ بنانے کے لئے بھیجے ہوں۔ ملخص۔

''بحر'' میں سلام کے بارے میں منازعہ کیا ہے کہ باکرہ کا خیار محض سکوت سے باطل ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلام کہنے میں مشغول ہونا سکوت سے بڑھ کر ہے۔ ''نہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: یہ ممنوع ہے۔ علما نے اسے شفعہ کے باب میں نقل کیا ہے کہ شفیع کا مشتری کو سلام کرنا اسے باطل نہیں کرتا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام کلام سے پہلے ہے (1)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقد بیع کے جاننے کے بعد طلب مواثبہ سکوت کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے جس طرح خیار بلوغ باطل ہو جاتا ہے۔ اگر سلام سکوت سے بڑھ کر ہوتا تو طلب مواثبت باطل ہو جاتی۔ علما نے کہا: اگر شفیع نے کہا: اس کو کس نے خریدا ہے اور کتنے میں خریدا ہے؟ تو شفیع کا شفعہ باطل نہیں ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جو ''فتح القدیر'' میں ہے۔ ہاں جو مہر میں توجیہ کی ہے یہ مکمل ہو جاتی ہے جب اس کے ساتھ خلوت نہ کی ہو۔ اگر اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کی ہو تو اس کی مقدار پر آگاہی ایسے امر میں مشغول ہونا ہے جو مفید نہیں۔ کیونکہ خلوت کے ساتھ مہر واجب ہو جاتا ہے تو اس کے عدم سقوط کو مطلقاً ذکر کرنا ان چیزوں میں سے ہے جو مناسب نہیں۔ یہ ''نہر'' کا کلام ہے اس کے آخر میں شارح نے کہا: قبل الخلوۃ۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی السلام قبل الکلام، جلد 2، صفحہ 368، حدیث نمبر 2623

(وَلَا يَمْتَدُّ إِلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ) لِأَنَّهُ كَالشُّفْعَةِ وَلَوْ اجْتَمَعَتْ مَعَهُ تَقُولُ أَطْلُبُ الْحَقَّيْنِ ثُمَّ تَبْدَأُ بِخِيَارِ الْبُلُوغِ لِأَنَّهُ دِينِيٌّ

اور یہ خیار مجلس کے آخر تک ممتد نہیں ہوگا کیونکہ یہ شفعہ کی طرح ہے اگر شفعہ خیار بلوغ کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہ کہے گی میں دونوں کے حقوق کا مطالبہ کرتی ہوں پھر خیار بلوغ سے شروع کرے گی کیونکہ یہ امر دینی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان تینوں مسائل میں منقول خیار کا بطلان ہے۔ اور ''فتح'' میں ان میں خیار کے عدم بطلان پر بحث کی ہے۔ اور ''بحر'' میں صرف سلام کے مسئلہ پر ان سے منازعہ کیا ہے۔ اور ''نہر'' میں تمام مسائل میں ''فتح'' کی موافقت کی ہے۔ اسی طرح محقق ''مقدسی'' اور ''شرنبلالی'' کی رائے ہے۔ گویا حکم کا اصل مذہب کے بعض مشائخ سے تخریج اور استنباط کے طریق پر مذکور ہے۔ ''فتح'' میں اس تخریج کی صحت میں ان سے منازعہ کیا ہے اگر چہ وہ اہل ترجیح میں سے ہیں جس طرح ''البحر'' کے قضا کے باب میں ہے بلکہ اجتہاد کے رتبہ تک پہنچے جس طرح ''مقدسی'' نے باب نکاح العبد میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کی اس قول میں پیروی نہیں کی جائے گی جس میں وہ مذہب کی مخالفت کریں۔ اگر یہ حکم ہمارے تینوں ائمہ میں سے کسی ایک سے منقول ہو تو ان علما کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ اس بحث کی اتباع کرتے جو مذہب منقول کے خلاف ہے۔ جو اس امر کی تائید کرتا ہے کہ یہ کسی شیخ کا قول ہے یہ نص مذہبی نہیں وہ ''محقق'' کا یہ قول ہے: دماقیل۔ فافہم

11662۔ (قولہ: وَلَا يَمْتَدُّ إِلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ) یہ خیار اس مجلس کے آخر تک ممتد نہیں ہوگا جب مجلس میں اسے خبر پہنچی یا جس مجلس میں اسے نکاح کا علم ہوا۔ جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ یعنی جب وہ بالغ ہوئی اور وہ نکاح کا علم رکھتی تھی یا اسے بالغ ہونے کے بعد نکاح کا علم ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بلوغت اور نکاح کے علم ہونے کی حالت میں عقد نکاح فسخ کرے۔ اگر وہ خاموش ہوگئی اگر چہ تھوڑی دیر تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا اگر چہ مجلس کے تبدیل ہونے سے پہلے ہو۔

11663۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَالشُّفْعَةِ) شفعہ کے ثبوت میں شرط ہے کہ شفیع عقد بیع کے علم ہونے کے فوراً بعد طلب کرے ظاہر روایت میں اسی طرح ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا یا اس نے لغو کلام کی تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور شارح نے (مقولہ 31637 میں) اس کے باب ''جو یہ تصحیح کی ہے کہ یہ شفعہ آخر مجلس تک ممتد ہوگا'' وہ تصحیح ضعیف ہے جس طرح ان شاء اللہ آگے (مقولہ 31639 میں) آئے گا۔

اگر شفعہ خیار بلوغ کے ساتھ جمع ہو جائے تو اس کا حکم

11664۔ (قولہ: وَلَوْ اجْتَمَعَتْ مَعَهُ) یعنی شفعہ خیار بلوغ کے ساتھ جمع ہو جائے ''ح''۔

11665۔ (قولہ: ثُمَّ تَبْدَأُ بِخِيَارِ الْبُلُوغِ) وہ خیار بلوغ سے شروع کرے گی۔ یہ ایک قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شفعہ سے شروع کرے گی۔ ''بزازیہ'' کے شفعہ کے باب میں ہے: اسے خیار بلوغ اور شفعہ کا حق ہوگا۔ پس کہا: میں نے شفعہ کو طلب کیا اور اپنے نفس کو اختیار کیا تو مؤخر باطل ہو جائے گا اور مقدم ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے ممکن ہوگا کہ

وَتُشْهِدُ قَائِلَةً بَلَغْتُ الْآنَ ضَرُورَةَ إِحْيَاءِ الْحَقِّ
اور وہ یہ کہتے ہوئے گواہ بنائے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں۔ یہ حق کے احیا کی ضرورت کے پیش نظر ہے

وہ کہے: میں نے دونوں کو طلب کیا یا دونوں کو جائز قرار دیا یا دونوں کو میں نے اختیار کیا۔ یعنی اپنے نفس اور شفعہ کو۔ قاضی ''ابوجعفر'' نے کہا: وہ خیار بلوغ کو مقدم کرے گی۔ کیونکہ خیار شفعہ میں کوئی گنجائش ہوتی ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو (مقولہ 11661 میں) گزر چکی ہے اگر اس نے کہا: کس نے اسے خریدا ہے اور کتنے میں خریدا؟ تو شفعہ باطل نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہے: میں نے ان دونوں حقوق کو طلب کیا جو میرے لئے ثابت ہوئے: شفعہ اور نکاح کو رد کرنا۔

''خیر رملی'' نے تعیین کی صورت میں توقف کیا ہے اور اس میں اختلاف کو بعید جانا ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ بعض متقدمین نے تمثیل کے طریقہ پر کہا: میں نے دونوں سے اپنے نفس اور شفعہ کو طلب کیا۔ بعض نے کہا: شفعہ اور اپنے نفس کو۔ تو بعض متاخرین نے سمجھا کہ یہ حتمی ہے۔ ہاں بات اس طرح نہیں کیونکہ اس نے دونوں حقوں کو اکٹھے طلب کیا یہ سقوط سے مانع ہے۔ پس جب یہ حق متقدمہ اجمال کے ساتھ ثابت ہو گیا تو بیان میں ایک کی دوسرے پر تقدیم کچھ نقصان نہ دے گی۔ بلکہ اگر کہا جاتا: تفسیر کی کوئی حاجت نہیں تو یہ بہت اچھی توجیہ ہوتی۔ ملخص۔ فتامل۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک ثیبہ کا تعلق ہے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ شفعہ سے آغاز کرے گی۔ کیونکہ اس کا خیار بلوغ ممتد ہوتا ہے جس طرح آگے آئے گا۔

11666۔ (قولہ: وَتُشْهِدُ الخ) ''بزازیہ'' میں کہا: اگر بچی حیض دیکھنے سے بالغ ہوئی تو وہ خون دیکھتے ہی اپنے اختیار کو استعمال کرے گی۔ اگر خون رات کے وقت دیکھے تو اسی ساعت وہ اختیار استعمال کرے گی پھر وہ صبح کے وقت گواہ بنائے گی اور کہے گی: میں نے ابھی خون دیکھا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خون دیکھنے کو رات کے وقت کی طرف منسوب کرے گی تو وہ اپنے حق کو فاسد کر دے گی۔ یہ محض جھوٹ نہیں کیونکہ یہ توریہ کے انداز میں کلام ہے جو حق کے احیا کو جائز کرتی ہے۔ کیونکہ ایسا فعل جو دوام کے لئے ممتد ہو وہ فعل ابتدا کے حکم میں ہوتا ہے۔ ضرورت اس کی داعی ہے غیر کی داعی نہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے: وہ اپنے قول بلغت الآن سے یہ مراد لے گی کہ میں اب بالغہ ہوں تا کہ یہ صریح جھوٹ نہ ہو کیونکہ جہاں توریہ کے ذریعے حق کا احیا ہو توریہ سے یہ مراد ہے کہ متکلم ایسے معنی کا ارادہ کرتا ہے جو کلام کے متبادر معنی کے خلاف ہوتا ہے وہاں توریہ صریح جھوٹ سے بہتر ہوتا ہے۔ فافہم۔

''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر لوگوں نے پوچھا تو کب بالغ ہوئی ہے؟ وہ کہے گی: جونہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح کو توڑ دیا اس سے زائد کلام نہ کرے۔ اگر اس نے کہا: میں اس سے قبل بالغ ہوئی تھی اور جب میں بالغ ہوئی تھی میں نے اس عہد کو توڑ دیا تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ گواہ بنانا اختیار کے لئے شرط ہے۔ لیکن اسے گواہوں کے ساتھ ثابت کرنے کی شرط لگائی گئی ہے تا کہ عورت سے یمین (قسم) ساقط ہو جائے۔ عورت کا اپنے اختیار پر قسم دینا اسی طرح ہے جس طرح شفیع شفعہ پر گواہ بناتا ہے۔ اگر عورت نے قاضی سے کہا: میں نے اپنے آپ کو اسی وقت اختیار کر لیا تھا جس وقت میں بالغ

(وَإِنْ جَهِلَتْ بِهِ) لِتَفَرُّغِهَا لِلْعِلْمِ (بِخِلَافِ) خِيَارِ (الْمُعْتَقَةِ) فَإِنَّهُ يَمْتَدُّ

اگر چہ وہ خیار بلوغ کے حق میں جاہل ہو۔ کیونکہ یہ عورت علم حاصل کرنے کے لئے مصروفیات سے فارغ تھی۔ آزاد کی جانے والی لونڈی کے خیار کا معاملہ مختلف ہے وہ مجلس کے اختتام تک لمبا ہو جاتا ہے۔

ہوئی تھی تو قسم کے ساتھ عورت کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر اس عورت نے کہا: میں گزشتہ کل بالغ ہوگئی ہوں اور میں نے فرقت کا مطالبہ کیا تھا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ گواہوں کی محتاج ہوگی۔ اسی طرح اگر شفیع کہے: میں نے اس وقت مطالبہ کیا جب مجھے علم ہوا تو قول مرد کا قبول کیا جائے گا۔ اگر عورت نے کہا: مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلاق کا مطالبہ کیا تو گواہوں کے بغیر اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اگر وہ بچی کہے: میں تو اب بالغ ہو چکی ہوں اور میں نے عقد نکاح کو فسخ کر دیا ہے تو بغیر گواہوں اور قسم کے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر اس نے کہا: میں نے اس وقت عقد نکاح کو فسخ کر دیا تھا جب میں بالغ ہوئی تھی تو گواہوں اور قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر اس نے کہا: میں کل بالغ ہوئی تھی اور میں نے عقد نکاح کو فسخ کیا تو گواہوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت عقد نکاح کو فسخ کرنے کی مالک نہیں۔ دوسری صورت مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے اسے ماضی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس نے وہ حکایت کی جس کو نئے سرے سے واقع کرنے کی مالک تھی تو دونوں صورتوں کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا اگر چہ ''صاحب الفصولین'' پر معاملہ مخفی رہا جس طرح اسے ''نور العین'' میں بیان کیا ہے۔

11667۔(قولہ: وَإِنْ جَهِلَتْ بِهِ) یعنی اگر چہ وہ اس امر سے جاہل ہو کہ اسے خیار بلوغ کا اختیار ہے یا مجلس کے اختتام تک یہ اختیار ممتد نہیں ہوتا۔ ''قہستانی'' نے کہا: یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس بالغ ہونے والی بچی کا خیار اس وقت تک رہے گا یہاں تک کہ اسے یہ علم ہو جائے کہ اسے خیار ہے جس طرح ''الخف'' میں ہے۔

11668۔(قولہ: لِتَفَرُّغِهَا لِلْعِلْمِ) کیونکہ وہ احکام شرع کی معرفت کے لئے فارغ ہوتی ہے اور دار بھی دار علم ہے (یعنی وہ ایسے علاقہ میں رہی ہے جہاں شریعت کے احکام جاننا ممکن ہیں) تو جہالت کی وجہ سے وہ معذور نہ ہوگی یعنی علم سیکھنے کے لیے فارغ ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ تمام موانع مفقود ہیں اگر چہ بالغ ہونے سے پہلے حصول علم کا اسے مکلف نہیں بنایا گیا۔

آزاد کی جانے والی عورت کا خیار اختتام مجلس تک ممتد ہوگا

11669۔(قولہ: بِخِلَافِ خِيَارِ الْمُعْتَقَةِ فَإِنَّهُ يَمْتَدُّ) آزاد کی جانے والی عورت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا خیار مجلس کے اختتام تک باقی رہے گا۔ اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہونے کی صورت میں خیار باطل ہو جائے گا۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ فافہم۔ وہ قاضی کے فیصلہ کی محتاج نہ ہوگی۔ باکرہ کے خیار کا معاملہ اس سے مختلف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

حاصل کلام وہ ہے جو ''النہر'' میں ہے: خیار عتق خیار بلوغ سے پانچ امور میں مختلف ہے: خیار عتق صرف عورت کو

لِشُغْلِهَا بِالْمَوْلَى (وَخِيَارُ الصَّغِيرَةِ وَالثَّيِّبِ إِذَا بَلَغَا لَا يَبْطُلُ) بِالسُّكُوتِ (بِلَا صَرِيحِ) رِضًا (أَوْ دَلَالَةٍ) عَلَيْهِ (كَقُبْلَةٍ وَلَمْسٍ) وَدَفْعِ مَهْرٍ (لَا يَبْطُلُ (بِقِيَامِهَا عَنِ الْمَجْلِسِ) لِأَنَّ وَقْتَهُ الْعُمُرُ

کیونکہ وہ آقا کی خدمت میں مصروف رہتی ہے۔ چھوٹے لڑکے اور ثیبہ صغیرہ کا خیار بالغ ہونے کی صورت خاموشی کے ساتھ باطل نہیں ہوتا۔ جب تک وہ صراحۃً رضا ظاہر نہ کرے یا اس کی رضا پر دلالت نہ پائی جائے۔ جس طرح بوسہ لینا، چھونا، مہر دینا، دونوں کے مجلس سے اٹھ جانے کی صورت میں خیار باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا وقت پوری عمر ہے۔

حاصل ہے، مجلس میں خاموش رہنے سے یہ خیار باطل نہیں ہوتا، قاضی کا فیصلہ اس میں شرط نہیں، جہالت عذر ہے، اس خیار کے باطل ہونے میں وہ امر بھی کافی ہے جو اعراض پر دلالت کرے۔ آخری صورت میں ثیبہ اور لڑکے کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

معتقہ سے مراد ایسی عورت ہے جس کی شادی آقا نے آزادی سے پہلے کی ہو وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ اگر وہ چھوٹی ہو تو اسے آزادی کا خیار ثابت ہوگا خیار بلوغ ثابت نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ آزادی کے بعد اس کی شادی کرے یہ خیار بلوغ بچی اور چھوٹے غلام کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ آزادی کے خیار کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ غلام لڑکے کے لئے ثابت نہیں ہوگا خواہ آقا نے اس کی شادی بالغ ہونے کی صورت میں کی ہو۔ جس طرح ہم اسے پہلے (مقولہ 11624 میں) بیان کر چکے ہیں۔

چھوٹے لڑکے اور ثیبہ صغیرہ کے خیار کا وقت پوری عمر ہے

11670۔ (قولہ: وَالثَّيِّبِ) یہ اس عورت کو بھی شامل ہے جو اصل میں ثیبہ ہو اور اس باکرہ کو بھی شامل ہے جو باکرہ تھی پھر خاوند نے اس کے حقوق زوجیت ادا کئے پھر وہ بالغہ ہوگئی جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں ہے۔

11671۔ (قولہ: أَوْ دَلَالَةٍ) اس کا عطف صریح پر ہے۔ علیہ کی ضمیر الرضاء کے لئے ہے،''ط''۔

11672۔ (قولہ: وَدَفْعِ مَهْرٍ) ''فتح'' میں مہر دینے کو رضا پر اس صورت میں محمول کیا ہے جب وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہو تو اگر خاوند کے اپنے بالغ ہونے سے پہلے حقوق زوجیت ادا کئے تو چاہئے کہ خاوند کے بالغ ہونے پر مہر دینا رضامندی نہ ہو۔ کیونکہ خاوند کے لئے ضروری ہے کہ وہ نکاح کو قائم کرے یا اسے فسخ کر دے۔ ''بحر''۔ اس کی مثل قول کیا جا سکتا ہے کہ حقوق زوجیت کے بعد یا خلوت کے بعد عورت مہر قبول کرے۔ ''ط'' نے اسے بیان کیا ہے۔

عورت کی جانب سے رضا پر دلالت یہ ہے کہ وہ خاوند کو وطی پر قدرت دے اور واجب نفقہ کو طلب کرے۔ مرد کے کھانے سے کوئی چیز کھانا اور مرد کی خدمت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''نہر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔ بالغہ سے اجازت طلب کرنے کے ضمن میں خدمت کی قید (مقولہ 11567 میں) گزر چکی ہے کہ جب وہ عورت اس سے قبل اس مرد کی خدمت کرتی ہو (تو یہ خدمت کرنا رضامندی نہ ہوگی) ظاہر یہ ہے کہ اسے یہاں جاری کیا جائے۔

11673۔ (قولہ: لِأَنَّ وَقْتَهُ الْعُمُرُ الخ) اس امر پر علما کے قول آپس میں ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں جس

فَيَبْقَى حَتَّى يُوجَدَ الرِّضَاءُ، وَلَوْ ادَّعَتْ التَّمْكِينَ كَرْهًا صُدِّقَتْ، وَمُفَادُهُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الْإِكْرَاهِ لَوْ فِي حَبْسِ الْوَالِي فَلْيُحْفَظْ (الْوَلِيُّ فِي النِّكَاحِ) لَا الْمَالِ (الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ)

یہ خیار اسی طرح باقی رہے گا یہاں تک کہ رضامندی پائی جائے اگر وہ عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے ساتھ خاوند نے زبردستی جماع کیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ سابق کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جو اکراہ کا دعویٰ کرے اگرچہ وہ والی کی قید میں ہو تو اس کا قول ہی معتبر ہوگا۔ اس قاعدہ کو یاد رکھیے۔ اور نکاح میں، نہ کہ مال میں، ولی عصبہ بنفسہ ہے۔

طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ ''طحاوی'' سے جو منقول ہے کہ ''خیار بلوغ باطل ہو جاتا ہے جب وہ صراحۃً اس کو باطل کر دے یا اس کے بطلان پر دلالت کرے جس طرح وہ عورت کسی اور امر میں مشغول ہو جائے'' وہ مشکل ہے۔ کیونکہ یہ تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خیار مجلس کے ساتھ مقید ہو، ''فتح''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیٔ آخر سے اس کی مراد ایسا عمل ہے جو رضا پر دلالت کرے جس طرح خاوند کو وطی پر قدرت دینا وغیرہ۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس کے مجلس سے اٹھ جانے کی صورت میں خیار باطل نہیں ہوتا، ''بحر''۔

11674۔ (قولہ: صُدِّقَتْ) اس کی تصدیق اس لئے کی جائے گی کیونکہ ظاہر اس کی تصدیق کرتا ہے، ''فتح''۔

11675۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ الخ) ''المنح'' میں کہا ہے: یہ فرع اس پر دال ہے جسے ''بزازی'' نے نقل کیا ہے۔ ہمارے آقا صاحب ''البحر'' نے فتویٰ دیا کہ قول اس کا ہوگا جس نے اکراہ کا دعویٰ کیا جب وہ والی کی قید میں ہو، ''ح''۔

11676۔ (قولہ: لَا الْمَالُ) کیونکہ مال میں ولی صرف باپ، باپ کا وصی، دادا، دادا کا وصی، قاضی اور قاضی کا نائب ہوتا ہے۔ ''ح''۔ پھر یہ کوئی مخفی نہیں کہ شارح کا قول لا المال یہ فقط (صرف) کے معنی میں ہے یعنی یہاں ولی سے مراد نکاح میں ولی ہے خواہ اسے مال میں ولایت ہو یا نہ ہو جس طرح باپ، دادا اور قاضی یا اسے مال میں ولایت نہ ہو جس طرح بھائی۔ صرف مال میں ولی مراد نہیں۔ اس گفتگو سے وہ اعتراض ختم ہو گیا جو ''الشرنبلالیہ'' میں ہے: اس میں باپ اور دادا کی طرف نسبت کے اعتبار سے باہم تواضع ہے کیونکہ ان دونوں کو مال میں بھی ولایت حاصل ہے۔

عصبہ بنفسہ کی تعریف

11677۔ (قولہ: الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ) اس قول کے ساتھ عصبہ بالغیر خارج ہو گیا جس طرح بیٹی۔ یہ بیٹے کی وجہ سے عصبہ بنی ہے۔ بیٹی کو مجنونہ ماں پر کوئی ولایت نہیں۔ اسی طرح عصبہ مع الغیر ہے جس طرح بیٹوں کے ساتھ بہنیں۔ اسی طرح بہن کو مجنونہ بہن پر کوئی ولایت نہیں۔ جس طرح ''المنح'' اور ''البحر'' میں ہے۔ مراد دونوں کا رتبہ تقدیم سے خارج ہونا ہے ورنہ دونوں کو فی الجملہ ولایت حاصل ہے۔ جس پر مصنف کا بعد والا قول دلالت کرتا ہے: فان لم یکن عصبة۔

حاصل یہ ہے جن کا ذکر ہوا ان کی ولایت ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے نہیں اگرچہ وہ حال عصوبت میں ہوں جس طرح بیٹی چھوٹے بھائی کے ساتھ۔ بے شک ایسی بیٹی اپنی مجنونہ ماں کا عقد نکاح ذی رحم محرم ہونے

وَهُوَ مَنْ يَتَّصِلُ بِالْمَيِّتِ حَتَّى الْمُعْتِقَةُ (بِلَا تَوَسُّطِ أُنْثَى) بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهُ
عصبہ بنفسہ وہ ہوتا ہے جو میت حتیٰ کہ آزاد عورت سے متصل ہو بغیر کسی مؤنث کے واسطہ کے۔ یہ ماقبل کا بیان ہے۔

کے اعتبار سے کرے گی نہ کہ اس بنا پر کرے گی کہ وہ بیٹے کے ساتھ عصبہ ہے۔

11678۔(قولہ: وَهُوَ مَنْ يَتَّصِلُ بِالْمَيِّتِ) ضمیر مذکور عصبہ کے لئے ہے۔ اس سے مراد وہ عصبہ ہے جو وراثت کے باب میں معین ہے۔ اس کا قرینہ یہ قول ہے: علی ترتیب الارث والحجب۔ اس کی تعریف وہی ہوگی جو وراثت کے باب میں علما نے کی ہے۔ اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو یہ قول کیا گیا ہے: یہاں تو کوئی میت نہیں۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا: وھو من یتصل بغیر المکلف یعنی میت کی جگہ غیر المکلف کے الفاظ کہے جاتے۔ ''فافہم''۔ اسے تھام لو۔ اور ''نہر'' میں ہے: عصبہ وہ ہوتا ہے جو تمام مال لیتا ہے جب وہ منفرد ہوتا ہے اور باقی ماندہ لیتا ہے جب اس کے لئے ایسے افراد ہوں جن کے حصہ مقرر ہیں۔ یہ تعریف اس تعریف سے اولی ہے جو یہ کی گئی ہے ایسا مذکر جو مؤنث کے واسطہ کے بغیر متصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جس نے آزاد کیا ہوا سے اس لونڈی پر نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے جس کو چھوٹی عمر میں آزاد کیا گیا ہو جب اس کا کوئی اور زیادہ قریبی عصبہ موجود نہ ہو۔

شارح نے لفظ مذکر کی بجائے من کا لفظ ذکر کیا ہے تاکہ آزاد کرنے والی مالکہ اس میں داخل ہو جائے۔ اس کے ساتھ ''نہر'' کا اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے جس طرح ''رحمتی'' نے کہا: آزاد کرنے والی کے عصبات کو اس مالکہ کے بعد ولایت حاصل ہوگی جبکہ وہ مؤنث کے واسطہ سے ولی ہیں۔ زیادہ بہتر ''نہر'' کی تعریف ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا یہاں تو عصبہ اس میت کا نہ تمام مال لیتا ہے اور نہ ہی کوئی چیز لیتا ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ابھی ابھی کہی ہے۔ اس کی مثل ارحام کے نفقہ میں ان کا قول ہے:

وارث پر نفقہ اسی حساب سے واجب ہوگا جس قدر اس کو وراثت میں سے حصہ ملنا ہوتا ہے جبکہ گفتگو اس نفقہ میں ہے جو زندہ پر ہے۔ یا یہ کہا جاتا ہے: مراد وہ ہے جسے عصبہ کہا جاتا ہے اگر یہ فرض کیا جائے کہ مقصود وہ فرد ہے جس کے ذمہ میت کی شادی تھی۔ جو بھی صورت ہو معنی کے ظاہر ہوتے ہوئے تاویل کا تکلف غیر لازم ہے۔ وہ اعتراض جو دل میں کھٹکتا تک نہیں وہ وارد ہونے والا نہیں۔ بلکہ بعض اوقات اعتراض کرنے والے پر عیب لگایا جاتا ہے جس طرح اس پر عیب لگایا جاتا ہے جو ماء جاری کی اس تعریف پر اعتراض کرتا ہے کہ جاری پانی وہ ہوتا ہے جو تنکا کو بہالے جائے کہ اس کا صدق تو حمار کے بول پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تنکا کو بہالے جاتا ہے۔

نکاح کی ولایت میں وراثت اور حجب کا اعتبار ہوتا ہے

11679۔(قولہ: بَيَانٌ لِمَا قَبْلَهُ) یہ قول الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ مؤنث کے واسطہ کے بغیر ہوتا ہے یعنی جب وہ نسب کی جہت سے ہو۔ جہاں تک سبب کی جہت کا تعلق ہے تو بعض اوقات وہ آزاد کرنے والی مالکہ کے عصبہ کی

(عَلَى تَرْتِيبِ الْإِرْثِ وَالْحَجْبِ) فَيُقَدَّمُ ابْنُ الْمَجْنُونَةِ عَلَى أَبِيهَا لِأَنَّهُ يَحْجُبُهُ حَجْبَ نُقْصَانٍ

نکاح کی ولایت وراثت اور حجب کے اعتبار سے ہے۔ پس مجنونہ کے بیٹے کو اس کے باپ پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ باپ کے لئے حاجب بنتا ہے حصہ میں کمی کرنے کے ساتھ۔

طرح ہوتا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ متن کے کلام کے اعتبار سے بیان ہے۔ جہاں تک شارح کی کلام میں اس کی حیثیت ہے تو یہ تعریف کا جز ہے کیونکہ جو میت کے ساتھ مؤنث کے واسطہ سے متصل ہو تو اس کے اخراج کا فائدہ دیتا ہے جس طرح نانا مثلاً۔

11680۔ (قولہ: فَيُقَدَّمُ ابْنُ الْمَجْنُونَةِ عَلَى أَبِيهَا) یہ قول ''شیخین'' کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے باپ کو مقدم کیا ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''طحاوی'' سے مروی ہے: افضل یہ ہے کہ مجنونہ کا باپ مجنونہ کے بیٹے کو نکاح کرنے کا حکم دے تاکہ بغیر اختلاف کے یہ عقد نکاح جائز ہو جائے۔

پوتا بیٹے کی طرح ہے۔ پھر باپ کو مقدم رکھا جائے گا۔ پھر اس کے باپ کو مقدم رکھا جائے گا۔ پھر ماں باپ کی طرف سے جو بھائی ہو پھر جو باپ کی طرف سے بھائی ہو۔ ''کرخی'' نے ذکر کیا ہے۔ دادا کو بھائی پر مقدم کرنے کا قول یہ ''امام اعظم'' کا قول ہے جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں آپس میں شریک ہیں۔ صحیح ترین یہ قول ہے کہ یہ سب کا قول ہے۔ پھر حقیقی بھائی، بیٹا، پھر باپ کی جانب سے بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، پھر باپ کی جانب سے چچا، پھر اسی طرح اس کا بیٹا، پھر اسی طرح باپ کا چچا اسی طرح، پھر اس کا بیٹا اسی طرح، پھر دادا کا چچا اسی طرح، پھر اسی طرح اس کا بیٹا۔ ان سب کو چھوٹے بچے اور بچی پر جبر کی ولایت حاصل ہوگی۔ اسی طرح بڑے جب مجنون ہوں۔ پھر آزاد کرنے والا اگرچہ آزاد کرنے والی عورت ہو۔ پھر اس کا بیٹا اگرچہ وہ نیچے چلا جائے۔ پھر اس کا نسب کے اعتبار سے عصبہ اسی ترتیب سے ہوگا۔ ''بحر'' نے ''فتح'' وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

تنبیہ

آزاد کرنے والے میں شرط یہ ہے کہ ولا اس کے لئے ہوتا کہ وہ اس سے نکل جائے جس کی ماں اصلاً آزاد ہو اور اس کا باپ آزاد کیا گیا ہو۔ کیونکہ باپ کو آزاد کرنے والے کو اس بچی پر کوئی ملکیت نہ ہوگی اور نہ ہی باپ کو آزاد کرنے والا اس بچی کا وارث بنے گا اور نہ ہی اس بچی کے نکاح کرنے کا والی ہوگا جس طرح اس پر صاحب ''الدرر'' نے کتاب الولاء میں متنبہ کیا ہے۔ اگر ماں اور باپ کو آزاد کرنے والے کے سوا کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی آزاد کرنے والے کو حاصل نہ ہو گی۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہاں اس پر متنبہ کیا ہو۔ سید ''ابوالسعود'' نے اپنے شیخ سے یہ ہی بیان کیا ہے۔

11681۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَحْجُبُهُ حَجْبَ نُقْصَانٍ) اس میں ہے کہ باپ مقرر حصہ کی صورت میں چھٹے حصہ سے زائد کا مالک نہیں ہوتا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو۔ اور بیٹی کی صورت میں مقررہ حصہ کا وارث بننے کے بعد باقی ماندہ کا عصبہ کے اعتبار سے وارث ہوتا ہے۔ اور جب میت کی اولاد نہ ہو تو وہ صرف عصبہ ہونے کے اعتبار سے وارث بنتا

(بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ
شرط یہ ہے کہ ولی آزاد ہو،

ہے۔ عصبہ ہونے کے اعتبار سے جس کا وارث بنتا ہے وہ معین نہیں ہوتا کہ اس میں سے کمی کی جائے۔ اولیٰ یہ ہے کہ یہ تعلیل بیان کی جائے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے باپ عصبہ نہیں ہوتا'' تامل''۔

11682۔(قولہ: بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ الخ) میں کہتا ہوں: یہ بھی شرط ہے کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ باپ اور دادا بد تدبیری کرنے والا ہو جنون کی وجہ سے اور فسق کی وجہ سے، جب وہ چھوٹے بچے یا بچی کا نکاح غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ کرے اور وہ نشے کی حالت میں بھی نہ ہو جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ آزادی کی شرط لگا کر غلام ہونے سے احتراز کیا ہے۔ غلام کو اپنے بچے پر کوئی ولایت نکاح حاصل نہیں اگر چہ وہ غلام کاتب ہو۔ مگر اس کو اپنی لونڈی پر ولایت ہوگی اسے اپنے غلام پر ولایت نہ ہوگی۔ کیونکہ غلام کے مہر اور نفقہ کے ساتھ وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔

جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 12344 میں) آئے گا اور تکلیف کی قید لگا کر صغیر اور مجنون سے احتراز کیا ہے وہ اس کی شادی نہ کرے جب اس کا جنون ہمیشہ رہتا ہو یا ہمیشہ نہ رہتا ہو۔ جنون سے افاقہ ہو تو افاقہ کی حالت میں دونوں قسموں کا عقد نکاح کر سکتا ہے۔ اگر جنون مطبق ہو تو اس کی ولایت سلب ہو جائے گی۔ اس کے افاقہ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ غیر مطبق جنون ہو تو ولایت اس کے لئے ثابت ہوگی تو اس کے افاقہ کا انتظار کیا جائے گا جس طرح سونے والا۔ ولایت نظریہ کا تقاضا یہ ہے کہ دعوت نکاح دینے والا کفو جب اس کے افاقہ کے انتظار کی صورت میں فوت ہوتا ہو تو جس پر اسے ولایت حاصل ہے اس کا عقد نکاح کر دیا جائے گا اگر چہ اس کا جنون مطبق نہ ہو۔ وگرنہ اس کے افاقہ کا انتظار کیا جائے گا جسے متاخرین نے ولی اقرب کی عدم موجودگی میں اختیار کیا ہے جس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ ''فتح''، ''بحر'' اور ''نہر'' میں ان کی پیروی کی ہے۔ جنون مطبق وہ ہوتا ہے جو ایک ماہ تک رہے۔ اسی پر فتویٰ ہے، ''بحر''۔

چھوٹے بچے کا بڑے کو خیرات پر والی بنانا صحیح نہیں

تنبیہ

''زیلعی'' نے مذکور کی عدم ولایت کی علت یہ بیان کی ہے کہ انہیں اپنی ذات پر ولایت نہیں ہوتی۔ پس یہ بدرجہ اولیٰ ہوگا کہ انہیں غیر پر بھی ولایت نہ ہو۔ کیونکہ غیر پر ولایت اپنی ذات پر ولایت کی فرع ہے۔ سید ''ابو السعود'' نے اپنے شیخ سے یہ ذکر کیا ہے: یہ اس حادثہ کے جواب میں نص ہے جس حادثہ کے متعلق ان سے سوال کیا گیا تھا کہ ایک حاکم نے ایک بچے کو بوڑھوں کی خیرات کا ذمہ دار مقرر کیا کہ وہ ان کے منافع جمع کرے اور ان پر روٹی تقسیم کرے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھے تو سید ''ابو السعود'' نے جواب دیا کہ یہ ذمہ داری دینا باطل ہے دلیل وہی دی جو گزر چکی ہے۔''

وَتَکْلِیفٍ وَإِسْلَامٍ (فِی حَقِّ مُسْلِمَةٍ) تُرِیدُ التَّزَوُّجَ (وَوَلَدٍ مُسْلِمٍ) لِعَدَمِ الْوِلَایَةِ (وَکَذَا لَا وِلَایَةَ) فِی نِکَاحٍ وَلَا فِی مَالٍ (لِمُسْلِمٍ عَلَی کَافِرَةٍ)

مکلف ہو، مسلمان ہو اسے ولایت حاصل ہوگی مسلمان عورت کے حق میں۔ وہ مسلمان عورت نکاح کا ارادہ رکھتی ہو۔ اور مسلمان بچے کے حق میں ولایت کے لئے اسلام شرط ہے۔ کیونکہ کافر کو مسلمان پر کوئی ولایت نہیں۔ اسی طرح نکاح اور مال میں مسلمان کو کافرہ پر کوئی ولایت نہیں

کافر کو مسلمان پر اور مسلمان کو کافر پر ولایت حاصل نہیں

11683۔ (قولہ: فِی حَقِّ مُسْلِمَةٍ) مصنف کے قول واسلام میں یہ قید ہے۔

11684۔ (قولہ: تُرِیدُ التَّزَوُّجَ) اس قول سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عورت سے مراد بالغ مسلمان عورت ہے۔ کیونکہ تزوج فعل کی نسبت اس عورت کی طرف ہے تاکہ: و ولد مسلم کے قول کے ساتھ تکرار نہ ہو کیونکہ ولد مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ پس مصنف کی کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس امر کا تقاضا کرے کہ کافر کو اپنی چھوٹی مسلمان بیٹی کے مال میں تصرف کا حق ہے۔ فافہم۔

جو ہم نے کہا ہے اس کی بنا پر جب مسلمان عورت اپنا نکاح خود کرے اور اس کا کوئی کافر بھائی یا چچا ہو تو اسے اس نکاح پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے کوئی ولایت حاصل نہیں۔ باب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا نکاح مطلقاً صحیح اور نافذ ہو جائے گا۔ یعنی اگرچہ وہ غیر کفو میں عقد نکاح کرے یا مہر مثل کے بغیر عقد نکاح کرے۔ جب کافر باپ کی اپنے مسلمان بچے پر ولایت ساقط ہوگئی تو بدرجہ اولیٰ اپنی مسلمان بہن یا مسلمان بھتیجی پر اعتراض کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے اگر اس عورت کا کوئی عصبہ غلام یا چھوٹا ہو تو وہ عورت اس طرح ہوگی کہ اس کا کوئی عصبہ نہ ہو۔ کیونکہ دونوں کو کوئی ولایت نہ ہوگی جس طرح تو اس سے آگاہ ہے۔ ہم نے اس بات کو باب کے شروع میں (مقولہ 11511 میں) ذکر کر دیا ہے۔

11685۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْوِلَایَةِ) یہ مفہوم مخالف کی علت ہے یعنی کافر مسلمان عورت اور اپنے مسلمان بچے پر حق ولایت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۝ (النساء)'' ح''۔ اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ۔

11686۔ (قولہ: وَکَذَا الخ) اس کلام کا عطف اس مفہوم مخالف پر ہے جو ہم نے کہا ہے۔ مسئلہ ''فتح'' اور ''بحر'' میں مذکور ہے۔

11687۔ (قولہ: لِمُسْلِمٍ عَلَی کَافِرَةٍ) اس ولایت کے متحقق نہ ہونے کی دلیل یہ ہے: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (انفال: ۷۳) وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔

إِلَّا بِالسَّبَبِ الْعَامِّ (بِأَنْ يَكُونَ) الْمُسْلِمُ (سَيِّدَ أَمَةٍ كَافِرَةٍ أَوْ سُلْطَانًا) أَوْ نَائِبَهُ أَوْ شَاهِدًا (وَلِلْكَافِرِ وِلَايَةٌ عَلَى) كَافِرٍ (مِثْلِهِ) اتِّفَاقًا (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ فَالْوِلَايَةُ لِلْأُمِّ) ثُمَّ لِأُمِّ الْأَبِ وَفِي الْقُنْيَةِ عَكْسُهُ،

مگر سبب عام کی وجہ سے ولایت ہوگی جیسے مسلمان کافرہ لونڈی کا آقا ہو یا وہ سلطان ہو۔ یا اس کا نائب ہو یا گواہ ہو اور کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت حاصل ہوگی اس پر سب کا اتفاق ہے اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ پھر نانا کو ولایت حاصل ہوگی اور ''قنیہ'' میں اس کے برعکس ہے۔

11688۔(قولہ: إِلَّا بِالسَّبَبِ الْعَامِّ الخ) علما نے کہا: یہ کہنا مناسب تھا: مگر مسلمان کافرہ لونڈی کا آقا ہو یا وہ سلطان ہو۔ ''سروجی'' نے کہا: ہم نے اپنے اصحاب کی کتابوں میں اس استثنا کو نہیں دیکھا یہ تو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کی طرف منسوب ہے۔ ''معراج'' نے کہا: مناسب ہے کہ یہ مراد ہو اور میں نے ایک جگہ اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب دیکھا ہے: سبب عام کی وجہ سے ولایت مسلمان کی کافر کے خلاف ثابت ہوتی ہے جس طرح سلطان ہونے اور گواہ ہونے کی ولایت۔ پس اس استثنا کا معنی ذکر کیا ہے۔ ''بحر''، ''فتح'' اور ''مقدسی''۔ ''زیلعی'' نے بھی اسے ینبغی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''الدرر'' میں اور ''عینی'' وغیرہ نے اس کی پیروی کی ہے۔ سب نے اسے ینبغی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ مصنف کے لئے مناسب یہ تھا کہ ان کی پیروی کرتے تا کہ یہ وہم پیدا نہ ہوتا کہ یہ مذہب کی کتب میں صریحاً منقول ہے۔ ''معراج'' کا قول ہے: و رأیت فی موضع نقل میں کافی نہیں کیونکہ اس میں جہالت ہے۔ فافہم۔

11689۔(قولہ: أَوْ نَائِبَهُ) سلطان کے نائب سے مراد قاضی ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ کافرہ یتیم کا عقد نکاح کسی سے کردے جب اس کا ولی نہ ہو یہ اس کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت کی ترتیب

11690۔(قولہ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ) یعنی نہ نسبی عصبہ ہو اور نہ ہی سببی عصبہ ہو جس طرح آزاد کرنے والا اگر چہ وہ مونث ہو اور اس کے عصبے جس طرح (مقولہ 11679 میں) گزر چکا ہے تو دونوں کے عصبوں کو ماں پر مقدم کیا جائے گا، ''بحر''۔

11691۔(قولہ: فَالْوِلَايَةُ لِلْأُمِّ الخ) یہ ''امام اعظم'' کے نزدیک ہے۔ صحیح ترین قول کے مطابق امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ بھی اسکے ساتھ ہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غیر عصبات کو کوئی ولایت حاصل نہیں یہ ولایت تو حاکم کو حاصل ہے۔ پہلا قول استحسان ہے۔ عمل اسی پر ہوگا مگر چند مسائل میں یہ ان مسائل میں سے نہیں۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے کہ دوسرے قول پر فتویٰ ہے تو یہ عجیب و غریب بات ہے۔ کیونکہ دوسرا قول ان متون کے خلاف ہے جو فتویٰ کیلئے خاص ہیں۔ یہ ''بحر'' اور ''نہر'' میں سے ہے۔

11692۔(قولہ: وَفِي الْقُنْيَةِ عَكْسُهُ) اس میں کہا: دادی ترجیح میں ماں سے اولی ہے۔ ''نہر'' میں کہا: ''خواہر زادہ'' اور ''عمر نسفی'' سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ بہن ماں پر مقدم ہے۔ کیونکہ بہن باپ کی قوم سے ہے۔ مناسب ہے کہ ''قنیہ'' میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے اسی قول پر تخریج کیا جائے یعنی جس نے باپ کی قوم کو ترجیح دی ہے وہ دادی اور بہن کو ماں پر ترجیح

ثُمَّ لِلْبِنْتِ، ثُمَّ لِبِنْتِ الِابْنِ، ثُمَّ لِبِنْتِ الْبِنْتِ، ثُمَّ لِبِنْتِ ابْنِ الِابْنِ، ثُمَّ لِبِنْتِ بِنْتِ الْبِنْتِ، وَهٰکَذَا، ثُمَّ لِلْجَدِّ الْفَاسِدِ (ثُمَّ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ وَأُمٍّ، ثُمَّ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ ثُمَّ لِوَلَدِ الْأُمِّ)

پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر پڑپوتی پھر پڑنواسی کو ولایت حاصل ہوگی۔ اور اسی طرح پھر یہ ولایت جو فاسد کو حاصل ہوگی پھر اس بہن کو حاصل ہوگی جو حقیقی ہے۔ پھر اس بہن کو حاصل ہوگی جو باپ کی طرف سے ہے پھر ماں کی اولاد کو حاصل ہوگی۔

دے گا۔ لیکن متون میں ماں کا ذکر عصبات کے بعد ہے اور ماں کو بہت پر ترجیح دی گئی ہے۔ ''جوہرہ'' میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ دادی بہن پر مقدم ہے۔ اور کہا: ان سب پر سب سے زیادہ حق ماں، پھر دادی پھر حقیقی بہن کا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے رسالہ میں ''شرح النقایہ'' جو علامہ ''قاسم'' کی تصنیف ہے سے یہ نقل کیا ہے اور کہا: جدہ کے بارے میں یہ قید نہیں لگائی کہ وہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے ہو مگر سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ نانی ہے۔ کیا دادی کو نانی پر مقدم کیا جائے گا یا اس سے موخر ہوگی یا اس کے مزاحم ہوگی؟ ''قنیہ'' کی کلام پہلے قول پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ ''قاسم'' کا کلام دوسرے قول پر دلالت کرتا ہے۔ بعض اوقات ترجیح کا تقاضا کرنے والی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مزاحمت کا قول کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے: باپ کی قرابت عصبہ کا حکم رکھے گی۔ پس دادی کو مقدم کیا جائے گا۔ فلیتامل۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: ''خیر رملی'' نے اس آخری قول کو جزم سے ذکر کیا ہے۔ ''قنیہ'' میں ماں کی قید کا ذکر کیا ہے کیونکہ جو باپ کی طرف سے جدہ ہو وہ ماں کی طرف سے جدہ پر اولیٰ ہوتی ہے۔ یہ ایک ہی قول ہے۔ پس ماں کے بعد دادی پھر نانی کا حق ہوگا پھر جد فاسد ''تامل''۔ ''رملی'' نے جسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''حامدیہ'' میں اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

پھر یہ جدہ صحیحہ میں ہے۔ جہاں تک جدہ فاسدہ کا تعلق ہے تو یہ جد فاسد کی طرح ہے جس کا ذکر قریب ہی (مقولہ 11695 میں) آئے گا۔

11693۔ (قولہ: ثُمَّ لِلْبِنْتِ) اس قول سے لے کر وھکذا کے قول تک ''احکام الصغار'' میں ماں کے بعد اس کا ذکر کیا ہے۔ ''فتح القدیر''، ''بحر'' میں اسی طرح ہے۔ ''کنز'' کا قول: اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی پھر ولایت بہن کو حاصل ہوگی'' اس کے خلاف ہے۔ لیکن ''بحر'' میں ان کی طرف سے عذر پیش کیا ہے: ''کنز'' میں ماں کے بعد اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ مجنون اور مجنونہ کے ساتھ خاص ہے۔

11694۔ (قولہ: وَھٰکَذَا) آخر فروع تک اسی طرح ہے اگرچہ وہ بہت نیچے چلے جائیں'' ط''۔

11695۔ (قولہ: ثُمَّ لِلْجَدِّ الْفَاسِدِ) ''بحر'' میں کہا: مصنف کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ جد فاسد بہن سے موخر ہے کیونکہ وہ ذوی الارحام میں شامل ہے۔ مصنف نے ''مستصفی'' میں ذکر کیا ہے کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک جد فاسد بہن سے اولیٰ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے لئے ولایت ہے جس طرح میراث میں ہے۔ ''فتح القدیر'' میں ہے: دادا اور بھائی میں جو تصحیح کی گئی کہ دادا بھائی پر مقدم ہے۔ اس پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ فاسد دادا بہن پر

الذَّكَرُ وَالأُنْثَى سَوَاءٌ، ثُمَّ لِأَوْلَادِهِمْ (ثُمَّ لِذَوِي الأَرْحَامِ الْعَمَّاتِ، ثُمَّ الأَخْوَالِ، ثُمَّ الْخَالَاتِ، ثُمَّ بَنَاتِ الأَعْمَامِ وَبِهَذَا التَّرْتِيبِ أَوْلَادُهُمْ شُمُنِّيٌّ ثُمَّ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ

مذکر و مونث برابر ہیں پھر ان کی اولادیں پھر ذوی الارحام پھوپھیاں پھر ماموں پھر خالائیں پھر چچا کی بیٹیاں اسی ترتیب سے ان کی اولادیں، ''شمنی''۔ پھر مولیٰ موالات۔

مقدم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ جد فاسد ماں کے بعد اور بہن سے پہلے ہے۔ ''بحر'' کا کلام ہے۔ غیر مجنون اور غیر مجنونہ میں ماں کے بعد ہے ورنہ بیٹی اس پر مقدم ہوگی جس طرح تو نے جان لیا ہے۔

میں کہتا ہوں: قیاس کی دلیل یہ ہے کہ علما نے یہ ذکر کیا ہے کہ صحیح ترین یہ ہے کہ جد جو باپ کا باپ ہے سب کے نزدیک بھائی پر مقدم ہے اگرچہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک میراث میں بھائی کے ساتھ شریک ہے۔ کیونکہ ولایت شفقت پر مبنی ہے۔ اور دادا کی شفقت بھائی کی شفقت سے بڑھ کر ہے اس وقت فاسد دادا کو بہن کے ساتھ قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ فاسد دادا کی شفقت بہن سے اقویٰ ہوگی۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جدہ فاسدہ اسی طرح ہے۔ اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جس نے جد فاسد کو بہن سے موخر کیا اس نے جد فاسد کے ساتھ جدہ فاسدہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہ وہی اسلوب ہے جس پر ''شرح درر البحار'' میں چلے ہیں۔ کیونکہ کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماں، پھر جدہ صحیحہ، پھر حقیقی بہن، پھر باپ کی طرف سے بہن، پھر ماں کی جانب سے بھائی یا بہن اس کے بعد ذوالارحام جس طرح جد فاسد اور جدہ فاسدہ پر حقیقی بہن کی اولاد یا باپ کی طرف سے بہن کی اولاد، پھر ماں کی طرف سے بھائی کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر بھتیجی اس طرح اقرب، پھر اقرب رشتہ دار۔

11696۔ (قولہ: الذَّكَرُ وَالأُنْثَى سَوَاءٌ) مذکر اور مونث برابر ہیں کیونکہ ولد کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ دونوں ایک رتبہ میں ہیں۔ اور ماموں کو خالہ پر مقدم کرنے کا مقتضا یہ ہے جس طرح (مقولہ 11698 میں) آئے گا کہ یہاں مذکر کو مقدم کیا جائے گا۔ تامل۔

11697۔ (قولہ: ثُمَّ لِأَوْلَادِهِمْ) یعنی حقیقی بہن کی اولاد۔ اور اس پر جس کو عطف کیا گیا وہ بھی اسی ترتیب سے ہوگا۔ جس طرح تو نے جان لیا ہے جو ہم نے ''شرح درر بحار'' سے (مقولہ 11695 میں) نقل کیا ہے یہ مابعد سے غنی کر دیتا ہے۔

11698۔ (قولہ: وَبِهَذَا التَّرْتِيبِ أَوْلَادُهُمْ) یعنی پھوپھیوں کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ پھر ماموؤں کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ پھر خالاؤں کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ پھر چچا کی بیٹیوں کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا، ''ط''۔

11699۔ (قولہ: ثُمَّ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہاتھ پر صغیرہ کے باپ نے اسلام قبول کیا تھا اور اس سے موالات کی تھی۔ کیونکہ وہ اس کا وارث بنتا ہے۔ پس ایسے مولیٰ کو چھوٹی کے نکاح کی ولایت حاصل ہوگی، ''فتح''۔ یعنی جب باپ مجہول نسب والا ہو اور مجہول نسب نے اس سے یہ عہد و پیمان کیا ہو۔ اگر وہ جنایت کرے تو مولیٰ اس کی دیت دے گا اور اگر یہ مرجائے تو مولیٰ اس کا وارث بنے گا۔ بعض اوقات موالات جانبین سے ہوتی تھی جس طرح عنقریب اس کے باب میں (مقولہ 30590 میں) آئے گا۔ اور مولیٰ کا لفظ مونث کو بھی شامل ہوگا جس طرح ''شرح الملتقی'' میں ہے۔

(ثُمَّ لِلسُّلْطَانِ ثُمَّ لِقَاضٍ نَصَّ لَهُ عَلَيْهِ فِي مَنْشُورِهِ) ثُمَّ لِنُوَّابِهِ إِنْ فُوِّضَ لَهُ ذٰلِكَ وَإِلَّا لَا

پھر سلطان کے لیے پھر قاضی کے لیے سند قضا میں اس امر کی وضاحت کی ہو پھر اس کے نائبین کو یہ حق حاصل ہوگا اگر اس قاضی کو یہ امر تفویض کیا گیا ہو ورنہ نائبین کو حق حاصل نہیں ہوگا۔

11700۔ (قولہ: ثُمَّ لِقَاضٍ) ''قہستانی'' نے ''النظم'' سے نقل کیا ہے کہ قاضی ماں پر مقدم ہے۔

میں کہتا ہوں: متون وغیرہ میں جو ہے اس کے خلاف ہے۔

11701۔ (قولہ: نَصَّ لَهُ عَلَيْهِ فِي مَنْشُورِهِ) یعنی اس کی سند قضا میں یہ تحریر ہو کہ وہ چھوٹے بچوں کے عقد نکاح کا ذمہ دار ہوگا۔ منشور سے مراد وہ چیز ہے جس میں سلطان لکھے کہ میں نے فلاں کو فلاں شہر کے لئے قاضی بنایا ہے۔ اسے منشور کا نام دیا گیا کیونکہ قاضی لوگوں پر پڑھنے کے لئے اسے کھولتا ہے۔ ''قہستانی''۔ اقرب ولی جب کسی عورت کو نکاح کرنے سے روکے تو اس کے مسئلہ میں (مقولہ 11723 میں) ذکر کریں گے کہ اس میں قاضی کے لئے ولایت ثابت ہوگی اگر چہ اس کے منشور میں نہ ہو۔ کیونکہ اس عورت کے بارے میں قاضی کی ولایت کا ثبوت اس باپ اور دادا کی جانب سے بطریق نیابت ہوگا جو اس عورت کو نکاح کرنے سے روک رہے تھے یہ اس کے ظلم کو دور کرنے کے لئے ہے۔ یہاں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا اس کے لئے ولایت ثابت ہے یہ نیابت کے طریقہ پر نہیں۔ تامل۔

اگر قاضی کو شادی کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تو نائبین کو بھی ولایت حاصل ہوگی وگرنہ نہیں

11702۔ (قولہ: إِنْ فُوِّضَ لَهُ ذٰلِكَ وَإِلَّا لَا) یعنی اگر قاضی کو شادی کرنے کی ذمہ داری نہ سونپی گئی ہو تو اس کے نائب کو بھی اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ ''المجتبیٰ'' میں ہے: پھر ولایت کا حق قاضی اور اس کے نائبین کیلئے ہوگا جب سلطان نے اس کے عہد نامہ میں چھوٹے بچوں اور چھوٹی بچیوں کی شادی کی ذمہ داری دی ہو ورنہ نہیں۔

''بحر'' میں کہا: یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ شرط قاضی کے حق میں ہے اس کے نائبین کیلئے نہیں۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ شرط دونوں میں ہو جب قاضی القضاۃ کے ضابطہ میں لکھا ہو۔ اگر یہ قاضی کے نائب کے عہد میں ہو تو نائب مالک ہوگا ورنہ مالک نہیں ہوگا۔ میں نے اس بارے میں کوئی صریح قول نہیں پایا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب قاضی کو بچوں کی شادی کی اجازت دی گئی ہو کیا اتنی اجازت اس کے نائب کے لئے کافی ہوگی یا قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نائب کو اجازت دے؟ ''مجتبیٰ'' کی عبارت اس کا احتمال رکھتی ہے۔ اور جو بات فوری ذہن میں آتی ہے وہ پہلی ہے۔ اور ''نہر'' میں جو ہے: ''مجتبیٰ'' میں جو ہے وہ اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ اصیل (قاضی) کا نائب کو امر تفویض کرنا شرط نہیں جس طرح ''بحر'' میں اس کا توہم کیا ہے۔ ''رملی'' نے اس کا رد کیا ہے: یہ مطلق ہونے کے باوجود اس امر کا کیسے فائدہ نہیں دیتا جبکہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب قاضی نے نائبین کو وہ تفویض کر دیا جس پر اسے ولایت حاصل تھی ان میں سے ایک بچوں کا نکاح کرانا بھی ہے تو یہ بھی نائبین کو تفویض کر دیا۔ پس یہ ثابت ہو گیا

(وَلَيْسَ لِلْوَصِيِّ) مِنْ حَيْثُ هُوَ وَصِيٌّ (أَنْ يُزَوِّجَ) الْيَتِيمَ (مُطْلَقًا) وَإِنْ أَوْصَى إلَيْهِ الْأَبُ بِذَلِكَ عَلَى الْمَذْهَبِ نَعَمْ لَوْ كَانَ قَرِيبًا أَوْ حَاكِمًا يَمْلِكُهُ بِالْوِلَايَةِ كَمَا لَا يَخْفَى

وصی اس حیثیت سے کہ وصی ہے اس کو مطلقاً اختیار نہیں کہ وہ یتیم کا عقد نکاح کرے اگر چہ باپ نے اس کی وصیت بھی کی ہو۔ یہ مذہب کے مطابق ہے۔ ہاں اگر وہ وصی قریبی رشتہ دار ہو یا حاکم ہو تو ولایت کی وجہ سے اس کا مالک ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

کہ یہ سلطان کے نائبین ہیں۔ کیونکہ سلطان نے جو امور قاضی کو تفویض کئے تھے ان میں سے نائب بنانا بھی تھے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''انفع المسائل'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ وہ نائب جسے قاضی نے صراحۃً چھوٹے بچوں کے عقد نکاح کی ذمہ داری نہ دی ہو اسے اس امر کو بجالانے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر قاضی نے اپنے نائب کو صرف لوگوں کے درمیان فیصلے کا امر تفویض کیا ہو تو اس کا اختیار صرف تنازعات کے بارے میں ہوگا۔ اس کا اختیار نکاح کرانے کا نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میں نے صرف فیصلہ کرنے میں تجھے نائب بنایا ہے اگر قاضی نے نائب کو کہا: میں نے تجھے ان تمام امور میں نائب بنایا ہے جو سلطان نے مجھے سونپے تھے تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ قاضی نے اسے ہر امر میں نائب بنادیا ہے۔''

پھر ''انفع المسائل'' میں یہ بھی ظاہر ہوا: جب وہ نکاح کرانے کا مالک ہو تو اسے یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی اور کو بھی اجازت دے کیونکہ نائب قاضی کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اور وکیل کو اجازت کے بغیر کسی کو وکیل بنانے کی اجازت نہیں۔''

وصی کو وصی ہونے کی حیثیت سے مطلقاً یتیم بچے کے نکاح کا اختیار نہیں

11703۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِلْوَصِيِّ) مراد صغیر اور صغیرہ کا وصی ہے ''بحر''۔ یتیم فعیل کے وزن پر ہے۔ ہر صغیر صغیر اور صغیرہ دونوں کو شامل ہے۔

11704۔ (قولہ: مِنْ حَيْثُ هُوَ وَصِيٌّ) اس قول کے ساتھ اس آنے والے قول: نعم لو کان قریباً او حاکما یملکہ سے احتراز کیا ہے۔

11705۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) کیونکہ یہ ''کافی الحاکم'' میں مطلقاً مذکور ہے۔ کیونکہ کہا: وصی ولی نہیں ہوتا اور ''ذخیرہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: خواہ باپ نے اسے نکاح کی وصیت کی تھی یا نہیں کی تھی۔ ہاں ''خانیہ'' وغیرھا میں ہے: ہشام نے اپنی ''نوادر'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ اسے یہ اجازت ہوگی اگر اسے اس امر کی وصیت کی۔ ''زیلعی'' بھی اسی پر چلے ہیں۔ ''بحر'' میں کہا: یہ ضعیف روایت ہے۔ ''فتح'' میں استثنا کی ہے: اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں کسی کو اس کی وصیت کی''۔ ''بحر'' میں اس پر اعتراض کیا: اگر اس وصی نے موصی کی زندگی میں معین شخص سے اس کی شادی کی تو وہ وکیل ہوگا وصی نہیں ہوگا۔ اگر موت کے بعد ہو تو وکالت باطل ہوگی۔ اور قریبی ولی نہ ہونے کی صورت میں ولایت حاکم کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

11706۔ (قولہ: يَمْلِكُهُ) اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار نہ ہو تو وہ اس کے نکاح کرنے کا مالک ہوگا۔

(فُرُوعٌ) لَيْسَ لِلْقَاضِي تَزْوِيجُ الصَّغِيرَةِ مِنْ نَفْسِهِ وَلَا مِمَّنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ كَمَا فِي مُعِينِ الْحُكَّامِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ فِعْلَهُ حُكْمٌ وَإِنْ عَرِيَ عَنِ الدَّعْوَى صَغِيرَةٌ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَا وَلِيَّ

فروع: قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ چھوٹی بچی کا عقد نکاح اپنے آپ سے کرلے اور نہ ہی اس سے کرے جس کی شہادت اس کے حق میں قبول نہ ہو جس طرح ''معین الحکام'' میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فعل حکم ہے اگرچہ وہ دعویٰ سے خالی ہو۔ ایک بچی نے اپنا نکاح کیا اور وہاں کوئی ولی

11707۔ (قولہ: وَلَا مِمَّنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ) جس طرح اس کے اصول ہیں اگرچہ وہ اوپر چلے جائیں اور جس طرح اس کے فروع ہیں اگرچہ وہ نیچے چلے جائیں، ''ط''۔

11708۔ (قولہ: عُلِمَ أَنَّ فِعْلَهُ حُكْمٌ) اسے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کے حق میں رعیت ہے۔ سلطان کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ ''ح'' میں ''ہندیہ'' سے مروی ہے۔

تنبیہ

''ابن نجیم'' نے فتویٰ دیا کہ قاضی جب کسی یتیم بچی کا عقد نکاح کرے تو اختلاف اٹھ جاتا ہے غیر کو اس کے توڑنے کا حق نہیں۔ یعنی کیونکہ تو جان چکا ہے کہ یہ اس کی جانب سے حکم ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ''انفع المسائل'' میں یہی حکم دیا۔

11709۔ (قولہ: وَإِنْ عَرِيَ عَنِ الدَّعْوَى) جہاں تک ان کے قول کا تعلق ہے: مسائل مجتہدہ میں قضا کے نفاذ کی شرط یہ ہے کہ حکم ایسا حادثہ ہو جس میں قاضی کے پاس ایک خصم کی دوسرے خصم کے خلاف خصومت صحیح ہو۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم قولی پر محمول ہے۔ جہاں تک حکم فعلی کا تعلق ہے تو اس میں یہ شرط نہیں تاکہ ان کی کلام میں موافقت پیدا ہو جائے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح قضاء ضمنی میں بھی دعویٰ اور خصومت شرط نہیں جس طرح دو گروہوں نے ایک آدمی کے خلاف حق کا دعویٰ کیا دونوں نے خصم کا نام، اس کے باپ اور دادا کا نام ذکر کیا قاضی نے اس حق کا فیصلہ کر دیا یہ ضمناً اس کے نسب کے بارے میں بھی فیصلہ ہے اگرچہ فیصلہ نسب کے حادثہ کے بارے میں نہیں۔ اسی طرح اگر دو گواہ گواہی دیں کہ فلاں عورت فلاں کی بیوی ہے۔ جس نے اپنے فلاں خاوند کو فلاں معاملہ میں انکار کرنے والے خصم پر وکیل بنایا ہے۔ قاضی نے اس کے وکیل ہونے کا فیصلہ کر دیا تو یہ دونوں کے درمیان زوجیت کا فیصلہ بھی ہوگا۔ اسی طرح وکالت کے دعویٰ کے ضمن میں رمضان کے مہینہ کے ثبوت کا حکم ہے۔ اس کی مفصل بحث ''اشباہ'' کے قضا کے باب میں ہے۔

صغیرہ نے اپنا نکاح کیا جب کہ وہاں کوئی ولی اور حاکم نہ تھا تو عقد موقوف ہوگا

11710۔ (قولہ: صَغِيرَةٌ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا) ایک بچی نے اپنا نکاح اپنی کفو میں مہر مثل کے ساتھ کیا بصورت دیگر وہ موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ حاکم اس بچی کے خلاف عقد نکاح کا مالک نہیں۔ پس وہ اجازت دینے کا مالک بھی نہیں۔ پس یہ اجازت دینے کے بغیر عقد ہوگا۔ ہاں اگر اس کا باپ یا دادا ہو یا اس نے اپنی شادی کی تو یہ عقد موقوف ہوگا۔ کیونکہ عقد نکاح

وَلَا حَاكِمَ ثَمَّةَ تَوَقَّفَ، وَنَفَذَ بِإِجَازَتِهَا بَعْدَ بُلُوغِهَا لِأَنَّ لَهُ مُجِيزًا وَهُوَ السُّلْطَانُ،

اور حاکم نہیں تو عقد نکاح موقوف ہوگا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت کے ساتھ عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ نکاح کی اجازت دینے والا موجود ہے وہ سلطان ہے۔

کے وقت اس کی اجازت دینے والا موجود تھا۔ کیونکہ باپ اور دادا اس کے نکاح کے مالک و مختار ہوتے ہیں۔ صغیر صغیرہ کی طرح ہے۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں ہے کہ اگر صغیر نے بالغہ سے شادی کی پھر وہ صغیر غائب ہو گیا تو اس بالغہ نے کسی اور سے شادی کر لی اور اس نابالغ نے اپنے بالغ ہونے کے بعد اس عقد کو جائز قرار دیا جو اس نے بچپنے میں خود کیا تھا۔ اگر اجازت عقد ثانی کے بعد ہوئی تو عقد ثانی جائز ہوگا۔ کیونکہ صغیر کے جائز قرار دینے سے پہلے عورت عقد فسخ کرنے کی مالک تھی۔ اگر اجازت دوسرے عقد سے پہلے ہوئی اگر پہلا عقد مہر مثل یا غبن فاحش کے ساتھ ہو یا اس چھوٹے کا باپ یا دادا ہو تو بالغ ہونے کے بعد نکاح کی اجازت دینے کی صورت میں عقد نکاح نافذ ہو جائے گا بصورت دیگر دوسرا عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔

11711۔(قولہ: وَلَا حَاكِمَ ثَمَّةَ) یعنی جہاں عقد ہو رہا ہے وہاں حاکم نہیں۔

11712۔(قولہ: تَوَقَّفَ الخ) یہ بعض متاخرین کا قول ہے۔ ''احکام الصغار'' میں ہے: اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں قاضی نہ ہو اگر وہ جگہ اس شہر کے قاضی کی ولایت کے تحت ہو تو عقد نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس قاضی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ بصورت دیگر وہ منعقد نہیں ہوگا۔ بعض متاخرین نے کہا: عقد نکاح منعقد ہو جائے گا اور بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

''بحر'' میں اسے مشکل خیال کیا ہے۔ علما نے کہا: ہر وہ عقد جس کے صادر ہونے کی حالت میں کوئی اجازت دینے والا نہ ہو تو یہ باطل ہوگا وہ موقوف نہیں ہوگا۔ پھر کہا: اس میں توقف اسی اعتبار سے ہے کہ اس کی اجازت دینے والا سلطان ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

یہ اس امر پر مبنی ہے کہ اس مکان کا سلطان کی ولایت کے تحت ہونا کافی ہے اگرچہ وہ کسی قاضی کی ولایت کے تحت نہ ہو تو عقد کے بطلان کا تصور کیا جائے گا جب وہ دارالحرب میں ہو، سمندر میں ہو یا جنگل وغیرہ میں ہو۔ بستیوں اور شہروں کا معاملہ مختلف ہے۔ ''فتح'' میں وکالۃ النکاح کی فصل میں جو قول ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ جہاں کہا: جس کی اجازت دینے والا کوئی نہ ہو یعنی کوئی ایسا فرد نہیں جو اجازت دینے پر قادر ہو تو وہ عقد باطل ہو جائے گا۔ جس طرح اس کے عقد میں آزاد عورت ہو تو فضولی نے اس کا عقد نکاح ایک لونڈی سے کر دیا یا اس کی بیوی کی بہن سے عقد نکاح کر دیا یا پانچویں عورت سے اس کا عقد نکاح کر دیا یا وہ اس کا نکاح ایسی عورت سے کر دے جو عدت گزار رہی تھی یا مجنونہ تھی یا اپنی صغیرہ سے عقد نکاح کر دیا جو دارالحرب میں صغیرہ یتیم ہے یا جب سلطان نہ ہو یا قاضی نہ ہو۔ کیونکہ عقد نکاح کے وقت کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کو نافذ کرنے پر قادر ہو تو یہ عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت آنے والے باب کے آخر میں (مقولہ 11831 میں) آئے

وَلَوْ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ مُسْتَوِيَانِ قُدِّمَ السَّابِقُ فَإِنْ لَمْ يُدْرَ أَوْ وَقَعَا مَعًا بَطَلَا (وَلِلْوَلِيِّ الْأَبْعَدِ التَّزْوِيجُ بِغَيْبَةِ الْأَقْرَبِ) فَلَوْ زَوَّجَ الْأَبْعَدُ

اگر دو ہم پلہ اولیا نے اس کی شادی کی تو جس نے پہلے عقد کیا اس کا نکاح نافذ ہوگا۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس نے عقد نکاح کیا یا دونوں کے جانب سے ایک ہی وقت میں اکٹھے عقد نکاح ہوا تو دونوں عقد نکاح باطل ہو جائیں گے۔ قریبی ولی موجود نہ ہو تو بعیدی ولی عقد نکاح کرسکتا ہے۔

گی۔ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت میں ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں کتاب الماذون میں طویل گفتگو کی ہے۔

اگر دو برابر کے اولیا نے صغیرہ کا نکاح کر دیا تو اس کا حکم

11713۔ (قولہ: وَلِيَّانِ مُسْتَوِيَانِ) جس طرح دو حقیقی بھائی ہوں۔ اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی بنسبت زیادہ قریب ہے تو اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو کوئی حق نکاح حاصل نہیں مگر جب قریبی غیبۃ منقطع پر ہو تو ابعد نکاح کر دے تو یہ جائز ہوگا جب یہ عقد اقرب کے عقد کرنے سے پہلے واقع ہو۔ ''بحر''۔ یعنی دونوں قولوں میں سے ایک کے قول کے مطابق جائز ہے اس کے متعلق قریب ہی (مقولہ 11715 میں) گفتگو آئے گی۔

11714۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يُدْرَ) مناسب یہ ہے کہ اگر وہ بالغ ہو اور دعویٰ کرے کہ ان دونوں میں سے اس کا پہلے نکاح ہوا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ ''فتح'' میں ہے: اگر اس کی شادی اس کے باپ نے کی جبکہ وہ باکرہ بالغہ تھی اور شادی بھی اس کے امر سے ہوئی اور اس نے خود کسی اور سے شادی کی تو جس کے بارے بھی کہا وہ پہلا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا اور وہ خاوند ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس مرد کے حق میں ملک نکاح کا اقرار کیا ہے اور اس عورت کا اقرار اپنے خلاف مکمل دلیل ہے۔ اور اگر وہ کہے: میں اول کو نہیں جانتی اور اس کے غیر سے بھی معلوم نہ ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ اسی طرح اگر اس عورت کے کہنے سے دونوں اولیا نے اس کا نکاح کیا۔

اگر ولی اقرب غیبت منقطعہ پر ہو تو ولی ابعد اس صغیرہ کا نکاح کرسکتا ہے

11715۔ (قولہ: وَلِلْوَلِيِّ الْأَبْعَدِ الخ) یہاں ابعد سے مراد وہ ہے جو قرب میں غائب کا ولی بنے جس طرح ''کافی الحاکم'' میں تعبیر کیا ہے۔ اور اس پر مبنی ہے کہ اگر غائب ولی اس کا باپ ہو اور اس کا دادا اور چچا موجود ہو تو نکاح کی ولایت دادا کے لئے ہوگی۔ چچا کے لئے نہیں ہوگی۔ ''اختیار'' میں کہا: یہ ولایت سلطان کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ کیونکہ سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ اس کے تو کئی اولیا ہیں کیونکہ کلام تو اس میں ہو رہی ہے۔ ''فتح'' وغیرہ میں بھی کلام اسی طرح ہو رہی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابعد سے مراد قاضی نہیں۔ ''شرنبلالیہ'' میں جو ہے: اس سے مراد قاضی ہے کوئی اور نہیں کیونکہ یہ ظلم دور کرنے کے باب میں ہے۔ علامہ نے یہ قول آنے والے مسئلہ میں کیا ہے یعنی ولی اقرب جب روکے جس طرح اس کی وضاحت آگے (مقولہ 11723 میں) آئے گی۔ ظلم دور کرنے کی تعلیل اسی قول پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ولی کے

حَالَ قِيَامِ الْأَقْرَبِ تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَتِهِ وَلَوْ تَحَوَّلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إِلَّا بِإِجَازَتِهِ بَعْدَ التَّحَوُّلِ قُهُسْتَانِيٌّ وَظَهِيرِيَّةٌ (مَسَافَةَ الْقَصْرِ) وَاخْتَارَ فِي الْمُلْتَقَى مَا لَمْ يَنْتَظِرِ الْكُفْءُ الْخَاطِبُ جَوَابَهُ وَاعْتَمَدَهُ الْبَاقَانِيُّ وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ أَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ فِيمَنْ اخْتَفَى فِي الْمَدِينَةِ

اگر اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد نے عقد نکاح کیا تو یہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر ولایت لوٹ آئے ابعد کی طرف تو ولایت کے لوٹ آنے کے بعد عقد نکاح اس کی اجازت سے ہی جائز ہوگا ''قہستانی''، ''ظہیریہ'' ابعد ولی کا نکاح کرنا اس وقت ہی جائز ہوگا جب اقرب ولی اتنی دور ہو جس سے قصر کے احکام جاری ہوتے ہوں۔ ''ملتقی'' میں اسی کو پسند کیا ہے جب تک دعوت نکاح دینے والا کفو اس کے جواب کا انتظار نہ کرے باقانی نے اس پر ہی اعتماد کیا ہے۔ ''ابن کمال'' نے نقل کیا ہے کہ اس پر ہی فتویٰ ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس شخص میں ظاہر ہوگا جو شہر میں چھپ جائے

غیب ہونے کی صورت میں کوئی ظلم نہیں۔ روکنے کا معاملہ مختلف ہے ''شرنبلالیہ'' پر اعتراض کہ انہوں نے متون کی مخالفت کی ہے اس لئے پیدا ہوا کہ دونوں مسئلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ ہو گیا ہے۔ فافہم۔

11716۔ (قولہ: حَالَ قِيَامِ الْأَقْرَبِ) یعنی ولی اقرب کی موجودگی میں جبکہ وہ اہل ولایت میں سے ہو اگر وہ صغیرہ ہو یا مجنون ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرنا جائز ہوگا، ''ذخیرہ''۔

11717۔ (قولہ: تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَتِهِ) یہ پہلے گزر چکا ہے اگر بالغہ عورت غیر کفو میں خود ہی نکاح کرلے تو ولی کو اعتراض کا حق ہوگا جب تک وہ صراحۃً یا دلالۃً راضی نہ ہو جس طرح مہر پر قبضہ کرنا وغیرہ۔ علما نے ولی کے سکوت کو اجازت قرار نہیں دیا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس کا سکوت اسی طرح ہے۔ پس اس کی خاموشی ابعد ولی کے نکاح کرنے پر اجازت نہ ہوگی اگرچہ وہ مجلس عقد میں حاضر ہو جب تک وہ صراحۃً یا دلالۃً راضی نہ ہوا۔ تامل۔

11718۔ (قولہ: وَلَوْ تَحَوَّلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ) یعنی اقرب ولی کے فوت ہونے یا ولی اقرب کے غیبۃ منقطع پر ہونے کی صورت میں ولایت ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی، ''ط''۔

11719۔ (قولہ: مَسَافَةَ الْقَصْرِ الخ) غیبت کی حد میں اختلاف ہے۔ مصنف نے ''کنز'' کی پیروی کرتے ہوئے کہا: ''کنز'' میں ہے: وہ قصر کی مسافت ہو۔ ''ہدایہ'' میں اسے بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''زیلعی'' نے اکثر کی طرف منسوب کیا ہے کہا: اس پر فتویٰ ہے۔

''ذخیرہ'' میں کہا: صحیح ترین یہ ہے اگر وہ ایسی جگہ ہو اگر اس کے حاضر ہونے یا اس کی رائے سے آگاہ ہونے کا انتظار کیا جائے تو موجود کفو فوت ہو جاتا ہے۔ پس یہ غیبت منقطعہ ہوگی۔ ''الکتاب'' میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

''بحر'' میں ''مجتبیٰ'' اور ''مبسوط'' سے منقول ہے: یہ صحیح ترین ہے۔ ''نہایہ'' میں ہے: اکثر مشائخ نے اسے پسند کیا ہے۔ ''ابن فضل'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ''ہدایہ'' میں ہے: یہ فقہ کے زیادہ قریب ہے۔ ''فتح'' میں ہے: یہ فقہ کے زیادہ مناسب

هَلْ تَكُونُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً (وَلَوْ زَوَّجَهَا الْأَقْرَبُ حَيْثُ هُوَ جَازَ النِّكَاحُ (عَلَى) الْقَوْلِ (الظَّاهِرِ ظَهِيرِيَّةٌ

کیا اس کی غیبت منقطع ہوگی۔ اگر ولی اقرب اس عورت کی شادی کردے جہاں بھی ہو تو ظاہر قول کے مطابق نکاح جائز ہو گا۔ ''ظہیریہ''۔

ہے۔ اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ مشائخ سے مراد متقدمین ہیں۔ ''شرح الملتقی'' میں ''الحقائق'' سے منقول ہے: یہ صحیح ترین قول ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''الاختیار'' اور ''النقایہ'' میں اسی پر چلے ہیں۔ ''نہر'' کا کلام بھی اس کے پسند کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: احسن یہ ہے کہ جس پر اکثر مشائخ ہوں اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

11720۔ (قولہ: هَلْ تَكُونُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً؟) پہلے قول کی صورت میں غیبت منقطعہ نہ ہوگی اور دوسرے قول کی صورت میں غیبت منقطعہ ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے سفر کی مسافت کا اعتبار نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس میں کہ قول ثانی میں اس کفو کے فوت ہونے کا اعتبار ہے جو کفو حاضر ہے۔ پس چاہئے کہ یہاں کفو کی طرف دیکھا جائے۔ اگر کفو اتنی مدت انتظار پر راضی ہو جائے جس میں چھپے ہوئے ولی اقرب کے ظہور کی امید کی جاسکتی ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ ورنہ جائز ہو جائے گا۔ شاید یہ اس پر مبنی ہے کہ عموماً انتظار نہیں کیا جاتا۔ ''تامل''

11721۔ (قولہ: جَازَ عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی اس پر مبنی ہے کہ قریبی کی ولایت غائب ہونے کے باوجود باقی ہے۔ ''بدائع'' میں اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف ذکر کیا ہے اور یہ ذکر کیا: صحیح ترین قول یہ ہے کہ ولایت ولی اقرب سے زائل ہو جائے گی اور ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ ''معراج'' میں کہا: ''محیط'' میں ہے: اس میں کوئی روایت نہیں۔ مناسب یہ ہوگا کہ ولایت کا انقطاع جائز نہ ہو۔ ''مبسوط'' میں ہے: یہ جائز نہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو کیونکہ اس نے اس کی رائے سے فائدہ اٹھالیا ہے لیکن یہ ایسی منفعت ہے جو اس عورت کو اتفاقاً حاصل ہوئی ہے پس حکم اس پر مبنی نہیں ہوگا۔

اسی طرح ''ہدایہ'' میں ولی ابعد کے لئے چھوٹی کا عقد نکاح کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ پھر اسی قول ولو سلم کے ساتھ تسلیم کیا۔ ''فتح'' میں کہا: یہ تنزل ہے۔ ''زیلعی'' نے ممنوع ہونے کو روایت اور درایت دونوں طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ''بدائع'' میں بھی اسی طرح ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عَلَى الظَّاهِرِ کے قول سے مراد ظاہر روایت نہیں۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ اس میں کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اور یہ دو قولوں میں سے ایک کو غالب قرار دینا ہے۔ تحقیق تم جان چکے ہو کہ تصحیح اس کے برعکس کی ہے اور اکثر کتب میں اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے بدرجہ اولی یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر دو ولی ایک درجہ میں ہوں جس طرح دو بھائی ہیں ان میں سے ایک غائب ہو۔ تو اس نے وہاں ہی رہتے ہوئے اس کی شادی کردی جہاں وہ موجود تھا تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ولی اقرب جو غائب ہے اس کی جانب سے اس کا نکاح صحیح نہیں ہوتا جب ولی ابعد موجود ہو تو جب درجہ میں برابر ولی ہوں تو

(وَيَثْبُتُ لِلْأَبْعَدِ) مِنْ أَوْلِيَاءِ النَّسَبِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ لَكِنَّ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْغِيَاثِ

اور نسبی اولیا میں سے ابعد کے لئے ولایت انکاح حاصل ہو جائے گی۔ ''شرح وہبانیہ''۔ لیکن ''قہستانی'' میں ''غیاث'' سے مروی ہے:

ایک کی موجودگی میں غائب ولی اس کا کیا ہوا عقد نکاح بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہوگا۔ فتامل

11722۔ (قولہ: عَلَى أَوْلِيَاءِ النَّسَبِ) اس قول کے ذریعے قاضی سے احتراز کیا ہے۔

11723۔ (قولہ: لَكِنَّ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ الخ) ''شرح وہبانیہ'' میں جو قول ہے اس سے استدراک ہے۔ کیونکہ ''شرح وہبانیہ'' میں اسے کسی صریح نقل کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جبکہ یہ منقول ہے۔ علامہ ''شرنبلالیہ'' نے بھی ایک رسالہ جس کا نام ''کشف المعضل فیمن عضل'' ہے میں اس کی تائید کی ہے کہ ''انفع المسائل'' میں ''المنتقی'' سے یہ ذکر کیا ہے: جب بچی کا باپ ہو جو اس کی شادی کرنے سے رک جائے تو ولایت اس کے دادا کی طرف منتقل نہ ہوگی بلکہ اس کی شادی قاضی کرے گا۔ اسی کی مثل ''ابن شحنہ'' نے ''الغایہ'' سے انہوں نے ''روضۃ الناطفی'' سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ''مقدسی'' نے ''الغایہ'' سے ''النہر'' نے ''محیط'' سے اور ''الفیض'' نے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے جب اقرب کی عدم موجودگی میں ابعد کے عقد نکاح کرنے کا ذکر کیا: ''امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بلکہ اس کا عقد نکاح حاکم کرے گا۔ یہ قول باپ کے عقد نکاح کرنے سے روکنے کی وجہ کا اعتبار کرتے ہوئے کیا ہے۔ اسی طرح ''البدائع'' میں کہا: بے شک اقرب کی عدم موجودگی سلطان کی طرف ولایت کا منتقل ہونا باطل ہے۔ کیونکہ سلطان اس کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ یہاں تو اس کے ایک یا دو ولی ہیں۔ سلطان کے لئے ولایت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب ولی عقد نکاح کرنے سے رک جائے جبکہ یہاں ایسی صورت نہیں پائی گئی۔ ''التسہیل'' میں عدم موجودگی اور عقد نکاح سے رکنے میں یہی فرق کیا ہے کہ عاضل عقد نکاح کرنے سے رکنے کی وجہ سے ظالم ہے۔ پس ظلم دور کرنے میں سلطان ولی اقرب کے قائم مقام ہو جائے گا۔ غائب کا معاملہ مختلف ہے خصوصاً جو حج پر گیا ہو۔ ''شرح المجمع الملکی'' میں اسی طرح ہے۔ علامہ ''ابن شلبی'' نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ یہ نقول فائدہ دیتی ہیں کہ ولی اقرب جب شادی کرنے سے رک جائے تو ہمارے نزدیک بالاتفاق ولایت کا حق قاضی کے لئے ثابت ہو جائے گا۔ جہاں تک جو ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے کا تعلق ہے ''ولی اقرب کے رکنے کی صورت میں ولایت انکاح بالاجماع ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ یہاں ابعد سے مراد قاضی ہے کیونکہ یہ آخری ولی ہے۔ تو تفصیل اسی باب پر ہوگی۔ ''البحر'' میں اولیا میں سے ابعد پر اسے محمول کیا جائے گا۔ پھر دو سطر بعد اپنے ہی خلاف قول کیا علما نے کہا: جب کفو نے اسے دعوت نکاح دی اور ولی اس کا عقد نکاح کرنے سے رک گیا تو رکنے والے ولی کی نیابت کے طور پر قاضی کے لئے ولایت ثابت ہو جائے گی۔ اس قاضی کو عقد نکاح کرانے کا حق ہوگا اگر چہ اس کی سند قضا میں ایسی تحریر نہ ہو۔ رسالہ میں جو کچھ ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

پھر اس میں ''شرح المنظومۃ الوہبانیہ'' سے اس میں ''المنتقی'' سے ذکر کیا ہے کہ اس بچی کے لئے خیار بلوغ ثابت ہوگا جب قاضی اس کی شادی کرے جبکہ ولی اقرب اس کی شادی کرنے سے رک گیا ہو۔ اور ''المجرد'' سے اس کے عدم ثبوت کو ذکر

لَوْ لَمْ يُزَوِّجْ الْأَقْرَبُ زَوَّجَ الْقَاضِي عِنْدَ فَوْتِ الْكُفْءِ (التَّزْوِيجُ بِعَضْلِ الْأَقْرَبِ) أَيْ بِامْتِنَاعِهِ عَنْ التَّزْوِيجِ إجْمَاعًا خُلَاصَةً

اگر ولی اقرب اس کا عقد نکاح نہ کرے تو کفو کے فوت ہونے کے پیش نظر قاضی اس کی شادی کر دے ولی اقرب شادی کرنے سے رک جائے تو ابعد کے لئے ولایت انکاح ثابت ہو جائے گی یعنی ولی اقرب اس کی شادی سے رک جائے اس پر اجماع ہے۔ ''خلاصہ''۔

کیا ہے۔ پہلا قول اس بنا پر ہے کہ اس کی شادی ولایت کے طریقہ پر ہے۔ اور دوسرا قول اس بنا پر ہے کہ یہ اس ولی کی نیابت کے طریقہ پر ہے جو اس کی شادی کرنے سے رک گیا تھا۔ ''شرنبلالی'' نے ان کی کلام میں تعارض کو ختم کرنے کے لئے اسے راجح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''التسہیل'' سے جو گزرا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح علما کا قول ہے: قاضی کو عقد نکاح کرانے کا حق ہوگا اگرچہ اس کی سند قضا میں یہ تحریر نہ ہو۔ ''المجرد'' میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب رکنے والا باپ یا دادا ہو کیونکہ اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا جب ان دونوں کے علاوہ کوئی اور اس کا عقد نکاح کرے گا۔ اسی طرح جب قاضی اس کی نیابت کے طور پر اس کا عقد نکاح کرے گا تو تب بھی اس کو خیار حاصل ہوگا۔

11724۔ (قولہ: عِنْدَ فَوْتِ الْكُفْءِ) یعنی جب کفو کے فوت ہونے کا خوف ہے۔

11725۔ (قولہ: أَيْ بِامْتِنَاعِهِ عَنْ التَّزْوِيجِ) یعنی اقرب کفو میں مہر مثل کے ساتھ نکاح کرنے سے رک جائے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے رک جائے یا مہر، مہر مثل سے کم ہو تو وہ رکنے والا نہ ہوگا۔ ''ط''۔ جب وہ صغیرہ کا اس دعوت نکاح دینے والے کفو سے اس کا عقد نکاح کرنے سے رک گیا تا کہ اس کے علاوہ کسی اور کفو سے اس کا عقد نکاح کرے تو ''بحر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ وہ عقد نکاح کرنے سے رکنے والا ہوگا۔ کہا: میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ ''مقدسی'' اور ''شرنبلالی'' نے اس کی پیروی کی۔ ''رملی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ عقد نکاح کرنے سے رکنے کی وجہ سے ولایت انکاح قاضی کی طرف بطور نیابت کے منتقل ہو جائے گی تا کہ اس بچی سے ضرر کو دور کیا جائے۔ جب اس کے علاوہ کسی کفو میں شادی کرنے کا وہ ارادہ رکھتا ہو تو رکنا نہ پایا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ جب دعوت نکاح دینے والا کفو حاضر ہو تو غیر کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ کفو کے فوت ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ ہاں اگر دوسرا کفو بھی حاضر ہو اور ولی اقرب پہلے کفو کے ساتھ عقد نکاح کرنے سے رک جائے تو وہ رکنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس نے صغیرہ پر شفقت کی ہے کیونکہ اس نے اس کے لئے زیادہ نفع والا رشتہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ کفو میں اخلاق اور اوصاف کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے تو عمل اس تفصیل کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(وَلَا يَبْطُلُ تَزْوِيجُهُ) السَّابِقُ (بِعَوْدِ الْأَقْرَبِ) لِحُصُولِهِ بِوِلَايَةٍ تَامَّةٍ (وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ) وَالْمَجْنُونِ وَلَوْ عَارِضًا (فِي النِّكَاحِ) أَمَّا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ فَلِلْأَبِ اتِّفَاقًا (ابْنُهَا) وَإِنْ سَفَلَ (دُونَ أَبِيهَا) كَمَا مَرَّ، وَالْأَوْلَى أَنْ يَأْمُرَ الْأَبَ بِهِ لِيَصِحَّ اتِّفَاقًا (وَلَوْ أَقَرَّ وَلِيُّ صَغِيرٍ أَوْ صَغِيرَةٍ أَوْ)

اور ولی ابعد کا عقد نکاح جو پہلے ہو چکا ہے وہ ولی اقرب کے واپس آنے سے باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ عقد نکاح ولایت تامہ کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔ مجنونہ اور مجنون اگرچہ ان کا جنون عارضی ہو کا عقد نکاح میں ولی اس کا بیٹا ہوگا اگرچہ نیچے چلا جائے اس کا باپ نہیں ہوگا جہاں تک مال میں تصرف کا اختیار ہے تو وہ بالاتفاق ولی اقرب کو حاصل ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ باپ بیٹے کو حکم دے تا کہ اس کی صحت بالاتفاق ہو جائے۔ اگر صغیر یا صغیرہ کے ولی نے اقرار کیا یا

11726۔ (قولہ: وَلَا يَبْطُلُ تَزْوِيجُهُ) یعنی ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولی ابعد کا کیا ہوا عقد نکاح باطل نہیں ہوگا۔ اس کے قول کے بعد اس جملہ کا ذکر زیادہ مناسب تھا: ''ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولی ابعد کو عقد نکاح کرنے کا حق ہوگا''، ''ط''۔

11727۔ (قولہ: السَّابِقُ) جس عقد نکاح کا تحقق پہلے ہو چکا ہو یہ اس قول سے احتراز ہے کہ ولی اقرب جو غائب ہے وہ ولی ابعد جو حاضر ہے سے پہلے عقد نکاح کر دے تو متاخر کا عقد نکاح لغو چلا جائے گا۔ اور اس قول کے ذریعے اس سے بھی احتراز کیا ہے کہ اس کی تاریخ مجہول ہو تو پھر دونوں کا کیا ہوا عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ غائب ولی کی ولایت باقی ہے۔ جو ہم نے پہلے (مقولہ 11721 میں) ولایت کے انقطاع کا ذکر کیا ہے تو اعتبار مطلقاً حاضر ولی کے عقد کا ہے۔

11728۔ (قولہ: وَوَلِيُّ الْمَجْنُونَةِ وَالْمَجْنُونِ) یعنی ان کا جنون مطبق ہو اور جنون مطبق وہ ہوتا ہے جو ایک ماہ تک رہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ معتوہ بھی اسی طرح ہے۔

11729۔ (قولہ: وَلَوْ عَارِضًا) یعنی اگرچہ ان دونوں کے بالغ ہونے کے بعد لاحق ہو۔ امام ''زفر'' کا اس میں اختلاف ہے۔

11730۔ (قولہ: اتِّفَاقًا) نکاح میں ولایت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ باپ کے لئے ہے اور شیخین کے نزدیک یہ بیٹے کے لئے ہے۔

11731۔ (قولہ: دُونَ أَبِيهَا) اس کے باپ کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا یا اس کے دادا کو حق حاصل نہیں ہوگا۔ مراد ہے کہ جب مجنونہ میں اس کا باپ اور اس کا دادا اس کے بیٹے کے ساتھ جمع ہو جائیں تو ولایت شیخین کے نزدیک اس کے بیٹے کو حاصل ہوگی۔ باپ یا دادا کو حاصل نہ ہوگی۔ جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ اسی طرح باقی عصبات کو گزشتہ ترتیب پر اس کا عقد نکاح کرنے کا حق ہوگا جس طرح ہم اسے ''فتح'' سے (مقولہ 11680 میں) نقل کر چکے ہیں۔

ولی یا وکیل نے نکاح کا اقرار کیا تو اس کا حکم

11732۔ (قولہ: وَلَوْ أَقَرَّ الخ) ''حاکم شہید'' نے ''کافی'' میں جو ظاہر الروایہ کتب کی جامع ہے میں ہے کہا: جب

أَقَرَّ (وَكِيلُ رَجُلٍ أَوِ امْرَأَةٍ أَوْ مَوْلَى لِعَبْدِ النِّكَاحَ لَمْ يَنْفُذْ) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ بِخِلَافِ مَوْلَى الْأَمَةِ حَيْثُ يَنْفُذُ إِجْمَاعًا لِأَنَّ مَنَافِعَ بضعها مِلْكُهُ (إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ الشُّهُودُ عَلَى النِّكَاحِ) بِأَنْ يُنَصِّبَ الْقَاضِي خَصْمًا عَنِ الصَّغِيرِ، حَتَّى يُنْكِرَ فَتُقَامَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ (أَوْ يُدْرِكَ الصَّغِيرُ أَوِ الصَّغِيرَةُ فَيُصَدِّقَهُ) أَيِ الْوَلِيَّ الْمُقِرَّ

مرد کے وکیل یا عورت کے وکیل یا غلام کے آقا نے نکاح کا اقرار کیا تو عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے۔ لونڈی کے آقا کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا کیا ہوا عقد نکاح بالا جماع نافذ ہو جائے گا کیونکہ لونڈی کے منافع بضعہ اس کی ملکیت ہوتے ہیں مگر یہ گواہ نکاح پر گواہیاں دیں اس طرح کہ قاضی بچے کی جانب سے ایک خصم مقرر کر دے گا یہاں تک کہ وہ خصم انکار کریگا تو گواہیاں اس پر قائم کی جائیں گی۔ یا چھوٹا بچہ یا چھوٹی بچی بالغ ہو جائیں تو وہ اقرار کرنے والے ولی کی تصدیق کر دیں

باپ یا دوسرے اولیا نے بچے یا بچی کے بارے میں گزشتہ کل میں نکاح کے انعقاد کا اقرار کیا تو اس اقرار پر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ یا بالغ ہونے کے بعد دونوں کی جانب سے تصدیق کے ساتھ۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی طرح آقا کا اپنے غلام کے بارے میں اقرار ہے۔ جہاں تک اس کا اپنی لونڈی پر اقرار ہے اسی کی مثل تو وہ جائز و مقبول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس تمام صورتحال میں ان کی جانب سے اقرار جائز ہے۔ اسی طرح وکیل کا اپنے موکل پر اقرار اسی اختلاف پر مبنی ہے۔

''فتح'' میں ''مصفی'' سے استاذ ''شیخ حمید الدین'' سے نقل کیا ہے کہ اختلاف اس میں ہے کہ جب ولی نے ان دونوں کی صغرسنی میں اقرار کیا۔ ''مبسوط'' وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہا: یہی صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب دونوں بالغ ہوں اور دونوں انکار کر دیں تو ولی اقرار کرے اگر وہ ان کے بچپنے میں اقرار کرے تو بالاتفاق صحیح ہوگا۔ ''فتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ تو جان چکا ہے کہ پہلا قول ظاہر الروایہ ہے اور وہی صحیح ہے۔

11733۔(قولہ: بِخِلَافِ مَوْلَى الْأَمَةِ) یعنی جب ایک آدمی نے اس لونڈی کے نکاح کا دعویٰ کیا تو اس کے آقا نے اس کے حق میں اقرار کیا تو گواہوں اور تصدیق کے بغیر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''درر''۔ یعنی اگر وہ لونڈی آزاد ہو جائے تو لونڈی کی تصدیق کی ضرورت نہ ہوگی۔ الشارح کی تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ آزادی کے بعد آقا کا لونڈی کے خلاف اقرار صحیح نہیں۔

11734۔(قولہ: بِأَنْ يُنَصِّبَ الْقَاضِي) قاضی اس لئے خصم مقرر کرے کیونکہ باپ مقر ہے اور بچے کی جانب سے انکار صحیح نہیں ہے۔ دعویٰ میں خصم کا ہونا ضروری ہے۔ پس قاضی بچے کی جانب سے خصم مقرر کرے گا یہاں تک کہ وہ انکار کرے تو اس پر گواہیاں قائم کی جائیں۔ پس صغیر پر نکاح ثابت ہو جائے گا۔ ''فتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔

11735۔(قولہ: أَيِ الْوَلِيَّ الْمُقِرَّ) یہ دونوں اسما منصوب ہیں یہ یصدقہ کی ضمیر منصوب کی تفسیر کے طور پر منصوب ہیں۔

(أَوْ يُصَدِّقَ الْمُوَكِّلُ أَوْ الْعَبْدُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا يُصَدَّقُ فِي ذَلِكَ وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مُخَرَّجَةٌ مِنْ قَوْلِهِمْ مَنْ مَلَكَ الْإِنْشَاءَ مَلَكَ الْإِقْرَارَ بِهِ وَلَهَا نَظَائِرُ

یا موکل یا غلام تصدیق کردے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اس میں اس کی تصدیق کی جائے۔ یہ قول ان کے قول سے ماخوذ ہے جو نئے سرے سے عقد نکاح کرنے کا مالک ہو وہ اس کے بارے میں اقرار کرنے کا بھی مالک ہے اس کی کئی مثالیں ہیں۔

11736۔(قولہ: أَوْ يُصَدِّقَ) فعل منصوب ہے کیونکہ اسکا عطف یدرك پر ہے۔ مصنف کے قول الموکل اور العبد میں دونوں اسم فاعل ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہیں اور مفعول محذوف ہے یعنی موکل وکیل کی یا غلام مولی کی تصدیق کرے۔

11737۔(قولہ: وَقَالَا يُصَدَّقُ فِي ذَلِكَ) اس مسئلہ سابقہ کی تمام فروعات میں مقر کی تصدیق کی جائے گی۔ جس طرح آقا اپنی لونڈی پر اقرار کرے جس طرح تو نے ''کافی'' کی عبارت میں تصریح کو سن لیا ہے۔ ''البدائع'' میں اس کی مثل ہے۔ فافہم۔

11738۔(قولہ: وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ) یعنی صغیر یا صغیرہ کے ولی، وکیل اور غلام کے آقا کے اقرار کے قبول نہ کرنے کا مسئلہ ''امام اعظم'' کے قول کے مطابق اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے: جو نئے سرے سے عقد کرنے کا مالک ہے وہ اس کے بارے میں اقرار کا بھی اختیار رکھتا ہے جس طرح آقا ہے جب وہ ایلاء کی مدت میں رجوع کا اقرار کرے اور معتدہ کا خاوند جب عدت میں کہے: میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے تو وہ خاوند کے حق میں رجوع کا اقرار کرے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کہ اقرار کو یہاں قبول کیا جائے گا جس طرح آقا اپنی لونڈی کے نکاح کا اقرار کرے یہی دلیل ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل ایک حدیث طیبہ ہے: لا نکاح الا بشھود (1) نکاح نہیں ہوتا مگر گواہوں کی موجودگی میں۔ یہ غیر کے خلاف ایسی چیز کا اقرار ہے جس کا وہ مالک نہیں تھا۔ اس کی مفصل بحث ''البدائع'' میں ہے۔ اور ''فتح'' میں صغیرین کے مسئلہ میں اسے ہی راجح قرار دیا ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قاعدہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ کیونکہ دونوں کی بلوغت کی حالت میں وہ نئے سرے سے عقد نکاح کا مالک نہیں ہوگا۔ پس وہ ان کے خلاف اقرار کا مالک بھی نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق یہ قاعدہ سے خارج ہے۔

11739۔(قولہ: مَلَكَ الْإِقْرَارَ بِهِ) اولیٰ یہ ہے کہ بہ کے لفظ کو حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ ضمیر کا مرجع نہیں اگرچہ محل و مقام سے معلوم ہو رہا ہے۔ کیونکہ معنی ہے جو کسی امر کو نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں اقرار کا بھی مالک ہوتا ہے، ''ط''۔

11740۔(قولہ: وَلَهَا نَظَائِرُ) جس طرح یتیم کے خلاف وصی قرض لینے کا اقرار کرے اس کا اقرار صحیح نہیں اگرچہ وہ نئے سرے سے اس کے لئے قرض لے سکتا ہے۔ ''بحر'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے۔ اور جس طرح وہ اسے کسی معین غلام کو

1۔سنن دارقطنی، کتاب النکاح، جلد 3 صفحہ 220، حدیث نمبر 9

(فَرْعٌ) هَلْ لِوَلِيِّ مَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ تَزْوِيجُهُ أَكْثَرَ مِنْ وَاحِدَةٍ لَمْ أَرَهُ وَمَنَعَهُ الشَّافِعِيُّ وَجَوَّزَهُ فِي الصَّبِيِّ لِلْحَاجَةِ

فرع۔ کیا مجنون اور معتوہ (احمق بدتدبیر) کے ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر دے میں نے اسے نہیں دیکھا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع کیا ہے اور بچے میں ضرورت کی بنا پر اسے جائز قرار دیا ہے۔

آزاد کرنے کے لئے وکیل بنائے۔ وکیل نے کہا: میں نے اسے گزشتہ کل آزاد کر دیا ہے جبکہ آقا نے اسے گزشتہ کل سے پہلے وکیل بنایا تھا گواہوں کے بغیر اس وکیل کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''حموی'' کی ''حواشی الاشباہ'' میں کتاب الاقرار کے ضمن میں ہے۔

11741۔ (قولہ: هَلْ لِوَلِيِّ مَجْنُونٍ الخ) بحث صاحب ''النہر'' کی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ بچہ بھی ان مذکورہ افراد کے حکم میں ہے، ''ط''۔

11742۔ (قولہ: وَمَنَعَهُ الشَّافِعِيُّ) اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے، ''نہر''۔

11743۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُ) یعنی زیادہ سے عقد نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

بَابُ الْکَفَاءَۃِ

مِنْ کَافَأَہُ؛ إِذَا سَاوَاہُ۔ وَالْمُرَادُ ھُنَا مُسَاوَاۃٌ مَخْصُوصَۃٌ أَوْ کَوْنُ الْمَرْأَۃِ أَدْنَی (الْکَفَاءَۃُ مُعْتَبَرَۃٌ) فِی ابْتِدَاءِ النِّکَاحِ لِلُزُومِہِ أَوْ لِصِحَّتِہِ (مِنْ جَانِبِہِ) أَیِ الرَّجُلِ

کفو کے احکام

کفاءت یہ کافاءہ سے ماخوذ ہے جب کوئی کسی دوسرے کے برابر ہو۔ یہاں مراد مخصوص برابری ہے یا عورت ادنیٰ ہو۔ کفاءت ابتداء نکاح میں نکاح کے لازم ہونے یا اس کے صحیح ہونے کیلئے معتبر ہے۔

جب عورت خود نکاح کرے تو کفاءت ولی پر اس نکاح کے لزوم کیلئے شرط ہے یہاں تک کہ اگر کفاءت نہ پائی جائے تو ولی کو اس کا نکاح فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔ تو کفاءت ولی کے وجود کی فرع ہو گی اور کفاءت ولایت کے ثبوت کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس اولیا اور جن کیلئے یہ کفاءت ثابت ہوتی ہے ان کے بیان کو مقدم کیا۔ پھر اس کے پیچھے کفاءت کی فصل کا ذکر کیا، ''فتح''۔

11744۔ (قولہ: أَوْ کَوْنُ الْمَرْأَۃِ أَدْنَی) ''خیر رملی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: عورت کا ادنیٰ مرتبہ ہونا یہ کفاءت نہیں مگر عورت کی جانب سے کفاءت معتبر نہیں۔

11745۔ (قولہ: اَلْکَفَاءَۃُ مُعْتَبَرَۃٌ) علما نے کہا: اس کا معنی ہے: اولیا پر عقد نکاح کے لازم ہونے کے لیے کفاءت معتبر ہے یہاں تک کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ عقد نکاح فسخ کرا دے، ''فتح''۔

یہ ظاہر الروایہ پر مبنی ہے کہ عقد صحیح ہے اور ولی کو اعتراض کا حق ہے۔ جہاں تک ''حسن شیبانی'' کا تعلق ہے ان کے نزدیک فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ پس مراد یہ ہوگی کہ کفاءت نکاح کی صحت میں معتبر ہے۔ اسی طرح اگر بیوی چھوٹی ہو اور عقد کرنے والا باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو جس طرح (مقولہ 11616 میں) گزر چکا ہے عقد صحیح نہ ہوگا۔

11746۔ (قولہ: فِی ابْتِدَاءِ النِّکَاحِ) مصنف کا آنے والا قول و اعتبارھا عند ابتداء العقد اس سے غنی کر دیتا ہے۔ گویا اس طرف اشارہ کیا کہ زیادہ بہتر اس کا یہاں ذکر کرنا تھا۔

11747۔ (قولہ: لِلُزُومِہِ أَوْ لِصِحَّتِہِ) پہلی تعبیر ظاہر روایت پر مبنی ہے اور دوسری تعبیر ''حسن شیبانی'' کی روایت پر مبنی ہے۔ ہم سابقہ باب کے شروع میں (مقولہ 11501 میں) دونوں میں فتویٰ کے اختلاف کو بیان کر چکے ہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ ''حسن شیبانی'' کی روایت زیادہ محتاط ہے۔

کفو کا اعتبار مرد کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ عورت کی طرف سے

11748۔ (قولہ: مِنْ جَانِبِہِ الخ) یعنی اس کا اعتبار کیا جائے گا کہ مرد آنے والے اوصاف میں عورت کا ہم پلہ ہو

لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ فِرَاشًا لِلدَّنِیءِ وَلِذَا (لَا) تُعْتَبَرُ (مِنْ جَانِبِهَا) لِأَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِيظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ وَهَذَا عِنْدَ الْكُلِّ فِي الصَّحِيحِ، كَمَا فِي الْخَبَّازِيَّةِ

یعنی مرد کی جانب سے کیونکہ معزز خاندان کی عورت انکار کرتی ہے کہ وہ کسی ادنیٰ درجہ کے مرد کا فراش بنے۔ اسی وجہ سے عورت کی جانب سے اس کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ خاوند فراش بنانے والا ہے تو فراش کا کم ہونا اس کو غیض و غضب میں مبتلا نہیں کرتا۔ صحیح قول کے مطابق یہ سب کے نزدیک ہے جس طرح ''خبازیہ'' میں ہے۔

کہ مرد عورت سے ادنیٰ مرتبہ کا نہ ہو۔ عورت کی جانب سے اس کا اعتبار نہیں کہ عورت کفو میں مرد کے ہم پلہ ہو بلکہ جائز ہے کہ عورت مرد سے کفو میں ادنیٰ مرتبہ کی ہے۔

11749۔ (قولہ: وَلِذَا لَا تُعْتَبَرُ) یہ مفہوم مخالف کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ شریف مرد اس کا انکار نہیں کرتا کہ وہ ادنیٰ درجہ کی عورت کو اپنا فراش بنائے جس طرح لونڈی اور کتابیہ۔ کیونکہ مرد کے حق میں اسے عار نہیں سمجھا جاتا بلکہ عورت کے حق میں عار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ نکاح عورت کے لئے غلامی ہے اور خاوند مالک ہوتا ہے۔

اگر باپ اور دادا کے علاوہ کوئی بچے اور بچی کا نکاح غیر کفو میں کرے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا

یہ بات پہلے (مقولہ 11616 میں) گزر چکی ہے کہ اگر باپ اور دادا کے علاوہ بچے اور بچی کا عقد نکاح غیر کفو میں کریں تو وہ عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ خاوند کے لئے بھی کفاءت کا اعتبار ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 11616 میں) بیان کر چکے ہیں کہ یہ نابالغ خاوند میں ہے۔ کیونکہ یہ اس پر ضرر ہے۔ یہاں یہ بالغ پر محمول ہے۔ ''فتح'' سے جو ہم نے ابھی (مقولہ 11745 میں) بیان کیا ہے وہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: کفاءت کے اعتبار کا معنی یہ ہے کہ اس کا اعتبار اولیا پر لازم ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت جب اپنی شادی کفو میں کرے تو یہ نکاح اولیا پر بھی لازم ہو جائے گا۔ اگر وہ غیر کفو میں نکاح کرے تو وہ نکاح اولیا پر لازم نہیں ہوگا یا صحیح نہیں ہوگا۔ مرد کی جانب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ خاوند جب خود کسی عورت سے نکاح کرے وہ نکاح کفو میں کرے یا غیر کفو میں کرے تو وہ عقد نکاح صحیح و لازم ہوگا۔ ''قہستانی'' نے کہا: لغوی طور پر کفاءت سے مراد مساوات ہے اور شرعی طور پر مرد کا آنے والے امور میں برابر ہونا۔ اس میں یہ شعور دلایا گیا ہے کہ شریف آدمی، ادنیٰ درجہ کی عورت سے عقد نکاح کرے تو وہ لازم ہو جائے گا۔ ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہوگا۔

اس نے اس امر کا فائدہ دیا کہ مرد کی جانب سے اس کے لزوم کی صورت یہ ہے کہ جب وہ خود بڑے ہو کر عقد نکاح کرے نہ کہ اس کا ولی اس کا عقد نکاح چھوٹی عمر میں کرے جس طرح گفتگو زوج کے بارے میں ہے جب وہ بڑی ہو کر خود عقد نکاح کرے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ چھوٹوں سے جانبین سے کفاءت کا اعتبار ہوگا جب باپ اور دادا نہ ہو جس طرح ہم گزشتہ بحث میں (مقولہ 11616 میں) اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لَکِنْ فِی الظَّهِیرِیَّةِ وَغَیْرِهَا هٰذَا عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا تُعْتَبَرُ فِی جَانِبِهَا أَیْضًا (وَ) الْکَفَاءَةُ (هِیَ حَقُّ الْوَلِیِّ لَا حَقُّهَا)

لیکن ''ظہیریہ'' وغیرہ میں ہے: یہ امام اعظم کے نزدیک ہے جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت کی جانب سے بھی اعتبار کیا جائے گا۔ کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں۔

11750۔ (قولہ: لَکِنَّ فِی الظَّهِیرِیَّةِ الخ) قول صحیح ذکر کرنے کے بعد استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے دونوں ذکر کئے تو ترکیب کلام کا تو یہ حق تھا کہ قول ضعیف کو پہلے ذکر کرتے اور صحیح قول کے ساتھ اس پر استدراک کرتے جس طرح ''بحر'' میں کہا ہے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ ''ظہیریہ'' میں جو قول ہے وہ غریب ہے اور ''بدائع'' میں اس کا رد کیا ہے۔ جس طرح ''النہر'' میں اس کی مفصل بحث کی ہے۔

صاحبین کے نزدیک چونکہ کفاءت ولی کا حق ہے اس لیے عورت کی جانب سے بھی اعتبار ہوگا

11751۔ (قولہ: هِیَ حَقُّ الْوَلِیِّ لَا حَقُّهَا) ''البحر'' میں بھی یہی کہا ہے۔ شارح نے ''الولوالجیہ'' سے جو ذکر کیا اس کو بطور شہادت وتائید ذکر کیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے

بلکہ یہ اس کا بھی حق تھا کیونکہ اس کی دلیل ہے کہ اگر ولی نے صغیرہ کا غیر کفو میں عقد نکاح کیا تو یہ عقد نکاح صحیح نہ ہوگا۔ جب تک وہ عقد نکاح کرنے والا باپ اور دادا نہ ہو جس کا فسق ظاہر نہ ہو۔ کیونکہ ''ذخیرہ'' میں ''الفصل السادس'' سے تھوڑا پہلے ہے: ''امام'' ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مثل کو مکمل کرنے کا حق عورت اور اولیا کو ایسے ہی حاصل ہے جس طرح کفاءت کا حق ہے جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت کو یہ حق حاصل ہے اولیا کو نہیں۔

کحق الکفاءۃ کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا حق ہے۔ اسی طرح جو ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے منقول ہے: اگر خاوند نے عورت کے سامنے اپنے اصل نسب کے علاوہ کسی اور نسب کا ذکر کیا اگر وہ اس سے کم مرتبہ ظاہر ہوا جبکہ وہ عورت کا کفو نہ بنتا تھا تو عقد نکاح کو فسخ کرانے کا حق سب کے لئے ثابت ہوگا۔ اگر وہ کفو ہوا تو نکاح فسخ کرانے کا حق صرف عورت کو ہوگا اولیا کو حق نہیں ہوگا۔ اگر اس کا نسب جو ظاہر ہوا وہ اس سے بڑھ کر تھا جس کی اس نے خبر دی تھی تو کسی کو عقد نکاح فسخ کرانے کا حق نہ ہوگا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ عورت کو عقد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ ممکن ہے وہ اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم نہ کر سکے۔

اس قبیل سے وہ بھی ہے جسے شارح باب العدۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 15184 میں) ذکر کریں گے: اگر اس عورت نے مرد سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ مرد آزاد ہے، سنی ہے یا مہر اور نفقہ پر قادر ہے تو بعد میں اس کے برعکس واضح ہوا یا اس نے اس شرط پر شادی کی کہ وہ فلاں بن فلاں ہے بعد میں پتا چلا کہ وہ تو لقیط ہے یا ولد الزنا ہے اس عورت کو خیار ہوگا۔ تمام گفتگو وہاں (مقولہ 15184 میں) آئے گی۔

''بدائع'' میں اس سے زائد ذکر کیا ہے جو ''ظہیریہ'' سے منقول ہو چکا ہے: اگر عورت نے اس طرح کیا تو مرد نے اس

فَلَوْ نَكَحَتْ رَجُلًا وَلَمْ تَعْلَمْ حَالَهُ فَإِذَا هُوَ عَبْدٌ لَا خِيَارَ لَهَا بَلْ لِلْأَوْلِيَاءِ وَلَوْ زَوَّجُوهَا بِرِضَاهَا وَلَمْ يَعْلَمُوا بِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ ثُمَّ عَلِمُوا لَا خِيَارَ لِأَحَدٍ إِلَّا إِذَا شَرَطُوا الْكَفَاءَةَ أَوْ أَخْبَرَهُمْ بِهَا وَقْتَ الْعَقْدِ فَزَوَّجُوهَا عَلَى ذٰلِكَ

اگر عورت نے کسی مرد سے شادی کی اور وہ اس کے حال کو نہ جانتی تھی کہ وہ مرد غلام نکلا تو اس عورت کو کوئی خیار نہ ہوگا بلکہ اس کے اولیا کو خیار ہوگا۔ اگر اولیا اس کی شادی اس کی رضامندی سے کرتے اور اس کے کفو نہ ہونے کا علم نہ رکھتے ہوں پھر انہیں اس بات کا علم ہوا تو کسی کو بھی خیار نہ ہوگا۔ مگر جب وہ عقد نکاح کرتے وقت کفو ہونے کی شرط لگائیں یا خاوند نے اولیا کو عقد نکاح کے وقت کفو ہونے کا بتایا تھا تو انہوں نے اس شرط پر اس کا عقد نکاح کیا تھا۔

سے شادی کر لی پھر اس کے برعکس ظاہر ہوا جو عورت نے کہا تھا تو خاوند کو خیار نہ ہوگا خواہ یہ واضح ہو کہ عورت آزاد ہے یا لونڈی ہے کیونکہ عورت کی جانب سے کفاءت معتبر نہیں۔

بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ گفتگو اسی طرح ہے جس طرح (مقولہ 11501 میں) گزر چکا ہے کہ جب عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر خود شادی کی تو عورت کو کفو میں کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ وہ خود اس حق کو ساقط کرنے پر راضی ہوئی ہے تو صرف ولی کے لئے حق باقی ہوگا تو فسخ کا حق بھی اسی کو ہوگا۔

بغیر تحقیق کے شادی کی گئی اور وہ غلام نکلے تو اس کا شرعی حکم

11752۔ (قولہ: فَلَوْ نَكَحَتْ الخ) یہ لاحقھا پر تفریع ہے۔ اس میں یہ ہے کہ کوتاہی عورت کی جانب سے واقع ہوئی ہے کیونکہ اس نے خاوند کے حالات کے بارے میں چھان بین نہیں کی جس طرح کوتاہی عورت اور اس کے اولیا کی جانب سے واقع ہوئی اس صورت میں جب اولیا نے عورت کی رضامندی سے اس کی شادی کر دی اور انہیں کفو نہ ہونے کا علم نہ ہو سکا پھر انہیں علم ہوا ''رحمتی''۔ ''الولوالجیہ'' کی کلام میں وہ کچھ ہے جو اس کا فائدہ دیتا ہے جس طرح قریب ہی آئے گا۔ اور جس طرح ہم نے (مقولہ 11611 میں) جواب ذکر کیا ہے۔ تو پس یہ تفریع صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے حق کا سقوط اس لئے ہوا کہ وہ راضی ہے اگرچہ من وجہ ہو۔ یہاں اسی طرح ہے۔ اسی وجہ سے اگر اس نے کفو ہونے کی شرط لگائی تو عورت کا حق باقی رہے گا۔

11753۔ (قولہ: لَا خِيَارَ لِأَحَدٍ) یہ بڑی عورت میں ہے جس طرح مسئلہ کی فرضی صورت ہے۔ اس کی دلیل ان کا قول نکحت رجلا ہے۔ قولہ برضاھا یہ قول اس کے خلاف نہیں جو ہم گزشتہ باب میں ''النوازل'' سے (مقولہ 11611 میں) بیان کر چکے ہیں: اگر اس نے اپنی چھوٹی بیٹی کا عقد نکاح اس مرد سے کیا جو اس کا انکار کرتا ہے کہ نشہ آور چیز پیتا ہے جبکہ وہ اس کے نشہ میں مست رہتا ہے۔ اس لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد کہا: میں نکاح پر راضی نہیں اگر اس لڑکے کا باپ اس کے نشہ آور چیز پینے سے آگاہ نہیں تھا اور مرد کے اکثر گھر والے صالح لوگ تھے تو نکاح باطل ہوگا۔ کیونکہ باپ نے تو یہ گمان کیا تھا کہ خاوند اس کا کفو ہے۔ ''مقدسی'' نے جو گمان کیا ہے وہ اس کے برعکس ہے کہ دونوں میں مخالفت کو ثابت کیا جس طرح ''خیر رملی'' نے اس پر متنبہ کیا۔

ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ غَيْرُ كُفْءٍ كَانَ لَهُمُ الْخِيَارُ وَلْوَالِجِيَّةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَتُعْتَبَرُ) الْكَفَاءَةُ لِلُزُومِ النِّكَاحِ خِلَافًا لِمَالِكٍ (نَسَبًا
پھر یہ امر ظاہر ہوا کہ وہ کفو نہیں تو اولیا کو خیار ہوگا، ''الولوالجیہ''۔ اسے ذہن نشین کر لیجئے۔ نکاح کے لازم ہونے کے لئے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا امام ''مالک'' اس کے خلاف ہیں

میں کہتا ہوں: شاید فرق کی وجہ یہ ہے کہ باپ کے لئے صحیح ہے کہ وہ اپنی چھوٹی بچی کا عقد نکاح غیر کفو میں مزید شفقت کے لئے کرے۔ اس نے کفو کو اس لئے چھوڑا کیونکہ ایسی مصلحت تھی جو اس سے زائد تھی یہ اس وقت صحیح ہے جب باپ کو علم ہو کہ وہ اس کی بچی کا کفو نہیں مگر جب اسے علم ہی نہ ہو تو اس کی جانب سے یہ ظاہر نہ ہوا کہ باپ نے مذکورہ مصلحت کی بنا پر اس کی شادی کی جس طرح باپ مجنون تھا یا نشئ تھا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ کہا جائے: عقد اصلاً صحیح نہیں جس طرح مجنون یا نشئ باپ عقد نکاح کرے ساتھ ہی اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اس عورت کو بالغ ہونے کے بعد عقد نکاح باطل کرنے کا حق ہے۔ یہ اس عقد کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ فلیتامل۔

11754۔ (قولہ: كَانَ لَهُمُ الْخِيَارُ) کیونکہ جب کفو کی شرط نہ لگائی گئی تو ولی اور عورت کی جانب سے کفو نہ ہونے پر رضا کا نہ ہونا من وجہ ثابت ہے۔ کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کیونکہ خاوند کا حال اس امر پر احتمال رکھتا ہے کہ وہ اس کا کفو ہو یا کفو نہ ہو۔ نص نے کفو نہ ہونے کی صورت میں کفو نہ ہونے کی وجہ سے رضا نہ ہونے پر ہر اعتبار سے فسخ کے حق کو ثابت کیا ہے۔ تو کفاءت نہ ہونے کی صورت میں رضامندی کے پائے جانے کی حالت میں حق فسخ من وجہ ثابت نہ ہوگا۔ ''بحر'' میں ''الولوالجیہ'' سے منقول ہے۔

11755۔ (قولہ: لِلُزُومِ النِّكَاحِ) ظاہر روایت کے مطابق اور ''حسن شیبانی'' کی روایت کے صحیح ہونے کی بنا پر جو فتویٰ کے لئے مختار ہے۔

11756۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَالِكٍ) کفو کے اعتبار میں امام ''مالک''، امام ''ثوری'' اور ہمارے مشائخ میں سے ''کرخی'' نے اختلاف کیا ہے۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔ ''کرخی'' کا ذکر اولیٰ ہے۔ اور علامہ نوح کی ''درر'' میں ہے: ''امام ''ابوالحسن کرخی'' اور امام ''ابوبکر جصاص'' یہ دونوں عراق کے بڑے علما میں سے تھے اور عراق کے مشائخ میں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی یہ سب نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں کرتے۔ اگر ان کے ہاں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نہ ہوتی تو وہ اس نقطہ نظر کو نہ اپناتے۔ ہمارے مشائخ میں سے جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ قاضی القضاۃ ''سراج الدین'' ہندی کی کفاءت میں مستقل تالیف ہے۔ اس میں آپ نے دونوں تفصیلاً ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کی سند اور دلیل بیان کی ہے۔

وہ امور جو کفو میں معتبر ہیں

11757۔ (قولہ: نَسَبًا) نسب کے اعتبار سے کفو کا ہونا ضروری ہے۔ علامہ ''حموی'' نے اشعار کہے ہیں جن میں

فَقُرَيْشٌ) بَعْضُهُمْ (أَكْفَاءُ) بَعْضٍ
پس قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

کفو کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کہا

ان الکفاءۃ فی النکاح تکون فی　ست لها بیت بدیع قد ضبط

نسب واسلام کذلک حرفۃ　حریۃ و دیانۃ مال فقط

نکاح میں کفاءت چھ چیزوں میں ہے ان کے متعلق ایک عمدہ شعر کہا گیا ہے۔

نسب، اسلام، اسی طرح پیشہ، آزادی، دیانت اور مال

میں کہتا ہوں: ''الفتاوی الحامدیہ'' میں ''واقعات قدری آفندی'' سے وہاں ''القاعدیہ'' سے منقول ہے ''باپ اور دادا کے علاوہ اولیا نے اگر چھوٹی بچی کا عقد نکاح ایسے عنین سے کیا جو معروف تھا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ جماع پر قدرت کفاءت کی شرط ہے جس طرح مہر اور نفقہ پر قدرت ہوتی ہے بلکہ ان سے بھی اولی شرط ہے۔

جہاں تک بڑی عورت کا تعلق ہے تو ہم اسے ''البحر'' سے ذکر کرتے ہیں: اگر وکیل نے اس عورت کا نکاح اس غنی مرد سے کیا جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا تھا تو وہ عقد نکاح جائز ہوگا اگرچہ عورت کو بعد میں جدائی کرانے کا حق ہوگا۔

11758۔ (قولہ: فَقُرَيْشٌ الخ) قرشیان وہ ہوگا جن دونوں کو اب یعنی نضر بن کنانہ نے اور جو اس سے نیچے ہے نے جمع کر دیا ہو۔ اور جو اس سے اوپر کسی باپ کی طرف منسوب ہو وہ عربی ہوگا قریشی نہیں ہوگا۔ نضر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں جگہ دادا بنتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب یہ ہے حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ امام بخاری نے نسب بیان کرنے میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ خلفاء اربعہ قریش میں سے تھے۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

11759۔ (قولہ: بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قریش میں ہاشمی، نوفلی، تیمی، عدوی وغیرہ میں باہم فضیلت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس وجہ سے حضرت علی شیر خدا جو ہاشمی ہیں نے حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا عقد نکاح حضرت عمر سے کیا جو عدوی ہیں۔ ''قہستانی''۔ اگر کوئی ہاشمی عورت قریشی غیر ہاشمی سے عقد نکاح کرے تو اس کا عقد رد نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ قریشی کے علاوہ عربی سے عقد نکاح کرے تو اولیا کو اس کا عقد نکاح رد کرنے کا حق ہوگا۔ جس طرح کوئی عرب عورت عجمی سے عقد نکاح کرے تو اولیا کو عقد نکاح رد کرنے کا حق ہوگا۔ ''بحر''۔

(قولہ: لم یرد عقدھا) ''تبیین'' میں ''کنز'' اور ''ہدایہ'' اور اکثر معتبر کتابوں کی شروح میں اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ ''الفیض'' میں جو قول ہے القرشی لا یکون کفئا للهاشمی قریشی ہاشمی کا کفو نہیں۔ اس قول میں لا کے کلمہ میں نقل کرنے والوں

(وَ) بَقِیَّۃُ (الْعَرَبِ) بَعْضُھُمْ (أَکْفَاءُ) بَعْضٍ وَاسْتَثْنَی فِی الْمُلْتَقَی تَبَعًا لِلْھِدَایَۃِ بَنِی بَاھِلَۃَ لِخِسَّتِھِمْ، وَالْحَقُّ الْإِطْلَاقُ قَالَہُ الْمُصَنِّفُ کَالْبَحْرِ وَالنَّھْرِ وَالْفَتْحِ وَالشُّرُنْبُلَالِیِّ

اور باقی عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ''ملتقی'' میں ''ہدایہ'' کی پیروی کرتے ہوئے بنی باہلہ کو عربوں سے اس حکم میں مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ ان میں خست پائی جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ حکم مطلق ہے یہ مصنف نے کہا ہے جس طرح ''بحر''، ''نہر''، ''فتح'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

کی تحریف ہے۔ ''رملی''۔

11760۔ (قولہ: وَ بَقِیَّۃُ الْعَرَبِ أَکْفَاءُ) عربوں کی دو اصناف ہیں: عرب عاربہ یہ قحطان کی اولاد ہیں۔ عرب متعربہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ عجم حضرت اسماعیل کے بھائی فروخ کی اولاد ہیں۔ وہ موالی اور عتقا ہیں۔ ان سے مراد غیر عرب ہیں اگر چہ انہیں کبھی بھی غلامی کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ عربوں نے جب ان کے شہروں کو فتح کیا اور انہیں آزاد رہنے دیا جبکہ ان کے لئے غلامی ثابت ہو چکی تھی تو گویا انہوں نے انہیں آزاد کیا یا اس لئے انہیں یہ نام دیا گیا کیونکہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں انہوں نے عربوں کی مدد کی اور مددگار کو مولیٰ کہتے ہیں، ''نہر''۔

بنی باہلہ اور ان کے اوصاف

11761۔ (قولہ: بَنِی بَاھِلَۃَ) ''فتح'' میں کہا: باہلہ اصل میں ہمدان کی ایک عورت کا نام ہے جو معن بن اعصر بن سعد بن قیس غیلان کے عقد میں تھی۔ اس کی اولاد اس عورت کی طرف منسوب ہوئی۔ یہ لوگ خست میں معروف تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باقی ماندہ طعام ایک دفعہ پھر کھاتے تھے اور مردار کی ہڈیاں چنتے انہیں پیتے اور ان کی چکنائی حاصل کرتے اسی وجہ سے کہا گیا۔

ولا ینفع الاصل من ھاشم اذا کانت النفس من باھلۃ

ہاشمی خاندان سے ہونا کوئی نفع نہیں دیتا جب نفس بنی باہلہ سے ہو

ایک قول یہ کیا گیا ہے:

اذا قیل للکلب یا باھلی عوی الکلب من شوم ھذا النسب

جب کتے سے کہا جائے اے باہلی تو کتا اس نسب کی نحوست سے غرانے لگتا ہے

11762۔ (قولہ: وَالْحَقُّ الْإِطْلَاقُ) نص نے کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل اور ان کے اخلاق سے خوب واقف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفو بیان کرتے ہوئے مطلق کلام کی۔ ہر باہلی اس طرح نہیں ہوتا بلکہ ان میں اعلیٰ اخلاق والے بھی ہوتے ہیں ان سب سے کسی چھوٹے خاندان جو مفلوک الحال تھے کا اس قسم کا عمل کرنا سب میں یہ سرایت نہیں کرے گا، ''فتح''۔

وَيَعْضُدُهُ إِطْلَاقُ الْمُصَنِّفِينَ كَالْكَنْزِ وَالدُّرَرِ، وَهٰذَا فِي الْعَرَبِ (وَ) أَمَّا فِي الْعَجَمِ فَتُعْتَبَرُ (حُرِّيَّةً وَإِسْلَامًا) فَمُسْلِمٌ بِنَفْسِهِ أَوْ مُعْتَقٌ غَيْرُ كُفْءٍ
مصنفین کا مطلق قول اس کی تائید کرتا ہے۔ جس طرح ''کنز'' اور ''درر'' میں ہے۔ یہ عربوں میں ہے۔ جہاں تک عجمیوں کا تعلق ہے تو آزادی اور مسلمان ہونے کے اعتبار سے کفو کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ جو خود مسلمان ہوا یا جو خود آزاد ہوا وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوگا

11763۔ (قولہ: وَيُعَضِّدُهُ) اسے قوت بہم پہنچاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا مطلق قول بھی اس کو قوت بہم پہنچاتا ہے۔ ''کافی الحاکم'' میں ہے: قریش میں سے بعض بعض کے کفو ہیں۔ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ عرب قریش کے کفو نہیں۔ موالی میں سے جس کے دو یا تین آباء یعنی دو یا تین نسلیں اسلام میں ہوں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے وہ عربوں کے کفو نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے جس طرح قریش میں تفاوت کا اعتبار نہیں ہوتا یہاں قریش میں سے افضل یعنی بنی ہاشم قریش میں سے دوسروں کے کفو ہیں۔ اسی طرح عربوں میں بغیر کسی استثنا کے صورتحال یہی ہوگی۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس کی ماں علوی ہو اور اس کا باپ عجمی ہو تو عجمی اس عورت کا کفو ہوگا اگر چہ عورت کو کتنا ہی شرف حاصل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ نسب آباء کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسی عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ماں کی جانب سے جو شریف ہے دونوں میں اس تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح بیان کی ہو۔ واللہ اعلم۔

11764۔ (قولہ: وَهٰذَا فِي الْعَرَبِ) یعنی سب کا اعتبار عربوں میں ہوتا ہے ان میں اسلام کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح ''محیط'' اور ''کفایہ'' وغیرہما میں ہے۔ اور دیانت کا بھی کوئی اعتبار نہیں جس طرح ''النظم'' میں ہے۔ اور نہ ہی پیشوں کا کوئی اعتبار ہے جس طرح ''المضمرات'' میں ہے۔ کیونکہ عرب ان صنعتوں کو پیشہ نہیں بناتے۔ جہاں تک باقی چیزوں یعنی آزادی اور مال کا تعلق ہے تو ان کی عبارات سے ظاہر ہے کہ وہ معتبر ہیں ''قہستانی''۔ لیکن اس میں کلام ہے تو اسے اپنے مواقع پر پہچانے گا۔

11765۔ (قولہ: وَ أَمَّا فِي الْعَجَمِ) ان سے مراد ہے کہ وہ عربوں کے قبائل میں سے کسی طرف منسوب نہ ہوں انہیں موالی اور عتقاء اس لئے نام دیا گیا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 11760 میں) گزر چکا ہے ہمارے زمانے میں اکثر شہروں اور دیہاتوں والے انہی میں سے ہیں خواہ وہ عربی زبان بولیں یا کوئی اور زبان بولیں مگر جن کا کوئی نسب معروف ہو جس طرح خلفاء اربعہ کی طرف کوئی منسوب ہو انصار کی طرف منسوب ہو اور انہیں کی مثل خاندان کی طرف منسوب ہو۔

11766۔ (قولہ: فَتُعْتَبَرُ حُرِّيَّةً وَإِسْلَامًا) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ عربوں کے حق میں اسلام قبول کرنا کفو میں معتبر نہیں۔ کیونکہ وہ اس میں باہم کوئی فخر نہیں کرتے۔ وہ صرف باہم نسب پر فخر کرتے ہیں۔ ایسا عربی جس کا باپ کافر ہو وہ اس عربی عورت کا کفو ہوگا جس کے کئی آباء مسلمان ہوں۔ جہاں تک آزادی یہ عربوں کو لازم ہے۔ کیونکہ انہیں غلام بنانا جائز نہیں۔ ہاں خاوند کی ذات میں عربوں میں بھی اسلام کا اعتبار ہوگا اس کے باپ اور دادا میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس

لِمَنْ أَبُوهَا مُسْلِمٌ أَوْ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ وَأُمُّهَا حُرَّةُ الْأَصْلِ وَمَنْ أَبُوهُ مُسْلِمٌ أَوْ حُرٌّ غَيْرُ كُفْءٍ لِذَاتِ أَبَوَيْنِ (وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ) لِتَمَامِ النَّسَبِ بِالْجَدِّ، وَفِي الْفَتْحِ وَلَا يَبْعُدُ مُكَافَأَةُ مُسْلِمٍ بِنَفْسِهِ

جس کا باپ مسلمان ہو یا آزاد ہو یا جس کو آزاد کیا گیا ہو اور اس عورت کی ماں اصلاً آزاد ہو۔ اور جس کا باپ مسلمان ہو یا آزاد ہو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جو دو نسلوں سے آزاد چلے آرہے ہیں۔ اور جو خود مسلمان ہو اس کے بارے میں یہ کوئی بعید نہیں

اعتبار سے عربوں میں صرف نسب کا اعتبار ہوگا اور عجمیوں میں باپ اور دادا کے اسلام کا اعتبار ہوگا اور آزادی کا عربوں اور عجمیوں میں اعتبار ہوگا۔ اسی طرح خاوند کی ذات میں اسلام کا اعتبار ہوگا۔ ''البحر'' میں جو کچھ ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

11767۔ (قولہ: لِمَنْ أَبُوهَا مُسْلِمٌ) یہ قول مسلم بنفسہ کے قول کی طرف راجع ہے، ''ح''۔

11768۔ (قولہ: أَوْ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ) ان دونوں میں سے ہر ایک او معتق کے قول کی طرف راجع ہے، ''ح''۔

11769۔ (قولہ: وَأُمُّهَا حُرَّةُ الْأَصْلِ) کیونکہ خاوند جس کو آزاد کیا گیا تھا اس میں غلامی کا اثر موجود ہے۔ وہ ولاء ہے۔ اور عورت جب اس کی ماں اصلاً آزاد ہے تو عورت خود بھی اصلاً آزاد ہوئی ''بحر عن التجنیس''۔ اگر اس کی ماں لونڈی ہو تو یہ عورت بھی غلامی میں اپنی ماں کے تابع ہوگی۔ پس آزاد کیا ہوا مرد اس عورت کا کفو ہوگا۔ اگر اس کی ماں آزاد کردہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا آزادی میں باپ ہے۔ کیونکہ ''البحر'' میں قول ہے: آزادی اسلام کی مثل ہے۔ ''ط'' نے اسے بیان کیا ہے۔

11770۔ (قولہ: لِذَاتِ أَبَوَيْنِ) یعنی اسلام اور آزادی میں اس کی دو نسلیں گزر چکی ہوں، ''ط''۔

11771۔ (قولہ: وَأَبَوَانِ فِيهِمَا كَالْآبَاءِ) یعنی جس کا اسلام اور آزادی میں باپ اور دادا ہو تو یہ ان کا کفو ہوگا جو کئی نسلوں سے مسلمان چلے آرہے ہوں۔ ''فتح القدیر'' میں کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نسل کو دو نسلوں کے ساتھ لاحق کیا ہے جس طرح کسی کی پہچان کرانے میں ان کا مذہب ہے یعنی گواہی اور دعویٰ میں آدمی کا ذکر اس کے باپ کے ذکر کے ساتھ کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گویا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر یہ کہا دادا کا کفر عیب شمار نہ ہوگا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سب ائمہ نے کہا: عربوں کے حق میں یہ عیب نہیں کیونکہ انہیں اس وجہ سے عار نہیں دلائی جاتی۔ یہ اچھی چیز ہے اس کے ساتھ اختلاف ختم ہو گیا۔ ''النہر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔

11772۔ (قولہ: وَلَا يَبْعُدُ الخ) ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ قول از روئے استدلال کیا ہے جبکہ میں نے ''الذخیرہ'' میں دیکھا ہے اس کی نص یہ ہے: ''ابن سماعہ'' نے ایک آدمی کے بارے ذکر کیا جو اسلام قبول کرتا ہے جبکہ عورت آزاد شدہ ہے تو وہ مرد اس عورت کا کفو ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مسلمان ہوا تو آزاد تھا وہ عورت آزاد ہوئی جبکہ وہ مسلمان تھی تو مرد میں کفو کا اثر اور عورت میں

لِمُعْتَقٍ بِنَفْسِهِ وَأَمَّا مُعْتَقُ الْوَضِيعِ، فَلَا يُكَافِئُ مُعْتَقَةَ الشَّرِيفِ وَأَمَّا مُرْتَدٌّ أَسْلَمَ

کہ وہ اس کا کفو ہو جس کو خود آزاد کیا گیا۔ جہاں تک ادنیٰ درجہ کے آدمی کا آزاد کردہ غلام ہے وہ اعلیٰ خاندان کی آزاد کردہ عورت کا کفونہیں ہوگا۔ جہاں تک مرتد کا تعلق ہے جو اسلام لے آیا

غلامی کا اثر ہے یہ دونوں چیزیں کمی کا باعث ہیں۔ مرد میں اصلاً آزادی شرف ہے اور عورت میں اصلاً اسلام شرف ہے۔ یہ دونوں مکمل کرنے والے ہیں۔ تو دونوں ہم مرتبہ ہو گئے اور دونوں برابر ہو گئے۔ یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے کہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ عورت مسلمان ہو اور مرد آزاد ہو ظاہر یہی ہے کہ حکم اسی طرح ہوگا شرط یہ ہے کہ مرد کا اسلام طاری نہ ہو ورنہ مرد میں کفر کا اثر اور غلامی کا اثر اکٹھے ہوگا۔ تو یہ اس کا کفونہیں ہوگا جس میں صرف کفر کا اثر تھا۔ تامل

11773۔ (قولہ: وَأَمَّا مُعْتَقُ الْوَضِيعِ الخ) ''البحر'' میں اسے ''المجتبیٰ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''البدائع'' میں بھی صورتحال اسی طرح ہے۔ کہا: یہاں تک کہ عربوں کا آزاد کردہ غلام بنوہاشم کی آزاد کردہ لونڈی کا کفونہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر بنی ہاشم کی آزاد کردہ لونڈی نے خود عرب کے آزاد کردہ غلام سے شادی کی تو آزاد کرنے والے آقا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس پر اعتراض کرے۔ کیونکہ ولا نسب کے قائم مقام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ولا اسی طرح رشتہ داری ہے جس طرح نسب کی رشتہ داری ہے (1)۔'' اس کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے۔

شارح نے کتاب الولاء میں (مقولہ 30578 میں) ذکر کیا ہے: کفاءت کا اعتبار آزادی کی ولاء میں بھی ہوگا۔ تاجر کی آزاد کردہ عورت عطار کے آزاد کردہ غلام کی کفو ہوگی۔ چمڑے رنگنے والے کے آزاد کردہ غلام کی کفونہ ہوگی۔

''البدائع'' میں جو ذکر کیا ہے وہ بھی اشکال کا باعث ہے۔ وہ قول اس سے پہلے ہے جو ہم ''البدائع'' سے نقل کر چکے ہیں۔ عورتوں کے آزاد کردہ غلام قریشیوں کے آزاد کردہ غلاموں کے کفو ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عام ہے: موالی ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ''تامل''

تنبیہ

مولی الموالاۃ، مولی عتاقہ کا کفونہیں ہوگا۔ ''ذخیرہ'' میں کہا: ''معلی'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جو آدمی کسی انسان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے یہ اس کا کفونہیں جو آزاد کرنے کی وجہ سے مولی بنا۔ ''شرح الطحاوی'' میں ہے: قوم کے معزز ترین فرد کی آزاد کردہ عورت مولی کی کفو ہوگی۔ کیونکہ عورت کو شرف ولاء حاصل ہے اور موالی کے لئے آباء کے اسلام کا شرف ہے۔

11774۔ (قولہ: وَأَمَّا مُرْتَدٌّ أَسْلَمَ الخ) ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ گویا یہ ایسے مرتد پر محمول ہے جس کی ردت کا زمانہ طویل نہیں۔ اس وجہ سے اسے دارالحرب چلے جانے کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

1۔ السنن الکبری للبیہقی، کتاب النکاح، باب اعتبار الصنعۃ فی الکفاءۃ، جلد 7 صفحہ 134

فَکُفْءٌ لِمَنْ لَمْ یَرْتَدَّ، وَأَمَّا الْکَفَاءَةُ بَیْنَ الذِّمِّیِّینَ فَلَا تُعْتَبَرُ إلَّا لِفِتْنَةٍ (وَ) تُعْتَبَرُ فِی الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ (دِیَانَةً) أَیْ تَقْوَی

یہ اس کا کفو ہے جو مرتد نہ ہوا۔ جہاں تک دو ذمیوں کے کفاءت کا اعتبار ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں مگر فتنہ کی وجہ سے عربوں اور عجمیوں میں کفو میں دیانت یعنی تقویٰ کا اعتبار ہوگا۔

کیونکہ دارالاسلام میں مرتد ہونے والا اگر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو مرتد ہو جائے اور اس کے مرتد ہونے کا زمانہ لمبا ہو جائے یہاں تک کہ وہ اس میں مشہور ہو جائے۔ پہلے وہ دارالحرب چلا گیا پھر اسلام قبول کیا تو چاہئے کہ یہ آدمی اس کا کفو نہ ہو جو مرتد نہ ہو۔ کیونکہ اس وجہ سے جو عار اسے لاحق ہوئی ہے اس عار سے بڑھ کر ہوتی ہے جو اصلی کافر کو لاحق ہوتی ہے جو بذات خود اسلام لائے۔ ''فلیتامل''

11775۔ (قولہ: إلَّا لِفِتْنَةٍ) یعنی فتنہ کو دور کرنے کے لئے۔ ''فتح'' میں ''الاصل'' سے نقل کیا ہے۔ مگر یہ کہ اس کا نسب مشہور ہو جس طرح اس کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی بیٹی ہو جس کے ساتھ جولاہے یا سائس نے دھوکہ کیا قاضی ان میں تفریق کرا دے گا۔ اس لئے نہیں کہ ان میں کفاءت نہیں بلکہ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ایسا کرے گا۔ قاضی کے فرائض میں شامل ہے کہ ان میں امن و سکون کا اہتمام کرے جس طرح مسلمانوں کے درمیان امن و سکون کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

عربوں اور عجمیوں کے کفو میں تقویٰ کا اعتبار ہوگا

11776۔ (قولہ: وَ تُعْتَبَرُ فِی الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ الخ) ''البحر'' میں کہا: ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تقویٰ کا عرب و عجم میں اعتبار کیا جائے گا۔ فاسق عربی صالح عورت کا کفو نہیں ہوگا۔ وہ عورت عربی ہو یا عجمی ہو۔

''النہر'' میں کہا: ''ایضاح الاصلاح'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مذہب ہے۔ ''البحر'' میں بھی ذکر کیا ہے کہ ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مال میں بھی کفاءت کا اعتبار ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح حرفہ کا بھی اعتبار ہوگا جس طرح اس عبارت سے ظاہر ہوگا جس کو ہم ''البدائع'' سے (مقولہ 11786 میں) ذکر کریں گے۔

11777۔ (قولہ: دِیَانَةً) یعنی شیخین کے نزدیک یہ قول صحیح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ مگر اس صورت میں کہ اس کو طمانچے مارے جاتے ہوں اور اس کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہو یا وہ نشہ کی حالت میں بازار کی طرف نکلتا ہو اور بچے اس کے ساتھ کھیلتے ہوں۔ کیونکہ ایسے آدمی کو ''خفیف'' جانا جاتا ہے۔ ''ہدایہ''۔ ''الفتح'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: ''فتویٰ'' امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ لیکن ''التتارخانیہ'' میں جو ''المحیط'' سے منقول ہے وہ یہ ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ ''المقدسی'' میں ''المحیط البرہانی'' سے اسی طرح ہے۔ ''الذخیرہ'' میں بھی اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہ اس کے موافق ہے جس کی ''مبسوط'' میں تصحیح کی ہے اور ''الہدایہ'' کی تصحیح اس کے معارض ہے۔ متون میں جو قول ہے

فَلَيْسَ فَاسِقٌ كُفُوًا لِصَالِحَةٍ أَوْ فَاسِقَةٍ
فاسق مرد اس عورت کا کفو نہیں جو خود صالحہ ہو یا خود فاسقہ ہو

اس پر فتویٰ دینا اولیٰ ہے۔

کیا فاسق مرد نیک عورت کا کفو ہوسکتا ہے؟

11778۔(قولہ: فَلَيْسَ فَاسِقٌ الخ) یہ جان لو کہ ''البحر'' میں کہا: میرے لئے اس سے تردد واقع ہوا ہے جب وہ صالح ہو مگر اس کا باپ صالح نہ ہو یا اس کا باپ صالح ہو وہ خود صالح نہ ہو کیا فاسق ایسی عورت کا کفو ہوگا یا نہیں ہوگا؟ تو شارحین کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اعتبار باپ اور دادا کے صالح ہونے کا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: فاسق صالح لوگوں کی بیٹی کا کفو نہیں ہوگا۔ ''المجمع'' میں عورت کے صالح ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ کہا: فاسق صالح کا کفو نہیں ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: فاسق ایسی صالح عورت کا کفو نہیں ہوگا جو صالح لوگوں کی بیٹی ہو۔ انہوں نے تمام کے صالح ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس عورت کی صالحیت یا اس کے آباء کی صالحیت کافی ہے کیونکہ فاسق اس عورت کا کفو نہیں۔ میں نے اسے صریح نہیں پایا۔

''النہر'' میں اس سے منازعہ کیا ہے'' کہ ''الخانیہ'' کا بھی قول ہے: جب فاسق لوگوں کے ہاں محترم اور معزز ہو جس طرح سلطان کے اعوان تو وہ صالح لوگوں کی بچی کا کفو ہوگا۔ بلخ کے بعض مشائخ نے کہا: وہ کفو نہیں ہوگا وہ فاسق معلن ہو یا فاسق معلن نہ ہو۔ ''ابن فضل'' کا اختیار اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ صرف آباء کے اعتبار سے صالحیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی ظاہر ہے اس وقت عورت کے فسق کا کوئی اعتبار نہیں۔ یعنی جب وہ عورت خود فاسق ہو صالح کی بیٹی ہو تو فاسق مرد اس عورت کا کفو نہیں ہوگا۔ کیونکہ اعتبار باپ کی صالحیت کا ہوگا۔ پس عورت کے فسق کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس کی تائید یہ قول بھی کرتا ہے کہ کفاءت اولیا کا حق ہے جب وہ عورت خود اس کو ساقط کر دے۔ کیونکہ صالح آدمی کو اس وجہ سے عار دلائی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ فاسق کا مصاہرت کا رشتہ ہو۔ لیکن ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے جو نقل کیا ہے وہ تقاضا کرتا ہے کہ اس عورت کے صالح ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ اس وقت ''الخانیہ'' کی دوسری کلام کا اس پر حمل کرنا ممکن ہوگا اس امر پر بنا کرتے ہوئے کہ صالح کی بیٹی عموماً صالح ہوتی ہے۔ ''الحواشی الیعقوبیہ'' میں کہا: فاسق آدمی صالح آدمی کی بیٹی کا کفو نہیں ہوگا۔ اس میں کلام ہے وہ یہ ہے کہ صالح کی بیٹی کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ خود فاسق ہو تو مرد اس کا کفو ہوگا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''المجمع'' میں جو کچھ ہے وہ اولیٰ ہے۔ وہ یہ ہے کہ فاسق صالح عورت کا کفو نہیں مگر یہ کہا جائے: غالب یہ ہوتا ہے کہ صالح کی بیٹی صالحہ ہوتی ہے۔ اور المصنف کا کلام غالب صورتحال پر مبنی ہے۔ اس کی مثل ''قہستانی'' کا قول ہے: ''جبکہ وہ صالح ہو'' اس کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ غالب یہ ہوتا ہے کہ بچی باپ کے صالح ہونے کی وجہ سے صالح ہوتی ہے۔ ''مقدسی'' نے اسی طرح کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کا یہ انحصار اس امر پر مبنی ہے کہ عورت کا صالح ہونا ان کے آباء کے صالح ہونے سے پہچانا جاتا ہے

بِنْتِ صَالِحٍ مُعْلِنًا كَانَ أَوْ لَا
مگر صالح کی بیٹی ہو وہ فاسق معلن ہو یا ایسا نہ ہو۔

کیونکہ عورت کی حالت عموماً مخفی ہوتی ہے خصوصاً باکرہ اور چھوٹی بچیوں کی حالت۔

''الذخیرہ'' میں ہے: ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے کہ فاسق، عادل کا کفو نہیں ہوتا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر کوئی آدمی نشہ کرتا ہے اور اس امر کو مخفی رکھتا ہے اور نشہ کی حالت میں باہر نہیں نکلتا تو وہ اہل بیوتات (اعلیٰ خاندان کی عورتیں جو الگ الگ گھروں میں رہتی ہیں) میں سے صالح عورت کا کفو ہوگا۔ اگر وہ اعلانیہ نشہ کرتا ہے تو پھر وہ ان کا کفو نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس پر فتویٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے کہ ان کی کلام سے جو سمجھ آتا ہے کہ سب کے صالح ہونے کا اعتبار ہے جس نے صرف عورت کے صالح ہونے یا آباء کے صالح ہونے پر اکتفا کیا ہے اس نے غالب امر کو دیکھا ہے کہ اولاد اور والد کا صالح ہونا لازم ملزوم ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر فاسق، صالح کی صالح بیٹی کا کفو نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ فاسق کی فاسق بیٹی کا کفو ہوگا۔ اسی طرح اس فاسقہ کا کفو بھی ہوگا جو صالح کی بیٹی ہو جس طرح ''الیعقوبیہ'' میں اسے نقل کیا ہے۔ اس کے باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو عار بیٹی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے وہ اس سے بڑھ کر ہوتی ہے جو عقد مصاہرہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جو خود صالح ہو اور فاسق کی بیٹی ہو تو اس عورت نے خود ہی فاسق سے شادی کر لی تو باپ کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ خود فاسق کی مثل ہے جبکہ وہ عورت خود فاسق پر راضی ہے۔ مگر جب وہ صغیرہ ہو تو اس کے باپ نے کسی فاسق سے عقد نکاح کر دیا اگر تو باپ اس کے فسق سے آگاہ تھا تو عقد صحیح ہوگا اور بالغ ہونے کی صورت میں بچی کو کوئی خیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ کو یہ اختیار ہے جب تک وہ بے حیا نہ ہو جس طرح گزشتہ باب میں (مقولہ 11611 میں) گزر چکا ہے مگر جب باپ صالح ہو اور بننے والے خاوند کو بھی صالح گمان کیا تو پھر عقد نکاح نہ ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح ایک مرد سے کیا جس کو صالح گمان کیا تھا اور یہ خیال کیا تھا کہ نشہ نہیں کرتا تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو نشہ میں دھت رہتا ہے تو بچی نے بالغ ہونے کے بعد کہا: میں نکاح پر راضی نہیں۔ اگر اس کا باپ نشہ نہ کرتا ہو اور اس کے بارے میں معروف نہ ہو اور اس عورت کے گھر والے اکثر صالح ہوں تو بالاتفاق نکاح باطل ہوگا۔ اس تحریر کو غنیمت جانو یہ یگانہ روزگار ہے۔

11779۔ (قولہ: بِنْتِ صَالِحٍ) یہ قول صالحۃ اور فاسقۃ میں سے ہر ایک کی صفت ہے۔ حرف او کے ساتھ عطف کی وجہ سے اسے مفرد ذکر کیا ہے تو یہ اس کی طرف راجع ہے کہ معتبر صرف آباء کی صالحیت ہے۔ اور صالحین کی بیٹی ہونے کے بعد اس کے فسق کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے ہم نے ''النہر'' میں نقل کیا ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔ ہاں یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے ''الیعقوبیہ'' سے نقل کیا ہے۔

11780۔ (قولہ: مُعْلِنًا كَانَ أَوْ لَا) جب اعلانیہ فسق کرتا ہو پھر تو ظاہر ہے۔ جب غیر معلن ہو تو اس پر یہ گواہی دی جائے گی کہ اس نے یہ یہ فسقیہ اعمال کئے ہیں اور وہ ان کو اعلانیہ نہیں کرتا تھا۔ پس اولیا کے مطالبہ کی وجہ سے دونوں میں تفریق

عَلَى الظَّاهِرِ نَهْرٌ (وَمَالًا) بِأَنْ يَقْدِرَ عَلَى الْمُعَجَّلِ وَنَفَقَةِ شَهْرٍ لَوْ غَيْرَ مُحْتَرِفٍ، وَإِلَّا فَإِنْ كَانَ يَكْتَسِبُ كُلَّ يَوْمٍ كِفَايَتَهَا لَوْ تُطِيقُ الْجِمَاعَ (وَحِرْفَةً)

یہ ظاہر روایت ہے ''نہر''۔ اور مال میں برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کہ وہ مہر معجل اور مہینہ کے نفقہ پر قادر ہو اگر وہ اہل حرفہ نہ ہو۔ ورنہ اگر وہ ہر روز اتنا کما لیتا ہو جو عورت کو کفایت کرتا ہو اگر عورت ایسی ہو جس کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہو اور پیشہ کا اعتبار ہوگا۔

کر دی جائے گی، ''ط''۔

11781۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یہ صاحب ''النہر'' کی جانب سے غاصب قرار دینا ہے۔ اس سے مراد وہ نہیں جو وہم کیا جاتا ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ''سرخسی'' سے تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایہ میں امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے کوئی چیز منقول نہیں۔ ''امام اعظم'' کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ فسق کفاءت کے منافی نہیں۔

ہم پہلے (مقولہ 11777 میں) بیان کر چکے ہیں کہ ''ہدایہ'' کی تصحیح اس کے معارض ہے۔

11782۔ (قولہ: وَمَالًا) یعنی عربی اور عجمی کے حق میں ہے جس طرح ''البحر'' سے (مقولہ 11776 میں) گزر چکا ہے۔ کیونکہ عادت میں مال پر کسی دوسری چیز کی بنسبت زیادہ فخر کیا جاتا ہے۔ خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں، ''بدائع''۔

11783۔ (قولہ: بِأَنْ يَقْدِرَ عَلَى الْمُعَجَّلِ الخ) یعنی جس قدر پہلے مہر دینے کا رواج ہے اگرچہ سارے کا سارا مہر فوری دینے کا ذکر کیا گیا ہو ''فتح''۔ مکمل مہر پر قادر ہونا شرط نہیں اور غنا میں برابر ہونا شرط نہیں۔ یہی ظاہر روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ ''زیلعی''۔ اگرچہ خاوند اپنے باپ اور ماں یا دادا کے غنی ہونے کی وجہ سے غنی ہو جس طرح آگے آئے گا۔ اگر اس پر مہر کے برابر قرض ہو تو تب بھی وہ کفو ہوگا کیونکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دونوں قرضوں میں سے جس قرضہ کو چاہے ادا کر دے جس طرح ''الوالوالجیہ'' میں ہے۔ جو عورت فقیر ہو فقراء کی بیٹی ہو جس طرح ''الواقعات'' میں علت کے ساتھ تصریح کی ہے کہ مہر اور نفقہ اس پر لازم ہوگا اس مرد کے حق میں اس وصف کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ جاہ و حشمت والا ہو جس طرح سلطان اور عالم ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفو ہوگا اگرچہ وہ صرف نفقہ کا مالک ہو کیونکہ نقص اس کے ساتھ بھر جاتا ہے اسی وجہ سے علما نے کہا: عجمی فقیہ جاہل عربی کا کفو ہوتا ہے۔

11784۔ (قولہ: وَنَفَقَةِ شَهْرٍ) ''التجنیس'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ''المجتبیٰ'' میں کمائی کے ذریعے نفقہ پر قادر ہونے کی تصحیح کی ہے۔ تصحیح میں اختلاف ہے ''البحر'' میں دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ''النہر'' میں ان دونوں کے درمیان تطبیق بیان کی ہے جو شارح نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا: ''الخانیہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

11785۔ (قولہ: لَوْ تُطِيقُ الْجِمَاعَ) اگر وہ چھوٹی ہو اور جماع کی طاقت نہیں رکھتی تو وہ کفو ہوگا اگرچہ نفقہ پر قادر نہ ہو کیونکہ اس پر اس بیوی کا نفقہ لازم نہیں ہوتا، ''فتح''۔ ''ذخیرہ'' میں اسی کی مثل ہے۔

11786۔ (قولہ: وَحِرْفَةً) ''کرخی'' نے ذکر کیا کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیشہ میں کفاءت کا اعتبار ہو

فَمِثْلُ حَائِكٍ غَيْرُ كُفْءٍ لِمِثْلِ خَيَّاطٍ وَلَا خَيَّاطٌ لِبَزَّازٍ وَتَاجِرٍ وَلَا هُمَا لِعَالِمٍ وَقَاضٍ،
جیسے جولاہا، خیاط کا کفو نہیں اور خیاط، بزاز اور تاجر کا کفو نہیں۔ اور یہ دونوں عالم اور قاضی کا کفو نہیں،

گا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی بنیاد عربوں کی عادت پر رکھی ہے کہ ان کے موالی یہ کام کیا کرتے تھے۔ وہ ان اعمال کے ساتھ پیشے کا قصد نہیں کرتے تھے تو ان کو عار بھی نہیں دلائی جاتی تھی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بلاد کی عادت کے مطابق جواب دیا ہے۔ اہل بلاد نے ان کو حرفہ بنالیا تو پست پیشہ کی وجہ سے انہیں عار دلائی جاتی تھی۔ حقیقت میں دونوں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ''بدائع''۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ آدمی اہل عرب سے اہل بلاد میں سے ہو جو بذات خود پیشہ اپنائے ہوئے ہے تو ان میں اس پیشہ کے اعتبار سے کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس وقت عربوں اور عجمیوں میں یہ معتبر ہوگی۔

11787۔ (قولہ: فَمِثْلُ حَائِكٍ الخ) ''الملتقی'' اور اس کی شرح میں کہا: جولاہا، حجام، خاکروب، چمڑا رنگنے والا، حلق کرنے والا، نعل بندی کرنے والا، لوہار اور ٹھٹھیرا باقی ماندہ پیشہ والوں جیسے عطار، بزاز اور صراف کے کفو نہ ہوں گے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پیشے دو طرح کے ہیں ان میں سے ایک دوسرے کا کفو نہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کے افراد اپنی جنس کے کفو ہوں گے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''زاہدی''۔ یعنی پیشے جب آپس میں دور ہوں تو ان میں سے ایک کے افراد دوسرے کے افراد کے کفو نہ ہوں گے۔ بلکہ ہر ایک کے افراد ایک دوسرے کے کفو ہوں گے۔ اور یہ بیان کیا جس طرح ''البحر'' میں ہے: دونوں کا پیشہ میں متحد ہونا کوئی لازم نہیں بلکہ قریب قریب ہونا کافی ہے۔ جولاہا حجام کا کفو ہے۔ چمڑے رنگنے والا جاروب کش کا کفو ہے۔ ٹھٹھیرا لوہار کا کفو ہے۔ عطار بزاز کا کفو ہے۔ ''حلوانی'' نے کہا: اسی پر فتویٰ ہے۔ ''الفتح'' میں ہے: اس کا موجب اہل عرف کا کم تر جاننا ہے۔ حکم اس کے گرد گھومے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر چاہئے کہ اسکندریہ میں جولاہا عطار کا کفو ہے کیونکہ وہاں جولاہے کو بہتر خیال کیا جاتا ہے اور اس میں کچھ نقص خیال نہیں کیا جاتا۔ مگر کوئی اور خست ساتھ مل جائے۔ اس نے اس امر کا فائدہ دیا کہ پیشے جب قریب قریب ہوں یا ایک ہو جائیں تو باقی جہتوں کے لحاظ سے کفو کا اعتبار ہوگا۔ عجمی عطار، عربی عطار یا عالم عطار یا بزاز کا کفو نہیں ہوگا۔

عربی چمڑا رنگنے والے اور حلاق میں نظر و فکر باقی ہے۔ کیا وہ عجمی عطار اور بزاز کا کفو ہوگا؟ میرے لئے جو امر ظاہر ہوا ہے کہ نسب اور علم کا شرف پیشہ کے نقص کو دور کر دیتا ہے بلکہ یہ تمام پیشوں سے فائق ہو جاتا ہے۔ پس عجمی جاہل عطار، عربی یا عالم حلاق کا کفو نہیں۔ ''الفتح'' میں جو کچھ ہے اس کی تائید کرتا ہے۔ ''امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جو خود مسلمان ہوا یا آزاد ہوا جب ان فضائل کو جامع ہو جو دوسرے کے نسب کے مقابل ہوں تو وہ اس کا کفو ہوگا۔ فلیتامل

11788۔ (قولہ: لِبَزَّازٍ) ''القاموس'' میں کہا: البز سے مراد کپڑے یا گھر کا سامان ہے جیسے کپڑے وغیرہ اس کے بائع کو بزاز کہتے ہیں۔ اس کا پیشہ البزاز کہلاتا ہے، ''ط''۔

11789۔ (قولہ: وَلَا هُمَا لِعَالِمٍ وَقَاضٍ) ''النہر'' میں کہا: ''البنایہ'' میں ''الغایہ'' سے منقول ہے: جھاڑو دینے والا، حجام، دباغ، حارس، سائس، چرواہا اور قیم یعنی حمام میں نہلانے والا یہ درزی کی بیٹی کا کفو نہیں اور درزی بزاز اور تاجر کا کفو نہیں

وَأَمَّا أَتْبَاعُ الظَّلَمَةِ فَأَخَسُّ مِنَ الْكُلِّ
جہاں تک ظالم حاکموں کے خدام کا تعلق ہے تو یہ سب سے خسیس ہیں۔

اور یہ دونوں عالم اور قاضی کے کفو نہیں۔ جولاہا دہقان کی بیٹی کا کفو نہیں اگرچہ بیٹی فقیر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا کفو ہے۔ دہقان کا نام بہت زیادہ جائیداد والے کے لئے غالب طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ خیاط جیسے وہ استاذ ہو وہ کام لیتا ہو اور اس کے مزدور ہوں جو اس کے لئے کام کرتے ہوں تو وہ ہمارے زمانہ میں بزاز اور تاجر کی بیٹی کا کفو ہوگا۔ جس طرح ''الفتح'' کی گزشتہ کلام سے (مقولہ 11787 میں) معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عرف میں یہ نقص شمار نہیں ہوتا۔ تامل۔ ''شرح الملتقی'' میں ''الکافی'' سے مروی ہے کہ موزے بنانے والا بزاز اور عطار کا کفو نہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے جو ہاتھ سے موزے اور جوتے بناتا ہے۔ اگر وہ استاذ ہو اور اس کے مزدور ہوں یا وہ سلے ہوئے جوتے خریدتا ہو اور اپنی دکان میں بیچتا ہو تو وہ ہمارے زمانہ میں بزاز اور عطار سے کم نہیں۔ امام ''طحطاوی'' نے کہا: عالم اور قاضی کو مطلق ذکر کیا ہے اور عالم کے لئے عمل اور قاضی کے لئے رشوت نہ لینے کی قید ذکر نہیں کی۔ جبکہ ظاہر یہ ہے کہ قید ہو کیونکہ ایسا قاضی جو رشوت لیتا ہو وہ ظالم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسا عالم جو عمل نہیں کرتا اس لئے چاہئے اس کو پیش نظر رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں: شاید انہوں نے مطلق ذکر کیا ہے کیونکہ شارح جانتے تھے کہ دیانت میں کفو ہونے کے اعتبار سے ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ ایسا عالم اور قاضی جو فاسق ہو وہ ایسی عورت کے کفو نہیں جو خود صالح ہو اور صالح کی بیٹی ہو۔ کیونکہ صالحیت کا شرف اس علم اور قضا کے شرف سے فائق ہے جن کے ساتھ فسق ملا ہو۔

ظالم حاکموں کے خدام باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں

11790۔ (قولہ: فَأَخَسُّ مِنَ الْكُلِّ) یعنی اگرچہ وہ صاحب مروت اور کثیر اموال والا ہو۔ کیونکہ وہ لوگوں کے خون اور اموال کھانے والے ہیں۔ جس طرح ''محیط'' میں ہے۔ ہاں وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں ''شرح الملتقی''۔ ''النہر'' میں ''البنایہ'' سے مروی ہے: مصر میں ایک جنس ہے جو ہر جنس سے خسیس ہے وہ وہ طائفہ ہے جسے سراباتیہ کہتے ہیں۔ (بعض نسخوں میں سریانیہ اور ''بنایہ'' میں سرابانیہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اتباع کی قید کا مفہوم یہ ہے کہ متبوع جیسے امیر اور سلطان اس طرح نہیں کیونکہ عرف میں وہ تاجر سے معزز ہے جس طرح آنے والا کلام فائدہ دیتا ہے جو شارح نے ''البحر'' سے نقل کیا ہے جبکہ تو جان چکا ہے کہ اس کا موجب اہل عرف کا اسے نقص خیال کرنا ہے۔ پس حکم اہل عرف کے عرف کے گرد گھومے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر جو امیر ہو یا اس کا تابع ہو وہ صاحب مال، صاحب مروت اور لوگوں کے درمیان صاحب حشمت ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ عرف میں عورت کو اس کی وجہ سے عار نہیں دلائی جاتی جس طرح اسے چمڑا رنگنے والے، جولاہے وغیرہ سے عار دلائی جاتی ہے چہ جائیکہ سراباتی جو ہر روز لیٹرین کی طرف آتا ہے اور مسلمان اور کافر کے گھر سے نجاست لے کر جاتا ہے اگرچہ اس کا ارادہ لوگوں یا مساجد کو نجاست

وَأَمَّا أَتْبَاعُ الظَّلَمَةِ فَأَخَسُّ مِنَ الْكُلِّ وَأَمَّا الْوَظَائِفُ فَمِنَ الْحِرَفِ فَصَاحِبُهَا كُفْءٌ لِلتَّاجِرِ لَوْ غَيْرَ دَنِيئَةٍ كَبَوَّابَةٍ وَذُو تَدْرِيسٍ أَوْ نَظَرٍ كُفْءٌ لِبِنْتِ الْأَمِيرِ بِمِصْرَ بَحْرٌ (وَ) الْكَفَاءَةُ (اعْتِبَارُهَا عِنْدَ) ابْتِدَاءِ (الْعَقْدِ

جہاں تک ظالم حاکموں کے خدام کا تعلق ہے تو یہ سب سے خسیس ہیں۔ جہاں تک وظائف کا تعلق ہے تو یہ بھی پیشہ میں سے ہے۔ تو وظیفہ خوار تاجر کا کفو ہوگا اگر وظیفہ حقیر نہ ہو جس طرح دربانی۔ اور مدرس اور ناظر مصر میں امیر کی بیٹی کا کفو ہے۔ ''بحر''۔ کفاءت کا اعتبار عقد کے شروع ہونے کے وقت ہے بعد میں کفاءت زائل ہو جائے

سے پاک کرنے کا ہوتا ہے جبکہ امیر اور اس کے تابع لوگوں کے اموال کھانے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں دارومدار دنیا میں نقص اور رفعت پر ہے۔ اسی وجہ سے جب امام ''محمد'' رطیفیٹھایہ نے کہا: دیانت میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ آخرت کے احکام میں سے ہے اس پر دنیا کے احکام مبنی نہ ہوں گے۔ علما نے ان کا جواب دیتے ہوئے کہا: ہر جگہ معتبر وہ ہے دلیل جس کا تقاضا کرے کہ یہ آخرت کے احکام پر مبنی ہے یا نہیں۔ بلکہ دیانت کا اعتبار دنیوی امور پر مبنی ہے۔ وہ صالح لوگوں کی بیٹی کو خاوند کے فسق سے عار دلانا ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید پہلے ''المحیط'' سے نقل ہو چکا ہے: ظالم کا تابع سب سے خسیس ہے۔ ان کے زمانہ میں غالب دین اور تقوی پر فخر تھا۔ ہمارے زمانہ میں معاملہ مختلف ہے یہاں غالب دنیا پر فخر ہے۔ فافهم واللہ اعلم۔

11791۔ (قولہ: وَأَمَّا الْوَظَائِفُ) یعنی اوقاف میں، ''بحر''۔

11792۔ (قولہ: فَمِنَ الْحِرَفِ) کیونکہ یہ بھی مصر میں مال کمانے کا ایک طریقہ بن چکا ہے۔ جس طرح صنعت، ''بحر''۔

11793۔ (قولہ: لَوْ غَيْرَ دَنِيئَةٍ) یعنی عرف میں وہ گھٹیا نہ سمجھا جاتا ہو۔ جس طرح دربانی۔

11794۔ (قولہ: وَذُو تَدْرِيسٍ) یعنی علم شرعی پڑھانے والا۔

11795۔ (قولہ: أَوْ نَظَرٍ) یہ صاحب ''البحر'' کی بحث ہے۔ لیکن یہ اب شریف نہیں بلکہ یہ عام لوگوں کی طرح ہے بعض اوقات یہ آزاد کردہ حبشی ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس نے وقف کا مال کھایا ہوتا ہے اور اسے منکر امور میں صرف کیا ہوتا ہے تو یہ ان لوگوں کا کیسے کفو ہو سکتا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مگر ایسا ناظر جو صاحب مروت ہو جس طرح مسجد کے امور کو دیکھنے والا اس ناظر کا معاملہ مختلف ہے جسے واقف کی شرط پر وقف اہلی کے لئے معین کیا گیا ہو کیونکہ اس طرح اس کی رفعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، ''طحطاوی''۔

11796۔ (قولہ: كُفْءٌ لِبِنْتِ الْأَمِيرِ بِمِصْرَ) اس میں کوئی خفا نہیں کہ امیر کی بیٹی کا خصوصاً ذکر مبالغہ کے طور پر ہے یعنی وہ تاجر کی بیٹی کا بدرجہ اولی کفو ہوگا۔ یہ قول اس امر کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ امیر، تاجر سے زیادہ شرف والا ہے جس طرح عرف ہے۔ یہ ہماری سابقہ بحث کا مؤید ہے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 11709 میں) اس پر متنبہ کیا ہے۔

11797۔ (قولہ: اعْتِبَارُهَا عِنْدَ ابْتِدَاءِ الْعَقْدِ) میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ'' میں جو کچھ ہے اس کی وجہ سے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے: ''حجام نے ایک ایسی عورت سے عقد نکاح کیا جس کا نسب مجہول تھا پھر ایک قریشی نے دعویٰ کر دیا اور

فَلَا یَضُرُّ زَوَالُهَا بَعْدَهُ) فَلَوْ كَانَ وَقْتَهُ كُفُوًا ثُمَّ فَجَرَ لَمْ يُفْسَخْ، وَأَمَّا لَوْ كَانَ دَبَّاغًا فَصَارَ تَاجِرًا فَإِنْ بَقِيَ عَارُهَا لَمْ يَكُنْ كُفُوًا وَإِلَّا لَا نَهْرٌ بَحْثًا (الْعَجَمِيُّ لَا يَكُونُ كُفُوًا لِلْعَرَبِيَّةِ وَلَوْ) كَانَ الْعَجَمِيُّ (عَالِمًا) أَوْ سُلْطَانًا (وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ عَنِ الْيَنَابِيعِ وَادَّعَى فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ فِي النَّهْرِ إِنْ فُسِّرَ الْحَسِيبُ بِذِي الْمَنْصِبِ وَالْجَاهِ فَغَيْرُ كُفْءٍ لِلْعَلَوِيَّةِ كَمَا فِي الْيَنَابِيعِ وَإِنْ بِالْعَالِمِ فَكُفْءٌ لِأَنَّ شَرَفَ الْعِلْمِ

تو یہ کچھ نقصان نہیں دیتا۔ ''بحر''۔ اگر وہ عقد نکاح کے وقت کفو ہو پھر وہ فسق و فجور کرنے لگا تو عقد نکاح کو فسخ نہیں کیا جائے گا اگر وہ چمڑا رنگنے والا ہو تو وہ تاجر ہو گا اگر تو اس کی عار باقی رہے تو وہ کفو نہ ہو گا بصورت دیگر وہ کفو ہو گا ''نہر''۔ یہ بطور بحث ذکر کیا ہے نہ کہ مذہب کی روایت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ عجمی عالم یا سلطان ہو یہ صحیح ترین قول ہے۔ ''فتح'' میں ینابیع سے منقول ہے۔ ''البحر'' میں دعویٰ کیا یہ ظاہر الروایہ ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''النہر'' میں ہے: اگر حسیب کی تفسیر جاہ و منصب والے سے کی جائے تو وہ علوی خاندان کی عورت کا کفو نہیں ہو گا جس طرح ''ینابیع'' میں ہے۔ اگر حسیب کی تفسیر عالم سے کی جائے تو وہ کفو ہو گا۔ کیونکہ علم کا شرف

ثابت کر دیا کہ یہ اس کی بیٹی ہے اسے حق حاصل ہو گا کہ ان دونوں میں تفریق کرا دے۔ اگر عورت نے یہ اقرار کیا کہ وہ کسی آدمی کی لونڈی ہے تو اسے نکاح باطل کرانے کا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

بعض اوقات اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ نسب کا ثبوت جب حمل ٹھہرنے کے وقت کی طرف منسوب ہے تو عقد کے وقت بھی کفاءت کا نہ ہونا موجود تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کفاءت موجود تھی پھر کفاءت زائل ہو گئی یہاں تک کہ عقد کے وقت معتبر ہونے کے منافی ہو۔ جہاں تک اقرار کے مسئلہ کا تعلق ہے تو کیونکہ اس کا اقرار اس کی ذات تک محدود رہے گا تو اس کا حکم خاوند پر لازم نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے یہ مقر تک محدود رہتی ہے۔

11798۔ (قولہ: ثُمَّ فَجَرَ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں قول کرتے: پھر اس کی کفاءت زائل ہو گئی۔ کیونکہ فسق و فجور دیانت کے بالمقابل ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جن کا کفاءت میں اعتبار کیا جاتا ہے، ''طحطاوی''۔

11799۔ (قولہ: وَأَمَّا لَوْ كَانَ دَبَّاغًا الخ) صاحب ''البحر'' نے اسے اس اصول پر تفریع کے طور ذکر کیا ہے جو پہلے گزر چکا ہے ''یہ مناسب ہے کہ وہ مرد کفو ہو'' پھر بطور استدراک ذکر کیا کیونکہ یہ ان کے قول کے خلاف تھا ''بے شک صنعت اگرچہ اس کا ترک کرنا ممکن ہے تب بھی اس کی عار باقی رہتی ہے''۔ اور ''النہر'' میں اس قول کے ساتھ تطبیق دی ہے: اگر یہ کہا جائے اس کی عار باقی رہتی ہے تو وہ کفو نہ ہو گا اگر اسکو بھلا دیا کیونکہ اس کا زمانہ بہت پہلے کا ہے تو یہ کفو ہو گا تو یہ بہت تھا۔

علم کا شرف، نسب اور مال پر فوقیت رکھتا ہے

11800۔ (قولہ: لَكِنْ فِي النَّهْرِ الخ) کہا: ان کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے کہ غیر عربی عربی کا کفو نہیں اگرچہ صاحب حسب ہو۔ لیکن ''جامع قاضی خان'' میں ہے: علما نے کہا: حسب والا نسب والے کا کفو ہو گا۔ عجمی عالم، جاہل عربی اور

....

علوی کا کفو ہوگا۔ کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہوتا ہے ''فتح القدیر'' میں اسے پسند کیا ہے اور ''بزازی'' نے اس پر جزم کا اظہار کیا ہے اور یہ اضافہ کیا: عالم فقیر، جاہل غنی کا کفو ہے۔ اس میں دلیل ظاہر ہے کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے تو مال کے شرف سے تو بدرجہ اولیٰ فوقیت رکھے گا۔ ہاں حسب سے بعض اوقات منصب وجاہ مراد لیا جاتا ہے جس طرح ''محیط'' میں ''صدر الاسلام'' سے اس کی وضاحت نقل کی ہے۔ یہ عربی عورت کا کفو نہیں ہوگا جس طرح ''الینابیع'' میں ہے۔ ''النہر'' کی کلام کی تلخیص کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں ''الینابیع'' میں صاحب حسب کا عربی عورت کے ہم کفو نہ ہونے کی تصحیح کا تعلق ہے وہ حسیب کی اس تفسیر پر مبنی ہے کہ وہ منصب وجاہ والا ہو۔ مصنف نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ عالم عربی عورت کا کفو نہیں اور اسے اپنی شرح میں ''الینابیع'' کی طرف منسوب کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

''خیر رملی'' نے ''مجمع الفتاوی'' سے ذکر کیا ہے: عالم، علوی عورت کا کفو ہوتا ہے کیونکہ حسب کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت رکھتی ہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم کا شرف حاصل ہے۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ یہ بھی ذکر ہے: اسے ''محیط''، ''بزازیہ''، ''فیض''، ''جامع الفتاوی'' میں اور صاحب ''الدرر'' نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر یہاں مصنف کی عبارت نقل کی پھر کہا: یہ بیان کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جب یہ صحیح ہے کہ ظاہر الروایہ اس کے ہم پلہ نہیں تو یہ ہی مذہب ہوا خصوصاً ''الینابیع'' میں بیان کیا کہ یہی قول اصح ہے۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ ''الینابیع'' میں جسے صحیح قرار دیا ہے اس کے برعکس ہے جس پر مصنف چلے ہیں اور ظاہر الروایہ سے جو ذکر کیا ہے تو اس میں ''البحر'' کی اتباع کی ہے۔ شارح کا قول: وادعی فی البحر فائدہ دیتا ہے کہ اس کا ظاہر الروایہ ہونا محض دعویٰ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ متون وغیرہ میں قول ہے: عرب کفو ہیں یعنی غیر ان کا کفو نہیں۔ اس میں کوئی خفا نہیں اگرچہ اس کا ظاہر مطلق ہے۔ لیکن مشائخ نے غیر عالم کو مقید کیا ہے۔ اس کی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ کیونکہ مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مطلق عبارات کو قواعد کلیہ، مسائل فرعیہ اور ادلۃ نقلیہ سے استنباط کرتے ہوئے قیود اور شرائط لگاتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ''الفتاوی الخیریہ'' کے آخر میں ایسے جاہل قریشی میں جو مجلس میں عالم سے آگے بیٹھا تھا ذکر کیا ہے کہ یہ اس پر حرام ہے کیونکہ علما کی کتب عالم کے قریش پر مقدم ہونے کے بارے میں بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قریش اور غیر قریش میں فرق نہیں کیا قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الزمر: 9) آپ پوچھیے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ پس علم کا شرف نسب کے شرف سے اقوی ہے۔ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور علما کی اس بارے میں تصریح ہے۔ اسی چیز نے تقاضا کیا ہے کہ جس کو علما نے یہاں مطلق ذکر کیا ہے اسے ایک اور محل سے اس کے سمجھنے پر اعتماد کرتے ہوئے مقید کیا جائے۔ پس مشائخ نے جو ذکر کیا ہے وہ ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں تو کسی ایک کے

فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ وَالْمَالِ كَمَا جَزَمَ بِهِ الْبَزَّازِيُّ وَارْتَضَاهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ وَالْوَجْهُ فِيهِ ظَاهِرٌ وَلِذَا قِيلَ إِنَّ عَائِشَةَ أَفْضَلُ مِنْ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالْحَنَفِيُّ كُفْءٌ لِبِنْتِ الشَّافِعِيِّ

نسب اور مال کے شرف سے بڑھ کر ہے جس طرح ''بزازی'' نے اسے جزم ویقین سے بیان کیا ہے اور ''کمال'' وغیرہ نے اسے پسند کیا ہے اس میں وجہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت رکھتی ہیں۔ ''قہستانی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والے کی بیٹی کا کفو ہوگا۔

لئے یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ کہے کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت ''حسن بصری'' وغیرہما جو عربی نہیں جاہل قریشی کی بیٹی یا اس عربی کی بیٹی کا کفو نہیں جو اپنی ایڑیوں پر بول کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس پر یقین کیا جائے جو مشائخ نے کہا یعنی صاحب ''المحیط'' وغیرہ نے کہا جس طرح تو جانتا ہے۔ محقق ''ابن ہمام'' اور صاحب ''النہر'' اس پر راضی ہیں۔ شارح نے اس کی پیروی کی۔ فافہم۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

11801۔ (قولہ: وَلِذَا قِيلَ الخ) کیونکہ علم کا شرف زیادہ قوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے علم کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نہ کہا جائے گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نسب کے اعتبار سے افضل ہیں کیونکہ کلام اس لئے چلائی گئی ہے کہ علم کا شرف نسب کے شرف سے قوی تر ہے۔ لیکن کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خارج ہیں کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بلا واسطہ بضعہ ہیں۔ اسی وجہ سے امام ''مالک'' نے کہا: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹکڑا ہیں اور میں آپ کے ٹکڑا پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں ورنہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیٹیوں کی حضرت عائشہ پر فضیلت لازم آئے گی بلکہ خلفاء اربعہ پر فضیلت لازم آئے گی۔ یہ اجماع کے خلاف ہے جس طرح ''ابن حجر'' نے ''الفتاوی الحدیثیہ'' میں اسے مفصل بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علما سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یہ بعض جہات پر محمول ہے جس طرح علم اور ان کا جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی شیر خدا کے ساتھ ہوں گی۔ اسی وجہ سے ''بدء الامالی'' میں کہا:

وللصدیقۃ الرجحان فاعلم　　على الزهراء فی بعض الخلال

جان لو حضرت صدیقہ کو حضرت زہراء پر بعض خصلتوں میں فضیلت حاصل ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اسے اول کی طرف لوٹایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اولیت میں تعارض کی وجہ سے توقف کیا جائے گا۔ احناف میں سے ''استروشنی'' اور بعض شافعیہ نے اسے اختیار کیا ہے جس طرح ''ملا علی قاری'' نے ''شرح الفقہ الاکبر'' اور ''شرح بدء الامالی'' میں واضح کیا ہے۔

حنفی، شافعی کی بیٹی کا کفو ہے

11802۔ (قولہ: وَالْحَنَفِيُّ كُفْءٌ لِبِنْتِ الشَّافِعِيِّ الخ) یہاں کفاءت سے مراد عقد نکاح کا صحیح ہونا ہے۔ یعنی

وَمَتَى سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِهِ أَجَبْنَا بِمَذْهَبِنَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ مَعْزِيًّا لِجَوَاهِرِ الْفَتَاوَى (الْقَرَوِيُّ كُفْءٌ لِلْمَدَنِيِّ) فَلَا عِبْرَةَ بِالْبَلَدِ كَمَا لَا عِبْرَةَ بِالْجَمَالِ الْخَانِيَّةُ وَلَا بِالْعَقْلِ

اور جب ہم سے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے متعلق سوال ہوگا تو ہم اپنے مذہب کے مطابق جواب دیں گے جس طرح مصنف نے ''جواہر الفتاوی'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ دیہاتی شہری کا کفو ہے۔ شہر کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح جمال کا کوئی اعتبار نہیں۔ ''خانیہ''۔ اور نہ عقل کا کچھ اعتبار ہے

اگر ایک حنفی نے شافعی کی بیٹی سے نکاح کیا تو عقد کے صحیح ہونے کا حکم لگائیں گے اگرچہ اس کے باپ کا مذہب یہ تھا کہ عقد صحیح نہ ہو جب وہ باکرہ ہو مگر وہ عقد نکاح ولی کے کرنے سے ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہی حکم لگائیں گے جس کے بارے میں ہم اپنے مذہب میں صحیح ہونے کا اعتقاد رکھیں گے۔ ''البزازیہ'' میں کہا: ''شیخ الاسلام'' سے اس باکرہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو شافعی ہے جس نے بذات خود کسی حنفی سے یا شافعی سے اپنے باپ کی رضا کے بغیر عقد نکاح کیا کیا وہ عقد نکاح صحیح ہوگا؟ جواب دیا ہاں اگرچہ وہ دونوں عقد کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ ہم اپنے مذہب کے مطابق جواب دیتے ہیں خصم کے مذہب کے مطابق جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خطا ہے صواب کا احتمال رکھتا ہے۔ اگر ہم سے سوال کیا جائے اس بارے میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا ہے؟ تو ہم اس کے مذہب کے مطابق جواب نہیں دیں گے۔

(قولہ: لاعتقادنا الخ) یہ اس قول پر مبنی ہے کہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ افضل کی تقلید کرے تاکہ اس کو اپنے مذہب کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو۔ اصولیین کے نزدیک قابل اعتماد اس کے برعکس ہے جس طرح ہم نے کتاب کے شروع میں (مقولہ 323 میں) تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ امر مخفی نہیں رہا کہ کفاءت میں اس فرع کے ذکر کرنے کی کوئی مناسب وجہ نہیں۔ ''تامل''۔

دیہاتی، شہری کا کفو ہے

11803۔ (قولہ: الْقَرَوِيُّ) یہ لفظ قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ قریہ کی طرف منسوب ہے۔

11804۔ (قولہ: فَلَا عِبْرَةَ بِالْبَلَدِ) کفاءت کی جو صورتیں گزر چکی ہوں ان کے پائے جانے کے بعد بلد کا کوئی اعتبار نہیں۔ ''البحر'' میں کہا: دیہاتوں میں رہنے والا تاجر اس تاجر کی بیٹی کا کفو ہوگا جو شہر میں رہتا ہے کیونکہ دونوں میں قربت موجود ہے۔

کفو میں حسن و جمال کا کوئی اعتبار نہیں

11805۔ (قولہ: كَمَا لَا عِبْرَةَ بِالْجَمَالِ) لیکن نصیحت یہ ہے کہ اولیا حسن و جمال میں مجانست کا لحاظ رکھیں۔ ''ہندیہ'' میں ''التتارخانیہ'' سے منقول ہے، ''طحطاوی''۔

11806۔ (قولہ: وَلَا بِالْعَقْلِ) ''قاضی خان'' نے ''شرح الجامع'' میں کہا: جہاں تک عقل کا تعلق ہے ہمارے

وَلَا بِعُيُوبٍ يُفْسَخُ بِهَا الْبَيْعُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنِ الْمَرْغِينَانِيِّ الْمَجْنُونُ لَيْسَ بِكُفْءٍ لِلْعَاقِلَةِ (وَكَذَا الصَّبِيُّ كُفْءٌ بِغِنَى أَبِيهِ) أَوْ أُمِّهِ أَوْ جَدِّهِ نَهْرٌ عَنِ الْمُحِيطِ (بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَهْرِ) يَعْنِي الْمُعَجَّلَ كَمَا مَرَّ (لَا) بِالنِّسْبَةِ إِلَى (النَّفَقَةِ) لِأَنَّ الْعَادَةَ أَنَّ الْآبَاءَ يَتَحَمَّلُونَ عَنِ الْأَبْنَاءِ الْمَهْرَ

اور نہ ہی ان عیوب کا اعتبار ہے جن سے بیع فسخ ہو جاتی ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن ''النہر'' میں ''المرغینانی'' سے مروی ہے: مجنون عقل مند عورت کا کفو نہیں۔ اسی طرح لڑکا مہر معجل کے اعتبار سے اپنے باپ، ماں یا دادا کا مالدار ہونے کی وجہ سے کفو ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے نفقہ کے اعتبار سے کفو نہیں ہوگا۔ کیونکہ معمول یہی ہے کہ آباء بیٹیوں کی جانب سے مہر کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں

متقدمین عظماء سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں۔ متاخرین علما نے اس میں اختلاف کیا ہے یعنی کیا کفاءت میں اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں ہوگا۔

11807۔ (قولہ: وَلَا بِعُيُوبٍ الخ) یعنی کفاءت میں ان عیوب کا اعتبار نہیں ہوتا جن کی وجہ سے عقد بیع فسخ ہو جاتا ہے جس طرح جذام (کا مرض) جنون، برص، منہ اور بغل سے بدبو آنا ''بحر''۔

11808۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پہلی تین صورتوں میں اختلاف ہے جب مرد اس حالت میں ہو کہ عورت اس مرد کے ساتھ ٹھہرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ مگر میاں بیوی میں جدائی اور نکاح کو فسخ کرانے کا حق عورت کو ہوگا ولی کو نہیں ہوگا۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔

11809۔ (قولہ: لَيْسَ بِكُفْءٍ لِلْعَاقِلَةِ) ''النہر'' میں کہا: کیونکہ یہ نکاح کے مقاصد کو فوت کر دیتا ہے۔ یہ فقر اور پیشہ کے کم درجہ سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اس پر اعتماد کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ لوگ مجنون آدمی کے ساتھ شادی کرنے کی صورت میں کم درجہ کے پیشے والے سے شادی کرنے کی صورت میں زیادہ عار دلاتے ہیں۔

11810۔ (قولہ: أَوْ أُمِّهِ أَوْ جَدِّهِ) ''النہر'' میں اس قول کو ''المحیط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الفتح'' میں الجدہ (دادی) کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن اس میں ہے کہ باپ کے غنی ہونے کی وجہ سے کفو کا اعتبار اس پر مبنی ہے کہ عام معمول یہی ہے کہ یہ افراد مہر برداشت کرتے ہیں۔ ماں اور دادا میں یہ امر مسلم ہے۔ جہاں تک دادی کا تعلق ہے تو عادت اس کے تحمل پر جاری نہیں (کا معمول نہیں)۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا ہو بھی جاتا ہے یعنی دادی یہ ذمہ داری اٹھا لیتی ہے۔ ''تامل''

11811۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول و مالًا کے تحت گزر چکا ہے۔

11812۔ (قولہ: لِأَنَّ الْعَادَةَ الخ) اس کا مقتضا یہ ہے اگر یہ معمول ہو کہ وہ نفقہ کی بھی ذمہ داری اٹھاتے ہوں جس طرح ہمارے زمانہ میں چھوٹے بچے کے نفقہ کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں تو وہ کفو ہوگا۔ بلکہ ہمارے زمانہ میں تو یہ بھی معمول ہے کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کے نفقہ کی ذمہ داری بھی اٹھاتے ہیں جو ان کے ساتھ رہتا ہے۔

لَا النَّفَقَةَ ذَخِیرَةٌ (وَلَوْ نَكَحَتْ بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِهَا فَلِلْوَلِيِّ) الْعَصَبَةِ (الِاعْتِرَاضُ حَتَّى يُتِمَّ) مَهْرُ مِثْلِهَا

نفقہ کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے''ذخیرہ''۔ اگر عورت نے اپنے مہر (مثل) سے کم پر شادی کر لی تو عصبہ کو اس پر اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ خاوند اس کا مہر مثل مکمل کر دے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ کفو ہو جاتا ہے کیونکہ مقصود خاندان کی طرف سے نفقہ کا حصول ہے وہ ملک کی صورت میں ہو، کسب کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقہ سے۔ اس کی تائید یہ امر بھی کرتا ہے کہ ''ہدایہ'' وغیرھا کے کلام سے جو فوراً ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کلام مطلق خاوند کے بارے میں ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ کیونکہ کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ آپ نے نفقہ پر قادر ہونے کا اعتبار کیا ہے مہر پر قادر ہونے کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ مہر میں کچھ سہولت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور ایک آدمی کے باپ کے خوشحال ہونے سے اسے مہر پر قادر سمجھا جاتا ہے۔

ہاں ''بدائع'' میں یہ زائد ہے کہ ظاہر الروایہ میں نفقہ اور مہر میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ لیکن مصنف جس راہ پر چلے ہیں اس کی تصحیح ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے نقل کی ہے۔ بچے کے ساتھ تخصیص کا مقتضا یہ ہے کہ کبیر اس طرح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹا زکوٰۃ کے باب میں اپنے باپ کے غنی ہونے کے ساتھ غنی سمجھا جاتا ہے۔ بڑے کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن جب دارومدار عادت پر ہے کہ باپ کس چیز کو اپنے ذمہ لیتا ہے تو دونوں میں فرق ظاہر نہیں ہوگا اور نہ ہی مہر اور نفقہ کے درمیان فرق ظاہر ہو گا۔ کیونکہ یہی چیز متعارف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر عورت نے مہر مثل سے کم پر شادی کی تو عصبہ کو اعتراض کا حق ہوگا

11813۔ (قولہ: بِأَقَلَّ الخ) یعنی اتنے کم مہر پر عقد نکاح کیا جس میں غبن نہیں کیا جاتا ہم سابقہ باب میں (مقولہ 11602 میں) اس کی وضاحت بیان کر چکے ہیں۔

11814۔ (قولہ: فَلِلْوَلِيِّ الْعَصَبَةِ) تو عصبہ کو اعتراض کا حق ہوگا قاضی کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا اگر چہ وہ عورت بے وقوف ہو جس طرح ''الذخیرہ'' میں ہے۔ ''نہر''۔ ''الذخیرہ'' میں باب ''الحجر'' سے منقول ہے: وہ عورت جس پر حجر کیا گیا ہو جب وہ مہر مثل سے کم سے شادی کرے گی تو قاضی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حجر مال میں ہوتا ہے نفس میں نہیں ہوتا، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الظہیریہ'' میں حجر کے باب میں ہے: اگر خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں تو اسے کہا جائے گا: عورت کا مہر مثل مکمل کر دو۔ اگر خاوند راضی ہو جائے تو ٹھیک ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ اگر اس نے حقوق زوجیت ادا کر لئے ہوں تو اسے مکمل کرے گا اور دونوں میں تفریق کی جائے گی۔ کیونکہ تفریق صرف مہر مثل میں کمی کی وجہ سے ہے۔ جب حقوق زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ عورت کے حق میں مہر مثل کا فیصلہ کر لیا جائے گا تو کمی معدوم ہو گئی۔

11815۔ (قولہ: الِاعْتِرَاضُ) اس امر کا فائدہ دیا کہ عقد صحیح ہے اور یہ بات پہلے (مقولہ 11501 میں) گزر چکی

(أَوْ يُفَرِّقَ) الْقَاضِي بَيْنَهُمَا دَفْعًا لِلْعَارِ (وَلَوْ طَلَّقَهَا) الزَّوْجُ (قَبْلَ تَفْرِيقِ الْوَلِيِّ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى) فَلَوْ فَرَّقَ الْوَلِيُّ بَيْنَهُمَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ بَعْدَهُ فَلَهَا الْمُسَمَّى وَكَذَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ التَّفْرِيقِ فَلَيْسَ لِلْوَلِيِّ الْمُطَالَبَةُ بِالْإِتْمَامِ لِانْتِهَاءِ النِّكَاحِ بِالْمَوْتِ جَوَاهِرُ الْفَتَاوَى

یا قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی واقع کردے تاکہ عار کو دور کیا جائے۔ اگر خاوند نے ولی کی جانب سے تفریق کرانے سے قبل حقوق زوجیت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو عورت کے لئے نصف مہر ہوگا۔ اگر ولی نے حقوق زوجیت سے پہلے دونوں میں تفریق کرادی تو اس کے لئے کوئی مہر نہ ہوگا۔ اگر حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد تفریق کرائی تو عورت کے لیے مہر مسمی ہوگا۔ اسی طرح اگر دونوں کی جدائی سے پہلے ایک مرجائے تو ولی کو مہر مکمل کرنے کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں کیونکہ موت کے ساتھ مہر ختم ہو جاتا ہے۔ ''جواہر الفتاوی''

ہے کہ اگر عورت نے غیر کفو میں شادی کی تو فتویٰ کے لئے پسندیدہ قول ''حسن'' کی روایت ہے کہ عقد صحیح نہیں ہوگا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ یہاں کسی نے اس روایت جیسی روایت ذکر کی ہو۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ عقد کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مہر مثل مکمل کرنے کے ساتھ اس نقص کا ازالہ کرنا ممکن ہے۔ کفو نہ ہونے کا مسئلہ مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

11816۔ (قولہ: أَوْ يُفَرِّقَ الْقَاضِي) ''ہندیہ'' میں ''سراج'' سے مروی ہے: یہ فرقت قاضی کے ہاں ہی ہوگی۔ جب تک قاضی دونوں کے درمیان تفریق کا فیصلہ نہیں کرے گا تو طلاق، ظہار، ایلاء اور میراث کا حکم باقی ہوگا۔

11817۔ (قولہ: دَفْعًا لِلْعَارِ) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول ''ولی کو اعتراض کا حق نہیں'' کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ دس دراہم سے زائد عورت کا حق ہے۔ اور جو اپنے حق کو ساقط کردے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اولیا مہر کی زیادتی پر فخر کرتے ہیں اور اس کی کمی سے عار محسوس کرتے ہیں۔ پس یہ کفاءت کے مشابہ ہے۔ اور متون امام کے قول پر ہیں۔

11818۔ (قولہ: فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى) اولیا کو یہ مکمل کرنے کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ نکاح کے باقی ہونے پر ہوتا ہے جبکہ نکاح زائل ہو چکا ہے۔

11819۔ (قولہ: فَلَا مَهْرَ لَهَا) کیونکہ فرقت اس کی جانب سے واقع ہوئی ہے جس کا حق تھا اور یہ فسخ نکاح ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''شرح الملتقی'' سے نقل کیا ہے۔

11820۔ (قولہ: فَلَهَا الْمُسَمَّى) یہ حکم سفیہ کے علاوہ میں ہے۔ اس صورت میں حقوق زوجیت کے بعد کوئی تفریق نہیں۔ اور مہر مثل لازم ہوگا جس طرح تو جانتا ہے۔

11821۔ (قولہ: لِانْتِهَاءِ النِّكَاحِ بِالْمَوْتِ) ولی کے لئے عقد نکاح کو فسخ کرنے کا مطالبہ کرنا ممکن نہیں پس مہر مکمل

(أَمَرَهُ بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ فَزَوَّجَهُ أَمَةً جَازَ وَقَالَا لَا يَصِحُّ) وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ

ایک آدمی نے دوسرے کو کسی عورت سے اس کے نکاح کا کہا تو وکیل نے اس کا نکاح لونڈی سے کر دیا تو یہ جائز ہو گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: یہ عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔ یہ استحسان ہے۔

کرنا لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ فسخ نکاح کے خوف کی وجہ سے خاوند پر یہ لازم تھا جبکہ نکاح، موت کے ساتھ زائل ہو چکا ہے،'' ط''۔

نکاح میں وکیل اور فضولی

11822۔(قولہ: أَمَرَهُ بِتَزْوِيجِ الخ) وکیل اور فضولی کے بعض مسائل میں شروع ہو رہے ہیں انہیں ولی کے باب میں ذکر کیا کیونکہ وکالت ولایت کی ایک نوع ہے۔ کیونکہ موکل پر اس کا تصرف نافذ ہوتا ہے اور اجازت کے ساتھ فضولی کے عقد کا نفاذ اسے وکیل کے حکم میں کر دیتا ہے۔ ''کنز'' وغیرہ میں اس کے لئے ایک علیحدہ فصل ذکر کی ہے۔

یہ جان لو کہ نکاح کا وکیل بنانے میں شہادت شرط نہیں بلکہ وکیل کے عقد پر شہادت شرط ہے۔ مناسب یہ ہے کہ وکالت پر گواہ بنا لے جب اسے خوف ہو کہ موکل وکالت کا انکار کر دے گا،''فتح''۔

11823۔(قولہ: بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ) امراۃ کو نکرہ ذکر کیا جس سے احتراز کیا ہے اس کا ذکر آگے (مقولہ 11829 میں) آئے گا۔ لونڈی کو مطلق ذکر کیا ہے پس یہ مکاتبہ اور ام ولد کو بھی شامل ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وکیل کے لئے تہمت نہ بنے اگرچہ وہ اندھی، ہاتھ کٹی، فالج زدہ یا مجنونہ ہو۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یا وہ بچی ہو جس کے ساتھ جماع نہ کیا جا سکتا ہو یہ قول متفق علیہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اختلاف ہے۔''فتح''۔''البحر'' میں اس کا اضافہ کیا ہے: یا کتابیہ ہو یا جس نے اس کو طلاق دینے کی قسم اٹھا رکھی ہو یا اس نے اس عورت سے ایلا کیا ہو یا وہ موکل کی عدت گزار رہی ہو یا مہر میں غبن فاحش کیا گیا ہو۔

11824۔(قولہ: جَازَ) بعض نسخوں میں نفذ ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ گفتگو نفاذ میں ہے جواز میں نہیں،'' ح''۔

11825۔(قولہ: وَقَالَا لَا يَصِحُّ) یعنی جب امر کرنے والے نے اسے رد کر دیا۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں تعبیر کی جاتی کہ یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا تا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ موقوف ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ کے اطلاق اور تہمت کے نہ ہونے کی طرف رجوع ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مطلق متعارف کی طرف پھر جاتا ہے۔ اور وہ کفو میں شادی کرنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفو اور غیر کفو میں شادی کرنے کا عرف مشترک ہے۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

11826۔(قولہ: وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ)''ہدایہ'' میں کہا: وکالت کے باب میں ذکر کیا ہے کہ اس میں کفاءت کا اعتبار ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک استحسان ہے۔ کیونکہ کوئی بھی مطلق عورت سے نکاح کرنے سے عاجز نہیں ہوتا۔ پس مدد

مُلْتَقَى تَبَعًا لِلْهِدَايَةِ وَفِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ قَوْلُهُمَا أَحْسَنُ لِلْفَتْوَى وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَأَجْمَعُوا أَنَّهُ لَوْ زَوَّجَهُ بِنْتَهُ الصَّغِيرَةَ أَوْ مَوْلِيَّتَهُ لَمْ يَجُزْ كَمَا لَوْ أَمَرَهُ بِمُعَيَّنَةٍ أَوْ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ،

''ملتقی'' میں ''ہدایہ'' کی اتباع کرتے ہوئے کہا۔ ''شرح الطحاوی'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول فتویٰ کے لئے احسن ہے۔ ''ابولیث'' نے اسے پسند کیا ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ تمام کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر اس نے اپنی چھوٹی بچی کا یا جس کا ولی تھا اس کی شادی کی تو اس کا عقد نکاح جائز نہ ہوگا جس طرح اگر موکل نے وکیل کو حکم دیا کہ وہ ایک معین عورت سے یا آزاد عورت سے یا لونڈی سے اس کا عقد نکاح کرے

طلب کرنے کا معاملہ کفو میں شادی کرنے کے اعتبار سے ہے۔

''الفتح'' میں کہا: اس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ مسائل معلوم کے علاوہ میں استحسان غیر پر مقدم ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ امام کا قول قیاس نہیں۔ کیونکہ آپ نے اسے منصوص کے نفس لفظ سے اخذ کیا ہے تو غور وفکر اس میں ہوگا کہ کون سا استحسان اولیٰ ہے۔ لفظ منصوص سے مراد موکل کا لفظ ہے۔

11827۔ (قولہ: بِنْتَهُ الصَّغِيرَةَ) اگر وکیل نے موکل سے اپنی چھوٹی بیٹی سے عقد نکاح کر دیا یا اپنی بڑی بیٹی کا عقد نکاح بچی کی رضامندی سے کر دیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نکاح جائز نہیں ہوگا جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس نے اپنی بڑی بہن کا بہن کی اجازت سے عقد نکاح کر دیا تو بالاتفاق عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ ''بحر''۔ ''الذخیرہ'' میں بھی اسی کی مثل ہے۔

11828۔ (قولہ: أَوْ مَوْلِيَّتَهُ) یاء مشدد ہے جس طرح مرية یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جس کا وکیل مولی تھا یعنی وکیل کو عورت پر حق ولایت حاصل تھا۔ یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ وہ اپنی چھوٹی بھتیجی کا عقد نکاح اس سے کر دے۔

11829۔ (قولہ: كَمَا لَوْ أَمَرَهُ بِمُعَيَّنَةٍ) اس میں متن کے قول امرأة سے احتراز کیا گیا ہے جو نکرہ تھا۔ اسی کی مثل ہے کہ اگر وہ مہر معین کر دے جیسے ہزار تو وکیل نے اس سے زائد مہر پر اس کی شادی کر دی۔ اگر خاوند نے علم کے بغیر اس بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے تو اس کا خیار باقی رہے گا۔ اگر خاوند نے اس بیوی سے جدائی اختیار کر لی تو عورت کے معین مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ لازم ہوگا۔ اگر عورت موکلہ ہو اور اس نے ہزار روپیہ اپنا مہر معین کیا تھا تو مرد نے اس سے شادی کر لی پھر خاوند نے کہا اگرچہ حقوق زوجیت کے بعد کہا ہو: میں نے تجھ سے ایک ہزار دینار پر شادی کی ہے۔ اور وکیل نے اس کی تصدیق کی اگر خاوند نے اقرار کیا کہ عورت نے ایک دینار مہر پر اسے وکیل نہیں بنایا تو عورت کو خیار ہوگا۔ اگر عورت نے رد کر دیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا جس مقدار تک مہر مثل پہنچ جائے۔ عورت کا نفقہ عورت کے لئے نہیں ہوگا۔ کیونکہ رد کرنے سے واضح ہو گیا کہ حقوق زوجیت نکاح موقوف میں حاصل ہوئے۔ پس یہ مہر مثل کو واجب کرے گا عدت کے نفقہ کو واجب نہیں کرے گا۔ اگر خاوند نے عورت کی تکذیب کی تو قول قسم کے ساتھ عورت کا معتبر ہوگا۔ اگر عورت نے رد کر دیا تو باقی جواب

فَخَالَفَ أَوْ أَمَرَتْهُ بِتَزْوِيجِهَا وَلَمْ تُعَيِّنْ زَوْجَهَا غَيْرَ كُفْءٍ لَمْ يَجُزْ اتِّفَاقًا لِلْمُخَالَفَةِ (وَلَوْ) زَوَّجَهُ الْمَأْمُورُ بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ (امْرَأَتَيْنِ فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ لَا) يَنْفُذُ لِلْمُخَالَفَةِ

تو وکیل نے اس کی مخالفت کی یا عورت نے وکیل کو حکم دیا کہ اس کی کسی مرد سے شادی کردے اور کسی مرد کی تعیین نہ کی تو مرد نے غیر کفو میں اس کی شادی کردی امر کی مخالفت کرنے کی وجہ سے بالاتفاق عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔ ''اگر وکیل کو ایک عورت سے عقد نکاح کا کہا گیا تھا تو اس نے ایک عقد میں دو عورتوں سے عقد نکاح کردیا تو عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا''۔

اپنے حال پر رہے گا۔ اس میں احتیاط ضروری ہوگی۔ کیونکہ بعض اوقات اس سے اولاد حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وکیل نے جس مقدار پر اس کا عقد نکاح کیا تھا اس مقدار کا انکار کردیتی ہے تو قول عورت کا معتبر ہوگا تو وہ نکاح رد کردے گی۔ ''فتح''، ملخصاً۔

''البزازیہ'' میں کہا: یہ اس صورت میں ہے کہ اگر مہر ذکر کیا جائے اگر مہر ذکر نہ کیا جائے تو وکیل نے اس مرد کا نکاح مہر مثل سے زائد پر کردیا جس میں لوگ غبن نہیں کرتے یا اس سے کم مقدار پر عقد نکاح کردیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن عورت کی جانب اولیا کو اعتراض کا حق ہوگا تاکہ وہ اپنے آپ سے اعتراض کو دور کریں۔''

ہم نے ولی کے باب میں (مقولہ 11552 میں) جو ذکر کیا ہے اسے دیکھ لیں۔

11830۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ اتِّفَاقًا) کیونکہ کفاءت عورت کے حق میں معتبر ہے۔ اگر مرد عورت کا کفو ہو مگر وہ نابینا ہے، اپاہج ہے، بچہ ہے یا بدتدبیری کرنے والا ہے تو عقد نکاح جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد خصی ہو یا عنین ہو اگرچہ عورت کو بعد میں تفریق کا حق ہوگا۔ ''بحر''۔ پھر کہا: اگر وکیل نے موکلہ کی شادی اپنے باپ یا اپنے بیٹے سے کردی تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔ ہر وہ موقع جہاں وکیل کا فعل نافذ نہیں ہوتا تو عقد نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ جو صورتیں ہم نے ذکر کی ہیں ان سب میں رسول (قاصد) کا حکم وہی ہوگا جو وکیل کا حکم ہوتا ہے۔ ایسی شادی شدہ عورت اس کا کسی مرد کو نکاح کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے کہ جب اسے طلاق دی جائے اور اس کی عدت ختم ہو تو اس کا نکاح کیا جائے۔ جس طرح ایک آدمی کسی کو وکیل بناتا ہے کہ وہ شادی شدہ عورت سے اس کا عقد نکاح اس وقت کرے جب اس عورت کو طلاق دی گئی اور وہ نکاح کے لئے حلال ہوگئی تو وکیل نے اس کا عقد نکاح مرد سے کردیا تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔

11831۔ (قولہ: بِنِكَاحِ امْرَأَةٍ) امرأۃ کے لفظ کو نکرہ ذکر کیا ہے یہ اس امر پر دلالت کرنے کی وجہ سے کہ اگر وہ اس کو معین کردیتا اور وہ اس عورت کا نکاح کسی اور عورت کے ساتھ کردیتا تو وہ مخالفت کرنے والا نہ ہوتا بلکہ معین عورت میں اس کا نکاح نافذ ہو جاتا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اس نے اسے وکیل بنایا کہ وہ اس کا عقد نکاح فلانہ یا فلانہ سے کردے تو اس نے ان میں سے جس سے بھی نکاح کردیا تو یہ جائز ہوگا۔ اس جہالت کے ساتھ وکالت باطل نہ ہوگی، ''نہر''۔

11832۔ (قولہ: لِلْمُخَالَفَةِ) یہ قاصر تعلیل ہے۔ ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: دونوں کے نکاح کے نفاذ کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اس نے امر کی مخالفت کی۔ اور نہ ہی دونوں میں سے ایک کے غیر معین انداز میں نفاذ کی کوئی وجہ ہے کیونکہ

وَلَهُ أَنْ يُجِيزَهُمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا وَلَوْ فِي عَقْدَيْنِ لَزِمَ الْأَوَّلُ وَتَوَقَّفَ الثَّانِي؛ وَلَوْ أَمَرَهُ بِامْرَأَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ فَزَوَّجَهُ وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي عُقْدَتَين جَازَ إِلَّا إِذَا قَالَ لَا تُزَوِّجْنِي إِلَّا امْرَأَتَيْنِ فِي عُقْدَةٍ أَوْ فِي عُقْدَتَيْنِ

اور موکل کو حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں کو جائز قرار دے یا ان میں سے ایک کو جائز قرار دے۔ اگر یہ دوعقدوں میں نکاح ہوئے تھے تو پہلا نکاح لازم ہوگا اور دوسرا موقوف ہوگا۔ اگر موکل نے ایک عقد میں دوعورتوں سے عقد نکاح کا حکم دیا تھا تو وکیل نے ایک سے یا دو سے دوعقدوں میں عقد نکاح کیا تو عقد نکاح جائز ہوگا مگر جب اس نے کہا: تو میری شادی نہ کرنا مگر دو عورتوں سے ایک عقد میں یا دوعورتوں میں تو

جہالت پائی جارہی ہے۔ کیونکہ پہلے عقد نکاح کس کا ہوا معلوم نہیں۔ پس تفریق معین ہوجائے گی۔

11833۔ (قولہ: وَلَهُ أَنْ يُجِيزَهُمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا) ''زیلعی'' نے ''ہدایہ'' کے قول فتعین التفریق پر اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کا جواب دیا ہے: اس سے اس کی مراد اجازت نہ ہونے کی صورت میں ہے۔ اگر دونوں کے نکاح کو وہ جائز قرار دے دے یا ان دونوں میں سے ایک کے نکاح کو جائز قرار دے تو عقد نکاح نافذ ہوجائے گا۔

11834۔ (قولہ: وَتَوَقَّفَ الثَّانِي) دوسرا نکاح موقوف اس لئے ہوگا کیونکہ اس عقد میں عقد کرنے والا فضولی ہے،'' ط''۔

11835۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَالَ الخ) ''غایۃ البیان'' میں ہے: موکل نے وکیل کو حکم دیا تھا کہ ایک عقد میں دوعورتوں سے عقد نکاح کرے تو وکیل نے ایک عورت سے اس کا عقد نکاح کیا تو یہ عقد نکاح جائز ہوگا۔ مگر جب وہ کہے: ''میری شادی نہ کرنا مگر دوعورتوں سے ایک عقد میں تو جائز نہ ہوگا۔'' یعنی یہ جائز نہ ہوگا کہ وکیل ایک عورت سے اس کا عقد نکاح کرے۔ اگر وکیل نے دوعورتوں سے دوعقدوں میں اس کا عقد نکاح کیا تو ظاہر یہ ہے کہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا قول فی عقد ۃ حصر کے تحت داخل ہے اور شارح کے کلام سے یہی مفہوم ہے۔

''المحیط'' میں ہے: موکل نے اسے حکم دیا کہ ایک عقد میں اس کا دوعورتوں سے عقد نکاح کرے تو وکیل نے اس کا عقد نکاح دوعورتوں سے دوعقدوں میں کیا تو یہ جائز ہوگا۔ اور اس صورت میں کہ موکل نے کہا لا تزوجنی امراتین الا فی عقدتین فلا یجوز دوعورتوں سے میرا نکاح نہ کرنا مگر دوعقدوں میں تو اس نے دوعورتوں سے ایک عقد میں عقد نکاح کیا تو یہ عقد نکاح جائز نہ ہوگا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موکل نے پہلی صورت میں جمع کی حالت میں وکالت کو ثابت کیا ہے اور اکیلی صورت میں واضح انداز میں اس کی نفی کی اور نفی فائدہ دے گی۔ کیونکہ جمع کی صورت میں اپنے مقصود کو جلدی حاصل کیا جاتا ہے۔ پس حالت انفراد میں وہ وکیل ہی نہ ہوا۔

ظاہر یہ ہے کہ نفی کی اس صورت میں اگر وکیل نے اس کی ایک عورت سے شادی کردی تو عقد نکاح صحیح ہوجائے گا۔ یہ دوسری عورت کے نکاح پر موقوف نہیں ہوگا جو دوسرے عقد میں ہوا۔ شارح کے کلام میں نفی کی صورت میں یہی صورتحال ہوگی۔ وہ یہ ہے: لا تزوجنی الا امراتین فی عقدتین دوعورتوں سے میری شادی نہ کرنا مگر دوعقدوں میں۔ یہ ان کی کلام کا مفہوم مخالف ہے۔ فتامل

لَمْ تَجُزِ الْمُخَالَفَةُ (وَلَا يَتَوَقَّفُ الْإِيجَابُ عَلَى قَبُولِ غَائِبٍ عَنِ الْمَجْلِسِ فِي سَائِرِ الْعُقُودِ) مِنْ نِكَاحٍ وَبَيْعٍ وَغَيْرِهِمَا، بَلْ يَبْطُلُ الْإِيجَابُ، وَلَا تَلْحَقُهُ الْإِجَازَةُ اتِّفَاقًا (وَيَتَوَلَّى طَرَفَيِ النِّكَاحِ وَاحِدٌ) بِإِيجَابٍ يَقُومُ مَقَامَ الْقَبُولِ فِي خَمْسِ صُوَرٍ كَأَنْ كَانَ وَلِيًّا أَوْ وَكِيلًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ

مخالفت جائز نہ ہوگی۔ ایجاب موقوف نہیں ہوگا اس آدمی کے قبول کرنے پر جو مجلس سے غائب ہے۔ یہ تمام عقود میں ہے۔ نکاح ہو، بیع ہو وغیرہما۔ بلکہ ایجاب باطل ہو جائے گا۔ اور بعد از مجلس اجازت اسے لاحق نہ ہوگی یہ متفق علیہ ہے۔ اور ایک ہی آدمی نکاح کی دونوں طرفوں کا ایجاب کے ساتھ والی بن جاتا ہے۔ یہ ایسا ایجاب ہے جو پانچ صورتوں میں قبول کے قائم مقام ہے جیسے وہ دونوں جانب سے ولی یا وکیل ہو

11836۔ (قولہ: عَلَى قَبُولِ غَائِبٍ) یہاں غائب کا موصوف شخص محذوف ہے جب حاضر نے ایجاب کیا جبکہ وہ ایک جانب سے فضولی ہے یا دونوں جانب سے فضولی ہے تو غائب کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ ایجاب باطل ہو گا۔ اگر حاضر عاقد نے اسے قبول کر لیا اس طرح کہ اس نے دو کلامیں کیں جس طرح آگے (مقولہ 11836 میں) آرہا ہے۔ اور غائب کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ حاضر ہوتا تو بعض اوقات عقد موقوف ہوتا ہے جس طرح دو فضولی ایجاب و قبول کریں۔ اور بعض اوقات نافذ ہو جاتا ہے کہ وہ فضولی نہ ہو اگرچہ ایک جانب سے ہو جس طرح آنے والی پانچ صورتوں میں ہے۔

11837۔ (قولہ: فِي سَائِرِ الْعُقُودِ) مصنف نے ''المنح'' میں کہا: یہ اس سے اولیٰ ہے جو ''کنز'' میں ہے: علی قبول ناکح غائب۔ ''غائب ناکح کے قبول کرنے پر'' کیونکہ بعض اوقات یہ نکاح کے اختصاص کا فہم دلاتا ہے۔

11838۔ (قولہ: بَلْ يَبْطُلُ) جب یہ وہم پیدا ہو رہا تھا کہ یہ عقد نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ صرف ایجاب پر اکتفا کرتے ہوئے یہ عقد مکمل ہوگا تو بل اضرابیہ لا کر اس وہم کو دور کیا۔ بطلان کا محل یہ ہے کہ جب غائب کی جانب سے فضولی قبول نہ کرے۔ مگر جب وہ غائب کی جانب سے قبول کرے تو یہ عقد اجازت پر موقوف ہوگا ''ط''۔

11839۔ (قولہ: وَلَا تَلْحَقُهُ الْإِجَازَةُ) یعنی جب ایجاب دوسرے تک پہنچا تو اس نے اسے قبول کر لیا تو عقد نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ باطل کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ''ط''۔

11840۔ (قولہ: يَقُومُ مَقَامَ الْقَبُولِ) جس طرح مثلاً اس کا قول ہے: میں نے فلاں کی اپنے آپ سے شادی کر لی تو یہ دونوں شطروں کو متضمن ہے تو یہ اس کے بعد قبول کا محتاج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا لفظ ذکر کرنا شرط ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ اس عقد میں اصیل ہے۔ جس طرح وہ کہے: تزوجتُ فلانۃ۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی کہ جس میں وہ نائب ظاہر ہو جیسے زوجتها من نفسی میں نے اس کی شادی اپنے سے کر لی۔ ''ہدایہ'' کا کلام اس خلاف میں صریح ہے جس طرح ''البحر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے۔

11841۔ (قولہ: وَلِيًّا أَوْ وَكِيلًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ) جس طرح وہ کہے: میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کر

أَوْ أَصِيلًا مِنْ جَانِبٍ وَوَكِيلًا أَوْ وَلِيًّا مِنْ آخَرَ أَوْ وَلِيًّا مِنْ جَانِبٍ وَكِيلًا مِنْ آخَرَ كَزَوَّجْتُ بِنْتِي مِنْ مُوَكِّلِي (لَيْسَ) ذَلِكَ الْوَاحِدُ (بِفُضُولِيٍّ) وَلَوْ (مِنْ جَانِبٍ) وَإِنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامَيْنِ عَلَى الرَّاجِحِ

یا ایک جانب سے اصیل ہواور دوسری جانب سے وکیل یا ولی ہو۔ یا ایک جانب سے ولی اور دوسری جانب سے وکیل ہو جس طرح وہ کہے میں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے موکل سے کر دی یہ ایک آدمی فضولی نہ ہونا چاہئے اگر چہ ایک ہی جانب سے فضولی ہو اگر چہ اس نے دو کلامیں کی ہوں۔ یہ راجح قول کے مطابق ہے۔

دی یا میں نے اپنی مؤکلہ کی شادی فلاں مرد سے کر دی۔ امام ''طحطاوی'' نے کہا: اس کی وکالت، اس عورت کی وکالت اور عقد پر دو گواہ کافی ہیں کیونکہ گواہ متعدد شہادتوں کا متحمل ہوتا ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 11822 میں) بیان کر چکے ہیں کہ وکالت پر گواہ لازم نہیں مگر انکار کی صورت میں گواہوں کی ضرورت ہوگی۔

11842۔ (قولہ: وَوَكِيلًا أَوْ وَلِيًّا مِنْ آخَرَ) جس طرح اگر ایک عورت نے اسے وکیل بنایا کہ اس کی شادی اپنے سے کر لے یا وہ عورت اس کی چچازاد بہن ہو جو چھوٹی ہو اس چچازاد بھائی سے بڑھ کر کوئی اور اس کا قریبی رشتہ دار نہ ہو تو اس مرد نے کہا: میں نے اپنی مؤکلہ سے یا اپنی چچازاد سے شادی کر لی۔

11843۔ (قولہ: كَزَوَّجْتُ بِنْتِي مِنْ مُوَكِّلِي) یہ پانچوں صورتوں کی مثال ہے۔ نام اور نسب کی پہچان ضروری ہے۔ حضرت شارح نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

11844۔ (قولہ: لَيْسَ ذَلِكَ الْوَاحِدُ) دونوں طرفوں کا متولی فضولی نہ ہونا چاہئے جس طرح گزشتہ پانچ صورتوں میں فضولی نہیں ہے۔

11845۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ جَانِبٍ) خواہ وہ ایک جانب سے فضولی ہو یا دونوں جانب سے فضولی ہو یعنی خاوند اور بیوی دونوں جانب سے۔ جب وہ دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دوسرے کی جانب سے اصیل ہو، وکیل ہو یا ولی ہو ان چار صورتوں میں توقف نہیں کیا جائے گا بلکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک نکاح باطل ہو جائے گا۔ جبکہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے کیونکہ کہا نکاح موقوف ہوگا غائب کے قبول کرنے پر جس طرح بالاتفاق موقوف ہوگا اگر اس کی جانب سے فضولی نے قبول کر لیا۔ سابقہ پانچ صورتیں بالاتفاق نافذ ہوں گی۔ دسویں عقلی صورت باقی ہے کہ وہ دونوں جانب سے اصیل ہوگا۔ یہ کیونکہ محال ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

11846۔ (قولہ: وَإِنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامَيْنِ) کلامین سے مراد ایجاب و قبول ہے جس طرح زوجت فلانا و قبلت منه میں نے فلاں سے شادی کی اور میں نے اس جانب سے قبول کیا۔ یہ مفہوم پر مبالغہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک آدمی ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک نکاح کی دونوں طرفوں کا والی نہیں بن سکتا جب وہ فضولی ہو اگر چہ ایک جانب سے ہو۔ خواہ ایک کلام کے ساتھ ہو یا دو کلاموں کے ساتھ ہو۔ ''الہدایہ'' کے حواشی اور ''شرح الکافی'' میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ہے۔ ''صاحبین''

لِأَنَّ قَبُولَهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ شَرْعًا لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْإِيجَابَ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ غَائِبٍ (وَنِكَاحُ عَبْدٍ وَأَمَةٍ بِغَيْرِ إِذْنِ السَّيِّدِ مَوْقُوفٌ) عَلَى الْإِجَازَةِ (كَنِكَاحِ الْفُضُولِيِّ)

کیونکہ اس کا قبول شرعی طور پر معتبر نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایجاب، غائب کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا۔ آقا کی اجازت کے بغیر غلام اور لونڈی کا خود نکاح کرنا آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا جس طرح فضولی کا عقد نکاح اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عقد نکاح باطل ہوگا جب اس نے ایک کلام کی۔ اگر اس نے دو کلام میں کیں تو اس کے ساتھ عقد نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ بالاتفاق غائب کے قبول پر موقوف ہوگا۔ ''الفتح'' میں اس کا رد کیا ہے: حق اس کے برعکس ہے اصحاب مذہب کے کلام میں اس قید کا کوئی وجود نہیں۔ جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ ایک فضولی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عقد نکاح کی دونوں طرفوں کا والی نہیں بن سکتا ہے۔ یہ مطلق ہے۔

11847۔ (قولہ: لِأَنَّ قَبُولَهُ) یعنی ایسا فضولی جو عقد نکاح کی دونوں طرفوں کا والی ہو اس کا قبول معتبر نہیں۔

11848۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب جب فضولی سے صادر ہو اور مجلس میں اس کا قبول کرنے والا نہ ہو اگرچہ دوسرا فضولی ہو تو یہ باطل ہوگا غائب کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد عاقد کا قبول کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اس کے ساتھ اس کا جانبین سے فضولی ہونا خارج نہ ہوگا۔ ''الفتح'' میں کہا: ''بے شک ایک آدمی کے دو کلام عقد تام ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ دونوں جانب سے مامور ہے یا ایک جانب سے مامور ہے اور اسے دوسری جانب سے ولایت حاصل ہے۔

11849۔ (قولہ: وَنِكَاحُ عَبْدٍ) یعنی اگرچہ وہ مدبر ہو یا مکاتب ہو، ''نہر''۔

11850۔ (قولہ: وَأَمَةٍ) اگرچہ وہ ام ولد ہو، ''نہر''۔

11851۔ (قولہ: عَلَى الْإِجَازَةِ) یعنی آقا کی اجازت پر یا غلام کی اجازت پر موقوف ہے جبکہ آقا نے عقد کے بعد اذن دیا ہو۔ کیونکہ ''البحر'' میں ''التجنیس'' سے منقول ہے: اگر غلام نے آقا کے اذن کے بغیر عقد نکاح کیا پھر آقا نے اذن دے دیا تو عقد نکاح نافذ نہ ہوگا کیونکہ اذن اجازت نہیں پس اس غلام کی جانب سے عقد نکاح کے جواز کا قول ضروری ہے جس نے عقد کیا ہو اگرچہ عقد اس کی طرف سے صادر ہوا ہو۔

فضولی کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

11852۔ (قولہ: كَنِكَاحِ الْفُضُولِيِّ) یعنی ایسا فضولی جس نے عقد نکاح دوسرے فریق اصیل، ولی، وکیل یا فضولی کے ساتھ خود کیا (یعنی ایجاب یا قبول کیا ہو) مگر جب عقد کی دونوں طرفوں کا والی بن گیا جیسے وہ دونوں جانب سے فضولی تھا یا ایک جانب سے فضولی تھا تو یہ عقد نکاح موقوف نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 11854 میں) گزر چکا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''فضولی وہ ہوتا ہے جو ولایت اور وکالت کے بغیر غیر کے لئے تصرف

سَیَجِیءُ فِی الْبُیُوعِ تَوَقُّفُ عُقُودِهِ کُلِّهَا إِنْ لَهَا مُجِیزٌ حَالَةَ الْعَقْدِ وَإِلَّا تَبْطُلُ

کتاب البیوع میں آئے گا فضولی کے تمام عقد موقوف ہوں گے اگر عقد کی حالت میں کوئی اجازت دینے والا ہو ورنہ عقد باطل ہو جائیں گے۔

کرتا ہے یا اپنے لئے تصرف کرتا ہے جبکہ وہ اس کا اہل نہ ہو۔ ہم نے اسے یعنی لنفسہ کو زائد کیا ہے تا کہ اجازت کے بغیر غلام کا نکاح بھی اس میں داخل ہو جائے اگر ہم کہہ دیں: وہ فضولی ہے بصورت دیگر وہ احکام میں اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔

بچہ غلام کی طرح ہے۔ بے شک انہوں نے کہا: (جو تصرف کرتا ہے) نہ کہ: وہ عقد کرتا ہے تا کہ قسم داخل ہو جائے جس طرح کوئی غیر کی بیوی کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے پر معلق کر دے یہ تعلیق (یمین) خاوند کی اجازت پر موقوف ہو گی۔

اگر خاوند نے اس کی اجازت دے دی تو طلاق گھر میں داخل ہونے پر معلق ہو جائے گی۔ اجازت کے بعد گھر میں داخل ہونے کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس سے قبل طلاق واقع نہ ہو گی جب تک خاوند نہ کہے: میں نے اپنے اوپر طلاق کو جائز کر دیا۔ اگر خاوند کہے میں نے اس قسم کو اپنے اوپر جائز کر دیا تو قسم لازم ہو جائے گی۔ اور طلاق واقع نہ ہو گی جب تک اجازت کے بعد داخل نہ ہو گی۔ جس طرح ''الفتح'' میں ''الجامع'' اور ''المنتقی'' سے منقول ہے۔

11853۔ (قولہ: إِنْ لَهَا مُجِیزٌ الخ) ''النہایہ'' میں مجیز کی یہ تفسیر بیان کی ہے: ایسا قبول کرنے والا جو ایجاب کو قبول کرے خواہ وہ فضولی ہو، وکیل ہو یا اصیل ہو۔ ''النہایہ'' میں فضولی کی بیع کی فصل میں کہا: اگر بچے نے اپنا مال بیچا یا خریدا یا اس نے نکاح کیا یا اپنی لونڈی کا نکاح کیا یا اپنے غلام سے عقد مکاتبہ کیا وغیرہ تو یہ عقود ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔ اگر ان کی خبر ولی کو ہوئی اس نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہو جائے گا۔ اگر اس بچے نے طلاق دی، بیوی سے خلع کیا یا اپنے غلام کو مال یا بغیر مال کے آزاد کر دیا یا اس نے ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا اپنے غلام کی شادی کی یا محاباۃ فاحشہ پر اپنا مال بیچا یا غبن فاحش کے ساتھ کوئی چیز خریدی یا اس کے علاوہ کوئی ایسا کام کیا جسے ولی کرتا تو نافذ نہ ہوتا تو ایسا عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ عقد کے وقت کوئی اجازت دینے والا نہ تھا۔ مگر اجازت کا لفظ ابتداء عقد کی صلاحیت رکھتا ہے پس یہ انشاء کے طریقہ پر عقد صحیح ہو گا۔ جس طرح وہ بالغ ہونے کے بعد کہے: میں نے اس طلاق اور عتاق (آزادی) کو واقع کیا۔

''الفتح'' میں کہا: ''یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ یہاں مجیز کی تفسیر ایسے فرد سے کی جائے جو عقد کو نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہو نہ کہ مطلقاً قبول کرنے والے کے ساتھ اور نہ ہی اس کی تعریف ولی کے ساتھ کی جائے۔ کیونکہ ان صورتوں میں عقد موقوف نہیں ہوتا اگر دوسرا فضولی عقد کو قبول کرے یا ولی قبول کرے کیونکہ ولی اس کو نافذ کرنے پر قادر نہیں۔ اس بنا پر جس کا کوئی مجیز نہ ہو یعنی جو اس کو جائز قرار دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ عقد باطل ہو جائے گا۔ جس طرح جب اس کے عقد میں ایک آزاد عورت ہو تو ایک فضولی نے اس کی شادی لونڈی سے کر دی یا اس کی بیوی کی بہن سے کر دی یا اس کی شادی پانچویں عورت سے کر دی یا ایسی عورت سے نکاح کیا جو کسی کی عدت گزار رہی تھی یا مجنون عورت سے شادی کر دی یا ایسی چھوٹی بچی سے شادی کر دی جو دار الحرب میں ہے یا سلطان اور قاضی نہ ہو کیونکہ عقد کی حالت میں کوئی ایسا فرد نہیں جو اس کے نفاذ پر قادر

(وَلِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ الصَّغِيرَةَ) فَلَوْ كَبِيرَةً فَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِئْذَانِ، حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا بِلَا اسْتِئْذَانٍ فَسَكَتَتْ أَوْ أَفْصَحَتْ بِالرِّضَا لَا يَجُوزُ عِنْدَهُمَا

چچا کے بیٹے کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چچازاد بہن سے خود عقد نکاح کر لے اگر وہ بڑی ہوتو اجازت لینا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر اس نے اجازت کے بغیر اس سے شادی کی تو وہ خاموش رہی یا رضا کو واضح کیا تو طرفین کے نزدیک یہ عقد جائز نہیں ہوگا۔

ہوتو یہ عقد باطل ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مانع زائل ہو گیا اس کی سابقہ بیوی کے فوت ہونے کی وجہ سے یا معتدہ کے عدت گزارنے کی وجہ سے تو خاوند نے اس عقد کو جائز قرار دے دیا تو بھی عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ اگر سلطان یا قاضی ہوتو ضروری ہوگا کہ عقد کو موقوف کیا جائے کیونکہ جو اس کے نفاذ پر قادر ہے وہ موجود ہے۔ ملخص

(و قوله: و امّا اذا کان) (''الفتح'' کا جو قول ہے و اما اذا کان) اس سے مراد ہے کہ سلطان یا قاضی اس مکان میں موجود ہو جہاں فضولی مجنونہ یا یتیم کا عقد نکاح کر رہا ہے تو وہ عقد موقوف ہوگا۔ یعنی جب مجنون کا جنون ختم ہوگا یا بچی بالغ ہوگی تو اس کی اجازت کے ساتھ عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد کی حالت میں مجیز کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں کہ وہ نسبی اعتبار سے اولیا میں سے ہو۔ جس طرح سابقہ باب میں اس قول وللولی الا بعد التزویج بغیبة الاقرب (ولی اقرب کی غیر حاضری میں ولی ابعد کو نکاح کرنے کا حق حاصل ہے) سے پہلے گزر چکا ہے۔

11854۔ (قوله: وَلِابْنِ الْعَمِّ الخ) یہ قول و یتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی من جانب کی فرع ہے۔ چچازاد اپنی جانب سے اصیل کے طور پر اور عورت کی جانب سے ولایت کے طور پر ولایت رکھتا ہے۔ صغیرہ کی مثل معتوہہ اور مجنونہ بھی ہے۔ یہاں یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مراد ہے کہ جس کا اس سے زیادہ قریبی نہ ہو۔

11855۔ (قوله: فَلَا بُدَّ مِنَ الِاسْتِئْذَانِ) یعنی جب چچازاد نے چچازاد بہن کی شادی اپنے آپ سے کی تو عقد سے پہلے اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔

11856۔ (قوله: لَا يَجُوزُ عِنْدَهُمَا) کیونکہ وہ نکاح کی دونوں طرفوں کا والی بنا ہے۔ وہ عورت کی جانب سے فضولی ہے۔ پس ان دونوں ائمہ (طرفین) کے نزدیک عقد نکاح موقوف نہیں ہوگا بلکہ عقد نکاح باطل ہو جائے گا جس طرح پہلے (مقولہ 11845 میں) گزر چکا ہے جب عقد نکاح موقوف نہیں تو اس کے بعد خاموشی یا رضا کی وضاحت کرنے کے ساتھ عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اس کا عقد نکاح اپنی ذات سے کرے۔ جس طرح ہم نے (مقولہ 11541 میں) کہا ہے۔ مگر جب وہ اس کا عقد نکاح سابقہ اجازت کے بغیر کسی اور سے کرے تو وہ عورت باکرہ ہونے کی صورت میں خاموش رہی یا ثیبہ ہونے کی صورت میں واضح الفاظ میں اجازت دی تو یہ اجازت ہوگی۔ کیونکہ یہ عقد موقوف تھا کیونکہ یہ دونوں طرفوں کا بذات خود والی نہیں تھا بلکہ دوسرے کے ساتھ مل کر خواہ دوسرا اصیل تھا، ولی تھا، وکیل تھا یا فضولی تھا

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَجُوزُ وَكَذَا الْمَوْلَى الْمُعْتِقُ وَالْحَاكِمُ وَالسُّلْطَانُ جَوْهَرَةٌ بِهِ يَعْنِي بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ كَمَا مَرَّ فَلْيُحَرَّرْ (مِنْ نَفْسِهِ)

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ عقد جائز ہوگا۔ اسی طرح ایسا آقا جس نے اسے آزاد کیا ہو، حاکم اور سلطان کو یہ حق حاصل ہے ''جوہرہ''۔ یعنی صغیرہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے اس میں تحریر و تنقیح چاہئے۔

عقد نکاح کیا۔ پس اس وقت مسئلہ کنکاح فضولی کی فرع ہوگی۔

11857۔ (قولہ: جَوْهَرَةٌ) جو ولا بن العم سے لیکر السلطان تک سب گفتگو ہوئی یہ ''جوہرہ'' کی عبارت ہے، ''ح''۔

11858۔ (قولہ: يَعْنِي بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے کہ ''جوہرہ'' کے قول و کذا المولی سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ابن العم کا پہلے ذکر قید نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے جسے التزوج اور التزویج کی ولایت ہو اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ عمومیت صغیرہ اور کبیرہ دونوں میں جاری ہوگی۔ یعنی ولی صغیرہ کا عقد نکاح اپنے آپ سے کرتا ہے اور اسی طرح کبیرہ سے اس کی اجازت کے ساتھ اپنے آپ سے کرتا ہے۔ یہ بالغہ عورت میں صحیح ہے۔ جہاں تک صغیرہ کا تعلق ہے تو جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حاکم اور سلطان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دونوں میں صغیرہ سے عقد نکاح کرلیں جس کا ان دونوں کے علاوہ کوئی ولی نہ ہو۔ کیونکہ ان کا فعل حکم ہوتا ہے۔ تو پس یہ متعین ہوگیا کہ ''جوہرہ'' کا قول و کذا، فلو کبیرۃ کے قول کی طرف راجع ہے تاکہ اس میں صرف ولی کی عمومیت کا بیان ہو۔ یہی شارح کے اس قول بخلاف الصغیرۃ کما مر کا معنی ہے یعنی سابقہ باب میں فروع میں اس قول لیس للقاضی تزویج الصغیرۃ من نفسہ میں گزر چکا ہے۔ لیکن ''الجوہرہ'' کے کلام کو اس پر محمول کرنے میں ایک اشکال باقی ہے کہ حاکم اور سلطان صغیرہ کا نکاح اپنے آپ سے نہ کریں کیونکہ ان کا فعل حکم ہوتا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ اس آقا میں ظاہر نہیں ہوتا جس نے کسی کو آزاد کیا ہو۔ دونوں کو اکٹھے ذکر کرنا اگرچہ کبیرہ کی طرف نسبت کرنے سے ظاہر ہو چکا تھا لیکن صغیرہ کی طرف نسبت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا جو کبیرہ کی قید لگانے سے مفہوم ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے کہا: فلیحرر۔ فافہم۔

جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا مانع نہیں کہ آزاد کرنے والا آقا اپنی آزاد کردہ لونڈی جو ابھی نابالغ ہے سے خود نکاح کرے کیونکہ اس نابالغ بچی کا اس کے علاوہ کوئی ولی نہیں۔ کیونکہ اس وقت وہی ایسا ولی ہے جو اس پر جبر کر سکتا ہے۔ پس وہ مرد کی جانب سے اصیل اور عورت کی جانب سے ولی ہوگا جس طرح چچا کا بیٹا ہوتا ہے۔ پس یہ ان کے قول کے تحت داخل ہوگا: اور ایک ہی آدمی نکاح کی دونوں طرفوں کا والی ہو ایک جانب سے فضولی نہ ہو۔ ''جوہرہ'' کی وہ عبارت جس کی توضیح نہیں کی گئی اس کے معارض نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر حکم میں مانع موجود نہ ہو جبکہ اس کا فعل حکم ہوتا ہے تو یہ امر قاعدہ کے تحت داخل ہوگا۔ اور آقا میں کوئی مانع نہیں پس وہ اس قاعدہ کے تحت داخل ہوگا۔ نیز اگر آقا حاکم کی طرح ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ اس صغیرہ کی شادی اپنے بیٹے وغیرہ سے نہ کرے جس کے حق میں اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ اور ''فتح'' میں ''تجنیس'' سے جو منقول ہے جو اس کے خلاف ہے: اگر قاضی نے اس نابالغ کا عقد نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا جس نابالغہ کا وہ ولی تھا تو عقد نکاح جائز نہیں ہوگا جس طرح وکیل ہوتا ہے۔ دوسرے اولیا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قاضی کا تصرف حکم ہوتا ہے اور اس کا اپنے بیٹے کے لئے حکم جائز

فَیَکُونُ أَصِیلًا مِنْ جَانِبٍ وَلِیًّا مِنْ آخَرَ (کَمَا لِلْوَکِیلِ) الَّذِی وَکَّلَتْه أَنْ یُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ فَإِنَّ لَهُ (ذَلِكَ) فَیَکُونُ أَصِیلًا مِنْ جَانِبٍ وَکِیلًا مِنْ آخَرَ

پس وہ ایک جانب سے وکیل اور دوسری جانب سے ولی ہوگا جس طرح ایسا وکیل جس کو عورت نے وکیل بنایا کہ اس کی شادی اپنے آپ سے کردے۔ تو اسے یہ حق حاصل ہے۔ پس وہ ایک جانب سے اصیل اور دوسری جانب سے وکیل ہوگا

نہیں ہوتا۔ ولی کے تصرف کا معاملہ مختلف ہے۔

(فقولہ: بخلاف سائر الاولیاء) یہ قول اس آقا کو بھی شامل ہے جو آزاد کرنے والا ہے۔ یہ اس امر میں صریح ہے کہ وہ قاضی کی طرح نہیں۔

تنبیہ

یہ بات پہلے (مقولہ 11680 میں) گزر چکی ہے کہ آزاد کرنے والا آخری عصبہ ہے اور اسے نکاح کرنے کی ولایت حاصل ہے اگرچہ وہ عورت ہو پھر اس کے بیٹے اگرچہ نیچے چلے جائیں پھر نسبت کے اعتبار سے آقا کا عصبہ اس ترتیب پر ہوگا جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ جس طرح تو جان چکا ہے کہ آقا کے لئے اپنی نابالغ آزاد کردہ لونڈی سے عقد نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اس کے بیٹوں اور اس کے عصبات کے لئے اس کی اجازت ہے۔ اگر آزاد کرنے والی عورت ہو تو اپنے آزاد کردہ چھوٹی عمر کے غلام سے خود نکاح کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

11859۔ (قولہ: مِنْ نَفْسِهِ) ''المغرب'' میں ہے: زوجته امراۃ، و تزوجت امراۃ ان کی کلام میں سے یہ نہیں ہے: تزوجت بامرأۃ اور نہ ہی: لا زوجت منه امرأۃ۔

11860۔ (قولہ: فَإِنَّ لَهُ ذَلِكَ) یعنی وہ اس عورت کا عقد اپنے آپ سے کر لے اس شرط پر کہ گواہ اس عورت کو پہچانتے ہوں یا اس عورت کا نام، اس کے والد کا نام اور اس کے دادا کا نام ذکر کیا جائے یا وہ عورت نقاب پہنے موجود ہو تو اس صورت میں اس کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔ ''خصاف'' کے نزدیک کوئی چیز شرط نہیں ہوگی۔ بلکہ وکیل کا یہ قول کافی ہوگا: میں نے اپنی موکلہ سے نکاح کر لیا جس طرح ''الفتح'' اور ''البحر'' میں بیان کیا ہے ہم اس بارے میں گفتگو و بشرط حضور شاہدین کے قول کے تحت (مقولہ 11208 میں) کر چکے ہیں۔

پھر شارح کے قول فان لہ نے متن کے اعراب کو اس کی اصل سے نکال دیا ہے۔ یہ چیز تجھے کچھ نقصان نہ دے گی۔ کیونکہ اس نے لفظ کو کوئی تبدیل نہیں کیا۔ بے شک متن کی اصلاح کے لئے اسے زائد کیا ہے۔ کیونکہ مصنف کے قول کما للوکیل میں کاف تشبیہ کے لئے ہے۔ اسے چچا کے بیٹے کے مسئلہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ما مصدریہ یا کافہ ہے۔ وللوکیل خبر مقدم ہے۔ وہ مصدر جو ان اور اس کے صلہ سے بنا ہے وہ مبتدا موخر ہے۔ اور اسم اشارہ اس سے بدل ہے۔ اس میں دو امر ہیں: (۱) وکیل کو معلق ذکر کرنا جبکہ اس سے مراد مقید وکیل ہے۔ یعنی وہ اس عورت کی شادی اپنے آپ سے کرے۔ (۲) اسم اشارہ کے زائد کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ شارح نے اول کی اصلاح الذی وکلته کا قول زائد ذکر کر کے کی ہے اور دوسرے

(بِخِلَافِ مَا لَوْ وَكَّلَتْهُ بِتَزْوِيجِهَا مِنْ رَجُلٍ فَزَوَّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ) لِأَنَّهَا نَصَّبَتْهُ مُزَوِّجًا لَا مُتَزَوِّجًا (أَوْ وَكَّلَتْهُ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي أَمْرِهَا أَوْ قَالَتْ لَهُ زَوِّجْ نَفْسِي مِمَّنْ شِئْتَ)

یہ صورت سابقہ صورت کے خلاف ہے کہ اگر عورت نے اسے وکیل بنایا کہ اس کی شادی غیر معین مرد سے کر دے۔ تو اس وکیل نے اس عورت کی شادی اپنے آپ سے کر لی کیونکہ اس عورت نے اسے مزوج معین کیا تھا متزوج معین نہیں کیا تھا۔ یا عورت نے اسے وکیل بنایا تھا کہ وہ اس عورت کے معاملہ میں تصرف کرے یا عورت نے اسے کہا میرا نکاح کر دے جس سے تو چاہے۔

کی اصلاح فان لہ کے قول کے اضافہ کے ساتھ کی ہے۔ اس وقت اس کا قول للوکیل مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اس کی تقدیر کلام یہ ہے ان یزوج من نفسہ۔ اس کی وضاحت اس لئے نہیں کی کیونکہ تشبیہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور الذی وکلتہ کا قول الوکیل کی نعت ہے۔ اس نظم کا حسن مخفی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کے بغیر بھی متن کے کلام کی اصلاح کی جائے کہ اسم اشارہ کو مبتدا بنایا جائے اور للوکیل اس کی خبر ہو اور ان یزوجھا جارہ کی تقدیر پر الوکیل کے متعلق ہو۔ یہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس لفظ سے یہ جلدی ذہن میں نہیں آتا۔ کوئی بھی تعبیر کر لی جائے شارح کی کلام میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ فافہم۔

11861۔ (قولہ: مِنْ رَجُلٍ) غیر معین مرد سے۔ اسی طرح مرد معین کرے تو بدرجہ اولی اپنے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ "ہندیہ" میں "المحیط" سے منقول ہے: "ایک آدمی نے ایک عورت کو وکیل بنایا کہ وہ اس کی شادی کر دے تو عورت نے اس مرد کی اپنے ساتھ شادی کی تو یہ عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔

11862۔ (قولہ: فَزَوَّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ) اسی طرح اگر وکیل نے اس عورت کا عقد نکاح اپنے باپ سے یا اپنے بیٹے سے کر دیا۔ یہ امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جس طرح ہم پہلے "البحر" سے (مقولہ 11830 میں) نقل کر چکے ہیں۔ کیونکہ وکیل اس کے ساتھ عقد نہیں کر سکتا جس کے حق میں اس کی گواہی قبول نہ ہوتی ہو کیونکہ اس پر اس کی تہمت آئے گی۔

11863۔ (قولہ: لِأَنَّهَا الخ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اگر وہ اس عورت کا عقد نکاح اپنے باپ سے یا اپنے بیٹے سے کر دے تو وہ عقد نکاح جائز ہوگا۔ جبکہ تو یہ جان چکا ہے کہ عقد نکاح جائز نہیں۔

11864۔ (قولہ: أَوْ وَكَّلَتْهُ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي أَمْرِهَا) کیونکہ اگر عورت نے اسے عقد نکاح کا امر دیا ہے تو وکیل اس کا مالک نہیں ہوگا کہ اس کا عقد نکاح اپنے ساتھ کر لے یہ بہتر ہے۔ "ہندیہ" میں "التجنیس" سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعلیل کا مقتضا یہ ہے کہ اس عورت کی غیر سے شادی صحیح ہے۔ قرینہ کے ساتھ اس کی تقیید ہونی چاہئے اور یہ بھی چاہئے کہ اگر کوئی قرینہ ایسا واقع ہو کہ عورت اسی مرد سے عقد نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ عقد نکاح صحیح ہو۔ جس طرح کوئی مرد عورت کو اپنے لئے دعوت نکاح دیتا ہے اور عورت جواب میں کہہ دے: تو میرے معاملات میں وکیل ہے۔

11865۔ (قولہ: أَوْ قَالَتْ لَهُ) اکثر نسخوں میں او ہے اور بعض میں واؤ ہے۔ پہلا "البحر" وغیرہ کے موافق ہے۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ مصنف نے "المنح" میں "جواہر الفتاوی" سے نقل کیا ہے کہ یہ عقد صحیح ہوگا۔ "بزدوی" نے کہا: شاید یہ قائل اس طرف گیا ہے کہ عورت وکیل کے بارے میں جانتی ہے کہ وکیل اس عورت سے عقد نکاح کا ارادہ رکھتا ہے تو اس وقت وکیل کا

لَمْ يَصِحَّ تَزْوِيجُهَا مِنْ نَفْسِهِ كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَكِيلَ مَعْرِفَةٌ بِالْخِطَابِ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّكِرَةِ (وَلَوْ أَجَازَ) مَنْ لَهُ الْإِجَازَةُ (نِكَاحَ الْفُضُولِيِّ بَعْدَ مَوْتِهِ صَحَّ) لِأَنَّ الشَّرْطَ قِيَامُ الْمَعْقُودِ لَهُ وَأَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ لِنَفْسِهِ فَقَطْ (بِخِلَافِ إِجَازَةِ بَيْعِهِ) فَإِنَّهُ يُشْتَرَطُ قِيَامُ أَرْبَعَةِ أَشْيَاءَ كَمَا سَيَجِيءُ (فُرُوعٌ) الْفُضُولِيُّ قَبْلَ الْإِجَازَةِ لَا يَمْلِكُ نَقْضَ النِّكَاحِ

اس وکیل کا اس عورت کا اپنے آپ سے عقد نکاح کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اصل یہ ہے کہ وکیل ضمیر خطاب کی وجہ سے معرفہ بن چکا ہے پس وہ اسم نکرہ کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ جس کو اجازت دینے کا حق تھا اس نے فضولی کے کئے ہوئے عقد نکاح کو فضولی کی موت کے بعد جائز قرار دیا تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ اس عقد کی صحت کے لئے معقود لہ (جس کے لئے عقد ہوا) اور عقد کرنے والوں میں سے صرف ایک کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بیع کی اجازت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ مسائل: اجازت سے قبل فضولی نکاح توڑنے کا مالک نہیں۔

موکلہ سے خود نکاح کرنا جائز ہوگا۔

11866۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ) یعنی عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ عورت کی جانب سے وہ فضولی بن چکا ہے۔

11867۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے کہ عورت کا قول: و کلتك ان تزوجنی من رجل میں کاف ضمیر خطاب کے لئے ہے پس وکیل معرفہ بن چکا ہے۔ جبکہ عورت نے ایسے مرد سے عقد کا ذکر کیا تھا جو منکر ہے۔ اور معرفہ، نکرہ کا غیر ہے۔ اسی طرح ہوگا جب عورت کہے ممن شئت یعنی جس مرد سے تو میرا عقد نکاح کرنا چاہے۔

11868۔ (قولہ: وَأَحَدُ الْعَاقِدَيْنِ) اس سے مراد وہ ہے جو خود اپنے لئے عقد نکاح کر رہا تھا جس طرح ''البحر'' میں ہے خواہ وہ اصیل ہو، ولی ہو یا وکیل ہو۔ وہ اپنے لئے عقد کرنے والا ہے اس کلام کی مراد ہے وہ فضولی نہیں۔ ''تامل''۔ اور یہ دیکھو اگر وہ فضولی ہو اس طرح کہ دونوں عقد کرنے والے فضولی ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ شرط یہ ہے کہ جن کے لئے عقد کیا گیا ہے صرف وہ دونوں موجود ہوں۔

11869۔ (قولہ: أَرْبَعَةِ أَشْيَاءَ) وہ دونوں عقد کرنے والے، مبیع اور اس کا مالک۔ ثمن کا بھی اضافہ کیا جائے گا اگر ثمن عرض ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ فافہم۔

11870۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی بیوع کے باب میں (مقولہ 23813 میں) یہ آئے گا۔

اجازت سے قبل فضولی نکاح توڑنے کا مالک نہیں

11871۔ (قولہ: لَا يَمْلِكُ نَقْضَ النِّكَاحِ) نہ قولاً مالک ہے نہ فعلاً مالک ہے۔ ''الخانیہ'' میں کہا: عقد کرنے والے

بِخِلَافِ الْبَیْعِ یُشْتَرَطُ لِلُزُومِ عَقْدِ الْوَکِیلِ مُوَافَقَتُهُ فِی الْمَهْرِ الْمُسَمّٰی وَحُکْمُ رَسُولٍ کَوَکِیلٍ
بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ وکیل کے عقد کے لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ مہر مسمی میں موکل کی موافقت کرے۔ قاصد کا حکم وکیل کی طرح ہے۔

فسخ میں چار طرح کے ہیں۔

(۱) ایسا عقد کرنے والا جو فسخ کا مالک نہیں نہ قولاً نہ فعلاً۔ یہ فضولی ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر فضولی نے کسی مرد کا عقد نکاح کسی عورت سے مرد کی اجازت کے بغیر کر دیا پھر مرد کی جانب سے اجازت سے قبل ہی کہہ دیا: میں نے عقد نکاح کو فسخ کر دیا تو عقد نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر فضولی نے مرد کی شادی عورت کی بہن سے کر دی تو دوسرا عقد نکاح موقوف ہوگا یہ پہلے عقد نکاح کے لئے فسخ نہ ہوگا۔

(۲) ایسا عاقد جو صرف قولاً فسخ کر سکتا ہے۔ وہ معینہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل ہے جب فضولی اس عورت کی جانب سے دعوت نکاح دے تو یہ وکیل قبول کے ساتھ عقد کو فسخ کرنے کا مالک ہے۔ اگر وکیل نے اس کی شادی اس عورت کی بہن سے کر دی تو پہلا عقد فسخ نہیں ہوگا۔

(۳) ایسا عاقد جو صرف فعل کے ساتھ عقد فسخ کر سکتا ہے۔ وہ فضولی ہے جب وہ کسی مرد کا عقد نکاح کسی عورت سے مرد کی اجازت کے بغیر کر دیتا ہے پھر وہی آدمی اس فضولی کو غیر معین سے عقد نکاح کے لئے وکیل بناتا ہے تو وکیل پہلی عورت کی بہن سے اس کا عقد نکاح کر دیتا ہے تو پہلی کا عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر قول کے ساتھ فسخ کرتا ہے تو یہ فسخ صحیح نہیں ہوگا۔

(۴) ایسا عاقد جو دونوں طریقوں سے فسخ کر دیتا ہے۔ وہ ایسا وکیل ہے جسے غیر معین عورت کے ساتھ عقد نکاح کا وکیل بنایا گیا جب وہ مؤکل کا عقد نکاح کسی عورت سے کرتا ہے اور ایک فضولی اس عورت کی جانب سے دعوت نکاح دیتا ہے اگر وکیل اس عقد کو فسخ کر دے یا اس کی بہن سے اس کا عقد نکاح کر دے تو عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔

11872۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْبَیْعِ) فرق یہ ہے کہ بیع کے ساتھ اسے ذمہ داری لاحق ہوتی ہے تو اسے رجوع کا حق ہوگا تا کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ نکاح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حقوق اس کی طرف لوٹتے ہیں جس کے لئے عقد کیا گیا۔ ''عمادیہ''۔

11873۔ (قولہ: مُوَافَقَتُهُ فِی الْمَهْرِ الْمُسَمّٰی) ہم نے اس کے بارے میں پہلے قول بعینۃ کے ہاں (مقولہ 11829 میں) گفتگو کر دی ہے۔

11874۔ (قولہ: وَحُکْمُ رَسُولٍ کَوَکِیلٍ) ''الفتح'' میں کہا: قاصد کے بارے میں ''المبسوط'' کے مسائل ذکر کئے ہیں۔

کہا: جب اس عورت کی طرف قاصد بھیجا وہ آزاد ہو، غلام ہو، بچہ ہو یا بڑا ہو اور کہا: فلاں آدمی سوال کرتا ہے کہ تو اپنی شادی اس سے کر دے اس عورت نے گواہ بنایا کہ اس نے اپنی شادی اس مرد سے کر دی ہے گواہوں نے دونوں کے کلام

....

کو سنا یعنی عورت اور قاصد کے کلام کو سنا۔ بے شک یہ عقد جائز ہوگا۔ جب خاوند پیغام بھیجنے کا اقرار کرے یا اس پر دو گواہیاں قائم ہو جائیں اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت بھی نہ ہو تو دونوں کے درمیان کوئی نکاح نہیں۔ کیونکہ پیغام بھیجنا جب ثابت نہیں تو دوسرا آدمی فضولی ہوگا۔ اور خاوند اس کے عمل پر راضی نہیں۔ اس میں کوئی خفا نہیں اس کی مثل وکیل میں حکم ہوگا۔ پھر مسائل ذکر کئے جو سب وکیل میں جاری ہوتے ہیں اور ہم کتاب النکاح کے شروع میں مکتوب بھیجنے کے ساتھ شادی کے احکام بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ الْمَهْرِ

وَمِنْ أَسْمَائِهِ الصَّدَاقُ وَالصَّدَقَةُ، وَالنِّحْلَةُ، وَالْعَطِيَّةُ، وَالْعُقْرُ وَفِي اسْتِيلَادِ الْجَوْهَرَةِ الْعُقْرُ فِي الْحَرَائِرِ مَهْرُ الْمِثْلِ

مہر کے احکام

مہر کے ناموں میں صداق، صدقہ، نحلہ، عطیہ اور عقر ہے۔ ''جوہرہ'' کے باب استیلاد میں ہے: عقر آزاد عورتوں میں مہر مثل ہے۔

جب نکاح کے رکن اور اس کی شرط کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے حکم کے بیان میں شروع ہوئے وہ مہر ہے۔ کیونکہ مہر مثل عقد کے ساتھ واجب ہوتا ہے۔ پس یہ حکم ہوا۔ ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''السعدیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ ''مہر مسمی بھی اس کے احکام میں سے ہے۔'' اور ''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے: ''مہر مثل کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ شے کا حکم اس کا وہ اثر ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ثابت ہو اور عقد کے ساتھ واجب بے شک وہ مہر مثل ہے۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: نکاح کے باب میں مہر مثل ہی موجب اصلی ہے۔ جہاں تک مہر مسمی کا تعلق ہے یہ مہر مثل کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ دونوں اس پر راضی ہوتے ہیں۔

پھر ''العنایہ'' میں مہر کی تعریف کی: یہ اس مال کا نام ہے جو عقد نکاح میں خاوند پر بضعہ کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے خواہ اس کے ذکر کرنے سے یا عقد کی وجہ سے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جو مال شبہ کی وجہ سے وطی کے ساتھ لازم آتا ہے اسے یہ تعریف شامل نہیں۔ اسی وجہ سے بعض علما نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ نام ہے اس مال کا جس کی عورت عقد نکاح یا وطی کی وجہ سے مستحق بنتی ہے اور ''النہر'' میں اس کا جواب دیا: معروف ایسا مہر ہے جو عقد نکاح کا حکم دے۔ ''تامل''

مہر کے نام

11875۔ (قولہ: وَمِنْ أَسْمَائِهِ الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ان کے علاوہ بھی اس کے اسما ہیں جس طرح اجر، علائق، حباء۔ ''النہر'' میں کہا: بعض علما نے اس قول میں ان اسما کو جمع کیا ہے۔

صداق و مهر نحلة و فريضة　　حباء و اجر ثم عقر علائق

صداق، مہر، نحلہ، فریضہ، حبا، اجر پھر عقر اور علائق۔

لیکن عطیہ اور صدقہ کا ذکر نہیں کیا۔

11876۔ (قولہ: وَفِي اسْتِيلَادِ الْجَوْهَرَةِ) یہ ''جوہرہ'' کے باب الاستیلاد میں امام ''سرخسی'' سے منقول ہے۔

آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں مہر کی مقدار

11877۔ (قولہ: فِي الْحَرَائِرِ مَهْرُ الْمِثْلِ) اس کی تفسیر اور تفصیل آگے (مقولہ 12110 میں) آئے گی۔

وَفِي الْإِمَاءِ عُشْرُ قِيمَةِ الْبِكْرِ وَنِصْفُ عُشْرِ قِيمَةِ الثَّيِّبِ (أَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) لِحَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ وَغَيْرِهِ (لَا مَهْرَ أَقَلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ) وَرِوَايَةُ الْأَقَلِّ تُحْمَلُ عَلَى الْمُعَجَّلِ

اور لونڈیوں میں باکرہ کی قیمت کا دسواں حصہ اور ثیبہ کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اس کی کم سے کم تعداد دس دراہم ہیں کیونکہ ''بیہقی'' وغیرہ کی حدیث ہے۔ دس دراہم سے کم کوئی مہر نہیں اور اس سے بھی کم کے بارے میں جو روایت ہے انہیں مہر معجّل پر محمول کیا جائے گا۔

11878۔ (قولہ: وَفِي الْإِمَاءِ الخ) اگر لونڈی باکرہ ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ اور اگر ثیبہ ہو تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ۔

ظاہر یہ ہے کہ لونڈی کے مہر میں شرط یہ ہے کہ دسواں یا بیسواں حصہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ اگر اس سے کم ہو تو اس کی تکمیل دس دراہم تک ضروری ہے کیونکہ مہر دس دراہم سے کم نہیں ہوتا خواہ وہ مہر مثل ہو یا مہر مسمی ہو، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے نقل کرنے کے بعد ''الفیض'' میں بعض محققین سے ذکر کیا ہے: لونڈیوں کے بارے کہا گیا: اس جیسی لونڈی کو دیکھا جائے گا کہ جو لونڈی جتنی خوبصورت ہو اور اس کا اس کے مالک جیسا مالک ہو کہ اس کی کتنے مہر پر شادی کی جائے گی۔ اسی کا اعتبار ہوگا۔ یہی مختار ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جب مہر مثل کا ذکر کیا تو اس وقت جو آنے والا قول ہے اس سے مراد بھی یہی ہے: لونڈی کا مہر اسی قدر ہوگا جس قدر اس میں رغبت ہوگی۔ ''الفتح'' کے نکاح الرقیق کے باب میں ہے: عقر اس لونڈی کا مہر مثل ہوگا جو لونڈی کے جمال میں اس جیسی ہوگی۔ یعنی از روئے جمال کے اس جیسی عورت میں جتنے مال کے عوض رغبت کی جاتی ہے۔ مگر جو یہ کہا گیا ہے: زنا کے لئے اس جیسی لونڈی کو اجرت پر لیا جاتا ہے بفرض محال اگر یہ جائز ہو تو بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ بلکہ عادت یہ ہے کہ اس امر (زنا) کے لئے جو مال دیا جاتا ہے وہ اس سے کم ہوتا ہے جو بطور مہر دیا جاتا ہے کیونکہ ثانی (نکاح) باقی رہنے کے لئے ہوتا ہے پہلا (زنا) اس سے مختلف ہے۔

11879۔ (قولہ: لِحَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ وَغَيْرِهِ) امام ''بیہقی'' نے اس روایت کو ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے(1) اور ''ابن ابی حاتم'' نے اسے روایت کیا ہے۔ حافظ ''ابن حجر'' نے کہا: اس اسناد کے ساتھ یہ روایت حسن ہے۔ جس طرح ''فتح القدیر'' میں باب الکفاءۃ میں ہے۔

کیا مہر کی ادائیگی سے پہلے حقوق زوجیت ادا کرنا جائز ہے؟

11880۔ (قولہ: وَرِوَايَةُ الْأَقَلِّ الخ) وہ احادیث جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے دس دراہم سے کم کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ سب کی سب ضعیف ہیں مگر یہ حدیث ''تو کوئی مال تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو(2)''۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب اعتبار الکفاءۃ، جلد 7، صفحہ 133

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی التزویج علی العمل یعمل، جلد 2، صفحہ 43، حدیث نمبر 1806

فِضَّۃً
وہ چاندی کے ہوں

ضروری ہے کہ اس حدیث کو مہر معجّل پر محمول کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ہاں یہ معمول تھا کہ وہ کچھ مہر حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل پہلے دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ خاوند عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کرے یہاں تک کہ کوئی چیز اسے دے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو اس امر سے منع کیا تھا کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کریں یہاں تک کہ انہیں کوئی چیز دیں۔ حضرت علی شیر خدا نے عرض کی: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: ان کو اپنی زرہ دے دے (1) تو حضرت علی شیر خدا نے اپنی زرہ حضرت فاطمہ کو دے دی۔ اسے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ مہر چار سو درہم تھا اور وہ چاندی کے ہوتے ہیں۔ لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ اس سے قبل بھی حقوق زوجیت ادا کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں عورت کو اس کے خاوند کے ہاں بھیج دوں قبل اس کے کہ خاوند اسے کوئی چیز دے (2)۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ وہ مذکورہ روکنا ندب پر محمول ہوگا یعنی مستحب یہ ہے کہ اسے کوئی چیز پہلے دی جائے۔ مقصود اسے خوش کرنا ہے تا کہ اس عورت کا دل خاوند کی طرف مائل ہو جائے۔ جب یہ معین و معروف ہے تو جو روایات اس کے خلاف ہیں جن کو ہم نے روایت کیا انہیں اسی پر محمول کیا جائے گا تا کہ احادیث کو جمع کیا جائے۔ اس نکتہ کو ذہن نشین کرلو۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ روایت تو اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے: التمس ولو خاتما من حدید (3) کوئی چیز تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ لیکن اس کی طرف لوٹنا ضروری ہے کیونکہ اس حدیث میں بعد میں کہا: میں نے تیری اس عورت سے شادی کر دی ہے اس کے بدلے میں جو تیرے پاس قرآن ہے۔ اگر اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے تو یہ کتاب اللہ کے معارض ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ (النساء: 24) تا کہ تم طلب کرو ان کو اپنے مالوں کے ذریعے۔ اس میں حلت کے ثبوت مال کے بدلے چاہنے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ تو ضروری ہے کہ حدیث نص قرآنی کے خلاف نہ ہو بصورت دیگر اس حدیث کو قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔ یہ ایسی نص کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتی جو دلالت میں قطعی ہو۔ اس کی تمام بحث ''الفتح'' میں ہے۔

مہر کی شرعی مقدار

11881۔ (قولہ: فِضَّۃً) یہ تمیز ہے منصوب ہے یا مجرور۔ دراھم یہ عشرۃ کی تمیز ہے اور فضۃ یہ دراھم کی تمیز ہے۔ ان سے مراد وزن کا آلہ ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل یدخل بامرأتہ، جلد 2، صفحہ 49، حدیث نمبر 1816

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل یدخل بامرأتہ، جلد 2، صفحہ 49، حدیث نمبر 1817

3۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب ھبۃ المرأۃ نفسھا الرجل بغیر صداق، جلد 2، صفحہ 517، حدیث نمبر 3305

وَزْنُ سَبْعَةٍ) مَثَاقِيلَ كَمَا فِي الزَّكَاةِ (مَضْرُوبَةً كَانَتْ أَوْ لَا) وَلَوْ دَيْنًا أَوْ عَرَضًا قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ وَقْتَ الْعَقْدِ،

جن کا وزن سات مثقال ہو جس طرح زکوۃ میں ہے وہ ٹکسال سے نکالے گئے ہوں یا نہ اگرچہ وہ دین ہوں کسی پر یا مال تجارت ہوں۔ جس سامان تجارت کی قیمت عقد کے وقت دس درہم ہو۔

11882۔ (قولہ: وَزْنُ) رفع کی صورت میں عشرۃ کی صفت ہے اور نصب کی صورت میں حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی: ذات وزن،''ط''۔

11883۔ (قولہ: سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ) یعنی ہر درہم چودہ قیراط ہو''شرنبلالیہ''۔

11884۔ (قولہ: مَضْرُوبَةً كَانَتْ أَوْ لَا) اگر دس دراہم ڈلی کی صورت میں معین کئے یا سامان تجارت کی صورت میں معین کئے جس سامان کی قیمت دس درہم ہو ڈلی کی صورت میں جبکہ وہ ٹکسال سے نہ نکالے گئے ہوں تو بھی عقد نکاح صحیح ہے۔ چوری کے نصاب میں مہر لگے ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کیونکہ اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ یہ قید اس لئے لگائی تاکہ جتنا ممکن ہو سکے حد میں کمی کی جائے،''بحر''۔

11885۔ (قولہ: وَلَوْ دَيْنًا) عورت کے ذمہ میں ہوں یا کسی اور کے ذمہ میں ہوں۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر مرد نے عورت سے ان دراہم پر عقد نکاح کیا جو زید پر لازم ہیں تو یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔ عورت ان میں سے جس سے چاہے گی دراہم لے لے گی۔ اگر وہ مقروض کا پیچھا کرے تو خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ عورت کو اس دین کے قبضہ کرنے کا وکیل بنائے جس طرح''النہر''میں ہے۔ یعنی تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ دین کا مالک اسے بنایا جا رہا ہے جو دین کا مالک نہیں۔''حلبی''۔ لیکن جب نکاح کی نسبت ان دراہم کی طرف کی گئی جو اس عورت کے ذمہ میں تھے تو نکاح معین کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ مثل کے ساتھ متعلق نہ ہوا۔ یہ صورت اس کے خلاف ہے جب وہ غیر کے ذمہ میں ہو۔ اس صورت میں وہ نکاح مثل کے متعلق ہے تاکہ دین کی تملیک اس کے لئے ثابت نہ ہو جس پر دین لازم نہ ہو اس کی مفصل وضاحت''الذخیرہ''میں ہے۔

11886۔ (قولہ: أَوْ عَرَضًا) اسی طرح اگر وہ منفعت ہو جس طرح اس گھر میں ٹھہرانا، اس کی سواری پر سواری کرنا اور اس کی زمین کو کاشت کرنا جب مدت معلوم ہو جس طرح''الہندیہ''میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ضروری ہے کہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جس کے مقابلہ میں مال لازم ہوتا ہے تاکہ وہ صورت خارج ہو جائے جو آگے آ رہا ہے کہ جس کا تسمیہ (مہر مقرر کرنا) صحیح نہ ہو جیسے آزاد خاوند کا اپنی بیوی کی خدمت کرنا اور اسے قرآن پڑھانا۔

11887۔ (قولہ: قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ وَقْتَ الْعَقْدِ) اگر مال حوالے کرتے وقت اس کی قیمت آٹھ درہم رہ جائے تو عورت کے لئے وہ کچھ ہوگا جو عقد کے وقت مہر معین ہوا تھا۔ اگر صورت اس کے برعکس ہو یعنی عقد کے وقت اس کی قیمت آٹھ درہم اور اب دس درہم ہو جائے تو عورت کو معین سامان اور دو درہم ملیں گے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ سامان کپڑا ہو، کیلی چیز ہو یا وزنی چیز ہو۔ کیونکہ جسے مہر بنایا گیا وہ فی نفسہ متغیر نہیں ہوا۔ تبدیلی لوگوں کی رغبتوں میں ہوئی''بحر''، عن''البدائع''۔

أَمَّا فِي ضَمَانِهَا بِطَلَاقٍ قَبْلَ الْوَطْءِ فَيَوْمَ الْقَبْضِ (وَتَجِبُ) الْعَشَرَةُ (إِنْ سَمَّاهَا أَوْ دُونَهَا وَ) يَجِبُ (الْأَكْثَرُ مِنْهَا إِنْ سَمَّى)

جہاں تک وطی سے قبل طلاق کی صورت کا تعلق ہے تو جس کی قیمت کے ضامن ہونے میں قبضہ کے دن کا اعتبار کیا جائے گا۔ دس درہم واجب ہوں گے اگر اس نے دس درہم مہر مقرر کیا یا اس سے کم مہر مقرر کیا۔ اور اس سے زیادہ دراہم واجب ہوں گے

11888۔ (قولہ: أَمَّا فِي ضَمَانِهَا الخ) یعنی جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ جب وہ عورت کی ضمانت میں ہو تو اس کا حکم۔ اس کی صورت یہ ہے جس طرح اگر مرد نے عورت سے ایسے کپڑے پر عقد نکاح کیا جس کی قیمت دس درہم تھی اس نے ان پر قبضہ کیا تو اس کی قیمت بیس درہم ہو چکی تھی اور حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی اور کپڑا ہلاک ہو گیا تو عورت دس درہم واپس لوٹائے گی کیونکہ قبضہ کرنے کی وجہ سے وہ کپڑا عورت کی ضمانت میں آ گیا تو قبضہ کے دن اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''بحر عن المحیط''۔ اس مال کا ہلاک ہونا جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ جب قبضہ کے بعد ہلاک کرنے کی صورت میں قیمت میں جو اضافہ ہوا اس پر عورت کا مواخذہ نہیں ہوگا تو مال ہلاک ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور قول نے اس امر کا فائدہ دیا اگر وہ مال موجود ہو تو اس کی قیمت کا اعتبار طلاق کے روز ہوگا قبضہ کے روز نہیں ہوگا۔ اور خاوند کو یہ حق نہیں ہوگا کہ عورت سے وہ مال لے تا کہ اس مال کا نصف ادا کرے۔ بلکہ اگر وہ ایسا سامان ہے کہ تقسیم کرنے سے اس میں عیب واقع نہیں ہوتا جس طرح کیلی اور وزنی چیز ہوتی ہے تو اس مال کا نصف لے لے ورنہ اس مال کا خاوند کی ملکیت کی طرف لوٹنا قضا اور رضا پر موقوف ہوگا۔ یہاں تک کہ اس سے قبل عورت کا تصرف اس مال میں نافذ ہوگا مرد کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ اسی طرح سید محمد ''ابوسعود'' نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر عورت نے ارادہ کیا کہ خاوند کو اس مال کی نصف قیمت دے تو ظاہر یہ ہے کہ خاوند کو قیمت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ قضا اور رضا سے پہلے خاوند کو مجبور کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ کلی طور پر مطالبہ ترک کر دے۔ اسی طرح بعد میں بھی اسے اسی طرح کرنے کا حق ہے جب وہ مال مشترک ہو جائے۔ اسے اس مال کے حصہ کی قیمت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ فافہم۔

11889۔ (قولہ: وَتَجِبُ الْعَشَرَةُ إِنْ سَمَّاهَا الخ) یہ اس صورت میں ہے جب معین کئے گئے دراہم کا استعمال ترک نہ ہو جائے۔ اگر ان کا استعمال ترک ہو جائے اور نقدی کوئی اور ہو جائے تو خاوند پر ان دراہم کی قیمت لازم ہوگی جس روز ان کا استعمال ترک ہوا۔ یہ مختار مذہب ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ ثمن کے غیر مستعمل ہونے کی صورت میں بیع باطل ہو جائے گی، ''فتح''۔

11890۔ (قولہ: وَيَجِبُ الْأَكْثَرُ) یعنی مہر کتنا ہی زیادہ مقرر کیا جائے۔ پس اس کے ساتھ تعیین کمی سے روکنے کے لئے ہے۔

الْأَكْثَرَ وَيَتَأَكَّدُ (عِنْدَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ صَحَّتْ) مِنَ الزَّوْجِ (أَوْ مَوْتِ أَحَدِهِمَا) أَوْ تَزَوُّجٍ ثَانِيًا فِي الْعِدَّةِ
اگر زیادہ مقرر کئے۔ اور وطی اور خلوت صحیحہ کے ساتھ مہر متاکد ہو جائے گا جب یہ خاوند کی طرف سے ہو۔ یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ یا عدت میں دوبارہ شادی کرنے کے ساتھ

مہر مؤکد ہونے کی صورتیں

11891۔(قولہ: وَيَتَأَكَّدُ) یعنی مہر دس دراہم واجب ہو یا اس سے زیادہ واجب ہو اور یہ بیان کیا کہ مہر نفس عقد کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ سقوط کا احتمال رکھتا ہے کہ عورت مرتد ہو جائے یا اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لے لے یا حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق کی صورت میں مہر نصف ہو جائے۔ وطی وغیرہ سے مکمل مہر کا لزوم متاکد ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ''الدرر'' میں جو کچھ ہے کہ ان کا قول: ''وطی کے وقت وجوب متعلق ہوتا ہے'' مسلم نہیں جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ''البدائع'' میں کہا: جب مہر متاکد ہو گیا اس چیز کے ساتھ جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد یہ ساقط نہیں ہوگا۔ اگرچہ فرقت عورت کی جانب سے ہوئی۔ کیونکہ بدل متاکد ہونے کے بعد سقوط کا احتمال نہیں رکھتا مگر جب اس سے بری کر دیا جائے۔ جس طرح ثمن مبیع پر قبضہ کرنے کی صورت میں جب متاکد ہو جائے۔

11892۔(قولہ: صَحَّتْ) خلوۃ فاسدہ سے احتراز کیا ہے جس طرح اس کی وضاحت بعد میں (مقولہ 12045 میں) آئے گی۔

11893۔(قولہ: مِنَ الزَّوْجِ) یہ قول وطء او خلوۃ کے ساتھ تنازع عاملین کے طریقہ پر متعلق ہے۔ یہ صحت کے متعلق نہیں یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ خلوت صحیحہ ہونے کے لئے شروط صرف عورت کی جانب سے نہیں۔ فافہم۔

11894۔(قولہ: أَوْ تَزَوُّجٍ ثَانِيًا) یہ مہر کے موکد ہونے کی چوتھی صورت ہے۔ ''البحر'' میں ان الفاظ کے ساتھ بحث کرتے ہوئے زائد ذکر کیا ہے: چاہئے کہ چوتھی بھی زائد کی جائے۔ وہ مرد کی جانب سے عورت پر عدت کا وجود ہے۔ اس صورت میں کہ خاوند نے عورت کو دخول کے بعد طلاق بائنہ دی ہو پھر عدت میں دوبارہ اس سے شادی کی تو خلوت صحیحہ اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بغیر ہی دوسرا پورا مہر واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ عورت پر عدت کا وجوب خلوت سے بڑھ کر ہے۔ ''النہر'' میں اسے ہی ثابت کیا ہے۔

اس میں بحث ہے۔ کیونکہ اسے ماقبل میں داخل کرنا ممکن ہے۔ وہ وطی ہے کیونکہ عدت کے باب میں آئے گا: اس صورت میں ان پر پورا مہر واجب ہوگا اور اسی عورت پر نئے سرے سے عدت لازم ہوگی۔ کیونکہ وہ پہلی وطی کی وجہ سے قبضہ میں ہے کیونکہ اس کا اثر باقی ہے۔ اور وہ عدت ہے۔ یہ ان دس مسائل میں سے ایک ہے جو اس پر مبنی ہیں کہ پہلے نکاح میں حقوق زوجیت کی ادائیگی دوسرے نکاح میں حقوق زوجیت کی ادائیگی ہے۔

أَوْ إِزَالَةِ بَكَارَتِهَا بِنَحْوِ حَجَرٍ بِخِلَافِ إِزَالَتِهَا بِدَفْعَةٍ فَإِنَّهُ يَجِبُ النِّصْفُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ

اور پتھر وغیرہ کے ساتھ پردہ بکارت زائل کرنے کے ساتھ۔ اگر دھکا دینے سے پردہ بکارت زائل ہو گیا تو معاملہ مختلف ہے کیونکہ وطی سے قبل طلاق دینے کی صورت میں نصف مہر واجب ہوتا ہے۔

11895۔(قولہ: أَوْ إِزَالَةِ بَكَارَتِهَا الخ) یہ وہ پانچویں صورت ہے جس کے ساتھ مہر موکد ہوتا ہے یہ وہ چیز ہے جسے ''البحر'' میں زائد ذکر کیا جب کہا: مناسب ہے کہ پانچویں کو زائد ذکر کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر پردہ بکارت پتھر وغیرہ سے زائل کرے تو بے شک عورت کو پورا مہر ملے گا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ جب پردہ بکارت دھکا دینے سے زائل کیا تو اس صورت میں اگر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دی تو نصف مہر واجب ہو گا۔ اگر اجنبی آدمی نے اسے دھکا دیا تو اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا اور حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل اسے طلاق دی گئی تو نصف مہر خاوند پر لازم ہو گا اور اجنبی پر اس کے مہر مثل کا نصف واجب ہو گا۔ ''النہر'' میں بھی اسے ثابت کیا ہے۔

اس میں ایک بحث بھی ہے۔ بے شک میرے لئے جو چیز ظاہر ہوئی وہ یہ کہ یہ صورت ماقبل میں داخل ہے جو خلوت ہے۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ پتھر وغیرہ جیسے انگلی کے ساتھ پردہ بکارت کا ازالہ یہ خلوت میں ہوتا ہے اس وجہ سے پورا مہر لازم ہو گا۔ مگر دھکا دینے کے ساتھ پردہ بکارت کے زائل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا حصول خلوت کے بغیر ہوتا ہے۔ پھر میں نے ''الفتاوی الہندیہ'' کے باب جنایات میں ''المحیط'' سے منقول ایسا قول دیکھا جو اس کا فائدہ دیتا ہے جب کہا: ''اگر اس نے اپنی بیوی کو دھکا دیا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے تو اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا پھر خاوند نے اسے طلاق دے دی تو خاوند پر نصف مہر لازم ہو گا۔ اگر کسی اور کی بیوی کو دھکا دیا اور اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا پھر اس عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو اس عورت کے لئے دو مہر واجب ہوں گے۔ یعنی ایک مہر حکم نکاح کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا کرنے سے اور ایک مہر دھکا دے کر پردہ بکارت زائل کرنے سے۔ جس طرح ''الخانیہ'' کے جنایات کے باب میں ہے۔ ان کا قول ہے: اگر اپنی بیوی کو دھکا دیا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے۔ اسی کی مثل ''الخانیہ'' کے جنایات کے باب میں کہا: اور ''الفتح'' میں اس کی مثل یہاں کہا۔ ہم نے دھکا دینے کے مسئلہ میں جو کہا ہے وہ اس پر صریح ہے اور اس امر کی طرف مشیر ہے کہ پتھر والا مسئلہ خلوت میں ہے۔ کیونکہ پتھر اور دھکا دینے کے ساتھ محض پردہ بکارت کے زائل کرنے میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ دھکا دینے کے مسئلہ میں نصف مہر کے واجب ہونے کا مستفاد یہ ہے کہ خاوند پر کوئی ضمانت نہیں اس امر میں کہ وہ کسی سبب سے بھی بیوی کا پردہ بکارت زائل کر دے۔ کیونکہ نصف مہر کا وجوب یہ دخول سے پہلے طلاق دینے کے حکم کی بنا پر ہے ورنہ اس پر ایک اور مہر واجب ہو جاتا۔ کیونکہ اس نے دھکا دینے کے ساتھ پردہ بکارت زائل کیا ہے جس طرح غیر کی بیوی کو دھکا دینے کے مسئلہ میں ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمال مہر کا لزوم اس صورت میں ہے کہ پتھر کے ساتھ اسے زائل کیا یہ خلوت کے بعد طلاق کے حکم کے طریقہ پر ہے۔ پتھر کے ساتھ پردہ بکارت کے زائل کرنے کے سبب سے نہیں ورنہ اس مرد پر دو مہر واجب

وَلَوْ الدَّفْعُ مِنْ أَجْنَبِيٍّ، فَعَلَى الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا نِصْفُ مَهْرِ مِثْلِهَا إِنْ طُلِّقَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ وَإِلَّا فَكُلُّهُ نَهْرٌ بَحْثًا

تو اجنبی پر بھی اس عورت کے مہر مثل کا نصف لازم ہوگا اگر حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دی گئی اگر حقوق زوجیت کے بعد طلاق دی گئی تو پورا مہر لازم آئے گا۔ یہ ''نہر'' میں بحث کے انداز میں ہے۔

ہوتے۔ یہاں تک کہ اسے خلوت کے بغیر پتھر مارا اور اس کے پردہ بکارت کو زائل کر دیا تو پردہ بکارت کے زائل کرنے سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اگر اسے خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو بھی اس پر نصف مہر طلاق کے حکم سے ہوگا جس طرح دھکا دینے کی صورت میں ہے۔ جو ہم نے کہا کہ پتھر یا دھکا دینے کے ساتھ پردہ بکارت زائل کرنے میں کوئی فرق نہیں اس پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو ''خانیہ'' میں بیان کیا: اگر اس نے باکرہ اجنبیہ صغیرہ کو یا کبیرہ کو دھکا دیا تو اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا تو اس پر یہ لازم ہو جائے گا۔ اسی کی مثل اس صورت میں ذکر کیا اگر پردہ بکارت کو پتھر وغیرہ سے زائل کیا۔ پس اجنبیہ کے بارے میں دھکا دینے اور پتھر میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بیوی میں دونوں فعلوں میں فرق خلوت کے ہونے یا نہ ہونے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ خاوند پر کوئی چیز لازم نہیں آتی جب دھکا دینے سے پردہ بکارت زائل کر دے۔ کیونکہ عقد نکاح کی وجہ سے اس کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے اس عمل سے اس کو ضامن بنانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے۔ جب محض دھکا دینے سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی تو پتھر وغیرہ کے ذریعے زائل کرنے کی صورت میں بھی کوئی چیز لازم نہیں ہوگی کیونکہ پردہ بکارت کے زائل کرنے میں آلہ، آلہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا پس دھکا دینا قید نہیں۔ پھر میں نے ''احکام الصغار'' کے جنایات کے باب میں دیکھا جس میں یہ تصریح کی: خاوند اگر انگلی کے ذریعے اس کا پردہ بکارت زائل کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ صرف مکروہ ہے۔ کیا کراہت اس وجہ سے منتفی ہو جائے گی کہ وہ عورت کے باکرہ ہونے کی صورت میں حقوق زوجیت ادا کرنے سے عاجز تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ ایسا نہیں کیونکہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ عنین ہے اور عورت کو اس سے جدائی حاصل کرنے کا حق ہے۔ اگر یہ جائز ہو تو اس عجز کی وجہ سے اسکا عنین ہونا ثابت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ فافہم۔

11896۔ (قولہ: فَعَلَى الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا) یعنی جس طرح خاوند پر نصف مہر ہوتا ہے اسی طرح اجنبی پر بھی نصف مہر ہوتا ہے جس طرح ''البحر'' سے (مقولہ 11895 میں) منقول ہو چکا ہے۔

11897۔ (قولہ: إِنْ طُلِّقَتْ) یعنی خاوند نے اسے طلاق دے دی ہو۔

11898۔ (قولہ: نَهْرٌ بَحْثًا) یہ ان کے قول و الا فکلہ کی طرف راجع ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ کہا: ''جامع الفصولین'' میں ہے: دو بچیوں نے ایک دوسرے کو دھکا دیا تو ایک کا پردہ بکارت زائل ہو گیا تو دوسری بچی پر اس کا مہر مثل لازم ہوگا۔ یہ قول مطلق ہونے کی وجہ سے عام ہوگا کہ اگر جسے دھکا دیا گیا ہو وہ شادی شدہ ہو۔ تو اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ اجنبی پر کامل مہر واجب ہو جائے گا جب خاوند اسے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق نہ دے۔ پس اس میں غور و فکر کرو۔ ''النہر'' کا کلام

اختتام پذیر ہوا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ ''جامع الفصولین'' کی عبارت دلالت کرتی ہے کہ مہر مثل مطلقا کامل واجب ہوگا۔ اس میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا جب وہ اسے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دے یا اسے طلاق نہ دے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اس وقت یہ معارض ہوگا کہ جو وہ اجنبی پر نصف مہر مثل کو واجب کرتے ہیں۔ جب خاوند اسے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے،''ح''۔

''جامع الفصولین'' میں جو قول ہے وہی ''الخانیہ'' اور ''البزازیہ'' وغیرہما میں مذکور ہے۔ یہی دلیل ہے کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اجنبی جو خاوند نہیں، کی جانب سے پردہ بکارت کا زائل کرنا یہ زائل کرنے والے پر مہر مثل کو واجب کر دیتا ہے خواہ پردہ بکارت دھکا دینے سے زائل ہو یا پتھر سے۔ یہ اس کے منافی نہیں کہ جب خاوند حقوق زوجیت سے قبل عورت کو طلاق دے تو اس پر نصف مہر لازم آئے گا۔ کیونکہ سبب مختلف ہے۔ کیونکہ دھکا دینے والے پر پورا مہر واجب کرنے کا سبب جنایت ہے اور خاوند پر نصف مہر واجب کرنے کا سبب طلاق ہے۔ اگر خاوند پر جو واجب ہوتا ہے یہ جنایت میں کمی کرتا ہے یہاں تک کہ جنایت کرنے والے پر نصف مہر واجب ہوتا ہے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ جنایت کرنے والے پر کوئی چیز واجب نہ ہو جب خاوند اس کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے دے۔ کیونکہ خاوند پر پورا مہر واجب ہو چکا ہے۔

اسے یاد کرلو۔ ''المنح'' میں ''جواہر الفتاوی'' سے مروی ہے: اگر مجنون نے انگلی کے ساتھ عورت کا پردہ بکارت پھاڑ دیا تو ''المبسوط'' اور ''الجامع الصغیر'' میں اشارہ کیا: جب اس نے پردہ بکارت انگلی، پتھر یا مخصوص آلہ کے ساتھ پھاڑ دیا یہاں تک کہ اس کو مفضاۃ بنا دیا تو اس پر مہر لازم ہوگا۔ لیکن ہمارے مشائخ ذکر کرتے ہیں کہ یہ سہو کے طور پر واقع ہوا ہے۔ مہر واجب نہیں ہوگا مگر ایسے آلہ کے ساتھ جو قضاء شہوت اور وطی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس مجنون کے مال میں سے ارش لازم ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ اشکال میں ڈالتا ہے کیونکہ افتضاض سے مراد پردہ بکارت کو پھاڑنا ہے۔ اور افضا سے مراد چھوٹی بڑی حاجت کے راستہ کو خلط ملط کرنا ہے۔ وہ کتب جو معتمد اور متداول ہیں ان میں مشہور ہے کہ پہلے کا وجوب مہر مثل ہے اگرچہ وطی کے آلہ کے بغیر ہو جس طرح تو نے جان لیا ہے جو ہم پہلے (مقولہ 11895 میں) بیان کر چکے ہیں۔ اور دوسرے عمل کا حکم کامل دیت ہے اگر بول (پیشاب) نہ رکے بصورت دیگر دیت کا تہائی لازم آئے گا۔ کیونکہ ایسا زخم ہے جو پیٹ تک چلا جاتا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب اجنبی سے ایسا فعل صادر ہو۔ اگر خاوند سے یہ فعل صادر ہو تو پہلے عمل کی صورت میں کوئی ضمانت لازم نہ ہوگی جس طرح پہلے (مقولہ 11895 میں) گزر چکا ہے اور طرفین کے نزدیک دوسری صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ نے اس میں خاوند کو اجنبی کی حیثیت میں رکھا ہے۔ ''ابن حبان'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ سلسل البول کا مرض لاحق ہونے کی صورت میں دیت لازم ہوگی۔ ''شرنبلالی'' نے ''شرح الوہبانیہ'' میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ حکم خاوند کے علاوہ میں ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

(وَ) يَجِبُ (نِصْفُهُ بِطَلَاقٍ قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ) فَلَوْ كَانَ نِكَاحُهُ عَلَى مَا قِيمَتُهُ خَمْسَةٌ كَانَ لَهَا نِصْفُهُ

اور مہر کا نصف واجب ہوگا۔ اور مہر کا نصف واجب ہوگا۔ وطی اور خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں اگر مرد نے اس عورت سے ایسی چیز پر عقد نکاح کیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی تو اس عورت کو اس کا نصف

11899۔ (قولہ: وَ يَجِبُ نِصْفُهُ) یعنی مذکورہ مہر کا نصف۔ وہ مہر دس دراہم ہے اگر خاوند نے دس درہم مقرر کیا یا اس سے کم مہر مقرر کیا یا اس سے زائد ہوگا اگر زائد مقرر کیا۔ جو فوری ذہن میں آتا ہے وہ وہ ہے جس کا عقد نکاح کے وقت تقرر ہوا۔ عقد کے بعد جو فرض کیا گیا یا اس کو زائد کیا گیا وہ اس سے خارج ہے۔ کیونکہ اس کو نصف نہ کیا جائے گا جس طرح متعہ جس طرح آگے آئے گا۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر معین مہر کے علاوہ کوئی ایسی شرط لگائی جو مال نہیں جس طرح اس کے ساتھ ہزار درہم پر شادی کی اور یہ شرط لگائی کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دے گا یا اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ پھر حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی تو اس کیلئے معین مہر کا نصف ہوگا اور شرط ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ جب وہ شرط پوری نہ کرے تو پورا مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور مہر مثل حقوق زوجیت سے پہلے طلاق کی صورت میں ثابت نہیں ہوتا تو اس کا اعتبار ساقط ہو گیا پس صرف مسمیٰ مہر باقی رہ گیا تو اس کا نصف اسے دے دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مہر مسمی کے ساتھ مجہول چیز کی شرط لگائی، جیسے اس نے کہا تھا کہ اسے کوئی ہدیہ دے گا پھر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دی تو اس عورت کو نصف مہر ملے گا۔ کیونکہ جب اس نے ہدیہ والا وعدہ پورا نہ کیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اور حقوق زوجیت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر مثل کا کوئی عمل دخل نہیں تو اس شرط کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر خاوند نے عورت سے عقد نکاح ہزار یا دو ہزار مہر کی شرط پر کیا یہاں تک کہ مہر مثل واجب ہوگا۔'' انتہی۔

11900۔ (قولہ: بِطَلَاقٍ) اس میں با مصاحبت کی ہے سببیہ نہیں۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ مہر کا وجوب عقد نکاح کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ اگر کہا: ''ہر جدائی کے ساتھ جو مرد کی جانب سے ہو تو یہ ان سب کو شامل ہوگا جیسے مرد کا مرتد ہونا، اس کا بدکاری کرنا، اور بیوی کے ساتھ خلوت سے پہلے اپنی بیوی کی ماں اور اس کی بیٹی کا بوسہ لینا اور معانقہ کرنا۔'' ''قہستانی'' میں ''النظم'' سے مروی ہے۔

11901۔ (قولہ: قَبْلَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ) ''کنز'' کے قول قبل الدخول کا یہی معنی ہے۔ کیونکہ حقوق زوجیت خلوت کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ خلوت حکماً حقوق زوجیت کی ادائیگی ہے جس طرح ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔ یہ عنقریب متن میں آئے گا: قول عورت کا معتبر ہوگا اگر وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کا دعویٰ کرے اور خاوند اس کا انکار کرے کیونکہ عورت نصف مہر کے سقوط کا انکار کرتی ہے۔

11902۔ (قولہ: فَلَوْ كَانَ نِكَاحُهُ الخ) یہ اس قول و یجب نصف کی تفریع ہے جو دس دراہم کو جامع ہے اس صورت میں اگر خاوند اس سے کم مہر مقرر کرے جس طرح ہم نے اسے (مقولہ 11899 میں) بیان کیا ہے۔ فافہم۔

وَدِرْهَمَانِ وَنِصْفٌ (وَعَادَ النِّصْفُ إِلَى مِلْكِ الزَّوْجِ بِمُجَرَّدِ الطَّلَاقِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُسَلَّمًا لَهَا، وَإِنْ) كَانَ (مُسَلَّمًا) لَهَا لَمْ يَبْطُلْ مِلْكُهَا مِنْهُ بَلْ (تَوَقَّفَ) عَوْدُهُ إِلَى مِلْكِهِ (عَلَى الْقَضَاءِ أَوْ الرِّضَا) فَلِهَذَا (لَا نَفَاذَ لِعِتْقِهِ) أَيْ الزَّوْجِ (عَبْدَ الْمَهْرِ بَعْدَ طَلَاقِهَا قَبْلَهُ)

اور اڑھائی درہم ملیں گے اور اس چیز کا نصف خاوند کی ملکیت کی طرف لوٹ جائے گا صرف طلاق کے ساتھ جب وہ چیز عورت کے سپرد نہ کی گئی ہو۔ اور اگر وہ چیز عورت کو سپرد کی جا چکی ہے تو عورت کی ملکیت اس سے ختم نہ ہوگی بلکہ خاوند کی طرف اس کی ملکیت قاضی کی قضا یا باہمی رضا پر موقوف ہوگی اسی وجہ سے خاوند اگر مہر کے غلام کو طلاق کے بعد

11903۔(قولہ: وَدِرْهَمَانِ وَنِصْفٌ) کیونکہ جب اس نے ایسی شی کو مہر کے طور پر مقرر کیا جس کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو پانچ اور لازم ہوں گے تا کہ دس پورے ہو جائیں۔ جب حقوق زوجیت سے پہلے مرد نے عورت کو طلاق دے دی تو عورت کو مقررہ مہر کا نصف اور دس کے نصف کی تکمیل تک مزید مال لازم ہوگا۔

11904۔(قولہ: وَعَادَ النِّصْفُ إِلَى مِلْكِ الزَّوْجِ) اگرچہ مرد کی جانب سے کسی اور نے مہر بطور تبرع ادا کیا ہو جب فرقت حقوق زوجیت سے پہلے عورت کی جانب سے ہو تو تمام مہر خاوند کی طرف لوٹ جائے گا۔ ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔ اگر خاوند کی جانب سے مہر بطور تبرع دیا گیا پھر خاوند نے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی یا فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی تو پہلی صورت میں نصف مہر مرد کو واپس ملے گا اور دوسری صورت میں پورا مہر خاوند کو واپس ملے گا۔ مگر جو قرض کی ادائیگی میں تبرع کرتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ جب سبب اٹھ جائے تو وہ قاضی کی ملکیت کی طرف لوٹ جائے گا اگر وہ اس کے امر کے بغیر ہوا۔

11905۔(قولہ: بِمُجَرَّدِ الطَّلَاقِ) یعنی ایسی طلاق جو قضا اور رضا کے بغیر ہوئی۔

11906۔(قولہ: إِذَا لَمْ يَكُنْ مُسَلَّمًا لَهَا) اسی طرح جب وہ ایسا قرض ہو جس پر عورت نے قبضہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ طلاق کی وجہ سے نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے اور نصف باقی رہتا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

11907۔(قولہ: بَلْ تَوَقَّفَ عَوْدُهُ الخ) یعنی نصف مہر کا خاوند کی ملکیت کی طرف لوٹنا موقوف ہوگا۔ کیونکہ عقد اگرچہ طلاق کی وجہ سے فسخ ہو چکا ہے پھر بھی وہ قبضہ جو عقد کی وجہ سے حاصل ہوا تھا وہ اب بھی باقی ہے اور قبضہ بھی ملکیت کے اسباب میں سے ایک ہے۔ پس ملکیت زائل نہیں ہوگی مگر قاضی کی جانب سے فسخ کرنے کی صورت میں۔ کیونکہ یہ فسخ سبب ملک یا اس کے سپرد کرنے کا فسخ ہے کیونکہ یہ فسخ حقیقت میں اس قبضہ کو توڑنا ہے۔ ''بدائع''۔

11908۔(قولہ: عَبْدَ الْمَهْرِ) العتق کا مفعول ہے۔ مراد اس کا نصف ہے یعنی نصف غلام کو آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا اس طرح سارے غلام کو آزاد کرنا بدرجہ اولیٰ نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ دوسرے نصف میں تو خاوند کا کوئی حق ہی نہیں۔

11909۔(قولہ: بَعْدَ طَلَاقِهَا قَبْلَهُ) یہ دونوں ظرفیں عتق کے متعلق ہیں۔

أَيْ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَنَحْوِهِ لِعَدَمِ مِلْكِهِ قَبْلَهُ (وَنَفَذَ تَصَرُّفُ الْمَرْأَةِ) قَبْلَهُ (فِي الْكُلِّ لِبَقَاءِ مِلْكِهَا) وَعَلَيْهَا نِصْفُ قِيمَةِ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ؛ لِأَنَّ زِيَادَةَ الْمَهْرِ الْمُنْفَصِلَةَ تَتَنَصَّفُ

اور قضا وغیرہ سے پہلے آزاد کردے تو اس کی آزادی نافذ نہ ہوگی کیونکہ قضا سے پہلے اس کی ملکیت نہیں۔ اس سے قبل پورے مہر میں عورت کا تصرف نافذ ہو جائے گا کیونکہ عورت کی ملکیت باقی تھی اور عورت پر قبضہ کے روز جو اصل کی قیمت تھی اس کا نصف لازم ہوگا کیونکہ مہر کی ایسی زیادتی جو اصل سے منفصل ہو اس کی تنصیف قبضہ سے قبل ہوتی ہے

11910۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) اس سے مراد رضا ہے، ''ح''۔

11911۔ (قولہ: لِعَدَمِ مِلْكِهِ قَبْلَهُ) یعنی قضا وغیرہ سے پہلے۔ یہاں تک کہ اگر قاضی نے آزادی کے بعد مرد کے لئے نصف کا فیصلہ کیا تو وہ آزادی نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی آزادی ہے جو ملکیت ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوگئی ہے جس طرح فاسد خریداری کی صورت میں بیع پر قبضہ کیا گیا جب بائع نے اسے آزاد کیا پھر اسے بائع کی طرف لوٹایا گیا تو وہ آزادی نافذ نہ ہوگی جو واپس کرنے سے پہلے واقع ہوئی تھی، ''فتح''۔

11912۔ (قولہ: وَنَفَذَ تَصَرُّفُ الْمَرْأَةِ) یہ بھی ان مسائل میں سے ہے جو بل توقف کے قول پر متفرع ہیں۔ ''ط''۔ یہ تصرف آزادی، بیع اور ہبہ کو شامل ہے۔ قولہ: قبلہ یعنی قضا وغیرہ سے پہلے۔

11913۔ (قولہ: وَعَلَيْهَا نِصْفُ قِيمَةِ الْأَصْلِ الخ) جب عورت کا تصرف نافذ ہو گیا تو عورت پر اس کا نصف واپس کرنا متعذر ہو گیا کیونکہ اس کا تصرف ثابت ہو چکا تھا۔ تو وہ عورت خاوند کیلئے اس غلام کی نصف قیمت کی ضامن ہوگی اور اس قیمت کا اعتبار ہوگا جس روز اس عورت کے غلام پر قبضہ کیا تھا یعنی قبضہ کے ساتھ وہ غلام اس عورت کی ضمانت میں آ گیا۔

مہر کی تنصیف کا حکم

11914۔ (قولہ: لِأَنَّ زِيَادَةَ الْمَهْرِ) اس کی علت ہے جو اصل کی قید سے مستفاد ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر مہر میں قبضہ کے بعد اضافہ ہوا تو عورت زیادتی کی ضامن نہ ہوگی۔ لیکن اس مسئلہ میں تفصیلی بحث ہے۔ کیونکہ مہر میں زیادتی یا متصل ہوگی، اصل سے متولد ہوگی جس طرح لونڈی کا موٹا ہونا، اس کا خوبصورت ہونا اور درخت کے پھل۔ یا متولد نہ ہوگی جس طرح کپڑے کا رنگ، حویلی میں کوئی تعمیر یا زیادتی ایسی چیز ہوگی جو منفصل اور متولد ہو جس طرح بچہ اور پھل جب کاٹ لیا جائے یا غیر متولد ہوگی جس طرح کمائی یا کرایہ۔ ان میں سے ہر ایک زیادتی یا تو قبضہ سے پہلے ہوگی تو وہ نصف ہوگی۔ مگر غیر متولد کی دونوں قسموں میں کوئی تنصیف نہیں یا زیادتی قبضہ کے بعد ہوگی تو اس کی تنصیف نہ ہوگی۔ یہ آٹھ قسمیں ہیں جس طرح ''نہر'' وغیرہ میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زیادتی کو نصف نہ کیا جائے گا بلکہ زیادتی بیوی کے لئے محفوظ رہے گی جب وہ قبضہ کے بعد مطلقاً واقع ہو۔ یا اس سے قبل واقع ہوا گر وہ غیر متولدہ متصلہ ہو یا منفصلہ ہو۔ تو شارح کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ یوں کہتے: کیونکہ ایسی زیادتی جو قبضہ سے پہلے متولدہ ہو وہ نصف ہوگی دوسری نصف نہ ہوگی۔

قَبْلَ الْقَبْضِ لَا بَعْدَهُ (وَوَجَبَ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الشِّغَارِ) هُوَ أَنْ يُزَوِّجَهُ بِنْتَه عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ بِنْتَه أَوْ أُخْتَهُ مَثَلًا مُعَاوَضَةً بِالْعَقْدَيْنِ

قبضہ کے بعد اس کو نصف نہیں کیا جاتا۔ نکاح شغار کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی کی شادی اپنی بیٹی سے کرے اس شرط پر کہ دوسرا مثلاً اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح پہلے سے کرے۔ تا کہ دونوں عقدوں کا معاوضہ ہو جائے

پھر یہ جان لو یہ سب اس وقت ہے جب زیادتی طلاق سے پہلے ہو۔ اگر طلاق کے بعد ہو، اگر قبضہ سے پہلے ہو تو وہ اصل کی طرح نصف نصف ہوگی۔ اگر قبضہ کے بعد ہوا گر خاوند کے حق میں نصف کی قضا کے بعد ہو تو حکم اسی طرح ہوگا ورنہ مہر عورت کے قبضہ میں اس مقبوضہ چیز کی طرح ہے جس پر عقد فاسد کے ساتھ قبضہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ طلاق کے ساتھ عورت کی نصف میں ملکیت فاسد ہوگئی ہے۔ جس طرح ''بدائع'' میں ہے۔ اور مہر میں کمی کے مسائل باقی ہیں۔ یہ پچیس صورتیں ہیں جو''البحر'' اور ''النہر'' میں مذکور ہیں۔

11915۔ (قولہ: قَبْلَ الْقَبْضِ) یہ قول تتنصف کی ظرف ہے۔ ''النہر'' وغیرہ میں جو چیز واقع ہے اسے زیادۃ کی ظرف بنایا گیا ہے کیونکہ جن کو ادا کیا گیا ہے وہ ایک ہے،''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظرف کو محذوف حال کے متعلق کرنا صحیح ہے جو زیادۃ کا حال ہے پس دونوں عبارتیں متحد ہیں۔

نکاح شغار

11916۔ (قولہ: فِي الشِّغَارِ) شین کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ شاغر کا مصدر ہے،''ح''۔

11917۔ (قولہ: هُوَ أَنْ يُزَوِّجَهُ الخ) ''النہر'' میں کہا: هو ان یشاغر الرجل یعنی ایک آدمی دوسرے مرد کی شادی اپنی حریمہ (ذی رحم محرم) سے کرتا ہے اس شرط پر کہ دوسرا اپنی حریمہ کی شادی اس سے کر دے گا اور اس باہمی عقد نکاح کے علاوہ کوئی مہر نہیں ہوگا۔''المغرب'' میں اسی طرح ہے۔ یعنی ہر ایک کا بضعہ دوسرے کا مہر ہوگا۔ شغار کے مہر میں اس قید کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے یہ قول نہ کیا اور نہ اس کا ہم معنی قول کیا بلکہ کہا: میں نے تجھ سے اپنی بیٹی کا عقد نکاح کیا اس شرط پر کہ تو اپنی بیٹی کا عقد نکاح مجھ سے کرے گا۔ تو اس نے قبول کرلیا۔ یا اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ میری بیٹی کا بضعہ تیری بیٹی کے بضعہ کا مہر ہوگا۔ تو دوسرے نے قبول نہ کیا بلکہ اس نے اس کا عقد نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا اور اسے مہر نہ بنایا تو یہ شغار نہ ہوگا بلکہ بالاتفاق نکاح صحیح ہوگا۔ اگر چہ سب میں مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کو مہر معین کیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شغور کا اصل معنی خالی ہونا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: بلدۃ شاغرۃ جب وہ بادشاہ سے خالی ہو۔ یہاں مہر سے خالی ہونا مراد ہے۔ کیونکہ دونوں نے اس شرط کی وجہ سے گویا بضع کو مہر سے خالی کر دیا ہے،''نہر''۔

11918۔ (قولہ: مُعَاوَضَةً بِالْعَقْدَيْنِ) عقد سے مراد معقود علیہ ہے وہ بضعہ ہے جس طرح ''الحواشی السعدیہ'' میں ہے۔ یعنی اس شرط پر کہ ہر بضعہ دوسرے بضعہ کا عوض ہوگا جبکہ دوسرے عاقد نے اسے قبول کیا ہو جس طرح مفاعلہ کا لفظ

وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ لِخُلُوِّهِ عَنِ الْمَهْرِ
اس سے نہی کی گئی ہے کیونکہ یہ عقد نکاح مہر سے خالی ہے۔

اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا کہ جب وہ یہ تصریح نہ کرے کہ ہر بضعہ دوسرے بضعہ کا عوض ہے یا دونوں میں سے ایک نے اس کی تصریح کی اور دوسرے نے کہا: میں نے تجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دی جس طرح پہلے (سابقہ مقولہ میں) گزر چکا ہے۔

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراض کا جواب

11919۔(قولہ: وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ لِخُلُوِّهِ عَنِ الْمَهْرِ الخ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کتب ستہ کی حدیث کی وجہ سے کیا ہے جو حدیث مرفوع ہے(1) جس میں نکاح شغار سے منع کیا گیا ہے۔ نہی منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ نہی کا متعلق شغار کا مسمیٰ ہے جو اس کے مفہوم سے ماخوذ ہے یہ مہر سے خالی ہے اور بضعہ کو صداق بنایا گیا ہے۔ ہم اس ماہیت کی نفی کے قائل ہیں اور جو شرعاً اس ماہیت پر صادق آتا ہے۔ اس طرح نکاح کو ہم ثابت نہیں کرتے بلکہ ہم اسے باطل کرتے ہیں۔ تو نکاح باقی رہے گا جس میں مہر ایسی چیز مقرر کیا گیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ مہر مثل کے موجب کے طور پر منعقد ہوگا۔ جس طرح شراب اور خنزیر کو بطور مہر مقرر کر دیا جائے۔ جو نہی کا متعلق ہے ہم نے اسے ثابت نہیں کیا اور جسے ہم نے ثابت نہیں کیا وہ اس کے ساتھ متعلق نہیں۔ بلکہ عمومی نصوص نے اس کی صحت کا تقاضا کیا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''الفتح'' میں ہے۔ ''زیلعی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: نہی کراہت پر محمول ہے۔ یعنی کراہت فساد کو ثابت نہیں کرتی۔

حاصل کلام یہ ہے: مہر مثل واجب کرنے کی صورت میں حقیقت شغار باقی نہ رہا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو نہی کراہت کے معنی پر محمول ہوگی۔ شرع نے اس میں دو امر واجب کئے ہیں: کراہت اور مہر مثل۔ پہلا نہی سے ماخوذ ہے دوسرا ان ادلہ سے جو دلالت کرتے ہیں کہ جب عقد نکاح میں ایسی چیز مہر کے طور پر مقرر کی جائے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ مہر مثل کو واجب کرے گا۔ دوسرا امر اس پر دلیل ہے کہ نہی کراہت پر محمول ہے فساد پر محمول نہیں۔

اس تقریر سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو وارد کیا گیا کہ اسے کراہت پر محمول کرنا تقاضا کرتا ہے کہ اب شغار غیر منہی ہے۔ کیونکہ اس میں ہم نے مہر مثل واجب کر دیا ہے۔ اس اعتراض کو ختم کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جب نہی کو فساد کے معنی پر محمول کیا جائے تو اس کا اب منہی عنہ نہ ہونا مسلم ہے یعنی جب ہم مہر مثل واجب کر چکے ہیں۔ اگر اس کو کراہت کے معنی پر محمول کیا جائے تو نہی باقی رہے گی۔ فافہم۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب نکاح الشغار، جلد 3، صفحہ 84، حدیث نمبر 4720

فَأَوْجَبْنَا فِيهِ مَهْرَ الْمِثْلِ فَلَمْ يَبْقَ شِغَارًا (وَ) فِي (خِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ) سَنَةً (لِلْإِمْهَارِ) لِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ لِأَنَّ فِيهِ قَلْبَ الْمَوْضُوعِ كَذَا قَالُوا

تو ہم نے اس پر مہر مثل کو واجب کر دیا تو یہ شغار باقی نہ رہا اور اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا جب خاوند جو آزاد ہو ایک سال کیلئے بطور مہر آزاد یا لونڈی کی خدمت بطور مہر مقرر کرے۔ کیونکہ اس میں قلب موضوع لازم آتا ہے۔ علما نے یہی کہا ہے۔

اگر آزاد مرد ایک سال خدمت کے عوض شادی کرے تو مہر مثل ہوگا

11920۔(قولہ: وَفِي خِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ) شیخین کا قول ہے کہ خاوند پر مہر مثل واجب ہوگا کہ جب یہ مہر مقرر کرے گا کہ وہ ایک سال تک اپنی بیوی کی خدمت کرے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عورت کیلئے اس کی خدمت کی قیمت ہوگی (سال بھر اس کام پر جو اس کو مزدوری مل سکتی ہے)۔ خدمت کی قید لگائی کیونکہ اگر خاوند نے اس عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ وہ اس کے گھر میں رہے گی۔ اس کی سواری پر سواری کرے گی یا اس پر اپنا بوجھ لادے گی یا وہ عورت خاوند کی زمین کاشت کر سکے گی۔ اسی طرح عینی چیزوں کے منافع ایک معلوم مدت تک لے گی تو یہ مہر صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ منافع مال ہیں یا انہیں ضرورت کی بنا پر انہیں مال کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ ''نہر عن البدائع''۔ حر کا لفظ ذکر کر کے عبد سے احتراز کیا ہے جس طرح اسے قول و لہا خدمتہ لو عبدا میں آئے گا۔ ''النہر'' کے قول کی وجہ سے او امۃ کے الفاظ کو زائد کیا ہے: ان کی کلام سے ظاہر یہ ہے کہ لونڈی اور آزاد میں کوئی فرق نہیں بلکہ منافات جس کے ساتھ علت بیان کی گئی ہے وہ آزاد کے مقابلہ میں لونڈی میں زیادہ قوی ہے۔

11921۔(قولہ: سَنَةً) اس لفظ کو اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مدت کی تعیین کے ساتھ تسمیہ صحیح ہے۔ جب معین مدت میں تسمیہ درست نہیں تو مجہول مدت میں بدرجہ اولیٰ تسمیہ درست نہ ہوگا ''ط''۔

11922۔(قولہ: لِأَنَّ فِيهِ قَلْبَ الْمَوْضُوعِ) کیونکہ رشتہ ازدواج میں اصل یہ ہے کہ عورت مرد کی خادمہ ہو نہ کہ خاوند بیوی کا خادم ہو۔ کیونکہ یہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں مرد کی اہانت اور تذلیل ہوتی ہے جس طرح آگے آئے گا۔ پس مرد نے ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس عقد صحیح ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ ''النہر'' میں کہا: بیوی کی بکریاں چرانے اور عورت کی زمین کاشت کرنے میں روایات مختلف ہیں۔ کیونکہ اس میں تردد ہے کہ یہ خالص خدمت ہے، یا خالص خدمت نہیں۔ ''اصل'' اور ''جامع'' کی روایت کے مطابق یہ جائز نہیں۔ یہ صحیح ترین قول ہے۔ ''ابن سماعہ'' نے روایت کیا کہ یہ جائز ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بیٹا اگر اپنے باپ کو خدمت کے لئے اجرت پر لیتا ہے تو یہ جائز نہیں۔ اگر وہ اپنے باپ کو بکریاں چرانے اور کھیتی کے لئے اجرت پر رکھتا ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ ''الدرایہ'' میں اسی طرح ہے۔ یہ قوی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے ''کافیہ'' میں ''الاصل'' کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہا الصواب ان یسلم لہا اجماعا۔

11923۔(قولہ: كَذَا قَالُوا) زیادہ بہتر تھا کہ اسے ساقط کر دیتے۔ کیونکہ اس جیسی عبارت میں ان کی عادت یہ ہے کہ قول کا ضعیف ہونا ظاہر کیا جائے اور اس سے براءت کا اظہار کیا جائے جبکہ یہاں ان کی یہ مراد نہیں۔ تامل

وَمَفَادُهُ صِحَّةُ تَزَوُّجِهَا عَلَى أَنْ يَخْدِمَ سَيِّدَهَا أَوْ وَلِيَّهَا كَقِصَّةِ شُعَيْبٍ مَعَ مُوسَى عليهما الصلاة والسلام كَقِصَّةِ عَلَى خِدْمَةِ عَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَوْ عَبْدِ الْغَيْرِ بِرِضَا مَوْلَاهُ

اس سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کا اس عورت سے اس شرط پر عقد نکاح صحیح ہوگا کہ وہ اس کے آقا یا ولی کی خدمت کرے گا جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واقع ہوا۔ جس طرح اس شرط پر عقد نکاح کرنا صحیح ہے کہ خاوند کا غلام، اس کی لونڈی یا کسی اور کا غلام اس غلام کے آقا کی اجازت سے یا کوئی اور آزاد اس آزاد کی اجازت سے

خدمت کی شرط پر عقد نکاح صحیح ہوگا

11924۔ (قولہ: وَمَفَادُهُ الخ) بحث صاحب ''النہر'' کی ہے۔ ''الرحمتی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ عورت کا ولی عورت کے لئے اس وقت خدمت کی قیمت کا ضامن ہوگا (ولی عورت کو وہ رقم دے گا جو اس کی خاوند کی خدمت کے بدلہ میں اجرت کے طور پر دی جاسکتی ہے)۔ اس عورت کے آقا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ آقا تو اپنی لونڈی کے مہر کا مستحق تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں عقد نکاح کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔ خاوند کا اپنی بیوی کی خدمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے منقول ہے: اگر مرد عورت سے اس شرط پر شادی کرے کہ وہ عورت کے باپ کو ایک ہزار درہم ہبہ کرے گا تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا وہ اسے ہزار ہبہ کرے یا ہبہ نہ کرے۔ اگر وہ ہبہ کرے تو مرد کو اس ہبہ سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ مہر مثل واجب ہوگا جب خاوند نے ولی کی خدمت کی شرط پر عقد نکاح کیا اور خاوند پر ولی کی خدمت لازمی نہ ہوگی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں بھی اسی طرح ہے۔ اگر خاوند نے وہ کیا جو اس نے مقرر کیا تھا تو چاہئے کہ اس کے لئے عورت کے ولی پر اجرت مثلی واجب ہو جس طرح علما نے اس آدمی کے بارے میں کہا جس نے یہ کہا: میرے ساتھ میرے انگوروں کے باغ میں کام کرو تا کہ میں اپنی بیٹی تیرے عقد نکاح میں دے دوں تو اس نے کام کیا تو اس آدمی نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح اس مرد سے نہ کیا تو اس کے لئے اجرت مثلی ہوگی۔ تامل۔

11925۔ (قولہ: كَقِصَّةِ شعيب) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر کیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال تک ان کا ریوڑ چرائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بغیر کسی انکار کے ہم پر بیان کیا ہے۔ پس یہ ہمارے لئے بھی امر مشروع ہوگا۔ اس قصہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کے ریوڑ چرانے کے بارے میں جواز کی جو روایت گزری ہے وہ راجح ہے۔ ''الفتح'' میں اس کا رد کیا ہے: یہ اس وقت لازم آتا ہے کہ اگر بیٹی ریوڑ کی مالک ہو حضرت شعیب علیہ السلام مالک نہ ہوں حالانکہ ایسا نہیں۔ ''البحر'' میں اس کی پیروی کی۔

اس سے جو حکم واضح ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ باپ کی بکریاں چرانے پر عقد نکاح کرنا جائز ہے۔

11926۔ (قولہ: عَلَى خِدْمَةِ عَبْدِهِ) ضمیر سے مراد خاوند ہے۔ یعنی خاوند کا غلام اس عورت کی خدمت کرے گا

أَوْ حُرٍّ آخَرَ بِرِضَاهُ (وَ) فِي (تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ) لِلنَّصِّ بِالِابْتِغَاءِ بِالْمَالِ، وَبَاءُ (زَوَّجْتُكَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ)

اس بیوی کی خدمت کرے گا۔اور تعلیم قرآن کو مہر معین کرنے کی صورت میں مہر مثل اس نص کی وجہ سے ہے جس میں مال کے ساتھ بضعہ کے ابتغا کا حکم ہے اور زوجتك بما معك من القرآن

مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔اسی طرح مابعد کی بھی یہی تعبیر ہوگی۔

11927۔(قولہ: أَوْ حُرٍّ آخَرَ بِرِضَاهُ) ''الغایۃ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ''اگر مرد نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ ایک اور آزاد آدمی اس کی خدمت کرے گا تو صحیح اس کے عقد کا صحیح ہونا ہے اور عورت خاوند سے اس مرد کی خدمت کی قیمت کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

''الفتح'' میں کہا: یہ امر اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ دوسرا آزاد مرد اس عورت کی خدمت نہیں کرے گا یا تو اس لئے کہ وہ اجنبی ہے خدمت کے موقع پر اس عورت کے ستر کا مرد پر کھلنے سے امن نہیں۔ یا اس کی مراد ہو جب یہ معاہدہ اس دوسرے آزاد آدمی کے امر کے بغیر ہو۔ پھر کچھ گفتگو کے بعد کہا: ضروری ہے کہ اس میں نظر کی جائے: اگر یہ معاہدہ اس کے امر کے بغیر ہو اور اس نے اس کو جائز بھی قرار نہ دیا ہو تو خدمت کی قیمت واجب ہوگی۔ اگر یہ تعیین اس کے امر کے ساتھ ہوا گر تو وہ معین خدمت ہو جو مخالطت (میل جول) کا تقاضا کرتی ہو جس میل جول کے ساتھ شرمگاہ کا ظاہر ہونا اور فتنہ سے امن نہ ہو تو ضروری ہوگا کہ اسے روک دیا جائے اور عورت کو اس خدمت کی قیمت دے دی جائے یا وہ خدمت میل جول کا تقاضا نہ کرتی ہو تو خدمت کرنا ضروری ہوگا۔ اگر خدمت غیر معین ہو بلکہ اس مرد نے اس عورت سے اس آزاد آدمی کے منافع پر شادی کی ہو یہاں تک کہ وہ عورت اس خدمت کی زیادہ حقدار ہوگی۔ کیونکہ وہ آدمی مزدور ہے۔ اس وقت اگر عورت اس مرد کو مذکورہ پہلی خدمت میں لگائے تو اس کا حکم پہلی خدمت (معینہ) کا ہوگا۔ اگر وہ مذکورہ دوسری خدمت میں لگائے تو حکم دوسری کا ہوگا۔ یعنی اگر وہ عورت اس کو کام میں لگائے اور اس سے خدمت لے پہلی نوع میں یعنی جو خدمت میل جول کا تقاضا کرتی ہے تو منع کرنے اور خدمت کی قیمت دینے میں پہلی نوع کی طرح ہوگی۔ اور اگر عورت اس سے ایسی خدمت لے جو اس میل جول کا تقاضا نہیں کرتی تو اس کا حکم دوسری نوع کی طرح ہوگا کہ خدمت سپرد کرنا واجب ہوگا۔

اگر مرد نے تعلیم قرآن کی شرط پر شادی کی تو مہر مثل واجب ہوگا

11928۔(قولہ: وَفِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ) یعنی مہر مثل واجب ہوگا اس صورت میں کہ خاوند نے اس عورت سے شادی کی کہ وہ عورت کو قرآن کی تعلیم اور اس جیسی دوسری طاعات کی تعلیم دے گا۔ کیونکہ جس چیز کو مہر معین کیا گیا ہے وہ مال نہیں ''بدائع''۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک ان خدمات پر کسی آدمی کو اجرت پر رکھنا صحیح نہیں۔

11929۔(قولہ: وَبَاءُ زَوَّجْتُكَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ) حضرت سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے

لِلسَّبَبِيَّةِ أَوْ لِلتَّعْلِيلِ لَكِنْ فِي النَّهْرِ يَنْبَغِي أَنْ يَصِحَّ عَلَى قَوْلِ الْمُتَأَخِّرِينَ
میں باء سببیت کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے ہے۔ لیکن ''النہر'' میں ہے: چاہئے کہ یہ تعیین متاخرین کے قول پر صحیح ہو۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: التمس ولو خاتما من حدید(1) کوئی چیز تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ انہوں نے چیز تلاش کی تو کوئی چیز نہ پائی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تیرے پاس قرآن میں سے کوئی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ فلاں فلاں سورت۔ انہوں نے سورتوں کے نام لئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قد ملکتکھا بما معك من القرآن(2) میں نے تجھے اس عورت کا مالک بنادیا اس وجہ سے کہ تیرے پاس قرآن ہے یا اس کی علت یہ ہے کہ تیرے پاس قرآن ہے۔ اور یہ روایت بھی کی جاتی ہے کہ: انکحتکھا۔ زوجتکھا۔ ''ح''۔ ''عن الزیلعی''۔

11930۔ (قولہ: لِلسَّبَبِيَّةِ أَوْ لِلتَّعْلِيلِ) اس سبب سے یا اس وجہ سے کہ تو قرآن کا حافظ ہے۔ باعوض کے لئے متعین نہ ہوئی۔

11931۔ (قولہ: لَكِنْ فِي النَّهْرِ) اس کی اصل صاحب ''البحر'' کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: ان شاء اللہ ''کتاب الاجارات'' میں آئے گا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لئے اجرت پر آدمی رکھنا جائز ہے تو چاہئے کہ اسے مہر مقرر کرنا صحیح ہو۔ کیونکہ معین منافع کے مقابلہ میں اجرت لینا جائز ہو تو اسے مہر مقرر کرنا بھی صحیح ہو جس طرح ہم پہلے ''البدائع'' سے (مقولہ 11920 میں) نقل کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے ''فتح القدیر'' میں یہاں ذکر کیا: جب امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا تو اسے مہر معین کرنے کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں: مفتی بہ قول کے مطابق اسے مہر مقرر کرنے کی صحت لازم آئے گی۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس سے تعرض کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ صحیح امر کی توفیق دینے والا ہے۔

''مقدسی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے: کوئی ایسی ضرورت نہیں جو اس تعیین کی صحت پر ہمیں مجبور کرے بلکہ کسی غیر چیز کو معین کرنا اس سے غنی کر دیتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی حاجت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھلائی کے امور میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے یہ حاجت متحقق ہوئی ہے۔''

اس میں یہ امر ہے کہ متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا فتویٰ ضرورت کی بنا پر دیا ہے جس طرح انہوں نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ اس وجہ سے جس میں ضرورت نہ ہو اس میں یہ جائز نہ ہوگا جس طرح تلاوت وغیرہ۔ پھر ضرورت اجرت پر لینے کے جواز کی اصل کی علت ہے۔ اس کا وجود اس کے افراد میں سے ہر فرد میں لازم نہیں ہوگا۔ جب ضرورت کی بنا پر تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے تو اسے مہر معین کرنا بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی منفعت ہے جو مال کے مقابل ہے جس طرح گھر کی رہائش۔ اور کسی نے بھی مسمی میں ضرورت کے پائے جانے کی شرط نہیں لگائی۔ کیونکہ لازم آئے گا کہ مسکن کو مہر معین کرنے کی صورت میں اسی کی مثل قول کیا جائے کہ غیر کو مہر معین کرنا اس سے غنی کر دیتا ہے جبکہ بعض اوقات بیوی تعلیم کی محتاج ہوتی ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 43-49، حدیث نمبر 1806-1816　2۔ ایضاً

(وَلَهَا خِدْمَتُهُ لَوْ) كَانَ الزَّوْجُ (عَبْدًا) مَأْذُونًا فِي ذَلِكَ، أَمَّا الْحُرُّ فَخِدْمَتُهُ لَهَا حَرَامٌ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِهَانَةِ

اور عورت کے لئے خدمت ہی ہوگی اگر خاوند ایسا غلام ہو جس کو اس کی اجازت دی گئی ہو۔ جہاں تک آزاد کا تعلق ہے اس کا عورت کی خدمت کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں اہانت

رہائش اور مال کی محتاج نہیں ہوتی۔ ''الشرنبلالیہ'' میں بھی اس پر اعتراض کیا ہے: کہ تعلیم کو مہر مقرر کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ عورت کی خدمت ہے یہ دونوں کے مشترکہ مصالح میں سے نہیں۔ یعنی ریوڑ چرانا۔ اور عورت کی زمین کاشت کرنے کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ یہ بھی عورت کی خدمت ہے۔ لیکن یہ مرد اور عورت کے مصالح مشترکہ میں سے ہے۔ ان کے شاگرد شیخ ''عبدالحی'' نے جواب دیا: ظاہر یہ ہے کہ تعلیم کو عورت کی خدمت تسلیم نہ کیا جائے۔ اور ہر خدمت مہر کے طور پر ناجائز نہیں۔ ممتنع وہ خدمت ہے جس میں تذلیل کا پہلو ہو۔ ''طحطاوی'' نے کہا: یہ اچھا ہے۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم دینے والا متعلم کا نہ شرعاً خادم شمار کیا جاتا ہے اور نہ ہی عرفاً خادم تصور کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید یہ امر بھی کرتا ہے کہ علما نے اسے خدمت قرار نہیں دیا کہ بیٹا اپنے باپ کو ریوڑ چرانے اور زراعت کے لئے اجرت پر رکھے۔ اگر ریوڑ چرانا خدمت اور ذلت ہوتی تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کام نہ کرتے بلکہ یہ پیشہ ہے جس طرح باقی پیشے ہیں جن میں رزالت نہیں ہوتی جن کے ساتھ مال کمانے کا قصد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیم کو بدرجہ اولیٰ خدمت شمار نہیں کیا جائے گا۔

تنبیہ

''النہر'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ پورے قرآن کی تعلیم خاوند پر لازم ہوگی ورنہ جب بعض کے ارادہ پر کوئی قرینہ قائم ہو جائے۔ حفظ اس کے مفہوم میں نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ یعنی مرد پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ وہ عورت کو زبانی قرآن حکیم یاد کرائے۔

11932۔(قولہ: وَلَهَا خِدْمَتُهُ) کیونکہ خدمت جب آقا کی اجازت سے ہو تو یہ ایسے ہو گیا گویا وہ حقیقت میں آقا کی خدمت کر رہا ہے۔ ''بحر''۔ اس میں کوئی اصل وضع کے خلاف نہیں۔ ''ح''۔ کیونکہ بیوی کا اپنے خاوند غلام سے خدمت لینا حرام نہیں کیونکہ اسے خدمت لینے اور کام لینے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مملوک ہے اس کی حیثیت ایسی ہی ہے کہ جس طرح ایسے جاندار جو اس کی ملک میں ہوں۔ ''بدائع''۔

11933۔(قولہ: مَأْذُونًا فِي ذَلِكَ) عقد نکاح میں غلام کو خدمت کی اجازت دی گئی ہو۔ اگر یہ معاہدہ آقا کی اجازت کے بغیر ہوا تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔

11934۔(قولہ: أَمَّا الْحُرُّ) یہاں الحر سے پہلے الزوج کا لفظ محذوف ہے۔

11935۔(قولہ: فَخِدْمَتُهُ لَهَا حَرَامٌ) یعنی جب مرد نے عورت کی ایسے امور میں خدمت کی جو بظاہر اس عورت کے ساتھ خاص ہیں اگرچہ اس کی خدمت طلب کرنے کے بغیر خدمت کرے اس پر استخدام کا عطف دلالت کرتا ہے۔ ''ط''۔

وَالْإِذْلَالِ وَكَذَا اسْتِخْدَامُهُ نَهْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ (وَكَذَا يَجِبُ) مَهْرُ الْمِثْلِ (فِيمَا إِذَا لَمْ يُسَمِّ) مَهْرًا (أَوْ نَفَى إِنْ وَطِئَ) الزَّوْجُ (أَوْ مَاتَ عَنْهَا

اور تذلیل کا تصور ہے۔ اس طرح عورت کا خاوند سے خدمت لینا حرام ہے۔ ''نہر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔ اسی طرح مہر مثل واجب ہوتا ہے ان تمام صورتوں میں جب وہ مہر کا تعین نہ کرے یا مہر کی نفی کرے اگر خاوند وطی کرے یا بیوی کو زندہ چھوڑ کر مرجائے۔

11936۔ (قولہ: وَكَذَا اسْتِخْدَامُهُ) ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا: اس لئے جائز نہیں کہ بیٹا باپ کو خدمت کیلئے اجرت پر رکھے۔ ''البحر'' میں کہا: اسکا حاصل یہ ہے کہ عورت پر خدمت لینا حرام ہو اور مرد پر خدمت کرنا حرام ہو۔

11937۔ (قولہ: فِيمَا إِذَا لَمْ يُسَمِّ مَهْرًا) یعنی مہر کی صحیح تعیین نہ ہو یا مہر سے خاموشی اختیار کی ہو۔ ''نہر''۔ اس میں یہ صورت بھی داخل ہوگی کہ خاوند مہر ایسی چیز کو معین کرے جو مال ہی نہ ہو جس طرح شراب وغیرہ یا جس کی جنس مجہول ہو جس طرح جانور، کپڑا۔ ''البحر'' میں کہا: اس کی صورتوں میں سے یہ ہے: جب وہ عورت سے ہزار پر شادی کرے اس شرط کے ساتھ کہ وہ عورت ہزار اسے واپس کرے گی یا مرد نے عورت سے عورت کے غلام پر شادی کی یا عورت نے کہا: میں نے تجھ سے شادی پچاس دینار پر کی اور میں نے تجھے ان سے بری کر دیا۔ تو مرد نے اسے قبول کرلیا۔ یا مرد نے عورت سے عورت کے حکم پر، یا مرد کے حکم پر یا کسی اور مرد کے حکم پر یا اس کی لونڈی کے بطن میں جو کچھ ہے یا اس کی بھیڑوں کے بطن میں جو کچھ ہے اس پر یا اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ وہ عورت کے باپ کو ہزار درہم دے گا یا ایک سال تک اس عورت کو دیئے گئے قرض کی ادائیگی میں مہلت دے گا یا اس عورت کے بھائی کو آزاد کردے گا یا اس کی سوکن کو طلاق دے دے گا۔ اس میں یہ داخل نہیں کہ اگر مرد نے عورت سے کسی اور کے غلام پر عقد نکاح کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے جب غلام کا مالک اجازت نہیں دے گا تو اس غلام کی قیمت اس مرد پر واجب ہو جائے گی یا جو حج کرانے کی شرط پر عقد نکاح کیا۔ کیونکہ اس صورت میں درمیانی حج کے درمیانی اخراجات لازم ہو جائیں گے۔ مہر مثل واجب نہیں ہوگا اور درمیانی حج سواری پر سواری کے ساتھ ہے۔ یا اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ مرد عورت کے بھائی کو عورت کی جانب سے آزاد کردے گا۔ کیونکہ اس میں اقتضاء عورت کی اپنے بھائی میں ملکیت ثابت ہوگی یا مرد نے عورت سے شادی کی کہ اس کو اتنا مہر ملے گا جتنا مہر عورت کی ماں کا ہے۔ جبکہ مرد مہر کی مقدار کو نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ عقد نکاح اس مقدار پر جائز ہے اور جب اسے علم ہوگا تو اس کو خیار حاصل ہوگا۔ ملخصا باختصار

11938۔ (قولہ: أَوْ نَفَى) یعنی مرد نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ ''ط''۔

11939۔ (قولہ: إِنْ وَطِئَ الزَّوْجُ) اگرچہ حکما وطی کی۔ ''نہر''۔ حکما وطی سے مراد خلوۃ صحیحہ ہے۔ کیونکہ مہر کے موکد ہونے میں وہ وطی کی طرح ہے جس طرح آگے آئے گا۔

11940۔ (قولہ: أَوْ مَاتَ عَنْهَا) ''البحر'' میں کہا: اگر وہ کہتے: یا ان دونوں میں سے ایک مرگیا تو یہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ

إِذَا لَمْ يَتَرَاضَيَا عَلَى شَيْءٍ) يَصْلُحُ مَهْرًا (وَإِلَّا فَذَلِكَ) الشَّيْءُ (هُوَ الْوَاجِبُ، أَوْ سَمَّى خَمْرًا أَوْ خِنْزِيرًا أَوْ هَذَا الْخِلَّ وَهُوَ خَمْرٌ
جب وہ دونوں کسی ایسی چیز پر راضی نہیں تھے جو مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہو ورنہ وہی چیز واجب ہوگی یا مرد نے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کیا۔ یا مہر مقرر کیا یہ سرکہ دوں گا جبکہ شراب تھی

عورت کی موت مرد کی موت کی طرح ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

یہ جان لو جب دونوں اکٹھے فوت ہو گئے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام ''سرخسی'' نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جب عرصہ کافی گزر جائے اس طرح کہ قاضی کے لئے مہر مثل پر آگاہی مشکل ہو جائے۔ مگر جب عرصہ زیادہ نہ ہو تو ''امام اعظم'' کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ''حموی'' عن ''البرجندی''، ''ابوالسعود''۔

تنبیہ

شیخ ''صالح بن المصنف'' نے ''خیر رملی'' سے فتویٰ پوچھا: اگر عورت وطی یا موت سے قبل مرد سے اپنے مہر مثل کا مطالبہ کرے کیا عورت کے لئے ایسا حق ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے وہ جواب دیا جو ''الزیلعی'' میں ہے کہ مہر مثل عقد کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے اس وجہ سے عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ حقوق زوجیت سے قبل اس کا مطالبہ کرے۔ پس یہ مہر دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا حقوق زوجیت کے ساتھ متاکد اور پختہ ہو جاتا ہے جس طرح عقد کے وقت جو مہر معین کیا گیا ہو وہ متاکد اور پختہ ہو جاتا ہے۔

''الکمال'' اور ''ابن ملک'' وغیرہما نے اس کی تصریح بیان کی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔

11941۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يَتَرَاضَيَا) یعنی عقد کے بعد بھی وہ راضی نہ ہوں۔

11942۔ (قولہ: وَإِلَّا) وہ دونوں کسی چیز پر راضی ہو جائیں تو حقوق زوجیت یا موت کے ساتھ یہی واجب ہو جاتا ہے۔ مگر جب خاوند عورت کو حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دے تو متعہ واجب ہو جاتا ہے جس طرح اس قول میں آ رہا ہے۔ ''جو عقد کے بعد معین کیا گیا یا زائد کیا گیا اس کا نصف نہیں ہوتا۔''

11943۔ (قولہ: أَوْ سَمَّى خَمْرًا أَوْ خِنْزِيرًا) یعنی مسلمان نے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کیا۔ گفتگو کیونکہ مسلمان کے بارے میں ہو رہی ہے۔ جہاں تک غیر مسلم کا تعلق ہے تو اس کا ذکر اس کے باب میں آئے گا۔ اسی طرح مردار اور خون کا بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں اصلاً مال نہیں۔ یہ حکم اس صورت کو بھی شامل ہوگا جب بیوی ذمی عورت ہو۔ کیونکہ مسلمان پر شراب واجب کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ خاوند کے حق میں مال نہیں۔ اگر خاوند نے دس درہم اور ایک رطل شراب مہر مقرر کیا تو یہ صورت سابقہ سے خارج ہوگی۔ اس صورت میں عورت کو معین کردہ مہر ملے گا اور مہر مثل کی تکمیل نہ کی جائے گی۔ ''بحر'' ملخصاً

أَوْ هٰذَا الْعَبْدَ وَهُوَ حُرٌّ) لِتَعَذُّرِ التَّسْلِيمِ (أَوْ دَابَّةً) أَوْ ثَوْبًا أَوْ دَارًا و (لَمْ يُبَيِّنْ جِنْسَهَا) لِفُحْشِ الْجَهَالَةِ (وَ) تَجِبُ (مُتْعَةٌ لِمُفَوِّضَةٍ) وَهِيَ مَنْ زُوِّجَتْ بِلَا مَهْرٍ

یا یہ غلام دوں گا جبکہ وہ آزاد تھا کیونکہ اس چیز کا سپرد کرنا مشکل ہے یا وہ جانور ہو یا کپڑا ہو یا گھر ہو۔ اور اس کی جنس کی وضاحت نہ کی کیونکہ جہالت فحش ہے۔ اور مفوضہ کے لئے متعہ واجب ہوگا۔ اور مفوضہ وہ ہوتی ہے جس نے مہر کے بغیر عقد نکاح کیا

11944۔(قولہ: أَوْ هٰذَا الْعَبْدَ وَهُوَ حُرٌّ الخ) یعنی اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا جب وہ حلال چیز کا ذکر کرے اور حرام چیز کی طرف اشارہ کرے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ اگر اس کے برعکس ہو جس طرح کہے ھذا الحر تو وہ غلام تھا تو اس عورت کے لئے مہر وہ غلام ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا صحیح ترین قول کے مطابق۔ اور بدرجہ اولیٰ مہر مثل کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اگر دونوں چیزیں حرام ہوں۔ اگر دونوں چیزیں حلال ہوں اور جنس مختلف ہو جس طرح جب خاوند نے کہا سرکے کے اس مٹکے پر عقد نکاح کرتا ہوں تو وہ تیل تھا یا اس غلام پر عقد نکاح کرتا ہوں تو وہ لونڈی تھی تو اس عورت کے لئے اس مٹکے کی مثل سرکہ لازم ہوگا۔ اور ایسا غلام لازم ہوگا جس کی قیمت لونڈی جیسی ہو۔ جس طرح ''الذخیرہ'' میں ہے۔ مگر ''الخانیہ'' میں ہے: اس کے لئے اس معین کردہ مہر کی مثل چیز لازم ہوگی۔ اس کا مقتضا یہ ہے درمیانہ غلام واجب ہوگا یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ لونڈی کی قیمت کی طرف نہیں دیکھا جائیگا۔ ''بحر''، ''نہر'' ملخص

''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ چار قسمیں ہوسکتی ہیں۔ دونوں چیزیں یا تو حرام ہوں گی یا دونوں حلال ہوں گی یا دونوں مختلف ہوں گی۔ جب دونوں چیزیں حرام ہوں یا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ حرام ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔ باقی دو صورتوں میں تعیین درست ہوگی۔ کہا: مصنف نے اشارہ کیا کہ مہر مثل واجب ہوگا اگر مشار الیہ آزاد حربی ہوا سے قید کیا گیا اور خاوند اس کا مالک بن گیا تو یہ غلام بیوی کے حوالے کرنا لازم نہیں ہوگا۔ ''الاسرار'' میں ہے کہ یہ متفق علیہ ہے۔ اسی طرح اگر شراب سرکہ بن گیا تو اسے سپرد کرنا واجب نہیں۔

11945۔(قولہ: أَوْ دَابَّةً أَوْ ثَوْبًا) کیونکہ کپڑوں کی کئی جنسیں ہیں جس طرح حیوان اور دابہ تو ارادہ کے ساتھ بعض بعض سے اولیٰ نہیں ہوگا۔ پس جہالت فاحشہ ہوگی۔ ''بحر''۔ پھر فقہاء کے نزدیک جنس کی جو تعریف ہے اس کا ذکر کیا۔ اس کے بارے میں گفتگو مصنف کے قول: ولو تزوجھا علی فرس فالواجب الوسط او قیمتہ کے تحت آئے گی۔

متعہ کے احکام

11946۔(قولہ: وَ تَجِبُ مُتْعَةٌ لِمُفَوِّضَةٍ) مفوضہ یہ واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ہے جس نے اپنا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کیا اور ولی نے اس عورت کی شادی مہر کے بغیر کر دی۔ اور جب یہ لفظ واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ہے جس کے ولی نے مہر کے بغیر اسے خاوند کے سپرد کر دیا۔

یہ جان لو طلاق جس میں متعہ واجب ہوتا ہے وہ وہ ہوتی ہے جو حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل ایسے نکاح میں ہو جس

طُلِّقَتْ قَبْلَ الْوَطْءِ وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ
اور وطی سے پہلے اسے طلاق دے دی گئی۔ وہ قمیص، اوڑھنی اور بڑی چادر ہے جو سر سے پاؤں تک ہو۔

میں مہر کی تعیین نہ ہو۔ خواہ نکاح کے بعد مہر متعین ہو یا نہ ہو یا اس میں تسمیہ فاسد ہو جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ ''البحر'' میں کہا: متعہ ہر اس نکاح میں واجب ہوتا ہے جس میں تسمیہ فاسد ہوتا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ اگر ایک وجہ سے صحیح اور دوسری وجہ سے صحیح نہ ہو تو اس میں متعہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

جس طرح ایک آدمی عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کرتا ہے کہ ہزار درہم مہر دے گا اور اس کی عزت بھی کرے گا یا ہزار درہم پر عقد نکاح کیا اور یہ کہا کہ عورت کو ہدیہ دے گا اگر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے ہزار کا نصف ہوگا۔ متعہ لازم نہیں ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ اگر اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو مہر مثل واجب ہوگا جو ہزار سے کم نہیں ہوگا جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ کیونکہ مسمی ہر اعتبار سے فاسد نہیں۔ کیونکہ کرامت اور ہدیہ دینے کی تقدیر پر مہر ہزار واجب ہوگا۔ مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔ ہم اس کی تعلیل میں ''البدائع'' سے (مقولہ 11899 میں) بیان کر چکے ہیں: حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل مہر مثل کا کوئی عمل دخل نہیں۔

11947۔ (قولہ: طَلُقَتْ قَبْلَ الْوَطْءِ) یعنی خلوت سے پہلے۔ ''بحر''۔ یہ بات پہلے (مقولہ 11939 میں) گزر چکی ہے کہ خلوت وطی حکمی ہے۔ اور طلاق سے مراد ایسی فرقت ہے جو خاوند کی طرف سے واقع ہو اور مہر والا اس کے سبب میں خاوند کے ساتھ شریک نہ ہو وہ طلاق ہو یا فسخ نکاح ہو جس طرح طلاق، ایلا، لعان، آلہ تناسل کے قطع ہونے، عنین ہونے، ارتداد، اسلام سے انکار، بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لینا۔ اگر یہ امور عورت کی جانب سے واقع ہوں جیسے عورت کا مرتد ہونا، اسلام سے انکار کرنا، عورت کا شہوت کے ساتھ مرد کا بوسہ لینا، دودھ پلانا، خیار بلوغ، خیار عتق اور کفو نہ ہونا تو عورت کے لئے کوئی متعہ نہ ہوگا نہ وجوبا اور نہ ہی استحبابا جس طرح ''فتح'' میں ہے۔ جس طرح معین مہر کا نصف بھی لازم نہ ہوگا اگر مہر معین کیا گیا ہو۔ اگر خاوند یا اس کا وکیل آقا سے منکوحہ کو خریدے تو وہ اس سے خارج ہے۔ کیونکہ مہر کا مالک سبب میں خاوند کے ساتھ شریک ہے سبب ملک ہے۔ اسی وجہ سے متعہ واجب نہیں ہوگا اور نہ ہی معین کردہ نفس مہر لازم ہوگا۔ یہ معاملہ مختلف ہے اگر آقا اپنی لونڈی کسی آدمی کے ہاتھ بیچے پھر خاوند اس سے خریدے تو متعہ واجب ہوگا جس طرح ''التبیین'' اور ''البحر'' میں ہے۔

وہ کپڑے جو عورت کو متعہ کے طور پر دیئے جاتے ہیں

11948۔ (قولہ: وَهِيَ دِرْعٌ الخ) دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے جس طرح ''مغرب'' میں ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ صرف قمیص کا ذکر کیا ہے۔ یہی ظاہر ہے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: عورت کی درع اس کی قمیص ہوتی ہے اس کی جمع ادرع ہے۔ ''عینی'' نے اسے ہی اپنایا ہے۔ اور ''البنایہ'' میں ''ابن اثیر'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں ہونا اسے ذکر نہیں کیا۔ یہ ''مغرب'' کی تفسیر پر مبنی ہے۔ خمار سے

لَا تَزِيدُ عَلَى نِصْفِهِ) أَيْ نِصْفِ مَهْرِ الْمِثْلِ لَوْ الزَّوْجُ غَنِيًّا (وَلَا تَنْقُصُ عَنْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ) لَوْ فَقِيرًا (وَتُعْتَبَرُ الْمُتْعَةُ (بِحَالِهِمَا) كَالنَّفَقَةِ بِهِ يُفْتَى

یہ متعہ مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اگر خاوند غنی ہو۔ اور اگر خاوند فقیر ہو تو متعہ پانچ درہم سے کم نہیں ہونا چاہئے اور متعہ میں دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جس طرح نفقہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ اپنے سر کو ڈھانپتی ہے۔ اور ملحفہ میم کے کسرہ کے ساتھ وہ کپڑا جس کے ساتھ عورت سر سے قدم تک جسم کو ڈھانپتی ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے کہا: ''یہ ان کے علاقہ میں ہے۔ جہاں تک ہمارے علاقہ کا تعلق ہے اس میں ازار (تہبند) اور مکعب (وضاحت آگے آرہی ہے) کا اضافہ ہے۔ ''درایہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ ملحفہ، ازار سے غنی کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس تفسیر کے ساتھ یہ ازار ہی ہے مگر جب ان کا تغایر معروف ہو جس طرح مکہ مکرمہ میں ہے۔ اگر خاوند اس کی قیمت عورت کو دے تو عورت کو وہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جس طرح ''البدائع'' اور ''نہر'' میں ہے۔ اور تین کپڑوں کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ ادنی متعہ ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''الکمال'' سے مروی ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: عورت کم سے کم جتنے کپڑے پہنتی ہے اور گھر سے باہر نکلتے وقت جن کے ساتھ وہ اپنے ستر کا اہتمام کرتی ہے وہ تین کپڑے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ''فخر الاسلام'' سے جو قول: من ان هذا من دیارهم (یہ ان کے علاقہ کا رواج ہے) گزرا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ ہر علاقہ کے مکینوں کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا کہ عورت گھر سے باہر نکلتے وقت کیا چیز زیب تن کرتی ہے۔ تامل۔ پھر میں نے بعض محشین کو دیکھا۔ کہا: ''برجندی'' میں ہے: علما نے کہا: یہ ان کے علاقہ کا معمول ہے۔ جہاں تک ہمارے علاقہ کا تعلق ہے تو چاہئے کہ اس سے زیادہ چیز واجب کی جائے۔ کیونکہ ہمارے علاقہ میں عورتیں تین سے زائد کپڑے استعمال کرتی ہیں۔ پھر ان پر ازار اور مکعب کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

القاموس میں ہے المکعب سے مراد چادر اور کپڑوں میں سے حاشیہ دار یعنی جس پر نقش بنائے گئے ہوں۔

متعہ مہر مثل سے زائد نہیں ہوگا

11949۔ (قولہ: لَا تَزِيدُ عَلَى نِصْفِهِ الخ) ''الاصل'' اور ''المبسوط'' سے ''الفتح'' میں منقول ہے: متعہ مہر مثل کے نصف سے زائد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مہر مثل کا نائب ہے۔ اگر دونوں برابر ہوں تو متعہ واجب ہوگا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے مطابق یہی فرض ہے۔ اگر نصف، متعہ سے کم ہو تو اقل واجب ہوگا۔ مگر نصف پانچ دراہم سے کم ہو جائے تو اس صورت میں پورے پانچ کر دیئے جائیں گے۔

شارح کا پہلا قول لو الزوج غنیا اور دوسرا لو فقیرا اس کی وجہ میرے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس قول پر مبنی ہے کہ متعہ میں خاوند کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ اپنے مابعد کے خلاف ہے۔ فلیتامل۔

متعہ میں مرد اور عورت کی حالت کا اعتبار ہوگا

11950۔ (قولہ: وَتُعْتَبَرُ الْمُتْعَةُ بِحَالِهِمَا) اگر دونوں غنی ہیں تو عورت کو اعلیٰ کپڑے ملیں گے اگر فقیر ہیں تو

(وَ تُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِمَنْ سِوَاهَا) أَيِ الْمُفَوَّضَةِ (إِلَّا مَنْ سُمِّيَ لَهَا مَهْرٌ وَ طُلِّقَتْ قَبْلَ وَطْءٍ) فَلَا تُسْتَحَبُّ لَهَا
یعنی مفوضہ کے سوا دوسری مطلقہ عورت کو متعہ دینا مستحب ہے مگر جس کا مہر مقرر کیا گیا اور حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی گئی۔اس کے لئے متعہ مستحب نہیں

اسے ادنیٰ کپڑے ملیں گے اگر مختلف حالت کے ہیں تو درمیانی کپڑے ملیں گے۔ جو قول ذکر کیا ہے وہ ''خصاف'' کا قول ہے۔''الفتح'' میں ہے: یہ فقہ کے زیادہ مناسب ہے۔ امام ''کرخی'' نے عورت کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ امام ''قدوری'' نے اسے ہی اپنایا ہے۔ امام ''سرخسی'' نے مرد کی حالت کا اعتبار کیا ہے اور ''ہدایہ'' میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔''البحر'' میں کہا: ترجیح میں اختلاف ہے ارجح ''خصاف'' کا قول ہے کیونکہ ''الولوالجی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جس طرح علما نے نفقہ میں اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علما کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ دونوں امور کو پیش نظر رکھنا معتبر ہے کہ متعہ مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اور پانچ دراہم سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تمام اقوال کے مناسب ہے جس طرح ''الاصل'' اور ''المبسوط'' میں صراحۃً مذکور ہے۔

''الذخیرہ'' میں ذکر کیا ہے: متعہ درمیانہ ہونا چاہئے نہ انتہائی عمدہ اور نہ ہی انتہائی ردی۔ اور ''فتح'' میں اس پر اعتراض کیا ہے: یہ تینوں ائمہ کی رائے کے موافق نہیں۔ اور ''البحر'' میں جواب دیا ہے: یہ سب کے موافق ہے۔ عورت کی حالت کے اعتبار کا جہاں تک تعلق ہے اگر عورت فقیر ہو تو روئی سے بنا درمیانی لباس، اگر درمیانی حالت کی ہو تو قز متوسط اور اگر اعلیٰ حالت کی ہو تو درمیانہ ابریشم۔ اسی طرح مرد کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے۔ اور یہی صورتحال ہے اس کے نزدیک بھی جس نے دونوں کی حالت کا اعتبار کیا ہے اگر دونوں فقیر ہوں تو روئی کا بنا درمیانی لباس، دونوں غنی ہو تو درمیانہ ابریشم اور اگر دونوں مختلف ہوں تو درمیانی قز۔

''النہر'' میں ہے: ''الذخیرہ'' میں جو کچھ ہے اس کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔ ''الفتح'' کا اعتراض اس پر اطلاق کے اعتبار سے وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ہمیشہ متعہ قز کا واجب ہوتا ہے۔

11951۔(قولہ: أَيِ الْمُفَوَّضَةِ) سِوَاهَا میں جو ضمیر مجرور ہے المفوضہ اس کی تفسیر ہے مفوضہ کو اس سے خارج کیا ہے کیونکہ اس کا متعہ واجب ہے جس طرح تو نے جان لیا۔

اگر فرقت عورت کی طرف سے ہو اور حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہو تو متعہ مستحب نہیں

11952۔(قولہ: إِلَّا مَنْ سُمِّيَ لَهَا مَهْرٌ الخ) یہ قول اس کے مطابق ہے جو ''قدوری'' کے بعض نسخوں میں ہے۔ صاحب ''الدرر'' بھی اسی کے مطابق چلے ہیں۔ لیکن ''الکنز'' اور ''الملتقی'' میں یہ رائے قائم کی کہ اس کے لئے متعہ مستحب ہے۔ ''المبسوط'' اور ''المحیط'' میں یہ اسی طرح ہے۔ یہ ''التاویلات''، صاحب ''التیسیر''، ''الکشاف'' اور ''المختلف'' کی روایت ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

بَلْ لِلْمَوْطُوءَةِ سُمِّيَ لَهَا مَهْرٌ أَوْ لَا فَالْمُطَلَّقَاتُ أَرْبَعٌ (وَمَا فُرِضَ) بِتَرَاضِيهِمَا أَوْ بِفَرْضِ قَاضٍ مَهْرَ الْمِثْلِ (بَعْدَ الْعَقْدِ) الْخَالِي عَنِ الْمَهْرِ (أَوْ زِيدَ) عَلَى مَا سُمِّيَ فَإِنَّهَا تَلْزَمُهُ

بلکہ موطوءہ کے لئے متعہ مستحب ہے اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو یا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ پس مطلقہ کی چار صورتیں ہیں اور جو مہر دونوں کی رضامندی کے ساتھ مقرر کیا گیا یا قاضی کے مہر مثل فرض کرنے سے مقرر ہوا جبکہ یہ اس عقد کے بعد ہوا جو مہر سے خالی تھا۔ یا جو مہر مقرر کیا گیا تھا اس پر اضافہ کیا۔ بے شک خاوند پر زیادتی لازم ہو جائے گی

میں کہتا ہوں: ''البدائع'' میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور ''معراج'' میں اسے ''زاد الفقہاء'' اور ''جامع الاسبیجابی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''شرح الملتقی'' میں اس کے بارے میں کہا: یہ مشہور ہے۔ ''خیر رملی'' نے کہا: ''قدوری'' کے بعض نسخوں میں وہ عبارت ہے جو اس عبارت کے متصادم نہیں جو ''المبسوط'' اور ''المحیط'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ان کتابوں میں مذکور ہے اس کے ساتھ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پس مصنف کو چاہئے تھا کہ اس استثنا کو ساقط کر دیتے۔ ''البحر'' میں ہے: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جب جدائی، حقوق زوجیت سے پہلے عورت کی جانب سے ہو تو اس کے لئے متعہ مستحب نہیں کیونکہ وہ جنایت کرنے والی ہے۔

11953۔ (قولہ: بَلْ لِلْمَوْطُوءَةِ الخ) بلکہ جس کے ساتھ حقوق زوجیت کے بعد خاوند کی طرف سے طلاق واقع ہو اس میں متعہ مستحب ہے مگر جب وہ مرتد ہو جائے یا وہ اسلام سے انکار کر دے۔ کیونکہ استحباب سے مراد فضیلت کو طلب کرنا ہوتا ہے اور کافر فضیلت کا اہل نہیں۔

11954۔ (قولہ: فَالْمُطَلَّقَاتُ أَرْبَعٌ) ایسی مطلقہ جس کو حقوق زوجیت سے پہلے یا اس کے بعد طلاق دی گئی ہو اس کا مہر معین کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ وہ مطلقہ جس کو حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دی گئی ہو اور خاوند نے اس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا تو اس کا متعہ واجب ہے۔ اگر مہر مقرر کیا گیا تھا تو متعہ واجب نہیں۔ اور جو صورت یہاں ہے اس میں مستحب بھی نہیں۔ وہ مطلقہ جس کو حقوق زوجیت کے بعد طلاق دی ہو اس کا متعہ مستحب ہے اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا ہو۔

11955۔ (قولہ: أَوْ بِفَرْضِ قَاضٍ مَهْرَ الْمِثْلِ) مہر کا لفظ فرض کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''البدائع'' میں کہا: اگر مرد نے عورت سے شادی کی کہ عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا تو ہمارے نزدیک نفس عقد کے ساتھ ہی مہر واجب ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے اگر عورت مرد سے تعیین کا مطالبہ کرتی تو تعیین ہو جاتی۔ یہاں تک کہ اگر خاوند اس سے رک جاتا تو قاضی اسے اس پر مجبور کرتا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو تعیین میں اس کے قائم مقام ہو گیا۔ یہ تعیین سے پہلے مہر کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

مہر مسمیٰ پر زیادتی لازم ہو جائے گی بشرطیکہ عورت یا صغیرہ کا ولی مجلس میں قبول کرے

11956۔ (قولہ: فَإِنَّهَا تَلْزَمُهُ) اگر خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے یا خاوند فوت ہو گیا تو یہ

بِشَرْطِ قَبُولِهَا فِي الْمَجْلِسِ أَوْ قَبُولِ وَلِيِّ الصَّغِيرَةِ وَمَعْرِفَةِ قَدْرِهَا وَبَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَى الظَّاهِرِ نَهْرٌ
اس شرط کے ساتھ کہ عورت مجلس میں قبول کرے یا صغیرہ کا ولی قبول کرے اور اس کی مقدار کی معرفت ہو اور زوجیت کا رشتہ باقی رہے ظاہر قول کے مطابق، ''نہر''۔

زیادتی خاوند پر لازم ہوگی۔ یہ تفریع ان کے قول لا ینصف سے متضاد ہے یعنی حقوق زوجیت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں۔ یہ حقوق زوجیت کے ساتھ اس کے لازم ہونے اور متاکد ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ موت بھی اسی کی مثل ہے۔

11957۔ (قولہ: بِشَرْطِ قَبُولِهَا الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ یہ زیادتی صحیح ہے اگرچہ گواہوں کے بغیر ہو یا مہر کے ہبہ اور مہر سے بری کرنے کے بعد ہو، وہ زیادتی مہر کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو۔ ''بحر''۔ خواہ وہ خاوند کی جانب سے ہو یا ولی کی جانب سے ہو۔ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ باپ اور دادا اگر اپنے بیٹے کی شادی کریں پھر وہ مہر میں اضافہ کرے تو یہ صحیح ہے۔ ''نہر''۔ ''النفع المسائل'' میں ہے: زیادتی کا لفظ اس میں شرط نہیں۔ بلکہ زیادتی کے لفظ اور ان کے اس قول کے ساتھ بھی صحیح ہے: میں نے اتنے کے ساتھ تیری طرف رجوع کیا۔ اگر عورت قبول کرلے اگرچہ یہ زدتك في مهرك میں نے تیرے مہر میں اضافہ کیا کے الفاظ کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح تجدید النکاح کی صورت ہے اگرچہ زیادتی کا لفظ نہ بھی ہو۔ اس میں اختلاف ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی بیوی کے لئے مہر کا اقرار کیا جبکہ عورت نے مہر خاوند کو ہبہ کردیا تھا تو یہ صحیح ہوگا اگر عورت نے اقرار کی مجلس میں اسے قبول کرلیا اگرچہ زیادتی کے لفظ کے ساتھ نہ ہو۔''

11958۔ (قولہ: وَمَعْرِفَةِ قَدْرِهَا) یعنی زیادتی کی مقدار کی پہچان۔ اگر خاوند نے کہا: میں نے تیرے مہر میں اضافہ کیا اور اس کی تعیین نہ کی تو جہالت کی وجہ سے زیادتی صحیح نہیں ہوتی جس طرح ''الواقعات'' میں ہے۔ ''بحر''۔

11959۔ (قولہ: وَبَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ الخ) جو ''البحر'' میں ہے کہ عورت کی موت کے بعد زیادتی صحیح ہوتی ہے جب وارث قبول کریں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''التبیین'' کی کتاب البیوع میں ہے۔

''النفع المسائل'' میں اسے ''قدوری'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: طلاق بائن اور طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد زیادتی کا ذکر نہیں کیا ظاہر یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ موت کی صورت میں نکاح منقطع ہوگیا اور تملیک کا محل فوت ہوگیا اور طلاق کے بعد محل باقی ہے جبکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موت کی صورت میں عورت کے لئے یہ ثابت ہے تو طلاق کی صورت میں یہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا اور ''البحر المحیط'' میں ''بشر'' کی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت نقل کی ہے: فرقت کے بعد زیادتی باطل ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ صرف امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے بعد زیادتی میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے۔ پس یہ اپنے اصل ضابطہ پر چلے ہیں۔ بینونت کے بعد ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے زیادتی کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں۔ تو اس بارے میں جواب کو اس پر محمول کیا جائے گا جو ان سے موت کے بعد زیادتی کے بارے میں منقول

وَفِي الْكَافِي جُدِّدَ النِّكَاحُ بِزِيَادَةِ أَلْفٍ لَزِمَهُ أَلْفَانِ عَلَى الظَّاهِرِ وَفِي الْخَانِيَّةِ وَلَوْ وَهَبَتْهُ مَهْرَهَا ثُمَّ أَقَرَّ بِكَذَا مِنَ الْمَهْرِ وَقَبِلَتْ صَحَّ،

کافی میں ہے: خاوند نے عورت سے تجدید نکاح کیا ہزار کی زیادتی کے ساتھ تو ظاہر روایت کے مطابق اس پر دو ہزار لازم آئیں گے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: اگر عورت نے اپنا مہر مرد کو ہبہ کر دیا پھر اتنے مہر کا اقرار کیا اور عورت نے اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہوگا

تھا''۔ ''البحر'' میں اس کی پیروی کی۔

''النہر'' میں کہا: ''ظاہر یہ ہے کہ موت اور بینونت (جدائی) کے بعد یہ جائز نہیں۔'' ''المحیط'' میں قیام نکاح کی جو قید ہے اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ علما نے نقل کیا ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد زیادتی صحیح نہیں ہوتی۔ ''النوادر'' کی روایت میں ہے: یہ صحیح ہے۔ اسی وجہ سے ''المعراج'' وغیرہ میں جزم و یقین سے بیان کیا ہے کہ زیادتی کی شرط رشتہ زوجیت کا باقی ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرد نے عورت کی وفات کے بعد اسے زائد کیا تو یہ زیادتی صحیح نہ ہوگی۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اس زیادتی کا استحقاق (لاحق ہونا) اصل عقد کے ساتھ ہو اگرچہ یہ استناداً واقع ہو مگر ضروری ہے کہ پہلے فی الحال واقع ہو پھر استناد (عقد کے وقت کی طرف منسوب ہے) ہو۔ اور اس زیادتی کا فی الحال ثبوت متعذر ہے۔ کیونکہ محل موجود نہیں ہے تو اس کا استناد بھی متعذر رہوگا۔ اور امام ''قدوری'' نے جو ذکر کیا ہے وہ ''النوادر'' کی روایت کے منافی تھا۔

امام ''طحطاوی'' نے کہا: ''جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ''المحیط'' اور ''المعراج'' میں جو قول ہے وہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر تخریج کیا گیا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں جو ''التبیین'' میں ہے: مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد زیادتی کے صحیح نہ ہونے کی ظاہر روایت اس امر کا تقاضا نہیں کرتی کہ یہ یہاں ظاہر الروایہ ہو۔ کیونکہ دونوں فصلوں میں فرق ہے جو فرق مجتہد کے نزدیک قائم ہے۔ کیونکہ نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میاں بیوی باہم فضل و احسان کو نہ بھولیں۔ اور یہ زیادتی فضل و احسان کی رعایت کے طور پر ہے۔ اس میں متعہ کی مشروعیت اس نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔

اگر عورت نے کسی آدمی سے ہزار روپے پر خفیہ پھر دو ہزار پر علانیہ عقد کیا تو اس کا حکم

11960۔ (قولہ: وَفِي الْكَافِي الخ) ''کافی'' کی عبارت کا حاصل یہ ہے: خاوند نے عورت سے ہزار روپے پر خفیہ عقد نکاح کیا پھر علانیہ دو ہزار پر عقد نکاح کیا۔ ''اصل'' میں جو ظاہر نص ہے وہ یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر دو ہزار لازم آئیں گے۔ اور یہ مہر میں زیادتی ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر پہلا ہی ہے۔ کیونکہ دوسرا عقد لغو ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی لغو ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگرچہ دوسرا عقد لغو ہے مگر اس میں جو زیادتی ہے وہ لغو نہیں۔ جس طرح ایک آقا اپنے اس غلام کو کہتا ہے جو غلام عمر میں آقا سے بڑا ہے ھذا ابنی یہ میرا بیٹا ہے۔ جب یہ قول ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک لغو ہے تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک اگرچہ نسب کے حکم میں لغو ہوتا ہے آزادی کے حق میں معتبر ہے۔ جس طرح ''المبسوط'' میں ہے۔

وَيُحْمَلُ عَلَى الزِّيَادَةِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ الْأَشْبَهُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ بِلَا قَصْدِ الزِّيَادَةِ
اور اسے زیادتی پر محمول کیا جائے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: زیادہ مناسب یہ ہے کہ زیادتی کے ارادہ کے بغیر یہ صحیح نہ ہو

''الفتح'' میں ذکر کیا: یہ اس صورت میں ہے جب دونوں اس پر گواہی نہ دیں کہ دوسرا عقد ہنسی مذاق تھا اور نہ پہلے عقد کے اعتبار میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اس نے ہنسی مذاق کا دعویٰ کیا تو گواہوں کے بغیر اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ پھر یہ ذکر کیا: بعض نے صرف اس چیز کا اعتبار کیا جو دوسرے عقد میں ہے اس پر بنا کرتے ہوئے کہ مقصود اول کو دوسرے عقد کی طرف سے تبدیل کرنا ہے۔ بعض نے دونوں مہروں کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ پہلا بطور ثبوت ثابت ہوا اس کو رد کرنے کی کوئی صورت نہیں اور دوسرا عقد اس پر زیادتی ہے تو یہ پورا واجب ہوگا۔ پھر ذکر کیا: ''قاضی خان'' نے فتویٰ دیا کہ دوسرے عقد کے ساتھ کوئی چیز واجب نہ ہوگی جب تک اس کے ساتھ مہر کی زیادتی کا قصد نہ کیا ہو۔ پھر اس میں اور جمہور نے جو مطلق لزوم کا قول کیا ہے اس میں تطبیق دی کہ اس کی کلام کو اس پر محمول کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نفس الامر میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی مگر زیادتی کے ارادہ سے اگرچہ حاکم کے حکم میں یہ چیز لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ حاکم لفظ کے ظاہر کی بنا پر مواخذہ کرتا ہے مگر اس صورت میں کہ خاوند ہنسی مذاق پر گواہیاں پیش کر دے۔ اور گفتگو کو طویل کیا پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

میں کہتا ہوں: ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ جب وہ پہلے مہر کی مثل کے ساتھ عقد نکاح کی تجدید کرتا ہے اور جو قول گزرا تو پہلے کو دوسرے کی طرف تبدیل کیا جائے گا اس کا مقتضا یہ ہے کہ دوسرے عقد سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی زیادتی نہیں اور دوسرے قول کے مطابق دو مہر واجب ہوں گے۔

تنبیہ

''قنیہ'' میں ہے: خاوند نے حلت کے لئے نکاح کی مہر کے ساتھ تجدید کی اگر تو اس نے مہر کی زیادتی کے لئے تجدید کی تو یہ نیا مہر لازم ہو جائے گا اگر احتیاط کے لئے تجدید کی تو پھر لازم نہیں ہوگا۔ یعنی اگر اس نے احتیاط کے لئے نکاح کی تجدید کی تو نزاع کے بغیر زیادتی لازم نہیں ہوگی جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اور چاہئے کہ اسے محمول کیا جائے اس پر جب بیوی اس کی تصدیق کرے یا خاوند گواہی پیش کرے ورنہ احتیاط کے ارادہ میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ جس طرح جمہور سے یہ مروی ہے یا اسے محمول کیا جائے کہ یہ دیانۃً مانا جائے گا۔ تمام گفتگو اس مسئلہ کے ضمن میں آئے گی جو مسئلہ مهر السر والعلانیہ میں اس باب کے آخر (مقولہ 12326 میں) میں ہے۔

11961۔ (قولہ: وَيُحْمَلُ عَلَى الزِّيَادَةِ) کیونکہ جس قدر ممکن ہو تصرف کی تصحیح واجب ہوتی ہے اور قبول کی شرط لگائی کیونکہ مہر میں زیادتی اسی کے ساتھ صحیح ہوتی ہے۔ ''فتح'' میں ''التجنیس'' سے مروی ہے۔

11962۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) ''الخانیہ'' میں جو کچھ تھا اس سے استدراک ہے۔ ''النہر'' میں اسی کو ثابت کیا ہے۔ لیکن ''الفتح'' میں اس قول کی پسندیدگی کا اظہار کیا جو ''الخانیہ'' میں ہے۔ یہی مناسب ترین ہے۔ کیونکہ جہاں بھی مہر میں زیادتی

(لَا يُنَصَّفُ) لِاخْتِصَاصِ التَّنْصِيفِ بِالْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ بِالنَّصِّ، بَلْ تَجِبُ الْمُتْعَةُ فِي الْأَوَّلِ وَنِصْفُ الْأَصْلِ فِي الثَّانِي (وَصَحَّ حَطُّهَا)

اس کی تنصیف نہ کی جائے گی کیونکہ تنصیف (نصف کرنا) یہ اس مہر کے ساتھ خاص ہے جو عقد نکاح کرتے وقت معین کیا گیا ہو یہ نص سے ثابت ہے۔ اور بیوی کا

کا جواز ثابت ہے تو اس کی کلام کو اسی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ہبہ کا قرینہ ہے جو زیادتی کے ارادہ پر دال ہے جو اس مہر پر واقع ہے جو پہلے سے لازم تھا تا کہ اس کے عوض کا قصد ہو اس کی اس امر میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے زیادتی کا ارادہ نہیں کیا۔ تامل۔

11963۔ (قولہ: لَا يُنَصَّفُ) حقوق زوجیت سے قبل طلاق کی صورت میں زیادتی کا نصف لازم نہیں ہوگا۔ لا ینصف یہ ان کے قول و ما فرض کی خبر ہے۔

11964۔ (قولہ: بِالْمَفْرُوضِ) یہ جار مجرور اختصاص کے متعلق ہے۔ فی العقد کا قول المفروض کے متعلق ہے۔
قولہ: بِالنَّصِّ، جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: 237) نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے۔ جار مجرور ''اختصاص'' کے متعلق ہے یعنی جو مہر عقد نکاح کے بعد فرض کیا گیا یا عقد نکاح کے بعد اس میں اضافہ کیا گیا یہ عقد میں معین نہیں کیا گیا۔

11965۔ (قولہ: بَلْ تَجِبُ الْمُتْعَةُ فِي الْأَوَّلِ) یعنی جو مہر عقد کے بعد معین کیا گیا کیونکہ یہ تعیین اصل میں اس کی تعیین ہے جو عقد کے ساتھ واجب ہو چکا تھا جو مہر مثل ہے اور مہر مثل کو نصف نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جو مہر مثل کے قائم مقام ہو گا اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ''نہر''۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو بعد میں معین کیا گیا اس کا نصف بھی ہوگا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے جس طرح ''شرح الملتقی'' میں ہے۔

11966۔ (قولہ: وَنِصْفُ الْأَصْلِ فِي الثَّانِي) یعنی اگر عقد کے بعد کچھ زیادتی کی تو صرف اصل کا نصف ہوگا۔ زیادتی کا نصف نہیں ہوگا۔

مہر میں کمی کرنا اور اس سے بری کرنا

11967۔ (قولہ: وَصَحَّ حَطُّهَا) حط سے مراد ساقط کرنا ہے جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔ عورت کی جانب سے کمی کرنے کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر بیوی نابالغہ ہو تو باپ کا اس کے مہر میں کمی کرنا صحیح نہیں اگر بالغ ہو تو یہ بیوی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اس میں بیوی کی رضامندی بہت ضروری ہے۔ ''الخلاصہ'' کے ہبہ کے باب میں ہے: خاوند نے بیوی کو مارنے کے ساتھ ڈرایا یہاں تک کہ عورت نے خاوند کو مہر ہبہ کر دیا اگر تو خاوند مارنے پر قادر تھا تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا''۔ یعنی اگر دونوں میں اختلاف ہو گیا تو قول اس کا ہوگا جو اکراہ کا مدعی ہوگا۔ اگر دونوں نے گواہیاں پیش کر دیں تو جس نے خوشی اور رضامندی پر

لِكُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ (عَنْهُ) قَبِلَ أَوْ لَا، وَيَرْتَدُّ بِالرَّدِّ كَمَا فِي الْبَحْرِ (وَالْخَلْوَةُ) مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ قَوْلُهُ الْآتِي كَالْوَطْءِ (بِلَا مَانِعٍ حِسِّيٍّ) كَمَرَضٍ لِأَحَدِهِمَا يَمْنَعُ الْوَطْءَ
تمام مہر یا اس کا کچھ حصہ خاوند سے ساقط کرنا صحیح ہے خاوند اسے قبول کرے یا قبول نہ کرے اور رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ الخلوۃ کا لفظ مبتدا ہے اور اس کی خبر آنے والا قول کالوطء ہے جبکہ یہ خلوت، حسی مانع کے بغیر ہے۔ جس طرح ان دونوں میں سے کسی کو کوئی مرض لاحق ہو جو وطی سے مانع ہو

گواہیاں پیش کیں تو اس کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی ''قنیہ''۔ اور یہ عورت مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ اگر خاوند نے عورت کے ورثا کے ساتھ اختلاف کیا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا کہ یہ ہبہ صحت کی حالت میں ہوا تھا۔ کیونکہ مہر کے اس وقت اپنے اوپر لازم ہونے کا انکار کر رہا ہے۔ ''خلاصہ''۔ اگر عورت نے اسے مہر اپنی مرضی سے ہبہ کیا تھا تو مرد عورت سے بھی پہلے مر گیا تو عورت کو مہر کے دعویٰ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ بلکہ عورت کے فوت ہونے کے بعد عورت کے ورثا کو دعویٰ کا حق ہوگا۔ اس کے بارے میں مسائل ''البحر'' میں موجود ہیں۔

11968۔ (قولہ: لِكُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ) ''البدائع'' میں اس کی یہ قید ذکر کی ہے کہ جب مہر دین ہو یعنی دراہم یا دنانیر ہوں۔ کیونکہ اعیان میں کمی کرنا صحیح نہیں ''بحر''۔ عدم صحتہ کا معنی یہ ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ خاوند سے وہ وصول کرے جب تک وہ مہر اسی طرح موجود ہے۔ اگر مہر خاوند کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو خاوند کے ذمہ سے مہر ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: میں نے تجھے اس غلام سے بری کر دیا تو غلام خاوند کے پاس ودیعت رہے گا ''نہر''۔

11969۔ (قولہ: وَيَرْتَدُّ بِالرَّدِّ) جس طرح وہ دین کو ہبہ کرے جس پر وہ دین لازم تھا۔ اسے ''انفع المسائل'' میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور کہا: ''میں نے اسے نہیں دیکھا۔ اور ''البحر'' میں اس کے حق میں اس قول سے استدلال کیا ہے جو ''القنیہ'' کے باب ''مداینات'' میں ہے: عورت نے اپنے خاوند سے کہا: ''میں نے تجھے بری کر دیا ہے اور مرد نے یہ نہ کہا: میں نے اسے قبول کیا ہے یا وہ اس وقت وہاں سے غائب تھا تو عورت نے کہا: میں نے خاوند کو اس سے بری کر دیا ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ مگر جب وہ اسے رد کر دے۔

''النہر'' میں کہا: اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہاں مدعیٰ کی کو رد کرنا ہے گویا انہوں نے خیال کیا کہ مہر میں کمی کرنا بھی معنا بری کرنا ہے۔

خلوت کے احکام

11970۔ (قولہ: كَمَرَضٍ لِأَحَدِهِمَا يَمْنَعُ الْوَطْءَ) یعنی ایسا مرض لاحق ہو جو وطی سے مانع ہو یا وطی کی وجہ سے مرد کو ضرر لاحق ہوتا ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تفصیل اس عورت کی مرض کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مرد کی مرض کا تعلق ہے تو وہ مطلقاً مانع ہے کیونکہ مرد کا مرض عموماً سستی اور شکستگی سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ قول صحیح ہے۔ ''الفتح''، ''البحر''

(وَطَبْعِيٌّ) كَوُجُودِ ثَالِثٍ عَاقِلٍ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ، وَجَعَلَهُ فِي الْأَسْرَارِ مِنْ الْحِسِّيِّ، وَعَلَيْهِ فَلَيْسَ لِلطَّبْعِيِّ مِثَالٌ مُسْتَقِلٌّ (وَشَرْعِيٌّ) كَإِحْرَامٍ لِفَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ

یا مانع طبعی ہو جس طرح وہاں ایک ایسا تیسرا فرد ہو جو عقلمند ہو۔ ''ابن کمال'' نے اسے ذکر کیا ہے اور ''الاسرار'' میں اسے حسی قرار دیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر طبعی کی کوئی مستقل مثال نہ ہوگی اور مانع شرعی جس طرح فرض یا نفل کا احرام۔

اور ''النہر'' میں یہی ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر سستی اور شکستگی خاوند کی جانب سے وطی سے مانع ہے اور اس کے لئے مضر ہے تو خاوند بھی منع اور ضرر کی شرط میں عورت کی طرح ہے۔ ورنہ وہ صحیح کی طرح ہے تو مرد کی مرض کا خلوت کے صحیح ہونے میں مانع ہونے کی وجہ کیا ہے؟ مگر یہ کہا جائے: مراد یہ ہے کہ مرد کی مرض عادت کے مطابق وطی کے مانع ہوتی ہے تو اس میں تفصیل ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عورت کی مرض کا معاملہ مختلف ہے۔ فتامل۔

خلوت کا وطی کے قائم مقام ہونے کی شرائط

11971۔ (قولہ: وَجَعَلَهُ فِي الْأَسْرَارِ مِنْ الْحِسِّيِّ) میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں اسے خلوت کے متحقق ہونے میں مانع بنایا ہے۔ کیونکہ ذکر کیا ''خلوت کے وطی کے قائم مقام ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں: خلوۃ حقیقیہ، حسی، طبعی اور شرعی مانع کا نہ ہونا۔ پہلی شرط اس لئے ہے تا کہ اس امر سے احتراز ہو کہ وہاں کوئی تیسرا آدمی ہے تو وہ خلوت نہ ہوگی۔ اور ایسی جگہ سے احتراز ہے کہ جو خلوت کے لئے صحیح نہ ہو جس طرح مسجد، عام راستہ اور حمام۔ پھر ''الاسرار'' سے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں مانع حسی سے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مانع حسی وہ ہوگا جو اصل سے مانع ہو یا اس کے تحقق کے بعد اس کی صحت کے مانع ہو جس طرح مرض۔ فافہم۔

وہ چیزیں جو خلوت صحیحہ کے مانع ہیں

11972۔ (قولہ: فَلَيْسَ لِلطَّبْعِيِّ مِثَالٌ مُسْتَقِلٌّ) کیونکہ علما نے مانع طبعی کی مثال اس سے دی ہے کہ کوئی تیسرا فرد پایا جائے اور حیض یا نفاس۔ جبکہ پہلا شرعی طور پر منہی ہے اور طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے یہ مانع حسی، طبعی اور شرعی ہے دوسرا طبعی شرعی ہے اور عنقریب (مقولہ 11984 میں) امام ''سرخسی'' سے منقول آئے گا: ان دونوں میں سے ایک کی بیٹی مانع ہوگی۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ خاوند اس کی موجودگی میں طبعی طور پر وطی سے رک جاتا ہے مگر شرعی طور پر اس میں کوئی حرج نہیں۔ پس یہ طبعی مانع ہے شرعی مانع نہیں لیکن یہ بھی حسی ہے۔ فافہم۔

11973۔ (قولہ: كَإِحْرَامٍ لِفَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ) یعنی حج کا احرام ہو یا عمرہ کا، وقوف عرفہ سے قبل اور اس کے بعد مگر طواف زیارت سے پہلے۔ اور نفل کے احرام کو مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس یہ اسے عام ہوگا جب وہ خاوند کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو۔ علما نے اسے بیان کیا ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کا احرام کھلوا دے جب نفلی حج کا احرام

(وَ) مِنَ الْحِسِّيِّ (رَتَقٌ) بِفَتْحَتَيْنِ التَّلَاحُمُ (وَقَرْنٌ) بِالسُّكُونِ عَظْمٌ (وَعَفَلٌ) بِفَتْحَتَيْنِ غُدَّةٌ (وَصِغَرٌ) وَلَوْ بِزَوْجٍ (لَا يُطَاقُ مَعَهُ الْجِمَاعُ

اور حسی مانع میں سے رتق ہے۔ یہ لفظ پہلے دونوں حروف کے فتحہ کے ساتھ ہے جس سے مراد ہے شرمگاہ کا بند ہو جانا کہ دخول ممکن نہ ہو۔ اور قرن یہ را کے سکون کے ساتھ ہے ہڈی اور عفل اس کے پہلے دونوں حروف مفتوح ہیں یعنی غدہ اور صغرسنی اگرچہ خاوند کی جانب سے اس کی موجودگی میں وہ حقوق زوجیت ادا نہ کر سکے۔

اس کی اجازت کے بغیر ہو''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ آخری تعمیم غیر مراد ہے کیونکہ علت حرمت ہے جو مفقود ہے۔

11974۔(قولہ: وَ مِنَ الْحِسِّيِّ الخ) جب عطف کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ رتق اور جو اس پر معطوف ہے وہ موانع ثلاثہ سے خارج ہے حالانکہ یہ حسی مانع ہے تو شارح نے اس کو مقدر کیا''ط''۔

11975۔(قولہ: بِالسُّكُونِ)''خیر رملی'' نے''قاضی زکریا'' کی''شرح الروض'' سے نقل کیا ہے کہ قرن را کے فتحہ کے ساتھ اسی کو ساکن کرنے سے راجح ہے۔

11976۔(قولہ: عَظْمٌ)''البحر'' میں''المغرب'' سے یہ منقول ہے کہ قرن فرج میں ایسا مانع ہے جو اس میں مرد کے آلہ تناسل کے داخل ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ یا تو بڑا غدہ ہوتا ہے یا گوشت یا ہڈی۔ امراۃ رتقاء اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ قرن اور رتق آپس میں مترادف ہیں۔

11977۔(قولہ: وَعَفَلٌ) یہ لفظ عین مہملہ اور فا کے ساتھ ہے قولہ غدۃ غین معجمہ کے ساتھ ہے یعنی شرمگاہ کے باہر غدہ ہو۔''قاموس'' میں ہے:''یہ اس لئے ہے جو عورت کے قبل سے نکلتی ہے یہ ادرہ (خصیہ کا پھول جانا) کے مشابہ ہوتی ہے جو مردوں کے لئے ہوتا ہے۔

11978۔(قولہ: وَلَوْ بِزَوْجٍ) با مصاحبہ کے لئے ہوتی ہے یعنی اگرچہ صغرسنی خاوند کی مصاحب ہو یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ خاوند یا بیوی یا ان دونوں میں سے ہر ایک چھوٹا ہو''ح''۔

''البحر'' میں کہا: نابالغ جو حقوق زوجیت پر قادر نہیں ہوتا اس کی خلوت میں دو قول ہوتے ہیں۔''قاضی خان'' نے اس کے صحیح نہ ہونے کا قول کیا ہے۔ پس یہی قابل اعتماد ہے۔ اسی وجہ سے''ذخیرہ'' میں''مراہق'' کی قید لگائی ہے۔

عدت اس کی خلوت کے ساتھ واجب ہو جائے گی اگرچہ خلوت فاسدہ ہو۔ کیونکہ علما کا اس کی تصریح کرنا کہ عدت خلوت فاسدہ کے ساتھ واجب ہو جاتی ہے یہ بچے کی خلوت کو بھی شامل ہے۔ اسی طرح''البحر'' میں عدت کے باب میں ہے۔

11979۔(قولہ: لَا يُطَاقُ مَعَهُ الْجِمَاعُ) بالغ ہونے کے ساتھ طاقت ہونے کو مقدر کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نو سال کا ہو جائے۔ اولیٰ یہ ہے کہ کوئی حد معین نہ کی جائے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11978 میں) بیان کر چکے ہیں۔ اگر خاوند نے کہا: وہ عورت اس کی طاقت رکھتی ہے اور حقوق زوجیت کا ارادہ کیا اور باپ نے اس کا انکار کر دیا تو قاضی

(وَ) بِلَا (وُجُودِ ثَالِثٍ مَعَهُمَا) وَلَوْ نَائِمًا أَوْ أَعْمَى (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الثَّالِثُ (صَغِيرًا لَا يَعْقِلُ) بِأَنْ لَا يُعَبِّرَ عَمَّا يَكُونُ بَيْنَهُمَا (أَوْ مَجْنُونًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ) لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ إِنْ فِي اللَّيْلِ صَحَّتْ لَا فِي النَّهَارِ، وَكَذَا الْأَعْمَى فِي الْأَصَحِّ (أَوْ جَارِيَةَ أَحَدِهِمَا)

اور اسی طرح تیسرے آدمی کی موجودگی کی وجہ سے وہ جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اگر چہ وہ سویا ہوا ہو یا اندھا ہو مگر جب تیسرا چھوٹا ہو جو عقل نہ رکھتا ہو کہ وہ اس عمل کی تعبیر نہ کر سکتا ہو جو ان کے درمیان ہے یا مجنون ہو یا اس پر غشی طاری ہو لیکن ''بزازیہ'' میں ہے: اگر رات میں یہ صورتحال ہو تو یہ صحیح ہے دن کے وقت صحیح نہیں۔ اسی طرح صحیح ترین قول کے مطابق نابینا ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی لونڈی ہو

اسے عورتوں کو دکھائے گا اور عمر کا اعتبار نہیں کرے گا۔ جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے، ''بحر''۔

11980۔ (قولہ: وَ بِلَا وُجُودِ ثَالِثٍ) بلا کے قول کے ساتھ تقدیر ذکر کی ہے تا کہ اس کا عطف بلا مانع حسی پر ہو۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ صرف طبعی ہے لیکن اس میں جو کچھ ضعف ہے تو جان چکا ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے کہا: ''جو پہلے گزر چکا ہے اس کے ساتھ یہ متکرر نہیں کیونکہ یہ شارح کی جانب سے تمثیل ہے اور یہ مصنف کی جانب سے تقیید ہے۔

11981۔ (قولہ: وَلَوْ نَائِمًا أَوْ أَعْمَى) کیونکہ نابینا حس رکھتا ہے اور سونے والا جاگ سکتا ہے اور وہ بناوٹی طور پر بھی سو سکتا ہے۔ ''فتح''۔ اس میں دوسری بیوی بھی داخل ہے۔ یہی مذہب ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ اس کی سوکن کی موجودگی میں اس کے ساتھ وطی کرنا مکروہ ہے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''البزازیہ'' کے الحظر و الاباحۃ کے باب میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی سونے والوں کی موجودگی میں اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے جماع کرے جب وہ اسے نہ جانتے ہوں۔ اگر وہ اسے جانتے ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ جب نیند متحقق ہو تو خلوت صحیح ہو جاتی ہے۔ تامل۔

''البحر'' میں ہے: ''المبتغی'' میں نابینا کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے۔ اگر نابینا خاوند کی حالت پر آگاہ نہ ہو تو یہ خلوت صحیح ہو گی اگر وہ بہرہ ہو۔ اگر دن ہو تو خلوت صحیح نہ ہو گی اگر رات ہو تو خلوت صحیح ہو گی۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اصم سے مراد اعمی کے علاوہ ہے اگر وہ نابینا بھی ہو تو اس کے حق میں دن اور رات میں کوئی فرق نہیں۔ تامل۔

11982۔ (قولہ: أَوْ مَجْنُونًا أَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مانع ہوں گے، ''فتح''۔

میں کہتا ہوں: میرے نزدیک مجنون میں منع ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ کاٹنے والے کتے سے زیادہ قوی حالت میں ہوتا ہے۔ ''تامل''۔

11983۔ (قولہ: وَ كَذَا الْأَعْمَى) اس میں جو بحث ہے وہ تو جان چکا ہے کہ اس کے حق میں رات اور دن میں کوئی فرق نہیں۔

فَلَا تَمْنَعُ بِهِ يُفْتَى مُبْتَغًى(وَالْكَلْبُ يَمْنَعُ إِنْ) كَانَ (عَقُورًا) مُطْلَقًا وَفِي الْفَتْحِ وَعِنْدِي أَنَّ كَلْبَهُ لَا يَمْنَعُ مُطْلَقًا(أَوْ) كَانَ (لِلزَّوْجَةِ وَإِلَّا) يَكُنْ عَقُورًا
تو یہ مانع نہ ہوگی اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔''مبتغی''۔ اور کاٹنے والا کتا مطلقاً مانع ہے۔ اور''الفتح'' میں ہے: اور میرے نزدیک یہ ہے کہ مرد کا کتا مطلقاً مانع نہیں۔ یا وہ بیوی کا ہو اگر وہ کاٹنے والا نہ ہو

11984۔(قولہ: بِهِ يُفْتَى)''البحر'' میں''الخلاصہ'' سے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ یہ قول مختار ہے۔ پھر کہا: امام''سرخسی'' نے''المبسوط'' میں اس پر یقین کا اظہار کیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مانع ہے۔ یہ امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ کیونکہ خاوند طبعاً اپنی لونڈی کے سامنے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا۔ یعنی اسی طرح اپنی بیوی کی لونڈی کے سامنے بھی بدرجہ اولیٰ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ بیوی کی لونڈی مرد کی اجنبیہ ہے۔ وہ مرد کے لئے حلال نہیں۔

میں کہتا ہوں: امام''قاضی خان'' نے''شرح الجامع'' میں اس کو جزم سے بیان کیا ہے۔ اور''البدائع'' میں ہے: اگر تیسرا فرد خاوند کی لونڈی ہو تو یہ روایت آ گئی ہے کہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ پہلے کہا کرتے تھے: خاوند کی خلوت صحیح ہے۔ پھر انہوں نے رجوع کر لیا۔ اور کہا: یہ رجوع صحیح نہیں۔

شاید پہلے قول کی وجہ یہ ہو جس کی علما نے تصریح بیان کی ہے کہ لونڈی کے دیکھتے ہوئے اپنی منکوحہ سے وطی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے برعکس صحیح نہیں۔ لیکن یہ اس کی اپنی لونڈی میں ظاہر ہے بیوی کی لونڈی کے بارے میں ظاہر نہیں۔ کیونکہ شرعاً بأس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ طبع سلیم اس سے نفرت نہیں کرتی۔ کیونکہ جس طرح گزر چکا ہے ہمارے تینوں ائمہ سے یہی منقول ہے۔ نیز''فتاوی ہندیہ'' میں''الذخیرہ''،''المحیط'' اور''الخانیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے عدول کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ درایت اور روایت کے موافق ہے۔ اسی وجہ سے''رحمتی'' نے کہا: تعجب کی بات ہے اسے مفتی بہ مذہب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جو امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے خلاف ہو جبکہ اس کی معنوی توجیہ بھی نہ ہو۔

کیا کتا خلوت صحیحہ کے مانع ہے؟

11985۔(قولہ: إِنْ كَانَ عَقُورًا مُطْلَقًا) خواہ وہ کتا مرد کا ہو یا عورت کا ہو۔

11986۔(قولہ: لَا يَمْنَعُ مُطْلَقًا) یعنی وہ کاٹنے والا ہو یا نہ ہو۔ اور''الفتح'' میں اسی کی علت یہ بیان کی ہے: کیونکہ کتا کبھی بھی اپنے مالک پر حملہ نہیں کرتا اور اس پر بھی حملہ نہیں کرتا جس سے اس کا مالک اسے روکے۔

جب خاوند کا کتا اسے اوپر دیکھے گا تو اس کا مالک عورت پر غالب صورت میں ہوگا تو وہ اس پر حملہ نہیں کرے گا یہی صورت حال ہوگی اگر خاوند عورت کو حکم دے کہ وہ اس کے اوپر آ جائے اگرچہ وہ غلبہ کی صورت میں ہے اور یہی ممکن ہے کہ کتا عورت پر حملہ کر دے لیکن اس کا آقا کتے کو عورت پر حملہ کرنے سے روک دے گا تو خلوت صحیح ہو جائے گی۔ فافہم۔

11987۔(قولہ: أَوْ كَانَ لِلزَّوْجَةِ) یا وہ کاٹنے والا نہ ہو اور کتا بیوی کا ہو تو یہ مانع ہوگا۔ لیکن''فتح'' میں جس کے

وَكَانَ لَهُ (لَا) يَمْنَعُ وَبَقِيَ مِنْهُ عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْمَكَانِ كَمَسْجِدٍ وَطَرِيقٍ

اور خاوند کا ہو تو وہ خلوت کے مانع نہیں اس میں سے مکان کا وطی کی صلاحیت نہ رکھنے کا معاملہ باقی رہ گیا ہے۔ جس طرح مسجد، راستہ،

ساتھ علت بیان کی ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ مرد اور بیوی کے کتے میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ بیوی کا کتا (اگرچہ اس نے اپنی مالکہ کو خاوند کے نیچے دیکھا ہے) ممکن ہے وہ عورت کتے کو خاوند پر حملہ کرنے سے روک دے تو کتا اس پر حملہ نہیں کرے گا پس خلوت صحیح ہو گی۔ تامل

11988۔(قولہ: وَكَانَ لَهُ) یہ واؤ کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں یہ قول او کے ساتھ ہے یہ تحریف ہے۔"ح"۔ کیونکہ صورتیں چار ہیں: کتا کاٹنے والا ہو مرد کا ہو یا عورت کا، کاٹنے والا نہ ہو اسی طرح یعنی مرد کا ہو گا یا عورت کا۔ پہلے یہ ذکر کیا کہ مانع تین صورتیں ہیں۔ مطلقاً کاٹنے والا۔ نہ کاٹنے والا جبکہ وہ عورت کا ہو۔ غیر مانع باقی رہ گیا وہ چوتھی صورت ہے وہ کاٹنے والا نہ ہو اور خاوند کا ہو۔

11989۔(قولہ: وَبَقِيَ الخ) مانع شرعی سے یہ چیز باقی ہے کہ خاوند عورت کی طلاق کو عورت کی خلوت کے ساتھ معلق کر دے۔ جب مرد اس کے ساتھ خلوت کرے گا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ تو پس وطی کے حرام ہونے کی وجہ سے نصف مہر واجب ہو گا۔"بحر عن الواقعات"۔ کہا:"البزازیہ" اور "الخلاصہ" میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ اس طلاق میں عدت واجب نہیں ہو گی۔ کیونکہ وطی ممکن نہیں۔ اور صحیح قول کے مطابق خلوت فاسدہ میں عدت کا وجوب عنقریب آئے گا یہاں عدت بطور احتیاط واجب ہو گی۔

شارح آنے والے صفحہ میں اسی رائے پر چلے ہیں جو "البزازیہ" میں ہے۔ تمام گفتگو اسی میں آئے گی۔ اور نیز اس قول ولو افترقا کے ضمن میں بھی آئے گی کہ خلوت میں عورت کا اپنے اوپر قدرت سے رکنا یہ خلوت کی صحت کے مانع ہے اگر عورت ثیبہ ہو اگر باکرہ ہو تو مانع نہ ہو گی۔

وہ جگہیں جو خلوت صحیحہ کے مانع ہیں

11990۔(قولہ: عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْمَكَانِ) یعنی مکان خلوت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور مکان کے صلاحیت رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں غیر کا ان پر مطلع ہونے سے امن ہو۔ جس طرح گھر، کمرہ اگرچہ اس کی چھت نہ بھی ہو۔ اسی طرح ایسی جگہ جس پر خیمہ لگایا گیا ہو اور ایسا باغ جس کا دروازہ بند ہو۔ جس کا دروازہ نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ وہاں کوئی بھی نہ ہو۔ "بحر"۔ اگر وہ سرائے کے کمرے میں ہوں جہاں لوگ رہتے ہیں تو دروازے کو پھیر دیا گیا اور اسے بند نہ کیا گیا جبکہ لوگ اس کے درمیان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لوگ ان کو دیکھنے کی تاڑ میں نہیں تو خلوت صحیح ہو گی۔ اگر لوگ اس کی تاڑ میں ہوں تو پھر نہیں، "فتح"۔

11991۔(قولہ: كَمَسْجِدٍ وَطَرِيقٍ) کیونکہ مسجد لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو کسی لمحہ بھی کسی کے داخل ہونے

وَحَمَّامٍ وَصَحْرَاءَ وَسَطْحٍ وَبَيْتٍ بَابُهُ مَفْتُوحٌ، وَمَا إِذَا لَمْ يَعْرِفْهَا (وَصَوْمُ التَّطَوُّعِ وَالْمَنْذُورِ وَالْكَفَّارَاتِ وَالْقَضَاءِ غَيْرُ مَانِعٍ لِصِحَّتِهَا)

حمام، صحرا، چھت اور ایسا کمرہ جس کا دروازہ کھلا ہو۔ اور جب خاوند عورت کو نہ پہچانے۔ نفلی، کفارہ اور قضا کا روزہ خلوت کے صحیح ہونے کے مانع نہیں۔

سے وہ امن میں نہیں ہے۔ اسی طرح مسجد میں وطی کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ (البقرہ: 187) اور نہ کرو مباشرت ان سے جب کہ تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں۔ راستہ عادت میں عام لوگوں کی گزرگاہ ہے۔ اس وجہ سے یہ طبیعت میں انقباض کو واجب کرتا ہے پس یہ وطی کے مانع ہوگا۔ ''بدائع''۔

میں کہتا ہوں: وکذا الوطء فیہ حمام سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ مانع ہے اگر چہ وہ خالی ہو اور اس کا دروازہ بند ہو۔ ''فتأمل''۔ ''فتح'' میں ہے: اگر خاوند نے عورت کے ساتھ سفر کیا اور بڑے راستہ سے ایک ایسی جگہ کی طرف ہو گئے جو خالی تھی تو یہ خلوت صحیح ہوگی۔

11992۔ (قولہ: وَحَمَّامٍ) یعنی اس کا دروازہ کھلا ہوا ہو۔ اگر وہ دونوں پر بند ہو تو خلوت کے صحیح ہونے سے کوئی مانع نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فافہم۔

11993۔ (قولہ: وَسَطْحٍ) چھت پر جس کی اطراف میں کوئی پردہ نہ ہو۔ اسی طرح صورت ہوگی جب پردہ باریک یا چھوٹا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کھڑا ہو تو ان دونوں پر مطلع ہو جائے۔ ''فتح''۔ اس میں ہے: مسجد اور حمام میں یہ صحیح نہیں۔ ''شداد'' نے کہا: اگر سخت تاریکی ہو تو یہ صحیح ہے کیونکہ تاریکی پردہ کی طرح ہے۔ ''شداد'' کے قول پر قیاس کی بنا پر یہ اس سطح پر صحیح ہوگی جس کا کوئی پردہ نہ ہو جب تاریکی شدید ہو۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ خلوت صحیح نہ ہو کیونکہ مانع احساس ہے۔ اور یہ دیکھنے کے ساتھ خاص نہیں کیا تم نابینا کی موجودگی کو خلوت کے مانع خیال نہیں کرتے جبکہ وہاں دیکھنے کی کوئی حس نہیں۔

میں کہتا ہوں: احساس اس وقت ممکن ہے جب ان دونوں کے ساتھ سطح پر کوئی اور بھی ہو اگر دونوں وہاں اکیلے ہوں اور کسی کے اوپر آنے سے امن ہو تو دیکھنے کے سوا کوئی احساس باقی نہیں اور سخت تاریکی اس سے مانع ہے جس طرح امر مخفی نہیں۔ ''تامل''

11994۔ (قولہ: وَبَيْتٍ بَابُهُ مَفْتُوحٌ) یعنی اگر کوئی انسان دیکھے تو انہیں دیکھ لے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ''مجموع النوازل'' میں ہے: اگر ان کے پاس کوئی داخل نہ ہوتا ہو مگر اجازت کے ساتھ تو یہ خلوت صحیح ہوگی۔ ''ذخیرہ'' میں اسے اختیار کیا ہے کہ یہ مانع ہے۔ یہی ظاہر ہے ''البحر''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے کا امکان مانع ہے یہ اندر داخل ہونے پر موقوف نہیں۔ اذن اور عدم اذن میں کوئی فائدہ نہیں۔

11995۔ (قولہ: وَمَا إِذَا لَمْ يَعْرِفْهَا) کیونکہ قدرت معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ جب وہ اسے نہ پہچانتا ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب وہ مرد اسے پہچانتا ہو تو وہ وطی پر قدرت رکھتا ہے جبکہ عورت اسے نہ پہچانتی ہو۔ اس

فِی الْأَصَحِّ، إِذْ لَا كَفَّارَةَ بِالْإِفْسَادِ وَمَفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَكَلَ نَاسِيًا فَأَمْسَكَ فَخَلَا بِهَا أَنْ تَصِحَّ وَكَذَا كُلُّ مَا أَسْقَطَ الْكَفَّارَةَ نَهْرٌ (بَلْ الْمَانِعُ صَوْمُ رَمَضَانَ) أَدَاءً

صحیح ترین قول یہ ہے کہ ان روزوں کو فاسد کرنے کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہیں آتا۔ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر اس نے بھول کر کھانا کھالیا پھر رک گیا اور عورت کے ساتھ خلوت کی تو خلوت صحیح ہوگی۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو کفارہ کو ساقط کردے ''نہر''۔ بلکہ مانع، رمضان کا روزہ ہے جب ادا کی صورت میں ہو۔

کے برعکس کی صورتحال کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مرد پر یہ حرام ہے۔ ''البحر'' میں یہ اسی طرح ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: جب عورت خاوند کو نہ پہچانتی ہو تو عورت پر حرام ہے کہ وہ مرد کو اپنے اوپر قدرت دے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ عورت مرد کو وطی پر قدرت سے منع کرے گی۔ یہ اس پر مبنی ہے چاہیے یہ کہ یہ مانع ہو۔ فتامل، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ مانع ایسا ہے جس کا ازالہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت کو بتائے کہ وہ اس کا خاوند ہے۔ جب کوتاہی مرد کی جانب سے واقع ہوئی تو خلوت کی صحت کا حکم لگا دیا جائے گا تو مہر لازم ہو جائے گا، ''ط''۔

نفلی روزہ خلوت صحیحہ کے مانع نہیں جب کہ فرض روزہ مانع ہے

11996۔ (قولہ: فِی الْأَصَحِّ) یعنی دونوں روایتوں میں سے یہ صحیح ترین ہے۔ لیکن ''ہدایہ'' کے شارحین نے تصریح کی ہے: نفلی روزہ میں منع کی روایت شاذ ہے۔ ''الخانیہ'' کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے: قضا، کفارات اور نذر کے روزوں میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ خلوت کے مانع نہیں اور نفلی روزہ ظاہر روایت کے مطابق خلوت کے مانع نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مانع ہے۔ ''الکنز'' کا قول ہے: فرض روزوں میں قضا، کفارہ اور نذر کا روزہ بھی داخل ہے۔ یہ ان کی طرف سے نفلی روزہ کے علاوہ منع کی روایت کو اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ اس میں عذر کے بغیر افطار ایک روایت میں جائز ہے۔ اور ''خانیہ'' کی اصح کے ساتھ تعبیر اس کی تائید کرتا ہے جو ''الکنز'' میں ہے۔ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کا مقابل صحیح ہے۔ ''ہدایہ'' کا قول بھی اسی طرح ہے۔ قضا اور کفارہ کا روزہ ایک روایت میں نفلی روزہ کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دونوں روزوں کے بارے میں یہ روایت کہ یہ روزہ رمضان کے روزہ کی طرح ہے۔ یہ روایت اقوی ہے۔ ''البحر'' میں جو بحث کی ہے اس کے ساتھ ایک تائید حاصل ہو جاتی ہے۔ مناسب ہے کہ فرض روزہ اگرچہ نذر مانا ہوا ہو تو وہ بالاتفاق مانع ہوگا۔ کیونکہ اس کا توڑنا حرام ہے اگرچہ اس میں اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ یہ شرعی مانع ہے''۔

11997۔ (قولہ: أَنْ تَصِحَّ) یعنی خلوت صحیح ہو۔ کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امام مالک کے اختلاف کی وجہ سے شبہ لاحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کی رائے ہے کہ بھول کر کھانا کھانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوتا، ''ط''۔

11998۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ مَا أَسْقَطَ الْكَفَّارَةَ) ہر وہ عمل جو کفارہ کو ساقط کردے جیسے بھول کر کوئی چیز پینا اور

وَصَلَاةُ الْفَرْضِ فَقَطْ (كَالْوَطْءِ) فِيمَا يَجِيءُ (وَلَوْ) كَانَ الزَّوْجُ (مَجْبُوبًا أَوْ عِنِّينًا
اور صرف فرض نماز مانع ہے۔ مذکورہ مانع نہ ہونے کی صورت میں خلوت وطی کی طرح ہے ان احکام میں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اگر خاوند کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو وہ عنین ہو

بھول کر جماع کرنا۔ دن کے وقت نیت کرنا اور نفلی روزہ کی نیت کرنا،''ط''۔

نماز کے خلوت صحیحہ کے مانع ہونے یا نہ ہونے میں فقہا کے اقوال

11999۔(قولہ: وَصَلَاةُ الْفَرْضِ فَقَطْ)''ہدایہ''میں ہے: نماز روزہ کے قائم مقام ہے۔ نماز کا فرض روزے کے فرض اور اس کا نفل روزہ کے نفل کی طرح ہے۔''البحر''میں کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ بغیر عذر کے نماز کو فاسد کرنا حرام ہے۔ وہ فرض ہو یا نفل ہو۔ تو چاہئے کہ مطلق نماز سب سے مانع ہو۔ جبکہ ساتھ ہی علما نے کہا: واجب نماز مانع نہیں جس طرح نفلی نماز جبکہ اس کے ترک کرنے سے وہ گناہگار ہوگا۔''المحیط''میں جو کچھ ہے وہ اس سے زیادہ عجیب وغریب ہے: نفلی نماز مانع نہیں مگر ظہر سے پہلی چار رکعتیں۔ کیونکہ یہ سنت موکدہ ہیں اس جیسے عذر کے ساتھ ان کا ترک کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سنن موکدہ میں فرق نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور واجب نماز تو بدرجہ اولی مانع ہوگی۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے کہ علما نے حج کے احرام میں کوئی فرق نہیں کیا خواہ وہ فرض ہو یا نفل ہو۔ کیونکہ دونوں قضا اور دم کے لازم ہونے میں شریک ہیں۔ اور علما نے روزے اور نماز میں فرق کیا ہے۔ جہاں تک روزے کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے کیونکہ فرض روزے میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔ نفل اور جو اس سے لاحق ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ روزہ توڑنے میں ضرر تھوڑا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں صرف قضا لازم آتی ہے کوئی اور چیز لازم نہیں آتی جس طرح''الجوہرۃ'' میں ہے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو ان دونوں کے درمیان فرق مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے فرض میں گناہ اور قضا کے لزوم کے سوا کوئی زائد ضرر نہیں یہ اس کے نفل اور واجب دونوں میں موجود ہے۔ ہاں فرض میں گناہ بڑھ کر ہے اور خلوت کی صحت کے منع میں اس پر انحصار اس میں خفا ہے۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ رمضان کی قضا اور کفارہ لازم نہ آتا جس طرح نفل میں ہے۔ شاید ''الکنز'' کے اختیار کی وجہ ہو کہ فرض روزے کو انہوں نے مطلق ذکر کیا ہے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11996 میں) بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح نماز اس کا فرض اور نفل، فرض روزے کی طرح ہونا چاہیے بخلاف نفل روزے کے کیوں کہ اس کا افطار ایک روایت میں عذر کے بغیر جائز ہے۔ اور نفلی نماز کا قطع کرنا عذر کے بغیر جائز نہیں۔ یہ تمام روایات میں ہے۔ پس یہ اس کے فرض کی طرح ہوگا۔ ممکن ہے مجتہد کے ہاں دونوں میں ایسا فرق واقع ہوا ہو جو ہمارے لئے ظاہر نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اعلم

12000۔(قولہ: فِيمَا يَجِيءُ) یعنی آنے والے احکام میں،''ط''۔

12001۔(قولہ: وَلَوْ مَجْبُوبًا) یعنی اس کا ذکر اور خصیتین کٹے ہوئے ہوں۔ یہ لفظ الجب سے مشتق ہے جس کا معنی قطع کرنا ہے۔''الغایہ''میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ خصیتین کا قطع ہونا یہ مجبوب میں شرط نہیں۔ اسی وجہ سے''اسبیجابی''نے قطع الذکر

أَوْ خَصِيًّا) أَوْ خُنْثَى إِنْ ظَهَرَ حَالُهُ وَإِلَّا فَنِكَاحُهُ مَوْقُوفٌ، وَمَا فِي الْبَحْرِ وَالْأَشْبَاهِ لَيْسَ عَلَى ظَاهِرِهِ كَمَا بَسَطَهُ فِي النَّهْرِ وَفِيهِ عَنْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ

یا خصی ہو یا خنثیٰ ہو اگر اس کا حال ظاہر ہو بصورت دیگر اس کا نکاح موقوف ہوگا۔ اور ''البحر'' اور ''الاشباہ'' میں جو کچھ ہے اپنے ظاہر معنی پر نہیں۔ ''نہر'' اور اس میں ''شرح الوہبانیہ'' سے منقول ہے

پر اقتصار کیا ہے۔ ''ح'' عن ''النہر''۔

12002۔ (قولہ: أَوْ خَصِيًّا) خصیا یہ خا معجمہ کے ساتھ ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کے خصیتین کو نکال دیا گیا ہو اور اس کا آلہ تناسل باقی ہو، ''ح''۔

12003۔ (قولہ: إِنْ ظَهَرَ حَالُهُ) اگر خلوت سے پہلے یہ امر ظاہر ہو کہ خاوند خنثیٰ مرد ہے۔ اور یہ ظاہر ہوا کہ اس کا نکاح صحیح ہے اس وقت اس کی وطی جائز ہوگی تو خلوت وطی کی طرح ہوگی۔ اگر یہ ظاہر نہ ہو تو نکاح موقوف ہوگا یہ وطی کو مباح نہیں کرے گا تو اس کی خلوت وطی کی طرح نہ ہوگی۔ فافہم۔

12004۔ (قولہ: وَمَا فِي الْبَحْرِ) اس میں خلوت کی صحت کو مطلق ذکر کیا ہے اور مرد کے حال کے ظاہر ہونے کی قید ذکر نہیں کی۔ اور ''الاشباہ'' میں جو کچھ ہے عنقریب تو اسے (آنے والے مقولہ میں) پہچان لے گا۔

خنثیٰ مشکل کے احکام

12005۔ (قولہ: النَّهْرِ) اس کی عبارت ہے: ضروری ہے کہ اس سے مراد وہ لیا جائے جس کی مراد ظاہر ہو۔ جہاں تک خنثیٰ مشکل کا تعلق ہے تو اس کا نکاح موقوف ہوگا یہاں تک کہ اس کا حال واضح ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس کا ولی اس کا عقد نکاح اس سے نہیں کرے گا جو اس کا ختنہ کرے۔ کیونکہ نکاح موقوف شرمگاہ کو دیکھنے کی اباحت کو ثابت نہیں کرتا۔ ''النہایہ'' میں اسی طرح ہے۔ تو وطی کو تو بدرجہ اولیٰ مباح قرار نہیں دے گا۔ تو اس کی خلوت صحیح نہیں ہوگی جس طرح حائضہ عورت کے ساتھ خلوت صحیح نہیں ہوگی۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ صورت حال واضح ہونے سے پہلے وہ اجنبی کے قائم مقام ہے۔ پھر ''النہر'' میں کہا: ''مبسوط'' میں یہ بیان کیا ہے کہ مرد کی حالت بلوغ کے ساتھ واضح ہوگی۔ اگر اس میں مرد کی علامات ظاہر ہو گئیں اور اس کے باپ نے اس کی شادی کسی عورت سے کر دی تو اس پر عقد نکاح کی صحت کا حکم لگا دیا جائے گا جب سے اس کے باپ نے اس کا عقد نکاح کیا۔ اگر وہ اپنی بیوی تک رسائی حاصل نہ کرے تو عنین کی طرح اسے مہلت دی جائے گی۔ اگر اس خنثیٰ کی شادی مرد سے کی گئی تو اس کا بطلان واضح ہو گیا۔ یہ اس امر میں صریح ہے کہ اس سے پہلے اس کی خلوت صحیح نہیں۔ اس وضاحت کے ساتھ تجھے علم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ''الاشباہ'' میں ''الاصل'' سے نقل کیا ہے: اگر اس کے باپ نے اس کی شادی ایک مرد سے کر دی تو خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے تو عقد نکاح جائز ہوگا بصورت دیگر مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ یا اس کی شادی کسی عورت سے کر دی وہ بالغ ہوا اور عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے تو عقد نکاح جائز ہو

أَنَّ الْعُنَّةَ قَدْ تَكُونُ لِمَرَضٍ أَوْ ضَعْفِ خِلْقَةٍ أَوْ كِبَرِ سِنٍّ (فِي ثُبُوتِ النَّسَبِ)
کہ عنہ (نامردی) بعض اوقات مرض، پیدائشی کمزوری یا بڑھاپے کی وجہ سے اور خلوت نسب کے ثبوت میں وطی کے قائم مقام ہے۔

جائے گا۔ بصورت دیگر اسے مہلت دی جائے گی جس طرح عنین کو مہلت دی جاتی ہے۔ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر نہیں۔ کیونکہ ''الاشباہ'' میں جو ظاہر معنی ہے وہ یہ ہے کہ مرد کے اس کے ساتھ وطی کرنے یا مرد کے عورت کے ساتھ وطی کرنے کے ساتھ نکاح صحیح ہو جائے گا اگرچہ بالغ ہونے سے اور اس میں علامت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہو۔ اور حقیقت حال ظاہر ہونے سے پہلے وطی حلال ہے۔ اور اس کے ساتھ خلوت صحیح ہو جاتی ہے۔ اور بالغ ہونے کے بعد کبھی حالت واضح ہوتی ہے اور کبھی حالت واضح نہیں ہوتی۔ مگر ساتھ ہی ''المبسوط'' میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ بالغ ہونے کے ساتھ اس کی حالت واضح ہو جاتی ہے اور اس کی حقیقت حال واضح ہونے سے پہلے اس کا نکاح موقوف ہوگا۔ تو یہ خلوت کے صحیح نہ ہونے میں صریح ہے جب تک حقیقت واضح نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وطی حلال نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ان کا قول جاز اس کا معنی ہے: عقد جائز ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا حال واضح ہو جاتا ہے۔ علمانے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ اشکال کو ختم کرنے والا ہے۔ اس سے وطی کا حلال ہونا لازم نہیں آتا۔ اور ان کے قول ولا علم لی بذلك سے مراد یہ ہے: اگر اس میں علامت ظاہر نہ ہو تو میں عقد کی صحت یا عدم صحت کا حکم نہیں لگاتا بلکہ یہ ایک اور علامت کے ظہور پر موقوف ہوگا۔ اور ''مبسوط'' کا قول ''اس کا حال بلوغ کے ساتھ واضح ہو جائے گا'' یہ غالب پر مبنی ہے ورنہ علمانے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا حال اس کے بعد بھی مشکل ہی رہے گا۔ جس طرح خنثیٰ کی عورت والی شرمگاہ سے حیض اور مردوں والی شرمگاہ سے منی آئے جبکہ بالغ ہونے سے پہلے اس کا حال واضح تھا کہ وہ دونوں فرجوں میں سے ایک سے بول کیا کرتا تھا تو اس کی خلوت صحیح ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خلوت کی صحت کو مرد کی حالت کے ظاہر ہونے کے ساتھ مقید کرنا یہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے قبل وطی حلال نہیں۔

12006۔ (قولہ: لِمَرَضٍ الخ) اسی طرح جادو ہے۔ اور مسحور کو معقود کا نام دیا ہے جس طرح ''الوہبانیہ'' سے اس کے باب میں (مقولہ 12919 میں) منقول ہوگا۔

12007۔ (قولہ: فِي ثُبُوتِ النَّسَبِ الخ) جسے ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے۔ پھر اسے ''الخصاف'' سے منقول دیکھا ہے: خلوت وطی کے قائم مقام نہیں مگر مہر کی تکمیل اور عدت کے وجوب کے حق میں اس کے قائم مقام ہے۔ کہا: اس کے سوا وہ عقد کے احکام میں سے ہے جس طرح نسب۔ یعنی نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ خلوت اصلاً نہ پائی جائے جس طرح مشرقی مرد مغربی عورت سے شادی کرے یا عدت کے احکام میں سے جیسے بقیہ۔ صاحب ''النہر'' پر تعجب ہے جب انہوں نے اپنے بھائی کی اس تحقیق میں موافقت کی پھر آنے والی نظم میں ان کی مخالفت کی۔ اور ''البحر'' میں جو ذکر کیا ہے ''ابن

وَلَوْ مِنَ الْمَجْبُوبِ (وَ) فِي (تَأَكُّدِ الْمَهْرِ الْمُسَمَّى (وَ) مَهْرِ الْمِثْلِ بِلَا تَسْمِيَةٍ وَ (النَّفَقَةِ وَالسُّكْنَى وَالْعِدَّةِ وَحُرْمَةِ نِكَاحِ أُخْتِهَا وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا) فِي عِدَّتِهَا (وَحُرْمَةِ نِكَاحِ الْأَمَةِ وَمُرَاعَاةِ وَقْتِ الطَّلَاقِ فِي حَقِّهَا)

اگرچہ خاوند کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو۔ اور مہر مسمی اور مہر کا تعین نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل کے موکد ہونے میں بھی خلوت وطی کے قائم مقام ہے۔ اور نفقہ، رہائش، عدت، بیوی کی بہن سے عقد نکاح اور اس کی عدت میں اس کے علاوہ چار عورتوں سے عقد نکاح میں اور لونڈی سے نکاح کی حرمت میں اور اس کے حق میں طلاق کے وقت کی رعایت میں خلوت وطی کے قائم مقام ہے۔

شحنہ''''عقد الفرائد'' میں اس کی طرف سبقت لے گئے ہیں۔ لیکن یہ بیان کیا ہے: کہ حقوق زوجیت سے پہلے جس کو طلاق دی گئی اگر وہ طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے قبل میں بچہ جن دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ حمل طلاق سے پہلے ٹھہرا تھا اور طلاق حقوق زوجیت کے بعد واقع ہوگی۔ اور اگر چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں اس نے بچہ جنا تو عدت کے نہ ہونے کی وجہ سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اگر مرد نے اس کے ساتھ خلوت کی اور عورت نے اس کو طلاق دے دی تو نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنے۔ کہا: اس صورت میں خصوصیت خلوت کی وجہ سے ہے۔

12008۔ (قولہ: وَلَوْ مِنَ الْمَجْبُوبِ) کیونکہ مادہ کا انزال شرمگاہ کو شرمگاہ سے کوٹنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ عنین کے باب میں یہ (مقولہ 15114 میں) آئے گا کہ اس کا نسب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ساتھ خلوت کرے گا۔ پھر دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اگرچہ وہ عورت دو سال کے اندر بچہ جنے۔

12009۔ (قولہ: وَفِي تَأَكُّدِ الْمَهْرِ) یعنی نکاح صحیح کی خلوت میں۔ جہاں تک نکاح فاسد کا تعلق ہے تو اس میں مہر مثل وطی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے خلوت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا جس طرح مصنف اس باب میں ذکر کریں گے۔ کیونکہ اس میں وطی حرام ہے تو پس یہ ایسے ہی ہے جس طرح حائضہ کے ساتھ خلوت ہے۔

12010۔ (قولہ: وَالْعِدَّةِ) عدت کا وجوب خلوت کے احکام میں سے ہے خواہ وہ خلوت صحیح ہو یا نہ ہو''ط''۔ یعنی جب وہ نکاح صحیح میں ہو جہاں تک نکاح فاسد کا تعلق ہے تو اس میں عدت وطی کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 15379 میں) آئے گا۔

12011۔ (قولہ: فِي عِدَّتِهَا) جار مجرور لفظ نکاح کے متعلق ہے۔ زیادہ مناسب تھا کہ یہ اس قول: وحرمة نكاح الامة کے بعد ہوتا۔

12012۔ (قولہ: وَحُرْمَةِ نِكَاحِ الْأَمَةِ) یعنی اگر آزاد عورت کو اس کے ساتھ خلوت کے بعد طلاق دی تو لونڈی سے اس کی شادی صحیح نہ ہوگی جب تک آزاد عدت میں ہے اگرچہ طلاق بائنہ ہو۔

12013۔ (قولہ: وَمُرَاعَاةِ وَقْتِ الطَّلَاقِ فِي حَقِّهَا) اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ بیوی جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں اس کو حیض کی حالت میں طلاق دینا بدعت ہے یہ حلال نہیں۔ بلکہ اسے ایسے طہر میں طلاق دے جس

وَكَذَا فِي وُقُوعِ طَلَاقٍ بَائِنٍ آخَرَ عَلَى الْمُخْتَارِ (لَا) تَكُونُ كَالْوَطْءِ (فِي حَقِّ) بَقِيَّةِ الْأَحْكَامِ
اسی طرح مختار مذہب کے مطابق طلاق بائن کے وقوع میں بھی خلوت حقوق زوجیت کی طرح ہے۔ باقی احکام میں خلوت وطی کے قائم مقام نہ ہوگی

میں وطی نہ کی گئی ہو۔ یہی طلاق احسن ہے۔ یا تین متفرق طہروں میں دے جن میں وطی نہ کی گئی ہو یہی طلاق حسن ہے۔ غیر موطوءہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے ایک طلاق اگرچہ حیض کی حالت میں ہو حسن ہے۔ جب وہ عورت جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو وہ اس عورت کی مانند ہے جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو تو اس کی طلاق بھی طہر کے ساتھ خاص ہوگی۔ حیض کی مدت میں اسے طلاق دینا حلال نہ ہوگا۔ فافہم۔

مختار قول کے مطابق خلوت کی عدت میں بھی دوسری طلاق واقع ہو جائے گی

12014۔(قولہ: وَكَذَا فِي وُقُوعِ طَلَاقٍ بَائِنٍ آخَرَ الخ) ''بزازیہ'' میں ہے: مختار یہ ہے کہ خلوت کی عدت میں بھی اس پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

''ذخیرہ'' میں ہے: جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اس عدت میں دوسری طلاق واقع ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ دوسری طلاق واقع ہوگی۔ یہ صحیح ہونے کے زیادہ قریب ہے کیونکہ احکام جب مختلف ہوں تو بطور احتیاط وقوع کا قول واجب ہوگا۔ پھر یہ طلاق رجعی ہوگی یا بائنہ ہوگی؟ ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا کہ یہ بائنہ ہوگی۔ ''الوہبانیہ'' اور اسی کی شرح میں بھی اسی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب مرد نے بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی پھر اسے ایک طلاق دی اس کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ جب اسے عدت میں ایک اور طلاق دے دی تو اس امر کو دیکھا جائے کہ اسے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دی گئی ہے تو اسے دوسری طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن جب خلوت میں احکام مختلف ہوں کبھی خلوت وطی کی طرح ہوتی ہے اور کبھی وطی کی طرح نہیں ہوتی تو ہم نے اسے اس معاملہ میں وطی کی طرح بنا دیا ہے تو ہم نے اسے بطور احتیاط دوسری طلاق بنا دیا ہے۔ کیونکہ دوسری طلاق وطی میں پائی گئی ہے۔ اور وہ عورت جسے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دی گئی اسے دوسری طلاق لاحق نہ ہوگی جب اس کی عدت نہ ہو اس عورت کا معاملہ پہلی سے مختلف ہے۔

ظاہر یہ ہے دوسری طلاق کے بائن ہونے کی وجہ احتیاط ہے۔ علما نے پہلی طلاق سے تعرض نہیں کیا۔ ''رحمتی'' نے یہ بیان کیا ہے: پہلی طلاق بھی بائنہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی طلاق ہے جو حقوق زوجیت سے پہلے واقع ہوئی ہے جو عدت کو واجب نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں عدت تو صرف اس لئے واجب ہوگی کیونکہ ہم نے خلوت کو بطور احتیاط وطی کی طرح بنایا ہے۔ کیونکہ غالب یہی ہوتا ہے کہ خلوت صحیحہ میں وطی پائی جاتی ہے۔ اور رجوع خاوند کا حق ہے اور اس کا یہ اقرار کرنا کہ اس نے بیوی کو حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی تھی اس پر نافذ ہو جائے گا۔ جب پہلی کے بعد وہ رجوع نہیں ہو سکتا تو دوسری بھی اسی کی مثل لازم ہوگی۔

كَالْغُسْلِ وَ (الْإِحْصَانِ وَحُرْمَةِ الْبَنَاتِ
جیسے غسل، محصن ہونے، بیٹیوں کے حرام ہونے

اسی طرح شارح کا قول: طلاق بائن آخراً اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ پہلی طلاق بھی بائنہ ہے۔ قریب ہی (مقولہ 12019 میں) جو قول انه لا رجعة بعدہ آ رہا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ باب الرجعۃ میں اس کے بارے میں (مقولہ 14225 میں) تصریح آئے گی۔ جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے آپ جان چکے ہوں گے کہ ''ذخیرہ'' میں جو کچھ مذکور ہے وہ دوسری طلاق ہے پہلی طلاق نہیں۔ فافہم۔

پھر علما کا پہلی اور دوسری طلاق پر بائن کا اطلاق کرنا اگرچہ یہ لفظ صریح کے ساتھ طلاق ہے جبکہ جب عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں اس کی طلاق ایسے نہیں ہوتی تو اس میں وطی خلوت کے خلاف ہوگی۔ ''ح'' نے اس کا جواب دیا کہ مراد بعض وجوہ سے تشبیہ ہے وہ یہ ہے کہ ان طلاقوں میں سے ہر ایک دوسری کے بعد واقع ہوئی ہے۔

جہاں تک اس جواب کا تعلق ہے کہ طلاق بائن بعض اوقات طلاق بائن کو لاحق ہوتی ہے یہ مخالفت مذکورہ کو ختم نہیں کرتی۔ فافہم۔

وہ احکام جن میں خلوت وطی کے قائم مقام نہیں

12015۔ (قولہ: كَالْغُسْلِ) یعنی محض خلوت کے ساتھ میاں بیوی میں سے کسی پر بھی غسل واجب نہیں ہوتا۔ وطی کا معاملہ مختلف ہے۔

12016۔ (قولہ: وَ الْإِحْصَانِ) اگر خلوت صحیحہ کے بعد زنا کیا تو احصان کی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے رجم لازم نہیں آئے گا وہ شرط وطی ہے۔ ''عقد الفرائد'' میں کہا: هذا ان لم يفهم انه خاص بالرجل یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ یہ حکم مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ پس اس کے ساتھ عورت کے لئے احصان کے ثبوت میں خاموش ہے۔ جو امر ہونے کے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرد اور عورت میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں۔ میں اس بارے میں کسی صریح نقل پر آگاہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں۔ ''البحر'' میں ہے: علما نے خلوت کو احصان کے حق میں وطی کے قائم مقام نہیں کیا اگر وہ دونوں حقوق زوجیت کے ادا نہ ہونے پر تصدیق کریں۔ اگر دونوں اس کا اقرار کریں تو دونوں پر اس کا حکم لازم ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک اس کا اقرار کرے تو اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی اس کے ساتھی کے حق میں تصدیق نہیں کی جائے گی جس طرح ''المبسوط'' میں ہے۔

12017۔ (قولہ: وَحُرْمَةِ الْبَنَاتِ) یعنی علما نے بیٹیوں کے حرام ہونے میں خلوت کو وطی کے قائم مقام نہیں کیا۔ اگر مرد نے وطی اور شہوت کے ساتھ چھونے کے بغیر اپنی بیوی سے خلوت کی تو عورت کی بیٹیاں مرد پر حرام نہ ہوں گی۔ وطی کا معاملہ مختلف ہے۔ اور کلام خلوت صحیحہ میں ہے جس طرح ''التبیین'' اور ''الفتح'' وغیرہما میں تصریح کی ہے۔ اور ''عقد الفرائد'' میں جسے

وَحِلِّهَا لِلْأَوَّلِ وَ الرَّجْعَةِ وَ الْمِيرَاثِ، وَتَزْوِيجِهَا كَالْأَبْكَارِ عَلَى الْمُخْتَارِ
اور پہلے خاوند کے لئے حلال ہونے۔ رجوع، میراث میں اور اس عورت کی شادی مختار مذہب کے مطابق باکرہ کی طرح ہوگی

بیان کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے: خلوت صحیحہ کے ساتھ بیٹیوں کی حرمت ایسا امر ہے جس میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف خلوت فاسدہ میں ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ (الثانی) نے کہا: خلوت فاسدہ حرمت کو ثابت کرتی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ حرمت کو ثابت نہیں کرتی تو پس یہ ضعیف ہے اور اختلاف نہ ہونے کا جو دعویٰ ہے وہ قابل تسلیم نہیں جس طرح ''النہر'' میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

12018۔ (قولہ: وَحِلِّهَا لِلْأَوَّلِ) یعنی جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ پہلے خاوند کے لئے اس صورت میں حلال نہیں ہوگی جب وہ عورت دوسرے خاوند کے ساتھ خلوت کرے بلکہ دوسرے خاوند کا وطی کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث عسیلہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

12019۔ (قولہ: وَالرَّجْعَةِ) یعنی خلوت کے ساتھ وہ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور خلوت کے بعد طلاق صریح دینے کی صورت میں اسے رجوع کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ یعنی کیونکہ طلاق بائنہ واقع ہو چکی ہے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 12014 میں) بیان کر چکے ہیں۔

12020۔ (قولہ: وَالْمِيرَاثِ) یعنی اگر خاوند نے اسے طلاق دے دی اور خاوند فوت ہو گیا جبکہ عورت خلوت کی عدت گزار رہی تھی تو عورت خاوند کی وارث نہ بنے گی۔ ''بزازیہ''۔ اس کی مثل ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے ''عقد الفرائد'' میں ایک قول بیان کیا ہے: عورت وارث بنے گی اگرچہ خلوت کے بعد حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی دونوں تصدیق کریں۔ ''رحمتی'' نے کہا: یعنی شرح میں جو ہے اس کی بنا پر اگر خاوند نے عورت کو خلوت صحیحہ کے بعد اور وطی سے پہلے اپنی مرض میں طلاق دے دی اور خاوند اس عورت کی عدت میں مر گیا تو عورت وارث نہ بنے گی۔ اور ''طواقی'' نے اس شرح پر جو لکھا ہے اس پر یقین کا اظہار کیا ہے اور ان کے شاگرد ''حامد آفندی'' عمادی مفتی دمشق نے اس کو ثابت رکھا ہے۔

وہ صورتیں جن میں خلوت وطی کی طرح ہے اور وہ صورتیں جن میں خلوت وطی کے مغائر ہے

12021۔ (قولہ: وَتَزْوِيجِهَا كَالْأَبْكَارِ) ان پر لازم تھا کہ یہ کہتے کالثیبات تا کہ یہ ان معطوفات کے موافق ہو جاتا۔ کیونکہ یہ وطی کے خواص میں سے ہے خلوت کے خواص میں سے نہیں۔ معنی ہے کہ یہ خلوت وطی کی طرح نہیں جب وہ عورت شادی کرے جس طرح ثیبہ عورتیں شادی کرتی ہیں۔ بلکہ اس کی شادی باکرہ عورتوں کے ساتھ کی جائے گی۔ امام ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

12022۔ (قولہ: عَلَى الْمُخْتَارِ) ''المجتبیٰ'' میں جو ہے: کہ وہ اس عورت کی طرح شادی کرے گی جس طرح ثیبہ عورت شادی کرتی ہے۔ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

وَغَيْرِ ذٰلِكَ كَمَا نَظَمَهُ صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ

وَخَلْوَةُ الزَّوْجِ مِثْلُ الْوَطْءِ فِي صُوَرٍ وَغَيْرُهُ وَبِهٰذَا الْعَقْدِ تَحْصِيلُ

تَكْمِيلُ مَهْرٍ وَإِعْدَادٌ كَذَا نَسَبٌ إِنْفَاقُ سُكْنَى وَمَنْعُ الْأُخْتِ مَقْبُولُ

وَأَرْبَعٍ وَكَذَا قَالُوا الْإِمَا وَلَقَدْ رَاعَوْا زَمَانَ فِرَاقٍ فِيهِ تَرْحِيلُ

اور اس کے علاوہ احکام میں۔ جس طرح صاحب ''النہر'' نے اسے نظم کیا اور کہا: مرد کا خلوت کرنا چند صورتوں میں وطی کی طرح ہے اور چند صورتوں میں اس سے مختلف ہے۔ اور اس نظم سے احکام کی تحصیل ہو جاتی ہے۔ خلوت وطی کی طرح ہے مہر کی تکمیل، عدت کے وجوب میں اور اسی طرح نسب میں، نفقہ، رہائش اور اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح نہ کرنے میں یہ قول مقبول ہے۔ چار عورتوں سے عقد نکاح کرنا اس کی عدت میں۔ اسی طرح علما نے کہا لونڈیوں سے، اور علما نے فراق کے زمانہ کی رعایت کی ہے

12023۔ (قولہ: وَغَيْرِ ذٰلِكَ) یعنی سات مذکورہ احکام کے علاوہ چار اور میں جن کا ذکر مذکورہ اشعار میں آرہا ہے وہ ''سقوط وطی، الفیئ، التکفیر، عدم فساد العبادۃ'' ہیں۔ دو مسئلے ابھی باقی ہیں جن دونوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ ان دونوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ دونوں یہ ہیں کہ بعض کے نزدیک خلوت نکاح موقوف کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خلوت کے بعد عورت مہر کے لئے اپنے آپ کو خاوند سے نہیں روک سکتی۔ جہاں تک امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے آپ کے نزدیک عورت حقیقی وطی کے بعد بھی مہر کے لئے روک سکتی ہے جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ''الوہبانیہ'' میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ عنین (نامرد) کی نامردی کا باقی رہنا۔ اور نظم میں اس کا داخل ہونا بھی ممکن ہے جس طرح آگے (مقولہ 12038 میں) آئے گا۔

12024۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ) رفع کے ساتھ اس کا عطف مثل پر ہے ضمیر وطی کے لئے ہے۔ ''ح''۔ یعنی خلوت گیارہ مسائل میں وطی کے مغایر ہے۔

12025۔ (قولہ: وَبِهٰذَا الْعَقْدِ تَحْصِيلُ) یہ مبتدا خبر پر مشتمل جملہ ہے۔ العقد عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ منظوم شعر کو پروئے گئے موتیوں کے ہار کے ساتھ تشبیہ دی۔

12026۔ (قولہ: تَكْمِيلُ مَهْرٍ الخ) مماثلت کی صورتوں کا بیان ہے۔

12027۔ (قولہ: وَإِعْدَادٍ) یہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد عدت ہے۔

12028۔ (قولہ: وَأَرْبَعٍ) یہ کلمہ مجرور ہے اس کا عطف الاخت پر ہے۔

12029۔ (قولہ: الْإِمَا) یہ امۃ کی جمع ہے۔ ضرورت کی بنا پر اس کے آخر سے ہمزہ حذف کر دیا۔ اگر لام کو ساقط کرتا تو آخر سے الف ممدودہ حذف کرنے سے مستغنی ہو جاتا۔

12030۔ (قولہ: فِرَاقٍ فِيهِ تَرْحِيلُ) اس سے مراد طلاق ہے، ''ح''۔ جہاں تک لفظ ترحیل کا تعلق ہے تو یہ

وَأَوْقَعُوا فِيهِ تَطْلِيقًا إِذَا لَحِقَا　　وَقِيلَ لَا وَالصَّوَابُ الْأَوَّلُ الْقِيلُ

أَمَّا الْمُغَايِرُ فَالْإِحْصَانُ يَا أَمَلِي　　وَرَجْعَةٌ وَكَذَا التَّوْرِيثُ مَعْقُولُ

سُقُوطُ وَطْءٍ وَإِحْلَالٌ لَهَا وَكَذَا　　تَحْرِيمُ بِنْتٍ نِكَاحُ الْبِكْرِ مَبْذُولُ

كَذَلِكَ الْفَيْءُ ....

جس میں طلاق ہو۔ انہوں نے اس میں طلاق کو واقع کیا ہے جب وہ لاحق ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لاحق نہیں ہوگی جبکہ صحیح قول پہلا ہے۔ جہاں تک خلوت کا وطی سے مغائر ہونے کا تعلق ہے تو وہ احصان ہے اے میرے مقصود، رجوع ہے اور اسی طرح وراثت معقول ہے اور وطی کا مطالبہ ساقط ہو جائے گا اور اس کے ساتھ پہلے خاوند کے لئے حلال ہونا۔ اور اسی طرح بیٹی کا حرام ہونا اور باکرہ کا نکاح مبذول ہے اسی طرح ایلا سے رجوع،

ترحل القوم عن المكان سے مشتق ہے یعنی قوم منتقل ہوگئی۔ یعنی طلاق جس میں بیوی خاوند کے گھر یا اس کی عصمت سے منتقل ہو جاتی ہے۔ فافہم۔

12031۔(قولہ: وَأَوْقَعُوا فِيهِ) ھا ضمیر سے مراد عدت ہے''ح''۔ ضمیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے جو دوسرے شعر میں مذکور ہے۔ فافہم۔

12032۔(قولہ: إِذَا لَحِقَا) ضمیر تطلیق کے لئے ہے اور الف اطلاق کے لئے ہے۔''ح''۔ لحاقہ سے مراد سابقہ طلاق کے بعد عدت میں اس کا وقوع ہے۔

12033۔(قولہ: الْقِيلُ) یہ الاول سے بدل ہے،''ح''۔

12034۔(قولہ: وَرَجْعَةٌ) دو صورتوں میں جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 12019 میں) قول الرجعة میں بیان کر دیا ہے۔

12035۔(قولہ: سُقُوطُ وَطْءٍ) یعنی جس میں وطی لازم ہوتی ہے وہ خلوت کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی۔ قضا میں بیوی کا حق ایک دفعہ وطی ہے۔ یہ خلوت کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح عنین جب عورت کے ساتھ خلوت کرے تو اس کی وجہ سے خاوند سے وطی ساقط نہیں ہوتی۔ پس بیوی کو تفریق طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس حل کی بنا پر عُنَّه کی بقا کے ذکر سے استغنا حاصل ہوگئی جو''الوہبانیہ'' میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ آنے والے فئ کے ذکر سے بھی استغنا حاصل ہوگئی۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ دونوں کا اکٹھے ذکر ہوتا یا دونوں کو اکٹھے کیا جاتا۔ تامل

12036۔(قولہ: كَذَلِكَ الْفَيْءُ) یعنی اگر خاوند نے عورت سے ایلاء کیا پھر مدت کے اندر اس سے وطی کی تو یہ فئ ہو گا۔ اگر خاوند نے ایسی عورت سے صرف خلوت کی تو فئ نہ ہوگا،''ح''۔

..........وَالتَّکْفِیرُ مَا فَسَدَتْ عِبَادَةٌ وَکَذَا بِالْغُسْلِ تَکْمِیلُ

(وَلَوْ افْتَرَقَا فَقَالَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ وَقَالَ الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ

کفارہ کا لازم ہونا؛ عبادت کا فاسد نہ ہونا اور اسی طرح غسل کا لازم ہونا اسی طرح یہ مکمل ہو گئیں۔ اگر دونوں جدا ہو گئے تو عورت نے کہا: مجھے طلاق واقع ہوئی حقوق زوجیت کے بعد اور خاوند نے کہا: حقوق زوجیت سے پہلے جدائی ہوئی

12037۔(قولہ: وَالتَّکْفِیرُ) یعنی اگر خاوند نے عورت سے رمضان کے دن کے وقت وطی کی تو اس پر کفارہ لازم ہو گا۔ اگر صرف خلوت کی تو کفارہ لازم نہیں ہو گا۔''ح''۔''النہر'' میں ہے: یہاں تکفیر کو شمار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ کلام خلوت صحیحہ میں ہے۔ اور فرض روزہ جب ادا کی حالت میں ہو تو خلوت کو فاسد کر دیتا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے،''ط''۔

12038۔(قولہ: مَا فَسَدَتْ عِبَادَةٌ) یہاں ما نافیہ ہے یعنی اگر ایسی عبادت میں اس عورت سے وطی کی جس عبادت کو وطی فاسد کر دیتی ہے تو وہ عبادت فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ خلوت کی تو وہ عبادت فاسد نہیں ہوتی،''ح''۔

اس پر وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو اس کے سابق پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عبادات جو وطی کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہیں جس طرح احرام، روزہ، نماز، اور نذر مانا ہوا اعتکاف تو یہ عبادات خلوت کو فاسد کر دیتی ہیں۔ جبکہ گفتگو خلوت صحیحہ میں ہو رہی ہے۔ مگر اس صورت میں کہ جب ان کی مثال ایسی چیز سے دی جائے جو خلوت کو فاسد نہیں کرتیں دونوں قولوں میں سے ایک قول کے مطابق جس طرح ایسا فرض روزہ جو ادا نہ ہو اور نفلی نماز۔ تامل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مناسب یہ تھا کہ تکفیر اور فساد عبادت کو ساقط کیا جاتا اور رفقد عُنہ کو زائد کیا جاتا۔ پس وہ احکام جن میں خلوت وطی کے خلاف ہوتی ہے وہ دس ہو گئے۔ میں نے ان کو دو شعروں میں نظم کیا ہے ان پر اقتصار اس لئے کیا ہے کیونکہ سب کے علم میں ہے کہ ان کے علاوہ میں خلوت وطی کے خلاف نہیں میں نے کہا:

و خلوته کالوطء فی غیر عشرة — مطالبة بالوطء احصان تحلیل

و فیء وارث رجعة فقد عنة — و تحریم بنت عقد بکر و تغسیل

دس چیزوں کے علاوہ میں خلوت وطی کی طرح ہے وہ یہ ہیں۔ وطی کا مطالبہ، احصان، حلال کرنا، فیٔ، وراثت، رجوع، عنہ کا نہ ہونا، بچی کو حرام کرنا، باکرہ کا عقد اور غسل لازم کرنا۔

حقوق زوجیت سے پہلے یا بعد طلاق کے واقع ہونے میں اختلاف ہو جائے تو قول عورت کا معتبر ہو گا

12039۔(قولہ: فَقَالَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ) دخول کے لفظ کا اطلاق وطی اور محض خلوت پر بھی کیا جاتا ہے اور متبادر پہلا ہے۔ یہاں مراد ایسا اختلاف ہے جو ایسی خلوت میں ہے جو وطی کے ساتھ ہو یا محض خلوت میں ہے نہ کہ وطی میں جبکہ خلوت میں اتفاق ہے۔ کیونکہ خلوت تمام مہر کو موکد کرنے والی ہے۔ اگر اختلاف وطی میں ہو جبکہ خلوت پر اتفاق ہو تو

فَالْقَوْلُ لَهَا) لِإِنْكَارِهَا سُقُوطَ نِصْفِ الْمَهْرِ؛ وَإِنْ أَنْكَرَ الْوَطْءَ وَلَوْلَمْ تُمَكِّنْهُ فِي الْخَلْوَةِ،

تو اس صورت میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ نصف مہر کے سقوط سے انکاری ہے۔ اگر خاوند وطی کا انکار کرے اور عورت نے خلوت میں خاوند کو اپنے او پر قدرت نہ دی

اختلاف کا ثمرہ ظاہر نہیں ہوگا۔

12040۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا لِإِنْكَارِهَا سُقُوطَ نِصْفِ الْمَهْرِ) ''زاہدی'' کی ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''ابن وہبان'' نے اسے نظم کیا اور اس کی ''شرح'' میں کہا: اس فرع میں تتبع کیا اس میں کامیاب نہ ہوئے اور ایسی چیز نہ پائی جو اس کے مناقض ہو۔ اس کی دلیل قواعد پر جاری ہے کیونکہ قول منکر کا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''حاوی الزاہدی'' میں بھی دیکھا ہے اس میں دو قول ذکر کئے ہیں اور جو قول گزر چکا ہے اس کا ذکر کیا جبکہ وہ ''المحیط'' اور ایک دوسری کتاب کی طرف منسوب ہے۔ پھر اسے ''الاسرار'' کی طرف منسوب کیا: قول مرد کا ہوگا کیونکہ وہ نصف سے زائد کے وجوب کا انکار کرتا ہے۔

میرے لئے پہلے قول کی ارجحیت ظاہر ہوگی۔ اسی وجہ سے ''المصنف'' نے اسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر نفس عقد کے ساتھ واجب ہوجاتا ہے۔ حقوق زوجیت کی ادائیگی اور موت اس کو موکد کرتے ہیں۔ دونوں سے قبل طلاق کا وقوع اس کو نصف کر دیتا ہے۔ تمام مہر کے وجوب کا سبب متحقق ہے۔ اس کو نصف کرنے والا عارض ہے۔ عورت اس عارض کا انکار کرتی ہے اور اس سبب سے تمسک کرتی ہے جو ثابت ہے اور وہ سبب کل کو واجب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے عورت کے لئے پورے مہر کا مطالبہ کرنا حقوق زوجیت سے پہلے ثابت ہے۔ اور اگر خاوند حقوق زوجیت سے پہلے عورت کو طلاق دے دے تو وہ نصف مہر جس پر قبضہ کیا جا چکا ہو وہ خاوند کی ملکیت کی طرف نہیں لوٹتا جب تک قاضی کا فیصلہ یا رضامندی نہ ہو۔ اور اس سے پہلے اس میں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوتا۔ عورت کا اس میں تصرف نافذ ہوجاتا ہے۔ خاوند اگرچہ نصف پر زیادتی کا انکار کرتا ہے لیکن اس کے سبب کا اقرار کرتا ہے جس طرح اگر وہ غصب کا اقرار کرے اور مغصوبہ چیز کے واپس کرنے کا دعویٰ کرے اور مالک اس کی تکذیب کرے تو اس کا واپس کرنے کا دعویٰ سبب کے اقرار کے بعد ضمان کا اقرار ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ تامل۔

اگر خاوند وطی کا منکر ہو اور عورت نے خلوت میں خاوند کو قدرت نہ دی تو اس کا حکم

12041۔(قولہ: وَإِنْ أَنْكَرَ الْوَطْءَ) اسی طرح اکثر نسخوں میں ہے۔ مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے: وان انکر الدخول کیونکہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ دونوں میں اختلاف وطی میں نہیں جبکہ خلوت پر اتفاق ہے تا کہ اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہوجائے جو ''الاسرار'' میں کہا: مرد کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقت میں خاوند عارض کی وجہ سے نصف مہر کے وجوب کا انکار کر رہا ہے جبکہ وہ سبب پایا جا رہا ہے جو کل کا موجب ہے۔ پس عورت کا انکار ہی معتبر ہوگا۔ بعض نسخوں میں ہے: اگر عورت انکار کرے یعنی فعل واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ معنی ہوگا: قول عورت کا معتبر ہوگا اگرچہ اس امر کا انکار کرے کہ

فَإِنْ بِكْرًا صَحَّتْ وَإِلَّا لَا لِأَنَّ الْبِكْرَ إِنَّمَا تُوطَأُ كَرْهًا كَمَا بَحَثَهُ الطَّرَسُوسِيُّ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَلَوْ قَالَ إِنْ خَلَوْتُ بِكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَخَلَا بِهَا طُلِّقَتْ) بَائِنًا

اگر تو عورت باکرہ ہے تو خلوت صحیح ہے بصورت دیگر صحیح نہیں۔ کیونکہ باکرہ سے وطی زبردستی کی جاتی ہے جس طرح ''طرسوی'' نے اس کی تفصیل بیان کی ہے اور مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اگر خاوند نے کہا: اگر میں نے تیرے ساتھ خلوت کی تو تجھے طلاق تو مرد نے عورت کے ساتھ خلوت کی تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے

اس دخول میں مرد نے اس کے ساتھ وطی نہیں کی جس دخول کا عورت نے دعویٰ کیا ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ قول کرتے: وان اعترفت بعدم الوطء۔ ''اگر چہ عورت وطی نہ ہونے کا اعتراف کرے''۔ کیونکہ مرد نے وطی کا دعویٰ ہی نہیں کیا یہاں تک کہ عورت کے انکار کا قول مرد کے قول کے مقابل آئے۔

12042۔ (قولہ: إِنَّمَا تُوطَأُ كَرْهًا) کیونکہ وہ طبعی طور پر حیا کرتی ہے پس امتناع کے ساتھ مہر کے مؤکد نہ ہونے کو پسند نہیں کرتی۔ ثیبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ثیبہ کا امتناع اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مہر کے مؤکد نہ ہونے کو پسند کرتی ہے۔

12043۔ (قولہ: كَمَا بَحَثَهُ الطَّرَسُوسِيُّ) یعنی ''انفع المسائل'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ تفصیل مذکور میں بحث یہ ہے کہ ''طرسوی'' نے پہلے ''الذخیرہ'' سے نقل کیا ہے: جب مرد عورت سے خلوت کرے اور عورت اسے اپنے اوپر قدرت نہ دے تو متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کہا: ''النوازل'' کی طلاق کی بحث میں ہے: اس پر نصف مہر ہوگا۔ پھر اس تفصیل کا ذکر کیا اور کہا: میں نے اسے تفقہ کے طریقہ پر کہا ہے میں اس میں نقل پر کامیاب نہیں ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے ساتھ دونوں قولوں میں تطبیق کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا: یہ اس صورت میں ہے کہ عورت خاوند کی تصدیق کرے۔ اگر عورت اس کی تکذیب کرے تو قول قسم کے ساتھ عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ عورت منکر ہے۔

12044۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی مصنف نے اپنے شیخ صاحب ''البحر'' کی اتباع میں اسے ثابت رکھا ہے۔

12045۔ (قولہ: فَخَلَا بِهَا) یعنی مرد نے عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ کی کیونکہ خلوت کے لفظ سے یہی متبادر ہے۔ ''ح''۔ یعنی حالف کا جو یہ قول ہے ان خلوت بك تو اس سے مراد ایسی خلوت ہوگی جو اس مانع سے خالی ہو جو خلوت کے مانع ہو یا اس کو فاسد کر دے جو صورتیں گزر چکی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جو خلوت کو فاسد کر دے جو تعلیق کے علاوہ ہو۔ کیونکہ ''البحر'' سے (مقولہ 11989 میں) گزر چکا ہے کہ یہ تعلیق خلوت کو فاسد کرنے والی ہے۔ یہ ان کے اس قول کی مثل ہے کہ نکاح فاسد میں خلوت صحیحہ نکاح صحیح میں خلوت فاسدہ کی طرح ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نکاح فاسد میں یہ خلوت فاسدہ ہے جس طرح ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ اس میں صحیح سے مراد یہ ہے کہ یہ خلوت ان چیزوں سے خالی ہو جو اسے فاسد کر دیتی ہیں مگر وہ فساد نکاح کے علاوہ ہوں۔ فافہم۔

12046۔ (قولہ: بَائِنًا) کیونکہ علما نے تصریح بیان کی ہے کہ خلوت صحیحہ کے بعد واقع ہونے والی طلاق بائنہ ہوتی

لِوُجُودِ الشَّرْطِ (وَوَجَبَ نِصْفُ الْمَھْرِ) وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا بَزَّازِيَّةٌ (وَتَجِبُ الْعِدَّةُ فِي الْكُلِّ)

اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی اور نصف مہر واجب ہو جائے گا اور عورت پر کوئی عدت نہ ہوگی۔ ''بزازیہ''۔ تمام صورتوں میں عدت واجب ہوگی

ہے۔ ''منح''۔ یعنی یہاں تو بدرجہ اولیٰ طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تو خلوت صحیح نہیں یہ وطی کی ہم مثل نہیں مگر عدت کے واجب ہونے میں اس کی ہم مثل ہے، ''ط''۔

12047۔ (قولہ: لِوُجُودِ الشَّرْطِ) یہ طلقت کی علت ہے۔ جہاں تک اس کے بائنہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کی علت وہی ہے جو ہم پہلے ''منح'' سے بیان کر چکے ہیں۔ ''ح'' نے بیان کیا ہے۔

12048۔ (قولہ: وَوَجَبَ نِصْفُ الْمَھْرِ) بعض نسخوں میں اس کے بعد زیادتی ہے۔ وہ یہ ہے: لعدم الخلوۃ الممکنۃ من الوطء کیونکہ ایسی خلوت نہیں پائی گئی جو وطی پر قدرت دینے والی ہو۔ کیونکہ وہ محض خلوت کے ساتھ ہی جدا ہو گئی تو شرعی طور پر وہ وطی پر قدرت عطا کرنے والی نہیں۔

12049۔ (قولہ: وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا) ''البحر'' میں کہا ہے: ''صحیح قول کے مطابق خلوت فاسدہ میں اس کا وجوب آئے گا تو اس صورت میں عدت بطور احتیاط واجب ہوگی۔

''خیر رملی'' نے اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے: اس کے وجوب کا قطعی قول کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ نقل کے متصادم ہے کہ اسے دخول سے قبل طلاق دی گئی ہے پس یہ اجنبی عورت ہے اور اجنبی عورت کے ساتھ خلوت عدت کو واجب نہیں کرتی پس یہ خلوت صحیحہ میں سے نہیں اور نہ ہی خلوت فاسدہ میں سے ہے۔ فتامل۔ اور علما کے قول کی طرف دیکھئے: یہ وطی کے قائم مقام ہوگی جب عورت کا اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنا متحقق ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: عورت کی جانب سے سپرد کرنا متحقق ہے۔ لیکن رکاوٹ مرد کی جانب سے ہے وہ تعلیق ہے جس طرح عنین اور جس طرح خاوند عورت کے پاس داخل ہوا اور حج کا احرام باندھا یا نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہی اور اس مرد کا اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ خلوت طلاق کی شرط ہے۔ بے شک طلاق شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوئی جس طرح اگر ایک آدمی نے اجنبی عورت سے کہا: اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق۔ پس طلاق کا وقوع خلوت کے تحقق کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر خلوت نہ ہوتی تو طلاق واقع نہ ہوتی۔ مگر اس کے تحقق کے بعد خاوند کی جانب سے مانع پایا گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ علما کا اس کی تصریح کرنا کہ صحیح قول کے مطابق خلوت فاسدہ کے ساتھ بھی عدت واجب ہو جاتی ہے یہ اس صورت کو بھی شامل ہے۔ پس ''بزازیہ'' کا قول: ''اس پر کوئی عدت نہیں'' صحیح کے خلاف پر مبنی ہے۔ یہ ایک نقل کا دوسری ایسی نقل کے متصادم ہونا ہے جو اس سے زیادہ صحیح ہے۔ فافہم۔

خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ تمام صورتوں میں بطور استحسان عدت واجب ہوگی

12050۔ (قولہ: وَتَجِبُ الْعِدَّةُ) اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عدت قضاءً اور دیانۃً واجب ہوگی۔ ''الفتح'' میں ہے:

أَيْ كُلِّ أَنْوَاعِ الْخَلْوَةِ وَلَوْ فَاسِدًا (احْتِيَاطًا) أَيْ اسْتِحْسَانًا لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الْقُدُورِيُّ وَاخْتَارَهُ التُّمُرْتَاشِيُّ وَقَاضِي خَانْ (إنْ كَانَ الْمَانِعُ شَرْعِيًّا) كَصَوْمٍ (وَتَجِبُ) الْعِدَّةُ (وَإِنْ) كَانَ (حِسِّيًّا) كَصِغَرٍ وَمَرَضٍ مُدْنِفٍ

یعنی خلوت کی تمام صورتوں میں عدت بطور احتیاط واجب ہوگی اگرچہ خلوت فاسدہ ہو یعنی یہ استحسانا ہے کیونکہ شغل کا وہم پایا جارہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے قائل امام ''قدوری'' ہیں۔ ''تمرتاشی'' اور ''قاضی خان'' نے اسے اختیار کیا ہے کہ اگر مانع شرعی ہو جس طرح روزہ تو عدت واجب ہوگی۔ اگر مانع حسی ہو جس طرح صغرسنی اور ایسا مرض جو بالکل طبیعت میں انقباض پیدا کردے

''عتابی'' نے کہا: خلوت صحیحہ کے ساتھ عدت واجب میں ہمارے مشائخ نے کلام کی ہے کہ یہ عدت ظاہرا واجب ہوگی یا حقیقتاً واجب ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر عورت نے عقد نکاح کیا جب کہ اس کو عدم دخول کا یقین ہے تو اس کے لئے نکاح دیانۃً حلال ہے قضاءً حلال نہیں۔

12051۔ (قولہ: فِي الْكُلِّ الخ) یہ نکاح صحیح میں ہے۔ جہاں تک نکاح فاسد کا تعلق ہے اس میں خلوت کے ساتھ عدت واجب نہیں ہوتی بلکہ حقیقی دخول کے ساتھ عدت واجب ہوتی ہے۔ ''فتح''۔

12052۔ (قولہ: لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ) یعنی رحم مشغول ہو۔ یہ حقیقی تمکن کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے قول کیا ہے۔ جس کا عضو کٹا ہوا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ شرمگاہیں ایک دوسرے پر مارنے کی وجہ سے بھی شغل کا احتمال موجود ہے۔ عدت شرع کا حق ہے اور بچے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوتی اگرچہ دونوں اسے ساقط کریں۔ عورت کے لئے باہر نکلنا حلال نہیں اگرچہ خاوند اسے اجازت دے اور دو عدتیں باہم ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور بندے کا حق ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوگا۔ ''فتح''۔ اس کی مفصل بحث ''معراج'' میں ہے۔

12053۔ (قولہ: وَاخْتَارَهُ التُّمُرْتَاشِيُّ الخ) ''بدائع'' میں اسے یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جسے ''عتابی'' نے ذکر کیا ہے۔

12054۔ (قولہ: وَتَجِبُ الْعِدَّةُ) کیونکہ حقیقتاً وطی پر قدرت پائی جارہی ہے۔ ''فتح''۔

12055۔ (قولہ: كَصِغَرٍ وَمَرَضٍ مُدْنِفٍ) ''الفتح'' میں کہا: اس قول کی بنا پر زیادہ مناسب یہ ہے کہ صغرسنی کو غیر قادر کے ساتھ خاص کیا جائے اور مرض کو ایسی مرض کے ساتھ خاص کیا جائے جو طبیعت میں کامل انقباض پیدا کردے۔ کیونکہ ان دونوں کے علاوہ میں حقیقتاً قدرت پائی جارہی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں مدنف کی قید کے ساتھ نص بیان کی ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: دنف المرض کفرح: ثقل یعنی مریض کا انتہائی بوجھل طبیعت کا ہونا۔

(لَا) تَجِبُ وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ لِأَنَّهُ نَصُّ مُحَمَّدٍ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَفِي الْمُجْتَبَى الْمَوْتُ أَيْضًا كَالْوَطْءِ فِي حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْمَهْرِ فَقَطْ، حَتَّى لَوْ مَاتَتْ الْأُمُّ قَبْلَ دُخُولِهِ لَهَا حَلَّتْ بِنْتُهَا (قَبَضَتْ أَلْفَ الْمَهْرِ فَوَهَبَتْهُ لَهُ وَطُلِّقَتْ قَبْلَ وَطْءٍ رَجَعَ) عَلَيْهَا (بِنِصْفِهِ)

تو پھر عدت واجب نہ ہوگی۔ مذہب پہلا قول ہے۔ کیونکہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی نص ہے۔ یہ مصنف نے کہا۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: موت بھی عدت اور مہر کے حق میں وطی کی طرح ہے یہاں تک کہ اگر ماں حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے فوت ہوگئی تو اس کی بیٹی اس مرد پر حلال ہوگی۔ عورت نے مہر کے ہزار پر قبضہ کیا اور وہ ہزار خاوند کو ہبہ کر دیا اور عورت کو حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق ہوگئی تو خاوند ہزار کا نصف اس سے واپس لے گا۔

12056۔ (قولہ: لِأَنَّهُ نَصُّ مُحَمَّدٍ) یعنی آپ کی کتاب ''الجامع الصغیر'' میں ہے جس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کئے ہیں جو صاحب مذہب ہیں۔

12057۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی اپنے شیخ کی اتباع کرتے ہوئے جوان کے شیخ نے ''البحر'' میں ذکر کیا ہے اور ''النہر'' اور ''الشرنبلالیہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

12058۔ (قولہ: الْمَوْتُ أَيْضًا) یعنی جس طرح خلوت ان دونوں (عدت، مہر) میں وطی کی طرح ہے۔ مراد دخول سے پہلے موت ہے۔ یعنی مرد کی موت عدت کے اعتبار سے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت مہر کے اعتبار سے جس طرح ''ح'' نے بیان کیا ہے۔

12059۔ (قولہ: فِي حَقِّ الْعِدَّةِ وَالْمَهْرِ) یعنی جب اس کا خاوند فوت ہوگیا تو عورت پر وفات کی عدت لازم ہوگی اور وہ عورت تمام مہر کی مستحق ہوگی جس طرح وہ عورت مستحق ہوتی ہے جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو۔

12060۔ (قولہ: فَقَطْ) یہ ''المجتبیٰ'' کے قول کے معنی میں ہے: باقی میں نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نہیں کہا جائے گا کہ وراثت میں بھی اسے وطی کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ وراثت عقد کے احکام میں سے ہے۔ اسی وجہ سے یہ خلوت سے پہلے بھی متحقق ہو جاتی ہے جبکہ خلوت وطی سے کم درجہ کی ہے۔ فافہم۔

12061۔ (قولہ: حَلَّتْ بِنْتُهَا) اس کی بیٹی اس مرد کے لئے حلال ہوگی جس طرح خلوت صحیحہ کے بعد بھی حلال تھی اس کی بیٹی حقیقی وطی کے ساتھ ہی حلال ہوگی جس طرح پہلے (مقولہ 11263 میں) گزر چکا ہے۔

12062۔ (قولہ: فَوَهَبَتْهُ لَهُ) ضمیر کو مذکر کیا ہے۔ کیونکہ الالف مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں جس طرح ''مصباح'' سے ''طحطاوی'' میں منقول ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے اس کا نصف مرد کو ہبہ کیا۔ ''فتح''۔

12063۔ (قولہ: قَبْلَ وَطْءٍ) یعنی خلوت سے پہلے، ''نہر''۔ یہ حکماً وطی ہے جس طرح پہلے (مقولہ 11939 میں) گزر چکا ہے۔

لِعَدَمِ تَعَيُّنِ النُّقُودِ فِي الْعُقُودِ (وَإِنْ لَمْ تَقْبِضْهُ أَوْ قَبَضَتْ نِصْفَهُ فَوَهَبَتْهُ الْكُلَّ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (أَوْ مَا بَقِيَ) وَهُوَ النِّصْفُ فِي الثَّانِيَةِ (أَوْ) وَهَبَتْ (عَرَضَ الْمَهْرِ)

کیونکہ عقود میں نقدی معین نہیں ہوتی۔ اگر عورت نے اس پر قبضہ نہ کیا یا ہزار کے نصف پر قبضہ کیا اور تمام مہر اسے ہبہ کر دیا پہلی صورت میں یا باقی ماندہ ہبہ کر دیا وہ نصف ہے دوسری صورت میں یا عورت نے مہر ہبہ کر دیا جو سامان تجارت کی صورت میں تھا

12064۔ (قولہ: لِعَدَمِ تَعَيُّنِ النُّقُودِ فِي الْعُقُودِ) اسی وجہ سے اگر نکاح میں مرد نے دراہم کی طرف اشارہ کیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ انہیں روک لے اور جنس، نوع، قدر اور صفت کے اعتبار سے اس کی مثل دے۔ اگر عورت ان میں سے کچھ ہبہ نہ کرے اور حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دی جائے تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ مقبوضہ درہم روکے رکھے اور ان کا غیر واپس کر دے۔ اسی وجہ سے ان سب کی زکوٰۃ دے گی۔ اس کی مکمل بحث ''النہر'' میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہبہ کے ساتھ خاوند تک بعینہ وہ چیز نہیں پہنچی جس کا خاوند دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں مستحق بنا تھا وہ نصف مہر ہے۔ ''منح''۔

12065۔ (قولہ: أَوْ قَبَضَتْ نِصْفَهُ) اس قول کے ساتھ اس قول سے احتراز ہے کہ اگر عورت نصف سے زائد پر قبضہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں نصف سے زائد پر جو قبضہ کیا تھا عورت اسے واپس کرے گی۔ اگر نصف سے کم پر قبضہ کرے اور باقی ماندہ ہبہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تو یہ بدرجہ اولی معلوم ہے۔ ''بحر''۔ یعنی خاوند اس سے کچھ واپس نہیں لے گا۔

12066۔ (قولہ: فِي الصُّورَةِ الْأُولَى) زیادہ مناسب یہ تھا کہ کہے ''دونوں صورتوں میں'' تو ان کا قول' یا باقی ماندہ ہبہ کیا'' اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہزار کا ہبہ دوسرے میں قید نہیں جس طرح ''البحر'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔ ''النہر'' میں کہا: نصف پر قبضہ کرنے کے بعد ہزار ہبہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ عورت نے خاوند کو مقبوض اور غیر مقبوض میں ہبہ کر دیا۔

12067۔ (قولہ: أَوْ وَهَبَتْ عَرَضَ الْمَهْرِ) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں کوئی عیب واقع نہیں ہوا تھا۔ اگر اس نے اس وقت ہبہ کیا جب اس میں فحش عیب واقع ہو چکا تو خاوند اس کی نصف قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ قیمت اس دن کی پیش نظر رکھی جائے گی جس روز عورت نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ مال ایسا ہو گیا گویا عورت نے کوئی اور چیز ہبہ کی۔ جہاں تک تھوڑے عیب کا تعلق ہے تو یہ عیب نہ ہونے کی طرح ہے۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ مہر میں اتنا عیب قابل برداشت ہوتا ہے۔ ہبہ کی قید ذکر کی ہے کیونکہ اگر عورت نے وہ چیز خاوند کے ہاتھ بیچی تو خاوند نصف مہر کا مطالبہ کرے گا۔ یعنی مہر کی قیمت کے نصف کا مطالبہ کرے گا نہ جتنے میں وہ سامان خریدا اس کے نصف کی ثمن کا مطالبہ کرے گا جو امر ظاہر ہے۔ اگر عورت نے نصف مہر سے کم ہبہ کیا تو نصف سے جو زائد ہے وہ واپس کرے گی۔ اگر عورت نے نصف سے زائد یا نصف ہبہ کیا تو خاوند کو کوئی چیز واپس لینے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

كَثَوْبٍ مُعَيَّنٍ أَوْ فِي الذِّمَّةِ (قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ لَا) رُجُوعَ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ

جس طرح معین کپڑا ہو یا مہر ذمہ میں تھا یہ ہبہ قبضہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو تو خاوند واپس نہیں لے سکتا کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

12068۔(قولہ: أَوْ فِي الذِّمَّةِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ معین سامان یا غیر میں کوئی فرق نہیں۔ یہ مہر نکاح کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ اس میں عرض (سامان) ذمہ میں ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں مال مقصود نہیں۔ نکاح میں تسامح (درگزر) سے کام لیا جاتا ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے، ''بحر''۔

12069۔(قولہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ) کیونکہ خاوند تک وہ چیز پہنچ چکی ہے جس کا حقوق زوجیت سے پہلے طلاق کی صورت میں مستحق تھا۔ کیونکہ یہ فسخ میں متعین ہوتا ہے جس طرح عقد میں متعین ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کا بدل اسے دے یہاں تک کہ اگر اس میں فحش عیب واقع ہو جائے اور عورت خاوند کو وہ ہبہ کر دے تو خاوند مہر کی نصف قیمت واپس لے سکتا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12067 میں) گزر چکا ہے، ''نہر''۔

تتمہ

غیر معین (جو ذمہ میں ہو) وزنی چیز کا حکم نقدی کے حکم جیسا ہے جہاں تک وزنی معین چیز کا تعلق ہے تو وہ سامان تجارت کی طرح ہے۔ سونے اور چاندی میں سے تبر (ڈھلا ہوا نہ ہو) اور نقرہ (جو ڈھلا ہوا ہو) میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں سامان تجارت کی طرح ہے اور دوسری روایت میں ٹکسال سے نکلے ہوئے سکہ کی طرح ہے۔ ''بدائع'' میں اسی طرح ہے، ''نہر''۔

تنبیہ

''البحر'' میں کہا: میرے لئے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ اس مسئلہ کی ساٹھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ مہر یا تو سونا ہو گا یا چاندی ہو گا یا ان دونوں کے علاوہ مثلی چیز ہو گا یا قیمی ہو گا یعنی قیمت کی طرف منسوب ہو گا۔ پہلے کی بیس صورتیں ہیں۔ کیونکہ جس کو ہبہ کیا گیا ہے وہ کل ہو گا یا نصف ہو گا یا ان میں سے ہر ایک قبضہ سے پہلے ہو گا یا قبضہ کے بعد ہو گا یا نصف کے قبضہ کے بعد ہو گا یا نصف سے کم کے قبضہ کے بعد ہو گا یا نصف سے زائد پر قبضہ کے بعد ہو گا تو یہ دس صورتیں بنتی ہیں یا ان میں سے ہر ایک ٹکسال سے نکلا ہوا ہو گا یا ابھی تبر (ڈھلا ہوا نہ ہو) ہو گا۔ اس کی بیس صورتیں ہیں۔ پہلی دس مثلی میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک معین ہو گا یا معین نہیں ہو گا۔ اسی طرح ان میں صورتحال ہو گی جو ذوات القیم میں سے ہیں۔ احکام مذکور ہیں۔ ''النہر'' میں اس کی اتباع کی۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل زائد ہو سکتی ہے۔ یہ ایک سو بیس ہو سکتی ہیں کہ یوں کہا جائے جو چیز ہبہ کی گئی ہے وہ تمام مہر ہو گا، نصف ہو گا، نصف سے زائد ہو گا یا نصف سے کم ہو گا۔ یہ چار صورتیں ہیں جن کو مذکورہ پانچ سے ضرب دی جائے تو کل بیس بن جاتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ٹکسال سے نکلا ہو گا یا ابھی ڈھلا ہی نہ ہو گا تو یہ چالیس ہو گئیں۔ اسی طرح ہر مثلی اور قیمی میں چالیس صورتیں ہیں۔ نصف سے اکثر اور اقل کے ہبہ کا حکم (مقولہ 12067 میں) گزر چکا ہے۔

(نَكَحَهَا بِأَلْفٍ عَلَى أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ أَوْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا أَوْ) نَكَحَهَا (عَلَى أَلْفٍ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَعَلَى أَلْفَيْنِ إِنْ أَخْرَجَهَا، فَإِنْ وَفَّى) بِمَا شَرَطَهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى

مرد نے عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ وہ اسے شہر سے نہیں نکالے گا یا اس شرط پر کہ کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا یا اس عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ اسے ایک ہزار مہر دے گا اگر اسے اسی شہر میں ٹھہرایا اور دو ہزار مہر دے گا اگر اسے اس شہر سے باہر لے گیا اگر پہلی صورت میں اس کی شرط پوری کی۔

12070_(قولہ: فَإِنْ وَفَّى) اس کا فا مشدد ہے۔ اس کا باب وفّی یوفّی توفیہ ہے۔ یہ تخفیف کے ساتھ وفی یفی وفاء سے نہیں ہے۔ اس کا قرینہ والا یوف ہے۔ ''حموی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

12071_(قولہ: أَقَامَ بِهَا) پہلی صورت میں توفیہ کا ذکر کیا ہے اس میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں مسمی کو مال اور غیر مال بنایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خاوند نے اس کے لئے شرط لگائی اور اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ اسے اس شہر سے باہر نہیں لے جائے گا اور اس پر کسی عورت سے شادی نہیں کرے گا۔ جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے تو مسمی صرف مال ہے۔ ایک تقدیر کی بنا پر قلیل اور ایک تقدیر کی بنا پر کثیر مال کا ذکر کیا۔ جس طرح شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں مسمی میں کسی ایسی چیز کا وعدہ نہیں کہ اسے پورا کرنے کے ساتھ تعبیر اس کے مناسب ہو۔ اس کی وضاحت کریں گے کہ بعض اوقات خاوند اس میں صرف تردید لاتا ہے کہ وہ عورت ثیبہ ہو یا باکرہ ہو جس طرح آگے آئے گا۔ فافہم۔

12072_(قولہ: الْأُولَى الخ) اس کا ضابطہ یہ ہے کہ خاوند عورت کے لئے ایک مقدار کا ذکر کرے جبکہ عورت کا مہر مثل اس سے زائد ہو اور خاوند ایسی شرط ذکر کرے جس میں عورت کے لئے منفعت ہو، اس کے باپ کے لئے منفعت ہو یا اس عورت کے ذی رحم محرم کے لئے منفعت ہو۔ اور منفعت ایسی ہو جس سے انتفاع مباح ہو اور خاوند کے عمل پر موقوف ہو محض عقد سے حاصل نہ ہو۔ اور عورت پر خاوند کے لئے کسی شے کے لوٹانے کی شرط نہ لگائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند عورت سے ہزار پر عقد نکاح کرے اس شرط پر کہ عورت کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کی تکریم کرے گا یا اسے ہدیہ دے گا یا اپنی بیٹی کی شادی اس کے باپ سے کر دے گا یا بیوی کے بھائی کو آزاد کر دے گا یا اس کی سوکن کو طلاق دے دے گا۔ اگر منفعت اجنبی کے لئے ہو اور خاوند اسے پورا نہ کرے تو عورت کو صرف معین کردہ مہر ملے گا۔ کیونکہ متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے منفعت مقصود نہیں۔ اور بدرجہ اولی اس کی مثل حکم ہو گا اگر وہ ایسی شرط لگاتا ہے جو عورت کو تکلیف دے جس طرح وہ یہ شرط لگائے کہ اس پر کسی اور عورت سے شادی کرے گا۔ اسی طرح اگر مسمی مہر مثل ہو یا مہر مثل سے زائد ہو اگر مشروط غیر مباح چیز ہو جس طرح شراب اور خنزیر اگر مسمی دس درہم ہو یا اس سے زائد ہو تو عورت کے لئے وہی ثابت ہو گا اور مشروط باطل ہو جائے گا اور مہر مثل مکمل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان حرام چیز سے نفع حاصل نہیں کرتا تو اس کے فوت ہونے سے عوض واجب نہیں ہوتا۔ اگر مرد نے عورت سے ہزار اور اس کے بھائی کے آزاد کرنے پر عقد نکاح کیا یا اس کی سوکن کو طلاق دینے پر عقد نکاح کیا

(وَأَقَامَ) بِهَا فِي الثَّانِيَةِ (فَلَهَا الْأَلْفُ) لِرِضَاهَا بِهِ فَهُنَا صُورَتَانِ الْأُولَى تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ مَعَ ذِكْرِ شَرْطٍ يَنْفَعُهَا وَالثَّانِيَةُ تَسْمِيَةُ مَهْرٍ عَلَى تَقْدِيرٍ وَغَيْرِهِ عَلَى تَقْدِيرٍ (وَإِلَّا) يُوفِ وَلَمْ يُقِمْ (فَمَهْرُ الْمِثْلِ)

اور دوسری صورت میں عورت کو اسی شہر میں رکھا تو عورت کو ہزار ہی ملے گا۔ کیونکہ وہ ہزار پر راضی ہے یہاں دو صورتیں ہیں (۱) مہر معین کرنا ساتھ ہی ایسی شرط ذکر کرنا جو عورت کو نفع دے (۲) ایک تقدیر پر ایک مقدار معین کرنا اور دوسری تقدیر پر دوسری مقدار معین کرنا اگر شرط پوری نہ کی اور اسے اسی شہر میں نہ رکھا تو مہر مثل لازم ہوگا۔

اور مصدر کا لفظ استعمال کیا مضارع کا لفظ استعمال نہ کیا تو بھائی آزاد ہو جائے گا اور نفس عقد کے ساتھ ہی سوکن کو طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ طلاق غیر متقوم چیز کے مقابل ہے وہ بضعہ ہے اور بیوی کیلئے صرف مہر مسمی ہوگا اور ولاء صرف اسی مرد کے لئے ہوگی مگر جب وہ کہے: و عتق اخیھا عنھا اس کے بھائی کو آزاد کروں گا اس عورت کی جانب سے تو ولاء عورت کے لئے ہوگی۔ اگر خاوند نے عورت سے ہزار پر شادی کی اور اس پر شادی کی کہ وہ فلاں عورت کو طلاق دے دے گا اور اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ عورت خاوند پر غلام لوٹائے گی تو ہزار مہر مثل اور غلام کی قیمت پر تقسیم ہوگا۔ اگر برابر ہو تو ہزار کا نصف غلام کی قیمت اور نصف مہر ہوگا۔ اگر حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے طلاق دے دی تو عورت کو اس کا نصف ملے گا۔ اگر حقوق زوجیت کے بعد طلاق دی تو دیکھا جائے گا۔ اگر مہر مثل پانچ سو یا اس سے کم ہو تو اس کے لئے وہی کچھ ہوگا۔ اگر مہر مثل زائد ہوا اگر تو شرط پوری کی تو حکم اسی طرح ہوگا بصورت دیگر مہر مثل ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''المحیط'' اور ''الفتح''، ''مبسوط'' سے مروی ہے۔ تکریم کرنے اور ہدیہ کے بارے میں گفتگو آگے (مقولہ 12103 میں) آئے گی۔

حاصل مسئلہ چند صورتوں پر ہے۔ یا تو شرط عورت کے لئے نفع مند ہوگی یا اجنبی کے لئے نفع مند ہوگی یا عورت کے لئے نقصان کا باعث ہوگی یا تو سب محض نکاح سے حاصل ہوں گی یا خاوند کے فعل پر موقوف ہوں گی۔ پھر چھ صورتوں میں سے یا تو مہر مثل مہر مسمی سے زیادہ ہوگا یا کم ہوگا یا اس کے مساوی ہوگا اس میں سے ہر ایک حقوق زوجیت سے پہلے ہوگا یا اس کے بعد ہوگا۔ ہر ایک سے انتفاع شرط کے ساتھ مباح ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا۔ ہر ایک میں عورت پر کوئی چیز لوٹانا لازم ہوگا یا لوٹانا لازم نہیں ہوگا۔ ہر ایک میں شرط کو پورا کیا جائے گا یا پورا نہیں کیا جائے گا یہ دو سو اٹھاسی صورتیں بنتی ہیں۔ ''البحر'' میں جو بحث ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

12073۔ (قولہ: الثَّانِيَةِ الخ) ''فتح'' میں کہا: جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مرد اس عورت سے ہزار پر عقد نکاح کرے اگر وہ عورت کو اسی شہر میں رکھے یا اس شرط پر عقد نکاح کرے کہ وہ اس پر کسی سے عقد نکاح نہیں کرے گا یا اس شرط پر عقد نکاح کرے کہ اس کی سوکن کو طلاق دے دے گا یا اس شرط پر عقد نکاح کرے کہ وہ لونڈی ہے، عجمی ہے یا ثیبہ ہے تو مہر ہزار ہوگا اگر اس کی ضد ہوئی تو مہر دو ہزار ہوگا۔''

لِفَوْتِ رِضَاهَا بِفَوَاتِ النَّفْعِ (وَ) لَكِنْ (لَا يُزَادُ) الْمَهْرُ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأَخِيرَةِ (عَلَى أَلْفَيْنِ وَلَا يُنْقَصُ عَنْ أَلْفٍ) لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى ذَلِكَ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ تَنَصَّفَ الْمُسَمَّى فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ لِسُقُوطِ الشَّرْطِ وَقَالَا الشَّرْطَانِ صَحِيحَانِ

کیونکہ منفعت کے فوت ہونے سے اس کی رضا فوت ہوگئی ہے۔ لیکن دوسرے مسئلہ میں مہر دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا اس پر اتفاق ہے اگر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دی تو دونوں مسئلوں میں معین کردہ مہر کا نصف لازم ہوگا۔ کیونکہ شرط ساقط ہو چکی ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: دونوں شرطیں صحیح ہیں۔

12074۔ (قولہ: بِفَوَاتِ النَّفْعِ) باسببیہ ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں مرد نے ایسی چیز ذکر کی ہے جس میں عورت کے لئے نفع ہے۔ وہ اس عورت کو شہر سے نہ نکالنا، اس پر کسی سے شادی نہ کرنا وغیرہ ہے۔ جب وہ شرط پوری کرے تو عورت کے لئے مقرر کردہ مہر ہوگا۔ کیونکہ یہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عورت کی رضا اس کے ساتھ مکمل ہو چکی ہے اور اس کے فوت ہونے کی صورت میں معین مہر پر اس کی رضا معدوم ہو چکی ہے۔ پس عورت کا مہر مثل مکمل کیا جائے گا اور دوسری صورت میں اس نے دو مقداریں ذکر کی ہیں ان میں سے دوسری جہالت کی وجہ سے صحیح نہیں جس طرح آگے (مقولہ 12103 میں) آئے گا۔ پس اس میں مہر مثل واجب ہوگا۔

12075۔ (قولہ: فِي الْمَسْأَلَةِ الْأَخِيرَةِ) یہ صرف ولا یزاد علی الفین کے قول کی قید ہے۔ ''ح''۔ بعض نسخوں میں: فی الصورۃ الثانیۃ ذات التقدیرین ہے۔

12076۔ (قولہ: وَلَا يُنْقَصُ عَنْ أَلْفٍ) یعنی دونوں مسئلوں میں ہزار سے کمی نہیں کی جائے گی۔

12077۔ (قولہ: لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى ذَلِكَ) یعنی اگر دوسرے مسئلہ میں مہر مثل دو ہزار سے زائد ہو تو اس عورت کو دو ہزار سے زائد نہیں ملے گا۔ کیونکہ عورت دو ہزار پر مرد کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس نے عورت کے لئے ایک ہزار اور دو ہزار میں امر کو لوٹایا تھا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اگر مہر مثل ایک ہزار سے زائد ہو تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا جہاں تک بھی وہ مہر پہنچے۔ کیونکہ وہ صرف ایک ہزار پر راضی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایسے وصف پر راضی ہوئی تھی جو اس کے لئے نفع بخش تھا اور وہ اسے حاصل نہیں ہوا اگر دونوں مسئلوں میں ہزار سے کم ہو تو اس کو ہزار ہی ملے گا۔ کیونکہ خاوند ہزار دینے پر راضی ہے۔

12078۔ (قولہ: لِسُقُوطِ الشَّرْطِ) کیونکہ جب اس نے شرط کو پورا نہ کیا تو مکمل مہر مثل واجب ہو گیا اور حقوق زوجیت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل واجب نہیں ہوتا۔ پس مہر مثل کا اعتبار ساقط ہوگا۔ پس مہر مسمی ہی باقی رہ گیا وہ نصف لازم ہوگا، ''بدائع''۔

12079۔ (قولہ: وَقَالَا الشَّرْطَانِ صَحِيحَانِ) یعنی دوسرے مسئلہ میں دونوں شرطیں صحیح ہیں۔ ''ہدایہ'' میں کہا:

(بِخِلَافِ مَا لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ إِنْ كَانَتْ قَبِيحَةً وَعَلَى أَلْفَيْنِ إِنْ كَانَتْ جَمِيلَةً فَإِنَّهُ يَصِحُّ الشَّرْطَانِ) اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ لِقِلَّةِ الْجَهَالَةِ

اگر اس نے شادی کی کہ ہزار مہر دوں گا اگر قبیحہ ہوئی اور دو ہزار مہر دوں گا اگر خوبصورت ہو تو یہ معاملہ پہلے سے مختلف ہوگا۔ کیونکہ صحیح ترین قول کے مطابق بالاتفاق دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ جہالت کم ہے۔

یہاں تک کہ عورت کے لئے ہزار ہوگا اگر خاوند نے اسے وہاں ہی رکھا۔ اور عورت کے لئے دو ہزار ہوگا اگر اسے وہاں سے باہر لے گیا۔ امام ''زفر'' نے کہا: دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ عورت کے لئے مہر مثل ہوگا جو ہزار سے کم نہ ہو اور دو ہزار سے زائد نہ ہو مسئلہ کی اصل اجارات میں ہے وہ کہے: اگر تو نے آج کپڑے سی کر دیئے تو تیرے لئے ایک درہم ہوگا اگر کل سی کر دیئے تو تیرے لئے نصف درہم ہوگا۔

12080۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اس کا مقابل وہ قول ہے جو ''نوادر ابن سماعہ'' میں ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ مختلف فیہ ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

12081۔ (قولہ: لِقِلَّةِ الْجَهَالَةِ) ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اس کا یہ جواب ہے کیونکہ آپ نے مسئالہ متقدمہ میں دوسری شرط کو فاسد کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نے عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ اگر اسے اسی شہر میں رکھا تو ہزار دے گا اور اگر اس سے باہر لے گیا تو دو ہزار دے گا۔ اس صورت میں دونوں شرطوں کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ دونوں صورتوں میں تردید موجود ہے۔ ''الغایہ'' میں اسی کا جواب دیا ہے: متقدمہ صورت میں شک و اضطراب دوسرے تسمیہ پر داخل ہوا ہے۔ کیونکہ خاوند نہیں جانتا کہ کیا وہ عورت کو باہر لے جائے گا یا باہر نہیں لے جائے گا؟ مگر یہاں عورت کی صفت ایک ہی ہے وہ حسین ہوگی یا قبیح ہوگی۔ اور خاوند کی عورت کی صفت کے بارے میں جہالت اضطراب و شک کو واجب نہیں کرتی۔ ''زیلعی'' نے اس کا رد کیا ہے: مسئلہ متقدم کی صورتوں میں سے ہے کہ اگر مرد نے عورت سے دو ہزار پر عقد نکاح کیا اگر وہ آزاد ہو یا خاوند کی اور بیوی ہے اور ایک ہزار پر عقد نکاح کیا اگر وہ لونڈی ہو یا اس کی کوئی اور بیوی نہ ہو جبکہ کوئی شک و اضطراب نہیں لیکن حال مجہول ہے۔ ''البحر'' میں جواب دیا: عورت اگرچہ تمام میں ایک ہی صفت پر ہے لیکن آزادی اور آزادی نہ ہونے میں جہالت قوی ہے۔ کیونکہ یہ ایسا امر نہیں جس کا مشاہدہ کیا جا سکے اسی وجہ سے اگر تنازع واقع ہو جائے تو اس کے اثبات کی ضرورت ہوگی تو اس میں معناً مخاطرہ ہے۔ جمال اور قبح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اس کی جہالت کم ہے کیونکہ یہ مشقت کے بغیر زائل ہو جاتی ہے''۔

''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے: اس کی تعبیر کی بنا پر چاہئے کہ صحت کو تسلیم کیا جائے اگر وہ دو ہزار پر عقد نکاح کرے اگر اس کی بیوی ہو اور ہزار پر عقد نکاح کرے اگر اس کی بیوی نہ ہو۔ کیونکہ نکاح تو باہم کلام سننے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے تو منازع کے وقت اس کے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بِخِلَافِ مَا لَوْ رَدَّدَ فِي الْمَهْرِ بَيْنَ الْقِلَّةِ وَالْكَثْرَةِ لِلثُّيُوبَةِ وَالْبَكَارَةِ، فَإِنَّهَا إِنْ ثَيِّبًا لَزِمَهُ الْأَقَلُّ وَإِلَّا فَمَهْرُ الْمِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى الْأَكْثَرِ وَلَا يُنْقَصُ عَنِ الْأَقَلِّ فَتْحٌ، وَلَوْ شَرَطَ الْبَكَارَةَ فَوَجَدَهَا ثَيِّبًا لَزِمَهُ الْكُلُّ دُرَرٌ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ

اگراس نے مہر کو کم یا زیادہ کیا۔ ثیبہ اور باکرہ ہونے کے اعتبار سے تو معاملہ اس سے مختلف ہوگا۔ کیونکہ عورت اگر ثیبہ ہوئی تو اس پر کم مہر لازم ہوگا بصورت دیگر مہر مثل لازم ہوگا۔ جو اکثر مقدار سے زائد نہیں ہوگا اور اقل مقدار سے کم نہیں ہوگا۔ ''فتح''۔ اگر خاوند نے باکرہ کی شرط لگائی تو اسے ثیبہ پایا تو تمام مہر لازم ہوگا ''درر''۔ ''بزازیہ'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی خفا نہیں کیونکہ باہم قول سننے سے اس کا اثبات اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ثابت کرنے کی احتیاج ہو۔ اس شرط پر کہ اس کی ایک اور شہر میں بیوی ہو جو غائب ہو جسے کوئی بھی نہیں جانتا۔ جمال اور قبح کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے اس کی اتباع کی جو ''البحر'' میں ہے اور ''النہر'' میں جو کچھ ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

12082۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ رَدَّدَ الخ) یہ بھی متقدمہ مسئلہ کی صورتوں میں سے ہے جن کا ذکر کیا کہ قبح اور جمال میں تردید والے مسئلہ کے خلاف ہے۔ اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قلت اور کثرت میں مہر کی تردید کی صورت میں اگر اقل والی شرط پائی گئی تو خاوند پر اقل مہر لازم ہو جائے گا ورنہ اکثر لازم نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل لازم ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ مگر قبح اور جمال والی صورت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں جو بھی شرط پائی جائے گی معین کردہ مہر واجب ہو جائے گا سب کا اس پر اتفاق ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرق بیان کیا ہے وہ پہلے (مقولہ 12081 میں) گزر چکا ہے۔

12083۔ (قولہ: وَلَوْ شَرَطَ الخ) یہ استطرادی مسئلہ ہے۔ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں اور ماقبل کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ مہر مسمی کو ایک پسندیدہ وصف کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔

اگر عورت کے باکرہ ہونے کی شرط لگائی گئی اور وہ ثیبہ نکلی تو اس کا حکم

12084۔ (قولہ: لَزِمَهُ الْكُلُّ) مہر صرف استمتاع کے لئے مشروع کیا گیا ہے باکرہ ہونے کے ساتھ مشروع نہیں۔ ''حموی'' نے ''مجمع النہر'' سے نقل کیا ہے۔

12085۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ) میں کہتا ہوں: اس کی عبارت ہے: مرد نے عورت سے اس شرط پر عقد نکاح کیا کہ وہ باکرہ ہے جبکہ وہ باکرہ نہ تھی تو تمام مہر واجب ہوگا۔ اس عورت کا امر صالحیت پر ہی محمول کیا جائے گا کہ اس کا پردہ بکارت اچھلنے سے زائل ہوا ہے۔ اگر مرد نے عورت سے شادی کی کہ وہ اسے مہر مثل سے زائد مہر دے گا کیونکہ وہ باکرہ ہے جبکہ وہ باکرہ نہ تھی تو زیادتی واجب نہ ہوگی۔ تطبیق متامل کے لئے واضح ہے۔

تطبیق کی صورت جو ''العمادیہ'' میں ''فوائد المحیط'' سے دوسرے مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے ذکر کی: مرد نے زیادتی

(وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى هَذَا الْعَبْدِ أَوْ عَلَى هَذَا الْأَلْفِ) أَوْ الْأَلْفَيْنِ (أَوْ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ وَهَذَا الْعَبْدِ) أَوْ عَلَى أَحَدِ هَذَيْنِ (وَأَحَدُهُمَا أَوْكَسُ

اگر مرد نے عورت سے اس غلام یا اس ہزار یا دو ہزار پر عقد نکاح کیا یا اس غلام پر یا اس غلام پر یا ان دونوں غلاموں میں سے ایک پر عقد نکاح کیا اور ان دونوں غلاموں میں سے ایک ادنیٰ تھا

کو ایسی چیز کے مقابل رکھا ہے جو مرغوب ہے جبکہ وہ مرغوب چیز فوت ہو چکی ہے تو جو چیز اس کے مقابل ہوگی وہ بھی واجب نہ ہوگی۔ اور تو اس سے باخبر ہے کہ ''بزازیہ'' کے کلام میں مطلقاً کل مہر کے لزوم کو ترجیح نہیں دی گئی بلکہ اس میں تفصیل کو ترجیح دی ہے۔ اور مہر مثل اور اس سے زائد پر عقد نکاح میں فرق ہے۔ ہاں ''بزازیہ'' میں اس کے بعد کہا: اگر مرد نے بیوی کو مہر معجّل سے زائد دیا اس شرط پر کہ وہ باکرہ ہے تو وہ ثیبہ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زائد کو وہ واپس کرے گی۔ مشائخ بخاری کے پسندیدہ قول پر قیاس کرتے ہوئے اسے زائد واپس لینا چاہئے۔ اس صورت میں جب مرد نے مہر معجّل کے طریقہ پر عورت کو کثیر مال دیا کہ وہ اسے بہترین جہیز کا سامان دیں عورت اعلیٰ جہیز کا سامان نہ لائی تو معجّل مہر مثل سے زائد خاوند واپس لے سکتا ہے۔ خوارزم کے ائمہ نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔ لیکن ''فوائد الامام ظہیر الدین'' میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں کوئی چیز واپس نہیں لے گا۔ یعنی مہر مثل سے زائد دینے کی صورت میں اور مہر معجّل سے زائد دینے کی صورت میں جس طرح ''الفصول العمادیہ'' کی طرف مراجعت سے معلوم ہو جاتا ہے۔ پس ''بزازیہ'' کا قول ''عمادیہ'' کی پیروی میں ہی ہے۔ ولکن صرح یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ کوئی چیز واپس نہ لینے کا معاملہ راجح ہے اور پورا مہر لازم ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الوہبانیہ'' میں مسئلہ کو نظم کیا ہے اور زیادتی کے واجب نہ ہونے کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ تمام مہر لازم ہوگا جس طرح صاحب ''الدرر''، ''الوقایہ'' اور ''الملتقی'' کے مطلق کلام کا مقتضی ہے۔

12086۔ (قولہ: وَلَوْ تَزَوَّجَهَا الخ) اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ذکر کرے جن کی قیمت مختلف ہو جنس متحد ہو یا مختلف ہو، ''نہر''۔

12087۔ (قولہ: أَوْ الْأَلْفَيْنِ) الف کے بعد اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر معدوم ہے کہ الف قید نہیں۔ اولیٰ ''بحر'' کا قول ہے: او علی هذا الالف او الالفين۔ یہ دوسری مثال ہے اس کی مثل جو اس کے بعد ہے جس میں جنس کے متحد ہونے کے باوجود قیمت میں اختلاف ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ او الالفين کا عطف علی هذا العبد او علی هذا الالف کے مجموعہ پر ہو کہ ان میں سے ہر ایک پر انفرادی طور پر عطف ہو۔ جیسے خاوند کہے: میں نے تجھ سے اس غلام یا ان دو ہزار پر عقد نکاح کیا یا وہ کہے: اس ہزار پر یا ان دو ہزار پر۔ ''تامل''

12088۔ (قولہ: أَوْ عَلَى أَحَدِ هَذَيْنِ) او کے حکم اور احدھما کے لفظ میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اس میں حکم اسی طرح ہے جس طرح ''المحیط'' میں تصریح کی ہے، ''بحر''۔

12089۔ (قولہ: وَأَحَدُهُمَا أَوْكَسُ) جملہ حال کی جگہ واقع ہے۔ ''قاموس'' میں الوکس وعد کی طرح ہے جس کا معنی

حَکَمَ) الْقَاضِي (مَهْرَ الْمِثْلِ) فَإِنْ مِثْلَ الْأَرْفَعِ أَوْ فَوْقَهُ فَلَهَا الْأَرْفَعُ، وَإِنْ مِثْلَ الْأَوْكَسِ أَوْ دُونَهُ فَلَهَا الْأَوْكَسُ وَإِلَّا فَمَهْرُ الْمِثْلِ (وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ يُحَكِّمُ مُتْعَةَ الْمِثْلِ) لِأَنَّهَا الْأَصْلُ، حَتَّى لَوْ كَانَ نِصْفُ الْأَوْكَسِ أَقَلَّ مِنَ الْمُتْعَةِ وَجَبَتِ الْمُتْعَةُ فَتْحٌ

تو قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے گا۔ اگر مہر مثل وہ ادنی کی مثل یا اس سے بھی کم ہو تو اس کو ادنیٰ غلام ملے گا ورنہ مہر مثل ملے گا۔ اور حقوق زوجیت سے قبل طلاق کی صورت میں قاضی متعہ مثلی کا فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ یہی اصل ہے یہاں تک کہ اگر ادنیٰ غلام کا نصف متعہ سے بھی کم ہو تو متعہ واجب ہوگا۔ ''فتح''۔

نقص اور تنقیص ہے۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ قید ذکر کی کیونکہ اگر دونوں قیمت میں برابر ہوں تو بالاتفاق تسمیہ درست ہوگا۔ ''بحر'' میں ''فتح'' سے منقول ہے۔ اس سے قبل کہا: اگر دونوں برابر ہوں تو کوئی تحکم نہیں عورت کو خیار ہوگا کہ ان دونوں میں سے جو چاہے لے لے۔

12090۔ (قولہ: حَکَمَ مَهْرَ الْمِثْلِ) یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت کو اقل ملے گا اور متون اول پر ہیں۔ ''التحریر'' میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی ہے اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ مہر مثل امام اعظم کے نزدیک اصل ہے۔ اگر تسمیہ درست ہو تو مسمی اس کا نائب ہے۔ یہاں جہالت کی وجہ سے فاسد ہے۔ پس اسے اصل کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کا محل یہ ہے کہ جب عورت یا مرد کے لئے خیار کی تصریح نہ کی اگر کہا: عورت کو خیار ہوگا عورت جو چاہے گی لے لے گی یا مجھے خیار ہوگا کہ میں تجھے دوں گا جو چاہوں گا یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ کیونکہ منازعہ ختم ہو چکا ہے۔ نکاح کی قید ذکر کی کیونکہ دو مختلف چیزوں میں سے ایک پر خلع یا اس پر آزادی ہو تو یہ بالاتفاق اقل کو واجب کرے گا۔ کیونکہ اس کا کوئی واجب اصل نہیں کہ تسمیہ کا فاسد ہونے پر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس اقل واجب ہوگا اقرار میں معاملہ اسی طرح ہے اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

12091۔ (قولہ: فَإِنْ فَلَهَا الْأَرْفَعُ) کیونکہ وہ کمی کرنے پر راضی ہے ''ہدایہ''۔

12092۔ (قولہ: فَلَهَا الْأَوْكَسُ) کیونکہ خاوند زیادتی پر راضی ہے ''ہدایہ''۔

12093۔ (قولہ: وَإِلَّا) کہ وہ ارفع اور اوکس کے درمیان ہو۔

12094۔ (قولہ: لِأَنَّهَا الْأَصْلُ) یعنی دخول سے قبل طلاق کی صورت میں۔ جس طرح طلاق سے پہلے اصل مہر مثل لازم ہوتا ہے ''بحر''۔

12095۔ (قولہ: وَجَبَتِ الْمُتْعَةُ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ''الدرر'' میں جو واقع ہے کہ یہ ''وقایہ'' اور ''ہدایہ'' کی تبع میں ہے: بالاتفاق اوکس کا نصف واجب ہوگا یہ غالب امر پر مبنی ہے کہ متعہ اوکس کے نصف سے زائد نہیں ہوتا۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی علت بیان کی ہے یہاں تک کہ اگر متعہ زائد ہو تو متعہ واجب ہوگا جس طرح

(وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ) أَوْ عَبْدٍ أَوْ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فِرَاشِ بَيْتٍ أَوْ عَدَدٍ مَعْلُومٍ مِنْ نَحْوِ إِبِلٍ (فَالْوَاجِبُ) فِي كُلِّ جِنْسٍ لَهُ وَسَطٌ (الْوَسَطُ أَوْ قِيمَتُهُ) وَكُلُّ مَا لَمْ يَجُزْ السَّلَمُ فِيهِ فَالْخِيَارُ لِلزَّوْجِ وَإِلَّا فَلِلْمَرْأَةِ

اگر مرد نے عورت سے گھوڑے، غلام، ثوب ہروی، کمرے کے فراش یا عدد معلوم پر عقد نکاح کیا جس طرح اونٹ تو ہر جنس سے درمیانی واجب ہوگا۔ جس کا درمیانہ ہو۔ یا اس کی قیمت واجب ہوگی ہر وہ چیز جس کو سپرد کرنا جائز نہ ہو تو خیار خاوند کو ہوگا بصورت دیگر خیار عورت کو ہوگا۔

''الخانیہ'' اور ''الدرایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: تحقیق یہ ہے کہ فیصلہ متعہ کا ہوگا۔ تو اس امر کو بیان کیا کہ اگر متعہ اعلیٰ غلام کے نصف سے زائد ہو تو نصف سے زائد لازم نہیں کیا جائے گا کیونکہ عورت اس پر راضی ہو چکی ہے، ''رحمتی''۔

کسی ایسی چیز پر عقد نکاح کیا گیا جس کی جنس معلوم ہو وصف مجہول ہو تو اس کا حکم

12096۔ (قولہ: وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ الخ) ایک اور مسئلہ میں شروع ہو رہے ہیں اس کا موضوع یہ ہے کہ مرد نے عورت سے ایسی چیز پر عقد نکاح کیا جس کی جنس تو معلوم ہو وصف معلوم نہ ہو جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ ان کا قول فالواجب الوسط او قیمتہ یہ تسمیہ کے صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ جنس معلوم جید اور ردی پر مشتمل ہے۔ اور وسط دونوں سے حصہ لیتا ہے۔ جس کی جنس مجہول ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی وسط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اجناس کے معانی مختلف ہیں بے شک عورت خاوند کو اختیار دے گی کہ وہ درمیانی چیز دے دے یا اس کی قیمت دے دے۔ کیونکہ وسط کی پہچان قیمت سے ہی ہو سکتی ہے۔ پس یہ ایفا (پورا کرنا) کے حق میں اصل ہے۔ مبہم کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ اشارہ کے ساتھ معین صورت میں جس طرح یہ غلام یا یہ گھوڑا اس میں محض قبول سے ملک ثابت ہو جاتی ہے اگر وہ چیز خاوند کی مملوک ہو بصورت دیگر خاوند اس کے لئے وہ چیز خریدے تو وہ اس سے لے لے۔ اگر خاوند عاجز آ جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اس طرح خاوند اسے اپنی طرف منسوب کرے جس طرح عبدی تو عورت کو قیمت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا یہ تعریف کے اسباب میں سے ہے جس طرح اشارہ ہے۔ لیکن اس صورت میں جب خاوند کے کئی غلام ہوں تو خاوند کی ملکیت ان میں سے ایک درمیان میں ثابت ہو جائے گی۔ اس پر تعیین ہوگی۔ ''البحر'' میں قول ہے: عورت کی ملکیت اس کی تعیین پر موقوف ہوگی'' یہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اضافت ابہام کی طرح ہے۔ کیونکہ ابہام کی صورت میں اگر خاوند نے درمیانے غلام کو معین کر دیا تو عورت کو وہ غلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''النہر'' میں ہے۔

12097۔ (قولہ: فِي كُلِّ جِنْسٍ لَهُ وَسَطٌ) اس تعمیم کے ساتھ عقد کیا ہے کہ یہ حکم گھوڑے، غلام یا جن چیزوں کو ان پر عطف کیا گیا ہے انہیں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر اس جنس کو عام ہے جس کا درمیانہ معلوم ہو، ''ح''۔

12098۔ (قولہ: وَكُلُّ مَا لَمْ يَجُزْ السَّلَمُ فِيهِ الخ) جب کپڑے کی یہ صفت ذکر کی جیسے ہروی تو خاوند کو اختیار ہوگا کہ وہ درمیانہ کپڑا دے یا اس کی قیمت دے جس طرح پہلے (مقولہ 12096 میں) گزر چکا ہے۔ اسی طرح اگر خاوند نے

(وَكَذَا الْحُكْمُ) وَهُوَ لُزُومُ الْوَسَطِ (فِي كُلِّ حَيَوَانٍ ذُكِرَ جِنْسُهُ) هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ الْمَقُولُ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ فِي الْأَحْكَامِ (دُونَ نَوْعِهِ) هُوَ الْمَقُولُ عَامَّةُ عَلَى كَثِيرِينَ

اور یہی حکم ہوگا یعنی درمیانہ لازم ہوگا ہر اس حیوان میں جس کی جنس ذکر کی گئی ہو۔ فقہاء کے نزدیک جنس سے مراد ایسی کلی ہے جو کثیر افراد پر بولی جائے جو احکام میں مختلف ہوں اس کی نوع ذکر نہ کی جائے۔ اور نوع سے مراد ایسی کلی ہے جو کثیر افراد پر صادق آئے

اس کے وصف میں مبالغہ کیا جیسے کہا: اس کی لمبائی اتنی ہوگی۔ یہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ اور اگر وہ اس مبالغہ کے ساتھ اجل (مدت) ذکر کرے تو عورت کو حق ہوگا کہ وہ قیمت قبول نہ کرے۔ کیونکہ کپڑوں میں بیع سلم کرنے کی صحت اجل کے ذکر پر موقوف ہوتی ہے۔ کیلی اور وزنی چیز میں جب اس کی صفت ذکر کی جس طرح جیدہ جو جو سے خالی ہو صعیدیہ یا بحریہ تو مسمی متعین ہو جائے گا اگر چہ اجل کا ذکر نہ کرے۔ کیونکہ اس میں موصوف ذمہ میں ثابت ہو چکا ہے اگر چہ موجل نہ ہو جس طرح ''النہر'' اور ''البحر'' میں ہے۔ عورت کو خیار ہونے کا معنی یہ ہے کہ عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ قیمت کو قبول نہ کرے جب مرد جبراً اسے قیمت دے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ خاوند کو قیمت دینے پر مجبور کرے جب وہ عین یعنی اصل مسمی دینے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ جب عین سپرد کرنا صحیح ہے تو عورت کا عین میں حق متعین ہو جائے گا۔

اسے ذہن نشین کر لو۔ ''الفتح'' میں یہ تصریح کی ہے: ''ہدایہ'' کا قول: ظاہر روایت میں اس سے احتراز ہے جو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ خاوند کو مجبور کیا جائے گا کہ درمیانے کا عین دے (یعنی درمیانی چیز ہی دے قیمت نہ دے) یہ امام ''زفر'' کا قول ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے احتراز ہے کہ اگر اجل کا ذکر کرے ساتھ ہی کپڑے کے وصف میں مبالغہ کرے یعنی اس کا طول، عرض اور رقہ (باریک ہونا) کا ذکر کرے تو کپڑا معین ہو گیا۔ ''المبسوط'' سے بھی اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ پھر امام ''زفر'' کی روایت کو راجح قرار دیا اور ''المجمع'' میں اس کی تصریح کی کہ یہی صحیح ترین ہے۔ ''درر البحار'' میں بھی اسی طرح ہے۔ ''غرر الاحکام'' اور ''ابن ملک'' میں اسے ہی ثابت رکھا ہے۔ پھر یہ مخفی نہیں اگر چہ یہ متعین نہیں۔ پھر بھی ضروری ہے کہ وہ اوصاف جن کا ذکر خاوند نے کیا ہے ان کا اعتبار کرتے ہوئے درمیانے کا عین یا اس کی قیمت دے۔

12099۔ (قولہ: وَكَذَا الْحُكْمُ وَهُوَ لُزُومُ الْوَسَطِ فِي كُلِّ حَيَوَانٍ الخ) فرس کا ذکر قید نہیں اگر پہلے کہتے: اگر مرد عورت سے جنس معلوم پر شادی کرے تو درمیانی یا اس کی قیمت لازم ہوگی تو یہ کلام مختصر اور جامع ہوتی۔ کیونکہ یہ عبد اور ثوب ہروی کو شامل ہے۔ ''حموی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

12100۔ (قولہ: هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ الخ) جہاں تک مناطقہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک جنس سے مراد ایسی کلی ہے جو کثیر افراد پر بولی جائے جن کی حقیقتیں مختلف ہوں اور جو ما ھو کے جواب میں ہو۔ اور نوع سے مراد ایسی کلی ہے جو ایسے کثیر افراد پر بولی جائے جن کی حقیقت ایک ہی ہو اور عدد مختلف ہو۔

12101۔ (قولہ: مُخْتَلِفِينَ فِي الْأَحْكَامِ) جس طرح انسان ہے۔ کیونکہ یہ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے

مُتَّفِقِينَ فِيهَا
جو احکام میں متفق ہوں۔

دونوں کے احکام مختلف ہیں۔ ''البحر'' میں کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ کپڑے کے نیچے کتان، قطن اور حریر آجاتا ہے اور احکام مختلف ہیں۔ کیونکہ ریشم کا کپڑا پہننا حلال نہیں جبکہ دوسرے حلال ہیں۔ یہ ان کے نزدیک جنس ہے۔ اسی طرح حیوان ہے اس کے تحت فرس (گھوڑا) اور حمار (گدھا) ہے۔ جہاں تک ''الدار'' کا تعلق ہے تو اس کے تحت ایسی چیزیں ہیں جن میں بہت زیادہ اختلاف ہے جیسے شہر، محل، وسعت، تنگی، سامع کا زیادہ ہونا اور منافع کے کم ہونے کے اعتبار سے۔

12102۔ (قولہ: مُتَّفِقِينَ فِيهَا) ھا ضمیر سے مراد احکام ہیں۔ اصولیین نے خاص کی بحث میں اس کی مثال رجل سے دی ہے۔ ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ یہ آزاد، غلام، عاقل اور مجنون کو شامل ہے ان کے احکام مختلف ہیں تو علما نے جواب دیا احکام کا اختلاف عرضاً ہے اصالۃً نہیں۔ مذکر اور مؤنث کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں احکام کا اختلاف اصالۃً ہے، ''بحر''۔

تنبیہ

جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوان، دابہ، مملوک اور ثوب جنس ہے۔ فرس، حمار، عبد، ثوب ہروی، کتان اور قطن نوع ہے۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو تسمیہ درست ہو اور اس سے وسط یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہو وہ دوسری قسم ہے۔ مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ کہتا: ہر ایسے حیوان میں یہی حکم ہے جس کی نوع ذکر کی جائے اس کا وصف ذکر نہ کیا جائے۔ جس طرح ''المختار'' کے متن میں ہے: خاوند نے عورت سے حیوان پر شادی کی اگر اس کی نوع ذکر کی جس طرح فرس تو یہ جائز ہوگا اگرچہ اس کا وصف بیان نہ کرے۔ اس کی شرح ''الاختیار'' میں کہا: پھر جہالت کی کئی انواع ہیں: جہالۃ النوع، جہالۃ الوصف جس طرح اس کا قول: ثوب، دابہ، دار۔ یہ تسمیہ درست نہیں۔ ان میں سے وہ بھی ہے جس کی نوع معلوم ہو صفت مجہول ہو جس طرح اس کا قول عبد، فرس، بقرہ، شاۃ، ثوب ہروی۔ یہ تسمیہ درست ہے اور درمیان واجب ہوگا۔ انہوں نے دابہ (چوپایہ) اور ثوب (کپڑا) کو معلوم الجنس اور مجہول النوع والوصف بنایا ہے۔ اور العبد، الفرس اور الثوب الہروی کو معلوم الجنس والنوع اور مجہول الوصف بنایا ہے۔ فقہا کے نزدیک جنس اور نوع کی جو تعریفیں گزری ہیں یہ ان کے موافق ہے۔

اگر تو کہے: ''الہدایہ'' میں کہا: اس مسئلہ کا معنی یہ ہے کہ وہ حیوان کی جنس بیان کرے وصف بیان نہ کرے اس طرح کہ وہ عورت سے شادی کرے گھوڑے یا گدھے پر مگر جب وہ اس کی جنس ذکر نہ کرے جیسے وہ کہے میں دابہ (چوپائے) پر نکاح کرتا ہوں تو یہ تسمیہ درست نہ ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ پس صاحب ''ہدایہ'' نے فرس اور حمار کو ایک جنس بنا دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جنس سے مراد نوع لی ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے مقابل وصف ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ''البحر'' کا قول ہے: جنس کو نوع پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ فقہا کے نزدیک جنس ایسی کلی ہے جو کثیر افراد پر بولی جائے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ''ہدایہ'' میں جو جنس ہے اسے جنس فقہی پر محمول کرنا

بِخِلَافِ مَجْهُوْلِ الْجِنْسِ كَثَوْبٍ وَدَابَّةٍ لِأَنَّهُ لَا وَسَطَ لَهُ
مجہول الجنس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ثوب (کپڑا) اور دابہ (جانور) کیونکہ اس کا کوئی وسط نہیں۔

صحیح نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں بلکہ اس کا حمل نوع پر متعین ہو چکا ہے۔ ''ہدایہ'' میں اسی طرح کہا: اگر اس نے جنس کو معین کیا جس طرح اس نے کہا: ہروی تو تسمیہ درست ہوگا اور خاوند کو اختیار دیا جائے گا۔ صاحب ''ہدایہ'' نے ہروی کو جنس قرار دیا ہے جبکہ گزشتہ تعبیر کی بنا پر یہ جنس نہیں۔ اگر مصنف ''الہدایہ'' کی پیروی کرتے اور دون نوعہ اس کی نوع کی بجائے اس کی جنس ذکر کرتے وصف کی جگہ ذکر جنسہ دون وصفہ ذکر کرتے تو کلام صحیح ہوتی کہ جنس سے مراد نوع ہوتی۔ کیونکہ یہ وصف کے بالمقابل ہے اس کا نوع کے ساتھ مقابلہ صحیح نہیں۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

کسی ایسی چیز پر نکاح کیا گیا جو مجہول الجنس ہو تو اس کا حکم

12103۔ (قولہ: بِخِلَافِ قَوْلِ الْجِنْسِ) جس کی جنس اس کی نوع کی قید کے بغیر ذکر کی جاتی جس طرح ثوب اور دابہ ہے تو اس کا تسمیہ درست نہیں پس وسط اور اس کی قیمت واجب نہ ہوگی بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔

تنبیہ

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے جب مہر مسمی نقدی نہ ہو بلکہ وہ سامان تجارت یا حیوان ہو یا تو وہ اضافت اور اشارہ کے ساتھ معین ہوگا تو وہ بعینہ واجب ہوگا یا وہ معین نہیں ہوگا۔ اگر مکیل اور موزون نہ ہوگا اگر اس کی نوع مجہول ہو جیسے دابہ اور ثوب تو تسمیہ درست نہ ہوگا۔ اور مہر مثل واجب ہوگا اگر نوع کا علم ہو اس کا وصف مجہول ہو جس طرح فرس، ثوب ہروی، عبد تو تسمیہ درست ہوگا۔ اور وسط اور اس کی قیمت میں اختیار دیا جائے گا۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر کپڑے کا وصف معلوم ہو ظاہر روایۃ کے مطابق اور جو گزر چکا ہے تو یہی صحیح ترین ہے۔ وسط متعین ہو جائے گا کیونکہ یہ ذمہ میں واجب ہے جس طرح سلم (بیع سلم میں مسلم فیہ)۔ حیوان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ بیع سلم میں یہ ذمہ میں واجب نہیں ہوتا اگر وہ کیلی یا وزنی چیز ہو اگر اس کی نوع اور اس کا وصف معلوم ہو جس طرح عمدہ گندم کا ایک اردب جو جو سے خالی ہو صعیدی ہو تو مسمی متعین ہو جائے گا تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح ایسا سامان تجارت جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ فی الحال ذمہ میں ہو جاتا ہے جس طرح قرض اور موجل جس طرح بیع سلم میں بیع۔ اگر اس کا وصف معلوم نہ ہو تو خاوند کو وسط اور اس کی قیمت میں خیار ہوگا جس طرح فرس اور حمار ذکر کرنے میں خیار ہوتا ہے۔ ''الاختیار''، ''الفتح'' اور ''البحر'' میں جو کچھ ہے یہ اس کا ''خلاصہ'' ہے۔

خاوند نے عورت سے دس دراہم اور کپڑے پر عقد نکاح کیا

''خانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس کو اشکال میں ڈالتا ہے: اگر خاوند نے عورت سے دس دراہم اور کپڑے پر عقد نکاح کیا اور کپڑے کا وصف بیان نہ کیا تو عورت کو دس درہم ملیں گے۔ اگر حقوق زوجیت سے قبل اسے طلاق دے دی تو اس کو پانچ درہم ملیں گے مگر اس صورت میں کہ جب متعہ (لباس) اس سے زائد کا ہو۔

....

''البحر'' میں کہا: اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ مہر مثل کا وجوب اس صورت میں جب کہ اس نے مجہول جنس کو معین کیا تھا اس وقت ہوگا جب اس کے ساتھ معلوم مسمی نہ ہو۔ لیکن اس شرط پر چاہئے کہ متعہ کو اصلاً نہ دیکھا جائے۔ کیونکہ یہاں مہر مسمی صرف دس ہے اور ثوب کا ذکر لغو ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ طلاق سے قبل مہر مثل کو اس کے لئے مکمل نہیں کیا جاتا۔

''خیر رملی'' نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ثوب کو وعدہ پر محمول کیا جائے گا اور تبرع کے بارے میں جس طرح معمول ہوتا ہے یہ تسمیہ میں داخل نہیں۔ اگر یہ داخل ہو تو جہالت کی زیادتی کی وجہ سے اس کے فساد کو واجب کرے گا۔ ''فتاویٰ خیریہ'' میں کہا: صاحب ''البحر'' اور ان کے بھائی یعنی صاحب ''نہر'' کا فہم ثوب کو لغو قرار دینے میں بھٹک گیا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں کہتا ہوں: کپڑے کو وعدہ اور تبرع پر محمول کرنا یہ تسمیہ میں اسے لغو قرار دینے کے معنی میں ہے۔ اس فرع کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ثوب اگر تسمیہ میں داخل نہیں تو یہ لازم آئے گا کہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق دینے کی صورت میں نصف مسمی واجب ہوگا اور متعہ کو نہ دیکھا جائے گا۔ کیونکہ دس درہم کے ساتھ تسمیہ درست ہے۔ اگر کپڑا مہر میں داخل ہو تو چاہئے کہ اسے وہی حکم دیا جائے کہ اگر وہ عورت سے ہزار پر عقد نکاح کرے اور ساتھ اس کی تکریم یا ہدیہ دینے کی شرط لگائے۔ ''النہر'' میں تصریح کی ہے: کہ مبسوط میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ذکر کرنے کے بعد ہے: اگر خاوند نے عورت سے ہزار پر عقد نکاح کیا اور اس کی تکریم یا ہدیہ دینے پر تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا جو ہزار سے کم نہ ہو۔ کہا: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اگر اس خاوند نے عورت کی تکریم کی اور اسے ہدیہ دیا تو اس کے لئے مہر مسمی ہوگا بصورت دیگر مہر مثل ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی عورت اس شرط پر شادی کرے کہ وہ اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے کسی عورت سے شادی نہیں کرے گا۔ جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 12072 میں) بیان کر دیا ہے۔ ''الہدایہ'' اور ''غایۃ البیان'' میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر مرد نے مہر مسمی کے ساتھ کسی مجہول چیز کی شرط لگائی جیسے اس نے ہزار درہم پر اس سے شادی کی یا اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کو اس پر ہدیہ دیا جائے گا پھر حقوق زوجیت سے پہلے مرد نے اسے طلاق دے دی تو اس عورت کے لئے نصف مہر ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے کرامت اور ہدیہ کی شرط پوری نہ کی تو پورا مہر واجب ہوگا اور حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

لیکن ''الاختیار'' میں کہا: اگر مرد نے عورت سے ہزار اور تکریم پر شادی کی تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا جو ہزار سے کم نہ ہو۔ کیونکہ عورت اس پر راضی ہے۔ اگر خاوند نے حقوق زوجیت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو اس ہزار کا نصف ملے گا۔ کیونکہ یہ متعہ سے زائد ہے۔ ''البحر'' میں ''الولوالجیہ'' اور ''المحیط'' سے اس کی مثل نقل کیا ہے۔ اور اس قول کے ساتھ اس پر اعتراض کیا جو پہلے گزر چکا ہے کہ مہر مسمی واجب ہوگا: کہ ہدیہ اور اکرام مجہول ہیں اور مجہول کو پورا کرنا ممکن نہیں بلکہ تسمیہ فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہو جائے گا۔

....

میں نے اس کا جواب اس میں دیا جو میں نے ''البحر'' پر تعلیق کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے: ''الاختیار'' میں جو قول ہے اس کے بارے میں ممکن ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ اس کی تعظیم نہ کرے، جب وہ اس کی تکریم کرے تو عورت کو مسمی ملے گا۔ یہ بعینہ وہی چیز ہے جس پر ''مبسوط'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو محمول کیا ہے۔ اور ''ہدایہ''، ''غایۃ البیان'' اور ''البدائع'' میں اسی پر چلے ہیں جس طرح پہلے (مقولہ 12072 میں) گزر چکا ہے۔ ہدیہ اور اکرام کی جہالت تسمیہ کے پائے جانے کے بعد اٹھ جاتی ہے جس طرح ''النہر'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اکرام اور ہدیہ کی ادنیٰ صورت کافی ہے۔ جب کسی بھی اعتبار سے تکریم نہ کی تو تسمیہ مجہول ہی رہا۔ کیونکہ عورت صرف ہزار پر راضی نہیں تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح جب مرد نے حقوق زوجیت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی تو فساد ثابت ہو جائے گا تو متعہ واجب ہوگا جس طرح تسمیہ نہ ہونے یا اس کے فاسد ہونے کی صورت میں یہ حکم ہوتا ہے۔ ''البدائع'' میں ہزار کے نصف کے لزوم کا اطلاق کیا ہے۔ کیونکہ عادۃ یہ متعہ سے زیادہ ہی ہوتا ہے جس طرح تو ''الاختیار'' کے کلام سے آگاہ ہو چکا ہے۔ یہ اس کی مثل ہے جو الاوکس کے مسئلہ میں (مقولہ 12095 میں) گزر چکا ہے۔

جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ان کے کلام میں تطبیق حاصل ہو چکی ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں جو کلام ہے اس کو اس پر محمول کرنا بھی متعین ہو چکا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ یہ قید لگائی جائے کہ عورت کا مہر مثل دس دراہم ہو اور مرد نے اسے کپڑا نہ دیا ہو۔ اس صورت میں دس واجب ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہی مہر مثل ہے اور تسمیہ کے فاسد ہونے کی صورت میں یہی واجب ہوتا ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل طلاق کی صورت میں متعہ واجب ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ''الرملی'' کے دعویٰ کا تعلق ہے کہ ثوب کا ذکر اس کی جہالت کی وجہ سے لغو ہے یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اکرام اور ہدیہ کی جہالت کپڑے کی جہالت سے زیادہ فحش ہے۔ کیونکہ اکرام کے تحت ثیاب، حیوان، عروض، عقار، نقود اور مکیل اور موزوں کی اجناس ہیں اس کے باوجود اس کو انہوں نے لغو قرار نہیں دیا تو ثواب کا الغاء بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا۔ اسی طرح متعہ کا اعتبار بھی اس کے الغاء میں اشکال ڈالتا ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

نقش، حمام اور لفافۃ الکتاب وغیرہا کے دراہم کا مسئلہ

''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے اس کی مثل ہمارے زمانہ میں لوگوں کے درمیان معروف ہے کہ باکرہ کے لئے مہر میں کچھ چیزیں زائد ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو حقوق زوجیت سے قبل اسے دی جاتی ہیں۔ جس طرح نقش، حمام اور کپڑے کے لئے دراہم جسے لفافۃ الکتاب کا نام دیا جاتا ہے اور دوسرے کپڑے بھی دیئے جاتے ہیں۔ خاوند یہ بھیجتا ہے تاکہ بیوی کے گھر والے دایا، حمام میں نہلانے والی وغیرہ کو دے دیں۔ اور ان میں سے کچھ وہ کپڑے ہیں جو حقوق زوجیت کے بعد دیئے جاتے ہیں جس طرح ازار، خف، زنبیل (ٹوکری) اور حمام کے کپڑے۔ یہ مالوف و معروف ہے اور ان کی حیثیت عرف میں مشروط کی

....

طرح ہے یہاں تک کہ اگر خاوند کا ارادہ ہو کہ وہ نہیں دے گا تو عقد کے وقت اس کی نفی شرط ہے یا وہ اس کے مقابلہ میں معلوم دراہم کا تعین کرے جنہیں عقد میں مہر مسمی کے ساتھ ملائے۔ اس بارے میں ''خیریہ'' میں سوال کیا گیا تو اس کا جواب دیا جس کا ماحصل یہ ہے: کتب میں جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ جن کا ذکر کیا گیا اسے مشروط کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہے۔ اس کی مقدار معلوم ہو تو یہ مہر کی طرح لازم ہوگا بصورت دیگر مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ تسمیہ فاسد ہے اگر یہ ذکر کیا جائے کہ یہ مہر میں سے ہے۔ اگر یہ ذکر کیا جائے کہ یہ وعدہ کے طریقہ پر ہے تو یہ بالکلیہ لازم نہیں۔ جو ظاہر ہے وہ دوسرا ہے۔ اور ''خانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس میں صریح ہے۔ پھر ''الخانیہ'' کی گزشتہ عبارت ذکر کی اور ''البحر'' پر جو اعتراض ہے اس کا ذکر کیا اور تو اس سے باخبر ہے کہ ان مذکورہ چیزوں کا عرف میں علی وجہ اللزوم اعتبار کیا جاتا ہے تو یہ مہر میں سے ہے۔ مگر جو اس میں سے مہر ہے وہ بطور مہر واضح کیا جاتا ہے اور ان میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ معروف ہوتی ہیں ان کو سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر انہیں سپرد نہ کرنا ہو تو ان کی نفی کرنا شرط ہوتا ہے یا ان کے مقابل اس چیز کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جو اس کے مقابل ہوں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ لفظ مشروط کے قائم مقام ہوں گے اسے وعدہ اور تبرع بنانا صحیح نہیں۔ ''الخانیہ'' کی جو کلام ہے وہ اس میں صریح ہے تحقیق تو اسے جان چکا ہے جو اس کے مناقض اور منافی ہے۔ میں نے ''الملتقط'' میں اس کے لزوم کی تصریح دیکھی ہے جس طرح ہم نے کہا: جب اس مسئلہ کو ذکر کیا کہ عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے یہاں تک کہ مہر پر قبضہ کر لے تو کہا: پھر اگر عورت کے لئے مہر میں سے معلوم شے کو معجّل بنائے اور اسے پورا کر دے تو عورت کو حق حاصل نہیں کہ خاوند کو حقوق زوجیت سے روک دے۔ اسی طرح جو چیزیں عادۃً مشروط ہیں جیسے خف، مکعب، دیباج اللفافہ اور دراہم سکر جس طرح اہل سمرقند کی عادت ہے۔ اگر وہ یہ شرط لگائیں کہ ان میں سے کوئی چیز نہیں دی جائے گی تو یہ واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ خاموش ہو جائیں تو کوئی چیز واجب نہ ہوگی مگر جو بغیر تردد کے عرف کی تصدیق کرے کہ اس جیسے خاوند کی جانب سے اس قسم کی عورت کو چیز دی جاتی ہے۔ ضعیف عرف مسکوت عنہ کو مشروط کے ساتھ لاحق نہیں کرتا۔ پھر میں نے مصنف کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے فتاوی میں اس کی مطابق فتویٰ دیا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کے شرط ہونے کی تصریح کی جائے تو اس کا سپرد کرنا لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر اس سے خاموشی کی جائے اور خاوند کے ہاں اس کا عرف مشہور و معلوم ہو۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں اگر یہ تبرع اور وعدہ ہوتا تو عورت کو اس پر قبضہ کرنے کے لئے خاوند کو حقوق زوجیت سے روکنے اور اس کے مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوتا اسی طرح اگر یہ لازم ہوتا جو تسمیہ کے لئے مفید ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ ہدیہ اور اکرام کی شرط کے قائم مقام ہے اس کے دینے سے جہالت ختم ہو جاتی ہے پس مسمی واجب ہوگا مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔ یا یہ کہا جائے جو زیادہ مناسب ہے کہ یہ اس کے قبیل سے ہے جس میں نوع معلوم ہو اور وصف مجہول ہو جس طرح غلام اور گھوڑا۔ کیونکہ عرف میں اس میں تفاوت تھوڑا ہے۔ پس لفافہ کی مثل اس کی نوع معروف ہوتی ہے کہ یہ قصب اور حریر سے ہوتی ہے یا روئی اور حریر سے ہوتی ہے۔ اس میں فقر و غنا اور مہر کی کمی اور زیادتی کا اعتبار کیا جاتا

(وَوَسَطُ الْعَبِيدِ فِي زَمَانِنَا الْحَبَشِيُّ) (وَإِنْ أَمْهَرَهَا الْعَبْدَيْنِ وَ) الْحَالُ أَنَّ (أَحَدَهُمَا حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ) عِنْدَ الْإِمَامِ (إنْ سَاوَى أَقَلَّهُ) أَيْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ (وَإِلَّا كَمَّلَ لَهَا الْعَشَرَةَ) لِأَنَّ وُجُوبَ الْمُسَمَّى وَإِنْ قَلَّ يَمْنَعُ مَهْرَ الْمِثْلِ وَعِنْدَ الثَّانِي لَهَا قِيمَةُ الْحُرِّ لَوْ عَبْدًا وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ

ہمارے زمانے میں درمیانہ غلام حبشی غلام ہے اگر خاوند نے دو غلاموں کو مہر بنایا جبکہ صورتحال یہ تھی کہ ان میں سے ایک آزاد تھا تو ''امام اعظم'' کے نزدیک اس کا مہر غلام ہوگا اگر اس کی قیمت دس دراہم ہو اور خاوند عورت کے لئے دس دراہم مکمل کریگا کیونکہ مہر مسمی کا وجوب اگرچہ تھوڑا ہو مہر مثل کے مانع ہوتا ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد کی قیمت لازم ہو گی اگر وہ غلام ہوتا۔ ''کمال'' نے اسے راجح قرار دیا ہے

ہے۔ باقی مذکورہ چیزیں بھی اسی طرح ہیں۔ پس ان میں سے ہر نوع کے درمیانی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو میرے لئے اس مقام پر واضح ہوگئی جس میں اوہام کثیر تھے اور قدم پھسلے۔ اسے ذہن نشین کر لیجئے کیونکہ یہ بہت مشکل مسئلہ ہے۔

12104۔ (قولہ: وَوَسَطُ الْعَبِيدِ فِي زَمَانِنَا الْحَبَشِيُّ) جہاں تک اعلیٰ کا تعلق ہے وہ رومی ہے ادنیٰ زنجی ہے۔ ''البحر''، ''النہر'' اور ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ علما نے ذکر کیا ہے یہ قاہرہ کا عرف ہے۔ السید ''ابو سعود'' نے ذکر کیا ہے: ہمارے عرف میں حبشی واجب نہیں ہوتا مگر جب اس کا ذکر کیا جائے۔ کیونکہ عبد جب مطلق ذکر کیا جائے تو ذہن صرف اسود کی طرف ہی جاتا ہے جب عبد کے ذکر پر اکتفا کیا گیا تو سوڈانی میں سے درمیانی واجب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: شام کے عرف میں عبد، رومی کو شامل نہیں ہوتا کیونکہ اسے مملوک کہتے ہیں بلکہ یہ حبشی اور زنجی کو شامل ہوتا ہے۔ یہی حکم جاریہ (لونڈی) کا ہے۔ رومی کو سریہ کہتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر وسط زنجی سے اعلیٰ ہوگا۔

12105۔ (قولہ: وَإِنْ أَمْهَرَهَا الْعَبْدَيْنِ الخ) عبدین سے مراد دو حلال چیزیں ہیں آزاد کے ساتھ ان میں سے ایک حرام ہو جائے گا اس حکم میں یہ صورت بھی داخل ہوگی جب وہ عورت سے اس غلام اور اس کمرے پر عقد نکاح کرے کہ غلام آزاد ہو یا دو ذبح شدہ چیزوں پر شادی کرے تو ان میں سے ایک مردار ہو جس طرح ''شرح الطحاوی'' میں ہے، ''بحر''۔

12106۔ (قولہ: أَقَلَّهُ) یہاں ضمیر سے مراد مہر ہے۔

12107۔ (قولہ: يَمْنَعُ مَهْرَ الْمِثْلِ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا جواب ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اس کو باقی ماندہ غلام اور مہر مثل کو مکمل کیا جائے گا اگر اس عورت کا مہر مثل اس غلام کی قیمت سے زائد ہو۔

12108۔ (قولہ: لَهَا قِيمَةُ الْحُرِّ لَوْ عَبْدًا) یعنی اس عورت کو باقی ماندہ غلام کے ساتھ آزاد کی قیمت دینی ہوگی اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ غلام ہے۔

12109۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ) متون امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں۔ ''قہستانی'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے کہ یہ ظاہر الروایہ ہے۔

كَمَا لَوْ اُسْتُحِقَّ أَحَدُهُمَا (وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي نِكَاحٍ فَاسِدٍ) وَهُوَ الَّذِي فَقَدَ شَرْطًا مِنْ شَرَائِطِ الصِّحَّةِ كَشُهُودٍ

جس طرح کسی ایک غلام کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوگا۔ نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جس میں نکاح کے صحیح ہونے کی شرط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جس طرح گواہ۔

12110۔(قولہ: كَمَا لَوْ اُسْتُحِقَّ أَحَدُهُمَا) یعنی جن دو غلاموں کو مہر مقرر کیا گیا تھا اس میں سے ایک کا کوئی مستحق نکل آیا تو عورت کو باقی ماندہ غلام اور مستحق کی قیمت ملے گی۔ اگر دونوں غلاموں کا کوئی مستحق نکل آیا تو دونوں کی قیمت لازم ہو گی۔ یہ بالاجماع ہے جس طرح ''شرح الطحاوی'' میں ہے، ''بحر''۔

نکاح فاسد

12111۔(قولہ: فِي نِكَاحٍ فَاسِدٍ) نکاح موقوف میں حقوق زوجیت کا حکم وہی ہے جو نکاح فاسد میں حقوق زوجیت کا حکم ہے۔ پس حد ساقط ہو جائے گی اور نسب ثابت ہو جائے گا اور مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ واجب ہوگا۔ کیونکہ ''الاختیار'' کی کتاب العدۃ میں یہ ہے۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔ ''الاختیار'' اور دوسری کتب میں جو کچھ ہے ہم عدت کے باب میں (مقولہ 15322 میں) اس سے تطبیق کو ذکر کریں گے۔

12112۔(قولہ: وَهُوَ الَّذِي الخ) یہ صورت اس سے مختلف ہوگی کہ اگر اس نے شرط فاسد ذکر کی جس طرح اس عورت نے مرد سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اس کے ساتھ وطی نہیں کرے گا۔ بے شک نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوگی، ''رحمتی''۔

12113۔(قولہ: كَشُهُودٍ) اس کی مثل ہے کہ اس نے دو بہنوں سے اکٹھے نکاح کیا، بہن کی عدت میں اس کی بہن سے عقد نکاح کیا، معتدہ سے نکاح کیا، چوتھی بیوی کی عدت میں پانچویں عورت سے عقد نکاح کیا، آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے عقد نکاح کیا۔ ''المحیط'' میں ہے: ذمی نے مسلمان عورت سے عقد نکاح کیا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی کیونکہ یہ عقد نکاح فاسد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اس میں نسب ثابت ہو جائے گا اور عدت بھی لازم ہوگی اگر حقوق زوجیت ادا کئے تھے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: لیکن شارح فصل فی ثبوت النسب کے آخر میں ''مجمع الفتاوی'' سے یہ (مقولہ 15701 میں) ذکر کریں گے: کافر نے مسلمان عورت سے عقد نکاح کیا تو عورت نے اس سے بچہ جنا تو اس مرد سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور عدت بھی واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ نکاح باطل ہے۔ یہ قول صریح ہے اسے مفہوم پر مقدم کیا جائے گا۔ فافہم۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ نکاح فاسد اور نکاح باطل میں فرق کیا جائے۔ لیکن ''الفتح'' میں نکاح المتعہ پر گفتگو کرنے سے قبل کہا: نکاح میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ ہاں ''بزازیہ'' میں دونوں قولوں کی حکایت ہے کہ محارم کا نکاح باطل ہے یا فاسد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ باطل سے مراد جس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہو۔ اسی وجہ سے محارم کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی عدت ثابت ہوتی ہے جس طرح حدود میں جو عنقریب (مقولہ 18510

(بِالْوَطْءِ) فِي الْقُبُلِ (لَا بِغَيْرِهِ) كَالْخَلْوَةِ لِحُرْمَةِ وَطْئِهَا.

قبل میں وطی کے ساتھ کسی اور صورت میں مہر مثل واجب نہیں ہوگا جس طرح خلوت۔ کیونکہ اس عورت کے ساتھ وطی حرام ہے۔

میں) آئے گا اس سے معلوم ہوگا۔ یہاں ''قہستانی'' نے فاسد کی باطل سے تفسیر بیان کی ہے۔ اور اس کی مثال محارم کے نکاح، عورت کی جانب سے اکراہ اور گواہوں کے بغیر نکاح سے دی ہے۔ اکراہ کو مقید کرنا کہ اکراہ عورت کی جانب سے ہو ہم نے اس پر گفتگو نکاح کے شروع میں و شرط حضور شاھدین کے قول سے پہلے (مقولہ 11207 میں) کر دی ہے۔ باب العدۃ میں اس کا ذکر (مقولہ 15320 میں) آئے گا کہ نکاح باطل میں کوئی عدت نہیں۔ ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے ذکر کیا ہے: ہر وہ نکاح جس کے جواز میں علما نے اختلاف کیا ہے جس طرح ایسا نکاح جو گواہوں کے بغیر ہو تو اس میں حقوق زوجیت کی ادائیگی عدت کو واجب کرے گی مگر غیر کی منکوحہ اور غیر کی معتدہ سے نکاح اس میں حقوق زوجیت کی ادائیگی عدت کو واجب نہیں کرے گی اگر اسے علم ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے۔ کیونکہ کسی نے بھی اس نکاح کے جواز کا قول نہیں کیا۔ پس یہ عقد نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوگا۔ کہا: اس تعبیر کی بنا پر نکاح فاسد اور نکاح باطل میں عدت میں فرق کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے حرمت کے جانتے ہوئے وطی کرنے سے حد واجب ہوگی کیونکہ اس نے بدکاری کی ہے جس طرح ''القنیہ'' وغیرہا میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عدت کے علاوہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جہاں تک عدت کا تعلق ہے اس میں فرق ثابت ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' کے قول: و نکاح المعتدۃ کو یہاں مقید کیا جائے گا اس کے ساتھ کہ جب وہ نہ جانتا ہو کہ وہ معتدہ ہے۔ لیکن ''المجتبیٰ'' میں جو ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دو بہنوں سے اکٹھے نکاح ہو ظاہر یہ ہے کہ کسی نے بھی اس کے جواز کا قول نہیں کیا۔ لیکن معیت کی قید کی وجہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ظاہر یہ ہے کہ معیت عقد میں ہو ملک متعہ میں نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے متاخر ہو تو متاخر قطعاً باطل ہے۔

نکاح فاسد میں صرف قبل میں وطی سے مہر مثل واجب ہوگا

12114۔ (قولہ: فِي الْقُبُلِ) اگر دبر میں وطی کی تو مہر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ دبر نسل کا محل نہیں۔ جس طرح ''الخلاصہ'' اور ''القنیہ'' میں ہے۔ پس شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے سے بدرجہ اولیٰ کوئی چیز واجب نہ ہوگی جس طرح اس کی تصریح بھی کی ہے، ''بحر''۔

12115۔ (قولہ: كَالْخَلْوَةِ) اس امر کا فائدہ دیا کہ محض عقد فاسد سے بدرجہ اولیٰ مہر واجب نہیں ہوگا۔

12116۔ (قولہ: لِحُرْمَةِ وَطْئِهَا) کیونکہ اس کے ساتھ وطی پر قدرت ثابت نہیں ہوتی یہ صحیح نہیں جس طرح حائضہ کے ساتھ خلوت کرنا یہ وطی کے قائم مقام نہ ہوگی۔ یہ مشائخ کے قول کا معنی ہے: نکاح فاسد میں خلوت صحیحہ نکاح صحیح میں خلوت فاسدہ کی طرح ہے۔ ''جوہرہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں مسامحت ہے کیونکہ خلوت میں فساد ہے، ''بحر''۔

ظاہر یہ ہے کہ علما نے یہاں صحیحہ سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ مانع سے خالی ہو یا اس سے خالی ہو جو اسے فاسد کر دے کہ کوئی

(وَلَمْ يُزَدْ) مَهْرُ الْمِثْلِ (عَلَى الْمُسَمَّى) لِرِضَاهَا بِالْحَطِّ، وَلَوْ كَانَ دُونَ الْمُسَمَّى لَزِمَ مَهْرُ الْمِثْلِ لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ بِفَسَادِ الْعَقْدِ، وَلَوْ لَمْ يُسَمِّ أَوْ جُهِلَ لَزِمَ بَالِغًا مَا بَلَغَ (وَ) يَثْبُتُ (لِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَسْخُهُ وَلَوْ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنْ صَاحِبِهِ دَخَلَ بِهَا أَوْ لَا) فِي الْأَصَحِّ

اور مہر مثل کو مہر مسمی سے زائد نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مہر میں کمی کرنے پر راضی ہے۔ اگر وہ مہر مسمی سے کم ہو تو مہر مثل لازم ہو گا۔ کیونکہ عقد کے فساد کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہو گیا ہے اگر تسمیہ نہ ہوا یا مجہول ہو گیا تو مہر مثل لازم ہو گا جہاں تک بھی وہ پہنچا۔ اور میاں بیوی میں سے ہر ایک کو اس کے فسخ کا حق ہے اگر چہ دوسرا موجود نہ ہو خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں یا ادا نہ کئے ہوں۔ صحیح ترین قول کے مطابق۔

تیسرا آدمی پایا جائے، روزہ، نماز، حیض وغیرہ پایا جائے جو فساد عقد کے علاوہ ہو۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ مراد نہیں یہ مسامحت کا سبب ہے۔ اس میں ایک اور مسامحت ہے۔ وہ یہ ہے کہ نکاح فاسد میں خلوت عدت کو واجب نہیں کرتی جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 12051 میں) ''الفتح'' سے نقل کیا ہے جبکہ نکاح صحیح میں خلوت فاسدہ عدت کو واجب کرتی ہے جس طرح گزر چکا ہے کہ یہ مذہب ہے۔

12117۔ (قولہ: وَلَمْ يُزَدْ مَهْرُ الْمِثْلِ الخ) مہر مثل سے مراد وہ ہے جو متن میں آئے گا۔ وہ مہر مثل جو عقد کے بغیر شبہ کی وجہ سے وطی کے ساتھ واجب ہوتا ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے مراد اس کا غیر ہے جس طرح ''البحر'' میں اس پر نص قائم کی ہے اس کا بیان آگے (مقولہ 12150 میں) آئے گا۔ فافہم۔

اسے ذہن نشین کرلو۔ اور ''خانیہ'' میں ہے: اگر کسی نے اپنی محرمہ سے شادی کی ''امام صاحب'' رطیٹھیہ کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں ہوگی اور اس پر مہر مثل ہوگا جہاں تک بھی وہ پہنچے۔ یہ مستثنیٰ ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ محارم کا نکاح باطل ہے فاسد نہیں جس طرح پہلے اختلاف (مقولہ 12113 میں) گزرا ہے۔ پس یہ اختلاف کا ثمرہ اور دونوں میں فرق کا بیان ہے جس طرح ''البحر'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔''

12118۔ (قولہ: لِرِضَاهَا بِالْحَطِّ) کیونکہ جب زیادتی کا ذکر کیا تو وہ کمی پر راضی ہے اور اس میں اپنے حق کو ساقط کرنے والی ہے اس وجہ سے نہیں کہ تسمیہ من وجہ صحیح ہے کیونکہ حق یہ ہے کہ ہر اعتبار سے فاسد ہے۔ کیونکہ یہ عقد فاسد کی وجہ سے فاسد ہے۔ اسی وجہ سے اگر مہر مثل مہر مسمی سے کم ہے تو صرف مہر مثل واجب ہوگا۔ علما کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ مہر مثل اگر دس سے بھی کم ہو تو اس عورت کے لئے وہی ہوگا۔ نکاح صحیح کا معاملہ مختلف ہے جب وہ نکاح صحیح میں مہر مثل واجب ہو۔ کیونکہ نکاح صحیح میں مہر دس دراہم سے کم نہیں ہو سکتا۔ ''بحر''۔ ''النہر'' میں اسی کی مثل ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ مہر مثل کا اعتبار عورت کے باپ کی قوم سے ہوتا ہے تو وہ دس درہم سے کیسے کم ہو سکتا ہے جبکہ دس درہم شرعی طور پر کم سے کم واجب ہے؟ فتامل۔

12119۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد دونوں میں سے کسی کو

خُرُوجًا عَنِ الْمَعْصِيَةِ فَلَا يُنَافِي وُجُوبَهُ بَلْ يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا (وَتَجِبُ الْعِدَّةُ بَعْدَ الْوَطْءِ) لَا الْخَلْوَةِ لِلطَّلَاقِ لَا لِلْمَوْتِ

تا کہ معصیت سے نکلا جائے۔ پس فسخ کی ملکیت فسخ کے وجوب کے منافی نہیں۔ بلکہ قاضی پر دونوں میں تفریق واجب ہے۔ وطی کے بعد طلاق کی عدت واجب ہوگی موت کی عدت واجب نہ ہوگی۔ خلوت کے بعد عدت واجب نہ ہوگی۔

دوسرے کی عدم موجودگی میں عقد نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں۔ جس طرح ''النہر'' وغیرہ میں ہے، ''ح''۔

12120۔ (قولہ: فَلَا يُنَافِي وُجُوبَهُ) ''النہر'' میں کہا: ''زیلعی'' کا قول: دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی عدم موجودگی میں فسخ کرنے کا حق حاصل ہے وہ اس سے عدم وجوب کا ارادہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معصیت سے نکلنا ہے اور معصیت سے نکلنا واجب ہے۔ بلکہ اس کے افادہ کا ارادہ کیا کہ یہ ایسا امر ہے جو صرف اس ایک کے لئے ثابت ہے۔ اور ینافی کی ضمیر اس کے لئے ہے جسے مصنف و لکل میں لام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور وحدہٗ ضمیر کل کے لئے ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ثابت ہے۔

12121۔ (قولہ: بَلْ يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي) اگر وہ دونوں جدا نہ ہوں تو قاضی پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کریں۔

12122۔ (قولہ: وَتَجِبُ الْعِدَّةُ) علما کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وقت تفریق ہوگی اس وقت سے قضاءً اور دیانۃً عدت ثابت ہو جائے گی۔ ''الفتح'' میں ہے: ضروری ہے کہ یہ قضاء میں ہو مگر جب اسے علم ہوا کہ آخری وطی کے بعد اسے تین حیض آ چکے ہیں تو چاہئے کہ اس کے لئے دیانۃً نکاح کرنا حلال ہو اس پر قیاس کرتے ہوئے جو ہم پہلے (مقولہ 12050 میں) بیان کر چکے ہیں۔ یہ ''عتابی'' سے منقول ہے۔

اس کا محل یہ ہے کہ جب ان کے درمیان تفریق کی گئی ہو مگر جب اسے آخری وطی کے بعد تین حیض آئیں اور مرد نے اس سے جدائی اختیار نہ کی ہو تو عورت کے لئے کسی سے شادی کرنا جائز نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ ''زیلعی'' کے کلام کا ظاہر اس کے خلاف کا وہم دلاتا ہے، ''بحر''۔

نکاح فاسد میں اگر طلاق وطی کے بعد ہو تو عدت واجب ہوگی ورنہ نہیں

12123۔ (قولہ: بَعْدَ الْوَطْءِ لَا الْخَلْوَةِ) وہ خلوت جو وطی سے خالی ہو اس کے بعد عدت واجب نہیں ہوگی۔ خلوت اگرچہ فاسد ہو اس کے بعد نکاح صحیح میں عدت واجب ہوتی ہے۔ ''البحر'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے: اگر دونوں حقوق زوجیت میں اختلاف کریں تو قول خاوند کا معتبر ہوگا تو ان احکام میں سے کوئی چیز ثابت نہ ہوگی۔

''البحر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے: اگر یہ موطوءۃ عورت اس کی بیوی کی بہن ہو تو اس کی عدت کے ختم ہونے تک اس کی بیوی اس پر حرام رہے گی۔

12124۔ (قولہ: لِلطَّلَاقِ) یہ محذوف کے متعلق ہے جو العدۃ سے حال ہے۔ وقولہ لاللموت اس کا للطلاق پر

(مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيقِ) أَوْ مُتَارَكَةِ الزَّوْجِ وَإِنْ لَمْ تَعْلَمِ الْمَرْأَةُ بِالْمُتَارَكَةِ
تفریق کے وقت سے یا خاوند کے متارکہ سے اگر چہ عورت متارکہ کو نہ جانتی ہو۔

عطف ہے۔ مراد یہ ہے کہ نکاح فاسد کی وجہ سے موطوءہ خواہ خاوند نے اس سے جدائی اختیار کی ہو یا خاوند اس سے مر گیا ہو اس پر طلاق کی عدت واجب ہوگی۔ وہ تین حیض ہے۔ موت کی عدت واجب نہیں ہوگی جو چار ماہ دس دن ہے۔ ''المنح'' اور ''البحر'' کے قول کا یہی معنی ہے۔ یہاں عدت سے مراد طلاق کی عدت ہے۔ جہاں تک وفات کا تعلق ہے تو وہ نکاح فاسد کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی۔

للطلاق کے قول کو تجب کے قول کے متعلق کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ طلاق نکاح فاسد میں متحقق نہیں ہوتی بلکہ یہ تو متارکہ ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اسی طرح للموت کے قول سے مراد موت نہیں جو وطی سے پہلے ہوتا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ اگر وہ وطی کے بعد فوت ہوا تو موت کی عدت واجب ہوگی۔ کیونکہ تو ''البحر'' اور ''المنح'' کی عبارت کے اطلاق سے جان چکا ہے کہ نکاح فاسد میں عدت واجب نہیں ہوتی۔ اور باب العدۃ میں عنقریب (مقولہ 12226 کے متن میں) آئے گا کہ عدت تین کامل حیضوں کے ساتھ واجب ہوگی اگر شبہ یا نکاح فاسد کی وجہ سے وطی کی گئی ہو موت کی صورت میں اور فرقت کی صورت میں۔ یعنی اگر اسے حیض آتا ہو بصورت دیگر تین ماہ یا وضع حمل عدت ہوگی۔ فافہم۔

12125۔ (قولہ: مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيقِ) یعنی قاضی کے تفریق کرنے کے وقت سے۔ اسی کی مثل اس کا جدا ہونا ہے وہ ان دونوں کا عقد نکاح کو فسخ کرنا ہے یا ان میں سے ایک کا عقد نکاح کو فسخ کرنا ہے۔ ''ح''۔ من وقت التفریق، تجب کے متعلق ہے نہ کہ آخری وطی سے متعلق ہے۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ صحیح ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اس کے شراح ''الفتح''، ''المعراج'' اور ''غایۃ البیان'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''الملتقی''، ''الجوہرۃ'' اور ''البحر'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ ان معتبر کتابوں میں جو کچھ ہے اسے ''مجمع الانہر'' پر مقدم کیا جائے جو یہ ہے کہ امام ''زفر'' کا قول صحیح ہے۔ ''المواہب'' کی عبارت ہے: ہم نے تفریق کے وقت سے عدت کا اعتبار کیا ہے۔ آخری وطی سے اعتبار نہیں کیا۔ فافہم۔

12126۔ (قولہ: أَوْ مُتَارَكَةِ الزَّوْجِ) ''بزازیہ'' میں ہے: نکاح فاسد میں حقوق زوجیت کے بعد متارکہ قول سے ہوتا ہے جس طرح میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا یا تجھے چھوڑ دیا۔ محض نکاح کا انکار متارکہ نہیں۔ اگر وہ انکار کرے اور یہ بھی کہے تو چلی جا اور تو شادی کر لے تو یہ متارکہ ہوگا۔ اور اس میں طلاق متارکہ ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ طلاق کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ حقوق زوجیت کے بعد ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے کے پاس نہ آنا متارکہ نہیں۔ کیونکہ یہ متارکہ قول کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ صاحب ''المحیط'' نے کہا: حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل بھی قول کے ساتھ ہی متارکہ ہوتا ہے۔

شارح نے متارکہ کو خاوند کیساتھ خاص کیا ہے جس طرح ''زیلعی'' نے کہا۔ کیونکہ علما کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ متارکہ عورت سے اصلاً نہیں ہوتا جبکہ نکاح کو فسخ کرنا ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق صحیح ہے متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔

فِي الْأَصَحِّ (وَيَثْبُتُ النَّسَبُ) احْتِيَاطًا بِلَا دَعْوَةٍ (وَتُعْتَبَرُ مُدَّتُهُ) وَهِيَ سِتَّةُ أَشْهُرٍ (مِنَ الْوَطْءِ، فَإِنْ كَانَتْ مِنْهُ إِلَى الْوَضْعِ أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ) يَعْنِي سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَأَكْثَرَ (يَثْبُتُ) النَّسَبُ (وَإِلَّا) بِأَنْ وَلَدَتْهُ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ (لَا) يَثْبُتُ، وَهٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى،

یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ دعویٰ کے بغیر بھی بچے کا نسب خاوند سے ثابت ہوجاتا ہے یہ بطور احتیاط ہے۔ اور اس کی مدت کا اعتبار وطی سے کیا جائے گا جو چھ ماہ ہے۔ اگر وطی سے وضع حمل تک مدت حمل کی کم سے کم مدت ہو یعنی چھ ماہ یا زیادہ تو نسب ثابت ہوجائے گا۔ اگر وہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ یہ امام کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

''النہر'' میں فرق کیا ہے کہ متارکہ طلاق کے معنی میں ہے۔ یہ خاوند کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک فسخ کا تعلق ہے اس سے مراد عقد کو الٹا دینا ہے تو یہ خاوند کے ساتھ خاص نہیں اگرچہ یہ متارکہ کے معنی میں ہے۔ ''رملی'' میں اس کو رد کیا ہے: طلاق نکاح فاسد میں متحقق نہیں ہوتی تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ متارکہ طلاق کے معنی میں ہے؟ حق یہ ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے ''المقدسی'' نے ''شرح نظم الکنز'' میں کہا: اس کی مفصل بحث اس میں ہے جسے ہم نے ''البحر'' میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ طلاق کے باب سے تھوڑا پہلے (مقولہ 13345 کے متن میں) ''الجوہرہ'' سے منقول ہے: ایک آدمی نے اس عورت کو تین طلاقیں دیں جس سے نکاح فاسد کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ محلل کے بغیر بھی عقد نکاح کرنا صحیح ہوگا۔ کہا: خلاف کی حکایت نہیں کی۔ یہ بھی اس امر کا موید ہے کہ نکاح فاسد میں طلاق متحقق نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے یہ عدد کو کم نہیں کرتی بلکہ یہ متارکہ ہے جس طرح تو نے جان لیا۔ یہاں تک کہ اگر خاوند نے اسے ایک طلاق دی پھر اس سے نکاح صحیح کیا تو وہ عورت تین طلاقوں کے اختیار کے ساتھ اس کی طرف سے واپس آجائے گی۔

12127۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ دو صحیح قولوں میں سے ایک ہے۔ ''البحر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے اور کہا: ''زیلعی'' نے اسی پر اقتصار کیا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر خاوند نے عورت کو نہ بتایا تو عورت کی عدت ختم نہ ہوگی۔

12128۔ (قولہ: وَيَثْبُتُ النَّسَبُ) جہاں تک وراثت کا تعلق ہے تو وہ اس میں ثابت نہیں ہوتی۔ نکاح موقوف کا بھی یہی حکم ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ابوالسعود'' سے نقل کیا ہے۔

12129۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) بچے کی زندگی کے لئے نسب کو بطور احتیاط ثابت کیا ہے، ''ط''۔

12130۔ (قولہ: وَتُعْتَبَرُ مُدَّتُهُ) یعنی اس کی مدت کی ابتداء جس میں وہ ثابت ہوتا ہے۔

12131۔ (قولہ: وَهِيَ سِتَّةُ أَشْهُرٍ) وہ چھ یا اس سے زیادہ ماہ ہیں۔

12132۔ (قولہ: مِنَ الْوَطْءِ) جب فرقت واقع نہ ہو جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 12134 میں) آئے گی۔

12133۔ (قولہ: سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَأَكْثَرَ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ حکم کی کم سے کم مدت کی تقدیر یہ اس سے کم سے

وَقَالَا ابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِنْ وَقْتِ الْعَقْدِ كَالصَّحِيحِ وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ بِأَنَّهُ أَحْوَطُ وَذَكَرَ مِنْ التَّصَرُّفَاتِ الْفَاسِدَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَنَظَمَ مِنْهَا الْعَشَرَةَ الَّتِي فِي الْخُلَاصَةِ فَقَالَ

شیخین نے کہا: مدت کا آغاز عقد کے وقت سے ہوگا جس طرح عقد صحیح میں ہوتا ہے۔ ''النہر'' میں اسے ترجیح دی ہے کہ اس سے زیادہ احتیاط ہے۔ تصرفات فاسدہ میں سے اکیس کا ذکر کیا۔ جو ''خلاصہ'' میں ہیں ان میں سے دس کو اشعار میں بیان کیا اور کہا:

احتراز کے لئے ہے زیادہ سے احتراز کے لئے نہیں۔ کیونکہ عورت نے عقد کے وقت یا حقوق زوجیت کے وقت سے دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا اور مرد نے اس سے جدائی اختیار نہ کی تو بالاتفاق اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، ''بحر''۔

12134۔ (قولہ: وَقَالَا الخ) اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب وہ عقد کے وقت سے چھ ماہ میں یا حقوق زوجیت کے وقت سے چھ ماہ سے پہلے بچے جن دے۔ مفتی بہ قول کے مطابق اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، ''بحر''۔

تنبیہ

''الفتح'' میں اسے ذکر کیا ہے کہ مدت کی ابتدا کا اعتبار تفریق کے وقت سے ہوگا جب فرقت واقع ہوگی ورنہ نکاح یا حقوق زوجیت کے وقت سے مدت کا آغاز ہوگا۔ جس طرح اس میں اختلاف ہے۔ ''البحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے: یہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر عورت تفریق کے بعد عقد کے وقت یا حقوق زوجیت کے وقت سے چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنے یا تفریق کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا جبکہ اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ ''النہر'' میں جواب دیا ہے کہ مدت کی ابتدا کا اعتبار نکاح یا حقوق زوجیت کے وقت سے ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اقل مدت میں نسب کی نفی ہوگی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس کا اعتبار تفریق کے وقت سے ہوگا تو اس کا معنی ہے تفریق کے وقت سے اکثر مدت کی صورت میں نسب کی نفی ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ تفریق کے وقت سے دو سال سے زیادہ کے عرصہ میں بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ ''شرح المقدسی'' میں اس کی مثل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تفریق سے قبل نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ عورت عقد یا حقوق زوجیت کے بعد دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچے جنے جس طرح پہلے (مقولہ 12133 میں) گزر چکا ہے۔ جہاں تک تفریق کے بعد کا تعلق ہے تو نسب ثابت نہیں ہوگا مگر جب تفریق کے وقت سے دو سال سے کم میں بچہ جن دے۔ شرط یہ ہے کہ ولادت اور عقد یا حقوق زوجیت کے دوران چھ ماہ سے کم عرصہ نہ ہو۔

12135۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ) اس کی ترجیح صاحب ''ہدایہ'' وغیرہ کے معارض نہیں۔ بے شک فتویٰ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

تصرفات فاسدہ

12136۔ (قولہ: وَذَكَرَ مِنْ التَّصَرُّفَاتِ الْفَاسِدَةِ) یعنی ایسے تصرفات جو عقد کی صحت کی شروط میں سے کسی کے نہ

وَفَاسِدٌ مِنَ الْعُقُودِ عَشْرٌ	إِجَارَةٌ وَحُكْمُ هٰذَا الْأَجْرِ
وُجُوبُ أَدْنَى مِثْلٍ أَوْ مُسَمَّى	أَوْ كُلِّهِ مَعَ فَقْدِكَ الْمُسَمَّى
وَالْوَاجِبُ الْأَكْثَرُ فِي الْكِتَابَةِ	مِنَ الَّذِي سَمَّاهُ أَوْ مِنْ قِيمَةٍ
وَفِي النِّكَاحِ الْمِثْلُ إِنْ يَكُنْ دَخَلْ	وَخَارِجُ الْبَذْرِ لِمَالِكٍ أَجَلْ

عقود میں سے فاسد دس ہیں۔ اجارہ، اس کا حکم یہ ہے کہ اجرت لازم ہوگی اجرت مثلی یا اجرت معینہ میں سے جو کم ہوگی وہ لازم ہوگی یا اجرت مثلی پوری لازم ہوگی اگر اجرت معینہ مفقود ہو اور کتابت فاسدہ میں معینہ یا اس کی قیمت میں سے جو زائد ہوگا وہ لازم ہوگا اور نکاح فاسد میں مہر مثل ہوگا اگر حقوق زوجیت ادا ہوئے اور مزارعت فاسدہ میں فصل بیج والے کی ہوگی۔ ہاں۔

ہونے کی صورت میں فاسد ہو جاتے ہیں۔

12137۔(قولہ: وَحُكْمُ هٰذَا) شرط فاسد جیسے گھر کی مرمت یا مسمی کی جہالت یا اجرت معین ہی نہ کی یا شراب وغیرہ کو اجرت معین کیا تو اجارہ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ کلام میں لفظ الاجر یہ حکم کی خبر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلی صورت میں اجرت مثلی یا معین کردہ اجرت اور اجرت مثلی جہاں تک پہنچے آخری تین صورتوں میں۔ اس کی وضاحت اس قول کے ساتھ کی ہے: وجوب ادنی مثل۔ ادنیٰ کا لفظ مضاف ہے اور اضافت بیانیہ ہے۔ یا یہ مضاف نہیں اور ''مثل'' اس سے بدل ہے جس طرح یہ مخفی نہیں،''ح''۔

12138۔(قولہ: وَالْوَاجِبُ الْأَكْثَرُ الخ) یعنی کتابت فاسدہ جس طرح ایک غلام نے آقا سے عقد مکاتبہ کیا ایسی عینی چیز پر جو معین ہے مگر کسی اور کی ہے تو مکاتب پر اپنی قیمت یا معین چیز میں سے جو زائد ہوگی وہ لازم ہوگی۔ الکتابۃ اور القیمۃ کی تا دونوں مجرور ہیں دونوں پر ھا سے وقف نہیں کیا جائے گا تا کہ قافیہ مختلف نہ ہو،''ح''۔

12139۔(قولہ: وَفِي النِّكَاحِ) یعنی نکاح فاسد جس طرح مثلاً گواہ نہ ہوں تو مہر مثل لازم ہوگا یعنی جہاں تک بھی پہنچے اگر ایسی چیز مہر مقرر کرے جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو بصورت دیگر مہر مثل یا مہر مسمی میں سے جو کم ہوگا وہ لازم ہوگا،''ح''۔

12140۔(قولہ: إِنْ يَكُنْ دَخَلْ) مگر جب خاوند نے نکاح فاسد میں عورت سے حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں تو کوئی چیز واجب نہ ہوگی،''ح''۔

12141۔(قولہ: وَخَارِجُ الْبَذْرِ) یعنی مزارعت فاسدہ جس طرح اس میں کسی ایک فریق کے لئے معین قفیز کی شرط لگائی گئی تو جو فصل ہوگی وہ بیج والے کی ہوگی۔ پھر اگر زمین بیج والے کی ہوگی تو اس پر عامل کی اجرت مثلی ہوگی۔ اگر بیج مزدور کی جانب سے ہوگا تو عامل پر زمین کی اجرت مثلی لازم ہوگی،''ح''۔

12142۔(قولہ: أَجَلْ) یہ نعم کے معنی میں تکملہ ہے،''ح''۔

وَالصُّلْحُ وَالرَّهْنُ لِكُلٍّ نَقْضُهُ	أَمَانَةٌ أَوْ كَالصَّحِيحِ حُكْمُهُ
ثُمَّ الْهِبَةُ مَضْمُونَةٌ يَوْمَ قَبْضٍ	وَصَحَّ بَيْعُهُ لِعَبْدٍ اقْتَرَضَ

اور صلح فاسد اور رہن فاسد میں سے ہر ایک کو توڑنے کا حق ہے بدل صلح اور بدل رہن یہ امانت ہے یا اس کا حکم صحیح کی طرح ہے پھر ہبہ فاسد میں موہوبہ چیز پر ضمانت ہوگی جس دن موہوب لہ نے اس پر قبضہ کیا اور مستقرض کا اس غلام کو بیچ دینا صحیح ہے جو غلام اس نے قرض لیا۔

12143۔(قولہ: وَالصُّلْحُ وَالرَّهْنُ) یعنی صلح فاسد جس طرح وہ بدل جس پر صلح کی گئی وہ مجہول ہو اور رہن فاسد جس طرح مشترک چیز کو رہن رکھا جائے تو متعاقدین میں سے ہر ایک کو اسے توڑنے کا اختیار ہے'' ح''۔

12144۔(قولہ: أَمَانَةٌ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو مبتدا بدل صلح اور مرہون میں سے ہر ایک کی طرف راجع ہے جن دونوں پر الصدح اور الرھن کا لفظ دلالت کرتا ہے۔'' ح''۔ یعنی مصالح کے قبضہ میں جو بدل صلح ہوگا وہ امانت ہوگا۔ اسی طرح جس بدل پر صلح کی گئی ہے جس کے قبضہ میں ہوگا وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔ اسی طرح رہن مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے ساتھی کے مال پر اس کے اذن سے قبضہ کیا ہے۔ لیکن اس نے قبضہ اپنے لئے کیا ہے اس کے مالک کے لئے نہیں کیا پس چاہئے کہ اس پر ضمانت ہو۔ یہ وہی چیز ہے جس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے: او کالصحیح حکمہ۔ صلح میں صحیح کا حکم یہ ہے کہ بدل صلح کے عوض پر اس پر ضمانت ہوتی ہے۔ اور صحیح رہن میں قیمت اور دین میں سے جو کم ہوتا ہے اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ چاہئے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے۔'' رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: کتاب الرھن میں (مقولہ 34680 میں) تطبیق آئے گی کہ رہن فاسد رہن صحیح کی طرح ہے جب وہ دین پر سابق ہو ورنہ نہیں۔ وہاں اس پر مکمل (مقولہ 34680 میں) بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

12145۔(قولہ: ثُمَّ الْهِبَةُ) یہاں ھا ضرورت کی وجہ سے ساکن ہے یعنی فاسد ہبہ میں موہوبہ چیز موہوب لہ پر قیمت کے ساتھ مضمون ہوگی۔ قیمت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن اس پر قبضہ ہوا جس طرح ایسی مشترک چیز ہبہ کی جس کو تقسیم کیا جا سکتا تھا'' ح''۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے لئے قبضہ میں لیا ہے۔ اور جو آدمی اپنے لئے کسی چیز کو قبضہ میں لے اگرچہ مالک کی اجازت سے ہو تو اس کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہوگا۔'' رحمتی''۔

12146۔(قولہ: وَصَحَّ بَيْعُهُ) قرض لینے والے کی بیع صحیح ہوگی۔ للعبد میں لام تعدیہ کے لئے ہے۔ ان کا قول اقترض یہ عبد کی صفت ہے۔ اس فعل کا فاعل ضمیر عائد ہے جو مستقرض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کا مفعول محذوف ہے جو عبد کی طرف لوٹ رہا ہے۔ مراد یہ ہے جب مستقرض نے غلام قرض کے طور پر لیا تو یہ قرض فاسد ہوگا کیونکہ یہ ذوات القیم میں سے ہے جو ملکیت کا فائدہ دیتا ہے تو اس کی بیع صحیح ہوگی۔'' ح''۔ طحطاوی نے کہا: لعبد میں لام زائدہ ہے۔

مُضَارَبَةٌ وَحُكْمُهَا الْأَمَانَةُ وَالْمِثْلُ فِي الْبَيْعِ وَإِلَّا الْقِيمَةُ

مضاربہ (فاسدہ) اس کا حکم امانت ہے اور بیع فاسد میں مثلی چیز ورنہ اس کی قیمت ہوگی۔

12147۔ (قولہ: مُضَارَبَةٌ) ضرورت کی بنا پر ھا ساکن ہے یعنی مضاربہ فاسدہ جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ رب المال کام کرے گا تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت ہے یعنی مضارب کے ہاتھ میں مضاربہ کا مال امانت ہوگا'' ح''۔ کیونکہ مضارب نے مضاربہ کے مال پر قبضہ مالک کی اجازت سے کیا ہے اور جو اس طرح ہو تو وہ امانت ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ جب یہ فاسد ہو جائے تو مضارب کی حیثیت مزدور کی سی ہوتی ہے اور مزدور کے ہاتھ میں مال امانت ہوا کرتا ہے،'' رحمتی''۔

12148۔ (قولہ: وَالْمِثْلُ فِي الْبَيْعِ) بیع فاسد میں یعنی ایسی بیع جس میں ایسی شرط لگائی جائے عقد جس کا تقاضا نہ کرے تو اس میں جو چیز واجب ہوتی ہے وہ ہلاک ہونے والی مقبوضہ چیز کی مثل کی ضمانت ہوتی ہے اگر وہ مثلی ہو اور اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو۔ الامانۃ اور القیمۃ کی تا مرفوع ہے سکون کے ساتھ اس پر وقف نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی دلیل گزر چکی ہے،'' ح''۔

جہاں تک اکیس میں سے باقی ماندہ ہیں تو'' النہر'' میں کہا: تصرفات فاسدہ میں سے باقی ماندہ صدقہ، خلع، شرکت، سلم، کفالہ، وکالت، وقف، اقالہ، صرف، وصیت، قسمہ ہیں۔ جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے تو'' جامع الفصولین'' میں ہے: یہ ہبہ فاسدہ کی طرح قبضہ کے ساتھ مضمونہ ہوتا ہے۔ جہاں تک خلع کا تعلق ہے تو اس کا حکم یہ ہے جب عوض اس میں باطل ہو جائے تو طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح خمر، خنزیر اور مردار پر خلع کرنا۔ جہاں تک شرکت کا تعلق ہے اس سے مراد ایسی شرکت ہے جس کی شرط مفقود ہو اس کی مثل یہ ہے کہ وہ اس نفع کو مال کے برابر لازم کر دے جس طرح'' مجمع'' میں ہے۔ اگر مال اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح'' جامع الفصولین'' میں ہے۔ جہاں تک بیع سلم کا تعلق ہے وہ وہ ہوتی ہے جس میں صحت کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ اس میں رأس المال کا حکم مغصوبہ چیز کی طرح ہے۔ اس میں اسی طرح درگزر سے کام لیا جائے گا کہ جو مناسب سمجھے اس کے بدلے میں یداً بید لے لے۔'' الفصول'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک کفالت کا تعلق ہے جس طرح مکفول عنہ مجہول ہو جس طرح اس نے کہا: تو نے جس سے بیع وشراء کی وہ مجھ پر ہے تو اس کا حکم یہ ہے اس پر وہ واجب نہ ہوگی اور اس نے جو ادا کیا ہوگا اسے واپس لے گا۔ کیونکہ یہ ضمانت فاسد ہے۔'' الفصول'' میں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ جہاں تک وکالت، کفالت، اقالہ، صرف اور وصیت کا تعلق ہے تو ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے فاسدہ اور باطل میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ اقالہ، نکاح کی طرح ہے شرط فاسد اسے باطل نہیں کرتی۔ یہ معروف ہے کہ اس کے فاسد اور باطل میں کوئی فرق نہیں۔ علما نے کہا: اگر قبضہ کے بعد اقالہ ہو جب لونڈی بچہ جن چکی تھی تو یہ باطل ہوگا۔

میں کہتا ہوں:'' المجمع'' کی طرف جو اسے اس قول واما الشرکۃ میں منسوب کیا ہے تو وہ'' المجمع'' میں موجود نہیں۔ ہم نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے یہ کہا ہو۔ بلکہ شرکت جائز ہے جب وہ نفع میں مساوات یا عدم مساوات کی شرط لگائیں صحیح یہ

....

ہے کہ وہ مثال بیان کرے اس کے ساتھ جس میں معین دراہم کی دونوں میں سے ایک کے لئے شرط لگائے۔ کیونکہ یہ شرکت کو فاسد کرنے والی ہوتی ہے۔ اور شرکت فاسدہ کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس میں نفع اس اعتبار سے تقسیم کیا جائے جس قدر مال ہو اگر چہ تفاضل کی شرط لگائی جائے۔ یہی وہ بات ہے جس کو ''المجمع'' وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ فافہم۔

قسمۃ (تقسیم) کا ذکر کیا لیکن اسکے حکم سے تعرض نہیں کیا۔ مصنف اور شارح اس کے باب میں (مقولہ 23111 کے متن میں) اسکا ذکر کریں گے: قسمہ فاسدہ کی صورت میں جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہو وہ اس قسمہ (تقسیم) کی طرح ہے جو مقسوم وغیرہ کے ہبہ، صدقہ یا بیع کی شرط پر ہو۔ اس میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور قابض کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اور اس کی قیمت کا ضامن ہوتا ہے جس طرح شراء فاسد کی صورت میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ ''الاشباہ'' میں قیل والے قول کو جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور ''بزازیہ'' اور ''قنیہ'' میں پہلے قول کا ذکر کیا ہے۔ اور نکاح میں فاسد اور باطل میں جو فرق نہ ہونے کا ذکر کیا ہے اسے تو جان چکا ہے۔ اسے ذہن نشین کر لے۔ ''رحمتی'' نے حوالہ کا اضافہ کیا ہے اور دس سے جو زائد اقسام ہیں اسکے حکم کو اشعار میں نظم کیا ہے تا کہ ''النہر'' کی نظم کی مذکورہ ترتیب پر تکمیل ہو جائے تو کہا

صدقۃٌ کَہِبَۃٍ سواءٌ — والخلعُ بائنٌ ولا جزاءٌ
ان شرطَ الخمرَ او الخنزیرَ او — لِمیتۃٍ بدلَہَ کذا رَأوا
بقدر مال ربحُ شرکۃٍ فَسَد — کان لقطع شرکۃِ الربحِ قصد
ولا ضمانَ بہلاکِ المالِ — فی یدِہِ حُزتَ ذُرا المعالی
وسلمٌ بعضُ شروطِہِ فُقِد — ففاسدٌ کما من الفقہ شُہِد
ورأسُ مالٍ فیہ کالمغصوبِ عُدّ — فَخُذْ بہ ما شئتَ ان یدا بید
کفالۃُ المجہولِ مُفْسِدٌ لہا — فارجع بما ادیتَ ان خَبْءٌ دَہَی
اِذَا بَنَی الدفعَ عَلَی الکفالۃِ — ولا رجوعَ ان یُرِدْ وفالہ
و فاسدُ القسمۃِ ان شرط نمی — لا یقتضیہ العقدُ یا ہذا الکمی
فَیُملکُ المقسومُ بالقیمۃ ان — یُقْبَضْ و قیل لا فقد فاز الفطن
وکالۃٌ وصایۃٌ و الوقفُ — اقالۃٌ یا صاحِ ثم الصرفُ
لا فرقَ فیہا بین ما قد فَسَدا — و بین باطلٍ ہدیتَ الرشدا
حوالۃٌ بشرط ان یؤدّی — من بیع دار للمحیل یُرْدِی
فان یؤدّ المالَ فہو راجِعٌ — علی المُحِیْلِ او مُحَالٌ خَاشِعٌ

صدقہ ہبہ کی طرح برابر ہے۔ خلع کی صورت میں طلاق بائنہ ہو گی اور کوئی جزا لازم نہ ہو گی۔ اگر اس نے بدل خلع میں خمر، خنزیر یا

(وَ) الْحُرَّةُ (مَهْرُ مِثْلِهَا) الشَّرْعِيُّ (مَهْرُ مِثْلِهَا) اللُّغَوِيُّ
اور آزاد عورت کا شرعی مہر مثل وہی ہے جو اس کا مہر مثل لغوی ہے۔

مردہ کی شرط لگائی علما نے یہی رائے قائم کی ہے۔شرکت فاسدہ کی صورت میں نفع مال کی مقدار کے اعتبار سے ہوگا۔ یہ نفع کی شرکت کے قطع کا قصد ہے۔ اسی کے ہاتھ میں مال کے ہلاک ہونے کی صورت میں کوئی ضمانت نہیں ہوگی تو نے بلندی کی چوٹیوں کو جمع کرلیا ہے۔ بیع سلم جس کی بعض شرطیں مفقود ہوں تو یہ فاسد ہوگی جس طرح فقہ میں اس کی گواہی دی گئی۔ اس میں رأس المال مغصوبہ کی طرح شمار کیا جائے گا اس کے بدلے میں جو چاہے یدابید لے لے ایک ہاتھ سے دے دوسرے ہاتھ سے لے۔ مجہول کی کفالت اس کو فاسد کرنے والی ہے۔ جو تو ادا کر چکا ہے اسے واپس لے لے۔ کیونکہ پوشیدہ چیز عیب لگانے والی ہے۔ جب اس نے مال دینے کی بنیاد کفالہ پر رکھی اگر وفا کا ارادہ کیا تھا تو پھر کوئی لوٹانا نہیں۔ اور تقسیم فاسد ہوگی اگر ایسی شرط لگائی گئی جو زائد ہو عقد جس کا تقاضا نہ کرے اے بہادر۔ مقسوم کا قیمت کے بدلے مالک ہوا جاتا ہے اگر اس پر قبضہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نہیں تحقیق دانا آدمی کامیاب ہو گیا۔ وکالت، وصیت، وقف اقالہ اے میرے ساتھی۔ پھر بیع صرف ان میں کوئی فرق نہیں یہ فاسد ہوں یا باطل ہوں۔ تیری صحیح چیز کی طرف راہنمائی کر دی گئی ہے۔ حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ وہ ادا کرے گا محیل کا گھر بیچ کر جو کہ ہلاک کرنے والا ہے۔ اگر اس نے مال ادا کر دیا تو وہ محیل پر رجوع کرے گا یا محال کو ڈر ہو۔

(و قوله : فخذ به ما شئت الخ) یعنی اسے حق حاصل ہوگا کہ بیع سلم جو فاسد ہو اس کے رأس المال کا بدل لے لے۔ بیع سلم جو صحیح ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہاتھ سے لے اور دوسرے ہاتھ سے دے تاکہ دین بدین سے جدا نہ ہو۔ و قوله: اذا بنى الدفع على الكفالة الخ، یعنی اگر اسے گمان ہو کہ کفالہ اس کے لئے لازم ہو چکی ہے تو اس نے وہ مال ادا کر دیا جس کی ضمانت اٹھائی تھی اور کہا: یہ وہ ہے جس کی میں نے تیرے لئے کفالت اٹھائی تو واپس لے۔ کیونکہ اس نے وہ چیز ادا کی جو اس پر لازم نہ تھی۔ کیونکہ اسے لزوم کا گمان تھا جس طرح اس نے قرض ادا کیا پھر واضح ہوا کہ اس پر کوئی قرض نہ تھا۔ مگر جب اس نے کہا: یہ پورا لے لو اس کی جانب سے جو تیرے لئے اس کے ذمہ تھا تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جس نے کسی کا قرض اس کے امر کے بغیر دیا تو وہ کسی سے واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

12149۔(قوله: وَ الْحُرَّةُ) حرہ کا لفظ ذکر کر کے الامۃ سے احتراز کیا ہے جس طرح آگے آئے گا۔

مہر مثل کا بیان

12150۔(قوله: مَهْرُ مِثْلِهَا) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مہر مثلھا ہے۔ کسی شے کا اپنی ذات کی خبر دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ اشارہ کیا ہے کہ شرعاً اور لغۃً دونوں مختلف ہیں۔ کیونکہ دوسرا من قوم ابیہا کے ساتھ مقید ہے۔

پھر یہ جان لو کہ مذکورہ مہر مثل کا اعتبار ہر ایسے نکاح صحیح کا حکم ہے جس میں اصلاً تسمیہ نہ ہو یا اس میں ایسا تسمیہ ہو جو مجہول ہو یا جو شرعاً حلال نہ ہو۔ اور ہر ایسا نکاح جو فاسد ہو جس میں وطی ہو چکی ہو اس کا حکم بھی یہی ہے اس میں مہر معین کیا گیا یا مہر

أَیْ مَهْرُ امْرَأَةٍ تُمَاثِلُهَا (مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا) لَا أُمِّهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْ قَوْمِهِ كَبِنْتِ عَمِّهِ وَفِي الْخُلَاصَةِ يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِنْتُ الشَّقِيقَةِ وَبِنْتُ الْعَمِّ انْتَهَى وَمَفَادُهُ اعْتِبَارُ التَّرْتِيبِ فَلْيُحْفَظْ

یعنی مہر مثلی وہ ہوتا ہے جو ایسی عورت کا مہر ہوتا ہے جو اس کی مثل ہو جو اس کے باپ کی قوم سے ہو نہ کہ اس کی ماں کی قوم سے ہو اگر ماں اس کے باپ کی قوم سے نہ ہو جس طرح چچازاد بہن ہوتی ہے۔ ''خلاصہ'' میں ہے: اس کی بہنوں اور اس کی پھوپھیوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس کی حقیقی بھانجی اور چچا کی بیٹی کا اعتبار ہوگا۔ انتہیٰ اور ''خلاصہ'' کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے چاہیے کہ اسے یاد کیا جائے۔

معین نہ کیا گیا۔ وہ مواقع جن میں مہر شبہ کی وجہ سے وطی کے سبب سے واجب ہو تو اس مہر سے مراد وہ مہر مثل نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ کیونکہ ''الخلاصہ'' میں ہے: اس سے مراد عقر ہے۔ ''اسبیجابی'' نے اس کی تفسیر بیان کی ہے: یہ دیکھا جائے گا: اگر زنا حلال ہوتا تو اس کی کتنی اجرت ہوتی تو اتنی مقدار واجب ہوگی۔ ''سرخسی'' کی ''الاصل'' میں شرب کے باب میں ہمارے مشائخ سے اسی طرح منقول ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ آزاد اور لونڈی میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اور ''المحیط'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے: اگر اس کی اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کو اس کے پاس رات گزارنے کے لئے بھیج دیا جائے اور مرد نے اس کے ساتھ وطی کی تو اس مرد پر عورت کا مہر مثل لازم ہوگا۔ مگر اسے مذکورہ عقر پر محمول کیا جائے گا تاکہ تطبیق دی جائے ''بحر''۔

مہر مثل میں باپ کی قوم کا اعتبار ہوگا

12151۔ (قولہ: لَا أُمِّهَا) مقصود یہ ہے کہ باپ کی قوم کے ساتھ ماں اور اس کی قوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں یہاں تک کہ یہ اجنبی عورت سے بھی ادنیٰ حال میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''برجندی'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ماں بعض اوقات ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے جو باپ کے قبیلہ کے مماثل نہیں ہوتا۔ اور اجنبیوں میں سے وہ عورت معتبر ہوگی جس کا قبیلہ باپ کے قبیلہ کے ہم مثل ہو جس طرح آگے آئے گا۔ جو اس طرح ہو تو وہ ماں کی حالت سے اعلیٰ ہوگا۔ فافہم۔

12152۔ (قولہ: كَبِنْتِ عَمِّهِ) یہ منفی کی مثال ہے ''ح''۔ یعنی جس کی اس قول ان لم تكن من قومه میں نفی کی گئی۔ دونوں میں ضمیر باپ کے لئے ہے جب ماں باپ کے چچا کی بیٹی ہو تو وہ باپ کے قوم سے ہوئی۔ اور ''الدرر'' کا قول: كبنت عمها سبقت قلم ہے (یعنی غلطی ہے) یا مجاز ہے۔

12153۔ (قولہ: وَمَفَادُهُ اعْتِبَارُ التَّرْتِيبِ) ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''البحر'' میں بعد میں کہا: ان کے کلام کا ظاہر اس کے خلاف ہے۔

وَ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْأَوْصَافِ (وَقْتَ الْعَقْدِ سِنًّا
اور عقد کے وقت اوصاف میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا۔عمر،

میں کہتا ہوں: ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جب وہ اپنی بہن اور چچا کی بیٹی کی صفات مذکورہ میں ہم مثل ہو اور ان دونوں کے مہر مختلف ہوں۔ جو عبارت ''الخلاصہ'' میں ہے اس میں بہن کا اعتبار کیا جائے گا۔ جہاں تک ان کے کلام کا ظاہر ہے تو وہ اشکال پیدا کرتا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: جب وہ عورت اپنے باپ کی قریبی رشتہ دار عورتوں میں سے دو ایسی عورتوں کے ہم مثل ہو جن کے مہر مختلف ہوں تو میں نے اس کا حکم نہیں پایا۔ کیا اسے کم مہر والی کے ساتھ قیاس کیا جائے گا یا زیادہ مہر والی پر قیاس کیا جائے گا؟ تو چاہئے کہ ہر وہ مہر، قاضی جس کا اعتبار کرے اور اس کا حکم دے تو یہ ہی صحیح ہے کیونکہ فرق بہت تھوڑا ہے۔

اس میں سے بعض اوقات فرق بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ''خیر رملی'' نے کہا: ہمارے علما نے بیان کیا ہے موجودہ دور کے قاضیوں کے اسے سپرد کرنا سراسر فساد ہے۔ فقیہ کی نظر جس کا تقاضا کرتی ہے وہ کم مہر کا اعتبار کرنا ہے کیونکہ وہ یقینی ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لئے جو ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں کے مہر کو دیکھا جائے جس کا مہر اس کے مہر مثل کے موافق ہو جائے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کے مہر میں خاوند کی جانب سے یا بیوی کی جانب سے محابات حاصل ہوا ہو۔ تامل

وہ اوصاف عقد کے وقت جن میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا

12154۔(قولہ: فِي الْأَوْصَافِ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ اسے حذف کر دیا جاتا۔ کیونکہ سنّا کا قول اس سے غنی کر دیتا ہے۔ ساتھ ہی یہ اعراب میں تکلف کی احتیاج کو لازم ہے۔

12155۔(قولہ: وَقْتَ الْعَقْدِ) متن کو دیکھیں تو یہ دوسرے مثلھا کی طرف ہے اور شرح کو دیکھیں تو یہ تعتبر کی طرف ہے۔ ''ح''۔

معنی ہے جب ہم ارادہ کریں کہ ہم ایسی عورت کے مہر مثل کو پہچانیں جس نے مہر معین کرنے کے بغیر شادی کی تو ہم اس کی شادی کے وقت کی صفات کو دیکھیں گے جیسے عمر، جمال وغیرہ اور اس کے باپ کی قوم کی عورت کو دیکھیں گے جو عمر اور جمال میں پہلی کی مثل تھی جب اس نے شادی کی۔ اس کے بعد ان دونوں میں سے جو کچھ واقع ہوا جیسے جمال وغیرہ زیادہ ہوا یا کم ہوا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ''رحمتی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

12156۔(قولہ: سِنًّا) اس سے مراد چھوٹا یا بوڑھا ہونا ہے۔ ''بحر''، ''غایۃ البیان'' میں بھی اسی طرح ہے۔ اس کلام کا ظاہر یہ ہے مراد عمر کو عدد کے ساتھ معین کرنا نہیں جس طرح مثلاً بیس سال بلکہ مطلق صغر اور کبر ہے جس میں عرفاً فرق نہیں کیا جاتا۔ مثلاً بیس سال کی تیس سال کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے ''معراج'' میں کہا: کیونکہ مہر مثل ان اوصاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ غنی عورت سے اس سے زیادہ مہر پر نکاح کیا جاتا ہے جس پر فقیر عورت سے عقد نکاح کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نوجوان عورت

وَجَمَالًا وَمَالًا وَبَلَدًا وَعَصْرًا وَعَقْلًا وَدِينًا وَبَكَارَةً وَثُيُوبَةً وَعِفَّةً وَعِلْمًا وَأَدَبًا وَكَمَالَ خُلُقٍ) وَعَدَمَ وَلَدٍ وَيُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ أَيْضًا، ذَكَرَهُ الْكَمَالُ

جمال، مال، شہر، زمانہ، دانش، دیانت، باکرہ ہونا، ثیبہ ہونا، پاکدامنی، علم، ادب، کمال اخلاق اور اولاد کا نہ ہونا ''کمال'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور خاوند کی حالت کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ ''الکمال'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔

سے بوڑھی سے زیادہ مہر پر عقد نکاح کیا جاتا ہے۔ اور حسینہ سے بدصورت کے مقابلہ میں زیادہ مہر پر عقد نکاح کیا جاتا ہے۔

کلام کا ظاہر یہ ہے کہ باقی اوصاف بھی اسی طرح ہیں اصل صفت میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ اس کی ضد سے احتراز ہے اس کی زیادتی سے احتراز نہیں۔

12157۔ (قولہ: وَجَمَالًا) ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسب اور شرف میں جمال کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ درمیانی درجہ کے جو لوگ ہیں ان میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ عمدہ تعبیر ہے ''فتح''۔ ظاہر یہ ہے کہ اسے مطلقاً معتبر مانا جائے ''بحر''۔ ''النہر'' میں اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ ''کنز'' وغیرہ کی عبارت مطلق ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ گفتگو ان میں ہو رہی ہے جو اس کے باپ کی قوم سے ہو۔ جب ان میں سے ایک دوسری کے ساتھ حسب اور شرف میں برابر ہو اور وہ جمال میں دوسری سے بڑھ کر ہو تو اس کی رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

12158۔ (قولہ: وَبَلَدًا وَعَصْرًا) اگر وہ دوسری عورت اس کے باپ کی قوم سے ہو لیکن دونوں کا مکان یا زمان مختلف ہو تو اس کے مہر کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ دو شہروں کے رہنے والوں کی عادت مہر کے زیادہ یا کم ہونے میں مختلف ہوتی ہے۔ اگر اس کی شادی ایسے شہر میں ہو جو ان شہروں سے مختلف ہے جن میں ان کے قریبی عورتوں کی شادی ہوئی تو ان کے مہر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ''فتح''۔ ''کافی الحاکم'' میں اسی طرح ہے جو امام ''محمد'' کی کتب کو جامع ہے۔ کہا: اس کے خاندان کی عورتوں کو نہیں دیکھا جائے گا جو اس شہر کی نہ ہوں کیونکہ مختلف شہروں کے مہر مختلف ہوتے ہیں۔

اس کا مقتضی یہ ہے کہ زمان اور مکان کا اعتبار ضروری ہے اگرچہ ہم نے ان میں سے بعض صفات پر اکتفا کرنے کا قول کیا ہے جس طرح بعد میں (مقولہ 12169 میں) آئے گا۔ فافہم۔

12159۔ (قولہ: وَعَقْلًا) یہ ایسی قوت ہے جو امور حسنہ اور قبیحہ میں تمیز دینے والی ہے یا انسان کے لئے اس کی حرکات و سکنات میں ہیئت محمودہ ہے جس طرح کتب الاصول میں ہے۔ یہ اس معنی میں اسے بھی شامل ہے جس کی ''المنتقی'' میں شرط لگائی ہے جیسے علم، ادب، تقویٰ، عفت اور کمال عقل ''قہستانی''۔

12160۔ (قولہ: وَدِينًا) یعنی دیانت اور صالحیت ''قہستانی''۔

12161۔ (قولہ: وَعَدَمَ وَلَدٍ) جس کے لئے مہر مثل کا اعتبار کیا جا رہا ہے وہ اسی طرح ہو اگر اس کی اولاد ہو تو مہر مثل کا اعتبار اس عورت کے حوالے سے ہوگا جس کی اولاد ہو ''ط''۔

12162۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْكَمَالُ) ''کمال'' نے مشائخ سے نقل کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے اور اس کی وضاحت

قَالَ وَمَهْرُ الْأَمَةِ بِقَدْرِ الرَّغْبَةِ فِيهَا (وَيُشْتَرَطُ فِيهِ) أَيْ فِي ثُبُوتِ مَهْرِ الْمِثْلِ لِمَا ذُكِرَ (إِخْبَارُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَلَفْظُ الشَّهَادَةِ) فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ شُهُودٌ عُدُولٌ فَالْقَوْلُ لِلزَّوْجِ بِيَمِينِهِ، وَمَا فِي الْمُحِيطِ

اور کہا: لونڈی کا مہر اسی قدر ہوگا جس قدر اس میں رغبت ہوگی۔ اور مہر مثل کے ثبوت میں شرط ہے کہ دو آدمی اس کی خبر دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں خبر دیں اور شہادت کا لفظ بھی شرط ہے۔ اگر عادل گواہ موجود نہ ہوں تو قسم کے ساتھ قول خاوند کا معتبر ہوگا اور ''محیط'' میں جو ہے

یوں کی ہے: یعنی اس عورت کا خاوند مال وحسب اور ان کے عدم میں اس جیسی عورتوں کے خاوند کے مثل ہو باقی صفات میں بھی صورتحال ایسے ہی ہوگی۔ کیونکہ نوجوان اور متقی کے ساتھ عقد نکاح اس مہر سے کم مہر پر کیا جاتا ہے جس مہر پر شیخ اور فاسق سے عقد نکاح کیا جاتا ہے جس طرح ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔

12163۔ (قولہ: وَمَهْرُ الْأَمَةِ الخ) ہم نے باب کے شروع میں (مقولہ 11878 میں) اس پر کلام کی ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: اس کے اطلاق میں یہ بھی داخل ہے کہ جب لونڈی کے باپ کی قوم ہو جس طرح ایک آزاد آدمی نے ایک آدمی کی لونڈی سے عقد نکاح کیا اور اس نے آزادی کی شرط نہ لگائی۔ اس کی بیٹی لونڈی ہے۔ یہ اگرچہ اپنے باپ کی قوم سے ہے لیکن آزادی میں ان کے خلاف ہے پس مماثلت حاصل نہ ہوگی۔

مہر مثل کے ثبوت کی شرط

12164۔ (قولہ: أَيْ فِي ثُبُوتِ مَهْرِ الْمِثْلِ) یہ اشارہ کیا کہ فیہ میں ضمیر مہر المثل کی طرف لوٹ رہی ہے اور مضاف مقدر ہے جو ثبوت ہے۔

12165۔ (قولہ: لِمَا ذُكِرَ) یہ مہر مثل کے ثبوت کی علت ہے جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد عمر کے اعتبار سے مماثلت ہے اور جن امور کا سِنّا پر عطف کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دو امروں پر شہادت ضروری ہے۔ یعنی دونوں میں مماثلت اور پہلی کا مہر بھی اتنا ہی ہو۔ ''ح''۔ بعض نسخوں میں بما ذکر ہے باسببیہ ہے یعنی کیونکہ وہ ثابت ہے اس سبب سے جو اوصاف میں مماثلت کا ذکر کیا گیا ہے۔

12166۔ (قولہ: شُهُودٌ عُدُولٌ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عدالت عدد کے ساتھ شرط ہے کیونکہ مقصود مال کو ثابت کرنا ہے اور اس میں یہ شرط ہے۔

گواہوں کی عدم موجودگی میں قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا

12167۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلزَّوْجِ) کیونکہ خاوند اس زیادتی کا منکر ہے عورت جس کا دعویٰ کرتی ہے۔

اگر میاں بیوی راضی ہوں تو قاضی کو مہر کی تعیین کا اختیار ہوگا

12168۔ (قولہ: وَمَا فِي الْمُحِيطِ الخ) یہ جواب ہے اس کا جس مخالفت کا ذکر ''البحر'' میں کیا جو ''الخلاصہ'' اور

....

''المنتقی'' میں ہے وہ وہ ہے جو گزر چکا ہے کہ مذکورہ شہادت شرط ہے۔ اور جو''محیط'' میں ہے جب کہا: اگر قاضی یا خاوند عقد کے بعد مہر معین کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ اس تقدیر پر جاری ہوگا جو عقد کے ساتھ مہر مثل واجب ہوا تھا زیادہ ہو یا کم ہو۔ کیونکہ واجب پر زیادتی صحیح ہے اور اس سے کمی کرنا جائز ہے۔

مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ گزرا ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ گواہی اور خاوند کی جانب سے اقرار کے بغیر مہر مثل کا فیصلہ صحیح نہیں۔ ''النہر'' میں جواب دیا: جو''المحیط'' میں ہے چاہئے کہ اسے محمول کیا جائے اس پر جس پر وہ راضی ہوئے ورنہ انکار کی صورت میں مہر مثل پر زیادتی اور انکار کی صورت میں مہر مثل سے کمی جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم (مقولہ 11955 میں) پہلے ''بدائع'' سے مصنف کے قول: و ما فرض بعد العقد او زید لا ینصف کے تحت ذکر کر چکے ہیں کہ مہر مثل نفس عقد کے ساتھ واجب ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے خاوند سے تعیین کا مطالبہ کیا تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ اگر خاوند ایسا کرنے سے رک جائے تو قاضی اسے اس پر مجبور کرے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تعیین میں وہ اسی کے قائم مقام ہوگا۔

یہ اس امر میں صریح ہے کہ مراد مہر مثل کی تعیین ہے۔ اور قاضی کی تعیین باہمی رضامندی نہ ہونے کی صورت میں ہوگی۔ ''المحیط'' میں جو کچھ ہے اسے ''النہر'' میں جو کچھ ہے اس پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

جہاں تک ''المحیط'' کے قول: زاد او نقص کے قول کا تعلق ہے تو اسے اس صورت میں محمول کرنا چاہئے کہ اس سے مراد خاوند کی تعیین ہے جب وہ عورت اس پر راضی ہو۔ اس طریقہ پر وضاحت سے مخالفت ختم ہو جاتی ہے۔ تو جان چکا ہے کہ مہر مثل واجب ہوتا اس امر کو دیکھتے ہوئے کہ اس کے باپ کی قوم میں سے کون اس کے مساوی ہے۔ اور تو یہ بھی جان چکا ہے کہ مہر مثل دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے۔ جب عورت نے مہر کے بغیر شادی کی اور خاوند سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے لئے مہر مثل کی تعیین کر دے تو خاوند ایسا کرنے سے رک گیا اور عورت نے معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا اور وہ دو گواہ لے آئی جنہوں نے گواہی دی کہ فلاں عورت جو اس کے باپ کی قوم سے ہے وہ مذکورہ صفات میں اس کے مساوی ہے اور اس عورت نے اتنے مہر پر عقد نکاح کیا ہے تو قاضی اس فلاں عورت کے مہر مثل کا فیصلہ کر دے گا نہ زیادہ نہ کم۔ کمی بیشی اس صورت میں ہو سکتی ہے جب خاوند نے باہمی رضامندی سے مہر کی تعیین کی جس طرح ہم نے کہا ہے۔ جب قاضی کی تعیین اسی چیز پر مبنی ہے جو ہم نے مذکورہ شہادت کا ذکر کیا ہے تو جس مخالفت کا دعویٰ ''البحر'' میں کیا تھا وہ ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ''المحیط'' میں جو کچھ ہے اسے اس امر پر محمول کرنے کو جائز کرنے والا کوئی نہیں کہ قاضی اپنی رائے سے تعیین کرتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک پر خاوند کی رضامندی کے بغیر زیادتی یا کمی کو لازم کر دیتا ہے۔

جبکہ یہ ممکن ہے کہ اسے اس عورت کے حق میں شرعی واجب کی طرف پھیر دیا جائے جبکہ ایسی عورت موجود ہے جو صفات میں اس کے ہم پلہ ہو اور وہ عورت اس کے باپ کی قوم میں سے ہو۔ اور اجانب میں سے ہو تو یہ اس کے مخالف نہیں جو

مِنْ أَنَّ لِلْقَاضِي فَرْضَ الْمَهْرِ حَمَلَهُ فِي النَّهْرِ عَلَى مَا إِذَا رَضِيَا بِذَلِكَ (فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ مِنْ قَبِيلَةِ أَبِيهَا
کہ قاضی کو مہر معین کرنے کا حق ہے۔ ''نہر'' میں اسے اس چیز پر محمول کیا ہے جب وہ دونوں اس سے راضی ہوں؟ اگر اس کے باپ کے قبیلہ سے کوئی عورت نہ پائی جائے

''الخلاصہ'' اور ''الملتقی'' میں ہے۔ کیونکہ دونوں کا کلام مہر مثل کے بارے میں ہے۔ مہر مثل اسی وقت لازم ہوتا ہے جب مماثل پایا جائے۔ پس مہر مثل کا ثبوت شہادت اور اقرار پر ہوگا۔ جب عورت کا مماثل نہ پایا جائے تو یہ تقدیر مہر مثل کی تقدیر ہوگی۔ یہ اسی کے راستہ پر جاری ہوگا اس کے عین پر جاری نہیں ہوگا۔ قاضی اس میں اجتہاد اور تامل کی نظر سے دیکھے گا تو وہ گواہوں کی گواہی اور خاوند کے اقرار کے بغیر ہی فیصلہ سنا دے گا۔ پس دونوں کلاموں کا موضوع مختلف ہے جس طرح مخفی نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں زیادتی، نقصان واقع نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہوتا مگر جب مماثل پایا جائے۔ لیکن ''المحیط'' کے کلام کو اس پر محمول کرنا جس کو ذکر کیا گیا یہ اس کے منافی ہے جو ہم نے (مقولہ 12168 میں) پہلے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے کہ مراد مہر مثل کا حکم ہے۔ اسی طرح جسے ہم قریب ہی ''الصیرفیہ'' سے ذکر کریں گے: جب اس کا مماثل معدوم ہو تو اسے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ اسے حالت رضامندی پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ تو ''البدائع'' کے کلام سے آگاہ ہو چکا ہے اور کیونکہ باہمی رضامندی قاضی کے سامنے کیس پیش کرنے سے مستغنی کر دیتی ہے جب گواہ نہ ہوں تو قول قسم کے ساتھ خاوند کا معتبر ہوگا جس طرح گزر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ تو قاضی عورت کے حق میں اسی چیز کا فیصلہ فرمادے گا جس پر خاوند نے اس کے لئے قسم اٹھائی۔ اس وضاحت کو غنیمت جان۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہترین توفیق دینے والی ہے۔

اگر باپ کے قبیلہ میں اس کی مثل نہ ہو تو اس کا حکم

12169۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ) یعنی اگر کوئی ایسی عورت نہ پائی جائے جو تمام یا بعض اوصاف مذکورہ میں اس کی ہم مثل ہو ''بحر''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان اوصاف میں سے بعض پر اکتفا کیا جائے۔ ''الاختیار'' میں اس قول کے ساتھ تصریح کی ہے: اگر یہ تمام اوصاف نہ پائے جائیں تو ان میں سے کچھ پائے جائیں کیونکہ دو عورتوں میں ان تمام اوصاف کا جمع ہونا متعذر ہوتا ہے تو ان میں سے جو موجود ہیں ان کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی مثل ہے۔ ''ابن ملک'' کی ''شرح المجمع'' اور ''غرر الاذکار'' میں اسی طرح ہے۔ ''الملتقی'' کے بعض نسخوں میں یہ اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن متون ان اوصاف میں سے اکثر پر اتفاق اور ''ہدایہ'' کی تصریح اس میں اشکال پیدا کرتی ہے: مہر مثل ان اوصاف کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مکان اور زمان کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عورت جو باکرہ ہو، جوان ہو، خوبصورت ہو، غنی ہو اس میں رغبت ثیبہ، بوڑھی، بدصورت اور فقیرہ کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے اگرچہ وہ عقل، دیانت، علم، ادب وغیرہا اوصاف میں برابر ہو۔ اس تفاوت کے ہوتے ہوئے ایک کے مہر کو دوسرے کے مہر کے ساتھ کیسے اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ ان کا قول دو عورتوں میں ان اوصاف کا جمع ہونا مشکل ہے یہ بات مسلم

فَمِنَ الْأَجَانِبِ) أَیْ فَمِنْ قَبِیلَةٍ تُمَاثِلُ قَبِیلَةَ أَبِیهَا (فَإِنْ لَمْ یُوجَدْ فَالْقَوْلُ لَهُ) أَیْ لِلزَّوْجِ فِی ذٰلِکَ بِیَمِینِهِ کَمَا مَرَّ (وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِیِّ مَهْرَهَا وَلَوْ) الْمَرْأَةُ (صَغِیرَةً)

تو اجنبی عورتوں میں سے جو اس کی ہم مثل ہو گی یعنی ایسے قبیلہ سے ہو جو اس کے باپ کے قبیلہ کی ہم مثل ہو اگر ایسا نہ پایا جائے تو قول مرد کا معتبر ہو گا۔ یعنی خاوند کا اس کی قسم کے ساتھ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ولی عورت کے مہر کی ضمانت اٹھا لے تو یہ صحیح ہے اگرچہ عورت نابالغ ہو

ہے اگر ہم صرف باپ کی قوم میں اس کے اعتبار کو لازم پکڑیں۔ جہاں تک اجانب میں ان کے اعتبار کا تعلق ہے تو کوئی مشکل نہیں۔ اگر عدم وجود کو فرض کیا جائے تو قول خاوند کا معتبر ہو گا جس طرح مصنف نے بعد میں ذکر کیا ہے اگر وہ ایسا کرنے سے رک جائے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے گا تا کہ وہ اس کا مہر مقرر کر دے جس طرح پہلے (مقولہ 11955 میں) گزرا ہے۔ لیکن ''البحر'' میں ''الصیرفیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی مسافرت میں فوت ہو گیا اس نے اپنے پیچھے دو بیویاں چھوڑیں جو اس علاقہ کی نہیں ہیں دونوں مہر کا دعویٰ کرتی ہیں دونوں کے پاس گواہ بھی نہیں اور اس مسافرت میں ان کی بہنیں بھی نہیں کہا: ان کے جمال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورتوں کے ساتھ کتنے مہر پر نکاح کیا جاتا ہے؟ ان سے کہا گیا: مہر شہروں کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ کہا: اگر ان دونوں کے شہر میں پایا گیا تو اس سے سوال کیا جائے گا ورنہ ان دونوں کو کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ موت کے بعد قسم کا کوئی امکان نہیں۔ لیکن اس میں ہے کہ خاوند کے وارث خاوند کے قائم مقام ہوں گے۔ ''فتامل''

تنبیہ

دمشق کے بہت سے دیہاتوں میں عرف یہ ہے کہ اہل قریہ کی تمام عورتوں کے لئے مہر کی ایک مقدار کفاوت کے بغیر معین کر دی گئی ہے تو چاہئے کہ جس سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اسے معین مہر کا درجہ دے دیا جائے جو مہر عقد کے وقت معین کیا جاتا ہے۔ کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ اس وقت اس کے مہر مثل کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ الله تعالیٰ اعلم

ولی کا مہر کی ضمانت اٹھانا

12170۔ (قولہ: وَصَحَّ ضَمَانُ الْوَلِیِّ مَهْرَهَا) خواہ وہ ولی خاوند کا ہو یا بیوی کا ہو، وہ میاں بیوی نابالغ ہوں یا بڑے ہوں۔ ان دونوں میں سے بڑے کے ولی کی ضمانت تو ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے اجنبی کی طرح ہے۔ پھر اگر ولی نے اس کے حکم سے ضمانت اٹھائی تو ولی مال واپس لے سکے گا۔ اگر اس کے کہے بغیر ضمانت اٹھائی تو واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ سفیر اور معبر ہے۔ جب ضامن ولی فوت ہو جائے تو عورت کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اس کے ترکہ سے مہر کا مال لے اور باقی ورثاء کو حق حاصل ہو گا کہ وہ چھوٹے کے حصہ میں رجوع کریں۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ کفالت ایسے امر کی صادر ہوتی ہے جو مکفول عنہ کی طرف سے معتبر ہو کیونکہ باپ کو اس بچے کی ولایت ثابت ہے پس باپ کا

وَلَوْعَاقِدًا لِأَنَّهُ سَفِيرٌ، لَكِنْ بِشَرْطِ صِحَّتِهِ؛ فَلَوْفِي مَرَضِ مَوْتِهِ وَهُوَوَارِثُهُ لَمْ يَصِحَّ

اگر چہ ولی خودعقد کرنے والا ہو۔ کیونکہ وہ سفیر ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ولی صحت مند ہو۔ اگر ولی مرض الموت میں مبتلا ہو اور جس کے لئے وہ ضمانت اٹھا رہا ہے وہ ولی کا وارث ہو تو ضامن بننا صحیح نہ ہوگا۔

اذن اس کی جانب سے معتبر اذن ہے۔ اور اس کی کفالت کا اقدام کرنا اس کی جانب سے اس کی دلالت ہے۔ ''نہر'' میں ''فتح'' سے مروی ہے۔

12171۔ (قولہ: وَلَوْعَاقِدًا) اگر چہ اس نے خود بچی بچے یا دونوں پر ولایت کی وجہ سے عقد نکاح کیا ہو۔ فافہم۔

12172۔ (قولہ: لِأَنَّهُ سَفِيرٌ) یہ ''فتح'' کے قول کی تعلیل ہے۔ اس اعتبار سے جب وہ دونوں نابالغ ہوں یا ان میں سے ایک نابالغ ہو۔ اور یہ اس اعتراض کا جواب بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جو یہ کہا جاتا ہے: اگر ضامن صغیرہ کا ولی ہو تو لازم آئے گا کہ وہ مطالب ہو یا مطالب ہو۔ کیونکہ مطالبہ کا حق تو اسے ہی ہوگا۔ اسی وجہ سے اگر ولی نے بچی کی کسی چیز کو بیچا پھر مشتری کی جانب سے اس کا ضامن بن گیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اور جواب کہ یہ نکاح میں سفیر اور معبر ہے پس حقوق اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ بیع میں وہ اصیل ہوتا ہے۔ مہر پر قبضہ کی ولایت باپ ہونے کے اعتبار سے ہے اس اعتبار سے نہیں کہ وہ عاقد ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بالغ ہونے کے بعد وہ قبضہ کا مالک نہیں ہوگا جب بچی اسے مہر پر قبضہ کرنے سے روک دے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

12173۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ قول ''فتح'' سے استدراک ہے۔

ضمانت اٹھانے کے لیے ولی کا صحت مند ہونا شرط ہے

12174۔ (قولہ: بِشَرْطِ صِحَّتِهِ) ضمیر سے مراد ولی ہے۔

12175۔ (قولہ: وَهُوَ) ضمیر سے مراد مکفول عنہ (جس کی جانب سے ضمانت اٹھائی گئی) یا مکفول بہ (جس کے لئے ضمانت اٹھائی گئی) ہے، ''ط''۔

اگر ولی مرض موت میں مبتلا ہو اور مکفول ولی کا وارث ہو تو ضامن بننا صحیح نہیں

12176۔ (قولہ: وَارِثُهُ) یعنی ولی کا وارث اس طرح کہ ولی خاوند کا باپ ہو یا بیوی کا باپ ہو۔

12177۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ) کیونکہ یہ مرض موت میں وارث کے لئے تبرع ہے ''فتح''۔ ''البحر'' میں ''الذخیرہ'' سے یہ زائد ذکر کیا ہے: اسی طرح ہر دین جس کی وارث کی جانب سے یا وارث کے لئے ضمانت اٹھائی۔ کیونکہ یہ وارث کے لئے وصیت کے قائم مقام ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا: یہ کفیل کی جانب سے کوئی تبرع نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ادائیگی سے قبل فوت ہو گیا تو عورت اس کے ترکہ کی طرف رجوع کرے گی اور باقی ورثاء بچے کے حصہ کی طرف رجوع کریں گے اگر باپ نے بیٹے کے کہنے پر اس کی

وَإِلَّا صَحَّ مِنَ الثُّلُثِ، وَقَبُولُ الْمَرْأَةِ أَوْ غَيْرُهَا فِي مَجْلِسِ الضَّمَانِ (وَتَطْلُبُ أَيًّا شَاءَتْ) مِنْ زَوْجِهَا الْبَالِغِ، أَوْ الْوَلِيِّ الضَّامِنِ

اگر مکفول وارث نہ ہوتو ایک تہائی مال سے ضمانت صحیح ہوگی اور عورت کا یا اس کے غیر کا مجلس ضمان میں قبول کرنا شرط ہے۔ وہ عورت جس سے چاہے گی مطالبہ کرے گی یعنی بالغ خاوند یا ولی ضامن سے

کفالت اٹھائی یا وہ بچہ نابالغ تھا جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 12170 میں) بیان کیا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: باقی ورثاء کا مکفول عنہ کی جانب رجوع کرنا یہ کفالت کو اس سے خارج نہیں کرتا کہ یہ ابتداءً تبرع ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اس کا حصہ ہلاک ہوجاتا ہے جبکہ وہ مفلس ہوتا ہے یا ان کے لئے رجوع ممکن نہیں ہوتا۔ اس سے یہ امر بھی دلالت کرتا ہے تو مریض کی اجنبی کے لئے کفالت کو ایک تہائی سے معتبر مانا جاتا ہے۔ اگر یہ تبرع نہ ہوتو تمام مال سے کفالت صحیح ہوتی جس طرح باقی تبرعات ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ زیادہ بلیغ ہے کہ اگر اس نے اپنی مملوکہ چیز میں سے وارث کو کوئی چیز فروخت کی مثل قیمت، اس سے کم یا اس سے زیادہ قیمت کے ساتھ تو بیع باطل ہوگی یہاں تک کہ اس کے ساتھ شفعہ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''المجمع'' میں ہے۔ فافہم۔

12178۔ (قولہ: وَإِلَّا) اگر مکفول لہ یا مکفول عنہ کفیل ولی کا وارث نہ ہو جس طرح پوتا جبکہ بیٹا زندہ ہو یا اس کے چچا کی بیٹی، ''ط''۔

12179۔ (قولہ: صَحَّ) یعنی ایک تہائی سے ضمانت صحیح ہوگی۔ جس طرح اجنبی کی ضمانت میں انہوں نے تصریح کی ہے۔ ''بحر''۔ یعنی اگر کفالت کا مال ترکہ کے ایک تہائی کے برابر ہوتو یہ صحیح ہوگا۔ اگر اس سے زیادہ ہوتو ایک تہائی کے برابر صحیح ہوگا۔ کیونکہ کفالت ابتداءً تبرع ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔

12180۔ (قولہ: وَقَبُولُ الْمَرْأَةِ) اس کا عطف صحتہ پر ہے یہ اس وقت ہے جب عورت بالغ ہو، ''ح''۔

12181۔ (قولہ: أَوْ غَيْرُهَا) وہ عورت کا ولی ہو یا اس کے علاوہ فضولی ہو جس طرح کتاب الکفالہ (مقولہ 25562 کے متن) میں آئے گا۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں کہا: مجلس میں عورت کا قبول کرنا یا کسی قبول کرنے والے کا قبول کرنا ضروری ہے۔ فافہم۔

''حلبی'' نے کہا: ''یہ اس صورت میں ہے جب بچی نابالغ ہو اور کفیل خاوند کا ولی ہو۔ مگر جب وہ بچی کا ولی ہوتو اس کا ایجاب بھی قبول کے قائم مقام ہوجائے گا جس طرح ''النہر'' میں ہے۔

ضمانت کو مجلس ضمان میں قبول کرنا شرط ہے

12182۔ (قولہ: فِي مَجْلِسِ الضَّمَانِ) کیونکہ عقد کی شطر غائب کے قبول پر موقوف نہیں ہوتی یہ مذہب ہے، ''ط''۔

12183۔ (قولہ: أَوْ الْوَلِيِّ الضَّامِنِ) خواہ خاوند کا ولی ہو یا عورت کا ولی ہو۔ ''ح''۔ یہاں ضامن کی قید ذکر کی

(فَإِنْ أَدَّى رَجَعَ عَلَى الزَّوْجِ إِنْ أَمَرَ) كَمَا هُوَ حُكْمُ الْكَفَالَةِ (وَلَا يُطَالَبُ الْأَبُ بِمَهْرِ ابْنِهِ الصَّغِيرِ الْفَقِيرِ) أَمَّا الْغَنِيُّ فَيُطَالَبُ أَبُوهُ بِالدَّفْعِ مِنْ مَالِ ابْنِهِ لَا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ (إِذَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً إِلَّا إِذَا ضَمِنَهُ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ

اگر ضامن نے مہر دے دیا تو خاوند سے مطالبہ کرے گا اگر خاوند نے حکم دیا تھا جس طرح کفالت کا حکم ہے۔ باپ سے اس کے چھوٹے فقیر بیٹے کے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک غنی بیٹے کا تعلق ہے تو اس کے باپ سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اپنے بیٹے کے مال سے مہر ادا کرے اس کے اپنے مال سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا جب باپ نے بیٹے کی شادی عورت سے کی ہو مگر جب وہ مہر کی ضمانت اٹھائے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ہے۔ کیونکہ گفتگو اسی کے بارے میں ہو رہی ہے۔ کیونکہ جب تک ولی ضمانت نہ اٹھائے اس سے مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ جس کا ذکر قریب ہی کریں گے۔

12184۔ (قولہ: إِنْ أَمَرَ) یعنی اگر خاوند کفالت کا حکم دے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ اگر باپ نے اپنے چھوٹے بچے کے مہر کی ضمانت اٹھائی اور مال ادا کر دیا تو عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ چھوٹے بچوں کے مہر کو برداشت کیا جاتا ہے مگر اس صورت میں وہ اصل ضمان میں یہ گواہ بنائے کہ اس نے یہ اس لئے دیا ہے تاکہ وہ اس سے واپس لے۔ ''فتح''۔ اس کی مکمل بحث آگے (مقولہ 12189 میں) آئے گی۔

12185۔ (قولہ: بِمَهْرِ ابْنِهِ) یعنی اپنے بیٹے کی بیوی کا مہر۔ یا وہ مہر جو اس کے بیٹے پر واجب ہوا۔

12186۔ (قولہ: إِذَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً) یہ قول ولا یطالب الاب الخ کے ساتھ مرتبط ہے۔ کیونکہ مہر حال ہے جو خاوند کے ذمہ مہر لازم ہوتا ہے اور عقد کی وجہ سے باپ پر لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر عقد کے ساتھ باپ پر لازم ہوتا تو ضمانت کسی شے کا فائدہ نہ بنتی، ''بحر''۔

12187۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) اس کے مقابل ''شرح الطحاوی'' اور ''التتمہ'' میں ہے: ''عورت کو چھوٹے خاوند کے باپ سے مطالبہ کا حق ہوگا باپ ضمانت اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ ''الفتح'' میں کہا: ''المنظوم'' میں مذکور ہے: یہ امام ''مالک'' کا قول ہے اور ہم اس کے خلاف ہیں۔ پھر ''الفتح'' میں کہا: یہی وہ چیز ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ''منظومہ'' میں ہے اسی کی مثل ''المجمع''، ''درر البحار'' اور ان دونوں کی شرح میں ہے۔ ''مواہب الرحمٰن'' میں ہے: اگر باپ نے اپنے فقیر بچے کا عقد نکاح کیا تو ہمارے نزدیک اس پر مہر لازم نہیں ہوگا۔ ''البحر'' میں اس کا جواب دیا جسے ''شارح الطحاوی'' نے ذکر کیا ہے۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب صغیر کا مال ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ''المعراج'' میں ہے: انہوں نے ''شرح الطحاوی'' میں جو کچھ ہے اسے ذکر کیا پھر یہ ذکر کیا کہ فقیر کے باپ پر ضمانت کے بغیر مہر لازم نہیں ہوگا۔ تو پس غنی ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ متعین ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: ''العنایہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس سے بھی زیادہ صریح ہے جب ''شرح الطحاوی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: باپ جب نابالغ کی شادی کسی عورت سے کر دے تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ خاوند کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرے۔ پس

(کَمَا فِي النَّفَقَةِ) فَإِنَّهُ لَا یُؤْخَذُ بِهَا إِلَّا إِذَا ضَمِنَ، وَلَا رُجُوعَ لِلْأَبِ إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ عَلَى الرُّجُوعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ

جس طرح نفقہ میں ہے۔ کیونکہ باپ کے نفقہ کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا مگر جب وہ ضمانت اٹھائے اور باپ کو واپسی کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ ادائیگی کے وقت واپس لینے کے لئے گواہ بنائے۔

باپ اپنے چھوٹے بچے کے مال سے ادا کرے گا اگرچہ اس نے ضمانت نہ اٹھائی ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر شارح کا قول علی المعتمد کا کوئی محل نہیں۔

12188۔ (قولہ: کَمَا فِي النَّفَقَةِ) یعنی نفقہ کی وجہ سے نابالغ بچے کے باپ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ مگر جب وہ ضمانت اٹھائے۔ مصنف نے ''المنح'' میں ''خلاصہ'' سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگرچہ بیوی بڑی ہو اور چھوٹے کا مال نہ ہو تو باپ پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ باپ بیٹے کے لئے قرض کا مطالبہ کرے گا۔ پھر جب بیٹا خوشحال ہو جائے گا تو اس قرض کو بیٹے کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

''کافی الحاکم'' میں ہے: اگر وہ چھوٹا ہو اس کا کوئی مال نہ ہو تو اس کی بیوی کے نفقہ کی وجہ سے باپ کا مواخذہ نہ کیا جائے گا مگر جب وہ اس کا ضامن بنے۔ اسی کی مثل ''زیلعی'' وغیرہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے خلاف ہے جسے شارح فروع میں نفقہ کے باب میں ذکر کریں گے جہاں کہا: ''مختار'' اور ''الملتقی'' میں ہے: بیٹے کی بیوی کا نفقہ اس کے باپ پر ہوگا اگر وہ بچہ ہو فقیر ہو یا اپاہج ہو۔

مگر اس صورت میں کہ آنے والے قول کو (مقولہ 16246 میں) اس پر محمول کیا جائے کہ بالاتفاق حکم دیا جائے گا کہ اس نے بیٹے پر جو خرچ کیا ہے جب بیٹا خوشحال ہوگا تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے۔ جس طرح علما نے خوشحال بیٹے کے بارے میں کہا ہے جب اس کی ماں اور اس کا خاوند تنگ دست ہوں تو اسے اپنی ماں پر خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب ماں کا خاوند خوشحال ہوگا تو اس کے خاوند سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ ''خانیہ'' کی مذکورہ عبارت بھی اسی کی تاکید کرتی ہے۔ فلیتامل

اگر باپ اپنے مال سے مہر ادا کر دے تو اس کا حکم

12189۔ (قولہ: وَلَا رُجُوعَ لِلْأَبِ الخ) یعنی اگر باپ نے اپنے مال سے مہر دے دیا تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفیل اسی وقت مال واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے جب اسے کفالت اٹھانے کا حکم دیا گیا ہو جبکہ یہ صورت نہیں پائی گئی۔ لیکن ہم پہلے (مقولہ 12179 میں) بیان کر چکے ہیں کہ باپ کا اس کی کفالت کا اقدام امر کے قائم مقام ہے کیونکہ اسے بیٹے پر ولایت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اگر باپ کی اجازت سے اجنبی نے ضمانت اٹھائی تو وہ واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح باپ بھی ہے۔ ہاں ''غایۃ البیان'' میں ذکر کیا ہے کہ باپ کو مال واپس لینے کا حق ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور استحسان میں اسے مال واپس لینے کا اختیار نہیں۔ کیونکہ عادۃً باپ اسے برداشت کرتا ہے اور اسے مال واپس لینے کا کوئی طمع نہیں ہوتا۔ اور جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ نص سے ثابت کی طرح ہے۔ مگر جب اس

....

نے اصل ضمان میں رجوع کی شرط لگائی تو وہ مال واپس لے سکتا ہے۔ کیونکہ صریح دلالت پر فوقیت رکھتا ہے یعنی صریح عرف پر فائق ہوتا ہے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے وہ مال واپس لے گا۔ کیونکہ اس کے تبرع کی عادت نہیں پس وصی باپ کے علاوہ باقی اولیاء کی طرح ہو جائے گا۔

گواہ بنائے بغیر مال کی واپسی کا مطالبہ نہ کرنا صرف باپ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ ماں نے اگر مہر دیا ہو تو وہ واپس لے گی۔ کیونکہ یہ عرف نہیں جب وہ وصی ہو یا کفیل ہو مگر اس کے علاوہ میں کوئی صورت حال پیدا ہوئی جیسے ایک بچہ ہو اس کی شادی اس کے ولی نے کی اور بچے کی ماں نے اس کی جانب سے مہر دے دیا جبکہ ماں اس پر وصی نہ تھی۔ پھر وہ بچہ بالغ ہو گیا تو ماں نے مہر کا مال واپس لینے کا ارادہ کیا چاہئے کہ اس حادثہ میں وہ مہر کا مال واپس نہ لے۔ کیونکہ ماں نے بچے کا دین اجازت اور ولایت کے بغیر دیا ہے۔ خصوصاً آنے والے قول کی بنا پر کہ باپ کے علاوہ میں گواہ بنانا شرط ہے ''تامل''۔

''البزازیہ'' میں ہے: جب باپ نے ادائیگی کے وقت گواہ بنائے کہ اس نے یہ مہر اس لئے دیا تا کہ وہ مال واپس لے تو وہ مال واپس لے گا اگر چہ اس نے ضمانت پر گواہ نہ بنائے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ضمان یا ادائیگی کے وقت گواہ بنانا واپسی کے مطالبہ کے لئے شرط ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اور ''فتح'' میں یہ قید لگائی ہے جب بچہ فقیر ہو۔ اور ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے جو ''غایۃ البیان'' سے گزر چکا ہے: یہ مطلق ہے ساتھ ہی عرف کے ساتھ تعلیل کا عموم ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ جو ''الفتح'' میں ہے وہ اسی پر مبنی ہے جب بچہ غنی ہو تو عرف عام نہیں۔ پس باپ کو مال کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہو گا اگر چہ وہ گواہ نہ بنائے خصوصاً جب باپ فقیر ہو۔ فتامل

اگر اس نے مال ضمانت کے بغیر دیا تو یہ صورت باقی ہے۔ عادت کے ساتھ علت بیان کرنے کا مقتضایہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر گواہ بنائے تھے تو مال کی واپسی کا مطالبہ کرے گا ورنہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ شارح وصی کے باب کے آخر میں (مقولہ 36829 کے متن میں) ذکر کرے گا: اگر اس نے اپنے بچے کے لئے کپڑے یا کھانا خریدا اور گواہ بنائے کہ وہ بچے سے یہ مال واپس لے گا تو وہ واپس لے گا اگر بچے کا مال ہو اگر مال نہ ہو تو واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ یہ اس پر واجب تھا۔ اسی طرح اگر باپ نے بچے کے لئے گھر یا غلام خریدا تو باپ مال واپس لے گا خواہ بچے کا مال ہو یا نہ ہو اگر گواہ نہ بنائے تو واپس نہیں لے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اسی طرح مروی ہے۔ یہ حسن ہے۔ اس کو یاد رکھنا واجب ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ کھانے، لباس اور دوسری چیزوں میں فرق ہے ان دو کے علاوہ میں وہ مال واپس نہیں لے گا مگر جب گواہ بنائے خواہ چھوٹا فقیر ہو یا فقیر نہ ہو۔ اسی طرح باپ ان دونوں چیزوں میں بھی مال واپس لے سکتا ہے اگر بچہ غنی ہو۔ اگر وہ فقیر ہو تو باپ مال واپس نہیں لے سکتا اگر چہ وہ دونوں کے اس پر واجب ہونے کے گواہ بنائے۔ گھر اور غلام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ ضمانت کے بغیر مہر غلام اور گھر کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں۔ اسے واپس لینے کا حق ہو گا اگر اس نے گواہ بنائے اگر چہ وہ فقیر ہو ورنہ نہیں یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جو ''النہر'' میں ہے۔ فتدبر۔

(وَلَهَا مَنْعُهُ مِنَ الْوَطْءِ)

عورت کو حق ہوگا کہ وہ خاوند کو وطی

یہ امر ذہن نشین کر لے۔ ہم (مقولہ 36766 میں) دو قولوں میں اختلاف کو ذکر کریں گے کہ وصی نے اگر اپنے مال میں سے خرچ کیا اس ارادہ پر کہ وہ مال واپس لے گا کیا گواہ بنانا شرط ہے یا نہیں۔ استحسان پہلا قول ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر وصی اور باپ میں کوئی فرق نہیں۔ اور ''غایۃ البیان'' میں جو یہ قول بخلاف الوصی گزرا ہے یہ دوسرے قول پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

گواہی کے بعد مال واپس لینا یہ اس صورت کو بھی شامل ہوگا اگر اس نے بچے کے بالغ ہونے کے بعد مال دیا۔ جس طرح ''فیض'' میں ہے۔ اس میں ہے: یہ یعنی گواہ بنانے کی شرط اس وقت ہوگی جب بچے کا باپ پر قرض نہ ہو۔ اگر باپ پر بچے کا قرض ہو تو باپ نے بچے کی بیوی کا مہر دیا اور گواہ نہ بنائے۔ پھر باپ نے دعویٰ کیا کہ اس نے مہر اس قرض میں سے دیا ہے جو اس پر لازم تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر بیٹا بڑا ہو تو باپ تبرع کرنے والا ہے۔ کیونکہ بیٹے کے امر کے بغیر وہ مہر ادا کرنے کا مالک نہیں۔

تنبیہ

باپ کے مال واپس لینے کے لئے گواہی شرط ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں جو پہلے (مقولہ 12170 میں) گزر چکا ہے کہ اگر وہ فوت ہو گیا اور بیوی نے اس کے ترکہ میں سے مہر لے لیا تو باقی ورثاء کو حق حاصل ہوگا کہ وہ چھوٹے کے حصے کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ وہ باپ دلالۃً امر کی وجہ سے کفیل بنا تھا اور جو مکفول عنہ کے امر کی وجہ سے کفیل بنا ہو وہ وہ مال واپس لے سکتا ہے جو مال اس نے دیا ہو۔ وہ اس مال کو واپس نہیں لے سکتا جو اس نے گواہوں کے بغیر دیا ہے۔ کیونکہ عادت یہی ہے کہ وہ تبرعاً مال دیتا ہے۔ مگر جب اس نے مال خود نہ دیا اور بیوی نے باپ کے ترکہ سے مہر وصول کیا تو باپ کی طرف سے تبرع نہ ہوا۔ اسی وجہ سے دوسرے ورثاء ترکہ میں سے جو چھوٹے کا حصہ بنتا ہے اس سے مال لیں گے۔

فرع

''الفیض'' میں ہے: اگر باپ نے اپنے بیٹے کی بیوی کے مہر کے عوض جاگیر دے دی۔ اور عورت نے اس پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ باپ مر گیا اور عورت نے اس جاگیر کو آگے بیچ دیا تو یہ عقد بیع صحیح نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب باپ نے مہر کی ضمانت اٹھائی ہو پھر جاگیر دی ہو۔ اس صورت میں عورت کو اس پر قبضہ کی حاجت نہیں۔

عورت کا مہر پر قبضہ کے لئے خاوند کو حقوق زوجیت سے روکنا

12190۔ (قولہ: وَلَهَا مَنْعُهُ الخ) اسی طرح صغیرہ کے ولی کو بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ خاوند کو اس سے روکے یہاں تک کہ صغیرہ کے مہر پر قبضہ کرے۔ صغیرہ عورت کا اپنے آپ کو سپرد کرنا صحیح نہیں۔ ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے واپس لوٹائے۔ باپ اور دادا کے علاوہ کسی ولی کو حق حاصل نہیں کہ مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے صغیرہ خاوند کے حوالے کرے۔ وہ ولی

وَدَوَاعِیهِ شَرْحُ مَجْمَعٍ (وَالسَّفَرِ بِهَا وَلَوْ بَعْدَ وَطْءٍ وَخَلْوَةٍ رَضِیَتْهُمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ مَعْقُودٌ عَلَیْهَا، فَتَسْلِیمُ الْبَعْضِ لَا یُوجِبُ تَسْلِیمَ الْبَاقِی (لِأَخْذِ مَا بُیِّنَ تَعْجِیلُهُ) مِنَ الْمَهْرِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ

اوراس کے دواعی سے روک دے۔ ''شرح مجمع'' سفر پر ساتھ لے جانے اگرچہ ایسی وطی اور خلوت کے بعد بھی جن دونوں پر عورت راضی تھی۔ کیونکہ ہر دفعہ کے حقوق زوجیت پر عقد کیا گیا ہے۔ پس بعض کو سپرد کرنا باقی ماندہ کو سپرد کرنے کو ثابت نہیں کرتا تا کہ اس مہر کو لے جس کو پہلے ادا کرنے کا ذکر کیا جا چکا ہو وہ تمام مہر ہو یا بعض مہر ہو۔

جسے مہر پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہے اگر اس ولی نے اسے خاوند کے سپرد کر دیا تو یہ سپرد کرنا فاسد ہوگا۔ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ خاوند کو مجبور کر کے اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں اگر عورت مہر کے طلب کرنے کی وجہ سے اسے وطی سے روک رہی ہو۔ جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خاوند کے لئے حلال ہے جس طرح ''المحیط'' اور ''بحر'' میں ہے۔ چاہئے یہ تھا کہ ائمہ کے اختلاف کو اس قید کے ساتھ مقید کرتے کہ جب پہلی دفعہ خاوند نے وطی عورت کی مرضی سے کی ہو مگر جب خاوند نے اس سے وطی نہ کی ہو اور اسی طرح اس کے ساتھ خلوت نہ کی ہو تو بالاتفاق یہ حلال نہیں، ''نہر''۔

12191۔ (قولہ: وَدَوَاعِیهِ الخ) ''شرح المجمع'' میں اس کی تصریح نہیں کی۔ بے شک کہا: عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ لطف اندوز ہونے سے خاوند کو روک دے۔ ''النہر'' میں کہا: یہ دواعی کو بھی عام ہے، ''ط''۔

12192۔ (قولہ: وَالسَّفَرِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے شہر سے باہر لے جانا سے تعبیر کرتے جس طرح ''الکنز'' میں تعبیر کیا ہے تا کہ یہ اسے گھر سے باہر لے جانے کو بھی عام ہو جاتا جس طرح اس کے شارحین نے کہا ہے، ''ط''۔

12193۔ (قولہ: وَخَلْوَةٍ) اس کا حکم وطی سے بدرجہ اولی معلوم ہو جاتا ہے۔ خلوت کے ذکر کا فائدہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے آنے والے قول پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

12194۔ (قولہ: رَضِیَتْهُمَا) یہی حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا اگر عورت کو مجبور کیا گیا، وہ صغیرہ ہو یا مجنونہ ہو۔ ان صورتوں میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ جہاں تک رضامندی کے ساتھ حقوق زوجیت کا تعلق ہے تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پھر عورت کو روکنے کا کوئی حق نہیں اگر عورت ایسا کرے گی تو وہ نافرمان ہوگی اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہوگا۔ یعنی مگر اس صورت میں کہ خاوند کو وطی سے روکے جبکہ وہ خاوند کے گھر میں ہو۔ ''بحر''۔ یہ اس طرح سے اخذ کیا ہے جس کی علما نے نفقات کے باب میں تصریح کی ہے کہ مہر لینے کے بعد ایسا کرنا نشوز نہیں ہوگا۔

12195۔ (قولہ: لِأَخْذِ مَا بُیِّنَ تَعْجِیلُهُ) یہ ولہا منعہ کی علت ہے یعنی اس کی غایۃ ہے۔ لام یہ الی کے معنی میں ہے۔ اگر خاوند نے اسے مہر دے دیا مگر ایک درہم نہ دیا تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ خاوند کو روک دے۔ عورت نے جب مہر پر قبضہ کیا مرد کو وہ واپس لینے کا حق نہیں۔ ''ہندیہ'' نے ''سراج'' سے نقل کیا ہے۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر عورت نے مہر پر قبضہ کے حوالے سے حوالہ کیا یعنی کسی کو محتال بنایا تو عورت کو اس وقت تک حق حاصل ہوگا کہ خاوند کو حقوق زوجیت سے روک

(أَوْ أَخْذِ (قَدْرِ مَا يُعَجَّلُ لِمِثْلِهَا عُرْفًا) بِهِ يُفْتَى، لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ (إِنْ لَمْ يُؤَجَّلْ) أَوْ يُعَجَّلْ (كُلُّهُ) فَكَمَا شَرَطَا

یا اتنی مقدار لینے کے لئے جس قدر عرف میں پہلے لیا جاتا ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو چیز عرف میں ہو وہ مشروط ہوتی ہے اگر مہر کو موخر نہ کیا گیا ہو یا تمام کو معجّل کیا گیا ہو تو جس طرح دونوں نے شرط لگائی۔

دے یہاں تک کہ محتال اس پر قبضہ کرلے۔ اگر خاوند نے عورت سے مہر پر حوالہ کیا تو پھر عورت کو حق حاصل نہ ہوگا۔

اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مہر کو سپرد کرنا مقدم ہے وہ عین ہو یا دین ہو۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جبکہ ثمن عین ہو۔ کیونکہ بیع میں دونوں بدل اکٹھے سپرد کئے جائیں گے۔ کیونکہ عقد نکاح میں مہر پر قبضہ اور بضعہ کی تسلیم ایک ہی وقت میں متعذر رہیں۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''النہر'' میں ''البدائع'' سے منقول ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ لیکن ''الفیض'' میں ہے: اگر خاوند کو خوف ہو کہ باپ مہر لے لے گا اور سپرد نہیں کریگا تو باپ کو حکم دیا جائے گا کہ بیٹی سپرد کرنے کے لئے تیاری کرے پھر مہر پر قبضہ کرے۔

12196۔ (قولہ: أَوْ أَخْذِ قَدْرِ مَا يُعَجَّلُ لِمِثْلِهَا عُرْفًا) یعنی اگر تمام مہر پہلے دینے کو واضح نہ کرے یا بعض پر پہلے دینے کو واضح نہ کرے تو عورت کو حق حاصل ہے کہ عرف میں جتنا مہر پہلے دیا جاتا ہے اتنا مہر لینے کے لئے خاوند کو حقوق زوجیت سے روک دے۔ ''الصیرفیہ'' میں ہے: فتویٰ ان میاں بیوی کے شہر کے عرف پر ہوگا ایک تہائی یا نصف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: متعارف کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ جو چیز عرفاً ثابت ہو تو شرطاً ثابت کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں مصر اور شام میں دو تہائی مہر پہلے اور ایک تہائی مہر موخر کر کے دیا جاتا ہے۔ ہم نے پہلے (مقولہ 12103 میں) ''الملتقط'' سے جو قول ذکر کیا ہے اسے نہ بھولنا۔ عورت کو حق حاصل ہے کہ جو چیز عادۃً مشروط ہو اس کی وجہ سے عورت خاوند کو روک سکتی ہے جس طرح موزے، قمیص، دیباج، لفافہ اور دراہم سکر جس طرح سمرقند کی عادت ہے۔ کیونکہ اس آدمی پر یہ چیز دینا لازم ہوگی جس نے عرف کی تصدیق کی جبکہ اس قسم کی چیز اس قسم کے آدمی کی طرف سے دینے میں کسی تردد کا اظہار نہ کیا جاتا ہو جب تک وہ دونوں نہ دینے کی شرط نہ لگائیں۔ کیونکہ ضعیف عرف مسکوت عنہ کو مشروط کے ساتھ لاحق نہیں کرتا۔

12197۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يُؤَجَّلْ) یہ ان کے اس قول او اخذ قدر ما یعجل لمثلها میں شرط ہے۔ یعنی اس کا محل یہ ہے کہ جب دونوں نے تمام مہر کو وقت معین تک موخر نہ کیا ہو یا تمام کو فوری ادا کرنے کی شرط نہ لگائی ہو''ط''۔ کل مہر کی بجائے بعض مہر کا بھی یہی حکم ہے جس طرح اس قول کلا او بعضا میں پہلے ذکر کیا ہے۔ ''الفتح'' میں ہے: عقد کے بعد مدت معین کرنے کا حکم وہی ہے جو عقد کے وقت مدت معین کرنے کا ہے۔

12198۔ (قولہ: فَكَمَا شَرَطَا) یہ کلام محذوف شرط کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ فان اجل کله او عجل

لِأَنَّ الصَّرِيحَ يَفُوقُ الدَّلَالَةَ إِلَّا إِذَا جُهِلَ الْأَجَلُ جَهَالَةً فَاحِشَةً فَيَجِبُ حَالًّا غَايَةٌ، إِلَّا التَّأْجِيلَ لِطَلَاقٍ أَوْ مَوْتٍ فَيَصِحُّ لِلْعُرْفِ بَزَّازِيَّةٌ

کیونکہ صریح دلالت سے فائق ہے۔ مگر جب اجل جہالت فاحشہ کی صورت میں ہو تو پھر مہر فی الحال دینا واجب ہوگا''غایۃ''۔ مگر جب مدت معین ہوگی طلاق واقع کرنے یا مدت کے واقع ہونے تک کو یہ عرف کی وجہ سے صحیح ہوگا۔''بزازیہ''۔

کلہ۔''ح''۔تاجیل کے مسئلہ میں اختلاف آگے (مقولہ 12202 میں) آئے گا۔

12199۔(قولہ: لِأَنَّ الصَّرِيحَ الخ) دونوں نے جو شرط ذکر کی اس کو معتبر مانا جائے گا اگرچہ بعض مہر کو جلد ادا کرنا متعارف ہو۔ کیونکہ شرط صریح ہے اور عرف دلالت ہے۔ اور صریح دلالت سے اقوی ہے۔

12200۔(قولہ: إِلَّا إِذَا جُهِلَ الْأَجَلُ) یہاں اذا ظرفیہ ہے اور یہ اعم ظروف سے مستثنیٰ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فکما شرطا فی کل وقت الا فی وقت جھل الاجل ہر وقت میں ایسا ہی ہوگا جیسے انہوں نے شرط لگائی مگر ایسے وقت میں جب اجل مجہول ہو۔ فافہم۔

''البحر'' میں کہا: اگر جہالت متقاربہ ہو جس طرح فصل کاٹنا اور اسے صاف کرنا وغیرہ تو صحیح قول کے مطابق وہ معلوم کی طرح ہے جس طرح ''الظہیریہ'' میں ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس شرط کے ساتھ جائز نہیں اگر جہالت متفاحشہ ہو جس طرح خاوند کا خوشحال ہونا، ہوا کا چلنا، بارش کا نازل ہونا تو ان صورتوں میں اجل ثابت نہیں ہوگی اور مہر اسی وقت واجب ہوگا۔ ''غایۃ البیان'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔

12201۔(قولہ: إِلَّا التَّأْجِيلَ) یہ مستثنیٰ سے استثنا ہے،''ح''۔

12202۔(قولہ: فَيَصِحُّ لِلْعُرْفِ) ''البحر'' میں ذکر کیا ہے: ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں اختلاف ذکر کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: طلاق کی صورت میں مہر معجّل ہو جائے گا اگر اس عورت سے رجوع کیا تو مہر موخر نہیں ہوگا۔ یعنی اگر اجل طلاق تک تھی۔ اگر وہ معین مدت تک تھی تو طلاق دینے کی صورت میں وہ معجّل نہ ہوگا جس طرح مصر میں ہوتا ہے کہ کچھ مہر تو فوری دیا جاتا ہے اور کچھ کو طلاق یا موت تک موخر کیا جاتا ہے اور کچھ کو تھوڑا تھوڑا کر کے دیا جاتا ہے۔ جب خاوند نے اسے طلاق دے دی تو جس کو (طلاق تک) موخر کیا گیا تھا وہ فوری دینا ہوگا۔ لیکن جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے دینے کا کہا تھا وہ فوراً نہیں دینا ہوگا۔ پس وہ طلاق کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے وصول کرے گی۔ جس طرح اس سے قبل تھوڑا تھوڑا کر کے لیتی تھی اس میں اختلاف ہے کیا وہ مہر جسے طلاق تک موخر کیا گیا تھا وہ طلاق رجعی کے واقع ہونے پر ہی دینا ہوگا یا عدت کے ختم ہونے پر دینا ہوگا۔ ''القنیہ'' میں دوسرے قول کو یقین کیساتھ بیان کیا ہے اور اس قول کو عام مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر وہ عورت مرتد ہو جائے اور دارالحرب چلی جائے پھر وہ اسلام قبول کر لے اور خاوند اس مرد سے شادی کرے تو پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ جسے طلاق تک موخر کیا گیا تھا خاوند سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح ''صیرفیہ'' میں ہے۔ کیونکہ ردت فسخ ہے طلاق نہیں۔ ''ملخصا''

وَعَنْ الثَّانِي لَهَا مَنْعُهُ إِنْ أَجَّلَهُ كُلَّهُ، وَبِهِ يُفْتَى اسْتِحْسَانًا وَلْوَالِجِيَّةٌ وَفِي النَّهْرِ لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى مِائَةٍ عَلَى حُكْمِ الْحُلُولِ عَلَى أَنْ يُعَجِّلَ أَرْبَعِينَ لَهَا مَنْعُهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر خاوند نے تمام مہر کو مؤخر کیا تھا تو عورت کو حقوق زوجیت سے روکنے کا حق ہوگا استحسانا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''الولوالجیہ''۔ ''النہر'' میں ہے: اگر مرد نے عورت سے عقد نکاح سو پر کیا جب مدت پوری ہوگی۔ اس شرط پر چالیس فوراً دے گا تو عورت کو حق ہوگا کہ خاوند کو روک دے یہاں تک

12203۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى اسْتِحْسَانًا) کیونکہ خاوند نے جب تمام مہر کو موخر کرنے کا مطالبہ کیا تو لطف اندوز ہونے میں اپنے حق کو ساقط کیا۔ ''الخلاصہ'' میں ہے کہ استاذ ''ظہیر الدین'' فتویٰ دیا کرتے تھے کہ عورت کو روکنے کا حق نہیں اور ''صدر الشہید'' یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ عورت کو اس کا حق ہے۔ پس فتویٰ مختلف ہوگیا، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: استحسان مقدم ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے اسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے: یہ سب اس وقت ہوگا جب خاوند نے مدت کے آنے سے قبل حقوق زوجیت کی شرط نہ لگائی۔ اگر خاوند نے اس کی شرط لگائی اور عورت اس پر راضی ہوگئی تو بالاتفاق عورت کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہوگا''۔

تنبیہ

شارح کے قول ان اجلہ کلہ سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اگر خاوند نے بعض مہر کو موخر کیا اور جو مہر معجّل (فوری) تھا وہ ادا کردیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عورت کو روکنے کا حق نہیں جبکہ قاضی خان کی ''شرح الجامع'' میں ہے پہلے ذکر کیا: اگر مہر موخر ہو تو عورت کو وقت مقررہ کے آنے سے پہلے اور اس کے بعد روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی طرح اگر بعض مہر موخر ہو اور مہر معجّل اس نے پورا لے لیا ہو۔ یہی حکم ہوگا اگر عقد کے بعد عورت نے مہر کو موخر کیا ہو۔ پھر کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عورت کو حق حاصل ہے ان تمام صورتوں میں مدت معینہ کے آنے تک خاوند کو روک دے جب خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں۔ یہ قول مصنف کے قول: لاخذ ما بین تعجیلہ کے خلاف ہے۔ لیکن میں نے ''الذخیرہ'' میں ''صدر الشہید'' کا قول دیکھا ہے کہ آپ نے بعض مہر کے موخر ہونے کے مسئلہ میں کہا: ہمارے علاقہ میں بغیر کسی اختلاف کے حقوق زوجیت ادا کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ معجّل مہر کی ادائیگی پر حقوق زوجیت کی ادائیگی عرفا مشروط ہے تو یہ ایسے ہی ہوگیا کہ وہ نصاب مشروط ہے۔ جہاں تک کل مہر کے موخر کرنے کا تعلق ہے تو یہ غیر مشروط ہے نہ عرفا اور نہ ہی نصا۔ تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بطور استحسان حقوق زوجیت کا حق نہیں ہوگا۔ فافہم۔

12204۔ (قولہ: عَلَى أَنْ يُعَجِّلَ أَرْبَعِينَ) یعنی وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل چالیس دے گا کی شرط لگائی۔

12205۔ (قولہ: لَهَا مَنْعُهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ) یعنی چالیس کے بعد جو باقی بچے ہیں ان پر قبضہ تک وہ خاوند کو روک سکتی ہے۔ کیونکہ تمام مہر کے معین مدت کے ختم ہونے کی نص ذکر کرنے کے ساتھ بعض کو فوری دینے کی شرط میں کوئی دلیل نہیں

(وَ) لَهَا (النَّفَقَةُ) بَعْدَ الْمَنْعِ (وَ) لَهَا (السَّفَرُ وَالْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا لِلْحَاجَةِ؛ وَ) لَهَا (زِيَارَةُ أَهْلِهَا بِلَا إِذْنِهِ مَا لَمْ تَقْبِضْهُ) أَيِ الْمُعَجَّلَ فَلَا تَخْرُجُ

کہ وہ خاوند کے گھر سے ضرورت کے لئے سفر بھی کرسکتی ہے اور گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ اور جب تک عورت مہر معجّل پر قبضہ نہیں کر لیتی وہ اجازت کے بغیر اپنے گھر والوں سے ملاقات کے لئے جاسکتی ہے۔ وہ باہر نہیں نکلے گی

کہ باقی ماندہ مہر طلاق یا موت تک موخر ہونے میں دلالت کی وجوہ میں سے کوئی وجہ موجود ہے۔ اس جیسی صورت میں جو عادت ہے وہ مطالبہ تک تاخیر ہوتی ہے۔ ''بحر'' میں ''فتاویٰ علامہ قاسم'' سے منقول ہے۔

فرع

''الہندیہ'' میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے: مرد نے عورت سے ایک ہزار پر عقد نکاح کیا کہ وہ اس قدر نقد دے گا جس قدر اس کو میسر ہوگا اور باقی ماندہ سال تک دے گا تو پورا ہزار ایک سال تک ادا کرنا ہوگا جب تک عورت یہ گواہی پیش نہ کرے کہ اس کے لئے کچھ یا سب دینا آسان ہے تو وہ عورت اتنا لے سکتی ہے۔

12206۔ (قولہ: وَلَهَا النَّفَقَةُ بَعْدَ الْمَنْعِ) یعنی جب وہ مہر پر قبضہ کرنے کے لئے روکے تو اس عورت کے لئے نفقہ ہوگا۔ یہ روکنا اسے بھی شامل ہوگا کہ وہ خاوند کو وطی سے روک دے جبکہ وہ عورت خاوند کے گھر میں ہو۔ یہ قول ظاہر ہے۔ اسی طرح اگر وہ خاوند کے کمرہ میں منتقل ہونے سے رک جائے تب بھی اس کے لئے نفقہ ہوگا جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 15899 میں) آئے گا۔ اسی طرح اگر وہ عورت سفر پر جائے۔ اس پر یہ امر التباس کا باعث ہے کہ نفقہ رکنے کا بدلہ ہے۔ اسی وجہ سے اگر اس عورت کو کسی نے غصب کیا ہو یا وہ حج پر گئی ہوئی ہو جبکہ وہ مرد کے ساتھ نہیں تو اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں جبکہ وہ کسی عذر کی وجہ سے نہیں رکی۔ بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کوتاہی مرد کی طرف سے واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ خاوند نے اسے مہر نہیں دیا۔ پس وہ حکماً رکنے والی ہے جس طرح خاوند اس کو اپنے گھر سے نکال دے تو اس کے لئے نفقہ ہوگا۔ مغصوبہ اور حج پر جانے والی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خاوند کی جانب سے نہیں ہے یہ وہ چیز ہے جو میرے لئے ظاہر ہوئی۔

12207۔ (قولہ: فَلَا تَخْرُجُ الخ) یہ قول مقدر شرط کا جواب ہے۔ یعنی اگر عورت مہر معجّل پر قبضہ کرلے تو وہ باہر نہیں نکلے گی۔ اس نے متن کے کلام کی تقیید کا فائدہ دیا ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر عورت نے اس پر قبضہ کرلیا تو اسے خاوند کی اجازت کے بغیر کام اور اپنے اہل کی ملاقات کے لئے نکلنے کا حق نہ ہوگا۔ جبکہ اس کے لئے نکلنے کا حق ہے اگرچہ ان مسائل میں خاوند اجازت نہ دے جنہیں شارح نے ذکر کیا جس طرح ان کی ''الملتقی'' پر ان کی شرح کی عبارت ہے جو ''الاشباہ'' سے منقول ہے۔ اسی طرح اگر عورت محرم کے ساتھ حج فرض کا ارادہ کرے یا اس کا باپ اپاہج ہو وہ اپنی بیٹی کی خدمت کا محتاج ہے اگرچہ وہ کافر ہو یا اسے کوئی مصیبت آپڑی ہو اور اس کے خاوند نے اس کے بارے میں کسی عالم سے نہ پوچھا ہو تو وہ اس بارے میں خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل سکتی ہے جس طرح ''الفتح'' کے باب نفقات میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا

إِلَّا لِحَقٍّ لَهَا أَوْ عَلَيْهَا أَوْ لِزِيَارَةِ أَبَوَيْهَا كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً أَوْ الْمَحَارِمِ كُلَّ سَنَةٍ، أَوْ لِكَوْنِهَا قَابِلَةً أَوْ غَاسِلَةً لَا فِيمَا عَدَا ذَلِكَ، وَإِنْ أَذِنَ كَانَا عَاصِيَيْنِ وَالْمُعْتَمَدُ

مگر اپنے حق کے لیے یا اس حق کے لیے جو اس پر لازم ہوا۔ وہ ہر جمعہ ایک دفعہ والدین کی ملاقات کے لیے نکلے گی یا اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کے لیے سال میں ایک دفعہ جائے گی یا اس لیے نکلے گی کہ وہ دائی ہے یا غسل دینے والی ہے۔ باقی امور میں عورت کا باہر نکلنا جائز نہیں۔ اگر وہ اجازت دے تو دونوں گناہگار ہوں گے۔ قابل اعتماد بات یہ ہے

ہے۔ ''قہستانی'' میں اس کے خلاف ہے اگرچہ ''حلبی'' نے اس کی پیروی کی ہے جب کہا: مہر معجّل وصول کرنے کے بعد عورت کو اصلا اجازت نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلے۔ فافہم۔

12208۔ (قولہ: أَوْ لِزِيَارَةِ أَبَوَيْهَا) ''الاختیار'' کے نفقات کے باب میں (مقولہ 16113 میں) آئے گا اس قول کو اس کے ساتھ مقید کیا جائے گا جب وہ دونوں اس کے پاس آنے پر قادر نہ ہوں۔ ''الفتح'' میں ہے: یہی حق ہے۔ کہا: اگر ماں باپ دونوں ایسے نہ ہوں تو چاہئے کہ عورت کو اپنے والدین کی ملاقات کے لئے وقتاً فوقتاً اجازت دی جائے جس قدر متعارف ہو۔ جہاں تک ہر جمعہ کا تعلق ہے تو یہ بعید ہے۔ کیونکہ نکلنے میں کثرت یہ فتنہ کے دروازہ کو کھولنے والی ہے۔ خصوصاً جب وہ عورت نوجوان ہو اور مرد مرتبہ والا ہو۔

12209۔ (قولہ: وَلِكَوْنِهَا قَابِلَةً أَوْ غَاسِلَةً) یعنی عورت مردوں کو غسل دیتی ہو جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ شارح عنقریب نفقات کے باب میں ''البحر'' سے (مقولہ 16125 میں) نقل کریں گے: خاوند کو روکنے کا حق ہے کیونکہ خاوند کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے۔ ''حموی'' نے اسی طرح بحث کی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: یہ منقول کے معارض نہیں۔ ''رحمتی'' نے کہا: شاید یہ اس پر محمول ہے جب عورت پر یہ معین کیا گیا ہو۔

میں کہتا ہوں: اس کے کلام میں جو معنی متبادر سمجھ آتا ہے وہ اطلاق ہے۔ اس سے کوئی مانع نہیں کہ مرد کا عورت سے عقد نکاح کرنا جبکہ وہ عورت کے حال سے واقف ہو یہ اس کے اپنے حق کے ساقط کرنے پر رضا ہو۔ تامل۔ پھر میں نے ''البحر'' کے نفقات کے باب میں دیکھا انہوں نے ''النوازل'' سے ذکر کیا کہ عورت اجازت کے ساتھ اور اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے۔ پھر ''الخانیہ'' سے خاوند کی اجازت کی تقیید کے ساتھ نقل کیا۔

12210۔ (قولہ: لَا فِيمَا عَدَا ذَلِكَ) ''الفتح'' کی عبارت ہے: ان کے علاوہ جو امور ہیں یعنی اجنبی لوگوں کی ملاقات، ان کی عیادت اور ولیمہ میں شرکت اس کی عورت کو اجازت نہیں وہ ان امور کے لئے نہیں نکلے گی۔

12211۔ (قولہ: وَالْمُعْتَمَدُ الخ) اس کی عبارت وہ ہے جو عنقریب نفقہ میں (مقولہ 16129 میں) آئے گی: خاوند کو حق حاصل ہے کہ بیوی کو حمام میں جانے سے روکے مگر نفاس والی عورتوں کو نہ روکے اگرچہ یہ جائز ہے جب وہ زیب و زینت نہ کرے اور کسی کی شرمگاہ نہ کھلے۔ ''باقانی'' نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر انہیں حمام میں روکنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ یہ معلوم

جَوَازُ الْحَمَّامِ بِلَا تَزَيُّنٍ أَشْبَاهٌ وَسَيَجِيءُ فِي النَّفَقَةِ (وَيُسَافِرُ بِهَا بَعْدَ أَدَاءِ كُلِّهِ) مُؤَجَّلًا وَمُعَجَّلًا (إِذَا كَانَ مَأْمُونًا عَلَيْهَا وَإِلَّا) يُؤَدِّ كُلَّهُ، أَوْ لَمْ يَكُنْ مَأْمُونًا (لَا) يُسَافِرُ بِهَا وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي شُرُوحِ الْمَجْمَعِ وَاخْتَارَهُ فِي مُلْتَقَى الْأَبْحُرِ وَمَجْمَعِ الْفَتَاوَى وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ وَالَّذِي عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِي دِيَارِنَا

کہ حمام میں جانا جائز ہے جبکہ وہ تزئین و آرائش نہ کرے ''اشباہ''۔نفقہ کے باب میں عنقریب آئے گا۔جب تمام موجل اور معجّل مہر دے دے گا تو خاوند عورت کو سفر پر لے جا سکتا ہے جب مرد پر عورت کے بارے میں امن ہو۔اگر سارا مہر نہ دیا یا خاوند پر امن نہ ہو تو خاوند عورت کو سفر پر لے نہ جائے۔اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''شروح المجمع'' میں ہے۔''ملتقی الابحر'' اور ''مجمع الفتاوی'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔مصنف نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ہمارے شیخ ''رملی'' نے اسی کا فتویٰ دیا۔لیکن ''النہر'' میں ہے: جس پر ہمارے شہروں میں عمل ہے

ہے کہ وہاں ایک دوسرے کے لئے ان کے ستر کھلیں گے۔''شرنبلالیہ'' میں اسی طرح ہے''الکمال'' کی طرف منسوب ہے۔

زیب و زینت نہ کرنا یہ حمام کے ساتھ خاص نہیں۔کیونکہ ''کمال'' نے کہا: جہاں ہم نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت دی ہے وہ سب امور میں زینت کا نہ ہونا شرط ہے اور اپنی حالت کو بدلنا شرط ہے تا کہ یہ لوگوں کے دیکھنے اور ان کے مائل کرنے کا سبب نہ ہو۔

زوجہ کے ساتھ سفر

12212۔(قولہ: مُؤَجَّلًا وَمُعَجَّلًا) یہ قول کلہ کی تفسیر ہے ان پر نصب یعنی کی تقدیر کی بنا پر ہے۔''البحر'' میں ''شرح المجمع'' سے یہ نقل کیا ہے: بعض علما نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب مرد نے مہر معجّل اور مہر موجل پورا پورا ادے دیا جبکہ خاوند ایسا ہے جس کے بارے میں کوئی خوف نہ ہو تو وہ بیوی کو سفر پر ساتھ لے جا سکتا ہے۔کیونکہ مہر میں مہلت دینا یہ عرف کے حکم کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے۔ممکن ہے عورت مہلت دینے پر اس لئے راضی ہو گئی ہو کہ خاوند اسے اس کے شہر میں رکھے گا جب خاوند نے اسے شہر سے نکالا تو وہ راضی نہ رہی۔

عورت کی مرضی کے بغیر اسے سفر پر لے جانا جائز نہیں

12213۔(قولہ: لَکِنْ فِي النَّهْرِ الخ) اس کی مثل ''البحر'' میں ہے جب پہلے ذکر کیا: جب خاوند نے عورت کو مہر معجّل دے دیا تو فتویٰ اس پر ہے کہ خاوند عورت کو سفر پر لے جا سکتا ہے جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔''خانیہ'' اور ''الولوالجیہ'' میں ہے کہ یہ ''ظاہر الروایہ'' ہے۔پھر دو فقیہوں ''ابو القاسم صفار'' اور ''ابو اللیث'' سے ذکر کیا: خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں کہ عورت کی مرضی کے بغیر اسے سفر پر لے جائے کیونکہ زمانہ فساد کا شکار ہو چکا ہے۔کیونکہ عورت کو اپنے گھر میں امن نہیں تو جب وہ باہر جائے گی تو اسے کیسے امن ہوگا۔''المختار'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔''المحیط'' میں

أَنَّهُ لَا يُسَافِرُ بِهَا جَبْرًا عَلَيْهَا، وَجَزَمَ بِهِ الْبَزَّازِيُّ وَغَيْرُهُ وَفِي الْمُخْتَارِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى
کہ خاوند جبر کر کے عورت کو سفر پر نہیں لے جا سکتا۔ ''بزازی'' وغیرہ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''مختار'' میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔

ہے: یہی پسندیدہ قول ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: ''ظاہر الروایہ'' کا جواب ان کے دور میں تھا۔ جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو یہ جواب نہیں۔ اور کہا: اسے عصر اور زمانہ کے مختلف ہونے کے ساتھ حکم کے اختلاف کے باب میں شمار کیا ہے جس طرح طاعات پر اجرت لینے کے مسئلہ کو شمار کیا ہے۔ پھر اس قول کو ذکر کیا جو متن میں ''شرح المجمع'' سے ماخوذ ہے۔ یہ مصنف کی تالیف ہے پھر کہا: فتویٰ مختلف ہے۔ احسن یہ ہے کہ دونوں فقہاء کے قول پر فتوی دیا جائے کوئی تفصیل ذکر نہیں کی۔ ہمارے مشائخ میں سے کثیر علمانے اسے اختیار کیا ہے جس طرح ''الکافی'' میں ہے۔ ہمارے زمانے کے فقہاء کا یہی عمل ہے جس طرح ''انفع المسائل'' میں ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے جب فتاوی مختلف ہیں تو پھر ظاہر الروایہ سے عدول نہ کیا جائے۔ کیونکہ ظاہر الروایہ کا قول زمانہ کے اختلاف پر مبنی نہیں جس طرح ''الوالوالجیہ'' میں بیان کیا ہے۔ ''البحر'' کا قول ہے: فجعلہ کیونکہ طاعات پر اجرت لینا جس طرح تعلیم وغیرہ ایسا امر ہے جس کے جواز کا قول نہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور نہ ہی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کیا ہے۔ اور مشائخ نے اس ضرورت کی بنا پر اس کا فتویٰ دیا جو اگر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوتی تو آپ ضرور فتویٰ دیتے۔ تو پس حکماً یہ آپ کا ہی مذہب ہوا جس طرح میں نے اس کی وضاحت اپنے ارجوزہ منظومہ کی شرح ''رسم المفتی'' میں کر دی ہے۔ فافہم۔

12214۔ (قولہ: وَجَزَمَ بِهِ الْبَزَّازِيُّ) ''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ''البزازی'' کا کلام جس امر پر واقع ہے وہ یہ ہے کہ امر مفتی کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ کہا: مہر پورا کرنے کے بعد جب خاوند ارادہ کرے کہ اسے کسی اجنبی علاقہ کی طرف لے جائے تو اسے اس امر سے روکا جائے گا۔ کیونکہ اجنبی آدمی کو اذیت دی جاتی ہے اور زمانہ کے فاسد ہونے کی وجہ سے اسے تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ شعر

ما اذل الغريب ما اشقاه   کل يوم يهينه من يراه

اجنبی آدمی کتنا ذلیل ہے کتنا بد بخت ہے جو آدمی بھی اسے دیکھتا ہے ہر روز اس کو ذلیل کرتا ہے۔

''فقیہ'' نے اسے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''قاضی'' نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ (الطلاق:6) اور انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو۔ یہ ارشاد ''فقیہ'' کے قول سے اولیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ (الطلاق:6) اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ۔ جو پہلے ارشاد کے آخر میں ہے یہ ''الفقیہ'' کے قول کی دلیل ہے۔ کیونکہ ہم اپنے زمانہ کی عادت میں سے یہ قطعی طور پر جانتے ہیں کہ مسافرت میں قطعی تکلیف ہوتی ہے۔ ''الفصول'' میں ''القاضی'' کے قول کو پسند کیا ہے۔ پس مفتی کے نزدیک ضرر اور عدم ضرر کی جو صورتحال ہوگی اسی کے مطابق

وَفِی الْفُصُولِ یُفْتِی بِمَا یَقَعُ عِنْدَهُ مِنَ الْمَصْلَحَةِ
''فصول'' میں ہے: اس کے ہاں جو مصلحت واقع ہوئی اس کے مطابق فتویٰ دے گا۔

فتویٰ دے گا۔ کیونکہ مفتی اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہے جو مصلحت اس کے ہاں واقع ہوتی ہے۔

ان کا قول فیفتی اس امر سے صریح ہے کہ نہ ''الفقیہ'' کے قول اور نہ ہی قاضی کے قول پر یقین کا اظہار کیا ہے بلکہ اس پر یقین و جزم کا اظہار کیا کہ یہ امر اس مفتی کے سپرد ہے جس سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور یہ مناسب نہیں کہ فتویٰ مطلقاً صرف ایک قول پر دیا جائے۔ بعض اوقات خاوند ایسا ہوتا ہے کہ عورت کے بارے میں اس سے امن نہیں ہوتا وہ اپنی بیوی کو اس کے خاندان سے اس لئے کسی دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے تاکہ اسے اذیت دے یا اس کا مال چھین لے۔ بلکہ بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ سفر کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ میری لونڈی ہے اور اسے بیچ دیا۔ مفتی جس خاوند کے بارے میں اس قسم کا علم رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دے۔ کیونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس جیسی صورت میں جواز کا قول نہیں کیا۔ بعض اوقات ایک اجنبی آدمی کسی اجنبی عورت سے ایک شہر میں عقد نکاح کرتا ہے جہاں مرد کے لئے زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا۔ پس وہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے شہر یا اپنی بیوی کے شہر لے جائے تو ایسی عورت کے بارے میں خاوند سے امن ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی بیوی کو اس کے شہر کی طرف نقل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ سے کیسے عدول کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ حال ہے کہ وہ ضرر نہیں پایا گیا جس کے برعکس قول کرنے والے نے علت بیان کی ہے؟ بلکہ خاوند کو اس شہر کے علاوہ میں ضرر لاحق ہوتا ہے تو ہم یقینا جانتے ہیں کہ جس نے ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دیا تو وہ اس جیسی صورت میں جواز کا قول نہیں کرتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا جو آدمی اپنی بیوی کو حج پر لے جاتا ہے اور وہ اسے مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک رکھتا ہے پھر مرد نے حج کیا تو عورت اپنے خاوند کے ساتھ اس کے ملک کی طرف سفر کرنے سے رک جاتی ہے۔ تو کیا کوئی ایسا ہے جو خاوند کو روک دے کہ وہ عورت کے ساتھ سفر نہ کرے اور اسے وہاں ہی اکیلا چھوڑ دے وہ عورت جو چاہے کرتی رہے؟ پس معاملہ مفتی کے سپرد ہوگا۔ پس یہ اس مسئلہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مفتی کو اگر یہ علم ہو کہ بڑے شہر میں خاوند، بیوی کو ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں بیوی کے اہل سے دور اس لئے نقل کرنا چاہتا ہے تاکہ اسے تکلیف دے تو اس مسئلہ میں بھی مفتی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس میں خاوند کی مدد کرے۔ جو اس سے زیادہ آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے رسالہ ''نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف'' کو دیکھے جس میں میں نے اپنے ارجوزہ کے ایک شعر کی وضاحت ''رسم المفتی'' میں کی ہے۔ میرا شعر یہ ہے:

والعرف فی الشرع له اعتبار　　لذا علیه الحکم قد یدار

شرح میں عرف کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے حکم کا دارومدار اس پر ہوتا ہے

12215۔ (قولہ: وَفِی الْفُصُولِ الخ) تحقیق تو نے جان لیا کہ یہ صاحب ''البزازیہ'' کا اختیار ہے۔ اور ''الفصول''

(وَیَنْقُلُهَا فِیمَا دُونَ مُدَّتِهِ) أَیْ السَّفَرِ (مِنَ الْمِصْرِ إِلَی الْقَرْیَةِ وَبِالْعَکْسِ) وَمِنْ قَرْیَةٍ إِلَی قَرْیَةٍ لِأَنَّهُ لَیْسَ بِغُرْبَةٍ، وَقَیَّدَهُ فِی التَّتَارْخَانِیَّةِ بِقَرْیَةٍ یُمْکِنُهُ الرُّجُوعُ قَبْلَ اللَّیْلِ إِلَی وَطَنِهِ، وَأَطْلَقَهُ فِی الْکَافِی قَائِلًا وَعَلَیْهِ الْفَتْوَی (وَإِنْ اخْتَلَفَا) فِی الْمَهْرِ

خاوند اپنی بیوی کو سفر کی مدت سے کم میں شہر سے دیہات اور اس کے برعکس لے جائے گا اور ایک دیہات سے دوسرے دیہات کی طرف منتقل کرے گا کیونکہ یہ کوئی مسافرت نہیں۔ ''تاتر خانیہ'' میں قریہ کی قید لگائی جس سے رات کے آنے سے پہلے اسے اپنے وطن کی طرف لوٹنا ممکن ہو۔ ''الکافی'' میں یہ کہتے ہوئے ''وعلیہ الفتوی'' اسے مطلق ذکر کا ہے۔ اگر دونوں نے مہر میں اختلاف کیا۔

میں جو کچھ ہے اس کے علاوہ ہے۔

12216۔ (قولہ: وَقَیَّدَهُ) ضمیر اس نقل کی طرف لوٹ رہی ہے جو ان کے اس قول سے مفہوم ہے و ینقلہا۔ اسی طرح واطلقه میں ضمیر ہے اور ان کا قول یمکنه الرجوع میں اولیٰ یہ تھا یمکنها۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: مناسب ہے کہ اس قول پر عمل کیا جائے کہ ہمارے زمانے میں شہر سے دیہات کی طرف نقل کیا جائے گا۔ کیونکہ زمانہ کا فساد ظاہر ہو چکا ہے اور اسے دیہات کی طرف نقل کرنے کا قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ''الاختیار'' کا قول ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اسے شہر کے قریبی دیہاتوں کی طرف لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی مسافرت و اجنبیت نہیں ہوتی۔ مراد سفر شرعی نہیں بلکہ منتقل ہونا ہے کیونکہ ان کا قول ہے: کیونکہ اس میں کوئی غربت نہیں جو ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ''کافی'' کی تصریح: بان الفتوی علی جواز النقل اور ''القنیہ'' کے قول: انه الصواب کے بعد یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضعیف ہے؟ ہاں اگر زمانہ کے فساد کی وجہ سے ترجیح پر اقتصار کرتے تو یہ زیادہ مناسب تھا۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ ''بزازیہ'' سے (مقولہ 12214 میں) جو گزرا ہے کہ معاملہ مفتی کی طرف سپرد کیا جائے گا اس پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے۔ یہاں تک کہ اگر مفتی دیکھے کہ ایک مرد عورت کو اس لئے کسی دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے کہ اسے نقصان پہنچائے اور اسے اذیت دے تو اسے لے جانے کا فتویٰ نہ دے خصوصاً جب وہ عورت معزز خاندان سے ہو اور دیہات اس جیسی عورتوں کا مسکن نہ ہو۔ کیونکہ مسکن کا اعتبار دونوں کی حالت کے حوالے سے ہوتا ہے جس طرح نفقہ جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 16112 میں) آئے گا۔

مہر میں اختلاف کے مسائل

12217۔ (قولہ: وَإِنْ اخْتَلَفَا فِی الْمَهْرِ) ''الفتح'' میں کہا: مہر میں اختلاف یا تو اس کی مقدار میں ہوگا یا اس کے اصل تسمیہ میں ہوگا۔ دونوں میں سے ہر ایک یا زندگی میں ہوگا ان کی موت کے بعد ہوگا یا ان دونوں میں سے ایک کی موت کے بعد ہوگا۔ پھر دونوں میں سے ہر ایک حقوق زوجیت کے بعد ہوگا یا اس سے پہلے ہوگا۔

(فَفِي أَصْلِهِ) حُلِّفَ مُنْكِرُ التَّسْمِيَةِ، فَإِنْ نَكَلَ ثَبَتَ، وَإِنْ حَلَفَ (يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ) وَفِي الْمَهْرِ يَحْلِفُ (إِجْمَاعًا، وَ) إِنْ اخْتَلَفَا (فِي قَدْرِهِ

اگر نفس مہر کے تسمیہ میں اختلاف ہو تو تسمیہ کا جو انکار کرتا ہے اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو مہر مسمی ثابت ہو جائے گا۔ اگر اس نے قسم اٹھا دی تو مہر مثل واجب ہوگا۔ مہر میں بالا جماع قسم لی جائے گی۔ اگر دونوں نے مہر کی مقدار میں جھگڑا کیا

اگر نفس مہر کے تسمیہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

12218۔(قولہ: فَفِي أَصْلِهِ) ایک نے تسمیہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کا انکار کیا۔

12219۔(قولہ: حُلِّفَ) مدعی جب دلیل قائم کرنے سے عاجز آ جائے تو منکر سے قسم لی جائے گی۔ شارحین نے قسم لینے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ امر ظاہر ہے جیسا کہ ''بحر'' میں ہے۔

12220۔(قولہ: يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ) ''البحر'' میں کہا: اسکا ظاہر یہ ہے کہ جس مقدار تک وہ پہنچے وہ واجب ہو جائے گا۔ معاملہ اس طرح نہیں۔ بلکہ عورت نے جو دعویٰ کیا ہے اس سے زائد اسے نہیں دیا جائے گا اگر عورت تسمیہ کی مدعی ہو۔ اور خاوند نے جس کا دعویٰ کیا ہے اس سے مہر کو کم نہ کیا جائے گا اگر خاوند تسمیہ کا مدعی ہو جس طرح ''البدائع'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے اگر مدعی کسی شے کی تعیین کرے ورنہ نہیں۔ ''تامل''

پھر یہ اس حالت کے ساتھ مقید ہے کہ جب اختلاف مطلقاً طلاق سے پہلے ہو یا طلاق کے بعد ہو جبکہ حقوق زوجیت یا خلوت ہو چکی ہو۔ اگر مرد نے عورت کو خلوت یا حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو جو چیز واجب ہوگی وہ متعہ ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ یہاں اس سے تعرض نہیں کیا کیونکہ یہ آنے والے قول سے سمجھ آ جاتا ہے: وفی الطلاق قبل الوطء حکم متعۃ المثل۔

12221۔(قولہ: وَفِي الْمَهْرِ يَحْلِفُ إِجْمَاعًا) اس قول کے ساتھ ''صدر الشریعہ'' کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: چاہئے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منکر سے قسم نہ لی جائے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نکاح میں قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ پس مہر مثل واجب ہوگا۔ ''البحر'' میں کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہاں قسم کا مطالبہ مال پر ہے اصل نکاح پر نہیں۔ تو اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ جو تسمیہ کا انکار کرتا ہے اس سے بالا جماع قسم کا مطالبہ کیا جائے۔ اسی طرح صاحب ''الدرر'' اور ''ابن کمال'' نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اسے وہم کی طرف منسوب کیا ہے۔

12222۔(قولہ: إِجْمَاعًا) یہ ان کے قول یجب اور یحلف کی قید ہے۔

اگر مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

12223۔(قولہ: وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِهِ) مہر نقد ہو، مکمل ہو، موزوں ہو، وہ رہن ہو جس کی صفت لگائی گئی ہو ذمہ

حَالَ قِيَامِ النِّكَاحِ فَالْقَوْلُ لِمَنْ شَهِدَ لَهُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِيَمِينِهِ (وَأَيُّ أَقَامَ بَيِّنَةً قُبِلَتْ) سَوَاءٌ (شَهِدَ مَهْرُ الْمِثْلِ لَهُ، أَوْ لَهَا، أَوْ لَا وَلَا، وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ

جبکہ نکاح قائم تھا تو قول قسم کے ساتھ ان کا معتبر ہوگا مہر مثل جس کی تائید کرے گا۔ جس نے بھی گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی خواہ مہر مثل مرد کی تائید کرے یا عورت کی تائید کرے یا دونوں کی تائید نہ کرے اور بینہ نہ ہوں۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں

میں ہو یا عین ہو۔ اور قدر کے ساتھ قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اختلاف اس کی جنس میں ہو جیسے غلام، لونڈی یا صفت میں ہو جیسے عمدہ، ردی یا اس کی نوع میں ہو جس طرح ترکی اور رومی۔ اگر مسمی عین ہو تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ اگر مسمی دین ہو تو وہ اصل میں اختلاف کی طرح ہے اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

12224۔ (قولہ: حَالَ قِيَامِ النِّكَاحِ) یعنی نکاح کے ہوتے ہوئے حقوق زوجیت سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو اسی طرح طلاق کے بعد اور حقوق زوجیت کے بعد۔ ''رحمتی''۔ جہاں تک طلاق کے بعد حقوق زوجیت سے پہلے کا تعلق ہے تو اس کا حکم آگے آئے گا۔

12225۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِمَنْ شَهِدَ لَهُ مَهْرُ الْمِثْلِ) یعنی قول عورت کا معتبر ہوگا اگر مہر مثل اس طرح ہو جس طرح عورت نے قول کیا تھا یا مہر مثل اس سے بھی زیادہ تھا۔ اور قول مرد کا معتبر ہوگا اگر مہر مثل اس طرح ہو جس طرح مرد نے قول کیا تھا یا اس سے کم۔ اگر مہر دونوں کے درمیان ہو یعنی اس سے زیادہ ہو جو مرد نے کہا اور اس سے کم ہو جو عورت نے کہا اور گواہی نہ ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ''الملتقی'' اور اس کی شرح میں اسی طرح ہے۔ یہ ''رازی'' کی تخریج کے مطابق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں سے قسم اس وقت لی جائے گی جب مہر مثل دونوں کے قول کے خلاف ہو۔ مگر جب مہر مثل دونوں میں سے ایک کے قول کے موافق ہو تو قول مرد کا قبول کیا جائے گا۔ ''جامع الصغیر'' میں یہی مذکور ہے۔ ''کرخی'' کی تخریج کے مطابق تینوں صورتوں میں دونوں سے قسم لی جائے گی۔ پھر مہر مثل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''المبسوط'' اور ''المحیط'' میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔ ''الکنز'' میں باب التحالف میں اس پر جزم و یقین کا اظہار کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہو۔ ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ ''زیلعی'' وغیرہ کا ''ہدایہ'' کی اتباع میں اسے مقدم کرنا اس کی ترجیح کی خبر دیتا ہے اور ''النہایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: یہ اولی ہے اور ''شرح الجامع الصغیر'' میں اس کے غیر کا ذکر نہیں کیا۔ اولیٰ یہ ہے کہ پہلے خاوند سے قسم لی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں قرعہ ڈالا جائے۔

میں کہتا ہوں: ایک صورت رہ گئی ہے کہ جب مہر مثل کا علم نہ ہو تو کیسے کیا جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا منکر ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12169 میں) گزر چکا ہے اس صورت میں جب کوئی ایسا نہ پایا جائے جو اس عورت کی ہم مثل ہو۔ تامل

فَبَيِّنَتُهَا) مُقَدَّمَةٌ (إِنْ شَهِدَ مَهْرُ الْمِثْلِ لَهُ، وَبَيِّنَتُهُ) مُقَدَّمَةٌ (إِنْ شَهِدَ) مَهْرُ الْمِثْلِ (لَهَا) لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ لِإِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ (وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ بَيْنَهُمَا تَحَالَفَا، فَإِنْ حَلَفَا أَوْ بَرْهَنَا قُضِيَ بِهِ،

تو عورت کی گواہیاں مقدم ہوں گی۔ اگر مہر مثل مرد کی تائید کرے اور مرد کی گواہیاں مقدم ہوں گی اگر مہر مثل عورت کی تائید کرے۔ کیونکہ گواہیاں ظاہر کے خلاف کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اگر دونوں نے قسم اٹھائی یا گواہیاں قائم کر دیں تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

12226۔ (قولہ: فَبَيِّنَتُهَا مُقَدَّمَةٌ الخ) یہ وہ قول ہے جو بعض مشائخ کا ہے۔ ''الملتقی'' میں اس کو جزم و یقین سے ذکر کیا ہے۔ یہاں اور باب التحالف میں ''زیلعی'' میں بھی اسی طرح ہے۔ بعض علما نے کہا: عورت کی گواہی ہی مقدم کی جائے گی۔ کیونکہ اس کی گواہی نے ایسی چیز کو ظاہر کیا ہے جو دونوں کے باہم صدق سے ظاہر نہیں ہوا تھا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12227۔ (قولہ: لِإِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ) ظاہر اس کے ساتھ ہے مہر مثل جس کی تائید کرتا ہے، ''ط''۔

12228۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ الخ) یہ تیسری قسم کا بیان ہے جس کا ذکر اس قول میں ہے: فالقول لمن شهد له مهر المثل اور اس قول میں ہے وان اقاما البينة الخ کیونکہ اگر وہ دونوں بینہ قائم نہ کریں یا دونوں گواہیاں قائم کر دیں۔ مہر مثل مرد کی تائید کرتا ہو یا عورت کی تائید کرتا ہو یا دونوں کے درمیان ہو۔ تو پہلی دونوں قسموں کے بیان کو دو مسئلوں میں مقدم کیا ہے یہ تیسری قسم کا بیان ہے۔ اور ان کا قول فان حلفا یہ پہلے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ اور ان کا قول او برهنا یہ دوسرے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ لیکن ان پر لازم تھا کہ اس قول کو حذف کرتے: تحالفا۔ کیونکہ جب دونوں نے گواہی قائم کر دی تو پھر کوئی تحالف نہیں۔

12229۔ (قولہ: تَحَالَفَا) اگر خاوند نے انکار کر دیا تو پندرہ سو کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح وہ صراحۃً اس مقدار کا اقرار کرے۔ اگر عورت انکار کر دے تو مسمی ہزار واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے کمی کا اقرار کیا ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ ''السعدیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے: جب خاوند انکار کر دے تو دو ہزار کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح معروف ہے کہ جس نے قسم اٹھانے سے انکار کیا تو اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم آ جائے گا۔

مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب عورت دو ہزار کا دعویٰ کرے اور خاوند ہزار کا دعویٰ کرے اور مہر مثل پندرہ سو ہو۔

12230۔ (قولہ: قُضِيَ بِهِ) یعنی مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن جب دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو خاوند کو مہر مثل میں دراہم اور دنانیر دینے میں اختیار دیا جائے گا۔ باہم قسم کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی گواہی دوسرے کے تسمیہ کی نفی کرتی ہے۔ پس عقد تسمیہ سے خالی ہوگا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

باہم قسم اٹھانے کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ خاوند جس کا اقرار کرتا ہے اس کی مقدار کا وجوب یا تو اتفاق کے حکم سے ہے۔ اور اس سے زائد مہر مثل کے حکم سے ہے۔ ''بحر'' اس کی مفصل بحث اس میں ہے۔

وَإِنْ بَرْهَنَ أَحَدُهُمَا قُبِلَ بُرْهَانُهُ، لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ (وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطْءِ حُكْمُ مُتْعَةِ الْمِثْلِ) لَوْ الْمُسَمَّى دَيْنًا

اگر دونوں میں سے ایک نے گواہیاں قائم کیں تو اس ایک کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ اس ایک نے اپنے دعویٰ کو منور کر دیا ہے۔ اور حقوق زوجیت سے قبل طلاق کی صورت میں متعہ مثلی کا فیصلہ کیا جائے گا اگر مہر مسمی دین ہو۔

12231۔(قولہ: وَإِنْ بَرْهَنَ أَحَدُهُمَا الخ) دونوں میں سے ایک نے گواہی پیش کر دی جب مہر مثل دونوں کے دعویٰ کے درمیان ہو۔ ان کا پہلا قول: و ای اقام بینة قبلت شهد له مهر المثل اولا اس قول سے غنی کر دیتا ہے۔ کیونکہ مصنف کا قول اولا اس وقت سچا ہوتا ہے جب مہر مثل عورت کے قول کی تائید کرے یا وہ مہر مثل دونوں کے قول کے درمیان ہو۔

12232۔(قولہ: لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ) کیونکہ گواہی پیش کرنے والے نے اپنے دعویٰ کو دلیل قائم کرنے کے ساتھ واضح کر دیا ہے، ''ط''۔

12233۔(قولہ: وَفِي الطَّلَاقِ) یہ ان کے قول حال قیام النکاح کے مقابل ہے۔

12234۔(قولہ: قَبْلَ الْوَطْءِ) یعنی وطی سے پہلے یا خلوت سے پہلے، ''نہر''۔

12235۔(قولہ: حُكْمُ مُتْعَةِ الْمِثْلِ) تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اگر متعہ مثل اس کے نصف کے برابر ہو جو عورت نے قول کیا ہو یا اس سے زائد ہو۔ اور قول مرد کا معتبر ہوگا اگر متعہ اس کے نصف کے برابر ہو جو مرد نے کہا یا اس سے کم ہو۔ اگر مہر مثل دونوں کے قول کے برابر ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور متعہ لازم ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول مرد کا ہی معتبر ہوگا حقوق زوجیت سے پہلے بھی اور حقوق زوجیت کے بعد بھی۔ کیونکہ وہی زیادتی کا انکار کر رہا ہے مگر جب وہ ایسی چیز ذکر کرے جو عورت کا مہر یا متعہ کے طور پر متعارف نہ ہو۔ ''الملتقی'' اور اس کی شرح میں ایسے ہی ہے۔ ''البحر'' میں ذکر کیا ہے ''اصل'' اور ''الجامع الصغیر'' کی روایت میں ہے: کہ نصف مہر میں قول خاوند کا معتبر ہوگا متعہ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا''۔ ''البدائع'' اور ''شرح الطحاوی'' میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''الفتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ متعہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب تسمیہ نہ ہو جبکہ یہاں دونوں تسمیہ پر متفق ہیں تو ہم نے اس کے باقی رکھنے کا قول کیا ہے جس پر دونوں نے اتفاق کیا ہے۔ وہ اس کا نصف ہے جو خاوند نے اقرار کیا۔ اور خاوند سے قسم لی جائے گی جو عورت نے نصف سے زائد کا دعویٰ کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن ''الفتح'' میں اس کے بعد اس کا نقض ذکر کیا ہے۔ اس کی مفصل بحث وہ ہے جو ہم نے ''البحر'' پر بطور تعلیق ذکر کی ہے۔

12236۔(قولہ: لَوْ الْمُسَمَّى دَيْنًا) دین سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جس کی ذات معین نہ ہو بلکہ اس کا وصف معین ہوتا ہے جس طرح نقدی، کیلی، وزنی اور ذرائی چیز جس طرح ہم نے پہلے ''البحر'' میں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔

وَإِنْ عَيْنًا كَمَسْأَلَةِ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ بِلَا تَحْكِيمٍ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الزَّوْجُ بِنِصْفِ الْجَارِيَةِ (وَأَيٌّ أَقَامَ بَيِّنَةً قُبِلَتْ فَإِنْ أَقَامَا فَبَيِّنَتُهَا) أَوْلَى (إِنْ شَهِدَتْ لَهُ) الْمُتْعَةُ (وَبَيِّنَتُهُ إِنْ شَهِدَتْ لَهَا، وَإِنْ كَانَتْ) الْمُتْعَةُ (بَيْنَهُمَا تَحَالَفَا، وَإِنْ حَلَفَ وَجَبَ مُتْعَةُ الْمِثْلِ؛ وَمَوْتُ أَحَدِهِمَا كَحَيَاتِهِمَا فِي الْحُكْمِ) أَصْلًا وَقَدْرًا لِعَدَمِ سُقُوطِهِ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا

اگر وہ مہر مسمی عین ہو جس طرح غلام اور لونڈی کا مسئلہ ہے تو تحکیم کے بغیر اس کے لیے متعہ ہوگا مگر جب خاوند لونڈی کے نصف پر لازم ہو جائے۔ جس نے گواہیاں قائم کر دیں تو انہیں قبول کر لیا جائے گا۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو عورت کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی اگر متعہ اس کی تائید کرے۔ اور خاوند کی گواہیاں قبول کی جائیں گی اگر متعہ اس کی تائید کرے۔ اگر متعہ بین بین ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اگر دونوں قسم اٹھا دیں تو متعہ مثلی واجب ہوگا۔ اور دونوں میں سے ایک کی موت حکم میں دونوں کی زندگی کی طرح ہے۔ خواہ اختلاف اصل مہر میں ہو یا مقدار میں۔

12237۔ (قولہ: وَإِنْ عَيْنًا) عین سے مراد ہے معین ہو۔

12238۔ (قولہ: كَمَسْأَلَةِ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ) جو مسئلہ ''البحر'' میں مذکور ہے اور طلاق سے قبل قدر کے اختلاف میں ہے: اگر مہر مسمی معین ہو جس طرح خاوند نے کہا: میں نے اس غلام پر عقد نکاح کیا اور عورت نے کہا: اس لونڈی پر عقد نکاح کیا۔ پس مسئلہ اس معین چیز میں مفروض ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صرف مطلق غلام اور لونڈی میں مفروض نہیں۔ فافہم۔

12239۔ (قولہ: فَلَهَا الْمُتْعَةُ الخ) ''البحر'' میں کہا: عورت کے لئے تحکیم کے بغیر متعہ ہوگا مگر خاوند راضی ہو جائے کہ وہ عورت نصف لونڈی لے لے۔ یہ مسئلہ پہلے سے مختلف ہوگا جب دونوں میں ہزار اور دو ہزار میں اختلاف ہو۔ کیونکہ ہزار کا نصف تو یقینی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ ہزار کے تسمیہ پر تو دونوں متفق ہیں۔ اور لونڈی کے نصف میں ملکیت یقینی طور پر ثابت نہیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے تسمیہ پر متفق نہیں۔ پس خاوند کے نصف کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں مگر جب دونوں پسند کریں۔ جب یہ نہ پایا گیا تو دونوں بدل ساقط ہو گئے تو متعہ کی طرف رجوع واجب ہو گیا۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔

12240۔ (قولہ: تَحَالَفَا) دونوں قسم اٹھائیں گے اور دونوں گواہیاں جھوٹی ہو جائیں گی۔

12241۔ (قولہ: وَإِنْ حَلَفَ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ تفریع فا کے ساتھ ہوتی۔

12242۔ (قولہ: أَصْلًا وَقَدْرًا) اگر اختلاف زندہ اور میت کے وارثوں کے درمیان اصل مہر میں ہو مثلاً میاں بیوی میں سے جو زندہ ہے وہ دعویٰ کرے کہ مہر معین کیا گیا تھا اور دوسرے کے ورثاء کہتے ہیں مہر معین ہی نہیں کیا گیا تھا یا معاملہ اس کے برعکس ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر مہر کی مقدار میں جھگڑا ہو تو مہر مثل کا حکم لگایا جائے گا۔ امام ''طحطاوی'' نے ''ابوالسعود'' سے نقل کیا ہے۔

12243۔ (قولہ: لِعَدَمِ سُقُوطِهِ) ضمیر سے مراد مہر مثل ہے۔ ''الدرر'' میں کہا: کیونکہ مہر مثل کا اعتبار دونوں میں

(وَبَعْدَ مَوْتِهِمَا فَفِي الْقَدْرِ الْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ، وَ) فِي الِاخْتِلَافِ (فِي أَصْلِهِ) الْقَوْلُ لِمُنْكِرِ التَّسْمِيَةِ (لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ) مَا لَمْ يُبَرْهَنْ عَلَى التَّسْمِيَةِ (وَقَالَا يُقْضَى بِمَهْرِ الْمِثْلِ) كَحَالِ حَيَاةٍ (وَبِهِ يُفْتَى

دونوں کی موت کے بعد مقدار میں قول مرد کے ورثاء کا ہوگا۔ اور اگر اختلاف اصل میں ہو تو قول تسمیہ کے منکر کا ہوگا۔ اور کسی چیز کا فیصلہ نہ کیا جائے گا جب تک تسمیہ پر دلیل قائم نہ کی جائے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: مہر مثل کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح زندگی میں مہر مثل کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس پر فتویٰ ہے

سے ایک کی موت کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مفوضہ کو مہر مثل ملتا ہے جب دونوں میاں بیوی میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے۔

12244۔ (قولہ: الْقَوْلُ لِوَرَثَتِهِ) تو خاوند کے وارثوں پر وہ لازم ہو جائے گا جس کا وہ اعتراف کر رہے ہیں۔ ''بحر''۔ اور مہر مثل کا حکم نہیں کیا جائے گا کیونکہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کی موت کے بعد مہر مثل کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے، ''درر''۔

12245۔ (قولہ: الْقَوْلُ لِمُنْكِرِ التَّسْمِيَةِ) وہ بھی خاوند کے ورثاء ہیں جس طرح ''البحر'' میں گزر چکا ہے۔ دونوں مسئلوں میں قول انہیں کا معتبر ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الکنز'' میں کہا: اگر دونوں مر جائیں اور اختلاف مقدار میں ہو تو قول مرد کے وارثوں کا معتبر ہوگا۔ لو وصلیہ ہے جس طرح ''النہر'' اور ''العینی'' میں بیان کیا ہے۔ تو یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اختلاف تسمیہ میں بھی اسی طرح ہوگا۔

12246۔ (قولہ: لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ) زیادہ بہتر کلام ولم یقض عطف کی صورت میں تھی۔ کیونکہ دونوں کی موت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان دونوں کی مثل ختم ہو چکی ہے تو قاضی کے لئے ممکن نہیں کہ مہر مثل کا اندازہ لگائے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ کیونکہ مہر مثل اوقات کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے جب عرصہ بہت زیادہ ہو جائے تو اس کی مقدار پر آگاہی مشکل ہو جاتی ہے۔ ''فتح''۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر زمانہ قریب کا ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''شرح الجامع'' میں ''قاضی خان'' نے اس کی تصریح کی ہے۔

12247۔ (قولہ: مَا لَمْ يُبَرْهِنْ) یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جب تک بیوی کے وارث گواہیاں قائم نہ کریں۔

12248۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) ''الخانیہ'' میں ذکر کیا ہے اور ''ملتقی'' کے متن میں اس کی پیروی کی ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے یہی کہا ہے لیکن امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دونوں سے قسم لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک اور امام ''مالک'' کے نزدیک باہمی قسم واجب نہیں۔ ''فتح''۔ دیکھئے جب زمانہ بہت ہی قدیمی ہو جائے تو مہر مثل کا فیصلہ کیسے کیا جائے گا؟ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے اس میں وہی قاعدہ جاری ہوگا جو (مقولہ 12169 میں) گزر چکا ہے کہ جب کوئی ایسا فرد نہ پایا جائے جو عورت کے باپ کی قوم سے ہو اور نہ ہی کوئی ایسا فرد (عورت) پایا جائے جو اجنبی لوگوں میں سے ہو تو اس صورت میں قول خاوند کا

وَهٰذَا كُلُّهُ
اور یہ سب کچھ

معتبر ہوگا۔لیکن یہ بات گزر چکی ہے کہ قول مرد کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ تامل۔ پھر میں نے ''البزازیہ'' میں دیکھا کہ وہ امام ''کرخی'' کے قول: بے شک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول طویل عرصہ کے گزر جانے کی صورت میں واضح ہوگا'' پر اعتراض کر رہے ہیں۔''بزازیہ'' کا قول یہ ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ جب مہر مثل کا اعتبار متعذر ہوگا تو ظاہر کسی کا شاہد نہیں ہوگا تو قول خاوند کے وارثوں کا معتبر ہوگا کیونکہ وہی مدعی علیہم ہیں جس طرح باقی دعووں میں معاملہ ہوتا ہے۔

12249۔(قولہ: وَهٰذَا كُلُّهُ الخ) ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے اور کہا: شارحین نے اسے اسی پر ثابت رکھا ہے۔اسی طرح ''قاضی خان'' نے ''شرح الجامع'' میں اسے ذکر کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب بیوی کا خاوند فوت ہو جائے جبکہ اس نے بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں وہ عورت خود یا اس کی وفات کے بعد اس کے وارث اس کے مہر کے مطالبہ کے لئے آئیں جبکہ عادت یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو خاوند کے حوالے نہیں کرتی مگر جب وہ مہر میں سے کچھ پر قبضہ کر لیتی ہے جس طرح مثلاً سو درہم تو تسمیہ نہ ہونے کے صورت میں عورت کے حق میں تمام مہر مثل کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ بلکہ دیکھا جائے گا اگر عورت اس کا اقرار کر لے جو عموماً پہلے مہر دیا جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ اس عورت کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر باقی ماندہ میں وہی عمل کیا جائے گا جیسے ہم نے ذکر کیا۔ یعنی اگر مہر مسمی کی مقدار پر اتفاق ہو جائے تو عورت کو اس میں سے باقی ماندہ دے دیا جائے گا ورنہ اگر خاوند کے ورثاء اصل تسمیہ کا انکار کر دیں تو عورت کو مہر مثل میں سے باقی ماندہ دے دیا جائے گا۔ اگر وہ مقدار کا انکار کریں تو قول اس کا معتبر ہوگا مہر مثل جس کی تائید کرے۔ عورت کے فوت ہونے کے بعد مہر کی مقدار میں قول خاوند کے ورثاء کا ہوگا۔ اس عبارت سے یہی مفہوم ہے۔ جس کو جلد ادا کرنے کا معمول ہے اس کی تفسیر ہم نے مثلاً سو سے کی ہے۔ اس کے بارے میں قول آگے آئے گا: قضینا علیك بالمتعارف ہم نے تجھ پر متعارف کا فیصلہ کر دیا۔ اور ان کا قول ثم یعمل فی الباق کما ذکرنا پھر باقی ماندہ میں اسی پر عمل کیا جائے گا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ متعارف مشترک حصہ ہے۔ جس طرح مہر کے دو تہائی۔ ''جس طرح ہمارے زمانے میں متعارف ہے'' تو یہ ممکن نہیں کہ اس عورت پر اس کا فیصلہ کیا جائے۔ مگر اس وقت جب مہر کی مقدار معلوم و معین ہو۔ جب صورتحال یہ ہو تو اس میں سابقہ تفصیل نہیں آئے گی۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حکم اسی طرح ہے۔ پس مثلاً اس عورت کے خلاف دو تہائی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ایک تہائی اب دے دیا جاتا ہے۔ ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی مر گیا اور چھوٹے بچے چھوڑے تو ایک آدمی نے اس پر قرض کا دعویٰ کر دیا یا ودیعت کا دعویٰ کر دیا۔ اور عورت نے اپنے مہر کا دعویٰ کر دیا۔ ''ابو القاسم'' نے کہا: وصی کے لئے کوئی اجازت نہیں کہ وہ قرض یا ودیعت (امانت) میں سے کوئی چیز انہیں دے جب تک وہ گواہی ثابت نہ ہو۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے اگر عورت مہر مثل کی مقدار کا دعویٰ کرے تو وہ وصی عورت کو مہر مثل دے دے۔ جب نکاح ظاہر و معروف ہو اور نکاح اس کا شاہد ہو۔ الفقیہ ''ابو اللیث'' نے

(إِذَا لَمْ تُسَلِّمْ نَفْسَهَا، فَإِنْ سَلَّمَتْ وَوَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي الْحَالَيْنِ) الْحَيَاةِ وَبَعْدَهَا (لَا يُحْكَمُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ) لِأَنَّهَا لَا تُسَلِّمُهُ نَفْسَهَا إِلَّا بَعْدَ تَعْجِيلِ شَيْءٍ عَادَةً (بَلْ يُقَالُ لَهَا لَا بُدَّ أَنْ تُقِرِّي بِمَا تَعَجَّلْتِ وَإِلَّا قَضَيْنَا عَلَيْكِ بِالْمُتَعَارَفِ) تَعْجِيلُهُ (ثُمَّ يُعْمَلُ فِي الْبَاقِي بِمَا ذَكَرْنَا) وَهَذَا إِذَا ادَّعَى الزَّوْجُ إِيصَالَ شَيْءٍ إِلَيْهَا بَحْرٌ

اس وقت ہے جب وہ اپنا آپ حوالے نہ کرے اگر وہ حوالے کردے اور دونوں حالتوں یعنی زندگی اور اس کے بعد اختلاف واقع ہو جائے تو مہر مثل کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنا آپ خاوند کے حوالے نہیں کرتی مگر عموماً کسی شے کی پیشگی وصولی کے بعد ایسا کرتی ہے۔ بلکہ اسے کہا جائے گا کہ جس کو تو نے پیشگی وصول کیا ہے اس کا اقرار کرو ورنہ ہم تیرے خلاف اس کا فیصلہ کردیں گے جس کی تعجیل متعارف ہے پھر باقی ماندہ میں عمل کیا جائے گا جس طرح ہم نے ذکر کردیا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب خاوند نے کوئی چیز عورت کو دینے کا دعویٰ کیا۔ ''بحر''۔

کہا: اگر خاوند نے عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں تو وصی اس سے اتنی مقدار روک لے گا جتنی مقدار پہلے دینے کا معمول ہے۔ پس قول عورت کا قول ہوگا اس مقدار میں جو مہر معجّل سے مہر مثل کے مکمل ہونے تک زائد ہوگی۔

اسے ذہن نشین کر لیجئے۔ ''رحمتی'' نے ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے کہ کہا: اس میں ایک اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ تمام مہر نکاح کے ساتھ واجب ہو گیا تھا۔ پس ظاہر کے حکم سے اس میں سے کسی شے کے ساقط ہونے کا قول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جو چیز ثابت ہو چکی ہو ظاہر اس کو باطل کرنے کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ پھر ''قاضی'' کے کلام کی تائید میں طویل بحث کی ہے۔ اور ''رملی'' نے جو ''قاضی'' پر اعتراض کیا ہے اس کا رد کیا ہے: بان النظر مدفوع بغلبة فساد الناس لوگوں کے فساد کے غلبہ سے اعتراض کو رد کر دیا جائے گا۔ اور کہا: ''فساد کے ساتھ ثابت شدہ حق دلیل کے بغیر ساقط نہیں ہوتا۔ مہر خاوند کے ذمہ دین ہے اس کے بعض کی قضا یا اس کی مقدار کے مطابق عورت کے ذمہ میں دین کو ثابت کرنا ہے۔ یہ ظاہر حال سے نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے اثبات کی صلاحیت نہیں رکھتا''۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں اس کے قریب قریب قول کیا ہے جو ''قاضی'' نے کہا۔ لیکن جو فقیہ نے کہا یہ اس امر پر مبنی ہے کہ عرف شائع، عورت کی اس کے اس دعویٰ میں تکذیب کر رہا ہے کہ اس نے کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا۔ جبکہ شارحین نے اسے ثابت رکھا ہے اور اسی طرح ''قاضی خان'' نے بھی اسے ''شرح الجامع'' میں ثابت رکھا ہے۔ پس اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی نظیر و مثال ہے کہ علما نے عرف پر عمل کیا ہے اور اس بات کی بھی مثال ہے کہ باپ کو اس بات میں جھٹلایا جائے گا کہ جہیز کا سامان اس نے عاریۃً دیا تھا جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے جبکہ وہ مالک بنانے والا ہے۔ اگر عرف نہ ہوتا تو قول باپ کا معتبر ہوتا۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

12250۔ (قولہ: وَهَذَا إِذَا ادَّعَى الزَّوْجُ الخ) یہ صاحب ''البحر'' کے نزدیک ہے۔ مراد ہے کہ خاوند یہ دعویٰ کرے

(وَلَوْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا وَلَمْ يَذْكُرْ جِهَةً عِنْدَ الدَّفْعِ غَيْرَ) جِهَةِ (الْمَهْرِ) كَقَوْلِهِ لِشَمْعٍ أَوْ حِنَّاءٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمَهْرِ لَمْ يُقْبَلْ قُنْيَةٌ لِوُقُوعِهِ هَدِيَّةً فَلَا يَنْقَلِبُ مَهْرًا (فَقَالَتْ هُوَ) أَيِ الْمَبْعُوثُ (هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ) أَوْ مِنَ الْكِسْوَةِ أَوْ عَارِيَّةٌ (فَالْقَوْلُ لَهُ) بِيَمِينِهِ وَالْبَيِّنَةُ لَهَا، فَإِنْ حَلَفَ وَالْمَبْعُوثُ قَائِمٌ فَلَهَا أَنْ تَرُدَّهُ- وَتَرْجِعُ بِبَاقِي الْمَهْرِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ

اگر مرد نے اپنی بیوی کو کوئی چیز بھیجی اور دیتے وقت کسی جہت کا ذکر نہیں کیا کہ یہ بطور مہر ہے یا کسی اور صورت میں ہے جس طرح اس کا قول شمع کے لئے یا مہندی کے لئے۔ پھر کہا: یہ مہر کے لئے تھی تو خاوند کا قول قبول نہ ہوگا۔ ''قنیہ''۔ کیونکہ وہ ہدیہ بن چکا ہے تو اب وہ مہر نہیں بنے گا۔ عورت نے کہا: جو چیز بھیجی گئی تھی وہ ہدیہ تھی اور خاوند نے کہا: وہ مہر تھی یا کسوہ تھی یا ادھار تھی تو قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور گواہی عورت کی ہوگی۔ اگر مرد نے قسم اٹھادی جبکہ جو چیز بھیجی گئی تھی وہ موجود تھی تو عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ چیز واپس کردے اور باقی مہر کا مطالبہ کرے۔ اسے ''ابن کمال'' نے ذکر کیا ہے۔

اگر وہ زندہ ہو یا اس کے وارث دعویٰ کریں جس طرح ظاہر کلام ہے۔ ''الشرنبلالیہ'' میں جو کچھ ہے اس کا اعتراض یہاں وارد نہیں ہوتا: من ان ھذا لا یتاتی فی حال موتھما جب دونوں فوت ہو جائیں تو پھر یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔

خاوند زوجہ کو کوئی چیز بھیجے

12251۔ (قولہ: وَلَوْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئًا) وہ چیز نقدی ہو، سامان تجارت میں سے ہو یا جسے کھایا جاتا ہو۔ یہ زفاف سے پہلے ہو یا بعد میں ہو جبکہ اسے حرم میں داخل کر لیا تھا، ''نہر''۔

12252۔ (قولہ: وَلَمْ يَذْكُرْ الخ) اس سے مراد ہے کہ خاوند نے یہ ذکر نہ کیا کہ یہ مہر ہے یا مہر میں سے نہیں، ''ط''۔

12253۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ الخ) یہ اس کی مثال ہے جس کی نفی کی گئی وہ مصنف کا قول ینذ کرہ ہے۔

12254۔ (قولہ: وَالْبَيِّنَةُ لَهَا) یعنی ان میں سے جب ہر ایک نے گواہیاں قائم کر دیں تو بیوی کے بینہ مقدم ہوں گے، ''ط''۔

12255۔ (قولہ: فَلَهَا أَنْ تَرُدَّهُ) کیونکہ عورت اس پر راضی نہیں تھی کہ وہ مہر ہو، ''بحر''۔

12256۔ (قولہ: وَتَرْجِعُ بِبَاقِي الْمَهْرِ او كله) باقی ماندہ یا سب کا مطالبہ کرے اگر خاوند نے عورت کو کوئی چیز نہ دی ہو۔ ''النہر'' میں کہا: اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے اور دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کوئی چیز باقی رہ جائے تو اسے واپس لے لے۔ اگر ہلاک ہونے والی چیز کی قیمت مہر کے برابر ہو تو کسی کو بھی واپسی کا حق نہیں۔ ''البزازیہ'' میں ہے: مرد نے عورت کے لئے کپڑے لئے عورت نے وہ پہن لئے یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے پھر مرد نے کہا: وہ مہر میں سے ہیں اور عورت نے کہا: وہ نفقہ میں سے ہیں۔ یعنی وہ اس کسوہ میں سے ہیں جو اس پر واجب ہے تو اس صورت میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔ اگر کپڑا موجود ہو تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ جہت تملیک کو زیادہ جانتا ہے۔ ہلاک ہونے والی چیز کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ بعض مہر

وَلَوْ عَوَّضَتْهُ
اگر عورت نے خاوند کو عوض دیا ہو

کے سقوط کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے۔ اور ہلاک ہونے کے ساتھ وہ مملوکیت سے نکل جاتی ہے جب کسی حال میں بھی ملکیت نہیں تو جہت تملیک میں اختلاف باطل ہوگا۔ پس اختلاف ہلاک ہونے والی چیز کی ضمان اور اس کے بدل میں ہوگا۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا جو بدل اور ضمان کا مالک ہو۔ ''ملخصاً''

''النہر'' میں اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے کہا: یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ متن کے مسئلہ میں ہلاک ہونے والی چیز میں قول عورت کا معتبر ہوتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ فرق بڑا مشکل ہے اس میں غور وفکر کیجئے۔

میں کہتا ہوں: فرق تھوڑا سا ہے ان شاء اللہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متن کا مسئلہ یہ ہے کہ عورت دعویٰ کرتی ہے کہ یہ ہدیہ ہے۔ اس کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ قول ہلاکت اور عدم ہلاکت میں مرد کا ہی معتبر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی مملک ہے کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کے دعویٰ کے خلاف ہو۔ مگر یہاں عورت نے اس لباس کا دعویٰ کیا جو مرد پر واجب تھا تو جو چیز موجود ہے اس میں قول مرد کا معتبر ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی اور عورت خاوند سے اپنے مہر اور کسوہ کا مطالبہ کرے گی۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو ہلاک ہو چکی ہے تو اس میں قول دو وجوہ سے عورت کا ہوگا۔

(۱) ظاہر اس میں عورت کی تصدیق کرتا ہے جس طرح اس چیز میں جو کھانے کے لئے تیار کی گئی ہو جسے شارح الفقیہ سے نقل کرتے ہیں۔

(۲) اگر اس میں خاوند کا قول قبول کیا جائے تو وہ لباس جو خاوند پر لازم تھا اس میں عورت کا حق ضائع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نفقہ میں سے ہے اور نفقہ مدت گزرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جو وقت گزر چکا ہے اس کے نفقہ کا مطالبہ ممکن نہیں۔ اور اس طرح باطل دعوؤں کے دروازہ کو کھولنا لازم آتا ہے۔ جو خاوند بیس سال گزر جانے کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ خاوند نے عورت کو جو لباس اور نفقہ دیا تھا وہ مہر تھا اور عورت سے اس کی قیمت کا مطالبہ کر دے تو یہ ایسی بات ہے جس میں شرع راضی نہیں کہ عورت کو ایسی تکلیف دی جائے جبکہ ظاہر اور عادت مرد کی تکذیب کرتی ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو موجود ہو تو اس میں کوئی ضرر نہیں۔ کیونکہ عورت اس کے مقابلہ میں لباس کا مطالبہ کرے گی جب خاوند اس کے لباس ہونے پر راضی نہ ہوگا۔ اور عادت اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ جو چیز اس کو دی گئی ہے وہ اس کی کسوہ ہے کیونکہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ کہے: میں نے اس عورت کو کسوہ اس کے علاوہ دیا ہے۔ یہ ایسا امر ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

12257۔(قولہ: وَلَوْ عَوَّضَتْهُ) اگر اس عورت نے خاوند کو عوض دیا اس طرح اگر عورت کے باپ نے عورت کے مال سے اس کی اجازت سے عوض دیا یا اپنے مال سے عوض دیا تو باپ کو بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ گویا ''البحر'' میں جو ہے وہ انہوں نے نہیں دیکھا اور ''الفتح'' میں اس سے قبل جو کہا اسے مشکل جانا ہے: اگر اس کے باپ نے اپنے مال میں سے اسے کوئی چیز بھیجی اگر وہ چیز موجود ہو تو اسے واپس لینے کا حق ہوگا ورنہ حق نہیں ہوگا۔ اگر

ثُمَّ ادَّعَاهُ عَارِيَّةً فَلَهَا أَنْ تَسْتَرِدَّ الْعِوَضَ مِنْ جِنْسِهِ زَيْلَعِيٌّ (فِي غَيْرِ الْمُهَيَّإِ لِلْأَكْلِ) كَثِيَابٍ وَشَاةٍ حَيَّةٍ وَسَمْنٍ وَعَسَلٍ وَمَا يَبْقَى شَهْرًا أَخِي زَادَهْ (وَ) الْقَوْلُ (لَهَا) بِيَمِينِهَا (فِي الْمُهَيَّإِ لَهُ) كَخُبْزٍ وَلَحْمٍ مَشْوِيٍّ لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ

پھر مرد نے اسکے ادھار ہونے کا دعویٰ کر دیا تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عوض کی جنس کی واپسی کا مطالبہ کرے ''زیلعی''۔ جبکہ وہ ایسی چیز نہ ہو جو کھانے کیلئے تیار کی گئی ہو جیسے کپڑے، زندہ بکری، گھی، شہد اور جو ایک ماہ تک باقی رہ سکے ''اخی زادہ''۔ تو قول قسم کے ساتھ عورت کا معتبر ہوگا اس چیز میں جس کو کھانے کیلئے تیار کیا گیا ہو جیسے روٹی اور بھونا ہوا گوشت کیونکہ ظاہر اسکو جھٹلاتا ہے۔

عورت کے مال میں سے عورت کی اجازت سے مال بھیجا تو اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مال عورت کی جانب سے ہبہ ہوگا۔ اور عورت نے خاوند کو جو مال ہبہ کیا اسے واپس نہیں لے سکتا''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس صورت میں محمول ہے جب وہ تعویض کی جہت پر نہ ہو۔ پس یہ شارح کے قول: ولو عوضته کے منافی نہیں۔ اس کا قرینہ وہ قول ہے جو ہم نے پہلے ''الفتح'' سے نقل کیا ہے۔

اسے ذہن نشین کر لیں۔ تعویض کا مسئلہ ''الفتح'' وغیرہ میں مطلقاً ذکر کیا ہے۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ لیکن اس میں کہا: ''ابوبکر الاسکاف'' نے کہا: اگر عورت نے یہ تصریح کر دی جب اس نے وہ چیز بھیجی کہ یہ عوض ہے تو یہ اسی طرح ہوگا بصورت دیگر وہ عورت کی جانب سے ہبہ ہوگا اور عورت کی نیت باطل ہو جائے گی۔ ''الہندیہ'' میں اسی کی مثل ہے۔

یہ اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ ان کی مراد کا بیان ہو اور دوسرے قول کی حکایت ہو۔ تامل۔ جس میں تعویض کا قصد کیا جاتا ہے اس میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے پس یہ بھی ملفوظ کی طرح ہوگا۔ تامل۔

اور جو ''طحطاوی'' میں ہے ''کہ معتمد وہ ہے جو اس کے برعکس ہے جو اسکاف نے کہا: اور اسے ''ہندیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے میں نے اسے ''ہندیہ'' میں نہیں دیکھا۔ ہاں شارح کتاب الہبہ کے آخر میں اسے (مقولہ 29286 میں) ذکر کریں گے: کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ عوض یا عدم عوض کی تصریح کی جائے۔

12258۔ (قولہ: مِنْ جِنْسِهِ) ''زیلعی'' نے اس زیادتی کا ذکر نہیں کیا۔ ''ط''۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کا ذکر کیا ہو۔ شاید اس سے مراد ہو کہ عوض اگر ہلاک ہونے والا ہو اور وہ عوض مثلی ہو تو عورت خاوند سے اس کی مثل کا مطالبہ کرے گی۔ اور لفظ جنس سے مثل کا ارادہ کیا۔ ''تامل''

12259۔ (قولہ: مَشْوِيٍّ) اس کا کوئی مفہوم نہیں، ''ط''۔

12260۔ (قولہ: لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ) ''الفتح'' میں کہا: ہمارے علاقہ میں جس کا اعتبار کرنا واجب ہے وہ تمام چیزیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا جیسے گندم، اخروٹ، آٹا، چینی، زندہ بکری اور باقی ماندہ چیزیں۔ ان میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ ان سب میں متعارف یہ ہے کہ وہ اسے بطور ہدیہ بھیجے تو ظاہر عورت کے ساتھ ہے مرد کے ساتھ نہیں۔ مرد کا قول کپڑے اور لونڈی وغیرہ میں ہی معتبر ہوگا۔

وَلِذَا قَالَ الْفَقِيهُ الْمُخْتَارُ أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِيمَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ كَخُفٍّ وَمُلَاءَةٍ لَا فِيمَا يَجِبُ كَخِمَارٍ وَدِرْعٍ، يَعْنِي مَا لَمْ يَدَّعِ أَنَّهُ كِسْوَةٌ لِأَنَّ الظَّاهِرَ مَعَهُ

اسی وجہ سے ''فقیہ'' نے کہا: مختار یہ ہے کہ مرد کی ان چیزوں میں تصدیق کی جائے گی جو اس پر واجب نہیں جس طرح موزے، چادر۔ ان میں تصدیق نہیں کی جائے گی جو اس پر واجب ہیں جس طرح اوڑھنی قمیص۔ یعنی جس کے بارے میں وہ یہ دعویٰ نہ کرے کہ یہ کسوہ ہے۔ کیونکہ ظاہر مرد کے ساتھ ہے۔

''البحر'' میں کہا: یہ بحث اس کے موافق ہے جو ''الجامع الصغیر'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: مگر اس کھانے میں جسے کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے عام ہے جسے کھانے وغیرہ کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔

''النہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: چاہئے کہ اس کا قول ایسے کپڑوں جو چینی کے ساتھ اٹھائے گئے ہوں وغیرہ میں قبول نہ کیا جائے کیونکہ یہی عرف ہے۔

میں کہتا ہوں: انہی میں سے وہ چیزیں بھی ہیں جنہیں خاوند زفاف سے قبل عیدوں اور مختلف مواقع پر بھیجتا ہے جس طرح لباس، زیورات وغیرہ۔ اور اسی طرح جو خاوند اسے عطا کرتا ہے یا دراہم و دنانیر دیتا ہے شادی کی رات کی صبح کو اسے عرف میں صبحہ کہتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں یہ سب بطور ہدیہ معروف ہے مہر کے طور پر معروف نہیں خصوصاً جسے صبحہ کہتے ہیں۔ کیونکہ بیوی اس کے بدلہ میں خاوند کو کپڑے وغیرہ دیتی ہے۔ یہ صبیحۃ العرس بھی ہوتا ہے۔

12261۔(قولہ: وَلِذَا قَالَ الْفَقِيهُ) فقیہ سے مراد ''ابولیث'' ہے۔

12262۔(قولہ: كَخُفٍّ وَمُلَاءَةٍ) کیونکہ اسے باہر نکلنے کی قدرت دینا خاوند پر واجب نہیں بلکہ خاوند پر ضروری ہے کہ اسے باہر جانے سے روکے مگر ایسے امور میں جن کا ہم ذکر کریں گے، ''فتح''۔

میں کہتا ہوں: اس میں اس کی قید لگانا مناسب ہے جس میں عادت جاری نہ ہو۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے عرف میں یہ چیزیں خاوند پر لازم ہیں اور یہ مہر میں سے ہیں جس طرح ہم پہلے ''الملتقط'' سے (مقولہ 12103 میں) بیان کر چکے ہیں کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ جو چیز عادۃً شرط ہو اس کی وجہ سے اسے خاوند کو روکنے کا حق ہے جس طرح موزہ، قمیص، دیباج اللفافہ، دراہم سکر۔ اسی طرح ہمارے عرف میں حمام کا تولیہ وغیرہ ہے۔ کیونکہ یہ مہر میں مشروط کے قائم مقام ہیں۔ پس یہ چیزیں دینا لازم ہیں یہ عورت کو باہر نکلنے اور حمام جانے سے روکنے کے منافی نہیں جس طرح امر مخفی نہیں۔

12263۔(قولہ: كَخِمَارٍ وَدِرْعٍ) اسی طرح گھر کا سامان۔ ''بحر''۔ گھر کا سامان خاوند پر واجب ہے۔ یہی اس کے ذکر کا محل ہے۔ فافہم۔ مصنف نفقہ میں (مقولہ 15941 کے متن میں) اس کا ذکر کریں گے: خاوند پر واجب ہے کہ وہ چکی، پانی کا برتن، پکانے کا برتن جیسے کوزہ، گھڑا، ہنڈیا اور چمچہ مہیا کرے۔

شارح نے کہا: اسی طرح گھر کا تمام سامان جیسے چٹائی، گدا، کپڑا۔

12264۔(قولہ: مَا لَمْ يَدَّعِ أَنَّهُ كِسْوَةٌ) یہ صاحب ''الفتح'' کی جانب سے تقیید ہے۔ ''البحر'' میں اسے ثابت رکھا

(خَطَبَ بِنْتَ رَجُلٍ وَبَعَثَ إِلَيْهَا أَشْيَاءَ وَلَمْ يُزَوِّجْهَا أَبُوهَا فَمَا بَعَثَ لِلْمَهْرِ يُسْتَرَدُّ عَيْنُهُ قَائِمًا) فَقَطْ وَإِنْ تَغَيَّرَ بِالِاسْتِعْمَالِ (أَوْ قِيمَتُهُ هَالِكًا) لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَلَمْ تَتِمَّ فَجَازَ الِاسْتِرْدَادُ (وَكَذَا) يُسْتَرَدُّ (مَا بَعَثَ هَدِيَّةً وَهُوَ قَائِمٌ) دُونَ الْهَالِكِ وَالْمُسْتَهْلَكِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْهِبَةِ (وَلَوْ ادَّعَتْ أَنَّهُ)

ایک آدمی نے ایک آدمی کی بیٹی کو دعوت نکاح دی اور اس کی طرف کچھ چیزیں بھیجیں اور عورت کے باپ نے اس بچی کی شادی اس سے نہ کی تو جو چیز اس نے مہر کے طور پر بھیجی تھی وہ واپس لے سکتا ہے اگر وہ عینی چیز قائم ہو اگر چہ استعمال کے ساتھ متغیر ہو چکی ہو یا قیمت لے سکتا ہے اگر وہ چیز ہلاک ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ معاوضہ ہے جو مکمل نہیں ہوا۔ پس لوٹانے کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ ہدیہ بھی واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے جبکہ وہ موجود ہو جو ہلاک ہو چکا ہے یا ہلاک کیا جا چکا ہے وہ واپس نہیں لے سکتا کیونکہ وہ ہبہ کے معنی میں ہے۔ اگر عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے

ہے۔ یعنی جو اس پر واجب ہے اگر وہ اس کو مہر کہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ ظاہر اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اگر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ کسوہ ہے اور عورت نے دعویٰ کیا کہ وہ ہدیہ ہے تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر مرد کے ساتھ ہے۔

12265۔ (قوله: وَلَمْ يُزَوِّجْهَا أَبُوهَا) اس کی مثل وہ صورت ہے جب عورت انکار کر دے جبکہ وہ بالغہ ہو'' ط''۔

12266۔ (قوله: فَمَا بَعَثَ لِلْمَهْرِ) یعنی ایسی چیز بھیجی جس پر دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ مہر ہے یا قول خاوند کا معتبر ہو گا ان چیزوں میں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

12267۔ (قوله: فَقَطْ) یہ عینہ میں قید ہے قائما میں قید نہیں۔ اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جب وہ استعمال کیساتھ متغیر ہو جس طرح اس کی طرف شارح نے اشارہ کیا ہے۔ ''المنح'' میں کہا: کیونکہ وہ مالک کی جانب سے اس پر مسلط تھا تو اس کے استعمال کے ساتھ جو اس میں نقص واقع ہوا ہے اس سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی'' ح''۔

12268۔ (قوله: أَوْ قِيمَتُهُ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ قول ہوتا او بدلہ تاکہ یہ مثلی کو شامل ہو۔

12269۔ (قوله: لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْهِبَةِ) یعنی اس چیز کا ہلاک ہونا یا اسے ہلاک کرنا رجوع سے مانع ہے۔

''البزازیہ'' کی عبارت یہ ہے: لانہ ہبة۔

اس کا مقتضا یہ ہے: جو چیز موجود ہے اس کی واپسی میں شرط یہ ہے کہ قضا ہو یا رضا ہو۔ اسی طرح کوئی ایسی چیز بھی نہ پائی جائے جو رجوع سے مانع ہو جس طرح اگر وہ کپڑا ہو تو اسے عورت نے رنگ دیا ہو یا عورت نے اسے سی دیا ہو۔ میں کسی ایسے عالم کے بارے میں نہیں جانتا جس نے اس امر کی تصریح کی ہو۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔ ہدیہ کی قید یہ اس نفقہ سے احتراز ہے جو اس میں ظاہر ہوتا ہے جو معتدۃ الغیر پر خرچ کرنے میں (مقولہ 12272 میں) آئے گا۔

12270۔ (قوله: وَلَوْ ادَّعَتْ الخ) ''البحر'' میں اس مسئلہ کو ''الکنز'' کے قول: بعث الی امراتہ شیئا الخ کے موقع پر ذکر کیا ہے۔ اور کہا: یہ قید ذکر کی کہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ یہ مہر ہے۔ کیونکہ اگر اس عورت نے اس کے مہر ہونے کا دعویٰ کیا

أَیْ الْمَبْعُوثَ (مِنَ الْمَهْرِ وَقَالَ هُوَ وَدِيعَةٌ فَإِنْ كَانَ مِنْ جِنْسِ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهَا، وَإِنْ كَانَ مِنْ خِلَافِهِ فَالْقَوْلُ لَهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ (أَنْفَقَ) رَجُلٌ (عَلَى مُعْتَدَّةِ الْغَيْرِ

جو چیز بھیجی گئی ہے وہ مہر میں سے ہے اور خاوند نے کہا وہ ودیعت ہے اگر وہ مہر کی جنس سے ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ اس کے خلاف ہو تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر اس کی شہادت دیتا ہے۔ ایک آدمی نے غیر کی معتدہ پر خرچ کیا

اور خاوند نے اس کی ودیعت ہونے کا دعویٰ کیا اگر تو وہ چیز مہر کی جنس سے ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا ورنہ مرد کا قول معتبر ہوگا۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مسئلہ زوجہ کے دعویٰ میں ہے اس عورت کے دعویٰ میں نہیں جس کو دعوت نکاح دی گئی جس کی شادی اس کے باپ نے نہ کی ہو تو مناسب یہ تھا کہ اس کا ذکر اس قول: خطب بنت رجل الخ سے پہلے کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس عورت کو دعوت نکاح دی گئی اس کا دعویٰ کہ جو چیز اسے بھیجی گئی وہ مہر میں سے ہے یہ عورت کو نقصان دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا واپس کرنا عورت پر لازم ہوتا ہے وہ موجود ہو یا ہلاک ہو۔ پس مناسب یہ تھا کہ ودیعت کا دعویٰ عورت کا ہوتا اور مہر کا دعویٰ خاوند کا ہوتا۔ کیونکہ ودیعت کا واپس کرنا یہ عورت کو لازم نہیں جب وہ ودیعت ہلاک ہو جائے۔ بیوی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ بیوی کا یہ دعویٰ کہ یہ مہر میں سے ہے یہ عورت کو نفع دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی واپسی کا مطالبہ مطلقاً ممنوع ہے۔ اور مرد کا یہ دعویٰ کہ یہ ودیعت ہے یہ مرد کو نفع دیتا ہے۔ کیونکہ اگر ودیعت موجود ہو تو اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر اسے جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا ہو تو اس کی ضمان کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

ایک مرد غیر کی معتدہ پر خرچ کرتا ہے

12272۔ (قولہ: أَنْفَقَ رَجُلٌ عَلَى مُعْتَدَّةِ الْغَيْرِ الخ) ''بزازیہ'' میں اس مسئلہ میں تین صحیح قول بیان کئے ہیں۔

پہلے کا ماحاصل یہ ہے: وہ مرد مطلقاً خرچ کیا گیا مال واپس لے سکتا ہے اس نے شادی کرنے کی شرط لگائی تھی یا شرط نہیں لگائی تھی۔ اس سے شادی کی یا شادی نہ کی کیونکہ یہ رشوت ہے۔

دوسرے کا ماحصل یہ ہے: اگر مرد نے شرط نہ لگائی تو وہ واپس لے سکتا ہے۔

تیسرے کا ماحصل جسے ''فصول العمادی'' سے اسے نقل کیا ہے یہ ہے: اگر عورت نے اس مرد سے شادی کر لی تو واپس نہیں لے سکتا۔ اگر عورت نے اس سے انکار کر دیا تو وہ واپس لے سکتا ہے وہ واپسی کی شرط لگائے یا شرط نہ لگائے۔ اگر مرد نے عورت کو دراہم دیئے تا کہ وہ ان دراہم کو اپنے اوپر خرچ کرے اگر مرد نے عورت کے ساتھ مل کر ان کو کھایا تو اصلاً کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا۔

''فتح القدیر'' میں جو کچھ ہے اس کا ماحصل پہلے اور آخری قول کی حکایت ہے۔ ''البحر'' میں پہلے قول کی بھی حکایت کی ہے پھر کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند واپس نہیں لے سکتا جب عورت نے اپنی شادی کر دی جبکہ مرد نے نکاح کی شرط لگائی تھی اسے صحیح قرار دیا گیا۔ اگر عورت نے اس کا انکار کر دیا اور مرد نے نکاح کی شرط نہیں لگائی تھی تو صحیح قول کے مطابق مرد

....

واپس نہیں لے سکتا۔

''البحر'' کے قول: لایرجع اذا زوجت نفسها الخ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب عورت نے اس مرد سے شادی کر لی اور مرد نے اس کی شرط نہ لگائی ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اور ''البحر'' کا یہ قول: وان ابت الخ اس سے یہ سمجھ آتا ہے اگر عورت نکاح سے انکار کر دے جبکہ مرد نے اس کی شرط لگائی تھی تو مرد وہ مال واپس لے سکتا ہے۔ دوسرے قول کا ماحصل یہ ہے کہ وہ صرف ایک صورت میں مال واپس لے سکتا ہے۔ وہ صورت یہ ہے جب عورت نکاح سے انکار کر دے اور مرد نے نکاح کی شرط لگائی ہو۔ اور تین صورتوں میں واپسی کا مطالبہ نہیں کریگا۔ وہ یہ ہیں (۱) عورت نکاح سے انکار کر دے اور مرد نے نکاح کی شرط نہ لگائی ہو۔ (۲) عورت مرد سے نکاح کر لے اور مرد نے نکاح کی شرط لگائی ہو۔ (۳) یا اس نے شرط نہ لگائی ہو۔ یہ چار اقوال ہیں سب کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی شرح ''المنح'' میں کہا: جس پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ وہ ہے جو ''فصول العمادی'' میں ہے۔ میری مراد تیسرا قول ہے۔ اور ان کے شیخ صاحب ''البحر'' نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جس پر فقیہ النفس الامام ''قاضی خان'' نے اعتماد کیا ہے وہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے: اگر خاوند نے نکاح کی شرط لگائی تو وہ مال واپس لے گا کیونکہ یہ شرط فاسد ہے۔ وگرنہ اگر وہ معروف ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ واپس لے گا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ واپس نہیں لے گا۔ پھر کہا: چاہئے کہ وہ مال واپس لے۔ کیونکہ جب اسے یہ علم ہوتا کہ وہ اس سے شادی نہیں کرے گی تو وہ اس پر خرچ نہ کرتا تو یہ شرط کے قائم مقام ہے جس طرح قرض طلب کرنے والا جب قرض دینے والے کو کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دے جبکہ قرض کے مطالبہ سے پہلے اس نے اسے ہدیہ نہ دیا ہو تو یہ حرام ہوگا۔ اسی طرح قاضی خاص دعوت کو قبول نہ کرے گا اور کسی ایسے آدمی سے ہدیہ قبول نہیں کرے گا کہ اگر وہ قاضی نہ ہوتا تو وہ آدمی اسے ہدیہ نہ دیتا۔ تو یہ اس کے لئے شرط کے قائم مقام ہوگا اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جو ''الخیریہ'' میں کتاب النفقات میں ہے۔ اور اس پر فتویٰ دیا جب ان سے سوال کیا گیا ایسے آدمی کے بارے میں جس نے ایک عورت کو دعوت نکاح دی اور اس پر اپنا مال خرچ کیا اور عورت کو علم تھا کہ وہ مرد اس پر مال اس لئے خرچ کر رہا ہے تاکہ وہ مرد اس عورت سے عقد نکاح کرے تو اس عورت نے کسی اور مرد سے عقد نکاح کر لیا تو جواب یہ دیا: وہ مرد اس سے مال واپس لے۔ اور ''قاضی خان'' کی مذکورہ اور دوسری کلام سے استشہاد پیش کیا۔ اور کہا: یہ غالب صورت ہے اس سے عدول کرنا مناسب نہیں۔

تنبیہ

''الخیریہ'' میں جو کچھ ہے جہاں انہوں نے مخطوبہ (جس کو دعوت نکاح دی گئی) کے مسئلہ پر ''الخانیہ'' کی عبارت سے استشہاد کیا ہے کہ یہاں جو جاری اختلاف ہے وہ سابقہ مخطوبہ کے مسئلہ میں بھی جاری ہے اور جو اس میں گزرا ہے: مرد کو وہ چیز واپس لینے کا حق ہے جو موجود ہو۔ جو ہلاک ہو چکی ہے یا ہلاک کی جا چکی ہے اسے واپس لینے کا حق نہیں۔ یہ ہدیہ کے ساتھ خاص ہے نفقہ اور کسوہ کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو عدت گزار رہی ہے وہ مخطوبہ بھی ہے اس کا کوئی اثر

بِشَرْطِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) بَعْدَ عِدَّتِهَا (إنْ تَزَوَّجَتْهُ لَا رُجُوعَ مُطْلَقًا،
اس شرط کے ساتھ کہ اس کی عدت کے بعد اس سے شادی کرے گا۔ اگر عورت نے اس مرد سے عقد نکاح کر لیا تو مطلقاً وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

نہیں۔ کیونکہ وہ معتدہ ہے اس کو صراحۃً دعوت نکاح دینا حرام ہے۔ بلکہ جس کا اثر ہے وہ شرط کا ہونا اور اس کا نہ ہونا ہے اور اس کا شرط فاسد ہونا ہے۔ اور اس کا رشوت ہونا ہے جس طرح تو اقوال کی تعلیل سے جان چکا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر جو دمشق کے دیہاتوں میں واقع ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو دعوت نکاح دیتا ہے وہ اسے لباس بھیجتا ہے، عیدوں کے موقع پر ہدایا بھیجتا ہے، نفقہ اور مہر کے لئے دراہم بھیجتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے مہر کو مکمل کر دیتا ہے اور شب زناف کو ان دراہم پر عقد نکاح کرتا ہے جب عورت اس مرد سے نکاح کرنے سے انکار کر دے تو چاہئے کہ مرد اس سے ایسے ہدیہ کے علاوہ مال واپس لے جو ہلاک ہو چکا ہے گزشتہ چاروں اقوال کی بنا پر۔ کیونکہ یہ تزوج کے ساتھ مشروط ہے جس طرح ''قاضی خان'' نے اسے ثابت کیا ہے اس قول میں جو گزر چکا ہے۔

یہ امر باقی رہ گیا ہے جب وہ مر جائے تو پہلے قول کے مطابق تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ مرد کو مال واپس لینے کا حق ہے۔ جہاں تک تیسرے قول کا تعلق ہے تو کیا اسے انکار کرنے کے ساتھ لاحق کیا جا سکتا ہے؟ میں نے ایسا کوئی قول نہیں دیکھا تاہم واپس کرنا چاہئے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ تیسرے قول کی علت یہ ہے کہ یہ اس ہبہ کی طرح ہے جس میں عوض کی شرط لگائی گئی ہو وہ شادی کرنا ہے جس طرح اس امر کا وہ فائدہ دیتا ہے جو ''حاوی الزاہدی'' میں ''برہان''، ''صاحب المحیط'' کے اشارہ کے ساتھ ہے: سسرال نے داماد کے گھر کچھ کپڑے بھیجے ان سسرال کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ ان کو واپس لیں اگرچہ وہ کپڑے موجود ہوں۔ پھر پوچھا گیا تو کہا: اگر موجود ہوں تو انہیں واپس لینے کا حق ہے۔ ''زاہدی'' نے کہا: تطبیق یوں ہے پہلا بھیجنا زفاف سے قبل تھا پھر یہ زفاف کے لئے حاصل ہوا تو یہ اس ہبہ کی طرح ہے جو عوض کی شرط سے ہے تو وہ عوض حاصل ہو چکا تو وہ واپس نہ لیں گے۔ اور دوسرا زفاف کے بعد ہوا تو واپس لیں گے۔ اسی طرح میں نے ایسا کوئی قول نہیں دیکھا اگر وہ مرد مر گیا یا اس نے انکار کر دیا تو اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

تتمہ: اس امر کا ذکر نہیں کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر مال خرچ کیا پھر نکاح کا فاسد ہونا ظاہر ہو گیا کہ لوگوں نے رضاعت کے بارے میں گواہی دے دی اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی۔ ''الذخیرۃ'' میں ہے: مرد کو وہ مال واپس لینے کا حق حاصل ہے جو اس نے قاضی کے معین کرنے سے خرچ کیا۔ کیونکہ یہ واضح ہو گیا کہ اس نے وہ مال حق کے بغیر لیا۔ اگر اس نے قاضی کی تعیین کے بغیر مال خرچ کیا تو وہ کوئی چیز واپس نہیں لے گا۔

12273۔ (قولہ: بِشَرْطِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہتے: بطمع ان یتزوجھا جس طرح ''البحر'' میں تعبیر کیا ہے۔

12274۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اطلاق کی تفسیر دو مواقع پر ہے جس طرح المصنف کی کلام ان کی شرح میں اس پر

وَإِنْ أَبَتْ فَلَهُ الرُّجُوعُ إِنْ كَانَ دَفَعَ لَهَا، وَإِنْ أَكَلَتْ مَعَهُ فَلَا مُطْلَقًا) بَحْرٌ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ وَفِيهِ عَنِ الْمُبْتَغَى (جَهَّزَ ابْنَتَهُ بِجِهَازٍ وَسَلَّمَهَا ذَلِكَ لَيْسَ لَهُ الِاسْتِرْدَادُ مِنْهَا وَلَا لِوَرَثَتِهِ بَعْدَهُ إِنْ سَلَّمَهَا ذَلِكَ وَفِي صِحَّتِهِ) بَلْ تَخْتَصُّ بِهِ (وَبِهِ يُفْتَى) وَكَذَا لَوِ اشْتَرَاهُ لَهَا فِي صِغَرِهَا وَلْوَالِجِيَّةٌ

اگر وہ انکار کردے تو مرد کو رجوع کا حق ہوگا اگر مرد نے عورت کو دیا ہو۔ اور اگر عورت نے مرد کے ساتھ کھایا ہو تو مطلقاً واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ ''بحر'' میں ''عمادیہ'' سے مروی ہے۔ اس میں ''المبتغی'' سے یہ منقول ہے: باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا اور وہ سامان بیٹی کے سپرد کردیا تو باپ کو واپس لینے کا کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی اس کے بعد اس کے وارثوں کو حق حاصل ہے اگر اس نے وہ سامان اپنی بچی کو اپنی حالت صحت میں دیا ہو بلکہ اس مال کی وہ بچی ہی مالک ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح اگر باپ نے وہ سامان بچی کے نابالغ ہونے کے وقت بچی کے لئے خریدا، ''الولوالجیہ''۔

دلالت کرتی ہے: شرط التزوج او لم یشرطه۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یوں کلام کرتے: بطمع ان یتزوجها تاکہ مذکورہ اطلاق واقع ہوسکے۔ یہی تیسرا قول ہے مصنف نے جس پر متن اور شرح میں اعتماد کیا ہے۔ ''الفیض'' میں کہا: اسی پر فتویٰ ہے۔

12275۔ (قوله: وَإِنْ أَكَلَتْ مَعَهُ فَلَا) کیونکہ یہ اباحت ہے مالک بنانا نہیں یا کیونکہ یہ مجہول ہے اس کی مقدار کا علم نہیں ''تامل''۔ ایسا ہدیہ جو ہلاک ہوچکا ہو یا جسے ہلاک کیا گیا ہو اس کے واپس نہ لینے کی وجہ کو دیکھنا چاہئے جس طرح ہم نے (مقولہ 12272 میں) کہا ہے کہ مخطوبہ اور معتدہ میں کوئی فرق نہیں۔

12276۔ (قوله: بَحْرٌ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ) صحیح یہ ہے: منح عن العمادیہ۔ کیونکہ متن میں جو کچھ ہے اسے ''المنح'' میں ''الفصول العمادیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ان چار اقوال جن کو ہم نے پہلے (مقولہ 12272 میں) بیان کیا ہے ان میں سے تیسرا قول ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو ''البحر'' میں ہے وہ پہلا اور چوتھا قول ہے اور تیسرے قول کو اصلاً ذکر نہیں کیا اور ''العمادیہ'' کی طرف اسے منسوب بھی نہیں کیا۔

12277۔ (قوله: لَيْسَ لَهُ الِاسْتِرْدَادُ مِنْهَا) یہ اس وقت ہے جب عرف ہمیشہ سے یہ چلا آرہا ہو کہ باپ اس قسم کا سامان بطور جہیز دیتا ہے عاریۃً نہیں دیتا جس طرح قریب ہی اس کا ذکر کریں گے۔ جو یہاں ذکر کیا ہے اس سے جو آرہا ہے غنی کردیتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم دیانت کا بیان ہو اور آنے والا قضا کے حکم کا بیان ہو۔

12278۔ (قوله: وَفِي صِحَّتِهِ) یہ اس امر سے احتراز ہے کہ اگر اس نے اپنی مرض موت میں وہ سامان اپنی بچی کو دیا کیونکہ یہ تو وارث کو مالک بنانا ہے اور وارثوں کی اجازت کے بغیر وارث کو مالک بنانا جائز نہیں۔

12279۔ (قوله: وَكَذَا لَوِ اشْتَرَاهُ لَهَا فِي صِغَرِهَا) اگر باپ نے اپنی مرضی سے وہ سامان اپنی بیٹی کو سپرد کیا یا اسے اصلاً سپرد نہ کیا۔ کیونکہ بچی تو اس سامان کی سپرد کرنے سے پہلے ہی مالک بن چکی تھی۔ کیونکہ اس کے باپ نے وہ سامان اس

وَالْحِيلَةُ أَنْ يُشْهِدَ عِنْدَ التَّسْلِيمِ إِلَيْهَا أَنَّهُ إِنَّمَا سَلَّمَهُ عَارِيَةً وَالْأَحْوَطُ أَنْ يَشْتَرِيَهُ مِنْهَا ثُمَّ تُبْرِئَهُ دُرَرٌ (أَخَذَ أَهْلُ الْمَرْأَةِ شَيْئًا عِنْدَ التَّسْلِيمِ فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَسْتَرِدَّهُ) لِأَنَّهُ رِشْوَةٌ (جَهَّزَ ابْنَتَهُ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّ مَا دَفَعَهُ لَهَا عَارِيَةً

حیلہ یہ ہے کہ جب باپ وہ سامان بیٹی کو سپرد کرے تو اس پر گواہ بنائے کہ اس نے یہ سامان بیٹی کو عاریۃً دے دیا ہے۔ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ باپ اس بچی سے وہ سامان خریدے پھر بیٹی باپ کو قرض سے بری کر دے۔ ''درر''۔ عورت والوں نے عورت سپرد کرتے وقت کوئی چیز لی تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ اس کو واپس لے لے۔ کیونکہ یہ رشوت ہے۔ باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز کا مال دیا پھر اس نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے جو مال دیا تھا وہ عاریۃً تھا

کے لئے خریدا تھا۔ جس طرح آگے (مقولہ 12281 میں) آئے گا۔ اگر باپ قیمت دینے سے قبل ہی فوت ہو گیا تو بائع اس کے ترکہ سے اس سامان کی ثمن لے گا اور وارثوں کو اس بچی سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ''ادب الاوصیاء'' میں ''الخانیہ'' وغیرہا سے مروی ہے: باپ نے جب ایک خادم چھوٹے بچے کے لئے خریدا اور اپنے ذاتی مال سے قیمت دی تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرے گا مگر اس صورت میں جب وہ واپسی پر گواہ بنائے۔ اگر مال نقد نہ دیا یہاں تک کہ خود مر گیا اور اس نے گواہ نہ بنائے تھے تو اس کے ترکہ سے ثمن لی جائے گی۔ اور باقی ماندہ وارث اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔

12280۔ (قولہ: وَالْحِيلَةُ) اگر وہ اس مال کو بیٹی سے وارث لینے کا ارادہ کرے۔

12281۔ (قولہ: وَالْأَحْوَطُ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ باپ نے کچھ سامان بچی کی چھوٹی عمر میں اس کے لئے خریدا ہو تو دیانۃً اس اقرار سے کچھ نہیں لے گا۔ جس طرح ''البحر'' اور ''الدرر'' میں ہے۔ اسی طرح اس کے بعد اگر اس نے وہ مال بچی کو سپرد کیا ہو جبکہ وہ بڑی ہو۔

12282۔ (قولہ: عِنْدَ التَّسْلِيمِ) اس کا بھائی وغیرہ اس امر سے انکار کر دے کہ وہ اپنی بہن خاوند کے سپرد کرے یہاں تک کہ وہ خاوند سے کوئی چیز لے۔ اسی طرح اگر وہ اس سے انکار کر دے کہ وہ اس رشتہ دار کی اس کے ساتھ شادی کرے تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ واپسی کا مطالبہ کرے وہ چیز موجود ہو یا ہلاک ہو چکی ہو۔ کیونکہ یہ رشوت ہے۔ ''بزازیہ''۔ ''الحاوی الزاہدی'' میں ''الاسرار'' کے اشارہ سے ہے جو علامہ ''نجم الدین'' کی تالیف ہے: اگر خاوند نے کسی آدمی کو کوئی چیز دی تاکہ مصاہرت کے مصالح کی اصلاح کرے اگر تو وہ آدمی اس قوم سے ہو جن میں اس نے دعوت نکاح دی تھی یا اس قوم سے نہ ہو مگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو اصلاح و فساد کی قدرت رکھتے ہیں اور خاوند نے کہا کہ یہ اصلاح کرانے پر تیری اجرت ہے تو وہ مال واپس نہیں لے سکتا۔ اگر اس نے کہا: یہ تیری اجرت ہے عدم فساد اور عدم سکوت پر تو وہ پھر واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ رشوت ہے۔ اور اجرت عمل کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور سکوت و خاموشی عمل نہیں۔ اگر اس نے یہ نہ کہا کہ یہ اجرت ہے تو وہ مال واپس لے سکتا ہے اگر وہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو اصلاح پر قادر نہیں۔ اگر خاوند نے کہا: یہ عطیہ یا تیری اجرت ہے۔ جانے، آنے، کلام کرنے اور میرے اور میری بیوی کے درمیان گفتگو کرنے پر اجرت ہے تو اسے واپس نہیں لے

وَقَالَتْ هُوَ تَمْلِيكٌ أَوْ قَالَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ بَعْدَ مَوْتِهَا لِيَرِثَ مِنْهُ وَقَالَ الْأَبُ) أَوْ وَرَثَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ (عَارِيَّةٌ فَ) الْمُعْتَمَدُ أَنَّ (الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ وَلَهَا إِذَا كَانَ الْعُرْفُ مُسْتَمِرًّا أَنَّ الْأَبَ يَدْفَعُ مِثْلَهُ جِهَازًا لَا عَارِيَّةً، وَ) أَمَّا (إِنْ مُشْتَرَكًا) كَمِصْرَ وَالشَّامِ (فَالْقَوْلُ لِلْأَبِ)

اور بچی نے کہا: وہ تملیک تھا، یا خاوند نے یہ قول بیوی کے فوت ہونے کے بعد کیا تا کہ اس مال کا وارث بن جائے اور باپ کہے، یا اس (باپ) کے وارث کہیں اس کی موت کے بعد کہ یہ عاریۃً ہے تو جس چیز پر اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ قول خاوند کا ہوگا۔ اور عورت کا قول معتبر ہوگا اگر دائمی عرف یہی ہو کہ باپ اس قسم کا سامان جہیز کے طور پر دیتا ہے عاریۃً نہیں دیتا۔ اور اگر عرف مشترک ہو جس طرح مصر اور شام میں ہے تو قول باپ کا معتبر ہوگا۔

گا۔ اگر اس نے ان میں سے کوئی بات بھی نہ کی تو وہ ہبہ ہوگا تو اسے واپس لینے کا حق ہوگا اگر کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو واپسی کے مطالبہ سے مانع ہو۔

12283۔ (قولہ: وَقَالَتْ هُوَ تَمْلِيكٌ) ''الفتح''، ''البحر'' وغیرہما میں اسی طرح ہے۔ قول عورت کا معتبر ماننے میں اشکال لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس میں باپ کی ملکیت اور باپ کی جانب سے عورت کی ملکیت کے انتقال کا اعتراف ہے۔ ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ عورت نے اگر اقرار کیا کہ یہ سامان ایسا ہے جسے خاوند نے میرے لئے خریدا تھا تو عورت کا قول ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ عورت نے اقرار کر لیا ہے کہ خاوند اس کا مالک ہے پھر اس نے اس کی ملکیت اپنی طرف منتقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ دعویٰ دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں علما نے ظاہر پر عمل کیا ہے جس طرح میاں بیوی گھر کے سامان وغیرہ میں اختلاف کریں جس کا ذکر کتاب الدعویٰ میں باب التحالف کے آخر میں (مقولہ 27819 میں) آئے گا۔ اسی کی مثل وہ مسئلہ ہے جو مہر اور ہدیہ کے دعویٰ میں اختلاف کے بارے میں گزر چکا ہے۔

12284۔ (قولہ: فَالْمُعْتَمَدُ الخ) ''فتح القدیر'' میں اس کو اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے کہ یہ فتویٰ کے لئے مختار قول ہے۔ اس کا مقابل وہ ہے جسے اس سے پہلے نقل کیا ہے: قول عورت کا معتبر ہوگا۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں۔ اس میں ظاہر کی شہادت کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ عادت یہ ہے کہ یہ اسے بطور ہبہ دیا جاتا ہے۔ اور امام ''سرخسی'' نے جسے اختیار کیا ہے: قول باپ کا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ باپ کی جانب سے ہی دیا جاتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ معتمد قول یہ ہوگا کہ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق کی جائے کہ اختلاف لفظی ہے۔

باپ دعویٰ کرے کہ جہیز کا سامان عاریۃً تھا

12285۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْأَبِ) قول باپ کا تسلیم ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔ جس طرح ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' میں ہے۔

....

میں کہتا ہوں: قول باپ کا معتبر ہوگا اس کو اس کے ساتھ مقید کرنا چاہئے جب تمام سامان تجارت باپ کے مال میں سے ہو۔ اگر باپ نے جہیز کا سامان اس مال سے تیار کیا ہو جو اس نے مہر پر قبضہ کیا تھا تو پھر باپ کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ خریداری عورت کے لئے ہوئی تھی جبکہ وہ اس پر راضی تھی تو عرفاً یہ اس کے قائم مقام ہے کہ عورت نے اس کی اجازت دی تھی۔ ہاں اگر سامان مہر کے مال سے زائد ہو تو زائد مال میں قول باپ کا معتبر ہوگا اگر عرف مشترک ہو۔

پھر یہ جان لو کہ ''الاشباہ'' میں کہا: عادت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ عام ہو یا غالب ہو۔ اسی وجہ سے علما نے بیع کے متعلق کہا: اگر ایک آدمی ایک ایسے شہر میں دراہم یا دنانیر کے بدلے کوئی چیز بیچے جس شہر میں نقود مختلف ہیں جبکہ وہ نقدیاں مالیت اور رواج میں مختلف ہیں تو بیع غالب کی طرف پھر جائے گی۔ ''الہدایہ'' میں کہا: یہی متعارف ہے پس مطلقاً اس کی طرف پھر جائے گی۔ انتہیٰ کلام ''الاشباہ''۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا یہ ہے کہ عرف کے دوام سے یہاں مراد اس کا غلبہ ہے اور اس کے اشتراک سے مراد دونوں میں سے ہر ایک کا کثرت سے واقع ہونا ہے۔ کیونکہ جو نادر واقع ہو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس شہر میں لوگوں میں سے ہر فرد پر عرف کے دوام کا عمل ممکن نہیں۔ پس اس بنا پر مسئلہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بعض افراد میں جہیز کے سامان کا عاریۃً واقع ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ شرفاء اور درمیانہ درجہ کے لوگوں میں عام عادت یہی ہے کہ مہر سے زائد جو جہیز کا سامان دیا جاتا ہے اس کا عورت کو مالک بنایا جاتا ہے سوائے شب زفاف کو عورت کو جو زیورات اور لباس پہنایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کثیر یا اکثر عاریۃً ہوتے ہیں۔ اگر بیوی شب زفاف کو مر جائے تو خاوند کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ سامان اس کی بیوی کا ہے بلکہ اس میں قول باپ یا ماں کا ہوگا: یہ عاریۃً ہے یا اسے عورت کے لیے مانگ کر لیا گیا تھا۔ جس طرح شارح کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے: کما لو کان اکثر مما یجهزبه مثلها بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عرف میں جہیز کے مال میں سے نہیں ہوتا۔

ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔ اگر عرف یہ ہو کہ بعض سامان کا مالک بنایا جاتا ہو اور بعض عاریۃً دیا جاتا ہو۔ میں نے سید ''محمد ابی السعود'' کے ''حاشیہ الاشباہ'' میں ''حاشیۃ الغزی'' سے منقول دیکھا ہے: شیخ امام الاجل ''الشہید'' نے کہا: فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ یہ حکم لگایا جائے کہ جہیز کا سامان ملکیت کے طور پر ہے عاریۃً نہیں۔ کیونکہ یہی ظاہر و غالب ہے مگر ایسے شہر میں جس میں یہ عادت ہو کہ تمام سامان عاریۃً دیا جاتا ہو تو اس صورت میں قول باپ کا معتبر ہوگا۔ مگر جب بعض سامان میں یہ عادت ہو کہ جہیز کا سامان عورت کے فوت ہونے کی صورت میں ترکہ ہوگا اس میں ورثاء کا حق متعلق ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔

شاید اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض سامان جس کے متعلق باپ عاریۃً کا دعویٰ کرتا ہے عادت اس کی شاہد نہیں۔ اگر تمام سامان کے بارے میں یہ عادت ہو کہ اسے عاریۃً دیا جاتا ہے تو صورتحال مختلف ہوگی۔ اس میں عورت کے ورثاء کا حق متعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ سب کا سب باپ کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

كَمَا لَوْ أَكْثَرَ مِمَّا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا (وَالْأُمُّ كَالْأَبِ فِي تَجْهِيزِهَا) وَكَذَا وَلِيُّ الصَّغِيرَةِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَاسْتَحْسَنَ فِي النَّهْرِ تَبَعًا لِقَاضِي خَانْ

جس طرح اگر جہیز اس سے زائد ہو جس قدر اس جیسی عورتوں کو جہیز دیا جاتا ہے۔ ماں بچی کو جہیز دینے میں ماں، باپ کی طرح ہے۔ اسی طرح صغیرہ کا ولی ہے ''شرح وہبانیہ''۔ اور ''النہر'' میں مستحسن جانا ہے ''قاضی خان'' کی پیروی کرتے ہوئے۔

تنبیہ: ''بیری'' نے ''شرح الاشباہ'' میں ذکر کیا ہے: علمانے جہیز کے مسئلہ میں جو ذکر کیا ہے یہ اس صورت میں ہے جب نزاع باپ کی جانب سے ہو۔ مگر جب باپ مرجائے اور اس کے ورثاء دعویٰ کریں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جہیز بیٹی کے لئے ہوگا۔ کیونکہ ''الولوالجیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو جہیز کا سامان دیا پھر وہ فوت ہو گیا باقی ورثاء نے اس کی تقسیم کا مطالبہ کیا اگر باپ نے وہ سامان اس کے لئے بچی کی چھوٹی عمر یا اس کی بڑی عمر میں خریدا اور اسے وہ مال باپ کی صحت کی حالت میں سپرد کیا گیا تھا تو وہ مال صرف اس بچی کا ہوگا''

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کہ ''الولوالجیہ'' کا کلام بچی کی ملکیت کے بارے میں ہے کہ باپ نے اس کی چھوٹی عمر میں اسے خریدا اور بڑے ہونے کی حالت میں اسے سپرد کیا۔ اس میں باپ کی موت اور زندگی مین کوئی فرق نہیں۔ اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو مصنف اور شارح کا قول گزرا ہے: لیس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده بے شک گفتگو اس میں ہو رہی ہے کہ خریدنے یا سپرد کرنے کے بعد عاریۃ ہونے کے دعویٰ کو سنا جا رہا ہے۔ اعتماد اس پر ہوگا کہ عرف پر بنا کی جائے جس طرح تو نے جان لیا ہے۔ اس میں بھی باپ کی موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں۔ پس اس کے ورثاء کا دعویٰ اس کے دعویٰ کی طرح ہوگا۔ فتامل۔

12286۔ (قولہ: كَمَا لَوْ كَانَ الخ) ظاہر یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ تمیز دی جائے جو اسے زائد سامان دیا گیا جو اس قسم کی عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں قول باپ کا معتبر ہوگا ورنہ سب میں باپ کا قول ہی معتبر ہوگا، ''رحمتی''۔

12287۔ (قولہ: وَالْأُمُّ كَالْأَبِ) مصنف نے اسے ''فتاوی قاری الہدایہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''ابن وہبان'' نے اسی طرح بحث کی ہے جس طرح آگے (آنے والے مقولہ میں) آئے گا۔

12288۔ (قولہ: وَكَذَا وَلِيُّ الصَّغِيرَةِ) ''ابن وہبان'' نے ''شرح منظومتہ'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ کہا: ''چاہئے کہ حکم اسی طرح ہو اس صورت میں جب ماں یا صغیرہ کا ولی جس کا دعویٰ کریں جب وہ اس صغیرہ کی شادی کرے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس میں عرف جاری ہے۔ لیکن ''ابن شحنہ'' نے اپنی شرح میں کہا: میں کہتا ہوں: ولی میں میرے نزدیک اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔

''البحر'' میں ماں اور دادی میں تردد کا اظہار کیا۔ کہا: جد کا مسئلہ واقعۃ الفتوی ہو گیا ہے اور اس میں کوئی قول منقول نہیں پایا۔ ''رملی'' نے لکھا ہے: بادی الرائی سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ماں اور دادا باپ کی طرح ہیں۔

12289۔ (قولہ: وَاسْتَحْسَنَ فِي النَّهْرِ) کیونکہ کہا: امام ''قاضی خان'' نے کہا ہے: مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جائے:

أَنَّ الْأَبَ إِنْ كَانَ مِنَ الْأَشْرَافِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِنَّهُ عَارِيَّةٌ (وَلَوْ دَفَعَتْ فِي تَجْهِيزِهَا لِابْنَتِهَا أَشْيَاءَ مِنْ أَمْتِعَةِ الْأَبِ بِحَضْرَتِهِ وَعِلْمِهِ وَكَانَ سَاكِتًا وَزُفَّتْ إِلَى الزَّوْجِ فَلَيْسَ لِلْأَبِ أَنْ يَسْتَرِدَّ ذٰلِكَ مِنِ ابْنَتِهِ) لِجَرَيَانِ الْعُرْفِ بِهِ (وَكَذَا لَوْ أَنْفَقَتْ الْأُمُّ فِي جِهَازِهَا مَا هُوَ مُعْتَادٌ وَالْأَبُ سَاكِتٌ لَا تَضْمَنُ) الْأُمُّ، وَهُمَا مِنَ الْمَسَائِلِ السَّبْعِ وَالثَّلَاثِينَ بَلْ الثَّمَانِ وَالْأَرْبَعِينَ عَلَى مَا فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ

باپ اگر اشراف میں سے ہو تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ عاریۃ ہے۔ اگر ماں نے بیٹی کو جہیز میں کچھ چیزیں باپ کے سامان میں سے دیں جبکہ باپ حاضر تھا اور اس کو علم تھا جبکہ باپ خاموش رہا اور بیٹی خاوند کے گھر بھیج دی گئی تو باپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ بیٹی سے اس سامان کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ اس کے بارے میں عرف جاری ہے۔ اسی طرح اگر ماں نے بچی کے جہیز میں وہ مال خرچ کیا جو عام معمول ہے جبکہ باپ خاموش رہا تو ماں ضامن نہ ہوگی۔ یہ دونوں مسائل ان سینتیس (۳۷) مسائل میں سے بلکہ اڑتالیس مسائل میں سے ہیں جس طرح ''زواہر الجواہر'' میں ہے

اگر باپ اشراف میں سے ہو تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا یہ عاریۃ ہے اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو بیٹیوں کو اس جیسا سامان نہیں دیتے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ میری زندگی کی قسم یہ بہت اچھی بات ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ معتمد قول کے مغایر نہیں۔ یہ اس امر کی تفصیل اور بیان ہے کہ بعض شہروں میں جو مشترک عرف پایا جاتا ہے وہ اشراف کے علاوہ لوگوں میں ہے۔

12290۔(قولہ: وَعِلْمِهِ) یہ عطف تفسیری ہے۔ دارومدار اسی پر ہے کہ علم ہو اس کے بعد خاموشی پائی جائے اگرچہ وہ غائب ہو۔

12291۔(قولہ: وَزُفَّتْ إِلَى الزَّوْجِ) اس کے ساتھ قید لگائی کیونکہ بالغہ کو مالک بنانا سپرد کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ عادۃً زفاف کے ساتھ متحقق ہوتا ہے کیونکہ اس وقت جہیز کا سامان عورت کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ فافہم۔

12292۔(قولہ: مَا هُوَ مُعْتَادٌ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ معتاد سے زائد ہو تو اس کا سکوت رضا نہیں ہوگا۔ پس ماں اس کی ضامن ہوگی۔ کیا وہ تمام کی ضامن ہوگی یا قدر زائد کی ضامن ہوگی یہ محل تردد ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے دوسرے کو جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

12293۔(قولہ: السَّبْعِ وَالثَّلَاثِينَ) ''ح'' نے کہا: ہم پہلے ''باب الولی'' میں ''الاشباہ'' سے بیان کر چکے ہیں۔

12294۔(قولہ: عَلَى مَا فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ) یعنی ''حاشیۃ الاشباہ'' جو شیخ ''صالح'' کا ہے جو ''التنویر'' مصنف کے بیٹے کی تالیف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''الاشباہ'' پر تیرہ (13) مسائل کا اضافہ کیا ہے شارح نے جنہیں کتاب الوقف میں ذکر کیا ہے، ''ح''۔

الَّتِي السُّكُوتُ فِيهَا كَالنُّطْقِ (فرع) لَوْ زُفَّتْ إِلَيْهِ بِلَا جَهَازٍ يَلِيقُ بِهِ فَلَهُ مُطَالَبَةُ الْأَبِ بِالنَّقْدِ قُنْيَةٌ، زَادَ فِي الْبَحْرِ عَنِ الْمُبْتَغَى إِلَّا إِذَا سَكَتَ طَوِيلًا فَلَا خُصُومَةَ لَهُ، وَلَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْأَبِ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْمَالَ فِي النِّكَاحِ غَيْرُ مَقْصُودٍ

جن میں خاموشی بولنے کی طرح ہوتی ہے۔ اگر بیوی کو خاوند کے پاس بھیج دیا گیا ایسے سامان کے بغیر جو خاوند کے مناسب تھا تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ بیوی کے باپ سے نقدی کا مطالبہ کرے۔ ''قنیہ''۔ ''البحر'' میں ''المبتغی'' سے یہ زائد ذکر کیا ہے: مگر جب خاوند طویل وقت تک خاموش رہے تو اسے خصومت کا کوئی حق نہیں۔ لیکن ''النہر'' میں ''البزازیہ'' سے یہ مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا۔

12295۔ (قولہ: يَلِيقُ بِهِ) ''البحر'' میں ''المبتغی'' سے جو روایت منقول ہے اس میں ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے جو خاوند نے بیوی کے باپ کی طرف دراہم و دنانیر بھیجے پھر کہا: معتبر وہ سامان ہے جو خاوند کے لئے تیار کیا جاتا ہے نہ کہ وہ جو بیوی کے لئے بنایا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بھیجا جانے والا سامان وہ ہے جسے عجمیوں کے عرف میں دستیمان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس طرح آگے (مقولہ 15974 میں) آئے گا۔

12296۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا سَكَتَ طَوِيلًا) شارح نے کتاب الوقف میں کہا: اگر زفاف کے بعد ایک زمانہ تک خاوند خاموش رہا جس کے ساتھ خاوند کی رضامندی پہچانی جاسکتی ہے تو خاوند کو اسکے بعد جھگڑا کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا اگرچہ خاوند کیلئے کوئی چیز بھی نہ بنائی گئی ہو۔ ''ح''۔ ان کے قول یعرف سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لمبا، چھوٹا ہونے میں معتبر عرف ہے۔

مرد نے عورت سے شادی کی اور اسے تین ہزار دینار دیئے تو باپ کو مطالبہ کا حق حاصل ہے

12297۔ (قولہ: لَكِنْ فِي النَّهْرِ الخ) اسی کی مثل ''جامع الفصولین'' اور ''لسان الحکام'' میں فتاوی ''ظہیر الدین المرغینانی'' سے منقول ہے۔ ''الحامدیہ'' میں اسی پر فتویٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: ''البزازیہ'' میں ایسی گفتگو ہے جو تطبیق کا فائدہ دیتی ہے جب کہا: مرد نے عورت سے شادی کی اور اسے تین ہزار دینار دستیمان دیئے جبکہ وہ ایک خوشحال آدمی کی بیٹی تھی۔ باپ نے اپنی بچی کو جہیز کا سامان نہ دیا تو امام ''جمال الدین'' اور صاحب ''المحیط'' نے فتویٰ دیا کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ عرف و عادت میں جتنا سامان ایسی بچی کو دیا جاتا ہے اتنا باپ سے مطالبہ کرے یا دستیمان کا مطالبہ کرے۔ کہا: یہ ائمہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ امام ''مرغینانی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ خاوند کسی چیز کو واپس نہیں لے سکتا۔ کیونکہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا۔ خوارزم کے بعض ائمہ اعتراض کرتے ہیں کہ دستیمان ہی مہر معجل ہے جس طرح ''کافی'' وغیرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پس وہ مال عورت کی ذات کے بالمقابل ہے یہاں تک کہ عورت اس کو پورا پورا لینے کے لئے خاوند کو اپنی ذات سے انتفاع سے روک سکتی ہے۔ تو خاوند جہیز کے سامان کا کیسے مطالبہ کر

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

سکتا ہے جبکہ ایک شے کے دو عوض کیسے ہو سکتے ہیں؟ ''الفقیہ'' نے ''الاستاذ'' سے نقل کرتے ہوئے اس کا جواب دیا کہ دستیمان کو جب عقد میں داخل کر دیا جائے تو وہی مہر معجّل ہوگا۔ جس کا تو نے ذکر کیا ہے اگر اسے عقد میں شامل نہ کیا گیا اور اس پر عقد نہ ہوا تو وہ عوض کی شرط پر ہبہ کی طرح ہوگا۔ یہی وہ چیز ہے جو ہم نے کہی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے: اگر دستیمان کا عقد میں ذکر نہ کیا اور جہیز کے بغیر بیوی خاوند کے پاس بھیج دی گئی اور خاوند کئی دن تک خاموش رہا تو اسے جہیز کے سامان کا دعویٰ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس کا احتمال تھا اور وہ اتنا عرصہ تک خاموش رہا جو اختیار و پسند کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس نے اس امر پر دلالت کی کہ غرض جہیز کا سامان نہیں۔

فائدہ: یہاں جہیز کے سامان کا جو تذکرہ ہے اس سے مراد وہ سامان ہے جو خاوند کے لئے بیوی کا والد یا اس کے اولیاء بھیجتے ہیں۔ ''مترجم''۔

اس کا ماحاصل یہ ہے اس معجّل سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ وہ مہر معجّل ہی ہو جس طرح ''کافی'' کا کلام وہم دلاتا ہے یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ یہ اس کی ذات کا مقابل ہے اس کے سامان کا مقابل نہیں۔ بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اسے مہر سے بنایا جائے جس پر عقد ہوا ہے تو وہ مہر معجّل ہوگا۔ وہ عورت کی ذات کے مقابل ہوگا ورنہ وہ عادۃً جہیز کے سامان کے مقابل ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ زفاف کے بعد خاموش رہا اور اس نے اس سامان کا مطالبہ نہ کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے وہ مال بطور احسان دیا تھا۔ کسی عوض کا کوئی مطالبہ نہ تھا یہ بہت اچھی تعبیر ہے۔ اس کے ساتھ تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ اختلاف جاری ہوگا اس صورت میں جب اس مال پر عقد کیا گیا ہو۔ کیونکہ اگرچہ یہ ذکر کیا گیا کہ یہ مہر ہے لیکن عادۃً یہ معلوم ہو کہ اس مال کی زیادتی زیادہ سامان کی وجہ سے ہے تو یہ معنوی طور پر اس (سامان) کا بدل ہوگا۔ اسی وجہ سے جس کو جہیز کا سامان نہیں دیا جاتا اس کا مہر جہیز والی کے مہر سے کم ہوتا ہے اگرچہ وہ عورت پہلی عورت سے زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب خاوند نے اس کی تصریح کر دی کہ یہ عورت کا مہر ہے۔ مہر وہ ہوتا ہے جو بضعہ کا بدل ہو جو نکاح کا مقصود اصلی ہوتا ہے جہیز کا سامان مقصود اصلی نہیں ہوتا تو معنی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ باب النفقہ میں ان شاء اللہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت (مقولہ 15978 میں) آئے گی ان شاء اللہ۔ ہمارے زمانہ میں یہ معروف نہیں بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز کا سامان عورت کے لئے ہوتا ہے۔ جب خاوند اسے طلاق دیتا ہے تو عورت جہیز کا پورا سامان لے لیتی ہے اور جب عورت فوت ہوتی ہے تو اس مال کو عورت کے ورثہ کے طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

خاوند مہر میں اضافہ اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے گھر کی تزئین کرے اور جب عورت فوت ہو جائے تو وہ مال اس کی طرف یا اس کی اولاد کی طرف لوٹ آئے۔ یہ مسئلہ اس کی مثل ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے عورت کے مہر مثل سے زائد پر عقد نکاح کیا اس شرط پر کہ وہ باکرہ ہے جبکہ وہ عورت ثیبہ تھی تو اس بارے میں اختلاف (مقولہ 12085 میں)

(نَکَحَ ذِمِّیٌّ) أَوْ مُسْتَأْمِنٌ (ذِمِّیَّةً أَوْ حَرْبِیٌّ حَرْبِیَّةً ثَمَّةَ بِمَیْتَةٍ أَوْ بِلَا مَهْرٍ بِأَنْ سَکَتَا عَنْهُ أَوْ نَفَیَاهُ وَ) الْحَالُ أَنَّ (ذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فَوُطِئَتْ أَوْ طُلِّقَتْ قَبْلَهُ أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَا مَهْرَلَهَا) لَوْ أَسْلَمَا أَوْ تَرَافَعَا إِلَیْنَا

ایک ذمی یا مستامن نے ذمی عورت سے نکاح کیا یا ایک حربی مرد نے حربی عورت سے دار الحرب میں نکاح کیا مردار پر یا مہر کے بغیر اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں اس سے خاموش ہو گئے یا دونوں نے اس کی نفی کی جبکہ حال یہ ہے کہ یہ ان کے نزدیک جائز ہے اس عورت سے حقوق زوجیت ادا کئے گئے یا اس سے قبل ہی اسے طلاق دے دی گئی یا اس کا خاوند فوت ہو گیا تو اس عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا اگر چہ وہ دونوں مسلمان ہو جائیں یا دونوں اپنا جھگڑا ہمارے سامنے پیش کریں۔

گزر چکا ہے کہ زیادتی لازم ہوگی یا لازم نہ ہوگی۔ وہ اسی اختلاف پر مبنی ہے جو اختلاف اس مسئلہ میں ہے۔ یہ بات پہلے (مقولہ 12085 میں) گزر چکی ہے کہ جس امر کو ترجیح ہے وہ لزوم ہے۔ اسی وجہ سے یہاں جس کی تصحیح ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کو واپس نہیں لیا جائے گا جس طرح ''المرغینانی'' سے منقول قول گزر چکا ہے۔

کفار کا مہر

12298۔ (قولہ: نَکَحَ ذِمِّیٌّ الخ) جب مسلمانوں کے مہر کے مسائل سے فارغ ہو گئے تو کفار کے مہر کا ذکر کیا۔ ان کے نکاح کا بیان آئے گا۔ قولہ: او مستامن، یہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر مصنف کافر کے لفظ سے تعبیر کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہاں مستامن ذمی کی طرح ہے۔ ''نہر'' میں ''عنایہ'' سے مروی ہے۔

12299۔ (قولہ: ثَمَّةَ) یعنی دار الحرب میں۔

12300۔ (قولہ: بِمَیْتَةٍ) اس سے مراد وہ چیز ہے جو مال نہ ہو جیسے دم (خون) وغیرہ، ''بحر''۔

12301۔ (قولہ: ذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ) یعنی جب وہ مہر کی نفی کر دیں یا ایسی چیز مہر کے طور پر ذکر کریں جو مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں تو ان کے نزدیک مہر مثل لازم نہیں ہوگا۔

12302۔ (قولہ: قَبْلَهُ) یعنی وطی سے پہلے۔

12303۔ (قولہ: فَلَا مَهْرَلَهَا) یہ ''امام اعظم'' کا قول ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے لئے مہر مثل ہے جب وہ عورت سے حقوق زوجیت ادا کرے یا خاوند اس سے فوت ہو جائے۔ اور متعہ لازم ہوگا اگر خاوند نے وطی سے پہلے طلاق دے دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مردار اور خاموش رہنے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح ترین یہ ہے کہ سب میں اختلاف ہے، ''ہدایہ''۔ لیکن ''الفتح'' میں ہے: ظاہر روایت یہ ہے جب مہر سے سکوت کیا ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ نکاح معاوضہ ہے جب تک عوض کی نفی صراحۃً نہ کی گئی ہو تو عورت کے لئے خاوند پر لازم ہوگا۔ اور مردار کا ذکر خاموش ہونے کی طرح ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک مال نہیں تو اس کا ذکر لغو ہے، ''نہر''۔

12304۔ (قولہ: لَوْ أَسْلَمَا الخ) لو وصلیہ ہے۔ ''الفتح'' کی عبارت ہے: ولو اسلما او رفع احدھما الینا او

لِأَنَّا أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَا يَدِينُونَ (وَتَثْبُتُ) بَقِيَّةُ (أَحْكَامِ النِّكَاحِ فِي حَقِّهِمْ كَالْمُسْلِمِينَ مِنْ وُجُوبِ النَّفَقَةِ فِي النِّكَاحِ وَوُقُوعِ الطَّلَاقِ وَنَحْوِهِمَا) كَعِدَّةٍ وَنَسَبٍ وَخِيَارِ بُلُوغٍ وَتَوَارُثٍ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ وَحُرْمَةِ مُطَلَّقَةٍ ثَلَاثًا وَنِكَاحِ مَحَارِمَ

کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم انہیں اور جو وہ اعتقادات رکھتے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ ان کے حق میں نکاح کے باقی احکام ثابت ہوں گے جس طرح مسلمانوں کے لئے احکام ثابت ہوتے ہیں جس طرح نکاح میں نفقہ کا واجب ہونا اور طلاق وغیرہما کا واقع ہونا جس طرح عورت، نسب، خیار بلوغ، نکاح صحیح کے ساتھ باہم وارث بننا، تین طلاقیں دینے کی وجہ سے ان میں جدائی کرنا اور محارم کے ساتھ نکاح کرنا۔

ترافعا یہ نہیں کہا: یا ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ سمجھ آجاتا ہے۔

12305۔ (قولہ: لِأَنَّا أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ) یہ ترک اعراض ہے ترک تقریر نہیں۔ یعنی ہم اعراض کریں گے اس کا یہ مطلب نہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں ہم اس کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ قولہ و ما یدینون واؤ عاطفہ ہے یا واؤ مصاحبت کے لئے ہے۔ ہم انہیں شراب پینے، خنزیر کھانے اور ان کو خرید و فروخت سے نہیں روکیں گے۔ ''طحطاوی'' نے ''ابوسعود'' سے نقل کیا ہے۔

12306۔ (قولہ: وَتَثْبُتُ بَقِيَّةُ أَحْكَامِ النِّكَاحِ) یعنی اگر وہ ان کا اعتقاد رکھیں یا ہمارے پاس جھگڑا لے کر آئیں، ''ط''۔

12307۔ (قولہ: كَعِدَّةٍ) یعنی اگر مرد نے عورت کو طلاق دے دی اور اسے حکم دیا کہ عدت ختم ہونے تک گھر میں رہے اور معاملہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم اس بارے میں فیصلہ کریں گے۔ اسی طرح اگر عورت نے عدت کا نفقہ طلب کیا تو ہم خاوند پر عدت کا نفقہ لازم کر دیں گے، ''رحمتی''۔

12308۔ (قولہ: وَنَسَبٍ) یعنی اس کے بچہ کا نسب ان تمام صورتوں میں ثابت ہوگا جن صورتوں میں ہمارے درمیان بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے، ''رحمتی''۔

12309۔ (قولہ: وَخِيَارِ بُلُوغٍ) یعنی چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کے لئے خیار بلوغ ثابت ہوگا جب عقد نکاح کرنے والا باپ اور دادا کے علاوہ ہو، ''ط''۔

12310۔ (قولہ: وَتَوَارُثٍ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ) جب وہ اسلام لے آئیں تو دونوں کو اس پر ثابت رکھا جائے گا۔ محرم کا نکاح یا مسلمان کی عدت میں نکاح کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ جس طرح الفرائض میں (مقولہ 37500 میں) آئے گا۔

12311۔ (قولہ: وَحُرْمَةِ مُطَلَّقَةٍ ثَلَاثًا الخ) دونوں میں تفریق کر دی جائے گی جب تین طلاقیں دی گئی ہوں اگرچہ ایک اپنا مسئلہ قاضی کے سامنے اٹھائے، اگر دونوں محرم ہوں تو جب دونوں مسئلہ پیش کریں گے تو جدائی کی جائے گی جس طرح نکاح الکافر میں (مقولہ 12577 میں) آئے گا۔

(وَإِنْ نَكَحَهَا بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ عَيْنٍ) أَيْ مُشَارٍ إلَيْهِ (ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَبْضِ فَلَهَا ذَلِكَ) فَتُخَلِّلُ الْخَمْرَ وَتُسَيِّبُ الْخِنْزِيرَ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَهَا نِصْفُهُ (وَ) لَهَا (فِي غَيْرِ عَيْنٍ) قِيمَةُ الْخَمْرِ وَمَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْخِنْزِيرِ، إذْ أَخْذُ قِيمَةِ الْقِيَمِيِّ كَأَخْذِ عَيْنِهِ

اگر اس نے عورت سے معین شراب یا معین خنزیز پر عقد نکاح کیا یعنی جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا پھر دونوں مسلمان ہو گئے یا ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے تو عورت کے لئے وہی چیز ہو گی جو معین کی گئی تھی۔ پس وہ شراب کو سرکہ بنالے اور خنزیر کو چھوڑ دے۔ اگر مرد نے حقوق زوجیت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو اسے مقرر کردہ مہر کا نصف ملے گا۔ اور جب معین نہ ہوں تو شراب کی قیمت اور خنزیر میں مہر مثل ہو گا۔ کیونکہ ذوات القیم کی قیمت لینا اسی طرح ہے جس طرح اس کے عین کو لینا ہے۔

12312۔(قولہ: قَبْلَ الْقَبْضِ) جہاں تک مہر پر قبضہ کے بعد کا تعلق ہے تو عورت کا وہی حق ہے جس پر اس نے قبضہ کیا اگر چہ عقد کے وقت معین نہ ہو، ''نہر''۔

12313۔(قولہ: فَلَهَا ذَلِكَ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عورت کو معین اور غیر معین دونوں صورتوں میں مہر مثل ملے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دونوں صورتوں میں عورت کو معین کی قیمت ملے گی، ''نہر''۔

12314۔(قولہ: وَتُسَيِّبُ الْخِنْزِيرَ) ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ خنزیر کو قتل کر دے۔

12315۔(قولہ: وَلَوْ طَلَّقَهَا الخ) ''الفتح'' میں کہا: اگر حقوق زوجیت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو معین مہر میں عورت کو اس کا نصف ملے گا۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور غیر معین میں شراب میں عورت کو اس کی نصف قیمت ملے گی اور خنزیر میں متعہ ملے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو ہر حال میں نصف قیمت ملے گی۔ کیونکہ آپ نے قیمت کو واجب کیا ہے تو قیمت نصف ہو گی۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبکہ آپ مہر مثل کو واجب کرتے ہیں عورت کے لئے متعہ ہو گا کیونکہ مہر مثل نصف نہیں ہوتا۔

مثلی چیز میں مثلی اور ذوات القیم میں قیمت لینا عین لینے کے قائم مقام ہے

12316۔(قولہ: إذْ أَخْذُ قِيمَةِ الْقِيَمِيِّ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے: مثلی چیز میں مثل اور ذوات القیم میں قیمت لینا عین لینے کے قائم مقام ہے۔ شراب مثلی ہے اور اس کی قیمت لینا اس کے عین کے لینے کی طرح نہیں۔ مگر ذوات القیم میں قیمت لینا جس طرح خنزیر ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اس میں مہر مثل کو واجب کیا ہے۔ اس پر اعتراض وارد کیا گیا کہ اگر ایک ذمی دوسرے سے ایک گھر خنزیر کے بدلے خریدے تو اس کو مسلمان شفیع خنزیر کی قیمت کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ خنزیر کی قیمت اس کے عین کی طرح ہے اگر قیمت اس کا بدل ہو جس طرح نکاح کا مسئلہ ہے۔ اور شفعہ میں قیمت یہ گھر کا بدل ہے خنزیر کا بدل نہیں۔ قیمت کی طرف رجوع کیا گیا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ اس کا انداز ہ

فُرُوعٌ: اَلْوَطْءُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لَا يَخْلُو عَنْ حَدٍّ أَوْ مَهْرٍ إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ

دارالاسلام میں وطی حد یا مہر سے خالی نہ ہوگی مگر دو مسئلوں میں:

لگایا جاتا ہے کسی اور چیز کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا نکاح میں بھی قیمت غیر کا بدل ہے جو بضعہ ہے اور اس قیمت کی طرف رجوع اندازہ لگانے کے لئے ہے۔ علما نے کہا اس کا جواز یہ ہے کہ اگر وہ اسلام سے قبل خنزیر کی قیمت لایا تو اس عورت کو اس کے قبول پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی قیمت کا حکم وہی ہے جو اس کے عین کا حکم ہے۔ پس قیمت اس تسمیہ کے موجبات میں سے ہے اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ قیمت کا لینا متعذر ہو گیا۔ پس ہم نے اس چیز کو واجب کر دیا جو اس کے موجبات میں سے نہیں۔ وہ مہر مثل ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خنزیر کی قیمت جو خنزیر کا بدل ہے یہ نکاح میں اس کے عین کے قائم مقام ہے۔ اسی وجہ سے عورت کو اسلام قبول کرنے سے پہلے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا نہ کہ بعد میں۔ مگر گھر کا مسئلہ مختلف ہے۔ اور اگر فرق کو تسلیم نہ کیا جائے تو بعض اوقات اس کا جواب اس سے دیا جاتا ہے جو زکوٰۃ کے آخر میں باب العاشر میں (مقولہ 8300 میں) گزرا ہے کہ گھر کے شروع میں قیمت کے ساتھ لینے کا جواز یہ شفیع کے حق کی وجہ سے ہے یہاں ایسی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مہر مثل واجب کرنا ممکن ہے۔

دارالاسلام میں وطی حد یا مہر سے خالی نہیں ہوگی

12317۔ (قولہ: اَلْوَطْءُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ) جب وہ ملک یمین کے بغیر ہو اور اس قول کے ساتھ اس وطی سے احتراز کیا ہے جو دارالحرب میں ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی حد نہیں۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔

12318۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ) ''الاشباہ'' میں نکاح کے باب میں اسی طرح ہے۔ اور اس میں حشفہ کے چھپ جانے کے احکام میں ہے: مستثنیٰ آٹھ مسائل ہیں یہاں ان پر اضافہ کیا ہے: جب ذمیہ کا نکاح مہر کے بغیر کیا گیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے اور ان کا اعتقاد یہ تھا کہ کوئی مہر نہیں ہوگا تو کوئی مہر نہیں ہوگا۔ آقا جب اپنی لونڈی کا عقد نکاح اپنے غلام سے کر دے تو صحیح ترین قول یہ ہے کہ کوئی مہر نہیں ہوگا۔ غلام جب شبہ کی وجہ سے مالکہ سے وطی کر بیٹھا تو کوئی مہر نہیں ہوگا یہ ان کے اس قول سے اخذ کیا گیا جو اس مسئلہ سے قبل میں ہے کہ آقا اپنے غلام پر دین واجب نہیں کر سکتا اسی طرح اگر اس نے کسی حربی عورت سے وطی کی، یا ایسی لونڈی سے وطی کی جو اس کے لئے وقف کی گئی تھی یا اس نے ایسی لونڈی سے وطی کی جو اس کے پاس رہن رکھی گئی تھی۔ اس نے راہن کی اجازت سے وطی کو حلال جانتے ہوئے وطی کی۔ کہا: چاہئے کہ آخری تین صورتوں میں کوئی مہر نہ ہو اور میں نے اس قول کو اب تک نہیں دیکھا۔

''حموی'' نے ''البحر'' کے حدود کے باب میں اس نوع میں یہ قول نقل کیا ہے کہ جس میں شبہ محل کی وجہ سے کوئی حد نہیں ہو

صَبِیٌّ نَکَحَ بِلَا إِذْنٍ وَ طَاوَعَتْهُ، وَبَائِعٍ أَمَتَهُ
ایک بچہ جو ولی کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کرے اور بیوی نے اسے اپنے اوپر قدرت دی، اور اپنی لونڈی کو بیچنے والا

گی: اس نوع میں یہ بھی ہے کہ وہ لونڈی جسے بیع فاسد کے ساتھ بیچا گیا قبضہ سے پہلے اس سے وطی کرنا اس میں کوئی حد نہیں ہوگی کیونکہ بائع کی ملکیت باقی ہے یا قبضہ کے بعد کیونکہ اسے عقد کو توڑنے کا حق ہے۔ پس اسے اس میں ملکیت کا حق ہوگا۔ اسی طرح ایسی لونڈی جسے خیار شرط کے ساتھ بیع کیا گیا ہو جس میں بائع کو خیار ہو کیونکہ اس کی ملکیت باقی ہے یا مشتری کو خیار ہو کیونکہ ابھی تک وہ لونڈی مکمل طور پر بائع کی ملکیت سے نہیں نکلی۔

''حموی'' نے کہا: کیا ان چار صورتوں میں مہر نہیں ہوگا؟ شارح کا مطلق صورت میں کلام کرنا اس کا شعور دلاتا ہے۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے وہ لونڈی کے بیع کے مسئلہ میں داخل ہے جبکہ اسے ابھی سپرد نہ کیا گیا ہو تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اسی طرح لونڈی ہے جسے بیچا گیا ہو اور بائع کو اس کا خیار ہو۔ کیونکہ بائع کا اس کے ساتھ وطی کرنا یہ بیع کو فسخ کرنا ہے مگر وہ لونڈی جس کو بیع فاسد کے ساتھ بیچا گیا ہو قبضہ کے بعد اس کے ساتھ بائع وطی کرے تو چاہئے کہ مہر لازم ہوگا۔ کیونکہ وطی غیر کی ملکیت میں واقع ہوئی۔ اسی طرح جس لونڈی کو بیچا گیا ہو اس میں مشتری کا خیار ہو اگر مشتری بیع کو نافذ کردے۔ فافہم۔

قریب البلوغ لڑکے نے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی تو اس کا حکم

12319۔ (قولہ: صَبِیٌّ نَکَحَ الخ) ''الخانیہ'' میں ہے: ایسا لڑکا جو قریب البلوغ ہو جب اس نے ولی کی اجازت کے بغیر ایک عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے اس کے باپ نے اس کے نکاح کو رد کردیا تو علما نے کہا: بچے پر حد اور مہر لازم نہیں ہوگا۔ جہاں تک حد کا تعلق ہے اس کے لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابھی بچہ ہے جہاں تک مہر کے لازم نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے اپنا نکاح اس بچے کے ساتھ کیا جس کے بارے میں عورت کو علم تھا کہ اس بچے کا نکاح نافذ نہیں ہوگا تو وہ عورت اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہوگئی۔

اسی طرح اگر اس نے ثیبہ کے ساتھ بدکاری کی جبکہ وہ سوئی ہوئی تھی تو اس پر کوئی حد نہیں ہوگی اور نہ ہی مہر ہوگا یا اس نے باکرہ بالغہ کے ساتھ بدکاری کی جس نے اسے دعوت دی اور اس بچے نے اس کا پردہ بکارت زائل کردیا۔ اور اس پر مہر لازم ہوگا اگر اس عورت کو مجبور کیا گیا یا وہ صغیرہ تھی یا لونڈی تھی اگرچہ اس عورت کے امر سے ہو کیونکہ صغیرہ کا امر صحیح نہیں ہوتا کہ اس کا حق ساقط کردیا جائے اور لونڈی کا رد صحیح نہیں ہوتا مولی کے حق کو ساقط کرنے میں۔ اگر وہ بچہ اس کا اقرار کرے تو اس پر کوئی مہر لازم نہیں ہوگا۔ ہندیہ ملخصا۔

12320۔ (قولہ: وَبَائِعٍ أَمَتَهُ) جب بائع نے لونڈی سے وطی کی ابھی اس نے مشتری کے حوالے نہ کی تھی اس پر

قَبْلَ تَسْلِيمٍ، وَيَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ مَا قَابَلَ الْبَكَارَةَ وَإِلَّا فَلَا تَدَافَعَتْ جَارِيَةٌ مَعَ أُخْرَى فَأَزَالَتْ بَكَارَتَهَا لَزِمَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ لِأَبِي الصَّغِيرَةِ الْمُطَالَبَةُ بِالْمَهْرِ، وَلِلزَّوْجِ الْمُطَالَبَةُ بِتَسْلِيمِهَا إِنْ تَحَمَّلَتْ الرَّجُلَ

جبکہ ابھی اس نے لونڈی مشتری کے سپرد نہ کی ہو۔ اور ثمن میں سے اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی جو بکارت کے مقابل ہے ورنہ نہیں۔ ایک بچی نے دوسری بچی کو دھکیلا تو اس دوسری بچی کا پردہ بکارت زائل کر دیا تو دھکیلنے والی بچی پر مہر مثل لازم ہو جائے گا۔ صغیرہ کے باپ کو مہر کے مطالبہ کا حق ہے اور خاوند کو حق حاصل ہے کہ بیوی کے باپ سے سپرد کرنے کا مطالبہ کرے اگر وہ خاوند کو برداشت کر سکتی ہو۔

کوئی حد نہیں ہوگی۔ اس پر کوئی مہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ شبہ محل میں سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ضمان اور قبضہ میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ لونڈی ہلاک ہو جاتی تو وہ بائع کی ملکیت کی طرف لوٹ آتی اور خراج ضمان کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس پر مہر واجب ہوتا تو وہ خود ہی اس کا مستحق ہوتا۔

12321۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ) مشتری سے اتنی ثمن ساقط ہو جاتی اور اس کے لئے خیار ثابت ہوتا جس طرح اگر وہ لونڈی کا کوئی جز تلف کر دیتا، ''الولوالجیہ''۔

12322۔ (قولہ: وَإِلَّا فَلَا) اگر وہ باکرہ نہ ہو تو کوئی چیز ساقط نہ ہوگی اور اسے کوئی خیار بھی نہیں ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسے خیار ہوگا، ''الولوالجیہ''۔

12323۔ (قولہ: تَدَافَعَتْ جَارِيَةٌ الخ) اس بارہ میں گفتگو باب کے شروع میں (مقولہ 11898 میں) گزر چکی ہے۔

صغیرہ کے باپ کو مہر طلب کرنے کا اختیار ہے

12324۔ (قولہ: لِأَبِي الصَّغِيرَةِ الْمُطَالَبَةُ بِالْمَهْرِ) اگرچہ خاوند اس سے لطف اندوز نہ ہوتا ہو جس طرح ''بحر'' میں ''التجنیس'' سے مروی ہے۔ صغیرہ قید نہیں۔ ''ہندیہ'' میں ہے: باپ، دادے اور قاضی کو باکرہ کے مہر پر قبضہ کا حق حاصل ہے وہ صغیرہ ہو یا بڑی ہو۔ مگر جب وہ اسے ایسا کرنے سے منع کر دے جبکہ وہ بالغ ہو تو منع کرنا صحیح ہوگا۔ دوسروں کو اس کے مہر پر قبضہ کا حق حاصل نہیں۔ وصی صغیرہ کے مہر پر قبضہ کر سکتا ہے۔ ثیبہ بالغہ کو اپنے مہر پر قبضہ کا حق ہے دوسرا کوئی اس کے مہر پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

ولیس لغیرھم کا قول ماں کو بھی شامل ہے اسے مہر پر قبضہ کا حق نہیں مگر جب وہ وصیہ ہو جب وہ بالغ ہوگی تو اپنی ماں سے مطالبہ کرے گی خاوند سے مطالبہ نہیں کرے گی، جس طرح ''ہندیہ'' اور ''طحطاوی'' میں بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ ماں سے مطالبہ کرے گی جب ماں کے اقرار کے بغیر قبضہ ثابت ہو کیونکہ ''البزازیہ'' وغیرھا میں ہے: بچی بالغ ہوئی اور خاوند سے مہر کا مطالبہ کیا خاوند نے دعویٰ کیا کہ اس نے اس کا مہر اس کے بچپنے میں باپ کو دے دیا تھا اور باپ

قَالَ الْبَزَّازِيُّ وَلَا يُعْتَبَرُ السِّنُّ، فَلَوْ تَسَلَّمَهَا فَهَرَبَتْ لَمْ يَلْزَمْهُ طَلَبُهَا، خَدَعَ امْرَأَةً وَأَخَذَهَا حُبِسَ إِلَى أَنْ يَأْتِيَ بِهَا وَيُعْلَمَ مَوْتُهَا الْمَهْرُ مَهْرُ السِّرِّ، وَقِيلَ الْعَلَانِيَةِ

''بزازی'' نے کہا: عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر باپ نے اپنی بچی خاوند کے حوالے کردی پھر وہ بچی بھاگ گئی تو خاوند پر اس کی تلاش لازم نہیں ہوگی۔ ایک مرد نے عورت سے دھوکہ کیا اور اسے اپنی گرفت میں لے گیا تو ایسے مرد کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس عورت کو لے آئے یا اس عورت کی موت کا علم ہو جائے۔ مہر وہی ہے جو راز داری میں معین کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مہر تو وہ ہے جس کا اعلان کیا گیا۔

نے اس کا اقرار کیا تو باپ کا اقرار اس بیوی کے خلاف ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں قبضہ کا مالک نہیں ہوتا پس وہ اقرار کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ بیوی خاوند سے مہر لے گی اور خاوند باپ سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ خاوند ایسے وقت میں باپ کے قبضہ کا اقرار کرتا ہے جس وقت وہ باپ مہر پر قبضہ کا مالک تھا مگر جب باپ کہے: میں نے تجھے بیوی کے مہر سے بری کر دیا پھر بیوی انکار کر دے تو اس صورت میں خاوند باپ سے مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

''اس میں یہ ہے: ولی نے مہر پر قبضہ کیا پھر ولی نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے مہر خاوند کو واپس کر دیا ہے تو اس ولی کی تصدیق نہ کی جائے گی جب وہ باکرہ ہو کیونکہ ولی اس پر قبضہ کا حق رکھتا ہے واپس کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر عورت ثیبہ ہو تو ولی کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امین ہے اور وہ امانت واپس کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔''

اس میں یہ ہے ''باپ نے اس کے مہر پر قبضہ کیا جبکہ بچی بالغہ تھی یا بالغہ نہ تھی اور باپ نے بچی کو جہیز کا سامان دیا یا مہر کے معین مکان پر قبضہ کیا تو بچی کو یہ حق نہیں کہ اس کو جائز قرار نہ دے کیونکہ مہر پر قبضہ کی ولایت آباء کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح اسے اس میں تصرف کا بھی حق ہوتا ہے۔

لیکن ''ہندیہ'' میں ہے۔ اگر اس نے بالغہ کے مہر کے بدلے میں جاگیر پر قبضہ کیا اور بچی راضی نہ ہوئی اگر تو یہ عام معروف ہے تو باپ کے لئے اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا ورنہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا اگرچہ وہ باکرہ ہو۔ مہر پر قبضہ کے تمام مسائل ''البحر'' اور ''النہر'' میں باب الاولیاء کے شروع میں ہیں۔

12325۔ (قولہ: قَالَ الْبَزَّازِيُّ الخ) اس کی عبارت یہ ہے: باپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ صغیرہ کو خاوند کے حوالے کرے لیکن خاوند کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مہر معجّل ادا کرے۔ اگر خاوند کو گمان ہو کہ بیوی مرد کے قابل ہے اور باپ اس کا انکار کرے تو قاضی وہ بچی عورتوں کو دکھائے گا اور اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ''التتارخانیہ'' میں ہے: بالغہ جب مرد کی متحمل نہ ہو تو باپ کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ بچی خاوند کے سپرد کر دے۔

خفیہ اور اعلانیہ مہر

12326۔ (قولہ: مَهْرُ السِّرِّ الخ) مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

الْمُؤَجَّلُ إِلَى الطَّلَاقِ يَتَعَجَّلُ بِالرَّجْعِيِّ وَلَا يَتَأَجَّلُ بِمُرَاجَعَتِهَا وَلَوْ وَهَبَتْهُ الْمَهْرَ عَلَى أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فَأَبَى فَالْمَهْرُ بَاقٍ نَكَحَهَا أَوْ لَا

طلاق تک جس مہر کو موخر کیا گیا تھا وہ طلاق رجعی کے ساتھ معجّل ہو جاتا ہے۔ اور رجوع کرنے سے وہ موخر نہیں ہوتا۔ اگر عورت نے مرد کو مہر ہبہ کر دیا اس شرط پر کہ وہ اس عورت سے شادی کرلے مرد نے ہبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مہر باقی ہو گا وہ عورت سے نکاح کرے یا نکاح نہ کرے۔

(۱) دونوں نے راز داری میں مہر پر اتفاق کیا پھر اعلانیہ اس سے زیادہ پر عقد کیا جبکہ جنس ایک ہے اگر دونوں کی پر متفق ہو جائیں تو پھر مہر راز داری والا ہو گا ورنہ مہر وہ ہو گا جو عقد میں معین کیا گیا جب تک خاوند اس پر گواہی قائم نہ کرے کہ زیادتی محض شہرت حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اگر جنس مختلف ہو اگر دونوں کی پر اتفاق نہ کریں تو پھر مہر وہی ہو گا جو عقد میں معین کیا گیا۔ اگر دونوں اس پر اتفاق کرلیں تو عقد نکاح مہر مثل پر منعقد ہو گا۔ اگر راز داری میں وہ اس پر اتفاق کریں کہ مہر دنانیر ہیں اور پھر علانیہ وہ اس پر عقد کریں کہ عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہو گا تو مہر وہ ہو گا جو راز داری میں دنانیر معین کئے گئے۔ کیونکہ کوئی ایسی صورت نہیں پائی گئی جو اعراض کو واجب کرے اگر دونوں اس پر عقد کریں کہ دنانیر اس کا مہر نہیں ہوں گے یا علانیہ مہر سے خاموشی اختیار کریں تو عقد نکاح مہر مثل پر منعقد ہو گا۔

دوسری صورت میں یہ ہے کہ وہ دونوں راز داری سے مہر پر عقد کریں پھر اعلانیہ اس سے زیادہ کا اقرار کریں اگر دونوں گواہی دیں کہ زیادتی محض شہرت ہے تو مہر وہ ہو گا جو عقد کے وقت خفیہ ذکر کیا گیا۔ اگر اس نے گواہ نہ بنائے تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مہر پہلا ہو گا اور امام ''ابو حنیفہ'' کے نزدیک مہر دوسرا ہو گا۔ اگر دوسرا پہلے کی جنس کے خلاف ہو تو سارے کا سارا پہلے پر زائد ہو گا۔ ورنہ زیادتی اس قدر لازم ہو گی جو پہلے سے زائد ہو۔ ''ملخصا من الذخیرہ''۔

پہلی صورت میں حاصل کلام یہ ہے کہ عقد صرف علانیہ میں جاری ہوا۔ اور دوسری صورت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یا وہ دو دفعہ جاری ہوا ایک دفعہ راز داری سے اور ایک دفعہ علانیہ جس طرح ہم نے ''الفتح'' سے تفصیلاً مصنف کے قول و ما فرض بعد العقد او زید لا یتنصف کے تحت بیان کر دیا ہے۔ اس میں مخالفت کی ایک صورت ہے کیونکہ یہاں اسے امعان نظر سے دور کرنا ممکن ہے۔

12327۔ (قولہ: الْمُؤَجَّلُ إِلَى الطَّلَاقِ) مدت معلومہ تک جو مہر موخر کیا گیا تھا اس سے احتراز ہے۔ کیونکہ وہ طلاق کے بعد بھی اجل تک مؤجل رہتا ہے۔ اور ان کا قول: یتعجل بالرجعی یعنی طلاق رجعی کے ساتھ وہ مطلقاً معجّل ہو جاتا ہے یا عدت کے ختم ہونے تک معجّل ہو جاتا ہے جس طرح عام مشائخ کا قول ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں وہ موخر نہیں ہوتا اگر خاوند عورت سے رجوع کرلے۔ اور رجعی قید نہیں بلکہ طلاق بائن بدرجہ اولیٰ اس کی مثل ہو گی۔ ہم نے اس پر مفصل گفتگو اس کے قول: ولها منعه ان الوطء کے تحت (مقولہ 12190 میں) کر دی ہے۔

12328۔ (قولہ: وَهَبَتْهُ الْمَهْرَ الخ) یعنی اگر ایک آدمی نے اپنی مطلقہ سے کہا: میں تجھ سے شادی نہیں کروں گا

وَلَوْ وَهَبَتْهُ لِأَحَدٍ وَوَكَّلَتْهُ بِقَبْضِهِ صَحَّ وَلَوْ أَحَالَتْ بِهِ إِنْسَانًا ثُمَّ وَهَبَتْهُ لِلزَّوْجِ لَمْ تَصِحَّ، وَهٰذِهِ حِيلَةُ مَنْ يُرِيدُ أَنْ يَهَبَ وَلَا تَصِحُّ

اگر عورت نے مہر پر قبضہ کے لئے کسی انسان کے حوالہ کیا پھر وہی مہر خاوند کو ہبہ کیا تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ اور حوالہ کا حیلہ اس شخص کے لئے ہے جو ہبہ کا ارادہ تو کرے اور وہ ہبہ صحیح نہ ہو۔

یہاں تک کہ تو وہ مال مجھے ہبہ کر دے جو مہر کی صورت میں تیرا مجھ پر لازم ہے۔ عورت نے اس شرط پر ایسا کر دیا کہ وہ مرد اس سے شادی کریگا تو خاوند نے اس سے انکار کر دیا تو مہر خاوند کے ذمہ رہے گا وہ اس سے شادی کرے یا نہ کرے۔ ''بزازیہ''۔

(قولہ: فَأَبَی) یعنی کہا: میں تجھ سے شادی نہیں کروں گا تو یہ ہبہ کا رد ہوگا۔ اسی وجہ سے مہر خاوند پر باقی رہے گا اگرچہ انکار کے بعد اس سے شادی کرے۔

12329۔ (قولہ: وَلَوْ وَهَبَتْهُ لِأَحَدٍ) احد سے مراد زوج کے علاوہ ہے۔ کیونکہ دین اس کو ہبہ کرنا جس پر دین لازم ہو یہ مطلقاً صحیح ہے۔ مگر اس کا غیر کو ہبہ کرنا یہ صحیح نہیں جب تک اسے اس پر قبضہ کے لئے تسلط عطا نہ کرے۔ تو وہ ایسے ہی ہو گیا گویا اس نے اسے ہبہ کیا جب وہ اس پر قبضہ کرے گا۔ اور یہ صحیح نہیں ہوتا مگر اس کے قبضہ کرنے کے ساتھ جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔

12330۔ (قولہ: لَمْ تَصِحَّ) یعنی ہبہ صحیح نہیں ہوگا۔

12331۔ (قولہ: وَهٰذِهِ حِيلَةُ الخ) اس امر کا فائدہ دیا کہ یہ مہر پر محدود نہیں یہ حقیقت سے بعید بات ہے۔ کیونکہ مدیون کا حوالہ پر راضی ہونا شرط ہے جب وہ ہبہ کا طالب ہے تو وہ حوالہ پر کیسے راضی ہوگا۔ مگر اس آدمی کے بارے میں تصور کیا جائے جو اس امر سے جاہل ہے کہ حوالہ ہبہ کے صحیح ہونے سے مانع ہے۔ شارح نے کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں جواب دیا ہے: بانہ یتمکن المحال من مطالبۃ المدیون برفعہ الی من لا یشترط قبولہ۔ یعنی مالکی المذہب کی طرح۔ تامل۔

حیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہبہ سے پہلے مہر کے بدلے میں خاوند سے کوئی ملفوف شے خریدے پھر خیار رویۃ کے ساتھ اسے واپس کر دے یا کوئی انسان عورت سے ہبہ سے پہلے ملفوف شے کے ساتھ مہر پر صلح کر لے جس طرح ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے منقول ہے۔ دوسری صورت احسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ نِکَاحِ الرَّقِیقِ

هُوَ الْمَمْلُوكُ كُلًّا أَوْ بَعْضًا، وَالْقِنُّ الْمَمْلُوكُ كُلًّا

غلام کے نکاح کے احکام

رقیق اسے کہتے ہیں جو مکمل یا بعض مملوک ہو۔ اور قن اسے کہتے ہیں جو مکمل مملوک ہو۔

جب مسلمانوں میں سے اس آدمی کے نکاح سے فارغ ہوئے جسے نکاح کی اہلیت حاصل تھی اور اب اس آدمی کے بیان میں شروع ہوتے ہیں جس میں یہ اہلیت نہیں وہ رقیق ہے۔ اسے کافر پر مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ ان میں اسلام غالب ہے،''نہر''۔

رقیق اور قن میں فرق

12332۔ (قولہ: هُوَ الْمَمْلُوكُ) ''الصحاح'' میں ہے: رقیق سے مراد مملوک ہے اس کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔''البحر'' میں کہا: یہاں مراد انسانوں میں سے مملوک ہے۔ کیونکہ علما نے کہا: کافر کو جب دار الحرب میں گرفتار کیا گیا تو وہ رقیق ہوگا مملوک نہیں ہوگا۔ اور جب اسے دار الحرب سے نکالا گیا تو وہ مملوک بھی ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر انسانوں میں سے ہر مملوک رقیق ہوگا اس کے برعکس نہیں۔

اس تعبیر کی بنا پر یہاں رقیق سے مراد وہ رقیق ہے جو ہمارے دار میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ لونڈی کو جب گرفتار کیا جائے اور اسے ہمارے دار کی طرف نہ لایا جائے اگر اس نے شادی کی تو اس کا نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ اس کا نکاح باطل ہوگا۔ کیونکہ اس کے نکاح کے واقع ہونے کے وقت اسے جائز کرنے والا کوئی بھی نہ تھا جس طرح ''النہر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کہا جاتا ہے: اس کی اجازت دینے والا موجود ہے وہ امام ہے کیونکہ اسے وہاں سے نکالنے سے پہلے اور اس کے بعد بیچنے کا حق ہوتا ہے۔ فتامل۔

12333۔ (قولہ: كُلًّا أَوْ بَعْضًا) یہ کلام اس غلام کو بھی شامل ہے جس کے بعض کا کوئی مالک ہو۔ اسے بھی شامل ہے جس کی ملکیت میں نقص ہو جس طرح مکاتب اور جس کے لئے حرمت کا سبب پایا جائے جس طرح مدبر اور ام ولد۔

12334۔ (قولہ: وَالْقِنُّ الْمَمْلُوكُ كُلًّا) جس کا بعض مملوک ہو اسے قن سے خارج کر دیا۔ لیکن اس میں مکاتب، مدبر اور ام ولد داخل ہوں گے کیونکہ یہ سب مملوک میں داخل ہیں۔''المغرب'' میں ہے: قن غلاموں میں سے ایک ہے جو خود اور اس کے والدین مملوک ہوں۔ اسی طرح دو، جمع اور مونث ہیں۔ جہاں تک امۃ قنۃ کے لفظ کا تعلق ہے ہم نے اس کو نہیں سنا۔''ابن اعرابی'' سے مروی ہے: عبد قن جو غلامی میں خالص ہو۔ اسی پر فقہاء کا قول ہے۔ کیونکہ وہ اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ مدبر اور مکاتب اس کے برعکس ہیں۔

(تَوَقَّفَ نِكَاحُ قِنٍّ وَأَمَةٍ وَمُكَاتَبٍ وَمُدَبَّرٍ وَأُمِّ وَلَدٍ عَلَى إجَازَةِ الْمَوْلَى، فَإِنْ أَجَازَ نَفَذَ، وَإِنْ رَدَّ بَطَلَ)

قن، لونڈی، مکاتب، مدبر اور ام ولد کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر ولی نے اس کے عقد نکاح کو جائز قرار دے دیا تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر اسے رد کر دیا تو عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔

مناسب وہ ہے جو ''رحمتی'' میں ہے کہ قن ایسا مملوک ہے جس پر ملکیت تام ہو اس کے لئے آزادی کا کوئی سبب منعقد نہ ہو۔ ''حموی'' نے کہا: پھر یہ جان لو کہ رق اور ملک میں سے ہر ایک کامل اور ناقص ہوتی ہے۔ قن میں رق اور ملک کامل ہوتی ہے اور جس کا بعض آزاد کیا جا چکا ہو اس میں دونوں ناقص ہوتی ہیں۔ مکاتب میں رق کامل ہوتی ہے اور مدبر و ام ولد میں ملک کامل ہوتی ہے۔

قن، لونڈی، مکاتب، مدبر اور ام ولد کے نکاح کا حکم

12335۔(قولہ: تَوَقَّفَ نِكَاحُ قِنٍّ) اس کے نکاح میں حکم مطلق ذکر کیا ہے تو یہ اسے بھی شامل ہوگا جب وہ خود نکاح کرے یا کوئی اور اس کا عقد نکاح کرے۔ یہاں نکاح کی قید ذکر کی ہے کیونکہ شب باشی (بدکاری کرنا) مطلق حرام ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: تجار کے لئے اہم مسئلہ: بعض اوقات آقا اپنے غلام کو ایک لونڈی دے دیتا ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ شب باشی کیا کرے تو غلام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں خواہ آقا اسے اجازت دے یا اجازت نہ دے۔ کیونکہ وطی کا حلال ہونا شرعی طور پر ثابت نہیں ہوتا مگر ملک یمین یا عقد نکاح کی وجہ سے۔ غلام کے لئے تو ملک یمین ہے ہی نہیں اس کے لئے وطی کی حلت عقد نکاح میں منحصر ہے۔

12336۔(قولہ: وَأَمَةٍ) تو یہ جان چکا ہے کہ قن مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے۔

12337۔(قولہ: وَمُكَاتَبٍ) کیونکہ عقد مکاتبہ نے کمائی کے حق میں حجر کے احکام کو ختم کرنے کو ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں اپنی لونڈی کی شادی کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ مہر اور نفقہ آقا کے لئے حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی یا اپنے غلام کی شادی کرتا ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ مکاتب میں وہ غلام بھی داخل ہے جس کے بعض کو آزاد کیا گیا ہو۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نکاح جائز نہ ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا نکاح جائز ہے۔ کیونکہ وہ ایسا آزاد ہے جس پر قرض ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

12338۔(قولہ: وَأُمِّ وَلَدٍ) ام ولد کے حکم میں ام ولد کی ایسی اولاد بھی شامل ہے جو اس کے آقا سے نہ ہو جس طرح آقا اپنی لونڈی کا عقد نکاح کسی اور سے کرے تو وہ اپنے خاوند کی اولاد جنے۔ جہاں تک اپنے آقا کی اولاد جننے کا تعلق ہے تو اس کا آقا آزاد ہوگا۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

12339۔(قولہ: فَإِنْ أَجَازَ نَفَذَ الخ) اگر اجازت اور رد میں سے ہر ایک حقوق زوجیت سے پہلے ہو تو پھر امر ظاہر ہے۔ اگر حقوق زوجیت کے بعد ایسا ہوا تو رد کرنے کی صورت میں غلام کی آزادی کے بعد غلام سے مہر کا مطالبہ کیا جائے

فَلَا مَهْرَ مَا لَمْ یَدْخُلْ بِهَا فَیُطَالَبُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ بَعْدَ عِتْقِهِ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْمَوْلَى مَنْ لَهُ وِلَایَةُ تَزْوِیجِ الْأَمَةِ کَأَبٍ وَجَدٍّ وَقَاضٍ وَوَصِیٍّ وَمُکَاتَبٍ

جب تک خاوند بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کرے تو اس بیوی کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا اس کے آزاد ہونے کے بعد عورت کے مہر مثل کا مطالبہ کیا جائے گا۔ پھر مولیٰ سے مراد وہ شخص ہے جسے لونڈی کے عقد نکاح کی ولایت ہو۔ جیسے باپ، دادا، قاضی، وصی، مکاتب،

گا۔ جس طرح اس قول میں ذکر کیا ہے: فیطالب۔ اجازت کی صورت میں ''البحر'' میں ''المحیط'' وغیرہ سے نقل کیا ہے: قیاس یہ ہے کہ دو مہر واجب ہوں: ایک مہر حقوق زوجیت کی ادائیگی کی وجہ سے، اور ایک مہر اجازت کی وجہ سے۔ جس طرح نکاح فاسد میں ہوتا ہے جب نکاح صحیح کی صورت میں اس کی تجدید کرے۔ استحسان میں اس پر صرف مہر مسمی لازم ہوگا۔ کیونکہ مہر مثل اگر واجب ہوگا تو وہ عقد کے اعتبار سے واجب ہوگا۔ پس اس وقت ایک عقد کے ساتھ دو مہر واجب ہوں گے جبکہ یہ ممتنع ہے۔

پھر اجازت صراحۃً، دلالۃً اور ضرورۃً ہوگی جس طرح آگے (مقولہ 12368 میں) آئے گا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آقا کے علم کے بعد اس کا سکوت اجازت نہیں جس طرح ''قہستانی'' میں ''القنیہ'' ہے۔

12340۔ (قولہ: فَلَا مَهْرَ) یہ ان کے قول بطل پر تفریع ہے ''ح''۔ یعنی نہ غلام پر کوئی مہر ہے اور نہ لونڈی کے لئے مہر ہے۔

12341۔ (قولہ: فَیُطَالَبُ) یہ مقدر شرط کا جواب ہے یعنی اگر خاوند نے حقوق زوجیت ادا کئے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ فافہم۔

12342۔ (قولہ: مَنْ لَهُ وِلَایَةُ تَزْوِیجِ الْأَمَةِ) اگرچہ اس کا مالک نہ ہو۔ ''بحر''۔ یہ قول وارث اور مشتری کو بھی شامل ہے۔ اگر ولی فوت ہوگیا یا اس نے اسے بیچ دیا تو اس کا آقا جو مشتری تھا یا وارث تھا اس نے اسے اجازت دی تو یہ عقد جائز ہو جائے گا ورنہ عقد جائز نہیں ہوگا۔ جس طرح ''العمادیہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''قہستانی''۔ یہ قول انہیں بھی شامل ہوگا جو دو افراد اس لونڈی کی ملک میں شریک ہیں۔ اگر شریکوں میں سے ایک نے لونڈی کا عقد نکاح کیا اور خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے اگر دوسرے نے اس عقد نکاح کو رد کر دیا تو اسے مہر مثل کا نصف ملے گا اور جس شریک نے اس کا عقد نکاح کیا تھا اس کو مہر مثل اور مہر مسمی کے نصف میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا ''بحر''۔

12343۔ (قولہ: کَأَبٍ) یعنی یتیم کا باپ کیونکہ وہ اس کی لونڈی کا عقد نکاح کرے گا۔ اسی طرح اس کا دادا، اسی طرح اس یتیم کا وصی اور قاضی ''ح''۔ کیونکہ یہ بھی کمائی کی صورتوں میں سے ایک ہے، ''فتح''۔

12344۔ (قولہ: وَمُکَاتَبٍ) جس طرح پہلے گزرا ہے مکاتب کے لئے اپنی لونڈی کا عقد نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بھی کمائی کی ایک صورت ہے۔ وہ اپنے غلام کا عقد نکاح نہیں کر سکتا۔ ''ط''۔ عبد ماذون اس سے خارج ہوگیا۔ پس وہ بھی اپنی

وَمُفَاوِضٍ وَمُتَوَلٍّ، وَأَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَمْلِكُ تَزْوِيجَهُ إِلَّا مَنْ يَمْلِكُ إِعْتَاقَهُ دُرَرٌ (فَإِنْ نَكَحُوا بِالْإِذْنِ فَالْمَهْرُ وَالنَّفَقَةُ عَلَيْهِمْ) أَيْ عَلَى الْقِنِّ وَغَيْرِهِ لِوُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ مِنْهُ

شرکت مفاوضہ میں شریک اور وقف کا متولی۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے اس کے عقد نکاح کا مالک نہیں مگر وہی جو اس کو آزاد کرنے کا مالک ہو، ''درر''۔ اگر انہوں نے نکاح اذن سے کیا تو مہر اور نفقہ ان غلاموں پر ہوگا یعنی قن وغیرہ پر ہوگا کیونکہ وجوب کا سبب اس کی طرف سے پایا گیا ہے۔

لونڈی کا عقد نکاح کرنے کا مالک نہیں۔ ''بحر''۔ اسی کی مثل ایسا بچہ ہے جس کو اجازت دی گئی ہو، ''درر''۔

12345۔ (قولہ: وَمُفَاوِضٍ) کیونکہ عقد مفاوضہ میں شریک عقد مفاوضہ کے ساتھ خریدی گئی لونڈی کا عقد نکاح کر سکتا ہے ایسے غلام کا عقد نکاح نہیں کر سکتا۔ ''حلبی'' نے ''قہستانی'' سے نقل کیا۔ شرکت عنان میں جو شریک ہوتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ ایسی لونڈی کا عقد نکاح نہیں کر سکتا جس طرح پہلے (مقولہ 12342 میں) گزرا ہے مضارب بھی اسی طرح ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12346۔ (قولہ: وَمُتَوَلٍّ) ''النہر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہا: بیت المال کے رقیق اور مال غنیمت کے رقیق جس کو ہمارے دار میں لایا جا چکا ہو تقسیم اور وقف کرنے سے قبل اس کے نکاح کے حکم کو میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا جب وہ امام اور متولی کے اذن سے ہو۔ چاہئے کہ یہ عقد نکاح لونڈی میں تو صحیح ہو غلام میں صحیح نہ ہو جس طرح وصی ہے۔ پھر میں نے ''البزازیہ'' میں دیکھا: غلام کے عقد نکاح کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اس کو آزاد کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غلام میں یہ صحیح نہیں۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے تو اس کا جواز ہونا چاہئے۔ وہ اسے وصی پر قیاس کرتے ہیں جس طرح کہا: شاید شارح نے متولی پر اقتصار کیا ہے اور امام کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وصی اور متولی کے احکام ایک ہی وادی سے سیراب کئے جاتے ہیں لیکن بیت المال کے مال میں امام وصی کے ساتھ لاحق ہے یہاں تک کہ وہ بیت المال کی جائیداد کو بیچنے کا مالک نہیں مگر اس کو بیچ سکتا ہے جس کو وصی بیچ سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ غنیمت کے غلام کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے اور بعد میں بیچ دے۔ پس چاہئے کہ جب وہ مصلحت دیکھے تو لونڈی کی شادی بھی کر دے، ''تامل''۔

12347۔ (قولہ: وَأَمَّا الْعَبْدُ الخ) اس سے مستثنیٰ کیا جائے گا اگر باپ اپنے بیٹے کی لونڈی کو اپنے بیٹے کے غلام سے عقد نکاح کر دے۔ کیونکہ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ''المبسوط'' میں ہے: ظاہر روایت میں یہ جائز نہیں۔ پس کوئی استثنا نہیں، ''بحر''۔

12348۔ (قولہ: وَغَيْرِهِ) یعنی مدبر اور مکاتب۔

12349۔ (قولہ: لِوُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ مِنْهُ) ضمیر سے مراد قن وغیرہ ہے کیونکہ عقد نکاح ہی مہر اور نفقہ کے وجوب کا سبب ہے۔ یہ اس کے اہل کی جانب سے پایا جا رہا ہے جبکہ مانع منتفی ہو چکا ہے۔ مانع وہ مولیٰ کا حق تھا اس نے عقد

(وَیَسْقُطَانِ بِمَوْتِهِمْ) لِفَوَاتِ مَحَلِّ الِاسْتِیفَاءِ (وَبِیعَ قِنٌّ فِیهِمَا لَا) یُبَاعُ (غَیْرُهُ) کَمُدَبَّرٍ بَلْ یَسْعَی، وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهُ لَزِمَهُ جُمْلَةً إنْ قَدَرَ نَهْرٌ وَقُنْیَةٌ

مہر اور نفقہ ان کی موت کے ساتھ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ منافع پورے پورے لینے کا محل فوت ہو چکا ہے۔ مہر اور نفقہ میں قن کو بیچا جائے گا کسی اور کو نہیں بیچا جائے گا۔ جیسے مدبر بلکہ وہ کوشش و مزدوری کرے گا اگر اس کا آقا مر گیا تو اگر قادر ہو تو سب کچھ اس پر لازم ہو گا۔ ''نہر''، ''قنیہ''۔

کی اجازت دے کر مانع کو ختم کر دیا۔

12350۔(قولہ: وَیَسْقُطَانِ بِمَوْتِهِمْ) ''البحر'' میں مہر کے سقوط کو ''الکنز'' کے قول: ولو زوج عبدا ماذونا کے تحت اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے جب اس نے کمانا ترک نہ کیا ہو۔ شارح کے کلام میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے اگر چہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے تو وہ آزادی کی موت کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے تو غلام سے بدرجہ اولیٰ ساقط ہو گا۔

12351۔(قولہ: وَبِیعَ قِنٌّ) یعنی اس کے آقا نے اسے بیچا کیونکہ یہ دین (قرض) ہے جو اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔ مولیٰ کے حق میں یہ ظاہر ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی اجازت دی تھی تو آقا کو وہ غلام بیچنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر آقا اس کے بیچنے سے رک گیا تو قاضی اپنی موجودگی میں اس کو بیچ دے گا مگر جب وہ راضی ہو جائے کہ وہ اتنا مال دے دیتا ہے جتنی اس غلام کی قیمت ہے۔ جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''نہر''۔ مولیٰ کے حاضر ہونے کی شرط اس لئے ذکر کی کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کا فدیہ دے۔ ماذون مدیون (ایسا غلام جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہو اور اس پر قرض لازم ہو چکا ہو) میں ذکر کیا ہے غرماء کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے کمائی کروائیں۔ ''البحر'' میں نفقہ کے باب میں کہا: اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر بیوی یہ پسند کرے کہ یہ دن کے نفقہ کے لئے اس سے کمائی کروائے تو اس کو یہ بھی حق حاصل ہو گا۔

میں کہتا ہوں: مہر میں بھی اسی طرح ہو گا۔

12352۔(قولہ: کَمُدَبَّرٍ) کاف تشبیہ نے مکاتب، جس کا غلام بعض آزاد ہو اور ام ولد کے بیٹے کو بھی مدبر کے حکم میں داخل کر دیا ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12353۔(قولہ: بَلْ یَسْعَی) کیونکہ وہ بیع کو قبول نہیں کرتا پس وہ اپنی کمائی سے ادا کرے گا اپنی ذات سے ادا نہیں کرے گا۔ مکاتب عاجز آ گیا تو مہر اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا۔ پس اسے اس میں بیچ دیا جائے گا مگر جب اس کا مہر اس کا آقا دے دے اور اسے چھٹکارا دلا دے جس طرح قن میں ہے۔ اس کا قیاس یہ ہے کہ مدبر اگر آقا کی طرف لوٹ آیا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق کیونکہ وہ مدبر کو بیچ دینے کا حکم دیتے ہیں تو مہر اس کے ذمہ ہو گا ''بحر''۔

آقا نے اپنے مدبر کا عقد نکاح کیا پھر فوت ہو گیا تو مہر غلام کے ذمہ ہو گا

12354۔(قولہ: وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهُ الخ) ''القنیہ'' میں ہے: آقا نے اپنے مدبر کا عقد نکاح ایک عورت سے کیا پھر

(وَلٰکِنَّہُ یُبَاعُ فِی النَّفَقَةِ مِرَارًا) إِنْ تَجَدَّدَتْ

لیکن نفقہ میں اسے بار بار بیچا جائے گا۔ اگر نفقہ متجدد ہو۔

آقا فوت ہو گیا تو مہر غلام کے ذمہ ہوگا۔ جب وہ آزاد ہوگا تو اس سے وصول کیا جائے گا۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس سے کمائی کرانے کا حکم اس کی آزادی سے پہلے کا ہے آزادی کے بعد تک موخر کرنے کا نہیں۔ ''بحر''۔ ''النہر'' میں کہا: یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ ''القنیہ'' میں جو کچھ ہے اس میں ایک حکم کو بیان کرنا ہے۔ جس سے علما خاموش رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مدبر پر جب آقا کی زندگی میں سعایت (کمائی کرنا) لازم ہے تو آقا فوت ہو گیا کیا اس کی آزادی کے بعد مہر کے بدلے میں اس سے مواخذہ ہوگا؟ کہا: ہاں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مہر کے بدلے میں اس سے ایک دفعہ مواخذہ ہوگا جب وہ مہر دینے پر قادر ہوگا اور سعایت کا حکم باطل ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: حاصل جواب یہ ہے کہ مدبر اپنے آقا کی زندگی میں مہر میں سعایت کرے گا جہاں تک اس کے آقا کے فوت ہو جانے کے بعد کا تعلق ہے پہلے وہ اپنی قیمت کے دو تہائی میں سعایت کرے گا تاکہ اپنے آپ کو آزاد کرائے۔ مہر اس کے ذمہ رہے گا وہ اسے آزادی کے بعد ادا کرے گا جس طرح آزاد لوگوں کا قرض ہوا کرتا ہے۔ وہ سعایت کے طریقہ پر مہر ادا نہیں کرے گا۔ اگر اس کے پاس اکٹھا مہر پایا گیا تو اس سے لے لیا جائے گا ورنہ اس کے ساتھ ایسے مقروض کا سا معاملہ کیا جائے گا جو تنگدست ہوگا۔ جب ''القنیہ'' کی عبارت سے اس کا فہم مشکل تھا کیونکہ اس میں خفا ہے تو اسے ''القنیہ'' اور ''النہر'' کی طرف سے منسوب کیا۔ فافہم۔

اگر غلام پر نفقہ لازم ہو تو اسے بیچا جائے گا

12355۔ (قولہ: إِنْ تَجَدَّدَتْ) یعنی اگر اس پر نفقہ لازم ہوا تو نفقہ میں اسے بیچا گیا۔ اس پر جو نفقہ کی وجہ سے رقم لازم تھی ثمن اسے پوری نہ ہوئی تو باقی ماندہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ آزادی کے بعد اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ وہ اس کی ذات سے متعلق نہ ہوگی۔ دوسرے آقا کی طرف اسے اس میں نہیں بیچا جائے گا۔ پھر جب دوسرے آقا کے پاس نفقہ جمع ہو گیا تو اسے نفقہ میں بیچا جائے گا اور زائد کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس طرح پہلے گزرا ہے، ''ح''۔

اس کی دلیل ''البحر'' میں ''المبسوط'' سے یہ مروی ہے کہ نفقہ کا وجوب زمانہ کے گزرنے کے ساتھ متجدد ہوتا رہتا ہے یہ نئے واقع ہونے والے فرض کی طرح ہے۔ یعنی دوسرے آقا کے پاس جو نئے سرے سے دین واجب ہوا ہے وہ نئے قرض کے حکم میں ہوگا تو اس میں غلام کو بیچا جائے گا۔ یہ صورت پہلی صورت سے مختلف ہوگی کہ جب اس پر قرض جمع ہو جائیں اور ان میں اسے پہلی دفعہ بیچا جائے تو اسے باقی ماندہ قرض کو پورا کرنے کے لئے دوبارہ نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ سب ایک دین (قرض) کے حکم میں ہیں۔ نفقات ''صدر الشریعۃ'' میں ایسی کلام ہے جو اس کے خلاف ہے اس کلام سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اسے باقی ماندہ میں بیچا جائے گا۔ جس طرح اس کی وضاحت وہاں آئے گی۔ ان شاء اللہ

پھر ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں مفروض ہے جب نفقہ باہمی رضامندی یا قضاء قاضی کے ساتھ معین کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس

(وَفِي الْمَهْرِ مَرَّةً) وَيُطَالَبُ بِالْبَاقِي بَعْدَ عِتْقِهِ

اور مہر میں صرف ایک بار بیچا جائے گا اور باقی ماندہ مہر کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا

کے علاوہ میں نفقہ مدت کے گزر جانے کے ساتھ ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح علما نے نفقات میں اسے ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے ''البحر'' کے نفقات کے باب میں دیکھا مسئلہ کی یہ صورت بیان کی ہے: مثلاً قاضی نے عورت کے لئے ایک ماہ کا نفقہ معین کیا خاوند جو غلام ہے وہ اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز آ گیا تو قاضی اسے بیچ دے گا اگر اس غلام کا آقا اس کا فدیہ نہ دے۔ اس کلام نے یہ فائدہ دیا کہ غلام کو بیچا جائے گا اس دین کی ادائیگی میں جس سے وہ عاجز آ چکا ہے۔ اسے ہر دن کے نفقہ کے لئے نہیں بیچا جائے گا کہ آقا کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی غلام کی قیمت کی مقدار قرض جمع ہونے پر بیچا جائے گا کہ بیوی کو تکلیف دی جائے۔ چاہئے کہ نفقہ کی تعیین دونوں کی باہمی رضامندی کے ساتھ بھی صحیح نہ ہو کیونکہ غلام کو تصرف سے روک دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس پر یہ تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ اس نے بیوی کا نفقہ زیادہ مقرر کیا ہے تا کہ آقا کو نقصان پہنچائے۔ اس وجہ سے ''البحر'' میں جو مسئلہ کی صورت ذکر کی ہے وہ اس بارے میں ہے جب قاضی اس نفقہ کو مقرر کرے۔ ''تامل''

مہر میں غلام کو بار بار نہیں بلکہ صرف ایک بار بیچا جائے گا

12356۔ (قولہ: وَفِي الْمَهْرِ مَرَّةً) اس میں ہے اگر اس غلام پر دوسرے آقا کے پاس ایک اور مہر لازم ہو گیا جس طرح وہ اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اسی عورت سے شادی کرے تو اسے دوسری بار بیچا جائے گا تو مہر اور نفقہ میں کوئی فرق نہیں مگر اس اعتبار سے کہ نفقہ دوسرے آقا کے پاس متجدد ہوتا ہے ضروری ہے کہ مہر اس کے خلاف ہو۔ ''حلبی'' نے اپنے ''شیخ سید'' سے نقل کیا ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے اس کا جواب یہ دیا ہے: وہ نفقہ جو دوسرے آقا کے پاس واقع ہوا اس کا سبب پہلے کے پاس متحقق تھا تو غلام کی بیع ایک شے میں متکرر ہوئی۔ اس غلام کی وہ بیع جو دوسرے مہر میں ہوئی جو دوسرے آقا کے پاس واقع ہوا اس کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ ایک مستقل عقد کا نتیجہ ہے یہاں تک کہ یہ دوسرے کے اذن پر متصرف ہے۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے کہ دوسرے آقا کے پاس متجدد نفقہ اگرچہ نئے قرض کے حکم میں ہے اسی وجہ سے اسے دوسری دفعہ بیچا جاتا ہے مگر جب اس نفقہ کا سبب متحد ہے اور وہ پہلا عقد نکاح ہے تو ہر اعتبار سے نیا دین نہیں بنے گا۔ جہاں تک دوسرے مہر کا تعلق ہے وہ ہر اعتبار سے نیا دین ہے۔ کیونکہ وہ سبب جدید کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ اور تو اس سے باخبر ہے کہ یہ جواب اقناعی ہے۔

فائدہ: یہ ایسا جواب ہے جو ظن کا فائدہ دیتا ہے جو لوگ برہان کا ادراک نہیں رکھتے۔ وہ اس پر قناعت کرتے ہیں۔ ''مترجم''۔

پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ مہر اور نفقہ کا دین غلام میں عیب ہے۔ اور مشتری کو خیار ہوگا اگر وہ اس عیب پر راضی نہ ہو۔

تنبیہ

''المعراج'' میں غلام کو مہر کی ادائیگی کے لئے بار بار نہ بیچنے کی یہ علت بیان کی ہے اسے تمام مہر میں بیچا گیا تو یہ اس

إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا خَانِيَّةٌ (وَلَوْ زَوَّجَ) الْمَوْلَى (أَمَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ لَا يَجِبُ الْمَهْرُ) فِي الْأَصَحِّ وَلْوَالِجِيَّة

مگر اس صورت میں جب آقا اپنا غلام اس کی بیوی کے ہاتھ بیچ دے،''خانیہ''۔ اگر آقا نے اپنی لونڈی کا عقد نکاح اپنے غلام سے کر دیا تو صحیح ترین قول کے مطابق مہر واجب نہیں ہوگا۔''ولوالجیہ''۔

امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اسے بیوی کے مہر معجّل میں بیچا گیا پھر وقت مقرر آ گیا تو اسے دوسری دفعہ بیچا جائے گا۔ کیونکہ اسے بعض مہر میں بیچا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جسے اس سے قبل''المبسوط''سے نقل کیا ہے: غلام کے قرضوں میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس میں اسے بار بار بیچا جائے مگر نفقہ میں بار بار بیچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ اس کا وجوب متجدد ہوتا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ مہر مؤجل وقت مقرر آنے سے قبل بھی واجب تھا۔ بے شک وقت کے آنے تک اس کے مطالبہ میں تاخیر ہوگی۔ مشتری کے نزدیک اس کا وجوب متجدد نہیں ہوا یہاں تک کہ مشتری کے پاس اسے دوبارہ بیچا جائے۔ اور اس لئے بھی کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مثلاً اگر مہر ہزار ہو اور غلام کی قیمت سو ہو تو اسے ایک سو میں بیچا گیا کہ اسے دوسری، تیسری، چوتھی دفعہ بیچا جائے۔ اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہے۔ کیونکہ ہر دفعہ اسے پورے مہر میں نہیں بیچا گیا۔ یہ اس کے خلاف ہے جس کی علما نے تصریح بیان کی ہے۔ اور''المعراج''کے قول: بیع فی جمیع المھر کا مطلب یہ ہے اسے تمام مہر کے لئے بیچا گیا یعنی بیع کے وقت جو بھی اس پر واجب تھا اس کے لئے اسے بیچا گیا۔ دوسرے آقا کے پاس نئے نفقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ پہلے آقا کے نزدیک اسے اس میں نہیں بیچا گیا پس دوسرے کے نزدیک دوبارہ اسے نفقہ میں بیچا جائے گا۔ پس مراد مہر اور نفقہ میں فرق بیان کرنا ہے جس طرح''البحر''میں نفقات میں اس کی تصریح کی ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔ فافہم۔

12357۔(قولہ: إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا) کیونکہ عورت پر جو اس غلام کی قیمت لازم ہے وہ مہر کی مقدار جو اس خاوند سے اس کا حق تھا اس کے مقابل ہو جائے گی اور باقی ماندہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ آقا اس دین کا مستحق نہیں ہوتا جو اس کے غلام پر لازم ہوتا ہے،''ح''۔

اگر آقا نے اپنی لونڈی کا عقد نکاح اپنے غلام سے کر دیا تو مہر ساقط ہو جائے گا

12358۔(قولہ: وَلَوْ زَوَّجَ الْمَوْلَى أَمَتَهُ الخ) حاصل یہ ہے پہلے مسئلہ کو مقید کیا جا رہا ہے جس مسئلہ میں قن کو بیچا جاتا ہے اس کے بدلہ میں جب لونڈی، غلام کے آقا کی لونڈی نہ ہو۔ یہ ماقبل سے استثنا کی طرح ہے۔ پھر اس استثنا سے اسے استثنا کیا جب آقا کی لونڈی ماذون و مدیون ہو یعنی جسے کاروبار کی اجازت دی گئی ہو اور وہ مقروض ہو۔ کیونکہ اسے اس کے لئے بھی بیچا جا سکتا ہے یہاں امۃ اور عبد کو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ ان سب کو شامل ہے جب وہ قن ہوں یا مدبر ہوں یا وہ ام ولد ہوں یا ام ولد کا بیٹا ہو۔

12359۔(قولہ: لَا يَجِبُ الْمَهْرُ) کیونکہ یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ انسان اپنے لئے اپنی ذات پر کسی چیز کو واجب

وَقَالَ الْبَزَّازِيُّ بَلْ يَسْقُطُ، وَمَحَلُّ الْخِلَافِ إِذَا لَمْ تَكُنْ الْأَمَةُ مَأْذُونَةً مَدْيُونَةً، فَإِنْ كَانَتْ بِيعَ أَيْضًا

''بزازی'' نے کہا: بلکہ یہ ساقط ہو جائے گا۔ اختلاف کا محل اس صورت میں ہوگا جب لونڈی ماذون اور مدیونہ نہ ہو۔ اگر وہ ماذون اور مدیونہ ہوتو بھی غلام کو بیچا جائے گا

کرے تو یہ نامعقول بات ہے۔ یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ لونڈی کا مہر ابتداءً آقا کے لئے ثابت ہوتا ہے جب وہ ماذونہ، مکاتبہ اور معتقۃ البعض نہ ہو جس طرح ''النہر'' میں ہے ''ح'' ماذونہ کی استثنا کرنے میں ایسی گفتگو ہے جو قریب ہی (مقولہ 12361 میں) آئے گی۔

12360۔ (قولہ: بَلْ يَسْقُطُ) بلکہ آقا پر یہ واجب ہوگا پھر وہ ساقط ہو جائے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ لونڈی کا مہر پہلے لونڈی کے لئے ثابت ہوتا ہے پھر آقا کے لئے منتقل ہو جاتا ہے جس طرح ''النہر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے ''ح''۔ مہر کے عورت کے لئے ثابت ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر لونڈی پر قرض ہو تو مہر سے اسے پورا کیا جائے گا اور اس کا قرض ادا کیا جائے گا۔ علما نے کہا: پہلا قول اظہر ہے۔ ''شرح الجامع الکبیر'' میں بھی اسی طرح ہے۔ ''بیری علی الاشباہ''۔ ''الدرر'' میں بھی اسی کی تائید ہے۔ یہ ''الولوالجی'' کی تصحیح کی مؤید ہے۔ ''البحر'' میں کہا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس اختلاف کا ثمرہ ذکر کیا ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کی لونڈی کی شادی اس کے غلام سے کر دی دوسرے قول کی بنا پر یہ عقد نکاح صحیح ہوگا۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور پہلے قول کے مطابق عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ یہ طرفین کا قول ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں اس پر جزم کا اظہار کیا اور علت بیان کی۔ کیونکہ یہ لونڈی کا عقد نکاح مہر کے بغیر ہے کیونکہ اس وقت غلام کی کمائی میں سے اس غلام پر اسے واجب نہیں کیا جا سکتا۔

''رحمتی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے صغیر کے لئے اس کے باپ پر مال واجب کرنے سے کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اس غلام کی شادی اپنی لونڈی سے کرے۔

میں کہتا ہوں: گویا انہوں نے سمجھا من عبدہ کی ضمیر اب کے لئے ہے حالانکہ یہ صغیر کے لئے ہے جس طرح ''الظہیریہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

اس نقطہ کو یاد رکھیں۔ علامہ ''مقدسی'' نے اختلاف کا ثمرہ اسے بنایا ہے کہ لونڈی اپنے دین کو اس مہر سے پورا کرے، اور اسے (مہر کو) ختم کر دے اور کہا: وجوب کا قول راجح ہوگا اسی وجہ سے ''ابن امیر حاج'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

12361۔ (قولہ: وَمَحَلُّ الْخِلَافِ) ''النہر'' میں بحث کرتے ہوئے یہ قول ذکر کیا ہے: چاہئے کہ محل اختلاف یہ ہے کہ لونڈی ماذونہ اور مدیونہ نہ ہو۔ اگر وہ ایسے ہوئی تو خاوند کو بیچا جائے گا۔ ''الفتح'' میں جو قول ہے اس پر دلالت کرتا ہے لونڈی کا مہر لونڈی کے لئے ثابت ہوتا ہے پھر وہ آقا کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر لونڈی پر دین ہو تو مہر سے اسے چکایا جائے گا۔

لِأَنَّهُ یَثْبُتُ لَهَا ثُمَّ یَنْتَقِلُ لِلْمَوْلَی نَهْرٌ (فَلَوْ بَاعَهُ سَیِّدُهُ بَعْدَمَا زَوَّجَهُ امْرَأَةً فَالْمَهْرُ بِرَقَبَتِهِ یُدُورُ مَعَهُ أَیْنَمَا دَارَ کَدَیْنِ الِاسْتِهْلَاكِ) لَکِنْ لِلْمَرْأَةِ فَسْخُ الْبَیْعِ لَوِ الْمَهْرُ عَلَیْهِ لِأَنَّهُ دَیْنٌ فَکَانَتْ کَالْغُرَمَاءِ مِنَحٌ

کیونکہ مہر لونڈی کے لئے ثابت ہوتا ہے پھر وہ مہر آقا کی طرف منتقل ہو جائے گا، ''نہر''۔ اگر آقا نے اپنے غلام کو بیچ دیا اس کے بعد کہ اس کی شادی ایک عورت سے کی تھی تو مہر غلام کے ذمہ ہی رہے گا غلام جہاں بھی رہے جس طرح غلام نے جس چیز کو جان بوجھ کر ہلاک کیا ہو تو اس کا دین اس کے ذمہ رہے گا۔ لیکن عورت کو اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اگر مہر اس غلام کے ذمہ ہو۔ کیونکہ یہ (مہر) دین ہے پس وہ عورت بھی قرض خواہوں کی طرح ہوگی، ''منح''۔

میں کہتا ہوں: تو اس سے باخبر ہے کہ ''الفتح'' کا قول: یثبت لھا یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے تو وہ اسے اختلاف نہ ہونے کی دلیل کیسے بنائیں گے؟ کیونکہ ان کی عبارات سے متبادراً یہ پتہ چلتا ہے کہ لونڈی کے دین کو مہر سے چکانا یہ اس قول پر مبنی ہے کہ مہر پہلے لونڈی کے لئے ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ ابتداءً مہر آقا کے لئے ثابت ہوتا تو اس صورت میں تو لونڈی کے قرض کو مہر سے نہیں چکایا جائے گا۔ اسی وجہ سے علامہ ''مقدسی'' نے اختلاف کا ثمرہ بنایا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ فتامل

12362۔ (قولہ: لِأَنَّهُ یَثْبُتُ لَهَا) کیونکہ مہر لونڈی کے لئے ثابت ہوتا ہے آقا نے اسے اذن دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ پھر وہ مہر آقا کی طرف منتقل ہوتا ہے اگر اس پر دین نہ ہو ورنہ آقا کی طرف مہر منتقل نہیں ہوگا۔ ضمیر امۃ مذکورہ کی طرف راجع ہے نہ کہ اس بنا پر کہ اس کے ساتھ ماذونہ کی قید ہے یا اعم کے ساتھ اخص پر استدلال ہے۔ فافہم۔

12363۔ (قولہ: فَالْمَهْرُ بِرَقَبَتِهِ) غلام کے ذمہ رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی ثمنہ اس کی قیمت میں ادا کیا جائے گا۔ پہلا قول صحیح ہے جس طرح ''المنیہ'' میں ہے۔ اگر آقا اسے آزاد کر دے تو اس پر مہر اور نفقہ میں سے جو کم ہوگا وہ لازم ہوگا جس طرح ''النتف'' میں ہے، ''قہستانی''۔

12364۔ (قولہ: یَدُورُ مَعَهُ الخ) یعنی غلام کو اس میں بیچا جائے گا اگرچہ کئی دفعہ اس کو بیچا جائے۔

12365۔ (قولہ: کَدَیْنِ الِاسْتِهْلَاكِ) جس طرح وہ غلام اپنے آقا کے پاس کسی انسان کے مال کو ہلاک کر دے۔

12366۔ (قولہ: لَکِنْ لِلْمَرْأَةِ فَسْخُ الْبَیْعِ) ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اور مصنف نے ''المنح'' میں ''جواہر الفتاوی'' سے نقل کیا ہے کہا: ایک آدمی نے اپنے غلام کی شادی کی پھر آقا نے ارادہ کیا کہ بیوی کی رضامندی کے بغیر اس غلام کو بیچ دے۔ اگر تو غلام پر بیوی کا مہر نہ ہو تو آقا کو اس کی بیع کا حق ہوگا۔ اگر مہر غلام پر ہو تو آقا کو غلام بیچنے کا حق نہیں ہوگا مگر عورت کی رضامندی سے ایسا کر سکتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے عبد ماذون مدیون میں کہا تھا۔

جب آقا نے قرض خواہوں کی رضامندی کے بغیر اسے بیچا اگر قرض خواہ اس کے فسخ کا ارادہ کرے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ بیع کو فسخ کر دے۔ اسی طرح یہاں صورتحال ہے جب غلام پر مہر لازم ہو۔ کیونکہ مہر دین ہے مگر جب آقا اپنی جانب

(وَقَوْلُهُ لِعَبْدِهِ طَلِّقْهَا رَجْعِيَّةً إِجَازَةٌ)

آقا کا اپنے غلام کو کہنا تو اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے تو یہ اجازت ہوگی۔

سے ادا کرے تو بیوی کو بیع فسخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

12367۔(قولہ: طَلِّقْهَا رَجْعِيَّةً) اس کی مثل یہ قول ہے اوقع علیھا الطلاق او طلقھا تطلیقۃ تقع علیھا، ''بحر''۔اس پر طلاق واقع کردے یا اسے ایسی طلاق دے جو اس پر واقع ہو۔

اذن اور اجازت میں فرق

12368۔(قولہ: إِجَازَةٌ) کیونکہ طلاق رجعی نکاح صحیح کے بعد ہی ہوتی ہے تو پس اس کا حکم دینا اقتضاءً نکاح کی اجازت ہوگا۔طلاق بائن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ طلاق بائن متارکہ (ایک دوسرے کو ترک کرنا) کا احتمال رکھتی ہے جس طرح نکاح فاسد اور نکاح موقوف میں ہے۔اور اجازت کا بھی احتمال رکھتی ہے۔پس اسے ادنیٰ پر محمول کیا۔اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اجازت دلالت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جس طرح صریح سے ثابت ہوتی ہے۔اور اجازت ضرورت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے صریح جیسے: رَضِيتُ، أَجَزْتُ، أَذِنْتُ وغیرہ۔اور دلالت قول سے ہوتی ہے جس طرح آقا کو جب عقد نکاح کی خبر پہنچی تو کہا حسن، صواب، لاباس بہ۔اچھا، صحیح، کوئی حرج نہیں اور دلالت فعل سے بھی ہوتی ہے جو فعل اس پر دلالت کرے۔جس طرح مہر یا اس میں سے کوئی چیز عورت کی طرف بھیجنا۔اور ضرورت کے ساتھ جس طرح نکاح کے بعد غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا۔ پس آزاد کرنا اجازت ہے۔اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔اگر آقا نے غلام کو اذن دیا جبکہ غلام نکاح کر چکا تھا تو یہ اجازت نہ ہوگی۔اگر غلام نے جائز قرار دیا اسے جو آقا نے کیا تو استحساناً یہ جائز ہوگا۔جس طرح ایک فضولی ہے جب اسے وکیل بنایا گیا تو فضولی نے وکالت سے پہلے جو عمل کیا تھا اس کو جائز قرار دے دیا اور جس طرح غلام ہے جب فضولی نے اس کا عقد نکاح کیا تو اس کے آقا نے اسے نکاح کا اذن دیا تو فضولی نے جو کہا تھا آقا نے اسے جائز قرار دے دیا۔''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد جب اجازت پر موقوف واقع ہو اور اذن اس کے بعد حاصل ہو تو وہ نئے سرے سے عقد واقع کرنے کا مالک بنا تو وہ عقد موقوف کو بدرجہ اولیٰ جائز قرار دینے کا مالک ہوگا۔لیکن تو جان چکا ہے کہ اجازت صریحہ میں سے لفظ أَذِنْتُ ہے یہ اس کے مناقض ہے جو انہوں نے ذکر کیا: من ان الاذن بعد التزوج لا یکون اجازۃ نکاح ہو جانے کے بعد اذن اجازت نہ ہوگی۔''البحر'' میں جواب دیا ہے کہ پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب وہ نکاح کا علم رکھتا ہو اور اس نے کہا اذنتُ اور دوسرے قول کو اس پر محمول کیا ہے جب وہ علم نہ رکھتا ہو اور ''النہر'' میں اسی کو یقینی قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے ذکر کیا ہے اس گفتگو سے اذن اور اجازت میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔اذن اس لئے ہوتا ہے جو ابھی واقع ہونے والا ہو اور اجازت اس کے لئے ہوتی ہے جو واقع ہو چکا ہو۔اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اذن اجازت کے معنی میں ہوتا ہے جب وہ ایسے امر کے لئے ہو جو واقع ہو چکا ہو اور آذن (اذن دینے والے) کو اس کا علم ہو۔اس تعبیر کی بنا

لِلنِّكَاحِ (الْمَوْقُوفِ، لَا طَلِّقْهَا أَوْ فَارِقْهَا) لِأَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُتَارَكَةِ، حَتَّى لَوْ أَجَازَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَنْفُذُ، بِخِلَافِ الْفُضُولِيِّ

نکاح موقوف کی۔ طلقھا یا فارقھا اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ الفاظ متارکہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ الفاظ طلقھا، فارقھا کہنے کے بعد اس نے عقد کو جائز قرار دے دیا تو عقد نکاح نافذ نہ ہوگا۔ فضولی کا معاملہ مختلف ہے۔

پر ''البحر'' وغیرہ کا قول: الاجازۃ تثبت بالدلالۃ وبالصریح ''زیلعی'' کے قول: الاذن یثبت سے زیادہ مناسب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا اگر مصنف اجازت کی بجائے اذن کا لفظ ذکر کرتے تو یہ زیادہ صحیح ہوتا۔ کیونکہ طلاق کا امر نکاح کے علم کے بعد ہی ہوتا ہے اور علم کے بعد اذن اجازت ہوتی ہے۔ ''نہر'' کا قول: ولم یقل اذن لانہ لو کان لاحتاج الی الاجازۃ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر

12369۔ (قولہ: لِلنِّكَاحِ الْمَوْقُوفِ) الموقوف کے قول سے یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ فضولی کا عقد ہے تو اس میں آقا کی اجازت سے قبل غلام اور عورت کی جانب سے عقد کو فسخ کرنے کے صحیح ہونے میں فضولی کے احکام جاری ہوں گے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

12370۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) یعنی آقا کا قول: طلقھا او فارقھا۔ کیونکہ یہ قول متارکہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی یہ قول رد ہوگا۔ اور یہ اجازت کا احتمال بھی رکھتا ہے تو اسے رد پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ادنی ہے۔ کیونکہ دفع (روکنا)، رفع (ختم کرنا) سے زیادہ آسان ہے۔ یا اس لئے کیونکہ اس غلام کے زیادہ مناسب ہے جو اپنے آقا پر سرکش ہے۔ پس حقیقت دلالت حال سے متروک ہے۔ ''بحر'' میں ''عنایہ'' سے منقول ہے۔ اور دوسری تعلیل کی صورت میں چاہئے اگر فضولی اس کا عقد نکاح کرے تو آقا نے اپنے غلام سے کہا: طلقھا تو یہ سابقہ نکاح کو جائز قرار دینا ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں غلام کی جانب سے کوئی سرکشی واقع نہیں ہوئی، ''نہر''۔

میں کہتا ہوں: پہلی تعلیل اس صورت کو شامل ہے تو یہ اجازت نہ ہوگی۔

12371۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ أَجَازَهُ الخ) یہ اس پر تفریع ہے جو اس مقام سے سمجھا گیا ہے کہ یہ رد ہے۔ ''البحر'' میں کہا: جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آقا کا قول: طلقھا او فارقھا اگر اجازت نہیں تو یہ رد ہے۔ پس اس کے ساتھ غلام کا نکاح فسخ ہو جائے گا یہاں تک کہ اس کے بعد اسے اجازت لاحق نہ ہوگی۔

12372۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْفُضُولِيِّ) یعنی جب خاوند نے اسے کہا: طلقھا تو یہ اجازت ہوگی کیونکہ اجازت دینے کے ساتھ خاوند طلاق دینے کا مالک بن جاتا ہے تو وہ طلاق کے امر دینے کا مالک بھی بن جائے گا۔ مولی کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ صاحب ''المحیط'' کا پسندیدہ مسلک ہے۔ ''الفتح'' میں ہے: یہ زیادہ مناسب ہے۔ ''الصدر الشہید'' اور ''نجم الدین نسفی'' کا یہ پسندیدہ قول ہے کہ یہ اجازت نہیں۔ پس دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی اختلاف ہوگا جب خاوند نے اسے طلاق دے دی۔

(وَإِذْنُهُ لِعَبْدِهِ فِي النِّكَاحِ يَنْتَظِمُ جَائِزَهُ وَفَاسِدَهُ، فَيُبَاعُ الْعَبْدُ لِمَهْرِ مَنْ نَكَحَهَا فَاسِدًا بَعْدَ إِذْنِهِ فَوَطِئَهَا) خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ نَوَى الْمَوْلَى الصَّحِيحَ فَقَطْ تَقَيَّدَ بِهِ، كَمَا لَوْ نَصَّ عَلَيْهِ، وَلَوْ نَصَّ عَلَى الْفَاسِدِ صَحَّ

آقا کا اپنے غلام کو اذن نکاح دینا یہ جائز اور فاسد نکاح دونوں کو شامل ہوگا آقا کی طرف سے نکاح کے اذن کے بعد غلام نے نکاح فاسد کیا اور بیوی سے وطی کی تو اس غلام کو مہر کی ادائیگی کے لئے بیچا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر آقا نے صرف نکاح صحیح کی نیت کی تھی تو یہ نکاح صحیح کے ساتھ مقید ہوگا۔ جس طرح آقا اس کی تصریح کردے۔ اور اگر وہ فاسد کی تصریح کرے تو یہ نکاح فاسد صحیح ہوگا

''جامع الفصولین'' میں ہے: یہ اختلاف ایک طلاق میں ہے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دے دیں تو یہ بالاتفاق اجازت ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر چاہئے کہ اگر خاوند اسے تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس پر حرام ہو جائے۔ کیونکہ وہ ایسا ہوگا گویا خاوند نے پہلے اسے اجازت دی پھر اسے طلاق دے دی۔ ''زیلعی'' نے اسی کی تصریح کی ہے، ''بحر''۔

12373۔ (قولہ: وَإِذْنُهُ لِعَبْدِهِ الخ) اسے مطلق ذکر کیا تو یہ اسے بھی شامل ہوگا جب اسے آزاد عورت، معینہ لونڈی کی اجازت دی ہو یا ایسا نہ کیا ہو۔ ''ہدایہ'' میں امۃ اور معینہ کی جو قید ہے وہ اتفاقی ہے۔ ''بحر''۔

12374۔ (قولہ: بَعْدَ إِذْنِهِ) یہ قول نکحھا کے متعلق ہے اس کے ساتھ قید لگائی تا کہ اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ ان کے قول: واذنہ لعبدہ میں نکاح کے بعد اذن داخل ہے۔ کیونکہ اذن نکاح کے وقوع سے پہلے میں ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 12368 میں) گزر چکی ہے۔ فافہم۔

12375۔ (قولہ: فَوَطِئَهَا) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ نکاح فاسد میں مہر اسی کے ساتھ لازم ہوتا ہے، ''ط''۔

12376۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اذن صرف نکاح صحیح کو شامل ہوتا ہے۔ نکاح فاسد میں غلام خاوند سے آزادی کے بعد ہی مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

12377۔ (قولہ: تَقَيَّدَ بِهِ) یہ نکاح صحیح کے ساتھ مقید ہوگا اور آقا کی قضاءً اور دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔ ''النہر'' میں کہا: یہ جان لو کہ چاہئے کہ اختلاف کو مقید کیا جائے اس صورت کے ساتھ کہ آقا صرف نکاح صحیح کی نیت نہ کرے۔ اگر آقا اس کی نیت کرے تو اسی کے ساتھ مقید ہو جائے گا۔ یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے: اگر اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے زمانہ گزشتہ میں عقد نکاح نہیں کیا تو اس کی قسم نکاح فاسد کو بھی شامل ہوگی۔ ''تلخیص'' میں کہا: اگر آقا نے نکاح صحیح کی نیت کی تو دیانۃً اور قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی اگرچہ اس میں تخفیف ہے۔ کیونکہ حقیقت کی جانب کی رعایت کی گئی ہے۔

12378۔ (قولہ: كَمَا لَوْ نَصَّ عَلَيْهِ) یہ اس کے ساتھ مقید ہے جس پر سب کا اتفاق ہے جس طرح ''البحر'' میں مابعد سے اخذ کرتے ہوئے اس پر بحث کی ہے۔

12379۔ (قولہ: صَحَّ) جب خاوند نے بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے تو سب کے نزدیک اس پر مہر لازم ہو

وَصَحَّ الصَّحِیحُ أَیْضًا نَهْرٌ (وَلَوْ نَكَحَهَا ثَانِيًا) صَحِيحًا (أَوْ نَكَحَ أُخْرَى (بَعْدَهَا صَحِيحًا) (وَقَفَ عَلَى الْإِجَازَةِ) لِانْتِهَاءِ الْإِذْنِ بِمَرَّةٍ وَإِنْ نَوَى مِرَارًا، وَلَوْ مَرَّتَيْنِ صَحَّ لِأَنَّهُمَا كُلُّ نِكَاحِ الْعَبْدِ وَكَذَا التَّوْكِيلُ بِالنِّكَاحِ

اور نکاح صحیح بھی صحیح ہوگا ''نہر''۔ اگر اس غلام نے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح صحیح کیا اس کے بعد کسی اور سے نکاح صحیح کیا تو یہ اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ ایک دفعہ نکاح کرنے کے ساتھ اذن ختم ہو گیا اگرچہ وہ کئی دفعہ کی نیت کرے۔ اگر آقا نے دو دفعہ نکاح کی نیت کی تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ دونوں نکاح غلام کا کل نکاح ہے اس طرح نکاح کا وکیل بنانا ہے۔

گا۔ ''بحر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔

12380۔ (قولہ: وَصَحَّ الصَّحِیحُ أَیْضًا) اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ''النہر'' میں اس پر بحث کی ہے جو اس بحث کے برعکس ہے جو ''البحر'' میں ہے: من انه لا یصح اتفاقاً۔ جب تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے کلام میں غور و فکر کرے گا تو ''البحر'' میں جو قول ہے اس کی ارجحیت تیرے لئے ظاہر ہو جائے گی جس طرح میں نے اسے واضح کیا ہے جو میں نے اس پر تعلیق کی ہے۔ اس کا ذکر بعد میں قریب ہی (مقولہ 12388 میں) آئے گا۔

12381۔ (قولہ: وَلَوْ نَكَحَهَا ثَانِيًا) یعنی نکاح فاسد کے بعد دوبارہ نکاح صحیح کیا۔ یہ ان کے قول فیباع پر عطف ہے۔ یہ بھی اختلاف کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک یہ نکاح فاسد کو شامل ہے تو اس نکاح فاسد کے ساتھ اذن تو ختم ہو گیا۔ اور جب یہ نکاح فاسد کو شامل نہیں تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس نکاح فاسد کے ساتھ اذن منتہی نہیں ہوگا۔ پس ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کے بعد اسی کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ نکاح صحیح کر لے۔

12382۔ (قولہ: لِانْتِهَاءِ الْإِذْنِ بِمَرَّةٍ) اذن کی مثال تزویج کا امر بھی ہے جس طرح آقا غلام کو کہے: تزوج۔ اس صورت میں غلام صرف ایک دفعہ عقد نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اسی طرح جب کہا: تزوج امرأۃ۔ کیونکہ اس کا قول: امرأۃ اس جنس کی ایک عورت کا نام ہے۔ ''بحر'' میں ''البدائع'' سے منقول ہے۔

12383۔ (قولہ: وَإِنْ نَوَى مِرَارًا الخ) یعنی اگر آقا نے اپنے غلام سے کہا: تزوج اور اس کے ساتھ ایک کے بعد دوسری دفعہ عقد نکاح کی نیت کی تو یہ عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عدد محض ہے۔ اگر اس نے دو کی نیت کی تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ دو عورتوں سے عقد نکاح کرنا یہ غلام کے لئے امر نکاح کا کل ہے۔ کیونکہ غلام دو سے زیادہ عورتوں سے عقد نکاح کرنے کا مالک نہیں۔ ''بحر'' میں ''شرح المغنی للہندی'' سے مروی ہے۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ امر مصدر کو متضمن ہوتا ہے اور مصدر فرد حقیقی یا فرد اعتباری کے لئے ہوتا ہے یعنی فرد اعتباری سے مراد اس کی تمام مقدار جس کا وہ مالک ہوتا ہے۔ یہ عدد محض کے لئے نہیں ہوتا۔ جس طرح علما نے اس قول میں کہا: طلق امرأتی۔ ایک کی نیت کی یا تین کی نیت کی یہ صحیح ہوگا دو کی نیت صحیح نہ ہوگی۔

12384۔ (قولہ: وَكَذَا التَّوْكِيلُ بِالنِّكَاحِ) مثلاً اس نے کہا: تزوج لی امرأۃ اس قول کے ساتھ وہ صرف اس کی ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ اگر موکل نے چار کی نیت کی تو چاہئے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ

(بِخِلَافِ التَّوْكِيلِ بِهِ) فَإِنَّهُ لَا يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ فَلَا يَنْتَهِي بِهِ يُفْتَى وَالْوَكِيلُ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍ لَا يَمْلِكُ الصَّحِيحَ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ابْنُ مَلَكٍ

نکاح کا وکیل بنانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ نکاح فاسد کو شامل نہیں ہوگا اگر اس وکیل نے نکاح فاسد کیا تو توکیل ختم نہ ہو گی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ نکاح فاسد کا وکیل نکاح صحیح کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ابن ملک''۔

جائز ہو۔ کیونکہ اس کے حق میں یہی نکاح کی کل جنس ہے لیکن میں کوئی قول پانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ ''شرح المغنی للہندی'' کی امر کی بحث میں اسی طرح ہے ''بحر''۔ فافہم۔ جار کی نیت اس وقت صحیح ہوگی جب وہ امرأة کا لفظ نہ کہے۔ مگر جب وہ کہے جس طرح اس سے قبل مسئلہ کی صورت بیان کی گئی ہے تو پھر نیت صحیح نہ ہوگی۔

جس طرح ''رحمتی'' نے بیان کیا ہے۔ ''البدائع'' سے جو قول ابھی ابھی گزرا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: من ان المرأة اسم لواحدة من الجنس۔

12385۔ (قولہ: بِخِلَافِ التَّوْكِيلِ) نکاح کا وکیل بنانے کا معاملہ اس سے مختلف ہے یعنی جسے وکیل بنانا چاہتا ہے جو اس کا نکاح کرے۔ یہ کلام مصنف کے کلام: والاذن بالنکاح ینتظم جائزہ و فاسدہ کے ساتھ مرتبط ہے۔

12386۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ) نکاح فاسد کو شامل اس لئے نہیں ہوگا کیونکہ نکاح فاسد نکاح نہیں۔ کیونکہ نکاح فاسد، نکاح کے احکام میں سے کسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے اگر اس نے قسم اٹھائی کہ وہ شادی نہیں کرے گا پھر اس نے نکاح فاسد کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں یہ جائز ہے۔ کیونکہ بیع فاسد، بیع ہے۔ وہ بیع کے حکم کا فائدہ دیتی ہے جو ملک ہے۔ اور بیع فاسد، بیع کی قسم میں داخل ہوگی۔ پس اس کے ساتھ وہ حانث بھی ہوگا۔ ''خانیہ''۔

12387۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''البحر'' کی عبارت ہے: بالاتفاق نکاح فاسد کے ساتھ توکیل ختم نہ ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''المصفی'' میں ہے۔ شارح نے اتفاقاً کے لفظ کو ساقط کر دیا ہے۔ کیونکہ ''البحر'' کا قول: وعليه الفتوى اختلاف کا شعور دلاتا ہے علیہ کی ضمیر کو اتفاق کی طرف لوٹانے میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ بالاتفاق فتویٰ دینے کا کوئی معنی نہیں۔ فافہم۔

12388۔ (قولہ: لَا يَمْلِكُ الصَّحِيحَ) کیونکہ بعض اوقات نکاح فاسد میں کوئی غرض ہوتی ہے اور وہ ہے محض عقد کے ساتھ مہر کا لازم نہ ہونا۔ کیونکہ نکاح فاسد کی صورت میں مہر حقوق زوجیت کے ساتھ لازم ہوتا ہے اور نکاح صحیح میں صرف عقد نکاح کے ساتھ مہر لازم آجاتا ہے۔ اور خلوت اور موت کے ساتھ مہر متاکد ہو جاتا ہے اگرچہ وطی نہ بھی ہو۔ پس اس میں موکل پر وہ چیز لازم کی جاتی ہے جو اس پر لازم نہیں ہوتی۔ یہ اس کی تائید کرتی ہے جو ''البحر'' میں بحث کی ہے جس طرح وصح الصحيح ايضا کے قول کے تحت (مقولہ 12380 میں) گزر چکا ہے۔

وَفِی الْأَشْبَاہِ مِنْ قَاعِدَۃِ الْأَصْلُ فِی الْکَلَامِ الْحَقِیقَۃُ الْإِذْنُ فِی النِّکَاحِ وَالْبَیْعِ وَالتَّوْکِیلُ بِالْبَیْعِ یَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ، وَبِالنِّکَاحِ لَا، وَالْیَمِینُ عَلَی نِکَاحٍ

''اشباہ'' میں جو قاعدہ ہے کلام میں اصل حقیقت ہے۔ اس میں کہا ہے نکاح اور بیع میں اذن اور بیع میں وکیل بنانا یہ عقد فاسد کو بھی شامل ہوگا۔ اور نکاح میں وکیل بنایا جائے تو یہ نکاح فاسد کو شامل نہیں ہوگا۔ نکاح،

12389۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْبَیْعِ) یعنی جسے بیع فاسد کا وکیل بنایا جائے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ وکیل عقد صحیح کا بھی مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع فاسد حقیقت میں بیع ہے۔ کیونکہ بیع فاسد بھی قبضہ کے بعد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے۔ نکاح فاسد کا معاملہ مختلف ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12386 میں) گزرا ہے۔

12390۔ (قولہ: الْإِذْنُ فِی النِّکَاحِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ بالنکاح ذکر کرتے یعنی فی کی بجائے با ذکر کرتے۔ مراد ایسے غلام کو اذن دینا ہے جس پر حجر ہو اور اس اذن سے مراد حجر کو ختم کرنا اور حق کو ساقط کرنا ہے۔ کیونکہ غلام میں اپنی ذات میں تصرف کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اس پر حجر آقا کے حق کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اذن کے ساتھ غلام اپنی ذات کے لئے اپنی اہلیت کے ساتھ تصرف کرتا ہے۔ امام ''زفر'' اور ''شافعی'' کے نزدیک یہ توکیل اور انابت ہے جس طرح اس کے باب میں عنقریب (مقولہ 30903 کے متن میں) آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ غلام کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے: اذنت لزید باکل طعامی او بسکنی داری میں نے زید کو اپنا کھانا کھانے اور اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دی۔ اس میں حجر کو ختم کرنا اور حق کو ساقط کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: اذنت لہ ببیع داری میں نے اسے اپنا گھر بیچنے کی اجازت دے دی۔ پھر اذن یہ احلال، اعادہ اور توکیل کے معنی میں ہو گا۔ ہمارے نزدیک غلام کو اذن توکیل نہیں ہوگا۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ اذن کے ساتھ وہ اپنے لئے تصرف کرتا ہے آقا کی جانب سے نیابت کے طور پر تصرف نہیں کرتا۔

12391۔ (قولہ: وَالتَّوْکِیلُ بِالْبَیْعِ) اجنبی کو بیع کا وکیل بنانا۔ ''البحر'' کا قول ''مصنف نے اشارہ کیا کہ بیع کا اذن جو اس کا وکیل بنانا ہوتا ہے یہ بالاتفاق بدرجہ اولیٰ فاسد کو بھی شامل ہوتا ہے'' اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ اذن ہی توکیل ہے۔ لیکن تو جان چکا ہے کہ اذن مطلقاً توکیل نہیں بلکہ بعض اوقات اذن کا توکیل پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ اذن ہے جو اجنبی کو وکیل بنانے کے معنی میں ہے اس سے مراد غلام کو اجازت دینا نہیں۔ تامل۔

12392۔ (قولہ: وَبِالنِّکَاحِ لَا) یعنی جسے نکاح کا وکیل بنایا یہ وکالت نکاح فاسد کو شامل نہ ہوگی۔ جس طرح پہلے (مقولہ 12386 میں) گزر چکا ہے۔

12393۔ (قولہ: وَالْیَمِینُ عَلَی نِکَاحٍ) جس طرح اس نے قسم اٹھائی کہ وہ شادی نہیں کرے گا تو وہ حانث نہیں ہوگا مگر نکاح صحیح کے ساتھ ہی حانث ہوگا۔ مگر جب اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے زمانہ گزشتہ میں نکاح نہیں کیا تو یہ قسم نکاح صحیح اور

وَصَلَاةٍ وَصَوْمٍ وَحَجٍّ وَبَيْعٍ، إِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَاضِي يَتَنَاوَلُهُ، وَإِنْ عَلَى الْمُسْتَقْبَلِ لَا (وَلَوْ زَوَّجَ عَبْدًا لَهُ مَأْذُونًا مَدْيُونًا صَحَّ وَسَاوَتْ) الْمَرْأَةُ (الْغُرَمَاءَ فِي مَهْرِ مِثْلِهَا) وَالْأَقَلِّ

نماز، روزہ، حج اور بیع پر قسم اگر زمانہ گزشتہ کے اعتبار سے اٹھائی تو یہ قسم فاسد کو شامل ہوگی اور اگر زمانہ مستقبل کے اعتبار سے اٹھائی تو قسم فاسد کو شامل نہ ہوگی۔ اگر آقا نے اپنے ایسے غلام کی شادی کی جس کو کاروباری اجازت تھی اور وہ مقروض تھا تو عقد نکاح صحیح ہوگا بیوی قرض خواہوں کے ساتھ اپنے مہر مثل اور مہر مثل سے کم مہر میں برابر ہوگی۔

نکاح فاسد کو بھی شامل ہوگی۔ کیونکہ مستقبل کے بارے میں قسم اٹھانے سے مراد پاکدامنی ہے۔ اور زمانہ کے بارے میں قسم اٹھانے سے مراد عقد کا وقوع ہے۔ ''بحر'' میں ''المبسوط'' سے منقول ہے۔

12394۔ (قولہ: وَصَلَاةٍ) جو گفتگو گزر چکی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کی زمانہ ماضی کے بارے میں قسم یہ صرف فعل کی صورت پر منعقد ہوتی ہے جو صورت پائی گئی۔ زمانہ مستقبل کے بارے میں قسم اٹھانے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ منعقد ہوتی ہے تا کہ ثواب کی تیاری کی جائے۔ یہ نکاح فاسد سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کی مثل روزہ اور حج ہے، ''ط''۔

میں کہتا ہوں: کتاب الایمان میں (مقولہ 18124 میں) آئے گا: اس نے قسم اٹھائی وہ روزہ نہیں رکھے گا اس نے ایک لمحہ بھی نیت کے ساتھ روزہ رکھا تو وہ حانث ہو جائے گا اگر چہ وہ افطار کر دے۔ کیونکہ اس کی شرط پائی جارہی ہے۔ اگر اس نے کہا: لا یصوم صوما او یوما تو ایک دن کا روزہ رکھے گا تو حانث ہوگا۔ اس نے قسم کھائی: لا یصلی تو ایک رکعت کے ساتھ حانث ہوگا اگر قسم کھائی: لا یصلی صلوۃ تو دو رکعت پڑھنے سے حانث ہوگا۔ قسم کھائی: لا یحج وہ حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ مقام عرفات میں وقوف کرے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہاں تک کہ وہ اکثر طواف زیارت کرے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ زمانہ مستقبل میں صحیح سے مراد یہ ہے جس کے ساتھ وہ فعل اپنی شرائط کے ساتھ شرعاً متحقق ہو جائے جس پر قسم اٹھائی گئی۔ یہ روزہ ایک ساعت اور نماز میں ایک رکعت کے ساتھ ہے اگر چہ بعد میں اسے فاسد کر دے۔ تامل

12395۔ (قولہ: صَحَّ) نکاح صحیح ہو جائے گا کیونکہ یہ ملک رقبہ پر مبنی ہوتا ہے اور وہ دین کے بعد بھی باقی ہے جس طرح اس سے پہلے ملک رقبہ موجود تھی، ''بحر''۔

12396۔ (قولہ: وَسَاوَتْ الْمَرْأَةُ الْغُرَمَاءَ) غرما سے مراد قرض خواہ ہیں۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ مہر دوسرے قرضوں کی طرح ہوتا ہے۔ اگر غلام مر گیا اور اس کا مال ہو تو اس مال سے اسے پورا کیا جائے گا۔ ''الفتح'' میں جو ''تمرتاشی'' سے مروی ہے: اگر غلام مر گیا تو مہر اور نفقہ ساقط ہو گیا۔ اس قول کو مہر میں اس صورت میں محمول کیا جائے گا جب وہ کوئی چیز نہ چھوڑے ''نہر''۔ اس استخراج اور تطبیق کی اصل صاحب ''البحر'' کی ہے۔

12397۔ (قولہ: وَالْأَقَلِّ) اگر مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو تو وہ بیوی قرض خواہوں کے ساتھ اس سے ہم پلہ ہوگی۔

(وَالزَّائِدُ) عَلَيْهِ (تُطَالِبُ بِهِ) بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الْغُرَمَاءِ (كَدَيْنِ الصِّحَّةِ مَعَ) دَيْنِ (الْمَرَضِ) إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا

اور مہر مثل سے زائد مہر میں وہ خاوند سے مطالبہ کرے گی جب قرض خواہ اپنا قرض پورا لے لیں گے جس طرح دین صحت، مرض کے دین کے ساتھ ہوتا ہے مگر آقا اس غلام کو اس کی بیوی کے ہاتھ بیچ دے

مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ معلوم ہے۔

12398۔(قولہ: وَالزَّائِدُ عَلَيْهِ الخ) یعنی جب مہر مسمی مہر مثل سے زائد ہو تو وہ مہر مثل کی مقدار میں قرض خواہوں کے ہم پلہ ہوگی۔ اور اس سے جو زائد مہر ہے وہ خاوند سے اس وقت مطالبہ کرے گی جب قرض خواہ اپنا پورا حق لے چکے ہوں گے۔''بحر''۔ یعنی خاوند عورت کے لئے اس کی کمائی کرے گا اگر وہ ابھی تک اپنے آقا کی ملکیت میں ہوگا یا عورت زائد کو لینے میں آزادی تک صبر کرے گی۔ اگر قرض خواہوں نے اس غلام کو بیوی کے ساتھ مل کر ایک دفعہ بیچ دیا تو عورت کو حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ زائد مہر کے لئے اسے دوبارہ بیچے۔ کیونکہ غلام کو مہر کے حصول کے لئے بار بار نہیں بیچا جا سکتا جس طرح ہم (مقولہ 12356 میں) بیان کر چکے ہیں اسی بحث میں جو پہلے گزر چکی ہے۔ تامل۔

12399۔(قولہ: كَدَيْنِ الصِّحَّةِ) یعنی جب مریض پر حالت صحت کا قرض ہو۔ اس سے مراد وہ قرض ہے جو گواہوں کے ساتھ مطلقاً ثابت ہو یا اس نے حالت صحت میں اس کا اقرار کیا ہو تو یہ قرض مرض کے قرض پر مقدم ہوگا۔ مرض کے قرض سے مراد وہ قرض ہے جس کا اس نے حالت مرض میں اقرار کیا۔ کیونکہ اس اقرار سے قرض خواہوں کا نقصان ہوتا ہے تو یہ قرض قرض خواہوں کے قرض کے بعد ادا کیا جائے گا۔

12400۔(قولہ: إِلَّا إِذَا بَاعَهُ مِنْهَا) ''الخانیہ'' میں ہے: آقا نے اس غلام کی شادی ہزار پر کی اور اس غلام کو اس کی بیوی کے ہاتھ نو سو میں بیچ دیا جبکہ اس غلام پر ایک ہزار دین تھا۔ قرض خواہ نے اس بیع کو جائز قرار دے دیا تو یہ نو سو ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوں گے۔ ان نو سو میں قرض خواہ اپنا حصہ ہزار کے بدلے میں لے گا اور عورت اپنے ہزار مہر کے حساب سے اپنا حصہ لے گی۔ عورت اس کے بعد باقی ماندہ کا مطالبہ نہ کرے گی۔ اور قرض خواہ باقی ماندہ قرض کا مطالبہ کرے گا جب وہ آزاد ہوگا۔

(قولہ: ولا تتبعه) یہ دونا کے ساتھ ہے اور ان کے بعد با ہے۔ یعنی اس کا جو مہر باقی ہوگا اس کا مطالبہ نہ کرے گی۔ کیونکہ وہ غلام اس کی اپنی ملکیت بن چکا ہے اور عقد نکاح ختم ہو جائے گا۔ آقا اپنے غلام پر کوئی مال لازم نہیں کر سکتا مگر جو قرض کا مال باقی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ مال غلام کے ذمہ باقی رہے گا۔ پس قرض خواہ وہ مال غلام کی آزادی کے بعد لے گا۔ مگر اس سے قبل وہ اس کا اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ بات (مقولہ 12356 میں) گزر چکی ہے کہ غلام دین میں ایک سے زیادہ بار نہیں بیچا جا سکتا مگر نفقہ کے لئے بار بار بیچا جا سکتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب قرض خواہ نے آقا کی بیوی کے ہاتھ میں بیع کو جائز قرار دے دیا تو اس قرض خواہ کا تعلق صرف اس کی قیمت میں رہ گیا اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس عورت کو یہ غلام بیچنا اور اسے

كَمَا مَرَّ (وَلَوْ زَوَّجَ بِنْتَه مُكَاتَبَهُ ثُمَّ مَاتَ لَا يَفْسُدُ النِّكَاحُ) لِأَنَّهَا لَمْ تَمْلِكْ الْمُكَاتَبَ بِمَوْتِ أَبِيهَا (إلَّا إذَا عَجَزَ فَرُدَّ فِي الرِّقِّ) فَحِينَئِذٍ يَفْسُدُ لِلتَّنَافِي (زَوَّجَ أَمَتَهُ) أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ

جس طرح پہلے گزرا ہے۔ جب ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا عقد نکاح اپنے مکاتب سے کیا پھر آقا مر گیا تو عقد نکاح فاسد نہیں ہو گا۔ کیونکہ بیوی اپنے باپ کے مرنے سے مکاتب کی مالک نہیں بنی۔ مگر جب مکاتب بدل کتابت دینے سے عاجز آ جائے تو اسے رق کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس وقت منافات پائے جانے کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ آقا نے اپنی لونڈی یا اپنی ام ولد کا کسی سے عقد نکاح کیا

آزاد کرنا جائز ہے جس طرح آقا وہ غلام اس بیوی کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں بیچ سکتا ہے۔ قرض کا اس کی ذات کے ساتھ متعلق رہنا یہاں تک کہ اس کی آزادی کے بعد بھی وہ قرض باقی رہے یہ بیع کے مانع نہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہی ہے۔ جو یہ کہا گیا ہے کہ عورت کو بیچنے کا حق نہیں کیونکہ قرض خواہ کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے وہ وہم ہے۔ اس کا منشا تصحیف ہے۔ اگر نسخہ یوں ہوتا: ولا تبیعه و یبیعه الغریم من البیع تو یہ اس قول کے منافی ہوتا: اذا عتق۔ فافہم۔

12401۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی اس قول: ولو زوج المولی امته من عبده سے پہلے (مقولہ 12357 میں) گزرا ہے۔ ''ح''

12402۔ (قوله: بِنْتَه) مراد یہ ہے کہ جو عورت بھی آقا کے مرنے کے بعد اس کی وارث بنتی ہے خواہ وہ اس آقا کی بیٹی ہو، پوتی ہو یا بہن ہو، ''ط''۔

12403۔ (قوله: لِأَنَّهَا لَمْ تَمْلِكْ الْمُكَاتَبَ) کیونکہ جب تک مکاتب عاجز نہیں آتا اس وقت تک ملکیت کے منتقل ہونے کا احتمال نہیں۔ یہ عورت اس کی مالک بنتی ہے جو بدل کتابت میں سے اس کے ذمہ ہے۔ جہاں تک اس عورت کے اس مکاتب کو آزاد کرنے کے صحیح ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ مکاتب پہلے بدل کتابت سے بری ہوتا ہے پھر آزاد ہوتا ہے، ''فتح''۔

12404۔ (قوله: لِلتَّنَافِي) کیونکہ اس میں منافات ہے کہ خاوند ہونے کے ناطے وہ عورت کا مالک ہو اور بیوی اس کی رقبہ کی مالک ہو۔

آقا نے اپنی لونڈی یا ام ولد کا کسی سے نکاح کیا تو آقا پر شب باشی کے لیے بھیجنا لازم نہیں

12405۔ (قوله: أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ) اسی کی مثل مدبرہ ہے۔ اور مکاتبہ اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس کا قرینہ فتخدمه ہے۔ ہ ضمیر سے مراد مولی ہے کیونکہ آقا مکاتبہ سے خدمت لینے کا حق نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے شب باشی کے بغیر بھی مکاتبہ نفقہ کی مستحق ہوتی ہے۔ ''بحر''۔ جہاں تک اولاد کے نفقہ کا تعلق ہے تو وہ ماں کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ مکاتبہ کی اولاد اس کے عقد مکاتبہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس کی مفصل بحث ''شرح ادب القضاء للخصاف'' میں ہے۔

(لَا تَجِبُ) عَلَيْهِ (تَبْوِئَتُهَا) وَإِنْ شَرَطَهَا فِي الْعَقْدِ أَمَّا لَوْ شَرَطَ الْحُرُّ

تو آقا پر کوئی لازم نہیں کہ وہ اسے خاوند کے پاس شب باشی کے لئے بھیجے۔ اگرچہ آقا نے عقد میں اسے بطور شرط ذکر کر دیا ہے اگر آزاد خاوند یہ شرط لگائے

12406۔ (قولہ: لَا تَجِبُ عَلَيْهِ تَبْوِئَتُهَا) تبوئہ لغت میں بوأتہ منزلا کا مصدر ہے یعنی میں نے اسے رہائش دی۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے جس طرح ''خصاف'' کی شرح نفقات میں ہے: آقا لونڈی اور اس کے خاوند کو خلوت کا موقع دے اور لونڈی خاوند کے پاس بھیج دے اور اس سے خدمت نہ لے۔ مگر جب وہ جاتی ہو، آتی ہو اور آقا کی خدمت کرتی ہو تو یہ تبوئہ نہ ہوگا۔ ''بحر''۔ اس سے قبل کہا: تبوئہ کے ساتھ اسے مقید کیا کیونکہ آقا نے جب اس کا پورا مہر لے لیا تو آقا کو حکم دیا جائے گا کہ وہ لونڈی کو خاوند کے پاس بھیجے اگرچہ اس پر لازم نہیں کہ وہ اسے شب باشی کے لئے بھیجے۔ ''المبسوط'' میں اسی طرح ہے۔ اسی وجہ سے ''المحیط'' میں کہا: اگر آقا نے اس لونڈی کو ایسی جگہ بیچ دیا جہاں خاوند اس پر قدرت حاصل نہیں کر سکتا تو اس کا مہر ساقط ہو جائے گا جس طرح اس مسئلہ میں عنقریب آئے گا کہ جب وہ لونڈی کو قتل کر دے۔ یعنی اگر یہ عمل حقوق زوجیت سے پہلے ہوا تو مہر ساقط ہو جائے گا۔

یہ اور جو ''خصاف'' سے نقل کیا ہے اور جو ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے یہ تنافی کے مشابہ ہے۔ کیونکہ پہلا قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اصطلاح میں تبوئہ کے معنی کے متحقق ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آقا لونڈی خاوند کے سپرد کرے اور دوسرے قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ مہر پر قبضہ کرنے کے بعد آقا پر واجب ہے کہ لونڈی خاوند کے حوالے کرے۔ جبکہ شب باشی کے لئے بھیجنے کا واجب نہ ہونا یہ مذکورہ سپرد کرنے کے وجوب کے منافی ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جس کو ''نہر'' میں ذکر کیا ہے: جو سپردگی واجب ہے اس میں خلوت کا موقع دینا کافی ہے بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آقا خاوند کو کہہ دے: جب تو اس پر کامیاب ہو گیا تو اس سے خواہش پوری کر لینا جس طرح ''الدرایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ جس شب باشی کی نفی کی گئی ہے وہ ایسا امر ہے جو اس پر زائد ہے جس میں آقا پر لازم ہے کہ وہ لونڈی خاوند کے پاس بھیجے۔ اس میں تخلیہ پر اکتفا کرنا جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا ہے یہ واقع نہیں۔ یہ اس سے بہتر ہے جو ''مقدسی'' نے جواب دیا ہے کہ تبوئہ منفیہ سے مراد تبوئہ مستمرہ ہے۔

12407۔ (قولہ: وَإِنْ شَرَطَهَا) اگرچہ وہ اس کی شرط لگائے کیونکہ یہ شرط باطل ہے کیونکہ خاوند کے لئے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ اس لونڈی کا اس پر حلال ہونا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اگر شرط صحیح ہوتی تو اس حالت سے خالی نہ ہوتی یا تو بطریقہ اجارہ ہوتی یا بطریقہ اعارہ ہوتی تو اجارہ درست نہیں۔ کیونکہ مدت مجہول ہے۔ اور دوسری بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اعارہ کے ساتھ لزوم متعلق نہیں ہوتا، ''بحر''۔

اگر آزاد خاوند نے یہ شرط لگائی کہ لونڈی کی اولاد آزاد ہو گی تو یہ صحیح ہے

12408۔ (قولہ: أَمَّا لَوْ شَرَطَ الْحُرُّ الخ) دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ وہ یہ ہے کہ اولاد کی آزادی کی شرط

حُرِّيَّةَ أَوْلَادِهَا فِيهِ صَحَّ وَعَتَقَ كُلُّ مَنْ وَلَدَتْهُ فِي هَذَا النِّكَاحِ
کہ اس لونڈی کی اولاد آزاد ہوگی تو یہ صحیح ہے۔اس نکاح میں وہ عورت جن بچوں کو جنے گی سب آزاد ہوں گے۔

اگر چہ لونڈی کا نکاح تقاضا نہیں کرتا مگر یہ شرط لگانا صحیح ہے کیونکہ یہ آزادی کو ولادت کے ساتھ متعلق کرنا ہے اور تعلیق صحیح ہے۔اور اس سے رجوع ممتنع ہے۔کیونکہ اس کا مقتضا جبراً ثابت ہوتا ہے۔شب باشی کی شرط اس سے مختلف ہے۔کیونکہ اس کا وجود ایسے فعل پر موقوف ہے جو حسی اور اختیاری ہے۔کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے۔مگر جب وہ اسے پورا نہ کرے تو اس کے متعلق ثابت نہیں ہوگا۔میری مراد نفس الموعود به ہے۔ملخصا۔''البحر''اور''النہر''میں اسے ثابت رکھا ہے۔

اس کے پورا کرنے کے وجوب کا مقتضی یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جو باطل نہیں ہے۔لیکن اس کے صحیح ہونے سے اس کا پایا جانا لازم نہیں۔آزادی کی شرط لگانے کا معاملہ مختلف ہے۔لیکن تصریح پہلے گزر چکی ہے کہ یہ باطل ہے۔''کافی الحاکم''میں اس کی تصریح کی ہے کہا: اگر یہ خاوند کے لئے شرط لگائی گئی تو یہ شرط باطل ہوگی۔یہ شرط آقا کے لئے مانع نہ ہوگی اور وہ لونڈی سے خدمت لے۔شاید اس کے پورا کرنے کے وجوب کا معنی یہ ہے کہ یہ دیانۃً واجب ہے اور اس کے باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قضاءً لازم نہیں۔فتامل۔

تنبیہ

''النہر''میں کہا:''الفتح''میں رجل کو آزاد کے ساتھ مقید کیا ہے یہاں تک کہ اگر وہ غلام ہوگا تو اولاد شیخین کے نزدیک غلام ہوگی۔امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔اور''حموی''نے اس میں اعتراض کیا ہے کہ تعلیق معنوی موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی ظاہر ہوتا ہے اور یہ قید مفہوم کے اعتبار سے معتبر نہیں۔اسی وجہ سے بہت سی کتب میں اس کو مقید ذکر نہیں کیا۔جہاں تک اس اختلاف کا تعلق ہے جسے''النہر''میں ذکر کیا ہے میں نے علما کو دیکھا کہ انہوں نے اسے عبد مغرور (جس کو دھوکہ دیا گیا ہو) کے مسئلہ میں (مقولہ 12415 میں) ذکر کیا جب اس نے ایک عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ وہ آزاد ہے تو وہ لونڈی ظاہر ہوئی۔اس آزاد کا مسئلہ مختلف ہے جس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔کیونکہ اس کی اولاد بالاتفاق قیمت کے بدلے آزاد ہوتی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ''النہر''میں جو قول ہے وہ سبقت نظری ہے۔اس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے مغرور کا مسئلہ ذکر کیا پھر کہا:''الفتح''میں الرجل کی قید لگائی ہے۔پس ان پر ایک مسئلہ دوسرے مسئلہ کے ساتھ مشتبہ ہوگیا۔فلیراجع

12409۔(قولہ: حُرِّيَّةَ أَوْلَادِهَا) یعنی قنہ کی اولاد وغیرھا۔ان کے قول فیه میں ضمیر سے مراد عقد ہے۔ظاہر یہ ہے کہ عقد کے بعد اس کی شرط لگانا بھی اسی طرح ہے وہ اولاد آزاد ہوگی،''ط''۔

12410۔(قولہ: فِي هَذَا النِّكَاحِ) اگر خاوند نے اس بیوی کو طلاق دے دی پھر دوبارہ اس سے عقد نکاح کیا تو دوسرے نکاح کے بعد جو بچے پیدا ہوں گے وہ غلام ہوں گے۔مگر اس صورت میں جب وہ پہلے نکاح کی طرح شرط لگائے،''ط''۔

لِأَنَّ قَبُولَ الْمَوْلَى الشَّرْطَ وَالتَّزْوِيجَ عَلَى اعْتِبَارِهِ هُوَ مَعْنَى تَعْلِيقِ الْحُرِّيَّةِ بِالْوِلَادَةِ فَيَصِحُّ فَتْحٌ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ بَاعَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا قَبْلَ الْوَضْعِ فَلَا حُرِّيَّةَ وَلَوْ ادَّعَى الزَّوْجُ الشَّرْطَ وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ حَلَفَ الْمَوْلَى نَهْرٌ

کیونکہ آقا کا اس شرط کو قبول کرنا اور اس شرط کو معتبر جانتے ہوئے عقد نکاح کر دینا در حقیقت آزادی کو ولادت پر معلق کرنا ہے تو یہ صحیح ہے، ''فتح''۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آقا نے اس لونڈی کو بیچ دیا یا وہ مر گیا جبکہ ابھی لونڈی نے کوئی بچہ نہ جنا تھا تو اس کی اولاد آزاد نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے اولاد کی آزادی کی شرط کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو آقا قسم اٹھائے گا، ''نہر''

12411۔ (قولہ: وَالتَّزْوِيجَ) اس کا عطف قبول پر ہے۔ ''ط''۔ یہ اس قول سے بہتر ہے جو ''ح'' میں ہے: انه عطف علی الشرط۔

12412۔ (قولہ: عَلَى اعْتِبَارِهِ) یہ ترکیب کلام میں التزویج سے حال ہے اور ھا شرط کے لئے ہے، ''ح''۔

12413۔ (قولہ: هُوَ مَعْنَى الخ) یہ ان کی خبر ہے ''ح''۔ گویا کہا: اگر تو نے اس نکاح کے نتیجہ میں کوئی اولاد جنی تو وہ آزاد ہوگی، ''ط''۔

12414۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) مذکورہ تعلیل کا نتیجہ یہ ہے یعنی ضمیر سے مراد التعلیل المذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے سے قبل معلق معدوم ہوتا ہے۔ اور شرط کے پائے جانے تک ملک کا باقی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بحث صاحب ''البحر'' کی ہے۔ اور ان کے بھائی نے ''النہر'' میں اسی کو ثابت رکھا ہے۔ اور ''مقدسی'' نے بھی اسے ثابت رکھا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''المبسوط'' میں اسے تعلیق میں صریحاً ذکر کیا ہے۔ قول یہ ہے: ہر بچہ جسے تو جنے گی وہ آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی ملکیت فوت ہو چکی ہے اور وہ آقا کے وارثوں کی طرف منتقل ہو چکی ہے۔ اگر آقا نے اس لونڈی کو بیچ دیا جو اپنے خاوند سے حاملہ تھی تو اس کی بیع جائز ہوگی۔ اگر اس نے بیع کے بعد بچہ جنا تو وہ آزاد نہیں ہوگی۔ مگر اس صورت میں کہ صریحاً اور معنیً تعلیق میں فرق کیا جائے۔ ابھی تک یہ مسئلہ میرے لئے ظاہر نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں: دونوں کے درمیان میرے لئے فرق ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ تعلیق معنوی ہے جس کے ساتھ خاوند کا حق متعلق ہو چکا ہے اس عقد کے ضمن میں جس سے مقصود اولاد ہے۔ اور رقیق تو حکماً مردہ ہے۔ پس نکاح سے مقصود آزاد اولاد ہوگی۔ تو یہ تعلیق صریح کے حکم میں نہ ہوگی اور یہ آقا کی ملکیت کے زوال کے ساتھ باطل نہ ہوگی۔ اس کی مثل مکاتب ہے۔ کیونکہ عقد مکاتبہ معاوضہ ہے جو بدل کی ادائیگی پر آزادی کی تعلیق کو متضمن ہے۔ یہ تعلیق ضمنی اس آقا کی موت کے ساتھ باطل نہ ہوگی جس نے تعلیق ذکر کی تھی۔ نیز وہ مغرور (جس کو دھوکہ دیا گیا) جس نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی تھی کہ یہ عورت آزاد ہے تو وہ معناً اپنی اولاد کی آزادی کی شرط لگانے والا تھا۔ جب یہ امر ظاہر ہوا کہ وہ بیوی تو لونڈی ہے تو اس کی اولاد آزاد ہوگی جبکہ یہ شرط آقا کے ساتھ نہیں۔ ہمارے مسئلہ میں آزادی کی شرط آقا کے ساتھ صریحاً واقع ہوئی تو اس کا حال مغرور کے حال سے کم مرتبہ نہیں ہوگا۔ فتامل

12415۔ (قولہ: وَلَوْ ادَّعَى الزَّوْجُ الخ) اسے ''النہر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور کہا: انه حادثة الفتوی۔

(لَكِنْ لَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنَى لَهَا إِلَّا بِهَا) بِأَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ وَلَا يَسْتَخْدِمَهَا (وَتَخْدُمُ الْمَوْلَى وَيَطَأُ الزَّوْجُ إِنْ ظَفِرَ بِهَا فَارِغَةً) عَنْ خِدْمَةِ الْمَوْلَى؛ وَيَكْفِي فِي تَسْلِيمِهَا قَوْلُهُ مَتَى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا نَهْرٌ (فَإِنْ) (بَوَّأَهَا ثُمَّ رَجَعَ) عَنْهَا (صَحَّ) رُجُوعُهُ لِبَقَاءِ حَقِّهِ (وَسَقَطَتْ) النَّفَقَةُ (وَلَوْ) (خَدَمَتْهُ)

لیکن بیوی کے لئے نفقہ اور سکنی خاوند کے ذمہ اسی وقت ہوگا جب آقا اسے شب باشی کی اجازت دے اس طرح کہ اسے خاوند کے پاس بھیج دے اور اس لونڈی سے خدمت نہ لے اور وہ لونڈی آقا کی خدمت کرے اور خاوند اس کے ساتھ وطی کرے اگر وہ آقا کی خدمت سے فارغ پائے۔ آقا کی جانب سے سپردگی میں اتنا کہہ دینا کافی ہے جب تو اس کے ساتھ حقوق زوجیت کا موقع پائے تو اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرلے ''نہر''۔ اگر آقا نے اسے شب باشی کی اجازت دی پھر اس سے رجوع کرلیا تو اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کا حق باقی ہے اور نفقہ ساقط ہوجائے گا اور اگر لونڈی

اور ''جامع الفصولین'' میں مغرور کے بارے میں جو گفتگو ہے اس سے استنباط کیا ہے: اگر خاوند نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس شرط پر شادی کی تھی کہ یہ عورت آزاد ہے اور آقا نے اس کو جھٹلایا۔ اگر تو خاوند نے گواہیاں پیش کردیں تو اولاد قیمت کے بدلے میں آزاد ہوگی ورنہ آقا سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ اس خاوند نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ اگر وہ آقا اس کا اقرار کرلیتا تو اس پر لازم آجاتا۔ اور جب اس نے انکار کیا تو اس پر قسم لازم ہوجائے گی۔

12416۔ (قولہ: لَكِنْ لَا نَفَقَةَ الخ) کیونکہ نفقہ یہ گھر میں رکنے کی جزا ہے۔ اسی وجہ سے جو عورت نشوز کرتی ہے یعنی خاوند سے ناراض ہوکر خاوند کے گھر سے چلی جاتی ہے اور خاوند کے علاوہ کے ساتھ حج پر جاتی ہے اور اس عورت کو دین کے بدلے میں غصب کرلیا جاتا ہے تو اس کا نفقہ خاوند پر لازم نہیں ہوتا۔ ''رحمتی''۔ مسکن کا نفقہ پر عطف خاص کے عام پر عطف کی طرح ہے۔ کیونکہ نفقہ سے مراد سکنی، طعام اور کسوہ ہے۔

12417۔ (قولہ: وَلَا يَسْتَخْدِمَهَا) یہ اس پر مبنی ہے جو نفقات ''الخصاف'' میں ہے (مقولہ 12406 میں) گزر چکا ہے۔ اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ امر محققہ یہ ہے کہ اعتبار اس امر کا ہوگا کہ وہ رات کے وقت خاوند کے گھر میں ہو دن کے وقت خاوند کا خدمت لینا کوئی نقصان نہیں دیتا۔ اس کی مثل قریب ہی (مقولہ 12420 میں) آئے گی۔

12418۔ (قولہ: فَارِغَةً عَنْ خِدْمَةِ الْمَوْلَى) اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر خاوند اپنی بیوی کو آقا کی خدمت میں مشغول پائے ایسے مکان میں جو خالی ہو تو اسے حقوق زوجیت کا کوئی حق نہیں۔ میں نے اسے صریحاً کہیں نہیں پایا ''بحر''۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے اگر خاوند کا لطف اندوز ہونا آقا کی خدمت میں نقص کا باعث نہیں تو خاوند کے لئے مباح ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے حق کو پانے والا ہے آقا کے حق میں کوئی کمی کرنے والا نہیں۔ خصوصاً جب وقت تھوڑا سا ہو ''ط''۔

12419۔ (قولہ: وَيَكْفِي فِي تَسْلِيمِهَا) یعنی عقد کے تقاضا کے مطابق جو ضروری ہے آقا کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ جب یہ معنی کیا جائے تو یہ اس قول کے منافی نہیں جو ہم نے پہلے (مقولہ 12406 میں) بیان کیا ہے کہ آقا پر یہ لازم نہیں

أَيْ السَّيِّدَ بَعْدَ التَّبْوِئَةِ (بِلَا اسْتِخْدَامِهِ) أَوْ اسْتَخْدَمَهَا نَهَارًا وَأَعَادَهَا لِبَيْتِ زَوْجِهَا لَيْلًا (لَا) تَسْقُطُ لِبَقَاءِ التَّبْوِئَةِ (وَلَهُ) أَيْ الْمَوْلَى (السَّفَرُ بِهَا) أَيْ بِأَمَتِهِ (وَإِنْ أَبَى الزَّوْجُ) ظَهِيرِيَّةٌ (وَلَهُ إِجْبَارُ قِنِّهِ وَأَمَتِهِ وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ، وَلَا يَلْزَمُهُ الِاسْتِبْرَاءُ بَلْ يُنْدَبُ، فَلَوْ وَلَدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ فَهُوَ مِنَ الْمَوْلَى

شب باشی کے بعد آقا کی خدمت کرے جبکہ آقا نے اس سے خدمت طلب نہ کی ہو یا آقا اس سے دن کے وقت خدمت لے اور رات کے وقت اسے خاوند کے گھر بھیج دے تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ شب باشی باقی ہے۔ اور آقا کو حق حاصل ہے کہ اپنی لونڈی کو سفر پر ساتھ لے جائے اگرچہ خاوند انکار کرے، ''ظہیریہ''۔ اور آقا کو نکاح میں جبر کرنے کا حق ہے اپنے قن اور اپنی لونڈی میں اگرچہ وہ ام ولد ہو۔ اور آقا پر کوئی لازم نہیں کہ نکاح سے پہلے رحم کو پاک کرے بلکہ مستحب ہے۔ اگر نکاح کے بعد نصف سال گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوا تو وہ آقا کا ہوگا۔

کہ وہ شب باشی کے لئے لونڈی کو خاوند کے پاس بھیجے۔

12420۔ (قولہ: أَوْ اسْتَخْدَمَهَا نَهَارًا الخ) یہ وہی بات ہے جو قریب ہی ''البحر'' سے (مقولہ 12417 میں) نقل کی گئی ہے: انه التحقيق۔ ''حموی'' نے کہا: دن کا نفقہ آقا پر ہوگا اور رات کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہوگا جس طرح ''قہستانی'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔

12421۔ (قولہ: وَإِنْ أَبَى الزَّوْجُ) اگرچہ خاوند نے پورا مہر دے دیا ہو کیونکہ آقا کا حق زیادہ قوی ہے، ''ط''۔

12422۔ (قولہ: وَلَهُ) یعنی آقا کو حق حاصل ہے کیونکہ اس کی ملکیت مکمل ہے ''نہر''۔ اس قول کے ساتھ مکاتب سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ اس کی ملکیت ناقص ہے۔ پس مملوک میں اجبار کی ولایت کمال ملک پر منحصر ہے۔ یہ مدبر اور ام ولد میں کامل ہے اگرچہ رق ناقص ہے۔ اور مکاتب ان دونوں کے برعکس ہے، ''بحر''۔

12423۔ (قولہ: وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ) اور اسی کی مثل مدبر اور مدبرہ ہے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قنہ بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہوگی۔ لیکن یہ قن میں داخل ہے کیونکہ قن کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12334 میں) گزر چکا ہے۔ فافہم۔

12424۔ (قولہ: وَلَا يَلْزَمُهُ الِاسْتِبْرَاءُ) ہم محرمات کی فصل میں پہلے (مقولہ 11426 میں) بیان کر چکے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ آقا پر استبرا واجب ہے جب وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اس کی شادی کرے جبکہ اس نے اس لونڈی کے ساتھ وطی کی ہو۔ جہاں تک خاوند کا تعلق ہے تو ''ہدایہ'' میں کہا: آقا لونڈی کا استبرا رحم نہیں کرے گا نہ استحبابا اور نہ وجوبا۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ وہ استبراء رحم سے پہلے وطی کرے۔ ''ابو اللیث'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اسی کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے (مقولہ 11425 میں) گزر چکی ہے۔

12425۔ (قولہ: فَهُوَ مِنَ الْمَوْلَى) یعنی آقا اگر قنہ اور مدبرہ میں یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بچہ ہے اور ام ولد میں اپنا

وَالنِّکَاحُ فَاسِدٌ بَحْرٌ مِنَ الِاسْتِیلَادِ وَثُبُوتِ النَّسَبِ (عَلَی النِّکَاحِ) وَإِنْ لَمْ یَرْضَیَا لَا مُکَاتَبِهِ وَمُکَاتَبَتِهِ، بَلْ یَتَوَقَّفُ عَلَی إجَازَتِهِمَا وَلَوْ صَغِیرَیْنِ إلْحَاقًا بِالْبَالِغِ، فَلَوْ أَدَّیَا وَعَتَقَا عَادَ مَوْقُوفًا عَلَی إجَازَةِ الْمَوْلَی لَا عَلَی إجَازَتِهِمَا

اور نکاح فاسد ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ ''بحر'' میں الاستیلاد و ثبوت النسب کے باب میں مذکور ہے یعنی آقا اپنی لونڈیوں کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے اگر چہ وہ راضی نہ ہوں۔ آقا، مکاتب غلام اور مکاتبہ لونڈی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ آقا کی جانب سے ان کا کیا گیا نکاح ان دونوں کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر چہ وہ دونوں نابالغ ہوں۔ انہیں بالغ کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ اگر دونوں نے بدل کتابت ادا کر دیا اور دونوں آزاد ہو گئے تو عقد نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہونے کی حیثیت میں لوٹ آئے گا۔ عقد نکاح ان دونوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔

بچہ ہونے کی نفی نہ کرے''ط''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس وقت ہے جب وہ علم کے بغیر لونڈی کا عقد نکاح کرے۔ کیونکہ ہم المحرمات کے باب میں (مقولہ 11418 میں) ''التوشیح'' سے نقل کر چکے ہیں: چاہئے کہ اگر جاننے کے بعد اور اس کا اعتراف کرنے سے پہلے لونڈی کی کسی سے شادی کر دی تو نکاح جائز ہو جائے گا اور نکاح کرنا ہی اس کے نسب کی نفی ہوگی۔

12426۔ (قولہ: وَالنِّکَاحُ فَاسِدٌ) پس مہر لازم نہیں ہوگا مگر جب خاوند وطی کرے گا''ط''۔

12427۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ یَرْضَیَا) اس امر کی طرف اشارہ ہے جو ''قہستانی'' وغیرہ میں ہے: اجبار سے مراد یہ ہے کہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کی شادی کر دینا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں ایجاب وقبول پر مجبور کرے۔ فافہم۔

12428۔ (قولہ: لَا مُکَاتَبِهِ وَمُکَاتَبَتِهِ) کیونکہ عقد مکاتبہ کی وجہ سے دونوں اجنبیوں کے ساتھ لاحق ہو گئے ہیں اسی وجہ سے اگر ان پر کوئی جنایت کرتا ہے تو وہ دونوں کا مطالبہ کرنے کے مستحق ہیں۔ جب آقا مکاتبہ لونڈی سے وطی کرے گا تو وہ لونڈی مہر کی مستحق ہو جاتی ہے تو دونوں آزاد کی طرح ہو جائیں گے۔ ان دونوں کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ''طحطاوی'' نے ''ابوسعود'' سے نقل کیا ہے۔

12429۔ (قولہ: وَلَوْ صَغِیرَیْنِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد اجازت ہے اگر چہ حالت صغر میں ہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ ہے دونوں جب چھوٹے آزاد ہوں تو ان کا قول اصلاً معتبر نہیں۔ یہ احتمال موجود ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان دونوں پر آقا کا کیا گیا عقد نکاح نافذ نہ ہوگا اگر چہ وہ نابالغ ہوں۔ بلکہ عقد نکاح ان کے بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ ان کی کلام سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ پہلا ہے۔ تامل

12430۔ (قولہ: فَلَوْ أَدَّیَا) یعنی اگر دونوں نے بدل کتابت عقد رد کرنے سے پہلے ادا کر دیا''فتح''۔

12431۔ (قولہ: عَادَ مَوْقُوفًا عَلَی إجَازَةِ الْمَوْلَی) کیونکہ اس آقا کے لئے نئی ولایت پیدا ہوئی ہے جو اس ولایت

لِعَدَمِ أَهْلِيَّتِهِمَا إِنْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ غَيْرُهُ وَلَوْ عَجَزَا تَوَقَّفَ نِكَاحُ الْمُكَاتَبِ عَلَى رِضَا الْمَوْلَى ثَانِيًا لِعَوْدِ مُؤَنِ النِّكَاحِ عَلَيْهِ وَبَطَلَ نِكَاحُ الْمُكَاتَبَةِ لِأَنَّهُ طَرَأَ حِلٌّ بَاتٌّ عَلَى مَوْقُوفٍ فَأَبْطَلَهُ،

کیونکہ ان دونوں کو اجازت دینے کی اہلیت نہیں اگر آقا کے علاوہ ان کا کوئی عصبہ نہ ہو۔ اگر دونوں بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گئے تو مکاتب غلام کا نکاح دوبارہ آقا کی رضا پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ نکاح کا تمام تر بوجھ آقا پر آ گیا اور مکاتبہ لونڈی کا نکاح باطل ہو گیا۔ کیونکہ قطعی حلت موقوف امر پر طاری ہو گئی تو اس نے موقوف امر کو باطل کر دیا۔

سے مختلف ہے جو اس وقت موجود تھی جس وقت اس نے ان کا عقد نکاح کیا تھا اور اس کی رضا شامل تھی۔ کیونکہ پہلی ولایت ملکیت کے حکم کے طور پر تھی اور یہ ولایت ولاء کے اعتبار سے ہے۔ پس نئی ولایت کی وجہ سے نئی رضا بھی شرط ہے۔ اور وہ آقا اس شریک کی طرح ہوگا جب اس نے مشترک غلام کی شادی کی پھر وہی مالک باقی ماندہ غلام کا بھی مالک بن گیا۔ بے شک نکاح اس کی اجازت کا محتاج ہے۔ کیونکہ باقی ماندہ غلام میں اس کی ملکیت نئی پیدا ہوئی ہے۔ اور اس آدمی کی طرح ہو گیا جس نے اپنے چھوٹے بیٹے کے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر بیٹا مر گیا تو باپ اس کا وارث بن گیا۔ بے شک غلام تصرف میں باپ کی جانب سے نئی اجازت کا محتاج ہے۔ کیونکہ باپ کو اس کی ملک کی نئی ولایت حاصل ہوئی ہے۔ اور وہ اس آدمی کی طرح ہو گیا ہے جس نے اپنے پوتے کا عقد نکاح کیا جب کہ اس کا بیٹا موجود تھا پھر بیٹا فوت ہو گیا تو نکاح میں دادا کی نئی اجازت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسے نئی ولایت حاصل ہو گئی ہے۔ راہن کا معاملہ مختلف ہے جب اس نے رہن رکھے گئے غلام کو بیچا۔ اور اس آقا کا معاملہ مختلف ہے جس نے اس غلام کو بیچا جس کو تجارت کا اذن تھا اور اس پر قرض تھا۔ پھر دونوں صورتوں میں دین ساقط ہو گیا۔ کیونکہ دین سقوط کے طریقوں میں سے کسی طریقہ سے ہو گیا ہے۔ کیونکہ عقد دونوں میں مالک کی دوسری دفعہ اجازت کا محتاج نہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں عقد کا نفاذ ولایۃ اصلیہ کی وجہ سے ہے اور وہ ولایۃ ملک ہے۔ ''شرح تلخیص الجامع الکبیر''۔

12432۔(قولہ: لِعَدَمِ أَهْلِيَّتِهِمَا) کیونکہ آزادی کے بعد کتابت باقی نہیں اور نابالغ اجازت دینے کا اہل نہیں۔

12433۔(قولہ: إِنْ لَمْ يَكُنْ) یہ عادتول کی قید ہے۔

12434۔(قولہ: ثَانِيًا) یہ رضا کی طرف راجع ہے توقف کی طرف راجع نہیں یعنی دوسری رضا ''شرح تلخیص'' میں کہا: آقا کی اجازت ضروری ہے اگرچہ وہ پہلی دفعہ راضی تھا۔ فافہم۔

12435۔(قولہ: لِعَوْدِ مُؤَنِ النِّكَاحِ عَلَيْهِ) کیونکہ جب آقا نے اس کی شادی کی تھی تو آقا اس بات پر راضی تھا کہ نکاح کا بوجھ یعنی مہر اور نفقہ مکاتب کی کمائی سے پورا ہوگا آقا کو اپنی مملوک چیز سے پورا نہیں کرنا پڑے گا اور مکاتب جب بدل کتابت سے عاجز آ گیا تو مکاتبہ کی کمائی مولیٰ کی ملکیت ہوگی۔ ''شرح تلخیص''۔

12436۔(قولہ: لِأَنَّهُ طَرَأَ حِلٌّ بَاتٌّ) یعنی آقا کی اس لونڈی سے وطی حلال ہے علی حل موقوف۔ جو خاوند کے لئے حلت تھی فابطلہ اس نے موقوف حلت کو باطل کر دیا۔ جس طرح ایک لونڈی ہے جب اس نے آقا کی اجازت کے بغیر

وَالدَّلِیلُ یَعْمَلُ الْعَجَائِبَ، وَبَحْثُ الْکَمَالِ هُنَا غَیْرُ صَائِبٍ

اور دلیل عجیب وغریب امور کو ثابت کرتی ہے۔ اور ''کمال'' کا یہاں اعتراض درست نہیں۔

عقد نکاح کیا پھر اس کا وہ مالک بن گیا جس کے لئے وہ لونڈی حلال تھی تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ قطعی حلت موقوف حلت پر طاری ہوگئی ہے۔ اور مکاتب غلام کا عقد نکاح باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس پر مذکورہ چیز طاری نہیں ہوئی۔ ''شرح تلخیص''۔

12437۔ (قولہ: وَالدَّلِیلُ یَعْمَلُ الْعَجَائِبَ) عجب کی صورت یہ ہے کہ آقا آزادی کے بعد نکاح لازم کرنے کا مالک ہے اس سے قبل مالک نہیں تھا۔ آزادی سے پہلے یہ عقد نکاح مکاتب کی اجازت پر موقوف تھا اور آزادی کے بعد مکاتب کی اجازت پر موقوف نہیں اور اگر عقد مکاتبہ رق کی طرف لوٹا دی جائے تو وہ نکاح باطل ہو جاتا ہے جسے آقا نے خود کیا تھا اور اگرچہ اس کی اجازت دی تھی اور اگر مکاتبہ لونڈی آزاد ہوگئی تو اس کی اجازت کے ساتھ عقد نکاح جائز ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: جب تک وہ لونڈی آقا سے زیادہ دور ہوگی نکاح میں آقا کے اتنی ہی قریب ہوگی۔

کمال بن ہمام اجتہاد کے رتبہ پر فائز ہیں

12438۔ (قولہ: وَبَحْثُ الْکَمَالِ هُنَا غَیْرُ صَائِبٍ) ''کمال'' نے کہا: نظر وفکر جس امر کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد نکاح آقا کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ محض اس کی آزادی کے ساتھ ہی اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے جب غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کرے اور آقا اسے آزاد کر دے تو اس کا عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ نکاح موقوف ہو یا تو وہ نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا جبکہ یہ تو ممتنع ہے۔ کیونکہ اس کی ولایت منتفی (ختم ہو چکی) ہے یا وہ غلام کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ عقد نکاح تو اس غلام کی طرف سے ہی واقع ہوا تھا تو پھر وہ کیسے اس کی اجازت پر موقوف ہوگا؟ وہ غلام کی جانب سے نافذ تھا۔ یہ آقا پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح یہاں سید کی صورتحال ہے۔ کیونکہ وہ ایسا ولی ہے جو مجبور کر سکتا ہے توقف اس کے اذن پر ہوگا۔ کیونکہ عقد کتابت موجود تھا۔ پس آقا کی جانب سے نفاذ باقی ہے۔ یہی وہ وجہ ہے۔ اکثر بھول جانے والے بھول جانے والوں کی تقلید کرتے ہیں۔ ''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ سوء ادبی ہے اور غلط ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الکبیر'' میں اس کی تصریح کی ہے تو سہو کی نسبت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کیسے کی جا سکتی ہے اور ان کی تقلید کرنے والوں کی طرف کیسے نسبت کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک دوسری صورت (جس میں آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے) کا تعلق ہے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے عقد نکاح کے آقا کی اجازت پر موقوف ہونے کی علت بیان کی ہے کہ آقا کے لئے ولایت متجدد ہوئی ہے جو عقد کے وقت پہلے سے موجود نہ تھی۔ وہ آزادی کی ولایت ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے ولایت نہ ہوئی جب اس سے قریبی ولی موجود ہو جس طرح بھائی اور چچا ہے تو وہ شریک کی طرح ہو گیا ''شرح التلخیص'' سے جو ہم نے آخر تک بیان کیا ہے۔ کہا: بے شمار مواقع ایسے ہوئے جس میں خطا کرنے والا صحیح پر اعتراض کر دیتا ہے۔ اس کی مثل ''النہر''،

(وَلَوْ)(قَتَلَ) الْمَوْلَی (أَمَتَهُ قَبْلَ الْوَطْءِ) وَلَوْ خَطَأً فَتْحٌ (وَهُوَ مُكَلَّفٌ) فَلَوْ صَبِيًّا لَمْ يَسْقُطْ

اگر آقا نے اپنی لونڈی کو حقوق زوجیت سے پہلے قتل کر دیا اگرچہ قتل خطا ہو''فتح''۔ حالانکہ مولی مکلف ہے، اگر وہ لڑکا ہو تو راجح قول کے

''الشرنبلالیہ'' اور ''شرح الباقانی'' میں ہے۔

علامہ مقدسی نے اس کا جواب دیا کہ ''کمال'' نے جو بحث کی ہے وہی قیاس ہے جس طرح امام ''حصیری'' نے ''شرح الجامع الکبیر'' میں تصریح کی ہے۔ جب یہ قیاس ہے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غلط ہے اور سوء ادبی ہے جبکہ وہ شخص جو اجتہاد کے رتبہ پر فائز ہو وہ کہے مقتضی النظر کذا الشیء ھو القیاس۔ اس پر یہ رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ منقول ہے۔ کیونکہ اس نے مقبول دلیل کی پیروی کی ہے اگرچہ بحث مذہب پر غالب نہیں آ سکتی۔

میں کہتا ہوں: جو چیز ان سے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں سوء ادبی کی نفی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ فرع یہ مشائخ کی تفریعات میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسئلہ کے شروع میں کہا: اس سے میں نے ایک نیا مسئلہ پایا جو ''المحیط'' سے نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مولیٰ جب اپنی چھوٹی مکاتبہ کا عقد نکاح کرے'' یہاں تک کہ کہا: ''شارحین نے اس پر اسی طرح اتفاق کیا ہے۔'' یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''کمال'' نے یہ گمان کیا کہ اس پر کوئی نص نہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس امام کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔

اگر آقا نے اپنی لونڈی کو حقوق زوجیت سے پہلے قتل کر دیا تو مہر کا حکم

12439۔ (قولہ: وَلَوْ قَتَلَ الْمَوْلَی أَمَتَهُ) یہاں قتل کے ساتھ اسے مقید کیا ہے۔ کیونکہ اگر اسے بیچتا اور مشتری اسے شہر سے لے جاتا یا اسے ایسی جگہ غائب کر دیتا جہاں تک خاوند نہ پہنچ سکے تو یہ مہر ساقط نہیں ہوگا۔ بلکہ مہر کا مطالبہ ساقط ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی بیوی کو حاضر کرے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر وہ بھاگ گئی تو اس بیوی کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا جب تک وہ شیخین کے قول کے قیاس میں حاضر نہ ہو۔ ''نہر''۔ قتل کی طرح اگر وہ حقوق زوجیت سے پہلے اسے آزاد کر دے تو اس نے فرقت کو اختیار کر لیا۔ مولیٰ کی قید ذکر کی کیونکہ غیر کے قتل کرنے سے مہر بالاتفاق ساقط نہیں ہوگا۔ اور امۃ کی قید لگائی کیونکہ اگر آقا خاوند کو قتل کر دے تو مہر ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عاقد میں تصرف ہے معقود علیہ میں تصرف نہیں۔ امۃ سے مراد قنہ، مدبرہ اور ام ولد ہے۔ کیونکہ مکاتبہ کا مہر مکاتبہ کو دیا جاتا ہے آقا کو نہیں دیا جاتا۔ پس آقا اسے قتل کر دے تو مہر ساقط نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ مکاتبہ کی طرح وہ لونڈی بھی ہے جس کو اذن دیا گیا ہو اور وہ مقروض ہو جس طرح آگے (مقولہ 12455 میں) آئے گا۔

12440۔ (قولہ: قَبْلَ الْوَطْءِ) یعنی اگرچہ وطی حکماً ہو ''نہر''۔ کیونکہ یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے کہ خلوت صحیحہ حکماً وطی ہے۔

12441۔ (قولہ: وَلَوْ خَطَأً) یعنی یا تسبباً ہو جس طرح اطلاق کا مقتضا ہے، ''نہر''۔

12442۔ (قولہ: فَلَوْ صَبِيًّا) مجنون بدرجہ اولیٰ اس کی مثل ہوگا، ''نہر''۔

عَلَى الرَّاجِحِ (سَقَطَ الْمَهْرُ) لِمَنْعِهِ الْمُبْدَلَ كَحُرَّةٍ ارْتَدَّتْ وَلَوْ صَغِيرَةً (لَا لَوْ فَعَلَتْ ذٰلِكَ) الْقَتْلَ (امْرَأَةٌ) وَلَوْ أَمَةً عَلَى الصَّحِيحِ خَانِيَةٌ (بِنَفْسِهَا) أَوْ قَتَلَهَا وَارِثُهَا

مطابق مہر ساقط نہیں ہوگا۔ مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس نے مبدل کو روک دیا ہے جس طرح آزاد عورت مرتد ہو جائے اگرچہ صغیرہ ہو۔ مہر ساقط نہیں ہوگا اگر یہ قتل عورت نے کیا اگرچہ وہ لونڈی ہو صحیح قول کے مطابق ''الخانیہ''۔ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا یا اس کے وارث نے اسے قتل کیا۔

12443۔(قولہ: عَلَى الرَّاجِحِ الخ) ''مصفی'' میں اس کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں۔ ''الفتح'' میں ہے: اگر وہ اہل مجازات میں سے نہ ہو جیسے وہ نابالغ ہو مثلاً اس کے وصی نے اس کی لونڈی کا عقد نکاح کر دیا علما نے کہا: ضروری ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مہر ساقط نہ ہو۔ حرہ صغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وہ مرتد ہوگئی تو اس کا مہر ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ صغیرہ عاقلہ ردت کی صورت میں اہل مجازات میں سے ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے افعال میں وہ اہل مجازات میں سے نہیں۔ کیونکہ باقی ماندہ افعال اس پر ممنوع نہیں اور ارتداد اس پر ممنوع ہے۔ پس عدم سقوط راجح ہو گیا ''بحر''۔

''رحمتی'' نے کہا: بچہ حقوق العباد میں اہل مجازات میں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب وہ قتل کرے تو اس پر دیت واجب ہوتی ہے اور جب وہ کسی کا نقصان کرے تو اس پر ضمانت لازم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ''الهدایہ''، ''الوقایہ''، ''الدرر''، ''الملتقی'' اور ''الکنز'' میں مکلف کی تقیید کو ترک کیا ہے۔ دلیل اس کی تائید کرتی ہے۔ ان میں اسوہ حسنہ ہے۔

12444۔(قولہ: سَقَطَ الْمَهْرُ) یہ ''امام اعظم'' کا نقطہ نظر ہے جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ اس نے سپرد کرنے سے قبل ہی مبدل کو روک لیا ہے۔ پس اسے بدل کے روکنے کے ساتھ جزا دی جائے گی۔ اگر مہر پر قبضہ کیا جا چکا ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ سب کچھ خاوند پر واپس کر دے، ''بحر''۔

12445۔(قولہ: كَحُرَّةٍ ارْتَدَّتْ) کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی جبکہ ابھی مہر پختہ نہ ہوا تھا پس مہر ساقط ہو جائے گا۔

12446۔(قولہ: وَلَوْ صَغِيرَةً) کیونکہ اس پر ردت ممنوع ہے۔ باقیماندہ افعال کا معاملہ اس سے مختلف ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12443 میں) گزر چکا ہے۔

12447۔(قولہ: لَا لَوْ فَعَلَتْ ذٰلِكَ الْقَتْلَ امْرَأَةٌ) یعنی مذکورہ قتل جو وطی سے قبل ہو۔ ''النہر'' میں کہا: آزاد کی اپنی ذات پر جنایت دنیا کے احکام میں رائیگاں جاتی ہے۔ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جنایت رائیگاں نہیں تو عورت کا اپنی ذات کو قتل کرنا موت کے بعد تفویت ہے۔ اور موت کے ساتھ مہر وہ وارثوں کے لئے ہو گیا ہے تو وہ مہر ساقط نہ ہوگا۔ اور جب مہر ساقط نہ ہوگا جبکہ پہلے وہ عورت کا حق تھا تو وہ وارث کے قتل کرنے سے بدرجہ اولیٰ ساقط نہ ہوگا۔

12448۔(قولہ: وَلَوْ أَمَةً) کیونکہ مہر اس کے آقا کا ہے تو آقا کی جانب سے بدل کا روکنا نہیں پایا گیا، ''بحر''۔

أَوْ ارْتَدَّتْ الْأَمَةُ أَوْ قَبَّلَتْ ابْنَ زَوْجِهَا كَمَا رَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ، إذْ لَا تَفْوِيتَ مِنْ الْمَوْلَى (أَوْ فَعَلَهُ بَعْدَهُ) أَيْ الْوَطْءِ لِتَقَرُّرِهِ بِهِ، وَلَوْ فَعَلَهُ بِعَبْدِهِ أَوْ مُكَاتَبَتِهِ أَوْ مَأْذُونَتِهِ الْمَدْيُونَةِ لَمْ يَسْقُطْ اتِّفَاقًا

یا وہ لونڈی مرتد ہوگئی یا اس نے اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا جس طرح ''النہر'' میں اسے ترجیح دی ہے۔ کیونکہ آقا کی جانب سے کوئی کوتاہی اور قصور نہیں یا آقا نے اسے قتل کیا حقوق زوجیت کے بعد۔ کیونکہ وہ حقوق زوجیت کے ساتھ ثابت ہو چکا تھا۔ اور اگر آقا نے اپنے غلام کو قتل کیا یا اپنی مکاتبہ لونڈی کو قتل کیا یا ایسی لونڈی کو قتل کیا جس کو اذن دے رکھا تھا تو بالاتفاق مہر ساقط نہیں ہوگا۔

''حموی'' نے کہا: ان کی کلام سے جو سمجھ آتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ مہر کے سقوط میں علت، دو امر ہیں۔ (۱) وہ امر اس سے صادر ہو جس کا مہر ہو۔ (۲) اس پر دنیوی حکم مرتب ہوتا ہو جس طرح صدر متن میں مذکور ہے۔ ایسی لونڈی جس کو کاروبار کی اجازت نہ ہو اور ایسی لونڈی جس کے ساتھ عقد مکاتبہ نہ ہو جب وہ اپنے آپ کو قتل کرے گی تو دونوں امر مفقود ہیں۔ آزاد عورت جب وہ اپنے آپ کو قتل کرے اور آقا غیر مکلف جب اپنی لونڈی کو قتل کرے تو دوسری شرط مفقود ہوگی۔ اجنبی اور وارث میں جب وہ آزاد عورت یا لونڈی کو قتل کرے تو پہلا امر مفقود ہوا۔ کیونکہ وارث قتل کرنے کے ساتھ وارث نہ رہا جو مہر کا مستحق ہو۔ کیونکہ وہ اس عمل کے ذریعے مہر سے محروم ہو چکا ہے پس وہ اجنبی کی طرح ہو گیا، ''بحر''۔

12449۔(قولہ: أَوْ ارْتَدَّتْ الْأَمَةُ) یہ ان کے اس قول کے مقابل ہے: کحرۃ ارتدت۔

12450۔(قولہ: كَمَا رَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ) یہ آخری دو، یعنی لونڈی مرتد ہو جائے یا اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لے، کی طرف راجع ہے۔ ''البحر'' میں اس کی طرف سبقت کی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ جب لونڈی اپنے آپ کو قتل کر دے تو مہر کا ساقط نہ ہونا صحیح ہے۔ ''زیلعی'' نے دونوں روایتوں کو سب میں رکھ دیا ہے جبکہ مسئلہ قتل میں ان دونوں میں سے صحیح مہر کا ساقط نہ ہونا ہے تو اسے یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے یہی ظاہر ہے۔ کیونکہ مستحق جو آقا ہے اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

12451۔(قولہ: أَوْ فَعَلَهُ) ضمیر مستتر مکلف آقا کے لئے ہے اور ضمیر بارز القتل کے لئے ہے، ''ح''۔

12452۔(قولہ: لِتَقَرُّرِهِ) ہ ضمیر سے مراد مہر ہے بہ ضمیر سے مراد وطی ہے، ''ح''۔

12453۔(قولہ: وَلَوْ فَعَلَهُ بِعَبْدِهِ) اس کی صورت یہ ہے اس نے اپنے غلام کی شادی کی پھر اسے قتل کر دیا اور اس کی قیمت کی ضمانت اٹھائی تو اس سے بیوی کا مہر پورا کیا جائے گا۔ اس کی مثل یہ ہے جب وہ اسے بیچے۔ ''النہر'' میں کہا: عنقریب آئے گا کہ اگر اس نے مدیون کو آزاد کیا تو اس پر اس کی قیمت لازم ہوگی تو قتل کی صورت میں بدرجہ اولیٰ قیمت لازم ہوگی، ''ح''۔

12454۔(قولہ: أَوْ مُكَاتَبَتِهِ) کیونکہ یہ معروف ہے کہ مکاتبہ کا مہر مکاتبہ کا ہوتا ہے آقا کا نہیں ہوتا، ''بحر''۔

12455۔(قولہ: أَوْ مَأْذُونَتِهِ الْمَدْيُونَةِ) یہ صاحب ''البحر'' کی بحث ہے جب کہا: میں کہتا ہوں: ''چاہئے کہ اختلاف کو مقید کیا جائے''، یعنی وہ اختلاف جو امام اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان گزرا ہے ایسی لونڈی کے ساتھ جس کو اجازت

(وَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ) وَهُوَ الْإِنْزَالُ خَارِجَ الْفَرْجِ (لِمَوْلَى الْأَمَةِ

عزل کی اجازت دینا ''عزل سے مراد شرمگاہ کے باہر انزال ہے'' یہ لونڈی کے آقا کو حاصل ہے

نہ ہو اور اسے قرض لاحق ہو چکا ہو تو بالاتفاق مہر ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اس حالت میں مہر عورت کا ہوگا جس سے اس کے قرض پورے کئے جائیں گے۔ غایۃ امر یہ ہے کہ جب مہر سے اس کے قرض پورے نہ ہوں تو قرض خواہوں کے لئے اس لونڈی کی قیمت آقا پر لازم ہوگی۔ اس قیمت کو مہر کے ساتھ ملایا جائے گا اور قرض خواہوں میں اسے تقسیم کر دیا جائے گا۔

تنبیہ

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت جب مرجائے تو اس سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ آزاد ہوگی یا مکاتبہ ہوگی یا لونڈی ہوگی۔ تینوں میں سے ہر ایک یا تو اپنی طبعی موت مرے گی یا وہ اپنے آپ کو قتل کرے گی یا کوئی اور اسے قتل کرے گا۔ نو میں سے ہر ایک یا تو حقوق زوجیت سے پہلے مرے گی یا حقوق زوجیت کے بعد مرے گی۔ تو یہ اٹھارہ صورتیں بنیں۔ صحیح ترین قول کے مطابق اس کا مہر ساقط نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب وہ لونڈی ہو اور اس کا آقا اسے حقوق زوجیت سے پہلے مار ڈالے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: اس تقسیم میں اس لونڈی کا اضافہ کیا جائے گا جس کو اذن دیا گیا ہو جس پر قرض ہو تو صورتیں چوبیس تک جا پہنچیں۔

عزل کا حکم

12456۔ (قولہ: وَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ) یعنی لونڈی کے خاوند کا عزل کرنا۔

عزل، فہر اور زملق میں فرق

12457۔ (قولہ: وَهُوَ الْإِنْزَالُ خَارِجَ الْفَرْجِ) یعنی آلہ تناسل کو شرمگاہ سے نکالنے کے بعد منی کا انزال کرنا اس سے مطلق مراد نہیں۔ ''المصباح'' میں کہا: فائدہ: جماع کرنے والا اگر اس فرج میں منی ٹپکائے جس میں اس نے جماع شروع کیا تھا اس وقت یہ جملہ بولتے ہیں امناہ والقی ماءہ۔ اگر اسے انزال نہ ہوا گر تو طبیعت میں شکستگی کی وجہ سے ایسا ہو تو کہا جاتا ہے اکسل واقحط و فھر۔ اگر وہ آلہ تناسل کو باہر نکال لے اور شرمگاہ سے باہر مادہ منویہ نکالے تو کہا جاتا ہے عزل۔ اگر وہ پہلی شرمگاہ سے آلہ تناسل نکالنے کے بعد دوسری شرمگاہ میں داخل کرے اور اس میں مادہ منویہ ٹپکائے تو اس وقت کہتے ہیں فھر فھرا۔ یہ ''منع'' کے باب سے ہوگا۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر وہ جماع سے پہلے وہ منی ٹپکائے تو اسے زملق کہتے ہیں۔ یعنی زا پر ضمہ ہے اور میم مشدد ہے اور لام کے نیچے کسرہ ہے۔

12458۔ (قولہ: لِمَوْلَى الْأَمَةِ) اگرچہ وہ مدبرہ ہو یا ام ولد ہو۔ یہ تینوں ائمہ سے مروی ظاہر الروایہ ہے۔ کیونکہ وطی میں جو لونڈی کا حق تھا وہ جماع کے ساتھ ادا ہو گیا۔ جہاں تک پانی بہانے کا تعلق ہے تو اس کا فائدہ اولاد ہے۔ اولاد میں حق

لَا لَهَا) لِأَنَّ الْوَلَدَ حَقُّهُ، وَهُوَ يُفِيدُ التَّقْيِيدَ بِالْبَالِغَةِ وَكَذَا الْحُرَّةُ نَهْرٌ (وَيَعْزِلُ عَنِ الْحُرَّةِ) وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ نَهْرٌ بَحْثًا (بِإِذْنِهَا) لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ

لونڈی کو حاصل نہیں۔ کیونکہ اولاد آقا کا حق ہے تو یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ بالغ کی قید لگائے آزاد عورت بھی ایسے ہی ہے۔''نہر''۔ وہ آزاد عورت سے اور اسی طرح مکاتبہ سے اس کی اجازت سے عزل کر سکتا ہے۔''نہر'' میں بحث کے اعتبار سے یہ قول ہے۔لیکن ''خانیہ'' میں ہے:

آقا کا ہے۔اولاد کے اسقاط میں اجازت آقا کی معتبر ہوگی۔ جب آقا اجازت دے دے تو عام علما کے نزدیک عزل میں کوئی کراہت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ و بذلك تظافرت الاخبار اخبار ایک دوسری کی مؤید ہیں۔''الفتح'' میں ہے: مشائخ کے بعض جوابوں میں اسے مکروہ قرار دیا گیا ہے اور بعض میں مکروہ نہیں،''نہر''۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے کہ اجازت کا حق لونڈی کو ہے۔''قہستانی'' میں ہے: آقا کو حق حاصل ہے کہ جب وہ لونڈی سے مجامعت کرے تو وہ عزل کر لے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔اسی طرح آزاد عورت کے خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ آزاد عورت جو اس کی بیوی ہے اس کی اجازت کے ساتھ عزل کرے۔کیا چھوٹے بچے کی لونڈی کے بارے میں باپ اور دادا کو عزل کی اجازت دینے کا حق ہے؟ حاشیہ ''ابی سعود'' میں ''شرح الحموی'' سے مروی ہے: ''ہاں''۔''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ بچے کی اس عزل میں کوئی مصلحت نہیں۔ کیونکہ اگر اولاد ہوگی تو یہ اس کا غلام ہوگا۔مگر یہ کہا جائے گا: اس میں توہم ہے۔اس میں یہ ہے یہاں توہم کا اعتبار نہیں جب یہ آقا کی اجازت پر موقوف ہے۔تامل

12459۔(قولہ: وھو ای: التعلیل المذکور يُفِيدُ التَّقْيِيدَ) یعنی اذن کی ضرورت کو بالغہ کے ساتھ مقید کرنا چاہئے۔اسی طرح آزاد عورت کے حق میں بھی اس کے بالغ ہونے کی قید لگانی چاہئے۔کیونکہ غیر بالغہ کے ہاں تو کوئی اولاد نہیں ہوتی۔''رحمتی'' نے کہا: بالغہ کی طرح قریب البلوغ بھی ہے۔کیونکہ اس کا بلوغ اور اس کا حمل ممکن ہے۔

اس تعلیل کا ماحصل یہ ہے کہ لونڈی کا خاوند اگر اولاد کی آزادی کی شرط لگائے تو پھر عزل آقا کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا جس طرح سید ''ابوسعود'' نے بحث کی ہے۔

12460۔(قولہ: نَهْرٌ بَحْثًا) اس کی اصل صاحب ''البحر'' کی عبارت ہے کہا: جہاں تک مکاتبہ لونڈی کا تعلق ہے تو چاہئے کہ اذن مکاتب کے لئے ہو۔کیونکہ اس کی اولاد آقا کے لئے نہیں ہوتی میں نے اس قول کو صریح نہیں پایا۔

اس میں یہ ہے کہ مولیٰ کو بھی حق ہے۔کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ مکاتبہ لونڈی بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور وہ پھر رق کی طرف لوٹ جائے۔اس لئے دونوں حقوق کی رعایت کرتے ہوئے آقا کی اجازت پر بھی موقوف کرنا چاہئے،''رحمتی''۔

12461۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ) اس کی عبارت جو ''بحر'' میں ہے یہ ہے: ''الکتاب'' میں ذکر کیا ہے کہ آزاد

أَنَّهُ يُبَاحُ فِي زَمَانِنَا لِفَسَادِهِ قَالَ الْكَمَالُ فَلْيُعْتَبَرْ عُذْرًا مُسْقِطًا لِإِذْنِهَا، وَقَالُوا يُبَاحُ إسْقَاطُ الْوَلَدِ قَبْلَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَلَوْ بِلَا إذْنِ الزَّوْجِ (وَعَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إذْنِهَا) بِلَا كَرَاهَةٍ، فَإِنْ ظَهَرَ بِهَا حَبَلٌ حَلَّ نَفْيُهُ

ہمارے زمانہ میں آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل کرنا مباح ہے کیونکہ زمانہ میں فساد واقع ہو چکا ہے۔''کمال'' نے کہا: پس فساد زمانہ کو ایسا عذر معتبر ماننا چاہئے جو آزاد عورت کے اذن کو ساقط کرنے والا ہے۔علما نے کہا: حمل کے چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے اسقاط حمل مباح ہے اگرچہ خاوند کی اجازت کے بغیر ہو۔اور اپنی لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔اگر عزل کے باوجود لونڈی کا حمل ظاہر ہو گیا تو آقا کے لئے اس حمل کی اپنی ذات سے نفی کرنا حلال ہے

عورت کی اجازت کے بغیر خاوند کے لیے عزل کرنا مباح نہیں۔اور علما نے کہا: ہمارے زمانہ میں احوال کے برے ہونے کی وجہ سے مباح ہے۔

جنم لینے والے بچے سے برے سلوک کا خوف ہو تو بلا اجازت عزل جائز ہے

12462۔(قولہ: قَالَ الْكَمَالُ) اس کی عبارت ہے:''فتاویٰ میں ہے: اگر خاوند کو بچے سے برے سلوک کا خوف ہو جو آزاد بیوی سے جنم لینے والا ہے تو خاوند کو گنجائش ہے کہ بیوی کی رضامندی کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔کیونکہ زمانہ میں فساد واقع ہو چکا ہے تو اس قسم کے عذر عورت کے اذن کو ساقط کرنے میں معتبر ہوتے ہیں۔

''الخانیہ'' میں جو ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب سے جو منقول ہے وہ اباحت کا نہ ہونا ہے یعنی یہ مباح نہیں۔اور یہ مذہب کے مشائخ کی جانب سے تقیید ہے کہ بعض احکام زمانہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔''الفتح'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔''قہستانی'' نے اس کو جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے جب کہا: یہ اس وقت ہے جب اسے بچے کے بارے میں برے سلوک کا خوف ہو۔کیونکہ زمانہ میں فساد واقع ہو چکا ہے ورنہ اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔

لیکن ''الفتح'' کا قول: فلیعتبر مثلہ میں یہ احتمال موجود ہے کہ مثل سے مراد وہ عذر ہو جس طرح عربوں کا قول ہے: مثلك لا يبخل۔اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس جیسے عذر کو اس کے ساتھ لاحق کیا جائے جیسے وہ دور کے سفر پر ہو یا دار الحرب میں ہو تو اسے بچے کے بارہ میں خوف ہو یا بیوی بداخلاق ہو اور خاوند اس سے فراق کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے خوف ہو کہ عورت حاملہ ہو جائے گی۔اور اسی کی مثل ہے جو''ابن وہبان'' سے اسقاط حمل کے بارہ میں آ رہا ہے۔فافہم۔

اسقاط حمل کا حکم

12463۔(قولہ: وَقَالُوا الخ)''النہر'' میں کہا: یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ کیا حمل ہونے کے بعد اس کا گرانا مباح ہے؟ ہاں اس وقت مباح ہے جب اس سے کوئی چیز نہ بنے۔اور کوئی چیز نہیں بنتی مگر ایک سو بیس دنوں کے بعد۔یہ کلام اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ انہوں نے تخلیق سے مراد روح پھونکنا لیا ہے۔اگر روح پھونکنا مراد نہ ہو تو یہ قول غلط ہوگا۔کیونکہ تخلیق تو اس

إِنْ لَمْ يَعُدْ قَبْلَ بَوْلٍ
اگر پیشاب کرنے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کی ہو۔

مدت سے قبل بھی مشاہدہ کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ علما کا اسے مطلق ذکر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس مدت سے قبل حمل کے اسقاط کا جواز خاوند کی اجازت پر موقوف نہیں۔ ''الخانیہ'' میں جس کراہت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: میں اسقاط حمل کی حلت کا قول نہیں کرتا۔ کیونکہ محرم اگر شکار کے انڈے کو توڑ دے تو اس کا ضامن ہوتا ہے کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے تو جب محرم کا جزا کے ساتھ مواخذہ کیا جاتا ہے تو جب وہ عورت عذر کے بغیر حمل کو گرائے گی کم از کم اسے گناہ تو لاحق ہوگا۔ ''ابن وہبان'' نے کہا: عذروں میں سے ایک عذر یہ بھی ہے کہ حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا دودھ ختم ہو جائے۔ اور باپ کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں کہ وہ دایہ رکھ سکے اور اسے بچے کے ہلاک ہونے کا خوف ہے۔ ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے: اگر عورت ارادہ کرے کہ اس مدت کے گزرنے سے قبل ہی حمل کو گرا دے جس مدت میں اس میں روح پھونکی جاتی ہے کیا اس کے لئے یہ عمل مباح ہے یا مباح نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ فقیہ ''علی بن موسیٰ'' کہا کرتے تھے: یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ پانی جو رحم میں واقع ہو اس کا انجام زندگی ہوتا ہے اس کے لئے زندگی کا ہی حکم ہوگا جس طرح حرم کے شکار کے انڈے کا حکم ہوتا ہے۔ اسی کی مثل ''ظہیریہ'' میں ہے۔ ''ابن وہبان'' نے کہا: حمل کے اسقاط کا مباح ہونا عذر کی حالت پر محمول ہے یا عورت اس طرح گناہگار نہ ہوگی جس طرح قتل کرنے پر گناہگار ہوتی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں جو کچھ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے تخلیق سے مراد صرف روح پھونکنا لیا ہے۔ ان القاضی خان مسبوق بما مر من التفقه قاضی خان گزشتہ فقہی بحث میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ کلام ''النہر'' کی ہے، ''ح''۔

تنبیہ

''النہر'' میں اس سے اور جو شارح نے پہلے ''الخانیہ'' اور ''الکمال'' سے نقل کیا ہے: عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی رحم کا منہ بند کر دے جس طرح عورتیں کرتی ہیں۔'' اسے اس کے مخالف لیا ہے جو ''البحر'' میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے: چاہئے کہ یہ خاوند کی اجازت کے بغیر حرام ہو اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ خاوند کو عورت کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''بزازیہ'' میں ہے: ان له منع امراته عن العزل۔

ہاں فساد زمانہ کی طرف نظر کرنا یہ جانبین سے جواز کا فائدہ دیتا ہے۔ جو ''البحر'' میں ہے یہ مذہب کی اصل پر مبنی ہے۔ اور جو ''النہر'' میں ہے وہ وہ ہے جو مشائخ نے کہا ہے اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

12464۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَعُدْ قَبْلَ بَوْلٍ) یعنی اس نے اصلاً لونڈی کی طرف رجوع نہیں کیا یا پیشاب کرنے کے بعد رجوع کیا۔ ''نہر''۔ یعنی دوبارہ وطی کرنے کی صورت میں اس نے عزل کیا جس طرح ''ابوسعود'' نے ''حانوتی'' سے نقل کیا ہے اور ''زیلعی'' کے مخطوطہ سے نقل کیا ہے: چاہئے کہ یہ مراد لیا جائے کہ اس نے شرمگاہ دھونے کے بعد عورت کی طرف رجوع کیا

(وَخُيِّرَتْ أَمَةٌ) وَلَوْ أُمَّ وَلَدٍ (وَمُكَاتَبَةٌ) وَلَوْ حُكْمًا كَمُعْتَقَةِ بَعْضٍ (عَتَقَتْ تَحْتَ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ وَلَوْ كَانَ النِّكَاحُ بِرِضَاهَا) دَفْعًا لِزِيَادَةِ الْمِلْكِ عَلَيْهَا بِطَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ،

اور لونڈی کو اختیار ہے اگر چہ ام ولد ہو اور مکاتبہ لونڈی کو اختیار ہوگا اگر چہ حکما مکاتبہ ہو جس طرح وہ لونڈی جس کے بعض کو آزاد کر دیا گیا ہو۔ وہ لونڈی آزاد ہوگی جو کسی آزاد یا غلام کے عقد میں ہوا گر چہ نکاح اس کی رضامندی سے ہوا ہو اختیار اس لئے ہوگا تا کہ اس پر تیسری طلاق کی صورت میں ملکیت کا جو اضافہ ہو رہا ہے اس کو دور کیا جائے۔

ہو۔ یعنی اس احتمال کی نفی کی جائے کہ پیشاب کے بعد آلہ تناسل کے سرے پر کوئی چیز باقی ہو۔ پس وہ دھونے کے بعد ساتھ زائل ہو جائے گی اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ غسل کے باب میں علما نے جو ذکر کیا ہے کہ صفائی کے حصول میں نینداور چلنا پیشاب کی مثل ہے وہ یہاں واقع نہیں ہوتا۔ فافہم۔

12465۔ (قولہ: وَخُيِّرَتْ أَمَةٌ) اسے خیار عتق کہتے ہیں ''النہر'' میں کہا: اگر لونڈی نے خاوند کے علم کے بغیر ہی اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو یہ صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند کی عدم موجودگی میں صحیح نہیں۔ ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔

12466۔ (قولہ: لَوْ أُمَّ وَلَدٍ) یعنی یا وہ مدبرہ ہو اور یہ قول بڑی اور چھوٹی کو بھی شامل ہوگا، ''بحر''۔

12467۔ (قولہ: وَمُكَاتَبَةٌ) امام ''زفر'' نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور کہا: لونڈی کو اختیار نہیں ہوگا۔ ''فتح'' میں اسے ہی قوی قرار دیا ہے اور ''البحر'' میں اس کا جواب دیا ہے۔

12468۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ النِّكَاحُ بِرِضَاهَا) اسی طرح اگر لونڈی کی رضامندی کے بغیر عقد نکاح ہو تو بدرجہ اولی اختیار ہوگا۔ ''زیلعی'' اور دوسرے علما کی عبارت ہے: اس میں کوئی فرق نہیں کہ نکاح لونڈی کی رضامندی سے ہو یا اس کی رضامندی کے بغیر ہو۔

یہ عموم مکاتبہ کے علاوہ میں ظاہر ہے۔ کیونکہ شارح نے قریب ہی اسے بیان کیا ہے: من ان لہ اجبار قنہ علی النکاح لا مکاتبہ ولا مکاتبتہ۔ ''المعراج'' میں ہے: آقا کو بالاجماع حق حاصل نہیں کہ وہ مکاتب اور مکاتبہ کو نکاح پر مجبور کرے۔ ''شرنبلالیہ'' میں جو قول ہے اسے اس سے تائید حاصل ہوتی ہے: مکاتبہ کی رضا کی نفی کو نفی کر دیا گیا ہے کیونکہ جس طرح مکاتبہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا عقد نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ آقا کو اس کی رقبہ پر ملکیت حاصل ہے اسی طرح آقا کی جانب سے مکاتبہ کا عقد نکاح اس کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عقد مکاتبہ موجود ہے۔ تمام بحث وہاں موجود ہے۔

12469۔ (قولہ: دَفْعًا لِزِيَادَةِ الْمِلْكِ عَلَيْهَا) یہ ان کے قول: خیرت کی علت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند اسے دو طلاقیں دے سکتا ہے۔ جب وہ آزاد ہو جائے گی تو خاوند اس کو تین طلاقیں دینے کا مالک ہو جائے گا۔ اس میں اس عورت کو ضرر ہے تو عورت اس زیادتی کو دور کرنے کے لئے جو اس کے لئے مضرت کا باعث ہے اصل عقد کو اٹھانے کی مالک ہو

فَإِنْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا أَوْ زَوْجَهَا فَالْمَهْرُ لِسَيِّدِهَا، وَلَوْ صَغِيرَةً تُؤَخَّرُ لِبُلُوغِهَا،

اگر آزاد کردہ لونڈی نے خیار عتق اپنے حق میں استعمال کرلیا تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا۔ یا وہ اپنے خاوند کو اختیار کرلے تو مہر اس کے سابقہ آقا کے لئے ہوگا۔ اگر وہ نابالغ ہوئی تو اس کے اختیار کو اس کے بالغ ہونے تک موخر کردیا جائے گا۔

جائے گی۔ اسی وجہ سے مذکر غلام کے لئے خیار عتق ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر کوئی ضرر نہیں جبکہ وہ طلاق دینے پر قادر ہے۔

12470۔ (قولہ: فَلَا مَهْرَ لَهَا) یعنی اگر خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں۔ کیونکہ اس آزاد کردہ لونڈی کا اپنے آپ کو اختیار کرنا یہ اصل نکاح کو فسخ کرنا ہے۔ اگر مرد نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں تو مہر اس کے آقا کے لئے ہوگا۔ کیونکہ حقوق زوجیت نکاح صحیح کے حکم کے ساتھ ہے۔ پس اس کے ساتھ مہر مسمی ثابت ہوگیا''بحر''۔

12471۔ (قولہ: أَوْ زَوْجَهَا) اس کا عطف نفسها پر ہے۔

12472۔ (قولہ: فَالْمَهْرُ لِسَيِّدِهَا) خواہ خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں۔ کیونکہ مہر اس کے مقابلہ میں واجب ہوا ہے خاوند جس بضعہ کا مالک ہوا ہے۔ کیونکہ خاوند آقا کی جانب سے اس کا مالک بنا ہے اس لئے اس کا بدل بھی آقا کے لئے ہوگا۔ ''بحر'' میں ''غایۃ البیان'' سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کا قول: سواء دخل بها الزوج او لم يدخل اس کے منافی نہیں جو متن میں تفصیل آرہی ہے کہ خاوند نے اگر آزادی سے پہلے حقوق زوجیت ادا کئے تو مہر آقا کے لئے ہوگا۔ اگر آزادی کے بعد حقوق زوجیت ادا کئے تو مہر اس عورت کے لئے ہوگا۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب نکاح آقا کی اجازت کے بغیر ہوا ہو اور نکاح آزادی کے ساتھ نافذ ہوگیا ہو۔ آزادی کے ساتھ عورت اپنے منافع کی مالک بن جائے گی۔ جب خاوند نے آزادی کے بعد حقوق زوجیت ادا کئے تو مہر عورت کے لئے ہوگا۔ جو مسئلہ یہاں ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ نکاح اجازت کے ساتھ ہے تو نکاح غلامی کی حالت میں نافذ ہو چکا ہے جس طرح آگے (مقولہ 12504 میں) آئے گا۔ فافہم۔

12473۔ (قولہ: وَلَوْ صَغِيرَةً) اگر آزاد کی جانے والی نابالغ ہو جبکہ اس کے آقا نے اس کی آزادی سے پہلے اس کا عقد نکاح کردیا ہو تو اس کا خیار اس کے بالغ ہونے تک موخر ہو جائے گا۔

''البحر'' میں کہا: کیونکہ فسخ نکاح ان تصرفات میں سے ہے جو نفع اور ضرر کے درمیان متردد ہوتے ہیں۔ پس صغیرہ اس کی مالک نہیں ہوتی اور اس کا ولی بھی اس کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔ جب وہ بالغ ہوگی تو اسے آزادی کا خیار ہوگا اسے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ صحیح ترین قول ہے ''الذخیرہ'' میں اس طرح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کے لئے خیار بلوغ بھی حاصل ہوگا اور وہ خیار عتق کے تحت داخل ہوگا۔ مگر جب اس آقا نے اس کی شادی آزادی کے بعد کی پھر وہ بالغ ہوگئی تو اس کے لئے خیار بلوغ ہوگا۔ کیونکہ آقا کی اس پر ولایت پہلی صورت میں باپ کی ولایت کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ قوی ہے۔ اس (بالغ ہونے کے بعد) صورت میں آقا کی ولایت اس طرح

وَلَیْسَ لَهَا خِیَارُ بُلُوْغٍ فِی الْأَصَحِّ (أَوْ) (كَانَتْ) الْأَمَةُ (عِنْدَ النِّكَاحِ حُرَّةً ثُمَّ صَارَتْ أَمَةً) بِأَنْ ارْتَدَّا وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ سُبِيَا مَعًا فَأُعْتِقَتْ خُيِّرَتْ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ مَبْسُوطٌ (وَالْجَهْلُ بِهَذَا الْخِيَارِ) خِيَارِ الْعِتْقِ (عُذْرٌ)

صحیح ترین قول کے مطابق اس کے لئے خیار بلوغ نہیں۔ یا لونڈی عقد نکاح کے وقت آزاد تھی پھر وہ لونڈی بن گئی اس طرح کہ دونوں مرتد ہو گئے اور دارالحرب چلے گئے پھر دونوں کو اکٹھے قید کر لیا گیا تو اس کو آزاد کر دیا گیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے خیار آزادی ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''مبسوط''۔ خیار عتق سے جہالت عذر ہے۔

ہے جس طرح بھائی اور چچا کی ولایت ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہوتی ہے جس طرح ہم نے باب الولی میں وضاحت کر دی ہے۔

12474۔ (قولہ: مَعًا) یہ تینوں جملوں میں قید ہے۔ اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے ارتداد یا ایک کے دارالحرب میں چلے جانے یا ایک کے گرفتار ہونے کے ساتھ عقد نکاح فسخ ہو جاتا ہے ''ح''۔

12475۔ (قولہ: خُيِّرَتْ عِنْدَ الثَّانِي) کیونکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی ذات کے امر کی مالک بن چکی ہے اور خاوند کی ملکیت اس پر زائد ہوتی ہے ''ح عن البحر''۔

12476۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّالِثِ) کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے کوئی خیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اصل عقد کے ساتھ اس کی رضامندی کے ساتھ اس پر کامل ملکیت ثابت ہوگئی ہے۔ پھر ملکیت میں نقص واقع ہوا ہے۔ جب اسے آزاد کیا گیا تو وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ آئی جس طرح پہلے تھی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ نص کے تحت داخل ہے۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ نص سے ان کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ کے لئے یہ فرمان ہے جب انہیں آزاد کیا گیا: ''تو اپنے بضعہ کی مالک ہوگئی ہے تو اسے اختیار کر لے'' (1)۔ ''ح''۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فاختاری نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اختیار کی علت بضعہ کا اس طریقہ پر مالک ہونا ہے جس کے ذریعے خاوند کی اس پر ملکیت زائد ہوگئی ہو جس طرح یہ قول ہے: زنی فرجم، و سرق فقطع۔ کیونکہ فا نے اس امر کا فائدہ دیا کہ علت، زنا اور سرقہ ہے جس طرح اصول میں ثابت ہے۔ اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو ''رحمتی'' نے کیا ہے: ''نص میں عموم نہیں کیونکہ خطاب معین عورت کو ہے''۔ ''فتدبر''

12477۔ (قولہ: خِيَارِ الْعِتْقِ) یہ هذا الخیار سے بدل ہے ''ح''۔

12478۔ (قولہ: عُذْرٌ) عذر اس کے لئے ہے کیونکہ وہ لونڈی آقا کی خدمت میں مشغول رہی۔ پس وہ حصول علم کے لئے فارغ نہ ہوئی۔ پھر جب اسے علم ہوا تو ایسے عمل کے ساتھ خیار بلوغ باطل ہو جائے گا جو مجلس علم میں اعراض پر دلالت کرے جس طرح اس عورت کا خیار باطل ہو جاتا ہے جس کو اختیار دیا گیا ہو۔ اگر خاوند نے اس عورت کے لئے ایک قابل قدر

1۔ شرح معانی الآثار، کتاب النکاح، باب الامۃ تعتق وزوجہا حر هل لها خیار ام لا، جلد 2، صفحہ 48، مکتبہ امدادیہ ملتان

فَلَوْ لَمْ تَعْلَمْ بِهِ حَتَّى ارْتَدَّا وَلَحِقَا فَعَلِمَتْ فَفَسَخَتْ صَحَّ إِلَّا إِذَا قُضِيَ بِاللِّحَاقِ وَلَيْسَ هَذَا حُكْمًا بَلْ فَتْوَى كَافِي

اگر اسے خیار عتق کا علم نہ تھا یہاں تک کہ دونوں مرتد ہو گئے اور دار الحرب چلے گئے تو اسے علم ہوا تو اس نے عقد کو فسخ کر دیا تو یہ صحیح ہوگا مگر جب اس کے دار الحرب میں چلے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ حکم نہیں بلکہ فتویٰ ہے۔ ''کافی''۔

چیز معین کی اس شرط پر کہ وہ خاوند کو اختیار کرے تو اس نے ایسا کیا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا جس طرح ''النہر'' میں ہے۔ ''تلخیص الجامع'' میں یہ زائد ذکر کیا: عورت کے لئے کوئی چیز نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ حق ضعیف ہے۔ یہ عوض کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا جس طرح تمام خیارات، شفعہ اور کفالت بالنفس کا معاملہ ہے۔ خیار عیب کا معاملہ مختلف ہے۔

12479۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ تَعْلَمْ بِهِ) ''البحر'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: جب آقا نے اپنے غلام کا عقد نکاح اپنی لونڈی سے کیا پھر اسے آزاد کر دیا تو عورت کو علم نہ تھا کہ اسے خیار عتق حاصل ہے یہاں تک کہ وہ دونوں مرتد ہو گئے اور دار الحرب چلے گئے اور مسلمان ہو کر واپس آئے پھر عورت کو خیار کے ثبوت کا علم ہوا یا عورت کو دار الحرب میں خیار کا علم ہوا تو مجلس علم میں اس کو خیار حاصل ہوگا، ''ح''۔

اسی طرح ایک حربی عورت جس سے ایک حربی مرد نے شادی کی پھر اسے آزاد کر دیا گیا اسے خیار ہوگا اسلام لانے کے بعد خواہ اسے خیار کا علم دار الحرب میں ہوا ہو یا ہمارے دار میں ہوا۔

12480۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَضَى بِاللِّحَاقِ) یعنی اس کا نکاح فسخ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگانے کے ساتھ وہ دوبارہ رقیقہ ہو چکی ہے۔ کیونکہ دار الحرب میں تمام کفار غلام ہیں اگرچہ وہ کسی کے بھی مملوک نہ ہوں جس طرح عتاق کے باب کے شروع میں آئے گا، ''ح''۔

''طحطاوی'' اور ''رحمتی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو آگے آئے گا وہ اس حربی پر محمول ہوگا جب اسے قیدی بنایا جائے گا تو جب تک اسے ہمارے دار میں محفوظ نہیں کیا جائے گا وہ رقیق ہوگا اور اس کے بعد وہ رقیق اور مملوک ہوگا۔ جس طرح وہاں (مقولہ 19837 میں) آئے گا۔ ہم نے اس باب کے شروع میں (مقولہ 12333 میں) جو کچھ بیان کیا ہے اس کا صریح حکم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ فسخ نکاح کے صحیح نہ ہونے کی علت وہ یہ ہے کہ لحاق پر حکمی موت کا حکم لگایا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ تصرف ساقط ہو جاتے ہیں جو اسلام پر موقوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بدرجہ اولیٰ فسخ نکاح کا حق بھی ساقط ہو جاتا ہے جو ایسا حق تھا جو مجرد تھا۔ پھر میں نے ''شرح التلخیص'' میں دیکھا جو میں نے کہا ہے وہ ہی اس کی علت بیان کی ہے۔ فللہ تعالیٰ الحمد۔

12481۔ (قولہ: وَلَيْسَ هَذَا حُكْمًا) یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جس سوال کی وضاحت یہ ہے: تم نے اس آدمی کے عقد نکاح کے فسخ نہ ہونے کا حکم لگا دیا جو دار الحرب میں ہے جبکہ ہمارے احکام ان سے منقطع ہیں؟ ''ح''۔

12482۔ (قولہ: بَلْ فَتْوَى) بلکہ یہ ایک امر واقعہ کے بارے میں جو سوال کیا گیا ہے اسکے متعلق باخبر کرنا ہے، ''ط''۔

(وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْقَضَاءِ) وَلَا يَبْطُلُ بِسُكُوتٍ وَلَا يَثْبُتُ لِغُلَامٍ وَيَقْتَصِرُ عَلَى مَجْلِسٍ كَخِيَارِ مُخَيَّرَةٍ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْبُلُوغِ فِي الْكُلِّ خَانِيَّةٌ (نَكَحَ عَبْدٌ بِلَا إِذْنٍ فَعَتَقَ) أَوْ بَاعَهُ

یہ خیار عتق قاضی کی قضا پر موقوف نہیں اور یہ سکوت کے ساتھ باطل نہیں ہوتا۔ اور خیار عتق غلام کے لئے ثابت نہیں ہوتا اور یہ مجلس تک محدود ہوتا ہے جس طرح مخیرہ کا خیار مجلس تک محدود ہوتا ہے۔ خیار بلوغ کا معاملہ سب میں مختلف ہے۔ ''خانیہ''۔ غلام نے آقا کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کیا پھر آزاد ہوا یا آقا نے اسے بیچ ڈالا

12483۔ (قولہ: وَلَا يَتَوَقَّفُ) یعنی خیار عتق کے ساتھ جو عقد نکاح فسخ کیا گیا وہ قاضی کی قضا پر موقوف نہیں۔

12484۔ (قولہ: وَلَا يَبْطُلُ بِسُكُوتٍ) یعنی اگرچہ وہ لونڈی باکرہ ہی ہو بلکہ اس کے لئے صراحۃً یا دلالۃً رضامندی کا ہونا ضروری ہے، ''ط''۔

12485۔ (قولہ: وَلَا يَثْبُتُ لِغُلَامٍ) یعنی ایسے غلام کے لئے یہ خیار ثابت نہیں ہوگا جو مذکر ہو۔ کیونکہ آزادی کے ساتھ اس پر ملکیت کی زیادتی نہیں ہوتی۔ لونڈی کا معاملہ مختلف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ طلاق کا مالک ہوتا ہے تو اسے فسخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

12486۔ (قولہ: وَيَقْتَصِرُ عَلَى مَجْلِسٍ) یہ خیار مجلس علم تک محدود رہے گا اور مجلس کے آخر تک رہے گا۔ جب وہ مجلس سے اٹھ کھڑی ہوگی تو اس کا خیال باطل ہو جائے گا۔

12487۔ (قولہ: كَخِيَارِ مُخَيَّرَةٍ) یعنی جسے اس کا خاوند کہے: تو اپنے آپ کو اختیار کر لے تو وہ اپنے آپ کو اختیار کر سکتی ہے جب تک وہ مجلس میں ہوتی ہے۔

12488۔ (قولہ: بِخِلَافِ خِيَارِ الْبُلُوغِ فِي الْكُلِّ) یعنی پانچوں مذکورہ میں۔ کیونکہ جہالت اس (خیار بلوغ) میں عذر نہیں۔ یہ قاضی کی قضا پر موقوف ہوگا۔ جب لڑکی کو نکاح کا علم ہوگا اس کے بعد اگر وہ خاموش رہی تو اس کا خیار بلوغ باطل ہو جائے گا۔ یہ خیار مؤنث اور مذکر دونوں کو شامل ہوگا۔ اگر وہ بچی باکرہ ہوگی تو یہ خیار مجلس کے اختتام تک ممتد نہیں ہوگا۔ اگر ثیبہ ہوئی تو اس کا وقت پوری عمر ہے یہاں تک کہ اس کی جانب سے صراحۃً یا دلالۃً رضامندی پائی جائے جس طرح لڑکے میں ہے جب وہ بالغ ہو۔

12489۔ (قولہ: نَكَحَ عَبْدٌ بِلَا إِذْنٍ) نکاح کی قید ذکر کی۔ کیونکہ اگر وہ کوئی چیز خریدے پھر آقا نے اسے آزاد کر دیا تو خریداری نافذ نہیں ہوگی بلکہ باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اگر شرا کو اس پر نافذ کیا جائے تو مالک بدل جائے گا، ''بحر''۔

12490۔ (قولہ: فَعَتَقَ) فعل کا پہلا لفظ مفتوح ہے۔ یہ فعل معروف ہے اسے مجہول ہونے کی بنا پر ضمہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ فعل لازم ہے۔ ''ابو سعود'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے، ''ط''۔

12491۔ (قولہ: أَوْ بَاعَهُ) یعنی مثلاً آقا اسے بیچ دے۔ مراد ملکیت کا دوسرے فرد کی طرف انتقال ہے خواہ وہ

فَأَجَازَ الْمُشْتَرِی (نَفَذَ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَكَذَا) حُكْمُ (الْأَمَةِ وَلَا خِيَارَ لَهَا) لِكَوْنِ النُّفُوذِ بَعْدَ الْعِتْقِ

تو مشتری نے اس عقد نکاح کی اجازت دے دی تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ اور یہی حکم ہے لونڈی کا اور اسے کوئی خیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد اس کا عقد نافذ ہو چکا ہے۔

خریداری کی صورت میں ہو، ہبہ کی صورت میں ہو یا وراثت کی صورت میں ہو۔

12492۔ (قولہ: فَأَجَازَ الْمُشْتَرِی) یعنی مشتری نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا جو پہلے مالک کے نزدیک واقع ہوا۔

12493۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) کیونکہ عقد نکاح کے نفاذ سے مانع مولیٰ کا حق تھا۔ تحقیق وہ زائل ہو چکا ہے جب وہ اس کی ملک سے نکل گیا ہے۔

12494۔ (قولہ: وَكَذَا حُكْمُ الْأَمَةِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قنہ، مدبرہ، ام ولد اور مکاتبہ کو شامل ہے۔ لیکن مدبرہ اور ام ولد میں تفصیل ہے جو آگے (مقولہ 12499 میں) آئے گی۔ ''بحر''۔ یہ لونڈی میں ہے جب اسے آزاد کیا جائے۔ مگر جب آقا اسے چھوڑ کر مر جائے یا آقا اسے بیچ دے اگر دوسرا مالک ایسا ہے جس کے لئے اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں تو وہ لونڈی بھی غلام کی طرح ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اگر خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں تو موقوف عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس پر قطعی حلت طاری ہو چکی ہے۔ اگر اس نے بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لئے ہوں تو ظاہر الروایہ میں تو اسی طرح ہے۔ کیونکہ دوسری ملکیت کے لاحق ہونے کی وجہ سے موقوف باطل ہو چکی ہے اگرچہ اس کے ساتھ جماع کرنا ممنوع ہے۔ اس کی وضاحت ''البحر'' میں ہے۔

12495۔ (قولہ: وَلَا خِيَارَ لَهَا) لونڈی کو کوئی خیار نہیں ہوگا۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے اس کو اصلاً کوئی خیار نہیں اگرچہ اس نے اجازت لے کر نکاح کیا ہو۔ جس طرح پہلے (مقولہ 12485 میں) گزر چکا ہے۔ یہ حکم مکاتبہ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ اسے آنے والی علت کی وجہ سے خیار تک نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ اور جسے ''ابن کمال پاشا'' نے کہا ہے ''اسے کوئی خیار نہیں'' جس طرح پہلے گزر چکا ہے پس یہ سبقت حکم ہے۔ اسی طرح انہوں نے ''ہدایہ'' کے قول: وقال زفر لاخیار لها بخلاف الامة کے حاشیہ میں لکھا۔ پس وہ اسی طرح ہے کیونکہ جو (مقولہ 12467 میں) گزر چکا ہے اسے ہمارے نزدیک خیار حاصل ہے۔ یہ امام ''زفر'' کے خلاف ہے۔ بے شک یہ اس مسئلہ میں ہے جب عورت آقا کی اجازت سے عقد نکاح کرے جبکہ ہماری گفتگو تو اس عقد نکاح میں ہے جو آقا کی اجازت کے بغیر ہو جس طرح ''ہدایہ'' کی کلام میں صریح ہے، ''فتنبہ''۔

12496۔ (قولہ: لِكَوْنِ النُّفُوذِ بَعْدَ الْعِتْقِ) تو وہ لونڈی ایسے ہی ہوگی جس نے آزادی کے بعد خود عقد نکاح کیا ہو۔ اسی وجہ سے ''الاسبیجابی'' نے کہا: قاعدہ وقانون یہ ہے کہ عقد نکاح جب عورت پر مکمل ہو جبکہ وہ مملوکہ ہو تو اسے خیار عتق حاصل ہوگا۔ اور عقد نکاح جب مکمل ہو جبکہ وہ آزاد ہو تو اسے خیار عتق حاصل نہیں ہوگا، ''بحر''۔

فَلَمْ تَتَحَقَّقْ زِيَادَةُ الْمِلْكِ، وَكَذَا لَوْ اقْتَرَنَا بِأَنْ زَوَّجَهَا فُضُولِيٌّ وَأَعْتَقَهَا فُضُولِيٌّ وَأَجَازَهُمَا الْمَوْلَى، وَكَذَا مُدَبَّرَةٌ عَتَقَتْ بِمَوْتِهِ وَكَذَا أُمُّ الْوَلَدِ إنْ دَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ، وَإِلَّا لَمْ يَنْفُذْ لِأَنَّ عِدَّتَهَا مِنْ الْمَوْلَى تَمْنَعُ نَفَاذَ النِّكَاحِ

پس ملکیت کی زیادتی متحقق نہ ہوگی۔ اور اسی طرح اگر دونوں امر اکٹھے ہو گئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس لونڈی کا عقد نکاح فضولی کرے۔ اور ایک فضولی اس لونڈی کو آزاد کرے اور اس کا آقا دونوں امور جائز قرار دے۔ اسی طرح وہ مدبرہ ہے جو آقا کے مرنے سے آزاد ہو گئی۔ اسی طرح ام ولد ہے اگر خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں ورنہ عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ام ولد کو آقا کی موت سے جو عدت لازم ہوئی ہے وہ نکاح کے نفاذ کے مانع ہے۔

12497۔ (قولہ: فَلَمْ تَتَحَقَّقْ زِيَادَةُ الْمِلْكِ) تیسری طلاق کے ساتھ اس پر ملک کی زیادتی متحقق نہ ہوگی اور خیار کے ثبوت کی علت مذکورہ زیادتی کا ثبوت ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12469 میں) گزر چکا ہے۔

12498۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ اقْتَرَنَا) یعنی آزادی اور نکاح کا نفاذ اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ ان دونوں کو جب آقا نے اکٹھے جائز قرار دیا تو دونوں اکٹھے ثابت ہو گئے۔

12499۔ (قولہ: وَكَذَا مُدَبَّرَةٌ عَتَقَتْ بِمَوْتِهِ) یعنی مدبرہ کا حکم وہی ہے جو اس کا حکم تھا جسے آقا اپنی زندگی میں آزاد کرتا جس کا ذکر اس قول: وکذا حکم الامۃ میں ہے۔ اور اپنے اس قول عتقت سے فائدہ دیا کہ اسے ترکہ کے ایک تہائی مال سے آزاد کیا جائے گا۔ اگر اسے ایک تہائی مال سے آزاد نہ کیا جا سکے تو عقد نکاح نافذ نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ بدل سعایت ادا نہ کرے۔ یہ ''امام اعظم'' کا نقطہ نظر ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جائز ہے جس طرح ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے۔ یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ سعایت کرے گی جبکہ وہ آزاد ہوگی۔

12500۔ (قولہ: وَكَذَا أُمُّ الْوَلَدِ الخ) یعنی جب وہ آقا اسے آزاد کر دے یا آقا اسے چھوڑ کر مر جائے۔ اگر تو آزادی سے پہلے خاوند نے اس سے حقوق زوجیت ادا کئے تھے تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا۔ یہ ''ابن سماعہ'' کی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کیونکہ اس ام ولد پر جو عدت لازم ہوئی ہے وہ خاوند کی جانب سے ہے۔ اس پر عدت آقا کی جانب سے لازم نہیں ہوئی۔ جہاں تک ظاہر الروایہ کا تعلق ہے تو خاوند کی جانب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ عدت آقا کی جانب سے واجب ہوئی ہے اور نکاح کی اجازت دینے سے قبل آقا کی جانب سے عدت کا وجوب نکاح کے فسخ ہونے کو واجب کرتا ہے جس طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ عدت خاوند کی جانب سے واجب نہیں ہوگی کیونکہ خاوند کی جانب سے عدت اسی وقت واجب ہوتی ہے جب میاں بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو۔ جس طرح سابقہ مسئلہ میں ''البحر'' میں بیان کیا ہے۔

12501۔ (قولہ: تَمْنَعُ نَفَاذَ النِّكَاحِ) یعنی عدت کا وجوب نکاح کو باطل کر دے گا۔ کیونکہ آقا کی جانب سے عدت کے ہوتے ہوئے نکاح کا توقف ممکن نہیں ''بحر''۔ کیونکہ معتدہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی جس کی وہ عدت نہ گزار رہی ہو۔

(فَلَوْ وَطِئَ) الزَّوْجُ الْأَمَةَ (قَبْلَهُ) أَیِ الْعِتْقِ (فَالْمَهْرُ الْمُسَمّٰی لَهُ) أَیْ لِلْمَوْلٰی (أَوْ بَعْدَهُ فَلَهَا) لِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْفَعَةٍ مَلَكَتْهَا (وَمَنْ وَطِئَ قِنَّةَ ابْنِهِ فَوَلَدَتْ) فَلَوْلَمْ تَلِدْ لَزِمَ عُقْرُهَا

اگر خاوند نے لونڈی سے اس کی آزادی سے پہلے عقد نکاح کیا تو مہر مسمی آقا کے لئے ہوگا۔ اور اگر خاوند نے حقوق زوجیت آزادی کے بعد ادا کئے تو مہر بیوی کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس منفعت کے بدلہ میں ہے جس کی لونڈی مالک ہے۔ جس نے اپنی بیٹے کی قنہ سے وطی کی تو اس نے بچہ جن دیا اگر اس نے بچہ نہ جنا تو اس کا مہر اس کے باپ پر لازم ہوگا۔

12502۔ (قولہ: فَلَوْ وَطِئَ الزَّوْجُ الْأَمَةَ) جس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کیا ہو پھر آزادی کے ساتھ اس کا عقد نکاح نافذ ہو گیا ہو اگر اس کا خاوند اس لونڈی سے حقوق زوجیت ادا کرے۔

12503۔ (قولہ: فَالْمَهْرُ الْمُسَمّٰی لَهُ) یعنی اگر مہر معین کیا گیا ہو تو وہ مہر آقا کو ملے گا ورنہ مہر مثل ملے گا ''نہر''۔ یہ مہر آقا کے لئے ہوگا۔ کیونکہ خاوند نے ان منافع کو حاصل کیا ہے جو آقا کی ملکیت تھے ''بحر''۔

12504۔ (قولہ: لِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْفَعَةٍ مَلَكَتْهَا) کیونکہ عقد آزادی کے ساتھ نافذ ہو گیا اور آزادی کے ساتھ عورت اپنے منافع کی خود مالک بن گئی۔ اس عقد نکاح کے نفاذ کا معاملہ مختلف ہے جو اذن کے ساتھ نافذ ہوا جبکہ غلامی قائم تھی ''بحر''۔

12505۔ (قولہ: وَمَنْ وَطِئَ قِنَّةَ ابْنِهِ) جس نے اپنے بیٹے یا اس نے اپنی بیٹی کی لونڈی سے وطی کی۔ ''حموی'' نے ''برجندی'' سے نقل کیا ہے۔ اور ابن کا لفظ کافر کو بھی شامل ہے۔ ''قہستانی''۔ چھوٹے اور بڑے کو بھی شامل ہے ''بحر''۔ یہ حکم اسے شامل ہے کہ بیٹے نے اس لونڈی کے ساتھ وطی کی ہو یا وطی نہ کی ہو۔ ''ظہیریہ'' کے عتق کے باب میں ہے۔ قنہ کے ساتھ احتراز اس قول سے ہے جو آرہا ہے: ولو ادعی ولد ام ولدہ۔ اور ابن کے ساتھ احتراز اس قول سے ہے جو مصنف کا قول آرہا ہے: ولو وطی جاریۃ امرأتہ او والدہ۔

12506۔ (قولہ: فَوَلَدَتْ) اس کا عطف وطیٔ پر ہے۔ اور ہر شے کا فا تعقیبیہ کے ساتھ عطف اس کے حساب سے ہوتا ہے جس طرح اس جملہ میں ہے: تزوج زید فولد لہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ لونڈی مدت حمل گزرنے سے پہلے بچہ جن دے تو دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے قول: فادعاہ جو فولدت پر معطوف ہے کا مفاد یہ ہے کہ اگر باپ دعویٰ کرے جبکہ وہ حاملہ ہو تو یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ بچہ جن دے۔ ''البحر'' میں کہا: میں نے اسے صریحاً نہیں دیکھا۔ ''النہر'' میں ہے: مناسب ہے اگر اس نے دعویٰ کے وقت سے چھ ماہ سے پہلے بچہ جن دیا تو اس کو صحیح مان لیا جائے۔

عقر کی تفسیر

12507۔ (قولہ: لَزِمَ عُقْرُهَا) ''الفتح'' میں کہا ہے: عقر صفت جمال کا اعتبار کرتے ہوئے جو مہر مثل دیا جاتا ہے یعنی ایسا مہر جس میں، اس عورت جیسی عورتوں میں صرف جمال کی وجہ سے، رغبت کی جاتی ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو کہا گیا ہے ''جس مال کے بدلے میں زنا کے لئے اس جیسی عورت کو اجرت پر لیا جاتا ہے اگر وہ جائز ہوتا'' تو یہ عقر کا معنی

وَارْتَکَبَ مُحَرَّمًا، وَلَا یُحَدُّ قَاذِفُهُ (فَادَّعَاهُ الْأَبُ)

اس باپ نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے اس پر بدکاری کی تہمت لگانے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ باپ نے اس کا دعویٰ کیا

نہیں۔ بلکہ یہ عرف و عادت ہے کہ اس عمل کے لئے جو مال دیا جاتا ہے وہ اس سے کم ہوتا ہے جو بطور مہر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مہر بقاء عقد کے لئے ہوتا ہے۔ پہلے (زنا) کا معاملہ مختلف ہے۔

جب اس کی جانب سے جماع بار بار ہوا اور وہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس پر ایک ہی مہر لازم ہوگا۔ یہ صورت مختلف ہے کہ بیٹا باپ کی لونڈی کے ساتھ بار بار وطی کرے تو اس پر ہر وطی کے بدلے میں ایک مہر لازم ہوگا۔ کیونکہ مہر شبہ کے دعویٰ کے سبب واجب ہوا ہے اگر وہ شبہ کا دعویٰ نہ کرے تو بیٹے پر حد لازم ہو جائے گی۔ دعویٰ کے متکرر ہونے سے مہر بھی متکرر ہوگا۔ باپ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے شبہ کے دعویٰ کی احتیاج نہیں''خانیہ''۔

12508۔(قولہ: وَارْتَکَبَ مُحَرَّمًا الخ) ''النہر'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔ اس کی اصل ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: ولادت کی قید ذکر کی کیونکہ اگر وہ اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کرے اور وہ لونڈی حاملہ نہ ہو کیونکہ یہ عمل اس پر حرام ہوتا ہے اور وہ اس لونڈی کا مالک نہیں ہوتا۔ اور اس باپ پر اس لونڈی کا عقر لازم ہوتا ہے۔ جب وہ اس سے حاملہ ہو جائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ وطی حلال ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس پر باپ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے دونوں مسئلوں میں اس پر تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ جب وہ لونڈی اس سے بچہ نہ جنے تو پھر تو امر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس نے غیر ملک میں حرام وطی کی ہے۔ مگر جب وہ اس سے حاملہ ہو جائے تو اختلاف کا شبہ کہ ملک دخول سے پہلے ثابت ہوگی یا دخول کے بعد ثابت ہوگی اس (باپ) کے احصان کو ساقط کر دیتا ہے جس طرح ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔

''البحر'' کا قول: فانہ یتبین ان الوطء حلال یہاں جو مفہوم مخالف تھا اس کی وضاحت ہے۔ اس میں تامل ہے۔ کیونکہ وطی سے قبل ہمارے نزدیک اور حمل ٹھہرنے سے پہلے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملکیت کا ثبوت نسب کے ثبوت کی ضرورت کی وجہ سے ہے جس طرح ''الفتح'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وطی پر اقدام حلال ہے۔ جس طرح ایک آدمی کوئی چیز غصب کرے اور ایسی چیز کو تلف کرے پھر اس کے مالک کو اس شے کی ضمانت دے دے تو غصب کے وقت سے اس شے کی ملکیت کو غاصب کی طرف منسوب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ فعل حلال ہے۔ شاید ان کے قول حلال سے مراد یہ ہے کہ یہ فعل زنا نہیں۔ کیونکہ اگر یہ زنا ہوتا تو لازماً عقر لازم آتا اور نسب ثابت نہ ہوتا۔ جو ہم نے قول کیا ہے اس پر آنے والے قول کا مطلق ہونا دلالت کرتا ہے: ولذا یحل لہ عند الحاجۃ الطعام لا الوطء۔ اسی طرح یہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو ہم نے پہلے ''ظہیریہ'' سے نقل کیا ہے کہ وہ لونڈی جو بیٹے کی موطوءہ ہو اس میں باپ کا دعویٰ صحیح ہوگا جبکہ وہ باپ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ فلیتامل

12509۔(قولہ: فَادَّعَاهُ) یعنی قاضی کے پاس باپ نے دعویٰ کر دیا جس طرح ''شرح ابن شلبی'' میں ہے۔ اس

وَهُوَ حُرٌّ مُسْلِمٌ عَاقِلٌ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) بِشَرْطِ بَقَاءِ مِلْكِ ابْنِهِ مِنْ وَقْتِ الْوَطْءِ إِلَى الدَّعْوَةِ
جبکہ وہ آزاد مسلمان اور عاقل تھا تو اس کا نسب باپ سے ثابت ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ وطی سے لے کر دعویٰ تک بیٹے کی اس لونڈی پر ملکیت رہے۔

نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ دعویٰ کی صحت میں شبہ کے دعویٰ اور بیٹے کی تصدیق کی کوئی شرط نہیں، ''فتح''۔

ظاہر یہ ہے فادعاہ میں فا صرف ترتیب کے لئے ہے۔ پس ولادت کے فوری بعد دعویٰ لازم نہیں۔ ''حموی'' نے فوراً لزوم کا دعویٰ کیا ہے یہ قول بعید ہے۔ ''فلیراجع''۔

12510۔ (قولہ: وَهُوَ حُرٌّ مُسْلِمٌ عَاقِلٌ) اگر وہ غلام ہو، مکاتب ہو، کافر ہو یا مجنون ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ انہیں ولایت حاصل نہیں۔ اگر مجنون کو افاقہ ہوا پھر اس لونڈی نے چھ ماہ سے پہلے بچہ جن دیا تو بطور استحسان یہ دعویٰ صحیح ہوگا اگر چہ دونوں اہل ذمہ سے ہوں۔ مگر جب ان کی ملتیں مختلف ہوں تو باپ کا دعویٰ جائز ہوگا۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اگر بیٹا مسلمان ہے تو اسلام شرط ہے۔ اگر بیٹا کافر ہے تو باپ کا مسلمان ہونا شرط نہیں اگر چہ ملت مختلف ہو۔ کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے۔ ''ظہیریہ'' میں ہے: اگر باپ مسلمان ہو اور بیٹا کافر ہو تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ اگر باپ مرتد ہو تو اس کا دعویٰ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موقوف اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نافذ ہوگا۔

12511۔ (قولہ: بِشَرْطِ الخ) اگر وہ بیٹے کی ملکیت کے علاوہ میں حاملہ ہو یا اس کی ملک میں حاملہ ہوا اور بیٹے نے اپنی ملک سے لونڈی کو نکال دیا پھر اسے اپنی ملک میں واپس لیا تو باپ کا دعویٰ نسب صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ ملکیت حمل ہونے کے وقت کی طرف نسبت کے طریقہ پر ثابت ہوتی ہے۔ پس یہ تقاضا کرتی ہے کہ ملکیت کا قیام حمل ہونے سے لے کر تملک (مالک ہونے) تک ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اس کے دعویٰ کی تکذیب کرے۔ اگر وہ اس کی تصدیق کرے تو دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور وہ لونڈی کا مالک نہیں ہوگا۔ جس طرح کوئی اجنبی اس کا دعویٰ کرے اور وہ آقا پر آزاد ہو جائے گی۔ جس طرح ''محیط'' میں ہے ''بحر''۔ ''النہر'' میں کہا: ''زیلعی'' کی شرح میں مذکور ہے، ''فتح القدیر'' وغیرہ میں اسی نقطہ نظر کو اپنایا ہے، دعویٰ کے صحیح ہونے میں شبہ کا دعویٰ اور بیٹے کی تصدیق شرط نہیں۔

میں کہتا ہوں: گویا یہ سمجھنا کہ اس قول: ھذا ان کذبہ الابن میں اشارہ اصل مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ میری مراد ہے جب تک لونڈی بیٹے کی ملک میں رہے۔ جبکہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ یہ اس قول فلوحبلت فی غیر ملکہ و فیہ و اخرجہا الابن عن ملکہ الخ کی طرف راجع ہے تو یہ اس کے منافی نہیں جو ''زیلعی'' اور ''فتح'' میں ذکر کیا ہے کہ تصدیق شرط نہیں۔ کیونکہ وہ اصل مسئلہ میں ہے نہ کہ اس بارے میں جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لونڈی کا بیٹے کی ملکیت میں رہنے کی شرط یہ ''زیلعی'' اور ''الفتح'' میں مذکور ہے۔ اگر بیٹے کی تصدیق شرط نہ ہوتی اگر چہ وہ اس کو اپنی ملک سے خارج کر دیتا تو بیٹے کی ملکیت میں رہنے کی شرط کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ''ظہیریہ'' میں باب العتق میں ہے: یہ شرط ہے کہ لونڈی حمل ہونے سے دعویٰ تک بیٹے کی ملک میں رہے یہاں تک کہ اگر اسے حمل ہو جائے اور بیٹا اسے بیچ دے پھر وہ اس لونڈی کو خرید

وَبَیْعُهَا لِأَخِیهِ مَثَلًا لَا یَضُرُّ نَهْرٌ بَحْثًا (وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدِهِ) لِاسْتِنَادِ الْمِلْكِ لِوَقْتِ الْعُلُوقِ (وَعَلَیْهِ قِیمَتُهَا) وَلَوْ فَقِیرًا لِقُصُورِ حَاجَةِ بَقَاءِ نَسْلِهِ عَنْ بَقَاءِ نَفْسِهِ وَلِذَا یَحِلُّ لَهُ عِنْدَ الْحَاجَةِ الطَّعَامُ لَا الْوَطْءُ وَیُجْبَرُ عَلَى نَفَقَةِ أَبِیهِ لَا عَلَى دَفْعِ جَارِیَةٍ لِتَسَرِّیهِ

اور اس کا لونڈی مثلاً اپنے بھائی کو بیچنا کوئی نقصان نہیں دیتا۔''نہر''۔ میں اس کا ذکر بحث کے انداز میں ہے۔ اور وہ لونڈی باپ کی ام ولد ہو جائے گی۔ کیونکہ حمل ہونے کے وقت سے ملک باپ کی طرف منسوب ہو جائے گی۔ اور باپ پر اس لونڈی کی قیمت ہوگی اگرچہ فقیر ہو۔ کیونکہ بقاء نسل کی حاجت بقاء نفس سے کم ہے۔ اسی وجہ سے ضرورت کے وقت اس کے لئے کھانا لینا حلال ہے وطی کرنا حلال نہیں۔ اور بیٹے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے باپ کو نفقہ دے اسے لونڈی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تا کہ وہ اسے اپنا حرم بنائے۔

لے یا اس پر عیب کی وجہ سے قضا کے ساتھ یا قضا کے بغیر لوٹا دی جائے یا خیار رویۃ، خیار شرط یا بیع کے فاسد ہونے کے ساتھ لوٹا دی جائے پھر باپ اس کا دعویٰ کرے تو نسب ثابت نہیں ہوگا مگر جب بیٹا اس کی تصدیق کرے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ اس میں صریح ہے۔ فتدبر

12512۔ (قولہ: وَبَیْعُهَا لِأَخِیهِ مَثَلًا) یعنی بیٹا اپنی لونڈی مثلاً اپنے بھائی، اپنے بیٹے یا اپنے بھتیجے کو بیچ دے تو یہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ کیونکہ جب حالت یہ ہو تو وہ باپ کی فرع کی لونڈی ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔''ح''۔ اس میں یہ بھی ہے: اس کا اپنے بیٹے کو لونڈی بیچنا باپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ دادا کو باپ کے ہوتے ہوئے اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں۔ ہاں اس کا اپنے بھتیجے کو لونڈی نہ بیچنا اسے فائدہ دے گا اگر اس بیٹے کا باپ فوت ہو چکا ہو یا کفر، رق اور جنون کی وجہ سے اس کی ولایت سلب ہو چکی ہو۔ کیونکہ مدعی دادا کو ولایت حاصل ہے۔ کیونکہ دادا کا دعویٰ صحیح نہیں ہوتا مگر اس وقت جب اسے اپنی فرع پر ولایت ہو جس طرح آئے گا۔ یہ''رحمتی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ فافہم۔

12513۔ (قولہ: لِوَقْتِ الْعُلُوقِ)''الفتح'' میں یہ اسی طرح ہے۔ یعنی اس وطی کے وقت جو حمل کے وقت کے قریب ہے تا کہ یہ کلام اس کے منافی نہ ہو جس کا ذکر قریب ہی آرہا ہے۔''تامل''

12514۔ (قولہ: وَعَلَیْهِ قِیمَتُهَا) یعنی جس دن سے اسے حمل ٹھہرا ہے اس دن سے اس پر بیٹے کے لئے اس لونڈی کی قیمت لازم ہو جائے گی جس طرح مسکین میں ہے''ط''۔''المحیط'' میں ہے: اگر کوئی آدمی اس لونڈی کا مستحق نکل آیا وہ اس لونڈی کا عقر اور اس کے بچے کی قیمت لے لے گا۔ کیونکہ باپ کے ساتھ دھوکہ ہو گیا ہے باپ بیٹے سے لونڈی کی قیمت کا مطالبہ کرے گا عقر اور بچے کی قیمت کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بیٹے نے اولاد کی سلامتی کی ضمانت نہیں اٹھائی،''بحر''۔

12515۔ (قولہ: لِقُصُورِ الخ) یعنی کیونکہ باپ کو حق حاصل ہے کہ اپنے نفس کو باقی رکھنے کے لئے اپنے بیٹے کے مال پر ملکیت حاصل کرے۔ اسی طرح اسے اپنی نسل کی حفاظت کی ولایت بھی حاصل ہے۔ کیونکہ وہ اس کا جز ہے۔ لیکن پہلی

(لَا عُقْرُهَا وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) مَا لَمْ تَكُنْ مُشْتَرَكَةً فَتَجِبُ حِصَّةُ الشَّرِيكِ

اس کا عقر اور اس لونڈی کے بچے کی قیمت اس پر لازم نہ ہوگی۔ جب تک وہ لونڈی مشترک نہ ہو۔ اگر مشترک ہوگی تو شریک کا حصہ واجب ہوگا۔

ولایت زیادہ شدید ہے۔ اسی وجہ سے وہ طعام کا مالک قیمت کے بغیر بن جاتا ہے اور لونڈی کا مالک قیمت کے ساتھ بن جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت کے وقت کھانا حلال ہے لونڈی سے وطی کرنا حلال نہیں۔ بیٹے کو اس امر پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ باپ کو نفقہ دے لیکن اسے اس امر پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ باپ کو لونڈی دے تاکہ اسے اپنے حرم میں داخل کرے۔ تو ضرورت کی وجہ سے اس کا مالک بننا جائز ہے تو کیونکہ بقاء نسل کی حاجت میں کمی ہے اسی وجہ سے ہم نے اس پر قیمت کو واجب کیا ہے تاکہ دونوں حقوق کی رعایت ہو جائے۔ ''فتح''۔ اور جو یہ ذکر کیا ہے کہ بیٹے کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی لونڈی باپ کے حوالے کرے تاکہ اس کو حرم میں داخل کرے، اسے ''زیلعی'' نے بھی ذکر کیا ہے۔ اسی کی مثل ''الدرر''، ''غایۃ البیان'' اور ''نہایہ'' میں ہے۔ اور جو ان معتبر شروح میں ہے نفقہ کے بارے میں جو قول (مقولہ 16240 میں) آ رہا ہے وہ اس کے معارض نہیں ہو سکتا۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسے ''جوہرہ'' کی طرف منسوب کیا ہے ''کہ اسے مجبور کیا جائے گا''۔ ''فتدبر''۔

12516۔ (قولہ: لَا عُقْرُهَا) عقر کی تفسیر قریب ہی (مقولہ 12507 میں) گزر چکی ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' کے نزدیک باپ پر عقر لازم ہوگا۔ کیونکہ حمل ہونے سے پہلے اس میں باپ کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے تاکہ بچے کی حفاظت ہو سکے۔ ہمارے نزدیک وطی سے پہلے ملکیت ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ فعل کے زنا ہونے کا لازم یہ ہے کہ شرعاً پانی ضائع ہے۔ اگر ملکیت کو وطی پر مقدم نہ مانیں تو اس کا لازم ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ضرورت ختم نہیں ہوتی مگر اسی کے ساتھ کہ دخول سے پہلے اسے ثابت کیا جائے۔ جب حمل نہ ٹھہرے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اس وقت صرف عقر واجب ہوگا۔ ''فتح''۔ یعنی جب وہ لونڈی حاملہ نہ ہو تو اس لونڈی میں باپ کی ملکیت کو مقدم کرنے کی علت نہ پائی گئی وہ علت بچے کی حفاظت ہے جس طرح ''زیلعی'' نے بیان کیا ہے۔

12517۔ (قولہ: وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) یعنی اس کے بچے کی قیمت بھی لازم نہ ہوگی، کیونکہ وہ آزاد کی حیثیت سے رحم میں بطور حمل ٹھہرا ہے۔ کیونکہ باپ کی اس لونڈی پر ملکیت اس سے پہلے متحقق ہو چکی تھی، ''نہر''۔

12518۔ (قولہ: مَا لَمْ تَكُنْ مُشْتَرَكَةً) ''البحر'' میں کہا: اگر وہ لونڈی اس کے بیٹے اور اجنبی میں مشترک تھی تو حکم اسی طرح ہوگا۔ مگر وہ اپنے شریک کے لئے اس کے نصف عقر کا ضامن ہوگا۔ میں نے یہ قول نہیں دیکھا۔ اگر وہ لونڈی باپ اور بیٹے یا غیر کے درمیان مشترک تھی تو شریک بیٹے وغیرہ کے لئے عقر میں حصہ اور باقی ماندہ قیمت لازم ہوگی جب وہ حاملہ ہو۔ کیونکہ پوری لونڈی میں ملکیت مقدم نہیں۔ کیونکہ یہاں موجب منتفی ہے اور وہ موجب نسل کی حفاظت ہے۔ کیونکہ اس میں جو ملکیت ہے وہ استیلاء کی صحت کے لئے کافی ہے۔ اور جب یہ صحیح ہے تو باقی ماندہ میں ملکیت حکماً ثابت ہوگی شرطاً ثابت نہیں ہو

وَهٰذَا إِذَا ادَّعَاهُ وَحْدَهُ، فَلَوْ مَعَ الِابْنِ، فَإِنْ شَرِيكَيْنِ قُدِّمَ الْأَبُ وَإِلَّا فَالِابْنُ وَلَوْ ادَّعَى
اور یہ حکم اس وقت ہے جب باپ اکیلا دعویٰ کرے۔ پھر اگر نسب کے دعویٰ میں باپ بیٹے کے ساتھ شریک ہوا اگر اس لونڈی میں باپ اور بیٹا دونوں شریک ہوں تو باپ کو مقدم کیا جائے گا ورنہ بیٹے کو مقدم کیا جائے گا۔ اگر باپ نے

گی۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ یہ عجیب مسئلہ ہے کیونکہ جب وطی کرنے والے کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا تو اس پر مہر نہیں تھا اور جب وہ لونڈی مشترکہ تھی تو مہر باپ پر لازم ہوگا۔

12519۔ (قولہ: وَهٰذَا الخ) یہ اشارہ ہے ان تمام مسائل کی طرف جو گزر چکے ہیں۔

12520۔ (قولہ: قُدِّمَ الْأَبُ) کیونکہ اس کی دو جہتیں ہیں: اپنے حصہ میں حقیقی ملک اور اپنے بیٹے کے حصہ میں مالک بننے کا حق، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''ظہیریہ'' میں ہے: اگر وہ لونڈی آدمی، اس کے بیٹے اور اس کے دادا میں مشترک ہو سب نے دعویٰ کیا تو دادا اولیٰ ہوگا۔ چاہئے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا جائے جب آدمی کا باپ مر چکا ہو تا کہ دادا کو دو جہتوں سے ترجیح ہو جائے۔ تامل

12521۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ دونوں شریک نہ ہوں۔ یہ اس صورت میں قول سچا ہوگا جب وہ لونڈی صرف بیٹے کے لئے یا صرف باپ کے لئے ہو۔ دوسری صورت یہاں صحیح نہیں لیکن اصل مسئلہ بیٹے کی لونڈی میں مفروض ہے پس یہ قرینہ ہے کہ مراد صرف اول ہے۔ فافہم۔

12522۔ (قولہ: فَالِابْنُ) یعنی بیٹے کا دعویٰ مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ معناً سابق ہے'' بحر''۔ کیونکہ بیٹے کو حقیقتاً ملک اور باپ کو حق تملک حاصل ہے۔ اور کیونکہ بیٹے کی ملکیت سابق ہے تو یوں ہوگیا کہ بیٹے نے باپ سے پہلے بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا۔

12523۔ (قولہ: وَلَوْ ادَّعَى) یعنی اگر باپ نے دعویٰ کیا۔ ان کا قول ''المنفی'' یہ منصوب ہے ولد ام الولد کی صفت ہے۔ ان کا قول او مدبرتہ او مکاتبتہ یہ دونوں مجرور ہیں ان کا عطف ام پر ہے یہ جو ان کے قول قنۃ ابنہ کے ساتھ جس سے احتراز کیا گیا تھا اس کا بیان ہے۔ یعنی اگر باپ نے اپنے بیٹے کی ام ولد کے اس بیٹے کے نسب کا دعویٰ کیا جس کے نسب کی بیٹے نے نفی کر دی تھی تو اس کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب بیٹا تصدیق کرے۔ کیونکہ ام ولد غیر مستولد کی ملک کی طرف انتقال کو قبول نہیں کرتی۔ ''المنفی'' کے قول کے ساتھ قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ جب بیٹے نے اس کی نفی نہ کی تو اس بچے کا نسب بیٹے سے ثابت ہو جائے گا۔ تو باپ سے اس کے نسب کا ثبوت ممکن نہیں اگرچہ بیٹا اس کی تصدیق کرے۔ اسی طرح اگر باپ اپنے بیٹے کی مدبرہ کی اولاد یا اپنے بیٹے کی مکاتبہ کی اولاد جس نے حالت مکاتبہ میں بیٹے کی اولاد کو جنا ہو یا اس سے پہلے جنا ہو کا دعویٰ کر دیا تو باپ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر جب بیٹا اس کی تصدیق کرے جس

وَلَدَ أُمِّ وَلَدِهِ الْمَنْفِيِّ أَوْ مُدَبَّرَتِهِ أَوْ مُكَاتَبَتِهِ شَرَطَ تَصْدِيقُ الِابْنِ (وَجَدٌّ صَحِيحٌ كَأَبٍ بَعْدَ زَوَالِ وِلَايَتِهِ بِمَوْتٍ وَكُفْرٍ وَجُنُونٍ وَرِقٍّ فِيهِ) أَيْ فِي الْحُكْمِ الْمَذْكُورِ (لَا يَكُونُ كَالْأَبِ (قَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ زَوَالِ الْمَذْكُورَةِ، وَيُشْتَرَطُ ثُبُوتُ وِلَايَتِهِ مِنَ الْوَطْءِ إِلَى الدَّعْوَةِ

اپنے بیٹے کی ام ولد جس کی اولاد کی بیٹے نے نفی کی ہو یا بیٹے کی مدبرہ لونڈی یا اس کی مکاتبہ لونڈی کی اولاد کا دعویٰ کر دیا تو بیٹے کی تصدیق شرط ہوگی۔ اور جد (دادا) صحیح مذکورہ حکم میں باپ کی طرح ہوتا ہے جب باپ کی ولایت زائل ہو چکی ہو اس کے مرنے، کفر اختیار کرنے، جنون لاحق ہونے اور اس میں غلامی واقع ہونے کے ساتھ۔ وہ اس کی ولایت کے زوال سے پہلے باپ کی طرح نہیں۔ اور دادا کی ولایت کا ثبوت وطی سے دعویٰ تک شرط ہے۔

طرح ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ باپ وطی سے پہلے ان کو اپنی ملک میں نہیں لے سکتا۔ اگر بیٹا اس کی تصدیق کر دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ باپ نے شبہ کی وجہ سے وطی کی ہو۔

ظاہر یہ ہے کہ مکاتبہ کے لئے عقر لازم ہوگا۔ کیونکہ مکاتبہ کے ساتھ آقا وطی کرے تب بھی عقر لازم ہو جاتا ہے تو باپ کی وطی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ عقر لازم ہوگا۔ اور جب ام ولد اور مدبرہ میں ملکیت ثابت نہیں تو چاہئے کہ باپ پر بیٹے کے لئے عقر ثابت ہو جس طرح اس امر کا وہ قول فائدہ دیتا ہے جو ہم نے پہلے (مقولہ 12508 میں) بیان کیا ہے اس میں کہ اگر وہ اس لونڈی کے ساتھ وطی کرے اور اسے حمل نہ ہو۔ تامل

12524۔ (قولہ: وَجَدٌّ صَحِيحٌ) اس قید کے ساتھ جد فاسد خارج ہو گیا جیسے نانا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ دادا جو رحم محرم کی جانب سے نہ ہو۔ تمام احوال میں اس کی تصدیق نہ کی جائے کیونکہ ان کی ولایت مفقود ہے۔ ''بحر'' میں ''محیط'' سے مروی ہے۔

12525۔ (قولہ: بَعْدَ زَوَالِ وِلَايَتِهِ) ضمیر سے مراد اب ہے۔ زوال ولایت سے مراد ولایت کا نہ ہونا ہے تا کہ اسے شامل ہو جائے کہ اگر باپ کافر ہو، مجنون ہو یا اس کا رق اصلی ہو۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ یہاں ولایت ولایت تملک ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12512 میں) گزرا ہے۔

12526۔ (قولہ: فِيهِ) یہ کاف التشبیہ کے متعلق ہے ''ح''۔ معنی ہے دادا مذکورہ حکم میں باپ کے مشابہ ہے۔

12527۔ (قولہ: وَيُشْتَرَطُ ثُبُوتُ وِلَايَتِهِ) یعنی دادا کی ولایت جو باپ کی ولایت کے مفقود ہونے یعنی ملکیت کا ثبوت صرف دعویٰ کے وقت کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ جب سے حمل ٹھہرا ہے اس وقت سے دعویٰ کے وقت تک ملکیت کا ثبوت ضروری ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: یہاں تک کہ اس نے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دیا جس وقت سے ولایت اس کی طرف منتقل ہوئی تو اس کا دعویٰ درست نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے باب میں ذکر کی ہے یعنی ملک حمل ٹھہرنے تک بطریق استناد ثابت ہوتی ہے۔ پس یہ تقاضا کرتی ہے کہ مالک بننے کی ولایت حمل ٹھہرنے سے مالک بننے تک قائم رہے۔

(وَلَوْ تَزَوَّجَهَا) وَلَوْ فَاسِدًا (أَبُوهُ) وَلَوْ بِالْوِلَایَةِ (فَوَلَدَتْ لَمْ تَصِرْ أُمَّ وَلَدِهِ) لِتَوَلُّدِهِ مِنْ نِکَاحٍ (وَیَجِبُ الْمَهْرُ لَا الْقِیمَةُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ) بِمِلْكِ أَخِیهِ لَهُ

اگر اس لونڈی سے اس کے باپ نے عقد نکاح کیا اگر چہ وہ نکاح فاسد تھا اگر چہ اس نے یہ نکاح ولایت حاصل ہونے کی وجہ سے کیا تو وہ لونڈی اس کی ام ولد نہ ہوگی۔ کیونکہ بچے کی پیدائش نکاح سے ہوئی ہے۔ اور باپ پر مہر واجب ہوگا قیمت واجب نہ ہوگی اور اس کا بچہ آزاد ہوگا۔ کیونکہ اس کا بھائی اس کا مالک ہو گیا ہے۔

12528۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِدًا) کیونکہ نکاح فاسد میں بھی نسب ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ اس سے ملکیت کے ثبوت سے مستغنی ہے، ''بحر''۔

12529۔ (قولہ: أَبُوهُ) اس کا باپ ہو یا اس کا دادا ہو، ''رحمتی''۔

12530۔ (قولہ: وَلَوْ بِالْوِلَایَةِ) ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے: جب ایک آدمی نے اپنے چھوٹے بچے کی لونڈی سے عقد نکاح کیا تو اس لونڈی نے اس سے بچہ جن دیا تو یہ لونڈی اس کی ام ولد نہیں ہوگی اور بچہ قرابت کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا۔

12531۔ (قولہ: لِتَوَلُّدِهِ مِنْ نِکَاحٍ) کوئی ضرورت باقی نہ رہی کہ حمل ٹھہرنے سے اس کی ملکیت کو مانا جائے۔ کیونکہ نسب اس کے بغیر بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ ام ولد ہونا یہ ملک بننے کی نوع ہے۔ اور نکاح اس کے منافی ہے۔

12532۔ (قولہ: وَیَجِبُ الْمَهْرُ) کیونکہ مہر نکاح کی وجہ سے اس پر لازم ہو چکا ہے۔ اگر مہر مسمی نہ ہو تو جمال میں جو عورت اس کی مثل ہوگی اس کو جتنا مہر دیا جاتا ہے اتنا مہر اسے ملے گا، ''نہر''۔

12533۔ (قولہ: لَا الْقِیمَةُ) کیونکہ باپ کو اس پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی، ''نہر''۔

12534۔ (قولہ: بِمِلْكِ أَخِیهِ لَهُ) وہ بچہ قرابت کی وجہ سے بھائی پر آزاد ہو جائے گا ''ہدایہ''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ولد رقیق مادہ کی صورت میں رحم میں حمل ٹھہرا ہے۔ اس میں اختلاف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ انفصال سے پہلے ہی آزاد ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب وہ رحم سے جدا ہوگا اس کے بعد آزاد ہوگا۔ اس کا ثمرہ وراثت میں ظاہر ہوگا۔ اگر آقا مر گیا جبکہ وہ بیٹا تھا تو بچہ پہلی تعبیر کی صورت میں وارث ہوگا دوسری تعبیر کی صورت میں وارث نہیں ہوگا۔ مناسب پہلا قول ہے کیونکہ حمل ٹھہرنے کے ساتھ ہی وہ بھائی کی ملکیت میں آ گیا۔ جب بھائی اس کا مالک ہو گیا تو قرابت کے ساتھ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں اسی طرح ہے۔

میرے نزدیک ظاہر دوسری تعبیر ہے۔ کیونکہ جب تک وضع حمل نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ علما کا قول ہے: ملک سے مراد شے میں ابتداءً تصرف کی قدرت ہے۔ اور جنین میں آقا کو کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ جنین کی بیع کرے یا ہبہ کرے اگر چہ اس کی وصیت کرنا اور اس کو آزاد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ حدیث اس کو شامل نہ ہوگی۔

وَمِنَ الْحِيَلِ أَنْ يُمَلِّكَ أَمَتَهُ لِطِفْلِهِ ثُمَّ يَتَزَوَّجَهَا (وَلَوْ وَطِئَ جَارِيَةَ امْرَأَتِهِ أَوْ وَالِدِهِ أَوْ جَدِّهِ فَوَلَدَتْ وَادَّعَاهُ لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ إِلَّا بِتَصْدِيقِ الْمَوْلَى) فَلَوْ كَذَّبَهُ ثُمَّ مَلَكَ الْجَارِيَةَ وَقْتًا مَا ثَبَتَ النَّسَبُ

اور حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی لونڈی کو اپنے بچے کی ملک میں دے پھر اس سے شادی کر لے۔ مگر ایک آدمی نے اپنی بیوی، اپنے والد یا دادا کی لونڈی سے عقد نکاح کیا تو اس نے بچہ جن دیا اور اس نے اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا مگر آقا کی تصدیق کے ساتھ۔ اگر آقا اس کی تکذیب کر دے پھر وہ مدعی لونڈی کا مالک ہو گیا کسی وقت تو نسب ثابت ہو جائے گا۔

کیونکہ حدیث اسے شامل ہے جو ہر اعتبار سے مملوک ہو۔ اسی وجہ سے اگر اس نے کہا: ہر مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے تو یہ قول حمل کو شامل نہیں ہوگا۔ ''بحر''، ''النہر'' اور ''المقدسی'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

12535۔ (قولہ: وَمِنَ الْحِيَلِ) یعنی ان حیلوں میں سے جن کے ساتھ انسان اپنے آپ سے ان چیزوں کو دور کرتا ہے جو اس کو نقصان پہنچاتی ہیں یہ ہے۔ یہ حیلہ ہے اس آدمی کیلئے جو لونڈی سے وطی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کی ام ولد نہ بنے اگرچہ اس سے بچے جنے تا کہ اس پر سرکش نہ ہو جب وہ بچہ جن دے اور اسے علم ہو جائے کہ اسے بیچا نہیں جا سکتا تو وہ لونڈی ہبہ یا بیع کے ذریعے اپنے بچے کی ملک میں دے دے پھر ولایت کی وجہ سے اس لونڈی سے نکاح کر لے تو اس لونڈی کا حکم وہی ہوگا جو (مقولہ 12530 میں) گزر چکا ہے۔ جب اس لونڈی کے بیچنے کی ضرورت ہوگی تو وہ اسے بیچ سکے گا اور اس کی قیمت اپنے بچے کے لئے محفوظ کر لے گا یا اس رقم کو اپنے بچے پر خرچ کرے گا یا ضرورت ہو تو اپنی ذات پر خرچ کرے گا۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی، والد یا دادا کی لونڈی سے نکاح کرے اور وہ بچہ جن دے تو آقا کی تصدیق سے نسب ثابت ہو جائے گا

12536۔ (قولہ: وَلَوْ وَطِئَ جَارِيَةَ امْرَأَتِهِ الخ) اپنے سابقہ قول قنة ابنه سے احتراز کیا ہے، ''ط''۔

12537۔ (قولہ: لَا يَثْبُتُ النَّسَبُ إِلَّا بِتَصْدِيقِ الْمَوْلَى الخ) اس کلام میں اختصار ہے۔ ''البحر'' کی عبارت ہے: نسب ثابت نہیں ہوگا اور شبہ کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اگر اس نے کہا: آقا نے اسے میرے لئے حلال کر دیا تھا تو نسب ثابت نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ آقا احلال (حلال کرنے) میں اور بچہ کے اسی سے ہونے میں اس کی تصدیق کرے۔ اگر آقا دونوں امور میں اس کی تصدیق کر دے تو نسب ثابت ہو جائے گا ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اگر آقا اس کی تکذیب کر دے پھر زمانہ میں کسی وقت لونڈی کا مالک بن جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: اس نے اپنے باپ کی لونڈی سے وطی کی اور لونڈی نے اس سے بچہ جن دیا تو اس بچے کو بیچنا جائز نہیں وطی کرنے والے نے شبہ کا دعویٰ کیا تھا یا دعویٰ نہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ اس کے بچے کا بچہ ہے۔ وہ بچہ آزاد ہو جائے گا جب اس کی ملکیت میں داخل ہوگا اگرچہ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی نے غیر کی لونڈی سے بدکاری کی اس لونڈی نے اس سے بچہ

وَسَيَجِيءُ فِي الِاسْتِيلَادِ (حُرَّةٌ) مُتَزَوِّجَةٌ بِرَقِيقٍ (قَالَتْ لِمَوْلَى زَوْجِهَا) الْحُرِّ الْمُكَلَّفِ (أَعْتِقْهُ عَنِّي بِأَلْفٍ) أَوْ زَادَتْ وَرَطْلٍ مِنْ خَمْرٍ إذْ الْفَاسِدُ هُنَا كَالصَّحِيحِ (فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ) لِتَقَدُّمِ الْمِلْكِ اقْتِضَاءً

اور یہ مسئلہ باب الاستیلاد میں آئے گا۔ آزاد عورت جس نے ایک غلام سے نکاح کر رکھا ہے اس نے اپنے خاوند کے آقا سے کہا جو آزاد اور مکلف ہے اسے میری جانب سے ہزار کے بدلے میں آزاد کر دے یا عورت نے یہ اضافہ کیا شراب کا ایک رطل کیونکہ یہاں فاسد صحیح کی طرح ہے اس نے ایسا کر دیا تو نکاح فاسد ہو گیا۔ کیونکہ یہ اقتضاءً ملکیت کے پہلے ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

جن دیا۔ پھر زانی اس بچے کا مالک بن گیا تو یہ اس پر آزاد ہو جائے گا اگر چہ اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہو گا۔

میں کہتا ہوں: احلها المولی کا معنی ہے آقا مثلاً نکاح یا ہبہ کے ساتھ لونڈی کو اس پر حلال کر دے اس قول کے ساتھ حلال نہ کرے: میں نے اسے تمہارے لئے حلال کیا۔

12538۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ الخ) وہاں ایسی بحث ذکر کی ہے جو اختلاف کا فائدہ دیتی ہے اور اس میں ایسی کلام ہے جو وہاں آئے گی۔ ان شاء اللہ

12539۔ (قولہ: قَالَتْ لِمَوْلَى زَوْجِهَا) اسی طرح لونڈی کا خاوند اپنی بیوی کے خاوند سے کہے لیکن مہر ساقط نہیں ہو گا'' بحر''۔

12539۔ (قولہ: الْحُرِّ الْمُكَلَّفِ) یہ قید اس لئے ذکر کی تا کہ اس کی جانب سے آزادی ممکن ہو۔ اس میں یہ ہے وہ آقا خود آزاد کرنے والا نہیں بلکہ وہ آقا، بیوی کی جانب سے آزاد کرنے میں وکیل ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ بچے کی بیع اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ جہاں تک آزاد کرنے کا تعلق ہے تو اس کی طرف نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ آزادی میں اس بچے کو وکیل بنانا صحیح ہے'' ط''۔

خاوند کے آقا کے آزاد نہ ہونے یا مکلف نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ عبد ماذون ایسے غلام کو خریدے جس نے شادی کی ہوئی ہو یا بچہ یا مجنون اپنے باپ کی جانب سے اس کا وارث بنا ہو ورنہ یہ تو گزر چکا ہے کہ وہ آدمی جو غلام کو آزاد نہ کر سکتا ہو وہ غلام کا عقد نکاح بھی نہیں کر سکتا۔

12540۔ (قولہ: وَرَطْلٍ مِنْ خَمْرٍ) یہ زادت کا مفعول ہے یعنی الف کے قول پر رطل من خمر کے قول کا اضافہ کیا۔

12541۔ (قولہ: كَالصَّحِيحِ) کیونکہ یہاں بیع مقصود نہیں اس لئے اس کی شرطوں کا پایا جانا لازم نہیں جس طرح قریب ہی (مقولہ 12543 میں) آئے گا۔

12542۔ (قولہ: فَفَعَلَ) یعنی کہا: میں نے اسے آزاد کر دیا'' ح عن النہر''۔

12543۔ (قولہ: اقْتِضَاءً) یہ لفظ کی اس لفظ مسکوت پر دلالت ہے جس پر کلام کا صدق یا اس کی صحت موقوف ہوتی

كَأَنَّهُ قَالَ بِعْتُه مِنْكَ وَأَعْتَقْتُه عَنْكَ لَكِنْ لَوْ قَالَ كَذٰلِكَ وَقَعَ الْعِتْقُ عَنِ الْمَأْمُورِ لِعَدَمِ الْقَبُولِ كَمَا فِي الْحَوَاشِي السَّعْدِيَّةِ؛

گویا اس نے کہا: میں نے اسے تیرے ہاتھ بیچا اور تیری طرف سے میں نے اسے آزاد کر دیا۔ لیکن اگر آقا نے صراحۃً کہا کہ میں نے غلام تیرے ہاتھ بیچا یا تیری طرف سے اسے آزاد کیا تو آزادی مامور کی جانب سے واقع ہو گی کیونکہ قبول نہیں پایا گیا جس طرح ''الحواشی السعدیہ'' میں ہے۔

ہے۔ صدق کلام کی مثال یہ حدیث ہے: رفع الخطأ و النسیان (1) یعنی ان دونوں کا حکم اٹھا دیا گیا ہے۔ حکم گناہ ہے ورنہ وہ دونوں خارج میں واقع ہوتے ہیں۔ اور صحت کلام کی مثال ہمارا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اس کلام کی تصحیح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پہلے ملکیت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ کیونکہ ملک کا ہونا اس کی جانب سے آزادی کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ پس بیع کے ذریعے ملک کو پہلے ماننا مقتضا ہے اور آمر کی جانب سے آزاد کرنا مقتضی ہے۔ پس اس کا قول: اعتق یہ حقیقت میں ہزار کے بدلے ملکیت کو طلب کرنا ہے۔ پھر آمر کی جانب سے غلام کو آزاد کرنے کا امر ہے۔ اور اس کا قول: اعتقت پہلے بیوی کو اس کی ملکیت عطا کرنا ہے اور پھر اس کی جانب سے آزاد کرنا ہے۔ جب آمر کے لئے ملک ثابت ہو گئی تو نکاح فاسد ہو گیا۔ کیونکہ دونوں امور میں منافات ہے۔ پھر اس میں ملک شرط ہے اور شروط تابع ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے بیع، جو مقتضا ہے وہ مقتضی، جو عتق ہے، کی شروط کے ساتھ ثابت ہو گئی۔ اپنی شروط کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی تا کہ تبعیت کا اظہار ہو۔ پس اعتاق کے لئے آمر کی اہلیت شرط ہو گی یہاں تک کہ اگر وہ ایسا بچہ ہو جسے اذن ہو تو بیع ثابت نہ ہو گی اور قول ساقط ہو جائے گا جو بیع کا رکن ہے۔ اس میں خیار رویت اور خیار عیب ثابت نہیں ہو گا۔ اور اس میں یہ شرط نہ ہو گی کہ اسے سپرد کرنا تحت القدرت ہو۔ اگر وہ بھاگے ہوئے غلام کو آزاد کرنے کا حکم دے تو یہ امر بھی صحیح ہو گا اور عقد فاسد میں قبضہ کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جس طرح اس نے کہا: اسے میری جانب سے ہزار اور ایک رطل شراب پر آزاد کر دے۔ ''بحر''۔ الفاظ نہیں معنی مذکور ہے۔

12544۔ (قولہ: لَكِنْ لَوْ قَالَ الخ) اس کا ماحصل یہ ہے جو چیز بطور اقتضاء النص کے ثابت ہو وہ مقتضی کی شرطوں کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اپنی شروط کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا جس طرح تو جان چکا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہ مقتضا کی صراحت نہ کرے۔ ''فتح القدیر'' میں کہا: اگر اس نے بیع کی تصریح کر دی مثلاً آقا کہتا ہے: میں نے اسے تیرے ہاتھ بیچا اور اسے آزاد کر دیا تو یہ آزادی آمر (موکل) کی جانب سے نہ ہو گی بلکہ مامور یعنی آقا کی جانب سے ہو گی تو اس مسئلہ میں بیع ضمناً ثابت ہو گی اور صریحاً ثابت نہ ہو گی جس طرح رحموں میں موجود جنین کی بیع۔ جب اس نے بیع کی تصریح کر دی تو وہ اپنی شروط سے ثابت ہو گی۔ اور بیع مکمل نہیں ہو گی مگر قبول کرنے کے ساتھ اور قبول نہیں پایا گیا۔ پس آزادی آقا کی جانب سے واقع ہو گی۔ اور نکاح فاسد نہیں ہو گا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناس، جلد 1 صفحہ 634، حدیث نمبر 2034

وَمَفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ قَالَ قَبِلْتُ وَقَعَ عَنْ الْآمِرِ (وَالْوَلَاءُ لَهَا) وَلَزِمَهَا الْأَلْفُ وَسَقَطَ الْمَهْرُ (وَيَقَعُ) الْعِتْقُ (عَنْ كَفَّارَتِهَا إنْ نَوَتْهُ) عَنْهَا (وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِأَلْفٍ لَا) يَفْسُدُ لِعَدَمِ الْمِلْكِ (وَالْوَلَاءُ لَهُ) لِأَنَّهُ الْمُعْتِقُ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

اگر آمر نے کہا: میں نے اسے قبول کیا تو پھر آزادی آمر کی جانب سے واقع ہوگی اور ولاء اس عورت کے لئے ہوگی ہزار روپیہ عورت پر لازم ہوجائے گا اور مہر ساقط ہوگا۔ اور اگر عورت نے کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام کو آزاد کرنے کی نیت کی تو عورت کی جانب سے کفارہ کے طور پر آزادی متحقق ہوگی۔ اگر عورت نے بالالف (ہزار کے بدلے) کا لفظ ذکر نہ کیا تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے عقد نکاح فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ بیوی کی ملکیت نہیں پائی گئی۔ اور ولاء آقا کے لئے ہوگی کیونکہ وہی آزاد کرنے والا ہے۔ اللہ اعلم۔

12545۔(قولہ: وَمَفَادُهُ الخ) بحث صاحب ''النہر'' کی ہے، ''ح''۔

12546۔(قولہ: لَوْ قَالَ) یعنی آمر کہے اولیٰ یہ ہے کہ آمر کی تصریح کی جاتی اور اس کے بعد ضمیر لائی جاتی۔

12547۔(قولہ: وَسَقَطَ الْمَهْرُ) کیونکہ یہ محال ہے کہ عورت اپنے غلام پر مہر واجب کرے، ''نہر''۔

12548۔(قولہ: لَا يَفْسُدُ) نکاح فاسد نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بَابُ نِکَاحِ الْکَافِرِ

یَشْمَلُ الْمُشْرِكَ وَالْكِتَابِيَّ وَهَاهُنَا ثَلَاثَةُ أُصُولٍ الْأَوَّلُ أَنَّ (كُلُّ نِكَاحٍ صَحِيحٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ صَحِيحٌ بَيْنَ أَهْلِ الْكُفْرِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ، وَيَرُدُّهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ)

کافر کے نکاح کے احکام

کافر کا لفظ مشرک اور کتابی کو شامل ہوتا ہے اور یہاں تین اصول ہیں۔ ہر ایسا نکاح جو مسلمانوں کے درمیان صحیح ہے وہ اہل کفر کے درمیان بھی صحیح ہے امام ''مالک'' کا اس بارے میں اختلاف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اور اس کی بیوی دراں حالیکہ وہ گٹھا اٹھانے والی ہے۔

جب حضرت مصنف مسلمانوں میں سے آزاد اور غلاموں کے نکاح سے فارغ ہوئے تو کفار کے نکاح میں شروع ہوئے باب المہر کے آخر میں کافر کے مہر کو پہلے ذکر کیا اور نکاح کے باقی ماندہ احکام ان کے حق میں اسی طرح ثابت ہوتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے حق میں ثابت ہوتے ہیں جس طرح نکاح میں نفقہ کا وجوب، طلاق کا وقوع وغیرہا جیسے عدت، نسب، خیار بلوغ، نکاح صحیح کے ساتھ باہم وارث بننا، جس عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اس کا حرام ہو جانا اور محارم کے ساتھ نکاح۔

12549۔ (قولہ: یَشْمَلُ الْمُشْرِكَ وَالْكِتَابِيَّ) اگر وہ یہ قول کرتے کہ یہ کتابی اور غیر کتابی کو شامل ہے تو یہ بہتر ہوتا تا کہ جو مشرک اور کتابی نہیں وہ بھی اس میں شامل ہو جاتا جس طرح دہریہ۔ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ کافر کے ساتھ تعبیر کرنا کیونکہ یہ کتابی کو بھی شامل ہوتا ہے یہ ''ہدایہ'' کی تعبیر سے زیادہ بہتر ہے جو انہوں نے ''قدوری'' کی پیروی میں مشرک کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور ''الفتح'' میں ''ہدایہ'' کی تعبیر کی جانب سے معذرت کرتے ہوئے کہا: شرک سے صاحب ''ہدایہ'' نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جو کتابی کو بھی شامل ہو یا تو تغلیب کے طور پر یا اس طرف جاتے ہوئے کہ بعض علما نے یہ نقطہ نظر اپنایا ہے کہ اہل کتاب مشرکوں میں داخل ہیں یا اہل کتاب میں سے ایک طائفہ کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے کہ عزیر ابن اللہ والمسیح ابن اللہ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے بلند و بالا ہے۔

کافر کے نکاح کے صحیح ہونے کے اصول

12550۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَالِكٍ) امام ''مالک'' ان کے نکاحوں کی صحت کا قول نہیں کرتے اگرچہ مسلمانوں کے درمیان نکاح صحیح ہیں۔ اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ آپ بدرجہ اولیٰ آخری دو اصولوں کا قول نہیں کرتے، ''ط''۔

12551۔ (قولہ: وَيَرُدُّهُ) یعنی یہ ارشادات امام ''مالک'' کے قول کا رد کرتے ہیں جو شارح کے قول خلافاً لمالك سے سمجھا جا رہا ہے کیونکہ یہ اس قول کے قائم مقام ہے: وقال مالك لا يصح، ''ط''۔

12552۔ (قولہ: وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) امرأته کی اضافت عرفاً اور لغۃً نکاح کا فیصلہ کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ

وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (وُلِدْتُ مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ)
اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: میں نکاح سے پیدا ہوا بے حیائی سے نہیں۔ اس کا رد کرتا ہے۔

نے اپنی کتاب میں اسی معنی کا فائدہ دینے کیلئے اسے بیان کیا ہے،"ط"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین اور اہل فترہ کے بارے میں گفتگو

12553۔ (قوله: وُلِدْتُ مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ) یعنی میری پیدائش زنا سے نہیں ہوئی۔ اس سے مراد اس امر کی نفی ہے جو دور جاہلیت میں رائج تھا کہ ایک عورت ایک عرصہ تک مرد سے بدکاری کرتی پھر وہ مرد اس عورت سے شادی کر لیتا اس مذکورہ حدیث سے "الفتح" میں بھی استدلال کیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور اسلام سے قبل جو دور جاہلیت میں نکاح وغیرہ ہوئے انہیں آپ نے نکاح کا نام دیا ہے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس میں سوء ادبی ہے۔ کیونکہ یہ تو آپ کے والدین کریمین کے کفر کا تقاضا کرتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان بھی لائے (1) جس طرح ضعیف حدیث میں وارد ہے۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث اعم ہے۔ اس کی دلیل "طبرانی"، "ابونعیم" اور "ابن عساکر" کی روایت ہے: خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ ولم أُخْرَجْ من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی ابی و امی، لم یصبنی من سفاح الجاهلية شیء (2) میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر یہاں تک کہ میرے باپ اور میری ماں نے مجھے جنا۔ میں سفاح سے پیدا نہیں ہوا اور دور جاہلیت کی بدکاری میں سے مجھے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ آپ کے والدین کریمین کا ان کی موت کے بعد زندہ کیا جانا اس امر کے منافی نہیں کہ وہ نکاح زمانہ کفر میں ہوا تھا اور اس کے بھی منافی نہیں جو امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ نے "الفقہ الاکبر" میں کہا: من ان والديه صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر۔

فائدہ: "ردالمحتار" کا وہ نسخہ جو اس وقت میرے سامنے ہے جس کی تحقیق ڈاکٹر حسام الدین بن محمد صالح فرفور نے کی ہے اور جسے دار الثقافة والتراث دمشق شام نے طبع کیا ہے اس کے حاشیہ میں بحث کی ہے: ہم الفقہ الاکبر کے متن میں اس قول پر آگاہ نہیں ہوئے۔ امام "طحطاوی" نے جلد ۲ صفحہ ۸۰ میں کہا: الفقہ الاکبر میں جو یہ عبارت ہے: ان والديه ماتا على الكفر. یہ امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سازش ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ الفقہ الاکبر کے جو قابل اعتماد نسخے ہیں ان میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس کی تائید وہ کلام بھی کرتی ہے جو امام "محمد زاہد الکوثری" رحمۃ اللہ علیہ نے العالم والمتعلم کتاب کی تحقیق کے مقدمہ میں ص ۷ پر ہے "ان نسخوں میں سے بعض نسخوں میں ہے: و ابوا النبی ماتا على الفطرة فطرہ کا لفظ خط کوفی میں آسانی سے کفر کی طرف محرف ہو جاتا ہے اکثر نسخوں میں ماماتا على الكفر ہے۔ حافظ "محمد مرتضیٰ زبیدی" نے اپنے رسالہ

1۔ الروض الانف فی تفسیر السیرة النبویۃ لابن ہشام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی، باب وفاة آمنة، جلد 1، صفحہ 194

2۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب علامات النبوة، باب فی کرامة اصله، جلد 8، صفحہ 395، حدیث نمبر 13820

....

''الانتصار لوالدی النبی المختار'' میں کہا: اس کا مطلب یہ ہے جب ناسخ نے ما کے لفظ کو ماماتا میں متکرر دیکھا تو اس نے گمان کیا کہ ان میں سے ایک ما زائدہ ہے تو اس نے ایک ما کو حذف کر دیا تو اس کا غلط نسخہ عام ہو گیا۔

بحمد اللہ میں نے ماماتا کے الفاظ کو دو قدیم نسخوں میں ''دار الکتب المصریہ'' میں دیکھا جس طرح میرے بعض دوستوں نے میرے دونوں الفاظ ماماتا اور علی الفطرۃ کو دو قدیم نسخوں میں ''مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمت'' میں دیکھا۔ علامہ محدث ''عبدالفتاح ابوغدہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں: ماماتا لکھا یہ نسخہ مذکورہ لائبریری میں موجود ہے جس کا نمبر 226 ہے اور ان کے نزدیک علی الفطرۃ کے الفاظ اس نسخہ میں ہیں مذکورہ مکتبہ میں جس کا نمبر 235 ہے۔ (مترجم)

اور یہ اس کے منافی بھی نہیں جو صحیح مسلم میں ہے: میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لئے استغفار کروں تو میرے رب نے مجھے اجازت نہ دی (1) اور جو ''مسلم'' شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: ''جہنم میں'' جب وہ واپس چلا گیا تو آپ نے اسے بلایا فرمایا: میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں (2)۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ اس کے بعد ہوا ہو۔ کیونکہ زندہ کرنے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا اور یہ بات کہ آنکھوں سے (عذاب) دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا کچھ نفع نہیں دیتا تو موت کے بعد کیسے نفع دے گا تو یہ حکم اس کے لئے ہے جس میں وہ خصوصیت نہ ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی۔ جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ آپ کے والدین نجات پانے والے اس لئے ہیں کیونکہ دونوں زمانہ فترہ میں فوت ہوئے تو یہ اشاعرہ کے اصول پر مبنی ہے کہ جو آدمی فوت ہوا اور اسے دعوت حق نہ پہنچی وہ تو ناجی کی حیثیت سے فوت ہوتا ہے۔ جہاں تک ماتریدیہ کا تعلق ہے اگر تو وہ اتنی مدت گزرنے سے پہلے فوت ہو گیا جس میں اسے غور و فکر کرنا ممکن تھا اور اس نے ایمان و کفر کا اعتقاد نہ رکھا تو اس پر کوئی عتاب نہیں۔ جس نے کفر کا اعتقاد رکھا یا اتنے عرصہ کے بعد فوت ہوا جبکہ وہ کچھ اعتقاد نہ رکھتا تھا تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ہاں ماتریدیہ میں سے جو بخاری علما ہیں انہوں نے اشاعرہ کی موافقت کی ہے اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول: لا عذر لاحد فی الجھل بخالقہ کو بعثت کے بعد پر محمول کیا ہے۔ محقق ''ابن ہمام'' نے ''التحریر'' میں اسی کو پسند کیا ہے۔ لیکن یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو کفر کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ امام ''نووی'' اور ''فخر رازی'' نے تصریح کی ہے جو بعثت نبوی سے پہلے مشرک کی حیثیت سے فوت ہوا تو وہ جہنم میں ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر بعض مالکیہ نے ان احادیث کو محمول کیا ہے جو اہل فترہ کے عذاب دینے کے متعلق ہیں اور وہ احادیث صحیح ہیں۔ اہل فترہ میں سے جس نے شرک نہ کیا ہو اور اس نے توحید کا اعلان بھی نہ کیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے بلکہ اس کی ساری عمر اس سب سے غفلت میں گزری ہو تو اس میں اختلاف ہے اور وہ آدمی جس نے اپنی عقل کو استعمال کیا اور ہدایت پا گیا جس طرح قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل تو ان کی نجات میں کوئی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ عزوجل فی زیارۃ قبر امہ، جلد 1، صفحہ 904، حدیث نمبر 1671

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب ذراری المشرکین، جلد 3، صفحہ 432، حدیث نمبر 4095

(وَ) الثَّانِي أَنَّ (كُلَّ نِكَاحٍ حَرُمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ) لِعَدَمِ شُهُودٍ (يَجُوزُ فِي حَقِّهِمْ إِذَا اعْتَقَدُوهُ) عِنْدَ الْإِمَامِ (وَيُقَرُّونَ عَلَيْهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ)

اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں کے درمیان شرط کے نہ پائے جانے جیسے گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو وہ ان کفار کے حق میں جائز ہوگا جب وہ اس کا اعتقاد رکھتے ہوں یہ امام کا قول ہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انہیں اسی نکاح پر رکھا جائے گا۔

اختلاف نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم گمان رکھتے ہیں کہ آپ کے والدین ان دونوں قسموں میں سے ایک میں ہوں گے بلکہ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء و اجداد موحد تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء) اور آپ کا سجدہ کرنے والوں میں پھرنا۔ لیکن ''ابوحیان'' نے اپنی تفسیر میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ رافضیوں کا قول ہے اور آیت کا معنی ہے آپ کا تہجد گزاروں کے احوال کی چھان بین کے لئے آنا جانا۔ فافہم۔

خلاصہ کلام یہ ہے جس طرح بعض محققین نے کہا: اس مسئلہ کا ذکر نہیں کرنا چاہئے مگر مزید ادب کے ساتھ۔ یہ ان مسائل میں سے نہیں جن سے ناواقفیت نقصان دے یا جس کے بارے میں قبر میں یا میدان محشر میں باز پرس ہو۔ اس میں گفتگو سے زبان کو محفوظ رکھنا مگر بھلائی کے ساتھ زیادہ بہتر اور سلامتی کا باعث ہے۔ اس مسئلہ میں مزید گفتگو باب المرتد میں اس قول وتوبة اليأس مقبولة دون ایمان اليأس کے تحت (مقولہ 20318 میں) آئے گی۔

ہر وہ نکاح جو مسلمانوں کے درمیان عدم وجود شرط کی وجہ سے حرام ہو وہ کفار کے حق میں جائز ہوگا

12554۔ (قولہ: لِعَدَمِ شُهُودٍ) جیسے گواہوں کا نہ ہونا اور کافر کی جانب سے واجب ہونے والی عدت میں نکاح کرنا۔

12555۔ (قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) یہ صحیح ہے جس طرح ''مضمرات'' میں ہے ''قہستانی''۔ امام ''زفر'' کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اس مسئلہ میں امام کے ساتھ ہیں جبکہ کافر نے گواہوں کے بغیر عقد نکاح کیا ہو اور کافر جب کافر کی عدت میں عقد نکاح کرے تو اس مسئلہ میں امام زفر کے ساتھ ہیں۔ ''ح''۔ ''ہدایہ'' میں کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت کو شرع کے حق کے طور پر ثابت کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ حقوق شرع کے مخاطب نہیں اور خاوند کے حق کے طور پر اس پر عدت بھی واجب نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ وہ اس عدت کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔ اگر وہ کسی مسلمان کے عقد میں ہو تو معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔

اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کی جانب سے بیوی پر اصلاً عدت لازم نہیں ہوتی بعض مشائخ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ خاوند جب اسے طلاق دے دے تو اس کے لئے رجوع ثابت نہیں ہوتا اور بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا جب وہ طلاق کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچہ جن دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رجعت ثابت ہوگی۔ لیکن رجعت ضعیف ہے جو صحت نکاح کے مانع نہیں۔ پس خاوند کے لئے رجوع اور نسب ثابت ہوگا۔ صحیح ترین قول پہلا ہے جس

(وَ) الثَّالِثُ (أَنَّ) (کُلَّ نِکَاحٍ حَرُمَ لِحُرْمَةِ الْمَحَلِّ) کَمَحَارِمَ (یَقَعُ جَائِزًا) (وَقَالَ مَشَایِخُ الْعِرَاقِ لَا) بَلْ فَاسِدًا، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ وَعَلَیْهِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَیُحَدُّ قَاذِفُهُ

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہر نکاح جو حرمت محل کی وجہ سے حرام ہوتا ہے جس طرح محارم ہیں تو وہ عقد نکاح جائز ہوگا۔ اور عراق کے مشائخ نے کہا: جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ عقد نکاح فاسد ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ اور اسی قول کی بنا پر نفقہ واجب ہوگا اور اس کے قاذف پر حد جاری ہوگی۔

طرح ''قہستانی'' میں ''کرمانی'' سے منقول ہے۔ اسی کی مثل ''العنایہ'' میں ہے۔ ''الفتح'' میں ذکر کیا ہے: یہ اولی ہے لیکن نسب کے ثبوت کا عدم ممنوع ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''امام اعظم'' سے اسے نقل نہیں کیا جبکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تفریع بٹھائی ہے کہ عقد صحیح ہے۔ کیونکہ یہ عدت کے وجوب کے نہ ہونے پر مبنی ہے تو ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم کہیں کہ عدت واجب نہ ہوگی اور نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ جب یہ ایک اور طریقہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اسے اس کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہے جبکہ وہ فراش صحیح سے تھا اور اس عورت کا اس بچے کو طلاق واقع ہونے سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے جن دینا اس کا فائدہ دیتا ہے۔ ''البحر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

''النہر'' میں اس سے منازعہ کیا ہے کہ ''المحیط'' اور ''زیلعی'' میں مذکور ہے کہ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کہا: ''البحر'' میں اس سے غفلت کی ہے جبکہ تو اس سے باخبر ہے کہ صاحب ''الفتح'' نے اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ یہ ایسا امر ہے جس کا علما نے ذکر نہیں کیا بلکہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ آپ نے علما سے تخریج میں منازعہ کیا ہے اور عدت کے ثبوت کے نہ ہونے سے نسب کے ثبوت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ فافہم۔

ہر نکاح جو حرمت محل کی وجہ سے حرام ہوتا ہے وہ عقد نکاح جائز ہوگا

12556۔ (قولہ: لِحُرْمَةِ الْمَحَلِّ) یعنی محل عقد جو زوجہ ہے اس طرح کہ زوجہ ایسی ہے جو اس کے لئے اصلاً حلال نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو محرمیت اس کے منافی ہے ابتداءً بھی اور بقاءً بھی گواہوں کا نہ ہونا۔ اور عدت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے (مقولہ 12568 میں) آئے گا۔

12557۔ (قولہ: کَمَحَارِمَ) جس طرح اسے تین طلاقیں دی ہوئی ہوں اور مسلمان کی معتدہ ہو۔

12558۔ (قولہ: بَلْ فَاسِدًا) اس امر کا فائدہ دیا کہ اختلاف جواز اور فساد میں ہے جبکہ سب کا اتفاق ہے کہ اسلام قبول کرنے اور قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے سے قبل اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، ''رملی''۔

12559۔ (قولہ: وَعَلَیْهِ) یعنی اصح قول کے مطابق کہ عقد نکاح جائز ہوگا، نفقہ واجب ہوگا جب عورت نفقہ طلب کرے۔ اور جب خاوند نے عورت سے دخول کیا پھر وہ مرد مسلمان ہوگیا تو کسی انسان نے اس پر حد قذف جاری کی تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جس کے اعتبار سے عقد نکاح فاسد ہوتا ہے

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَتَوَارَثُونَ لِأَنَّ الْإِرْثَ ثَبَتَ بِالنَّصِّ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ فِي النِّكَاحِ الصَّحِيحِ مُطْلَقًا فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ ابْنُ ملك (أَسْلَمَ الْمُتَزَوِّجَانِ بِلَا) سَمَاعِ (شُهُودٍ

اور علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ وارث نہیں ہوں گے۔ کیونکہ نکاح صحیح میں وراثت نص سے خلاف قیاس مطلقاً ثابت ہوئی ہے تو اسے اسی تک محدود رکھا جائے گا۔ ''ابن ملک''۔ ایسے میاں بیوی دونوں مسلمان ہو گئے جنہوں نے عقد نکاح گواہوں کے بغیر کیا تھا

تو نفقہ واجب نہیں ہوگا اور اس پر بدکاری کی تہمت لگانے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے غیر ملک میں وطی کی ہے پس وہ مرد محصن نہ ہوگا۔

12560۔ (قولہ: وَأَجْمَعُوا الخ) یہ جواب ہے اس کا جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ جواز کے قول کی بنا پر وراثت بھی ثابت ہونی چاہئے جواب یہ ہے کہ قیاس یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کے لئے بھی وراثت ثابت نہ ہو۔ کیونکہ وہ دونوں اجنبی ہیں لیکن نکاح صحیح میں وراثت نص کے ساتھ قیاس کے خلاف مطلقاً ثابت ہے یعنی جسے اطلاق کے وقت نکاح صحیح کہا جائے جس طرح ایسا نکاح جو شرعاً معتبر ہو۔ جہاں تک محارم کا نکاح ہے اسے صحیح کہا جاتا ہے اسے مطلق نہیں کہا جاتا۔ بلکہ کفار کی طرف نسبت کے اعتبار سے صحیح ہوتا ہے۔ پس اسے نص کے مورد تک محدود رکھا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس میں یہ بھی ہے کہ جس کی شرط مفقود ہے وہ اطلاق کے وقت صحیح نہ ہوگا جبکہ اس میں توارث ثابت ہوگا۔ جس طرح شارح کتاب الفرائض میں (مقولہ 37500 میں) اس کا ذکر کریں گے جہاں ''جوہرہ'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا: ہر ایسا نکاح کہ اگر میاں بیوی مسلمان ہو جائیں، دونوں کو اس نکاح پر قائم رکھا جائے تو اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اور جس نکاح پر انہیں قائم نہ رکھا جائے تو اس نکاح کی وجہ سے وہ وارث نہ ہوں گے۔ کہا: ''ظہیریہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''تامل''

پھر ''البدائع'' کی پیروی کرتے ہوئے جو اجماع کی حکایت کی ہے اس میں نظر ہے۔ ''قہستانی'' نے وراثت کے ثبوت کا نقطہ نظر اپنایا ہے لیکن صحیح اس کے برعکس ہے جس طرح تو نے سنا ہے اس طرح ''سکب النہر'' میں کہا: وہ ایسے نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے دونوں کو جس نکاح پر قائم نہیں رکھا جائے گا جس طرح محارم کا نکاح ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔

گواہوں کے بغیر عقد نکاح کیا تھا پھر اسلام لے آئے تو اس کا حکم

12561۔ (قولہ: أَسْلَمَ الْمُتَزَوِّجَانِ الخ) اسی طرح اگر وہ اسلام قبول کرنے سے قبل ہمارے سامنے اپنا جھگڑا پیش کرتے ہیں تو دونوں کو اس نکاح پر قائم رکھا جائے گا مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ معلوم ہے جس طرح ''النہر'' اور ''البحر'' میں ہے۔

أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ مُعْتَقِدَيْنِ ذَلِكَ (أُقِرَّا عَلَيْهِ) لِأَنَّا أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَا يَعْتَقِدُونَ (وَلَوْ كَانَا) أَيْ الْمُتَزَوِّجَانِ اللَّذَانِ أَسْلَمَا

یا کافر کی عدت میں کیا تھا جبکہ وہ دونوں یہی اعتقاد رکھتے تھے تو دونوں کو اسی عقد نکاح پر قائم رکھا جائے گا۔ کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم انہیں اور جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کو چھوڑ دیں اگر دونوں میاں بیوی جو مسلمان ہوئے

12562۔ (قولہ: أَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ) اس قول کے ذریعے عدۃ مسلم سے احتراز کیا ہے جس طرح بعد میں مصنف (مقولہ 12576 کے متن میں) اس پر متنبہ کریں گے۔ ''ہدایہ'' میں اسلام اور قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی قید ذکر کی ہے جبکہ وہ نکاح میں ہوں اور حرمت قائم ہو۔ ''العنایہ'' میں کہا: جب وہ اس حالت میں ہوں کہ عدت ختم ہو چکی ہو تو بالاجماع ان میں تفریق نہیں کی جائے گی۔

12563۔ (قولہ: مُعْتَقِدَيْنِ ذَلِكَ) اگر یہ ان کے نزدیک بھی جائز نہ ہو تو بالاتفاق دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ کیونکہ یہ عقد نکاح باطل واقع ہوا ہے پس تجدید واجب ہوگی۔ ''بحر''۔ بعض محشین نے ''ابن کمال'' سے نقل کیا ہے: شرط یہ ہے کہ خاوند کے دین میں خاص طور پر جائز ہو۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ پہلے خاوند کا ارادہ کیا ہے (یعنی اس کے اعتقاد میں یہ جائز ہو) اس نے اسی عورت کو طلاق دی ہے۔ کیونکہ عدت اس خاوند کا حق ہے جو اسے طلاق دینے والا ہے۔ جب وہ عدت کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا تو اس خاوند کے لئے عدت کو واجب کرنا ممکن نہیں۔ اگر وہ کسی مسلمان کے تحت داخل ہو تو معاملہ مختلف ہے جس طرح ہم نے قریب ہی ''ہدایہ'' سے (مقولہ 12555 میں) اس کا ذکر کیا ہے۔ ''تامل''

12564۔ (قولہ: أُقِرَّا عَلَيْهِ) دونوں کو اسی عقد نکاح پر ثابت رکھا جائے گا۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جب وہ عدت میں تھا جس طرح پہلے (مقولہ 12555 میں) گزرا ہے۔ لیکن ''البحر'' اور ''الفتح'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے: جب دونوں مسلمان ہوئے جبکہ عدت ختم ہو چکی تھی تو بالاجماع ان میں تفریق کردی جائے گی۔

12565۔ (قولہ: لِأَنَّا أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ الخ) یہ تعلیل اس وقت ظاہر ہوگی جب دونوں مسئلہ اٹھائیں جبکہ وہ دونوں کافر ہوں۔ جہاں تک اسلام کے بعد کا معاملہ ہے تو اس کی عدت وہ ہے جو ''البحر'' میں مذکور ہے کہ اعلام اور قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی حالت بقا کی حالت ہے اور شہادت اس میں شرط نہیں۔ اسی طرح عدت اس کے منافی نہیں جس طرح اس منکوحہ عورت جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو۔ ''ط'' کیونکہ وہ عورت جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو تو اس پر عدت واجب ہوگی جبکہ اس کا اپنے خاوند کے ساتھ نکاح قائم رہے گا اور وہ عورت خاوند پر حرام رہے گی ''فتح''۔ یعنی عدت کے ختم ہونے تک وہ عورت خاوند پر حرام رہے گی۔

(مُحَرَّمَیْنِ أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُ الْمُحَرَّمَیْنِ أَوْ تَرَافَعَا إِلَیْنَا وَهُمَا عَلَى الْكُفْرِ) (فَرَّقَ) الْقَاضِي أَوِ الَّذِي حَكَّمَاهُ (بَيْنَهُمَا) لِعَدَمِ الْمَحَلِّيَّةِ (وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا لَا) يُفَرَّقُ

وہ محرم تھے یا دونوں محرموں میں سے ایک مسلمان ہوا یا دونوں نے مل کر مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا جبکہ دونوں کفر پر تھے قاضی یا جس کو انہوں نے حکم بنایا ہے وہ ان دونوں میں تفریق کر دے گا۔ کیونکہ نکاح کا محل نہیں۔ اور اگر دونوں میں سے ایک مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرے تو تفریق نہیں کی جائے گی

اگر دونوں میاں بیوی جو مسلمان ہوئے محرم تھے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا

12566۔(قولہ: مُحَرَّمَیْنِ) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مجوسی اپنی ماں یا اپنی بیٹی کے ساتھ عقد نکاح کرے اسی طرح اگر پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور پھر اس سے عقد نکاح کر لیا یا جس نے پانچ عورتوں سے ایک وقت میں عقد نکاح کیا یا ایک وقت میں دو بہنوں سے عقد نکاح کر لیا پھر میاں بیوی دونوں مسلمان ہو گئے یا ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو بالا جماع دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ ''فتح''۔ ''النہر'' میں اسی طرح کہا: حکم محرمیت پر محدود نہیں بلکہ حکم اسی طرح ہوگا اگر وہ اس عورت سے عقد نکاح کرے جس کو تین طلاقیں دے چکا ہو۔ پھر کہا: ہم نے یہ قید ذکر کی کہ اس نے پانچ عورتوں سے ایک ہی بار عقد نکاح کیا۔ کیونکہ اگر اس نے یکے بعد دیگرے ان سے عقد نکاح کیا تو اس خاوند اور پانچویں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی۔ اگر اس نے پہلے ایک عورت سے عقد نکاح کیا پھر چار عورتوں سے اکٹھے عقد نکاح کیا تو ایک کا عقد نکاح جائز ہو گا دوسری عورتوں کا عقد نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اگر مرد نے اسلام قبول کیا جبکہ اس نے دو بہنوں میں سے ایک سے جدائی اختیار کر لی تھی تو دونوں کو عقد نکاح پر باقی رکھا جائے گا۔ مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

12567۔(قولہ: فَرَّقَ الْقَاضِي) جہاں تک ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کا تعلق ہے تو تفریق ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ نکاح ایسے ہیں جو باطل ہیں۔ جہاں تک امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے اگر چہ اصح قول کے مطابق آپ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے یہاں تک کہ اس نکاح کی وجہ سے نفقہ لازم ہوگا اور تہمت لگانے والے پر حد قذف بھی جاری ہوگی۔ مگر محرم ہونا اور اس کے ساتھ جو دوسرے عوارض ذکر کئے گئے ہیں یہ بقاء نکاح کے منافی نہیں جس طرح ابتداء نکاح کے منافی ہیں۔ عدت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''نہر''۔ ''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے منقول ہے: ''برجندی'' نے کہا: عبارت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ اسلام کی وجہ سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔ ''قاضی خان'' نے کہا: قاضی کی تفریق کے بغیر بھی جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ ''القنیہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

12568۔(قولہ: لِعَدَمِ الْمَحَلِّيَّةِ) یعنی عورت کا مرد کے لئے محرم ہونا اور دوسرے عوارض جو ذکر کئے گئے ہیں یہ رشتہ ازدواج کیلئے ابتداءً اور بقاءً محل نہیں۔ یہ تعلیل ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے جس طرح آپ نے جان لیا ہے۔

12569۔(قولہ: وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا لَا يُفَرَّقُ) یہ امام اعظم کا نقطہ نظر ہے جبکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے

لِبَقَاءِ حَقِّ الْآخَرِ، بِخِلَافِ إِسْلَامِهِ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى (إِلَّا إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَطَلَبَتْ التَّفْرِيقَ فَإِنَّهُ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا) إِجْمَاعًا (كَمَا لَوْ) (خَالَعَهَا ثُمَّ أَقَامَ مَعَهَا مِنْ غَيْرِ عَقْدٍ)

کیونکہ دوسرے کا حق باقی ہے دونوں میں سے ایک کے اسلام لانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسلام غالب ہے یہ مغلوب نہیں۔ مگر جب خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں اور عورت نے جدائی کا مطالبہ کیا تو بالاجماع ان میں تفریق کر دی جائے گی جس طرح اگر مرد نے اس سے خلع کیا پھر عقد کے بغیر اسی عورت کے ساتھ مقیم رہا۔

اختلاف کیا ہے۔ مگر جب دونوں قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کریں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ دونوں اسلام کے حکم پر راضی ہیں پس قاضی ثالث کی طرح ہو گیا، ''فتح''۔

12570۔(قولہ: لِبَقَاءِ حَقِّ الْآخَرِ) کیونکہ دوسرا ہمارے حکم پر راضی نہیں۔

12571۔(قولہ: بِخِلَافِ إِسْلَامِهِ) جب دونوں میں سے ایک اسلام قبول کرے تو معاملہ مختلف ہو گا۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا جواب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک میاں بیوی میں سے ایک بھی قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے تو تفریق کر دی جاتی ہے جس طرح ایک کے اسلام قبول کرنے سے تفریق کر دی جاتی ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دونوں میں فرق کرنے کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک اسلام قبول کر لے تو دوسرے کی حرمت ظاہر ہو گئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد متغیر ہو چکا ہے اور مُصر کا اعتقاد مسلمان کے اسلام کے معارض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام غالب ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ جب دونوں میں سے ایک قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے اور وہ اس اعتقاد پر راضی بھی ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دوسرے کا اعتقاد متغیر نہیں ہوا، ''فتح''۔

12572۔(قولہ: إِلَّا إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا الخ) یہ مصنف کے قول: و بمرافعة احدهما لا يفرق سے استثنا ہے، ''ط''۔

12573۔(قولہ: فَإِنَّهُ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا) کیونکہ یہ تفریق خاوند پر کسی حق کو باطل کرنے کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے نہیں۔ کیونکہ تین طلاقیں تمام ادیان میں نکاح کی ملکیت کو ختم کرنے والی ہیں، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: لیکن اب مشہور یہ ہے کہ اہل ذمہ کے نزدیک یہ کوئی طلاق نہیں۔ شاید یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن میں انہوں نے تحریف کر دی ہے۔

12574۔(قولہ: كَمَا لَوْ خَالَعَهَا) یہ مطلق تفریق میں تشبیہ ہے جو اسکے ساتھ مقید نہیں کہ وہ تفریق قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی صورت میں ہو۔ کیونکہ بعد میں شارح کا قول ہے: فانه فی هذه الثلاثة يفرق من غير مرافعة، ''ط''۔

12575۔(قولہ: مِنْ غَيْرِ عَقْدٍ) اس کی وجہ یہ ہے کہ خلع طلاق ہے۔ اور ذمی اعتقاد رکھتا ہے کہ طلاق نکاح کو زائل کرنے والی ہے اور اس کے بعد وطی کرنا تمام ادیان میں حرام ہے جس وطی کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ ''نہر''۔ یعنی اسکے بعد وطی کرنے کی صورت میں اور حد کا محل اس وقت ہو گا جب وہ عدت میں وطی کے حلال ہونے کے شبہ کا اعتقاد نہ

أَوْ تَزَوَّجَ كِتَابِيَّةً فِي عِدَّةِ مُسْلِمٍ أَوْ تَزَوَّجَهَا قَبْلَ زَوْجٍ آخَرَ
یا ایسی کتابیہ عورت سے عقد نکاح جو مسلمان کی عدت گزار رہی تھی یا اس مرد نے اس عورت سے شادی کی جس نے ابھی کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کی تھی۔

رکھے۔ جس طرح حدود میں اس پر نص قائم کی گئی۔ اسی تعلیل کی مثل آنے والی تین طلاقوں والے مسئلہ میں کہا جائے گا''ط''۔

12576۔ (قولہ: أَوْ تَزَوَّجَ كِتَابِيَّةً فِي عِدَّةِ مُسْلِمٍ) اسی طرح اگر ذمی نے مسلمان عورت سے عقد نکاح کیا وہ آزاد تھی یا لونڈی تھی۔ ''حاکم شہید'' کی ''کافی'' میں ہے: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اگر مرد نے عورت سے حقوق زوجیت ادا کئے ہوں گے تو اس کو سزا دی جائے گی اور وہ سزا چالیس کوڑوں تک نہ ہوگی۔ عورت پر تعزیر جاری کی جائے گی اور جس نے اس عورت کا عقد نکاح اس مرد سے کیا ہوگا اس پر بھی تعزیر جاری کی جائے گی۔ اگر نکاح کے بعد وہ اسلام لے آیا تو اسے اس نکاح پر نہ چھوڑا جائے گا۔

تنبیہ

''النہر'' میں کہا: مصنف نے قید ذکر کی ہے کہ خاوند کافر ہو۔ کیونکہ مسلمان اگر کافر کی معتدہ سے عقد نکاح کرے گا تو بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ یہ عقد نکاح جائز ہوگا اور اس کے لئے حقوق زوجیت ادا کرنا مباح نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے پاس اس کا استبراء رحم کرے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: یہ نکاح باطل ہے ''الخانیہ'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: مناسب ہے کہ عدت کے وجوب میں مسلمان کی طرف نسبت کے اعتبار سے اختلاف نہ کیا جائے۔ کیونکہ مسلمان اس کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کافر کے حق میں عدت کے واجب نہ ہونے کا قول اس کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ وہ عدت پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یہ کہ عدت میں عقد نکاح کرنا ان کے نزدیک جائز ہے؟ کیونکہ اگر یہ نکاح ان کے نزدیک جائز نہ ہوتا کہ وہ عدت کے وجوب کا اعتقاد رکھتے تو بالاجماع ان میں تفریق کر دی جاتی۔ ''الفتح'' میں کہا: مہاجر عورت میں عدت کا وجوب لازم ہے اگر وہ اس کا اعتقاد رکھتے ہوں کیونکہ تباین دار کی طرف جو امر منسوب ہے وہ فرقت ہے عدت کی نفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''نہر'' کا قول: وینبغی بعض اوقات اس کے بارے میں کہا جاتا ہے ''یہ ان چیزوں میں سے ہے جو نہیں چاہئے'' کیونکہ یہ بات (مقولہ 12555 میں) گزر چکی ہے کہ عدت خاوند کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے۔ یعنی جب خاوند نے اس عورت کو طلاق دی ہو۔ اس کے اعتقاد کے بغیر عدت اس کے لئے واجب نہیں ہوتی۔ اور اس دلیل کی وجہ سے بھی جو ہم پہلے (مقولہ 12563 میں) ''ابن کمال'' سے نقل کر چکے ہیں کہ خاوند کے دین کا خاص کر اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح ہم پہلے (مقولہ 12555 میں) بیان کر چکے ہیں کہ ''امام صاحب'' رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافر کی مطلقہ کے لئے اصلاً عدت نہیں۔ ''تامل''

12577۔ (قولہ: أَوْ تَزَوَّجَهَا قَبْلَ زَوْجٍ آخَرَ الخ) اس کا مقتضا یہ ہے کہ پہلا مسئلہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جب مرد نے اسے تین طلاقیں دی ہوں۔ اور کسی اور عقد کی تجدید کے بغیر اس عورت کے پاس مقیم رہا یہاں تک کہ یہ دوسرا مسئلہ ہو

وَقَدْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ فِي هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ يُفَرَّقُ مِنْ غَيْرِ مُرَافَعَةٍ بَحْرٌ عَنِ الْمُحِيطِ خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ وَالْحَاوِي مِنِ اشْتِرَاطِ الْمُرَافَعَةِ

جبکہ اس مرد نے اسے تین طلاقیں دی ہوں۔ کیونکہ ان تین صورتوں میں قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کے بغیر بھی جدائی کر دی جائے گی۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''زیلعی'' اور ''حاوی'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی شرط لگاتے ہیں۔

گیا۔ دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ جب پہلی صورت میں تفریق عورت کے مطالبہ پر موقوف ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہاں بھی بدرجہ اولیٰ عورت کے مطالبہ پر موقوف ہو۔ کیونکہ دوسرے خاوند سے قبل جب اس نے اس عورت پر عقد جدید کیا تو عقد کا شبہ حاصل ہوا تو شبہ کے ہوتے ہوئے مطالبہ کے اصلاً نہ ہوتے ہوئے دونوں میں کیسے تفریق کی جا سکتی ہے۔ جبکہ مطالبہ کے بغیر تفریق نہیں ہوتی جب عقد کے شبہ کا وجود نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں ''الاسبیجابی'' سے ذکر کیا ہے: جب مرد نے عورت کو تین طلاقیں دیں اگر اس نے تجدید نکاح کے بغیر عورت کو اپنے پاس روکے رکھا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اگرچہ قاضی کے سامنے وہ مسئلہ نہ لے جائیں۔ اگر دوسرے مرد سے عقد نکاح کئے بغیر اس عورت پر تجدید نکاح کیا تو پھر دونوں میں کوئی تفریق نہ ہوگی۔ پھر کہا: یہ قول اس قول کے مخالف ہے جو ''المحیط'' میں ہے کیونکہ انہوں نے جدائی میں برابری کی ہے خواہ مرد نے اس سے نیا عقد نکاح کیا ہو یا عقد نکاح نہ کیا ہو جب اس نے کسی اور مرد سے عقد نکاح نہ کیا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس قول کے بھی خلاف ہے جو (ہم نے پہلے مقولہ 12566 میں) ''الفتح'' وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے: من ان مثل المحرمین مالو تزوج مطلقتہ ثلاثا مگر اسے خاص کیا گیا جب میاں بیوی دونوں مسلمان ہو جائیں یا دونوں میں سے ایک مسلمان ہو جائے۔ لیکن ''زیلعی'' میں جو کچھ ہے یہ اس کے خلاف ہے جہاں ''زیلعی'' نے کہا: اسی اختلاف پر مبنی ہے وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں، محارم کو جمع کرنا اور پانچ عورتوں کو جمع کرنا یعنی وہ گزشتہ اختلاف (مقولہ 12569 میں) جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کے سامنے دونوں کے مسئلہ پیش کرنے کی صورت میں تفریق کی جائے گی۔ دونوں میں سے ایک کے مسئلہ پیش کرنے کی صورت میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ ''فلیتامل''

12578۔ (قولہ: خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ) میں کہتا ہوں: ''الحاوی القدسی'' میں جو کچھ ہے اس میں اس کی مخالفت نہیں جو یہاں ہے جس طرح ''الحاوی'' کی آنے والی عبارت سے معلوم ہو جائے گا جسے المصنف نے ''المنح'' میں نقل کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔ جہاں تک ''زیلعی'' کا تعلق ہے اس میں مخالفت ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' نے اس کو ذکر کیا ہے جو ہم ان سے ابھی (سابقہ مقولہ میں) نقل کر چکے ہیں پھر کہا: ''الغایہ'' میں ذکر کیا ہے جو ''المحیط'' کی طرف منسوب ہے کہ وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں اگر اس نے تفریق کا مطالبہ کیا تو ان دونوں کے درمیان بالاجماع تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ یہ تفریق خاوند کے حق کو باطل کرنے کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے نہیں۔ خلع اور مسلمان کی معتدہ کا مسئلہ بھی یہی ہے اگر وہ عورت کتابیہ

(وَإِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ الْمَجُوسِيَّيْنِ
جب دو مجوسی میاں بیوی میں سے ایک فرد مسلمان ہو گیا

ہو۔ اسی طرح اگر اس مرد نے عورت کو تین طلاقیں دی ہوئی ہوں تو کسی اور خاوند سے عقد نکاح سے پہلے پھر عقد نکاح کر لیا ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔

مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قول: و کذا فی الخلع اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دونوں میں تفریق تینوں مسائل میں مطالبہ پر موقوف ہے جس طرح پہلے مسئلہ میں ہے جس طرح تشبیہ کا تقاضا ہے۔ ''الفتح'' میں اس کی تصریح کی ہے جہاں ''الغایہ'' کی عبارت ذکر کی اور و کذا فی الخلع کے قول کے بعد کہا: یعنی جب عورت نے اپنے ذمی خاوند سے خلع لیا پھر مرد نے اس عورت کو روک لیا اور عورت نے اس مسئلہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ اس عورت کو روکنا ظلم ہے۔ اور جسے ''الغایہ'' میں ''المحیط'' کی طرف منسوب کیا اور ''زیلعی'' اور ''صاحب الفتح'' نے اس سے نقل کیا ہے یہ اس کے مخالف ہے جو ''البحر'' میں ''المحیط'' سے منقول ہے۔ یہ وہی قول ہے جس پر مصنف گامزن ہوئے کہ تینوں مسائل میں جدائی قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے پر موقوف نہیں اور صرف پہلے مسئلہ میں قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے پر موقوف ہے۔ ''النہر'' میں بھی ''المحیط الرضوی'' کی عبارت ذکر کی اور وہ اسی طرح ہے جس پر صاحب ''البحر'' اور مصنف چلے ہیں۔ یہی وہ مخالفت کی وجہ ہے جس کا ارادہ شارح نے کیا ہے اور ''النہر'' میں بھی اس پر متنبہ کیا ہے جبکہ محشیوں پر یہ امر مخفی رہا۔ فافہم۔

ہاں ''زیلعی'' کے کلام میں ایک اور اعتبار سے بھی مخالفت ہے۔ پہلے ذکر کیا: وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں وہ اختلاف جاری ہونے میں ذی رحم محرم افراد کی طرح ہے جس طرح ہم نے قریب ہی (مقولہ 12577 میں) ذکر کیا ہے ہم نے اسے ذکر کیا جو ''الغایہ'' میں ہے کہ عورت مطالبہ کرے تو بالا جماع تفریق کر دی جائے گی۔ میں نے ''الحاکم الشہید'' کی ''کافی'' میں وہ قول دیکھا جو اس کی تائید کرتا ہے جو ''الغایہ'' میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: جب ایک ذمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اسے اپنے پاس رکھا بیوی نے اپنا مسئلہ سلطان کے سامنے پیش کیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اسی طرح حکم ہو گا اگر عورت نے خلع لیا جب ایک ذمی مرد نے ذمی عورت سے عقد نکاح کیا جب کہ وہ عورت مسلمان خاوند کی عدت گزار رہی تھی جبکہ مسلمان خاوند نے اسے طلاق دی تھی یا وہ فوت ہو گیا تھا تو میں ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کروں گا۔ لیکن جو اس سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس آخری صورت میں تفریق قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے اور عورت کی جانب سے مطالبہ کی اصلاً ضرورت نہیں۔ کیونکہ مسلمان کا حق متعلق ہے۔ اور اس کی مثل وہ ہے جو ہم نے ''کافی'' سے بھی (مقولہ 12576 میں) بیان کیا ہے وہ وہ ہے جو ایک ذمی مسلمان عورت سے عقد نکاح کرے۔

12579۔ (قولہ: وَإِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ الخ) میاں بیوی میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کی بتیس صورتیں ہیں۔ یا تو وہ دونوں کتابی ہوں گے یا دونوں مجوسی ہوں گے یا مرد کتابی ہو گا اور عورت مجوسی ہو گی یا اس کے برعکس ہو

أَوِ امْرَأَةُ الْكِتَابِيِّ عُرِضَ الْإِسْلَامُ عَلَى الْآخَرِ، فَإِنْ أَسْلَمَ فِيهَا (وَإِلَّا) بِأَنْ أَبَى أَوْ سَكَتَ (فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، وَلَوْ كَانَ) الزَّوْجُ (صَبِيًّا مُمَيِّزًا) اتِّفَاقًا عَلَى الْأَصَحِّ (وَالصَّبِيَّةُ كَالصَّبِيِّ)

یا کتابی کی بیوی مسلمان ہوگئی تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر اگر ایسا نہ کیا اس طرح کہ وہ اسلام لانے سے انکاری ہو جائے یا وہ خاموش رہے تو میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی اگر چہ خاوند ایسا بچہ ہو جو تمیز رکھتا ہو صحیح ترین قول کے مطابق سب کا اتفاق ہے۔ بچی بچے کی مانند ہے

گا۔ ہر صورت میں مسلمان یا تو خاوند ہوگا یا بیوی ہوگی۔ آٹھ میں سے ہر صورت میں یا دونوں میاں بیوی دار الاسلام میں ہوں گے یا دار الحرب میں ہوں گے یا صرف خاوند ہمارے دار یعنی دار الاسلام میں ہوگا یا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ ''البحر'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: اسلام کی قید ذکر کی ہے کیونکہ نصرانی عورت جب یہودی ہو جائے یا معاملہ اس کے برعکس ہو جائے تو ان کی طرف التفات نہ کی جائے گی۔ کیونکہ کفر سب ایک ملت ہے۔ اسی طرح اگر نصرانی کی بیوی مجوسی بن جائے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر رہیں گے جس طرح وہ اگر ابتداءً مجوسی ہوں۔

مجوسی سے مراد وہ ہے جس کے لئے کوئی آسمانی کتاب نہ ہو پس یہ لفظ بت پرست اور دہریہ کو بھی شامل ہوگا اور مصنف نے زوجین سے مراد وہ میاں بیوی لئے ہیں جو دار الاسلام میں جمع ہوں۔ اس قول کے ساتھ جس سے احتراز کیا گیا ہے اس کا ذکر اس قول میں (مقولہ 12599 میں) آئے گا: ولو اسلم احدهما ثمة۔

12580۔ (قولہ: أَوِ امْرَأَةُ الْكِتَابِيِّ) مگر جب کتابیہ کے خاوند نے اسلام قبول کیا تو اس کا نکاح باقی رہے گا جس طرح متن میں آگے آئے گا۔

12581۔ (قولہ: أَوْ سَكَتَ) مگر اس حالت میں بطور احتیاط اسلام کو بار بار پیش کیا جائے گا یہ بطور احتیاط ہے۔ ''المبسوط'' میں اسی طرح ہے، ''نہر''۔

12582۔ (قولہ: فُرِّقَ بَيْنَهُمَا) جب تک قاضی تفریق نہ کرے تو یہ اس کی بیوی ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر خاوند فوت ہو جائے قبل اسکے کہ اس کی کافرہ بیوی مسلمان ہو تو اس کے لئے مہر واجب ہوگا یعنی پورا مہر واجب ہوگا اگر چہ وہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کرے۔ کیونکہ نکاح قائم تھا اور موت کے ساتھ وہ نکاح پختہ ہو گیا ہے، ''فتح''۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے کیونکہ کفر مانع ہے۔

12583۔ (قولہ: صَبِيًّا مُمَيِّزًا) یعنی وہ ادیان کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ اس کی ردت معتبر ہے۔ اسی طرح اس کا انکار کرنا بھی معتبر ہے ''فتح''۔ ''احکام الصغار'' میں کہا: معتوہ دانش مند بچے کی طرح ہے۔

12584۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا انکار معتبر نہیں ہوگا جس طرح اس کی ردت آپ کے نزدیک معتبر نہیں، ''فتح''۔

فِيمَا ذُكِرَ وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ صَحَّ مِنْهُ الْإِسْلَامُ إِذَا أَتَى بِهِ صَحَّ مِنْهُ الْإِبَاءُ إِذَا عُرِضَ عَلَيْهِ (وَيُنْتَظَرُ عَقْلُ) أَيْ تَمْيِيزُ (غَيْرِ الْمُمَيِّزِ، وَلَوْ) كَانَ (مَجْنُونًا) لَا يُنْتَظَرُ لِعَدَمِ نِهَايَتِهِ بَلْ (يُعْرَضُ) الْإِسْلَامُ (عَلَى أَبَوَيْهِ) فَأَيُّهُمَا أَسْلَمَ تَبِعَهُ فَيَبْقَى النِّكَاحُ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَبٌ نَصَبَ الْقَاضِي عَنْهُ وَصِيًّا فَيَقْضِي عَلَيْهِ بِالْفُرْقَةِ بَاقَانِيٌّ عَنْ الْبَهْنَسِيِّ عَنْ رَوْضَةِ الْعُلَمَاءِ لِلزَّاهِدِيِّ

ان تمام امور میں جن کا ذکر ہوا۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ فرد جس کی جانب سے اسلام قبول کرنا صحیح مانا جائے گا جب وہ اسلام قبول کرے تو اس کی جانب سے انکار کرنا بھی صحیح مانا جائے گا جب اس پر اسلام کو پیش کیا جائے اور جو تمیز نہ رکھتا ہو تو اس کی دانش کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ مجنون ہو تو انتظار نہیں کیا جائے گا کیونکہ جنون کی کوئی انتہا نہیں۔ بلکہ اس کے والدین پر اسلام پیش کیا جائے گا ان میں سے جس نے بھی اسلام قبول کر لیا تو وہ مجنون اس کے تابع ہوگا اور نکاح باقی رہے گا۔ اگر اس کا باپ نہ ہو تو قاضی اس کی جانب سے ایک وصی مقرر کریگا اور اس پر فرقت کا فیصلہ کر دے گا۔ ''باقانی'' نے ''بہنسی'' سے انہوں نے ''زاہدی'' کی ''روضۃ العلما'' سے نقل کیا ہے۔

12585۔ (قولہ: فِيمَا ذُكِرَ) جو امور مذکور ہیں یعنی اسلام، انکار اور خاموشی۔

اگر عورت اسلام قبول کرلے جب کہ اس کا خاوند مجنون ہو تو اس کا حکم

12586۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ) یعنی اگر بچے مجنون ہوں جس طرح ''الفتح'' کی عبارت اس کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ قید نہیں بلکہ بالغ بھی اس کی مثل ہے۔

12587۔ (قولہ: لِعَدَمِ نِهَايَتِهِ) عدم تمیز کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس کی انتہا ہے۔

12588۔ (قولہ: بَلْ يُعْرَضُ الْإِسْلَامُ عَلَى أَبَوَيْهِ الخ) ''التحریر'' اور اس کی شرح میں کہا: اسلام اس کے والد یا اس کی ماں پر پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے اسلام لانے سے وہ مسلمان ہو جائے گا اگر دونوں میں سے ایک اسلام لے آئے تو دونوں کو نکاح پر قائم رکھا جائے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی تاکہ مسلمان عورت سے اس کے ضرر کو دور کیا جائے۔ اپنے والدین کے ارتداد اور دارالحرب میں چلے جانے کے ساتھ بچہ بھی ان کی تبع میں مرتد ہو جائے گا۔ جب وہ والدین اپنے بچے کو دارالاسلام میں چھوڑ جائیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یا وہ مسلمان کی حیثیت سے بالغ ہوا پھر مجنون ہو گیا یا دانش مند ہونے کی حیثیت سے اسلام لایا تو بالغ ہونے سے پہلے مجنون ہو گیا دونوں والدین مرتد ہو گئے اور دارالحرب چلے گئے کیونکہ وہ دارالاسلام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان ہوگا کیونکہ والدین کے تابع ہونا زائل ہو چکا ہے یا ایمان کا رکن اس سے ثابت ہو چکا ہے۔ ''شمس الائمہ'' نے کہا: اس کے والد پر اسلام پیش کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام اس پر بطریق الزام پیش کیا جائے بلکہ اس شفقت کی بنا پر جو عموماً اولاد پر ان کے آباء کی جانب سے معلوم و مشہور ہے۔ شاید یہ امر اسے اسلام قبول کرنے پر ابھارے۔ کیا تو نہیں دیکھتا جب اس بچے کے والدین نہ ہوں تو قاضی

(وَلَوْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ فَتَهَوَّدَتْ أَوْ تَنَصَّرَتْ بَقِيَ نِكَاحُهَا كَمَا لَوْ كَانَتْ فِي الِابْتِدَاءِ كَذٰلِكَ) لِأَنَّهَا كِتَابِيَّةٌ مَآلًا (وَالتَّفْرِيقُ) بَيْنَهُمَا (طَلَاقٌ) يُنْقِصُ الْعَدَدَ (لَوْ أَبَى لَا لَوْ أَبَتْ)

اگر خاوند مسلمان ہو گیا جبکہ عورت مجوسی تھی تو وہ یہودی بن گئی یا نصرانی بن گئی تو اس کا نکاح باقی رہے گا جس طرح اگر ابتداء نکاح کے موقع پر وہ اس طرح ہوں۔ کیونکہ از روئے انجام کے وہ کتابیہ ہے۔ دونوں میں تفریق طلاق ہے۔ یہ طلاق کی تعداد کو کم کر دے گی اگر خاوند نے انکار کیا۔ اگر عورت نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو ایسا نہیں ہوگا۔

اس کے لئے ایک خصم بناتا ہے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے؟ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں انکار کا اعتبار عذر کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو اس نے ''باقانی'' سے نقل کی ہے۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی معین کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اسلام پیش کئے بغیر تفریق کر دی جائے۔ بلکہ ضرورت کی بنا پر اسلام کو پیش کرنا بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ والدین کی تبع کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کی صرف ماں ہو تو اسلام ماں پر پیش کیا جائے گا۔ اگر ماں اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ بچہ ماں کے تابع ہے اگرچہ ماں کو اس بچے پر ولایت حاصل نہیں۔ کیونکہ یہاں دارومدار تبعیت پر ہے ولایت پر دارومدار نہیں۔ بعض محشین کا قول ہے: باپ کے نہ ہوتے ہوئے اسلام ماں پر پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے وصی معین کرے گا ان کا قول صحیح نہیں۔ ہاں اگر اس کے دونوں والدین مجنون ہوں تو وہ اس کی جانب سے وصی معین کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مجنون اسلام و کفر میں والدین کے تابع ہونے میں بچے کی مانند ہے جب تک وہ اپنے جنون سے پہلے اسلام نہ لایا ہو۔

12589۔ (قولہ: وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ الخ) یعنی اس کا برعکس مختلف ہے۔ وہ یہ ہے اگر عورت مرد کے اسلام لانے کے وقت نصرانی ہو پھر وہ مجوسی ہو جائے تو فرقت اس پر اسلام پیش کئے بغیر واقع ہو جائے گی۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ فرقت قاضی کی تفریق کے بغیر واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ عورت مرتدہ کی طرح ہو گئی ہے۔ ''تامل''

مرد کی طرف سے انکار طلاق بائن ہے اب مرد کے پاس صرف دو کا اختیار ہوگا

12590۔ (قولہ: طَلَاقٌ يُنْقِصُ الْعَدَدَ) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ طلاق سے مراد اس کی حقیقت ہے فسخ نہیں۔ اگر مرد نے اسلام قبول کیا پھر اس عورت سے شادی کی تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مرد دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے۔

پھر یہ طلاق حقوق زوجیت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو طلاق بائنہ ہو گی۔ ''نہایہ'' میں کہا: یہاں تک کہ اگر خاوند نے اسلام قبول کر لیا تو وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔ ''البحر'' میں کہا: اور طلاق کے بعد اشارہ کیا کہ اگر خاوند نے حقوق زوجیت ادا کئے ہوں گے تو اس پر عدت واجب ہوگی۔ کیونکہ اگر بیوی مسلمان ہو تو اس نے اسلام کے احکام کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اور اس کا

لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَكُونُ مِنَ النِّسَاءِ
کیونکہ طلاق عورتوں کی جانب سے نہیں ہوتی

حکم یہ ہے کہ عدت واجب ہو اگر چہ بیوی کافرہ ہو جو عدت کے واجب ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتی۔ پس خاوند مسلمان ہے اور عدت خاوند کا حق ہے۔ اور ہمارے حقوق ان کے اعتقاد سے باطل نہیں ہوتے۔ اور عدت میں نفقہ کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اگر وہ عورت مسلمان ہو۔ کیونکہ لطف اندوزی سے رکنا یہ مرد کی جانب سے واقع ہوا ہے۔ جب وہ عورت کافرہ ہو اور خاوند اسلام قبول کر لے تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہاں رکنا عورت کی جانب سے واقع ہوا ہے۔ اسی وجہ سے عورت کے لئے کوئی مہر نہیں اگر یہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل ہو مگر جب وہ اسلام قبول کر لے اور خاوند انکار کر دے تو عورت کے لیے حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل اس کے لئے نصف مہر ہوگا۔ اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد تمام مہر لازم ہوگا جس طرح ''کافی''، ''الحاکم'' میں ہے۔ پھر ''البحر'' میں کہا ہے: نیز اس عورت پر طلاق کے وقوع کی طرف اشارہ کیا ہے جب تک وہ عدت میں ہو جس طرح فرقت خلع یا مقطوع الذکر ہونے یا عنین ہونے کی وجہ سے واقع ہو۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے عورت پر طلاق واقع ہونے میں کوئی فرق نہیں کہ انکار کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو۔ ''الفتح'' میں جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ یہ خاص ہے اس صورت کے ساتھ جب عورت اسلام لائے اور خاوند انکار کر دے۔ ظاہر پہلا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الفتح'' میں جو ہے وہ پہلے قول میں صریح ہے۔ کیونکہ کہا: جب دونوں میاں بیوی میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا اور دوسرے کے انکار کرنے کے ساتھ دونوں میں تفریق کر دی گئی تو عورت پر طلاق واقع ہو گی اگر چہ عورت انکار کرنے والی ہو جبکہ فرقت فسخ نکاح ہے۔ اس کے ساتھ اس قول میں نقص واقع ہو جاتا ہے جو کہا گیا: جب میاں بیوی میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا تو اس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہاں ''المحیط'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر یہ فائدہ دیتا ہے کہ یہ خاص ہے اس صورت کے ساتھ جب خاوند انکار کرنے والا ہو وہ ان کا قول ہے ''جس طرح فرقت خلع کے ساتھ واقع ہو'' کیونکہ یہ فرقت مرد کی جانب سے واقع ہو گی پس وہ طلاق ہو گی اور جو عورت طلاق کی عدت گزار رہی ہو اس پر طلاق واقع ہو گی۔ اگر عورت انکار کرنے والی ہو تو فرقت فسخ نکاح ہو گی اور فسخ عقد کو اٹھا دینا ہے پس اس کی عدت میں طلاق واقع نہ ہو گی۔ ہاں ''البحر'' میں ''کتاب الطلاق'' کے آغاز میں ہے: فسخ نکاح کی عدت میں طلاق واقع نہ ہو گی مگر جب ان دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے۔ اور ''بزازیہ'' میں ہے: جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے تو دوسرے پر طلاق واقع نہ ہو گی۔ لیکن ''خیر رملی'' نے کہا: یہ اہل حرب کی طلاق میں ہے۔ یعنی جب ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر ہماری طرف ہجرت کرے کیونکہ اس پر کوئی عدت نہیں ہو گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حمل ''بزازیہ'' کی عبارت میں ممکن ہے۔ ''البحر'' کی طلاق کے بارے میں جو عبارت ہے اس پر یہ حمل ممکن نہیں۔ فلیتامل۔ باب الکنایات کے آخر میں تمام گفتگو عنقریب (مقولہ 13549 میں) آئے گی۔

12591۔ (قولہ: لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَكُونُ مِنَ النِّسَاءِ) بلکہ وہ جو عورت کی جانب سے ہوتی ہے جبکہ شرعاً فرقت پر

(وَإِبَاءُ الْمُمَيِّزِ وَأَحَدُ أَبَوَيْ الْمَجْنُونِ طَلَاقٌ) فِي الْأَصَحِّ، وَهُوَ مِنْ أَغْرَبِ الْمَسَائِلِ حَيْثُ يَقَعُ الطَّلَاقُ مِنْ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ زَيْلَعِيٌّ، وَفِيهِ نَظَرٌ، إذْ الطَّلَاقُ مِنْ الْقَاضِي وَهُوَ عَلَيْهِمَا لَا مِنْهُمَا فَلَيْسَا بِأَهْلٍ لِلْإِيقَاعِ بَلْ لِلْوُقُوعِ،

اور تمیز رکھنے والے اور مجنون کے والدین میں سے کسی ایک کا انکار طلاق ہو گی صحیح ترین قول کے مطابق۔ اور یہ عجیب و غریب مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ کیونکہ طلاق نابالغ اور مجنون سے واقع ہو رہی ہے۔''زیلعی''۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ طلاق قاضی کی جانب سے ہے۔ طلاق ان پر واقع ہو گی ان کی جانب سے واقع نہیں ہو گی۔ وہ ایقاع طلاق کے لائق نہیں وقوع کے لائق ہیں۔

قدرت ہو تو وہ فسخ ہوتا ہے۔ پس قاضی عورت کے قائم مقام ہو گا ان امور میں جن میں عورت مالک ہوتی ہے۔

12592۔ (قولہ: وَإِبَاءُ الْمُمَيِّزِ) یعنی انکار کے سبب جو قاضی تفریق کرتا ہے ورنہ انکار طلاق نہیں ہوتی، ''ح''۔

12593۔ (قولہ: وَأَحَدُ أَبَوَيْ الْمَجْنُونِ) یعنی ان دونوں میں سے صرف ایک پایا جائے وہ باپ ہو یا ماں ہو مگر جب دونوں پائے جائیں تو دونوں میں سے ایک کا انکار ضروری ہو گا۔ کیونکہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے تو بچہ اس کے تابع ہو گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

12594۔ (قولہ: طَلَاقٌ فِي الْأَصَحِّ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ غیر اصح قول میں یہ فسخ نکاح ہے۔ ''ابو السعود''۔

بچہ اور مجنون طلاق واقع کرنے کے اہل نہیں بلکہ وقوع کے اہل ہیں

12595۔ (قولہ: فَلَيْسَا بِأَهْلٍ لِلْإِيقَاعِ) یعنی ان دونوں کی جانب سے طلاق واقع نہ ہو گی بلکہ دونوں طلاق کے وقوع کے اہل ہیں یعنی شرع نے دونوں پر طلاق کے وقوع کا حکم لگایا جب اس کا موجب پایا گیا۔ ''شرح التحریر'' میں ہے: صاحب ''الکشف'' وغیرہ نے کہا: صغیر کے حق میں طلاق یا عتاق کی عدم مشروعیت سے مراد یہ ہے کہ جب تک حاجت نہیں اس وقت تک یہ دونوں معدوم ہیں۔ اگر جب حاجت متحقق ہو تو یہ مشروع ہوں گی۔ ''شمس الائمہ سرخسی'' نے کہا: ہمارے بعض مشائخ نے گمان کیا کہ یہ حکم بچے کے حق میں اصلاً غیر مشروع ہے یہاں تک کہ اس کی بیوی محل طلاق نہیں۔ میرے نزدیک یہ وہم ہے۔ کیونکہ طلاق کی ملکیت ملک نکاح سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل ملک کو ثابت کرنے میں کوئی ضرر نہیں بلکہ ضرر طلاق واقع کرنے میں ہے یہاں تک کہ خاوند کی جانب سے طلاق واقع کرنے کی صحت کی حاجت متحقق ہو جائے تاکہ ضرر کو دور کیا جائے تو یہ امر صحیح ہو گا۔ جب اس کی بیوی مسلمان ہو جائے اور خاوند انکار کر دے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق ہو گی۔ اور جب خاوند مرتد ہو جائے والعیاذ باللہ تو بینونت واقع ہو جائے گی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں طلاق ہو گی۔ جب وہ اسے مقطوع الذکر پائے اور عورت جھگڑا کرے تو دونوں میں تفریق کی جائے گی۔ بعض مشائخ کے نزدیک یہ بھی طلاق ہو گی۔

كَمَا لَوْ وَرِثَ قَرِيبَهُ وَلَوْ قَالَ إِنْ جُنِنْتُ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَجُنَّ لَمْ يَقَعْ، بِخِلَافِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا مَجْنُونًا وَقَعَ (وَلَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا) أَيْ أَحَدُ الْمَجُوسِيَّيْنِ أَوْ امْرَأَةُ الْكِتَابِيِّ (ثَمَّةَ)

جس طرح اس کا قریبی اس کا وارث بن جائے اگر مرد نے کہا: اگر میں مجنون ہو جاؤں تو تجھے طلاق اسے جنون لاحق ہوا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر اس نے کہا: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پس اگر وہ مجنون کی حیثیت میں گھر میں داخل ہوا تو طلاق واقع ہوگی۔ اگر دو مجوسی میاں بیوی میں سے ایک یا کتابی مرد کی بیوی

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے ان اسباب کے ہوتے ہوئے خاوند کی جانب سے طلاق کے وقوع میں وہ بالغ کی طرح ہے۔ مگر اس کی جانب سے ابتداءً طلاق واقع کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس پر ضرر واقع ہوتا ہے۔ اسی کی مثل مجنون ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ قاضی کی طرف سے طلاق کا واقع کرنا ہے۔ کیونکہ یہاں قاضی کی تفریق اسی طرح ہے جس طرح وہ تفریق کرتا ہے جب بالغ آدمی اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے یہ نیابت کے طور پر قاضی کی جانب سے طلاق ہوتی ہے۔ صبی اور مجنون میں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ لیکن جب یہ مشہور ہے کہ ان دونوں کی طلاق ابتداءً واقع نہیں ہوتی تو ان دونوں کی طلاق کسی عارضہ کی وجہ سے واقع ہو تو یہ عجیب وغریب ہوگی۔ ''زیلعی'' اور دوسرے علما نے کہا: یہ عجیب وغریب مسائل میں سے ہے۔ فافہم۔

12596۔ (قولہ: كَمَا لَوْ وَرِثَ قَرِيبَهُ) جس طرح وہ اپنے ذی رحم محرم کا وارث بن جائے۔ اس کی صورت یہ ہے جیسے وہ اپنے باپ کا وارث (مالک) بنتا ہے جو باپ اس کی ماں کی جانب سے بھائی کا مملوک ہے تو جونہی باپ اس کی ملک میں آئے گا اس پر آزاد ہو جائے گا جس طرح ایک آدمی اپنے باپ کی مملوکہ سے عقد نکاح کرتا ہے پھر باپ کی جانب سے اس لونڈی کا وارث بنتا ہے تو عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔

12597۔ (قولہ: لَمْ يَقَعْ) کیونکہ اس نے طلاق کو ایسے امر کے ساتھ معلق کیا ہے جو امر طلاق کے وقوع کے منافی تھا۔ کیونکہ جزا، ہو انت طالق ہے یہ طلاق کا سبب نہیں بنتی مگر اسی وقت جب شرط پائی جائے لہٰذا شرط کا اسکے قابل ہونا ضروری ہوگا اور یہ آدمی کے اس قول کی طرح ہوگا: ان مت فانت طالق اگر میں مر جاؤں تو تجھے طلاق۔ میرے لئے اسی طرح ظاہر ہوا ہے۔

12598۔ (قولہ: وَقَعَ) طلاق واقع ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علما نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اہلیت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب تعلیق کی جائے نہ کہ جب شرط پائی جائے۔ یہاں شرط جو گھر میں داخل ہونا ہے جزا کے انعقاد کے منافی نہیں جو جزا طلاق کا سبب ہے پہلا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تعلیق کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیق کے وقت اہلیت موجود ہو اور وہ شرط جس پر جزا کو معلق کیا گیا ہے دونوں میں کوئی منافات نہ ہو۔ یہاں دونوں صورتیں پائی گئی ہیں۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں تعلیق کے وقت اہلیت پائی گئی ہے اور دوسری مفقود ہے اور وہ منافات کا نہ پایا جانا ہے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

12599۔ (قولہ: وَلَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا ثَمَّةَ) اس قول کے مقابل ہے جو گزرا ہے: واذا اسلم احد الزوجين

أَيْ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَمُلْحَقٌ بِهَا كَالْبَحْرِ الْمِلْحِ (لَمْ تَبِنْ حَتّٰى تَحِيضَ ثَلَاثًا) أَوْ تَمْضِيَ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (قَبْلَ إِسْلَامِ الْآخَرِ) إِقَامَةً لِشَرْطِ الْفُرْقَةِ مَقَامَ السَّبَبِ

وہاں یعنی دارالحرب میں اور جو دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے جس طرح دریائے شور وہ عورت اس سے جدا نہ ہوگی یہاں تک کہ اس عورت کو تین حیض آجائیں یا دوسرے کے اسلام لانے سے پہلے تین ماہ گزر جائیں تاکہ فرقت کی شرط کو سبب کے قائم مقام رکھا جائے۔

المجوسيين او امراة الكتابي الخ کیونکہ مذکورہ مسئلہ اس صورت میں مفروض تھا جب وہ دونوں دارالاسلام میں جمع ہوں۔ جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 12579 میں) بیان کیا۔ اور اسی وجہ سے یہاں ''البحر'' میں کہا: دارالحرب میں ان دونوں میں سے ایک کے اسلام کو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ قول اس صورت کو شامل ہوگا جب دوسرا دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں ہی مقیم رہا یا دارالاسلام کی طرف نکل آیا۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب وہ دونوں دارالاسلام میں جمع نہ ہوئے تو کفر پر اصرار کرنے والے پر اسلام پیش نہ کیا جائے گا خواہ مسلمان وہاں سے نکلا یا دوسرا نکلا کیونکہ نہ غائب کے حق میں اور نہ اس کے خلاف فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ''المحیط'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔

12600۔ (قولہ: كَالْبَحْرِ الْمِلْحِ) ''النہر'' میں کہا: چاہئے کہ جو نہ دارالحرب میں ہو اور نہ دارالاسلام میں ہو اسے دارالحرب کے ساتھ لاحق کیا جائے جس طرح دریائے شور (سمندر)۔ کیونکہ کسی کا اس پر غلبہ نہیں۔ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے جبکہ وہ سمندر میں سفر کر رہا ہو تو جدائی تین حیضوں کے گزرنے پر موقوف ہوگی۔ یہ ان کی اس تعلیل سے ماخوذ ہے کہ ولایت نہ ہونے کی وجہ سے اسلام پیش کرنا متعذر رہے۔

کیا سمندر کا حکم اس کے علاوہ میں بھی دارالحرب کا حکم ہے یہاں تک کہ اگر ایک ذمی اس کی طرف نکل جائے تو وہ حربی ہو جائے گا اور اس کا عقد ذمہ ختم ہو جائے گا۔ اور جب کوئی حربی اس کی طرف نکل جائے اور اپنے دار میں پہنچنے سے پہلے پھر واپس لوٹ آئے تو اس کی امان ختم ہو جائے گی اور اس کے پاس جو مال ہوگا اس سے ٹیکس لیا جائے گا؟ تحریر۔ ''ط''۔

12601۔ (قولہ: لَمْ تَبِنْ حَتّٰى تَحِيضَ الخ) اس امر کا فائدہ دیا کہ جدائی حیض پر موقوف ہے۔ اگر حیض ختم ہونے سے قبل دوسرا اسلام لے آیا تو جدائی نہ ہوگی، ''بحر''۔

12602۔ (قولہ: أَوْ تَمْضِيَ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ) اگر صغرسنی یا بڑھاپے کی وجہ سے اسے حیض نہ آتا ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے۔ ''ح عن القہستانی''۔

12603۔ (قولہ: إِقَامَةً لِشَرْطِ الْفُرْقَةِ) فرقت کی شرط جو مدت کا گزرنا ہے مقام السبب جو انکار کرنا ہے۔ کیونکہ انکار کو صرف اسلام پیش کرنے کے ساتھ ہی پہچانا جاسکتا ہے جبکہ ولایت نہ ہونے کی وجہ سے اسلام پیش کرنا معدوم ہے۔ پس جدائی کرنے کی حاجت لازم آئی۔ کیونکہ مشرک مسلمان کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور علت کے متعذر ہونے کی صورت میں شرط کو علت کے قائم مقام رکھنا جائز ہے۔ جب یہ مدت گزر جائے گی تو اس

وَلَيْسَتْ بِعِدَّةٍ لِدُخُولِ غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا (وَلَوْ أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ) وَلَوْ مَآلًا كَمَا مَرَّ (فَهِيَ لَهُ، وَ) الْمَرْأَةُ (تَبِينُ بِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ) حَقِيقَةً وَحُكْمًا

اور یہ عدت نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مدخول بہا بھی اس حکم میں داخل ہے اگر کتابیہ کا خاوند مسلمان ہو گیا اگر چہ وہ آخر کار کتابیہ ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے تو یہ عورت اسی کی ہوگی۔ اور عورت خاوند سے جدا ہو جائے گی جبکہ حقیقۃ اور حکما دار جدا ہو جائیں

مدت کا گزرنا قاضی کی تفریق کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اور طرفین کے قول کے مطابق یہ فرقت طلاق ہوگی، اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ فرقت طلاق کے بغیر ہوگی۔ کیونکہ یہ فرقت حکماً اور تقدیراً اسلام قبول کرنے سے انکار کے سبب سے ہے۔ ''بدائع''۔

''البحر'' میں بحث کی ہے: یہ کہنا چاہئے اگر مسلمان عورت ہو تو فرقت طلاق کی صورت میں ہو۔ کیونکہ حکما خاوند ہی اسلام قبول کرنے سے انکاری ہے اور جب تفریق خاوند کے اسلام قبول کرنے سے انکار کی صورت میں ہو تو طرفین کے نزدیک یہ طلاق ہوگی۔ اور اسی طرح اس کے قائم مقام ہوا اگر مسلمان خاوند ہو تو پھر یہ فرقت فسخ نکاح ہوگی۔

12604۔ (قولہ: وَلَيْسَتْ بِعِدَّةٍ) یعنی یہ مدت عدت نہیں۔ کیونکہ غیر مدخول بہا عورت بھی اس حکم کے تحت داخل ہے۔ مگر یہ عدت ہوتی تو صرف مدخول بہا (جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں) کے ساتھ حکم خاص ہوتا۔ کیا اس مدت کے گزرنے کے بعد عدت واجب ہوگی؟ اگر تو وہ عورت حربی ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حربی عورت پر کوئی عدت لازم نہیں ہوتی۔ اگر وہ عورت مسلمان ہو تو ہمارے پاس آ گئی اور اس کے حیض یہاں مکمل ہوئے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم یہی ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہاجر عورت پر کوئی عدت نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے آپ سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''بدائع'' اور ''ہدایہ'' سے عنقریب (مقولہ 12622 میں) آئے گا۔ امام ''طحاوی'' نے عدت کے وجوب کا قول جزم و یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

''البحر'' میں کہا: چاہئے کہ امام ''طحاوی'' کے قول کو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے اختیار پر محمول کیا جائے۔

12605۔ (قولہ: وَلَوْ أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ) یہ اس کے قول سے احتراز ہے جو گزر چکا ہے او امرأۃ الکتابی۔

12606۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اس قول میں: کما لو کانت فی الابتداء کذلک میں گزرا ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جس امر کی اس میں تصریح کی جو گزر چکا ہے اس کو یہاں سے سمجھنا ممکن ہے کہ کتابیہ سے مراد وہ ہے جو فی الحال کتابیہ ہو یا آخر کار کتابیہ بن جائے۔

12607۔ (قولہ: فَهِيَ لَهُ) یہ عورت اسی کے لئے ہوگی۔ کیونکہ مسلمان مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ ابتداء کتابیہ سے عقد نکاح کرلے تو بقاء بھی اس کے لئے بدرجہ اولی جائز ہوگا کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے، ''نہر''۔

12608۔ (قولہ: حَقِيقَةً وَحُكْمًا) حقیقۃ تباین دار سے مراد ہے کہ وہ شخصاً دونوں دور ہوں اور حکما سے مراد ہے کہ جس دار میں وہ داخل ہوا ہے وہ واپس لوٹنے کے لئے داخل نہیں ہوا بلکہ اس میں وہ رہنے کے لئے داخل ہوا ہے یہاں تک کہ

(لَا) بِ (السَّبْيِ، فَلَوْ خَرَجَ) أَحَدُهُمَا (إِلَيْنَا مُسْلِمًا) أَوْ ذِمِّيًّا أَوْ أَسْلَمَ أَوْ صَارَ ذَا ذِمَّةٍ فِي دَارِنَا (أَوْ أُخْرِجَ مَسْبِيًّا) وَأُدْخِلَ فِي دَارِنَا (بَانَتْ) بِتَبَايُنِ الدَّارِ، إِذْ أَهْلُ الْحَرْبِ كَالْمَوْتَى، وَلَا نِكَاحَ بَيْنَ حَيٍّ وَمَيِّتٍ (وَإِنْ سُبِيَا) أَوْ خَرَجَا إِلَيْنَا (مَعًا) ذِمِّيَّيْنِ أَوْ مُسْلِمَيْنِ

گرفتار کرنے سے عورت خاوند سے جدا نہیں ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ہماری طرف مسلمان یا ذمی بن کر آیا یا اس نے دارالاسلام میں آکر اسلام قبول کرلیا یا وہ ذمی بن گیا یا اسے گرفتار کر کے نکالا گیا اور ہمارے دار میں داخل کیا گیا۔ وہ عورت تباین دار کی وجہ سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ اہل حرب مردہ کی طرح ہیں اور زندہ اور مردہ میں عقد نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں کو گرفتار کیا گیا یا دونوں اکٹھے ہماری طرف نکل آئیں ذمی کی حیثیت میں یا مسلمان کی حیثیت میں یا نکلنے کے بعد پھر دونوں مسلمان ہو جائیں

اگر حربی ہمارے دار میں امان کے ساتھ داخل ہوا تو اس کی بیوی جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ حکماً وہ اپنے دار میں ہی ہے مگر جب وہ ذمی ہونا قبول کرلے، ''نہر''۔

12609۔ (قولہ: لَا بِالسَّبْيِ) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف پر نص قائم کی ہے۔ کیونکہ آپ نے اس کے برعکس نقطہ نظر اپنایا ہے۔ اور فرقت کا سبب قید ہونا بنایا ہے تباین دارین کو سبب نہیں بنایا۔ پس چار صورتیں بنیں۔ دو متفق علیہ ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں۔ فلو خرج احدھما اور وان سبیا اختلافی صورتیں ہیں اور او اخرج مسبیا اور او خرجا الینا متفق علیہ ہیں۔

12610۔ (قولہ: فَلَوْ خَرَجَ أَحَدُهُمَا الخ) یہ صورت اختلافی ہے۔ کیونکہ تباین دارین موجود ہے قید و گرفتاری موجود نہیں۔ ''البدائع'' میں کہا: پھر اگر خاوند وہاں سے ہجرت کر کے ہمارے پاس آگیا ہے تو بغیر کسی اختلاف کے عورت پر کوئی عدت نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت حربی ہے اگر عورت اس طرح ہو تو امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پھر بھی عورت پر عدت نہیں مگر ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

''الفتح'' میں ہے: اگر ہجرت کر کے آنے والا مرد ہو تو ہمارے نزدیک اس کے لئے حلال ہے کہ وہ اسی وقت چار عورتوں سے شادی کرلے اور اس عورت کی بہن سے شادی کرلے جو دارالحرب میں تھی جب وہ بہن دارالاسلام میں ہو۔

12611۔ (قولہ: أَوْ أُخْرِجَ) یہ صورت متفق علیہ ہے۔ کیونکہ تباین دارین اور گرفتاری پائی گئی۔

12612۔ (قولہ: وَأُدْخِلَ فِي دَارِنَا) اس امر کا فائدہ دیا کہ محض گرفتاری سے تباین متحقق نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ گرفتار کرنے کے بعد اسے ہمارے دار میں محفوظ کرلیا جائے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

12613۔ (قولہ: كَالْمَوْتَى) اسی وجہ سے اگر کوئی مرتد دارالحرب چلا جائے تو اس پر مردوں کے احکام جاری ہوتے ہیں، ''ط''۔

12614۔ (قولہ: وَإِنْ سُبِيَا) یہ اختلافی صورت ہے۔ اس کے بعد جو صورت ہے وہ اتفاقی ہے۔ کیونکہ اس میں گرفتاری نہیں۔

أَوْ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ صَارَا ذِمِّيَّيْنِ (لَا) تَبِينُ لِعَدَمِ التَّبَايُنِ حَتَّى لَوْ كَانَتْ الْمَسْبِيَّةُ مَنْكُوحَةَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لَمْ تَبِنْ، وَلَوْ نَكَحَهَا ثَمَّةَ ثُمَّ خَرَجَ قَبْلَهَا بَانَتْ وَإِنْ خَرَجَتْ قَبْلَهُ لَا، وَمَا فِي الْفَتْحِ عَنْ الْمُحِيطِ تَحْرِيفٌ نَهْرٌ

یا دونوں ذمی بن جائیں تو عورت جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ تباین دارین نہیں پایا گیا یہاں تک اگر گرفتار عورت مسلمان کی منکوحہ ہو یا کسی ذمی کی منکوحہ ہو تو وہ عورت جدا نہ ہوگی۔ اگر مرد نے اس عورت سے وہاں نکاح کیا پھر اس سے پہلے نکل آیا تو عورت جدا ہو جائے گی۔ اگر عورت وہاں سے پہلے نکل آئی تو میاں بیوی میں جدائی نہ ہوگی۔ اور ''الفتح'' میں ''المحیط'' سے جو قول منقول ہے وہ تحریف ہے، ''نہر''۔

12615۔(قولہ: أَوْ ثُمَّ أَسْلَمَا) ''البحر'' کی عبارت ہے: یا دونوں نے امان لی ہو پھر دونوں مسلمان ہو جائیں۔ او یہاں عاطفہ ہے۔ حال محذوف کا حال سابقہ پر عطف ہے۔ وہ ان کا قول: ذمیین ہے۔ ثم عاطفہ ہے اس کا عطف حال محذوفہ پر ہے۔

12616۔(قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَتْ الخ) حقیقۃً اور حکماً تباین دارین کی جو شرط ذکر کی ہے اس پر تفریع ہے۔

12617۔(قولہ: لَمْ تَبِنْ) کیونکہ دار اگرچہ حقیقۃً مختلف ہے لیکن حکماً متحد ہے۔ کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ ہے جب مسلمان یا ذمی نے اس عورت سے دارالحرب میں نکاح کیا پھر اس عورت کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا فرض کرنا ممکن نہیں مگر وہ یہاں اس عورت سے عقد نکاح کرے۔ کیونکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ تباین دارین بقاء نکاح کے مانع ہے تو بدرجہ اولیٰ ابتداءِ نکاح کے مانع ہوگا۔ جس طرح ''رحمتی'' نے کہا: اگر مرد نے اس سے نکاح کیا جبکہ وہ یہاں امان کے ساتھ موجود تھی تو وہ عورت ذمی ہو جائے گی۔ کیونکہ عورت ٹھہرنے میں مرد کے تابع ہوتی ہے جس طرح ''الفتح'' میں باب المستامن میں ہے۔ فافہم۔

12618۔(قولہ: وَلَوْ نَكَحَهَا) یعنی مسلمان یا ذمی نے اس سے عقد نکاح کیا۔

12619۔(قولہ: بَانَتْ) کیونکہ حقیقۃً اور حکماً تباین دارین پایا جا رہا ہے، ''ط''۔

12620۔(قولہ: وَإِنْ خَرَجَتْ قَبْلَهُ لَا) یعنی عورت مرد سے جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ خاوند دارالاسلام کا مکین ہے جب وہ مرد سے پہلے نکل گئی تو وہ ذمیہ ہو گئی جو واپس دارالحرب نہیں آ سکتی۔ کیونکہ قیام کرنے میں وہ خاوند کے تابع ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ فافہم۔

12621۔(قولہ: وَمَا فِي الْفَتْحِ الخ) ''النہر'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے: مسلمان نے دارالحرب میں ایک حربی عورت سے شادی کی کوئی اور مرد عورت کو لے کر دارالاسلام کی طرف نکلا تو تباین دارین کے ساتھ عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اگر وہ خود اپنے خاوند سے پہلے دارالاسلام کی طرف نکلی تو وہ جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ہمارے دار کی مکین بن چکی ہے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کے احکام اپنے اوپر لازم کر لئے ہیں۔ کیونکہ اسے واپس جانے نہیں دیا جائے گا۔ جبکہ خاوند دارالاسلام کا مکین ہے۔ پس کوئی تباین دار نہیں۔ یہ نقل کرنے کے بعد اس نے ''الفتح'' میں کہا: پہلی صورت میں ارادہ کرتے

(وَمَنْ هَاجَرَتْ إِلَيْنَا)
اور جس عورت نے ہماری

ہیں جب اس آدمی نے عورت کو زبردستی نکالا اور یہاں تک کہ وہ اس کا مالک بن گیا۔ کیونکہ عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تباین اس وقت حقیقۃً اور حکماً متحقق ہو چکا ہے۔ جہاں تک حقیقۃً تباین دار کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے۔ جہاں تک حکماً تباین دار کا تعلق ہے تو وہ عورت حکماً دارالحرب میں ہے اور اس کا خاوند دارالاسلام میں ہے۔ ''الحواشی السعدیہ'' میں کہا: ان کے قول واما حکما میں بحث ہے جو (مقولہ 12608 میں) گزر چکی ہے اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ حکما کا معنی ہے کہ وہ اس دار میں نہ ہو جس میں وہ اس لئے داخل ہوا ہو کہ اس سے لوٹنا چاہتا ہو بلکہ وہاں مکین ہونے کا ارادہ رکھتا ہو وہ عورت یہاں اسی طرح ہے۔ کیونکہ اسے واپس جانے کی قدرت نہ دی جائے گی۔ پھر میں نے ''المحیط الرضوی'' کی طرف رجوع کیا تو اس میں تھا: ایک مسلمان نے ایک کتابی حربی سے دارالحرب میں عقد نکاح کیا اس کا خاوند وہاں سے اکیلے نکل آیا تو وہ عورت اس خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اگر عورت خاوند سے پہلے نکل آئی تو جدا نہ ہوگی۔ اور اس کی علت اسی چیز سے بیان کی ہے جو گزر چکی ہے یہ ایسا امر ہے جس میں کوئی ابہام نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ صاحب ''الفتح'' کے نسخہ میں جو کچھ واقع ہوا ہے وہ تحریف ہے اور صحیح وہی ہے جو میں نے تیرے گوش گزار کر دیا ہے،'' ح''۔

میں کہتا ہوں: ''النہر'' میں ''المحیط'' سے جو نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل '' کافی الحاکم الشہید'' میں ہے۔ پہلا مسئلہ جسے ''الفتح'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔ اس میں صحیح یہی ہے کہ وہ عورت جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ اختلاف دار حقیقۃً ہے حکماً نہیں۔

وہ عورت جس نے مسلمان یا ذمی ہونے کی حیثیت میں ہجرت کی تو اس کا حکم

12622۔ (قولہ: وَمَنْ هَاجَرَتْ إِلَيْنَا الخ) مہاجرہ اسے کہتے ہیں جو دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف آنے والی ہو جبکہ واپس جانے کا عزم وارادہ نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان یا ذمی کی حیثیت سے دارالحرب سے نکلے یا وہ اس طرح ہو جائے'' بحر''۔ یہ مسئلہ بھی ماقبل مسئلہ میں داخل ہے لیکن جو (مقولہ 12604 میں) گزرا ہے اس بارے میں جب ان دونوں میں سے ایک مہاجر کی حیثیت سے نکلے تو دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جب ہجرت کرنے والی عورت ہو اور فرقت واقع ہو جائے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر عدت واجب نہ ہوگی وہ عورت حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو۔ وہ عورت جو حاملہ نہ ہو اس سے فوری عقد نکاح کیا جا سکتا ہے مگر حاملہ کے ساتھ عقد نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ وہ انتظار کرے گی مگر یہ عدت کے طریقہ پر نہ ہوگا بلکہ اس کے لئے انتظار کرے گی تاکہ وضع حمل کے ساتھ مانع اٹھ جائے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس پر عدت لازم ہوگی،'' فتح''۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے جو حائل (غیر حاملہ) کی قید ذکر کی ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ ''کنز'' کے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ وتنکح المهاجرة الحائل بلا عدة کیونکہ یہ'' حاملہ'' سے احتراز کے لئے ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ لیکن

مُسْلِمَةً أَوْ ذِمِّيَّةً (حَائِلًا بَانَتْ بِلَا عِدَّةٍ) فَيَحِلُ تَزَوُّجُهَا، أَمَّا الْحَامِلُ فَحَتَّى تَضَعَ عَلَى الْأَظْهَرِ لَا لِلْعِدَّةِ بَلْ لِشُغْلِ الرَّحِمِ بِحَقِّ الْغَيْرِ (وَارْتِدَادُ أَحَدِهِمَا) أَيِ الزَّوْجَيْنِ (فَسْخٌ)

طرف مسلمان ہونے یا ذمی ہونے کی حیثیت میں ہجرت کی جب کہ وہ حاملہ نہ تھی تو وہ عدت کے بغیر اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی اس عورت کے ساتھ عقد نکاح کرنا حلال ہے۔ جہاں تک حاملہ کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ عقد نکاح کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ وہ بچہ جن دے۔ یہ اظہر قول ہے۔ یہ وضع حمل عدت کے لئے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ رحم غیر کے حق میں مشغول ہے۔ اور ان دونوں میاں بیوی میں سے ایک کا مرتد ہونا فسخ نکاح ہے

یہ وہم دلاتا ہے کہ حاملہ کی عدت ہوگی جس طرح ''ابن ملک'' وغیرہ نے وہم کیا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں۔

12623۔(قولہ: عَلَى الْأَظْهَرِ) اس کے مقابل ''حسن'' کی روایت ہے کہ وضع حمل سے قبل بھی اس کے ساتھ عقد نکاح کرنا صحیح ہے لیکن اس کا خاوند اس کے قریب نہیں جائے گا یہاں تک کہ اسے وضع حمل ہو جائے جس طرح وہ عورت جس کو زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر گیا ہو۔ ''اقطع'' نے اسے راجح قرار دیا ہے لیکن پہلی ظاہر الروایہ ہے ''نہر''۔ شارحین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اکثر علما کی یہی رائے ہے، ''بحر''۔

12624۔(قولہ: لَا لِلْعِدَّةِ) یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی نفی ہے اور اس کی نفی ہے جو ''ابن ملک'' وغیرہ نے وہم کیا ہے۔

12625۔(قولہ: بَلْ لِشُغْلِ الرَّحِمِ بِحَقِّ الْغَيْرِ) اس قول کے ذریعے اس عورت اور زنا کی وجہ سے حاملہ میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی عورت ہے جس کا حمل ثابت النسب ہے۔ پس یہ احتیاطاً عقد سے روکنے میں مؤثر ہوگا تا کہ دونوں میں فراشوں میں جمع واقع نہ ہو۔ یہ ممتنع ہے اور وطی میں جمع کرنے کے قائم مقام ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ وہ عورت جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اس کا نکاح صحیح ہوگا۔ فافہم۔

زوجین میں سے کسی ایک کا مرتد ہونا فسخ نکاح ہے

12626۔(قولہ: فَسْخٌ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جبکہ اسلام سے انکار کا معاملہ مختلف ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں برابری کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک طلاق ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دونوں میں سے ہر ایک فسخ نکاح ہے۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ ردت نکاح کے منافی ہے۔ کیونکہ ردت عصمت کے منافی ہے۔ طلاق قیام نکاح کا تقاضا کرتی ہے پس اسے طلاق بنانا متعذر ہے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: مرتدہ کے خاوند کی طلاق مرتدہ پر واقع ہو جائے گی جب تک وہ عدت میں ہوگی۔ کیونکہ ردت کی وجہ سے حرمت دائمی نہیں۔ کیونکہ یہ حرمت اسلام قبول کرنے کے ساتھ اٹھ جاتی ہے۔ پس عورت میں خاوند کی طلاق

فَلَا یَنْقُصُ عَدَدًا (عَاجِلٌ) بِلَا قَضَاءٍ (فَلِلْمَوْطُوءَةِ) وَلَوْ حُکْمًا (کُلُّ مَهْرِهَا) لِتَأَکُّدِهِ بِهِ (وَلِغَیْرِهَا نِصْفُهُ) لَوْ مُسَمًّی أَوِ الْمُتْعَةُ (لَوِ ارْتَدَّ) وَعَلَیْهِ نَفَقَةُ الْعِدَّةِ

پس یہ طلاق کی تعداد میں کمی نہیں کرے گا یہ فسخ فوراً ہو جائے گا قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور وہ موطوءہ کے لئے تمام مہر ہوگا اگر چہ حکماً موطوءہ ہو کیونکہ مہر وطی کے ساتھ متاکد ہو جاتا ہے۔ اور غیر موطوءہ کے لئے نصف مہر ہوگا اگر وہ معین کیا گیا ہو یا متعہ ہوگا اگر خاوند مرتد ہو جائے۔ اور خاوند پر عدت کا نفقہ لازم ہوگا

مرتدہ پر واقع ہو جائے گی جبکہ یہ اس فائدہ کا تقاضا کرتی ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت کی مرد پر حرمت ایسی حرمت ہے جو ایک اور خاوند کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ مگر محرمیت کی حرمت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت دائمی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں پس طلاق کا لاحق کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس وقت ہے جب وہ دارالحرب میں لاحق نہ ہو۔ ''الخانیہ'' میں کنایات سے تھوڑا پہلے ہے: مرتد جب دارالحرب میں لاحق ہوا اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی اگر وہ مسلمان ہو کر واپس آ گیا جبکہ وہ ابھی عدت میں تھی تو مرد نے اسے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مرتدہ جب دارالحرب چلی گئی اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی پھر وہ عورت حیض سے پہلے ہی مسلمان ہونے کی حیثیت سے واپس لوٹ آئی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک طلاق واقع ہوگی۔

12627۔ (قولہ: فَلَا یَنْقُصُ عَدَدًا) اگر مرد بار بار مرتد ہوا اور ہر دفعہ نئے سرے سے اسلام قبول کیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت اس مرد کے لئے حلال ہوگی دوسرے خاوند کی اس عورت تک رسائی شرط نہیں۔ ''بحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔

12628۔ (قولہ: بِلَا قَضَاءٍ) یعنی قاضی کے فیصلے پر توقف نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح جو عورت مدخول بہا ہو اس کی عدت کے گزرنے پر توقف نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12629۔ (قولہ: وَلَوْ حُکْمًا) اس سے خلوت صحیحہ کا ارادہ کیا ہے، ''ح''۔

12630۔ (قولہ: کُلُّ مَهْرِهَا) مطلق ذکر کیا ہے یہ مرتد اور عورت کے ارتداد کو شامل ہوگا، ''بحر''۔

12631۔ (قولہ: لِتَأَکُّدِهِ) یعنی حقیقی یا حکمی وطی کے ساتھ مکمل مہر متاکد ہو جائے گا۔

12632۔ (قولہ: أَوِ الْمُتْعَةُ) اگر مہر معین نہ ہو۔

12633۔ (قولہ: لَوِ ارْتَدَّ) یہ ان کے قول ولغیرھا النصف میں قید ہے۔

12634۔ (قولہ: وَعَلَیْهِ نَفَقَةُ الْعِدَّةِ) خاوند پر عدت کا نفقہ ہوگا اگر اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں کیونکہ وہ عورت جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے گئے ہوں اس پر کوئی عدت لازم نہیں ہوتی۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ عورت پر عدت لازم ہوگی خواہ مرد مرتد ہو یا عورت مرتد ہو وہ عدت حیضوں کی صورت میں گزارے گی یا

(وَلَا شَيْءَ) مِنَ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ سِوَى السُّكْنَى بِهِ يُفْتَى) (لَوْ ارْتَدَّتْ) لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا قَبْلَ تَأَكُّدِهِ وَلَوْ مَاتَتْ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ اسْتِحْسَانًا،

اور مہر ونفقہ میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی سوائے رہائش کے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر عورت مرتد ہوگئی کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی ہے ابھی تک مہر موکد نہ ہوا تھا اور اگر عورت عدت میں مرگئی تو اس کا مسلمان خاوند اس کا وارث بنے گا۔ یہ بطور استحسان ہے۔

مہینوں کے اعتبار سے گزارے گی اگر وہ عورت کم سن ہو یا سن ایاس کو پہنچی ہوئی ہے یا وہ عورت وضع حمل کی صورت میں گزارے گی جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12635۔(قولہ: وَلَا شَيْءَ مِنَ الْمَهْرِ) یعنی وہ عورت جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے گئے ہوں۔ کیونکہ یہ مصنف کے اس قول لو ارتد اور ان کے اس قول لو ارتدت کی تفصیل کا محل ہے۔

12636۔(قولہ: وَالنَّفَقَةِ) تو جان چکا ہے کہ کلام اس عورت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے گئے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت لازم نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے نفقہ نہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس سے ارتداد واقع ہوا ہے۔ وہ عورت جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اگر وہ مرتد ہو جائے تو اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں کہا: عدت کے نفقہ کا حکم اسی طرح ہے جس طرح حقوق زوجیت سے پہلے مہر کا حکم ہے اگر خاوند مرتد ہو تو عورت کے لئے عدت کا نفقہ ہوگا اگر عورت مرتد ہو تو اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔

12637۔(قولہ: سِوَى السُّكْنَى) وہ عورت جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے گئے ہوں عدت میں اس کا سکنی ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ سکنی حق شرع ہے۔ عدت کے نفقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے نفقہ پر خلع کرنا صحیح ہوگا۔ سکنی پر خلع کرنا صحیح نہ ہوگا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں فرض کیا جائے گا جب عورت اسلام لے آئے ورنہ مرتد کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ عنقریب (مقولہ 12713 میں) یہ بحث آئے گی کہ جس عورت کو محبوس کیا گیا ہو وہ اس عورت کی طرح ہوتی ہے جو اجازت کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہے اس عورت کے لئے کوئی نفقہ اور سکنی نہیں۔

12638۔(قولہ: لَوْ ارْتَدَّتْ) اس کو مطلق ذکر کیا ہے پس یہ کلام آزاد، لونڈی، نابالغ اور بالغ سب کو شامل ہے، ''بحر''۔

12639۔(قولہ: قَبْلَ تَأَكُّدِهِ) ضمیر سے مراد مہر ہے کیونکہ مہر موت یا حقوق زوجیت کے ساتھ متاکد ہو جاتا ہے اگرچہ وہ حقوق زوجیت حکماً ہوں۔

اگر عورت بیماری کی حالت میں مرتدہ ہو جائے تو اس کا حکم

12640۔(قولہ: وَرِثَهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ اسْتِحْسَانًا) یہ اس صورت میں ہے جب عورت مرتد ہو جبکہ وہ مریض

وَصَرَّحُوا بِتَعْزِيرِهَا خَمْسَةً وَسَبْعِينَ، وَتُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَعَلَى تَجْدِيدِ النِّكَاحِ زَجْرًا لَهَا بِمَهْرٍ يَسِيرٍ كَدِينَارٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَلْوَالِجِيَّةٌ

اور فقہاء نے مرتدہ عورت کی تعزیر پچھتر کوڑے بیان کی ہے۔ اس عورت کو اسلام قبول کرنے اور تھوڑے سے مہر یعنی ایک دینار کے بدلے میں تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا اس عورت کو جھڑکنے کے لئے اسی پر فتویٰ ہے "ولوالجیہ"۔

ہو پھر وہ مرجائے یا دارالحرب چلی جائے۔ جب وہ حالت صحت میں مرتد ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ خاوند مرتد ہو تو اس کا معاملہ بھی مختلف ہے۔ عورت خاوند کی مطلقاً وارث ہوگی جب وہ فوت ہو جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے جبکہ وہ عدت گزار رہی ہو۔ جس طرح "الخانیہ" میں اس معتدہ کی فصل ہے جو وارث بنتی ہے۔ عنقریب (مقولہ 14184 میں) مصنف بھی اسے طلاق المریض میں ذکر کریں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مرد کا ارتداد مرض الموت کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسلام نہ لایا تو اسے قتل کر دیا جائے گا پس وہ فرار اختیار کرنے والا ہو گیا۔ پس عورت مطلقاً اس کی وارث بنے گی جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو اسے ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس وہ عورت فرار اختیار کرنے والی نہ ہوگی مگر جب اس کی ردت حالت مرض میں ہو۔

مرتدہ کی تعزیر

12641۔ (قولہ: وَصَرَّحُوا بِتَعْزِيرِهَا خَمْسَةً وَسَبْعِينَ) یہ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک آزاد کو تعزیر لگانے کی حد پچھتر کوڑے ہیں اور طرفین کے نزدیک انتالیس کوڑے ہیں۔ "الحاوی المقدسی" میں کہا: ہم امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپناتے ہیں۔ "البحر" میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر تعزیر کی انتہا میں قابل اعتماد امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے خواہ وہ مرتدہ کی تعزیر میں ہو یا اس میں نہ ہو۔

12642۔ (قولہ: وَتُجْبَرُ) محبوس کرنے کے ساتھ اسے مجبور کیا جائے گا یہاں تک وہ اسلام قبول کر لے یا وہ عورت مرجائے۔

12643۔ (قولہ: وَعَلَى تَجْدِيدِ النِّكَاحِ) ہر قاضی کو حق حاصل ہے کہ تھوڑے سے مہر اگرچہ ایک دینار ہو کے ساتھ تجدید نکاح کر دے عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد عورت کو اس امر سے روک دیا جائے گا کہ وہ کسی اور مرد سے عقد نکاح کرے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ یہ اس صورت میں ہوگا جب خاوند اس سے اس امر کا مطالبہ کرے مگر جب وہ مرد خاموش ہو جائے یا صراحۃً اسے ترک کر دے تو عورت کو مجبور کیا جائے گا اور اس کا نکاح کسی اور مرد سے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مرد نے اپنا حق ترک کر دیا ہے۔ "بحر"، "نہر"۔

12644۔ (قولہ: زَجْرًا لَهَا) "البحر" کی عبارت ہے تاکہ نافرمانی کا دروازہ بند کر دیا جائے اور خاوند سے چھٹکارا پانے کے حیلہ کا باب بند کر دیا جائے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تجدید نکاح پر جبر اسی بات پر مقصور ہے جب وہ عورت اس مقصد کے لئے مرتد ہو کہ وہ مرد

وَأَفْتَى مَشَايِخُ بَلْخٍ بِعَدَمِ الْفُرْقَةِ بِرِدَّتِهَا زَجْرًا وَتَيْسِيرًا لَا سِيَّمَا الَّتِي تَقَعُ فِي الْمُكَفِّرِ ثُمَّ تُنْكِرُ قَالَ فِي النَّهْرِ وَالْإِفْتَاءُ بِهَذَا أَوْلَى مِنَ الْإِفْتَاءِ بِمَا فِي النَّوَادِرِ لَكِنْ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَمَنْ تَصَفَّحَ أَحْوَالَ نِسَاءِ زَمَانِنَا وَمَا يَقَعُ مِنْهُنَّ مِنْ مُوجِبَاتِ الرِّدَّةِ مُكَرَّرًا فِي كُلِّ يَوْمٍ لَمْ يَتَوَقَّفْ فِي الْإِفْتَاءِ بِرِوَايَةِ النَّوَادِرِ قُلْتُ وَقَدْ بُسِطَتْ فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى وَالْفَتْحِ وَالْبَحْرِ وَحَاصِلُهَا

بلخ کے مشائخ نے عورت کے مرتد ہونے پر فرقت واقع نہ ہونے کا فتویٰ دیا اس عورت کو جھڑ کنے اور معاملہ کو آسان بنانے کے لئے خصوصاً وہ عورت جو ایسے کام میں پڑے جو کفر کا موجب ہوں پھر وہ عورت اس امر کا انکار کردے۔ النہر میں کہا: اس قول پر فتوی دینا اس قول پر فتوی دینے سے بہتر ہے جو ''النوادر'' میں ہے۔ لیکن مصنف نے کہا: جس نے ہمارے زمانہ کی عورتوں کے احوال میں چھان بین کی اور ان سے ردت کے جو موجبات ہر روز متکرر واقع ہوتے ہیں تو فتویٰ دینے میں اس نے ''نوادر'' کی روایت پر توقف نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں ''قنیہ''، ''المجتبیٰ''، ''الفتح'' اور ''البحر'' میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے

سے خلاصی چاہتی تھی۔ بلکہ علما نے کہا: اس باب کو اصلاً بند کرنے کے لئے ہے۔ خواہ اس نے یہ حیلہ جان بوجھ کر کیا یا اس نے ایسا نہ کیا تا کہ وہ اس کو حیلہ نہ بنا لے۔

12645۔ (قولہ: قَالَ فِي النَّهْرِ الخ) اس کی عبارت ہے: یہ مخفی نہیں کہ بلخ کے بعض ائمہ نے جو قول اپنایا ہے اس کے مطابق فتویٰ دینا اس قول پر فتویٰ دینے سے اولیٰ ہے جو ''نوادر'' میں ہے: تحقیق ہم نے تجدید نکاح میں بہت سی مشقتیں دیکھی ہیں جو اس سے بڑھ کر ہیں کہ اسے مارا پیٹا جائے۔ مشقتیں اتنی ہیں جن کو نہ شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حد بیان کی جا سکتی ہے۔ علما عجم میں سے ہمارے بعض مشائخ ایک عورت کی وجہ سے آزمائش میں پڑے جو ایسے امور میں جا پڑی ہے جو کفر کا باعث ہوتے ہیں پھر وہ ان امور کا انکار کر دیتی ہے اور تجدید نکاح سے انکار کر دیتی ہے۔ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے اللہ تعالیٰ ہی ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں: تجدید نکاح میں مشقت اس امر کا تقاضا نہیں کرتی کہ بلخ کے ائمہ کا قول اس سے بہتر ہے جو ''النوادر'' میں ہے بلکہ اس سے بہتر ہے جو (مقولہ 12647 میں) گزرا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے وہ بخاریوں کا قول ہے۔ کیونکہ ''نوادر'' میں جو قول ہے وہ وہ ہے جو آگے آئے گا۔ کہ ردت کے ذریعے اسے غلام بنا لیا جاتا ہے۔ ''تامل''

12646۔ (قولہ: وَقَدْ بُسِطَتْ) یعنی نوادر کی روایت۔ یعنی ضمیر روایۃ النوادر کے لئے ہے۔

12647۔ (قولہ: وَالْفَتْحِ) اس میں ہے کہ انہوں نے اس قول: ولا تسترق المرتدۃ ما دامت فی دار الاسلام فی ظاهر الروایۃ وفی روایۃ النوادر عن ابی حنیفہ تسترق سے زیادہ کچھ نہیں کہا پھر میں نے صاحب ''الفتح'' کو دیکھا کہ آپ نے باب المرتد میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

12648۔ (قولہ: وَحَاصِلُهَا الخ) ''الفتح'' سے جو قول گزر چکا ہے اس کے بعد ''القنیہ'' میں کہا: اگر خاوند عالم ہو

أَبَتْ بِالرِّدَّةِ تُسْتَرَقُّ وَتَكُونُ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَيَشْتَرِيهَا الزَّوْجُ مِنْ الْإِمَامِ أَوْ يَصْرِفُهَا إلَيْهِ لَوْ مَصْرِفًا وَلَوْ اسْتَوْلَى عَلَيْهَا الزَّوْجُ بَعْدَ الرِّدَّةِ مَلَكَهَا وَلَهُ بَيْعُهَا

کہ ردت کے ساتھ اسے لونڈی بنالیا جاتا ہے اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مسلمان کے لئے مال فئی ہوتی ہے۔ خاوند اسے امام سے خریدے گا یا اسے اس کے صرف میں لائے گا اگر زوج اس کا مصرف ہوگا۔ اگر عورت کے مرتد ہونے کے بعد خاوند اس پر تسلط حاصل کرلے تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ اس خاوند کو حق حاصل ہے کہ اسے بیچ دے

ردت کے بعد وہ اس عورت پر غالب آجائے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت مسلمانوں کے لئے مال فئی ہوگی پھر وہ امام سے اسے خریدے گا یا اسے اس کے تصرف میں دے دے گا اگر وہ خاوند اس کا مصرف ہوگا۔ اگر مفتی اس روایت پر فتویٰ دے تاکہ اس امر کا خاتمہ کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

''البحر'' میں کہا: ''خزانۃ الفتاوی'' میں اسی طرح کہا۔ اور ان کا قول نقل کیا: اگر مفتی فتویٰ دے الخ۔ یہ شمس الائمہ ''سرخسی'' سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول ثم یشتریھا کا مقتضا یہ ہے اگر وہ خاوند اس کا مصرف ہو تو وہ محض اس پر تسلط سے اس کا مالک نہیں بنے گا اور ان کا قول تکون فیئا امام ''طحطاوی'' نے کہا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگرچہ عورت نے اس کے بعد اسلام قبول کرلیا۔ کیونکہ رقیق کا اسلام قبول کرنا اسے رق سے خارج نہیں کرتا۔

12649۔(قولہ: وَلَوْ اسْتَوْلَى عَلَيْهَا الزَّوْجُ) اس میں ایسا اختصار ہے جو خلل کا باعث ہے۔ ''القنیہ'' کی عبارت اس کے بعد جس کا ذکر ہو چکا ہے یہ ہے: میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں تاتاریوں کے فتنہ کے بعد یہ تمام ولایتیں جن پر انہوں نے غلبہ پایا ہے اور ان میں اپنے احکام جاری کئے ہیں جس طرح خوارزم، ماوراء النہر، خراسان وغیرہا یہ ظاہر میں دارالحرب ہیں۔ اگر عورت کے مرتد ہونے کے بعد ان پر غلبہ پاتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اسے امام سے خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں اس پر غلامی کے حکم کا فتویٰ دیا جائے گا تاکہ جاہلوں اور مکاروں کے مکروفریب کو ختم کیا جائے جس کی طرف ''السیر الکبیر'' میں اشارہ کیا ہے۔

''القنیہ'' کا جو یہ قول ہے: یملکہا یہ ظاہر الروایہ پر مبنی ہے کہ جب تک وہ عورت دارالاسلام میں ہے اسے لونڈی نہیں بنایا جائے گا۔ اور ''نوادر'' کی روایت کے مطابق فتویٰ کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں ان کے دار دارحرب بن گئے ہیں۔ پس خاوند محض اس پر غلبہ پانے سے اس کا مالک بن جائے گا کیونکہ وہ دارالاسلام میں نہیں۔ فافہم۔

12650۔(قولہ: وَلَهُ بَيْعُهَا الخ) ''البحر'' میں ''القنیہ'' کے قول یملکہا سے اخذ کرتے ہوئے ایک بحث ذکر کی ہے اور اپنے قول ماله تکن کیلئے اس قول سے جو ''الخانیہ'' میں ہے شہادت پیش کی ہے۔ ''خانیہ'' کا یہ قول ہے: اگر ام ولد

مَا لَمْ تَكُنْ وَلَدَتْ مِنْهُ فَتَكُونُ كَأُمِّ الْوَلَدِ، وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ فِي كِتَابِ الْغَصْبِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هَجَمَ عَلَى نَائِحَةٍ فَضَرَبَهَا بِالدِّرَّةِ حَتَّى سَقَطَ خِمَارُهَا، فَقِيلَ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ سَقَطَ خِمَارُهَا، فَقَالَ إِنَّهَا لَا حُرْمَةَ لَهَا(1) وَمِنْ هُنَا قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو بَكْرٍ الْبَلْخِيُّ حِينَ مَرَّ بِنِسَاءٍ عَلَى شَطِّ نَهْرٍ كَاشِفَاتِ الرُّءُوسِ وَالذِّرَاعِ فَقِيلَ لَهُ كَيْفَ تَمُرُّ؟ فَقَالَ، لَا حُرْمَةَ لَهُنَّ إِنَّمَا الشَّكُّ فِي إِيمَانِهِنَّ كَأَنَّهُنَّ حَرْبِيَّاتٌ

جب تک اس عورت نے اس سے بچہ نہ جنا ہوا گر بچہ جنا ہوگا تو وہ اس کے لئے ام ولد کی طرح ہوگی۔ مصنف نے کتاب الغصب میں ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نوحہ کرنے والی عورت پر اچانک جا پہنچے تو اسے درہ کے ساتھ مارا یہاں تک کہ اس کی اوڑھنی گرگئی تو آپ سے عرض کی گئی اے امیر المؤمنین اس کی اوڑھنی گرگئی ہے فرمایا: اس عورت کی کوئی حرمت نہیں۔ اسی وجہ سے ''فقیہ ابوبکر'' بلخی نے کہا جب وہ ایسی عورتوں کے پاس سے گزرے جو نہر کے کنارے تھیں جن کے سر اور بازو کھلے ہوئے تھے آپ سے عرض کی گئی آپ کیسے گزرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ان کی کوئی حرمت نہیں ان کے ایمان میں شک ہے۔ گویا یہ حربی عورتیں ہیں۔

ارتداد کے بعد دارالحرب چلی گئی پھر اسے گرفتار کرلیا گیا خاوند اس کا مالک بن گیا تو وہ پھر ام ولد بن جائے گی۔ اور اموميت ولد ملک کے تکرار کے ساتھ متکرر ہوگی۔

12651۔ (قولہ: بِالدِّرَّةِ) یہ کلمہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی سوط ہے اس کی جمع دِرَر ہے جس طرح سدرۃ کی جمع سدر آتی ہے۔

12652۔ (قولہ: وَالذِّرَاعَ) اس کلمہ میں الف لام جنسی ہے ماقبل کی مناسبت سے الاذرع جمع کا لفظ ہونا چاہئے تھا، ''ط''۔

12653۔ (قولہ: فَقَالَ) یہ پہلے قال کی تاکید ہے۔ ''ط''۔ اس کا داعی طول الفاصل (فاصلہ کی طوالت) ہے۔

ننگے سر اور کھلے بازوؤں کے ساتھ سر بازار پھرنے والی عورتوں کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے

12654۔ (قولہ: كَأَنَّهُنَّ حَرْبِيَّاتٌ) یعنی وہ مال فئی ہے جو مملوکات ہیں سر اور بازو لونڈی کا ایسا حصہ نہیں جس کا ڈھانپنا لازم ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کی دلیل یہ ہے کہ جب نائحہ کی حرمت ساقط ہوگئی تو عورتیں جو اپنے سر ننگے رکھتی ہیں ان راستوں میں جہاں سے اجنبی لوگ گزرتے ہیں تو ان کی حرمت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے حال سے یہ ظاہر ہوتا ہے وہ خفیف وذلیل ہیں یہ ایسا سبب ہے جو ان کی حرمت کو ساقط کرنے والا ہے۔ فافہم۔

پھر یہ جان لو جب وہ حالت کفر تک پہنچیں اور مرتد بن جائیں تو ان کا حکم وہی ہوگا جو (مقولہ 12647 میں) گزر چکا ہے کہ جب تک وہ دارالاسلام میں ہیں ظاہر الروایۃ کے مطابق وہ کسی کی ملک میں نہ ہوں گی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے

1۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب الصبر والبکاء والنیاحۃ، جلد 3، صفحہ 557، حدیث نمبر 6681

(وَبَقِيَ النِّكَاحُ إِنْ) (ارْتَدَّا مَعًا) بِأَنْ يُعْلَمَ السَّبْقُ

اگر دونوں اکٹھے مرتد ہو گئے تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس طرح کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون مرتد ہوا

کہ جو کچھ ''النوادر'' سے (مقولہ 12648 میں) گزرا ہے اس کے مطابق فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ انہیں غلام بنانا جائز ہے وہ بیوی کے مرتد ہونے کے اعتبار سے ہے یہ ضرورت کی بنا پر ہے مطلقاً نہیں۔ کیونکہ بیوی کے علاوہ میں کوئی ضرورت نہیں کہ ضعیف روایت پر فتویٰ دیا جائے۔ حرمت کے سقوط اور ان کی طرف دیکھنے کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے دور میں انہیں مملوک بنانا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی غایت یہ ہے کہ وہ مال فئی بن چکی ہیں ان کی طرف دیکھنے کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں غلام بنانا اور ان سے وطی وغیرہ کے ساتھ لطف اندوز ہونا جائز ہے۔ کیونکہ غیر کی مملوکہ کو دیکھنا بھی جائز ہے اور عقد نکاح کے بغیر اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں۔

اس کے ساتھ اس آدمی کی غلطی بھی ظاہر ہو جاتی ہے جو ہمارے زمانہ میں اپنے آپ کو علم کی طرف منسوب کرتا ہے یہ باطل گمان رکھتے ہوئے کہ بدکار عورتیں جو بازاروں میں شرم و حیا کے بغیر ظاہر ہوتی ہیں تو استیلاء کے حکم کے مطابق ان سے وطی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ قول قبیح اور غلط ہے ممکن ہے کہ یہ کفر ہو جائے۔ کیونکہ یہ زنا کو مباح کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فرع: ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے غائب ہو گیا کسی خبر دینے والے نے اسے عورت کے مرتد ہونے کی خبر دی اگرچہ وہ مملوک ہو یا قذف لگانے کی وجہ سے اس پر حد قذف جاری کی گئی ہو جبکہ وہ خبر دینے والا اس آدمی کے نزدیک ثقہ یا غیر ثقہ ہو لیکن غالب رائے اس کی یہ ہو کہ وہ سچا ہے تو اس خاوند کیلئے جائز ہے کہ اس عورت کے علاوہ چار اور عورتوں سے شادی کرلے۔ اگر عورت کو خبر دی گئی کہ اس کا خاوند مرتد ہو چکا ہے تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ عدت کے بعد کسی اور مرد سے شادی کرلے۔ یہ استحسان کی روایت ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: یہ روایت اصح ہے۔

اگر دونوں میاں بیوی اکٹھے مرتد ہو جائیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا

12655۔ (قولہ: إِنْ ارْتَدَّا مَعًا) مسئلہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی دارالحرب نہیں گیا۔ اگر کوئی ایک چلا گیا تو عورت جدا ہو جائے گی۔ گویا اس قول سے اس قول کی وجہ سے مستغنی ہو گئے جو انہوں نے پہلے ذکر کیا کہ تباین دارین فرقت کا سبب ہے، ''نہر''۔

12656۔ (قولہ: بِأَنْ يُعْلَمَ السَّبْقُ) جہاں تک حقیقی معیت ہے وہ تو متعذر ہے۔ اور جو ''البحر'' میں ہے یہ اس صورت میں ہے جب یہ علم ہو کہ دونوں ایک کلمہ کے ساتھ مرتد ہوں اس میں ظاہری بعد ہے۔ ہاں بالفعل دونوں کا ارتداد ممکن ہے کہ دونوں مصحف کو اٹھائیں اور غلاظت میں پھینک دیں یا دونوں اکٹھے بت کو سجدہ کریں، ''نہر''۔

فَیُجْعَلُ کَالْغَرَقِ (ثُمَّ أَسْلَمَا کَذٰلِکَ) اسْتِحْسَانًا (وَفَسَدَ إِنْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْآخَرِ) وَلَا مَهْرَ قَبْلَ الدُّخُولِ لَوِ الْمُتَأَخِّرُ هِيَ، وَلَوْ هُوَ فَنِصْفُهُ أَوْ مُتْعَةٌ (وَالْوَلَدُ یَتْبَعُ خَیْرَ الْأَبَوَیْنِ دِینًا) إِنِ اتَّحَدَتِ الدَّارُ

تو پس اسے غرق ہونے والے کی طرح بنا دیا جائے گا پھر وہ دونوں اسی طرح مسلمان ہوئے۔ یہ قول بطور استحسان ہے۔ اور عقد نکاح فاسد ہو گیا اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہوا۔ اور حقوق زوجیت سے پہلے ایسا ہوا تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا اگر عورت نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ اگر مرد بعد میں اسلام قبول کرنے والا ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا یا متعہ ملے گا۔ بچہ والدین میں سے دین کے اعتبار سے جو اچھا ہو گا اس کے تابع ہو گا اگر دار ایک ہو

12657۔ (قولہ: کَالْغَرَقِ) کیونکہ یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی موت پہلے ہوئی تو ان سب کو ان لوگوں کے قائم مقام رکھا جائے گا جو سب اکٹھے فوت ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں بنے گا۔ تشبیہ اس میں ہے کہ سبقت میں جہالت معیت کی حالت کی طرح ہوتی ہے،''ط''۔

12658۔ (قولہ: کَذٰلِکَ) یعنی اکٹھے اس طرح کہ سبقت معلوم نہ ہو سکی۔

12659۔ (قولہ: وَفَسَدَ الخ) کیونکہ دونوں میں سے ایک کی ردت ابتداء نکاح کے منافی ہے۔ بقا کی بھی صورت حال ایسے ہی ہو گی۔''نہر''۔ یہ ان کے قول: ثم اسلما کذلک کا مفہوم مخالف ہے۔ اور ان کے قول: ان ارتدا معا کے مفہوم مخالف سے سکوت کیا ہے۔ کیونکہ ان کے قول: و ارتداد احدهما فسخ عاجل میں گزر چکا ہے۔

12660۔ (قولہ: قَبْلَ الْآخَرِ) اسی طرح اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے بعد مرتد ہی رہا تو بدرجہ اولی یہ حکم ہو گا۔

12661۔ (قولہ: قَبْلَ الدُّخُولِ) جہاں تک حقوق زوجیت کے بعد کا تعلق ہے تو دونوں صورتوں میں عورت کو مہر ملے گا۔ کیونکہ مہر حقوق زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ خاوند کے ذمہ بطور دین ثابت ہو چکا ہے اور قرضے ردت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے،''فتح''۔

12662۔ (قولہ: لَوِ الْمُتَأَخِّرُ هِيَ) کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوتی ہے کیونکہ وہ بعد میں مسلمان ہوئی۔

12663۔ (قولہ: فَنِصْفُهُ) اگر مہر معین کیا گیا تھا تو اس کا نصف عورت کو ملے گا اگر مہر معین نہیں کیا گیا تھا تو عورت کو متعہ ملے گا۔

بچہ والدین میں سے اسکے تابع ہو گا جو ان دونوں میں سے دین کے اعتبار سے اچھا ہو گا

12664۔ (قولہ: وَالْوَلَدُ یَتْبَعُ خَیْرَ الْأَبَوَیْنِ دِینًا) دونوں طرف سے اس وقت تصور کیا جائے گا جب اسلام انہیں بعد میں لاحق ہو جس طرح وہ دونوں پہلے کافر تھے تو ایک مسلمان ہو گیا یا عورت مسلمان ہو گئی۔ پھر اس عورت نے ایک بچہ جن دیا ابھی دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا اور ابھی جدائی نہیں ہوئی تھی یا اس کے بعد اتنی مدت میں بچہ جن دیا کہ اس

....

مدت میں بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے یا ان دونوں کے درمیان ان میں سے ایک کے اسلام لانے سے قبل ایک چھوٹا بیٹا تھا تو پس ان دونوں میں سے ایک کے اسلام لانے سے بچہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اصلی اسلام کا تعلق تھا تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر اس صورت میں کہ ماں کتابیہ ہو اور باپ مسلمان ہو''فتح''،''نہر''۔

تنبیہ: ابوین کے لفظ کے ساتھ تعبیر اس امر کا شعور دلاتی ہے کہ ولد زنا اس سے خارج ہو گیا۔ میں نے''فتاوی الشہاب الشلبی''میں دیکھا کہا: ہمارے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا جو فتویٰ کا متقاضی تھا۔ ایک مسلمان نے ایک نصرانی عورت سے بدکاری کی تو اس عورت نے ایک بچہ جن دیا کیا وہ مسلمان ہو گا۔ بعض شوافع نے اس کے مسلمان نہ ہونے اور بعض نے اس کے مسلمان ہونے کا قول کیا۔ اور یہ ذکر کیا کہ''سبکی''نے یہ کہا ہے۔ جبکہ وہ غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ شارع نے ولد زنا کے نسب کو قطع کیا ہے۔ اس کی زنا سے جو بیٹی ہے شوافع نے اسے زانی پر حلال قرار دیا ہے تو وہ بچہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟ قاضی القضاہ''حنبلی''نے اس کے اسلام کا فتویٰ دیا۔ میں نے فتوی لکھنے میں توقف سے کام لیا اگرچہ وہ اپنے باپ سے مقطوع النسب ہے یہاں تک کہ یہ بیٹا اپنے باپ کا وارث نہیں بنے گا جبکہ علما نے تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک زنا سے جنم لینے والی بیٹی اس زانی پر حلال نہیں ہو گی۔ وہ اپنے اس بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا جو زنا سے پیدا ہوا اور اس بیٹے کے حق میں زانی کی گواہی قبول نہ ہو گی۔ جو چیز میرے نزدیک قوی ہے کہ ہمارے مذہب کے مطابق اس کے مسلمان ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا ان علما نے مذکورہ احکام کو بطور احتیاط ثابت کیا ہے وہ دونوں میں جزئیت کی حقیقت کا اعتبار کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: حدیث صحیح کی وجہ سے میرے لئے اسلام کا حکم ظاہر ہوا: ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں (1) کیونکہ علما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے اتفاق کو اسے فطرت سے منتقل کرنے والا بنایا ہے۔ جب وہ دونوں متفق نہ ہوں تو وہ بچہ فطرت کی اصل پر باقی رہتا ہے یا اس حالت پر باقی رہتا ہے جو اس فطرت کے قریب تر ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مجوسی ہو اور دوسرا کتابی ہو تو وہ کتابی ہو گا جس طرح آگے (مقولہ 12666 میں) آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے والدین متفق نہیں تو وہ اپنی فطرت پر باقی رہے گا۔ اور اس لئے بھی کہ علما نے کہا: ان دونوں میں سے اسے مسلمان کے ساتھ لاحق کرنا یا کتابی کے ساتھ لاحق کرنا اس کے حق میں نفع کا باعث ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقت کی جزئیت کو دیکھنا یہ اس کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہے۔ اور نیز جہاں ان مسائل میں جزئیت کو بطور احتیاط دیکھا گیا تو یہاں بھی اس کی طرف بطور احتیاط نظر کرنی چاہئے۔ کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط بہتر ہے اور اس لئے کہ کفر سب سے بڑھ کر قبیح ہے۔ پس کسی بھی شخص پر امر صریح کے بغیر حکم کرنا مناسب نہیں۔ اور اس لئے علما نے زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیٹی کی حرمت کا ذکر کیا: شرع نے زانی کی طرف نسب کی نسبت کو ختم کر دیا۔ کیونکہ اس میں بے حیائی پھیلتی ہے اسی وجہ سے نفقہ اور وراثت کو ثابت نہیں کیا۔ یہ حقیقی نسبت کی نفی نہیں کرتا۔ کیونکہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، جلد 1، صفحہ 605، حدیث نمبر 1296

وَلَوْ حُکْمًا بِأَنْ کَانَ الصَّغِیْرُ فِیْ دَارِنَا وَالْأَبُ ثَمَّۃَ، بِخِلَافِ الْعَکْسِ
اگرچہ حکما ایک ہو۔ جس طرح چھوٹا ہمارے دار میں ہو اور باپ دار الحرب میں ہو۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہوگا۔

حقائق کو رد نہیں کیا جا سکتا جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نسبت شرعیہ کا ہونا ضروری ہے اس پر وضاحت لازم ہوگی۔

تتمہ: ''استروشنی'' نے ''سیر احکام الصغار'' میں ذکر کیا: ''بچہ دادا کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوگا اگر اس کا باپ فوت ہو۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں دادا باپ کی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ دادا کے تابع ہو تو پردادا کے بھی تابع ہوگا۔ اسی طرح سلسلہ آگے چلے گا اور یہ امر اس طرف لے جائے گا کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے مسلمان ہونے کی وجہ سے سب مسلمان ہوں۔ اس میں یہ قول بھی ہے: چھوٹا بچہ دین پر اپنے والدین یا ان دونوں میں سے ایک کے تابع ہوگا۔ اگر یہ دونوں معدوم ہوں تو جس کے قبضہ میں وہ بچہ ہے۔ اگر یہ بھی معدوم ہو تو وہ بچہ دین میں والد کے تابع ہوگا۔ جو ہم نے کہا ہے اس میں عاقل، غیر عاقل برابر ہیں۔ کیونکہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے جب تک وہ اسلام سے متصف نہ ہو۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ تبعیت منقطع نہیں ہوتی مگر بالغ ہونے کے ساتھ یا اسلام کے ساتھ ''البحر'' اور ''المنح'' میں باب الجنائز میں اس کی تصریح کی ہے۔

محقق ''ابن امیر حاج'' نے ''شرح التحریر'' میں ''شرح الجامع الصغیر'' جو ''فخر الاسلام'' کی تالیف ہے سے نقل کیا ہے: چھوٹا بچہ عقل رکھے یا عقل نہ رکھے اس میں کوئی فرق نہیں۔ ''جامع کبیر'' اور اس کی شرح میں اس پر نص قائم کی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام ''سرخسی'' کی ''شرح السیر الکبیر'' میں کلام کے بعد کہا جس کی نص یہ ہے: اس میں ان لوگوں کی خطا واضح ہوگئی۔ ہمارے اصحاب میں سے جنہوں نے کہا: جو خود تعبیر کر سکتا ہے وہ والدین کی تبع میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہاں یہ واضح کیا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔

اس سے قبل یہ بھی ذکر کیا جب بچہ عاقل کی حیثیت سے بالغ ہو جائے تو تبعیت منقطع ہو جاتی ہے یعنی اگر وہ مجنون کی حیثیت سے بالغ ہو تو تبعیت باقی رہے گی۔

آپ کے لئے واضح ہو چکا ہے کہ ''قہستانی'' میں جو کچھ ہے: یہاں ولد سے مراد ایسا بچہ ہے جو اسلام کی سمجھ نہ رکھتا ہو۔ یہ غلط ہے جس طرح تو نے ''سرخسی'' کی عبارت سے سنا ہے اگرچہ ''شہاب شلبی'' نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الکبیر'' اور ''السیر الکبیر'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اس لئے ان کتب میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے اور متون بھی مطلق ہیں۔ فافہم۔

12665۔ (قولہ: وَلَوْ حُکْمًا) خواہ اتحاد حقیقۃً اور حکما ہو جس طرح والدین میں سے بہتر دار الاسلام میں یا دار الحرب میں بچے کے ساتھ ہو یا اتحاد صرف حکما ہو جس طرح شارح نے اس کی مثال بیان کی ہے۔ اور ان دونوں کے حقیقۃ اور حکما اختلاف سے احتراز کیا ہے اس طرح کہ باپ ہمارے دار میں ہو اور بچہ دار الحرب میں ہو اور اس کی طرف اپنے اس قول

(وَالْمَجُوسِیُّ، وَمِثْلُهُ) کَوَثَنِیٍّ وَسَائِرِ أَهْلِ الشِّرْكِ (شَرٌّ مِنَ الْكِتَابِیِّ) وَالنَّصْرَانِیُّ شَرٌّ مِنَ الْيَهُودِیِّ فِی الدَّارَيْنِ

مجوسی اور اس کی مثل جیسے بت پرست اور باقی اہل شرک یہ کتابی سے زیادہ برے ہیں نصرانی دونوں جہانوں میں یہودی سے برا ہے۔

بخلاف العکس کی طرف اشارہ کیا ہے،''ح''۔

میں کہتا ہوں۔''الفتح'' میں جو کچھ ہے کہ اسے برعکس کا حکم بنا دیا جس طرح اس سے پہلے تھا''البحر'' میں کہا: یہ سہو ہے۔

12666۔(قولہ: وَالْمَجُوسِیُّ، شَرٌّ مِنَ الْكِتَابِیِّ)''النہر'' میں کہا: اس جملہ کو پیچھے ذکر کیا ہے تا کہ اس امر کی وضاحت ہو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی ہوگا یہ امر دنیاوی امور دیکھنے کے اعتبار سے ہے کہ وہ احکام میں جیسے ذبیحہ کا حلال ہونا اور نکاح کا صحیح ہونا مسلمان کے قریب ہے اور آخرت میں عتاب میں کمی ہوگی۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اسی حالت پر باقی رہے جس پر وہ پہلے تھا۔ ورنہ مشرکوں کے بچے جنت میں ہوں گے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں توقف کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے اور پہلے جملہ میں اسے داخل نہیں کیا تا کہ اس سے بچا جائے جو بعض عبارات میں واقع ہوا کہ خیر کا اطلاق کتابی پر ہوا بلکہ شر اس میں ثابت ہے مگر مجوسی اس سے زیادہ برا ہے۔

اس تعبیر کی بنا پر مصنف کا قول: والولد یتبع خیر الابوین دینا اس میں دین سے مراد صرف دین اسلام ہے تا کہ دوسرا جملہ متکرر نہ ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ بیان کیا جائے کہ مجوسی کتابی سے زیادہ شریر ہے۔ کیونکہ اس کا اس بحث میں کوئی عمل دخل نہیں بلکہ مراد اس کے لازم کا بیان ہے جو یہاں مقصود ہے وہ بچے کو اس کے تابع کرنا جو دونوں میں سے شر میں خفیف ہے۔ پس کتابیہ کے ساتھ نکاح اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔ اس جملہ کی بجائے پہلے جملہ پر اکتفا نہیں کیا کہ دین سے مراد اعم لیا جائے تا کہ اس امر سے بچا جائے کہ خیریت کو دین اسلام کے غیر پر اس کا اطلاق کیا جائے۔ فافہم

12667۔(قولہ: وَسَائِرِ أَهْلِ الشِّرْكِ) تمام مشرک جن کا کوئی سماوی دین نہ ہو۔

12668۔(قولہ: وَالنَّصْرَانِیُّ شَرٌّ مِنَ الْيَهُودِیِّ)''البحر'' میں ''البزازیہ'' اور ''الخبازیہ'' سے نقل کیا ہے اور ''الخلاصہ'' سے اس کے برعکس نقل کیا ہے۔ پھر کہا: پہلے قول کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ بچہ جو یہودی عورت اور نصرانی مرد سے یا اس کے برعکس سے جنم لے تو وہ یہودی کے تابع ہوگا نصرانی کے تابع نہیں ہوگا جبکہ امر واقع اس طرح نہیں،''نہر''۔

میں کہتا ہوں:''البحر'' کی کلام کا مقتضا یہ ہے کہ یہی امر واقع ہے کیونکہ کہا: اس کا فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں عقوبت میں خفت ہوگی جس طرح دنیا میں خفت ہوگی۔ کیونکہ ''الولوالجیہ'' کے اضحیہ کے باب میں ہے: مجوسی اور نصرانی کے طعام سے کھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ مجوسی اس جانور کو پکاتا ہے جس کا دم گھٹ جائے، جس کو ضرب لگائی گئی ہو اور اوپر سے لڑھک کر مر جائے اور نصرانی کا ذبیحہ نہیں ہوتا وہ مسلمان کا ذبیحہ کھاتا ہے یا اس کا گلا گھونٹتا ہے۔ یہودی کا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ یہودی یا مسلمان کا ذبیحہ کھاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ نصرانی احکام دنیا میں بھی یہودی سے زیادہ شریر ہے۔ کلام ''البحر''۔

لِأَنَّهُ لَا ذَبِيحَةَ لَهُ بَلْ يَخْنُقُ كَمَجُوسِيٍّ وَفِي الْآخِرَةِ أَشَدُّ عَذَابًا وَفِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ لَوْ قَالَ النَّصْرَانِيَّةُ خَيْرٌ مِنَ الْيَهُودِيَّةِ أَوِ الْمَجُوسِيَّةِ كَفَرَ لِإِثْبَاتِهِ الْخَيْرَ لِمَا قُبْحُ بِالْقَطْعِيِّ

کیونکہ اس کا کوئی ذبیحہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا دم گھونٹتا ہے جس طرح مجوسی اور آخرت میں اس کا عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر کسی نے کہا: نصرانیت یہودیت اور مجوسیت سے بہتر ہے تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ وہ قائل اس کے لئے خیر کو ثابت کر رہا ہے جو قطعی طور پر قبیح ہے

12669۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا ذَبِيحَةَ لَهُ) یعنی وہ جانور ذبح نہیں کرتا۔ اس کی دلیل یہ قول ہے: بل یخنق۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اگر وہ جانور ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کے منافی ہے جو کتاب النکاح کے شروع میں (مقولہ 11391 میں) گزرا ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ وہ المسیح ابن اللہ کہے، ''ح''۔

12670۔ (قولہ: أَشَدُّ عَذَابًا) اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ سے نزاع الہیات میں اور یہودی سے نزاع نبوات میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ (التوبہ: 30) اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ ان میں سے ایک قلیل طائفہ کا کلام ہے جس طرح تفسیر میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً (المائدہ: 82) اور ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے۔ یہ بھی بطور اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ بحث کفر کی قوت اور شدت میں ہے عداوت کی قوت اور ضعف میں نہیں، ''بزازیہ''۔

نصرانیت کو یہودیت اور مجوسیت سے بہتر کہنا کفر ہے

12671۔ (قولہ: كَفَرَ الخ) ''البحر'' میں کہا: یہ قول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر اس نے کہا: کتابی مجوسی سے بہتر ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے جبکہ یہ عبارت ''المحیط'' وغیرہ میں موجود ہے مگر یہ کہ ان میں فرق بیان کیا جائے۔ وہ فرق ظاہر ہے کیونکہ دونوں ملتوں یعنی یہودیت اور نصرانیت میں سے کسی ایک ملت کو دنیا و آخرت کے احکام میں دوسرے پر کوئی بہتری نہیں مگر کتابی کی جب مجوسی کی طرف نسبت کی جائے۔ کیونکہ دونوں کے دنیا و آخرت میں ان کے احکام میں فرق ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ کلام غیر واضح ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو بیان کیا ہے کہ نصرانی یہودی سے دنیا و آخرت میں زیادہ برا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12668 میں) گزر چکا ہے۔ جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے کیونکہ کافر قرار دینے کی علت یہ ہے کہ خیر کو اس کے لئے ثابت کیا جا رہا ہے جو قطعی طور پر قبیح ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ دونوں ملتوں میں سے ایک کا دوسری پر بہتر نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اگر ملت دوسری ہوتی تو کافر قرار دینا لازم نہ آتا اس وقت قول کہ نصرانیت یہودیت سے بہتر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کتابی مجوسی سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس قول میں خیریت کو ثابت کیا جا رہا ہے جبکہ اس میں خیر قطعاً نہیں اگرچہ شر میں اس سے کم ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ دونوں عبارتوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور جو قول ''المحیط'' وغیرہ میں ہے وہ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اس کے ساتھ کافر نہیں ہوتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ

لَكِنْ وَرَدَ فِي السُّنَّةِ أَنَّ الْمَجُوسَ أَسْعَدُ حَالَةً مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ
لیکن سنت میں وارد ہے کہ مجوسی معتزلہ سے اچھی حالت میں ہیں۔

خیر اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ضرر میں کم ہو جس طرح ضرب المثل میں کہا جاتا ہے: الرمد خیر من العمی آشوب چشم اندھے پن سے بہتر ہے۔

شاعر کا قول ہے: ولکن قتل الحر خیر من الاسر آزاد آدمی کو قتل کرنا اس کو قیدی بنانے سے بہتر ہے۔ پھر میں نے ''المصباح'' کے آخر میں دیکھا: علما بعض اوقات کہتے ہیں: یہ اس سے اصح ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ضعف میں اس سے قلیل ہے۔ اس سے یہ ارادہ نہیں کرتے کہ یہ فی نفسہ صحیح ہے۔ یہ بعینہ وہی بات ہے جو میں نے کہی ہے۔ وللہ الحمد

اس وقت کافر قرار دینے کا قول اس امر پر مبنی ہوگا کہ خیریت کے ثبوت کا ارادہ کیا جائے خواہ اسم تفضیل اپنے باب پر استعمال ہو یا اس سے اصل فعل کا ارادہ کیا جائے۔ جس طرح اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ (مریم: 73) دونوں گروہوں میں سے کون بہتر ہے۔ اس کے عدم کا قول اس تعبیر پر مبنی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مجوسی معتزلہ سے اچھی حالت میں ہیں

12672۔ (قولہ: لَكِنْ وَرَدَ فِي السُّنَّةِ الخ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ یہ حدیث ہے مگر یہ حدیث نہیں۔ ''البزازیہ'' کی عبارت ہے: والمذکور فی کتب اهل السنة استدراک کی دلیل یہ ہے۔ علما اہلسنت والجماعۃ کی ان الفاظ کے ساتھ تعبیر اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قول کرنا جائز ہے کہ نصرانیت یہودیت سے بہتر ہے اور اس کی دلیل ہے کہ کتابی مجوسی سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس قول میں مجوسی کی اسعدیت اور خیریت کو معتزلہ پر ثابت کیا جا رہا ہے۔ ''البزازیہ'' میں کہا: اس کی طرف سے جواب دیتا ہوں کہ جس سے منع کیا گیا ہے وہ ان کا اس سے مطلقاً بہتر ہونا ہے نہ یہ کہ وہ از روئے حال کے ان سے زیادہ سعادت مند ہے اس معنی میں وہ مکابرہ میں قلیل اور شرک کو ثابت کرنے میں ادنی ہیں۔ کیونکہ یہ کہنا جائز ہے: کفر بعضهم اخف من بعض و عذاب بعض ادنی من بعض واهون ان میں سے بعض کا کفر بعض سے خفیف ہے اور بعض کا عذاب بعض سے ادنی اور زیادہ ہونا ہے یا حال کا لفظ وصف کے معنی میں ہے۔ اسی طرح قول کیا گیا ہے اور یہ مکمل نہیں۔ یعنی یہ جواب مکمل نہیں۔ کیونکہ جب اس کی اس کے ساتھ تاویل کرنا صحیح ہے جس کا ذکر کیا گیا تو اس کی مثل کے ساتھ تاویل کرنا بھی صحیح ہوگی۔ اور اسعد کا لفظ حال کی طرف منسوب کرنا کیونکہ یہ معناً فاعل ہے یا حال کا وصف کے معنی میں ہونا یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ ''النہر'' میں کہا: ''جامع الفصولین'' سے مروی جو قول گزر چکا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں کفر ہوگا یہ پہلی تعلیل کے موافق ہے۔ گویا اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اس میں یہ بھی ہے کہ ''الفصولین'' میں جو گزرا ہے وہ اپنی تعلیل کے ساتھ محل نزاع ہے۔ وضاحت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں جس پر اعتماد کیا گیا ہے وہ جواز ہے۔ کیونکہ ان کے کلام میں تو اس کے وقوع کو سن چکا ہے۔

لِإِثْبَاتِ الْمَجُوسِ خَالِقَیْنِ فَقَطْ وَهٰؤُلَاءِ خَالِقًا لَا عَدَدَ لَهُ بَزَّازِیَّةٌ وَنَهْرٌ (وَلَوْ تَمَجَّسَ أَبُو صَغِیْرَةٍ نَصْرَانِیَّةٍ تَحْتَ مُسْلِمٍ) بَانَتْ بِلَا مَهْرٍ وَلَوْ کَانَ (قَدْ مَاتَتْ الْأُمُّ نَصْرَانِیَّةً) مَثَلًا وَکَذَا عَکْسُهُ (لَمْ تَبِنْ) لِتَنَاهِی التَّبْعِیَّةِ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ذِمِّیًّا

کیونکہ مجوسی لوگ صرف دو خالقوں کو ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ لاتعداد خالقوں کو ثابت کرتے ہیں ''بزازیہ''، ''نہر''۔ اگر صغیرہ نصرانیہ جو مسلمان کے عقد میں تھی اس کا باپ مجوسی ہو گیا وہ مہر کے بغیر جدا ہو جائے گی اگر اس کی ماں نصرانی کی حیثیت سے مر چکی ہو۔ مثلاً اور اسی طرح اس کے برعکس وہ عورت خاوند سے جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ تبعیت والدین میں سے ایک کے ذمی،

12673۔ (قولہ: خَالِقَیْنِ) وہ دونوں نور جسے یزداں اور ظلمت جسے اہرمن کہتے ہیں، ''ح''۔

12674۔ (قولہ: خَالِقًا لَا عَدَدَ لَهُ) کیونکہ انہوں نے کہا: بے شک حیوان اپنے افعال اختیاریہ کا خالق ہے، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: اہل ہوا کی تکفیر میں بحث ہے۔ جس پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف ہے جس طرح اس کی وضاحت ان شاء اللہ بغاۃ کے باب میں (مقولہ 20560 میں) آئے گی۔

12675۔ (قولہ: بَانَتْ) یعنی اگر ماں بھی مجوسی بن جائے اس وہم دلانے کے ساتھ اس زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں۔ احسن یہ ہے کہ متن کو اس کے حال پر باقی رکھا جائے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ شارح نے متن میں الف کا اضافہ کیا تو وہ ابوصغیرہ سے ابوا ہو گیا یعنی تثنیہ بن گیا ناسخوں نے اس کو ساقط کر دیا۔ پس نسخوں کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

امام ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے: صغیرہ کی مثل جب وہ معتوہہ حالت میں بالغ ہو وہ دین میں والدین کے تابع ہوگی۔ کیونکہ معتوہہ کا اس کی ذات کے اعتبار سے حقیقۃً اسلام نہیں ہوتا تو وہ اس اعتبار سے صغیرہ کے قائم مقام ہوگی۔

12676۔ (قولہ: بِلَا مَهْرٍ) اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں، ''ح''۔

12677۔ (قولہ: مَثَلًا) یہ ان کے قول کی طرف راجع ہے یعنی موت قید نہیں یا یہ ان کے قول نصرانیۃ کی طرف راجع ہے یعنی یا یہودیہ۔

12678۔ (قولہ: وَکَذَا عَکْسُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی ماں مجوسی ہو جائے جب کہ اس کا باپ نصرانی کے طور پر مر گیا تھا، ''ح''۔

12679۔ (قولہ: لِتَنَاهِی التَّبْعِیَّةِ) بچے کے والدین کے تابع ہونے کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

12680۔ (قولہ: بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ذِمِّیًّا الخ) یعنی جب دو کتابیوں میں سے ایک ذمی یا مسلمان کی حیثیت میں مر چکا پھر ان دونوں میں سے جو باقی تھا وہ مجوسی ہو گیا تو بچہ اس کے تابع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ان دونوں میں سے ایک مرتد ہو گیا کیونکہ مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے پس اس لئے اسلام کا حکم ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کے

أَوْ مُسْلِمًا أَوْ مُرْتَدًّا فَلَمْ تَبْطُلْ بِكُفْرِ الْآخَرِ وَفِي الْمُحِيطِ لَوْ ارْتَدَّا لَمْ تَبِنْ مَا لَمْ يَلْحَقَا، وَلَوْ بَلَغَتْ عَاقِلَةً مُسْلِمَةً ثُمَّ جُنَّتْ فَارْتَدَّا

مسلمان یا مرتد ہونے کی حیثیت میں موت کے ساتھ ختم ہو چکی ہے تو پھر دوسرے کے کفر سے باطل نہ ہوگی۔ اور ''محیط'' میں ہے: اگر دونوں مرتد ہو گئے تو عورت خاوند سے جدا نہ ہوگی جب تک وہ دونوں دارالحرب نہ چلے جائیں۔ اگر وہ بچی دانشمند مسلمان کی حیثیت سے بالغ ہوئی پھر وہ مجنون ہوگئی پھر وہ دونوں والدین مرتد ہو گئے

اسلام کے دور کی کمائی کا اس کا مسلمان وارث، وارث بنتا ہے وہ کتابی وغیرہ کی نسبت اسلام کے زیادہ قریب ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اگر والدین میں سے ایک ہمارے دار میں مسلمان یا مرتد کی حیثیت سے فوت ہوا پھر دوسرا مرتد ہو گیا اور دارالحرب میں چلا گیا وہ عورت خاوند سے جدا نہ ہوگی۔ اور جب وہ فوت ہوگی تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ کیونکہ تبعیت ایسا حکم ہے جو ایک کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں مرجانے سے متناہی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرتد ہونے کی حیثیت سے مرنے کی صورت میں متناہی ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام کے احکام قائم ہیں۔

12681۔ (قولہ: فَلَمْ تَبْطُلْ) یعنی دوسرے کے کفر سے تبعیت باطل نہ ہوگی۔ امام ''طحطاوی'' نے کہا: زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جائے تمجس الآخر دوسرے کے مجوسی ہونے سے۔ کیونکہ وہ پہلے کافر تھا۔ غایت امر یہ ہے کہ وہ کفر کی ایک ایسی حالت کی طرف منتقل ہوا ہے جو اس حالت سے زیادہ بری ہے جس پر وہ پہلے تھا۔ یہ کہنا باقی ہے کہ تبعیت بے شک متناہی ہوگئی اور ختم ہوگئی اس سے جو والدین میں سے باقی ہے کیونکہ وہ مجوسی ہو گیا ہے دونوں میں سے ایک کے مرنے سے منقطع نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو باقی ہے اگر وہ اسلام لے آتا تو اس کی بیٹی اس کے تابع رہتی۔

جواب یہ ہے: دونوں میں سے جو باقی ہے اس سے تبعیت کے منقطع ہونے سے مراد یہ ہے جب وہ ایسی حالت کی طرف منتقل ہوا جو اس حالت سے کم درجہ کی تھی جس پر پہلے تھا۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ اولاد والدین میں سے اس کے تابع ہوتی ہے جو دونوں میں دین میں بہتر ہو یا دونوں سے شر میں ضعیف ہو پس تبعیت متناہیہ یہی ہے۔ فافہم۔

12682۔ (قولہ: لَمْ تَبِنْ) کیونکہ بیٹی مسلمان ہے دونوں کے تابع ہے اور دارالاسلام کے تابع ہے، ''بحر''۔

12683۔ (قولہ: مَا لَمْ يَلْحَقَا) جب تک وہ بیٹی کو ساتھ لے کر دارالحرب نہ چلے گئے ہوں۔ اگر والدین اپنی بیٹی کو دارالحرب میں لے گئے تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ دارالاسلام کا حکم منقطع ہو چکا ہے۔ یعنی وہ عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ دار جدا ہو چکے ہیں۔ اور والدین کی تبع میں وہ عورت بھی مرتدہ ہو جائے گی۔ ''شرح تلخیص الجامع الکبیر'' میں کہا: یہ اس کے برعکس ہے جب بچی سمجھ بوجھ رکھتی ہو اور اپنی ذات کے بارے میں تعبیر کر سکتی ہو تو اس وقت وہ اپنے خاوند سے جدا نہ ہوگی اگرچہ وہ دونوں اسے اپنے ساتھ دارالحرب لے گئے ہوں مگر جب وہ خود مرتد ہو جائے۔ اس صورت میں وہ ''طرفین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک جدا ہو جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس میں تامل کیجئے۔ ساتھ ہی ہم نے پہلے (مقولہ 12664 میں) بیان کیا ہے کہ تبعیت بالغ ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔

لَمْ تَبِنْ مُطْلَقًا مُسْلِمٌ تَحْتَهُ نَصْرَانِيَّةٌ فَتَمَجَّسَا أَوْ تَنَصَّرَا بَانَتْ (وَلَا يَصِحُّ (أَنْ يَنْكِحَ مُرْتَدٌّ أَوْ مُرْتَدَّةٌ أَحَدًا) مِنَ النَّاسِ
تو مطلقاً وہ مجنونہ اپنے خاوند سے جدا نہ ہو گی۔ ایک مسلمان ہے اس کے عقد میں ایک نصرانی عورت ہے دونوں مجوسی بن جاتے ہیں یا دونوں نصرانی ہو جاتے ہیں تو عورت خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اور یہ صحیح نہیں کہ ایک مرتد یا مرتدہ مطلقاً کسی ایک سے نکاح کرے

ہم نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ دونوں بیٹی کو بھی دارالحرب لے گئے ہوں۔ کیونکہ جب والدین دارالحرب چلے گئے ہوں اور دونوں بچی کو چھوڑ گئے ہوں تو وہ جدا نہ ہو گی جس طرح ہم پہلے ''شرح التحریر'' سے (مقولہ 12588 میں) نقل کر چکے ہیں۔ ''النہر'' میں کہا: جب دونوں مجوسی بنیں یا دونوں مرتد ہوں تو ان کے درمیان جو فرق ہے اس میں تامل ہے پس تدبر کرو۔

میں کہتا ہوں: فرق ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ بیٹی مسلمان والدین کے مرتد ہونے کے ساتھ ان کی تبع اور دار کی تبع میں مسلمان رہتی ہے۔ کیونکہ مرتد حکماً مسلمان ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اس وجہ سے وہ اپنے خاوند سے جدا نہ ہو گی جب تک وہ اسے دارالحرب نہ لے جائیں۔ کیونکہ دار مختلف ہو چکے ہیں اور جبر کی ولایت ختم ہو چکی ہے۔ اس کے نصرانی والدین کے مجوسی ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ بچی مجوسی ہونے میں اپنے والدین کے تابع ہو جائے گی۔ کیونکہ انہیں نصرانیت کی طرف لوٹنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو وہ ان دو مسلمانوں کی طرح ہو گئی جو مرتد ہوئے اور دارالحرب چلے گئے اور یہ ممکن نہیں کہ بچی کو دار کے تابع کیا جائے کیونکہ والدین کی تبع باقی ہے اسی وجہ سے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ فتدبر

12684۔ (قولہ: لَمْ تَبِنْ مُطْلَقًا) خواہ وہ اسے دارالحرب لے گئے ہوں یا دارالحرب نہ لے گئے ہوں۔ کیونکہ وہ اصالۃً مسلمان ہے تبعاً مسلمان نہیں۔ اسی طرح ایسی بچی جو دانشمند ہو وہ اسلام لائی پھر مجنون ہو گئی کیونکہ وہ اصلاً اسلام میں ہے۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

12685۔ (قولہ: فَتَمَجَّسَا) یعنی مسلمان خاوند اور اس کی نصرانی بیوی اکٹھے مسلمان ہو گئے اور ان کا قول او تنصرا صحیح او تہودا ہے۔ کیونکہ مسئلہ کا موضوع ہے کہ زوجہ نصرانیہ ہے۔ ''النہر'' میں کہا: ردت کے ساتھ مقید کیا کیونکہ مسلمان اگر اس کے تحت نصرانیہ عورت ہو تو میاں بیوی دونوں یہودی ہو جاتے ہیں تو بالاتفاق ان میں فرقت واقع ہو جائے گی۔ شیخین نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے کہ اگر وہ دونوں مجوسی بنیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فرقت واقع ہو گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فرقت واقع نہیں ہو گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے خاوند کو اس حالت پر ثابت نہیں رکھا جائے گا اور عورت کو اس حالت پر ثابت رکھا جائے گا تو صورتحال ایسے ہو گئی کہ صرف خاوند اکیلا مرتد ہو گیا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرق کیا کہ مجوسی عورت مسلمان مرد کے لئے حلال نہیں پس عورت کا مجوسی بننا مرتد ہونے کی طرح ہے یعنی گویا دونوں اکٹھے مرتد ہو گئے۔

پھر جو ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اس میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیل کو موخر کیا ہے۔ اس کا ظاہر ہی معتمد

مُطْلَقًا (أَسْلَمَ) الْكَافِرُ (وَتَحْتَهُ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَصَاعِدًا أَوْ أُخْتَانِ أَوْ أُمٌّ وَبِنْتُهَا بَطَلَ نِكَاحُهُنَّ إِنْ تَزَوَّجَهُنَّ بِعَقْدٍ وَاحِدٍ، فَإِنْ رَتَّبَ فَالْآخِرُ) بَاطِلٌ وَخَيَّرَهُ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ عَمَلًا بِحَدِيثِ فَيْرُوزَ قُلْنَا كَانَ تَخْيِيرُهُ فِي التَّزَوُّجِ بَعْدَ الْفُرْقَةِ

کافر مسلمان ہوگیا اور اس کے عقد میں پانچ یا اس سے زائد عورتیں تھیں یا دو بہنیں تھیں یا ماں اور اس کی بیٹی تھی تو ان سب کے عقد نکاح باطل ہو جائیں گے۔ اگر اس نے ان عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تھا۔ اگر ترتیب سے عقد نکاح کیا تھا تو آخری باطل ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فیروز کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے خاوند کو اختیار دیا ہے۔ ہم نے کہا: اس کا اختیار فرقت کے بعد نکاح کرنے میں تھا

علیہ ہے۔ اور ''الفتح'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے۔ ''امام'' ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرقت واقع ہو جائے گی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے اس بارے میں جزم کا اظہار کیا ہے۔

12686۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ مسلمان ہو، کافر ہو یا مرتد ہو۔ نکرۂ نفی میں سے جو معنی سمجھا جا رہا تھا اس کی تاکید ہے۔

اگر کافر مسلمان ہو جائے اور اس کے عقد میں پانچ سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کا حکم

12687۔ (قولہ: وَخَيَّرَهُ مُحَمَّدٌ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو چار عورتوں کے انتخاب میں اختیار دیا ہے جو مسلمان ہوا۔ یعنی اپنی بیویوں میں سے جن چار کو چاہے اختیار کر لے۔ یعنی اگر دو بہنیں اس کے عقد میں ہوں تو جس کو چاہے اپنے پاس رکھ لے اور بیٹی کو اختیار کر لے۔ یعنی اس صورت میں بیٹی کو اختیار کرے ماں کو اختیار نہ کرے یا دونوں کو ترک کر دے۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ''غیلان دیلمی'' مسلمان ہوا اور اس کے عقد میں دس عورتیں تھیں جو اس کے ساتھ ہی اسلام لائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا تو اس نے دس بیویوں میں سے چار کو اختیار کر لیا (1) اسی طرح ''فیروز دیلمی'' مسلمان ہوا اور اس کے عقد میں دو بہنیں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا تو اس نے ان دو میں سے ایک کو اختیار کر لیا (2)۔ وہ بیٹی کو اختیار کرے۔ کیونکہ بیٹی کے ساتھ موجود نکاح ماں کے ساتھ نکاح کرنے کے زیادہ مانع ہے بنسبت اس کے کہ ماں کے ساتھ نکاح ہو وہ بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کے اتنا مانع نہیں۔

فائدہ: بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کے ساتھ ہی ماں کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے جبکہ ماں کے ساتھ نکاح کیا جائے تو بیٹی کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس کے ساتھ حقوق زوجیت بھی ادا کر لئے جائیں۔ مترجم

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب نکاح فاسد ہیں لیکن ہم ان سے تعرض نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ، جلد 1، صفحہ 605، حدیث نمبر 1942

2۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب فی الرجل یسلم وعندہ اختان، جلد 1، صفحہ 606، حدیث نمبر 1048

بَلَغَتْ الْمُسْلِمَةُ الْمَنْکُوحَةُ وَلَمْ تَصِفْ الْإِسْلَامَ بَانَتْ وَلَا مَهْرَ قَبْلَ الدُّخُولِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَذْكُرَ اللهَ تَعَالَى بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ عِنْدَهَا وَتُقِرَّ بِذَلِكَ، وَتَمَامُهُ فِي الْكَافِي

مسلمان منکوحہ بالغ ہوئی اور وہ اسلام کی صفت نہ بیان کر سکی تو وہ خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ حقوق زوجیت سے پہلے کوئی مہر نہیں۔ مناسب ہے کہ خاوند بیوی کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا ذکر کرے اور عورت اس کا اقرار کرے۔ اس کی مفصل بحث ''کافی'' میں ہے۔

انہیں اور جو کچھ وہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کو چھوڑے رہیں۔ جب وہ اسلام لے آئیں تو ان سے تعرض کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت غیلان اور حضرت فیروز کو جو اختیار دیا گیا وہ جدائی کے بعد دیا گیا کہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ ''ح عن المنح''۔ یہ جو قول ہے ''فرقت کے بعد تزوج'' تو اس سے مراد ہے کہ عقد جدید کے ساتھ نکاح کریں۔

اور بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا جو مسئلہ ذکر کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں اگر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے پھر دوسری کے ساتھ عقد نکاح کیا تو دوسری کا عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ حقوق زوجیت کی ادائیگی حرمت کو ثابت کرنے والی ہے خواہ وہ ماں کے ساتھ ہوں یا بیٹی کے ساتھ۔ اگر اس نے صرف دوسری کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے، اگر وہ دوسری ماں ہے تو بالاتفاق دونوں کا عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹی کا عقد نکاح ماں کو حرام کر دیتا ہے اور ماں کے ساتھ حقوق زوجیت کی ادائیگی بیٹی کو حرام کر دیتی ہے۔ اگر دوسری بیوی بیٹی ہو تو شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے مگر اسے اجازت ہے کہ بیٹی کے ساتھ عقد نکاح کر لے ماں کے ساتھ عقد نکاح نہ کرے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیٹی کے ساتھ عقد نکاح ہی جائز ہے جبکہ اس نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کئے ہوں یہی اس کی بیوی ہوگی اور ماں کا عقد نکاح باطل ہوگا۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔

12688۔ (قولہ: بَلَغَتْ الْمُسْلِمَةُ) اسے مسلمان ہونے کا نام دیا اس وجہ سے کہ بالغ ہونے سے پہلے والدین کی تبع میں وہ مسلمان تھی۔ اسی وجہ سے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرتدہ کا نام دیا۔ ان کا قول بانت یعنی وہ اپنے خاوند سے جدا ہو گئی۔ کیونکہ بالغ ہونے کے ساتھ جب تابع ہونا زائل ہو گیا تو اس عورت کے لئے والدین کا دین باقی رہا اور اس کا اپنا کوئی دین نہیں اور وہ ایسی کافرہ ہے جس کی کوئی ملت نہیں۔ ''شرح التلخیص'' میں اسی طرح ہے۔

12689۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْكَافِي) کیونکہ کہا: ایک مسلمان ہے جس نے ایک نابالغ نصرانی عورت سے عقد نکاح کیا اور اس کے والدین نصرانی تھے وہ بڑی ہو گئی جبکہ وہ کسی دین کو نہ سمجھتی تھی اور وہ اس کی صفت بھی بیان نہیں کرتی جبکہ وہ معتوہہ بھی نہیں تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اسی طرح صغیرہ مسلمہ ہے جب وہ دانشمند بالغ ہو، جبکہ وہ اسلام کی سمجھ بوجھ نہ رکھتی ہو اور اسلام کی صفت بھی بیان نہ کرے جبکہ وہ معتوہہ نہیں تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ اور حقوق زوجیت سے پہلے اس کے لئے کوئی مہر نہیں اور اس کے بعد اس کے لئے مہر مسمی واجب ہو جائے گا۔

....

ضروری ہے کہ خاوند تمام صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس بیوی کے پاس کرے اور اس بیوی کو کہا جائے کیا وہ اسی طرح ہے اگر بیوی کہہ دے۔ ہاں۔ تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اگر وہ کہے: میں اسے پہچانتی ہوں اور اس کے وصف کو بیان کر سکتی ہوں اور میں اس کی صفت بیان نہیں کرتی تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اگر وہ کہے: میں اس کا وصف بیان نہیں کر سکتی تو اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اگر وہ اسلام کی سمجھ رکھتی ہو اور اس کی صفت بیان نہ کرے تو وہ اپنے خاوند سے جدا نہ ہوگی۔ اور اگر وہ مجوسیہ کی صفت بیان کرے تو طرفین کے نزدیک وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ بچے کے مرتد ہونے کا مسئلہ ہے،'' ط''۔

قولہ: ولو عقلت الاسلام اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے اسلام کی سمجھ بوجھ رکھے یہ قول بلغت کے قول سے احتراز ہے۔ وہ عورت جدا نہ ہوگی کیونکہ وہ بالغ ہونے سے پہلے اپنے والدین کی تبع میں مسلمان تھی جس طرح ''شرح التلخیص'' میں ہے۔ اسی سے بچے سے اداء ایمان کے وجوب کی نفی کا استدلال کیا گیا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح التحریر'' کی فصل ثانی کے شروع میں ہے۔

''سیر احکام الصغار'' میں ہے: ان کا قول یعقل الاسلام یعنی وہ اسلام کی صفت کو سمجھتا ہو اس پر دلالت کرتا ہے جو یہ کہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وہ مسلمان نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اسلام کی صفت کو جانے۔ اور ایمان کی صفت وہ ہے جو حدیث جبریل میں ہے: کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتاب، اس کے رسولوں، یوم آخرت، موت کے بعد دوبارہ اٹھانے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھے (1)۔

ہم نے کتاب الجنائز میں (مقولہ 7559 میں) ''الفتح'' سے اس کی مثل بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، جلد 1، صفحہ 84، حدیث نمبر 55

بَابُ الْقَسْمِ

بِفَتْحِ الْقَافِ الْقِسْمَةُ وَبِالْکَسْرِ النَّصِیبُ (یَجِبُ) وَظَاهِرُ الْآیَةِ أَنَّهُ فَرْضٌ نَهْرٌ (أَنْ یَعْدِلَ) أَیْ أَنْ لَا یَجُورَ

ازواج میں باری تقسیم کرنے کے احکام

قسم یہ لفظ قاف کے فتحہ کے ساتھ ہوتو اس کا معنی تقسیم کرنا ہے اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہوتو اس کا معنی حصہ ہے۔ ضروری ہے کہ وہ انصاف کرے آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ فرض ہے ''نہر''۔ یعنی وہ ظلم نہ کرے۔

لفظ تقسیم کی لغوی تحقیق

12690۔ (قولہ: الْقِسْمَةُ) ''المغرب'' میں ہے: القسم قاف کے فتحہ کے ساتھ یہ قَسَمَ القسامُ المالَ بینَ الشرکاءِ کا مصدر ہے یعنی مال تقسیم کرنے والے نے مال شرکاء میں تقسیم کردیا اور ان کے حصے معین کردیئے۔ اسی سے عورتوں کے درمیان باری کو تقسیم کرنا ہے۔ کیونکہ خاوند ان عورتوں کے درمیان رات گزارتا اور اس کی مثل چیزوں کو تقسیم کرتا ہے: ''المصباح'' میں ہے قسمْتُه قَسْمًا یہ ضَرَبَ کے باب سے ہے۔ اور اسم، قسم کسرہ کے ساتھ ہے پھر اسے حصہ اور نصیب پر بولا گیا۔ تو کہا جاتا ہے: ھذا قِسمی یہ میرا حصہ ہے۔ اس کی جمع اقسام آتی ہے جس طرح حِمل کی جمع احمال آتی ہے۔ اور انہوں نے مال آپس میں تقسیم کرلیا۔ اس سے اسم قسمة آتا ہے اس کا اطلاق حصہ پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی جمع قِسَم ہے جس طرح سِدْرة کی جمع سِدَر آتی ہے۔ عورتوں کے درمیان باری واجب ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہاں قسم مصدر اپنے اصل معنی پر ہے اس سے قسمة مراد لینا بھی صحیح ہے یعنی تقسیم کرنا اور حصہ۔ تامل

قسم (باری) کی شرعی حیثیت

12691۔ (قولہ: وَظَاهِرُ الْآیَةِ أَنَّهُ فَرْضٌ) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء: 3) جب ظلم کا خوف ہو تو صرف ایک پر ہی اکتفا کا حکم ہے تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ وجوب کے لیے ہو۔ ساتھ ہی اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب بیویاں متعدد ہوں تو عدل بھی واجب ہے جس طرح ''الفتح'' میں کہا۔ یا یہ ندب کے لیے ہے۔ اور عدل کا واجب ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے واجب کو ترک کرنے کا خوف ہوتا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ کوئی بھی تاویل کی جائے آیت عدل کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ تامل

12692۔ (قولہ: أَیْ أَنْ لَا یَجُورَ) اس قول کے ذریعے اس اعتراض سے چھٹکارا پانے کی طرف اشارہ کیا ہے جو اعتراض ''ہدایہ'' پر کیا۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے کہا: جب ایک مرد کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر لازم ہے کہ دونوں میں عدل کرے۔ اس قول سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آزاد اور لونڈی کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں۔ اور ''الفتح'' میں یہ جواب دیا ہے

(فِيهِ) أَيْ فِي الْقَسْمِ بِالتَّسْوِيَةِ فِي الْبَيْتُوتَةِ (وَفِي الْمَلْبُوسِ وَالْمَأْكُولِ) وَالصُّحْبَةِ

یعنی باری شب باشی میں، لباس، کھانے اور صحبت میں برابری ضروری ہے۔

کہ یہاں عدل سے مراد برابری ہے ظلم کی ضد نہیں۔ جب وہ دونوں آزاد ہوں یا لونڈیاں ہوں تو خاوند پر لازم ہے کہ دونوں میں برابری کرے۔ اگر دونوں میں سے ایک آزاد اور دوسری لونڈی ہو تو ان دونوں میں برابری نہیں کرے گا بلکہ عدل کرے گا یعنی ظلم نہیں کرے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آزاد کے لیے لونڈی کے مقابلہ میں دوگنا باری رکھے گا۔ یہ وہم لفظ کے اشتراک سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن جب مصنف نے یہاں آزادی وغیرہا کی قید نہیں لگائی تو مناسب ہے کہ اس کی کلام کی تفسیر ظلم نہ کرنے سے کی جائے یعنی اس پر برابری یا اس کی ضد میں سے جو اس پر واجب ہے اس سے اعراض نہ کرے۔ پس یہ دو آزاد یا دو لونڈیوں میں برابری اور آزاد اور لونڈی میں عدم برابری کو شامل ہوگا۔ نفقہ میں بھی یہی صورتحال ہوگی۔ کیونکہ اس میں مطلقاً برابری لازم نہیں جس طرح آگے (آنے والے مقولہ میں) آئے گا۔

وہ امور جن میں مساوات ضروری ہے

12693۔(قولہ: بِالتَّسْوِيَةِ فِي الْبَيْتُوتَةِ) زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ بالتسوية کے قول کو حذف کر دیا جاتا۔ کیونکہ جس طرح تو جان چکا ہے یہ آزاد اور لونڈی میں واجب نہیں بلکہ اس کا عدم، واجب ہے۔ بعض اوقات اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مراد برابری ہے خواہ اثبات کی صورت میں ہو یا نفی کی صورت میں ہو۔ یعنی ضروری ہے کہ آزاد اور لونڈی کے ہوتے ہوئے برابری کو ثابت کر کے ظلم نہ کرے اور جب دو بیویاں آزاد ہوں اور لونڈیاں ہوں تو برابری کی نفی کر کے ظلم نہ کرے۔ اور دن کے وقت ان کے ہاں ٹھہرنے کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بغیر اندازہ کے فی الجملہ واجب ہوتا ہے جس طرح عنقریب آگے (مقولہ 12733 میں) آئے گا۔

12694۔(قولہ: وَفِي الْمَلْبُوسِ وَالْمَأْكُولِ) یعنی لباس، کھانے اور رہائش میں برابری کرے۔ اگر نفقہ سے تعبیر کرتے تو یہ سب کو شامل ہوتا۔ پھر اس قول کا عطف فيه پر ہے۔ ضمیر قسم کے لیے ہے جس سے مراد صرف رات گزارنا ہے قرینہ عطف ہے۔ تو یہ جان چکا ہے کہ اس کی کلام میں عدل، ظلم نہ ہونے کے معنی میں ہے تسویہ کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ یہ نفقہ میں مطلقاً لازم نہیں۔ ''البحر'' میں کہا: ''البدائع'' میں کہا: اس پر لازم ہے کہ دو آزاد اور دو لونڈیوں میں کھانے، پینے، لباس، رہائش اور رات گزارنے میں برابری کرے۔ ''الولوالجی'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ اس کے قول کے مطابق ہے جس نے نفقہ میں صرف مرد کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ مگر جو قول مفتی بہ ہے جس میں مرد اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اس قول کے مطابق یہ لازم نہیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کبھی غنی ہوتی ہے اور دوسری فقیر ہوتی ہے تو نفقہ میں مطلقاً برابری لازم نہیں آتی۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصنف نے ''المنح'' میں جو ذکر کیا ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ متن میں جو قول ہے یہ اس امر پر مبنی ہے کہ خاوند کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

12695۔(قولہ: وَالصُّحْبَةِ) مناسب یہ تھا کہ اس قول کا ذکر فی البیوتة کے بعد ہو۔ کیونکہ صحبة یعنی معاشرت اور

(لَافِي الْمُجَامَعَةِ) كَالْمَحَبَّةِ بَلْ يُسْتَحَبُّ وَيَسْقُطُ حَقُّهَا بِمَرَّةٍ وَيَجِبُ دِيَانَةً أَحْيَانًا

حقوق زوجیت میں برابری ضروری نہیں جس طرح محبت میں برابری ضروری نہیں بلکہ یہ مستحب ہے۔ اس کا حق ایک دفعہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے ساقط ہو جائے گا۔ اور کبھی کبھی حقوق زوجیت ادا کرنا دیانۃً واجب ہوگا۔

موانست رات گزارنے کا ثمرہ ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: خاوندوں پر عورتوں کے لیے جو واجب ہے ان میں سے یہ ہے کہ جن امور کا خاوند مالک ہے ان میں مرد کا بیویوں میں عدل اور برابری کرنا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صحبت اور موانست کے لیے رات گزارنا واجب ہے۔ جن چیزوں کا وہ مالک نہیں ان میں عدل اور برابری واجب نہیں وہ محبت اور حقوق زوجیت ہے۔

12696۔ (قولہ: لَافِي الْمُجَامَعَةِ) کیونکہ حقوق زوجیت کی ادائیگی نشاط پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض علما نے کہا: اگر اس نے حقوق زوجیت ادا کرنے کو ترک کیا کیونکہ طبیعت اس طرف مائل نہ تھی تو وہ معذور ہوگا۔ اگر اس نے طبیعت کے مائل ہونے کے باوجود اس امر کو ترک کیا تو معذور نہیں ہوگا۔ اور اس کا میلان اس کی سوکن کی طرف زیادہ قوی ہو تو یہ ایسا امر ہے جو اس کی قدرت کے تحت داخل ہے ''فتح''۔ گویا یہ غیر کا مذہب ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' اور ''النہر'' میں ذکر نہیں کیا۔ تامل

حقوق زوجیت میں مساوات مستحب ہے

12697۔ (قولہ: بَلْ يُسْتَحَبُّ) یعنی حقوق زوجیت کا جو ذکر کیا ہے اس میں برابری مستحب ہے ''ح''۔ جہاں تک محبت کا تعلق ہے یہ دل کا میلان ہے اس پر خاوند مالک نہیں ہوتا۔ ''الفتح'' میں کہا: مستحب یہ ہے کہ لطف اندوز ہونے کی جتنی صورتیں ہیں جیسے وطی کرنا اور بوسہ لینا سب میں برابری کرے۔ اسی طرح لونڈیوں اور امہات اولاد میں بھی ایسا کرے تا کہ انہیں زنا کی شہوت اور فاحشہ کی طرف میلان سے محفوظ رکھے۔ کوئی چیز واجب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء: 3)

12698۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ حَقُّهَا بِمَرَّةٍ) ''الفتح'' میں کہا: یہ چیز جان لو کہ مرد کے لیے مطلقاً عورت سے جماع کو ترک کرنا حلال نہیں۔ ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ کبھی کبھی بیوی سے جماع کرنا مرد پر دیانۃً واجب ہے۔ لیکن قضاءً اور الزام کے تحت صرف پہلی وطی داخل ہوگی۔ اس میں علما نے کسی مدت کو معین نہیں کیا۔ اور ضروری ہے کہ ایلاء کی مدت تک نہ پہنچے مگر عورت اس پر راضی ہو اور خوش ہو۔ ''النہر'' میں کہا: اس کلام میں یہ تصریح ہے کہ ایک دفعہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے بعد جماع مرد کا حق ہے عورت کا حق نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ یہ مرد کا حق ہے اور عورت کا بھی ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ یہ دیانۃً واجب ہے۔ ''البحر'' میں کہا: جب یہ معلوم ہو گیا کہ وطی باری کے تحت داخل نہیں۔ کیا یہ بیوی کے لیے واجب ہے؟ ''البدائع'' میں ہے: عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے وطی کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ مرد کا اس کے لیے حلال ہونا عورت

وَلَا يَبْلُغُ مُدَّةَ الْإِيلَاءِ إِلَّا بِرِضَاهَا،
اور حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی کا عرصہ ایلاء کی مدت تک نہ پہنچے مگر عورت کی رضامندی سے۔

کا حق ہے جس طرح عورت کا مرد کے لیے حلال ہونا مرد کا حق ہے۔ جب عورت خاوند سے مطالبہ کرے تو خاوند پر واجب ہے۔ اور حکم میں ایک دفعہ مرد کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ زیادتی دیانۃً واجب ہوگی حکم میں واجب نہیں ہوگی۔ یہ ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک ہے۔ اور بعض کے نزدیک حکم میں زیادتی خاوند پر واجب ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شارح پر لازم تھا کہ کہتا: قضا میں عورت کا حق ایک دفعہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے پورا ہو جائے گا۔ یعنی اگر خاوند نے بیوی سے ایک دفعہ بھی حقوق زوجیت ادا نہ کیے تو قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے گا۔ پھر عقد کو فسخ کر دے گا۔ اگر ایک دفعہ خاوند نے عورت سے حقوق زوجیت ادا کیے تو قاضی خاوند سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ کیونکہ قاضی کو علم ہو گیا ہے کہ وہ عقد کے وقت عنین نہیں بلکہ اسے حکم دے گا کہ وقتاً فوقتاً زائد بار اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے۔ کیونکہ یہ خاوند پر واجب ہے۔ مگر مرض یا نامردو غیرہ کے عذر ہونے کی وجہ سے واجب نہیں۔ ظہار کے باب میں عنقریب (مقولہ 14801 میں) آئے گا کہ قاضی کے ذمہ ہے کہ وہ مظاہر کو مجبور کرے کہ وہ کفارہ دے تا کہ وہ اپنی بیوی سے ضرر کو دور کرے۔ قاضی اسے قید کر دے یا اسے مارے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے یا اسے طلاق دے یہ گزشتہ قول کی تائید کرتا ہے کہ اس پر حکم میں زیادتی واجب ہوتی ہے۔ ''فتامل''

12699۔ (قولہ: وَلَا يَبْلُغُ مُدَّةَ الْإِيلَاءِ) ''الفتح'' میں اس قول ویجب ان لا یبلغ کے ساتھ تعبیر (مقولہ 12698 میں) گزر چکی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے یہ قول منقول ہے۔ لیکن اس سے قبل باری کی مقدار کا ذکر کیا کہ خاوند کو نہیں چاہیے کہ وہ ایلاء کی مدت تک چھوڑے رکھے وہ چار ماہ ہے۔ یہ ان کی جانب سے بحث ہے جس طرح عنقریب شارح اس کا ذکر (مقولہ 14427 میں) کریں گے۔

ظاہر یہ ہے جو یہاں ہے وہ اس بحث پر مبنی ہے، تامل۔ پھر ان کا قول وھو اربعۃ اشھر فائدہ دیتا ہے کہ مراد آزاد عورت کے ایلاء کی مدت ہے۔ اس کی تائید یہ امر بھی کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک رات عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

فو اللهِ لولا اللهُ تُخشٰی عَواقِبُه لَزُحْزِحَ من هذا السرير جوانبه

اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر نہ ہوتا تو اس چارپائی کی اطراف اپنی جگہ سے ہلا دی جاتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں پوچھا تو اس کا خاوند جہاد میں مصروف تھا حضرت عمر نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بیوی اپنے خاوند سے کتنے دن تک صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہ نے فرمایا: چار ماہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے امراء کو حکم دیا کہ وہ آدمی جو شادی شدہ ہے وہ اس عرصہ سے زائد اپنے اہل سے غائب نہ رہے۔ اگر اس مدت میں عورت کے لیے زیادہ تکلیف نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایلاء میں فراق کو مشروع نہ کرتا۔

وَيُؤْمَرُ الْمُتَعَبِّدُ بِصُحْبَتِهَا أَحْيَانًا، وَقَدَّرَهُ الطَّحَاوِيُّ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مِنْ كُلِّ أَرْبَعٍ لِحُرَّةٍ وَسَبْعٍ لِأَمَةٍ وَلَوْ تَضَرَّرَتْ مِنْ كَثْرَةِ جِمَاعِهِ لَمْ تَجُزِ الزِّيَادَةُ عَلَى قَدْرِ طَاقَتِهَا، وَالرَّأْيُ فِي تَعْيِينِ الْمِقْدَارِ لِلْقَاضِي بِمَا يَظُنُّ طَاقَتَهَا نَهْرٌ بَحْثًا

اور جو عبادت گزار ہے اسے بھی حکم دیا جائے گا کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کرے۔ اور امام ''طحاوی'' نے آزاد عورت کے لیے چار دنوں میں سے ایک دن اور ایک رات مقدر کی ہے اور لونڈی کے لیے سات دنوں میں سے ایک دن مقرر کیا ہے۔ اگر خاوند کے حقوق زوجیت ادا کرنے سے عورت کو تکلیف ہوتی ہو تو عورت کی طاقت سے زائد زیادتی جائز نہیں۔ اور مقدار کی تعیین میں رائے قاضی کی معتبر ہوگی جس قدر وہ اس عورت کی طاقت کا گمان کرے ''نہر''۔ بحث کرتے ہوئے کہا۔

12700۔ (قولہ: وَيُؤْمَرُ الْمُتَعَبِّدُ) ''الفتح'' میں ہے: جب خاوند کی ایک بیوی ہو اور وہ اس سے اعراض کرتے ہوئے عبادت یا لونڈیوں میں مشغول رہے۔ امام ''طحاوی'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو ''حسن'' کی روایت ہے اسے اختیار کیا ہے کہ چار دنوں میں سے ایک دن اور رات اس عورت کا حق ہے اور باقی ماندہ دن خاوند کا حق ہے۔ کیونکہ خاوند کو اختیار ہے کہ وہ تین اور آزاد عورتوں سے عقد نکاح کر کے تین دنوں میں اس کا حق ساقط کر دے۔ اگر بیوی لونڈی ہو تو سات دنوں میں ایک دن اور ایک رات اس کا حق ہے۔ ظاہر مذہب یہ ہے کہ مقدار متعین نہیں۔ کیونکہ باری معناً نسبی ہے۔ باری بنانے کو واجب کرنا اس کے ایجاد کی طلب کرنا ہے یہ منتسبین کے وجود پر موقوف ہے۔ پس اس کے تصور سے پہلے اسے طلب نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رات گزارے اور کبھی کبھی اس سے صحبت کرے مگر کوئی وقت معین نہیں۔ ''النہر'' میں ''البدائع'' سے منقول ہے۔ امام ''حسن'' نے جو قول روایت کیا ہے وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور یہ کچھ بھی نہیں۔

فائدہ: باری حقیقت میں اس وقت لازم آتی ہے جس وقت متعدد بیویاں ہوں۔ جب متعدد بیویاں نہیں تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ایک بیوی کے لیے باری کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ مترجم۔

12701۔ (قولہ: وَسَبْعٍ لِأَمَةٍ) کیونکہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ اس لونڈی جو اس کی بیوی ہے اس کے علاوہ تین آزاد عورتوں سے شادی کر سکتا ہے۔ پس خاوند ان عورتوں کے لیے چھ دن معین کرے گا اور اس لونڈی بیوی کے لیے ایک دن معین کرے گا۔

حقوق زوجیت کی ادائیگی میں عورت کی طاقت کو مدنظر رکھا جائے گا

12702۔ (قولہ: نَهْرٌ بَحْثًا) کہا: نظر و فکر کا تقاضا یہ ہے کہ خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت کی طاقت سے بڑھ کر اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے۔ جہاں تک مقدار کی تعیین کا تعلق ہے تو میں اپنے ائمہ کے ہاں اس پر مطلع نہیں ہوا۔ ہاں کتب مالکیہ میں اختلاف موجود ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قاضی ان دونوں پر رات میں چار دفعہ اور دن میں چار دفعہ

....

کا فیصلہ کرے گا۔ ایک قول یہ کیا ہے: دن اور رات میں چار دفعہ کا فیصلہ کرے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دن رات میں دس دفعہ مروی ہے۔ ''دقائق بن فرحون'' میں ہے: بارہ دفعہ۔ میرے نزدیک اس میں رائے قاضی کی ہوگی۔ وہ اپنے ظن غالب کے مطابق فیصلہ کرے گا کہ عورت کتنی دفعہ کی طاقت رکھتی ہے۔ ''حموی'' نے اس کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: چاہیے کہ قاضی اس عورت سے پوچھے کہ وہ کتنی دفعہ کی طاقت رکھتی ہے۔ پس قول عورت کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے مطابق۔ کیونکہ اس کا علم عورت کی جانب سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہ قواعد کے موافق ہے۔

مگر اس کا انحصار قاضی کے گمان پر منحصر ہونا، اگر یہ صحیح نہ ہو، تو یہ حقیقت سے بعید ہوگا۔ اسے ذہن نشین کرلو۔ ''ابن مجد'' نے اس کی تصریح کی ہے کہ ''تاسیس النظائر'' وغیرہ میں ہے کہ جب ہمارے اصحاب کی کتب میں حکم میں کوئی نص موجود نہیں تو امام ''مالک'' کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور میں کہتا ہوں: میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا کہ عورت کو اگر اس وجہ سے تکلیف ہو کہ اس مرد کا آلہ تناسل بڑا ہے خواہ وہ موٹا ہو یا لمبا ہو یہ واقعہ الفتویٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ابن مجد'' سے جو نقل کیا ہے وہ مشہور نہیں اور جس نے اس کے علاوہ ذکر کیا ہو میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ہاں ''الدرر المنتقی'' میں رجعت کے باب میں ''قہستانی'' سے انہوں نے ''دیباجۃ المصفی'' سے نقل کیا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب ضرورت کی بنا پر ان کے اقوال کی طرف مائل ہوئے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو۔ ہمارے نزدیک علما نے اس کی تصریح بیان کی ہے کہ بیوی جب چھوٹی عمر کی ہو جو وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اسے خاوند کے سپرد نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی طاقت رکھے۔ صحیح یہ ہے کہ عمر کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ معاملہ قاضی کے سپرد ہوگا کہ وہ عورت کے موٹاپے اور کمزوری کو دیکھے۔ ہم نے پہلے ''التاتر خانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ بالغہ عورت جب وطی کی استطاعت نہ رکھتی ہو تو خاوند کے پاس بھیجنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ان کا قول لا تحتمل اسے شامل ہوگا اگر وہ عورت ضعف، کمزوری یا اس کے آلہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے برداشت نہ کرسکتی ہو۔ ''الاشباہ'' میں حشفہ کے چھپ جانے کے احکام میں ہے۔ جن صورتوں میں خاوند پر بیوی سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے جب کہ نکاح باقی ہو کہا: جب عورت وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو وہ صغرسنی کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے ہو یا مرد کے موٹا ہونے کی وجہ سے ہو۔ بعض اوقات اس کے موٹا ہونے سے مراد مرد کے آلہ کا بڑا ہونا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے ''الوہبانیہ'' پر اپنی شرح میں بیان کیا ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے تو وہ عورت مرگئی یا اس کے دونوں راستے ایک ہوگئے اگر وہ نابالغ ہو، اسے مجبور کیا گیا ہو یا وہ عورت اس کی طاقت نہ رکھتی ہو تو بالاتفاق مرد پر دیت لازم ہوگی۔

اس تمام گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ مرد کے لیے اس عورت سے ایسے طریقہ سے وطی کرنا حلال نہیں جو عورت کے ضرر کا باعث ہو۔ عورت کتنی دفعہ حقوق زوجیت پر قدرت رکھتی ہے یہ امر قاضی کی رائے یا عورتوں کے خبر دینے پر منحصر ہوگا۔ اگر اس طریقہ سے معلوم نہ ہو تو عورت کے قول پر منحصر ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا آلہ تناسل اگر موٹا ہو۔ اگر آلہ تناسل لمبا ہو تو مرد کو اتنا ہی داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا جس قدر وہ عورت برداشت کرسکتی ہے یا اتنی مقدار داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا جس قدر ایک

(بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ فَحْلٍ وَخَصِيٍّ وَعِنِّينٍ وَمَجْبُوبٍ وَمَرِيضٍ وَصَحِيحٍ) وَصَبِيٍّ دَخَلَ بِامْرَأَتِهِ وَبَالِغٍ لَمْ يَدْخُلْ بَحْرٌ بَحْثًا، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَمَرِيضَةٍ وَصَحِيحَةٍ

کوئی فرق نہ ہوگا شب باشی میں اس کے لیے جو خاوند حقوق زوجیت ادا کرسکتا ہے، جو خصی ہے، جو عنین ہے، جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہے، جو مریض ہے اور جو صحت مند ہے اور اس بچے میں جو اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کر چکا ہے۔ اور ایسا بالغ خاوند جس نے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔ ''بحر'' میں بحث کرتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ عورت مریضہ ہو، صحت مند ہو،

معتدل آدمی کا آلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعلم

16703۔ (قولہ: بِلَا فَرْقٍ) کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ باری کا واجب ہونا یہ صحبت اور موانست کے لیے ہے مجامعت کے لیے نہیں تو خاوند کی حیثیت مختلف ہو تو کوئی فرق نہ ہوگا ''بحر''۔

16704۔ (قولہ: وَمَرِيضٍ) ''البحر'' میں کہا: پس خاوند کی حالت مرض میں اس کی باری کی کیفیت کو نہیں جانتا جب کہ وہ دوسری بیوی کے گھر تک نہ جاسکتا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے جب وہ صحیح ہو تو وہ دوسری کے پاس اتنے دن جائے جتنے دن حالت مرض میں وہ پہلی کے پاس قیام پذیر رہا۔ اس امر میں کوئی خفا نہیں جب چکر لگانے میں مقدار کا معاملہ مریض کے دائرہ اختیار میں ہے جب وہ صحت مند ہو تو حالت مرض میں بدرجہ اولیٰ اس کے اختیار میں ہوگا۔ جب وہ پہلی بیوی کے پاس ایک مدت قیام پذیر رہا تو دوسری کے پاس بھی اتنی ہی مقدار مقیم رہے، ''نہر''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس صورت میں ہے جب وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنی اقامت کی مدت کو باری بنا دے تا کہ یہ اس کے منافی نہ ہو جو آگے آئے گا کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس ایک ماہ قیام کرے تو جو وقت گزر چکا ہے اس میں باری ختم ہو جائے گی۔

16705۔ (قولہ: وَصَبِيٍّ دَخَلَ بِامْرَأَتِهِ) جو ''البحر'' وغیرہ میں ہے وہ بامراتیہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ ''البحر'' میں کہا: کیونکہ اس باری کا وجوب عورتوں کے حق کے لیے ہے۔ اور بندوں کے حقوق بچوں پر اس وقت متوجہ ہوتے ہیں جب سبب متکرر ہو۔ ''الفتح'' میں ہے: امام ''مالک'' نے کہا: بچے کا ولی اس بچے کو اس کی بیویوں کے پاس لے جائے۔ اس کا ظاہر معنی ہے کہ ہمارے نزدیک بچہ کسی چیز پر مطلع نہیں۔ اور چاہیے کہ ولی گناہگار ہوا گر وہ اس بچے کو اس امر کا حکم نہ دے اور اسے اس کا عادی نہ بنائے۔ ''خیر رملی'' نے کہا: ''الخانیہ'' میں صبی کے لیے مراہق کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ صبی مراہق کے علاوہ پر کوئی باری لازم نہیں۔ یہ کوئی قید نہیں بلکہ وہ آدمی جو تمیز رکھتا ہے وطی پر قدرت رکھتا ہے اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

16706۔ (قولہ: وَبَالِغٍ لَمْ يَدْخُلْ) اگر اس نے حقوق زوجیت ادا کر لیے ہوں تو اس کا حکم بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہو گا، ''ح''۔

12707۔ (قولہ: بَحْرٌ بَحْثًا) یہ وبالغ لم یدخل کے قول کی طرف راجع ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے اگر

(وَحَائِضٍ وَذَاتِ نِفَاسٍ وَمَجْنُونَةٍ لَا تُخَافُ وَرَتْقَاءَ وَقَرْنَاءَ) وَصَغِيرَةٍ يُمْكِنُ وَطْؤُهَا وَمُحْرِمَةٍ وَمُظَاهَرٍ

حائضہ ہو نفاس والی ہو اور مجنونہ ہو جس سے کوئی خوف نہ ہو وہ عورت رتقاء ہو قرناء ہو۔ اور ایسی صغیرہ جس کے ساتھ وطی کرنا ممکن ہو، جس نے احرام باندھا ہوا ہو، جس کے ساتھ ظہار کیا گیا ہو،

صغیر نے بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے تو ایسے خاوند کا بیوی کے پاس ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ بالغ پر باری لازم ہوگی اس بیوی کے لیے جو مدخول بہا نہ ہو۔ کیونکہ ایسا خاوند اس عورت کے پاس ہو تو عورت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بچے کی بیوی میں علما نے حقوق زوجیت کی قید لگائی ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ بچے کا حقوق زوجیت ادا کرنا قید نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کہ بلوغ کی عمر کو پہنچ چکا ہو اور صحبت اور انس اس سے حاصل ہوتا ہو۔ اسی وجہ سے ''الخانیہ'' میں حقوق زوجیت کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ کہا: مراہق اور بالغ باری میں برابر ہیں۔ ''محیط'' میں ان کا قول وان لم یدخل سے مراد ہے کہ وہ اس عمر کو نہ پہنچا ہو۔ اس کا قرینہ ان کا یہ قول ہے: فلا فائدة فی كونه معها۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو فائدہ ہے جب مراہق اس کے پاس ہو کیونکہ اس سے عورت کو انس اور معاشرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس سے زیادہ نفع کا باعث ہے جب وہ اکیلی ہو۔ اس وقت مراہق اور بالغ میں باری کے واجب ہونے میں کوئی فرق نہیں جس طرح ''خانیہ'' کی عبارت اس میں صریح ہے۔ یہ حقوق زوجیت کے بعد اور اس سے قبل دونوں حالتوں کو شامل ہے کیونکہ اس کے وجوب کا سبب عقد نکاح ہے جس طرح ''بدائع'' میں ہے۔ جب حقوق زوجیت سے پہلے اس پر نفقہ واجب ہے تو خاوند پر یہ بھی واجب ہے کہ اس کے ساتھ رات گزارنے میں باری بنائے۔ جب وہ بیوی اپنے اہل کے ہاں رہنے پر راضی نہ ہوتا کہ اس بیوی کے احوال کی اصلاح کرے ورنہ وہ مرد اس عورت پر ظلم کرنے والا ہوگا۔

12708۔ (قولہ: وَمَجْنُونَةٍ لَا تُخَافُ) فعل تا کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی خاوند کو اس عورت سے کوئی خوف نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عورت مارتی نہ ہو اور اذیت نہ دیتی ہو۔ کیونکہ اس وقت خاوند پر اس بیوی کا نفقہ اور رہائش واجب ہے بصورت دیگر عورت نشوز اختیار کرنے والی ہوگی۔

12709۔ (قولہ: يُمْكِنُ وَطْؤُهَا) ''الخانیہ'' وغیرہا میں اسے مراہقہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ''خیر رملی'' نے ''حاشیہ المنح'' میں کہا: جس کے ساتھ وطی کرنا ممکن نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ایسی بیوی کا کوئی حق نہیں ہوتا اسے خود جان لے۔ ''المنح'' کے بہت سے نسخوں میں جو یہ عبارت ہے: لا یمکن وطؤها اس سے دھوکہ نہ کھا۔ کیونکہ وہ عبارت غلط ہے۔

12710۔ (قولہ: وَمُحْرِمَةٍ) یعنی وہ حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھے ہوئے ہو، ''ط''۔

12711۔ (قولہ: وَمُظَاهَرٍ) یہ کلمہ ہاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کا قول و مولی میم کے ضمہ اور واؤ کے سکون اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کے آخر میں تنوین ہے۔ یہ کلمہ ایلاء سے مشتق ہے۔ وقولہ: منها، مُظَاهَر اور مُوْلیٰ میں سے ہر ایک اس میں نزاع کرنے والے ہیں (یعنی تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوتا ہے)، ''ح''۔

وَمُولًى مِنْهَا وَمُقَابِلَاتِهِنَّ، وَكَذَا مُطَلَّقَةٌ رَجْعِيَّةً إِنْ قَصَدَ رَجْعَتَهَا وَإِلَّا لَا بَحْرٌ (وَلَوْ أَقَامَ عِنْدَ وَاحِدَةٍ شَهْرًا فِي غَيْرِ سَفَرٍ)

جس سے ایلا کیا گیا ہو اور ان کی جو مقابل عورتیں ہیں۔ اسی طرح وہ عورت جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو اگر اس کے ساتھ رجوع کا ارادہ رکھتا ہو ورنہ نہیں۔ ''بحر''۔ اگر خاوند نے ایک کے پاس سفر کے علاوہ میں ایک ماہ تک قیام کیا

12712۔(قولہ: وَمُقَابِلَاتِهِنَّ) حائض سے لے کر آخر تک جن عورتوں کا ذکر کیا سب کی مقابل مراد ہیں۔ ''ط''۔

12713۔(قولہ: رَجْعِيَّةً) یہ منصوب ہے۔ کیونکہ یہ محذوف مفعول مطلق کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وکذا مطلقة طلقة رجعية، ''ح''۔

تنبیہ

''النہر'' میں کہا: میں نے اس منکوحہ کا حکم نہیں دیکھا جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی جب کہ وہ عدت گزار رہی تھی اور اسے کسی دَین میں محبوس کیا گیا تھا جس قرض کو ادا کرنے کی اسے قدرت نہ ہو اور جو عورت نافرمانی کرنے والی ہو۔ کتب شافعیہ میں مذکور ہے کہ ان سب کے بارے میں کوئی باری نہیں۔ میرے نزدیک اس عورت کی باری واجب ہے جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو۔ یہ ان کے اس قول سے اخذ کیا ہے: یہ محض اس کے لیے انس اور وحشت کو دور کرنے کے لیے ہے۔ جس عورت کو محبوس کیا گیا ہو اس میں تردد ہے۔ جو عورت نافرمانی کرنے والی ہو چاہیے کہ اس کی باری کے ساقط ہونے میں کوئی تردد نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب وہ خاوند کے گھر سے نکل گئی تو وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہوگئی۔

''حموی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جس عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی جب وہ اس وطی کی عدت گزار رہی ہو تو اس کے لیے خاوند پر کوئی نفقہ نہ ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ باری سے مراد شب باشی، نفقہ اور رہائش میں برابری کرنا ہے۔ بعض فضلاء نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ اس کے لیے اگر باری مقرر کی جائے تو خوف ہے کہ خاوند حرام فعل کا ارتکاب کرے کیونکہ اس وقت وہ غیر کی عدت گزار رہی ہے۔ مرد پر اس عورت کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا حرام ہے۔ پس عورت کے لیے باری واجب نہ ہوگی۔ وہ عورت جس کو قرض میں محبوس کیا گیا ہے اس کا حکم بھی یہی ہے۔ کیونکہ مرد پر اگر اس کے لیے باری کو واجب کیا جائے تو قید میں داخل ہونے کے ساتھ خاوند کو ضرر لاحق ہوگا۔

اگر خاوند ایک عورت کے پاس ایک ماہ ٹھہرا دوسری نے جھگڑا کیا تو اس کا حکم

12714۔(قولہ: وَلَوْ أَقَامَ عِنْدَ وَاحِدَةٍ شَهْرًا) یعنی خصومت سے پہلے یا اس کے بعد وہ ایک عورت کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرا، ''خانیہ''۔

12715۔(قولہ: فِي غَيْرِ سَفَرٍ) جب مرد نے دونوں بیویوں میں سے ایک کے ساتھ سفر کیا تو دوسری کو کوئی حق نہیں کہ خاوند اس کے پاس اتنا عرصہ رہے جتنا عرصہ اس نے دوسری بیوی کے ساتھ سفر کیا۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

ثُمَّ خَاصَمَتْهُ الْأُخْرَى) فِي ذَلِكَ (يُؤْمَرُ بِالْعَدْلِ بَيْنَهُمَا فِي الْمُسْتَقْبَلِ وَهُدِرَ مَا مَضَى وَإِنْ أَثِمَ بِهِ) لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَكُونُ بَعْدَ الطَّلَبِ (وَإِنْ عَادَ إِلَى الْجَوْرِ بَعْدَ نَهْيِ الْقَاضِي إِيَّاهُ عُزِّرَ) بِغَيْرِ حَبْسٍ جَوْهَرَةٌ لِتَفْوِيتِهِ الْحَقَّ،

پھر دوسری نے اس مسئلہ میں خاوند سے مخاصمت کی تو آئندہ زمانہ میں دونوں کے درمیان عدل کا حکم دیا جائے گا اور جو عرصہ گزر چکا ہے وہ رائیگاں جائے گا اگرچہ وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ باری طلب کے بعد ہوتی ہے۔ اگر قاضی کے منع کرنے کے بعد پھر ظلم کی طرف لوٹا تو اسے قید کیے بغیر تعزیر لگائی جائے گی ''جوہرہ''۔ کیونکہ خاوند نے حق کو فوت کیا ہے۔

12716۔ (قولہ: وَهُدِرَ مَا مَضَى) عورت کو حق حاصل نہیں کہ وہ مطالبہ کرے کہ خاوند اس کے پاس اس کی مثل ٹھہرے۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔ نظر وفکر جس امر کا تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے جب عورت مطالبہ کرے تو اسے پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ انسان کا حق ہے اور اسے حق پورا کرنے کی قدرت ہے ''فتح''۔ ''النہر'' میں اس کے ساتھ جواب دیا جسے شارح نے علت بیان کرنے کے انداز میں ذکر کیا۔ ''رحمتی'' نے کہا: یہ چیز نفقہ سے بڑھ کر نہیں اور نفقہ وقت گزرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔

12717۔ (قولہ: لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَكُونُ بَعْدَ الطَّلَبِ) یہ قول ہدر ما مضی کی علت ہے۔ ہم نے پہلے ''البدائع'' سے (مقولہ 12707 میں) نقل کیا ہے کہ باری کے وجوب کا سبب عقد نکاح ہے اسی وجہ سے طلب سے قبل ترک کرنے کی صورت میں وہ گنہگار ہوگا۔ یہ ''الفتح'' کی بحث کی تائید کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے معنی یہ ہے کہ قاضی کی جانب سے باری پر جبراً طلب کے بعد ہوگا ورنہ یہ لازم آئے گا اگر عورت نے اس کا مطالبہ کیا پھر خاوند نے ظلم کیا تو اس پر قضا لازم ہوگی۔ ہم نے پہلے جو ''الخانیہ'' سے قول قبل الخصومة او بعدھا (مقولہ 12714 میں) نقل کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ ''البزازیہ'' وغیرہا میں مسئلہ کی تعلیل اس طرح ہے کہ باری ذمہ میں قرض نہ بنے گی۔ کیونکہ یہ طلب کے بعد کو شامل ہے۔

12718۔ (قولہ: بَعْدَ نَهْيِ الْقَاضِي) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ پہلی دفعہ ایسا کرنے سے اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی۔ ''البحر'' میں اس کی بھی تصریح کی ہے، ''ط''۔

12719۔ (قولہ: عُزِّرَ بِغَيْرِ حَبْسٍ) اسے قید میں ڈالے بغیر تعزیر لگائی جائے گی بلکہ اسے ایسی سزا دی جائے گی جو اس کو درد دے اور قاضی اسے عدل کرنے کا حکم دے گا۔ کیونکہ اس نے آداب کی خلاف ورزی کی اور اس جرم کا ارتکاب کیا جو اس پر حرام تھا اور یہ ظلم ہے ''معراج''۔ یہ علما کے اس قول سے مستثنیٰ ہے کہ قاضی کو تعزیر کے انتخاب میں اختیار ہے وہ مارے یا اسے قید کر دے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: اگر وہ قریبی رشتہ دار پر مال خرچ کرنے سے رک جائے تو پھر بھی یہی حکم ہوگا۔

12720۔ (قولہ: لِتَفْوِيتِهِ الْحَقَّ) ضمیر جس کے لیے ہے ''ح''۔ ''جوہرہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ قید کرنے سے حق حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہ حق فوت ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَقُلْ إِنَّمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ خِيَارَ الدَّوْرِ لِيْ، فَحِيْنَئِذٍ يَقْضِي الْقَاضِي بِقَدْرِهِ نَهْرٌ بَحْثًا (وَالْبِكْرُ وَالثَّيِّبُ وَالْجَدِيْدَةُ وَالْقَدِيْمَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالْكِتَابِيَّةُ سَوَاءٌ) لِإِطْلَاقِ الْآيَةِ

یہ اس وقت ہوگا جب خاوند یہ نہ کہے: میں نے یہ اس لیے کیا ہے کیونکہ چکر لگانے کا اختیار میرے پاس ہے۔ اس وقت قاضی اتنے دنوں کا فیصلہ کرے گا جتنے دن وہ پہلی بیوی کے پاس ٹھہرا۔ ''نہر''۔ بحث کرتے ہوئے ذکر کیا۔ باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی، مسلمان اور کتابیہ اس میں برابر ہیں۔ کیونکہ آیت مطلق ہے۔

کہ باری صحبت اور موانست کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قید کے عرصہ میں یہ چیز اس سے فوت ہو جائے گی۔ اسی طرح جب وہ اپنے قریبی پر مال خرچ نہ کرے تو علما نے قید نہ کرنے کی علت بیان کی ہے۔ فافہم

12721۔ (قولہ: فَحِيْنَئِذٍ يَقْضِي الْقَاضِي بِقَدْرِهِ) اس عورت کے حق میں قاضی اتنے دنوں کا فیصلہ کر دے جس نے جھگڑا کیا ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ اس طرح نہ کہے تو جو عرصہ گزر چکا ہے اس میں حق ساقط ہو جائے گا جب کہ یہ مخاصمت اور طلب کے بعد ہو۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ باری قرض نہیں ہوتی۔ مقدار کو مطلق ذکر کیا ہے جب کہ اس میں وہ گفتگو ہے جو آگے آ رہی ہے۔

باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی، مسلمان اور کتابیہ باری میں برابر ہیں

12722۔ (قولہ: وَالْبِكْرُ) پہلی دو پر نص ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں تینوں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اور آخری پر بھی یہ نص ہے تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ کتابیہ اور مسلمہ میں کوئی مساوات نہیں۔ کیونکہ وہ اسلام کی وجہ سے دوسری پر بلند رتبہ رکھتی ہے۔ ''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ شاید والجدیدۃ والقدیمۃ کے قول پر اکتفا نہیں کیا تا کہ یہ قول اس صورت کو بھی شامل ہو جائے اگر باکرہ اور ثیبہ دونوں نئی نئی ہوں اس طرح کہ اس نے ان دونوں سے اکٹھے نکاح کیا ہو۔ ''تامل''

12723۔ (قولہ: لِإِطْلَاقِ الْآيَةِ) آیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء: 129) یعنی تم محبت میں عدل قائم کرنے پر قادر نہیں تو تم باری میں ایک طرف نہ جھک جاؤ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: 19) اس کی غایت بھی باری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا (النساء: 3) اور اس کی وجہ احادیث کا مطلق ہونا بھی ہے۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ باری نکاح کے حقوق میں سے ہے۔ اس میں ان کے درمیان کوئی تفاوت نہیں۔ مگر یہ جو روایت ذکر کی گئی ہے کہ باکرہ کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن (1) اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو کہ شروع میں فضیلت دی جائے گی ہر دفعہ زیادتی مراد نہیں تو ضروری ہے کہ قطعی دلیل کو مقدم کیا جائے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''شرح درر البحار'' میں ہے: حدیث برابری کی نفی پر دلالت نہیں کرتی بلکہ باری کے اختیار پر دلالت کرتی ہے کہ وہ باری سات دن کی رکھے اور تین دن کی رکھے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب القسم والنشوز، باب الحال التی یختلف فیہا حال النساء، جلد 7، صفحہ 302

(وَلِلْأَمَةِ وَالْمُكَاتَبَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرَةِ وَالْمُبَعَّضَةِ (نِصْفُ مَا لِلْحُرَّةِ) أَيْ مِنَ الْبَيْتُوتَةِ وَالسُّكْنَى مَعَهَا أَمَّا النَّفَقَةُ فَبِحَالِهِمَا (وَلَا قَسْمَ فِي السَّفَرِ) دَفْعًا لِلْحَرَجِ (فَلَهُ السَّفَرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ)

لونڈی، مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ، جس کا بعض آزاد ہو ان کے لیے آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہے یعنی شب باشی اور اس کے ساتھ رہائش۔ جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے تو دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ سفر میں کوئی باری نہیں۔ مقصد حرج کو دور کرنا ہے۔ مرد کو اجازت ہے کہ بیویوں میں سے جسے چاہے سفر پر ساتھ لے جائے۔ قرعہ زیادہ پسندیدہ ہے

تا کہ اس روایت اور جو ہم نے روایت کیا ہے سب کو جمع کر دیا جائے۔

12724۔ (قولہ: وَلِلْأَمَةِ) جب مرد کی دو بیویاں ہوں ایک لونڈی اور ایک آزاد تو لونڈی کے لیے نصف باری ہو گی۔ یہ اس وقت ہوگا جب آقا نے اس لونڈی کے لیے ایک مکان مختص کیا ہوا ہو۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اسے ذکر کیا ہو گویا یہ اس بنا پر ہے کہ امر ظاہر ہے۔

نفقہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار ہوگا

12725۔ (قولہ: النَّفَقَةُ) اس سے مراد کھانا، پینا، لباس اور رہائش ہے۔

12726۔ (قولہ: فَبِحَالِهِمَا) یعنی اگر خاوند اور بیوی میں سے ہر ایک غنی ہو تو اغنیا کا نفقہ واجب ہوگا، یا دونوں فقیر ہوں گے تو فقرا کا نفقہ واجب ہوگا، یا دونوں مختلف ہوں گے تو درمیانہ نفقہ واجب ہوگا۔ یہی قول مفتی بہ ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12694 میں) گزر چکا ہے۔ ہم یہ پہلے (مقولہ 12694 میں) بیان کر چکے ہیں کہ مصنف اور شارح کی کلام اس پر محمول ہوگی۔ فافہم

12727۔ (قولہ: وَلَا قَسْمَ فِي السَّفَرِ) کیونکہ باری ممکن نہیں مگر جب وہ ان سب کو ساتھ رکھے۔ اگر اس پر یہ لازم کیا جائے کہ وہ ان سب کو ساتھ رکھے تو اسے ضرر لاحق ہوگا جو مخفی نہیں۔ ''نہر''۔ کیونکہ بعض اوقات مرد سفر میں ایک پر اعتماد رکھتا ہے اور حالت اقامت میں دوسری پر اعتماد کرتا ہے۔ کیونکہ اسے سامان کی حفاظت کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے اور فتنہ کا خوف ہوتا ہے۔ یا ان دونوں میں سے ایک زیادہ موٹی ہے جو سفر سے مانع ہے۔ اگر اسے سفر میں ایک کی صحبت سے خوف لاحق ہوتا ہے تو قرعہ کی وجہ سے اس عورت کی تعیین شدید ضرر کو لازم کر دے گا جب کہ جس میں حرج ہو اس کو اٹھا دیا گیا ہے۔ اس پر غور کیجئے اگر وہ سب کو سفر پر ساتھ رکھتا ہے تو کیا وہ باری کا اہتمام کرے گا۔

12728۔ (قولہ: وَالْقُرْعَةُ أَحَبُّ) ''امام شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قرعہ واجب ہے۔ کیونکہ ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے۔ جس کا قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے (1)۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی کرنا مستحب ہے تا کہ ان کے دلوں کو پاکیزگی

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی حدیث الافک و قبول توبۃ القاذف، جلد 3، صفحہ 628، حدیث نمبر 5024

تَطْیِیبًا لِقُلُوبِهِنَّ (وَلَوْ تَرَکَتْ قِسْمَهَا) بِالْکَسْرِ أَیْ نَوْبَتَهَا (لِضَرَّتِهَا صَحَّ، وَلَهَا الرُّجُوعُ فِی ذٰلِکَ) فِی الْمُسْتَقْبَلِ لِأَنَّهُ مَا وَجَبَ فَمَا سَقَطَ، وَلَوْ جَعَلَتْهُ لِمُعَیَّنَةٍ هَلْ لَهُ جَعْلُهُ لِغَیْرِهَا؟ ذَکَرَ الشَّافِعِیُّ لَا وَفِی الْبَحْرِ بَحْثًا نَعَمْ،

تا کہ ان کے دل خوش ہوں۔ اگر بیوی نے اپنی باری اپنی سوکن کے لیے ترک کر دی تو اس کا ترک کرنا صحیح ہوگا۔ اور اسی بیوی کو آئندہ اپنی باری واپس لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ جو باری ثابت نہ ہوئی پس وہ ساقط نہ ہوئی اگر اس عورت نے اپنی باری کسی معین بیوی کے لیے کر دی ہو کیا خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ باری کسی اور بیوی کے لیے بنا دے۔ ''امام شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے: نہیں۔ اور ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے کہا: ہاں۔

نصیب ہو۔ کیونکہ مطلق فعل وجوب کا تقاضا نہیں کرتا ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھا۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' اور ''البحر'' میں موجود ہے۔ اس سے قبل جو قول ہے: فتعیین من یخاف صحبتها اس امر میں صریح ہے کہ جس کا قرعہ نکلے تو اسے سفر پر لے جانا لازم نہیں۔

مال کے بدلے باری سے دستبردار ہونا

12729۔ (قولہ: صَحَّ) یہ قول اسے بھی شامل ہوگا اگر مرد یا عورت کی جانب سے رشوت کی شرط کے ساتھ ہو اگرچہ شرط باطل ہے جس طرح ''الفتح'' میں اسے واضح کیا ہے۔ ''باقانی'' نے جو بحث کی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ حق جو ابھی ثابت ہی نہیں اس کا عوض طلب کرنا ہے۔ اسی وجہ سے اس عورت کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے یہ تو اس عوض کو لینے کی طرح ہے جو ذمہ داری چھوڑنے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ جس نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے اسے عرف پر محمول کیا ہے یہاں کوئی عرف نہیں۔ فتدبر۔ ہاں بعض شوافع نے ذکر کیا کہ اس مسئلہ اور اجنبی کی جانب سے مال دینے کی شرط پر خلع کرنے پر یہ مستنبط ہوتا ہے کہ دراہم لے کر عہدہ چھوڑنا یہ جائز ہے۔ اور شافعیہ میں سے ''شیخ الاسلام زکریا''، ''شیخ نورالدین دمیری''، مالکی اور ''شیشی حنبلی'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: علما احناف میں سے متاخرین کی رائے اس میں مضطرب ہے۔ ''خیر رملی'' نے اس کے عدم کو اختیار کیا ہے۔ اس پر مفصل گفتگو وقف کے باب میں (مقولہ 21505 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

12730۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) ضمیر سے مراد عورت کا حق ہے وہ باری ہے۔ ما وجب یعنی ابھی وہ باری ثابت نہیں ہوئی۔ فما سقط یعنی عورت کے ساقط کرنے سے وہ ساقط نہیں ہوئی، ''ح''۔

12731۔ (قولہ: وَفِی الْبَحْرِ بَحْثًا نَعَمْ) کیونکہ صاحب ''البحر'' نے کہا: شاید مشائخ نے اس تفصیل کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ یہ ہبہ، اسے ساقط کرنا ہے۔ حق حقیقت میں خاوند کا ہے خواہ وہ عورت اسے (مرد کو) ہبہ کرے یا اس کی بیوی ہبہ کرے۔ پس مرد کو حق حاصل ہے کہ ہبہ کرنے والی بیوی کا حصہ جس کے لیے چاہے بنا دے، ''ح''۔

وَنَازَعَهُ فِي النَّهْرِ (وَيُقِيمُ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمًا وَلَيْلَةً) لَكِنْ إِنَّمَا تَلْزَمُهُ التَّسْوِيَةُ فِي اللَّيْلِ، حَتَّى لَوْ جَاءَ لِلْأُولَى بَعْدَ الْغُرُوبِ وَلِلثَّانِيَةِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَقَدْ تَرَكَ الْقَسْمَ وَلَا يُجَامِعُهَا فِي غَيْرِ نَوْبَتِهَا، وَكَذَا لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا بِاللَّيْلِ إِلَّا لِعِيَادَتِهَا وَلَوْ اشْتَدَّ فَفِي الْجَوْهَرَةِ لَا بَأْسَ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَهَا حَتَّى تُشْفَى أَوْ تَمُوتَ انْتَهَى،

''النہر'' میں اس سے منازعہ کیا۔ خاوندان بیویوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن اور رات قیام کرے گا لیکن اس پر لازم رات میں برابری کرنا ہے یہاں تک کہ اگر وہ پہلی کے پاس غروب آفتاب کے بعد اور دوسری کے پاس عشا کے بعد آیا تو اس نے باری کو ترک کیا۔ وہ اس عورت کے ساتھ اس کی باری کے علاوہ میں حقوق زوجیت ادا نہ کرے۔ اسی طرح رات کے وقت اس کے پاس نہ جائے مگر وہ اس کی عیادت کے لیے جا سکتا ہے۔ اگر اس کا مرض شدت اختیار کر جائے تو ''جوہرہ'' میں ہے: کوئی حرج نہیں کہ خاوند اس عورت کے پاس ہی مقیم رہے یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے یا وہ مر جائے۔ کلام ختم ہوا۔

12732۔(قولہ: وَنَازَعَهُ فِي النَّهْرِ) کیونکہ ''النہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: جب ایک عورت اپنی باری دوسری بیوی کو دے دے تو اس میں خاوند کا حق ہونا ممنوع ہے۔ ''البدائع'' میں مسئلہ کی توجیہ میں ہے کہ یہ ایسا حق ہے جو عورت کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ پس اس بیوی کا حق ہے کہ اسے پورا پورا لے اور اسے یہ بھی حق ہے کہ اس کو چھوڑ دے، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: محقق ''ابن ہمام'' نے اسے نقل کیا ہے جو ''امام شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا اور اسے ثابت رکھا ہے مگر یہ کہا: علما نے یہ تفریع بیان کی ہے کہ جب ہبہ کرنے والی کی رات اس بیوی کی رات کے ساتھ ملی ہو جس کو باری ہبہ کی گئی تو وہ دوسری بیوی کے لیے دو راتیں معین کرے۔ اگر دوسری کی رات ساتھ ملی ہوئی نہ ہو تو کیا خاوند کو اس رات کو منتقل کرنے کا اختیار ہے اور وہ اس کے لیے پے در پے راتیں بنا دے۔ شوافع اور حنابلہ کے دو قولوں کے مطابق اسے حق ہے۔ میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو یہ حق حاصل نہیں مگر اس بیوی کی رضامندی کے ساتھ جس کی رات ساتھ ملی ہوئی ہے کیونکہ بعض اوقات ضرر لاحق ہوتا ہے۔ ''محقق'' نے جسے ظاہر روایت قرار دیا ہے وہ بدرجہ اولیٰ تقاضا کرتا ہے کہ ''النہر'' میں جو ہے اس کو راجح کیا جائے۔

12733۔(قولہ: لَكِنْ) ''الفتح'' میں کہا: ہم کسی اختلاف کو نہیں جانتے کہ شب باشی اور موانست میں لازمی عدل رات اور دن میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ دن کے زمانہ کو ضبط کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں سے ایک کے ساتھ جس قدر معاشرت کی ہے دوسری کے ساتھ اسی قدر معاشرت کرے بلکہ یہ برابری شب باشی میں ہے۔ جہاں تک دن کا تعلق ہے تو یہ اجمالاً ہے یعنی اگر وہ کسی ایک کے پاس دن کا اکثر حصہ ٹھہرتا ہے تو اسے یہ امر کفایت کر جائے گا کہ وہ دوسری کے پاس ٹھہرے اگرچہ اس سے کم وقت کے لیے ہو۔ رات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ''نہر''۔

12734۔(قولہ: وَلَا يُجَامِعُهَا فِي غَيْرِ نَوْبَتِهَا) غیر کی باری میں بیوی سے جماع نہ کرے اگرچہ یہ جماع دن کے وقت میں ہو، ''ط''۔

يَعْنِي إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهَا مَنْ يُؤْنِسُهَا وَلَوْ مَرِضَ هُوَفِي بَيْتِهِ دَعَا كُلًّا فِي نَوْبَتِهَا لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ صَحِيحًا وَأَرَادَ ذَلِكَ يَنْبَغِي أَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ نَهْرٌ (وَإِنْ شَاءَ ثَلَاثًا) أَيْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا (وَلَا يُقِيمُ عِنْدَ إِحْدَاهُمَا أَكْثَرَ إِلَّا بِإِذْنِ الْأُخْرَى) خُلَاصَةٌ

یعنی جب اس عورت کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اس سے انس کرنے والا ہو اگر خاوند اپنے کمرے میں بیمار ہو جائے تو ہر بیوی کو اس کی باری میں اپنے پاس بلائے۔ کیونکہ اگر وہ صحت مند ہوتا اور وہ اس کا ارادہ کرتا تو اس کی جانب سے اس انداز کو قبول کیا جاتا۔ ''نہر''۔ اگر وہ تین دن اور تین راتیں چاہے۔ خاوند دونوں بیویوں میں سے کسی ایک کے پاس اس سے زیادہ نہ ٹھہرے مگر دوسری کی اجازت کے ساتھ۔ ''خلاصہ''۔

12735۔ (قولہ: يَعْنِي إِذَا لَمْ يَكُنْ) یہ قید صاحب ''النہر'' نے بحث کرتے ہوئے ذکر کی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ اور ''شرنبلالیہ'' میں اسے مطلق ذکر کیا ہے، ''ط''۔

12736۔ (قولہ: وَلَوْ مَرِضَ هُوَفِي بَيْتِهِ) یہ اس صورت میں ہے جب اس کا ایک گھر ہو جس میں ان میں سے کوئی بیوی نہ ہو۔ بصورت دیگر اگر وہ دوسری بیوی کے گھر کی طرف منتقل ہونے پر قادر نہ ہو تو وہ صحت مند ہونے کے بعد دوسری بیوی کے پاس اتنا ٹھہرے جس قدر وہ حالت مرض میں پہلی کے پاس ٹھہرا تھا جس طرح ہم پہلے ''البحر'' سے (مقولہ 12704 میں) نقل کر چکے ہیں۔

دوسری بیوی کی اجازت کے بغیر کسی بیوی کے پاس زیادہ عرصہ ٹھہرنا جائز نہیں

12737۔ (قولہ: وَلَا يُقِيمُ عِنْدَ إِحْدَاهُمَا أَكْثَرَ) اس امر کو واضح نہیں کیا کہ اگر تین دن سے زائد اس نے قیام کیا، کیا زائد رائیگاں چلا جائے گا؟ یا وہ دوسروں کے پاس اتنا ہی قیام کرے جتنا وہ پہلی کے پاس ٹھہرا تھا۔ پھر اس کے بعد دونوں میں تین تین یا ایک ایک دن باری بنا دے؟ ظاہر امر دوسرا قول ہے۔ کیونکہ جب وہ کسی ایک کے پاس مقیم رہا ہو جو باری کے طور پر نہ ہو تو زمانہ گزشتہ کا ٹھہرنا رائیگاں جائے گا۔ یہاں جو وہ ایک بیوی کے پاس مقیم رہا ہے وہ باری کے طور پر ہے۔ پس کوئی چیز رائیگاں نہیں جائے گی۔ ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اگر وہ نئی بیوی کے پاس تین دن مقیم رہے یا سات دن مقیم رہے تو پہلی کے پاس بھی اتنے دن ہی قیام کرے۔

لیکن اس قول کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باری کو تین دن یا سات دن بنا دے۔ یہ اس کے مخالف ہے جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے۔ ہم نے پہلے ''شرح درر البحار'' سے جو ادلہ میں تطبیق کے انداز میں (مقولہ 12723 میں) ذکر کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: کہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ باری سات دن یا تین دن کی اختیار کرے۔ تامل۔ اسی وجہ سے ''قہستانی'' نے ''الخانیہ''، ''سراجیہ'' وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ایک بیوی کے پاس تین یا سات دن قیام کرے اور دوسری کے پاس بھی اتنا ہی قیام کرے۔

زَادَ فِي الْخَانِيَّةِ (وَالرَّأْيُ فِي الْبَدَاءَةِ) فِي الْقَسْمِ (إلَيْهِ) وَكَذَا فِي مِقْدَارِ الدَّوْرِ هِدَايَةٌ وَتَبْيِينٌ وَقَيَّدَهُ فِي الْفَتْحِ بَحْثًا بِمُدَّةِ الْإِيلَاءِ أَوْ جُمُعَةٍ،

''خانیہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے باری شروع کرنے میں رائے خاوند کے سر ہے۔ اسی طرح باری کی مقدار میں رائے خاوند کے سپرد ہے''ہدایہ''،''تبیین''۔''الفتح'' میں بحث کرتے ہوئے ایلا کی مدت کے ساتھ مقید کیا ہے یا جمعہ کی قید ذکر کی ہے۔

''الخانیہ'' میں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور''الحاکم الشہید'' کی تالیف''کافی'' میں ہے: ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن اور ایک رات ہو۔ اگر چاہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے تین دن مقرر کرے تو ایسا کرے۔ انہوں نے ایک روایت اشعث سے وہ حضرت حکم سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل کیا تو فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے سات دن مقرر کرتا ہوں اور ان کے لیے بھی سات دن مقرر کرتا ہوں (1)۔ اس حدیث کی روایت کا مقتضا یہ ہے کہ خاوند کو سات دن معین کرنے کا حق ہے۔ بلکہ''غایۃ البیان'' میں ہے: اگر چاہے تو ہر ایک کے لیے تین دن مقرر کرے اگر چاہے تو سات دن مقرر کرے اس کے علاوہ بھی کر سکتا ہے۔

12738۔ (قولہ: زَادَ فِي الْخَانِيَّةِ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ''خانیہ'' کی عبارت حصر میں صریح ہے جس طرح ''الخلاصہ'' کی عبارت ہے جب کہ امر اس طرح نہیں۔ کیونکہ اس میں ہے: خاوند پر لازم ہے کہ دونوں میں برابری کرے۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن اور ایک رات یا تین دن اور تین رات رہے۔ آغاز کرنے کے بارے میں رائے مرد کے سپرد ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ افضلیت کا بیان ہے یہ زیادتی کی نفی کا بیان نہیں۔ اس کی گزشتہ عبارت قرینہ ہے۔''تامل''

12739۔ (قولہ: وَقَيَّدَهُ فِي الْفَتْحِ) یعنی''ہدایہ'' کی مذکورہ کلام کو مقید کیا ہے۔ کیونکہ ارشاد فرمایا: یہ جان لو کہ یہ اطلاق ایسا ہے جس کی صراحت پر اعتبار ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ ایک ایک سال کی باری بنائے تو اس کے اطلاق کا گمان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو چاہیے کہ اس کے لیے مدت ایلاء کی مقدار کا اطلاق کیا جائے۔ وہ چار ماہ ہے۔ جب باری کا وجوب اس لیے ہے کہ عورت کو انس نصیب ہو اور اس سے وحشت کو دور کیا جائے تو ضروری ہوگا کہ قریبی مدت کا اعتبار کیا جائے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ ایک ہفتہ سے زائد یہ تکلیف دہ ہے مگر جب دونوں راضی ہو جائیں۔

اور صاحب''الفتح'' کا قول والظن یہ مدت ایلاء سے ایسا اضراب ہے جو اس مدت کو باطل کرنے والا ہے۔ پس مناسب یہ ہوگا کہ او کا حکم شارح کے کلام میں او جمعۃ میں بل کے معنی میں ہو۔ جس طرح شاعر کے قول میں ہے:

کانوا ثمانین او زادوا ثمانیۃ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب قدر ما تستحقہ البکر والثیب، جلد 2، صفحہ 371، حدیث نمبر 2700

وَعَمَّمَهُ فِي الْبَحْرِ، وَنَظَرَ فِيهِ فِي النَّهْرِ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَظَاهِرُ بَحْثِهِمَا أَنَّهُمَا لَمْ يَطَّلِعَا عَلَى مَا فِي الْخُلَاصَةِ مِنْ التَّقْيِيدِ بِالثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ كَمَا عَوَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْمُخْتَصَرِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (فُرُوعٌ) لَوْ كَانَ عَمَلُهُ لَيْلًا كَالْحَارِسِ ذَكَرَ الشَّافِعِيَّةُ أَنَّهُ يَقْسِمُ نَهَارًا وَهُوَ حَسَنٌ، وَحَقُّهُ عَلَيْهَا أَنْ تُطِيعَهُ فِي كُلِّ مُبَاحٍ يَأْمُرُهَا بِهِ، وَلَهُ مَنْعُهَا مِنْ الْغَزْلِ وَمِنْ أَكْلِ مَا يَتَأَذَّى مِنْ رَائِحَتِهِ،

''البحر'' میں اسے عام رکھا ہے، ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ ان دونوں کی بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں اس قول پر مطلع نہیں جو خلاصہ میں تین دن کی قید ذکر کی ہے جس طرح ہم نے ''المختصر'' میں اس پر اعتماد کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فروع: اگر وہ رات کو مزدوری کرتا ہو جس طرح چوکیدار ہو شافعیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ دن کے وقت باری مقرر کر دے۔ یہ اچھا قول ہے۔ مرد کا عورت پر یہ حق ہے کہ ہر مباح کام میں جس کا خاوند عورت کو حکم دے، عورت اس کی اطاعت کرے خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو سوت کاتنے سے منع کر دے اور ایسی چیز کھانے سے منع کر دے جس کی بو سے خاوند کو اذیت ہو

وہ اسی کی تعداد میں ہو بلکہ اس سے آٹھ زائد ہوں۔ اس مصرعہ میں او، بل کے معنی میں ہے،'' ح''۔

12740۔ (قولہ: وَعَمَّمَهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ کہا: ظاہر اطلاق ہے کیونکہ کوئی مضرت نہیں جب یہ باری کے طریقہ پر ہے۔ کیونکہ بیوی اپنی باری کے آنے پر مطمئن ہے۔

12741۔ (قولہ: وَنَظَرَ فِيهِ فِي النَّهْرِ) کیونکہ اس میں فرمایا: مضرت کے مطلقاً نفی کرنے میں ایسا اعتراض ہے جو مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ بھی ہے کہ باری کے آنے پر اطمینان مدت کے لمبا ہونے کی وجہ سے منتفی ہے جس طرح باری کی مدت ایک سال ہو۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ خاوند فوت ہو جائے یا بیوی فوت ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے جس کے لیے باری مقرر کرنے کا حکم کیا گیا ہے اور وہ انس حاصل کرنا ہے۔

12742۔ (قولہ: وَظَاهِرُ بَحْثِهِمَا) هما سے مراد صاحب ''الفتح'' اور صاحب ''البحر'' ہیں۔ جس طرح ''المنح'' میں ہے،'' ح''۔

12743۔ (قولہ: مِنْ التَّقْيِيدِ بِالثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ) تو وہ جان چکا ہے جو اس تقیید کے منافی ہے۔

12744۔ (قولہ: وَهُوَ حَسَنٌ) ''النہر'' میں اسی طرح کہا۔

مباح امور میں عورت پر خاوند کی اطاعت لازم ہے

12745۔ (قولہ: فِي كُلِّ مُبَاحٍ) اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جب خاوند مباح امر کا حکم دے تو یہ امر عورت پر واجب ہو جائے گا جس طرح سلطان اپنی رعیت کو اس کا حکم دے،'' ط''۔

12746۔ (قولہ: مِنْ أَكْلِ مَا يَتَأَذَّى بِهِ) جس کی بو سے خاوند کو اذیت ہو جس طرح تھوم، پیاز۔ اس سے یہ بھی

بَلْ وَمِنَ الْحِنَّاءِ وَالنَّقْشِ إِنْ تَأَذَّى مِنْ رَائِحَتِهِ نَهْرٌ وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُهُ عَلَى الْمُلْتَقَى

بلکہ وہ اسے مہندی لگانے اور نقش کاری سے منع کر دے اگر اس کی بو سے خاوند کو اذیت ہو۔ اس کی مفصل بحث میں نے ''الملتقی'' کے حاشیہ میں ذکر کر دی ہے۔

اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر خاوند کو دھوئیں (حقہ) کی بو سے اذیت ہوتی ہو تو مشہور یہ ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ عورت کو اس کے پینے سے منع کر دے۔

12747۔ (قولہ: بَلْ وَمِنَ الْحِنَّاءِ) ''الفتح'' میں اسے ماقبل سے اخذ کرتے ہوئے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

بیویوں اور لونڈیوں میں باری کی تفصیل

12748۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُهُ عَلَى الْمُلْتَقَى) اس کی عبارت ہے: ''خانیہ'' سے مروی ہے ''منتقی'' کی طرف منسوب ہے ''اگر اس کی ایک بیوی اور قیدی عورتیں (لونڈیاں) ہوں تو ہر چار دنوں میں سے ایک دن اور ایک رات اسے بیوی کے پاس گزارنے کا حکم دیا جائے گا اور باقی دنوں میں سے ان باقی ماندہ لونڈیوں میں سے جس کے پاس چاہے وقت گزارے۔ اسی طرح اگر اس کے عقد میں تین بیویاں ہوں تو ہر ایک کے پاس ایک دن اور ایک رات گزارنے کا حکم دیا جائے گا اور ایک دن لونڈیوں میں سے جس کے پاس چاہے گزارے۔ اگر اس کی چار بیویاں ہوں تو ہر ایک کے پاس ایک دن اور ایک رات گزارے اور لونڈیوں کے لیے کچھ نہیں ہوگا مگر گزرنے والے کا ٹھہرنا۔ مرد کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے وطی کرے جب کہ اس کے پاس ایسا بچہ ہو جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو یا اندھا ہو یا اس کی سوکن ہو یا اس عورت کی لونڈی ہو یا اس خاوند کی لونڈی ہو۔

پھر کہا: وہ سوکنوں کو جمع نہ کرے مگر ان کی رضامندی کے ساتھ انہیں جمع کر سکتا ہے۔ اگر بیوی کہے: میں تیری لونڈی کے ساتھ نہیں رہتی تو اس بیوی کو یہ کہنے کا حق نہیں۔ اگر وہ لونڈی کے پاس ایک دن ٹھہرا پس اسے آزاد کر دیا گیا تو وہ آزاد کے پاس بھی ایک دن مقیم رہے گا۔ اسی طرح اس کے برعکس ہے۔ یعنی اگر خاوند آزاد بیوی کے پاس ایک دن ٹھہرا تو اس کی لونڈی بیوی آزاد ہو گی تو وہ آزاد کردہ کی طرف منتقل ہو جائے اور آزاد بیوی کے لیے دو دن مکمل نہ کرے تا کہ جسے انتہاءً آزادی ملی ہے اسے ابتداءً آزاد کے قائم مقام رکھا جائے جس طرح ''معراج'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلے جسے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے یہ ''حسن'' کی اسی روایت پر مبنی ہے جس سے رجوع کر لیا گیا تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ چار دنوں میں ایک دن اور ایک رات آزاد عورت کے لیے ہے۔ میرے دل میں بھی اسی طرح کا خیال آیا ہے پھر میں نے ''شرنبلالی'' کو دیکھا جنہوں نے اپنے رسالہ ''تجدد المسرات بالقسمه بين الزوجات'' میں اس کی وضاحت کی ہے اور کہا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس امر پر تصریح کی ہو۔ رسالہ ایک ایسے سوال پر مبنی ہے جو ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس کی دو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ وہ دونوں بیویوں کے لیے باری مقرر کرتا ہے پھر

....

اپنی لونڈیوں کے پاس جتنا عرصہ چاہتا ہے رات گزارتا ہے پھر وہ اپنی بیویوں کی طرف لوٹتا ہے اور ان کے لیے باری مقرر کرتا ہے؟ آپ نے ''ابن ہمام'' کے قول سے استدلال کرتے ہوئے جائز ہونے کا جواب دیا ہے۔ لازم یہ ہے کہ جب اس نے ایک بیوی کے پاس رات گزاری تو دوسری بیوی کے پاس بھی اسی طرح رات گزارے نہ کہ یہ واجب ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ہمیشہ رات گزارنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر اس نے بعض کے پاس رات کا بعض حصہ گزارنا ترک کر دیا اور الگ تھلگ ہو گیا تو اسے اس امر سے منع نہ کیا جائے گا۔

یعنی جب ان بیویوں کی باری مکمل ہو جائے خواہ وہ اکیلے رات گزارے یا اپنی لونڈیوں میں رات گزارے۔ فافہم، واللہ سبحانہ اعلم

بَابُ الرَّضَاعِ

(هُوَ) لُغَةً بِفَتْحٍ وَكَسْرٍ مَصُّ الثَّدْيِ وَشَرْعًا (مَصُّ الرَّضِيعِ مِنْ ثَدْيِ آدَمِيَّةٍ) وَلَوْ بِكْرًا أَوْ مَيِّتَةً

رضاعت کے احکام

یہ لفظ را کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس کا لغوی معنی پستان کو چوسنا ہے۔ اور شرع میں رضاعت سے مراد بچے کا عورت کے پستان کو چوسنا ہے اگرچہ وہ عورت باکرہ ہو، مردہ ہو

جب نکاح سے مقصود ولد ہے وہ اپنی پیدائش کی ابتدا میں عموماً رضاعت سے ہی زندہ رہتا ہے۔ کچھ احکام ایسے ہوں گے جو اس کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ رضاعت یہ نکاح کے ان آثار میں سے ہے جو نکاح سے کچھ مدت متاخر ہوتے ہیں تو ضروری تھا کہ نکاح کے آخری حکم تک اسے مؤخر کیا جاتا۔ پھر یہ کہا گیا ہے ''کتاب الرضاع'' یہ امام کی تصنیف نہیں آپ کے کسی ساتھی نے یہ تالیف کی ہے اور اسے آپ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ اسے رواج حاصل ہو جائے۔ اسی وجہ سے ''الحاکم ابوالفضل'' نے اپنی مختصر جس کا نام ''کافی'' ہے میں اس کا ذکر نہیں کیا جب کہ آپ اس امر کا التزام کرتے ہیں کہ ''امام محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اپنی تمام کتب میں لائیں جن کی علتیں محذوف ہوتی ہیں۔ عام علما کی رائے ہے کہ یہ آپ کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے ''حاکم'' نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اسی چیز پر اکتفا کیا ہے جو اس بحث میں سے کتاب النکاح میں لائے ہیں، ''فتح''۔

لفظ رضاع کی لغوی تحقیق

12749۔ (قولہ: بِفَتْحٍ وَكَسْرٍ) علما نے ضمہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کہ اس بچے کے ساتھ کسی اور کو بھی دودھ پلائے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ اس میں ہے: اس کا فعل تہامہ کی لغت میں عَلِمَ کے باب سے آتا ہے۔ تہامہ کا علاقہ نجد سے اوپر کا ہے۔ نجد کی لغت میں یہ ضَرَبَ کے باب سے ہے۔ یہ فعل کرم کے باب سے بھی آیا ہے۔ ''مصباح'' میں ایک اور لغت کا اضافہ ہے جو فَتَحَ کا باب ہے۔ اس کا مصدر رَضاعا اور رَضاعة ہے۔

رضاع کی شرعی تعریف

12750۔ (قولہ: مَصُّ الثَّدْيِ) ''المصباح'' میں کہا: ثدی کا لفظ عورت کے پستان کے لیے بولا جاتا ہے۔ مرد کے بارے میں بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ ''ابن سکیت'' نے کہا: اس کی تذکیر و تانیث بنائی جاتی ہے۔

یہ تعریف قاصر ہے کیونکہ لغت میں یہ چوسنے کو عام ہے اگرچہ چوپائے کے پستان کو چوسا جائے۔ اولیٰ وہی ہے جو ''قاموس'' میں ہے: لغت میں اس سے مراد کھیری اور پستان سے دودھ پینا ہے۔ ''طحطاوی''۔

12751۔ (قولہ: آدَمِيَّةٍ) اس قید کے ساتھ مرد اور چوپایہ خارج ہو گئے۔ ''بحر''۔

أَوْ آيِسَةً، وَأُلْحِقَ بِالْمَصِّ الْوُجُورُ وَالسُّعُوطُ (فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ) هُوَ (حَوْلَانِ وَنِصْفٌ عِنْدَهُ وَحَوْلَانِ) فَقَطْ (عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ عَنِ الْعَوْنِ، لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ أَنَّهُ فِي الْحَوْلَيْنِ وَنِصْفٍ، وَلَوْ بَعْدَ الْفِطَامِ مُحَرِّمٌ

یا مایوسی کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ گلے میں اور ناک میں دودھ ٹپکانے کو بھی چوسنے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ مخصوص وقت میں۔ وہ ''امام اعظم'' کے نزدیک دوسال مکمل اور نصف ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک صرف دوسال ہے۔ یہی صحیح ترین قول ہے ''فتح''۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''تصحیح القدوری'' میں ''عون'' سے مروی ہے۔ لیکن ''جوہرہ'' میں ہے کہ یہ پورے دوسال اور نصف سال میں ہے۔ اگر دودھ چھڑانے کے بعد دودھ پلایا جائے تو یہ بھی حرمت ثابت کرے گا۔

12752۔ (قولہ: أَوْ آيِسَةً) ''النہر'' میں اسے ذکر کیا ہے اور علما کے اطلاق سے اسے اخذ کیا ہے اور کہا: یہ حادثۃ الفتویٰ ہے۔

12753۔ (قولہ: وَأُلْحِقَ بِالْمَصِّ) صاحب ''بحر'' پر اشارۃً رد کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا: تعریف جامع اور مانع نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات چوسنا پایا جاتا ہے اور رضاعت نہیں ہوتی اگر پیٹ تک دودھ نہ پہنچے اور کبھی رضاعت پائی جاتی ہے اور چوسنا نہیں ہوتا جس طرح حلق اور ناک میں قطرات ٹپکانا۔ پھر اس قول کے ساتھ جواب دیا کہ مص سے مراد دونوں راستوں سے پیٹ تک دودھ کا پہنچنا ہے۔ اسے خاص کیا ہے کیونکہ یہ وصول کا سبب ہے۔ سبب ذکر کیا اور مراد مسبب لیا۔ ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ مص پیٹ تک دودھ کے پہنچنے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ''قاموس'' میں ہے: مصصتہ میں نے اسے نرمی سے پیا۔ حلق اور ناک میں ٹپکانے کو چوسنے کے ساتھ لاحق کیا ہے ''ح''۔ ''المصباح'' میں ہے: وَجُور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ایسی دوا ہے جسے حلق میں انڈیلا جاتا ہے۔ اوجرت المریض ایجارا میں نے مریض کے حلق میں دوائی کو انڈیلا۔ وَجَرْتُهُ أَجِرُهُ یہ وَعَدَ کے باب میں سے ہے یہ لغت ہے۔ سعوط رسول کی طرح ہے یہ ایسی دوا ہے جسے ناک میں انڈیلا جاتا ہے۔ سعوط، قعود کی طرح مصدر ہے اسعطتہ الدواء یہ فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

12754۔ (قولہ: فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ) بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ فی وقت مخصوص ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ رضیع کا لفظ اس سے غنی کر دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد اسے رضیع نہیں کہا جاتا ''عنایہ'' میں اس پر نص ہے۔ ''نہر''۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''العنایہ'' میں جو ہے وہ یہ ہے بڑے کو رضیع نہیں کہتے یہ قول اس کا رد کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ جس نے بڑے اور چھوٹے میں حرمت کے حکم کو ایک جیسا بیان کیا ہے۔

12755۔ (قولہ: عَنِ الْعَوْنِ) عام نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں العیون ہے۔ یہ بھی ایک کتاب کا نام ہے۔ میں نے ''النہر'' اور ''تصحیح القدوری'' میں بھی دیکھا ہے۔ فافہم

12756۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ وبہ یفتی کے قول سے استدراک ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہ دونوں قول ہیں دونوں

وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَاسْتَدَلُّوا لِقَوْلِ الْإِمَامِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا) أَيْ مُدَّةُ كُلٍّ مِنْهُمَا ثَلَاثُونَ غَيْرَ أَنَّ النَّقْصَ فِي الْأَوَّلِ قَامَ بِقَوْلِ عَائِشَةَ لَا يَبْقَى الْوَلَدُ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَمِثْلُهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا سَمَاعًا، وَالْآيَةُ مُؤَوَّلَةٌ

اسی پر فتویٰ ہے۔ علما نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے حق میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف:15) سے استدلال کیا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے۔ مگر پہلے یعنی حمل میں کمی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول بچہ دو سال سے زیادہ رحم میں نہیں ٹھہرتا سے ثابت ہوئی۔ اس قسم کی چیز سماع کے بغیر نہیں پہچانی جاتی۔ آیت میں تاویل کی گئی ہے۔

کے بارے میں فتویٰ دیا ہے'' ''ط''۔

رضاعت کی مدت

12757۔ (قولہ: أَيْ مُدَّةُ كُلٍّ مِنْهُمَا ثَلَاثُونَ) مضاف (مدۃ) کی تقدیر صحت حمل کے لیے نہیں۔ کیونکہ زمانہ کے ساتھ معنی کی خبر دینا تقدیر کے بغیر بھی صحیح ہے فافہم۔ بلکہ یہ تقدیر حاصل معنی کے بیان کے لیے ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے اور دونوں کے لیے مدت بیان کی ہے۔ پس یہ ہر ایک کے لیے کامل مدت ہوگی جس طرح ایک مدت دو قرضوں کے لیے دو اشخاص پر لازم کی جائے۔ جیسے وہ کہے: میں نے ایک سال مدت اس قرض کے لیے معین کی جو فلاں شخص پر ہے اور اس قرض کے لیے معین کی جو فلاں شخص پر ہے۔ اس کلام سے یہ سمجھ آتا ہے کہ پورا سال ہر ایک کے لیے ہے۔

12758۔ (قولہ: غَيْرَ أَنَّ النَّقْصَ) یعنی مدت حمل میں تیس ماہ سے کم یعنی حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ثابت اور متحقق ہوگی۔

12759۔ (قولہ: لَا يَبْقَى الْوَلَدُ) ''الفتح'' میں ہے: بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا اگرچہ چرخے کی سلائی کے گھومنے کی مقدار ہو۔ ایک روایت میں ہے اگرچہ چرخے کی سلائی کے سایہ کی مقدار میں۔ ہم اس کا ذکر اس کے موقع پر کریں گے۔

فلكة المغزل، فلکہ کا وزن تمرۃ ہے یہ معروف ہے ''مصباح''۔ اس میں مضاف مقدر ہے۔ ''شرح الارشاد'' میں یہ صریح آیا ہے ولو بدور فلكة مغزل مقصود مدت کی کمی کو بیان کرنا ہے، ''مغرب''۔

12759۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا سَمَاعًا) کیونکہ مقدرات تک عقل کے ذریعے نہیں پہنچا جا سکتا۔ ''فتح''۔ پس یہ قول مرفوع حکمی میں سے ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا گیا۔

12760۔ (قولہ: وَالْآيَةُ مُؤَوَّلَةٌ) یعنی آیت ایک اور معنی کے ساتھ تاویل کو قبول کرنے والی ہے۔ یہ پہلے معنی میں

لِتَوْزِيعِهِمُ الْأَجَلَ عَلَى الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ فَلَمْ تَكُنْ دَلَالَتُهَا قَطْعِيَّةً، عَلَى أَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُقَلِّدِ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْمُجْتَهِدِ وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ دَلِيلُهُ كَمَا أَفَادَهُ فِي رَسْمِ الْمُفْتِي، لَكِنْ فِي آخِرِ الْحَاوِي فَإِنْ خَالَفَا

کیونکہ علما نے اسے اقل مدت حمل اور اکثر مدت دودھ چھڑانے میں تقسیم کیا ہے۔ پس اس کی دلالت قطعی نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ مقلد پر واجب ہے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرے اگرچہ اس کی دلیل ظاہر نہ ہو۔ جس طرح ''رسم المفتی'' میں اسے بیان کیا ہے۔ لیکن ''الحاوی'' کے آخر میں ہے: اگر ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا

قطعیۃ الدلالہ نہیں۔ پس خبر واحد کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جائز ہے۔

12761۔ (قولہ: لِتَوْزِيعِهِمْ) ھم ضمیر سے مراد علما ہیں جس طرح ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما وغیرہما ہیں۔ انہوں نے اجل کو تقسیم کیا ہے یعنی یہ حمل کی کم سے کم مدت جو چھ ماہ ہے اور رضاع کی زیادہ سے زیادہ مدت جو دو سال ہے پر تقسیم کیا ہے۔ پس تیس ماہ دونوں مدتوں کے مجموعہ کا بیان ہے۔ یہ ہر ایک کی مدت کا بیان نہیں۔

12762۔ (قولہ: عَلَى أَنَّ) یہ جواب میں ترقی ہے۔ اس میں اس اعتراض کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ''الفتح'' میں امام کی گزشتہ دلیل پر لائے ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ثلاثین کا لفظ ایک اطلاق میں تیس اور چوبیس کے دنوں میں مستعمل ہے۔ یہ ایک ہی لفظ کے ساتھ حقیقت و مجاز کو جمع کرنا ہے۔ اور اسماء اعداد میں سے کسی ایک کے ذکر کرنے سے دوسرا مراد لینا جائز نہیں۔ کثیر محققین نے اس امر کی وضاحت کی ہے کیونکہ یہ مسمیات میں اعلام کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

''رحمتی'' نے جواب دیا ہے کہ حملہ وفصالہ یہ دونوں مبتدا ہیں اور ثلاثون ان دونوں میں سے ایک کی خبر ہے یعنی دوسرے کی خبر ہے اور دوسرے یعنی حملہ کی خبر محذوف ہے۔ دونوں خبروں میں سے ایک اپنے حقیقی معنی اور دوسری مجازی معنی میں مستعمل ہے۔ ایک لفظ میں دونوں کا جمع کرنا ثابت نہ ہوا۔ اور دوسرے نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرہ: 197) میں اشہر کا لفظ دو ماہ پورے اور تیسرے کے بعد پر بولا گیا۔

میں کہتا ہوں: شہر کا لفظ اسماء عدد میں سے نہیں۔ مناسب وہ جواب ہے جو جمہور نے کہا عشرۃ الا اثنین اس سے مراد آٹھ ہوتے ہیں جس طرح ''الفتح'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن یہ قول استثنا کے ساتھ خاص ہے گفتگو استثنا کے بارے میں نہیں۔

12763۔ (قولہ: كَمَا أَفَادَهُ فِي رَسْمِ الْمُفْتِي) یہ بیان کرنے والے امام ''قاضی خان'' ہیں۔ انہوں نے اس امر کو اپنے ''فتاویٰ'' کے شروع میں ''رسم المفتی'' کی فصل میں بطریق اشارہ بیان کیا ہے صراحۃً ذکر نہیں کیا۔

12764۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ ان کے قول الواجب علی المقلد پر استدراک ہے۔ کیونکہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی اتباع کو واجب کرتا ہے خواہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہو یا آپ کی مخالفت کی ہو۔ یہ ''عبد اللہ بن مبارک'' کا قول ہے۔

قِيلَ يُخَيَّرُ الْمُفْتِي وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيلِ، ثُمَّ الْخِلَافُ فِي التَّحْرِيمِ أَمَّا لُزُومُ أَجْرِ الرَّضَاعِ لِلْمُطَلَّقَةِ فَمُقَدَّرٌ بِحَوْلَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ (وَيَثْبُتُ التَّحْرِيمُ) فِي الْمُدَّةِ فَقَطْ وَلَوْ (بَعْدَ الْفِطَامِ وَالِاسْتِغْنَاءِ بِالطَّعَامِ عَلَى) ظَاهِرِ (الْمَذْهَبِ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى فَتْحٌ وَغَيْرُهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ كَالْبَحْرِ فَمَا فِي الزَّيْلَعِيِّ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتی کو اختیار ہوگا۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ اعتبار دلیل کی قوت کا ہوگا۔ پھر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما میں اختلاف حرمت کے ثبوت میں ہے۔ جہاں تک مطلقہ کے لیے رضاعت کی اجرت کے لازم ہونے کا تعلق ہے تو بالاجماع وہ دو سال ہے۔ اور صرف مدت رضاعت میں حرمت ثابت ہوگی اگرچہ یہ دودھ پلانا دودھ چھڑانے اور کھانے کا عادی ہونے کے بعد دودھ سے غنی ہونے کے بعد ہو۔ یہ ظاہر مذہب ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''فتح'' وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ مصنف نے صاحب ''البحر'' کی اتباع میں کہا: ''زیلعی'' میں جو قول ہے

12765۔ (قولہ: قِيلَ يُخَيَّرُ الْمُفْتِي) ایک قول یہ کیا گیا: مفتی کو اختیار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مفتی کو مطلقاً اختیار نہیں۔ یہ دوسرا قول ہے۔ ''السراجیہ'' میں کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اگر مفتی مجتہد نہ ہو۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ دوسرے قول کو اختیار کرے یعنی اگر مجتہد ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ مجتہد کی تخییر صرف دلیل میں نظر وفکر کے اعتبار سے ہے۔ یہ ''حاوی'' کا قول ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار دلیل کی قوت کا ہو۔ کیونکہ دلیل کی قوت اس کے لیے ظاہر نہیں ہوتی جو مجتہد فی المذہب نہ ہو۔ تامل۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث ''شرح ارجوزتی'' میں ''رسم المفتی'' کے ضمن میں ہے۔

12766۔ (قولہ: وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيلِ) ''البحر'' میں کہا: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل کی قوت مخفی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ (البقرہ: 233) دلالت کرتا ہے کہ مدت مکمل ہونے کے بعد کوئی رضاعت نہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا (البقرہ: 233) کا تعلق ہے یہ رضامندی دو سال سے پہلے ہو۔ کیونکہ رضامندی اور شہادت کی قید لگائی اور دو سالوں کے بعد ان دونوں چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں تک صاحب ہدایہ کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) سے امام کے حق میں استدلال کا تعلق ہے تو یہ اس پر مبنی ہے کہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہے جس طرح (مقولہ 12761 میں) گزر چکا ہے۔ باب ثبوت النسب میں حق کی طرف رجوع کیا کہ تیس ماہ دونوں کے لیے ہیں: چھ ماہ حمل کے لیے اور دو سال دودھ چھڑانے کے لیے ہیں۔

12767۔ (قولہ: أَمَّا لُزُومُ أَجْرِ الرَّضَاعِ) اسی طرح دیانۃً ماں پر واجب ہے کہ وہ دودھ پلائے ''نہر'' میں ''مجتبیٰ'' سے منقول ہے۔

12768۔ (قولہ: فِي الْمُدَّةِ فَقَطْ) جہاں تک مدت کے بعد کا تعلق ہے تو یہ فعل حرمت کو ثابت نہیں کرتا، ''بحر''۔

12769۔ (قولہ: فَمَا فِي الزَّيْلَعِيِّ) ''زیلعی'' کا قول ہے: ''خصاف'' نے ذکر کیا کہ اگر مدت رضاعت گزرنے سے

خِلَافُ الْمُعْتَمَدِ لِأَنَّ الْفَتْوَى مَتَى اخْتَلَفَتْ رُجِّحَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ (وَلَمْ يُبَحْ الْإِرْضَاعُ بَعْدَ مُدَّتِهِ) لِأَنَّهُ جُزْءُ آدَمِيٍّ وَالِانْتِفَاعُ بِهِ لِغَيْرِ ضَرُورَةٍ حَرَامٌ عَلَى الصَّحِيحِ شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي الْبَحْرِ لَا يَجُوزُ التَّدَاوِي

وہ قابل اعتماد قول کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب فتویٰ مختلف ہوتو ظاہر روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ اور رضاعت کی مدت کے بعد دودھ پلانا مباح نہیں۔ کیونکہ یہ انسان کا جز ہے اور ضرورت کے بغیر انسان کے جز سے انتفاع حرام ہے۔ یہی صریح ترین قول ہے۔ ''شرح وہبانیہ''۔ ''البحر'' میں ہے: ظاہر مذہب کے مطابق حرام چیز دوا کے طور پر

پہلے بچے کو دودھ چھڑا دیا گیا اور بچہ کھانے کی وجہ سے دودھ سے مستغنی ہوگیا تو یہ دودھ پینا رضاعت نہیں بنے گا۔ اگر بچہ دودھ سے مستغنی نہ ہوتو اس کے ساتھ حرمت ثابت ہوجائے گی۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رطیٹھلیہ سے مروی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

12770۔ (قولہ: لِأَنَّ الْفَتْوَى) کیونکہ اکثر علما پہلے قول پر فتویٰ دیتے ہیں جس طرح ''النہر'' میں ہے۔

12771۔ (قولہ: لَمْ يُبَحْ الْإِرْضَاعُ بَعْدَ مُدَّتِهِ) ''زیلعی'' نے اس پر اقتصار کیا ہے۔ یہی صحیح ہے جس طرح ''شرح المنظوم'' میں ہے۔ ''بحر''۔ لیکن ''قہستانی'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر بچہ دو سالوں میں دودھ پینے سے مستغنی ہو گیا تو اس کے لیے دو سال کے بعد بھی نصف سال تک دودھ پینا حلال ہوگا۔ عام علما کے نزدیک عورت گناہگار نہ ہوگی۔ ''خلف بن ایوب'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

اس سے قبل ''القاعدی'' کے اجارہ کے باب سے نقل کیا ہے کہ بچے کے مستغنی ہونے تک دودھ پلانا واجب ہے، اور دو سال تک دودھ پلانا مستحب ہے، اور دو سال چھ ماہ تک دودھ پلانا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات مصنف کی کلام میں حمل کی مدت دو سال اور نصف سال پر محمول کرنے کے ساتھ تطبیق دی جاتی ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ''زیلعی'' نے رضاعت کو حمل کی مدت کے بعد ذکر کیا ہے۔ پس ''زیلعی'' کا قول عام علما کے مخالف نہ ہوگا۔ ''تامل''

کیا رضاعت کے علاوہ عورت کے دودھ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے

12772۔ (قولہ: وَفِي الْبَحْرِ) اس کی عبارت ہے: یعنی مذکورہ مسئلہ کی بنا پر عورت کے دودھ سے دوائی کے طور پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ ''الفتح'' میں کہا: اہل طب ثابت کرتے ہیں کہ جو دودھ، دودھ پلانے والی عورت کی بچی کی وجہ سے اترا ہو آنکھ کے درد کے لیے مفید ہوتا ہے۔ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس کے ساتھ آشوب چشم زائل ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ حقیقت علم متعذر ہے۔ مراد ہے جب ظن غالب ہو ورنہ وہ منع کے معنی میں ہوگا۔ یعنی ممنوع ہوگا۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ حرام چیز کو دوائی کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں۔ یہ ظاہر مذہب ہے۔ اس کی اصل اس جانور کے پیشاب کا حکم ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اسے کسی صورت میں بھی نہیں پیا جاتا۔

بِالْمُحَرَّمِ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ أَصْلُهُ بَوْلُ الْمَأْكُولِ كَمَا مَرَّ (وَلِلْأَبِ إِجْبَارُ أَمَتِهِ عَلَى فِطَامِ وَلَدِهَا مِنْهُ قَبْلَ الْحَوْلَيْنِ إِنْ لَمْ يَضُرَّهُ) أَيْ الْوَلَدَ (الْفِطَامُ، كَمَا لَهُ) أَيْضًا (إِجْبَارُهَا) أَيْ أَمَتِهِ (عَلَى الْإِرْضَاعِ، وَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) يَعْنِي الْإِجْبَارَ

استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی اصل ان جانوروں کا پیشاب ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی لونڈی کو اس بچے کا دودھ چھڑانے پر مجبور کرے جو بچہ اس کے آقا سے ہو جب کہ ابھی دو سال نہ گزرے ہوں اگر دودھ چھڑانا اس بچے کو تکلیف نہ دے جس طرح اسے حق ہے کہ لونڈی کو مجبور کرے کہ وہ دودھ پلائے۔ اور خاوند کو حق حاصل نہیں کہ دونوں

12773۔ (قوله: بِالْمُحَرَّمِ) اس کا استعمال حرام ہے وہ پاک ہو یا ناپاک ہو،''ح''۔

12774۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) فصل البئر (کنواں) سے تھوڑا پہلے یہ گزرا ہے جہاں کہا۔

فرع

حرام چیز کو دوا کے طور پر استعمال کرنے میں اختلاف ہے۔ ظاہر مذہب اس کا ممنوع ہونا ہے جس طرح ''البحر'' کے باب ''الرضاع'' میں ہے۔ لیکن مصنف نے وہاں اور یہاں ''الحاوی'' سے نقل کیا ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے رخصت ہوگی جب یہ علم ہو کہ اس میں شفا ہے اور وہ کسی اور دوائی کو نہ جانتا ہو جس طرح پیاسے کے لیے شراب پینے کی رخصت ہے۔ اس پر فتویٰ ہے،''ح''۔

میں کہتا ہوں: دعلیہ الفتوی کا لفظ میں نے ''المنح'' کے دونسخوں میں دیکھا ہے جب کہ اسے دوسرے قول کے بعد ذکر کیا ہے جس طرح شارح نے ذکر کیا جسے تو جان چکا ہے۔ اسی طرح میں نے ''الحاوی المقدسی'' میں دیکھا۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ''طحطاوی'' کے نسخہ میں تحریف ہے۔ فافہم

12775۔ (قوله: وَلِلْأَبِ إِجْبَارُ أَمَتِهِ) کیونکہ اس لونڈی کو غلامی کی حالت میں بچے کی تربیت کا کوئی حق نہیں بلکہ تربیت کا حق باپ کو حاصل ہے۔ کیونکہ لونڈی اس کی ملکیت ہے۔ یہی حکم ہوگا جب بچہ آقا کا نہ ہو بلکہ کسی اور مرد کا ہو۔ کیونکہ یہ بچہ اس آقا کی ملکیت ہے،''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ آقا کو حق حاصل ہے کہ وہ لونڈی کو مجبور کرے اگرچہ خاوند نے اس کی اولاد کے لیے آزاد ہونے کی شرط لگائی ہو۔ کیونکہ دودھ پلانا لونڈی کو کمزور کر دیتا ہے اور آقا کی خدمت سے اسے غافل کر دیتا ہے۔

12776۔ (قوله: عَلَى الْإِرْضَاعِ) یہ مطلق کلام اس صورت کو شامل ہے کہ جب بچہ لونڈی کے بطن سے آقا کا ہو یا آقا کا بچہ ہو جو اس کے علاوہ کسی اور عورت کے بطن سے ہو۔ وہ بچہ کسی اجنبی کا ہو وہ لونڈی اجرت یا بغیر اجرت کے دودھ پلا رہی ہو۔ کیونکہ آقا کو حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اس سے خدمت لے۔

بِنَوْعَيْهِ (مَعَ زَوْجَتِهِ الْحُرَّةِ) وَلَوْ (قَبْلَهُمَا) لِأَنَّ حَقَّ التَّرْبِيَةِ لَهَا جَوْهَرَةٌ (وَيَثْبُتُ بِهِ) وَلَوْ بَيْنَ الْحَرْبِيَّيْنِ بَزَّازِيَّةٌ (وَإِنْ قَلَّ) إِنْ عُلِمَ وُصُولُهُ لِجَوْفِهِ مِنْ فَمِهِ أَوْ أَنْفِهِ
صورتوں میں اپنی آزاد بیوی کو مجبور کرے اگر چہ دو سال سے پہلے ہو۔ کیونکہ تربیت کا حق عورت کو حاصل ہے "جوہرہ"۔ اور دودھ پینے کے ساتھ عورت کا شیر خوار کی ماں ہونا ثابت ہو جاتا ہے اگر چہ یہ عمل دو حربی افراد کے درمیان ہو "بزازیہ"۔ اگر چہ دودھ بہت تھوڑا ہوا گر یہ معلوم ہو کہ دودھ اس بچے کے منہ یا اس کی ناک کے ذریعہ اس کے پیٹ تک پہنچا ہے

12777۔(قولہ: بِنَوْعَيْهِ) دونوں صورتوں سے مراد دودھ چھڑانے یا دودھ پلانے پر مجبور کرنا ہے۔

12778۔(قولہ: مَعَ زَوْجَتِهِ الْحُرَّةِ) جہاں تک اس کی اس بیوی کا تعلق ہے جو لونڈی ہو تو اس کے آقا کو حق حاصل ہوگا اگر چہ خاوند نے اولاد کے آزاد ہونے کی شرط لگائی ہو جس طرح ہم نے ابھی ابھی (مقولہ 12775 میں) ذکر کیا ہے۔ فافہم

12779۔(قولہ: وَلَوْ قَبْلَهُمَا) ضمیر سے مراد دو سال ہیں۔ یہ تعمیم جو لو کے لفظ سے سمجھی گئی ہے صحیح ہے۔ کیونکہ خاوند اسے قضاءً دودھ پلانے پر مجبور نہیں کر سکتا جب تک مدت میں اس امر کے لیے عورت متعین نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی اور عورت کا پستان نہ پکڑتا ہو یا باپ اور بچے کا کوئی مال نہ ہو جس طرح حضانہ اور نفقہ کے باب میں (مقولہ 15731 میں) آئے گا۔ جہاں تک دوسری نوع کی طرف نسبت کا تعلق ہے جو دودھ چھڑانے پر مجبور نہ کرنا ہے تو یہ دو سال سے پہلے صحیح ہے۔ جہاں تک دو سال کے بعد کا تعلق ہے تو ظاہر یہی ہے کہ خاوند عورت کو دودھ چھڑانے پر مجبور کر سکتا ہے۔ کیونکہ دو سال کے بعد دودھ پلانا حرام ہے۔ یہ اس کے قول کے مطابق ہے جس نے رضاعت کی مدت کو دو سال قرار دیا ہے تامل۔ "ح" کچھ زیادتی کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: جس میں مدد لی ہے کہ وہ مصنف کے سابقہ کلام کے ظاہر پر مبنی ہے اور اس کے متعلق گفتگو پہلے (مقولہ 12775 میں) کر چکے ہیں۔

12780۔(قولہ: وَلَوْ بَيْنَ الْحَرْبِيَّيْنِ) "البحر" میں کہا: "بزازیہ" میں ہے: دار الاسلام اور دار الحرب میں دودھ پلانے کا حکم ایک جیسا ہے یہاں تک کہ اگر اس بچے نے دار الحرب میں دودھ پیا اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ہمارے دار کی طرف نکل آئے تو ان کے درمیان باہم رضاعت کے احکام ثابت ہو جائیں گے۔ "ح"۔

حرمت رضاعت کے ثبوت میں قلیل اور کثیر میں کوئی فرق نہیں

12781۔(قولہ: وَإِنْ قَلَّ) اس قول کے ساتھ "امام شافعی" رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت کی نفی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی مگر پانچ دفعہ سیر ہو کر دودھ پیا جائے۔ کیونکہ امام مسلم کی حدیث ہے: لَا تُحَرِّمُ المصة والمصتان (1) ایک دفعہ اور دو دفعہ چوسنا درست ثابت نہیں کرتا۔ حضرت عائشہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب فی المصة والمصتان، جلد 2، صفحہ 362، حدیث نمبر 2678

لَا غَيْرُ فَلَوْ الْتَقَمَ الْحَلَمَةَ
کسی اور طریقہ سے دودھ داخل ہو تو حرمت ثابت نہ ہو گی۔ اگر بچے نے پستان منہ میں لیا

صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: قرآن حکیم میں سے جو نازل ہوا وہ دس دفعہ دودھ پینا جو معلوم ہو یہ حرمت کو ثابت کرے گا۔ پھر اس کو پانچ دفعہ دودھ پینے کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا جو معلوم ہوں یہ حرمت کو ثابت کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب کہ یہ ان میں سے تھا جسے قرآن میں سے پڑھا جاتا تھا(1)۔ اسے امام ''مسلم'' نے روایت کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقداریں منسوخ ہیں۔ اس کے منسوخ ہونے کی وضاحت حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ سے عرض کی گئی کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حضرت ابن زبیر کے فیصلہ سے بہتر ہے(2)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (النساء: 23) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے۔ یا تو یہ ارشاد باری تعالیٰ روایت کا رد ہے کہ اسے منسوخ کر دیا یا اس بنا پر رد ہے کہ وہ روایت صحیح نہیں یا یہ جائز نہیں کہ کتاب کے مطلق حکم کو خبر واحد کے ساتھ مقید کیا جائے۔ ''ہدایہ'' میں جو قول ہے: انه مردود بالكتاب و منسوخ به کا بھی یہی معنی ہے۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے(3) تو اس سے مراد ہے یہ سب قریب وقت میں منسوخ ہو گیا یہاں تک جسے یہ حکم نہ پہنچا وہ اسے پڑھا کرتا تھا بصورت دیگر قرآن کے کچھ حصہ کا ضائع ہونا لازم آتا ہے جس طرح رافضی کہتے ہیں۔ اور جو یہ کہا گیا کہ تلاوت منسوخ ہوئی جب کہ حکم باقی ہے تو یہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ نسخ کے بعد حکم کے باقی رہنے کا قول کرنا دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح''، ''التبیین'' وغیرہما میں موجود ہے۔

تنبیہ

''طحطاوی'' نے ''خیریہ'' سے نقل کیا ہے: اگر کسی شافعی عالم نے ایک دفعہ دودھ پینے کی صورت میں حرمت ثابت نہ ہونے کا فیصلہ کیا تو اس کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ اگر اس فیصلہ کو حنفی عالم کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اسی فیصلہ کو نافذ کر دے۔ تامل

12782۔ (قولہ: لَا غَيْرُ) مصنف کے قول والاحتقان والاقطار فی اذن و جائفة و آمة سے احتراز ہے۔

اگر پتا نہ چلے کہ دودھ حلق میں اترا ہے یا نہیں تو رضاعت ثابت نہیں ہو گی

12783۔ (قولہ: فَلَوْ الْتَقَمَ) یہ قول ان علم کے ساتھ قید لگانے کی تفریع ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: ایک عورت بچی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، جلد 2، صفحہ 363، حدیث نمبر 2684

2۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الرضاع، باب من قال تحرم قلیل الرضاع الخ، جلد 7، صفحہ 458

3۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، جلد 2، صفحہ 363، حدیث نمبر 2684

وَلَمْ يُدْرَ أَدَخَلَ اللَّبَنُ فِي حَلْقِهِ أَمْ لَا لَمْ يُحَرِّمْ لِأَنَّ فِي الْمَانِعِ شَكًّا وَلْوَالِجِيَّةٌ وَلَوْ أَرْضَعَهَا أَكْثَرُ أَهْلِ الْقَرْيَةِ ثُمَّ لَمْ يُدْرَ مَنْ أَرْضَعَهَا فَأَرَادَ أَحَدُهُمْ تَزَوُّجَهَا، إِنْ لَمْ تَظْهَرْ عَلَامَةٌ وَلَمْ يُشْهَدْ بِذَلِكَ جَازَ خَانِيَّةٌ (أُمُومِيَّةُ الْمُرْضِعَةِ لِلرَّضِيعِ،

اور یہ پتا نہ چلا کہ کیا دودھ اس کے حلق میں داخل ہوا یا نہ ہوا تو یہ حرمت کو ثابت نہیں کرے گا۔ کیونکہ مانع میں شک ہے ''ولوالجیہ''۔ اگر اس بچی کو اہل دہ کی بہت سی عورتوں نے دودھ پلایا پھر یہ معلوم نہیں کہ اسے کس نے دودھ پلایا ہے تو اہل دہ میں سے کسی مرد نے اس بچی کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی گواہی بھی نہ دی جائے تو نکاح جائز ہوگا، ''خانیہ''۔ اس رضاعت کے ساتھ دودھ پلانے والی عورت کا دودھ پینے والے بچے کی ماں ہونا ثابت ہو جائے گا۔

کے منہ میں پستان دے دیتی تھی لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی پھر وہ کہتی ہے: جب میں نے اس کے منہ میں پستان دیا تو میرے پستان میں دودھ نہیں تھا اس امر کو اس عورت کے سوا کسی اور عورت سے معلوم نہیں کیا جا سکتا تو اسی عورت کے بچے کے لیے جائز ہے کہ اس بچی کے ساتھ عقد نکاح کرلے ''ط''۔ ''الفتح'' میں ہے: اگر عورت نے پستان بچے کے منہ میں دیا اور عورت کو دودھ پینے کے بارے میں شک ہوا تو شک کے ساتھ حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر کہا: ضروری ہے کہ عورتیں ضرورت کے بغیر ہر بچے کو دودھ نہ پلائیں جب وہ دودھ پلائیں تو اس امر کو یاد رکھیں اس کو مشہور کریں اور بطور احتیاط اسے لکھ لیں۔ ''البحر'' میں ''خانیہ'' سے مروی ہے: عورت کے لیے مکروہ ہے کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی بچے کو دودھ پلائے مگر جب اسے بچے کی ہلاکت کا خوف ہو۔

12784۔ (قولہ: ثُمَّ لَمْ يُدْرَ) یہ پتا نہیں کہ کس نے اس بچی کو دودھ پلایا۔ ضروری ہے کہ دودھ پلانے والی کا پتہ ہو۔

12785۔ (قولہ: إِنْ لَمْ تَظْهَرْ عَلَامَةٌ) میں نے کسی کو نہیں پایا جس نے اس کی وضاحت کی ہو۔ ممکن ہے کہ اس کی وضاحت اس صورت میں کی جائے کہ دودھ والی عورت اس جگہ آتی جاتی رہی ہو جہاں بچی موجود تھی یا اس جگہ وہ عورت سکونت پذیر تھی کیونکہ یہ دودھ پلانے پر قوی نشانی ہے، ''ط''۔

12786۔ (قولہ: لَمْ يُشْهَدْ بِذَلِكَ) صیغہ فعل مجہول کا ہے۔ جار مجرور نائب فاعل ہے۔

12787۔ (قولہ: جَازَ) یہ رخصت کے باب میں سے ہے تاکہ نکاح کا دروازہ بند ہی نہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ اس قاعدہ الاصل فی الابضاع التحریم سے خارج ہے یعنی جو جز ہوں ان میں اصل حرمت ہے۔ اسی کی مثل ہے اگر دودھ پینے والی بچی ان عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہو جو محصور و محدود ہوں۔ یہ پہلے مسئلہ (جس میں عورتیں محصور نہیں) کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسے قاعدہ سے باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ حرمت کا سبب اس میں متحقق نہیں۔ ''الاشباہ'' میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

12788۔ (قولہ: أُمُومِيَّةُ) یہ مرفوع ہے یثبت کا فاعل ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: الامومة یہ مصدر ہے اس سے مراد

وَ) يَثْبُتُ (أُبُوَّةُ زَوْجِ مُرْضِعَةٍ) إِذَا كَانَ (لَبَنُهَا مِنْهُ) (لَهُ) وَإِلَّا لَا كَمَا سَيَجِيءُ (فَيَحْرُمُ مِنْهُ) أَيْ بِسَبَبِهِ (مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ، وَاسْتَثْنَى بَعْضُهُمْ إِحْدَى وَعِشْرِينَ صُورَةً وَجَمَعَهَا فِي قَوْلِهِ

اور دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کا باپ ہونا ثابت ہو جائے گا جب اس عورت کا دودھ اس خاوند کی وجہ سے اترا ہو۔ اگر اس طرح نہ ہو تو یہ حکم ثابت نہیں ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔ اور رضاعت کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو رشتے نسب کے ساتھ حرام ہوتے ہیں۔ اسے شیخین نے روایت کیا ہے۔ بعض علما نے اکیس صورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے اور ان سب کو ان اشعار میں جمع کیا ہے۔

کسی ذات کا ماں بننا ہے۔

12789۔ (قولہ: أُبُوَّةُ زَوْجِ مُرْضِعَةٍ إِذَا كَانَ لَبَنُهَا مِنْهُ) مراد ایسا دودھ ہے جو عورت کے پستان میں اس لیے اترا ہو کہ اس مرد، خاوند یا آقا کی وجہ سے عورت کے ہاں ولادت ہوئی ہو بلکہ یہ کلام اس انداز میں لائی گئی جس طرح عموماً ہوا کرتا ہے ''بحر''۔ اگر جب دودھ زنا کی وجہ سے آیا ہوا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے اور اس بارے میں گفتگو آگے (مقولہ 12874 میں) آئے گی۔

12790۔ (قولہ: لَهُ) ضمیر سے مراد رضیع ہے یہ الابوۃ کے متعلق ہے ''ح''۔ کیونکہ ابوۃ مصدر ہے اس کا معنی ہے اس کا باپ ہونا ''ط''۔

12791۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) گفتگو عنقریب اس قول طلق ذات لبن میں آئے گی، ''ح''۔

12792۔ (قولہ: أَيْ بِسَبَبِهِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ من باسبیہ کے معنی میں ہے، ''ط''۔

12793۔ (قولہ: يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ) اس کا معنی ہے رضاعت کی وجہ سے حاصل ہونے والی حرمت کو نسب والی حرمت پر قیاس کیا گیا ہے۔ پس یہ رضاعی بیٹے کی بیوی اور رضاعی باپ کی بیوی کو شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ نسب کے سبب سے حرام ہے۔ اسی طرح رضاعت کے سبب سے حرام ہے یہ اکثر علما کا قول ہے۔ ''مبسوط'' میں بھی اسی طرح ہے ''بحر''۔ ''الفتح'' میں حدیث سے اس کی حرمت کے ثبوت پر استدلال کرنا مشکل خیال کیا ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت سسرالی رشتہ کی وجہ سے ہے اس کی حرمت نسب کے سبب سے نہیں۔ اور نسب کی وجہ سے حرام وہ سات عورتیں ہیں جو آیت تحریم میں مذکور ہیں۔ بلکہ اس میں الاصلاب کی قید رضاعت کی وجہ سے باپ اور بیٹی کی بیوی کو خارج کر دیتی ہے۔ یہ قید اس کی حلت کا فائدہ دیتی ہے اس کی مفصل بحث اس میں ہے۔

12794۔ (قولہ: رَوَاهُ الشَّيْخَانِ) اس کے ساتھ یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ہے لیکن اس میں تبدیلی ہے جس کا تقاضا متن کی ترکیب نے کیا ہے وہ فا کی زیادتی ہے اور ضمیر کو ظاہر کی جگہ رکھنا ہے۔ اصل حدیث اس طرح ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (1) ''ح''۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے وہ آدمی جو معانی کی پہچان رکھتا ہو اس کے لیے روایت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب الشھادۃ علی الانساب، جلد 1، صفحہ 1116، حدیث نمبر 2451

يُفَارِقُ النَّسَبَ الْإِرْضَاعُ فِي صُوَرٍ كَأُمِّ نَافِلَةٍ أَوْ جَدَّةِ الْوَلَدِ
دودھ پلانا نسب سے کچھ صورتوں میں جدا ہے جس طرح پوتے کی ماں یا بچے کی دادی۔

بالمعنی جائز ہے جب کہ مصنف نے حدیث کی روایت کا قصد نہیں کیا،''ط''۔

وہ رضاعی رشتے جو حرمت رضاعت سے مستثنیٰ ہے

12795۔(قولہ: يُفَارِقُ النَّسَبَ الْإِرْضَاعُ) النسب کا لفظ منصوب ہے اور الارضاع کو رفع دیا گیا ہے''ح''۔ شاید اس کی طرف مفارقت کو منسوب کیا گیا ہے اگر چہ باب مفاعلہ کا فعل جانبین سے صادر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ فرع ہے اور نسب حرمت کے حکم میں ایسا اصل ہے جو معتبر ہے۔ اور مفارقت عموماً امر عارض کی وجہ سے ہوتی ہے،''ط''۔

12796۔(قولہ: فِي صُوَرٍ) یعنی سات صورتوں میں۔ یہ اکیس صورتیں ہیں اس اعتبار کی وجہ سے کہ رضاعت مضاف، مضاف الیہ یا دونوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ دو شعروں میں چھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ شاعر کا قول: وام اخ یہ وام اخت کے ساتھ مکرر ہے۔ کیونکہ ان مذکورات میں سے ہر ایک اسی طرح ہے۔ کیونکہ بھانجی بھتیجی کی مثل ہے اور خالہ کی ماں ماموں کی ماں کی طرح ہے اس پر قیاس کرلو،''ح''۔

12797۔(قولہ: كَأُمِّ نَافِلَةٍ) کاف کے لفظ کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں حصر نہیں کیونکہ''الفتح'' میں کہا: رضاعت میں حرمت ثابت کرنے والی چیز اس معنی کا وجود ہے جو نسب میں حرمت کو ثابت کرتی ہے۔ جب رضاعت کی صورتوں میں سے کسی شے میں وہ معنی منتفی ہوا تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو ذکر کیا ہے اس میں کوئی حصر نہیں۔ فافہم۔ نافلہ کا مطلب زیادہ ہے۔ اس کا اطلاق بیٹے کے بیٹے (پوتے) پر کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ صلبی بیٹے پر زائد ہے۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ ان سات صورتوں میں ہر ایک صورت تین صورتوں پر متفرع ہوتی ہے۔ پس تیرا پوتا جب نسبی ہو اور اس کی ایک رضاعی ماں ہے تو وہ تیرے لیے حلال ہے۔ مگر اس بچے کی نسبی ماں تیرے لیے حلال نہیں کیوں کہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہوگی۔ اگر وہ تیرا رضاعی پوتا ہو جس طرح اس نے تیرے بیٹے کی بیوی کا دودھ پیا ہو اور اس دودھ پینے والے بیٹے کی نسبی ماں ہو یا اس کی ایک اور رضاعی ماں ہو تو وہ تیرے لیے حلال ہے۔

12798۔(قولہ: أَوْ جَدَّةِ الْوَلَدِ) یہ قول اس صورت پر صادق آئے گا کہ بچہ رضاعی ہو اس طرح کہ اس نے تیری بیوی کا دودھ پیا ہو اور اس کی ایک نسبی دادی ہو یا دوسری ماں کی ماں کی جدہ ہو جس ماں نے اسے دودھ پلایا ہو اور اس کی یہ صورت ہے کہ وہ بچہ نسبی ہو جس کی رضاعی دادی ہو۔ نسبیہ کا معاملہ مختلف ہے وہ تیرے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تیری ماں ہوگی یا تیری بیوی کی ماں ہوگی۔ جدۃ الولد کے قول کے ساتھ ام الولد سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ نسبی ہو تو بھی حلال ہے۔ اسی طرح رضاعی بھی حلال ہے۔

وَأُمِّ أُخْتٍ وَأُخْتِ ابْنٍ وَأُمِّ أَخٍ　　وَأُمِّ خَالٍ وَعَمَّةِ ابْنٍ اعْتَمِدْ
بہن کی ماں، بیٹے کی بہن، بھائی کی ماں، ماموں کی ماں اور بیٹے کی پھوپھی۔

12799۔(قولہ: وَأُمِّ أُخْتٍ) یہ قول اس صورت میں صادق آئے گا کہ وہ دونوں رضاعی ہوں۔ جس طرح تیری ایک رضاعی بہن ہو اس کی ایک اور رضاعی ماں ہو جس نے اسے اکیلے دودھ پلایا ہو۔ یہ اس صورت پر بھی صادق آئے گا کہ بہن صرف رضاعی ہے جس کی نسبی ماں ہے۔ اور اس صورت میں بھی صادق آتا ہے کہ ماں صرف رضاعی ہو جس طرح تیری ایک نسبی بہن ہو جس کی رضاعی بہن ہو۔ نسبیہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ یا تو تیری ماں ہوگی یا تیرے باپ کی بیوی ہوگی۔

12800۔(قولہ: وَأُخْتِ ابْنٍ) دونوں میں سے ہر ایک رضاعی ہو، یا پہلا رضاعی ہو اور دوسرا نسبی ہے، یا اس کے برعکس ہو۔ جب دونوں نسبی ہوں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پس بیٹے کی بہن حلال نہ ہوگی کیونکہ یا تو وہ تیری بیٹی ہوگی یا تیری گود میں پرورش پا رہی ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے جب تیرے بیٹے نے اپنی ماں کی ماں کا دودھ پیا تو اس کی ماں تجھ پر حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی رضاعی بہن ہے۔ ''رملی'' نے اسے بیان کیا ہے، ''ط''۔

بیٹی کی بہن بیٹے کی بہن کی طرح ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کی نسبی بہن کی حلت کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ لونڈی میں دو شریک اس کے بچے کے بارے میں دعویٰ کر دیتے ہیں جب کہ ان دونوں سے ہر ایک کی بیٹی ہو جو اس لونڈی کے بطن سے نہ ہو تو اس کے شریک کے لیے جائز ہے کہ اس بیٹی سے عقد نکاح کر لے جب کہ یہ اس لڑکے کے باپ کی جانب سے نسبی بہن ہے۔ ''شرح وہبانیہ'' میں اس کے متعلق لغزش (پہیلی) ذکر کی ہے اور ''شرنبلالیہ'' میں اس کا جواب دیا ہے۔

12801۔(قولہ: وَأُمِّ أَخٍ) اس کے بارے میں کلام وہی ہے جو بہن کی ماں کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں (مقولہ 12796 میں) گفتگو گزر چکی ہے جو ''حلبی'' سے منقول ہے۔

12802۔(قولہ: وَأُمِّ خَالٍ) اس میں تین صورتیں ہیں۔ مگر جب دونوں نسبی ہوں تو وہ حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ تیرے نسبی ماموں کی والدہ تیری نانی ہوگی یا تیرے دادا کی منکوحہ ہوگی۔

12803۔(قولہ: وَعَمَّةِ ابْنٍ) اس میں بھی تین صورتیں ہیں کہ دونوں رضاعی ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بچے نے تیری زوجہ کا دودھ پیا ہو اور اس نے ایک اور آدمی کی بیوی کا بھی دودھ پیا ہو جس کی ایک بہن ہو۔ یہ بہن تیرے بیٹے کی رضاعی پھوپھی ہے۔ یا پہلا صرف رضاعی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دودھ پینے والا تیرا نسبی بیٹا ہو۔ یا صرف دوسرا ایسا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تیرے رضاعی بیٹے کی نسبی پھوپھی ہو۔ جب دونوں میں سے ہر ایک نسبی ہو تو پھوپھی تیرے لیے حلال نہیں کیونکہ وہ تیری بہن ہے۔

(إِلَّا أُمَّ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ) اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ لِأَنَّ حُرْمَةَ مَنْ ذُكِرَ بِالْمُصَاهَرَةِ لَا بِالنَّسَبِ فَلَمْ يَكُنْ الْحَدِيثُ مُتَنَاوِلًا لِمَا اسْتَثْنَاهُ الْفُقَهَاءُ فَلَا تَخْصِيصَ بِالْعَقْلِ كَمَا قِيلَ، فَإِنَّ حُرْمَةَ أُمِّ أُخْتِهِ وَأَخِيهِ نَسَبًا لِكَوْنِهَا أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوءَةَ أَبِيهِ

مگر اس کے بھائی اور اس کی بہن کی ماں۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ جن رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہے نسب کی وجہ سے نہیں۔ پس حدیث ان کو شامل نہ ہوگی جنہیں فقہا نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ پس عقل کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں جس طرح کہا گیا ہے۔ کیونکہ نسبی بہن اور نسبی بھائی کی ماں کی حرمت اس لیے ہے کیونکہ وہ اس کی ماں ہے یا اس کے باپ کی موطوءہ ہے۔

12804۔(قولہ: اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ) یہ امام ''بیضاوی'' کے قول(1) کا جواب ہے: رضاعی بیٹے کی بہن اور رضاعی بھائی کی ماں کی استثنا اس اصل سے درست نہیں۔ کیونکہ دونوں کی نسب میں حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہے نہ کہ نسب کی وجہ سے ہے۔

صحت کا نہ ہونا یہ اس صورت پر مبنی ہے جب استثنا متصل ہے۔ آپ کے قول کا جواب ''العنایہ'' میں بھی ہے: یہ دلیل عقلی سے حدیث کی تخصیص ہے۔ جواب کا بیان وہ ہے جو ''زیلعی'' نے کہا ہے: یہ سہو ہے۔ کیونکہ حدیث رضاعت کی وجہ سے حرمت کے عموم کو ثابت کرتی ہے کیونکہ نسب کی وجہ سے حرمت پائی گئی ہے۔ اور نسبی بھائی کی ماں کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے بھائی کی ماں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ اس کی ماں ہے یا اس کے باپ کی موطوءہ ہے۔ کیا نہیں دیکھا جاتا کہ وہ عورت اس پر حرام ہوتی ہے اگرچہ اس کا کوئی بھائی نہ ہو۔ اسی طرح نسبی بھائی کی بہن ہے یہ اس پر حرام ہے۔ کیونکہ یہ اس کی بیٹی ہے یا اس کی بیوی کی بیٹی ہے اس کی حرمت دلیل کی وجہ سے ہے اگرچہ اس کا کوئی بیٹا نہ ہو۔ یہ معنی رضاعت میں حرمت کو ثابت کرے گا یہاں تک کہ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ماں سے عقد نکاح کرے اور نہ ہی اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے باپ کی موطوءہ سے عقد نکاح کرے اور نہ ہی اپنی بیوی کی بیٹی سے عقد نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ یہ سب رضاعت سے ثابت ہے۔ پس تخصیص کا دعویٰ باطل ہے۔

حاصل کلام اس امر کی طرف راجع ہے کہ استثنا منقطع ہے جس طرح شارح نے کہا۔ کیونکہ حدیث اس کو شامل نہیں۔ یہ چیز ذہن نشین کرلو۔ ''حلبی'' نے شارح کے قول پر ''بیضاوی'' کی پیروی کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے۔ ''بیضاوی'' کا قول یہ تھا: ان حرمة من ذكر بالمصاهرة اعتراض ان الفاظ میں کیا ہے۔ اس میں دو وجوہ سے اعتراض ہے۔

(ا) رشتہ مصاہرت کا تصور اپنے بچے کی پھوپھی میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اس کی حقیقی بہن ہوگی، یا باپ کی جانب سے بہن ہوگی، یا ماں کی جانب سے بہن ہوگی۔ اسی طرح کا حکم اپنے بیٹے کی پھوپھی کی بیٹی میں ہے۔ کیونکہ وہ بچی اس کی حقیقی یا باپ یا ماں کی جانب سے بہن کی بیٹی ہوگی۔

1۔ انوار التنزیل واسرار التاویل، سورۃ النساء آیت 23

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

(۲) باقی سات صورتوں میں مصاہرت کا تصور صرف ایک تقدیر پر ہو سکتا ہے۔ دوسری تقدیر یا دوسری دو تقدیروں کی بنا پر حرمت نسب سے ثابت ہوتی ہے مصاہرت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ تیرے بھائی کی ماں کی حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہوتی ہے جب بھائی باپ کی جانب سے بھائی ہو۔ کیونکہ اس وقت اس کی ماں تیرے باپ کی بیوی ہے۔ حقیقی یا ماں کی جانب سے بھائی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی ماں کی حرمت نسب کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ تیری ماں ہے۔ اور تیرے نسبی بیٹے کی بہن کی حرمت یہ مصاہرت کی وجہ سے ہوتی ہے اگر وہ تیرے بیٹے کی ماں کی جانب سے بہن ہو۔ کیونکہ وہ تیرے ہاں پرورش پا رہی ہے۔ حقیقی بہن یا باپ کی جانب سے اس کی بہن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تو تیری بیٹی ہے۔ اور تیرے بیٹے کی دادی کی حرمت وہ مصاہرت کی وجہ سے ہے جب وہ اس کی نانی ہو۔ کیونکہ وہ تیری بیوی کی ماں ہے۔ اس کے باپ کی ماں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تیری ماں ہے۔ اور تیرے چچا کی ماں کی حرمت رشتہ مصاہرت کی وجہ سے ہوگی اگر چچا باپ کی جانب سے ہو۔ اگر وہ باپ کا حقیقی بھائی ہے یا ماں کی جانب سے بھائی ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ تیری دادی ہے۔ چچا کی ماں کی مثل ماموں کی ماں ہے۔ تیرے بیٹے کی بہن کی بیٹی کی حرمت یہ رشتہ مصاہرت کی وجہ سے ہوگی اگر وہ بہن ماں کی جانب سے ہو۔ کیونکہ وہ تیرے ہاں پرورش پانے والے کی بیٹی ہے۔ اگر وہ بچے کی حقیقی بہن ہو یا باپ کی جانب سے بہن ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تیری نواسی ہے اور تیرے بچے کے بچے کی ماں کی حرمت یہ رشتہ مصاہرت کی وجہ سے ہوگی جب وہ تیرے پوتے کی ماں ہو۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے۔ تیری نواسی کی ماں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تیری بیٹی ہے۔ پس ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ علت بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح تعلیل جو اس قول کے ساتھ ذکر ہے فان حرمۃ ام اختہ جس کی وضاحت ہم عنقریب کریں گے۔

میں کہتا ہوں: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شارح کا قول ان حرمۃ من ذکر بالمصاہرۃ اس سے مراد صرف وہ ہے جن کا ذکر ہوا وہ اس کے بھائی اور بہن کی ماں ہے۔ کیونکہ صرف اسی کا پہلے ذکر ہوا ہے باقی ماندہ آنے والی صورتیں مراد نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کیونکہ اس کے بعد ایک ایسی تعلیل ذکر کی ہے جو سب کو جامع ہے وہ ان کا یہ قول ہے: فان حرمۃ ام اختہ واخیہ الخ ساتھ یہ قول بھی ہے: وقس علیہ اخت ابنہ الخ جس طرح ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے: میں خیال کرتا ہوں کہ ان کا قول: ان المصاہرۃ انما تتصور علی تقدیر واحد فقط اس سے مراد صرف وہی تقدیر ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نسب سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں رضاعت سے بھی اس کی مثل حرام ہوتے ہیں۔ تو کہا جاتا ہے: نسبی ماں حرام ہوتی ہے۔ اسی طرح رضاعی ماں حرام ہوتی ہے۔ نسبی بیٹی حرام ہوتی ہے اسی طرح رضاعی بیٹی حرام ہوتی ہے۔ اسی طرح نسب کی وجہ سے آخری محرمہ کا تعلق ہے۔ تیرے حقیقی بھائی کی ماں یا ماں کی جانب سے بھائی کی ماں یہ حرام ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تیری ماں ہے۔ اس لیے حرام نہیں ہوتی کہ وہ تیرے بھائی کی ماں ہے۔ اسی وجہ سے وہ حرام ہوگی اگرچہ اس کے بطن سے تیرا کوئی اور بھائی نہ ہو۔ یہ کہنا اچھا نہیں حقیقی

وَهٰذَا الْمَعْنَى مَفْقُودٌ فِي الرَّضَاعِ (وَ) قِسْ عَلَيْهِ (أُخْتَ ابْنِهِ) وَبِنْتِهِ (وَجَدَّةَ ابْنِهِ) وَبِنْتِهِ (وَأُمَّ عَمِّهِ وَعَمَّتِهِ وَأُمَّ خَالِهِ وَخَالَتِهِ، وَكَذَا عَمَّةُ وَلَدِهِ

یہ معنی رضاعت میں مفقود ہے اس پر اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی کی بہن کو قیاس کر لو اور اپنے بیٹے اور بیٹی کی دادی، اپنے چچا، اپنی پھوپھی کی ماں، اپنے ماموں اور خالہ کی ماں کو قیاس کرو۔ اسی طرح اپنے بیٹے کی پھوپھی،

بھائی یا ماں کی جانب سے بھائی کی ماں حرام ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ان کے قول کے ساتھ متکرر ہوتا ہے۔ تحرم الام۔ پس معلوم ہو گیا کہ مراد صرف باپ کی جانب سے بھائی کی ماں ہے۔

جب ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ باپ کی جانب سے بھائی کی ماں یہ مصاہرت کی وجہ سے حرام ہوتی ہے اور حدیث نے رضاعت کی حرمت کو نسب کی حرمت پر مرتب کیا ہے مصاہرت کی حرمت پر مرتب نہیں کیا تو جواب دیا کہ استثنا منقطع ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے بیٹے کی بہن جب وہ حقیقی ہو یا باپ کی جانب سے ہو وہ حرام ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تیری بیٹی ہے جب کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نسبی بیٹی حرام ہے۔ پس اس سے ماں کی جانب سے بہن مراد ہو گی۔ کیونکہ وہ تیرے ہاں پرورش پا رہی ہے۔ پس اس کی حرمت نسبی محرمات سے معلوم نہ ہوئی پس تکرار نہ ہوا۔ لیکن جب یہ حدیث میں داخل نہیں تو یہ مستثنیٰ منقطع ہوا۔ باقی میں اسی طرح کہا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب حدیث نے رضاعت کی حرمت کو نسب کی حرمت پر مرتب کیا ان مستثنیات کی نظائر میں سے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں بعض اوقات وہ نسب سے ایک تقدیر پر اور مصاہرت سے ایک تقدیر پر حرام ہوتے ہیں تو یہ صحیح نہیں کہ اس سے پہلی تقدیر مراد لی جائے۔ کیونکہ اسی سے بلا فائدہ تکرار لازم آتا ہے۔ پس دوسری تقدیر کا ارادہ متعین ہو گیا اگرچہ اس میں مستثنیٰ منقطع ہے تا کہ تکرار ختم کیا جائے اور اس بیان پر آگاہ کیا جائے جو زیادہ توضیح کے لیے واقع ہوا ہے۔ یہ وہ انتہائی کلام ہے جو ان کے کلام کی توجیہ میں ممکن ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فافہم

12805۔ (قولہ: وَهٰذَا الْمَعْنَى مَفْقُودٌ فِي الرَّضَاعِ) کیونکہ اس کی رضاعی بہن اور رضاعی بھائی کی ماں نہ تو اس کی ماں ہے اور نہ ہی اس کے باپ کی موطوءہ ہے۔

12806۔ (قولہ: وَقِسْ عَلَيْهِ) جو معنی ذکر کیا گیا ہے اس پر اپنے بیٹے اور بیٹی کی بہن کو قیاس کر لو کہ تو کہے: اس پر اس کے نسبی بیٹے اور بیٹی کی بہن حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس کی اپنی بیوی ہے یا اس کی بیوی کی بیٹی ہے۔ یہ امر رضاعت میں مفقود ہے۔ اسی طرح نسبی بیٹے اور بیٹی کی دادی، نانی اس پر حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ماں ہے یا اس کی بیوی کی ماں ہے۔ یہ امر رضاعت میں مفقود ہے۔ باقی صورتیں بھی اسی طرح ہیں۔ لیکن ہر صورت کے لیے ایک عبارت ہے جو اس کے مناسب ہے۔ اسی وجہ سے کہا: وقیس علیہ علیہ کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے۔ یہ اس کی بہن اور اس کے بھائی کی ماں کی طرف راجع نہیں یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہوتا کہ بعض کو مقیس اور بعض کو مقیس علیہ بنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ فافہم

12807۔ (قولہ: وَكَذَا عَمَّةُ وَلَدِهِ) علما نے بچے کی خالہ کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ نسبی ہو تو بھی حلال ہوتی ہے۔

وَبِنْتُ عَمَّتِهِ وَبِنْتُ أُخْتِ وَلَدِهِ وَأُمُّ أَوْلَادِ أَوْلَادِهِ فَهٰؤُلَاءِ مِنَ الرَّضَاعِ حَلَالٌ لِلرَّجُلِ وَكَذَا أَخُو ابْنِ الْمَرْأَةِ لَهَا، فَهٰذِهِ عَشْرُ صُوَرٍ تَصِلُ بِاعْتِبَارِ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ إِلَى عِشْرِينَ، وَبِاعْتِبَارِ مَا يَحِلُّ لَهُ أَوْ لَهَا إِلَى أَرْبَعِينَ مَثَلًا يَجُوزُ تَزَوُّجُهُ بِأُمِّ أَخِيهِ

اس کی پھوپھی کی بیٹی اور اپنے بچے کی بھانجی۔ اور اپنے پوتوں کی ماں یہ سب (بھائی کی ماں سے لے کر یہاں تک) رضاعی رشتے مرد کے لیے حلال ہیں۔ اسی طرح عورت کے بیٹے کا بھائی عورت کے لیے حلال ہے۔ یہ دس صورتیں ہیں جو مرد اور عورت ہونے کے اعتبار سے بیس تک جا پہنچتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ مرد کے لیے حلال ہیں یا عورت کے لیے تو یہ صورتیں چالیس ہو جاتی ہیں۔ جس طرح یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کی ماں سے عقد نکاح کرے۔

کیونکہ وہ اس کی بیوی کی بہن ہوتی ہے،''بحر''۔

12808۔ (قولہ: وَبِنْتُ عَمَّتِهِ) یعنی اپنے بچے کی پھوپھی کی بیٹی۔ یہ نسبی ہو تو حرام ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اس کی بھانجی ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کی اپنی پھوپھی کی بیٹی کا تعلق ہے تو یہ نسبی ہو، رضاعی ہو ہر صورت میں حلال ہے،''ط''۔

12809۔ (قولہ: وَبِنْتُ أُخْتِ وَلَدِهِ) اور بیٹے کی بھانجی۔ یہ نسب سے حرام ہے۔ کیونکہ یہ تو اس کی نواسی ہوگی یا اس کے ہاں پرورش پانے والی کی بیٹی ہوگی،''ط''۔

12810۔ (قولہ: لِلرَّجُلِ) یہ الا ام اختہ کے قول میں مستثنیٰ کے متعلق ہے یعنی مذکورہ عورتوں میں سے کوئی بھی مرد کے لیے حرام نہیں جب وہ رضاعی عورتیں ہوں۔''ح عن المنح''۔ یہ متن کی طرف نظر کرنے کے اعتبار سے ہے بصورت دیگر یہ شارح کے قول حلال کے متعلق ہے۔

12811۔ (قولہ: وَكَذَا أَخُو ابْنِ الْمَرْأَةِ لَهَا) اس دسویں کے ذکر میں اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ نو کے مقابلات میں سے ہے۔ یہ نو کی مباین قسم نہیں جس طرح ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

12812۔ (قولہ: بِاعْتِبَارِ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ) یعنی مضاف الیہ کے اعتبار کرنے کی صورت میں۔ پس مذکر مضاف الیہ ہونے کے اعتبار سے وہ اس کے بھائی کی ماں، اس کے بیٹے کی بہن، اس کے بیٹے کی جدہ، اس کے چچا کی ماں، اس کے ماموں کی ماں، اس کے بیٹے کی پھوپھی، اس کے بیٹے کی پھوپھی کی بیٹی، اس کے بیٹے کی بھانجی اور اس کے پوتے کی ماں ہوگی۔

اور مؤنث مضاف الیہ ہونے کی صورت میں وہ بہن کی ماں، اس کی بیٹی کی بہن، اس کی بیٹی کی جدہ، اس کی پھوپھی کی ماں، اس کی بیٹی کی پھوپھی، اس کی بیٹی کی پھوپھی کی بیٹی، اس کی بیٹی کی بھانجی الخ۔''ح'' یہ اٹھارہ صورتیں ہیں۔ انہیں بیس شمار کیا ہے۔ یہ اس دسویں مکرر کو دیکھتے ہوئے ایسا کیا ہے۔

12813۔ (قولہ: وَبِاعْتِبَارِ مَا يَحِلُّ لَهُ) یعنی جب حلت کو مرد کی طرف منسوب کیا جائے جس طرح کہا جائے: اس مرد کے لیے اس کے بھائی کی ماں اور اس کے بیٹے کی بہن حلال ہوگی مذکورہ امثلہ کے آخر تک معاملہ یہی ہوگا۔

12814۔ (قولہ: أَوْ لَهَا) یعنی جب عورت کے لیے حلت ہو تو یوں کہا جائے: اس عورت کے لیے اس کے بھائی کا

باپ، اس کے بیٹے کا بھائی، اس کے بیٹے کا دادا، اس کے چچا کا باپ اور اس کے ماموں کا باپ، اس کے بچے کا ماموں، اس کے بچے کی خالہ کا بیٹا، اس کے بچے کی بہن کا بیٹا، اس کے پوتے کا بیٹا حلال ہوگا۔ بے شک ہم نے کہا: اس عورت کے بچے کا ماموں، اس کے بچے کی خالہ کا بیٹا۔ قیاس تو یہ تھا کہ ہم کہتے: اس کے بچے کا چچا، اس کے بچے کی پھوپھی کا بیٹا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی نسبی ہوں تو حرام نہیں جس طرح ''البحر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے: یہ ممکن ہے کہ مقام کی وضاحت ایک اور حالت سے کی جائے تو اس مرد کا اپنے بھائی کی ماں اور بہن کی ماں سے شادی کرنے کے مقابلہ میں یہ کہا جائے گا وہ عورت اپنے بیٹے اور بیٹی کی بھائی سے شادی کرسکتی ہے۔ اور اپنے چچا کی ماں کے مقابلہ میں عورت اپنے بیٹے کی بھتیجے سے اور مرد کی اپنی پھوپھی کی ماں کے مقابلہ میں عورت اپنی بیٹی کے بھتیجے سے نکاح کرسکتی ہے، اور مرد کے اپنے ماموں کی ماں کے مقابلہ میں عورت اپنے بیٹے کے بھانجے سے نکاح کرسکتی ہے، اور اپنی خالہ کی ماں کے مقابلہ میں عورت اپنی بیٹی کے بھانجے سے نکاح کرسکتی ہے، اور مرد کے اپنے بچے کی پھوپھی کے مقابلہ میں عورت اپنے بچے کے چچا سے عقد نکاح کرسکتی ہے۔ اور مرد کے اپنے بیٹے کی پھوپھی کی بیٹی کے مقابلہ میں عورت اپنے ماموں سے نکاح کرسکتی ہے اور عورت کے اپنے بیٹے کے بھائی سے عقد نکاح کرنے کے مقابلہ میں مرد اپنے بھائی کی ماں سے عقد نکاح کرسکتا ہے۔ یہ مکرر ہے۔

لیکن آٹھویں اور نویں صورت میں صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس مرد کے بچے کی پھوپھی کے مقابلہ میں عورت اپنے بھائی کے بیٹے کے باپ سے نکاح کرسکتی ہے اور مرد کے اپنے بچے کی پھوپھی کی بیٹی کے مقابلہ میں عورت کے لیے اپنے ماموں کے بیٹے کے باپ سے عقد نکاح جائز ہے۔ فافہم

جسے ''حلبی'' نے ثابت کیا ہے وہی ''البحر'' میں ہے۔ یہی شارح کے قول وتزوجها بابی اخیها کے موافق ہے۔ اس کا حاصل کلام یہ ہے کہ تو پہلے مؤنث مضاف کو اس مذکر سے بدل دے جو اس کے مقابل ہے اور مذکر ضمیر کو مؤنث ضمیر سے بدل دے اور تو ماں کو باپ سے، بہن کو بھائی سے، دادی کو دادا سے بدل دے۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہے۔ اور تو ضمیر کو مذکر ذکر کرے اور تو اس مرد کے بھائی کی ماں کے مقابلہ میں کہے اس عورت کے بھائی کا باپ اور اس مرد کے بیٹے کی بہن کے مقابلہ میں کہے اس عورت کے بیٹے کا بھائی اور تو مرد کے بیٹے کی دادی کے مقابلہ میں کہے عورت کے بیٹے کا دادا الخ۔

دوسری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ تو ہر صورت کو دیکھے اور تو یہ دیکھے کہ اس میں عورت کی خاوند کی طرف کیا نسبت ہے اور تو اس نسبت کے نام کے ساتھ اس کا نام رکھے مثلاً جب مرد اپنے بھائی کی ماں یا اس کی بہن سے عقد نکاح کرے تو عورت بیٹے یا بیٹی کے بھائی سے عقد نکاح کرسکتی ہے۔ اور جب مرد اپنے بیٹے یا بیٹی کی بہن سے عقد نکاح کرے تو عورت اپنے بھائی یا بہن کے باپ سے عقد نکاح کرے گی۔ اسی طرح باقی صورتیں ہیں۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ محض تکرار ہے۔ صرف تعبیر میں اختلاف ہے۔ فافہم

وَتَزَوُّجُهَا بِأَبِي أَخِيهَا، وَكُلٌّ مِنْهَا يَجُوزُ أَنْ يَتَعَلَّقَ الْجَارُّ وَالْمَجْرُورُ أَعْنِي مِنَ الرَّضَاعِ تَعَلُّقًا مَعْنَوِيًّا بِالْمُضَافِ كَالْأُمِّ كَأَنْ تَكُونَ لَهُ أُخْتٌ نَسَبِيَّةٌ لَهَا أُمٌّ رَضَاعِيَّةٌ، أَوْ بِالْمُضَافِ إِلَيْهِ كَالْأَخِ كَأَنْ يَكُونَ لَهُ أَخٌ نَسَبِيٌّ لَهُ أُمٌّ رَضَاعِيَّةٌ، أَوْ بِهِمَا كَأَنْ يَجْتَمِعَ مَعَ آخَرَ عَلَى ثَدْيِ أَجْنَبِيَّةٍ وَلِأَخِيهِ رَضَاعًا أُمٌّ أُخْرَى رَضَاعِيَّةٌ فَهِيَ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ

اورعورت کا اپنے بھائی کے باپ سے عقد نکاح کرنا جائز ہے۔ان میں سے ہر ایک صورت میں یہ جائز ہے کہ جار مجرور یعنی من الرضاع مضاف جیسے ام کے متعلق ہے اور یہ تعلق معنوی ہو جیسے اس کی ایک نسبی بہن ہو جس کی رضاعی ماں ہو یا جار مجرور مضاف الیہ کے متعلق ہو جس طرح اخ۔جس طرح اس کا نسبی بھائی ہو جس کی رضاعی ماں ہو۔یا جار مجرور مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے متعلق ہو۔جس طرح وہ کسی اور بچے کے ساتھ ایک اجنبی عورت کے پستان پر جمع ہو اور اس کے رضاعی بھائی کی ایک اور رضاعی ماں ہو تو یہ ایک سو بیس صورتیں ہوں گی۔

12815۔(قولہ: وَتَزَوُّجُهَا بِأَبِي أَخِيهَا) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔اس کی مثل ''البحر'' میں ہے۔یہ اس کے موافق ہے جسے ''حلبی'' نے ثابت کیا ہے جس طرح تو نے جان لیا ہے۔بعض نسخوں میں بابن اخیھا کے الفاظ ہیں۔''النہر'' میں اسی طرح ہے۔اس کی کوئی توجیہ نہیں۔کیونکہ یہ گزشتہ دو تقریروں کے حوالہ سے اس کے مقابل نہیں کہ مرد اپنے بھائی کی ماں سے عقد نکاح کرے۔''البحر'' کے بعض نسخوں میں باخی ابنھا کی تعبیر موجود ہے۔یہ اس کے موافق ہے جسے ''طحطاوی'' نے ثابت رکھا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12814 میں) گزر چکا ہے۔اس میں وہی گفتگو ہے جس کو تو جان چکا ہے۔

12816۔(قولہ: وَكُلٌّ مِنْهَا) یعنی چالیس صورتیں ''ح''۔بعض نسخوں میں منھما ہے تثنیہ کی ضمیر ہے یعنی دونوں اعتباروں میں سے ہر ایک جن دونوں میں تعداد چالیس تک پہنچ چکی ہے۔فافہم

12817۔(قولہ: الْجَارُّ وَالْمَجْرُورُ) یعنی وہ استثنا جس پر مستثنیٰ منہ دلالت کرتا ہے اس کے بعد یہ مقدر ہے۔تقدیر کلام یہ ہوگی: فیحرم من الرضاع مایحرم من النسب الا ام اخیه من الرضاع، یعنی رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں مگر رضاعی بھائی کی ماں کیونکہ وہ حرام نہیں ہوتی ''ح''۔

12818۔(قولہ: تَعَلُّقًا مَعْنَوِيًّا) یہ صفت ہے یا حال ہے۔کیونکہ یہ خالص معرفہ نہیں۔کیونکہ یہاں اضافی تعریف، تعریف جنسی کی طرح ہے۔جہاں تک اس کا صناعی تعلق ہے تو وہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ محذوف کو وجوبا ثابت رکھا جائے۔اس کی مفصل بحث ''حلبی'' نے ''البحر'' سے نقل کی ہے۔

12819۔(قولہ: كَالْأَخِ) یہ کہنا زیادہ بہتر تھا کالاخت یا پہلے کہتا کان یکون له اخ نسبی مگر یہ کہا جائے: اس سے مراد مضاف الیہ میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے تقسیم مراد ہے ''ح''۔

12820۔(قولہ: كَأَنْ يَكُونَ لَهُ أَخٌ نَسَبِيٌّ لَهُ أُمٌّ رَضَاعِيَّةٌ) اس عبارت میں ''النہر'' کی پیروی کی ہے۔''حلبی'' نے

وَهٰذَا مِنْ خَوَاصِّ كِتَابِنَا (وَتَحِلُّ أُخْتُ أَخِيهِ رَضَاعًا) يَصِحُّ اتِّصَالُهُ بِالْمُضَافِ كَأَنْ يَكُونَ لَهُ أَخٌ نَسَبِيٌّ لَهُ أُخْتٌ رَضَاعِيَّةٌ، وَبِالْمُضَافِ إِلَيْهِ كَأَنْ يَكُونَ لِأَخِيهِ رَضَاعًا أُخْتٌ نَسَبًا وَبِهِمَا وَهُوَ ظَاهِرٌ (وَ) كَذَا (نَسَبًا) بِأَنْ يَكُونَ لِأَخِيهِ لِأَبِيهِ أُخْتٌ لِأُمٍّ، فَهُوَ مُتَّصِلٌ بِهِمَا لَا بِأَحَدِهِمَا لِلُزُومِ التَّكْرَارِ كَمَا لَا يَخْفَى (وَلَا حِلَّ بَيْنَ رَضِيعَيْ امْرَأَةٍ) لِكَوْنِهِمَا أَخَوَيْنِ

یہ ہماری کتاب کے خواص میں سے ہے اور اس کے رضاعی بھائی کی بہن حلال ہے۔ اس کلام کا اتصال مضاف کے ساتھ صحیح ہے جس طرح اس کا ایک نسبی بھائی ہو جس کی رضاعی بہن ہو اور اس کا اتصال مضاف الیہ کے ساتھ بھی صحیح ہے جس طرح اس کے رضاعی بھائی کی نسبی بہن ہو یا مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے ساتھ اتصال ہو اور وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح نسبی بھائی کی بہن حلال ہے جس طرح اس کا باپ کی جانب سے بھائی ہے جس کی ماں کی جانب سے بہن ہے۔ پس نسب کا لفظ دونوں کے ساتھ متصل ہے صرف ایک کے ساتھ متصل نہیں۔ کیونکہ تکرار لازم آتا ہے جس طرح مخفی نہیں ایک عورت کے پستان سے دودھ پینے والے بچے باہم ایک دوسرے کیلئے حلال نہیں۔ کیونکہ وہ دونوں آپس میں بھائی ہیں

کہا: صحیح یہ کلام ہے: کان یکون لہ اخ رضاعی لہ ام نسبیة جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

12821۔ (قولہ: وَهٰذَا مِنْ خَوَاصِّ كِتَابِنَا) یہ جان لیں کہ ''ابن وہبان'' نے ''شرح منظومتہ'' میں اسے ساٹھ سے اوپر تک پہنچایا ہے۔ صاحب ''البحر'' نے ان کی وضاحت کی اور ان پر اضافہ کیا یہاں تک کہ انہیں اکیاسی تک پہنچایا۔ اور کہا: یہ اسی کتاب کے خواص میں سے ہے۔ ''النہر'' میں انہیں ایک سو اسی تک پہنچایا اور کہا: یہ اس کتاب کے خواص میں سے ہے۔ شارح نے ارادہ کیا کہ انہیں دسویں صورت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ایک سو بیس تک پہنچا دے تا کہ یہ ان کی کتاب کے خواص میں سے ہو جائے جس طرح کہا۔ لیکن یہ صورتیں اس کے لیے ممکن نہ ہوئیں۔ ''حلبی'' نے یہ بیان کیا ہے یعنی بلکہ ایک سو آٹھ عدد باقی ہے۔

12822۔ (قولہ: وَهُوَ ظَاهِرٌ) جیسے اس کا ایک رضاعی بھائی ہو جس نے ایک عورت کی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا ہو۔

12823۔ (قولہ: فَهُوَ) یعنی ان کا قول نسبًا، ''ط''۔

12824۔ (قولہ: لِلُزُومِ التَّكْرَارِ) کیونکہ نسبًا کا لفظ جب صرف مضاف کے ساتھ متصل ہو تو مضاف الیہ رضاعی ہوگا یا صرف مضاف الیہ کے ساتھ متصل ہو تو مضاف رضاعی ہوگا جب کہ یہ دونوں اس قول میں داخل ہیں: وتحل اخت اخیہ رضاعا، ''ح''۔

12825۔ (قولہ: لِكَوْنِهِمَا أَخَوَيْنِ) یعنی دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ اگر وہ دودھ جسے انہوں نے پیا ہے وہ ایک مرد کی وجہ سے عورت کو آیا ہو یا ماں کی جانب سے بھائی ہوں اگر پہلی صورت نہ ہو۔ اور بعض اوقات دونوں باپ کی جانب سے بھائی ہوتے ہیں جس طرح ایک مرد کی دو بیویاں ہوں اور دونوں نے اس مرد سے بچے جنے ہوں تو ہر ایک نے ایک صغیر کو دودھ پلایا

وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّمَنُ وَالْأَبُ (وَلَا) حِلَّ (بَيْنَ الرَّضِيعَةِ وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا) أَيْ الَّتِي أَرْضَعَتْهَا (وَوَلَدِ وَلَدِهَا) لِأَنَّهُ وَلَدُ الْأَخِ (وَلَبَنُ بِكْرٍ بِنْتِ تِسْعِ سِنِينَ) فَأَكْثَرَ (مُحَرِّمٌ)

اگر چہ دودھ پینے کا زمانہ اور باپ مختلف ہو۔ جس بچی نے دودھ پیا اور جس نے اسے دودھ پلایا اس کے بیٹے کے درمیان کوئی حلت نہیں۔ یعنی جس عورت نے اس بچی کو دودھ پلایا تھا اور دودھ پلانے والی کے پوتے سے عقد نکاح کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ اس بچی کا بھتیجا ہے۔ نو سال کی عمر کی بچی یا اس سے زائد عمر کی بچی کا دودھ حرمت کا باعث ہوتا ہے

ہو۔ کیونکہ دونوں بچے باپ کی جانب سے بھائی ہیں یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے ایک عورت ہو تو دونوں میں نکاح حلال نہیں جس طرح ''مسکین'' نے اسے ذکر کیا ہے، ''ح''۔

12826۔ (قولہ: وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّمَنُ) جس طرح ایک عورت نے دوسرے بچے کو مثلاً بیس سال بعد دودھ پلایا ہو دونوں میں سے ہر ایک نے رضاعت کی مدت میں دودھ پیا ہو۔

12827۔ (قولہ: وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا) یعنی دودھ پلانے والی کا نسبی بچہ۔ جہاں تک اس بچے کا تعلق ہے جو رضاعی ہے اگر چہ اس کا حکم بھی اسی طرح ہے لیکن اس کا حکم ان کے اس قول: ولا حل بین رضیعی امرأۃ سے سمجھا گیا ہے ''ح''۔ اسے مطلق ذکر کیا اور اس نے حرمت کا فائدہ دیا اگر چہ اس عورت نے اپنے نسبی بچے کو دودھ نہ پلایا ہو۔ جب دونوں بچے اجنبی ہوں تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ضروری ہے کہ وہ ایک عورت کا دودھ پئیں جس طرح پہلے جملہ نے اس کا فائدہ دیا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ وہ اس جملہ سے مستغنی نہیں ہوا۔ ''البحر'' اور ''المنح'' میں جو کچھ ہے اسے ''النہر'' میں رد کر دیا ہے۔ اور یہ حکم اسے بھی شامل ہوگا اگر اس عورت نے بچی کو دودھ پلانے سے اس بچے کو پہلے جنا ہے یا دودھ پلانے کے بعد اسے جنا ہو اگر چہ کئی سال گزر گئے ہوں۔

فرع: ''البحر'' میں ''المبسوط'' کے آخر سے منقول ہے: اگر بچیوں کی ماں نے بیٹوں میں سے کسی ایک کو اور بیٹوں کی ماں نے بیٹیوں میں سے کسی ایک کو دودھ پلایا تو بیٹیوں کی ماں کا دودھ پینے والے بیٹے کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان بیٹیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرے۔ اس رضاعی بیٹے کے بھائیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسری عورت کی بیٹیوں سے عقد نکاح کریں مگر اس بچی سے عقد نکاح نہیں کر سکتے جس بچی کو ان کی ماں نے دودھ پلایا ہو۔ کیونکہ یہ ان کی رضاعی بہن ہے۔

12828۔ (قولہ: أَيْ الَّتِي أَرْضَعَتْهَا) یہ قول مرضعتہا میں ضمیر کا جو مضاف ہے اس کی تفسیر ہے۔

12829۔ (قولہ: وَلَبَنُ بِكْرٍ) اس سے مراد وہ بچی ہے جس کے ساتھ نکاح یا بدکاری کی وجہ سے کبھی جماع نہ کیا گیا ہو اگر چہ اس کا پردہ بکارت باقی نہ ہو جس طرح اچھلنے سے اس کا پردہ بکارت زائل ہو چکا ہو۔ ''حموی''۔ حرمت اس کے خاوند کی طرف متعدی نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس نے حقوق زوجیت سے قبل اس عورت کو طلاق دے دی تو اس خاوند کے لیے جائز ہے کہ جس بچی نے اس باکرہ کا دودھ پیا ہو اس سے عقد نکاح کر لے۔ کیونکہ اس عورت کا دودھ اس مرد سے نہیں۔ ''قہستانی''، ''طحطاوی''۔

وَإِلَّا لَا جَوْهَرَةٌ (وَكَذَا) يُحَرِّمُ (لَبَنُ مَيِّتَةٍ) وَلَوْ مَحْلُوبًا فَيَصِيرُ نَاكِحُهَا مَحْرَمًا لِلْمَيِّتَةِ فَيُيَمِّمُهَا وَيَدْفِنُهَا بِخِلَافِ وَطْئِهَا، وَفُرِّقَ بِوُجُودِ التَّغَذِّي لَا اللَّذَّةِ

ورنہ وہ حرمت کا باعث نہیں''جوہرہ''۔اسی طرح وہ عورت جوفوت ہو چکی ہے اس کا دودھ بھی حرمت کو ثابت کرے گا اگر چہ اسے نکالا گیا ہو۔پس اس دودھ پینے والی عورت سے نکاح کرنے والا مرد عورت کا محرم ہوگا۔وہ مرد اس عورت کو تیمم کرا سکتا ہے اور اسے دفن کرے گا۔اس مردہ سے وطی کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔رضاعت اور وطی میں فرق کیا گیا ہے۔کیونکہ رضاعت میں غذا کا حصول پایا جاتا ہے اور لذت حاصل نہیں ہوتی۔

اگر اس خاوند نے اس عورت کو حقوق زوجیت کے بعد طلاق دی ہو تو پھر اس خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس بچی کے ساتھ عقد نکاح کرے جس نے اس عورت کا دودھ پیا ہو جب یہ باکرہ تھی۔کیونکہ یہ بچی ان ربائب میں سے ہے جس کی ماں کے ساتھ اس مرد نے حقوق زوجیت ادا کیے ہیں۔''بحر''میں''خانیہ''سے منقول ہے۔

12830۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) اگر اس باکرہ کی عمر نو سال تک نہ پہنچی ہو اور اس کا دودھ آ گیا ہو تو وہ دودھ حرمت ثابت نہیں کرے گا''جوہرہ''۔کیونکہ علما نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ دودھ کا اسی عورت سے ہی تصور کیا جا سکتا ہے جس سے ولادت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔پس اس پر یہ حکم لگایا جائے گا کہ یہ دودھ نہیں۔جس طرح باکرہ کے پستان میں زرد پانی اتر آئے تو بچے کو یہ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی جس طرح''شرح الوہبانیہ''میں ہے۔

12831۔(قولہ: وَلَوْ مَحْلُوبًا) خواہ وہ دودھ اس عورت کی موت سے پہلے نکالا گیا ہو اور بچے نے اس عورت کی موت کے بعد اسے پیا ہو یا وہ دودھ اس عورت کی موت کے بعد نکالا ہو،''بحر''۔

12832۔(قولہ: فَيَصِيرُ نَاكِحُهَا) ہا ضمیر سے مراد وہ عورت ہے جس نے دودھ پیا یہ محل کلام سے معلوم ہوا ہے۔''حلبی''نے اسے بیان کیا ہے۔

12833۔(قولہ: مَحْرَمًا لِلْمَيِّتَةِ) کیونکہ یہ اس کی بیوی کی ماں ہے،''بحر''۔

12834۔(قولہ: فَيُيَمِّمُهَا) اگر وہ عورت جس کا دودھ نکالا گیا تھا وہ صرف مردوں کے درمیان فوت ہو جاتی ہے تو صرف وہ مرد اس کو کپڑے کے بغیر تیمم کرا سکتا ہے۔جہاں تک غیر محرم کا تعلق ہے تو وہ خرقہ کے ساتھ اس کو تیمم کرائے گا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی عورت کو اس کے کپڑوں میں غسل دیا جائے گا۔یہ''طحطاوی''نے بیان کیا ہے۔

12835۔(قولہ: وَيَدْفِنُهَا) کیونکہ بہتر یہ ہے کہ ذی رحم محرم عورت کو دفن کیا کریں،''ط''۔

12836۔(قولہ: بِخِلَافِ وَطْئِهَا) ہا ضمیر سے مراد فوت شدہ عورت ہے۔کیونکہ اس وطی کے ساتھ حرمت مصاہرت متعلق نہیں ہوتی۔

12837۔(قولہ: وَفُرِّقَ بِوُجُودِ التَّغَذِّي لَا اللَّذَّةِ) کیونکہ دودھ سے مقصود غذا حاصل کرنا ہے اور موت اس کے

(وَمَخْلُوطٌ بِمَاءٍ أَوْ دَوَاءٍ أَوْ لَبَنِ أُخْرَى أَوْ لَبَنِ شَاةٍ إِذَا غَلَبَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ وَكَذَا إِذَا اسْتَوَيَا) إِجْمَاعًا لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ جَوْهَرَةٌ

وہ دودھ جو پانی کے ساتھ ملا ہوا یا دوائی کے ساتھ ملا ہو یا کسی اور عورت کے دودھ کے ساتھ ملا ہو یا بکری کے دودھ کے ساتھ ملا ہو جب عورت کا دودھ غالب ہو تو یہ حرمت رضاعت کو ثابت کرے گا۔ اسی طرح اگر دونوں دودھ برابر ہوں اس پر اجماع ہے کیونکہ اولویت نہیں پائی گئی۔ ''جوہرہ''۔

مانع نہیں۔ اور وطی سے مقصود لذت ہے جو عام معمول ہے۔ یہ لذت فوت شدہ میں نہیں پائی جاتی۔ ''بحر'' میں ''جوہرہ'' سے منقول ہے۔ جب وطی کے ساتھ عادی لذت حاصل نہ ہوئی کیونکہ مردہ عورت عادۃً اس کا محل نہیں تو ایسی عورت چوپائے کی طرح ہوگی بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگی۔ کیونکہ موت طبعی طور پر نفرت دلانے والی ہے۔ پس بچے کے ارادہ کا انتفاء لازم آتا ہے وہ بچہ جو حقیقت میں حرمت مصاہرت کی علت ہے۔ پس ملزوم کے انتفا سے لازم کی نفی مراد ہے۔ اس پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا کہ لذت ہی علت نہیں۔ فافہم

جب عورت کا دودھ دوا یا پانی وغیرہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو اس کا حکم

12838۔ (قولہ: وَمَخْلُوطٌ) اس کا عطف لبن میتۃ پر ہے۔ اسی طرح اس عورت کا دودھ جو پانی کے ساتھ ملا ہو وہ بھی حرمت ثابت کرے گا۔ پانی کی مثل ہر مائع ہے بلکہ جامد بھی اسی طرح ہے ''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے، ''ط''۔

12839۔ (قولہ: إِذَا غَلَبَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ) مذکورہ چیزوں میں سے کسی ایک پر عورت کا دودھ غالب آ جائے۔ اور غلبہ کی تفسیر ''الخانیہ'' کے باب الایمان میں کی ہے کہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا۔ یہاں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دوا میں اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ دوا دودھ کو دودھ ہونے سے تبدیل کر دے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر وہ ذائقہ اور رنگ کو بدل دے اگر ایک کو تبدیل کرے تو غلبہ نہیں ہوگا۔ ''نہر''۔ اسی کی مثل ''البحر'' میں ہے۔ ''الدرر المنتقی'' میں یوں تطبیق دی ہے فرمایا: ہم جنس میں اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہوگا اور جنس کے علاوہ میں ذائقہ، رنگ اور بو کے اعتبار سے ہوگا جس طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

مگر جنس کے علاوہ میں صرف ایک وصف کی تبدیلی کے ساتھ تغیر کا اعتبار کیا ہے۔ جو ابھی مذکور ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہوگا مگر جب وہ ذائقہ اور رنگ کو تبدیل کر دے۔ ہاں جو ''ہندیہ'' میں ہے کہ ایک وصف کا اعتبار کیا جائے گا وہ اس کے موافق ہے مگر اسے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب نہیں کیا، ''ط''۔

12840۔ (قولہ: إِذَا اسْتَوَيَا) یعنی عورت کا دودھ اور مذکورہ چیزوں میں سے کوئی ایک برابر ہو جائیں، ''ح''۔

12841۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ) دونوں عورتوں کے دودھ کے برابر ہونے کی علت ہے۔ اور اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ حرمت دونوں عورتوں سے ثابت ہو گئی۔ مگر عورت کے دودھ کی باقی چیزوں کے ساتھ برابری کی علت کا تعلق ہے تو وہ یہ

وَعَلَّقَ مُحَمَّدٌ الْحُرْمَةَ بِالْمَرْأَتَيْنِ مُطْلَقًا، قِيلَ وَهُوَ الْأَصَحُّ (لَا) يُحَرِّمُ (الْمَخْلُوطُ بِطَعَامٍ) مُطْلَقًا وَإِنْ حَسَاهُ حَسْوًا

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حرمت دونوں عورتوں سے مطلقاً معلق کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی صحیح ترین قول ہے۔ وہ دودھ جو کھانے کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ مطلقاً حرمت کا باعث نہیں ہوگا اگرچہ اسے گھونٹ گھونٹ پیا ہو۔

ہے کہ عورت کا دودھ غیر مغلوب ہے اور وہ ناپید کیا گیا نہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12842۔ (قولہ: وَعَلَّقَ مُحَمَّدٌ) یہ قول اس کے مقابل ہے جس کا فائدہ مصنف کی کلام نے دیا کہ اگر دو عورتوں میں سے ایک کا دودھ غالب ہو تو حرمت صرف اس کے متعلق ہوگی۔ اگر دونوں برابر ہوں تو حرمت دونوں کے ساتھ متعلق ہوگی۔

12843۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ دونوں برابر ہوں یا ایک دوسرے پر غالب ہو۔ کیونکہ جنس جنس پر غالب نہیں آتی، ''ح''۔

12844۔ (قولہ: قِيلَ وَهُوَ الْأَصَحُّ) ''البحر'' میں کہا: یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''الغایہ'' میں کہا: یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ محتاط ہے۔ ''شرح المجمع'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زیادہ صحیح ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: بعض مشائخ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ صاحب ''ہدایہ'' بھی اسی طرف مائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو بعد میں ذکر کیا ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے، ''ح''۔

وہ امور جن میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

12845۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت کرے گا۔ اختلاف اس حالت کے ساتھ مقید ہے جب آگ اسے نہ چھوئے۔ اگر اسے آگ پر پکایا گیا ہو تو بالاتفاق مطلقاً حرمت کو ثابت نہیں کرے گا۔ اور اختلاف اس صورت کے ساتھ مقید ہوگا جب کھانا گاڑھا ہو۔ مگر جب کھانا رقیق ہو اسے پیا جائے تو بالاتفاق غلبہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اختلاف اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب لقمہ اٹھاتے وقت دودھ قطرات کی صورت میں نہ گرے۔ مگر جب قطرات گریں تو بالاتفاق یہ حرمت ثابت کرے گا۔ صحیح ترین قول یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطرات کے گرنے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

12846۔ (قولہ: وَإِنْ حَسَاهُ حَسْوًا) اور انہوں نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دودھ حرمت کو ثابت نہیں کرے گا اگرچہ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے۔ یہ اس قول کے مخالف ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح ''الفتح'' میں اسے یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اگر کھانا رقیق ہو اسے پیا جاتا ہو تو ہم دودھ کے غلبہ کا اعتبار کریں گے اگر وہ غالب ہو۔ اور ہم حرمت کو ثابت کریں گے۔ اسی طرح جو ''الخانیہ'' میں ہے: اگر اس نے اسے گھونٹ گھونٹ پیا تو سب کے نزدیک حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح ''البحر'' میں ''المستصفی'' سے منقول ہے اور کہا: ان وضع محمد فی الاکل یدل علیہ۔ یعنی اس پر دلالت

وَكَذَا لَوْ جَبَّنَهُ لِأَنَّ اسْمَ الرَّضَاعِ لَا يَقَعُ عَلَيْهِ بَحْرٌ (وَ) لَا (الِاحْتِقَانُ)

اور اس طرح اگر اس نے دودھ کا پنیر بنایا ہو۔ کیونکہ رضاع کا اسم اس پر واقع نہیں ہوتا ''بحر''۔ اور نہ ہی حقنہ کرنے

کرتی ہے کہ یقیناً حرمت کو ثابت کرے گا۔ ہاں ''حلبی'' نے ''مجمع الانہر'' سے انہوں ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے: یہ کہا گیا: حرمت کسی حال میں بھی ثابت نہیں ہوگی۔ امام ''سرخسی'' اس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اکثر کتب میں یہی قول صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''الخانیہ'' میں جو دیکھا ہے۔ اسی ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے وہی منقول ہے جس قول کو ہم نے ابھی اس سے نقل کیا ہے۔ اس میں وہ قول نہیں جو انہوں نے ''سرخسی'' سے نقل کیا ہے۔ ''سرخسی'' سے جو منقول ہے وہ گھونٹ گھونٹ پینے کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ میں ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام اعظم ''ابوحنیفہ'' کے قول کے مطابق حرمت ثابت نہیں ہوگی جب لقمہ اٹھاتے وقت دودھ کے قطرات نہ گرتے ہوں۔ اگر قطرات گرتے ہوں تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرمت ثابت نہیں ہوگی شمس الائمہ ''سرخسی'' اسی طرف مائل ہوئے ہیں۔ ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی جب اس نے لقمہ لقمہ کھایا۔ اگر اس نے گھونٹ گھونٹ پیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

''شمس الائمہ'' نے جو کہا ہے وہ کھانے کے وقت قطرات کے گرنے کا اعتبار نہ کرنا ہے یہی صحیح ترین قول ہے جس طرح ''النہر'' سے قول گزر چکا ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہا میں اس کی تصحیح کی تصریح کی ہے۔ ہماری گفتگو اس صورت کے بارے میں ہے جب کھانا رقیق ہو اسے گھونٹ گھونٹ پیا جاتا ہو جس طرح تو نے سن لیا ہے اس کے ساتھ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ میں نے کسی کو نہیں پایا جو اس کے برعکس کی تصحیح کرتا ہو۔ یہ قول نہ کیا جائے گا: لقمہ اٹھاتے وقت دودھ کے قطرات گرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کھانا رقیق ہو جسے پیا جاتا ہو۔ کیونکہ کھانا اگر اس طرح ہو تو قطرات صرف دودھ کے نہیں گریں گے بلکہ دونوں سے اکٹھے گریں گے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مراد کھانے کا گاڑھا ہونا ہے جسے پیا نہ جاتا ہو۔ لقمہ کا لفظ اس کا بھی شعور دلاتا ہے۔ فافہم

12847۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ جَبَّنَهُ) ''البحر'' میں کہا: اگر دودھ کو مخیض، رائب، شیراز، جبن، اقط یا مصلا بنایا بچے نے وہ کھا لیا اس کے ساتھ حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ رضاع کا اسم اس پر واقع نہیں ہوتا اس طرح یہ گوشت کو پیدا نہیں کرتا اور ہڈی کو نہیں بڑھاتا اور بچے کی خوراک اس سے پوری نہیں ہوتی۔ پس یہ حرمت کو ثابت نہیں کرے گا، ''ح''۔

''قاموس'' میں ہے: اللبن المخیض سے مراد ہے جس کا مکھن نکال لیا گیا ہو۔ الشیراز ایسا دودھ جس کا پانی نکال لیا گیا ہو۔ الاقط پنیر جسے بھیڑ بکریوں کے دودھ سے بنایا جاتا ہے۔ المصل ایسا دودھ جسے کھجور کے پتوں کے برتن میں یا ٹھیکری میں رکھا جاتا ہے تاکہ اس کا پانی نچڑ جائے، ''ط''۔

12848۔ (قولہ: وَلَا الِاحْتِقَانُ) ''مصباح'' میں ہے: حقنت المریض جب تو دوا کو اس کے پیٹ تک پچکاری کے ذریعے اس کے مخرج سے پہنچائے۔ اسی سے احتقن ہو جملہ ہے۔ اس کا اسم حُقْنه ہے یہ غُرْفه کے وزن پر ہے جو اغتراف سے مشتق ہے۔ پھر اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے اس کی جمع حُقَن ہے جس طرح غرفہ کی جمع

وَالْإِقْطَارُ فِي أُذُنٍ) وَإِحْلِيلٍ (وَجَائِفَةٍ وَآمَةٍ، وَ) لَا (لَبَنُ رَجُلٍ) وَمُشْكِلٍ إِلَّا إِذَا قَالَ النِّسَاءُ إِنَّهُ لَا يَكُونُ عَلَى غَزَارَتِهِ إِلَّا لِلْمَرْأَةِ وَإِلَّا لَا جَوْهَرَةٌ (وَ) لَا لَبَنُ (شَاةٍ) وَغَيْرِهَا لِعَدَمِ الْكَرَامَةِ (وَلَوْ أَرْضَعَتِ الْكَبِيرَةُ) وَلَوْ مُبَانَةً

اور کان میں دودھ کے قطرات ڈالنے اور آلہ تناسل میں دودھ کو ٹپکانے، ایسے زخم میں قطرات ڈالنے سے جو پیٹ تک جاتا ہو دماغ تک جاتا ہو سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ مرد اور خنثیٰ مشکل کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ مگر جب عورتیں کہیں کہ اتنی کثرت سے دودھ عورت سے ہی ہو سکتا ہے ورنہ حرمت ثابت نہ ہوگی، ''جوہرہ''۔ بکری وغیرہ کے دودھ سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی کرامت نہیں۔ اگرچہ بڑی بیوی جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو

غُرَف ہے ''بحر''۔ یہ کہنا مناسب تھا ولا الحقن یعنی بچے کا دودھ کے ذریعہ حقنہ کرنا۔ کیونکہ الاحتقان احتقن سے ہے۔ یہ فعل قاصر (لازم) ہے۔ بچہ بذات خود تو حقنہ نہیں کر سکتا بلکہ کوئی اسے حقنہ کرتا ہے۔ اسے احتقن مجہول سے اخذ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ فعل لازم نہیں بنتا۔ ''تاج المصادر'' میں الاحتقان کی تفسیر جو بعمل الحقنہ سے کی گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مفعول صریح کی طرف متعدی ہو جس طرح ''ہدایہ'' کی عبارت میں الصبی ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: اذا احتقن الصبی۔ ''النہایہ'' اور ''المعراج'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے جس طرح ''الفتح'' میں اسے ثابت کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں اس کے بارے میں جو مثال دی گئی ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر

12849۔ (قولہ: وَالْإِقْطَارُ) بعض نسخوں میں الاقتطار ہے یہ افتعال کا وزن ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ تحریف ہے۔

12850۔ (قولہ: وَجَائِفَةٍ) ایسا زخم جو پیٹ میں ہو۔ آمة یہ لفظ مد اور شد کے ساتھ ہے ایسا زخم جو سر میں ہو جو دماغ تک پہنچنے والا ہو۔

12851۔ (قولہ: وَمُشْكِلٍ) اس سے مراد خنثیٰ مشکل ہے۔

12852۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَالَ) کیونکہ اس کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عورت ہے جس طرح علما نے خنثیٰ کے باب میں کہا ہے اس کے ساتھ حرمت ثابت ہو جاتی ہے، ''رحمتی''۔

12853۔ (قولہ: إِلَّا لَا) یہ تکرار ہے کیونکہ و مشکل کے قول کے اطلاق سے اس کا علم ہو جاتا ہے اسکی دلیل استثنا ہے۔

12854۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْكَرَامَةِ) کیونکہ رضاعت کے ساتھ حرمت کا ثبوت کرامت کے طریقہ پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے جزئیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ پس بکری کو بچے کی ماں قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ مینڈھا اس کا باپ ہوگا۔ بہن ہونا یہ ماں ہونے کی فرع ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ''الفتح'' میں ہے۔

اگر بڑی بیوی نے اپنی چھوٹی سوکن کو دودھ پلا دیا تو ان کا حکم

12855۔ (قولہ: وَلَوْ أَرْضَعَتِ الْكَبِيرَةُ) اسے مطلق ذکر کیا ہے تو یہ اس بیوی کو شامل ہوگا جس کے ساتھ حقوق

(ضَرَّتَهَا) الصَّغِيرَةَ وَكَذَا لَوْ أَوْجَرَهُ رَجُلٌ فِي فِيهَا (حَرُمَتَا) أَبَدًا
وہ اپنی چھوٹی سوکن کو دودھ پلا دے۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے اس بچی کے منہ میں اس عورت کا دودھ ڈال دیا تو دونوں ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گی

زوجیت ادا کیے ہوں یا حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں۔ خواہ اس عورت کا دودھ اس مرد سے ہو یا اس مرد سے نہ ہو۔ دودھ پلانا طلاق سے پہلے واقع ہوا ہو یا اس کے بعد واقع ہوا ہو۔ طلاق رجعی کی عدت میں ہو یا طلاق بائنہ سے پہلے واقع ہوا ہو یا اس کے بعد واقع ہو۔ طلاق رجعی کی عدت میں ہو یا طلاق بائنہ کی عدت میں ہو۔ جدائی چھوٹی ہو یا بڑی ہو تو شارح کے قول ولو مبانۃ سے طلاق رجعی والی کا حکم بدرجہ اولیٰ سمجھ آ جاتا ہے۔ کیونکہ زوجیت ہر اعتبار سے قائم ہے۔ پھر اس کے ساتھ قید، قید احترازی نہیں۔ کیونکہ کبیرہ کی بہن، اس کی ماں اور اس کی بیٹی رضاعی ہوں یا نسبی ہوں اگر اس نے بڑی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو ان کا حکم اس کی مثل ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلی صورت میں بیوی اور اس کی بھانجی کو جمع کرنے والا ہوگا۔ دوسری صورت میں دو بہنوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔ اور تیسری صورت میں ایک عورت اور اس کی نواسی کو جمع کرنے والا ہوگا۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے کبھی شادی کرے وہ دودھ پلانے والی سے بھی عقد نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر تیسری صورت میں اس نے بڑی سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں تو دودھ پلانے والی اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی بیوی کی ماں ہے۔ اور بڑی اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی بیوی کی ماں کی ماں ہے۔ اور چھوٹی حلال ہوگی کیونکہ وہ اس کی بیوی کی بیٹی کی بیٹی ہے اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے، ''طحطاوی''۔

12856۔ (قولہ: ضَرَّتَهَا الصَّغِيرَةَ) جو ابھی رضاعت کی مدت میں تھی۔ دودھ پلانے کے وقت صغیرہ کے نکاح کا قائم ہونا شرط نہیں بلکہ زمانہ گزشتہ میں اس کا وجود کافی ہے۔ کیونکہ ''البدائع'' میں ہے: اگر اس نے چھوٹی کے ساتھ نکاح کیا پھر اسے طلاق دی پھر اس نے بڑی کے ساتھ عقد نکاح کیا جس کا دودھ تھا اس نے اس چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو بڑی اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ بڑی اس مرد کی سابقہ منکوحہ کی ماں بن چکی ہے۔ پس بیٹی کے ساتھ نکاح کی وجہ سے بڑی حرام ہو جائے گی ''بحر''۔ اگر اس نے ماں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو چھوٹی بھی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ دونوں کو جمع کرنے والا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ماں کے ساتھ حقوق زوجیت بیٹیوں کو حرام کر دیتا ہے اور بیٹیوں سے عقد نکاح ماؤں کو حرام کر دیتا ہے۔ نکاح پر لاحق ہونے والی رضاعت سابقہ رضاعت کی طرح ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر کسی نے اپنی ام ولد کا عقد نکاح اپنے چھوٹے غلام سے کر دیا اس ام ولد نے اس چھوٹے خاوند کو وہ دودھ پلایا جو اس کے آقا کی وجہ سے اترا تھا تو وہ ام ولد اپنے خاوند اور اپنے آقا پر حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ غلام آقا کا بیٹا بن گیا ہے۔ پس وہ اس خاوند پر حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اس کے باپ کی موطوءہ ہے اور آقا پر حرام ہو جائے گی کیونکہ وہ اس کے بیٹے کی بیوی ہے، ''نہر''۔

12857۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ أَوْجَرَهُ) یعنی کسی آدمی نے بڑی بیوی کا دودھ اس چھوٹی بیوی کے منہ میں ٹپکایا۔ اس قول

إِنْ دَخَلَ بِالْأُمِّ أَوِ اللَّبَنُ مِنْهُ
اگر اس نے ماں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے یا دودھ اس مرد کی وجہ سے ہو۔

کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حرمت دودھ پلانے پر موقوف نہیں ہوتی بلکہ دارومدار بڑی بیوی کے دودھ چھوٹی کے پیٹ میں پہنچنے پر ہے۔ پس دونوں اس سے جدا ہو جائیں گی۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف مہر خاوند پر لازم ہو گا۔ جس آدمی نے چھوٹی کے حلق میں دودھ ٹپکایا تھا وہ آدمی خاوند کے لیے ہر بیوی کے لیے نصف مہر کا ضامن ہو گا اگر اس نے فساد کا قصد کیا تھا یعنی جب اس نے بغیر ضرورت کے دودھ پلایا تھا جس طرح وہ پہلے ہی سیر تھی تو دودھ پلانے والے کا قول قبول کیا جائے گا کہ اس نے فساد کا قصد نہیں کیا۔''بحر''۔

12858۔(قولہ: إِنْ دَخَلَ بِالْأُمِّ) خواہ دودھ اس خاوند کی وجہ سے آیا ہو یا کسی اور وجہ سے آیا ہو خواہ دودھ پلانے کا واقعہ نکاح میں ہوا یا طلاق کے بعد ہوا اگرچہ طلاق بائنہ ہوا گرچہ عدت کے بعد ہو۔ مگر جب دودھ اس مرد سے ہو اور دودھ پلانے کا عمل نکاح کی حالت میں ہو یا طلاق رجعی کی مدت میں ہو طلاق بائنہ کی مدت میں ہو یا عدت کے بعد ہو تو دونوں ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں گی۔ پہلی دو صورتوں میں عقد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ جہاں تک صغیرہ کی حرمت کا تعلق ہے تو وہ اس لیے ہے کہ وہ اس مرد کی رضاعی بیٹی اور اس کی مدخولہ کی رضاعی بیٹی ہو چکی ہے۔ جہاں تک بڑی کی حرمت کا تعلق ہے تو وہ کیونکہ اس کی بیٹی کی رضاعی ماں اور اس کی معقودہ بیوی کی ماں بن چکی ہے۔ جب دودھ کسی اور مرد کی وجہ سے ہو تو تب بھی دونوں حرام ہوں گی اور پہلی دونوں صورتوں میں نکاح فسخ ہو جائے گا۔ جہاں تک چھوٹی بیوی کے حرام ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ اس کی مدخولہ کی رضاعی بیٹی ہے۔ جہاں تک بڑی بیوی کی حرمت کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کیونکہ وہ اس کی منکوحہ بیوی کی رضاعی ماں ہے۔''حلبی'' نے یہ بیان کیا ہے۔''البحر'' میں ذکر کیا ہے: نکاح فسخ نہیں ہو گا کیونکہ ہمارے علما کے نزدیک مذہب یہ ہے کہ نکاح حرمت رضاع اور حرمت مصاہرت کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر تفریق سے پہلے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے''الاصل'' میں اس کو واضح کیا ہے۔ پھر کہا: چاہیے کہ نکاح پر بعد میں لاحق ہونے والے رضاعت کے عمل میں فساد ہو جس طرح یہاں ہے مگر جب خاوند نے اس عورت سے شادی کی دونوں نے گواہی دی کہ وہ اس کی بہن ہے تو نکاح ختم ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس سے وطی کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور متارکہ کے بغیر عدت کے بعد اس عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہو گا۔''رملی'' نے کہا: لیکن عنقریب یہ آئے گا کہ فرقت واقع نہیں ہو گی مگر جب قاضی تفریق کرے اس کی طرف رجوع کرو اس میں غور و فکر کر لو۔

12859۔(قولہ: أَوِ اللَّبَنُ مِنْهُ) یہ قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ مرد سے دودھ ہونا اس عورت کے مدخولہ ہونے سے علیحدہ ہو سکتا ہے حالانکہ یہ فاسد ہے۔ کیونکہ یہ لازم ہے کہ جب دودھ اس مرد سے ہے تو وہ عورت اس مرد کی مدخولہ ہے۔ ایک نسخہ میں واللبن منہ واؤ کے ساتھ ہے۔ یہ بھی فاسد ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ عورت حرام نہ ہو گی جب وہ عورت مدخولہ ہو اور دودھ کسی اور مرد سے آیا ہو۔ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ صحیح اس جملہ کا اسقاط ہے،''ح''۔

وَإِلَّا جَازَ تَزَوُّجُ الصَّغِيرَةِ ثَانِيًا (وَلَا مَهْرَ لِلْكَبِيرَةِ إِنْ لَمْ تُوطَأْ) لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا (وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُهُ) لِعَدَمِ الدُّخُولِ

بصورت دیگر صغیرہ کے ساتھ دوبارہ عقد نکاح کرنا جائز ہوگا۔ بڑی کیلئے کوئی مہر نہیں ہوگا اگر اسکے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو۔ کیونکہ جدائی اس کی وجہ سے واقع ہوئی اور صغیرہ بیوی کے لیے نصف مہر ہوگا۔ کیونکہ اسکے ساتھ حقوق زوجیت کی ادائیگی نہیں ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شارح ''البحر''، ''النہر'' اور ''مقدسی'' کی پیروی کرنے والے ہیں۔ ''طحطاوی'' نے ان کی جانب سے جواب دیا ہے: یہ ممکن ہے کہ یہ عورت مرد کے زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہوا سے دودھ آ گیا ہو اس عورت نے وہ دودھ اس بچی کو پلا دیا ہو تو دونوں اس مرد پر حرام ہو جائیں گی دودھ اس مرد سے ہے مگر حقوق زوجیت کی ادائیگی متحقق نہیں ہوئی۔

اس میں ہے کہ زنا کی وجہ سے حمل اس عورت کے ساتھ دخول (وطی) ہے۔ اس مذکورہ وطی کو اس حقوق زوجیت پر محمول کرنا جو اس نکاح میں واقع ہو جو بعد میں ہوا اس میں کوئی فائدہ نہیں جب کہ سابقہ زنا میں وطی متحقق ہو چکی ہے۔ ''سائحانی'' نے اس محمول کرنے پر یہ جواب دیا ہے کہ جب مرد نے اپنے دودھ والی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں پھر ایک اور خاوند کے بعد اسی سابقہ خاوند نے اس سے عقد نکاح کر لیا جب کہ اس کا دودھ باقی تھا اس عورت نے وہ دودھ چھوٹی سوکن کو پلا دیا اس میں وہ کچھ ہے جو تو نے جانا ہے۔ احسن یہ جواب ہے کہ شارح کے قول ان دخل بالام کے بعد قول مقدر ہے جس طرح ہم نے قول واللبن من غيرہ مقدر کیا ہے۔ اور ان کا قول او اللبن منه اس مقدر پر عطف ہے۔ اس تقدیر پر یہی قرینہ ہے تا کہ دو باہم عطفوں کے درمیان مقابلہ حاصل ہو۔ اگر کہا ہو: او اللبن منه اولا تو یہ زیادہ واضح اور اولیٰ ہوتا۔

12860۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ عورت ایسی نہ ہو جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو اس وقت اس کا دودھ قطعی طور پر غیر سے ہوگا۔ کیونکہ وہ رضاعی بیٹی اور اس کی ماں کو جمع کرنے والا ہے۔ اس مرد کے لیے جائز ہے کہ بیٹی سے دوبارہ عقد نکاح کر لے۔ کیونکہ اس نے ماں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے۔ اگر حقوق زوجیت کے بعد ہو تو بیٹی کا نکاح فسخ نہیں ہو گا۔ دونوں صورتوں میں ماں ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی کیونکہ اس کا نکاح بیٹی پر ہو رہا ہے۔ اور شارح کا کلام صرف پہلی صورت تک محدود ہے، ''ح''۔

12861۔ (قولہ: إِنْ لَمْ تُوطَأْ) اگر اس کے ساتھ وطی نہ کی گئی تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں اگر اس کے ساتھ وطی کی گئی تو اس کے لیے مطلقاً پورا مہر ہوگا۔ لیکن اس کے لیے اس عدت میں کوئی نفقہ نہ ہوگا جب جدائی اس کی جانب سے واقع ہوئی ورنہ اس عورت کے لیے نفقہ ہوگا، ''بحر''۔

12862۔ (قولہ: لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا) یہ اس طرح ہو گیا جس طرح وہ مرتد ہو جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے اگر اس عورت پر جبر کیا گیا ہو یا وہ سوئی ہوئی ہو تو صغیرہ نے اس کا دودھ پی لیا ہو یا ایک آدمی نے اس کا دودھ لیا اور وہ دودھ صغیرہ کے منہ میں ٹپکا دیا یا بڑی مجنونہ تھی تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا۔ کیونکہ فرقت کی اضافت اس طرف ہے، ''بحر''۔

12863۔ (قولہ: لِعَدَمِ الدُّخُولِ) یہ نصف مہر کی علت ہے جہاں تک اس عورت کے نصف مہر کے مستحق ہونے کی

(وَرَجَعَ) الزَّوْجُ (بِهِ عَلَى الْكَبِيرَةِ) وَكَذَا عَلَى الْمُوجِرِ (إنْ تَعَمَّدَتْ الْفَسَادَ) بِأَنْ تَكُونَ عَاقِلَةً طَائِعَةً مُتَيَقِّظَةً عَالِمَةً بِالنِّكَاحِ وَبِإِفْسَادِ الْإِرْضَاعِ وَلَمْ تَقْصِدْ دَفْعَ جُوعٍ أَوْ هَلَاكٍ (وَإِلَّا لَا) لِأَنَّ التَّسَبُّبَ يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّعَدِّي،

اور خاوند بڑی سے اس نصف مہر کا مطالبہ کرے گا۔ اس طرح اس سے بھی مطالبہ کرے گا جب وہ اس کے حلق میں دودھ ٹپکائے اگر عورت نے فساد کا قصد کیا ہو جیسے وہ سمجھ دار ہو، خوشی سے یہ عمل کرے، بیدار ہو، نکاح کو جانتی ہو اور دودھ پلانے کی وجہ سے فساد نکاح کا علم رکھتی ہو اور اس نے بھوک اور ہلاکت کو دفع کرنے کا قصد نہ کیا ہو۔ ورنہ نہیں کیونکہ ضمانت میں تعدی شرط ہے۔

اصل علت کا تعلق ہے وہ ایسی فرقت کا واقع ہونا ہے جو اس عورت کی جانب سے واقع نہیں ہوئی۔ دودھ پینا اگرچہ اس عورت کا فعل ہے اور اسی کے ساتھ فساد واقع ہوا ہے لیکن اس کے حق کو ساقط کرنے میں مؤثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ ابھی وہ احکام کی مخاطب نہیں جس طرح وہ اپنے مورث کو قتل کر دے۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ وہ طبعاً اس عمل پر مجبور ہے۔ اس صغیرہ کا مہر ساقط ہو جاتا ہے جب اس کے والدین مرتد ہو جاتے ہیں اور اسے ساتھ لے جاتے ہیں جب کہ وہ اس کا اصلاً فعل نہیں۔ کیونکہ صغیرہ کے حق میں ردت ممنوع ہے اور اس لیے کہ حرمت اس کی ردت کی طرف منسوب ہوتی ہے جو اس کے والدین کے ارتداد کے تابع ہوتی ہے۔ دودھ پینے کا تو کوئی مانع نہیں۔ پس وہ خاوند نظر کا مستحق ہوگا اور عورت مہر کی مستحق ہوگی۔ ''الفتح'' وغیرہ سے تلخیص کی گئی ہے۔

12864۔ (قولہ: لِعَدَمِ الدُّخُولِ) کیونکہ جو بچی ابھی دودھ پیتی ہو اس میں یہ فعل واقع نہیں ہوتا۔

12865۔ (قولہ: وَكَذَا عَلَى الْمُوجِرِ) خاوند پر جو مہر لازم ہوا ہے خاوند اس کا مطالبہ دودھ ٹپکانے والے سے کرے گا۔ وہ ان میں سے ہر ایک کا نفقہ ہے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 12857 میں) بیان کر چکے ہیں۔ اور ہم نے پہلے بھی ''بحر'' سے (مقولہ 12857 میں) نقل کیا ہے کہ اس میں شرط فساد کا قصد کرنا ہے۔

12866۔ (قولہ: إنْ تَعَمَّدَتْ الْفَسَادَ) یہ اس بڑی عورت سے مطالبہ کے لیے قید ہے جہاں تک وطی سے پہلے اس کے مہر کے سقوط کا تعلق ہے تو اس میں فساد کا قصد و ارادہ شرط نہیں۔ ''طحطاوی'' نے ''ابوالسعود'' سے نقل کیا ہے۔

12867۔ (قولہ: بِأَنْ تَكُونَ عَاقِلَةً) دودھ پلانے والی مجنونہ ہو، اسے مجبور کیا گیا ہو، وہ سوئی ہوئی ہو تو خاوند اس سے مہر کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اس میں ہے کہ علم کی شرط اس قول عاقلة متيقظة سے مستغنی کرنے والی ہے۔ ''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

12868۔ (قولہ: وَلَمْ تَقْصِدْ) اگر اس بڑی عورت نے اسے دودھ پلایا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ بھوکی ہے پھر ظاہر ہوا کہ چھوٹی بیوی سیر تھی تو بڑی عورت جان بوجھ کر یہ عمل کرنے والی شمار نہ ہوگی ''بحر''۔

12869۔ (قولہ: يُشْتَرَطُ فِيهِ) ضمانت میں تعدی شرط ہے جس طرح کنواں کھودنے والا۔ اگر وہ اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے تو وہ ضامن نہیں ہوگا بصورت دیگر وہ ضامن ہوگا اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

وَالْقَوْلُ لَهَا إِنْ لَمْ يَظْهَرْ مِنْهَا تَعَمُّدُ الْفَسَادِ مِعْرَاجٌ (طَلَّقَ ذَاتَ لَبَنٍ فَاعْتَدَّتْ وَتَزَوَّجَتْ) بِآخَرَ (فَحَبِلَتْ وَأَرْضَعَتْ فَحُكْمُهُ مِنَ الْأَوَّلِ) لِأَنَّهُ مِنْهُ بِيَقِينٍ فَلَا يَزُولُ بِالشَّكِّ وَيَكُونُ رَبِيبًا لِلثَّانِي (حَتَّى تَلِدَ) فَيَكُونَ اللَّبَنُ مِنَ الثَّانِي، وَالْوَطْءُ بِشُبْهَةٍ كَالْحَلَالِ، قِيلَ وَكَذَا الزِّنَا وَالْأَوْجَهُ لَا فَتْحٌ

اگر فساد کا قصد اس عورت کی جانب سے ظاہر نہ ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا ''معراج''۔ مرد نے دودھ والی عورت کو طلاق دی اس نے عدت گزاری اور کسی اور مرد سے شادی کر لی وہ عورت حاملہ ہوئی اور اس نے کسی کو دودھ پلایا تو اس کا حکم رضاعت پہلے خاوند سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ دودھ یقینی طور پر اس سے ہے۔ وہ شک سے زائل نہیں ہوگا۔ اور وہ رضاعی بچہ دوسرے خاوند کا ربیب ہوگا۔ اور شبہ کی وجہ سے وطی کا حکم وہی ہے جو حلال کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زنا بھی اسی طرح ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو۔

12870۔ (قولہ: وَالْقَوْلُ لَهَا) وہ یہ کہے: میں نے جان بوجھ کر فساد کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، ''بحر''۔

12871۔ (قولہ: طَلَّقَ ذَاتَ لَبَنٍ) وہ عورت جو اس مرد کی وجہ سے ہی دودھ والی ہوئی تھی اس مرد نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ کیونکہ اگر اس نے ایسی عورت سے شادی کی اور اس نے اس مرد سے کبھی بھی بچہ نہیں جنا تھا اور اس عورت کا دودھ اتر آیا اور اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلا دیا تو یہ خاوند اس بچے کا رضاعی باپ نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ کی طرف نسبت اس کی جانب سے ولادت کی وجہ سے ہوگی۔ جب وہ ولادت منتفی ہوگئی تو نسبت بھی منتفی ہوگئی پس وہ دودھ باکرہ کے دودھ کی طرح ہوگا۔ اسی وجہ سے اگر اس عورت نے خاوند سے بچہ جنا اور اس کا دودھ اتر آیا اس عورت نے وہ دودھ بچے کو پلایا پھر اس کا دودھ خشک ہوگیا پھر دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ بچی کو پلایا تو دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کا بیٹا اس بچی کے ساتھ عقد نکاح کر سکتا ہے۔ اگر دودھ پینے والا بچہ ہو تو اس بچے کے لیے جائز ہے کہ اس خاوند کی اس دودھ پلانے والی کے علاوہ بیوی سے جو اولاد ہے اس کے ساتھ عقد نکاح کر لے۔ ''بحر'' نے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے۔

12872۔ (قولہ: وَيَكُونُ رَبِيبًا لِلثَّانِي) اس کے لیے جائز ہے کہ دوسرے کی بیٹیوں سے عقد نکاح کرے جب کہ وہ دودھ پلانے والی عورت کی بیٹیاں نہ ہوں، ''بحر''۔

12873۔ (قولہ: وَالْوَطْءُ بِشُبْهَةٍ كَالْحَلَالِ) اس کی صورت یہ ہے ایک عورت سے شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی وہ عورت حاملہ ہوگئی اور اس نے بچہ جن دیا اور پھر اس نے شادی کی پھر اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو یہ اس کا بیٹا ہوگا جس نے شبہ کی وجہ سے وطی کی ہو۔ یہ خاوند کا بیٹا نہ ہوگا۔ اس کی مثل زنا کی صورت ہے، ''ح''۔

12874۔ (قولہ: فَتْحٌ) ''فتح'' میں کہا: زنا کی وجہ سے آنے والا دودھ حلال وطی کی طرح ہے جب اس نے وہ دودھ بیٹی کو پلایا تو وہ بیٹی زانی، اس کے آباء اور اس کے بیٹوں پر حرام ہو جائے گی اگرچہ بیٹے بہت ہی نیچے چلے جائیں۔ ''تجنیس''

....

میں ''جرجانی'' سے مروی ہے: زانی کے باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرے جس طرح زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والی بچی سے عقد نکاح کر سکتا ہے کیونکہ زانی سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ زانی کے آباء اور اولاد پر حرمت جزئیت کی وجہ سے ہے اس بچی اور چچا کے درمیان کوئی جزئیت نہیں۔ جب زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والی میں یہ حکم ثابت ہے تو زنا کی وجہ سے اترنے والے دودھ کو پلانے والی میں بھی یہ حکم ثابت ہوگا۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: اسی طرح اگر وہ عورت زنا کی وجہ سے حاملہ نہ ہوئی اور اس نے زنا کی وجہ سے اترنے والا دودھ نہیں پلایا تو دودھ والی کی رضاعی بچی اس زانی پر حرام نہ ہوگی۔ اور اس نے زنا کی وجہ سے اترنے والا دودھ نہیں پلایا تو دودھ والی کی رضاعی بچی اس زانی پر حرام ہو جائے گی جس طرح اس کی اپنی بیٹی اس زانی پر حرام ہو جاتی ہے۔ ''وبری'' نے ذکر کیا ہے کہ حرمت خاص کر ماں کی جانب سے ثابت ہوتی ہے جب تک نسب ثابت نہ ہو۔ اس وقت وہ حرمت باپ کی جانب سے ثابت ہوگی۔ ''اسبیجابی'' اور ''صاحب الینابیع'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ یہی مناسب ہے کیونکہ زنا کی وجہ سے حرمت بعضیت کے باعث ہوتی ہے وہ بچے کی ذات میں ہوتی ہے کیونکہ وہ نطفہ سے پیدا ہوا ہے دودھ سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ دودھ اس مرد کی منی سے نہیں بنا۔ کیونکہ وہ غذا کی فرع ہے اور غذا وہ ہوتی ہے جو معدہ کی اوپر والی جانب سے معدہ میں داخل ہوتی ہے نہ کہ وہ جو بدن کے نیچے سے داخل ہوتی ہے جس طرح حقنہ اس سے نشوونما نہیں ہوتی تو کوئی حرمت نہیں ہوگی۔ ثابت النسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ نص نے اس مرد سے حرمت کو ثابت کیا ہے۔ زانی کے دودھ کی وجہ سے رضیعہ کی عدم حرمت جب زانی پر راجح ہوئی تو جس سے دودھ نہیں آتا تھا اس کی عدم حرمت بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ''خلاصہ'' میں ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو کتب مشہورہ میں لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ خاوند کے علاوہ کی وجہ سے آنے والے دودھ کو پلانے والی عورت کی بیٹی خاوند پر بطریق اولیٰ حرام ہے۔ ''الفتح'' کی کلام کی تلخیص ہے۔

فتاویٰ میں جب کوئی روایت اس روایت کے خلاف ہو جو مشہور شروح میں ہے وہ مقبول نہیں ہوگی

اس کا حاصل کلام یہ ہے: زنا کی وجہ سے آنے والے دودھ کو پینے والی کی زانی اور اسی طرح اس کے اصول و فروع پر اس کی حرمت کے حوالے سے دو روایتیں ہیں جس طرح ''قہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ زیادہ مناسب عدم حرمت والی روایت ہے۔ ''خلاصہ'' میں جو کچھ ہے کہ اگر بچی نے زانی کی وجہ سے آنے والے دودھ کو پیا تو وہ زانی پر حرام ہوگی یہ مردود ہے۔ کیونکہ کتب مشہورہ میں جو لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ غیر خاوند کی وجہ سے آنے والے دودھ کو پینے والی خاوند پر حرام نہ ہوگی جس طرح پہلے اس قول میں گزر چکا ہے: طلق ذات لبن الخ۔ ''خلاصہ'' کا کلام بدرجہ اولیٰ اس کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور ''الفتاویٰ'' میں جو کچھ ہے مشہور شروح میں جو کچھ ہے جب فتاویٰ میں اس کے خلاف ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ ''الفتح'' کے کلام کی وضاحت ہے اس کے فہم میں بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ اس میں سے وہ ہے جس کا ''البحر'' میں دعویٰ کیا

(قَالَ) لِزَوْجَتِهِ (هَذِهِ رَضِيعَتِي ثُمَّ رَجَعَ) عَنْ قَوْلِهِ (صُدِّقَ) لِأَنَّ الرَّضَاعَ مِمَّا يَخْفَى فَلَا يُمْنَعُ التَّنَاقُضُ فِيهِ (وَلَوْ ثَبَتَ عَلَيْهِ، بِأَنْ قَالَ) بَعْدَهُ (هُوَ حَقٌّ كَمَا قُلْتُ وَنَحْوَهُ) هَكَذَا فَسَّرَ الثَّبَاتَ فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا

خاوند نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا: یہی میری رضیعہ ہے پھر اس مرد نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ رضاعت ایسا امر ہے جو مخفی ہوتا ہے تو اس میں تناقض ممنوع نہیں۔ اگر وہ اس پر ثابت رہا کہ اس نے اس کے بعد کہا: جو میں نے کہا تھا وہ حق ہے وغیرہ۔ اسی طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں ثبات کی تفسیر کی ہے۔

ہے: اختلاف کا محل زانی کے اصول اور اس کے فروع ہیں۔ زانی کے لیے وہ بالاتفاق حلال نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے جس طرح ''البحر'' میں کہا: مذہب میں جو قول قابل اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ زانی کے دودھ کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ ''معراج'' اور ''خانیہ'' کا ظاہر کلام یہ ہے کہ قابل اعتماد قول حرمت کا ثبوت ہے۔

فائدہ: ''البحر'' کی عبارت یہ ہے: ''معراج'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی ہے کہ قابل اعتماد حرمت کا ثبوت ہے اور ''الخانیہ'' میں جو کلام ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مذہب ہے۔ مترجم

جب روایت درایت کے موافق ہو تو اسے قبول کیا جائے گا

میں کہتا ہوں: ''شرح المنیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ جب عقلی دلیل کی نقلی دلیل موافقت کرے تو اس عقلی دلیل سے عدول نہیں کیا جائے گا۔ تو یہ جان چکا ہے کہ حرمت کے نہ ہونے کی روایت کے ساتھ عقلی دلیل بھی ہے۔

12875۔ (قولہ: قَالَ لِزَوْجَتِهِ) زوجہ کی قید اس لیے لگائی کیونکہ اس کے بعد یہ قول ہے فرق بینھما دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ بصورت دیگر اجنبیہ کیلئے اس کا یہ قول جب کہ اس کے ساتھ عقد ابھی نہ کیا ہو اس کا حکم اسی طرح ہے۔

12876۔ (قولہ: هَكَذَا فَسَّرَ الثَّبَاتَ فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا) یہ کلام ذکر کی تا کہ ان لوگوں کا رد کریں جنہوں نے اقرار کے تکرار کو ثبات بنایا ہے جس طرح ان کا یہ قول ہے: ھوحق و نحوہ۔ ''البحر'' میں یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ اس کی مثل نہیں یہ مسئلہ علامہ ''عبدالبر بن شحنہ'' کے زمانہ میں واقعۃ الفتوی بن گیا۔ اس مسئلہ میں آپ کے بعض معاصرین نے ان کی مخالفت کی اور سلطان ''قایتبای'' (ابوالسعادات محمد بن قایتبای ظاہری ناصر الدین) کے حکم کے تحت کئی مجالس کا اہتمام کیا۔ اور مذاہب اربعہ کے علما کو خطوط لکھے جس طرح ''مقدسی'' نے اپنی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے اور ہمارے ائمہ کے اقوال کو پے درپے ذکر کیا۔ پھر کہا: ان عبارات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ ایسے اقرار پر ثبات جو رجوع سے مانع ہو وہ اس کا یہ کہنا ہے: ما قلتہ حق و اقررت بہ ثابت۔ جہاں تک اقرار کے تکرار کا تعلق ہے تو یہ مانع نہیں ہوتا۔

مصنف نے ''المنح'' کے مسائل شتی میں کتاب کے آخر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے ''شیخ الاسلام زکریا'' شافعی پر پیش کیا گیا تو آپ نے ایسا جواب دیا جو کافی وشافی ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''فتاویٰ شیخ الاسلام زکریا'' میں اسے دیکھا ہے انہوں نے ہمارے ائمہ کی نقول پیش کرنے کے

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

بعد کہا جس کی صورت یہ ہے: ان نقول کا صریح معنی اور ان کا منطوق جب کہ کلام فصیح میں عطف تفسیری کے وقوع کا علم ہونے اور مذکورہ ائمہ وغیرہم کے کلاموں کو جمع کرنے سے جو واجب ہوتا ہے اسے دیکھنے اور ان کی کلام سے جو معنی سمجھ آتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے، شاہد ہے کہ ثبات، دوام اور اصرار کی مراد ایک ہے اور اس امر پر شاہد ہے کہ جو رضاعت کی وجہ سے اخوت وغیرہا کا اقرار کرتا ہے اگر وہ اپنے اقرار پر ثابت رہے تو اس سے اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا بصورت دیگر اسے قبول کیا جائے گا۔ اور اس امر پر بھی شاہد ہے کہ اس پر ثبات حاصل نہیں ہوتا مگر قول کے ساتھ کہ وہ اپنی ذات پر اس کی گواہی دے یا وہ کہے: ھوحق، یا کہے: اد کما قلتُ یا اس کے ہم معنی کلام کرے جس طرح وہ کہے: ھو صدق او صواب او صحیح او لاشك فیه عندی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا قول: صدق یہ اس کے اس قول سے زیادہ مؤکد ہے: ھو کما قلت۔ جن علما نے ھوحق اور کما قلت کو جمع کیا ہے جس طرح ''سراج ہندی'' نے کہا ہے یہ تاکید پر محمول ہے۔ جن علما نے اس کے بعض پر اقتصار کیا اگرچہ حصر کے طریقہ پر ہو وہ اس تقدیر کے ساتھ مؤول ہوگا: او ما فی معناہ جس طرح ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہا ہے: قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الانبیاء: 108) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: انما الربا فی النسیئة (1) میں کہا ہے۔ نصوص مذکورہ کے منطوق میں ایسی کوئی بات نہیں کہ تکرار ھوحق کے قول کے قائم مقام ہوتا ہے یا اس کے قائم مقام ہوتا ہے جو اس کے ہم معنی ہو یہاں تک کہ اس کے بعد رجوع ممتنع ہو جائے۔ ہاں صاحب ''المبسوط'' کے قول سے یہ معنی اخذ کیا جاتا ہے لیکن اقرار پر ثابت رہنے والا عقد کے بعد اس کی تجدید کرنے والا ہوتا ہے یعنی اگر اس نے عقد سے پہلے اس کا اقرار کیا پھر اس کے بعد اس کا اقرار کیا تو یہ اس کے قائم مقام ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''صاحب مبسوط'' کے قول کالمجدد الخ کی مراد ثبات کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس کی مراد اس کا بیان ہے کہ عقد سے قبل اقرار حرمت کے اثبات میں اس اقرار کے قائم مقام ہے جو عقد کے بعد ہو۔ کیونکہ اس کی عبارت اس طرح ہے: لیکن اقرار پر ثابت رہنے والا عقد کے بعد اس کے مجدد (نئے اقرار کرنے والے) کی طرح ہے اور عقد کے بعد اس کا حرمت کا اقرار صحیح ہوتا ہے اور فرقت کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے عقد سے پہلے اس کا اقرار کیا اور اس پر ثابت رہا یہاں تک کہ اس عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر عقد کے بعد اقرار کے مسئلہ میں کہا: اگرچہ وہ اس نطق پر ثابت رہا اور کہا: وہ حق ہے اور اس پر گواہوں نے گواہی دی تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ ''البدائع'' میں ہے: جہاں تک اقرار کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس عورت کے بارے میں کہے جس سے اس نے عقد نکاح کیا تھا: یہ میری رضاعی بہن ہے۔ وہ اس پر قائم رہتا ہے اور اسی پر اصرار کرتا ہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ اسی طرح صورتحال ہوگی جب اس کا اقرار نکاح سے قبل کرے۔ اور اس پر اصرار کرے اور اس پر دوام اختیار کرے تو اس کے لیے عقد نکاح کرنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت ان اعمال میں سے ایک عمل ہے جو مخفی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کا علم اسے کسی

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب بیع الطعام مثلا بمثل، جلد 2، صفحہ 519، حدیث نمبر 3040

(فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَإِنْ أَقَرَّتْ) الْمَرْأَةُ بِذَلِكَ (ثُمَّ أَكْذَبَتْ نَفْسَهَا وَقَالَتْ أَخْطَأْتُ وَتَزَوَّجَهَا جَازَ كَمَا لَوْ تَزَوَّجَهَا قَبْلَ أَنْ تُكَذِّبَ نَفْسَهَا) وَإِنْ أَصَرَّتْ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ لَيْسَتْ إِلَيْهَا، قَالُوا وَبِهِ يُفْتَى فِي جَمِيعِ الْوُجُوهِ بَزَّازِيَّةٌ

دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ اگر عورت نے اس امر کا اقرار کیا پھر اپنے آپ کو جھٹلا یا اور کہا میں نے غلطی کی اور مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کرلیا تو یہ عقد جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کیا قبل اس کے وہ اپنے آپ کو جھٹلائے اگرچہ عورت اس پر اصرار کرے۔ کیونکہ حرمت عورت کے اختیار میں نہیں۔ علما نے کہا: تمام وجوہ میں اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔ ''بزازیہ''۔

اور سے سننے سے ہی حاصل ہوتا ہے اس میں تناقض ممنوع نہیں۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ جب اس نے اقرار کیا یہ اقرار اس خبر پر مبنی ہو جس کی خبر کسی اور نے دی ہو تو اس پر خبر دینے والے کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو اس نے اپنے اقرار سے رجوع کرلیا۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے ایک دفعہ اقرار کیا تھا یا زیادہ دفعہ اقرار کیا تھا۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی کہ وہ اس کے اقرار پر گواہی دے یا کہا: ھوحق یا اس جیسا کوئی لفظ بولا۔ کیونکہ یہ انداز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مخبر کے سچا ہونے کا علم رکھتا ہے اور اسے اس کے سچا ہونے کا یقین ہے بعد میں اس کا رجوع قبول نہ کیا جائے گا۔

12877۔ (قولہ: فَرَّقَ بَيْنَهُمَا) یعنی اگر اس نے اس کے بعد انکار کیا کیونکہ فرقت کی شرط وہ ثابت رہنا ہے جو پایا گیا تو اس کے بعد اس کا انکار اسے کوئی نفع نہ دے گا ''ذخیرہ''۔

12878۔ (قولہ: جَازَ) یعنی نکاح صحیح ہے۔

12879۔ (قولہ: لِأَنَّ الْحُرْمَةَ لَيْسَتْ إِلَيْهَا) شارح نے یہ اختیار عورت کو نہیں دیا اس لیے اس کے بارے میں اس کا اقرار معتبر نہیں ہوگا ''ط''۔

12880۔ (قولہ: فِي جَمِيعِ الْوُجُوهِ) یعنی خواہ عورت نے عقد سے قبل اقرار کیا یا عقد کے بعد اقرار کیا خواہ عورت اس پر اصرار کرے یا اصرار نہ کرے۔ مرد کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا اصرار حرمت کو ثابت کرنے والا ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے جو منقول ہے اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ عقد سے پہلے عورت کا اقرار اس مرد سے اس کے عقد نکاح کے مانع ہے۔ ''ذخیرہ'' میں بھی اسی کی مثل ہے۔ لیکن مذکورہ تعلیل اس کے مانع نہ ہونے کی نوید ہے۔

12881۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) ''بزازیہ'' میں کتاب الطلاق کے آخر میں اس کا ذکر کیا: جہاں کہا: عورت نے مرد سے کہا: کہ یہ مرد میرا رضاعی باپ ہے اور اس قول پر عورت نے اصرار کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے شادی کرے جب خاوند اس کا رضاعی باپ ہونے کا انکار کرتا ہو۔ یہی صورتحال ہوگی جب مرد اس کا اقرار کرے پھر عورت اس مسئلہ میں اس مرد کو جھٹلا دے تو عورت کے قول کی وجہ سے مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ حرمت عورت کے اختیار میں نہیں یہاں تک کہ

وَمُفَادُهُ أَنَّهَا لَوْ أَقَرَّتْ بِالثَّلَاثِ مِنْ رَجُلٍ حَلَّ لَهَا تَزَوُّجُهُ (أَوْ أَقَرَّا بِذَلِكَ جَمِيعًا ثُمَّ أَكْذَبَا أَنْفُسَهُمَا وَقَالَا) جَمِيعًا (أَخْطَأْنَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا) جَازَ (وَكَذَا) الْإِقْرَارُ (فِي النَّسَبِ لَيْسَ يَلْزَمُهُ إِلَّا مَا ثَبَتَ عَلَيْهِ) فَلَوْ قَالَ هَذِهِ أُخْتِي أَوْ أُمِّي وَلَيْسَ نَسَبُهَا مَعْرُوفًا ثُمَّ قَالَ وَهِمْتُ صُدِّقَ،

اس تعلیل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر عورت ایک مرد کی جانب سے تین طلاقوں کا اقرار کرے تو اس عورت کے لیے حلال ہے کہ مرد اس عورت سے شادی کر لے۔ یا دونوں نے اس کا اقرار کیا پھر دونوں نے اپنے آپ کو جھٹلایا اور دونوں نے کہا: ہم نے غلطی کی پھر مرد نے اس عورت سے شادی کر لی تو یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح نسب میں اقرار ہے۔ یہ اس پر لازم نہیں مگر جس پر وہ ثابت ہو۔ اگر اس مرد نے کہا یہ میری بہن ہے یا میری ماں ہے جب کہ اس عورت کا نسب معروف نہ تھا پھر اس مرد نے کہا مجھے وہم ہوا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی

عورت نے نکاح کے بعد اس کا اقرار کیا تو اس اقرار کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ عورت کو اجازت ہے کہ تمام وجوہ میں وہ مرد سے عقد نکاح کرلے۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

12882۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) یہ وہ قول ہے جس کو ''الخلاصہ'' میں ''صدر الشہید'' کی ''الصغریٰ'' سے نقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اگر عورت نے تین طلاقوں کا دعویٰ کیا اور خاوند نے اس کا انکار کیا عورت کے لیے حلال ہے کہ وہ اس مرد سے اپنا عقد نکاح کرے''۔ ''بزازیہ'' میں طلاق کے باب کے آخر میں اسے ذکر کیا: عورت نے کہا: اس نے مجھے تین طلاقیں دیں پھر اس عورت نے اس مرد سے عقد نکاح کا ارادہ کیا تو اس عورت کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں وہ عورت اس پر اصرار کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے۔ باب الرضاع میں یہ وضاحت کی ہے کہ جب عورت نے کہا: یہ میرا رضاعی بیٹا ہے اور اس پر اصرار کرے تو اس مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے عقد نکاح کرلے کیونکہ حرمت عورت کے اختیار میں نہیں علما نے کہا: تمام وجوہ میں اسی قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔ ''بزازیہ'' کا کلام ہے۔ ان کا قول و نص اس سے اس استدلال کا ارادہ کر رہے ہیں کہ عورت کو مسئلہ طلاق میں اس مرد سے شادی کرنے کا حق ہے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کا علم بھی ہو جاتا ہے جو باب الایلاء سے تھوڑا پہلے شارح کی کلام میں ہے جہاں ''بزازیہ'' کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے اور اس کے اس قول ونص فی الرضاع کو ساقط کر دیا۔

12883۔ (قولہ: حَلَّ لَهَا تَزَوُّجُهُ) کیونکہ عورت کے حق میں طلاق ان امور میں سے ہے جو مخفی ہوتے ہیں لیکن مرد طلاق دینے میں مستقل ہے پس عورت کا رجوع کرنا صحیح ہوگا۔ ''نہر''۔ یعنی حکم میں یہ حلال ہے مگر جو اس عورت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے تو وہ حلال نہیں جب عورت کو تین طلاقوں کا علم ہو، ''ح''۔

12884۔ (قولہ: أَوْ أَقَرَّا بِذَلِكَ) یعنی دونوں نے رضاعت کی وجہ سے بھائی بہن ہونے کا اقرار کیا یعنی مرد نے اپنے اقرار پر اصرار نہ کیا۔ کیونکہ جب اس نے اصرار کیا تو اس کے بعد اس کا اپنے آپ کو جھٹلانا کچھ نفع نہ دے گا جس طرح

وَإِنْ ثَبَتَ عَلَيْهِ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا (وَ) الرَّضَاعُ (حُجَّتُهُ حُجَّةُ الْمَالِ) وَهِيَ شَهَادَةُ عَدْلَيْنِ

اور اگر نسب ثابت ہو جائے تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور رضاعت کے ثبوت کی حجت وہی ہے جو مال کے ثبوت کی حجت ہے اور وہ دو گواہ ہیں۔

پہلے (مقولہ 12876 میں) گزر چکا ہے۔

12885۔(قولہ: وَإِنْ ثَبَتَ عَلَيْهِ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا) یعنی جب عورت کا نسب معروف نہ ہو اور وہ عورت اس مرد کی ماں بننے یا بیٹی بننے کے لائق ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ سبب ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے اقرار کیا ساتھ ہی اصرار کیا۔ اور اگر عورت کا نسب معروف ہو یا وہ اس مرد کی ماں یا بیٹی بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو دونوں میں تفریق نہ کی جائے گی اگر چہ وہ اس اقرار پر قائم رہے۔ کیونکہ وہ اپنے اقرار میں یقینی طور پر جھوٹا ہے،''بدائع''۔

رضاعت کے ثبوت کی حجت

12886۔(قولہ: حُجَّتُهُ) یعنی رضاعت کو ثابت کرنے کی دلیل وہی ہے جو مال کے ثابت کرنے کی دلیل ہے۔ یہ صورت انکار کے وقت ہے۔ کیونکہ یہ اقرار کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتی ہے جب اصرار پایا جائے جس طرح پہلے (مقولہ 12876 میں) گزرا ہے۔

12887۔(قولہ: وَهِيَ شَهَادَةُ عَدْلَيْنِ) یہ دو آدمیوں کی گواہی ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ یہ رضاعت ایک کی خبر سے ثابت نہیں ہوتی وہ عورت ہو یا مرد ہو عقد سے پہلے یا بعد میں ہو۔''الکافی'' اور''النہایہ'' میں''الخانیہ'' میں رضاعت کے باب میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کرتے ہوئے تصریح کی ہے: اگر ایک عورت نے عقد نکاح سے پہلے اس امر کی گواہی دی تو مرد اس کو جھٹلانے کی گنجائش رکھتا ہے۔ لیکن''الخانیہ'' میں محرمات کے باب میں کہا: اگر یہ عقد نکاح سے پہلے ہو جب کہ خبر دینے والا عادل اور ثقہ ہو تو عقد نکاح جائز نہیں۔ اگر عقد نکاح کے بعد یہ گواہی ہو جب کہ دونوں بڑے ہیں تو زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نکاح سے بچا جائے۔''بزازی'' نے اسے یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ پہلی صورت میں شک جواز میں واقع ہوا اور دوسری میں شک بطلان میں واقع ہوا ہے اور روک دینا اٹھا دینے سے آسان ہے۔ اور یوں تطبیق دی جاتی ہے کہ پہلے قول کو اس حالت پر محمول کیا جائے جب مخبر کی عدالت معلوم نہ ہو یا اس پر محمول کیا جائے جو''محیط'' میں ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ عقد کے بعد بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن''زیلعی'' نے''المغنی'' سے نقل کیا ہے اور''الہدایہ'' کا اسے مکروہ قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ ایک آدمی کی خبر طاری رضاعت میں مقبول ہے اس طرح کہ مرد کے عقد میں ایک صغیرہ ہو ایک عورت گواہی دے کہ اس مرد کی ماں اور اس کی بہن نے عقد کے بعد اس صغیرہ کو دودھ پلایا ہے۔

میں کہتا ہوں:''خانیہ'' کا جو قول گزرا ہے ھما کبیران وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن''البحر'' میں اس کے بعد کہا ہے کہ متون کا ظاہر یہ ہے کہ اس پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا۔ پس مذہب میں یہی معتمد ہونا چاہیے۔

أَوْ عَدْلٍ وَعَدْلَتَيْنِ، لَكِنْ لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ إِلَّا بِتَفْرِيقِ الْقَاضِي لِتَضَمُّنِهَا حَقَّ الْعَبْدِ (وَهَلْ يَتَوَقَّفُ ثُبُوتُهُ عَلَى دَعْوَى الْمَرْأَةِ؟

یا ایک عادل اور دو عادل عورتیں ہوں لیکن فرقت واقع نہیں ہوگی مگر قاضی کی تفریق کرنے سے۔ کیونکہ شہادت بندے کے حق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ کیا رضاعت کا ثبوت عورت کے دعویٰ پر موقوف ہے

میں کہتا ہوں: ''کافی الحاکم'' کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے جو کتب ظاہر الروایہ کی جامع ہے آپ نے اسکے پانی اور گوشت کی نجاست کے بارے میں ایک آدمی کی خبر کے قبول کرنے میں فرق کیا ہے۔ اس (کافی) کی کتاب الاحسان کی طرف رجوع کیجئے۔

تنبیہ

''ہندیہ'' میں ہے: ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی ایک عورت نے کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس کی چار صورتیں ہیں: اگر دونوں میاں بیوی نے اس کی تصدیق کر دی تو عقد نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اگر مرد نے عورت سے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اگر دونوں نے اس کو جھٹلا دیا جب کہ وہ عورت عادل تھی تو احتیاط اسی میں ہے کہ جدائی اختیار کر لی جائے۔ اگر حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تو مرد کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ نصف مہر عورت کو دے دے اور عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ کوئی چیز نہ لے۔ اگر مرد نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو پھر افضل یہ ہے کہ اسے پورا مہر، نفقہ اور سکنیٰ دے اور عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ مہر مثل اور مہر مسمی میں سے جو کم ہے وہ لے، نفقہ اور سکنیٰ نہ لے۔ اور مرد کے لیے عورت کے پاس رہنے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح اگر غیر عادل آدمی گواہی دے یا دو عورتیں گواہی دیں یا ایک مرد اور ایک عورت گواہی دے اور اگر مرد اس عورت کی تصدیق کر دے اور عورت اس عورت کی تکذیب کر دے تو عقد نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر اپنی حالت پر رہے گا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو عقد نکاح فاسد نہیں ہوگا اور عورت کو حق حاصل ہے کہ مرد سے قسم لے اور اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

12888۔ (قولہ: وَعَدْلَتَيْنِ) اگرچہ ان دو میں سے ایک مرضعہ ہو اور یہ امر کوئی نقصان نہیں دیتا کہ اس نے اپنی ذات کے فعل پر گواہی دی ہے۔ کیونکہ اس میں اس پر کوئی تہمت نہیں جس طرح تقسیم کرنے والے، وزن کرنے والے اور کیل کرنے والے کی رب الدین پر گواہی ہے جب وہ حاضر ہو، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''شرح الوہبانیہ'' میں ''الخصاف'' سے جو قول منقول ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک دودھ پلانے والے کی گواہی قبول نہیں۔ ظاہر یہ ہے مراد ہے جب وہ اکیلی ہو۔ یہ امام ''مالک'' کے قول سے احتراز ہے اگرچہ ''نظم الوہبانیہ'' اس کے برعکس کا وہم دلاتا ہے۔ فتامل

12889۔ (قولہ: لِتَضَمُّنِهَا) کیونکہ شہادت بندے کے حق کو ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ یعنی بندے کے حق کے ابطال کو ضمن میں لیے ہوئے ہے اور وہ لطف اندوز ہونے کا حلال ہونا ہے۔ پس قاضی کا فیصلہ ضروری ہے یعنی اگر متارکہ نہ پایا

الظَّاهِرُ لَا لِتَضَمُّنِهَا حُرْمَةَ الْفَرْجِ وَهِيَ مِنْ حُقُوقِهِ تَعَالَى (كَمَا فِي الشَّهَادَةِ بِطَلَاقِهَا) وَلَوْ شَهِدَ عِنْدَهَا عَدْلَانِ عَلَى الرَّضَاعِ بَيْنَهُمَا أَوْ طَلَاقِهَا ثَلَاثًا وَهُوَ يَجْحَدُ ثُمَّ مَاتَا أَوْ غَابَا قَبْلَ الشَّهَادَةِ عِنْدَ الْقَاضِي لَا يَسَعُهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَلَا قَتْلُهُ بِهِ يُفْتَى، وَلَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ وَقِيلَ لَهَا التَّزَوُّجُ دِيَانَةً شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٌ (فُرُوعٌ) قَضَى الْقَاضِي

ظاہر یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ یہ فرج کی حرمت کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے۔ جس طرح عورت کو طلاق دی جائے تو اس میں گواہی ہو۔ اگر عورت کے پاس دو عادل مردوں نے گواہی دی کہ میاں بیوی میں رضاعت کا رشتہ ہے یا دو عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت کو خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں جب کہ خاوند اس سے انکار کرتا ہے پھر دونوں مر جاتے ہیں یا قاضی کے پاس گواہی سے قبل ہی غائب ہو جاتے ہیں تو عورت کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس مرد کے پاس قیام کرے اور نہ ہی اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خاوند کو قتل کرے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اس عورت کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی اور مرد سے عقد نکاح کر لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی عورت کے لیے دیانۃً کسی اور مرد سے عقد نکاح کرنا جائز ہے، ''شرح وہبانیہ''۔ ''فروع'': قاضی نے

گیا۔ کیونکہ ''النہر'' میں ہے: حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذہب جس طرح ''زیلعی'' نے لعان کے باب میں کہا ہے کہ نکاح رضاعت اور مصاہرت کی حرمت کے ساتھ مرتفع نہیں ہوتا بلکہ نکاح فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر خاوند نے تفریق سے پہلے اس کے ساتھ وطی کی تو مرد پر حد واجب نہ ہوگی امر مشتبہ ہو جائے یا مشتبہ نہ ہو۔ ''الاصل'' میں نص قائم کی ہے۔ اور نکاح فاسد میں قاضی کی جانب سے تفریق یا مدخول بھا میں قول کے ساتھ متارکہ ضروری ہے اور غیر مدخول بہا میں صرف بدنی مفارقہ کافی ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

12890۔ (قولہ: الظَّاهِرُ لَا) اسی طرح ''البحر'' میں طلاق کے مذکورہ مسئلہ کا سہارا لیتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل لونڈی کی آزادی کی گواہی ہے۔ اس کی مثل وہ چودہ مسائل ہیں جن میں گواہی دعویٰ کے بغیر قبول کی جاتی ہے۔ یہ ''الاشباہ'' کے قضا کے باب میں مذکور ہے یہ ان پر زائد ہے۔

12891۔ (قولہ: ثُمَّ مَاتَا) یعنی دونوں گواہ مر جاتے ہیں۔

12892۔ (قولہ: لَا يَسَعُهَا الْمُقَامُ مَعَهُ) کیونکہ یہ ایسی گواہی ہے اگر یہ قاضی کے پاس قائم ہوتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی۔ اسی طرح جب یہ گواہی اس عورت کے پاس قائم ہوگئی، ''خانیہ''۔

12893۔ (قولہ: وَقِيلَ لَهَا التَّزَوُّجُ دِيَانَةً) اس قول کے ساتھ اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''شرح الوہبانیہ'' میں ''القنیہ'' سے منقول ہے۔ اور اس میں ''العلاء الترجمانی'' سے منقول ہے کہ صحیح مذہب میں یہ جائز نہیں۔ شارح نے باب الرجعہ کے آخر میں اسے یقین کے ساتھ نقل کیا ہے۔ فافہم

12894۔ (قولہ: قَضَى الْقَاضِي) یعنی مجتہد یا مقلد فیصلہ کرے جس طرح مالکی عالم ہو۔

بِالتَّفْرِيقِ بِرَضَاعٍ بِشَهَادَةِ امْرَأَتَيْنِ لَمْ يَنْفُذْ مَصَّ رَجُلٌ ثَدْيَ زَوْجَتِهِ لَمْ تَحْرُمْ تَزَوَّجَ صَغِيرَتَيْنِ فَأَرْضَعَتْ كُلًّا امْرَأَةٌ وَلَبَنُهُمَا مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ تَعَمَّدَتَا الْفَسَادَ لِعُرُوضِهِ بِالْأُخْتِيَّةِ قَبَّلَ الِابْنُ زَوْجَةَ أَبِيهِ وَقَالَ تَعَمَّدْتُ الْفَسَادَ غَرِمَ الْمَهْرَ وَلَوْ وَطِئَهَا

میاں بیوی کے درمیان دو عورتوں کی رضاعت پر گواہی کی وجہ سے تفریق کر دی تو یہ تفریق نافذ نہ ہو گی۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کے پستان کو چوسا تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہو گی۔ ایک مرد نے دو چھوٹی بچیوں سے عقد نکاح کیا ایک عورت نے ان دونوں کو دودھ پلا دیا اور اس کا دودھ ایک مرد سے اترا تھا تو دونوں ضامن نہ ہوں گی اگر چہ انہوں نے فساد کا قصد کیا ہو۔ کیونکہ فساد بہن ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ بیٹے نے اپنے باپ کی بیوی کا بوسہ لیا اور اس نے کہا میں نے فساد کا قصد کیا ہے تو وہ مہر کی چٹی بھرے گا۔ اگر بیٹے نے باپ کی بیوی سے وطی کی

12895۔ (قولہ: لَمْ يَنْفُذْ) کیونکہ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ یہ تیس سے اوپر مسائل ہیں جو ''الاشباہ'' کے قضاء کے باب میں مذکور ہیں۔

12896۔ (قولہ: مَصَّ رَجُلٌ) اس کے ساتھ قید ذکر کی ہے تا کہ اس صورت سے بچاؤ ہو جب خاوند مدت رضاع میں چھوٹا ہو اس صورت میں عورت خاوند پر حرام ہو جائے گی۔

12897۔ (قولہ: وَلَبَنُهُمَا مِنْ رَجُلٍ) یعنی ایک مرد کی وجہ سے دونوں کا دودھ اترا ہو۔ اس کے ساتھ قید لگائی ہے تا کہ دونوں صغیرہ کے درمیان حرمت متصور ہو۔ کیونکہ وہ دونوں باپ کی جانب سے رضاعی بہنیں بن چکی ہیں مگر جب دونوں عورتوں کا دودھ الگ الگ مرد سے ہو تو دونوں صغیرہ حرام نہ ہوں گی۔ رجل سے مراد خاوند کے علاوہ ہے۔ کیونکہ اگر دونوں کا دودھ اسی خاوند سے ہو تو ''الفتح'' میں ہے: صحیح یہ ہے کہ ضمانت دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہو گی کیونکہ ہر ایک نے فساد برپا کیا۔ کیونکہ یہ صغیرہ اس کی بیٹی بن چکی ہے۔ جس نے مسئلہ میں تحریف کی ہے اس نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا: ولبنهما منه بدل قوله من رجل یعنی من رجل کی جگہ منہ کے الفاظ کہے۔

12898۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنَا) یہ مسئلہ اس مسئلہ کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ اگر بڑی بیوی نے اپنی سوکن کو فساد کے ارادہ سے دودھ پلایا تو اس میں بڑی عورت ضامن ہوتی تھی۔ کیونکہ وہاں بڑی بیوی کا فعل فساد میں مستقل تھا۔ پس فساد کو اس بڑی عورت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو دونوں بڑی بیویوں کا فعل غیر مستقل ہے اس وجہ سے کسی ایک کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں فساد دو بہنوں کو جمع کرنے کی وجہ سے تھا۔ وہاں کی حرمت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں فساد ماں اور بیٹی کو جمع کرنے کی وجہ سے تھا اور وہ بڑی عورت کی وجہ سے ہوا۔ ''فتح''، ملخص۔

اگر بیٹے نے اپنے باپ کی بیوی کا بوسہ لیا تو اس کا حکم

12899۔ (قولہ: غَرِمَ الْمَهْرَ) یعنی مہر باپ پر واجب ہو گا اور وہ بیٹے سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ مسئلہ ''ہندیہ'' میں

وَقَالَ ذٰلِكَ لَا لِلُزُوْمِ الْحَدِّ فَلَمْ يَلْزَمِ الْمَهْرُ
اور کہا میں نے یہ فساد کے ارادہ سے کیا ہے تو مہر کی چٹی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر حد لازم ہوگی پس مہر لازم نہ ہوگا۔

محرمات کے باب میں مذکور ہے اور اسے مقید کیا ہے جب بیوی کو مجبور کیا گیا اور خاوند نے تصدیق کی کہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا گیا تا کہ فرقت واقع ہو ورنہ قول اس بچے کا معتبر ہوگا۔

مگر جب عورت نے خوشدلی سے خاوند کے بیٹے کے ساتھ یہ فعل شنیع کیا تو عورت کیلئے کوئی مہر نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جدائی عورت کی جانب سے واقع ہوئی ہے۔ پھر چاہیے جس طرح ''رحمتی'' نے کہا: کہ یہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل کیساتھ مقید ہونا چاہیے اور مہر سے مراد نصف مہر ہے۔ جہاں تک حقوق زوجیت کے بعد کا تعلق ہے تو پھر کوئی چٹی نہیں۔ کیونکہ مہر حقوق زوجیت کے ساتھ واجب ہو چکا ہے۔ اور اب اپنا حق پورا لے چکا ہے۔ جس طرح علما نے طلاق کے دو گواہوں کے رجوع میں کہا تھا۔ اگر یہ رجوع حقوق زوجیت سے قبل ہو تو دونوں نصف مہر کی چٹی بھریں گے اگر حقوق زوجیت کے بعد ہو تو اصلاً کوئی چٹی نہیں۔

12900۔(قولہ: وَقَالَ ذٰلِكَ) یعنی کہا: میں نے فساد کا جان بوجھ کر قصد کیا۔

12901۔(قولہ: لَا) یعنی باپ پر جو نصف مہر لازم ہوگا اس کی چٹی نہیں بھرے گا ''بزازیہ''۔ نصف کی تعبیر اس کی موید ہے جو ''رحمتی'' نے کہا ہے۔

12902۔(قولہ: فَلَمْ يَلْزَمِ الْمَهْرُ) مہر لازم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حد اور مہر کو جمع نہیں کیا جائے گا ''بزازیہ''۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس نے جو علم عطا فرمایا اس پر اسی کے لیے حمد ہے۔

كِتَابُ الطَّلَاقِ

(هُوَ) لُغَةً رَفْعُ الْقَيْدِ لَكِنْ جَعَلُوهُ فِي الْمَرْأَةِ طَلَاقًا وَفِي غَيْرِهَا إطْلَاقًا، فَلِذَا كَانَ أَنْتِ مُطْلَقَةٌ بِالسُّكُونِ كِنَايَةً وَشَرْعًا (رَفْعُ قَيْدِ النِّكَاحِ

طلاق کے احکام

لغت میں طلاق سے مراد گرہ کھولنا ہے۔ لیکن علما نے عورت سے نکاح کی قید کو ختم کرنے کو طلاق اور دوسری اشیاء میں گرہ کھولنے کو اطلاق کا نام دیا ہے۔ اسی وجہ سے انت مطلقة جب طاء کے سکون اور لام کے فتحہ اور تخفیف کی صورت میں ہو تو اسے کنایہ قرار دیا ہے۔ اور شرع میں طلاق سے مراد نکاح کی قید کو ختم کرنا ہے۔

جب نکاح، اس کی وجہ سے لازم ہونے والے احکام اور اس کے بعد متحقق ہونے والے احکام کا ذکر کر چکے اب اس امر میں شروع ہوتے ہیں جس سے عقد نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ رضاعت کو مقدم کیا کیونکہ یہ دائمی حرمت کو ثابت کرنا ہے۔ طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اشد کو اخف پر مقدم کیا ہے،''بحر''۔

لفظ طلاق کی لغوی تحقیق

12903۔(قولہ: لَكِنْ جَعَلُوهُ)''البحر'' کی عبارت ہے: علما نے کہا: نکاح کو ختم کرنے کے لیے تطلیق اور غیر نکاح میں قید ختم کرنے کے لیے اطلاق کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ طلاق میں پہلا لفظ صریح اور دوسرا کنایہ ہے۔ طَلَّقْتُكِ اور اَنْتِ مُطَلَّقَةٌ جب لام مشدد ہو تو طلاق نیت پر موقوف نہ ہوگی۔ جب خاوند اَطْلَقْتُكِ اور اَنْتِ مُطْلَقَةٌ تخفیف کے ساتھ کہے تو طلاق نیت پر موقوف ہوگی۔

''البدائع'' میں کہا: یہ استعمال عرف میں ہے اگرچہ لغت میں دونوں لفظوں میں معنی مختلف نہیں۔ اس کی مثل جائز ہے جس طرح کہا جاتا ہے حَصان، حِصان کیونکہ حا پر فتحہ ہو تو یہ لفظ عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حا کے کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ لفظ گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ عرف سے مراد عرف اللغۃ ہے۔ کیونکہ ایک اور جگہ اس کی تصریح کی ہے کہ لغت اور شرع میں طلاق نکاح کی قید کو ختم کرنا ہے۔ اور ایسے الفاظ سے بھی تصریح کی ہے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ لغت میں طلاق صریح اور کنایہ ہے۔ فافہم

طلاق کی شرعی تعریف

12904۔(قولہ: وَشَرْعًا رَفْعُ قَيْدِ النِّكَاحِ)''البحر'' میں چند امور کے ساتھ علما پر اعتراض کیا ہے۔

(۱) علما نے کہا ہے: اس کا رکن ایسا لفظ مخصوص ہے جو قید کے اٹھا دینے پر دلالت کرتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس کی تعریف

....

اس کے ساتھ کی جاتی۔ کیونکہ شے کی حقیقت اس کا رکن ہوتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر طلاق ایسا لفظ ہے جو نکاح کی قید کے اٹھانے پر دال ہے۔

(۲) قید کا مطلب ہے کہ باہر نکلنے اور ظاہر ہونے سے اسے روک دیا گیا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ پس یہ تعریف لغوی معنی کے مناسب ہے شرعی معنی کے مناسب نہیں۔

(۳) چاہیے تھا کہ اس کی تعریف یوں کی جاتی کہ لفظ مخصوص کے ساتھ عقد نکاح کو اٹھا دینا اگرچہ یہ از روئے انجام کے ہو۔

میں کہتا ہوں: پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ طلاق اس مصدر کے معنی میں ہے جو تطلیق ہے جس طرح السلام اور السراح یہ تسلیم اور تسریح کے معنی میں ہے، یا طلاق طَلُقَتْ کا مصدر ہے یہ فعل مضموم العین ہو یا مفتوح العین ہو جس طرح فساد مصدر ہے ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ لغت میں اس سے مراد مطلقاً گرہ کو ختم کرنا ہے وہ گرہ حسی ہو جس طرح اونٹ اور قیدی کا ڈھنگا یا گرہ معنوی ہو جس طرح یہاں ہے۔ اور یہ معنی شرعی لغت میں بھی مستعمل ہے۔ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ طلاق شرعی کی حقیقت وہ معنیٰ جدائی ہے جو مصدر کا مدلول ہے نفس لفظ نہیں۔ لیکن جب یہ امر معنوی ہے تو یہ متحقق نہیں ہوگا مگر اس لفظ سے جو اس میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا رکن لفظ ہے۔ پس لفظ اس کی حقیقت نہیں بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے ''البحر'' کی پیروی کرتے ہوئے کہا ''الفتح'' کے الفاظ ہیں: انه رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص۔

دوسرے اور تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قید سے مراد عقد ہے۔ اسی وجہ سے ''الجوہرۃ'' میں کہا: هو في الشرع عبارة عن المعنى الموضوع لِحَلِّ عُقْدَةِ النكاح شرع میں اس سے مراد ایسا معنی ہے جو نکاح کی گرہ کو کھولنے کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اس کی تفسیر معنی مصدری کے ساتھ کی ہے جس طرح ہم نے پہلے کہا ہے۔ اور قید کے اٹھا دینے کو عقدہ کے کھول دینے یعنی نکاح کے رابطہ کو ختم کر دینے سے تعبیر کیا ہے اور یہ تعبیر استعارہ کے طریقہ پر ہے۔ رفع عقد سے مراد اس کے احکام کو اٹھا دینا ہے۔ کیونکہ عقود ایسے کلمات ہوتے ہیں جو تکلم کے بعد باقی نہیں رہتے جس طرح ''التلویح'' میں علل کی بحث میں اسے ثابت کیا ہے۔ اسی کے متعلق ''البدائع'' میں کہا ہے: واما بيان ما يرفع حكم النكاح فالطلاق جو نکاح کے حکم کو ختم کر دے تو وہ طلاق ہے۔ اس سے قبل کہا: نکاح صحیح کے کچھ احکام ہیں بعض اصلی ہیں بعض تابع ہیں۔ پہلی قسم وطی کا حلال ہونا ہے مگر کوئی عارضہ لاحق ہو دوسری قسم نظر کا حلال ہونا، متعہ کی ملکیت حاصل ہونا، گھر سے باہر نہ جانے سے روکنا وغیرہ۔

جیسے ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ عقد کے آثار میں سے اس عورت میں عدت کا لازم ہونا ہے جس عورت سے حقوق زوجیت ادا کیے ہوں۔ اس وجہ سے انہوں نے رفع قید کے ساتھ اس کی تفسیر بیان نہیں کی۔ اس میں ہے کہ عدت احکام نکاح میں سے نہیں۔ کیونکہ نکاح اس کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ عورت کا نکاح کے آثار میں ہونا یہ احکام نکاح کے اٹھا دینے کے بعد عدت کے وجود کے منافی نہیں جس طرح نفس طلاق، عقد نکاح کے آثار میں سے ہے اس لیے اس کا اس کے احکام میں سے ہونا صحیح نہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ عقود عورت کے احکام کی علتیں ہیں جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ایسا امر خارج جو حکم

فِي الْحَالِ) بِالْبَائِنِ (أَوْ الْمَآلِ) بِالرَّجْعِيِّ (بِلَفْظٍ مَخْصُوصٍ) هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى الطَّلَاقِ،
فی الحال یہ طلاق بائن کی صورت میں ہوتا ہے یا انجام کار کے اعتبار سے یہ طلاق رجعی میں ہوتا ہے مخصوص لفظ کے ساتھ۔ایسا مخصوص لفظ جو طلاق کو شامل ہو۔

کے متعلق ہوا گر وہ اس حکم میں مؤثر ہو تو وہ امر خارج اس کی علت ہوگا۔اگر تاثیر کے بغیر حکم تک پہنچانے والا ہو تو وہ سبب ہوگا۔اگر وہ نہ حکم میں مؤثر ہو اور نہ ہی اس تک پہنچانے والا ہو اگر حکم کا وجود اس پر موقوف ہو تو وہ شرط ہوگا، اگر ایسا نہ ہو اگر وہ امر حکم پر دلالت کرے تو علامت ہوگا۔اس کی مکمل بحث کتب الاصول میں ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عقد نکاح وطی وغیرہ کی حلت وغیرہ کے لیے علت ہے حلت کو ختم کرنے کی علت نہیں بلکہ حلت کو ختم کر دینے کی علت طلاق ہے۔کیونکہ طلاق کو اس کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ہاں نکاح اس کی شرط ہے جس طرح نکاح اس عدت کے واجب ہونے کی شرط ہے جو عدت اس نکاح کی وجہ سے واجب ہوئی۔باب العدۃ میں علما نے تصریح کی ہے کہ عدت کی شرط نکاح کا ختم ہونا یا نکاح ختم ہونے کا شبہ ہے پس نکاح انعقاد طلاق کی شرط ہے اور طلاق کا انعقاد عدت کی شرط ہے۔پس اس اعتبار سے عدت کا نکاح کے آثار میں سے ہونا صحیح ہے۔فافہم

12905۔(قولہ: فِي الْحَالِ بِالْبَائِنِ) یہ دونوں جار مجرور رفع کے متعلق ہیں۔

12906۔(قولہ: أَوْ الْمَآلِ) یعنی عدت کے ختم ہونے کے بعد یا دو طلاقوں کو پہلی طلاق کے ساتھ ملانے کے بعد۔اگر عورت عدت میں فوت ہوگئی یا مرد کے رجوع کرنے کے بعد فوت ہوگئی تو مرد کو چاہیے کہ وہ واضح کرے کہ پہلی طلاق واقع نہیں ہوئی۔یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھائے کہ اس نے اسے کبھی بھی طلاق نہیں دی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔اس میں یہ ہے کہ رجوع تقاضا کرتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی ''زیلعی'' وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ طلاق کے وقوع کے بغیر رجوع محال ہے ''مقدسی''۔اس کی تعریف جو دونوں کو شامل ہو اس میں صحیح وہ ہے جو ''قہستانی'' میں ہے کہ اس سے مراد مخصوص لفظ کے ساتھ نکاح کو زائل کرنا اور اس کی حلت کو کم کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی لیے ''البدائع'' میں کہا: جہاں تک طلاق رجعی کا تعلق ہے تو اس کا حکم اصلی طلاق کی تعداد میں کمی ہے جہاں تک ملکیت کے زوال اور وطی کے حلال ہونے کے زوال کا تعلق ہے یہ حکم اصلی نہیں جو لازم ہو یہاں تک وہ فی الحال ثابت نہ ہو۔بلکہ یہ تو عدت کے ختم ہونے کے بعد ہوتا ہے۔امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وطی کے حلال ہونے کا زوال یہ طلاق کے احکام اصلیہ میں سے ہے یہاں تک کہ جب تک وہ رجوع نہیں کر لیتا اس کے لیے وطی کرنا حلال نہیں۔

12907۔(قولہ: هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى الطَّلَاقِ) یعنی وہ صراحۃً طا، لام، قاف کے مادہ پر مشتمل ہو جس طرح انت طالق یا کنایۃً اس مادہ پر مشتمل ہو جیسے انت مُطْلَقَةٌ جب لام مشدد نہ ہو اور طالق کے ہجوں پر مشتمل ہو جن کو ترکیب نہ دیا گیا ہو جس طرح انت ط ا ل ق۔اور ان کے علاوہ جس طرح قاضی کا قول: میں نے ان کے درمیان تفریق کر دی ہے۔قاضی کا یہ قول اس وقت ہو جب خاوند اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے، خاوند عنین ہو، لعان کیا ہو اور ایسے کنایات کے وقت جو رجوع اور بینونت کا فائدہ دیتے ہوں اور لفظ خلع، ''فتح''۔لیکن ''فتح'' کا قول: ''وغیرہما'' جب کہ ضمیر سے مراد صریح اور کنایہ ہے اس امر

فَخَرَجَ الْفُسُوخُ كَخِيَارِ عِتْقٍ وَبُلُوغٍ وَرِدَّةٍ فَإِنَّهُ فَسْخٌ لَا طَلَاقٌ وَبِهٰذَا عُلِمَ أَنَّ عِبَارَةَ الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى مَنْقُوضَةٌ طَرْدًا وَعَكْسًا بَحْرٌ (وَإِيقَاعُهُ مُبَاحٌ) عِنْدَ الْعَامَّةِ لِإِطْلَاقِ الْآيَاتِ أَكْمَلَ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الْكَمَالُ (الْأَصَحُّ حَظْرُهُ) أَيْ مَنْعُهُ (إِلَّا لِحَاجَةٍ) كَرِيبَةٍ وَكِبَرٍ وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ كَمَا فِي الْبَحْرِ

پس اس قید سے نکاح کے فسخ کی صورتیں خارج ہوگئیں جس طرح خیار عتق، خیار بلوغ، ارتداد کیونکہ یہ فسخ نکاح ہے طلاق نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ''کنز'' اور ''ملتقی'' کی عبارت جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے منقوض ہے۔ ''بحر''۔ طلاق کا واقع کرنا عام فقہاء کے نزدیک مباح ہے۔ کیونکہ آیات مطلق ہیں ''اکمل''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ قول کرنے والے ''کمال'' ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر جب حاجت ہو جیسے بدکاری میں پڑنے کا اندیشہ اور بڑھاپا۔ مذہب پہلا قول ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

کا فائدہ دیتا ہے کہ قاضی کا قول: فرقت، الکنایات اور لفظ الخلع ان میں سے ہو جو ''ط ل ق'' کے مادہ پر مشتمل ہوں۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ یہ ما اشتمل پر مشتمل ہو اور ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہو اور معنی کو دیکھتے ہوئے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ صریح اور کنایہ پر واقع ہے۔

12908۔ (قولہ: فَخَرَجَ الْفُسُوخُ) ''الفتح'' میں کہا: قاضی جب دونوں میں جدائی واقع کرے جب عورت انکاری ہو، میاں بیوی میں سے ایک مرتد ہو جائے۔ اور دار حقیقت اور حکم میں جدا ہو جائیں، خیار بلوغ کو استعمال کیا جائے، خیار عتق کو استعمال کیا جائے، کفو نہ ہو اور مہر میں کمی ہو یہ صورتیں اس سے خارج ہیں کیونکہ یہ طلاق نہیں۔

باب الولی میں نظم کے انداز میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ طلاق کون سی ہے، فسخ نکاح کیا ہے اور کس میں قاضی کا فیصلہ شرط ہے اور کس میں قاضی کا فیصلہ شرط نہیں۔ اس کی طرف رجوع کریں۔

12909۔ (قولہ: وَبِهٰذَا) اس سے مراد او المآل اور بلفظ مخصوص کا اضافہ ہے۔

12910۔ (قولہ: عِبَارَةَ الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى) وہ یہ ہے رفع القید الثابت شرعا بالنکاح۔

12911۔ (قولہ: مَنْقُوضَةٌ طَرْدًا وَعَكْسًا) یہ تعریف فسوخ کے داخل ہونے سے مانع نہیں اور طلاق رجعی کے باہر نکلنے کی وجہ سے جامع نہیں۔

12912۔ (قولہ: كَرِيبَةٍ) ریبۃ سے مراد ظن اور شک ہے یعنی بدکاری کا اندیشہ۔

12913۔ (قولہ: وَالْمَذْهَبُ الْأَوَّلُ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق: 1) ''تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے''۔ اور: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (البقرہ: 236) ''کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو'' مطلق ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی کسی شک اور بڑھاپے کی وجہ سے نہ تھی (1)۔ اسی طرح صحابہ کرام اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی المراجعة، جلد 2، صفحہ 114، حدیث نمبر 1943

وَقَوْلُهُمُ الْأَصْلُ فِيهِ الْحَظْرُ، مَعْنَاهُ أَنَّ الشَّارِعَ تَرَكَ هٰذَا الْأَصْلَ فَأَبَاحَهُ
اور علما کا قول کہ طلاق میں اصل منع ہے اس کا معنی ہے شارع نے اس اصل کو چھوڑ دیا اور اسے مباح کر دیا۔

نے نکاح اور طلاق کا عمل کثرت سے کیا۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے: ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق (1) ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حلال میں سے سب سے مبغوض طلاق ہے'' حلال سے مراد ایسا امر ہے جس کا کرنا لازم نہ ہو۔ یہ مباح، مندوب، واجب اور مکروہ کو شامل ہے جس طرح ''شمنی'' نے کہا ہے ''بحر'' ملخص۔

میں کہتا ہوں: لیکن جواب کا حاصل یہ ہے اس کا مبغوض ہونا اس کے حلال ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اس معنی میں حلال مکروہ کو شامل ہے جب کہ وہ مبغوض ہوتا ہے جب حلال سے مراد وہ چیز لی جائے جس کا ترک اس کے فعل پر راجح نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ جواب دوسرے قول کا مؤید ہے اس کے بعد اس کی تائید بھی آرہی ہے۔ فافہم

علما کے قول الاصل فیہ الحظر کا مفہوم

12914۔ (قولہ: وَقَوْلُهُمْ) ''فتح'' میں جو قول ہے اس کا یہ جواب ہے۔ قول یہ ہے: علما کا اس کی اباحت کا قول اور علما کا اس کے قول کو باطل کرنا جس نے کہا: طلاق مباح نہیں مگر بڑھاپے کی وجہ سے یا بدکاری کے اندیشہ کی وجہ سے، اس دلیل سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور ان دونوں امور میں سے کسی کے ساتھ اسے وابستہ نہ کیا۔ کیونکہ یہ علما کے قول: الاصل منه الحظر کے منافی ہے۔ کیونکہ اس میں نکاح کی نعمت کی ناشکری ہے اور اباحت خلاصی کی حاجت کی وجہ سے ہے اور اس حدیث کی وجہ سے ابغض الحلال الی اللہ تعالیٰ الطلاق۔ ''البحر'' میں جواب دیا ہے: یہ قاعدہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ طلاق شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس میں اصل منع ہے۔ اسے شرع کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ پس حلت ہی مشروع ہوگئی۔ یہ ان کے اس قول کی مثل ہے: الاصل فی النکاح الحظر نکاح اصل میں ممنوع ہے نکاح کو ولادت اور نسل کی بقا کی ضرورت کی بنا پر مباح کیا گیا تو کیا اس سے یہ مفہوم ہوگا کہ یہ ممنوع ہے؟ پس حق یہ ہے کہ یہ حاجت کے بغیر مباح ہے۔ کیونکہ اس عورت سے خلاصی پانے کی طلب ہے انہیں دلائل کی وجہ سے جو گزر چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں: دونوں قاعدوں میں جو فرق ہے وہ مخفی نہیں بے شک وہ منع جو نکاح میں اصل ہے وہ کلی طور پر زائل ہو چکا ہے۔ اس میں خارجی عارض کے سوا اصلاً کوئی منع باقی نہیں۔ رہا طلاق کا معاملہ تو وہ مختلف ہے۔ ہدایہ میں اس کی تصریح کی ہے: طلاق فی ذاتہ مشروع ہے کیونکہ اس میں غلامی کا ازالہ ہے۔ یہ مشروعیت اس ممنوعیت کے منافی نہیں جو ممنوعیت امر غیر کی وجہ سے ہو۔ وہ طلاق میں اس نکاح کو ختم کرنا ہے جس کے ساتھ مصالح دینیہ اور دنیویہ متعلق ہوتے ہیں۔

یہ قول اس میں صریح ہے کہ طلاق ایک جہت سے مشروع ہے اور ایک جہت سے ممنوع ہے۔ دونوں کے اجتماع میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ حیثیت مختلف ہے جس طرح مغصوبہ زمین میں نماز۔ اس میں اصل میں ممنوعیت ہے جو کلی طور پر زائل نہیں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق، جلد 2، صفحہ 69، حدیث نمبر 1863

....

ہوئی بلکہ وہ اب تک باقی ہے۔ نکاح میں ممنوعیت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ نکاح میں ایک محترم آدمی کے جز سے انتفاع ہوتا ہے پردہ کی جگہوں پر اطلاع ہوتی ہے جو توالد اور عالم کی بقا کی ضرورت کے پیش نظر زائل ہو چکی ہے۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے اس میں اصل ممنوعیت ہے۔ اس سے مراد ہے کہ یہ ممنوع ہے مگر ایک ایسے عارضہ کی وجہ سے جو اسے مباح کرتا ہے۔ یہی علما کے قول: والاصل فیہ الحظر والاباحۃ للحاجۃ الی الخلاص کا معنی ہے۔ جب یہ اصلاً سبب کے بغیر ہو تو اس میں خلاصی کی کوئی حاجت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ محض حماقت، بے وقوفی محض کفران نعمت، اس عورت، اس کے اہل اور اس کی اولاد کو اذیت پہنچانا ہوگا۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: اس کا سبب خلاصی کی حاجت ہے جب میاں بیوی کے اخلاق میں تباین ہو اور ایسا بغض وغصہ ظاہر کیا جائے جس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنا لازم آئے۔ پس حاجت بدکاری کے اندیشہ اور بڑھاپے کے ساتھ مختص نہیں جس طرح کہا گیا۔ بلکہ یہ اس سے عام ہے جس طرح ''الفتح'' میں اسے اختیار کیا ہے۔ پس یہ اس حاجت سے الگ ہو گئی جو شرعاً اسے مباح کر دے اور ممنوع ہونے کی اصل پر بھی باقی رہے گی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (النساء: 34) یعنی تم فراق کو طلب نہ کرو۔ اسی معنی پر حدیث طیبہ ہے: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ ''الفتح'' میں ہے: ویحمل لفظ المباح علی ما ابیح فی بعض الاوقات اعنی اوقات تحقق الحاجۃ المبیحۃ مباح کا لفظ اس پر بھی بولا جاتا ہے جو بعض اوقات میں مباح ہوتے ہیں میری مراد ایسی حاجت کا تحقق ہے جو اسے مباح کر دے۔

جب مذکورہ حاجت پائی جائے تو یہ مباح ہو جائے گی۔ اسی پر محمول کیا جائے گا جو حضور ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ائمہ سے واقع ہوا تاکہ وہ عبث اور بلا سبب ایذا سے بچے رہیں۔ ''البحر'' میں جو قول ہے: ان الحق اباحتہ لغیر حاجۃ طلبا للخلاص منہ اگر اس قول میں خلاص سے مراد بلا سبب خلاصی ہے جس طرح ذہن میں فوری طور پر تصور آتا ہے تو وہ ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ علما کے اس قول کے خلاف ہے: ان اباحتہ للحاجۃ الی الخلاص علما نے اسے مباح نہیں کیا مگر جب اس کی ضرورت ہو محض خلاصی کے ارادہ کے موقع پر ایسا کرنا مباح نہیں۔ اگر اس سے مراد حاجت کے وقت خلاصی ہے تو یہی مطلوب ومقصود ہے۔

''البحر'' میں یہ بھی قول ہے: ''الفتح'' میں جسے صحیح قرار دیا ہے وہ ضعیف قول کو اپنانا ہے یہ ہمارے علما کا مذہب نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ضعیف قول تو اس کا بڑھاپے اور فحاشی کے اندیشہ کے بغیر اس کا مباح نہ ہونا ہے۔ ''الفتح'' میں جس کی تصحیح کی ہے کہ یہ اس کے ساتھ مقید نہیں جس طرح انہوں نے جو حاجت کو مطلق ذکر کیا ہے اس کا یہ مقتضا ہے اور جو ہم نے بھی بیان کیا ہے کہ ان کے قول کہ یہ مباح ہے اور ان کے قول ان الاصل فیہ الحظر میں منافات زائل ہو چکی ہے کیونکہ حیثیتیں مختلف ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کوئی مخالفت نہیں کہ جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ مذہب ہے اور ''الفتح'' میں جس کی تصحیح ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جانیے یہ ''فتح القدیر'' کی جانب سے ہے۔

بَلْ يُسْتَحَبُّ لَوْ مُؤْذِيَةً أَوْ تَارِكَةَ صَلَاةٍ غَايَةٌ، وَمُفَادُهُ أَنْ لَا إِثْمَ بِمُعَاشَرَةِ مَنْ لَا تُصَلِّي وَيَجِبُ لَوْ فَاتَ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَحْرُمُ لَوْ بِدْعِيًّا وَمِنْ مَحَاسِنِهِ التَّخَلُّصُ بِهِ مِنَ الْمَكَارِهِ

بلکہ طلاق مستحب ہے اگر بیوی اذیت دینے والی ہو یا نماز کی تارک ہو"غایۃ"۔ اور اس تعلیل سے جو بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی عورت کو ساتھ رکھنے میں گناہ نہیں جو نماز نہ پڑھتی ہو۔ اگر مرد معروف طریقے سے اسے اپنے پاس نہ رکھ سکے تو طلاق دینا واجب ہے۔ اگر طلاق بدعی ہو تو ایسی طلاق حرام ہے۔ اور طلاق کے محاسن میں سے ہے کہ اس کے ذریعے مکروہات سے نجات ہوتی ہے۔

وہ صورتیں جن میں عورت کو طلاق دینا مستحب ہے

12915۔(قولہ: بَلْ يُسْتَحَبُّ) اس قول میں بل اضراب انتقالی ہے، "ط"۔

12916۔(قولہ: لَوْ مُؤْذِيَةً) اس کو مطلق ذکر کیا ہے پس یہ اسے بھی شامل ہے کہ وہ مرد کو اذیت دے یا کسی اور کو اذیت دے، اپنے قول سے اذیت دے یا اپنے فعل سے اذیت دے، "ط"۔

12917۔(قولہ: أَوْ تَارِكَةَ صَلَاةٍ) ظاہر یہ ہے نماز کے علاوہ جو فرائض ہیں ان کا ترک کرنا بھی نماز کو ترک کرنے کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں جب کہ بیوی کا مہر میرے ذمہ ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایسی عورت کے ساتھ رہوں جو نماز نہ پڑھتی ہو، "ط"۔

12918۔(قولہ: وَمُفَادُهُ) طلاق کے مستحب ہونے سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے۔ یہ وہ قول ہے جو"البحر" میں کیا ہے اور کہا: اسی وجہ سے علما نے فتاویٰ میں کہا: مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ نماز ترک کرنے پر اسے مارے۔ علما نے لہ کی بجائے علیہ کے الفاظ نہیں کہے۔ جب کہ نماز ترک کرنے پر مارنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں "قاضی خان" نے ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔

12919۔(قولہ: لَوْ فَاتَ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوفِ) جس طرح وہ خصی ہو، اس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو، وہ عنین ہو، وہ شکاز ہو یا مسحر ہو۔ شکاز یہ لفظ نقطوں والی شین کے ساتھ مفتوح ہے اور کاف مشدد ہے اور زا کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ مرد ہے جس کا آلہ تناسل عورت کے ساتھ مخالطت سے پہلے منتشر ہو جاتا ہے پھر جماع کے لیے بعد میں منتشر نہیں ہوتا۔ مسحر جو"حا" مشددہ کے ساتھ ہے اسے مسحور کہتے ہیں ہمارے زمانہ میں اسے مربوط کہتے ہیں "حلبی" نے اسے "شرح الوہبانیہ" سے نقل کیا ہے۔

12920۔(قولہ: لَوْ بِدْعِيًّا) طلاق بدعی کی وضاحت آگے آئے گی۔

طلاق کے محاسن

12921۔(قولہ: وَمِنْ مَحَاسِنِهِ التَّخَلُّصُ بِهِ مِنَ الْمَكَارِهِ) اس کے محاسن میں سے یہ ہے کہ دینی اور دنیوی

وَبِهِ يُعْلَمُ أَنَّ طَلَاقَ الدَّوْرِ بِنَحْوِإِنْ طَلَّقْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَهُ ثَلَاثًا وَاقِعٌ إِجْمَاعًا كَمَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ مَعْزِيًّا لِجَوَاهِرِ الْفَتَاوَى حَتَّى لَوْحَكَمَ بِصِحَّةِ الدَّوْرِ حَاكِمٌ لَا يَنْفُذُ أَصْلًا

اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ طلاق دور، جیسے کوئی کہے اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس سے پہلے تجھے تین طلاقیں، واقع ہو جائے گی۔ اسی پر اجماع ہے جس طرح مصنف نے اسے ''جواہر الفتاویٰ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر حاکم نے دور کی صحت کا فیصلہ کیا تو اصلاً فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

مکروہات سے نجات ملتی ہے ''بحر''۔ جیسے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہو یا وہ زوجہ کی خواہش نہ رکھتا ہو۔ ''الفتح'' میں کہا: ان محاسن میں سے یہ ہے کہ طلاق کو مردوں کے ہاتھ میں دیا ہے عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا کیونکہ عورتوں میں نقصان عقل، غلبہ خواہش اور نقصان دین ہوتا ہے (1) ان محاسن میں سے یہ بھی ہے کہ تین طلاقیں مشروع کیں۔ کیونکہ نفس بہت زیادہ جھوٹا ہوتا ہے۔ بعض اوقات نفس عورت کے لیے عدم حاجت کو ظاہر کرتا ہے پھر اسے شرمندگی حاصل ہوتی ہے تو تین طلاقیں مشروع کی گئیں تا کہ وہ پہلی اور دوسری طلاق کے ساتھ اپنا تجربہ کرلے۔

طلاق دور

12922۔ (قولہ: وَبِهِ) مذکورہ خلاصی اس کے محاسن میں سے ہے اگر طلاق دور واقع نہ ہوتی تو یہ حکمت فوت ہو جاتی ''حلبی''۔ اسے دور کا نام دیا گیا کیونکہ امر دو متنافی چیزوں کے درمیان گردش کرتا ہے کیونکہ طلاق تنجیز سے پہلے تین معلق طلاقوں کا وقوع لازم آتا ہے اور تین معلق طلاقوں سے پہلے طلاق تنجیز کا عدم وقوع لازم آتا ہے۔ اس سے مراد وہ دور نہیں جو علم کلام میں بطور اصطلاح مروج ہے۔ علم کلام میں دور سے مراد دو چیزوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر موقوف ہونا ہے اور شے کا اپنی ذات پر موقوف ہونا اور اس کا متاخر ہونا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کے ساتھ لازم آتا ہے، ''طحطاوی''۔

12923۔ (قولہ: وَاقِعٌ) یعنی جب اسے ایک طلاق دی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی ایک طلاق تنجیز اور دو معلق طلاقیں۔ اگر اسے دو طلاقیں تنجیزاً دی تھیں تو وہ دونوں واقع ہو جائیں گی اور ایک طلاق معلق ہو گئی یا تین طلاقیں دی تھیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ پس طلاق معلق واقع ہوئی ہے جب کہ وہ اہلیت ہی نہیں رکھتا تھا تو یہ طلاق لغو ہو جائے گی اگر اس نے کہا: اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس سے قبل تجھے طلاق۔ پھر اسے ایک طلاق دے دی تو دونوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ایک حتمی اور دوسری معلق۔ اس پر قیاس کرو۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔

12924۔ (قولہ: حَتَّى لَوْحَكَمَ) یہ شارح کے قول واقع اجماعا پر تفریع ہے۔ پھر مصنف نے اسے ''جواہر الفتاویٰ'' سے بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر حاکم نے دور کی صحت، نکاح کے باقی رہنے اور طلاق کے عدم وقوع کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ دوسرے حاکم پر ان دونوں میاں بیوی کو جدا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اس جیسے حکم کو اختلاف شمار نہیں کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحیض الصوم، جلد 1 صفحہ 168، حدیث نمبر 293

....

جا تا کیونکہ یہ ایسا قول ہے جو مجہول، باطل، فاسد اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔ اس سے پہلے ''جواہر الفتاویٰ'' سے نقل کیا کہ یہ قول ''ابو العباس ابن سریج'' جو اصحاب الشافعی سے ہیں کا ہے۔ مسلمانوں کے تمام ائمہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ یہ مصنوعی قول ہے۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین میں سے ائمہ اور اسلاف کے ائمہ جیسے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے اجماع کیا ہے کہ مکلف کی طلاق واقع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اجماع کے دعویٰ میں یہ امر اشکال پیدا کرتا ہے کہ ائمہ شافعیہ میں سے کثیر لوگوں نے دور کی صحت کا قول کیا ہے جس طرح ''مزنی''، ''ابن حداد''، ''قفال''، ''قاضی ابو الطیب''، ''بیضاوی''۔ اسی طرح ''غزالی'' اور ''سبکی'' ہیں۔ لیکن ان دونوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔ ''فتح القدیر'' میں بطلان دور کے قول کو ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور صحت دور اور یہ کہ اسے طلاق نہ ہوگی اسے اکثر کی طرف منسوب کیا ہے۔ صاحب ''البحر'' نے ان کی مدد کی ہے۔ لیکن میں نے علامہ ''ابن حجر مکی'' کی بطلان دور میں ایک جامع تالیف دیکھی ہے۔ یہ اکثر شافعیہ کا قول ہے۔ ''قرافی'' مالکی نے اسے اپنے شیخ ''عز بن عبد السلام'' شافعی سے جن کا لقب سلطان العلما ہے سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ جو اس کی صحت کا قائل ہو اس کی تقلید حرام ہے قاضی کا اس بارے میں فیصلہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے شرع کے قواعد کی مخالفت کی ہے اور کہا: حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی ایک جماعت نے ایسا قول کرنے والے پر سخت طعن و تشنیع کی ہے۔ بعض ائمہ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب سے دور کے فساد پر اتفاق نقل کیا ہے۔ ان سے تین طلاقوں یا ایک طلاق تنجیز کا وقوع واقع ہوا ہے۔ اور شارح ''ارشاد'' نے کہا: فتویٰ میں قابل اعتماد طلاق تنجیز کا وقوع ہے دیار مصر اور دیار شامیہ میں اسی پر عمل ہے۔ ''رافعی'' نے اسے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''سروجی'' جو احناف میں سے ہیں، نے اس میں بہت مبالغہ کیا ہے کہا: یہ مذاہب نصاریٰ کے مشابہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی زندگی بھر اپنی بیوی کو طلاق دے ملخصاً۔ ''فتح القدیر'' میں بھی ذکر کیا کہ دور کی صحت کا قول لغت کے حکم، عقل کے حکم اور شرع کے حکم کے خلاف ہے اور ایسی وضاحت کی ہے کہ اس سے مزید کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

تنبیہ

تیرے لیے یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ شافعیہ کے نزدیک صرف طلاق تنجیز واقع ہوگی۔ یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ اس کی تمام کلام باطل ہے تمام کلام سے مراد معلق طلاقیں ہیں۔ ''الفتح'' سے یہ قول (مقولہ 12923 میں) گزر چکا ہے کہ ہمارے نزدیک تین طلاقیں یقینی طور پر واقع ہوں گی۔ اس کی بنیاد اس چیز پر ہے کہ قبلہ کا لفظ باطل ہے۔ کیونکہ دور اسی لفظ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ ابن حجر نے ''مغنی الحنابلہ'' سے یہ نقل کیا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک دونوں قول ہیں۔ اور ہم ''ابن حجر'' سے وہ چیز نقل کر چکے ہیں جو اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اختلاف ثابت ہے۔ واللہ اعلم

(وَأَقْسَامُهُ ثَلَاثَةٌ حَسَنٌ، وَأَحْسَنُ، وَبِدْعِيٌّ يَأْثَمُ بِهِ) وَأَلْفَاظُهُ صَرِيحٌ، وَمُلْحَقٌ بِهِ وَكِنَايَةٌ (وَمَحَلُّهُ الْمَنْكُوحَةُ)
طلاق کی تین قسمیں ہیں: حسن، احسن، بدعی۔ طلاق بدعی کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا۔ اس کے الفاظ صریح، ملحق بہ اور کنایہ ہیں۔ طلاق کا محل منکوحہ ہے۔

12925۔(قولہ: وَأَقْسَامُهُ ثَلَاثَةٌ) ان کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔

طلاق کے الفاظ

12926۔(قولہ: صَرِيحٌ) ایسے الفاظ جو نکاح کی گرہ کو کھولنے کے لیے ہی استعمال ہوں خواہ اس لفظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہو یا طلاق بائنہ واقع ہو جس طرح اس کی وضاحت آنے والے باب میں (مقولہ 13059 میں) آئے گی۔

12927۔(قولہ: وَمُلْحَقٌ بِهِ) ایسا لفظ جس میں طلاق کی نیت کی ضرورت نہ ہو جس طرح لفظ تحریم یا اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہو اگرچہ نیت کی ضرورت ہو۔ جس طرح اعتدی، استبرئی رحمك اور انت واحدۃ۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

12928۔(قولہ: وَكِنَايَةٌ) اس سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو طلاق کے لیے وضع نہ کیے گئے ہوں اور وہ الفاظ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتے ہوں جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔

طلاق کا محل

12929۔(قولہ: وَمَحَلُّهُ الْمَنْكُوحَةُ) اگرچہ وہ منکوحہ طلاق رجعی یا طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو جب کہ وہ آزاد میں تین طلاقیں نہ ہوں اور لونڈی میں دو طلاقیں نہ ہوں، یا وہ فسخ نکاح کی عدت گزار رہی ہو اور فسخ نکاح خواہ دونوں میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے سے انکار کی صورت میں ہو یا دونوں میں سے ایک کے ارتداد کی صورت میں ہو۔ ''مقدسی'' نے اسے اس شعر میں ذکر کیا ہے۔

بِعِدَّةٍ عَنِ الطَّلَاقِ يُلْحَقُ او ردۃٍ او بالابا يُفرق

طلاق صریح کی عدت گزار رہی ہو یا ارتداد یا اسلام قبول کرنے سے انکار کی صورت میں تفریق کی گئی ہو تو اسے لاحق کی جا سکتی ہے۔

عقد نکاح جب دائمی حرمت کے ساتھ فسخ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح خاوند کے بیٹے کا بوسہ لینا یا دائمی حرمت کے بغیر فسخ ہو جس طرح خیار عتق، خیار بلوغ، کفو کا نہ ہونا، مہر میں کمی، دونوں میں سے کسی ایک کا قید ہو جانا اور کسی کا ہجرت کر جانا۔ ان وجوہات سے فسخ نکاح ہو۔ ان صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح ''البحر'' میں ''الفتح'' سے نقل کیا ہے۔ باب کے آخر میں بھی اسی طرح آئے گا۔ اگر بیوی نے اپنے خاوند کو آزاد کر دیا جب وہ اپنے خاوند کی مالک ہوئی پھر اسے عدت میں

وَأَهْلُهُ زَوْجٌ عَاقِلٌ بَالِغٌ مُسْتَيْقِظٌ وَرُكْنُهُ لَفْظٌ مَخْصُوصٌ خَالٍ عَنْ الِاسْتِثْنَاءِ
طلاق کا اہل ایسا خاوند ہے جو عاقل، بالغ اور بیدار ہو۔ اس کا رکن مخصوص لفظ ہے جو استثناء سے خالی ہوا

طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس کے بارے میں مکمل گفتگو کنایات کے آخر میں (مقولہ 13551 میں) آئے گی۔

طلاق دینے کی اہلیت

12930۔ (قولہ: وَأَهْلُهُ زَوْجٌ عَاقِلٌ) زوج کا لفظ ذکر کرنے کے ساتھ غلام کے آقا اور بچے کے والد سے احتراز کیا ہے اور عاقل کے لفظ کے ساتھ مجنون، معتدہ، مدہوش، مبرسم (ایسا مریض جو بذیان بکتا ہے) اور جن پر غشی طاری ہو سے احتراز کیا ہے۔ جو نشے میں ہو وہ اضطرار میں ہو یا اسے مجبور کیا جائے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ بالغ کا لفظ ذکر کرنے کے ساتھ بچے سے احتراز کیا ہے اگر چہ وہ مراہق ہو۔ مستیقظ کا لفظ ذکر کرنے کے ساتھ نائم سے احتراز کیا ہے۔ اور اس امر کو بیان کیا کہ طلاق دینے کے لیے مسلمان ہونا، صحت مند ہونا، خوشی خوشی، قصد و ارادہ اور جان بوجھ کر واقع کرنا شرط نہیں۔ غلام اور نشہ میں ہونے والے کی طلاق واقع ہو جائے گی اگر نشہ ممنوع سبب سے ہو۔ کافر، مریض، جس پر جبر کیا گیا ہو، ہنسی مذاق کرنے والے اور خطأ یہ الفاظ کہنے والے کی طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح آگے آئے گا۔

طلاق کا رکن

12931۔ (قولہ: وَرُكْنُهُ لَفْظٌ مَخْصُوصٌ) لفظ مخصوص سے مراد ایسا لفظ ہے جو طلاق کے معنی پر دلالت کرے وہ لفظ صریح ہو یا کنایہ ہو۔ فسخ نکاح کی صورتیں اس سے خارج ہو گئیں جیسے گزر چکا ہے۔ لفظ کا ارادہ کیا اگر چہ لفظ حکماً ہوتا کہ عقد مکاتبہ داخل ہو جو جدائی کا تقاضا کرتا ہے اور گونگے کا اشارہ داخل ہو اور انگلیوں کے ساتھ عدد کی طرف اشارہ داخل ہو جو اس قول میں ہے انت طالق هکذا جس طرح آگے آئے گا۔

فائدہ: انگلیوں کے ساتھ اشارہ جب عدد مبہم کے ساتھ ملا ہو تو یہ عرفاً اور شرعاً معدود کے علم کا فائدہ دیتا ہے۔ مترجم

اس گفتگو سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کا اپنی بیوی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو تو خاوند نے بیوی کو تین پتھر دیئے جن کے ساتھ وہ طلاق کی نیت کرتا ہے اس نے لفظ ذکر نہ کیا نہ صریحاً اور نہ ہی کنایۃً تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جس طرح ''خیر رملی'' وغیرہ نے فتویٰ دیا۔ اور اس طرح بادیہ نشینوں میں سے بعض لوگ جو یہ کرتے ہیں کہ عورت کے سر کے بالوں کو مونڈ دیتے ہیں اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اگر چہ وہ اس کے ساتھ طلاق کی نیت کرے۔

12932۔ (قولہ: خَالٍ عَنْ الِاسْتِثْنَاءِ) استثنا سے خالی ہو مگر جب استثنا طلاق کے ساتھ اپنی شروط کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح خاوند کہے: انت طالق ان شاء الله او الا ان یشاء الله۔ ''البحر'' میں یہ اضافہ کیا ہے کہ طلاق غایت کی انتہا نہ ہو۔ کیونکہ اگر مرد نے کہا: انت طالق من واحدة الی ثلاث تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی، ''ط''۔

(طَلْقَةٌ) رَجْعِيَّةٌ (فَقَطْ فِي طُهْرٍ لَا وَطْءَ فِيهِ)
ایک طلاق رجعی، جو صرف اسے طہر میں دی جائے جس میں وطی نہ کی ہو

طلاق احسن، حسن اور بدعت کا بیان

12933۔ (قولہ: طَلْقَةٌ) طلقہ کے آخر میں تا وحدت کے لیے ہے اس کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ ایک کلمہ کے ساتھ اس سے زائد طلاق دینا طلاق بدعی ہو گی اور متفرق کلمات کے ساتھ ہو تو احسن نہ ہو گی، ''بحر''۔

12934۔ (قولہ: رَجْعِيَّةٌ) ظاہر روایت کے مطابق ایک طلاق بائنہ بھی بدعی ہو گی۔ ''زیادات'' کی روایت میں ہے: مکروہ نہ ہو گی۔ ''بحر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے پھر ''المحیط'' سے ذکر کیا: حالت حیض میں خلع بالاجماع مکروہ نہیں۔ کیونکہ عوض کا حصول اسی کے ساتھ ممکن ہے۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے اور اس کی مفصل بحث (مقولہ 12961 میں) آئے گی۔

12935۔ (قولہ: فِي طُهْرٍ) طلاق طہر کے شروع میں دے یا اس کے آخر میں دے یہ قول سب پر صادق آتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طہر کے آخر میں طلاق دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ اس پر عدت کے طویل ہونے سے بچا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طہر کے شروع میں طلاق دینا اولیٰ ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہی اظہر ہے ''نہر''۔ اس کے ساتھ حیض سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہے جس طرح آگے آئے گا۔

12936۔ (قولہ: لَا وَطْءَ فِيهِ) یہ جملہ محل جر میں ہے یہ جملہ طہر کی صفت ہے۔ منہ نہیں کہا تاکہ اس کی کلام میں یہ داخل ہو جائے کہ اگر اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی ہو۔ کیونکہ شبہ کی وجہ سے طلاق دی گئی ہو تو عورت کو ایسے طہر میں طلاق دینا طلاق بدعی ہے۔ ''اسبیجابی'' نے اسے بیان کیا ہے لیکن اس پر زنا کی صورت میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے طہر میں طلاق جس میں زنا واقع ہو وہ طلاق سنت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرد نے عورت سے کہا: انت طالق حسنة، جب کہ وہ حالت طہر میں ہو لیکن کسی اور مرد نے اس سے وطی کی ہو۔ اگر وہ وطی زنا ہو تو طلاق واقع ہو گی۔ اگر وہ وطی شبہ کی وجہ سے ہو تو اس طہر میں طلاق واقع نہ ہو گی۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ فرق گویا اس بنا پر ہے کہ زنا کی وطی پر احکام نکاح مترتب نہیں ہوتے تو وہ رائیگاں جائے گی۔ شبہ کی وجہ سے وطی کا معاملہ مختلف ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مصنف کی کلام دوسروں کی کلام سے بہتر ہے۔ دوسروں کی کلام یہ ہے: لم یجا معها فیه۔ لیکن ان کے لیے یہ کہنا ضروری ہے: اس سے قبل حالت حیض میں وطی نہ ہو اور ان دونوں (عمر اور حیض) میں طلاق نہ ہو، اس کا حمل ظاہر نہ ہو، وہ مایوسی کی عمر کو نہ پہنچی ہو اور وہ نابالغ نہ ہو۔ جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ کیونکہ اگر اس نے اپنی بیوی کو حالت طہر میں طلاق دی ہو جس سے پہلے حیض میں اس نے اس کے ساتھ وطی کی ہو تو وہ طلاق بدعی ہو گی۔ اسی طرح اگر اس نے اسے حالت حیض میں طلاق دی ہو۔ اور اس طہر میں طلاق دی ہو کیونکہ ایک طہر میں دو طلاقیں دینا ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اگر خاوند نے حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اسے

وَتَرْكُهَا حَتَّى تَمْضِيَ عِدَّتُهَا (أَحْسَنُ) بِالنِّسْبَةِ إلَى الْبَعْضِ الْآخَرِ (وَ طَلْقَةٌ لِغَيْرِ مَوْطُوءَةٍ وَلَوْ فِي حَيْضٍ
اور اسے چھوڑے رکھنا یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے تو ایسی طلاق احسن ہوگی۔ بنسبت دوسری طلاق کے۔ غیر موطوءہ کو ایک طلاق دینا اگرچہ حالت حیض میں ہو

طلاق دی یا وہ عورت ان میں سے تھی جن کو حیض نہیں آتا تو مرد نے اس سے وطی کی تو وہ طلاق بدعی نہ ہوگی کیونکہ علت نہیں۔ میری مراد ہے عورت پر عدت کا لمبا ہونا نہیں پایا گیا، ''نہر''۔

12937۔ (قولہ: وَتَرْكُهَا حَتَّى تَمْضِيَ عِدَّتُهَا) اس سے مراد ہے دوسری طلاق دیئے بغیر اسے چھوڑے رکھنا۔ مطلقاً ترک کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ جب خاوند نے اس سے رجوع کر لیا تو طلاق احسن ہونے سے نہیں نکلے گی، ''بحر''۔

12938۔ (قولہ: أَحْسَنُ) یعنی دوسری قسم سے احسن ہے کیونکہ یہ متفق علیہ ہے۔ دوسری کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ امام ''مالک'' نے اسے مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ ضرورت ایک کے ساتھ ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ ''بحر'' میں ''معراج'' سے مروی ہے۔

12939۔ (قولہ: بِالنِّسْبَةِ إلَى الْبَعْضِ الْآخَرِ) یعنی دوسری قسم کے اعتبار سے احسن ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ذات کی وجہ سے حسن ہے۔ اس قول کے ساتھ وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو یہ کہا جاتا ہے یہ حسن کیسے ہو سکتی ہے جب کہ حلال امور میں سے مبغوض ترین ہے؟ یہ مسنون کی دو قسمیں میں سے ایک ہے۔ مسنون کا یہاں معنی ہے جو اس صورت پر ثابت ہو جو عتاب کا تقاضا نہ کرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں جو ثواب کا تقاضا کرے۔ کیونکہ طلاق فی نفسہ عبادت نہیں تا کہ اس کے لیے ثواب ثابت ہو۔ یہاں مراد مباح ہے۔ ہاں اگر وہ عورت خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے کہ خاوند اسے طلاق بدعت دے تو خاوند نے طلاق سنت کے وقت تک اپنے آپ کو روکے رکھا تو خاوند کو ثواب دیا جائے گا کہ اس نے اپنے آپ کو معصیت سے روکے رکھا اسے نفس طلاق پر ثواب نہیں دیا جائے گا جس طرح ایک انسان اپنے آپ کو زنا سے روکتا ہے جب کہ اسباب موجود ہوں اور عورت کی جانب سے دعوت بھی ہو تو مرد کو زنا نہ کرنے پر ثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ صحیح یہ ہے جس امر کا مکلف بنایا گیا ہے وہ رکنا ہے عدم نہیں جس طرح اصول میں معروف ہے ''بحر''، ''فتح''۔

12940۔ (قولہ: وَ طَلْقَةٌ) ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے۔ لغیر موطوءۃ یعنی وہ عورت جس کے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو یہ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے جو طلقہ کی صفت ہے۔ اسی طرح ولو فی حیض میں جار مجرور محذوف کے متعلق ہے۔ ولو موطوءۃ یہ تفریق کے متعلق ہے یا ایک رائے کے مطابق یہ حال ہے۔ اور تفریق کا لفظ اس واؤ کے ساتھ ماقبل مبتدا پر معطوف ہے۔ فی ثلاثۃ اطہار یہ بھی تفریق کے متعلق ہے۔ ان کا قول: فیمن تحیض یہ اس الثلاث سے حال ہے جو تفریق کا مضاف الیہ ہے۔ کیونکہ معنی میں یہ اس کا مفعول ہے۔ اور ان کا قول وفی ثلاثۃ اشہر اس کا عطف فی ثلاثۃ اطہار پر ہے اور ان کا قول: حسن یہ مبتدا اور اس کے معطوف کی خبر ہے۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ طلاق میں سنت دو وجوہ سے ہے: عدد، وقت۔ عدد میں سنت یہ ہے کہ ایک کلمہ کے ساتھ ایک سے

وَلِمَوْطُوءَةٍ تَفْرِيقُ الثَّلَاثِ فِي ثَلَاثَةِ أَطْهَارٍ لَا وَطْءَ فِيهَا وَلَا فِي حَيْضٍ قَبْلَهَا وَلَا طَلَاقَ فِيهِ (فِيمَنْ تَحِيضُ وَ فِي ثَلَاثَةِ (أَشْهُرٍ فِي) حَقِّ (غَيْرِهَا)

اور موطوءہ کو الگ الگ تین طلاقیں دینا تین ایسے طہروں میں جن میں وطی نہ کی گئی ہو۔ اور ان سے قبل حیض میں وطی نہ کی ہو۔ اور جس عورت کو حیض آتا ہے اسے حالت حیض میں طلاق نہ ہو اور جس کو حیض نہیں آتا اسے تین مہینوں میں طلاق دینا

زائد طلاق نہ دے اس میں مدخول اور غیر مدخول میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن مدخول بہا میں یہ خاص ہے اس کے ساتھ جب وہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی گئی ہو اور نہ اس سے قبل حیض میں وطی کی گئی ہو جس طرح پہلے (مقولہ 12936 میں) گزر چکا ہے ورنہ وہ طلاق بدعی ہوگی۔ اور غیر مدخول بہا میں کوئی فرق نہیں کہ وہ حالت طہر میں ہو یا حالت حیض میں ہو۔ کیونکہ وقت سے میری مراد ایسا طہر ہے جو وطی سے خالی ہو۔ یہ صرف مدخول بہا کے ساتھ خاص ہے۔ پس مدخول بہا میں وقت اور عدد کی رعایت کرنا لازم ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اس عورت کو مذکورہ طہر میں صرف ایک طلاق دے وہ سنی احسن ہے یا تین متفرق طہروں میں طلاق دے یا تین مہینوں میں تین طلاقیں دے تو وہ سنی حسن ہے۔ ''البحر'' میں ''المعراج'' سے ذکر کیا ہے کہ یہاں خلوت وطی کی طرح ہے۔ کتاب النکاح میں خلوت کے احکام میں اس کی وضاحت (مقولہ 12014 میں) گزر چکی ہے۔

12941۔ (قولہ: فِي ثَلَاثَةِ أَطْهَارٍ) اگر وہ آزاد ہو بصورت دیگر دو طہروں میں دو طلاقیں دے ''برجندی''۔ گزشتہ اختلاف (مقولہ 12935 میں) جو طہر کے آغاز اور اس کے آخر میں ہے وہ یہاں جاری ہوتا ہے جس طرح اس امر پر ''البحر'' میں متنبہ کیا ہے۔

12942۔ (قولہ: وَلَا طَلَاقَ فِيهِ) ضمیر سے مراد حیض ہے۔ کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اگر وہ اسی طہر میں دو طلاقیں دیں۔ جب کہ یہ مکروہ ہے۔ یہ نہیں کہا: ولا طلاق فیہ ولا فی الطہر کیونکہ موضوع تین طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دینا ہے، ''ط''۔

12943۔ (قولہ: وَفِي ثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ) ہلالی مہینوں میں۔ اگر خاوند نے اسے مہینے کے شروع میں طلاق دی جب کہ وہ ایسی رات تھی جس میں چاند دیکھا گیا بصورت دیگر الگ الگ طلاق کے لیے ہر ماہ کے تیس دن معتبر ہوں گے اس پر اتفاق ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدت کے ختم ہونے میں بھی یہی صورتحال ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ایک ماہ دنوں کے اعتبار سے اور دو ماہ چاند کے اعتبار سے ہوں گے۔ ''الفتح'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔ کیونکہ یہ آسان ہے جب کہ یہ کچھ بھی نہیں۔

12944۔ (قولہ: فِي حَقِّ غَيْرِهَا) یعنی اس عورت کے حق میں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکی ہو اور اس نے حیض کا خون نہ دیکھا یا وہ عورت حاملہ تھی یا نابالغہ تھی جو مختار مذہب کے مطابق نو سال کی عمر کو نہ پہنچی تھی۔ یا مایوس ہو چکی تھی جس کی عمر راجح قول کے مطابق پچپن سال کو پہنچ چکی تھی۔ جس کا طہر طویل ہو گیا ہو وہ ذوات الحیض میں سے ہے۔ کیونکہ وہ نوجوان ہے۔

حَسَنٌ وَسُنِّيٌّ فَعُلِمَ أَنَّ الْأَوَّلَ سُنِّيٌّ بِالْأَوْلَى (وَحَلَّ طَلَاقُهُنَّ) أَيْ الْآيِسَةِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْحَامِلِ (عَقِبَ وَطْءٍ) لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ فِيمَنْ تَحِيضُ لِتَوَهُّمِ الْحَبَلِ وَهُوَ مَفْقُودٌ هُنَا

طلاق حسن اور سنت ہوگا۔ پس اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ پہلی صورت بدرجہ اولیٰ سنی ہے۔ وہ عورتیں جو مایوسی کی عمر کو پہنچ چکی ہوں، نابالغ ہوں اور حاملہ ہوں انہیں وطی کے بعد بھی طلاق دینا حلال ہوتا ہے۔ کیونکہ کراہت حیض والی عورتوں میں اس وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ حمل کا وہم ہوتا ہے جب کہ وہ یہاں مفقود ہو۔

جس نے خون دیکھا وہ اسے طلاق سنت صرف ایک طلاق کے ساتھ دے جب تک وہ مایوسی کی عمر میں داخل نہ ہو۔ کیونکہ اس کے حق میں حیض کی امید ہے۔ اس کی کئی علمانے وضاحت کی ہے ''النہر''۔ ''البحر'' میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر اگر خاوند نے اس سے حالت طہر میں جماع کیا اور وہ طہر لمبا ہو گیا اسے طلاق سنت ممکن نہیں یہاں تک کہ اسے حیض آئے پھر وہ اس حیض سے پاک ہو۔ یہ ان نوجوان عورتوں میں اکثر واقع ہوتا ہے جنہیں دودھ پلانے کے عرصہ میں حیض نہیں آتا۔

میں کہتا ہوں: صغیرہ کی قید لگانا جو نو سال کی عمر کو نہ پہنچی ہو اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ جو اس عمر کو پہنچ چکی ہو اس کی طلاق مہینوں کے اعتبار سے متفرق نہ ہوگی۔ جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ اس کا فائدہ اس قول میں ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد ہے: وحل طلاقهن عقب وطی جس طرح تو اسے پہچانتا ہے۔

12945۔ (قولہ: بِالْأَوْلَى) کیونکہ پہلی قسم اس سے احسن ہے۔ یہ ''الفتح'' کے قول کا صاحب ''النہر'' کی جانب سے جواب ہے۔ ''الفتح'' کا قول ہے: اس کو طلاق سنت کے نام کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ پہلی بھی اسی طرح ہے مناسب یہ ہے کہ اسے دونوں طلاق سنت میں سے مفضول کے ساتھ تمیز دی جائے۔

آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کو وطی کے بعد بھی طلاق دینا جائز ہے

12946۔ (قولہ: أَيْ الْآيِسَةِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْحَامِلِ) یہ تینوں فی غیرھا کے قول سے مفہوم ہیں۔ مصنف کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہاں ان کی تصریح کرتا تا کہ ان کی طلاقوں میں ضمیر اس کی طرف لوٹتی جو صراحۃً مذکور ہے اور تا کہ اس پر اس کے ساتھ اعتراض وارد نہ ہو جو عمر کے ساتھ بالغ ہو اور اس کا طہر لمبا ہو جائے یا وہ نو سال کی ہو جائے جس طرح اس کے ما بعد سے ظاہر ہوتا ہے۔

12947۔ (قولہ: لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ) ایسا طہر جس میں حیض والی عورتوں سے جماع کیا اس میں طلاق کی کراہت اس وجہ سے ہے کیونکہ حمل کا وہم ہے۔ پس عدت کی صورت مشتبہ ہو جائے گی کہ وہ عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی یا وضع حمل کے اعتبار سے ہوگی۔ ''الفتح'' میں کہا: یہ صورت اس عورت میں تقاضا کرتی ہے جسے حیض نہ آتا ہو۔ حیض کا نہ آنا اس کے نابالغ ہونے اور اس کے بڑھاپے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کا طہر لمبا ہو چکا ہے جب کہ وہ صغرسنی کے ساتھ متصل ہو۔ اور اس عورت کے بارے میں ہے جو ابھی بالغ نہ ہوئی ہو جب کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہو کہ وطی کے بعد اسے طلاق دینا جائز نہیں کیونکہ

(وَالْبِدْعِيُّ ثَلَاثٌ مُتَفَرِّقَةٌ أَوْ ثِنْتَانِ بِمَرَّةٍ أَوْ مَرَّتَيْنِ)

اور طلاق بدعی یہ ہے کہ تین متفرق یا دو ایک دفعہ یا دو دفعہ

دونوں میں حمل کا وہم ہے۔

اس سے قبل کہا: ''المحیط'' میں ہے: ''حلوانی'' نے کہا: یہ اس صغیرہ کے بارے میں ہے جس کے حمل کی امید نہ ہو۔ جس کے حمل کی امید ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اس کی وطی اور طلاق میں ایک ماہ کا فاصلہ کرے جس طرح امام ''زفر'' نے کہا: اس میں کوئی خفا نہیں کہ امام ''زفر'' کے قول میں فاصلہ افضل نہیں بلکہ فاصلہ کرنا لازم ہے۔

''البحر'' میں اس کا جواب دیا ہے تشبیہ اصل فاصلہ میں ہے جو مہینہ ہے افضلیت میں نہیں۔ متصلا بالصغر کے قول کے ساتھ یعنی وہ عورت جو سالوں کے ساتھ بالغ ہوئی ہو اور اس کا طہر طویل ہو گیا ہو اس عورت سے احتراز کیا ہے جس کا طہر لمبا ہو گیا جب کہ وہ حیض کے آنے کے ساتھ بالغ ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسی عورت کو طلاق سنت ایک ہی دی جا سکتی ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12944 میں) گزر چکا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی جوان ہے جس نے خون دیکھا تھا جب کہ اسے لحہ بھر حیض کے آنے کی امید ہے تو اس میں حیض والی عورتوں کے احکام باقی رہیں گے۔ جو عورت بالغ ہوئی جب کہ اس نے اصلاً خون نہ دیکھا ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔

12948۔ (قولہ: وَالْبِدْعِيُّ) یہ لفظ بدعۃ کی طرف منسوب ہے یہاں اس سے مراد حرام ہے۔ کیونکہ علما نے اس کی نافرمانی کی تصریح کی ہے، ''بحر''۔

ایک ہی کلمے کے ساتھ یا ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا حکم

12949۔ (قولہ: ثَلَاثٌ مُتَفَرِّقَةٌ) ایک کلمہ کے ساتھ بدرجہ اولی بدعی ہوگی۔ امامیہ سے یہ مروی ہے: تین کے لفظ کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اور حالت حیض میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ایسی بدعت ہے جو حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی۔ ''ابن اسحاق''، ''طاؤس'' اور ''عکرمہ'' نے یہی کہا ہے کیونکہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک طلاق تھی (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایسے امر میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ کاش ہم ان پر اس کا فیصلہ کر دیتے تو پس آپ نے ان پر اس امر کا فیصلہ کر دیا۔ جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد ائمہ مسلمین اس امر کی طرف گئے کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ''الفتح'' میں وہ احادیث ذکر کرنے کے بعد جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہا: یہ اس کے معارض ہے جو پہلے گزر چکا ہے جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان پر تین طلاقوں کا نافذ کرنا جب کہ صحابہ نے حضرت عمر کی مخالفت نہ کی اور جب کہ آپ بھی علم رکھتے تھے کہ وہ ایک طلاق تھی تو یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد 1، صفحہ 390، حدیث نمبر 2739

فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ (لَا رَجْعَةَ فِيهِ، أَوْ وَاحِدَةٌ فِي طُهْرٍ وُطِئَتْ فِيهِ، أَوْ) وَاحِدَةٌ فِي (حَيْضِ مَوْطُوءَةٍ)
جو ایک طہر میں دی جائیں۔ جس میں رجوع نہ ہو یا ایک ایسے طہر میں جس میں وطی کی گئی ہو یا ایک طلاق جو موطوءہ کے حیض میں دی ہو۔

ممکن ہی نہیں مگر صحابہ بعد کے زمانہ میں ناسخ کے وجود پر مطلع ہو چکے تھے یا انہیں علم تھا کہ اس کا حکم ختم ہو چکا ہے کیونکہ انہیں علم تھا کہ یہ حکم چند معانی کے ساتھ متعلق ہے جن کے آخری زمانہ میں منتفی ہونے سے آگاہ ہو چکے تھے۔ بعض حنابلہ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا جب کہ ایک لاکھ آنکھ نے آپ کو دیکھا کیا تمہارے لیے ثابت ہے وہ صحیح ہے یا ان کے عشر عشیر سے جو قول ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی ان سے جو وہ صحیح ہے، باطل ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے صحابہ کا اجماع ظاہر ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک سے منقول نہیں کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس وقت مخالفت کی جب آپ نے تین طلاقوں کو نافذ کیا۔ اجماع حکمی جو ایک لاکھ افراد سے منقول ہو اس کے نقل سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک حکم کے لیے ہر ایک کا نام بڑی جلد میں ذکر کیا جائے کیونکہ یہ اجماع سکوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے اجماع کے نقل میں اعتبار اس کا ہوتا ہے جو مجتہدین سے منقول ہو۔ ایک لاکھ صحابہ میں سے مجتہدین فقہا کی تعداد بیس سے زیادہ تک نہیں پہنچتی جس طرح خلفاء راشدین، عبادلہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ۔ اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی طرف رجوع کرتے اور ان سے فتویٰ طلب کرتے۔ ان مجتہد صحابہ میں سے اکثر سے یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے صراحۃً تین طلاقوں کے وقوع کا قول کیا ہے ان کا مخالف ظاہر نہیں ہوا۔ حق کے بعد ضلال ہی ضلال ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: اگر کسی حاکم نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ ایک طلاق ہوگی اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ ایسا حکم دینا خلاف ہے اختلاف نہیں۔ اس میں غایت امر یہ ہے کہ یہ امر یوں ہو جائے جس طرح امہات الاولاد کی بیع ہے۔ اس کی بیع کی نفی پر اجماع ہے جب کہ پہلے زمانہ میں ان کی بیع کی جاتی تھی۔ ملخصاً پھر اس میں طویل گفتگو کی۔

12950۔ (قولہ: فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ) یہ تین اور دو طلاقوں کے لیے قید ہے۔

12951۔ (قولہ: لَا رَجْعَةَ فِيهِ) اگر دو طلاقوں کے درمیان رجوع ہو جائے تو وہ مکروہ نہ ہوں گی اگرچہ وہ رجوع قول یا شہوت کے ساتھ یا بوسہ یا چھونے کی صورت میں ہو۔ جماع کے ساتھ نہ ہو اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ یہ ایسا طہر ہے جس میں جماع ہے۔ یہ ''طحاوی'' کے آنے والی روایت (مقولہ 12958 میں) کی بنا پر ہے۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ رجوع فاصلہ کرنے والی نہیں۔ اسی طرح اگر درمیان میں نکاح کیا ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

12952۔ (قولہ: وُطِئَتْ فِيهِ) یعنی طہر میں اس کے ساتھ وطی کی گئی ہو جب کہ وہ حاملہ نہ ہو اور نہ ہی مایوسی کی عمر کو پہنچی ہوئی ہو اور نہ ہی بالغ ہو وہ نو سال کی عمر کو نہ پہنچی ہو جس طرح پہلے (مقولہ 12944 میں) گزر چکا ہے

12953۔ (قولہ: فِي حَيْضِ مَوْطُوءَةٍ) جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں۔ اس کے حیض میں اس کی مثل وہ

لَوْ قَالَ وَالْبِدْعِيُّ مَا خَالَفَهُمَا لَكَانَ أَوْجَزَ وَأَفْيَدَ (وَتَجِبُ رَجْعَتُهَا) عَلَى الْأَصَحِّ (فِيهِ) أَيْ فِي الْحَيْضِ رَفْعًا لِلْمَعْصِيَةِ

اگر حضرت مصنف یہ کہتے بدعی طلاق وہ ہے جو ان دونوں کے خلاف ہے تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ فائدہ مند ہوتی۔ صحیح ترین قول کے مطابق اس عورت سے رجوع کرنا واجب ہے جسے حالت حیض میں طلاق دی گئی ہو تا کہ معصیت کو ختم کیا جائے۔

عورت بھی ہے جس کے ساتھ خلوت کی ہو۔ جس طرح پہلے (مقولہ 12940 میں) گزرا ہے۔

12954۔ (قولہ: لَكَانَ أَوْجَزَ وَأَفْيَدَ) جہاں تک مختصر ہونے کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے جہاں تک زیادہ فائدہ مند ہونے کا تعلق ہے۔ کیونکہ یہ اسے بھی شامل ہے جس کا ذکر کیا اور طلاق بائن کو بھی شامل ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12934 میں) گزر چکا ہے۔ اگر اسے حالت نفاس میں طلاق دی تو یہ بھی بدعی ہوگی جس طرح ''البحر'' میں کہا: اگر اسے ایسے طہر میں طلاق دی جس میں جماع نہ کیا تھا بلکہ اس سے قبل حیض میں طلاق دی تھی اور اگر اسے ایسے طہر میں طلاق دی جس سے قبل اسے حالت حیض میں طلاق دی تھی تو بھی وہ طلاق بدعی ہوگی۔ فافہم

وہ عورت جسے حالت حیض میں طلاق دی گئی ہو اس سے رجوع کرنا واجب ہے

12955۔ (قولہ: وَتَجِبُ رَجْعَتُهَا) جس عورت کو حالت حیض میں طلاق دی جب کہ اس کے ساتھ وطی کی تھی۔

12956۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) اس کے مقابل ''قدوری'' کا قول ہے: یہ مستحب ہے۔ کیونکہ معصیت واقع ہو چکی ہے اس کا ارتفاع متعذر ہے۔ اصح ہونے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ فرمان ہے جو صحیحین میں ہے: اپنے بیٹے کو حکم دو پس وہ اس سے رجوع کرے (1)۔ یہ اس وقت فرمایا تھا جب حضرت عبداللہ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی۔ یہ ارشاد دو واجب امور کو شامل ہے: صریح۔ یہ حضرت عمر پر وجوب ثابت ہوتا ہے کہ وہ حکم دیں۔ ضمنی۔ یہ وجوب آپ کے بیٹے کے متعلق ہے جب صیغہ ان کی طرف متوجہ ہے۔ کیونکہ حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبلغ کی طرح ہوئے۔ معصیت کے ختم ہونے کا متعذر ہونا اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ صیغہ کو وجوب سے پھیر دے کیونکہ اس کے اثر کے ختم کرنے کا واجب ہونا جائز ہے وہ عدت اور اس کا لمبا ہونا ہے۔ کیونکہ کسی شے کی بقا من وجہ اس کے اثر کا باقی ہونا ہے۔ پس حقیقت کو ترک نہ کیا جائے گا اس کی مکمل بحث ''فتح'' میں ہے۔

12957۔ (قولہ: رَفْعًا لِلْمَعْصِيَةِ) رفعا لفظ را کے ساتھ ہے یہ دال کے نسخہ (دال لکھنے) سے اولیٰ ہے۔ ''ط''۔ کیونکہ دال کے ساتھ لفظ دفع اس کے لیے ہے جو واقع نہ ہوا اور را کے ساتھ رفع واقع کے لیے ہے۔ یہاں معصیت واقع ہو چکی ہے۔ مراد اس کے اثر کو ختم کرنا ہے وہ عدت اور اس کا لمبا ہونا ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ کیونکہ طلاق کے واقع ہونے کے بعد اس کو ختم کرنا ممکن نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا، جلد 2، صفحہ 384، حدیث نمبر 2725

(فَإِذَا طَهُرَتْ) طَلَّقَهَا (إِنْ شَاءَ) أَوْ أَمْسَكَهَا، قَيَّدَ بِالطَّلَاقِ لِأَنَّ التَّخْيِيرَ
جب وہ پاک ہو جائے چاہے تو اسے طلاق دے دے چاہے تو اسے اپنے پاس روک لے طلاق کی قید لگائی۔ کیونکہ تخییر،

12958۔(قولہ: فَإِذَا طَهُرَتْ طَلَّقَهَا إِنْ شَاءَ) مصنف کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس کے حیض میں اس نے طلاق دی تھی۔ یہ قول اس کے موافق ہے جس کا ذکر ''طحاوی'' نے کیا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی مروی ہے۔ کیونکہ طلاق کا اثر مراجعت کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ گویا اس نے اس حیض میں اسے طلاق نہیں دی۔ پس اسے اس کے طہر میں طلاق دینا سنت ہوگا۔ لیکن ''الاصل'' میں مذکور وہ ظاہر الروایہ ہے جس طرح ''الکافی'' میں ہے۔ اور ظاہر مذہب اور تمام کا قول ہے جس طرح ''فتح القدیر'' میں ہے جب اس عورت سے حیض میں رجوع کیا تو اس کو طلاق دینے سے رک جائے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اسے حیض آئے پھر وہ پاک ہو تو پھر اسے دوسری طلاق دے۔ اور اس طہر میں اسے طلاق نہ دے جس کے حیض میں اسے طلاق دی تھی۔ کیونکہ یہ طلاق بدعی ہے ''البحر'' اور ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ مصنف کی عبارت اس کا احتمال رکھتی ہے، ''ح''۔

ظاہر الروایہ کے حق میں صحیحین کی حدیث (1) دلالت کرتی ہے: اپنے بیٹے کو حکم دو وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے پھر اسے اپنے پاس روک لے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آ جائے پھر وہ پاک ہو۔ اگر اس کے لیے مناسب ہو کہ وہ اسے طلاق دے تو اسے طلاق دے جب کہ ابھی اسے چھوا نہ ہو۔ پس یہ وہ عدت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے ''بحر''۔ ''الفتح'' میں کہا ہے: حدیث کے لفظ سے رجعت کو اس حیض کے ساتھ مقید کرنا ظاہر ہوتا ہے جس میں طلاق کو واقع کیا تھا جب غور کیا جائے تو اصحاب کے کلام سے یہی سمجھ آتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ وہ پاک ہو گئی تو معصیت ثابت ہو جائے گی۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ ''طحاوی'' کی روایت کے مطابق یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تو چاہیے کہ معصیت ثابت نہ ہو یہاں تک کہ دوسرا طہر آ جائے، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب یہ حدیث اور اصحاب کے کلام سے مفہوم ہے تو مذہب کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

تخییر، اختیار اور خلع حالت حیض میں مکروہ نہیں

12959۔(قولہ: قَيَّدَ بِالطَّلَاقِ) طلاق کی قید لگائی اپنے اس قول میں او فی حیض موطؤۃ۔ طلاق سے مراد رجعی طلاق ہے۔ اور طلاق بائن سے احتراز کیا ہے کیونکہ ظاہر الروایہ میں یہ بدعی ہے اگر چہ یہ طہر میں ہو جس طرح پہلے (مقولہ 12934 میں) گزرا ہے۔

12960۔(قولہ: لِأَنَّ التَّخْيِيرَ) یعنی مرد کا عورت کو کہنا: اختاری نفسك جب کہ وہ حائضہ ہو۔ اسی طرح اگر

1۔ تخریج مقولہ 12956 میں گزر چکی ہے۔

وَالِاخْتِيَارَ وَالْخُلْعَ فِي الْحَيْضِ لَا يُكْرَهُ مُجْتَبَى وَالنِّفَاسُ كَالْحَيْضِ جَوْهَرَةٌ (قَالَ لِمَوْطُوْءَةٍ وَهِيَ) حَالَ كَوْنِهَا مِمَّنْ تَحِيضُ

اختیار اور خلع حیض میں مکروہ نہیں، ''مجتبیٰ''۔ نفاس حیض کی طرح ہے ''جوہرہ''۔ اس نے اپنی موطؤہ سے کہا جب کہ عورت ان میں سے ہے جن کو حیض نہیں آتا:

عورت اپنے آپ کو اختیار کرے۔ ''ذخیرہ'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ حالت حیض میں اس سے خلع کرے جب وہ مرد سے ایسی چیز دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتی ہو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ مرد حالت حیض میں اختیار دے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ حالت حیض میں وہ عورت اپنے آپ کو اختیار کرے۔ اگر وہ حیض کو پائے اور اپنے نفس کو اختیار کر لے تو قاضی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ حالت حیض میں ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے۔

''البدائع'' میں ہے: اسی طرح اگر اسے آزاد کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کرے جب کہ وہ حائضہ ہو۔ اسی طرح عنین کی بیوی ہے۔ اسی طرح مال پر طلاق ہے یہ حیض میں مکروہ نہیں جس طرح ''البحر'' میں ''المعراج'' سے اس کی تصریح کی ہے۔ خلع سے مراد وہ خلع ہے جو خلع مال پر ہو۔ کیونکہ ہم پہلے ''المحیط'' سے (مقولہ 12934 میں) اس کے مکروہ نہ ہونے کی علت بیان کر چکے ہیں کہ عوض کا حصول اسی کے ساتھ ممکن ہے۔ ''الفتح'' میں فصل المشیئۃ میں ''الفوائد الظہیریہ'' سے منقول ہے: اگر خاوند نے بیوی سے کہا: اپنے آپ کو تین میں سے جو چاہے طلاق دے لے تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کے مطابق وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں یا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اپنے آپ کو ایک طلاق دے لے تو مکروہ نہیں کیونکہ وہ مجبور ہے۔ کیونکہ اگر اسے الگ الگ طلاق دی تو معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

12961۔ (قولہ: لَا يُكْرَهُ) کیونکہ کراہت کی علت یہ تھی کہ عورت سے عدت کے لمبا ہونے کے ضرر کو دور کیا جائے۔ کیونکہ وہ حیض جس میں طلاق واقع ہوئی وہ عدت میں شمار نہیں ہوتا اختیار اور خلع کے ساتھ وہ خود راضی ہے ''رحمتی''۔ اس میں ہے: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جب عورت راضی ہو تو مطلقاً حیض میں طلاق حلال ہے۔ ساتھ ہی علما کا مکروہ کہنا اس کے منافی ہے۔ اظہر یہ ہے کہ خلع اور طلاق کی تعلیل عوض سے کی جائے۔ کیونکہ ''المحیط'' سے (مقولہ 12934 میں) گزرا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ تخییر بنفسہ طلاق نہیں کیونکہ اسے اس وقت طلاق نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے آپ کو اختیار نہ کرے تو وہ ایسے ہو گئی کہ اس نے حالت حیض میں اپنے آپ پر طلاق واقع کی جس کو منع کیا گیا ہے وہ مرد ہے عورت یا قاضی نہیں یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔ فتامل

12962۔ (قولہ: وَالنِّفَاسُ كَالْحَيْضِ) ''البحر'' میں کہا: جب حیض میں طلاق سے منع اس لیے کیا گیا تھا کیونکہ عورت پر عدت طویل ہو جاتی تھی تو نفاس بھی اسی طرح ہوگا جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔

12963۔ (قولہ: قَالَ لِمَوْطُوْءَةٍ) اگرچہ وہ حکماً موطوءہ ہو جس طرح اس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو جس طرح پہلے

(أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا) أَوْ ثِنْتَيْنِ (لِلسُّنَّةِ وَقَعَ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ طَلْقَةٌ) وَتَقَعُ أُولَاهَا فِي طُهْرٍ لَا وَطْءَ فِيهِ، فَلَوْ كَانَتْ غَيْرَ مَوْطُوءَةٍ أَوْ لَا تَحِيضُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِلْحَالِ ثُمَّ كُلَّمَا نَكَحَهَا
تجھے تین یا دو طلاقیں سنت تو ہر طہر کے وقت ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور پہلی طلاق ایسے طہر میں واقع ہوگی جس میں وطی نہ کی ہو اگر وہ ایسی عورت ہو جس کے ساتھ وطی نہ کی ہو یا اسے حیض ہی نہ آتا ہو تو ایک فی الحال واقع ہو جائے گی۔ پھر جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا

(مقولہ 12940 میں) گزر چکا ہے۔

12964۔(قولہ: لِلسُّنَّةِ) اس میں لام وقت کے لیے ہے لام قید نہیں۔ اسی کی مثل یہ الفاظ ہیں: فی السنة، علیها یا معها۔ اسی طرح سنت قید نہیں بلکہ اس کی مثل وہ الفاظ ہیں جو اس معنی میں ہیں جس طرح طلاق العدل، طلاقا عدلا، طلاق العدة أو للعدة، طلاق الدّین، طلاق الاسلام، احسن الطلاق، اجمل الطلاق، طلاق الحق، طلاق القرآن، طلاق الکتاب۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

12965۔(قولہ: وَتَقَعُ أُولَاهَا) مذکورہ یعنی تین یا دو طلاقوں میں سے پہلی طلاق واقع ہوگی فافہم۔ قولہ: فی طهر لا وطء فیه یعنی ایسے حیض میں واقع نہ ہوگی جو اس طہر سے پہلے تھا جس طرح متقدمہ کلام (مقولہ 12936 میں) فائدہ دیتا ہے۔ اگر یہ طہر وہ ہے جس میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو اس طہر میں فی الحال ایک واقع ہو جائے گی پھر یہ طہر کے موقع پر دوسری واقع ہو جائے گی اگر وہ عورت حائضہ ہو یا اس طہر میں خاوند نے اس کے ساتھ جماع کیا ہو تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ حائضہ ہو پھر وہ حیض سے پاک ہو۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

12966۔(قولہ: فَلَوْ كَانَتْ غَيْرَ مَوْطُوءَةٍ) اس قول کے ساتھ لموطؤ تہ کے قول سے احتراز کیا ہے اور اولا تحیض کے قول سے وہی ممن تحیض سے احتراز کیا ہے۔ من لا تحیض کا قول حاملہ کو بھی شامل ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''البحر'' میں کہا۔

12967۔(قولہ: تَقَعُ وَاحِدَةٌ لِلْحَالِ) یعنی دونوں صورتوں میں فی الحال ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ الحال کو مطلق ذکر کیا ہے پس یہ حالت حیض کو بھی شامل ہوگا۔

12968۔(قولہ: ثُمَّ كُلَّمَا نَكَحَهَا) یہ پہلی صورت کی طرف راجع ہے یعنی جب اس عورت کو فی الحال ایک طلاق واقع ہو تو عدت کے بغیر وہ عورت اس مرد سے جدا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ حقوق زوجیت سے پہلے طلاق ہے تو اسے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی جب تک خاوند اس کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ تو دوسری عدت کے بغیر واقع ہو جائے گی۔ جب وہ مرد اس عورت سے شادی کرے گا تو اسے تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: یمین کے بعد ملکیت کا زوال یمین کو باطل نہیں کرتا۔ فتامل

أَوْ مَضَى شَهْرٌ تَقَعُ (وَإِنْ نَوَى أَنْ تَقَعَ الثَّلَاثُ السَّاعَةَ أَوْ) أَنْ تَقَعَ عِنْدَ رَأْسِ (كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ صَحَّتْ نِيَّتُهُ) لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ (وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ بَالِغٍ عَاقِلٍ) وَلَوْ تَقْدِيرًا بَدَائِعُ، لِيَدْخُلَ السَّكْرَانُ (وَلَوْ عَبْدًا أَوْ مُكْرَهًا) فَإِنَّ طَلَاقَهُ صَحِيحٌ

گویا ایک ماہ گزرے گا تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر اس نے تینوں طلاقیں اسی وقت یا ہر مہینہ کے سرے پر ایک طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہو گی۔ کیونکہ یہ اس کے کلام کا محتمل ہے۔ ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ تقدیراً ہو ''بدائع''۔ تاکہ سکران اس میں داخل ہو جائے اگرچہ وہ غلام ہو یا اسے مجبور کیا گیا ہو بے شک اس کی طلاق صحیح ہو گی۔

12969۔ (قولہ: أَوْ مَضَى شَهْرٌ) یہ دوسری صورت کی طرف راجع ہے۔

12970۔ (قولہ: وَإِنْ نَوَى) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ تین طلاقوں کا وقوع اطہار پر یہ اس امر کے ساتھ مقید ہے جب وہ اس کی نیت کرے یا مطلق کلام ذکر کرے مگر جب وہ اس کے غیر کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو گی، ''نہر''۔

12971۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ كَلَامِهِ) یہ اس لیے ہے کیونکہ لام کے بارے میں جس طرح یہ جائز ہے وہ وقت کے لیے ہو اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ وہ تعلیل کے لیے ہو یعنی سنت کی وجہ سے جس نے تین کے وقوع کو واجب کیا۔ جب اس کی نیت اس وقت کے لیے صحیح ہے تو بدرجہ اولیٰ ہر مہینے کے سرے پر طلاق واقع ہو گی۔ تین کی قید لگائی کیونکہ اگر وہ تین کا ذکر نہ کرے تو ایک فی الحال واقع ہو جائے گی اگر وہ ایسے طہر میں ہو جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا تھا ورنہ جب وہ حیض سے پاک ہو گئی۔ اگر تین طلاقوں کو اطہار پر الگ الگ واقع کرنے کی نیت کی تو یہ صحیح ہو گا۔ اگر اکٹھے واقع کرنے کی نیت کی تو دو قول ہیں۔ ''الفتح'' میں اس قول کو ترجیح دی یہ صحیح نہیں۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

12972۔ (قولہ: وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ) یہ کلیہ ختم ہو جاتا ہے جب خاوند اس بیوی کو طلاق دے جس کو پہلے طلاق بائنہ دے چکا ہو۔ کیونکہ ایسے خاوند کی طلاق بائنہ عدت میں اس بیوی پر واقع نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا وہ من کل الوجوہ خاوند نہیں یا اس کا امتناع ایک عارض کی وجہ سے ہے وہ تحصیل حاصل کا لازم ہونا ہے۔ پھر اس کا کلام اسے بھی شامل ہوتا ہے جب وہ طلاق کا وکیل بنائے یا فضولی کی جانب سے واقع ہونے والی طلاق کو جائز قرار دے ''نہر''۔ اس کی بحث عنقریب (مقولہ 13026 میں) آئے گی۔

12973۔ (قولہ: لِيَدْخُلَ السَّكْرَانُ) کیونکہ جو آدمی نشہ میں مدہوش ہے وہ عاقل کے حکم پر ہے۔ اس پر یہ حکم اسے جھڑکنے کے لیے ہے۔ پس اس کے قول: عاقل اور اس کے آنے والے قول (مقولہ 12998 میں)۔ سکران میں کوئی منافات نہیں۔

طلاق، نکاح، عتاق پر وکیل بنانے کے لیے جبر کرنا

12974۔ (قولہ: فَإِنَّ طَلَاقَهُ صَحِيحٌ) یعنی مکرہ کی طلاق صحیح ہے۔ یہ قول اسے بھی شامل ہے کہ جب اسے طلاق کا

لَا إِقْرَارُهُ بِالطَّلَاقِ وَقَدْ نَظَمَ فِي النَّهْرِ مَا يَصِحُّ مَعَ الْإِكْرَاهِ فَقَالَ طَلَاقٌ
اس کا طلاق کا اقرار صحیح نہ ہوگا "النہر" میں ان امور کو اشعار میں بیان کیا ہے جو اکراہ کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں تو کہا: طلاق،

وکیل بنانے پر مجبور کیا جائے۔ خاوند نے وکیل بنایا پس وکیل نے طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ "بحر"۔ اس کے محشی "خیر رملی" نے کہا: اس کی مثل عتاق (آزاد کرنا) ہے علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ جہاں تک نکاح کا وکیل بنانے کا تعلق ہے میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس حکم میں دونوں کے خلاف نہیں کیونکہ علما نے تصریح کی ہے کہ تین طلاقیں جبر کی صورت میں بطور استحسان صحیح ہوں گی۔ "زیلعی" نے طلاق کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ وقوع استحسان ہے۔ قیاس یہ تھا کہ وکالت صحیح نہ ہوتی۔ کیونکہ وکالت ہنسی مذاق سے باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جبر کی صورت میں باطل ہو جائے گی جس طرح بیع اور اس کی امثال جبر کے ساتھ باطل ہو جاتی ہوں۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ جبر بیع کے انعقاد کے مانع نہیں لیکن اس کے فساد کو ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح توکیل بھی جبر کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ شروط فاسدہ وکالت میں موثر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ اسقاطات میں سے ہے۔ جب یہ باطل نہیں تو وکیل کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔

طلاق میں استحسان کی علت کی طرف دیکھ تو اسے نکاح میں پالے گا۔ پس دونوں کا حکم ایک ہوگا تامل۔ یہ "رملی" کا کلام ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے بارے میں مفصل بحث کتاب الاکراہ میں آئے گی ان شاء اللہ۔

12975۔ (قولہ: لَا إِقْرَارُهُ بِالطَّلَاقِ) طلاق کی قید لگائی کیونکہ کلام اسی کے بارے میں ہے ورنہ طلاق کے علاوہ میں بھی مکرہ کا اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ جس طرح اس نے عتق، نکاح، رجعت، فئی، قتل عمد سے معافی یا اپنے غلام کے بارے میں اس کا اقرار کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا لونڈی کے بارے میں اقرار کہ یہ اس کی ام ولد ہے صحیح نہیں۔ جس طرح حاکم نے "الکافی" میں اس پر نص قائم کی ہے۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو۔ "البحر" میں ہے: مراد طلاق کے تلفظ پر اکراہ ہے اگر اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھ دے اس نے طلاق لکھ دی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ کتابت عبارت کے قائم مقام اس وقت ہوتی ہے جب ضرورت ہو جب کہ یہاں کوئی حاجت نہیں۔ "الخانیہ" میں اسی طرح ہے۔ اگر اس نے جھوٹ بولتے ہوئے یا ہنسی مذاق سے طلاق کا اقرار کیا تو طلاق قضاءً واقع ہو جائے گی دیانۃً واقع نہ ہوگی۔ اس کی مفصل بحث آگے (مقولہ 12995 میں) آئے گی۔

وہ مسائل جو جبر کرنے کی صورت میں صحیح ہو جاتے ہیں

12976۔ (قولہ: طَلَاقٌ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ طلاق بائن کی دونوں قسموں کو اور طلاق رجعی کو شامل ہوگا۔ یہ اپنے معطوفوں کے ساتھ مل کر مبتدا ہے خبر محذوف ہے۔ اس کی تقدیر کلام تصح مع الاکراہ ہے۔ اس پر یہ قول: فہذہ تصح مع الاکراہ دلالت کرتا ہے۔ پھر اگر خاوند نے اس کے ساتھ وطی کی ہو تو اسے کوئی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ مجبور کرنے والی

وَإِيلَاءٌ ظِهَارٌ وَرَجْعَةٌ نِكَاحٌ مَعَ اسْتِيلَادٍ عَفْوٌ عَنِ الْعَمْدِ

ایلاء، ظہار، رجوع، نکاح، ام ولد بنانے کے ساتھ، قصاص کو معاف کرنا۔

سے کسی امر کا مطالبہ کرے بصورت دیگر اسے نصف مہر کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا۔ مصنف نے اکراہ کے باب میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''ط''

12977۔(قولہ: وَإِيلَاءٌ) اگر اس عورت کو چار ماہ چھوڑا گیا تو وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اگر مرد نے اسکے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے تو نصف مہر واجب ہوگا اور جس نے اسے مجبور کیا تھا خاوند اس سے مطالبہ نہیں کرے گا،'' کافی''۔

12978۔(قولہ: نِكَاحٌ) یہ اسے شامل ہے جب خاوند کو یا بیوی کو عقد نکاح پر مجبور کیا گیا جس طرح علما کے اطلاق کا مقتضا ہے بخلاف اس کے جو یہ قول کیا گیا ہے کہ عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا جب عورت کو عقد نکاح پر مجبور کیا جائے جس طرح ہم نے اسے نکاح کے باب میں وشرط حضور شاھدین کے قول سے تھوڑا پہلے (مقولہ 11207 میں) واضح کیا ہے۔ فافہم

12979۔(قولہ: مَعَ اسْتِيلَادٍ) استیلاد کی دال کے نیچے تنوین کے بغیر کسرہ ہے یہ نظم کی ضرورت کے طریقہ پر ہے ''ح''۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی آقا کو مجبور کرے جب آقا اپنی لونڈی کے ساتھ وطی کرے اور لونڈی بچہ جن دے تو استیلاد ثابت ہو جائے آقا کے لیے اس کی نفی جائز نہ ہوگی۔ ''ط'' اس میں ہے: یہ فعل حسی پر اکراہ ہے جو وطی ہے اس پر ایک اور حکم مرتب ہوا وہ لونڈی کا ام ولد ہونا ہے اس کی مثالیں کثیر ہیں جس طرح اسے گھر میں داخل ہونے پر مجبور کیا گیا جب کہ اس نے گھر میں داخل ہونے پر اپنے غلام کے آزاد کرنے کو معلق کیا تھا بے شک وہ آزاد ہو جائے گا اور مجبور کرنے والا کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ یا اسے ایسا غلام خریدنے پر مجبور کیا گیا جس کی آزادی کو اس نے اس کے مالک ہونے پر معلق کیا تھا۔ بے شک غلام آزاد ہو جائے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ بائع کو اس کی قیمت ادا کرے اور وہ مجبور کرنے والے سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکے گا جس طرح ''کافی الحاکم'' کے باب الاکراہ میں ہے۔ کہا: اسی طرح اگر اس نے کسی کو اس کا ذی رحم محرم خریدنے پر مجبور کیا یا ایسی لونڈی خریدنے پر مجبور کیا جس نے اس کا بیٹا جنا تھا یا ایسی لونڈی خریدنے پر مجبور کیا جس کے بارے اس نے کہا تھا کہ جب وہ اس کا مالک بنے گا تو اسے مدبرہ بنا دے گا۔

''رحمتی'' نے اس کی یہ صورت بیان کی ہے اسے مجبور کیا جائے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ یہ لونڈی اس کی ام ولد ہے۔ اس میں وہ صورت بھی ہے جو ہم نے اس سے پہلے ''الکافی'' سے بھی نقل کیا ہے اللہ اعلم۔

12980۔(قولہ: عَفْوٌ عَنِ الْعَمْدِ) اگر کسی آدمی کے لیے کسی دوسرے آدمی پر نفس یا اس سے کم میں قصاص واجب ہوا اسے تلف یا حبس کی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا گیا یہاں تک کہ اس نے قصاص معاف کر دیا تو معاف کرنا جائز ہوگا۔ جنایت کرنے والے پر اس کے لیے کوئی ضمانت نہ ہوگی اور نہ ہی مجبور کرنے والے پر کوئی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس شخص کے مال کو ضائع نہیں کیا۔ اسی طرح گواہ جب گواہی سے رجوع کر لیں تو ان پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر اس آدمی کا کسی پر کوئی حق ثابت ہو وہ حق مال ہو یا کفالت کی وجہ سے ہو، کفالت نفس کی ہو یا کسی اور وجہ سے تو اسے قتل یا حبس کی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا

رَضَاعٌ وَأَيْمَانٌ وَفَيْءٌ وَنَذْرُهُ　قَبُولٌ لِإِيدَاعٍ ....
رضاعت، قسمیں، فئی اور اس کی نذر و دیعت کو قبول کرنا

گیا یہاں تک کہ اس شخص نے اسے اپنے حق سے بری کر دیا تو براءت باطل ہوگی۔ ''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا عمد عن الخطا سے احتراز کیا ہے کیونکہ اس کا حکم مال ہوتا ہے اس سے براءت صحیح نہیں۔

12981۔ (قولہ: رَضَاعٌ) ہم نے استیلاد کے ضمن میں جو ذکر کیا ہے اس کی وجہ سے اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی فعل حسی ہے اس پر ایک اور حکم مرتب ہوتا ہے۔ جس طرح تو جانتا ہے یہ منحصر نہیں۔ اسی کی مثل کہا جائے گا اگر اسے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت پر مجبور کیا گیا یا اس کے ساتھ وطی پر مجبور کیا گیا اس پر تمام مہر ثابت ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اسے مجبور رکھا گیا کہ وہ اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ وطی کرے یا اس کی بیٹی کے ساتھ وطی کرے اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔

12982۔ (قولہ: وَأَيْمَانٌ) یہ یمین کی جمع ہے۔ ''الکافی'' میں باب الاکراہ علی النذر و الیمین میں کہا: اگر ایک آدمی کو مجبور کیا گیا تلف کی دھمکی کیساتھ یہاں تک کہ اس نے اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کیلئے صدقہ، روزہ، حج، عمرہ، غزوہ، بدنہ یا کسی ایسی چیز کو لازم کر لیا جس کیساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو یہ امور اس پر لازم ہو جائیں گے۔ مکرہ پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اسے ان امور میں سے کسی ایک یا ان کے علاوہ طاعات یا معاصی میں سے کسی چیز پر مجبور کیا۔

12983۔ (قولہ: وَفَيْءٌ) ایلاء میں قول یا فعل سے رجوع کرنا۔ شارح نے الاکراہ میں اسے ذکر کیا ہے۔

12984۔ (قولہ: وَنَذْرُهُ) ہم نے اس کے بارے قریب ہی (مقولہ 12982 میں) کلام کی ہے۔

12985۔ (قولہ: قَبُولٌ لِإِيدَاعٍ) ''البحر'' میں اسے فی ''القینۃ'' کے قول سے اخذ کیا ہے اسے ودیعت کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو وہ ودیعت اس کے قبضہ میں تلف ہوگئی ودیعت کا مستحق مودع سے ضمانت لے گا۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ مودع دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''النہر'' میں یہ قول نقل کرنے کے بعد کہا: پھر میرے لیے یہ ظاہر ہوا کہ مودع یہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ اس کا موقع نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''بزازیہ'' میں کہا: جس کی دھمکی دے کر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا مال اس آدمی کے پاس ودیعت رکھے اور مودع کو بھی اس ودیعت کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا وہ مال ضائع ہو گیا تو مکرہ اور قابض پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے وہ مال اپنے لیے قبضہ میں نہیں لیا۔ جس طرح ہوا چلے تو ہوا نے اسے اس کے باڑہ میں پھینک دیا تو اس نے وہ چیز اس لیے اٹھائی تا کہ مالک کو واپس کر دے تو وہ چیز اس اٹھانے والے کے قبضہ میں ضائع ہوگئی تو وہ اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کا ماحصل یہ ہے کہ مذکورہ تعلیل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''القنیہ'' کے مسئلہ میں ودیعت کے مستحق کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ مودع سے ضمانت لے۔ کیونکہ جب اسے ودیعت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو وہ اس چیز پر اپنے لیے قبضہ کرنے والا نہیں تھا۔ پس یہ متعین ہو گیا کہ مودع دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس نے ودیعت اپنے اختیار کے ساتھ دی تھی پس مستحق کو ضمانت لینے کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ بھی اگر مودع کی قراءت دال کے فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ بھی ان

كَذَا الصُّلْحُ عَنْ عَمْدٍ ....
طَلَاقٌ عَلَى جُعْلٍ يَمِينٍ بِهِ أَتَتْ كَذَا الْعِتْقُ وَالْإِسْلَامُ تَدْبِيرُ لِلْعَبْدِ

اسی طرح قتل عمد پر صلح۔ مال کے بدلے طلاق، طلاق پر قسم اٹھانا۔ اسی طرح آزادی پر قسم اٹھوانا، اسلام کا اقرار کرنا اور غلام کو مدبر بنانا

مواضع میں سے نہیں۔ کیونکہ کلام ان چیزوں میں ہے جو اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں۔ اس کی ضمانت لینا دلالت کرتا ہے کہ اس کا ودیعت کو قبول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ مودع (فتحہ کے ساتھ) کا حکم یہ ہے کہ مال تلف ہونے کے ساتھ ضمانت نہیں ہوتی۔ ''فتال''

12986۔ (قولہ: كَذَا الصُّلْحُ عَنْ عَمْدٍ) قاتل کا قتل عمد کے بدلے میں مال پر صلح کو قبول کرنا۔ ''البحر'' میں اسی طرح یعنی جب قاتل کو مجبور کیا گیا کہ وہ صاحب حق سے مال پر صلح کرے جو مال دیت سے زیادہ ہو یا کم ہو تو قاتل نے مستحق سے صلح کر لی دم باطل ہو جائے گا اور جانی پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی جس طرح ''کافی الحاکم'' میں ہے۔ اس سے قبل ذکر کیا: اگر دم عمد کے ولی کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہزار پر قاتل سے صلح کرلے تو اس کے لیے ہزار کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی۔

دوسری صورت میں مال قاتل پر لازم ہو جائے گا کیونکہ اسے مجبور نہیں کیا گیا۔

12987۔ (قولہ: طَلَاقٍ عَلَى جُعْلٍ) یعنی عورت کا مال کسی شرط پر طلاق کو قبول کرنا، ''بحر''۔ پس طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اگر طلاق کی جگہ ہزار کے بدلے خلع پر مجبور کیا گیا جب کہ خاوند نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں جب کہ عورت کو مجبور نہ کیا گیا ہو تو خلع واقع ہو جائے گی اور عورت پر ہزار لازم ہو جائے گا۔ اس کی مفصل بحث ''الکافی'' میں ہے۔

12988۔ (قولہ: يَمِينٍ بِهِ أَتَتْ) بہ کی ضمیر سے مراد طلاق ہے اتت فعل کا فاعل یمین کی ضمیر ہے۔ ''ح''۔ اس سے مراد طلاق کو کسی شے پر معلق کرنا ہے جس طرح اسے مجبور کیا گیا کہ وہ کہے اگر میں زید سے کلام کروں تو میری بیوی کو اس طرح یعنی طلاق۔

12989۔ (قولہ: كَذَا الْعِتْقُ) آزادی پر قسم اٹھانے پر مجبور کرنا۔ جہاں تک نفس آزادی پر مجبور کرنے کا تعلق ہے تو اس کا ذکر عنقریب (مقولہ 12993 میں) آئے گا، فافہم۔ جس طرح اسے مجبور کیا گیا کہ وہ کہے اگر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے یا اگر میں نے نماز پڑھی یا کھایا یا پیا تو قسم اٹھانے والے نے ایسا کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ جس نے اسے مجبور کیا تھا وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اس کی مفصل بحث ''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔

12990۔ (قولہ: وَالْإِسْلَامُ) اگرچہ وہ آدمی ذمی ہو جسے مجبور کیا جا رہا۔ جس طرح کثیر مشائخ نے کہا ہے۔ ''الخانیہ'' میں ذمی اور حربی میں جو فرق کیا گیا ہے ذمی ہو تو صحیح نہیں حربی ہو تو صحیح ہے تو وہ قیاس ہے۔ استحسان یہ ہے کہ مطلقاً صحیح ہے۔ شارح نے اکراہ کے باب میں بیان کیا ہے ''ط''۔ اگر اس نے اسے اسلام کا اقرار کرنے پر مجبور کیا جو گزر چکا ہے تو اقرار باطل ہے۔ ''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔

12991۔ (قولہ: تَدْبِيرُ لِلْعَبْدِ) را پر ضمہ تنوین کے بغیر ہے یہ ضرورت کی بنا پر ہے، ''ح''۔

وَإِيجَابُ إِحْسَانٍ وَعِتْقٌ فَهَذِهِ تَصِحُّ مَعَ الْإِكْرَاهِ عِشْرِينَ فِي الْعَدِّ
اور احسان کو واجب کرنا اور آزاد کرنا یہ امور اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں جب کہ تعداد میں بیس ہیں۔

عبد کی قید لگانا یہ شعر کی مناسبت کی وجہ سے ہے جب کہ لونڈی بھی اس کی مثل ہے،''ط''۔

12992۔ (قولہ: وَإِيجَابُ إِحْسَانٍ) یعنی صدقہ کو واجب کرنا ''بحر''۔ ''کافی'' سے اس بارے میں قول (مقولہ 12982 میں) گزر چکا ہے۔

12993۔ (قولہ: وَعِتْقٌ) غلام کی قیمت کا مجبور کرنے والے سے مطالبہ کرے گا جب کفارہ کے بغیر اسے آزاد کیا گیا بصورت دیگر کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔ جس طرح مصنف نے ''الاکراہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ یہ قول بالفعل عتق کو بھی شامل ہوگا جس طرح مجبور کرنے والے نے اسے اپنا محرم رشتہ دار خریدنے پر مجبور کیا۔ لیکن وہ مجبور کرنے والے سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ہم پہلے ہی ''کافی'' سے بیان کر چکے ہیں۔ ''بزازیہ'' میں اکراہ کے باب میں تصریح کی ہے۔ شارح نے اکراہ کے باب میں ''ابن کمال'' سے جو نقل کیا ہے وہ اس کے برعکس کا وہم دلاتا ہے۔ فافہم

12994۔ (قولہ: عِشْرِينَ فِي الْعَدِّ) یہ تصح کے فاعل سے حال ہے۔ ''النہر'' میں کہا: یہ سولہ کی تعداد کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ کیونکہ ایجاب احسان، نذر میں داخل ہے اور طلاق علی جعل اور یمین بالطلاق، طلاق میں داخل ہے اور یمین بالعتق، عتق میں داخل ہے۔ ''ح''۔ ''النہر'' سے (مقولہ 12985 میں) منقول ہو چکا ہے کہ ودیعت کو قبول کرنا ان میں سے نہیں تو یہ پندرہ کی طرف لوٹ آئے۔ اور ہم پہلے (مقولہ 12979 میں) میں نقل کر چکے ہیں کہ استیلاد اور رضاع ایسے افعال حسیہ میں سے ہیں جن پر ایک اور امر مرتب ہوتا ہے۔ ان دونوں کا خصوصی ذکر نہیں ہونا چاہیے تو یہ کل تیرہ رہ گئے۔ میں نے ان پر پانچ اور کا اضافہ کیا جو میں نے ''کافی الحاکم'' کے اکراہ کے باب سے اخذ کیے ہیں۔

(۱) مال پر خلع؛ خاوند کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی سے ایک ہزار پر خلع کر لے جب کہ اس خاوند نے اپنی اس بیوی سے چار ہزار پر عقد نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت بھی ادا کیے تھے جب کہ بیوی کو مجبور نہ کیا گیا تھا تو خلع واقع ہو جاتا ہے مرد کے لیے عورت پر ایک ہزار لازم ہوگا۔ جس نے خاوند کو مجبور کیا اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اگر عورت کو مجبور کیا گیا تھا تو طلاق بائنہ ہوگی اور عورت پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

(۲) فسخ؛ جس طرح لونڈی کو آزاد کیا گیا جب کہ اس کا خاوند تھا جو آزاد تھا خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے تھے۔ اس عورت کو مجبور کیا گیا کہ اسی مجلس میں وہ اپنے آپ کو اختیار کرے تو خاوند کے ذمہ سے مہر باطل ہو جائے گا اور مجبور کرنے والے پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے اس سے پہلے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو مہر اس لونڈی کے آقا کے لیے اس کے خاوند پر لازم ہوگا اور وہ مجبور کرنے والے سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

(۳) تکفیر؛ اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس قسم کا کفارہ ادا کرے جس کو اس نے توڑ دیا تھا جب کہ دھمکی تلف کی تھی۔ اسے مجبور

(أَوْ هَازِلًا)
یا ہنسی مذاق کرنے والا

کرنے والے سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اسے اپنا غلام کفارہ کے طور پر آزاد کرنے پر مجبور کیا تھا تو یہ مجبور کی جانب سے جائز نہ ہوگا اور مجبور کرنے والے پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اگر اسے محبوس کرنے کی دھمکی دی گئی تھی تو یہ کفارہ کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر واجب ہوگی وہ نذر ہو، ہدی ہو، صدقہ ہو یا حج ہو اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو اور مکرہ نے اسے کسی معین شے کا حکم نہ دیا تو یہ مجبور کی جانب سے ہو جائے گا اور مکرہ پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

(۴) جو غیر کے لیے شرط ہو؛ جس طرح ایک آدمی نے غلام کی آزادی کو اس کی خریداری کے ساتھ مشروط کیا یا اپنی بیوی کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے پر معلق کیا اسے خریدنے اور داخل ہونے پر مجبور کیا گیا یا اسے ذی رحم محرم کو خریدنے پر مجبور کیا گیا یا ایسی لونڈی کے خریدنے پر مجبور کیا گیا جو اس سے بچہ جن چکی تھی وغیرہ۔ اس میں رضاعت بھی داخل ہے۔ کیونکہ یہ حرمت کی شرط ہے۔ اور استیلاد داخل ہوگا یعنی بچے کی طلب کے لیے وطی کرنا کیونکہ یہ اس کی جانب سے اس کے ثبوت کی شرط ہے ایضاً۔

(۵) ہم پہلے طلاق اور عتاق کے لیے وکیل بنانے کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اٹھارہ صورتیں ہو گئیں جن کو میں نے ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

طلاقٌ و اعتاقٌ نکاحٌ ورجعةٌ ظهارٌ ایلاءٌ و عفوٌ عنِ العمدِ
یمینٌ و اسلامٌ و فیءٌ و نذرُهُ قبولٌ لصلحِ العمدِ تدبیرُ للعبدِ
ثلاثٌ و عشرٌ صححوها لمکرهٍ وقد زِدتُ خمسًا وهی خلعٌ علی نقدِ
وفسخٌ و تکفیرٌ و شرطٌ لغیره و توکیلُ عتقٍ او طلاقٍ فخذْ عَدِّی

طلاق، آزاد کرنا، نکاح کرنا، ظہار، ایلاء، قتل عمد کو معاف کرنا، قسم، اسلام قبول کرنا، فیئ، نذر، صلح عمد کو قبول کرنا، غلام کو مدبر بنانا۔ یہ تیرہ امور ہیں جنہیں علما نے مکرہ کے لیے صحیح قرار دیا ہے۔ میں نے پانچ کا اضافہ کیا وہ نقدی پر خلع، فسخ، تکفیر، جو غیر کے لیے شرط ہو، آزادی، طلاق کے لیے وکیل بنانا۔ پس میری تعداد کو لے لے۔

ہنسی مذاق کرنے والے، خفیف العقل اور سکران کی طلاق کا حکم

12995۔ (قولہ: أَوْ هَازِلًا) یعنی یہ طلاق قضاءً اور دیانۃً واقع ہو جائے گی جس طرح شارح اس کا ذکر کریں گے۔ ''الخلاصہ'' میں اس کی تصریح کی ہے یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ وہ لفظ میں مکابرہ کرنے والا ہے (سینہ زوری کرنے والا ہے) پس وہ تغلیظ کا مستحق ہوگا۔ ''البزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے جو ''الخانیہ'' کے اکراہ کے باب میں ہے: اگر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ طلاق کا اقرار کرے تو اس نے اقرار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح اس نے ہنسی مذاق

لَا يَقْصِدُ حَقِيقَةَ كَلَامِهِ (أَوْ سَفِيهًا) خَفِيفَ الْعَقْلِ (أَوْ سَكْرَانَ)
جو اپنے کلام کے حقیقی معنی کا قصد نہ کرتا ہو۔ یا سفیہ جو خفیف العقل ہو یا خاوند نشہ میں ہو

کرتے ہوئے یا جھوٹ بولتے ہوئے طلاق کا اقرار کیا تو ''البحر'' میں کہا: مشبہ بہ میں عدم وقوع سے مراد دیانۃً عدم وقوع ہے۔ پھر ''بزازیہ'' اور ''قنیہ'' سے نقل کیا ہے: اگر اس نے زمانہ ماضی میں جھوٹی خبر کا ارادہ کیا تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر اس سے قبل اس پر گواہ بنائے تو قضاءً بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

''الخانیہ'' میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کرنا بھی ممکن ہے کہ وہ طلاق کا اقرار ہنسی مذاق سے کر رہا ہو۔ پھر یہ مخفی نہیں کہ ''خلاصہ'' سے جو قول گزرا ہے وہ اس بارے میں ہے جو اس نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے نئے سرے سے طلاق واقع کی۔ اور ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس بارے میں ہے کہ جب وہ ہنسی مذاق سے طلاق کا اقرار کرے۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ ''التلویح'' میں کہا: جس طرح طلاق اور عتاق کا اقرار باطل ہوتا ہے جب مجبور کر کے اقرار کرایا گیا ہو۔ اسی طرح دونوں کا اقرار جو ہنسی مذاق سے کر دیا گیا ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہنسی مذاق جھوٹ کی دلیل ہے جس طرح مجبور کرنا۔ یہاں تک کہ اگر اس کی اجازت دی تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اجازت سبب منعقد کو لاحق ہوتی ہے جو سبب صحت اور بطلان دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اجازت کے ساتھ جھوٹ صدق نہیں بنتا۔ یہ نئے سرے سے طلاق، عتاق وغیرہ کے واقع کرنے کے خلاف ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے۔ کیونکہ اس میں ہنسی مذاق کا کوئی اثر نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''رملی'' نے واقع کیا کہ ''خانیہ'' اور دوسری کتب کی عبارت میں منافات ہے۔

12996۔ (قولہ: لَا يَقْصِدُ حَقِيقَةَ كَلَامِهِ) یہ ہازل کے معنی کا بیان ہے اس میں کجی ہے۔ ''التحریر'' اور اس کی شرح میں ہے: الهزل سے مراد لغت میں کھیلنا ہے۔ اور اصطلاح میں لفظ اور اس کی دلالت سے معنی حقیقی اور معنی مجازی مراد نہ ہو بلکہ اس سے مراد ان دونوں کے علاوہ ہو اور وہ ایسا معنی ہو جس کا ارادہ اس کی طرف سے صحیح نہ ہو۔ ہزل کی ضد جد ہے وہ وہ ہے کہ لفظ سے حقیقی اور مجازی معنی میں سے ایک کا ارادہ کیا جائے۔

12997۔ (قولہ: خَفِيفَ الْعَقْلِ) ''التحریر'' اور اس کی شرح میں ہے: ''السفہ'' سے مراد لغت میں خفت ہے۔ اور فقہا کی اصطلاح میں اس سے مراد ایسی خفت ہے جو انسان کو اپنے مال میں ایسے کام پر برانگیختہ کرے جو عقل کے تقاضا کے خلاف ہو۔

سکر کی تعریف اور اس کا حکم

12998۔ (قولہ: أَوْ سَكْرَانَ) سکر سے مراد ایسا سرور ہے جو عقل کو زائل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ آسمان و زمین میں فرق کو نہیں پہچانتا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: بلکہ وہ عقل پر غالب آ جاتا ہے تو وہ اپنی کلام میں ہذیان بکتا ہے۔ علما نے طہارت، ایمان، حدود میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ''شرح بکر'' میں ہے: وہ سکر جس کے ساتھ تصرفات صحیح

وَلَوْ بِنَبِيذٍ
اگرچہ نشہ نبیذ پینے کی وجہ سے ہو۔

ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایسے حال میں ہو کہ لوگ جسے قبیح جانیں وہ اسے اچھا خیال کرے اور اس کے برعکس۔ لیکن وہ مرد اور عورت کی پہچان رکھتا ہے۔ "البحر" میں کہا: مذہب میں قابل اعتماد پہلا قول ہے، "النہر"۔

میں کہتا ہوں: محقق "ابن ہمام" نے "التحریر" میں تصریح کی ہے کہ سُکر کی جو تعریف "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ سے گزری ہے وہ اس سُکر کے بارے میں ہے جو حد کو واجب کر دے۔ کیونکہ اگر وہ زمین و آسمان میں امتیاز کر لیتا ہے تو اس کے سکر (نشہ) میں کمی ہے۔ پس اس میں نشہ نہ ہونے کا شبہ ہے۔ پس اس کے ساتھ حد ساقط ہو جاتی ہے۔ جہاں تک آپ کے نزدیک حد کے وجوب کے علاوہ احکام میں اس کی تعریف کا تعلق ہے تو اس سے آپ کے نزدیک معتبر کلام کا خلط ملط ہونا اور ہذیان بکنا ہے جس طرح "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے۔ اس کے شارح "ابن امیر حاج" نے آپ سے یہ نقل کیا ہے: مراد ہے کہ اس کی غالب کلام ہذیان ہو۔ اگر نصف کلام درست ہو تو وہ سکر نہ ہوگا۔ حدود وغیر ہا کے اقرار میں اس کا حکم ہوش والے آدمی جیسا ہو گا۔ کیونکہ عرف میں سکران اسے کہتے ہیں جس کی جد، ہزل کے ساتھ خلط ملط ہو جائے۔ وہ کسی چیز پر قائم نہیں رہتا۔ اکثر مشائخ "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کے قول کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جب کہ یہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے علما نے فتویٰ کے لیے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ متعارف ہے۔ حضرت علی شیر خدا کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے: جب اسے نشہ ہوتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے(1)۔ امام "مالک" رحمۃ اللہ علیہ اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کے قول اپنانے کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے قول کی وجہ ضعیف ہے۔ پھر ضعف کی وجہ بیان کی۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختار تمام ابواب میں "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے۔ فافہم۔ "التحریر" میں اس کا حکم بیان کیا ہے: اگر اس کا نشہ ایسے طریقہ سے ہو جو حرام ہو تو اس کا مکلف ہونا باطل نہ ہوگا۔ اسے احکام لازم ہوں گے۔ طلاق، عتاق، بیع، اقرار، چھوٹوں کے کفو میں نکاح کرنے، قرض دینے اور قرض لینے میں اس کی عبارات صحیح ہوں گی۔ کیونکہ عقل قائم ہے۔ اس کی معصیت کی وجہ سے خطاب کے فہم کا فوات اسے عارض آیا ہے۔ پس یہ اثم کے حق میں اور گناہ کے وجوب کے حق میں باقی ہوگا۔ اس کا اسلام قبول کرنا مکرہ کی طرح صحیح ہوگا۔ اس کی ردت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا قصد نہیں۔ جہاں تک ہنسی مذاق کرنے والے کا تعلق ہے وہ کافر ہو جائے گا جب کہ اس کا قصد و ارادہ نہ تھا۔ کیونکہ اس نے یہ استخفاف اور حقارت کے طور پر قول کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے صحیح قصد کے ساتھ صادر ہوا۔ کیونکہ وہ دین کا استخفاف کر رہا تھا۔ جب کہ جو آدمی نشہ میں ہوتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔

12999۔ (قولہ: وَلَوْ بِنَبِيذٍ) خواہ اس کا نشہ خمر سے ہو چاروں حرام شرابوں سے ہو یا ان کے علاوہ شراب سے ہو جو دانوں اور شہد سے بنائی جاتی ہے یہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ "الفتح" میں کہا: آپ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے کیونکہ نشہ

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الاشربۃ والحد فیہا، باب ماجاء فی حد الخمر، جلد 8، صفحہ 321

أَوْ حَشِيشٍ أَوْ أَفْيُونٍ أَوْ بَنْجٍ زَجْرًا، وَبِهِ يُفْتَى تَصْحِيحُ الْقُدُورِيِّ وَاخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ فِيمَنْ سَكِرَ
یا حشیش یا افیون یا بھنگ سے نشہ ہو گیا یہ حکم اس پر زجر کرتے ہوئے لگایا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''تصحیح القدوری'' میں اسی طرح ہے۔ جس آدمی کو نشہ ہوا

ہر حرام شراب سے ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں ''البزازیہ'' سے مروی ہے: ہمارے زمانہ میں مختار حد کا لازم ہونا اور طلاق کا وقوع ہے۔

''الخانیہ'' میں طلاق کے عدم وقوع کو صحیح قرار دیا ہے یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کہ نبیذ حلال ہے پر مبنی ہے۔ مفتی بہ قول اس کے برعکس ہے۔ ''النہر'' میں ''الجوہرہ'' سے مروی ہے اختلاف اس امر کے ساتھ مقید ہے جب اس نے یہ دوا کے طور پر پی ہو اگر لہو یا عیش و نشاط کے لیے پی تو بالاجماع طلاق واقع ہو جائے گی۔

حشیش افیون اور بھنگ کا مفہوم

13000۔ (قولہ: أَوْ حَشِيشٍ) ''الفتح'' میں کہا: دونوں مذاہب شافعیہ اور حنفیہ کے مشائخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آدمی کی طلاق واقع ہو جائے گی جس کی عقل حشیش کھانے سے غائب ہو گئی۔ اسے ہی ورق القنّب کہتے ہیں۔ کیونکہ علما نے اس کی حرمت پر فتویٰ دیا ہے جب کہ انہوں نے پہلے اس میں اختلاف کیا۔ ''مزنی'' نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ ''اسد بن عمرو'' نے اس کی حلت کا فتویٰ دیا کیونکہ علما متقدمین نے اس کے بارے میں کلام نہیں کی۔ کیونکہ ان کے سامنے اس کی حالت ظاہر نہ ہوئی تھی۔ جب اس کے بارے میں کثیر فساد ظاہر و عام ہو گیا تو دونوں مذاہب کے مشائخ اس کی حرمت کی طرف لوٹ آئے اور اس کے استعمال کرنے کی وجہ سے عقل زائل ہونے کی صورت میں علما نے طلاق کے واقع ہونے کا فتویٰ دیا۔

13001۔ (قولہ: أَوْ أَفْيُونٍ أَوْ بَنْجٍ) افیون اسے کہتے ہیں جو خشخاش سے نکلتی ہے۔ البنج با کے فتحہ کے ساتھ یہ ایک بوٹی ہے۔ ''البدائع'' وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ اس کے کھانے سے نشہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ علت بیان کی ہے اس کے عقل کا زوال ایسے سبب سے نہیں جو معصیت ہو۔ حق یہ ہے کہ فرق کیا جائے۔ اگر یہ دوائی کے طور پر استعمال کی جائے تو نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ معصیت نہیں۔ اگر لہو و لعب کے طور پر ہو یا قصداً آفت داخل کرنے کے لیے ہو تو چاہیے کہ اس (طلاق) کے وقوع میں تردد نہ کیا جائے۔ ''تصحیح القدوری'' میں ''الجوہرہ'' سے مروی ہے: اس زمانہ میں جب وہ بنج اور افیون سے نشہ میں مبتلا ہو تو طلاق دینے کی صورت میں طلاق واقع ہو گی تا کہ اسے جھڑکا جائے اسی پر فتویٰ ہے۔ اس پر مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

13002۔ (قولہ: زَجْرًا) مذکورہ تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جب یہ دوائی کے طور پر استعمال ہو تو اس پر اسے نہیں جھڑکا جائے گا۔ کیونکہ معصیت کا کوئی قصد نہیں، ''ط''۔

13003۔ (قولہ: وَاخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ) ''التحفہ'' وغیرہا میں طلاق کے عدم وقوع کی تصحیح کی ہے۔ اور ''الخلاصہ'' میں طلاق کے وقوع کی تصحیح کی ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: پہلا قول احسن ہے کیونکہ عقل کے زوال کے وقت طلاق کے وقوع کا موجب

مُكْرَهًا أَوْ مُضْطَرًّا، نَعَمْ لَوْ زَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ أَوْ بِمُبَاحٍ لَمْ يَقَعْ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلزَّاهِدِيِّ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يُمَيِّزْ مَا يَقُومُ بِهِ الْخِطَابُ كَانَ تَصَرُّفُهُ بَاطِلًا انتهى وَاسْتَثْنَى فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ تَصَرُّفَاتِ السَّكْرَانِ سَبْعَ مَسَائِلَ

جب کہ اسے مجبور کیا گیا ہو یا وہ خود اس کے استعمال پر مجبور ا ہو تو اس کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ہاں اگر اس کی عقل سر درد یا کسی مباح چیز کے استعمال سے زائل ہوگئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔''قہستانی'' میں ''زاہدی'' کی طرف منسوب ہے: جب تک اس میں تمیز کی صلاحیت نہ ہوگی جس کے ساتھ خطاب قائم ہو تو اس کا تصرف باطل ہوگا کلام ختم ہوئی۔''الاشباہ'' میں نشہ میں مست کے تصرفات سے سات مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے۔

کچھ نہیں مگر ممنوع سبب کے ساتھ عقل کے زوال میں مسبّب ہونا ہے۔جب کہ وہ منتفی ہے۔''النہر'' میں ''تصحیح قدوری'' سے مروی ہے کہ یہی تحقیق ہے۔

13004۔(قولہ: نَعَمْ لَوْ زَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ) کیونکہ عقل کے زوال کی علت سر درد ہے۔اور نشہ آور مشروب پینا یہ علت کی علت ہے۔حکم علت کی علت کے طرف منسوب نہیں ہوتا مگر جب علت حکم کے منسوب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

اس کو ذہن نشین کر لو۔''الفتح'' اور ''البحر'' میں مسئلہ کی صورت یہ بنائی ہے جب وہ شراب پیے تو اس کے سر کو درد ہو جائے۔''الملتقط'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے: اگر نبیذ گاڑھی نہ ہو تو اس کے سر کو درد ہو تو اس کا عقل سر درد سے چلا گیا تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔اگر نبیذ گاڑھی ہو جو حرام ہے تو اس کے پینے سے سر درد ہوا تو اس کا عقل چلا گیا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

تحقیق انہوں نے اس میں فرق کیا ہے کہ جب عقل حرام طریقے سے جائے یا غیر حرام طریقے سے جائے جس طرح آپ نے دیکھا پس غور وفکر کیجئے۔

13005۔(قولہ: أَوْ بِمُبَاحٍ) جس طرح اسے انار کے اوراق سے نشہ ہو گیا۔اس کے ساتھ اس کی جانب سے طلاق اور آزادی واقع نہ ہوگی۔صاحب ''التہذیب'' نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ''الہندیہ'' میں اسی طرح ہے،''ط''۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر اسے بنج اور افیون کے ساتھ نشہ ہو گیا جو اس نے بطور دوا استعمال کی تھی معصیت کے طریقہ پر نہ لی تھی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

13006۔(قولہ: وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ) یہ سکران کی تعریف پر مبنی ہے وہ سکران جس کے تصرفات ہمارے نزدیک صحیح ہیں اس کے پاس اتنی عقل ہو جس کے ساتھ احکام کا مکلف بنانا قائم ہو۔''الفتح'' میں اس سے تعجب کیا اور کہا: اس تقدیر کی بنا پر کوئی شک نہیں کہ کسی کے لیے بھی یہ کہنا درست نہیں اس کے تصرفات صحیح نہیں۔

مِنْهَا الْوَكِيلُ بِالطَّلَاقِ صَاحِيًا، لَكِنْ قَيَّدَهُ الْبَزَّازِيُّ بِكَوْنِهِ عَلَى مَالٍ وَإِلَّا وَقَعَ مُطْلَقًا وَلَمْ يُوقِعْ الشَّافِعِيُّ طَلَاقَ السَّكْرَانِ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ، وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنْ التَّفْرِيقِ وَالْفَتْوَى عَلَيْهِ

ان میں سے طلاق کا وکیل بنانا ہے جب وہ ہوشیار ہو۔لیکن ''بزازی'' نے اسے مقید کیا ہے کہ وہ طلاق علی مال ہو ورنہ مطلقاً طلاق واقع ہوجائے گی۔امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے نشہ میں مست آدمی کی طلاق واقع نہیں کی۔''طحاوی'' اور ''کرخی'' نے اسے ہی اختیار کیا ہے''تاتارخانیہ'' میں ''تفریق'' سے مروی ہے: فتویٰ اس پر ہے۔

13007۔(قولہ: مِنْهَا الْوَكِيلُ بِالطَّلَاقِ صَاحِيًا) کیونکہ جب وہ نشہ کی حالت میں طلاق دے گا تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی۔انہیں مسائل میں سے ارتداد ہے، انہیں مسائل میں سے حدود خالصہ کا اقرار ہے، انہیں مسائل میں سے اپنی شہادت پر گواہ بنانا ہے، انہیں مسائل میں سے صغیرہ کا مہر مثل سے کم مہر پر عقد نکاح کرنا ہے یا صغیر کا مہر مثل سے زائد سے عقد نکاح کرنا ہے کیونکہ یہ عقد نافذ نہیں ہوگا، انہیں مسائل میں سے بیع کا وکیل بنانا ہے اگر وہ نشہ میں ہو تو وہ بیچے تو اس کی بیع اس کے موکل پر نافذ نہ ہوگی۔انہیں مسائل میں سے یہ ہے ایسے آدمی سے غصب کرنا جس کے ہوش ٹھیک ہوں اور اسے مغصوبہ چیز واپس کرنا جب وہ نشہ میں ہو''الاشباہ'' میں اسی طرح ہے،''ح''۔

میں کہتا ہوں: لیکن ان کے محشی ''حموی'' نے اخیرہ میں اعتراض کیا ہے کہ ''عمادیہ'' میں منقول ہے کہ غاصب لوٹانے کے ساتھ ضمان سے بری ہوجائے گا اس کا حکم اس میں ہوش مند کی طرح ہے۔طلاق کی وکالت کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ صحیح طلاق کا وقوع ہے۔''خانیہ'' اور ''البحر'' میں اسی پر نص قائم کی ہے۔

13008۔(قولہ: لَكِنْ قَيَّدَهُ الْبَزَّازِيُّ) ''النہر'' میں ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے: اسے وکیل بنایا کہ عورت کو مال پر طلاق دے تو وکیل نے حالت سکر میں عورت کو طلاق دی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔اگر وکیل بنانا اور طلاق واقع کرنا حالت نشہ میں ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔اگر مال کے بغیر طلاق ہو تو مطلقاً طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ بدل کی تقدیر کے لیے راستے کا ہونا ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں: تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے اگر اسے وکیل بنایا تھا کہ ہزار پر اسے طلاق دے تو اس نے اسے حالت سکر میں طلاق دی تو مطلقاً طلاق واقع ہوجائے گی،''ح''۔

13009۔(قولہ: وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ) اسی طرح ''محمد بن سلمہ'' نے اسے اختیار کیا ہے۔یہ امام ''زفر'' کا قول ہے۔''الفتح'' میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

13010۔(قولہ: عَنْ التَّفْرِيقِ) صحیح عن التفرید ہے یعنی آخر میں قاف کی بجائے دال ہے جس طرح میں نے ''التاتارخانیہ'' کے نسخوں میں دیکھا ہے۔

13011۔(قولہ: وَالْفَتْوَى عَلَيْهِ) تو اس کی باقی متون سے مخالفت کو پہچان چکا ہے''ح''۔''التاتارخانیہ'' میں بھی

(أَوْ أَخْرَسَ) وَلَوْ طَارِئًا إِنْ دَامَ لِلْمَوْتِ بِهِ يُفْتَى، وَعَلَيْهِ فَتَصَرُّفَاتُهُ مَوْقُوفَةٌ وَاسْتَحْسَنَ الْكَمَالُ اشْتِرَاطَ كِتَابَتِهِ (بِإِشَارَتِهِ) الْمَعْهُودَةِ

یا گونگا ہو اگرچہ یہ طاری ہو اگر موت تک رہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس شرط کی بنا پر اس کے تصرفات موقوف ہوں گے۔ ''کمال'' نے اس کی کتابت کی شرط کو مستحسن قرار دیا ہے گونگے کے معروف اشارہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

ہے: نشہ میں مست کی طلاق واقع ہو جائے گی جب وہ شراب یا نبیذ سے نشہ میں ہو جائے یہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے۔

13012۔(قولہ: إِنْ دَامَ لِلْمَوْتِ) یہ صرف طارئا میں قید ہے ''ح''۔ ''البحر'' میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر جب اس خاوند نے طلاق دی جس کی زبان بند ہوگئی تھی تو توقف کیا جائے گا۔ اگر یہ عارضہ موت تک جاری رہے تو طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اگر یہ عارضہ زائل ہو گیا تو باطل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر اس نے اشارہ کے ساتھ عقد نکاح کیا تو اس کا اپنی بیوی سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ موت سے پہلے اس کا عقد نافذ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس کے باقی ماندہ عقود ہیں۔ اس میں جو حرج ہے وہ مخفی نہیں۔

13013۔(قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''تمرتاشی'' نے ایک سال تک اس کے لمبا ہونے کو مقدر کیا ہے ''بحر''۔ ''التاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے مروی ہے: اشارے کے ساتھ گونگے کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس سے اس گونگے کا ارادہ کیا ہے جو گونگے کی حیثیت سے پیدا ہوا یا اس پر یہ عارضہ طاری ہوا اور دائمی رہا یہاں تک کہ اس کا اشارہ سمجھا جانے لگا ورنہ اس کا اشارہ معتبر نہیں ہوگا۔

13014۔(قولہ: وَاسْتَحْسَنَ الْكَمَالُ) جب کہا: بعض شافعیہ نے کہا: اگر وہ اچھی طرح کتابت کر سکتا ہے تو اشارہ کے ساتھ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ضرورت اس امر کے ساتھ ختم ہوگئی ہے جو اشارہ کی بنسبت مراد پر زیادہ دلالت کرتی ہے۔ یہ اچھا قول ہے ہمارے بعض مشائخ نے یہی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ یہ قول اس کی تصریح ہے جو ظاہر الروایہ سے مفہوم تھا۔ ''کافی الحاکم الشہید'' میں ہے جس کی نص یہ ہے: اگر وہ گونگا ہو جو لکھتا نہیں جب کہ اس کا ایسا اشارہ ہے جو اس کی طلاق، نکاح، شرا اور بیع میں معروف ہے تو وہ جائز ہوگا۔ اگر اس سے اشارہ معروف نہ ہو یا اس میں شک ہو تو وہ باطل ہے۔

اشارہ کے جواز کو کتابت سے عجز پر مرتب کیا ہے تو یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اگر وہ اچھی طرح کتابت کر سکتا ہو تو اس کا اشارہ جائز نہ ہوگا۔ پھر کلام اسی طرح ہے جس طرح ''النہر'' میں ہے کہ اس کے تصرفات کی صحت کا انحصار کتابت پر ہے ورنہ اس کا جو غیر ہے اس کی طلاق اس کی کتابت کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے جس طرح باب کے آخر میں (مقولہ 13052 میں) آئے گا تو تجھے اس کی کیا پرواہ ہے؟

13015۔(قولہ: بِإِشَارَتِهِ الْمَعْهُودَةِ) یعنی اشارہ اس کی جانب سے آواز کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ کیونکہ اس کی جانب

فَإِنَّهَا تَكُونُ كَعِبَارَةِ النَّاطِقِ اسْتِحْسَانًا (أَوْ مُخْطِئًا) بِأَنْ أَرَادَ التَّكَلُّمَ بِغَيْرِ الطَّلَاقِ فَجَرَى عَلَى لِسَانِهِ الطَّلَاقُ أَوْ تَلَفَّظَ بِهِ غَيْرَ عَالِمٍ بِمَعْنَاهُ أَوْ غَافِلًا أَوْ سَاهِيًا۔

کیونکہ اشارہ ناطق کی عبارت کی طرح ہوتا ہے یہ بطور استحسان ہے یا خاوند نے خطاءً طلاق دے دی اس طرح کہ اس نے طلاق کے علاوہ کسی اور لفظ کا ارادہ کیا تو اس کی زبان پر طلاق جاری ہو گئی یا اس لفظ کو بول دیا جب کہ اس کا معنی نہ جانتا ہو یا غفلت کی بنا پر یا سہو کی بنا پر

نے یہی عادت ہوتی ہے۔ گونگے نے جسے مجمل ذکر کیا اشارہ اس کا بیان ہوگا۔ ''بحر'' میں ''الفتح'' سے منقول ہے۔ اس کی وہ طلاق جو اشارہ سے سمجھ لی گئی ہے جب وہ تین سے کم ہو تو وہ رجعی ہوگی۔ ''المضمرات'' میں اسی طرح ہے۔ ''طحطاوی'' میں ''ہندیہ'' سے منقول ہے۔

اگر خطأً، سہواً، غفلت کی بنا پر یا تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ طلاق دی گئی تو اس کا حکم

13016۔(قولہ: بِأَنْ أَرَادَ التَّكَلُّمَ بِغَيْرِ الطَّلَاقِ) اس نے ارادہ کیا کہ کہے: سبحان اللہ تو اس کی زبان پر جاری ہو گیا: انت طالق اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ لفظ صریح ہے نیت کی ضرورت نہیں۔ لیکن قضاءً ہنسی مذاق کرنے والے اور کھیلنے والے کی طرح ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''المنح'' سے نقل کیا ہے۔ ان کا قول ''ہازل اور لاعبہ کی طلاق کی طرح'' یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے (مقولہ 12995 میں) بیان کیا ہے اور اس کے بھی خلاف ہے جو قول قریب ہی (مقولہ 13021 میں) آئے گا۔ ''فتح القدیر'' میں ''الحاوی'' سے مروی ہے جسے ''الجامع الاصغر'' کی طرف منسوب کیا ہے کہ ''اسد'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ کہنے کا ارادہ کیا زینب طالق تو اس کی زبان پر عمرہ جاری ہو گیا کس کو طلاق واقع ہوگی تو جواب دیا قضاءً اسے طلاق واقع ہوگی جس کا اس نے نام لیا دیانۃً ان میں سے کسی کو بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ جس کا نام لیا اس کا ارادہ نہ کیا تھا جہاں تک دوسری کا تعلق ہے کیونکہ اگر اسے طلاق ہو تو محض نیت کے ساتھ طلاق ہوگی۔

13017۔(قولہ: غَيْرَ عَالِمٍ بِمَعْنَاهُ) جس طرح بیوی نے اپنے خاوند سے کہا: مجھ پر اعتدی انت طالق ثلاثا پڑھو خاوند نے اسی طرح کر دیا تو قضاءً اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی دیانۃً واقع نہ ہوں گی جب خاوند کو اس کا علم نہ ہو اور اس نے نیت نہ کی ہو۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

13018۔(قولہ: أَوْ غَافِلًا أَوْ سَاهِيًا) ''المصباح'' میں ہے: غفلت سے مراد شے کا انسان کے دل سے غائب ہو جانا ہے اور اسے یاد نہ ہونا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: سها عن الشي يسهو، اس کا دل اس سے غافل ہو گیا یہاں تک وہ اس سے زائل ہو گئی اور اسے یاد نہ آئی۔ علما نے ساہی اور ناسی میں فرق کیا ہے۔ ناسی اسے کہتے ہیں جب اسے یاد کرایا جائے تو وہ یاد کر لے اور ساہی اس کے برعکس ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہاں غافل سے مراد ناسی ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ساہی اس پر عطف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس

أَوْ بِأَلْفَاظٍ مُصَحَّفَةٍ يَقَعُ قَضَاءً فَقَطْ بِخِلَافِ الْهَازِلِ وَاللَّاعِبِ فَإِنَّهُ يَقَعُ قَضَاءً وَدِيَانَةً لِأَنَّ الشَّارِعَ جَعَلَ هَزْلَهُ بِهِ جِدًّا فَتْحٌ (أَوْ مَرِيضًا أَوْ كَافِرًا) لِوُجُودِ التَّكْلِيفِ وَأَمَّا طَلَاقُ الْفُضُولِيِّ وَالْإِجَازَةُ قَوْلًا وَفِعْلًا

یا تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ طلاق دی تو طلاق صرف قضاءً واقع ہو جائے گی۔ ہازل اور لاعب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی طلاق قضاءً اور دیانۃً واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شارع نے اس کے ہزل کو بھی جد بنا دیا ہے، ''فتح''۔ یا وہ مریض ہو یا کافر ہو۔ کیونکہ احکام کا مکلف ہونا موجود ہے۔ جہاں تک فضولی کی طلاق کا تعلق ہے اور قول یا فعل سے اس کی اجازت دینے کا تعلق ہے

کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے سے مثلاً معلق کرے تو وہ گھر میں داخل ہو یا جب کہ وہ تعلیق کو بھول چکا تھا یا سہو کا شکار ہو چکا تھا۔

13019۔ (قولہ: أَوْ بِأَلْفَاظٍ مُصَحَّفَةٍ) جس طرح طلاع تلاغ، طلاك، تلاك ہے جس طرح آنے والے باب کے شروع میں (مقولہ 13064 میں) اس کا ذکر کریں گے۔

13020۔ (قولہ: يَقَعُ قَضَاءً) یہ مخطی اور اس کے مابعد کے متعلق ہے ''ح''۔ لیکن ساہی اور غافل میں طلاق کے وقوع کی جو صورت ہم نے بیان کی ہے اس میں قضا کی تقیید ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ قسم توڑنے کے سبب کو اپنانے میں جان بوجھ کر یا اس کے علاوہ میں کوئی فرق نہیں۔

تنبیہ

''الحاوی الزاہدی'' میں ہے: خاوند نے گمان کیا کہ تین طلاقیں اس کی بیوی پر واقع ہو چکی ہیں یہ اس آدمی کے فتویٰ کی بنا پر تھا جو فتویٰ دینے کا اہل نہیں تھا۔ حاکم نے اشتام (اقرار نامہ) میں ان کی کتابت کا حکم دیا تھا تو انہیں لکھ لیا گیا پھر اس نے اس سے فتویٰ پوچھا جو فتویٰ دینے کا اہل تھا اس نے فتویٰ دیا کہ طلاقیں واقع نہیں ہوئیں جب کہ تین طلاقیں گمان کی وجہ سے اشتام میں لکھی ہوئی ہیں تو خاوند کو دیانۃً حق حاصل ہے کہ اس عورت کی طرف رجوع کرے لیکن حکم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

13021۔ (قولہ: وَاللَّاعِبِ) ظاہر یہ ہے کہ اس کا ہازل پر عطف عطف تفسیری ہے، ''ح''۔

13022۔ (قولہ: جَعَلَ هَزْلَهُ بِهِ جِدًّا) کیونکہ اس نے سبب کا قصداً تکلم کیا ہے تو اس کا حکم اسے لازم ہوگا اگرچہ وہ اس پر راضی نہ ہو کیونکہ یہ حکم نقض کا احتمال نہیں رکھتا جس طرح عتاق، نذر اور یمین۔

13023۔ (قولہ: أَوْ مَرِيضًا) اس کا عقل مرض کی وجہ سے زائل نہیں ہوا تعلیل اس کی دلیل ہے، ''ط''۔

13024۔ (قولہ: أَوْ كَافِرًا) کافر میاں بیوی نے اپنا مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا کیونکہ تین طلاقوں کے سوا جدائی کا حکم نہیں کیا جاتا جس طرح نکاح کافر میں گزر چکا ہے۔

13025۔ (قولہ: لِوُجُودِ التَّكْلِيفِ) یہ دونوں کی علت ہے۔ یہ اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کفار کے بارے میں قابل اعتماد قول یہی ہے کہ وہ فرعی احکام میں اعتقاد اور ادا میں مکلف ہیں، ''ط''۔

فَكَالنِّكَاحِ بَزَّازِيَّةٌ (وَ) بِنَاءً عَلَى اعْتِبَارِ الزَّوْجِ الْمَذْكُورِ (لَا يَقَعُ طَلَاقُ الْمَوْلَى عَلَى امْرَأَةِ عَبْدِهِ) لِحَدِيثِ ابْنِ مَاجَهُ (الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ) إِلَّا إِذَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِنْكَ عَلَى أَنَّ أَمْرَهَا بِيَدِي أُطَلِّقُهَا كُلَّمَا شِئْتُ فَقَالَ الْعَبْدُ قَبِلْتُ،

تو وہ نکاح کی طرح ہے ''بزازیہ''۔ اور مذکورہ خاوند کا اعتبار کرنے کی بنا پر آقا کی اپنے غلام کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ طلاق کا حق صرف اسی کو ہے جو متعہ کا مالک ہو۔ مگر جب آقا کہے میں نے اس عورت کی تجھ سے شادی کی اس شرط پر کہ اس کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے میں جب چاہوں گا اسے طلاق دے دوں گا تو غلام نے کہا: مجھے قبول ہے۔

فضولی کی طلاق کا شرعی حکم

13026۔ (قولہ: فَكَالنِّكَاحِ) یعنی جس طرح فضولی کا نکاح صحیح ہے اور قول یا فعل کے ساتھ اجازت پر موقوف ہے طلاق بھی اسی طرح ہے ''ح''۔ اگر اس نے قسم اٹھائی کہ وہ طلاق نہیں دے گا۔ اگر قول کے ساتھ اجازت دی تو وہ حانث ہوگا اور فعل کے ساتھ حانث نہیں ہوگا ''بحر''۔ فعل کے ساتھ اجازت کی صورت یہ ہے کہ وہ فضولی کی جانب سے طلاق کے بعد مہر مؤجل بیوی کو دے دے جس طرح ''النہر'' میں بیان کی ہے۔ لیکن ''حاشیۃ الخیر الرملی'' میں ہے کہ انہوں نے ''جامع الفصولین'' میں صاحب ''المحیط'' سے فوائد نقل کیے ہیں کہ خاوند کا عورت کی جانب مہر بھیجنا یہ طلاق کی اجازت نہیں کیونکہ یہ مہر تو طلاق سے قبل واجب تھا۔ نکاح کا معاملہ مختلف ہے۔ انہوں نے ''مجموع النوازل'' سے طلاق اور خلع میں مہر قبض کرنے میں دو قول نقل کیے ہیں کیا وہ اجازت ہے یا نہیں اس کی طرف رجوع کیجئے۔

میں کہتا ہوں: فوائد میں جو کچھ ہے بعض اوقات اسے معجّل مہر بھیجنے پر محمول کیا جاتا ہے۔ ''النہر'' میں جو کچھ ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ ''تامل''

13027۔ (قولہ: لِحَدِيثِ (1) ابْنِ مَاجَهُ) اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ سند میں ''ابن لہیعہ'' راوی ہے۔ ''دار قطنی'' نے اسے دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ مراد حدیث کو تقویت پہنچانا ہے کیونکہ ''ابن لہیعہ'' ایسا راوی ہے جن میں اعتراض کیا جاتا ہے محدثین ان کی جرح اور توثیق میں اختلاف کرتے ہیں۔

13028۔ (قولہ: الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ) یہ ملک متعہ سے کنایہ ہے۔

آقا کا اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دینے کا شرعی حکم

13029۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَالَ) یعنی جب آقا غلام کی شادی اپنی لونڈی سے کرے تو کہے۔ اس کی یہ صورت اس وقت ہے جب آقا آغاز کرے کیونکہ اگر غلام شروع کرے تو وہ کہے میرا نکاح اپنی اس لونڈی سے کر دے اس شرط پر کہ اس کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو جب چاہے اسے طلاق دے۔ آقا نے اس لونڈی کا عقد نکاح اس غلام سے کر دیا تو عقد نکاح

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد، جلد 1، صفحہ 648، حدیث نمبر 2071

وَكَذَا إِذَا قَالَ الْعَبْدُ إِذَا تَزَوَّجْتُهَا فَأَمْرُهَا بِيَدِكَ أَبَدًا كَانَ كَذٰلِكَ خَانِيَّةٌ (وَالْمَجْنُونُ)

اسی طرح جب غلام نے کہا: جب میں اس عورت سے شادی کروں تو اس کا معاملہ ہمیشہ تیرے ہاتھ میں ہوگا تو معاملہ اسی طرح ہوگا۔ ''خانیہ''۔ مجنوں کی طلاق واقع نہ ہوگی

جائز ہوگا۔ امر آقا کے ہاتھ میں نہیں ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے۔ فرق کی وجہ ذکر نہیں کی۔ ''خانیہ'' میں اس سے قبل مسئلہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے جب ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ اسے طلاق ہے نکاح جائز ہوگا اور طلاق باطل ہوگی۔ ''ابولیث'' نے کہا: یہ اس صورت میں ہے کہ جب خاوند شروع کرے اور کہے میں نے تجھ سے شادی کی اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے اگر عورت شروع کرے اور کہے میں نے اپنی شادی تجھ سے کر دی اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے یا اس شرط پر کہ امر میرے ہاتھ میں ہوگا میں اپنے آپ کو طلاق دوں گی جب بھی میں چاہوں گی۔ خاوند نے کہا: مجھے قبول ہے۔ نکاح جائز ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی اور امر عورت کے ہاتھ میں ہوگا۔ کیونکہ آغاز خاوند کی جانب سے ہو تو طلاق اور امر کی تفویض نکاح سے پہلے ہو تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ اگر یہ آغاز عورت کی جانب سے ہو تو امر کی تفویض نکاح کے بعد ہوئی۔ کیونکہ خاوند نے جب عورت کی گفتگو کے بعد کہا: مجھے قبول ہے۔ یہ جواب اس امر کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے جو امر سوال میں ہوتا ہے تو کلام یوں ہوگی گویا اس نے کہا: مجھے یہ قبول ہے کہ تجھے طلاق ہے یا مجھے یہ قبول ہے کہ معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ پس وہ نکاح کے بعد امر عورت کو تفویض کرنے والا ہے۔

13030۔ (قولہ: وَكَذَا) یہ صورت حیلہ ہے کہ امر آقا کے ہاتھ میں ہو جائے جب کہ غلام کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں نکاح آقا کے قول کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ زوجتك امتی۔ یہ غلام کو قدرت عطا کرتا ہے کہ وہ قبول نہ کرے۔ پس معاملہ آقا کے ہاتھ میں نہیں ہوگا۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

مجنون کی طلاق کا شرعی حکم

13031۔ (قولہ: وَالْمَجْنُونُ) ''التلویح'' میں کہا: جنون سے مراد اس قوت میں خلل کا واقع ہونا ہے جو امور حسنہ اور امور قبیحہ میں تمیز کرتی ہے اور عواقب کا ادراک کرتی ہے اس طرح کہ اس قوت کے آثار ظاہر نہ ہوں اور اس کے افعال میں تعطل واقع ہو جائے یا تو اس نقصان کی وجہ سے جس پر اس کا دماغ اصل خلقت میں پیدا کیا گیا یا خلط یا آفت کے سبب دماغ کا مزاج اعتدال سے نکل گیا یا شیطان نے اس پر غلبہ پا لیا یا اس نے خیالات فاسدہ اس کی طرف القاء کیے اس طرح کہ وہ خوش ہوتا ہے اور خوف زدہ ہوتا ہے ایسے امر کے بغیر جو اس کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی جس کے بارے میں معروف ہو کہ وہ مجنون ہے اس کی بیوی نے اسے کہا: تو نے مجھے گزشتہ رات طلاق دے دی تھی مرد نے کہا: مجھے جنون لاحق ہے۔ جنون کی معرفت صرف اس کے قول سے ہوتی ہے تو قول مرد کا قول ہی ہوگا۔

إِلَّا إِذَا عَلَّقَ عَاقِلًا ثُمَّ جُنَّ فَوُجِدَ الشَّرْطُ، أَوْ كَانَ عِنِّينًا أَوْ مَجْبُوبًا أَوْ أَسْلَمَتْ وَهُوَ كَافِرٌ وَأَبَى أَبَوَاهُ الْإِسْلَامَ وَقَعَ الطَّلَاقُ أَشْبَاهٌ (وَالصَّبِيُّ) وَلَوْ مُرَاهِقًا أَوْ أَجَازَهُ بَعْدَ الْبُلُوغِ، أَمَّا لَوْ قَالَ أَوْقَعْتُهُ وَقَعَ

مگر جب وہ عقل مندی کی حالت میں طلاق کو معلق کردے پھر اسے جنون لاحق ہو گیا تو شرط پائی گئی یا وہ نامرد ہو یا اس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو یا عورت مسلمان ہو گئی جب کہ مجنون کا فر تھا اور مجنون کے والدین نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، ''اشباہ''۔ اور بچے کی طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ وہ قریب البلوغ ہو یا وہ بالغ ہونے کی بعد اسے جائز قرار دے مگر جب کہا: میں نے طلاق کو واقع کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

13032۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَلَّقَ عَاقِلًا) جس طرح اس کا قول ہے: اگر میں گھر میں داخل ہوں۔ تو مجنون ہونے کی حالت میں داخل ہوا۔ یہ صورت مختلف ہو گی: اگر مجھے جنون لاحق ہو تو تجھے طلاق۔ تو اسے جنون لاحق ہوا تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ شارح نے باب نکاح الکافر میں ذکر کیا ہے۔ مراد ہے جب اس نے اپنے جنون کے علاوہ پر طلاق کو معلق کیا تھا۔

13033۔ (قولہ: أَوْ كَانَ عِنِّينًا) قاضی، خاوند جو عنین ہے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے گا جب بیوی تفریق کا مطالبہ کرے جب کہ قاضی نے خاوند کو ایک سال کی مہلت دی تھی۔ کیونکہ جنون شہوت کو ختم نہیں کرتا جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 15110 میں) آئے گا ان شاء اللہ۔

13034۔ (قولہ: أَوْ مَجْبُوبًا) قاضی دونوں کے درمیان اسی وقت جدائی کر دے گا جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔

13035۔ (قولہ: وَقَعَ الطَّلَاقُ) یہ اذا کا جواب ہے چاروں مسائل میں ضرورت کی وجہ سے اور ضرر کو دور کرنے کے لیے طلاق کا وقوع ہوا ہے دوسری صورتوں میں طلاق کی اہلیت کے نہ ہونے کے منافی نہیں جس طرح اس کی تحقیق باب نکاح الکافر میں (مقولہ 12598 میں) گزر چکی ہے۔

بچے کی طلاق کا حکم

13036۔ (قولہ: وَالصَّبِيُّ) مگر جب اس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی ہو یا اس کی بیوی مسلمان ہو گئی ہو تو اس پر اسلام پیش کیا گیا جب کہ تمیز رکھتا تھا تو اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''رملی'' کہا: میں نے طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا جب اس کے باپ نے اس کی شادی ایک عورت سے کی اور اس پر طلاق کو معلق کیا جب وہ اس پر شادی کرے یا کسی کو باندی بنائے تو اس طرح وہ بڑا ہوا اور تعلیق کو جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے شادی کی۔

13037۔ (قولہ: أَوْ أَجَازَهُ بَعْدَ الْبُلُوغِ) کیونکہ طلاق کے وقوع کے وقت وہ باطل واقع ہوئی تھی اور باطل کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، ''ط''۔

لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِيقَاعٍ وَجَوَّزَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ (وَالْمَعْتُوهُ) مِنَ الْعَتَهِ، وَهُوَ اخْتِلَالٌ فِي الْعَقْلِ (وَالْمُبَرْسَمِ) مِنَ الْبِرْسَامِ بِالْكَسْرِ عِلَّةٌ كَالْجُنُونِ (وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ) هُوَ لُغَةُ الْمَغْشِيِّ (وَالْمَدْهُوشِ) فَتْحٌ

کیونکہ یہ طلاق کے واقع کرنے کی ابتدا ہے۔ امام ''احمد'' نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور معتوہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ العتہ سے مشتق ہے اس سے مراد عقل میں خلل ہے۔ اور مبرسم کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ برسام سے مشتق ہے یہ با کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ جنون کی طرح مرض ہے۔ مغمی علیہ کی طلاق نہیں ہوتی۔ لغت میں اس سے مراد ہے جس پر غشی طاری ہو جائے۔ مدہوش کی طلاق نہیں ہوتی ''فتح''۔

13038۔ (قولہ: لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِيقَاعٍ) کیونکہ اوقعتہ کی ضمیر جنس طلاق کی طرف راجع ہے۔ اس کی مثل ہے جب وہ کہے: میں نے اس طلاق کو واقع کیا۔ اس کا یہ قول اس کے خلاف ہے: اوقعتہ الذی تلفظتہ۔ یہ اس معین چیز کی طرف اشارہ ہے جس کے باطل ہونے کا حکم لگایا گیا تو یہ اس کے مشابہ ہے جب اس نے کہا: انت طالق الفا پھر کہا: تین تجھ پر اور باقی تیری سوکنوں پر کیونکہ تین سے زائد لغو ہیں۔ ''البحر'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

13039۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ) جب وہ تمیز رکھتا ہو سمجھ سوجھ رکھتا ہو۔ اس سے مراد ہے کہ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی جس طرح مذہب کے متون میں ثابت ہے۔ فافہم

13040۔ (قولہ: مِنَ الْعَتَهِ) تا متحرک ہے یہ تَعِبَ کے باب سے ہے، ''مصباح''۔

13041۔ (قولہ: وَهُوَ اخْتِلَالٌ فِي الْعَقْلِ) ''البحر'' میں جنون کی تعریف کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے۔ اور کہا: اس میں معتوہ داخل ہے۔ دونوں میں فرق کرتے ہوئے بہترین قول یہ ہے: معتوہ وہ ہوتا ہے جو قلیل فہم والا ہو جس کی کلام میں اختلاط ہو اور جس کی تدبیر فاسد ہو لیکن وہ مارتا نہیں اور گالیاں نہیں دیتا۔ مجنون کا معاملہ مختلف ہے۔

اصولیین نے اس کی تصریح کی ہے اس کا حکم بچے کی طرح ہے۔ مگر ''دبوسی'' نے کہا: اس پر بطور احتیاط عبادات واجب ہوں گی۔ ''صدر الاسلام'' نے ان کا رد کیا ہے کہ عتہ جنون کی ایک قسم ہے اور تمام حقوق کی ادائیگی کے وجوب کے مانع ہو جاتی ہے۔ جس طرح ''شرح التحریر'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

13042۔ (قولہ: بِالْكَسْرِ) یعنی برسام کی با مکسور ہے۔ ''البحر'' میں کہا: طب کی بعض کتابوں میں ہے یہ گرم ورم ہے جو جگر اور انتڑیوں کے درمیان پردے میں لاحق ہوتا ہے پھر یہ دماغ کو لاحق ہوتا ہے، ''ط''۔

13043۔ (قولہ: هُوَ لُغَةُ الْمَغْشِيِّ) ''التحریر'' میں کہا: اغماء سے مراد دل یا دماغ میں آفت ہے جو ادراک کرنے والی اور حرکت دینے والی قوتوں کو افعال بجالانے سے معطل کر دیتی ہیں جب کہ عقل مغلوب ہونے کی حالت میں باقی رہتی ہے۔ مگر انبیاء اس سے معصوم ہیں۔ یہ عارضہ نیند سے بڑھ کر ہے۔ اسے وہ احکام لازم ہوں گے جو نیند کو لازم ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ حدث ہے اگرچہ نماز کی کسی حالت میں ہو۔ اور اس عارضہ کے لاحق ہونے کی صورت میں نماز کی بنا ممنوع ہے۔ نماز میں نیند کا معاملہ مختلف ہے جب وہ حالت نیند میں پہلو کے بل ہو تو اسے نماز میں بنا کرنا جائز ہے۔

وَفِي الْقَامُوسِ دَهِشَ الرَّجُلُ تَحَيَّرَ وَدُهِشَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ فَهُوَ مَدْهُوشٌ وَأَدْهَشَهُ اللهُ
''قاموس'' میں ہے: دهش الرجل وہ متحیر ہوا اور مدہوش ہو گیا۔ دهش ماضی مجہول کا صیغہ ہے پس وہ مدہوش ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے مدہوش کر دیا۔

مدہوش کی طلاق

13044۔(قولہ: وَفِي الْقَامُوسِ دَهِشَ) دهش ہا کے کسرہ کے ساتھ ہے جس طرح فرح ہے۔ پھر تحیر کے ذکر پر اقتصار صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد ''قاموس'' میں ہے: او ذهب عقله من ذَهَلٍ او وَلَهٍ تحیر اور شدت غم سے عقل کا چلا جانا۔

بلکہ ''المصباح'' میں اسی پر اقتصار کیا ہے اور کہا: دَهِشَ دهشا من باب تَعِبَ اس کی عقل حیا اور خوف سے چلی گئی۔

یہاں یہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں اسے مجنون میں داخل کیا ہے۔ ''الخیریہ'' میں کہا: جس نے اس کی تفسیر تحیر سے کی ہے اس نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ تحیر، جس سے مراد امر میں تردد ہے، سے عقل نہیں جاتی۔ جس نے اپنی بیوی کو قاضی کی مجلس میں تین طلاقیں دیں ان سے نظم کے انداز میں سوال کیا گیا ہے جب کہ طلاق دینے والا غیظ میں مبتلا تھا اور مدہوش تھا تو آپ نے نظم کے انداز میں جواب دیا کہ دهش جنون کی اقسام میں سے ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جب مدہوش ہونا اس کی عادت ہو یعنی اس سے ایک دفعہ مدہوش ہونا معروف ہو تو بغیر دلیل کے اس کی تصدیق کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: حافظ ''ابن قیم'' حنبلی کا طلاق الغضبان میں ایک رسالہ ہے۔ اس میں کہا: اس کی تین قسمیں ہیں (۱) اس کے لیے غضب کے مبادی حاصل ہوں اس طرح کہ اس کی عقل متغیر نہ ہو اور وہ جو کہتا ہے اسے جانتا ہے اور وہ اس کا ارادہ کرتا ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں۔

(۲) غصہ انتہا تک جا پہنچے وہ جو کہتا ہے اسے نہیں جانتا اور وہ اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ یہ ایسی صورت ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال میں سے کوئی چیز نافذ نہیں ہوتی۔

(۳) دونوں مرتبوں کے درمیان ہے اس طرح کہ وہ مجنون کی طرح نہیں۔ یہ نظر وفکر کا محل ہے۔ ادلہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے اقوال نافذ نہ ہوں۔ ''شرح الغاية الحنبلية'' سے ملخص ہے لیکن ''الغایہ'' میں تیسری نوع میں علامہ ''ابن تیمیہ'' سے مخالفت کی طرف اشارہ کیا ہے کہا: جو غصہ میں ہو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ''ابن قیم'' نے اس کی مخالفت کی ہے۔

ہمارے نزدیک یہ اس کے موافق ہے جو مدہوش میں گزرا ہے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ہم نے معتوہ کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جب کہ اس میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایسی حالت تک پہنچے جس میں وہ اسے نہیں جانتا جو وہ کہتا ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ کرتا ہے۔ بعض اوقات اس کا جواب دیا جاتا ہے معتوہ جب ایک ہی حالت پر رہے جس حالت کا ضبط ممکن ہے اس حالت کا اس میں اعتبار کیا جائے گا اس میں محض عقل کے نقص پر اکتفا کیا جائے گا۔ غضب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بعض احوال میں عارضی ہوتا ہے۔ لیکن اس پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے تو وہ معتوہ کی طرح ہوگا۔ میرے لیے جو امر ظاہر ہوا

....

ہے کہ مدہوش اور غضبان میں سے ہر ایک میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایسا ہو کہ جو وہ کہتا ہے اسے نہیں جانتا بلکہ اس میں غلبہ ہذیان اور جدو ہزل کے اختلاط پر اکتفا کیا جاتا ہے جس طرح سکران میں یہ مفتی بہ ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12998 میں) گزر چکا ہے۔ دھش کی تعریف عقل کے چلے جانے سے کرنا اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ جنون کی کئی قسمیں ہیں۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں اس کی تفسیر عقل میں خلل سے کی ہے۔ اس میں عتہ، برسام، اغماء اور دہش کو داخل کیا ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے ان میں سے بعض کا قول ہماری تائید کرتا ہے: عاقل وہ ہوتا ہے جس کا کلام اور افعال درست ہوں مگر کبھی کبھی مستقیم نہ ہوں۔ مجنون اس کی ضد ہے۔ یہ بھی ہے کہ بعض مجنون جو کہتے ہیں اسے پہچانتے ہیں اور اس کا قصد بھی کرتے ہیں اور ایسی چیز ذکر کرتے ہیں جو اس مجنون سے ناواقف ہوتی ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ یہ عقل مند ہے۔ پھر اسی مجلس میں اس سے ایسا امر ظاہر ہوتا ہے جو اس کے منافی ہوتا ہے۔ جب کہ حقیقی مجنون بعض وہ جو کہتا ہے اس کو جانتا ہے اور وہ اس کا قصد بھی کرتا ہے تو اس کے علاوہ تو بدرجہ اولیٰ ایسا ہوسکتا ہے۔ مدہوش وغیرہ میں جس پر بھروسہ کرنا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ حکم کا دارومدار غلبہ خلل پر ہو جو اس کے اقوال اور افعال میں ہوتا ہے جو اس کی عادت سے خارج ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کی عقل بڑھاپے، مرض یا مصیبت کی وجہ سے مختل ہو جو مصیبت اس پر اچانک آن پڑی ہو۔ جب اقوال اور افعال میں خلل کے غلبہ کی حالت ہو تو اس کے اقوال معتبر نہیں ہوں گے اگرچہ وہ ان کو جانتا ہو اور ارادہ بھی کرتا ہو۔ کیونکہ یہ معرفت اور ارادہ غیر معتبر ہے۔ کیونکہ یہ معرفت، ادراک صحیح سے حاصل نہیں ہوئی جس طرح دانش مند بچے سے معرفت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ ہاں ''البحر'' کے باب التعلیق سے جو عبارت آئے گی میں اس میں اشکال پیدا کرتی ہے۔ اس کی تصریح ''الفتح''، ''الخانیہ'' وغیرہما میں کی ہے۔ وہ ہے: اگر اس نے طلاق دی اور دو آدمیوں نے اس کے پاس گواہی دی کہ تو نے استثنا کی تھی جب کہ اسے خود یاد نہیں تھا اگر وہ غصہ کی ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہیں جانتا جو اس نے کہا تو اس کے لیے دونوں کی گواہی کا اعتبار کرنے کی گنجائش موجود ہے ورنہ گنجائش نہیں۔

اس کلام کا مقتضا یہ ہے کہ جب وہ نہیں جانتا جو کچھ وہ کہتا ہے تو بھی اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ اس کے قول انك استثنیت کو لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بہت ہی مشکل ہے مگر جب یہ جواب دیا جائے کہ لا یدری ما یقول سے مراد ہے کہ غضب کی قوت ہونے کی وجہ سے بعض اوقات وہ بھول جاتا ہے جو کہتا ہے اور بعد میں اسے یاد نہیں آتا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ایسا ہو گیا ہے کہ اس کی زبان پر ایسی چیز جاری ہو گئی جسے وہ نہیں سمجھتا یا وہ اس کا قصد نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں اس وقت وہ جنون کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے۔ اس حمل کی یہ چیز تائید کرتی ہے کہ اس فرع میں وہ یہ جانتا ہے کہ اس نے طلاق دی تھی اور وہ اس کا قصد کرنے والا بھی تھا لیکن شدت غضب کی وجہ سے اسے استثنا یاد نہیں۔ اس مقام کی وضاحت میں میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

پھر میں نے وہ کلام دیکھی جو اس جواب کی تائید کرتی ہے کہ ''الولوالجیۃ'' میں کہا: اگر وہ ایسے حال میں ہوا گر وہ غضبناک: و

(وَالنَّائِمُ) لِانْتِفَاءِ الْإِرَادَةِ، وَلِذَا لَا يَتَّصِفُ بِصِدْقٍ وَلَا كَذِبٍ وَلَا خَبَرٍ وَلَا إِنْشَاءٍ وَلَوْ قَالَ أَجَزْتُهُ أَوْ أَوْقَعْتُهُ لَا يَقَعُ لِأَنَّهُ أَعَادَ الضَّمِيرَ إِلَى غَيْرِ مُعْتَبَرٍ جَوْهَرَةٌ

سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ارادہ نہیں۔ اسی وجہ سے صدق و کذب اور خبر و انشاء سے وہ متصف نہیں ہوتا۔ اگر اس نے کہا میں نے اسے جائز قرار دے دیا یا اسے واقع کر دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے ضمیر کو ایسی چیز کی طرف لوٹایا ہے جو معتبر نہیں۔ ''جوہرہ''۔

تو اس کی زبان پر ایسی چیز جاری ہو جاتی ہے جو بعد میں اسے یاد نہیں رہتی تو اسے گواہوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہوگا۔ ''الولوالجیہ'' کا قول: لا یحفظه بعده اس میں صریح ہے جو ہم نے کہا ہے۔ اللہ اعلم

سوئے ہوئے شخص کی طلاق کا شرعی حکم

13045۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَعَادَ الضَّمِيرَ إِلَى غَيْرِ مُعْتَبَرٍ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بچے اور سوئے ہوئے کے کلام کے درمیان فرق یہ ہے کہ بچے کی گفتگو لغت اور نحو میں معتبر ہے۔ غایت امر یہ ہے کہ شارع نے اس کو لغو قرار دیا ہے۔ سونے والے کی کلام اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ کلام کسی کے نزدیک بھی معتبر نہیں، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ شارح کے قول ''اسی وجہ سے وہ صدق و کذب اور خبر و انشا سے متصف نہیں ہوتا'' سے ماخوذ ہے۔ ''التحریر'' میں ہے: اسلام، ارتداد اور طلاق کے متعلق اس کی عبارات باطل ہیں۔ خبر و انشا اور صدق و کذب کے ساتھ اس کی عبارات کی صفت نہیں بیان کی جاتی جس طرح پرندوں کے الحان ہوتے ہیں۔

''التلویح'' میں اسی کی مثل ہے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ سوئے ہوئے کی کلام لغت اور شرع میں کلام نہیں کہی جاتی وہ مہمل کلام کے قائم مقام ہے۔ جہاں تک کلام کے ساتھ اس کی نماز سے فاسد ہونے کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا فساد اس پر موقوف نہیں کہ وہ کلام لغت یا شرع میں معتبر ہو۔ کیونکہ نماز مہمل کلام سے فاسد ہو جاتی ہے کسی اور سے بدرجہ اولیٰ فاسد ہوگی۔ سونے والے اور بچے کے کلام میں فرق واضح ہو گیا۔

پھر یہ مخفی نہیں کہ قول اجزته میں دونوں میں فرق کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ طلاق دونوں میں واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اجازت اس عقد کے لیے ہوتی ہے جو عقد موقوفاً منعقد ہو۔ بچے اور سونے والے میں سے ہر ایک کی طلاق باطل واقع ہوتی ہے موقوف واقع نہیں ہوتی۔ جس طرح بچے کے ان تصرفات میں حکم ہے جو ضرر محض ہیں جس طرح عتاق اور طلاق ہے۔ جو تصرفات نفع اور ضرر میں متردد ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے جس طرح بیع، شرا اور نکاح۔ کیونکہ یہ موقوف منعقد ہوتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ بعد میں بالغ ہوگا اور اسے جائز قرار دے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ جس طرح ہم نے باب المہر سے تھوڑا پہلے (مقولہ 11853 میں) بیان کر دیا ہے۔ بے شک اس نے اوقعته کے قول میں دونوں میں فرق کو واقع کرنا ہے۔ سونے والے میں اس طرح نہیں کیا گیا۔ دونوں (بچے اور سونے والے) میں فرق کی وضاحت یہ ہے کہ بچے کے کلام کا لغوی معنی ہے اگرچہ شرع

وَلَوْ قَالَ أَوْقَعْتُ ذٰلِكَ الطَّلَاقَ أَوْ جَعَلْتُه طَلَاقًا وَقَعَ بَحْرٌ (وَإِذَا مَلَكَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ) كُلَّهُ (أَوْ بَعْضَهُ بَطَلَ النِّكَاحُ، وَلَوْ حَرَّرَتْهُ حِينَ مَلَكَتْهُ فَطَلَّقَهَا فِي الْعِدَّةِ أَوْ خَرَجَتْ الْحَرْبِيَّةُ) إِلَيْنَا (مُسْلِمَةً ثُمَّ خَرَجَ زَوْجُهَا كَذٰلِكَ) مُسْلِمًا فَطَلَّقَهَا فِي الْعِدَّةِ أَلْغَاهُ الثَّانِي فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ (وَأَوْقَعَهُ الثَّالِثُ) فِيهِمَا

اگراس نے کہا: میں نے اس طلاق کوواقع کیا یا میں نے اسے طلاق بنادیا تو طلاق واقع ہوجائے گی ''بحر''۔ جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے کل یا بعض کا مالک بن گیا تو نکاح باطل ہوجائے گا۔ اگر بیوی نے خاوند کو آزاد کردیا جب وہ اپنے خاوند کی مالک بنی اور خاوند نے عدت میں اسے طلاق دے دی یا حربی عورت ہماری طرف مسلمان ہوکر نکل آئی پھر اس کا خاوند بھی اسی طرح مسلمان ہوکر نکل آیا اور عدت میں اسے طلاق دے دی تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دونوں مسئلوں میں لغو قرار دیا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مسئلوں میں اسے واقع کیا ہے۔

نے اس کا حکم لازم نہیں کیا۔ پس اوقعته میں ضمیر کو جنس طلاق کی طرف پھیرنا صحیح ہے جس جنس طلاق کو بچے کا بیوی کے لیے قول طلقتك اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ سونے والے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ سونے والے کا کلام لغۃً بھی معتبر نہیں۔ سونے والے کا کلام مہمل ہوگا یہ کسی شے کو اپنے ضمن میں لینے والا نہیں۔ پس ضمیر اس چیز کی طرف لوٹی جو اصلاً مذکور نہیں۔ گویا کہا: اوقعت ضمیر کا ذکر نہیں کیا اس لیے نئے سرے سے اسے واقع کرنے والا بنانا صحیح نہیں۔

13046۔ (قولہ: أَوْ جَعَلْتُه طَلَاقًا) ''البحر'' کی عبارت بھی اسی طرح ہے۔ ''التاتر خانیہ'' میں جو میں نے دیکھا ہے وہ کلام اسم اشارہ کے ساتھ ہے جس طرح اس سے پہلے شارح کی کلام میں اسم اشارہ ہے: او قال جعلت ذلك الطلاق طلاقا۔

میں کہتا ہوں: فرق مشکل ہے کیونکہ اسم اشارہ سابقہ چیز کی طرف لوٹنے میں اسم ضمیر کی طرح ہوتا ہے یہاں بھی اسے واقع نہ ہونا چاہیے۔ بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اسم اشارہ کا جب مرجع لغو ہوگیا تو اس لفظ طلاق کا اعتبار ہوگا جو اس کے بعد مذکور ہے۔ تو صورت حال یہ ہوگی گویا خاوند نے کہا: او قعت الطلاق او جعلت الطلاق طلاقا میں نے طلاق کو واقع کیا یا میں نے طلاق کو طلاق بنادیا۔ اسے ابتداءً طلاق بنانا صحیح ہے۔ ضمیر کا معاملہ مختلف ہے جب اس کا مرجع لغو ہوگیا جس طرح ہم نے اسے واضح کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر خاوند نے کہا: میں نے حالت نوم میں جو بول بولا تھا اس کو میں نے واقع کیا تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ یہ امر ظاہر ہے جس طرح بچے کی طلاق میں (مقولہ 13038 میں) گزر چکا ہے۔

13047۔ (قولہ: وَإِذَا مَلَكَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ) یعنی جب دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا حقیقی مالک ہوگیا تو مکاتب اور اس کی بیوی میں جدائی واقع نہ ہوگی جب مکاتب نے اسے خریدا تھا۔ کیونکہ غلامی موجود ہے اور مکاتب کے لیے حق ملک ثابت ہے یہ بقاء نکاح کے مانع نہیں جس طرح ''الفتح'' میں ہے، ''شرنبلالیہ''۔

13048۔ (قولہ: أَلْغَاهُ الثَّانِي) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دونوں مسئلوں میں طلاق واقع نہ ہوگی اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں مسئلوں میں طلاق کو واقع کیا ہے۔ کیونکہ عدت قائم ہے اور معتدہ طلاق کا محل ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی

(وَاعْتِبَارُ عَدَدِهِ بِالنِّسَاءِ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِالرِّجَالِ (فَطَلَاقُ حُرَّةٍ ثَلَاثٌ، وَطَلَاقُ أَمَةٍ ثِنْتَانِ) مُطْلَقًا (وَيَقَعُ الطَّلَاقُ بِلَفْظِ الْعِتْقِ بِنِيَّةٍ)

طلاق کی تعداد کا اعتبار عورتوں کے حوالے سے ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردوں کے حوالہ سے ہے۔ آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اور لونڈی کی طلاقیں مطلقاً دو ہیں۔ اور طلاق عتق کے لفظ کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے نیت ساتھ ہو

دلیل ہے کہ فرقت میاں بیوی میں سے ایک کے دوسرے کا مالک بننے سے واقع ہوئی یا دار کے مختلف ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ پس عورت طلاق کا محل ہونے سے خارج ہو گئی۔ عدت کے ساتھ محلیت ثابت نہیں ہوتی جس طرح نکاح فاسد میں ہوتا ہے۔ آزاد اور ہجرت کی قید لگائی کیونکہ ان دونوں صورتوں سے پہلے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ عدت کا اثر طلاق کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا اس کا اثر دوسرے خاوند کے حق میں نکاح کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ''مصفی'' میں اس طرح ہے ''ابن ملك'' علی ''المجمع''۔

تنبیہ

''شرنبلالیہ'' میں کہا: مصنف نے پہلے مسئلہ کے برعکس ذکر نہیں کیا۔ وہ یہ ہے اگر خاوند خریدنے کے بعد اسے آزاد کر دے پھر عدت میں اسے طلاق دے دے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا: طلاق واقع نہ ہو گی۔ یہ امام ''زفر'' کا قول ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''قاضی خان'' نے بھی یہی کہا ہے۔ فتویٰ اسی پر ہو گا جس پر مصنف ''المجمع'' کی پیروی کرتے ہوئے چلے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو گی اگر عورت نے اپنے خاوند کو خریدنے کے بعد اسے آزاد کیا۔

طلاق کی تعداد عورتوں کے اعتبار سے ہو گی

13049۔ (قولہ: وَاعْتِبَارُ عَدَدِهِ بِالنِّسَاءِ) اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: طلاق الامة ثنتان و عدتها حيضتان(1)۔ اسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے علاوہ اہل علم کے ہاں اسی پر عمل ہے۔ ''دارقطنی'' میں ہے: ''قاسم'' اور ''سالم'' نے کہا: مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔ اس کی وضاحت یہ کی ہے اگر یہ صحیح نہیں تو یہ حسن ہے۔

13050۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ آزاد اور لونڈی دونوں کی طرف راجع ہے خواہ آزاد عورت یا لونڈی آزاد کے عقد نکاح میں ہو یا غلام کے عقد نکاح میں ہو، ''ط''۔

13051۔ (قولہ: وَيَقَعُ الطَّلَاقُ) یعنی جب خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: میں نے تجھے آزاد کر دیا جب نیت کرے گا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق الامۃ وعدتها، جلد 1، صفحہ 647، حدیث نمبر 2068

أَوْ دَلَالَةِ حَالٍ (لَا عَكْسِهِ) لِأَنَّ إِزَالَةَ الْمِلْكِ أَقْوَى مِنْ إِزَالَةِ الْقَيْدِ (فُرُوعٌ) كَتَبَ الطَّلَاقَ، إِنْ مُسْتَبِينًا عَلَى نَحْوِ لَوْحٍ وَقَعَ إِنْ نَوَى، وَقِيلَ مُطْلَقًا، وَلَوْ عَلَى نَحْوِ الْمَاءِ فَلَا مُطْلَقًا وَلَوْ كَتَبَ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ وَالْخِطَابِ، كَأَنْ يَكْتُبَ يَا فُلَانَةُ إِذَا أَتَاكِ كِتَابِي هَذَا فَأَنْتِ طَالِقٌ طَلُقَتْ بِوُصُولِ الْكِتَابِ جَوْهَرَةٌ

یا دلالت حال ہو اس کے برعکس واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ ملکیت کا زائل کرنا یہ قید کے ازالہ سے اقوی ہوتا ہے۔ فروع: طلاق لکھی اگر صاف وظاہر ہے جیسے تختہ پر تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر نیت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مطلقاً طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر پانی جیسی چیز پر لکھی مطلقاً طلاق واقع نہ ہو گی اگر خط اور خطاب کے طریقہ پر طلاق لکھی جیسے اس نے لکھا اے فلانہ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تجھے طلاق خط پہنچتے ہی اسے طلاق واقع ہو جائے گی،''جوہرہ''۔

یا حال اس پر دلالت کرے تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ جب اپنی لونڈی سے کہا: میں نے تجھے طلاق دی تو وہ آزاد نہ ہو گی۔ کیونکہ ملکیت کا زوال قید (نکاح) کے زوال سے اقوی ہے۔ پہلی (طلاق) دوسری (آزادی) کو لازم نہ ہو گی۔ پس دوسرے کلمہ (اطلاق) کو پہلے کلمہ (آزادی) کے لیے استعارۃ ذکر کرنا صحیح نہ ہو گا اور اس کے برعکس صحیح ہے،''درر''۔

طلاق کتابت

13052۔ (قولہ: كَتَبَ الطَّلَاقَ) ''ہندیہ'' میں کہا: کتابت کی دو قسمیں ہیں: مرسومۃ، غیر مرسومہ۔ مرسومہ سے ہماری مراد ہے کہ وہ معنون ہو جس طرح غائب کی طرف لکھا جاتا ہے۔ غیر مرسومہ وہ معنون نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں: مستبینہ، غیر مستبینہ۔ مستبینہ یہ ہے جو صحیفہ، دیوار یا زمین پر اس طرح لکھی جائے کہ اس کا سمجھنا اور پڑھنا ممکن ہو۔ غیر مستبینہ جسے ہوا یا پانی پر لکھا جائے اور ایسی شے کا سمجھنا اور پڑھنا ممکن نہ ہو۔ غیر مستبینہ میں طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ نیت کرے۔ اگر مستبینہ ہو لیکن غیر مرسومہ ہو اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی بصورت دیگر واقع نہ ہو گی۔ اگر مرسومہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی نیت کی یا نیت نہ کی۔ پھر مرسومہ اس سے خالی نہ ہو گی اگر اس نے طلاق بھیج دی اس کی صورت یہ ہے اس نے لکھا، امابعد تجھے طلاق ہے۔ جونہی اس نے لکھا طلاق واقع ہو جائے گی اور لکھنے کے وقت سے عدت شروع ہو جائے گی۔ اگر اس نے خط کے آنے کے ساتھ طلاق کو معلق کیا جیسے اس نے لکھا جب تیرے پاس میرا خط پہنچے تو تجھے طلاق ہے اس کے پاس خط آیا اس نے اسے پڑھا یا نہ پڑھا طلاق واقع ہو جائے گی۔''خلاصہ'' میں اسی طرح ہے،''ط''۔

13053۔ (قولہ: إِنْ مُسْتَبِينًا) یعنی جب مرسوم نہ ہو یعنی معتاد نہ ہو اگرچہ اس کے ساتھ اسے مقید نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے مقابل سے اسے سمجھا جا رہا ہے وہ یہ قول ہے: ولو کتب علی وجہ الرسالۃ۔ مرسوم سے یہی مراد ہے۔

13054۔ (قولہ: مُطْلَقًا) دونوں مواقع میں یہی مراد ہے نیت کی یا نیت نہیں کی۔ ان کا قول: ولو علی نحو الماء یہ ان مستبینا کے بالمقابل ہے۔

13055۔ (قولہ: طَلُقَتْ بِوُصُولِ الْكِتَابِ) یعنی عورت کو خط پہنچا۔ مستبین مرسوم میں نیت کی ضرورت نہیں۔ قضا

وَفِي الْبَحْرِ كَتَبَ لِامْرَأَتِهِ كُلُّ امْرَأَةٍ لِي غَيْرَكِ وَغَيْرَ فُلَانَةَ طَالِقٌ ثُمَّ مَحَا اسْمَ الْأَخِيرَةِ وَبَعَثَهُ لَمْ تَطْلُقْ، هَذِهِ حِيلَةٌ عَجِيبَةٌ

البحر میں ہے: اس نے اپنی بیوی کو لکھا تیرے اور فلاں کے علاوہ میری تمام بیویوں کو طلاق ہے۔ پھر دوسری کا نام مٹا دیا اور اسے بھیج دیا اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ عجیب حیلہ ہے۔

میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی انہوں نے خط کے تجربہ کا ارادہ کیا ہے''بحر''۔ اس کا مفہوم یہ ہے: مرسوم میں دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی''رحمتی''۔ اگر خط اس کے باپ تک پہنچا باپ نے اس خط کو پھاڑ دیا اور اپنی بیٹی کو نہ دیا اگر باپ اس بیٹی کے تمام امور میں تصرف کرتا تھا وہ خط باپ تک اس عورت کے شہر میں پہنچا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر اس طرح نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک وہ خط اسے نہ پہنچے۔ اگر باپ نے بیٹی کو وہ خط پہنچنے کی خبر دی اور پھٹا ہوا خط اسے دے دیا اگر اس کا پڑھنا اور سمجھنا ممکن ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔''طحطاوی'' نے''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک ورق میں لکھا: جب میرا یہ خط تیرے پاس آئے تو تجھے طلاق ہے۔ پھر دوسرے مکتوب میں اسے منسوخ کر دیا یا کسی دوسرے آدمی کو اس کے منسوخ کرنے کا حکم دیا اور اسے املاء نہ کرایا۔ دونوں مکتوب اس عورت کے پاس پہنچ گئے اس عورت کو قضاءً دو طلاقیں ہو جائیں گی اگر خاوند نے اقرار کیا یہ دونوں اس کے خط ہیں یا عورت نے گواہی قائم کر دی۔ دیانۃً ایک طلاق واقع ہوگی ان دونوں خطوط میں سے کوئی ایک پہنچ گیا ہو اور دوسرا خط باطل ہو جائے گا۔ اگر خاوند نے کاتب سے کہا: میری بیوی کو طلاق لکھ دو۔ یہ طلاق کا اقرار ہوگا اگرچہ وہ نہ لکھے اگر اس نے کسی اور سے طلاق کا مکتوب لکھوایا اور کاتب نے خاوند پر اس تحریر کو پڑھا خاوند نے اسے لے لیا اس پر مہر لگائی اور پتہ لکھا اور وہ خط عورت کو بھیج دیا وہ خط اس عورت کے پاس آ گیا اگر خاوند نے اقرار کیا یہ اسی کا مکتوب ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا اس نے کسی آدمی سے کہا: اسے عورت کے پاس بھیج دو یا اسے کہا: اسے نسخہ لکھو اور عورت کی طرف اسے بھیج دو اور یہ اقرار نہ کیا کہ یہ اس کا مکتوب ہے اور گواہ بھی قائم نہ ہوئے لیکن امر کو اس کے سامنے بیان کر دیا عورت کو قضاءً اور دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر وہ مکتوب جسے اپنے خط کے ساتھ نہ لکھا یا خود اسے املاء نہ کرایا تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک وہ یہ اقرار نہ کرے کہ یہ اس کا مکتوب ہے۔ ملخصاً

13056۔ (قولہ: كَتَبَ لِامْرَأَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے اس کی ایک بیوی ہے جسے زینب کہتے ہیں پھر اس نے ایک شہر میں ایک عورت سے عقد نکاح کیا جسے عائشہ کہتے ہیں زینب کو اس کی خبر پہنچی خاوند اس عورت سے ڈر گیا اور اسے لکھا: تیرے اور عائشہ کے علاوہ جو بھی میری بیوی ہے اسے طلاق پھر اس نے غیر عائشہ کے الفاظ مٹا دیئے''ح''۔

میں کہتا ہوں: چاہیے اس نے جو مٹایا ہے اس پر گواہ بنا لے تاکہ حال ظاہر نہ ہو اور قاضی عائشہ کی طلاق کا فیصلہ نہ کر دے۔ تامل۔

13057۔ (قولہ: عَجِيبَةٌ) عجب کی وجہ یہ ہے لکھے ہوئے کو مٹانے کے بعد لکھنے کا نفع مرتب ہو رہا ہے''ط''۔

وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ اسْتَثْنَى بِالْكِتَابَةِ
عنقریب آئے گا اگر اس نے کتاب کے ساتھ استثنا کی۔ واللہ اعلم۔

13058۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ اسْتَثْنَى بِالْكِتَابَةِ) یعنی تعلیق کے باب میں اس قول کے ہاں ہے: قال لها انت طالق ان شاء الله متصلا، ''حلبی''۔ ''ہندیہ'' میں ہے: جب طلاق لکھی اور زبان سے استثنا کر دی یا زبان سے طلاق دی اور لکھنے کے ساتھ استثنا کر دی کیا یہ صحیح ہوگا؟ اس مسئلہ میں کوئی روایت نہیں۔ چاہیے کہ یہ صحیح ہو۔ ''ظہیریہ'' میں بھی اسی طرح ہے، ''ط''۔

بَابُ الصَّرِيحِ

(صَرِيحُهُ مَالَمْ يُسْتَعْمَلْ إِلَّا فِيهِ) وَلَوْ بِالْفَارِسِيَّةِ

طلاق صریح کے احکام

صریح اسے کہتے ہیں جو طلاق میں ہی استعمال ہو اگرچہ فارسی زبان میں ہو۔

جب طلاق، اس کی اقسام اولیہ سنت، بدعی اور ان کلیات کے بعض احکام کو ذکر کر دیا اس کی بعض جزئیات کے احکام کو ذکر کیا جو عورت اور اس کے بعض کی طرف منسوب ہیں اور ان میں سے جو صریح ہیں اور جو کنایہ ہیں انہیں ذکر کیا اس تفصیل کی طرح ہو گیا جو اجمال کے بعد ہوتا ہے۔

13059۔(قولہ: مَالَمْ يُسْتَعْمَلْ إِلَّا فِيهِ) یعنی غالباً طلاق میں استعمال ہو جس طرح ''البحر'' کی کلام فائدہ دیتی ہے۔''التحریر'' میں اس کی یہ تعریف کی ہے نیت کے بغیر جس کے ساتھ اس کا حکم شرعی ثابت ہوتا ہے۔ ما سے لفظ اور کتابت مستبینہ اور اشارہ مفہومہ میں سے جو لفظ کے قائم مقام ہوتا ہے اس کا ارادہ کیا ہے۔عورت کی جانب تین پتھر پھینکنے اور عورت کے بال مونڈ دینے کا حکم دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وہ پتھر پھینکنے اور بال مونڈنے سے طلاق کا اعتقاد رکھتا ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ کیونکہ طلاق کا رکن لفظ ہے یا جو اس لفظ کے قائم مقام ہے جن کا ذکر ہو چکا ہے جس طرح پہلے (مقولہ 12931 میں) گزر چکا ہے۔

سن بوش: اس لفظ (ترکی زبان کا لفظ) کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہو جائے گی

13060۔(قولہ: وَلَوْ بِالْفَارِسِيَّةِ) جو لفظ طلاق میں ہی استعمال ہو وہ صریح ہوگا اس کے ساتھ نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔اور جو لفظ طلاق اور غیر طلاق میں استعمال ہو تو اس کا حکم تمام احکام میں عربی کنایات کا ہوگا۔''بحر''۔''خیر رملی'' کے حاشیہ میں ''جامع الفصولین'' سے روایت مروی ہے: اس نے فارسی زبان میں کلام ذکر کی اس کا معنی ہے: اگر اس نے ایسا کیا تو شرع کا کلمہ میرے اور تیرے درمیان جاری ہوگا چاہیے کہ طلاق پر یمین صحیح ہو۔ کیونکہ وہ ان کے درمیان اس میں متعارف ہے۔

میں نے کہا: لیکن ''نور العین'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ یمین صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں الفاظ کفر کے لکھنے کے بارے میں ہے رساتیق شروان میں مشہور ہے جس نے کہا: جعلت کلما یا علیّ کلما یہ تین معلق طلاقیں ہوں گی یہ باطل ہے اور عوام کے ہذیان میں سے ہے۔''فتامل''۔

(كَطَلَّقْتُكِ وَأَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ) بِالتَّشْدِيدِ قَيَّدَ بِخِطَابِهَا، لِأَنَّهُ لَوْ قَالَ إِنْ خَرَجْتِ يَقَعُ الطَّلَاقُ أَوْ لَا تَخْرُجِي إِلَّا بِإِذْنِي فَإِنِّي حَلَفْتُ بِالطَّلَاقِ فَخَرَجَتْ لَمْ يَقَعْ لِتَرْكِهِ الْإِضَافَةَ إِلَيْهَا

کہے طلقتك، انت طالق، انت مطلقة، مطلقة کا لفظ تشدید کے ساتھ ہو عورت کے خطاب کے ساتھ اسے مقید کیا کیونکہ اگر کہا: اگر تو نکلی تو طلاق واقع ہو جائے گی یا تو نہیں نکلے گی مگر میری اجازت کے ساتھ میں نے طلاق کی قسم اٹھائی ہوئی ہے وہ نکلی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ طلاق کو عورت کی طرف مضاف کرنے کو ترک کیا ہے۔

تنبیہ

''شرنبلالیہ'' میں کہا: ترکی زبان میں طلاق کے بارے میں سوال ہوا کیا وہ قصد کا اعتبار کرنے کی وجہ سے طلاق رجعی ہو گی۔ ''سن بوش'' یا ''بوش اول'' کے مدلول کا اعتبار کرنے کی وجہ سے طلاق بائن ہو گی۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: خالیہ، خلیہ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: ''رحیمی'' نے فتویٰ دیا ہے جو ''خیر رملی'' کے شاگرد ہیں کہ یہ طلاق رجعی ہے اور کہا: جس طرح شیخ الاسلام ''ابو سعود'' نے فتویٰ دیا اور اسی کی مثل ہمارے مشائخ کے شیخ ''ترکمانی'' نے ''فتاویٰ علی آفندی''، جو مفتی دار السلطنت ہیں، اور ''حامدیہ'' سے نقل کیا ہے۔

13061۔ (قولہ: بِالتَّشْدِيدِ) یعنی مطلقۃ کا لام مشدد ہے۔ جہاں تک لام کے مخفف ہونے کا تعلق ہے تو اسے کنایہ کے ساتھ لاحق کیا جائے گا ''بحر''۔ اس کے باب (الطلاق الصریح) میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

اضافت کے بغیر طلاق دینے کا شرعی حکم

13062۔ (قولہ: لِتَرْكِهِ الْإِضَافَةَ) اضافۃ معنویہ کو ترک کیا۔ کیونکہ یہ شرط ہے اور خطاب اضافت معنویہ میں سے ہے۔ اسی طرح اشارہ ہے جیسے هذه طالق اسی کی مثل امرأتی طالق، زینب طالق، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے جو تعلیل ذکر کی ہے اس کی اصل صاحب ''البحر'' سے ہے انہوں ''الایمان'' میں ''بزازیہ'' کا جو قول ہے اس کو اخذ کیا ہے۔ خاوند نے عورت سے کہا: تو گھر سے نہ نکلے مگر میری اجازت کے ساتھ کیونکہ میں نے طلاق کی قسم اٹھائی ہے وہ عورت گھر سے نکلی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ طلاق کے ساتھ اس کی قسم کا ذکر نہیں۔ یہ غیر کی طلاق کی قسم کا بھی احتمال رکھتا ہے پس قول مرد کا معتبر ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں اسی کی مثل ہے۔ اس اخذ میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ''البزازیہ'' کے کلام کا مفہوم یہ ہے اگر طلاق کی قسم کا ارادہ کیا تھا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنے قول کو اس کے علاوہ کی طلاق کی طرف پھیر دیا ہے۔ شارح کی تعلیل جو ''البحر'' کی پیروی میں ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اضافت کی شرط مفقود ہے ساتھ ہی ساتھ اگر طلاق کا ارادہ کیا تو اضافت موجود ہوگی اور معنی ہوگا میں نے تیری طلاق کی قسم اٹھائی ہے۔ اس کی کلام میں اضافت کا صریح ہونا لازم نہیں کیونکہ ''البحر'' میں ہے: اگر مرد نے کہا: طالق۔ اسے کہا گیا: تو

(وَیَقَعُ بِهَا) أَیْ بِهٰذِهِ الْأَلْفَاظِ وَمَا بِمَعْنَاهَا مِنَ الصَّرِیحِ،
ان الفاظ اور جو ان کے ہم معنی صریح الفاظ ہیں ان کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔

نے کس کا ارادہ کیا؟ خاوند نے کہا: اپنی بیوی کا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ جب کہ ''القنیہ'' میں ہے: ''البرہان'' صاحب ''المحیط'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: ایک آدمی کو ایک جماعت نے شراب نوشی کی دعوت دی اس نے کہا: میں نے طلاق کی قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں شراب پیوں تو میری بیوی کو طلاق جب کہ وہ اس بات میں جھوٹا تھا پھر اس نے شراب پی تو اس کی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ صاحب ''التحفہ'' نے کہا: دیانۃً اسے طلاق واقع نہ ہو گی۔

''التحفہ'' میں جو کچھ ہے وہ ماقبل کے خلاف نہیں کیونکہ مراد صرف قضاءً طلاق ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بولتے ہوئے طلاق کی خبر دی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہو گی۔ ہازل کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ طلاق کے وقوع پر دال ہے اگرچہ اس نے صراحۃً عورت کی طرف طلاق کو مضاف نہیں کیا۔ ہاں اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب اس نے یہ نہ کہا: میں نے قسم کے ساتھ اس کے غیر کو طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے اس کے یہ خلاف نہیں۔ ''البحر'' میں جو عبارت ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے اگر کہا: امرأۃ طالق یا کہا طلقت امرأۃ ثلاثا اور کہا میں نے اپنی بیوی کا قصد نہیں کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اگر اس نے یہ نہ کہا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ عادت یہی ہے کہ جس کی بیوی ہو تو وہ اس کو طلاق دینے کے لیے ہی قسم اٹھاتا ہے کسی اور کو طلاق دینے کی قسم نہیں اٹھاتا۔ اس کا قول حلفت بالطلاق یہ اس کی اپنی بیوی کی طرف پھر جائے گا جب تک وہ اس کے علاوہ کا ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ اس کی کلام اس کا احتمال رکھتی ہے۔ اگر اس نے اس کا نام لیا، اس کے باپ کا نام لیا، اس کی ماں کا نام لیا یا اس کے بچے کا نام لیا تو معاملہ مختلف ہو گا۔ اس نے کہا عمرۃ طالق یا کہا بنت فلان طالق، بنت فلانۃ طالق، ام فلاں طالق۔ علما نے تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر کہا: میں نے اپنی بیوی کا قصد نہیں کیا تو اس کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی جب اس کی بیوی اس طرح ہو جس طرح اس نے وصف بیان کیا ہو جس طرح کنایات سے تھوڑا پہلے (مقولہ 13400 میں) آئے گا۔ عنقریب ذکر کریں گے کہ الفاظ مستعملہ جیسے الطلاق یلزمنی، الحرام یلزمنی، علی الطلاق، علی الحرام ان سے نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی اعتبار عرف کا ہو گا۔ اس کے ساتھ علما نے طلاق کو واقع کیا ہے جب کہ اس میں طلاق کو صراحۃً عورت کی طرف مضاف نہیں کیا۔ یہ اس کے مؤید ہے جو ''القنیہ'' میں ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے اس کی تصدیق اس بات میں نہ کی جائے گی کہ اس نے اپنی بیوی کا ارادہ نہیں کیا یہ عرف کی وجہ سے ہے۔ اللہ اعلم

13063۔ (قولہ: وَمَا بِمَعْنَاهَا مِنَ الصَّرِیحِ) اس کی مثل جن کا عنقریب ذکر کریں گے جیسے کونی طالق، اطَّلقی، یا مطلقۃ۔ اسی طرح مضارع کا صیغہ جب وہ حال کے معنی میں غالب ہو جیسے اطلقک جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

وَيَدْخُلُ نَحْوُ طَلَاغٍ وَتَلَاغٍ وَطَلَاكٍ وَتَلَاكٍ أَوْ طَ لَ قَ

اور طلاق صریح میں الفاظ محرفہ داخل ہوں گے جیسے طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک اور ط ل ق۔

میں کہتا ہوں: ان میں سے وہ بھی ہے جو ہمارے زمانے میں عرف ہے تکونی طالقاتو طلاق والی ہو جا۔ اسی میں سے خذی طلاقك اپنی طلاق لے لو۔ عورت نے کہا: اخذت میں نے لے لی اس کے ساتھ نیت کی شرط کے بغیر طلاق کے وقوع کو صحیح قرار دیا ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ اسی طرح عورت کا قول اخذت شرط نہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ جو ''البحر'' میں ہے انہیں میں سے: شئتُ طلاقك، رضيت طلاقك۔ اس میں اختلاف ہے۔ ''زیلعی'' نے اسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے اس میں نیت کا ہونا ضروری ہے جس طرح ''خیر رملی'' نے ذکر کیا ہے یعنی یہ کنایہ ہو جائے گا۔ کیونکہ طلاق صریح کو کنایہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو ''البحر'' میں ہے انہیں میں سے یہ بھی ہے: وهبتُ لك طلاقك، او دعتُ طلاقك، رهنتُك طلاقك۔ شارح عنقریب اس کے عدم وقوع کی تصحیح کو ذکر کریں گے جہاں تک انت الطلاق کا تعلق ہے تو یہ مذکورات میں سے نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد ہے جس کے ساتھ ایک طلاق رجعی واقع ہوا گرچہ اس کے خلاف کی نیت کرے جس طرح مصنف نے اس کی تصریح کی ہے۔ انت الطلاق اس میں تین کی نیت کرنا صحیح ہے جس طرح اس کے بعد ذکر کیا ہے۔ جہاں تک انتِ اَطْلَقُ من فلانه کا تعلق ہے تو ''النہر'' میں ''الولوالجیہ'' سے مروی ہے یہ کنایہ ہے۔ کہا: اگر یہ عورت کے قول کا جواب ہو۔ عورت کا قول یہ ہے: ان فلانا طلق امرأته فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ کیونکہ دلالت حال نیت کے قائم مقام ہے یہاں تک کہ اگر دلالت حال قائم نہ ہو تو نیت کے بغیر واقع نہ ہوگی۔ فافہم

تصحیف شدہ الفاظ صریح میں ہیں

13064۔ (قولہ: وَيَدْخُلُ نَحْوُ طَلَاغٍ وَتَلَاغٍ) یہ لفظ غین معجمہ کے ساتھ ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ان میں سے الفاظ مصحفہ ہیں اور یہ پانچ ہیں۔ تو وہاں پر تلاق کا اضافہ کیا۔ ''النہر'' میں قاف کی جگہ لام بدلا ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: یہ کہنا چاہیے فاکلمہ طا یا تا ہو اور لام کلمہ قاف ہو، عین ہو، غین ہو، کاف ہو یا لام ہو۔ دو کو پانچ میں ضرب دی تو دس ہو گئے۔ ان میں سے نو تصحیف شدہ ہیں۔ یہ طالق کے علاوہ ہیں۔

13065۔ (قولہ: أَوْ طَ لَ قَ) یہاں جو ظاہر ہے اور اس کی مثل ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ہے کہ حروف تہجی کے مسمیٰ ذکر کرے۔ ظاہر یہی ہے کہ ان کے اور ان کے اسماء کے درمیان فرق نہیں۔ ''ذخیرہ'' میں کتاب العتق میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جس نے اپنی لونڈی سے کہا: الف نون تا حارا ہا یا اپنی بیوی سے کہا: الف نون تا طا الف لام قاف اگر اس نے طلاق اور عتاق کی نیت کی تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور لونڈی آزاد ہو جائے گی۔ یہ کنایہ کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ ان حروف سے وہی معنی سمجھا جاتا ہے جو صریح کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر انہیں اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس یہ نیت کی ضرورت میں کنایہ کی طرح ہو گئے۔

أَوْ طَلَاقِ بَاشْ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ عَالِمٍ وَجَاهِلٍ، وَإِنْ قَالَ تَعَمَّدْتُهُ تَخْوِيفًا لَمْ يُصَدَّقْ قَضَاءً إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ عَلَيْهِ قَبْلَهُ وَبِهِ يُفْتَى وَلَوْ قِيلَ لَهُ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ فَقَالَ نَعَمْ أَوْ بَلَى بِالْهِجَاءِ طَلُقَتْ بَحْرٌ (وَاحِدَةٌ)

یا طلاق باش ان الفاظ میں عالم اور جاہل میں کوئی تفریق نہ کی جائے گی اگر کہا: میں نے بیوی کو ڈرانے کا قصد کیا تھا تو قضاء اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر یہ کہ وہ اس سے پہلے اس پر گواہ بنائے۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر اسے کہا گیا: تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس نے کہا: ہاں یا کیوں نہیں یہ اس نے حروف تہجی کے ساتھ کہا اسے طلاق ہو جائے گی ''بحر''، یعنی ایک طلاق

تو اچھی طرح باخبر ہے جب اسے نیت کی ضرورت ہے تو اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ کلام ان الفاظ میں ہو رہی ہے جن کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اگرچہ وہ نیت نہ کرے۔ شارح بھی ایک صفحہ کے بعد اس کی نیت کے محتاج ہونے کے حوالے سے تصریح کریں گے۔ کنایات کے بعد بھی اسے ذکر کیا ہے۔ طلاق کے باب کے شروع میں ہم نے ''الفتح'' سے نقل کیا تھا۔ ''البحر'' میں ہے: حروف تہجی کے ساتھ طلاق واقع ہو جاتی ہے جس طرح انت ط ل ق۔ اسی طرح اگر اسے کہا گیا: اسے طلاق دے دو؟ اس نے کہا: ن، ع، م یا کہا: ب، ل، ی۔ حروف تہجی ذکر کیے اگرچہ اس کا تکلم نہ کیا۔ ''الخانیہ'' میں اسے مطلق ذکر کیا اور نیت کی شرط ذکر نہیں کی اور ''البدائع'' میں نیت کی شرط ذکر کی۔

میں کہتا ہوں: شرط کی تصریح نہ ہونا شرط ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے وہ حروف تہجی کے ساتھ جواب دینے کا مسئلہ ہے اور قائل کے اس قول کے ساتھ سوال طلقتہا؟ یہ اس کے جواب کے ارادہ پر قرینہ ہے تو یہ طلاق نیت کے بغیر واقع ہو جائے گی۔ ابتداء اس قول انت طالق کا معاملہ مختلف ہے جو حروف تہجی کے ساتھ کیا جائے۔ تامل

13066۔ (قولہ: أَوْ طَلَاقِ بَاشْ) یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے۔ ''الذخیرہ'' میں کہا: اگر خاوند نے بیوی سے کہا: سہ طلاق باش یا کہا: بطلاق باش نیت کی بنا پر حکم لگایا جائے گا۔ امام ''ظہیر الدین'' اس صورت میں نیت کے بغیر طلاق کا فتویٰ دیتے تھے۔

13067۔ (قولہ: بِلَا فَرْقٍ) اسے علما نے الفاظ مصحفہ میں ذکر کیا ہے۔ ان پر لازم تھا کہ اسے ان کے بعد بغیر فاصلہ کے ذکر کرتے۔

13068۔ (قولہ: تَعَمَّدْتُه) میں نے تصحیف جان بوجھ کر کی ہے تا کہ بیوی کو طلاق کا قصد کیے بغیر ڈراؤں۔

13069۔ (قولہ: طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ) اسی طرح عورت کو طلاق ہو جائے گی اگر اسے کہا گیا: الست طلقت امرأتك۔ کیونکہ ''الفتح'' میں بحث کی ہے کہ عرف میں نعم یا بلی کے ساتھ جواب میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا جس طرح باب کے آخر میں فروع میں آئے گا۔

13070۔ (قولہ: طَلُقَتْ) نیت کے بغیر طلاق ہو جائے گی جس طرح ہم نے ابھی ابھی اسے بیان کیا ہے۔

13071۔ (قولہ: وَاحِدَةٌ) یہ رفع کے ساتھ ہے یہ یقع کے قول کا فاعل ہے۔ یہ محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی

رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ نَوَى خِلَافَهَا)
رجعی (واقع ہو جائے گی)۔ اگرچہ اس کے خلاف کی نیت کرے۔

طلقة واحدة قہستانی نے اسے بیان کیا ہے۔

طلاق صریح کی اقسام

13072۔(قولہ: رَجْعِيَّةٌ) جب ایسی صورت نہ ہو جو اسے بائن بنا دے۔ ''البدائع'' میں ہے: صریح کی دو قسمیں ہیں صریح رجعی، صریح بائن۔(۱) حقیقی دخول کے بعد حروف طلاق کے ساتھ ہو جو عوض کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو اور نہ تین کے عدد کے ساتھ ملی ہوئی ہو نہ نصاً نہ اشارۃ اور نہ ہی کسی ایسی صفت سے موصوف ہو جو بینونت سے آگاہ کرے یا حرف عطف کے بغیر اس پر دلالت کرے۔ عدد یا ایسی صفت کے ساتھ تشبیہ نہ دی گئی ہو جو اس بینونت پر دلالت کرے (۲) جو اس کے خلاف ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ طلاق بینونت کے حروف کے ساتھ ہو اور حروف طلاق کے ساتھ ہو لیکن حقیقی دخول سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو لیکن تین کے عدد سے ملی ہوئی ہو تین کا عدد نصاً ہو یا اشارۃ ہو یا ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہو جو بینونت سے آگاہ کرے یا حرف عطف کے بغیر اس پر دلالت کرے یا ایسے عدد یا صفت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو جو اس بینونت پر دلالت کرے۔

قیود ذکر کرنے کے ساتھ جن صورتوں سے بچا گیا ہے جن کا مصنف باب کے آخر میں ذکر کریں گے کہ ان صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی وہ معلوم ہو گئی ہیں جیسے انت ھکذا انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔ اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ انت طالق بائن میں وہ طلاق بائن واقع ہو گئی۔ بخلاف و بائن وانت طالق کالف یا انت طالق تطلیقة طویلة۔ ''الفتح'' میں اسے پسند کیا ہے کہ دوسری قسم صریح نہیں۔ اس سے احتراز کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''البدائع'' میں جو کچھ ہے ''البحر'' میں اسے ظاہر کیا ہے تعلیل بیان کرتے ہوئے کہ صریح کی تعریف سب کو شامل ہے۔ ''النہر'' میں کہا: قطعی امر کی وجہ سے کہ یہ حقوق زوجیت سے پہلے ہو یا مال پر ہو تو اس جیسی کنایہ نہیں بصورت دیگر نیت یا دلالت حال کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس یہ متعین ہو گیا کہ یہ صریح ہے کیونکہ دونوں میں کوئی واسطہ نہیں۔

اس میں ''الصیرفیہ'' سے منقول ہے: اگر خاوند نے بیوی سے کہا: انت طالق ولا رجعة لی علیك تو یہ طلاق رجعی واقع ہو گی۔ اگر کہا: علی ان لا رجعة لی علیك تو یہ طلاق بائن ہو گی۔ باب کے آخری فرع پر مکمل گفتگو آئے گی۔

13073۔(قولہ: وَإِنْ نَوَى خِلَافَهَا) نیت کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر کہا: میں نے اسے بائنہ یا تین بنا دیا ہے تو یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ہو گی۔ ایک کو تین بنانے کا معنی یہ ہے کہ اس نے اس ایک طلاق کے ساتھ دو کو لاحق کر دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کو تین بنا دیا۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے بینونت میں موافقت کی ہے تین میں موافقت نہیں کی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی نفی کی ہے ''نہر''۔ تمام بحث اس میں اور ''البحر'' میں ہے۔ مصنف اسے عنقریب ''باب الکنایات'' میں ذکر کریں گے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے اگر اس

مِنَ الْبَائِنِ أَوْ أَكْثَرَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (أَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا)
یعنی بائنہ کی یا اس سے زائد کی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے یا کسی شے کی نیت نہ کی۔

نے ابتداءً عدد ملا دیا اور کہا: انت طالق ثنتین یا کہا: تین۔ وہ واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ آنے والے باب میں (مقولہ 13366 میں) آ رہا ہے: اگر عدد کو ساتھ ملایا تو طلاق اس کے ساتھ واقع ہوگی۔ ہم عنقریب کنایات کے باب میں (مقولہ 13504 میں) ذکر کریں گے اگر اس نے خاموش ہونے کے بعد عدد کو ملایا۔

13074۔ (قولہ: مِنَ الْبَائِنِ أَوْ أَكْثَرَ) یہ ان کے قول خلافہا کا بیان ہے کیونکہ اس میں ضمیر ایک رجعیہ کے لیے ہے۔ واحد کا برعکس اکثر ہے وہ رجعی ہو یا بائن ہو۔ طلاق رجعی کا برعکس طلاق بائن ہے۔ ان کی کلام میں لف نشر مشوش ہے۔ اس میں بھی اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جسے مجبور کیا گیا وہ گرہ کو کھولنے کی نیت کرے اس پر یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ اس کی نیت قضاءً درست ہے جس طرح قریب ہی (مقولہ 15063 میں) آئے گا۔ فافہم

13075۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) یہ صرف ان کے قول او اکثر کی طرف راجع ہے۔ اولی یہ ہے کہ کہتے خلافا للائمۃ الثلاثۃ جس طرح ''البحر'' کی کلام سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول تھا کیونکہ اس نے لفظ کے محتمل کی نیت کی ہے، ''ط''۔

صاحب بحر کا قول کہ طلاق صریح از روئے دیانت کے نیت کی محتاج ہوتی ہے کا معنی

13076۔ (قولہ: أَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا) کیونکہ یہ امر (مقولہ 13063 میں) گزر چکا ہے کہ طلاق صریح نیت کی محتاج نہیں لیکن طلاق کے قضاءً اور دیانۃً وقوع کے لیے ضروری ہے کہ طلاق کو عورت کی طرف مضاف کرنے کا قصد ہو اس حال میں کہ وہ اس کا معنی جانتا ہو اور اسے اس معنی کی طرف نہ پھیرے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا۔ جس طرح ''الفتح'' میں بیان کیا ہے اور ''النہر'' میں اسے ثابت کیا ہے اس سے بچنے کے لیے اگر اس نے طلاق کے مسائل کا تکرار بیوی کی موجودگی میں کیا یا کتاب سے نقل کرتے ہوئے لکھا امراتی طالق اس کا تلفظ بھی کیا یا غیر کی قسم بیان کی تو جب تک وہ اپنی بیوی کا قصد نہیں کرتا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اس سے احتراز کیا کہ اگر عورت خاوند کو لفظ طلاق کی تلقین کرے تو اس نے وہ لفظ بول دیا جب کہ معنی نہیں جانتا تھا تو اصلاً طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح اوزجند کے مشائخ نے فتویٰ دیا تا کہ تلبیس سے بچا جائے۔ اور دوسرے علما نے صرف قضاءً وقوع طلاق کا فتویٰ دیا۔ اور اس سے بچنے کے لیے کہ وہ کہنا چاہتا تھا انت حائض اور منہ سے نکل گیا انت طالق تو اس کے ساتھ صرف قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اس سے احتراز کیا اگر اس نے انت طالق سے پھندے سے آزادی کی نیت کی تو اس صورت میں بھی طلاق صرف قضاءً واقع ہوگی۔ جہاں تک ہنسی مذاق کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کی طلاق قضاء اور دیانۃً دونوں طرح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے سبب کا قصد کیا یہ جانتے ہوئے کہ یہ سبب ہے شرع نے اس کا حکم اس پر مرتب کیا ہے اس کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو جس طرح پہلے (مقولہ 12995 میں) گزر چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو ''البحر'' اور ''الاشباہ''

وَلَوْنَوَی بِهِ الطَّلَاقَ عَنْ وَثَاقٍ دُيِّنَ إِنْ لَمْ يَقْرِنْهُ بِعَدَدٍ؛ وَلَوْ مُكْرَهًا صُدِّقَ قَضَاءً أَيْضًا

اور اگر اس کے ساتھ قید سے آزاد کرنے کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس نے عدد ساتھ نہ ملایا ہو۔ اگر اسے مجبور کیا گیا تھا تو قضاءً بھی تصدیق کی جائے گی۔

میں ہے وہ صحیح نہیں۔ ان کا قول ہے: بے شک صریح نیت کا محتاج نہیں۔ یہ قضا میں ہے۔ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے تو وہ نیت کا محتاج ہے۔ یہ ان کے اس قول سے اخذ کیا ہے: اگر اس نے قید سے آزاد کرنے کی نیت کی یا سبقت لسانی سے طلاق کا لفظ نکل گیا تو صرف قضاءً طلاق واقع ہوگی۔ یعنی دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس کی نیت نہیں کی۔ اس میں اعتراض ہے کیونکہ پہلی صورت میں دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ لفظ کو اس کی طرف پھیر دیا گیا ہے جس کا وہ احتمال رکھتا تھا دوسری صورت میں لفظ طلاق کا قصد نہیں تھا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دیانۃً طلاق کے وقوع میں لفظ کا قصد شرط ہے اور تاویل صحیح کا نہ ہونا شرط ہے۔ جہاں تک طلاق کی نیت کے شرط ہونے کا تعلق ہے تو یہ نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے اگر اس نے عمل سے آزاد کرنے کی نیت کی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور دیانۃً طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح آگے (مقولہ 13084 میں) آئے گا جب کہ اس نے طلاق کے معنی کی نیت نہیں کی۔ اسی طرح اگر اس نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے طلاق دی۔

13077۔ (قولہ: عَنْ وَثَاقٍ) وثاق لفظ واؤ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی قید ہے اور اس کی جمع وثق ہے جس طرح رباط اور ربط ہے ''مصباح''۔ اس سے یہ علم ہوا اگر اس نے قید سے آزادی کی نیت کی تو دیانۃً بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔

13078۔ (قولہ: دُيِّنَ) یعنی اس بندے اور اس کے رب کے درمیان نیت صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس نے وہ نیت کی لفظ جس کا احتمال رکھتا تھا۔ پس مفتی طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دے گا جہاں تک قاضی کا تعلق ہے وہ اس کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس پر طلاق کے وقوع کا فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ یہ قرینے کے بغیر ظاہر کے خلاف ہے۔

13079۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَقْرِنْهُ بِعَدَدٍ) یہ وہ شرط ہے جس کو ''بحر'' وغیرہ میں ذکر کیا ہے اس صورت میں جب وثاق اور ضد کی تصریح کی کہ اس نے کہا: انت طالق ثلاثا من ھذا القید تو قضاءً اور دیانۃً طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''المحیط'' میں اس کی علت بیان کی ہے: قید کو تین دفعہ اٹھانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہ نکاح کی قید کی طرف پھر جائے گی تاکہ کلام لغو نہ ہو جائے۔ ''النہر'' میں کہا: یہ تعلیل کلمہ کے اتحاد کا فائدہ دیتی ہے اس صورت میں اگر اس نے دو دفعہ کہا۔

اسی وجہ سے شارح نے عدد کو مطلق ذکر کیا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ جب یہ عدد کے سبب قید نکاح کی طرف پھر گئی جب کہ قید کی تصریح موجود تھی تو جب قید نہ ہوگی تو بدرجہ اولیٰ قید نکاح کی طرف پھر جائے گی۔

13080۔ (قولہ: صُدِّقَ قَضَاءً أَيْضًا) اس کی قضاءً تصدیق کی جائے گی جس طرح دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ایسا قرینہ پایا جا رہا ہے جو طلاق کے واقع کرنے کے ارادہ نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے یہی اکراہ ہے۔ ''ط''

كَمَا لَوْ صَرَّحَ بِالْوَثَاقِ أَوْ الْقَيْدِ، وَكَذَا لَوْ نَوَى طَلَاقَهَا مِنْ زَوْجِهَا الْأَوَّلِ عَلَى الصَّحِيحِ خَانِيَّةٌ: وَلَوْ نَوَى عَنْ الْعَمَلِ لَمْ يُصَدَّقْ أَصْلًا وَلَوْ صَرَّحَ بِهِ دُيِّنَ، فَقَطْ

جس طرح اگر اس نے وثاق اور قید کی تصریح کی۔ اور اسی طرح اگر اس نے پہلے خاوند سے طلاق کی نیت کی صحیح روایت کے مطابق۔ ''خانیہ''۔ اگر اس نے عمل سے آزادی کی نیت کی تو اصلاً تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر عن العمل کی تصریح کی تو صرف دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔

13081۔ (قولہ: كَمَا لَوْ صَرَّحَ) کیونکہ اس صورت میں اس کی قضاءً اور دیانۃً تصدیق کی جائے گی مگر جب وہ اس کے ساتھ عدد کو ملا دے تو اس کی اصلاً تصدیق نہ کی جائے گی جس طرح (مقولہ 13073 میں) گزر چکا ہے۔

13082۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ نَوَى) ''البحر'' میں کہا: صریح میں سے: یا طالق اور یا مطلقة ہے۔ اگر کہا: میں نے گالی کا ارادہ کیا ہے تو اس کی قضاءً اور دیانۃً تصدیق نہ کی جائے گی۔ ''خلاصہ''۔ اگر اس کا خاوند ہو جس نے اسے پہلے طلاق دی ہو تو اس نے کہا: میں نے اس طلاق کا ارادہ کیا تو اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی کیونکہ روایات متفق ہیں اور قضاءً تصدیق کی جائے گی۔ یہ ''ابوسلیمان'' کی روایت ہے یہ اچھی روایت ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ یہی صحیح ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اگر اس کا خاوند نہ ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اسی طرح اگر اس کا ایسا خاوند ہو جو فوت ہو گیا ہو۔

میں نے کہا: علما نے یہ تفصیل ندا کی صورت میں ذکر کی ہے جس طرح تو نے سنا ہے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں پایا جس نے اخبار میں اسے ذکر کیا ہے جس طرح انت طالق۔ فتامل

13083۔ (قولہ: لَمْ يُصَدَّقْ أَصْلًا) یعنی نہ قضاءً تصدیق کی جائے گی اور نہ ہی دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔ ''الفتح'' میں کہا: کیونکہ طلاق قید کو اٹھانے کے لیے ہے جب کہ وہ عورت عمل کے ساتھ مقید نہیں۔ پس یہ تعبیر لفظ کا محتمل نہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ لفظ تخلص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

13084۔ (قولہ: دُيِّنَ فَقَطْ) یعنی صرف دیانۃً تصدیق کی جائے گی قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس نے طلاق دی پھر عمل کا لفظ استدراکاً ذکر کیا۔ اگر وثاق کا لفظ ساتھ ملایا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ اس میں قلیل استعمال ہوتا ہے۔ ''فتح''۔

حاصل کلام یہ ہے جو ''البحر'' میں ہے کہ وثاق، قید اور عمل میں سے ہر ایک کو یا ذکر کیا جائے گا یا اس کی نیت کی جائے گی اگر اسے ذکر کیا جائے یا تو اس کے ساتھ عدد ملایا جائے گا یا عدد نہیں ملایا جائے گا۔ اگر اس کے ساتھ عدد ملایا جائے تو طلاق نیت کے بغیر واقع ہو جائے گی، اور عمل کے ذکر کرنے کی صورت میں صرف قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی، اور وثاق اور قید کے الفاظ میں اصلاً طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا بلکہ نیت کی تو عمل کے لفظ میں دیانۃً تصدیق نہ کی جائے گی، اور وثاق اور قید کے لفظ میں دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر جب اسے مجبور کیا گیا ہو عورت قاضی کی مثل ہے جب عورت نے خود سنا یا ایک عادل آدمی نے اسے خبر دی تو عورت کے لیے حلال نہیں کہ مرد کو اپنے اوپر قدرت

(وَفِي أَنْتِ الطَّلَاقُ) أَوْ طَلَاقٌ (أَوْ أَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقِ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا يَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا أَوْ نَوَى) يَعْنِي بِالْمَصْدَرِ لِأَنَّهُ لَوْ نَوَى بِطَالِقٍ وَاحِدَةً وَبِالطَّلَاقِ أُخْرَى وَقَعَتَا رَجْعَتَيْنِ لَوْ مَدْخُولًا بِهَا كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ زَيْلَعِيٌّ (وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ) لِأَنَّهُ صَرِيحُ مَصْدَرٍ لَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ (فَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ)

اور انت الطلاق، انت طلاق یا انت طالق الطلاق یا انت طالق طلاقا تو اس کے ساتھ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگر کوئی نیت نہ کی یا نیت کی یعنی مصدر کی نیت کی۔ کیونکہ اس نے طالق کے لفظ کے ساتھ ایک طلاق کی نیت کی اور طلاق کے لفظ کے ساتھ دوسری طلاق کی نیت کی تو دو طلاق رجعی واقع ہو جائیں گی اگر وہ مدخول بھا ہوگی جس طرح تیرا قول ہے انت طالق انت طالق۔ ''زیلعی''۔ ایک یا دو کی نیت کی۔ کیونکہ یہ صریح مصدر ہے جو عدد کا احتمال نہیں رکھتا اگر تین کی نیت کی تو تین ہو جائیں گی۔

دے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ عورت کو کوئی حق نہیں کہ وہ مرد کو قتل کرے یا اپنے آپ کو قتل کرے بلکہ مال دے کر اپنی جان چھڑا لے یا بھاگ جائے۔ جس طرح مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت کو قتل کرے جب وہ عورت اس پر حرام ہو مرد جب بھی اس سے بھاگتا ہے عورت جادو کے ذریعے واپس لوٹا لیتی ہے۔ ''بزازیہ'' میں ''اوزجندی'' سے مروی ہے کہ عورت قاضی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرے اگر مرد قسم اٹھا دے اور عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو گناہ مرد پر ہوگا۔

میں کہتا ہوں: جب عورت فدیہ دینے اور بھاگنے پر قادر نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنا دفاع کر سکے تو یہ ماقبل کے منافی نہیں۔

13085۔ (قولہ: وَفِي أَنْتِ الطَّلَاقُ أَوْ طَلَاقٌ) یہ اس امر کا بیان ہے جب اس کی خبر مصدر سے لگائی جائے وہ مصدر معرفہ ہو یا نکرہ ہو، یا اس کی خبر ایسے اسم فاعل سے لگائی جائے جس کے بعد اسی طرح کا مصدر ہو۔

13086۔ (قولہ: يَعْنِي بِالْمَصْدَرِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس لفظ کو شارح مصنف کے قول او ثنتین کے بعد ذکر کرتے۔

13087۔ (قولہ: وَقَعَتَا رَجْعَتَيْنِ) یہ وہی قول ہے ''ہدایہ'' میں جس پر چلے ہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی جاتی ہے ''ابو جعفر'' نے بھی یہی کہا ہے۔ اطلاق کا مقتضا عدم صحت ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے بھی یہی کہا ہے۔ ''الفتح'' میں اس کی تائید کی۔ ''النہر'' میں ذکر کیا ہے مذہب میں اسے ہی ترجیح دی گئی ہے۔

13088۔ (قولہ: لَوْ مَدْخُولًا بِهَا) اگر مدخول بہا نہ ہو تو وہ عورت سے پہلی طلاق سے جدا ہو جائے گی اور دوسری طلاق لغو چلی جائے گی۔

13089۔ (قولہ: أَوْ ثِنْتَيْنِ) یعنی آزاد میں دو کی نیت کی۔

13090۔ (قولہ: لِأَنَّهُ صَرِيحُ مَصْدَرٍ) یہ ان کے قول او ثنتین کی علت ہے یعنی مصدر الفاظ وحدان میں سے ہے اس میں عدد محض کی رعایت نہیں کی جاتی بلکہ وحدت کی رعایت کی جاتی ہے۔ وہ وحدت فردیت حقیقیہ کے ساتھ ہوگی یا جنسیہ

لِأَنَّهُ فَرْدٌ حُكْمِيٌّ (وَلِذَا) كَانَ (الثِّنْتَانِ فِي الْأَمَةِ) وَكَذَا فِي حُرَّةٍ تَقَدَّمَهَا وَاحِدَةٌ جَوْهَرَةٌ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ سَهْوٌ (بِمَنْزِلَةِ الثَّلَاثِ فِي الْحُرَّةِ) وَمِنْ الْأَلْفَاظِ الْمُسْتَعْمَلَةِ الطَّلَاقُ يَلْزَمُنِي، وَالْحَرَامُ يَلْزَمُنِي، وَعَلَيَّ الطَّلَاقُ، وَعَلَيَّ الْحَرَامُ فَيَقَعُ بِلَا نِيَّةٍ لِلْعُرْفِ، فَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ امْرَأَةٌ

کیونکہ تین فرد حکمی ہے۔ اسی وجہ سے دو لونڈی میں فرد حکمی ہے۔ اسی طرح اس آزاد میں بھی دو ہو جائیں گی جسے پہلے ایک ہو چکی ہو "جوہرہ"۔ لیکن "البحر" میں یقین سے ذکر کیا ہے کہ یہ قول سہو ہے۔ اور لونڈی کے حق میں دو آزاد کے حق میں تین کے قائم مقام ہیں الفاظ مستعملہ میں سے جیسے طلاق مجھے لازم ہے، حرام مجھے لازم ہے، مجھ پر طلاق، مجھ پر حرام۔ تو عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر اس کی بیوی نہ ہو تو

کے ساتھ ہوگی۔ تثنیہ دونوں سے الگ ہے۔

13091۔ (قولہ: لِأَنَّهُ فَرْدٌ حُكْمِيٌّ) کیونکہ تین کل طلاقیں ہیں۔ یہ طلاق میں فرد کامل ہے۔ تین کا ارادہ عدد کا ارادہ نہیں، "ط"۔

13092۔ (قولہ: وَلِذَا كَانَ) یعنی فرد حکمی ہونے کی وجہ سے لونڈی میں دو طلاقوں کی نیت درست ہوگی۔

13093۔ (قولہ: لَكِنْ جَزَمَ فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ سَهْوٌ) کیونکہ کہا: جو "جوہرہ" میں ہے کہ جب آزاد عورت کو پہلے ایک طلاق دی جا چکی ہے تو اسے دو طلاقیں واقع ہوں گی جب وہ دونوں کی نیت کرے یعنی پہلی کے ساتھ۔ تو یہ سہو ظاہر ہے۔ صاحب "النہر" نے اس میں یہ رائے قائم کی ہے کہ جب خاوند نے آزاد عورت کے حق میں پہلی کے ساتھ دو کی نیت کی تو اس نے تین طلاقوں کی نیت کی اور اگر اس کی ملک میں دو طلاقیں ہی تھیں تو دونوں واقع ہو جائیں گی، "ح"۔

میں کہتا ہوں: اگر مراد ہو کہ اس نے دو ایسی طلاقوں کی نیت کی جو پہلی کے ساتھ ملی ہوئی تھیں اس کے ساتھ وہ دو کی نیت سے نہ نکالا یہ عدد محض ہے اس کی نیت صحیح نہیں اگر مراد ہو اس نے تین کی نیت کی جن میں سے پہلی بھی ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ تین اعتباری فرد ہے۔ "ذخیرہ" میں کہا: اگر آزاد عورت کو ایک طلاق دی تھی پھر اسے کہا: تو مجھ پر حرام ہے اس کے ساتھ وہ دو کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت صحیح نہ ہوگی اگر تین کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور دوسری دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فافہم

فرع: "بزازیہ" میں ہے: خاوند نے اپنی دو بیویوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور دونوں میں سے ایک میں تین طلاقوں کی نیت کی اور دوسری میں ایک طلاق کی نیت کی تو "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہوگی۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

عَلَيَّ الطَّلَاقُ عَلَيَّ الْحَرَامُ (مجھ پر طلاق، مجھ پر حرام) کا معنی

13094۔ (قولہ: فَيَقَعُ بِلَا نِيَّةٍ لِلْعُرْفِ) تو یہ لفظ صریح ہوگا کنایہ نہ ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نیت شرط نہیں اگرچہ لفظ حرام سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ کیونکہ لفظ صریح سے بھی بعض اوقات طلاق بائن واقع ہوتی ہے جس طرح پہلے

....

(مقولہ 13072 میں) گزرا ہے لیکن اس کے ساتھ طلاق بائن کے واقع ہونے میں بحث ہے ہم اسے باب الکنایات میں (مقولہ 13446 میں) ذکر کریں گے۔ جو ذکر کیا ہے وہ صریح ہے۔ کیونکہ طلاق میں استعمال کے اعتبار سے یہ عرف میں عام ہو چکا ہے۔ وہ لوگ اس کے علاوہ طلاق کا صیغہ نہیں پہچانتے۔ مرد اس لفظ کے ساتھ ہی قسم اٹھاتے ہیں۔ یہ (مقولہ 13059 میں) گزر چکا ہے کہ صریح وہ ہے کہ عرف میں جس کا استعمال طلاق میں غالب ہو اس طرح کہ عرف میں وہ اس میں استعمال ہو خواہ کسی لغت سے تعلق رکھتا ہو۔ ہمارے زمانے کے عرف میں یہ اسی طرح ہے تو اس کا صریحاً اعتبار ضروری ہے جس طرح متاخرین نے اس جملہ میں فتویٰ دیا ہے: انت علی حرام تو یہ عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر طلاق بائن ہے جب کہ متقدمین کے نزدیک منصوص علیہ یہ ہے کہ یہ نیت پر موقوف ہے۔ جو آ رہا ہے وہ اس کے منافی نہیں اگر اس نے کہا: طلاقك علی اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عرف کا غلبہ نہ ہونے کی بنا پر ہے۔ اسی پر اس فتویٰ کو محمول کیا جائے گا جو ''ابوسعود'' آفندی مفتی روم نے دیا کہ اس کا قول علیّ الطلاق یا یلزمنی الطلاق نہ صریح ہیں اور نہ ہی کنایہ ہیں۔ کیونکہ آپ کے زمانہ میں یہ متعارف نہ تھے۔ اسی وجہ سے مصنف نے ''المنح'' میں کہا: ہمارے دیار میں عرف طلاق کے استعمال میں عام ہو چکا ہے یہ لوگ اس کے علاوہ طلاق کے صیغہ سے واقف ہی نہیں تو نیت کے بغیر اس کا فتویٰ دینا واجب ہے جس طرح ان جملوں میں حکم ہے الحرام یلزمنی، علیّ الحرام۔ جن علما نے تعارف کی وجہ سے طلاق کے وقوع کی تصریح کی ہے ان میں ''شیخ قاسم'' ہیں انہوں نے اپنی تصحیح میں یہ لکھا ہے۔ ابوسعود کا فتویٰ اس امر پر مبنی ہے کہ ان کے علاقہ میں یہ لفظ طلاق میں اصلاً مستعمل نہیں تھا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''شیخ قاسم'' نے جو ذکر کیا ہے ان سے قبل ان کے شیخ محقق ''ابن ہمام'' نے ''فتح القدیر'' میں ذکر کیا۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں ان کی پیروی کی۔ میرے سید ''عبدالغنی'' نابلسی کا اس میں ایک رسالہ ہے جس کا نام ''رفع الانغلاق فی علی الطلاق'' ہے جس میں انہوں نے مذہب ثلاثہ کے باقی ماندہ علما سے طلاق کے وقوع کو نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے مسئلہ کو دیکھا جو ہمارے ہاں متقدمین سے منقول ہے۔ ''الذخیرۃ'' میں ہے: ''ابن سلام'' سے اس آدمی کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا: ان فعلت کذا اثلاث تطلیقات علیّ اگر میں یہ کروں تو مجھ پر تین طلاقیں ہیں یا کہا: علیّ واجبات مجھ پر واجبات ہیں اہل شہر کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیا یہ ان کی قسموں میں غالب آ چکا ہے؟ ''سروجی'' نے ''الغایۃ'' میں اس طرح ذکر کیا ہے جس طرح آئے گا۔ ''الخیریہ'' میں جو طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا یہ ''ابو سعود آفندی'' کی اتباع میں ہے انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور بعد میں اس کے برعکس فتویٰ دیا اور کہا: میں کہتا ہوں حق یہ ہے کہ اس زمانہ میں اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ لفظ طلاق کے معنی میں مشہور ہو گیا ہے اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اس پر اعتماد کرنا واجب ہے تاکہ فروج کے معاملہ میں احتیاط پر عمل ہو۔

تنبیہ

محقق ''ابن ہمام'' کی عبارت ''الفتح'' میں اس طرح ہے: ہمارے عرف میں قسم میں یہ معروف ہو چکا ہے الطلاق

....

یلزمنی لا افعل کذا اس سے ارادہ کرتے اگر میں یہ کام کروں تو طلاق لازم ہوگی اور واقع ہوگی۔ تو ضروری ہے کہ طلاق ان پر جاری ہو۔ کیونکہ یہ ان کے اس قول کے قائم مقام ہے: اِنْ فعلتُ فانتِ طالق۔ دیہاتی لوگوں میں قسم یوں معروف ہے: علی الطلاق لا افعل۔ یہ اس میں صریح ہے کہ یہ معنی میں محلوف علیہ کے فعل پر معلق ہے یہ غلبہ عرف کی وجہ سے ہے اگرچہ اس میں اداۃ شرط صراحۃً موجود نہیں۔ میں نے ''تاتر خانیہ'' کی انیسویں فصل میں تصریح پائی کہ یہ معتبر ہے۔ کیونکہ کہا: ''الحاوی'' میں ''ابوالحسن کرخی'' سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جس پر تہمت لگائی گئی کہ اس نے صبح کی نماز نہیں پڑھی۔ اس نے کہا: اس کا غلام آزاد ہے اس نے وہ نماز پڑھی ہے۔ وہ لوگ اسے اپنی زبان میں شرط جانتے۔ کہا: ان کا امر شرط پر ان کے عرف کی وجہ سے جاری ہوگا۔ جس طرح اس کا قول ہے: عبدی حر انْ لم اکن صلیت الغداۃ و صلا ھالم یعتق کذا ھنا میرا غلام آزاد ہے اگر میں نے صبح کی نماز نہ پڑھی ہو جب کہ اس نے وہ نماز پڑھی تھی تو غلام آزاد نہ ہوگا اسی طرح یہاں ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: تجھے طلاق ہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تحقیق میں نے تجھے طلاق دے دی۔ یہ ایسا آدمی ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم اٹھائی تھی اگر وہ گھر میں داخل ہوئی تو وہ ضرور اسے طلاق دے دے گا۔ یہ قول اس قول کے قائم مقام ہے عبدہ حر ان دخلت الدار لاضربنك اس کا غلام آزاد اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو میں تجھے ماروں گا۔ یہ ایسا آدمی تھا جس نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ غلام کو آزاد کرے گا اگر وہ گھر میں داخل ہوئی تو وہ اسے ضرور مارے۔ اگر وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق دینا لازم ہوگا اگر وہ مرگیا یا عورت مرگئی تو شرط زندگی کے آخری لمحات میں فوت ہوگئی یعنی طلاق واقع ہوجائے گی۔ جس طرح ''منیۃ المفتی'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ اس کے اس قول کے قائم مقام ہوجائے گا: ان دخلت الدار ولم اطلقك فانت طالق۔ وان دخلت الدار ولم اضربك فعبدی حر، حنابلہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے یہ قول قسم کے قائم مقام ہوگا۔ جس طرح اس کا قول ہے: واللہ فعلت کذا۔ ''النہر'' میں کہا: اگر اس نے کہا: علی الطلاق یا الطلاق یلزمنی یا الحرام یلزمنی۔ اور یہ نہ کہا: میں ایسا نہ کروں گا میں نے اسے علما کی کلام میں نہیں پایا۔ ''حواشی مسکین'' میں ہے: ہمارے شیخ نے اسے ''الغایۃ'' جو ''السروجی'' کی تالیف ہے میں اسے صراحۃً پایا ہے جو ''المغنی'' کی طرف منسوب ہے۔ اس کی نص ہے: الطلاق یلزمنی یا الطلاق لازم لی یہ صریح ہے کیونکہ جس کی طلاق واقع ہوچکی ہوتی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے لزمہ الطلاق۔ اسی طرح اس کا قول ہے علی الطلاق۔

''سید حموی'' نے ''الغایہ'' سے ''الجواہر'' کی طرف منسوب نقل کیا ہے: الطلاق لی لازم، نیت کے بغیر طلاق واقع ہوجائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ ''الغایہ'' کی مراد اس وقت ہو جب محلوف علیہ کو ذکر کیا جائے کیونکہ تو جان چکا ہے کہ عرف میں اس سے مراد تعلیق لی جاتی ہے۔ اور اس کا قول: علی الطلاق لا افعل کذا اس قول کے قائم ہے: ان فعلتُ کذا فانتِ طالق جب اس نے لا افعل کذا ذکر نہ کیا تو اس کا قول تعلیق کے بغیر علی الطلاق رہ گیا۔ متعارف اس کا تعلیق کے

يَكُونُ يَمِينًا فَيُكَفِّرُ بِالْحِنْثِ تَصْحِيحُ الْقُدُورِيِّ وَكَذَا عَلَيَّ الطَّلَاقُ مِنْ ذِرَاعِي بَحْرٌ

یہ یمین ہوگی قسم توڑنے کی صورت میں وہ کفارہ ادا کرے گا ''تصحیح القدوری''۔ اسی طرح یہ قول ہے علیّ الطلاق من ذراعی۔ ''بحر''۔

موقع پر استعمال ہے انشا کے محل میں استعمال متعارف نہیں۔ جب تنجیزاً اس کا استعمال انشا میں متعارف نہیں تو یہ صریح نہ ہوگا تو چاہیے کہ یہ آنے والے اختلاف پر ہو جن میں کہا: طلاقكِ علیّ پھر میں نے ''سیدی عبد الغنی'' کو دیکھا جنہوں نے اسی کی مثل اپنے رسالہ میں ذکر کیا۔

تتمہ

چاہیے اگر اس نے تین کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہو کیونکہ طلاق مصدر کے لفظ کے ساتھ مذکور ہے تو مصدر میں تین کی صحت کو تو جان چکا ہے۔ اسی طرح اس کے اس قول میں علیّ الحرام ہے۔ علما نے تصریح کی ہے کہ اس قول: انت علی حرام میں تین کی نیت صحیح ہے۔

13095۔ (قولہ: يَكُونُ يَمِينًا) حرام کے لفظ کے ساتھ قسم اٹھانے کی صورت میں قسم ہوگی۔ یہی ''الذخیرہ'' وغیرہا میں مذکور ہے۔ پھر میں نے ''بزازیہ'' میں دیکھا ان مواقع میں کہا جہاں حرام کے لفظ کے ساتھ طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر اس کی بیوی نہ ہو اگر اس نے قسم اٹھائی تو اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا اور ''نسفی'' نے کہا کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

علیّ الطلاق من ذراعی کا معنی

13096۔ (قولہ: وَكَذَا عَلَيَّ الطَّلَاقُ مِنْ ذِرَاعِي) یہ صاحب ''البحر'' کی بحث ہے جو قول گزر چکا ہے اس سے اخذ کیا ہے اگر کہا: انت طالق من ھذا العمل اور عدد ساتھ نہ ملایا تو قضاءً طلاق واقع ہوگی دیانۃً واقع نہ ہوگی۔ کہا: یہ قول یہاں بدرجہ اولیٰ طلاق کے وقوع پر دلالت کرے گا۔ علامہ ''مقدسی'' نے اس کا رد کیا ہے کہ مقیس علیہ میں اس عورت سے خطاب کیا ہے جو طلاق کا محل ہے پھر اس عمل کا ذکر کیا عورت جس کے ساتھ حساً اور شرعاً مقید نہ تھی تو بغیر دلیل کے لفظ کو شرعی معنی جو متعارف ہے اس سے کسی اور معنی کی طرف پھیرنا صحیح نہیں مقیس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس نے طلاق کو اس کے محل کے علاوہ کی طرف مضاف کیا ہے وہ اس کا ذراع ہے ساتھ ہی جب مرد نے کہا: انا منك طالق یہ لغو ہے۔ ملخصاً۔ اس کی مثل ''خیر رملی'' نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کہا جاتا ہے: اس میں طلاق اس کے محل کے علاوہ کی طرف منسوب نہیں کی گئی کیونکہ (مقولہ 13094 میں) گزر چکا ہے اس کا قول: علیّ الطلاق لا افعل کذا، یہ اس قول کے قائم مقام ہے: ان فعلت فانت طالق یہ عرف میں معناً عورت کی طرف مضاف ہے۔ اگر مذکورہ اضافت کا اعتبار نہ کیا جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح یہ اس قول کے قائم مقام ہو گیا: ان فعلت کذا فانت طالق من ذراعی پس یہ عورت کی طرف مضاف ہونے میں مقیس علیہ کے مساوی ہو گئی نیز اس کا قول انا منك طالق میں مرد کی طلاق کے ساتھ صریحاً صفت لگائی گئی ہے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

وَلَوْ قَالَ طَلَاقُكِ عَلَيَّ لَمْ يَقَعْ وَلَوْ زَادَ وَاجِبٌ أَوْ لَازِمٌ أَوْ ثَابِتٌ أَوْ فَرْضٌ هَلْ يَقَعُ؟ قَالَ الْبَزَّازِيُّ الْمُخْتَارُ لَا وَقَالَ الْقَاضِي الْخَاصِيُّ الْمُخْتَارُ نَعَمْ

اگر کہا: تیری طلاق مجھ پر ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے واجب، لازم، ثابت یا فرض کا اضافہ کیا تو کیا طلاق واقع ہو گی؟ ''بزازی'' نے کہا: مختار یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''قاضی خاصی'' نے کہا: مختار یہ ہے کہ ہاں طلاق واقع ہو جائے گی۔

کیونکہ طلاق عورت کی صفت ہے۔ جہاں تک اس کے قول علی الطلاق کا معاملہ ہے تو کیونکہ اس کا معنی ہے عورت کی طلاق خاوند پر واقع ہوئی۔ اس میں طلاق کی غیر محل کی طرف اضافت نہیں بلکہ اضافت اس کے محل کی طرف ہے ساتھ ہی طلاق کے وقوع کی نسبت اپنے محل کی طرف ہے اگر لوگوں کی کلام میں ان کا محل عام ہو گیا جب وہ اس طرح قول کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں ''خیر رملی'' نے کہا: بے شک اس قول کے ساتھ قسم اٹھانے والا علی الطلاق من ذراعی اس کے ساتھ وہ بیوی کا قطعا ارادہ نہیں کرتا۔ کیونکہ عوام کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ طلاق کے وقوع کے ڈر سے وہ اس کے ساتھ اعراض کرتے ہیں وہ کبھی کہتے ہیں من ذراعی کبھی کہتے ہیں من کشتوانی کبھی کہتے ہیں من مروتی بعض اس کے ذکر کے بعد یہ اضافہ کرتے ہیں کیونکہ عورت کے ذکر میں کوئی خیر نہیں۔

میں کہتا ہوں اگر عرف اسی طرح ہے تو چاہیے کہ طلاق کے واقع نہ ہونے میں تردد نہ کیا جائے کیونکہ اس مرد نے طلاق اپنے بازو وغیرہ پر واقع کی ہے عورت پر واقع نہیں کی۔ پھر ''خیر رملی'' نے کہا: مگر وہ یہ کہے: علی الطلاق ثلاثا من ذراعی تو طلاق کے وقوع کی بھی کوئی وجہ ہوگی کیونکہ تین کا ذکر اس کو معین کر دے گا۔ فتامل

13097۔ (قولہ: وَلَوْ قَالَ طَلَاقُكِ عَلَيَّ لَمْ يَقَعْ) ''الخانیہ'' میں کہا: اگر اس نے کہا: طلاقك علی اصل میں استشہاد کے انداز میں ذکر کیا اور کہا: کیا تو نہیں دیکھتا اگر اس نے کہا: للہ علی طلاق امراتی اللہ کے لیے مجھ پر میری بیوی کی طلاق ہے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے قول طلاقك علی میں طلاق واقع نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ نذر کا صیغہ ہے جس طرح اس کا قول ہے علیہ حجۃ تو گویا اس نے نذر مانی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے گا اور نذر عبادت مقصودہ میں ہوتی ہے اور طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال امور میں سے مبغوض ترین ہے۔ پس یہ عبادت نہیں اس وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

13098۔ (قولہ: وَلَوْ زَادَ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا قول طلاقك علی زیادتی کے بغیر ہو تو اس میں مذکورہ اختلاف نہیں۔ ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' سے بھی یہی سمجھا گیا ہے۔ لیکن میرے آقا ''سید عبدالغنی'' نے ''سرخسی'' کے ادب القاضی سے نقل کیا ہے: ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: طلاقك علی فرض او لازم یا کہا طلاقك علی تو صحیح یہ ہے کہ ہر صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ عتق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جو واجب ہیں پس اسے اخبار بنا دیا گیا۔ اسی کی مثل ''مختصر المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

13099۔ (قولہ: وَقَالَ الْقَاضِي الْخَاصِيُّ الْمُخْتَارُ نَعَمْ) فتاویٰ ''الخاصی'' کی عبارت ہے: مرد نے عورت سے

وَلَوْ قَالَ طَلَّقَكَ اللهُ هَلْ يَفْتَقِرُ لِنِيَّةٍ؟ قَالَ الْكَمَالُ الْحَقُّ نَعَمْ، وَلَوْ قَالَ لَهَا كُونِي طَالِقًا أَوْ أُطْلُقِي
اور اگر اس نے کہا طلقك الله۔ کیا نیت کی ضرورت ہوگی ''کمال'' نے کہا: حق یہ ہے کہ ہاں۔ اگر مرد نے عورت سے کہا: تو طلاق والی ہوجا

کہا: طلاقك علیّ واجب یا کہا: طلاقك لازم لی۔ نیت کے بغیر طلاق واقع ہوجائے گی۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ''محمد بن مقاتل'' نے کہا: اسی پر فتویٰ ہے۔ اور تو اچھی طرح جانتا ہے کہ فتویٰ کا لفظ تصحیح کے الفاظ میں سے مؤکدترین ہے۔ ''الخانیہ'' میں فقیہ ''ابوجعفر'' سے نقل کیا ہے کہ اس کے قول واجب میں طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ لوگوں میں متعارف ہے۔ اس کے قول ثابت، فرض، لازم میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لوگوں میں یہ متعارف نہیں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ خاوند کے قول علیّ الطلاق میں طلاق واقع ہوگی کیونکہ ہمارے زمانے میں یہ متعارف ہے خاصی نے طلاق کے وقوع کی علت اس قول کے ساتھ بیان کی ہے: کیونکہ طلاق واجب یا ثابت نہیں بلکہ اس کا حکم (واجب یا ثابت) ہوتا ہے اور اس کا حکم وقوع کے بعد ہی واجب اور ثابت ہوتا ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کا ثبوت اقتضاءً ہے اور اس کی نیت پر موقوف ہے مگر جب اس میں عرف عام ہو تو یہ صریح ہوجائے گی۔ جب اس نے اس کو اس سے پھیر دیا تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور دیانۃً اگر اس نے ارادہ کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ بعض اوقات کہا جاتا ہے: یہ امر مجھ پر واجب ہے تو یہ اس معنی میں ہوتا ہے چاہیے کہ میں ایسا کروں اس کا یہ معنی نہیں ہوتا میں نے اسے کیا ہے گویا اس نے کہا: چاہیے کہ میں تجھے طلاق دوں۔

13100۔ (قولہ: قَالَ الْكَمَالُ الْحَقُّ نَعَمْ) ''البحر'' اور ''النہر'' میں ان سے نقل کیا ہے۔ دونوں نے اختلاف ذکر کرنے کے بعد اس پر ثابت رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دلیل کا احتمال رکھتا ہے تو یہ نیت پر موقوف ہوگا۔ ''تاترخانیہ'' میں ''العتابیہ'' سے منقول ہے: مختار یہ ہے کہ یہ نیت پر موقوف نہیں۔ ''ظہیر الدین'' یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ''مقدسی'' نے کہا: ہمارے زمانہ میں طلاق واقع ہوگی۔ اس کی مثل ہے: آدمی عورت سے براءت کا مطالبہ کرتا ہے تو عورت کہتی ہے: اللہ تجھے بری کرے۔ یہ حادثۃ الفتوی میں ہے۔ میں نے اس کی صحت کا لکھا ہے کیونکہ لوگوں میں یہ متعارف ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی کی مثل ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' اور ''المنظوتہ المحبیہ'' میں ہے۔ اس کی مفصل بحث الخلع میں (مقولہ 14687 میں) ہے۔

13101۔ (قولہ: كُونِي طَالِقًا أَوْ أُطْلُقِي) ''الفتح'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ کیونکہ کونی حقیقۃً امر نہیں کیونکہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ عورت اپنے آپ سے طلاق والی ہو بلکہ اس سے مراد ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ وہ طلاق والی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُنْ فَيَكُوْنُ (الانعام: 73) یہ امر نہیں بلکہ تکوین سے کنایہ ہے۔ عورت کا طلاق والی ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے قبل اس کو طلاق دی گئی ہو۔ پس یہ کلام سابقہ ایقاع کو متضمن ہے۔ اسی طرح اس کا قول اطَّلَّقِي ہے۔ اس کی مثل لونڈی کے لیے اس کا قول ہے کونی حرۃ۔

أَوْ يَا مُطَلَّقَةُ بِالتَّشْدِيدِ وَقَعَ، وَكَذَا يَا طَالِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا لِأَنَّهُ تَرْخِيمٌ أَوْ أَنْتِ طَالِ بِالْكَسْرِ وَإِلَّا تَوَقَّفَ عَلَى النِّيَّةِ

یا اسے مطلقہ شد کے ساتھ کہا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح نیت کے بغیر طلاق ہو گی جب خاوند نے کہا: اے طال خواہ لام پر کسرہ پڑھا یا ضمہ کیونکہ یہ ترخیم ہے یا اس نے کہا: انت طال لام پر کسرہ پڑھا ورنہ نیت پر موقوف ہو گی۔

13102۔ (قولہ: أَوْ يَا مُطَلَّقَةُ) ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں اگر اس عورت کا خاوند ہو جس نے اس عورت کو پہلے طلاق دی ہو اس خاوند نے کہا: میں نے اسے طلاق کا قصد کیا تھا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جائے گی۔ اسی طرح صحیح قول کے مطابق قضاءً بھی تصدیق کی جائے گی۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے کہا: انت طالق پر کہا: یا مطلقہ تو دوسری واقعہ نہ ہو گی۔

13103۔ (قولہ: بِالتَّشْدِيدِ) یعنی لام کو مشدد پڑھا۔ مگر جب تخفیف کے ساتھ پڑھا تو یہ کنایہ کے ساتھ ملحق ہے جس طرح ہم نے پہلے ''البحر'' سے (مقولہ 13061 میں) بیان کیا ہے۔

13104۔ (قولہ: وَقَعَ) یعنی نیت کے بغیر واقع ہو جائے گی۔

13105۔ (قولہ: بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا) ضمہ کا ذکر صاحب ''النہر'' کی بحث ہے جب کہا: چاہیے کہ ضمہ بھی اسی طرح ہو۔ کیونکہ یہ اس کی لغت ہے جو انتظار نہیں کرتا۔ فتحہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ نیت پر موقوف ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ چاہیے کہ ضمہ کی صورت میں بھی نیت پر توقف کیا جائے۔ کیونکہ جب وہ آخر کا انتظار نہیں کرتا تو ''ط ل ق'' کا مادہ نہ موجود ہے اور نہ ہی ملاحظہ ہے تو یہ صریح نہ ہوا۔ جو انتظار کرتا ہے اس کی لغت میں کسرہ کا معاملہ مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ترخیم کی ندا میں ضمہ جب ثابت لغت ہے تو لفظ اس معنی سے خارج نہیں ہو گا جو ندا سے قبل اس سے مراد تھا۔ کیونکہ جس نے بھی لفظ مرخم کو سنا تو وہ جان جاتا ہے کہ اس سے مراد اس مادہ کی ندا ہے۔ محذوف کا انتظار اور عدم انتظار اعتباری امر ہے اس کو علما نے مقدر کیا ہے تاکہ اس پر ضمہ اور کسرہ کی بنا کریں ورنہ لازم آئے گا کہ منادی ایک اور اسم ہے جس کی ندا مقصود نہیں۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فتامل۔

13106۔ (قولہ: أَوْ أَنْتِ طَالِ بِالْكَسْرِ) یعنی نیت کے بغیر واقع ہوتا ہے۔ انت طاق کا معاملہ مختلف ہے اس میں لام محذوف ہے۔ اگر اس نے نیت کی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ کلام کے آخر کا حذف عرف میں معتاد ہے، ''تاتر خانیہ''۔

13107۔ (قولہ: وَإِلَّا تَوَقَّفَ عَلَى النِّيَّةِ) اگر وہ منادی کے علاوہ میں لام کو کسرہ دیتا ہے تو طلاق کا وقوع طلاق کی نیت پر موقوف ہو گا۔ یعنی یا جو نیت کے حکم میں ہے جس طرح مذاکرہ اور غضب ہے جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ اور ''الفتح'' کے ''باب الکنایات'' میں ہے: نیت پر مطلق موقوف ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ قاف کے بغیر یہ لفظ بالاتفاق صریح نہیں کیونکہ غلبہ استعمال نہیں اور نہ ہی ندا کے علاوہ میں ترخیم لغۃً جائز ہے۔ پس لغت اور عرف میں یہ منتفی ہو گیا تو قسم کے ساتھ قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ مگر غضب اور مذاکرہ طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ پس اس صورت میں قضاءً طلاق ہو جائے گی اسے ساکن پڑھے یا ساکن نہ پڑھے۔ مفصل بحث اسی میں ہے۔

كَمَا لَوْ تَهَجَّى بِهِ أَوْ بِالْعِتْقِ وَفِي النَّهْرِ عَنِ التَّصْحِيحِ الصَّحِيحُ عَدَمُ الْوُقُوعِ بِ وَهَبْتُكِ طَلَاقَكِ وَنَحْوَهُ (وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَيْهَا) كَأَنْتِ طَالِقٌ (أَوْ) إِلَى (مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْهَا

جس طرح اگر اس نے اس لفظ کے ہجے کیے یا عتق کے ہجے کیے۔ اور ''النہر'' میں ''تصحیح القدوری'' سے منقول ہے کہ وهبتك طلاقك وغیرہ سے صحیح، طلاق کا عدم وقوع ہے۔ جب طلاق کو عورت کی پوری ذات کی طرف منسوب کیا جس طرح انت طالق یا اس جز کی طرف منسوب کیا جس کے ساتھ اس کی ذات کو تعبیر کیا جاتا ہے

میں کہتا ہوں: جو ہم نے ''تاتر خانیہ'' سے ابھی ابھی (مقولہ 13106 میں) نقل کیا ہے کہ کلام کے آخر کا حذف عرفا معتاد ہو تو یہ جواب کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ طالق کا لفظ قطعاً صریح ہے جب آخر کا حذف معتاد اور عرف ہو تو یہ اس کے صریح ہونے سے خارج نہیں کرے گا۔ کلمہ کے آخری حرف کے حذف کو محسنات کلام میں شمار کیا گیا ہے۔ اہل بدیع نے اسے اکتفا کی قسم میں شمار کیا ہے اور دور اسلام کے شعراء نے اسے کثرت سے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔

این النجاۃ لعاشق این النجا عاشق کے لیے نجات کہاں ہے۔'

نیز آخری حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ بدلنا جس طرح متقدمہ مصحفہ الفاظ ہیں یہ اسے صریح سے خارج نہیں کرتا جب کہ ان میں ان کا غلبہ استعمال نہ ہو۔ اور یہ نہیں ہو سکتا مگر اس لیے کہ اس کے ساتھ لفظ صریح کا ارادہ کیا گیا۔ اور تصحیف عارض ہے۔ کیونکہ یہ اس کی زبان پر خطاءً یا قصداً جاری ہوا کیونکہ یہ متکلم کی لغت ہے۔ یہ میرے فہم قاصر پر ظاہر ہوا۔

13108۔ (قولہ: كَمَا لَوْ تَهَجَّى بِهِ) یعنی یہ نیت پر موقوف ہو گا اس کا بیان (مقولہ 13065 میں) گزر چکا ہے۔ فافہم

13109۔ (قولہ: وَفِي النَّهْرِ عَنِ التَّصْحِيحِ) اس سے مراد علامہ ''قاسم'' کی ''تصحیح القدوری'' ہے۔ ''البحر'' میں جو سمجھا گیا ہے اس کے رد کا قصد کیا ہے کہ وهبتُكِ طلاقكِ یہ صریح الفاظ میں سے ہے۔ اسی طرح اودعتُكِ و رهنتُكِ ہے۔ ''النہر'' میں کہا: ''تصحیح القدوری'' میں ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے: وهبتُكِ طلاقكِ قول میں صحیح طلاق کا واقع نہ ہونا ہے تو اودعتُكِ اور رهنتُكِ میں بدرجہ اولیٰ طلاق واقع نہ ہو گی۔ عنقریب (مقولہ 13482 میں) آئے گا کہ رهنتُكِ یہ کنایہ ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: اگر اس نے کہا: رهنتُكِ طَلَاقَكِ علما نے کہا طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ رہن ملکیت کے زوال کا فائدہ نہیں دیتی۔

میں کہتا ہوں: اس کے کنایہ ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ نیت کی شرط کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں اسے کنایات میں سے شمار کیا ہے۔ اسی طرح وهبتُكِ طلاقكِ، اودعتُكِ طلاقكِ، اقرضتُكِ طلاقكِ کو کنایات میں شمار کیا ہے۔ اس کی مفصل بحث وہاں آئے گی۔

13110۔ (قولہ: كَأَنْتِ طَالِقٌ) اسی طرح اگر غائب کی ضمیر یا اسم شارہ ذکر کیا جو عورت کی طرف لوٹ رہا تھا ذکر کیا یا اس کا اسم علم ذکر کیا یا اس کی مثل۔ اور اشارہ کیا کہ اس سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس کے ساتھ وضعاً اس کی پوری ذات مراد لی جاتی ہے۔ اوالی ما یعبر بہ عنھا کے قول سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس کے ساتھ پوری ذات بطور مجاز مراد لی جاتی ہے جس

كَالرَّقَبَةِ وَالْعُنُقِ وَالرُّوحِ وَالْبَدَنِ وَالْجَسَدِ) الْأَطْرَافُ دَاخِلَةٌ فِي الْجَسَدِ دُونَ الْبَدَنِ (وَالْفَرْجِ وَالْوَجْهِ وَالرَّأْسِ)

جس طرح گردن، روح، بدن اور جسد۔ اطراف، جسد میں داخل ہیں بدن میں داخل نہیں۔ اور فرج اور چہرہ اور سر

طرح تیری گردن۔ ورنہ سب کے ساتھ پوری ذات کو تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ ''زیلعی'' میں جو عبارت ہے اس سے یہ زیادہ ظاہر ہے کہ روح، بدن اور جسد، انت کی مثل ہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روح جسد کا بعض ہے۔ اسی طرح روح اور بدن کا اعتبار کرنے کی وجہ سے جسد میں اطراف داخل نہیں ہوتے۔ ''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

اگر طلاق کی نسبت بدن کے کسی جز کی طرف کی جائے تو اس کا حکم

13111۔ (قولہ: كَالرَّقَبَةِ) اس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا ہے اس ارشاد میں فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (النساء: 92) تو قاتل آزاد کرے ایک مسلمان غلام۔ اس ارشاد میں عنق کے ساتھ کل کو تعبیر کیا ہے فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِينَ ۝ (الشعراء) ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ کیونکہ اس کی صفت جمع مذکر سے لگائی جو ذوی العقول کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ عقل ذوات کا ہوتا ہے اعضاء کا نہیں ہوتا۔ اور ان کے قول میں الروح سے مراد کل ہے: هلكت روحه روح سے مراد نفس ہے۔ اس کی مثل نفس ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المائدہ: 45) اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان۔

13112۔ (قولہ: الْأَطْرَافُ) مراد دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور سر ہے۔ جسد اور بدن میں فرق کو ''النہر'' میں ''ابن کمال'' کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے ''ایضاح الاصلاح'' میں یہ کہا ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے ''زمخشری'' کی ''فائق'' اور ''مصباح'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے ''الذخیرہ'' کی فصل العدۃ میں دیکھا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: البدن سے مراد سرین سے لے کر کندھوں تک کا حصہ ہے۔

13113۔ (قولہ: وَالْفَرْجِ) حدیث میں اس سے مراد پوری ذات لی ہے لعن الله الفروج على السروج[1]۔ ''الفتح'' میں کہا: یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

13114۔ (قولہ: وَالْوَجْهِ وَالرَّأْسِ) اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: 88) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمٰن: 27) وجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کریم ہے۔ أعتق راسا و راسين من الرقيق۔ اس نے ایک اور دو غلام آزاد کیے انا بخير ما دام رأسك سالما جب تک تو سلامت ہے میں خیر سے ہوں۔ کہا جاتا ہے راس سے

1۔ نصب الرایۃ علامہ جلال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، جلد 3، صفحہ 302، حدیث نمبر 228، مکتبہ دار الکتب العلمیہ

وَكَذَا الِاسْتُ،
اسی طرح سرین ہے

مراد ذات ہے۔ "فتح"۔ "البحر" میں کہا: "الفتح" میں کتاب الکفالۃ میں ہے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا جب کسی نے اس کے عین کی کفالت اٹھائی۔ "بلخی" نے کہا: یہ صحیح نہیں جس طرح طلاق میں ہے مگر جب وہ اس کے ساتھ بدن کی نیت کرے۔ جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کفالت اور طلاق میں اسے صحیح قرار دیا جائے۔ کیونکہ عین ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عین القوم، هو عین فی الناس۔ ممکن ہے ان کے زمانہ میں یہ معروف نہ ہو۔ جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں۔

13115۔ (قولہ: وَكَذَا الِاسْتُ) "البحر" میں کہا: است اگرچہ دبر کے مرادف ہے حکم میں دونوں کی مساوات لازم نہیں آتی۔ کیونکہ یہاں اس چیز کا اعتبار ہے کہ اس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جائے کیا تو نہیں دیکھتا بضع یہ فرج کے مرادف ہے اس کا یہاں حکم اس طرح نہیں جس طرح تعبیر میں اس کا حکم ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ است اور فرج دونوں کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب طلاق کو ان کی طرف مضاف کیا جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ جب کہ پہلے لفظ است کا مرادف دبر ہے اور دوسرے لفظ فرج کا مرادف بضع ہے۔ دونوں کے ساتھ کیونکہ کل کو تعبیر نہیں کیا جاتا اس وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ترادف سے حکم میں مساوات لازم نہیں آتی۔ لیکن "الفتح" میں یہ اعتراض کیا ہے: اگر معتبر تعبیر کا مشہور ہونا ہے تو ضروری ہوگا کہ فرج کی طرف اضافت سے بھی طلاق واقع نہ ہو۔ کیونکہ اس لفظ کے ساتھ کل کی تعبیر مشہور نہیں۔ اگر اعتبار بعض اہل لسان کی جانب استعمال کا وقوع ہے تو ضروری ہے کہ ید (ہاتھ) کا لفظ ذکر کرنے میں بھی بغیر اختلاف کے طلاق واقع ہو۔ کیونکہ ید کا لفظ بھی کل میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ (الحج: 10) یعنی تو نے جو آگے بھیجا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: علی الید ما أخذتْ حتی تردَّ (1)۔ انسان نے جو لیا اس پر لازم رہے گا یہاں تک کہ وہ چیز واپس کرے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات جواب دیا جاتا ہے کہ معتبر پہلا قول ہے۔ لیکن یہ لازم نہیں کہ تمام لوگوں کے نزدیک اس لفظ کے ساتھ کل کی تعبیر مشہور ہو بلکہ متکلم کے عرف میں اس کے اپنے شہر میں مشہور ہو۔ جب اس کے نزدیک ید کے ساتھ پوری ذات کی تعبیر مشہور ہو کہ ید (ہاتھ) کی طرف طلاق منسوب کرنے سے طلاق واقع ہوگی۔ پھر میں نے "الفتح" کی کلام میں وہ عبارت دیکھی جو اس کا فائدہ دیتی ہے۔ کہا: سر کی طرف مضاف کرنے سے طلاق اس لیے واقع ہوگی کیونکہ یہ معتبر ہے کہ اس لفظ کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ نہ صرف اس کی ذات کا اعتبار کرنے سے طلاق ہوگی۔ اسی وجہ سے اگر خاوند نے کہا: میں نے صرف سر مراد لیا ہے "حلوانی" نے کہا: یہ کوئی بعید نہیں کہ کہا جائے طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن چاہیے کہ یہ دیانۃً ہو جہاں تک قضا کا تعلق ہے جب اس لفظ کے ساتھ کل کی تعبیر مشہور عرف ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر اس نے کہا: میں نے ید

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع والاجارات، باب تضمین العاریۃ، جلد 2، صفحہ 621، حدیث نمبر 3091

بِخِلَافِ الْبُضْعِ وَالدُّبُرِ وَالدَّمِ عَلَى الْمُخْتَارِ خُلَاصَةٌ (أَوْ أَضَافَهُ (إِلَى جُزْءٍ شَائِعٍ مِنْهَا) كَنِصْفِهَا وَثُلُثِهَا إِلَى عُشْرِهَا (وَقَعَ) لِعَدَمِ تَجَزِّيهِ وَلَوْ قَالَ نِصْفُكِ الْأَعْلَى طَالِقٌ وَاحِدَةً وَنِصْفُكِ الْأَسْفَلُ ثِنْتَيْنِ وَقَعَتْ بِبُخَارَى فَأَفْتَى بَعْضُهُمْ بِطَلْقَةٍ،

بضع، دبر اور دم کا معاملہ مختلف ہے یہ مختار مذہب کے مطابق ہے ''خلاصہ''۔ یا طلاق کو منسوب کیا عورت کے مشترک جز کی طرف جیسے اس کا نصف اس کا تہائی دسویں حصہ تک۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ طلاق میں تقسیم نہیں۔ اگر کہا: تیرے نصف اعلیٰ کو ایک طلاق اور تیرے نصف اسفل کو دو طلاقیں۔ یہ واقعہ بخاری میں ہوا تو بعض علما نے ایک طلاق کا فتویٰ دیا

سے ہاتھ والی مراد لیا ہے جس طرح آیت اور حدیث میں ہے اور ایک قوم کے ہاں اس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہے تو طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق عرف پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے اگر نبطی نے فارسی زبان میں طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر کسی عربی نے اس کا تکلم کیا اور عربی اس کا معنی نہیں جانتا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تحقیق طلاق کے وقوع کو قضاءً مقید کیا ہے جب خاوند طلاق کو ید اور رأس کی طرف منسوب کرے جب اس کے ساتھ کل کی تعبیر متعارف تھی اور اس قول کے ساتھ اس کی تصریح کی ایک قوم کے ہاں ید کے ساتھ تعبیر متعارف ہے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ علما کے ہاں متعارف نہ ہونے کے وقت طلاق واقع نہ ہوگی جب کہ لغت اور شرع میں رأس اور ید کے ساتھ ذات کی تعبیر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

13116۔(قولہ: وَالدَّمِ) مناسب یہ تھا کہ اس لفظ کو ساقط کر دیا جاتا جب اس کو اس کے محل میں ذکر کیا جس طرح آگے آئے گا۔ جہاں تک یہاں بضع اور دبر کے ذکر کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے مرادف یہاں مذکور ہیں، ''ح''۔

اگر طلاق کو عورت کے مشترک جز کی طرف منسوب کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی

13117۔(قولہ: كَنِصْفِهَا وَثُلُثِهَا إِلَى عُشْرِهَا) اسی طرح اگر خاوند نے طلاق کو عورت کے ہزارویں جز کی طرف منسوب کیا جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ کیونکہ مشترک جز تمام تر تصرفات کا محل ہے جس طرح بیع وغیرہ ''ہدایہ''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: مگر طلاق کے علاوہ میں اس کی تقسیم ہوتی ہے۔ ''شیخی زادہ'' نے کہا: طلاق اس کے اس جز میں متحقق ہوگی۔ پھر طلاق تمام کی طرف سرایت کر جائے گی کیونکہ اس میں اشتراک ہے۔ پس طلاق تمام میں واقع ہوگی۔

13118۔(قولہ: لِعَدَمِ تَجَزِّيهِ) یہ الی جزء شائع منہا قول کی علت ہے ''ط''۔ اس میں یہ بھی ہے: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ طلاق کا وقوع ایک انگلی کی طرف طلاق منسوب کرنے سے بھی ہو جاتا ہے تو مناسب وہ تعلیل ہوگی جو ہم نے ابھی ''ہدایہ'' سے (مقولہ 13117 میں) ذکر کی ہے۔

13119۔(قولہ: وَلَوْ قَالَ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جز کی شائع کے ساتھ قید لگانا معین جز سے احتراز کے لیے نہیں ہے۔ اس کی دلیل وہ فرع ہے جو ذکر کی گئی ہے ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13120۔(قولہ: وَقَعَتْ بِبُخَارَى) یعنی اس میں متقدمین اور متاخرین سے کوئی نص موجود نہ تھی ''تاتر خانیہ''۔

وَبَعْضُهُمْ بِثَلَاثٍ عَمَلًا بِالْإِضَافَتَيْنِ خُلَاصَةٌ (وَإِذَا قَالَ الرَّقَبَةُ مِنْكِ أَوْ الْوَجْهُ أَوْ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى الرَّأْسِ وَالْعُنُقِ) أَوْ الْوَجْهِ (قَالَ هَذَا الْعُضْوُ طَالِقٌ لَمْ يَقَعْ فِي الْأَصَحِّ) لِأَنَّهُ لَمْ يَجْعَلْهُ عِبَارَةً عَنْ الْكُلِّ بَلْ عَنْ الْبَعْضِ؛ حَتَّى لَوْ لَمْ يَضَعْ يَدَهُ بَلْ قَالَ هَذَا الرَّأْسُ

اور بعض نے تین طلاقوں کا فتویٰ دیا دونوں اضافتوں پر عمل کرتے ہوئے۔ ''خلاصہ''۔ جب مرد نے کہا: تیری گردن یا تیرے چہرہ یا خاوند نے سر، گردن یا چہرے پر ہاتھ رکھا اور کہا: اس عضو کو طلاق ہے تو صحیح ترین قول کے مطابق طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس نے اس قول کو کل کی تعبیر کرنے والا نہیں بنایا بلکہ بعض کی تعبیر کرنے والا بنایا ہے یہاں تک اگر اس نے اپنا ہاتھ نہ رکھا بلکہ کہا: اس سر کو طلاق ہے

13121۔(قولہ: عَمَلًا بِالْإِضَافَتَيْنِ) کیونکہ سر نصف اعلیٰ میں ہے اور فرج نصف اسفل میں ہے۔ پس وہ طلاق کو اس کے سر اور اس کی فرج کی طرف مضاف کرنے والا ہوگا۔ ''طحطاوی'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہ معلوم ہو گیا ہے اگر ایک پر اقتصار کیا تو بالاتفاق صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ جب کہ دوسری صورت میں یہ ممنوع ہے جس طرح یہ ظاہر ہے ''نہر''۔ یعنی کیونکہ جس نے دونوں اضافتوں کی وجہ سے ایک طلاق کو واقع کیا تو اس نے یہ اعتبار نہیں کیا کہ فرج دوسری میں ہے۔ جب صرف دوسری اضافت پر اقتصار کیا تو بالاتفاق کیسے واقع ہوگی؟ ہاں اگر پہلی اضافت پر اکتفا کیا تو بالاتفاق طلاق واقع ہوگی۔ پھر جان لو کہ دونوں قولوں میں سے ہر ایک مشکل ہے۔ کیونکہ نصف اعلیٰ اور نصف اسفل مشترک جز نہیں۔ یہ امر ظاہر ہے اور یہ ان الفاظ میں سے بھی نہیں جس کے ساتھ پوری ذات کو تعبیر کیا جاتا ہو۔ پہلے قول میں سر کا ہونا اور دوسرے قول میں فرج کا ہونا یہ اسے اس طرح نہیں بناتا کہ اس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ جو قول (مقولہ 13115 میں) گزر چکا ہے کہ ایسے جز کی طرف طلاق کو مضاف کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جائے اور یہ مضاف کی تقدیر کی بنا پر ہے۔ یعنی اس جز کا نام جس طرح ''الفتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔ اور کہا: کیونکہ نفس جز کے ساتھ کل کی تعبیر متصور نہیں ہوتی۔ اس وقت نصف اعلیٰ میں موجود ذات رأس ہے اور نصف اسفل میں موجود ذات فرج ہے دونوں کے اسم نہیں جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جائے۔ اسی وجہ سے اگر اپنا ہاتھ عورت کے سر پر رکھا اور کہا: هذا الرأس طالق اسے طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہاتھ رکھنا قرینہ ہے کہ سر کی ذات کا ارادہ کیا ہے۔ جب ہاتھ کو سر پر نہ رکھا تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ اس وقت وہ اس ذات کے معنی میں ہوگا۔ فلیتامل

13122۔(قولہ: أَوْ الْوَجْهُ) یعنی تیرے چہرے کو، ''ط''۔

13123۔(قولہ: بَلْ عَنْ الْبَعْضِ) پہلی صورت میں منك کا قرینہ مذکور ہے اور دوسری صورت میں ہاتھ رکھنے کا قرینہ ہے۔

13124۔(قولہ: بَلْ قَالَ هَذَا الرَّأْسُ) اسی کی مثل ہوگا اس قول میں جس میں اسم ظاہر ہوتا ہے هذا الوجه او

طَالِقٌ وَأَشَارَ إِلَى رَأْسِهَا وَقَعَ فِي الْأَصَحِّ، وَلَوْ نَوَى تَخْصِيصَ الْعُضْوِ يَنْبَغِي أَنْ يُدَيَّنَ فَتْحٌ (كَمَا) لَا يَقَعُ (لَوْ أَضَافَهُ إِلَى الْيَدِ) إِلَّا بِنِيَّةِ الْمَجَازِ (وَالرِّجْلِ وَالدُّبُرِ وَالشَّعْرِ وَالْأَنْفِ وَالسَّاقِ وَالْفَخِذِ وَالظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَاللِّسَانِ وَالْأُذُنِ وَالْفَمِ وَالصَّدْرِ

اور عورت کے سر کی طرف اشارہ کیا تو صحیح ترین قول کے مطابق طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس نے عضو کی تخصیص کی تو چاہیے کہ دیانۃً طلاق ہو ”فتح“۔ جس طرح طلاق واقع نہیں ہوتی اگر وہ طلاق کو ہاتھ کی طرف منسوب کرے مگر جب مجاز کی نیت کرے۔ اور پاؤں، دبر، بال، ناک، پنڈلی، ران، پشت، پیٹ، زبان، کان، منہ، سینہ،

هذه الرقبة۔

ظاہر یہ ہے کہ رأس وغیرہ کے اسم کے ساتھ تعبیر کرنا ضروری ہے۔ اگر اس نے اس قول هذا العضو کے ساتھ تعبیر کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ جس کے ساتھ پوری ذات کو تعبیر کیا جاتا ہے رأس وغیرہ کا اسم ہے عضو کا اسم نہیں۔ یہ اسی کی مثل ہے جس کو ہم نے ابھی ابھی (مقولہ 13121 میں) بیان کیا ہے تامل۔

13125۔ (قولہ: وَقَعَ فِي الْأَصَحِّ) اسی وجہ سے اگر اس نے غیر سے کہا: بعت منك هذا الرأس بالف درهم میں نے تیرے ہاتھ یہ سر ایک ہزار درہم میں بیچا اور اپنے غلام کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ مشتری نے کہا: میں نے قبول کر لیا بیع جائز ہو جائے گی۔ ”بحر“ میں ”خانیہ“ سے منقول ہے۔

13126۔ (قولہ: فَتْحٌ) ہم نے ”فتح“ کی عبارت ایک صفحہ پہلے (مقولہ 13115 میں) ذکر کی ہے۔

13127۔ (قولہ: كَمَا لَا يَقَعُ لَوْ أَضَافَهُ إِلَى الْيَدِ) کیونکہ لوگوں میں اس کے ساتھ پوری ذات کی تعبیر مشہور نہیں۔ اگر کسی قوم میں یہ مشہور ہو جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13115 میں) اسے ”الفتح“ سے بیان کر دیا ہے۔

13128۔ (قولہ: إِلَّا بِنِيَّةِ الْمَجَازِ) یعنی بعض کا لفظ کل پر بولا گیا جب وہ مشہور نہ ہوا گر وہ اس میں مشہور ہو تو مجاز کی نیت کی ضرورت نہیں۔ ”الفتح“ میں ذکر کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے: امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کو جب ہاتھ پاؤں وغیرہ کی طرف حقیقۃً منسوب کیا تو وہ واقع ہو جائے گی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ طلاق کا محل عورت ہے کیونکہ یہ محل نکاح ہے۔ عورت کے اجزاء نکاح کا محل ہونا بطریق تبعیت ہے۔ پس طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب اسے عورت کی ذات کی طرف یا اس کے مشترک جز کی طرف منسوب نہ کیا جائے جو تصرفات کا محل ہو یا اس معین جز کی طرف طلاق کو منسوب کیا جائے جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جائے۔ امام ”شافعی“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا محل ہونا صحیح ہے جب کہ ہمارے نزدیک وہ طلاق کا محل نہیں رہی۔ یہ صورت کہ وہ کل سے مجاز ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی وہ جز ہاتھ ہو یا پاؤں ہو اس کے بعد کہ لغت کے اعتبار سے وہ صحیح ہو۔ تھوک اور ناخن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ پوری ذات کا مراد لینا صحیح نہیں۔

وَالذَّقَنِ وَالسِّنِّ وَالرِّيقِ وَالْعَرَقِ) وَكَذَا الثَّدْيُ وَالدَّمُ جَوْهَرَةٌ لِأَنَّهُ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ الْجُمْلَةِ، فَلَوْ عَبَّرَ بِهِ قَوْمٌ عَنْهَا وَقَعَ، وَكَذَا كُلُّ مَا كَانَ مِنْ أَسْبَابِ الْحُرْمَةِ لَا الْحِلِّ اتِّفَاقًا

ٹھوڑی، دانت، تھوک اور پسینہ کی طرف طلاق کی نسبت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح پستان اور خون کی طرف طلاق کی نسبت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی، ''جوہرہ''۔ کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ پوری ذات تعبیر نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی قوم ان میں سے کسی لفظ کے ساتھ پوری ذات مراد لیتی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح جو بھی حرمت کے اسباب ہیں ان کا بالاتفاق یہی حکم ہے نہ کہ جو حلت کے اسباب ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے یہ الفاظ تین طرح کے ہیں (۱) صریح نیت کے بغیر قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح گردن، (۲) کنایہ، نیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح ہاتھ (۳) جو نہ صریح ہیں اور نہ ہی کنایہ ہیں ان کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح تھوک، دانت، بال، ناخن، جگر، پسینہ اور دل۔

13129۔ (قولہ: وَالذَّقَنِ) میں کہتا ہوں: ٹھوڑی بول کر کل مراد لینا یہ اب مشہور عرف ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے لا ازالُ بخیرٍ مادامتْ هذه الذقنُ سالمةٌ میں ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہوں گا جب تک یہ ٹھوڑی سلامت ہے۔ پس چاہیے کہ ٹھوڑی بھی سر کی طرح ہو۔

13130۔ (قولہ: وَكَذَا فِي الثَّدْيِ وَالدَّمِ جَوْهَرَةٌ) میں کہتا ہوں: جو ''الجوہرہ'' میں ہے: جب مرد نے کہا تیرے خون کو طلاق۔ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ان دونوں میں سے صحیح یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ دم بول کر پوری ذات مراد لی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے: ذهب دمه هدرا۔ ''جوہرہ'' سے ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ ''النہر'' میں ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے طلاق کا واقع نہ ہونا صحیح ہے جس طرح متون کا ظاہر ہے۔

13131۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يُعَبَّرُ بِهِ) مذکورہ الفاظ کے ساتھ ذات کو تعبیر نہیں کیا جاتا، ''ط''۔

اگر کوئی قوم کسی لفظ سے پوری ذات مراد لیتی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی

13132۔ (قولہ: فَلَوْ عَبَّرَ بِهِ قَوْمٌ) جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی قوم پوری ذات مراد لیتی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ وہ جس بھی عضو کے ساتھ ذات کو تعبیر کریں تو اس کا حکم اسی طرح ہوگا۔ ''ابوسعود'' نے ''الدرر'' سے ذکر کیا ہے۔ ''حموی'' نے ''المحاکمات'' جو ''جلال زادہ'' کی تالیف ہے، سے نقل کیا ہے اس کی نص یہ ہے: ضروری ہے کہ طلاق کے معاملہ میں احتیاط سے کام لیا جائے جب ترکی زبان میں طلاق کو ہاتھ اور پاؤں کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ ترکی زبان میں دونوں کے ساتھ پوری ذات مراد لی جاتی ہے، ''ط''۔

13133۔ (قولہ: وَكَذَا) ''الفتح'' میں اس کی اصل ہے جہاں ذکر کیا: جن الفاظ کے ساتھ پوری ذات کو تعبیر نہیں کیا جاتا جس طرح ہاتھ، پاؤں، انگلی اور دبر جب طلاق کو اس کی طرف مضاف کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام ''زفر''، امام

(وَجُزْءُ الطَّلْقَةِ) وَلَوْ مِنْ أَلْفِ جُزْءٍ (تَطْلِيقَةٌ) لِعَدَمِ التَّجَزِّي، فَلَوْ زَادَتْ الْأَجْزَاءُ،

اور طلاق کا جزا گرچہ ہزارواں جز ہو ایک مکمل طلاق ہوگی۔ کیونکہ اس کی تقسیم نہیں ہوتی۔ اگر اجزاء زائد ہو گئے

''شافعی''، امام ''مالک'' اور امام ''احمد'' رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب طلاق کو بال، ناخن، دانت، تھوک اور پسینہ کی طرف منسوب کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ پھر کہا: آزادی، ظہار، ایلاء اور حرمت کے اسباب میں سے ہر سبب اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ اگر ظہار، ایلاء یا آزادی کو اس کی انگلی کی طرف منسوب کیا تو ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں اور ان علما کے نزدیک صحیح ہے۔ اسی طرح قصاص کو معاف کرنے کا معاملہ ہے جو حلت کے اسباب ہیں اس کی اس معین جز کی طرف نسبت صحیح نہیں جس کے ساتھ کل کو تعبیر نہیں کیا جاتا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس سے اس صورت کا حکم معلوم نہیں ہوا جس صورت میں نکاح کو مشترک جز یا ایسے جز کی طرف منسوب کیا جائے جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہاں ان کا قول گزرا ہے: عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا جب وہ کہے: تزوجت نصفك میں نے تیرے نصف سے عقد نکاح کیا یہ صحیح ترین قول کے مطابق بطور احتیاط ہے ''خانیہ''۔ بلکہ ضروری ہے کہ نکاح کو کل کی طرف منسوب کرے یا اس کی طرف منسوب کرے جس کے ساتھ کل کو تعبیر کیا جاتا ہو۔ اسی سے الظہر اور البطن ہے ''ذخیرہ''۔ طلاق میں اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے۔ پس فرق کی ضرورت ہوگی۔ ہم نے اس پر پہلے (مقولہ 11169 میں) گفتگو کی ہے جس نے ظہر اور بطن کی طرف نکاح کے منسوب کرنے کو صحیح کہا ہے انہوں نے طلاق کو ان اعضاء کی طرف منسوب کرنے کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ جس نے نکاح میں اس نسبت کو صحیح قرار نہیں دیا انہوں نے طلاق میں بھی اس کے عدم وقوع کو اپنایا ہے۔ پس فرق کی کوئی ضرورت نہیں۔

13134۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ أَلْفِ جُزْءٍ) جس طرح وہ کہے: تجھے طلاق کے ہزارویں جز میں ایک جز کے ساتھ طلاق ہے، ''ط''۔

13135۔ (قولہ: لِعَدَمِ التَّجَزِّي) طلاق میں تقسیم نہیں ہوتی طلاق کے جز کا ذکر اس کے کل کے ذکر کی طرح ہے تاکہ عاقل کی کلام کو لغو ہونے سے بچایا جائے۔ اسی وجہ سے شارع نے قصاص کے بعض کی معافی کو کل کی معافی قرار دیا ہے، ''نہر''۔ اسی وجہ سے اگر اس نے کہا: انت طالق طلقة و ربعا او نصفا تجھے ایک پوری اور چوتھائی یا نصف طلاق تو عورت پر دو طلاقیں ہو جائیں گی، ''جوہرہ''۔

طلاق کے جز سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی

13136۔ (قولہ: فَلَوْ زَادَتْ الْأَجْزَاءُ) یعنی ضمیر کی طرف طلاق منسوب کرنے کے ساتھ طلاق کے اجزاء زائد ہو گئے جس طرح تجھے نصف طلاق اور اس کا ایک تہائی اور ایک چوتھائی۔ تو اس طرح چھٹے کے نصف کے ساتھ ایک طلاق پر اجزاء زائد ہو گئے اس کے ساتھ ایک اور طلاق واقع ہوگی، ''ط''۔

وَقَعَ أُخْرَى وَهٰكَذَا مَا لَمْ يَقُلْ نِصْفَ طَلْقَةٍ وَثُلُثَ طَلْقَةٍ وَسُدُسَ طَلْقَةٍ فَيَقَعُ الثَّلَاثُ، وَلَوْ بِلَا وَاوٍ فَوَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ طَلْقَةً وَنِصْفَهَا فَثِنْتَانِ عَلَى الْمُخْتَارِ جَوْهَرَةٌ، وَكَذَا لَوْ كَانَ مَكَانَ السُّدُسِ رُبُعًا

تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اسی طرح ہوگا جب تک اس نے یہ نہ کہا: نصف طلاق اور ایک تہائی طلاق اور ایک طلاق کا چھٹا حصہ تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اگر اس نے یہ قول واؤ کے بغیر کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا: ایک طلاق اور اس کا نصف تو مختار مذہب کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی ''جوہرہ''۔ اسی طرح اگر چھٹے حصے کی جگہ چوتھائی کہا

13137۔(قولہ: وَهٰكَذَا) یعنی اگر اجزاء دو طلاقوں سے زائد ہو جائیں تو تین طلاقیں ہو جائیں گی جس طرح وہ کہے: تجھے ایک طلاق کے دو تہائی اور ایک طلاق کے تین چوتھائی اور ایک طلاق کے پانچ حصوں میں سے چار۔ ''حلبی''۔ ''فتح القدیر'' میں کہا: مرجع کے اتحاد میں صحیح ترین یہ ہے اگر چہ ایک کے اجزاء زائد ہو جائیں تو ایک واقع ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس نے اجزاء کو ایک طلاق کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''مبسوط'' میں اس پر نص قائم کی۔ پہلا قول مشائخ کی ایک جماعت کے ہاں پسندیدہ ہے۔ ''البحر'' میں کہا: صحیح ترین قول کے مطابق اگر خاوند نے کہا: تجھے ایک طلاق اور اس کا نصف تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ اگر ایک اور نصف کہا تو معاملہ مختلف ہے۔ ''الذخیرہ'' میں جو ہے اسے ''ہندیہ'' میں ''المحیط'' اور ''البدائع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن میں نے جو ''البدائع'' میں دیکھا ہے وہ یہ ہے اگر عدد ایک سے بڑھ جائے تو اسے ظاہر روایۃ میں ذکر نہیں کیا۔ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ بعض نے کہا: ایک طلاق واقع ہوگی۔

13138۔(قولہ: فَيَقَعُ الثَّلَاثُ) تو تین واقع ہوں گی کیونکہ اسم نکرہ کو جب دوبارہ نکرہ ذکر کیا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوگا تو ہر جز کامل ہو جائے گا۔ جب اس نے کہا نصف طلاق، اس کا ایک تہائی اور اس کا چھٹا حصہ تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس وقت ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ دوسری اور تیسری پہلے کا عین ہے۔ یہ مدخول بہا میں ہے۔ جہاں تک غیر مدخول بھا کا تعلق ہے تو تمام صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی، ''بحر''۔

13139۔(قولہ: وَلَوْ بِلَا وَاوٍ فَوَاحِدَةٌ) یعنی اس نے کہا: نصف طلاق، طلاق کا ایک تہائی اور طلاق کا چھٹا حصہ کیونکہ عطف کا حذف اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اجزاء ایک طلاق کے ہیں اور دوسرا پہلے کا بدل ہے اور تیسرا دوسرے کا بدل ہے۔ بدل یا تو مبدل منہ ہوتا ہے یا اس کا بعض ہوتا ہے۔

13140۔(قولہ: عَلَى الْمُخْتَارِ) یعنی مشائخ کی جماعت کے ہاں تو ''المبسوط'' سے یہ جان چکا ہے کہ مرجع کے متحد ہونے کی صورت میں صحیح ترین اس کے برعکس ہے۔ ''ذخیرہ'' اور ''المحیط'' میں کلام اس پر جاری ہے۔

13141۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ كَانَ مَكَانَ السُّدُسِ رُبُعًا) ''قہستانی'' کی عبارت کی نص جو ''المحیط'' سے منقول ہے وہ یہ ہے: اگر اس نے کہا: نصف طلاق اور طلاق کا ایک تہائی اور طلاق کا ایک چوتھائی تو مختار مذہب کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک طلاق واقع ہوگی اگر چوتھائی کی جگہ چھٹا حصہ ہو تو تین طلاقیں ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا

فَثِنْتَانِ عَلَى الْمُخْتَارِ، وَقِيلَ وَاحِدَةٌ قُهُسْتَانِيٌّ وَسَيَجِيءُ أَنَّ اسْتِثْنَاءَ بَعْضِ التَّطْلِيقِ لَغْوٌ بِخِلَافِ إِيقَاعِهِ
تو مختار مذہب کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک طلاق ہوگی ''قہستانی''۔ عنقریب یہ آئے گا کہ طلاق کے بعض کی استثنا لغو ہے۔ اس کے ایقاع کا معاملہ مختلف ہے۔

ہے: ایک طلاق ہوگی۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ ''قہستانی'' کی سبقت قلم ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں ایک پر صرف ایک جز زائد ہوا ہے۔ اور ''قہستانی'' نے تین طلاقیں بنا دیں اور پہلی صورت میں زائد ہوا تو واقع ہونے والی طلاقوں کو دو بنا دیا جب کہ ضروری ہے کہ دونوں صورتوں میں تین طلاقیں ہوں۔ کیونکہ اجزاء کا اعتبار مرجع کے متحد ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک اسم نکرہ کے لانے کا تعلق ہے تو ہر جز کا اعتبار ایک طلاق کے لحاظ سے ہوگا جس طرح پہلے (مقولہ 13138 میں) گزر چکا ہے کہ ''المحیط'' کی عبارت جس طرح طحطاوی نے ''ہندیہ'' سے نقل کی ہے وہ اس طرح ہے: اگر کہا: تجھے طلاق ہے، طلاق کا نصف، طلاق کا ایک تہائی اور طلاق کا چھٹا حصہ تو تین واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس نے ہر جز کو ایک ہی طلاق کی طرف مضاف کیا ہے جو نکرہ ہے۔ اگر اجزاء کا مجموعہ طلاق سے بڑھ جائے جیسے اس نے کہا: طلاق کا نصف، اس کا ایک تہائی اور اس کا ایک چوتھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک طلاق واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ یہی مختار مذہب ہے۔ ''محیط السرخسی'' میں اسی طرح ہے: یہی صحیح ہے۔ ''الظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔ ہم پہلے ''الفتح'' سے (مقولہ 13137 میں) نقل کر چکے ہیں کہ ''مبسوط'' میں ایک طلاق کے وقوع کو صحیح قرار دیا ہے۔ ہر صورت میں اختلاف کا موضوع وہ ضمیر کی طرف اضافت ہے اسم نکرہ کی طرف اضافت نہیں۔ لیکن میں نے ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے روایت دیکھی ہے جس کی نص یہ ہے: ''صدر شہید'' نے ''الواقعات'' میں ذکر کیا ہے: جب مرد نے عورت سے کہا: تجھے طلاق ہے طلاق کا نصف، طلاق کا ایک تہائی اور طلاق کا ایک چوتھائی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ یہی مختار ہے۔ ''الصدر الشہید'' نے جو ذکر کیا ہے اس پر قیاس کرنے کی بنا پر چاہیے کہ اس کے قول تجھے طلاق ہے طلاق کا نصف، طلاق کا ایک تہائی اور طلاق کا چھٹا حصہ تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ یہ اشکال کے اعتبار سے سب سے قلیل ہے گویا یہ اجزاء کے اعتبار پر مبنی ہے کہ وہ اسم نکرہ کی طرف مضاف ہے جس طرح وہ اسم ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ لیکن یہ اس کے خلاف ہے جسے ''البدائع''، ''الفتح''، ''النہر'' اور ''البحر'' میں یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ دونوں میں فرق ہوگا۔

13142۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) تعلیق کے آخر میں متن میں عنقریب آئے گا جہاں کہا: بعض طلاق کو خارج کرنا لغو ہے۔ طلاق واقع کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے کہا تجھے تین طلاقیں مگر نصف طلاق تو مختار مذہب کے مطابق تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ''الفتح'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دو طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ طلاق ایقاع میں تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ استثنا میں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ گویا کہا: مگر ایک۔

13143۔ (قولہ: بِخِلَافِ إِيقَاعِهِ) یعنی بعض کو واقع کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے یہاں ذکر کیا ہے۔

(وَ) يَقَعُ بِقَوْلِهِ (مِنْ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ أَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ إِلَى ثِنْتَيْنِ، وَاحِدَةٌ) بِقَوْلِهِ مِنْ وَاحِدَةٍ أَوْ مَا بَيْنَ وَاحِدَةٍ (إِلَى ثَلَاثٍ ثِنْتَانِ) الْأَصْلُ فِيمَا أَصْلُهُ الْحَظْرُ دُخُولُ الْغَايَةِ الْأُولَى فَقَطْ عِنْدَ الْإِمَامِ وَفِيمَا مَرْجِعُهُ الْإِبَاحَةُ كَخُذْ مِنْ مَالِي مِنْ مِائَةٍ إِلَى أَلْفٍ الْغَايَتَيْنِ اتِّفَاقًا

اس کے قول ایک سے دو تک یا ایک اور دو کے درمیان اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور اس کے قول ایک سے تین تک یا ایک اور تین کے درمیان سے دو طلاقیں واقع ہوں گی جن کی اصل ممنوع ہے اس میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ صرف پہلی غایت داخل ہوگی۔ اور جس کا مرجع اباحت ہو جس طرح تو میرے مال میں سے ایک سو سے لے کر ہزار تک لے لو تو بالاتفاق دونوں غایتیں داخل ہوں گی۔

13144۔ (قولہ: وَيَقَعُ) گویا مصنف کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ اس مسئلہ کو مابعد سے موخر کرتے جس طرح ''ہدایہ'' اور ''کنز'' میں کیا ہے تا کہ کلام اجزاء پر متصلاً واقع ہو۔

13145۔ (قولہ: فِيمَا أَصْلُهُ الْحَظْرُ) وہ مباح نہ ہو مگر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جس طرح طلاق ہے۔

13146۔ (قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: دونوں غایتیں داخل ہوں گی۔ پہلی صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ امام ''زفر'' نے کہا: پہلی صورت میں کوئی شے واقع نہ ہوگی۔ دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی قیاس ہے۔ کیونکہ دونوں غایتیں محدود میں داخل نہیں ہوتیں جس طرح میں نے تجھے یہ پلاٹ اس دیوار سے اس دیوار تک دیا۔ تینوں کا قول استحسان ہے عرف پر مبنی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ یہ کلام جب عرف میں ذکر کی جائے جب کہ دونوں غایتوں میں ایک عدد ہو تو مراد اکثر من الاقل اور اقل من الاکثر ہوتا ہے جس طرح تیرا یہ کہنا ہے: میری عمر ساٹھ سال سے ستر سال تک ہے یعنی ساٹھ سے اوپر اور ستر سے کم۔ اور یہ عرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انت طالق من واحدۃ الی ثنتین میں منتفی ہو گیا ہے۔ پس طالق کے لفظ کا عمل ضروری ہو گیا تو اس کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی۔ جس میں اصل اباحت ہو تو اس میں کل داخل ہوگا جس طرح کوئی کہے تو میرے مال میں سے ایک درہم لے کر دو دراہم تک لے لے۔ جس کی اصل ممنوع ہو تو پھر اس میں ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا ممنوع ہونا تمام کا ارادہ نہ ہونے کا قرینہ ہے مگر پہلی غایت ضرورۃً داخل ہوگی۔ کیونکہ اس کا وجود ضروری ہے تا کہ اس پر دوسری طلاق مرتب ہو۔ کیونکہ پہلی کے بغیر دوسری نہیں ہو سکتی۔ دوسری غایت کا معاملہ مختلف ہے۔ اور وہ تین ہے کیونکہ دوسری طلاق کا وقوع تیسری کے بغیر بھی صحیح ہے۔ جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے ایک سے دو تک۔ تو دوسری غایت کو داخل کرنے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ مذکورہ ضرورت نہیں۔ مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13147۔ (قولہ: الْغَايَتَيْنِ) یعنی دونوں غایتیں داخل ہوں گی اس لیے اسے تمام لینا جائز ہے یعنی مذکورہ مثال میں ہزار لینا جائز ہے جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ فافہم

(وَ) يَقَعُ (بِثَلَاثَةِ أَنْصَافِ طَلْقَتَيْنِ ثَلَاثَةٌ) وَقِيلَ ثِنْتَانِ (وَبِثَلَاثَةِ أَنْصَافِ طَلْقَةٍ أَوْ نِصْفَيْ طَلْقَتَيْنِ طَلْقَتَانِ، وَقِيلَ يَقَعُ ثَلَاثٌ) وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ (وَبِوَاحِدَةٍ فِي ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى الضَّرْبَ) لِأَنَّهُ يُكَثِّرُ الْأَجْزَاءَ لَا الْأَفْرَادَ

اور دو طلاقوں کے تین نصف سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور ایک طلاق کے تین نصف کے ساتھ یا دو طلاقوں کے دو نصف کے ساتھ دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تین طلاقیں واقع ہوں گی، پہلا قول اصح ہے۔ اور خاوند کے قول ایک دو میں تو ایک طلاق واقع ہوگی اگر نیت نہ کی یا ضرب کی نیت کی۔ کیونکہ ضرب کا عمل اجزاء کو کثیر کر دیتا ہے افراد کو کثیر نہیں بناتا۔

13148۔ (قولہ: ثَلَاثَةٌ) کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے۔ پس دو طلاقوں کے تین نصف بدیہی طور پر تین طلاقیں ہوں گی، ''نہر''۔

13149۔ (قولہ: وَقِيلَ ثِنْتَانِ) کیونکہ دو طلاقوں کو نصف نصف کیا جائے تو چار نصف بنتے ہیں۔ اس کے تین نصف ایک پوری طلاق اور ایک نصف ہوگا۔ پس دو طلاقیں مکمل ہو جائیں گی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس توہم کا منشا ہمارے قول کا اشتباہ ہے: نصفنا تطليقتين اور نصفنا كلا من تطليقتين۔ دوسرا قول چار نصفوں کو ثابت کرنے والا ہے۔ لفظ اگرچہ اس کا احتمال رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر اس نے نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن ظاہر کے خلاف ہے ''نہر''۔ ''الفتح'' میں کہا: کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے نہ کہ دو طلاقوں کے دو نصف ہیں۔

13150۔ (قولہ: أَوْ نِصْفَيْ طَلْقَتَيْنِ) یعنی دو طلاقوں کے دو نصف اس طرح تین طلاقوں کا نصف ہے۔ اگر کہا: دو طلاقوں کا نصف تو ایک طلاق ہوگی یا تین طلاقوں کے دو نصف تو تین واقع ہوں گی، ''بحر''۔

13151۔ (قولہ: طَلْقَتَانِ) کیونکہ یہ ایک پوری طلاق اور نصف ہوگی۔ پس نصف مکمل ہو جائے گی اور دو طلاقوں کے دو نصفوں میں ہر نصف مکمل ہوگا تو دو طلاقیں حاصل ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ ایک طلاق کے تہائی کے چار اور ایک طلاق کے چوتھائی کے پانچ ایک طلاق کے تین نصف کی طرح ہو۔ ''تامل''

13152۔ (قولہ: وَقِيلَ يَقَعُ ثَلَاثٌ) کیونکہ ہر نصف اپنی جگہ مکمل ہو جاتا ہے پس یہ تین ہو جائیں گی۔

13153۔ (قولہ: وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ) ''البحر'' میں کہا: ''جامع صغیر'' میں یہی منقول ہے۔ ''ناطفی'' نے اسے اختیار کیا ہے ''عتابی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ پھر تنصیف کی بارہ صورتیں ذکر کی ہیں اور ان کے احکام ذکر کیے ہیں اس کی طرف رجوع کرو۔

13154۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُكَثِّرُ الْأَجْزَاءَ) یعنی ضرب کا عمل مضروب کے اجزاء کی تکثیر میں مؤثر ہے۔ عدد کے زیادہ

(وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ فَثَلَاثٌ) لَوْ مَدْخُولًا بِهَا (وَفِي غَيْرِ الْمَوْطُوءَةِ وَاحِدَةٌ) كَ قَوْلِهِ لَهَا

اور اگر ایک اور دو کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی۔ اگر وہ عورت ایسی ہو جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو۔ اور اگر مدخول بہا نہ ہو تو ایک طلاق ہوگی۔

کرنے میں مؤثر نہیں۔ وہ طلاق جس کے اجزاء کو اس نے زائد کیا ہے وہ ایک طلاق سے زائد نہیں ہوتے۔ اگر ضرب کے عمل سے عدد میں اضافہ ہو جاتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ ایک درہم کو سو میں ضرب دیتا تو وہ سو درہم ہو جاتا۔ پھر سو کو ہزار میں ضرب دیتا تو وہ ایک لاکھ ہو جاتے۔ امام ''زفر''، ''حسن بن زیاد'' اور تینوں ائمہ نے کہا: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ اہل حساب کا اس میں عرف یہ ہے دو عددوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ بڑھانا۔ ''الفتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ عرف مانع نہیں۔ فرض یہ ہے کہ اس نے اس کے عرف کے مطابق کلام کی ہے اور اسی کا ارادہ کیا ہے تو یہ کلام اس طرح ہوگئی جس طرح اس نے کسی دوسری زبان جیسے فارسی وغیرہ میں طلاق دی جب کہ وہ اسے جانتا بھی تھا۔ اور الزامی دلیل اگر یہ اسی طرح ہوتا تو دنیا میں کوئی فقیر نہ رہتا یہ لازم نہیں۔ کیونکہ ایک درہم کو سو میں ضرب دینا اگر یہ اخبار ہو جس طرح اس کا قول ہے عندی درھم فی مأۃ تو یہ جھوٹ ہے۔ اگر یہ انشا ہے کہ میں نے اسے سو بنا دیا ہے تو یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے قول کے ساتھ وہ سو درہم نہیں بنتا۔ ''غایۃ البیان'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کا جو جواب دیا ہے کہ اس کا قول فی ثنتین حقیقت میں ظرف ہے جبکہ یہ ظرف کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جب یہ ظرف کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس میں نہ عرف معتبر ہے اور نہ ہی نیت معتبر ہے جس طرح وہ اپنے اس قول اسقنی ماء مجھے پانی پلا، سے طلاق کی نیت کرے۔ کیونکہ اس کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ''مقدسی'' نے اس کا اس طرح رد کیا ہے کہ لفظ صریح ہے یعنی اہل حساب کے لیے حقیقت عرفیہ ہے اپنے معنی عرفی میں صریح ہے۔ اسی طرح ''النہر'' اور ''المنح'' میں اس کا رد کیا ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا، امام ''زفر'' کے قول پر جن مسائل میں فتویٰ دیا جاتا ہے یہ مسئلہ ان پر زائد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ''ابن ہمام'' اہل ترجیح میں سے ہیں جس طرح صاحب ''البحر'' نے کتاب القضاء میں اس کی تصریح کی ہے۔

13155۔ (قولہ: فَثَلَاثٌ) کیونکہ کلام اس کا احتمال رکھتی ہے۔ کیونکہ واؤ جمع کے لیے ہے۔ اور ظرف مظروف کے ساتھ جمع ہوتی ہے تو یہ صحیح ہوگا کہ اس کے ساتھ واؤ کے معنی کا ارادہ کیا جائے ''بحر''۔ اس میں اپنی ذات پر تشدید ہے، ''نہر''۔

13156۔ (قولہ: لَوْ مَدْخُولًا بِهَا) اگرچہ حکماً مدخول ہوتا کہ یہ قول اسے بھی شامل ہو جائے جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو۔ کیونکہ عدت میں طلاق اسے احتیاطاً لاحق ہوتی ہے۔ یہی صواب کے زیادہ قریب ہے جس طرح باب المہر میں خلوت کے احکام میں (مقولہ 12049 میں) گزر چکا ہے۔ ہم نے اس پر وہاں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

13157۔ (قولہ: كَ قَوْلِهِ لَهَا) جس طرح خاوند غیر موطوءہ کو کہے: تجھے ایک اور دو طلاقیں۔ کیونکہ ایسی بیوی ایک طلاق کے ساتھ جدا ہو جاتی ہے اسے عدت کے ختم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں مابعد اسے لاحق نہیں ہوتا۔

(وَاحِدَةٌ وَثِنْتَيْنِ) لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لِلثِّنْتَيْنِ مَحَلٌّ (وَإِنْ نَوَى مَعَ الثِّنْتَيْنِ فَثَلَاثٌ) مُطْلَقًا (وَ) يَقَعُ (بِثِنْتَيْنِ) فِي ثِنْتَيْنِ وَلَوْ (بِنِيَّةِ الضَّرْبِ ثِنْتَانِ) لِمَا مَرَّ وَلَوْ نَوَى مَعْنَى الْوَاوِ أَوْ مَعَ فَكَمَا مَرَّ (وَ) بِقَوْلِهِ (مِنْ هُنَا إِلَى الشَّامِ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ) مَا لَمْ يَصِفْهَا بِطُولٍ أَوْ كِبَرٍ فَبَائِنَةٌ (وَ) أَنْتِ طَالِقٌ (بِمَكَّةَ أَوْ فِي مَكَّةَ أَوْ فِي الدَّارِ أَوْ الظِّلِّ أَوْ الشَّمْسِ أَوْ ثَوْبِ كَذَا تَنْجِيزٌ يَقَعُ لِلْحَالِ

جس طرح خاوند اسے کہے ایک اور دو تو دو کا محل باقی نہ رہا اگر دو کے ساتھ کی نیت کی تو طلاقیں تین واقع ہو جائیں گی۔ اور دو طلاقیں دو میں اگر ضرب کی نیت کی تو دو واقع ہوں گی اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اگر اس نے واؤ یا مع کے معنی کی نیت کی تو جس طرح گزر چکا ہے اور اس کے قول یہاں سے لے کر شام تک تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جب تک طول یا کبر کے ساتھ اس کی صفت نہ لگائے۔ اگر اس کے ساتھ صفت لگائے تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور اس کا قول تجھے مکہ میں، گھر میں، سائے میں، دھوپ میں، یا فلاں کپڑے میں طلاق تو یہ حتمی طلاق ہوگی معلق نہ ہوگی اور اسی وقت طلاق ہو جائے گی۔

13158۔(قوله: فَثَلَاثٌ) کیونکہ فی میں مع کا معنی ثابت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ (الاحقاف:16) اب تو یہ صورت اسی طرح ہوگئی جس طرح وہ کہے: تجھے ایک طلاق دو کے ساتھ۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13159۔(قوله: مُطْلَقًا) خواہ وہ عورت ایسی ہو جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں، ''ح''۔

13160۔(قوله: لِمَا مَرَّ) مراد یہ قول ہے: لانه یکثر الاجزاء لا الافراد ''حلبی''۔ یعنی ضرب کا عمل اجزاء کو زیادہ کرتا ہے افراد کو زیادہ نہیں کرتا۔

13161۔(قوله: فَكَمَا مَرَّ) اگر فی کو واؤ کے معنی میں کیا تو مدخول بہا میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور غیر مدخول بہا میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور فی کو مع کے معنی میں کیا تو مطلقاً تین طلاقیں ہوں گی ''ح''۔

13162۔(قوله: وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ) کیونکہ اس نے طلاق کی صفت قصر (تھوڑی جگہ) کے ساتھ لگائی ہے [illegible] جب طلاق واقع ہوتی ہے تو ہر جگہ واقع ہو جاتی ہے۔ طلاق کو شام کے ساتھ خاص کرنا یا اسے محدود [illegible] محدود ہونے کا احتمال نہیں رکھتی۔ پس اس کے حکم میں کمی ہوگی جو رجعی کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کی [illegible] صورت میں ہوگی۔ کیونکہ خاوند نے طلاق کی صفت عظم اور بڑے کے ساتھ نہیں لگائی [illegible] طلاق مکان کا احتمال نہیں رکھتی۔ پس اس کے ساتھ شدت کی زیادتی ثابت نہ ہوگی ''نہر''۔

13163۔(قوله: أَوْ ثَوْبِ كَذَا) جب کہ اس پر [illegible]

13164۔(قوله: يَقَعُ لِلْحَالِ) [illegible]

(كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ مَرِيضَةً أَوْ مُصَلِّيَةً) أَوْ أَنْتِ مَرِيضَةٌ أَوْ أَنْتِ تُصَلِّينَ (وَيُصَدَّقُ) فِي الْكُلِّ (دِيَانَةً) لَا قَضَاءً (وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ إِذَا) دَخَلْتِ أَوْ إِذَا (لَبِسْتِ أَوْ إِذَا مَرِضْتِ) وَنَحْوَ ذَلِكَ فَيَتَعَلَّقُ بِهِ كَقَوْلِهِ إِلَى سَنَةٍ أَوْ إِلَى رَأْسِ الشَّهْرِ أَوْ الشِّتَاءِ (وَإِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ تَعْلِيقٌ) وَكَذَا فِي دُخُولِكِ الدَّارَ أَوْ فِي لُبْسِكِ ثَوْبَ كَذَا أَوْ فِي صَلَاتِكِ

جس طرح اس کا قول تجھے طلاق حالت مرض میں یا نماز پڑھنے کی حالت میں تو فوری حتمی طلاق واقع ہو جائے گی۔ دیانۃً سب میں اس کی تصدیق کی جائے گی قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر وہ کہے میں نے یہ ارادہ کیا تھا جب تو داخل ہو یا جب تو لباس پہنے یا جب تو مریض ہو وغیرہ تو طلاق رجعی کے ساتھ متعلق ہو جائے گی۔ جس طرح اس کا قول ہے سال تک، مہینہ کے سرے تک یا موسم سرما تک جب تو مکہ میں داخل ہو تو یہ تعلیق ہے۔ اسی طرح تیرے گھر میں داخل ہونے پر یا تیرے فلاں کپڑا زیب تن کرنے میں یا تیری نماز

معدوم ہے۔ جس نے یہ ارادہ کیا کہ طلاق کے وجود کو امر معدوم کے وجود پر معلق کرے شارع نے یہ بنا دیا کہ طلاق اس امر کے پائے جانے پر پائی جائے۔ افعال اور زمان دونوں اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں فی الحال معدوم ہیں مکان کا معاملہ مختلف ہے مکان عین ثابت ہے۔ طلاق کا اس پر منحصر ہونا متصور نہیں ہو سکتا۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13165۔ (قولہ: لَا قَضَاءً) کیونکہ اس میں اس کی ذات پر تخفیف پائی جاتی ہے، ''بحر''۔

13166۔ (قولہ: فَيَتَعَلَّقُ) اس کا عطف ویصدق پر ہے۔ اور اس کے قول بہ سے مراد صورتوں میں مذکورہ شرط ہے، ''ط''۔

13167۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ إِلَى سَنَةٍ) ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر اس نے کہا: تجھے رات تک، مہینہ تک، سال تک، موسم گرما تک، موسم سرما تک، موسم بہار تک اور موسم خزاں تک طلاق ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں: یا تو وہ طلاق کے وقوع کی اس وقت نیت کرے گا جب وہ وقت پایا جائے جس کی طرف طلاق کو منسوب کیا گیا تو طلاق اس وقت کے گزرنے کے بعد واقع ہوگی۔ یا وہ طلاق کے واقع ہونے کی نیت کرے گا اور وقت کو لمبا ہونے کے لیے بناتا ہے تو وہ اسی وقت واقع ہو جائے گی۔ یا اس کی اصلا نیت نہ ہوگی تو ہمارے نزدیک وقت کے بعد طلاق واقع ہوگی۔ امام ''زفر'' کے نزدیک فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام ''زفر'' نے اس پر قیاس کیا ہے جب غایۃ کو مکان بنایا جس طرح مکہ تک، بغداد تک تو غایت باطل ہوگی اور طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی۔

13168۔ (قولہ: تَعْلِيقٌ) کیونکہ اس کی حقیقت پائی جا رہی ہے، ''بحر''۔

13169۔ (قولہ: وَكَذَا) پس یہ فعل کے ساتھ مشروط ہوگی تو اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ فعل کرے، ''بحر''۔

13170۔ (قولہ: أَوْ فِي صَلَاتِكِ) اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ رکوع اور سجود کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں تک وہ سجدہ سے سر اٹھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں تک کہ قعدہ پایا جائے ''تاتر خانیہ''۔

وَنَحْوِ ذٰلِكَ لِأَنَّ الظَّرْفَ يُشْبِهُ الشَّرْطَ، وَلَوْ قَالَ لِدُخُولِكِ أَوْ لِحَيْضِكِ تَنْجِيزٌ؛ وَلَوْ بِالْبَاءِ تَعْلِيقٌ، وَفِي حَيْضِكِ وَهِيَ حَائِضٌ فَحَتّٰى تَحِيضَ أُخْرٰى،

وغیرہ میں۔ کیونکہ ظرف شرط کے مشابہ ہے۔ اگر خاوند نے کہا: لدخولك او لحیضك یعنی دخول اور حیض سے پہلے لام ذکر کیا تو فی الحال طلاق ہو جائے گی۔ اگر لام کی جگہ با کا لفظ ذکر کیا تو یہ تعلیق ہوگی۔ اگر خاوند نے فی حیضك کا لفظ ذکر کیا جب وہ حائضہ تھی تو اس وقت اسے طلاق ہوگی جب اسے دوسرا حیض آئے گا۔

13171۔ (قولہ: وَنَحْوِ ذٰلِكَ) جس طرح اس کا قول فی مرضك او وجعك تیری مرض میں یا تیرے درد میں۔ کیونکہ فعل اختیاری اور غیر اختیاری میں کوئی فرق نہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے،''ط''۔

13172۔ (قولہ: لِأَنَّ الظَّرْفَ يُشْبِهُ الشَّرْطَ) کیونکہ مظروف ظرف کے بغیر نہیں پایا جاتا جس طرح مشروط شرط کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ جب ظرف کا معنی لینا ممکن نہ ہو تو اسے شرط کے معنی پر محمول کیا جائے گا،''نہر''۔

13173۔ (قولہ: تَنْجِيزٌ) زیادہ بہتر تنجز تھا کہ یہ فعل ماضی ہو جو لو کا جواب ہو جس طرح اس کے بعد کہا: تعلق یہ فعل ماضی ہے طلاق فی الحال واقع ہوگی۔ کیونکہ اس نے فی الحال طلاق واقع کی ہے اور اس کی علت مذکورہ چیز کے ساتھ بیان کی ہے۔ پس طلاق واقع ہو جائے گی خواہ حقوق زوجیت یا حیض پایا گیا یا نہ پایا گیا،''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ طلاق معلق ہو اگر لام سے وقت کی نیت کرے جس طرح اس ارشاد میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (الاسراء: 78)

13174۔ (قولہ: وَلَوْ بِالْبَاءِ تَعْلِيقٌ) کیونکہ با الصاق کے معنی میں ہے۔ اس نے طلاق کو واقع کیا ہے جب کہ وہ مذکورہ چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو طلاق اس کے ساتھ ہی واقع ہوگی،''رحمتی''۔

اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق فی حیضك تو اس کا شرعی حکم

13175۔ (قولہ: وَفِي حَيْضِكِ) ''البدائع'' میں کہا ہے: جب خاوند نے کہا: انت طالق فی حیضك و مع حیضك تو جونہی وہ خون دیکھے گا اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ خون تین دن لگاتار آئے۔ کیونکہ فی کا کلمہ ظرف کے لیے ہے اور حیض ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اسے شرط بنا دیا جائے گا۔ مع کا کلمہ مقارنہ کے لیے ہے جب تین دن لگاتار خون آئے تو اس سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ اپنے پائے جانے کے وقت سے حیض ہے تو اس وقت سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر کہا: فی حیضتك یعنی حیض کے آخر میں تا کا لفظ ذکر کیا تو جب اسے حیض نہ آئے اور وہ حیض سے پاک نہ ہو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ حیضہ کا لفظ کامل حیض کا نام ہے۔ اور کمال یہ طہر کے اس کے ساتھ ملنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر اس قول کے وقت وہ حالت حیض میں ہو تو تمام فصول میں طلاق واقع نہ ہوگی جب تک وہ اس حیض سے پاک نہ ہو اور اسے ایک اور حیض نہ آئے۔ کیونکہ اس نے حیض کو طلاق کے وقوع کی شرط بنایا ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جو معدوم ہو اور پائے جانے کے قریب ہو وہ آنے

وَفِي حَيْضَتِكِ فَحَتَّى تَحِيضَ وَتَطْهُرَ وَفِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ تَنْجِيزٌ، وَفِي مَجِيءِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ تَعْلِيقٌ بِمَجِيءِ الثَّالِثِ سِوَى يَوْمِ حَلِفِهِ لِأَنَّ الشُّرُوطَ تُعْتَبَرُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ،

اگر فی حیضتك کے لفظ کو ذکر کیا تو اس وقت طلاق ہوگی جب اسے حیض آئے اور حیض سے پاک ہو۔ اور اس قول میں کہ تجھے طلاق ہے تین دنوں میں تو یہ فی الحال طلاق ہوگی اور اس قول میں کہ تین دنوں کے آنے میں طلاق ہے تو یہ تعلیق ہے تیسرے دن کے آنے پر جب کہ وہ تیسرا دن اس کے سوا ہو جس روز قسم اٹھائی تھی۔ کیونکہ شروط مستقبل میں معتبر ہوتی ہیں

والا حیض ہے نہ کہ وہ حیض جو اس وقت موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ طلاق واقع ہو جائے اگر وہ موجود حیض کی مدت میں طلاق کے وقوع کی نیت کرے تامل۔ ''الجوہرۃ'' میں ہے: اگر مرد نے عورت سے کہا جب کہ وہ حائضہ تھی: اذا حضت۔ جب تجھے حیض آئے تو یہ قول آنے والے حیض پر محمول ہوگا۔ اگر اس نے وہ مراد لیا جو اس حیض سے نیا پیدا ہوتا ہے تو وہی معنی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔ کیونکہ حیض لحہ بہ لحہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا قول جو حاملہ کے لیے ہے وہ اس سے مختلف ہوگا جب تو حاملہ ہو اور اس حمل کی نیت کی تو وہ حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کے متعدد اجزاء نہیں ہوتے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: مرد نے حائضہ عورت سے کہا: جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق۔ تو طلاق آنے والے حیض پر مرتب ہوگی۔ اگر مرد نے عورت سے کہا: جب تجھے کل حیض آئے تو یہ قول اس پر محمول ہوگا کہ اس کا خون اگلے دن کی فجر تک جاری رہے۔ کیونکہ اگلے دن نئے حیض کے واقع ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس اسے دوام پر محمول کیا جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کہا اذا مرضت جب کہ وہ مریضہ ہو (اسے بھی دوام پر محمول کیا جائے گا)۔ جب وہ صحت مند کو کہے اذا صححت جب تو صحت مند ہو جائے تو جونہی وہ خاموش ہوگا طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ صحت ایسا امر ہے جو ممتد ہے تو اس امر کے دوام کے لیے ابتدا کا حکم ہوگا۔ جس طرح جو آدمی کھڑا ہوا اسے کہے: اذا قمت جب تو کھڑا ہو اور بیٹھنے والے کو کہے اذا قعدت جب تو بیٹھے، اور مملوک کو کہے جب میں تیرا مالک بنوں۔ حیض اور مرض اگرچہ ممتد ہوتے ہیں مگر شرع نے مجموعہ کے ساتھ احکام کو متعلق کیا ہے جو اس کے ہر جز کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے تو تمام کو ایک شے بنا دیا۔

13176۔ (قولہ: وَفِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ تَنْجِيزٌ) کیونکہ وقت ظرف بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ عورت کو طلاق ہے جب اسے کسی وقت میں طلاق ہوگی تو تمام اوقات میں اسے طلاق ہوگی، ''بحر''۔

13177۔ (قولہ: بِمَجِيءِ الثَّالِثِ) کیونکہ مجیء آنا فعل ہے اس کا ظرف بننا صحیح نہیں پس یہ شرط ہوگا، ''بحر''۔

13178۔ (قولہ: لِأَنَّ الشُّرُوطَ تُعْتَبَرُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ) یہ قول سوی یوم حلفه کی علت ہے۔ کیونکہ دن کے آنے سے مراد دن کے اول جز کا آنا ہے۔ کہا جاتا ہے: جاء یوم الجمعة کما طلع الفجر جمعہ کا دن آ گیا جونہی فجر طلوع ہوئی جاء الیوم الاول جس کا پہلا جز گزر گیا ہو ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

اس کا یہ حکم اس وقت ہوگا اگر اس نے دن کے وقت قسم اٹھائی۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر رات کے وقت اس نے کہا:

وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ لَغْوٌ، وَقَبْلَهُ تَنْجِیزٌ ای حالا وَفِی طَالِقٌ تَطْلِیقَةً حَسَنَةً فِی دُخُولِكِ الدَّارَ إِنْ رَفَعَ حَسَنَةً تَنَجَّزَ وَإِنْ نَصَبَهَا تَعَلَّقَ وَسَأَلَ الْكِسَائِيُّ مُحَمَّدًا عَمَّنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ

اور یوم قیامت لغو ہے اور یوم قیامت سے پہلے تو طلاق فی الحال واقع ہو گی اور اس قول میں انت طالق تطلیقة حسنة فی دخولك الدار میں اگر حسنة کو رفع دیا تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی اگر حسنة کو نصب دی تو طلاق معلق ہو گی امام ''کسائی'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی سے کہا۔

انت طالق فی مجیء ثلاثة ایام تو جونہی تیسرے دن کی فجر صادق طلوع ہو گی اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے کہا: انت طالق فی مضی ثلاثة ایام اگر اس نے یہ رات کے وقت کہا تھا تو تیسرے دن کے سورج کے غروب ہونے کے ساتھ اسے طلاق ہو جائے گی۔ ''الجامع'' کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور بعض نسخوں میں ہے: اسے طلاق نہ ہو گی یہاں تک چوتھی رات کی وہ گھڑی نہ آئے جس گھڑی میں اس نے قسم اٹھائی تھی۔ ''قدوری'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

13179۔ (قولہ: لَغْوٌ) کیونکہ قیامت کے روز احکام شرع کے مکلف ہونے کو اٹھا دیا گیا ہے۔ طلاق فی الحال واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے طلاق کے وقوع کو معین زمانہ میں خاص کیا ہے اور زمانہ ایقاع طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے مگر ایک مانع اس میں ایقاع طلاق کے مانع ہے، ''ط''۔

13180۔ (قولہ: وَقَبْلَهُ تَنْجِیزٌ) کیونکہ وسیع و عریض ظرف ہے تو یہ تکلم کے وقت بھی صادق آتی ہے، ''ط''۔

13181۔ (قولہ: إِنْ رَفَعَ) فرق یہ ہے کہ حسنۃ کا لفظ جب مرفوع ہو تو یہ عورت کی صفت ہے تو یہ لفظ فاصل ہو گا اور نصب کی صورت میں تو یہ لفظ تطلیقة کی صفت ہو گی پس یہ لفظ فاصل نہ ہو گا۔ ''نہر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے یعنی جب اجنبی فاصل نہ ہوا تو خاوند کا قول فی دخولك جملہ مستانفہ نہ ہو گا بلکہ یہ طالق کے متعلق ہو گا پس اس کے ساتھ مقید ہو گا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

13182۔ (قولہ: وَسَأَلَ الْكِسَائِيُّ مُحَمَّدًا) ''ابن ہشام'' نے ''المغنی'' میں جو ذکر کیا اس کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''ابن ہشام'' کا قول باب اول میں لام کی بحث میں ہے۔ ہارون رشید نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں سوال کر رہا تھا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ ایک نحوی فقہی مسئلہ ہے، اگر میں کہوں گا تو میں خطا سے محفوظ نہیں ہوں گا میں نے ''کسائی'' سے پوچھا ہے تو انہوں نے کہا: اگر اس نے ثلاثا کو رفع دیا تو اسے ایک طلاق واقع ہو گی کیونکہ اس نے کہا: انت طالق پھر خبر دی کہ مکمل طلاق تین ہیں، اگر اس نے ثلاثا کو نصب دی تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی کیونکہ اس کا معنی ہے انت طالق ثلاثا اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے ملخصا۔

''الفتح'' میں کہا: غلط ہونے کے بعد یہ اجتہاد کے مقام کی معرفت سے بعید ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مجتہد عربی زبان اور اس کے اسالیب سے آگاہ ہو۔ کیونکہ اجتہاد ادلہ سمعیہ عربیہ میں واقع ہوتا ہے۔ ثقہ لوگوں نے

فَإِنْ تَرْفُقِي يَا هِنْدُ فَالرِّفْقُ أَيْمَنُ	وَإِنْ تَخْرَقِي يَا هِنْدُ فَالْخُرْقُ أَشْأَمُ
فَأَنْتِ طَلَاقٌ وَالطَّلَاقُ عَزِيمَةٌ	ثَلَاثٌ وَمَنْ يَخْرَقْ أَعَقُّ وَأَظْلَمُ

اے ہند اگر تو نرمی کرے تو نرمی مبارک ہے اور اگر تو بدمزاجی کرے اے ہند تو بدمزاجی نا مبارک ہے۔ تجھے طلاق ہے اور طلاق تو عزیمت کی چیز ہے تین بار اور جو سختی اور بدمزاجی کرتا ہے وہ نافرمان اور ظالم ہے۔

جو نقل کیا ہے وہ اس کے برعکس ہے کہ جب یہ خط پہنچا تو جس نے فتویٰ پڑھا اس سے یہ منقول ہے کہ خط بھیجنے والے امام ''کسائی'' تھے انہوں نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ بن حسن کی طرف خط بھیجا تھا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں کوئی تعلق واسطہ نہ تھا اور نہ ہی ہارون الرشید کا عمل دخل تھا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سے بہت بالا ہے کہ وہ اپنی امامت، اجتہاد اور تصرفات الفاظ کے مقتضیات میں ان میں عمدہ مہارت کے رکھنے کے باوجود اس جیسی ترکیب میں الفاظ کے مقتضیات کو سمجھنے کے لیے کسی کے محتاج ہوں۔ ''المبسوط'' میں ہے: ''ابن سماعہ'' نے ذکر کیا کہ امام کسائی نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف فتویٰ بھیجا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ مجھے دیا میں نے وہ فتویٰ آپ پر پڑھا تو اس کے جواب میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کہا جو گزر چکا ہے۔ امام ''کسائی'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو مستحسن خیال کیا۔

''حلبی'' نے ''مغنی'' کے حاشیہ جو ''جلال الدین سیوطی'' کا ہے ذکر کیا ہے کہ یہی ''تاریخ الخطیب البغدادی'' سے مروی ہے۔

13183۔ (قولہ: فَإِنْ تَرْفُقِي) ان دو شعروں کے بعد ایک تیسرا شعر ہے۔ وہ یہ ہے۔

فَبِينِي بِها ان كنتِ غيرَ رفيقةٍ　　وما لامرئٍ بعد الثلاثِ مقدَّمُ

اگر تو نرمی کرنے والی نہیں تو اس کے ساتھ جدا ہو جا اور تین کے بعد مرد کے لیے مقدم نہیں۔

''النہر'' میں کہا: ''جلال الدین سیوطی'' کی ''شرح الشواہد'' میں ہے: رفق عنف کی ضد ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: رَفَقَ يرفُقُ اور خرق خا کے ضمہ اور را کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ خرق یخرق خرقا سے اسم ہے یہ رفق (نرمی) کی ضد ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: اس کی ماضی کسرہ کے ساتھ ہے جس طرح فَرِحَ ہے اور ضمہ کے ساتھ ہے جس طرح کَرُمَ ہے۔ ایمن یہ یمن سے مشتق ہے جس کا معنی برکت ہے۔ اشأم یہ شؤم سے ہے جو یمن کی ضد ہے۔ ''ابن یعیش'' نے ذکر کیا کہ دوسرے مصرعہ میں فا اور مبتدا حذف ہے یعنی فھو اعقّ تھا ان تعلیلیہ ہے لام مقدرہ ہے یعنی اس لیے کہ تو نرم خو نہیں۔ المقدم یہ قدم سے مصدر میمی ہے جو تقدم کے معنی میں ہے یعنی تین طلاقوں کے مکمل ہونے کے بعد کسی ایک کے لیے معاشرت اور الفت کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ جدائی مکمل ہو جاتی ہے۔

فانت طلاق (تجھے طلاق ہے) اور الطلاق عزیمۃ (طلاق عزیمت ہے) کا معنی

13184۔ (قولہ: فَأَنْتِ طَلَاقٌ) اس بارے میں وہی گفتگو کی جاسکتی ہے جو اس قول کی جاتی ہے زید عدل، ''ط''۔

13185۔ (قولہ: وَالطَّلَاقُ عَزِيمَةٌ) طلاق تو عزیمت کی چیز ہے یہ لغو اور کھیل نہیں، ''نہر''۔

كَمْ يَقَعُ؟ فَقَالَ إِنْ رَفَعَ ثَلَاثًا فَوَاحِدَةٌ، وَإِنْ نَصَبَهَا فَثَلَاثٌ، وَتَمَامُهُ فِي الْمُغْنِي وَفِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمُلْتَقَى (وَ بِ) قَوْلِهِ (أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا أَوْ فِي غَدٍ يَقَعُ عِنْدَ) طُلُوعِ (الصُّبْحِ، وَصَحَّ فِي الثَّانِي نِيَّةُ الْعَصْرِ) أَيْ آخِرِ النَّهَارِ

''کسائی'' نے پوچھا: اس کلام کے ساتھ کتنی بار طلاق واقع ہوگی تو امام ''محمد'' نے فرمایا: اگر ثلاثا کو رفع دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر اسے نصب دیا تو تین طلاقیں ہوں گی۔ اس کی مفصل بحث ''المغنی'' اور ہم نے ''الملتقی'' کی جو شرح کی ہے اس میں ہے۔ اور خاوند کے قول انت طالق غدا یا فی غد سے صبح کے طلوع ہونے کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی دوسرے قول میں عصر یعنی دن کے آخری حصہ کی نیت کرنا

13186۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْمُغْنِي) جہاں کہا: میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ رفع اور نصب میں سے ہر ایک تین اور ایک طلاق کے وقوع کا احتمال رکھتا ہے۔ جہاں تک رفع کا تعلق ہے تو کیونکہ الطلاق میں الف لام یا تو جنس سے مجاز ہے جس طرح زید الرجل یعنی زید ہی وہ شخص ہے جسے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ الف لام عہد ذکری کے لیے ہے یعنی یہ مذکورہ طلاق، از روئے عزیمت کے تین طلاقیں ہیں عہدی ہونے کی بنا پر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور الف لام جنسی ہونے کے اعتبار سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ جہاں تک نصب کا تعلق ہے تو اس میں احتمال ہے کہ وہ مفعول مطلق ہو تو یہ تین طلاقوں کے وقوع کا تقاضا کرے گی۔ کیونکہ اس کا معنی ہوتا ہے: فانت طالق طلاقا ثلاثا۔ پھر دونوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے: الطلاق عزیمة۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عزیمة میں جو پوشیدہ ضمیر ہے اس سے حال ہو اس صورت میں تین طلاقیں لازم نہ ہوں گی۔ کیونکہ معنی ہے طلاق عزیمت ہے جب وہ تین ہوں بلکہ وہ طلاق واقع ہوگی جس کی اس نے نیت کی یہ وہ چیز ہے لفظ جس کا تقاضا کرتا ہے۔ شاعر نے جس کا ارادہ کیا وہ تین ہیں کیونکہ اس کا قول ہے فبینی بھا

''الفتح'' میں ذکر کیا ہے: نصب میں ظاہر، مفعول مطلق ہے اور رفع میں عہد ذکری ہے پس تین واقع ہو جائیں گی۔ اسی وجہ سے شاعر سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اسی کا ارادہ کیا۔

13187۔ (قولہ: وَبِ قَوْلِهِ أَنْتِ) یہی وہ چیز ہے جسے ''ہدایہ'' وغیرہ میں اضافة الطلاق میں بطور فصل ذکر کیا ہے۔

طلاق کی زمانے کی طرف اضافت کا بیان

13188۔ (قولہ: يَقَعُ عِنْدَ طُلُوعِ الصُّبْحِ) یعنی فجر صادق کے طلوع ہونے پر نہ کہ فجر کاذب کے طلوع ہونے پر۔ کیونکہ الصبح فجر سے اخص ہے اس لیے اس کا ذکر کیا۔ صبح کے طلوع ہونے پر طلاق کے واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خاوند نے عورت کی تمام غد میں طلاق کے ساتھ صفت ذکر کی ہے۔ پس مزاحم نہ ہونے کی بنا پر پہلا جز متعین ہو جاتا ہے۔

13189۔ (قولہ: وَصَحَّ فِي الثَّانِي نِيَّةُ الْعَصْرِ) کیونکہ خاوند نے عورت کی طلاق کے ساتھ صفت غد کے ایک جز میں لگائی ہے، ''بحر''۔

13190۔ (قولہ: أَيْ آخِرَ النَّهَارِ) یہ مراد کی تفسیر ہے۔ ظاہر یہ ہے اگر وہ چاشت یا زوال کے وقت کا ارادہ کرتا تو

(قَضَاءً وَصُدِّقَ فِيهِمَا دِيَانَةً) وَمِثْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ شَعْبَانَ أَوْ فِي شَعْبَانَ (وَفِي أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ غَدًا أَوْ غَدًا الْيَوْمَ أُعْتُبِرَ اللَّفْظُ الْأَوَّلُ) وَلَوْ عَطَفَ بِالْوَاوِ يَقَعُ فِي الْأَوَّلِ وَاحِدَةٌ وَفِي الثَّانِي ثِنْتَانِ،

قضاءً صحیح ہوگا اور دونوں میں اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔ اسی کی مثل انت طالق شعبان یا فی شعبان میں ہے اور انت طالق الیوم غدا یا غدا الیوم میں پہلے لفظ کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر واؤ کے ساتھ عطف کیا تو پہلی صورت میں ایک اور دوسری صورت میں دو ہوں گی۔

اسی طرح اس کی تصدیق کی جاتی ''ط''۔

13191۔ (قولہ: قَضَاءً) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: پہلی صورت کی طرح اس میں بھی یہ نیت صحیح نہیں۔ دیانۃً دونوں میں نیت کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''امام اعظم'' کے نزدیک فرق یہ ہے۔ جب فی حرف مقدر داخل ہو تو اس کا متعلق عام ہوتا ہے جب ملفوظ ہو تو معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ لغۃً فرق کیا جاتا ہے جب کوئی کہے صمت سنۃ وفی سنۃ۔ اور شرعاً فرق کیا جاتا ہے لاصومن عمری اس صورت میں ساری عمر روزے رکھے تب قسم پوری کرنے والا ہوگا لاصومن فی عمری وہ ایک ساعت روزہ رکھے تو قسم پوری کرنے والا ہوگا اور اس میں فرق کیا جاتا ہے ان صمت شھرا فعبدہ حر پورے ماہ کے روزے رکھے تو غلام آزاد ہوگا۔ اگر اس نے کہا ان صمت فی ھذا الشھر اس ماہ کی ایک ساعت روزہ رکھنے کی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ زمانہ کے جز کی نیت جب کہ ساعت کا ذکر کرے تو وہ حقیقت کی نیت ہوگی اور جب ساعت حذف کیا تو عام کی تخصیص کی نیت ہوگی تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ خاوند کے حق میں زمانہ کا تقسیم کو قبول نہ کرنا اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ مرد کے حق میں حرف جار حذف اور ثابت رکھنے میں کوئی فرق نہیں جس طرح وہ کہے صمت یوم الجمعۃ، صمت فی یوم الجمعۃ۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح دونوں یعنی حرف جار ذکر کرنے اور حرف جار حذف کرنے میں کوئی فرق نہیں ان امور میں جن میں زمانہ تقسیم کو قبول کرتا ہے جب کہ اسے علم ہوتا ہے کہ اس کا عموم نہیں جیسے اکلت یوم الجمعۃ یا اکلت فی یوم الجمعۃ۔

13192۔ (قولہ: أَوْ فِي شَعْبَانَ) جب اس کی نیت نہ ہو تو جب رجب کے آخری دن کا سورج غروب ہوگا تو اسے طلاق ہو جائے گی اگر اس نے شعبان کے آخر کی نیت کی تو مسئلہ اسی اختلاف پر ہوگا، ''فتح''۔

13193۔ (قولہ: أُعْتُبِرَ اللَّفْظُ الْأَوَّلُ) پہلی صورت میں آج طلاق ہو جائے گی اور دوسری صورت میں اگلے روز طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلا لفظ ذکر کرنے کی صورت میں پہلی صورت میں طلاق فی الحال واقع ہوگی اور دوسری صورت میں معلق ہو جائے گی تو دوسرا اسم ذکر کرنے کی صورت میں تبدیلی واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ جو فی الحال واقع ہو جائے وہ مشروط ہونے کو قبول نہیں کرتا اور جو معلق ہو وہ فی الحال واقع ہونے کو قبول نہیں کرتا۔

13194۔ (قولہ: وَلَوْ عَطَفَ) ''التبیین'' میں کہا: کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے مگر ہمارے لیے کوئی ضرورت نہیں کہ پہلی صورت میں ایک اور طلاق واقع کریں۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کل بھی اسے اسی طلاق کے ساتھ موصوف کیا

كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَوْ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ وَعَكْسِهِ، أَوْ الْيَوْمَ وَرَأْسَ الشَّهْرِ، وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أَضَافَ الطَّلَاقَ لِوَقْتَيْنِ كَائِنٍ وَمُسْتَقْبَلٍ بِحَرْفِ عَطْفٍ، فَإِنْ بَدَأَ بِالْكَائِنِ اتَّحَدَ

جس طرح خاوند کا قول ہے: تجھے رات اور دن کو طلاق ہے یا دن کے پہلے پہر اور آخری پہر طلاق ہے اور اس کے برعکس یا تجھے آج اور مہینے کے سرے پر طلاق ہے۔ قاعدہ یہ ہے جب مرد طلاق کو دو وقتوں یعنی موجود اور مستقبل کی طرف مضاف کرے جن میں حرف عطف موجود ہو اگر اس نے کلام کو موجود سے شروع کیا تو طلاق ایک ہوگی

جائے جو اس پر آج طلاق واقع ہوگی۔ اور دوسری صورت میں ایسا ممکن نہیں تو دونوں واقع ہو جائیں گی،''ح''۔

13195۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ) جب یہ گفتگو رات کو ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر یہ گفتگو پہلے پہر ہو تو فی اول النہار و آخرہ میں ایک طلاق واقع ہوگی،''ح''۔

13196۔ (قولہ: وَعَكْسِهِ) جر کے ساتھ اس کا عطف کاف حرف جار کے مدخول پر ہوگا یعنی جب کہا: انت طالق بالنہار واللیل یا کہا: انت طالق آخر النہار و اولہ تو اسے دو طلاقیں ہوں گی جب یہ گفتگو رات کے وقت ہو یا پہلے پہر بھی ہو۔ اگر یہ گفتگو دن کے وقت ہو یا پچھلے پہر ہو تو تمام میں حکم برعکس ہو جائے گا۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے،''ح''۔

میں کہتا ہوں یہ اس صورت میں ہوگا جب وہ معطوف میں فی کے لفظ کی تصریح نہ کرے۔ کیونکہ ''ذخیرہ'' میں ہے: اگر اس نے رات کے وقت کہا: انت طالق فی لیلك وفی نهارك یا دن کے وقت کہا: انت طالق فی نهارك وفی لیلك تو ہر وقت میں ایک طلاق ہو جائے گی اگر ایک کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے کہ فی کے لفظ کو مع کے معنی پر محمول کیا جائے۔

13197۔ (قولہ: أَوْ الْيَوْمَ وَرَأْسَ الشَّهْرِ) تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا: راس الشهر والیوم تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ تو اولیٰ یہ تھا کہ اس قول کو وعکسہ کے قول پر متقدم کیا جائے جس طرح مخفی نہیں۔

13198۔ (قولہ: كَائِنٍ وَمُسْتَقْبَلٍ) جس طرح الیوم و غدا ہے مگر ماضی اور موجود تو اس طرح ہے امس و الیوم۔ اس بارے میں عنقریب ہی شرح میں آئے گا۔ ''خانیہ'' میں ہے: خاوند نے عورت کو دن کے وسط میں کہا: انت طالق اول هذا الیوم و آخرہ تو اسے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کلام اس کے برعکس کی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ طلاق جو دن کے آخر میں ہوئی وہ اول دن میں واقع نہیں ہوئی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

13199۔ (قولہ: اتَّحَدَ) کیونکہ اس عورت کو آج طلاق ہوگئی ہے تو وہ اگلے روز بھی طلاق والی ہوگی تو طلاق میں تعدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: تجھے آج اور کل کے بعد طلاق ہے تو شیخین کے نزدیک اسے دو طلاقیں ہوں گی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اور کل رات کے داخل ہونے کی وجہ سے ایک وقت کے قائم مقام ہیں۔ بعد غد (کل کے بعد) کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ دونوں دو وقتوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ درمیان میں ایک پورے دن کو ترک کرنا اس امر کا قرینہ ہے کہ اس نے کل کے بعد ایک اور طلاق کا ارادہ کیا ہے جس طرح قریب ہی وہ قول (مقولہ 13218 میں) آئے

أَوْ بِالْمُسْتَقْبَلِ تَعَدَّدَ وَفِي أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَإِذَا جَاءَ غَدٌ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ لَا بَلْ غَدًا طَلُقَتْ وَاحِدَةً لِلْحَالِ وَأُخْرَى فِي الْغَدِ (أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْ لَا أَوْ مَعَ مَوْتِي أَوْ مَعَ مَوْتِكِ لَغْوٌ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِحَرْفِ الشَّكِّ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِإِضَافَتِهِ لِحَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلْإِيقَاعِ أَوْ الْوُقُوعِ

یا مستقبل سے شروع کیا تو طلاقیں متعدد ہوں گی۔ اور اس قول میں انت طالق الیوم واذا جاء غد یا اس قول میں انت طالق لابل غدا تو اسے ایک طلاق فی الحال ہو جائے گی اور دوسری کل ہوگی۔ تجھے طلاق ایک یا نہیں یا تجھے طلاق میری موت کے ساتھ یا تیری موت کے ساتھ تو یہ کلام لغو ہوگی۔ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو کلام اس لیے لغو ہوگی کہ حرف شک موجود ہے۔ جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے تو کیونکہ اس نے طلاق کو ایسی حالت کی طرف مضاف کیا ہے جو طلاق کے واقع کرنے یا طلاق کے وقوع کے منافی ہے۔

گا جو اس کی تائید کرے گا۔ مگر آج اور مہینہ کے سرے پر ایک طلاق کا وقوع اس میں اشکال پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ جواب دیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ جب قسم مہینے کے آخری دن میں ہے تو حد فاصل نہ پائی گئی۔ تامل

13200۔ (قولہ: طَلُقَتْ وَاحِدَةً لِلْحَالِ وَأُخْرَى فِي الْغَدِ) جہاں تک اس کے اس قول کا تعلق ہے انت طالق الیوم واذا جاء غدا۔ کیونکہ آنا ایسی شرط ہے جو ایقاع پر معطوف ہے اور معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے جو فی الحال واقع ہو تو وہ کسی شرط کے ساتھ متعلق نہ ہوگی تو ضروری ہے کہ متعلق دوسری طلاق ہو مگر طلوع فجر کے ساتھ طلاق واقع ہوگی۔ تو جو فی الحال طلاق تھی وہ موقوف ہوگی۔ کیونکہ پہلی کا مغیر دوسری کے ساتھ متصل ہے۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک اس کے قول انت طالق لابل غدا کا تعلق ہے تو کیونکہ اس نے اضراب سے فی الحال طلاق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس کا باطل کرنا ممکن نہیں۔ اور اس کے قول بل غدا سے ایک اور طلاق واقع ہوگی ''ح''۔

13201۔ (قولہ: فَلِحَرْفِ الشَّكِّ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول یہ ہے: اسے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ خاوند نے حرف شک کو ایک میں داخل کیا تو اس کا قول انت طالق باقی رہا۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے جب وصف (لفظ طالق) کو عدد کے ساتھ ملایا گیا تو طلاق کا وقوع عدد کے ساتھ ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علما نے اس پر اجماع کیا کہ اگر خاوند نے غیر مدخول بہا کو کہا انت طالق ثلاثا تو اسے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر طلاق وصف کے ساتھ ہوتی تو اس صورت میں تین کا ذکر لغو ہو جاتا ''نہر''۔ عدد کی قید لگائی کیونکہ اگر خاوند کہے: انت طالق اولا تو تمام کے قول میں طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اس نے حرف شک ایقاع طلاق میں داخل کیا۔ اسی طرح اگر خاوند کہے: انت طالق الا۔ تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ استثنا ہے۔ اسی طرح اس کا قول: انت طالق ان کان، انت طالق ان لم یکن، انت طالق لولا۔ کیونکہ یہ شرط ہیں۔ اور ایقاع طلاق کو جب استثنا یا شرط لاحق ہو تو ایقاع طلاق باقی نہیں رہتا ''بحر''۔ مسئلہ کی تمام فروع اس میں ہیں۔

13202۔ (قولہ: لِحَالَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلْإِيقَاعِ أَوْ الْوُقُوعِ) نشر مرتب ہے ''ح''۔ کیونکہ مرد کی موت اس کی جانب سے

(كَذَا أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ أَوْ أَمْسِ وَ) قَدْ (نَكَحَهَا الْيَوْمَ) وَلَوْ نَكَحَهَا قَبْلَ أَمْسِ وَقَعَ الْآنَ لِأَنَّ الْإِنْشَاءَ فِي الْمَاضِي إِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ،

اسی طرح خاوند کا یہ کہنا تجھے اس وقت طلاق قبل اس کے کہ میں تجھ سے نکاح کروں یا تجھے گزشتہ کل طلاق جب کہ خاوند نے اس عورت سے آج نکاح کیا۔ اگر اس مرد نے اس عورت سے گزشتہ کل سے پہلے نکاح کیا تھا تو اس وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ گزشتہ زمانہ میں جس طلاق کو نئے سرے سے واقع کیا جائے تو وہ فی الحال نئے سرے سے طلاق ہے۔

طلاق واقع کرنے کے منافی ہے اور عورت کی موت عورت پر طلاق کے وقوع کے منافی ہے۔

13203۔ (قولہ: كَذَا أَنْتِ طَالِقٌ) کیونکہ اس نے طلاق کو ایسی معین حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو طلاق کی ملکیت کے منافی ہے۔ اس کا حاصل طلاق کا انکار ہے تو کلام لغو چلی گئی۔ کیونکہ جس وقت طلاق کی نئے سرے سے تصحیح متعذر ہے تو نکاح کے نہ ہونے کی خبر دینے کی تصحیح ممکن ہے یعنی گزشتہ کل وہ نکاح کی قید سے آزاد تھی۔ کیونکہ اس نے ابھی تک نکاح نہ کیا تھا یا اس طلاق کی قید سے آزاد تھی جو اس عورت کے لیے تھی اگر نکاح ہو چکا تھا ''فتح''۔ یہ قید ذکر کی ہے اسے تزوج کے ساتھ مشروط نہیں کیا۔ کیونکہ اگر خاوند نے تزوج کے ساتھ مشروط کیا جس طرح کہے: انت طالق قبل ان اتزوجك اذا تزوجتك یا کہا انت طالق اذا تزوجتك قبل ان اتزوجك تو دونوں صورتوں میں نکاح کے وقت طلاق بالاتفاق واقع ہو جائے گی اور قبلیت لغو ہو جائے گی (دونوں کا مفہوم ہے جب میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے) اگر جزا کو موخر کیا جس طرح کہا: ان تزوجتك فانت طالق قبل ان اتزوجك تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ فا نے شرطیت کو راجح کر دیا ہے اور جسے شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے وہ شرط کے پائے جانے کے بعد فی الحال حتمی طلاق کی طرح ہوتی ہے تو وہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے شادی کے بعد کہا انت طالق قبل ان اتزوجك۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13204۔ (قولہ: وَلَوْ نَكَحَهَا قَبْلَ أَمْسِ) میں نے یہ قول نہیں دیکھا جس میں یہ ہو لو نکحها فی الامس۔ ''الفتح'' کا وہ قول جو ابھی مذکور ہوا ہے ولانه حين تعذر تصحيحه انشاء کا مقتضا یہ ہے کہ وہ طلاق واقع ہو۔ کیونکہ طلاق کو نئے سرے سے واقع کرنا متعذر نہیں۔ تامل۔ پھر میں نے ''شرح درر البحار'' میں طلاق کے وقوع کی تصریح دیکھی جہاں کہا: ولو تزوجها فيه او قبله تنجز۔

13205۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِنْشَاءَ فِي الْمَاضِي إِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ) کیونکہ اس نے طلاق کو حالت منافیہ کی طرف منسوب نہیں کیا اور اس کی بطور اخبار تصحیح ممکن نہیں کیونکہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور اس اسناد پر قدرت نہیں رکھتا۔ تو یہ فی الحال انشا ہو گی اسی نکتہ کی بنا پر ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین نے مسألہ طلاق دور میں طلاق کے وقوع کا حکم لگایا ہے اور اکثر نے طلاق کے عدم وقوع کا حکم لگایا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح''، ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔ ہم نے طلاق کے باب کے شروع میں اس پر مفصل گفتگو (مقولہ 12924 میں) کی ہے۔

وَلَوْ قَالَ أَمْسِ وَالْيَوْمَ تَعَدَّدَ، وَبِعَكْسِهِ اتَّحَدَ، وَقِيلَ بِعَكْسِهِ (أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ أَوْ قَبْلَ أَنْ تُخْلَقِي أَوْ طَلَّقْتُكِ وَأَنَا صَبِيٌّ أَوْ نَائِمٌ) أَوْ مَجْنُونٌ وَكَانَ مَعْهُودًا كَانَ لَغْوًا (بِخِلَافِ) قَوْلِهِ (أَنْتِ حُرَّةٌ قَبْلَ أَنْ أَشْتَرِيَكِ أَوْ أَنْتِ حُرَّةٌ أَمْسِ وَقَدْ اشْتَرَاهُ الْيَوْمَ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ كَمَا) يَعْتِقُ (وَلَوْ أَقَرَّ لِعَبْدٍ ثُمَّ اشْتَرَاهُ) لِإِقْرَارِهِ بِحُرِّيَّتِهِ (أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ مَوْتِي بِشَهْرَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ وَمَاتَ قَبْلَ مُضِيِّ شَهْرَيْنِ لَمْ تَطْلُقْ) لِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ

اگر کہا: کل اور آج طلاق ہے تو طلاق متعدد ہوں گی اور اس کے برعکس ایک طلاق ہوگی۔ اور ایک قول اس کے برعکس بھی کیا گیا ہے۔ یا تجھے طلاق ہے قبل اس کے کہ میں پیدا کیا جاؤں یا قبل اس کے کہ تو پیدا کیا جائے یا میں نے تجھے طلاق دی جب کہ میں بچہ تھا یا میں سویا ہوا تھا یا مجنون تھا جب کہ اس کا جنون معروف تھا تو اس کی کلام لغو ہوگی بخلاف اس کے اس قول کے کہ تو آزاد ہے قبل اس کے کہ میں تجھے خریدوں یا تو آزاد ہے گزشتہ کل جب کہ اس نے غلام آج خریدا ہے تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ جس طرح وہ آزاد ہو جائے گا اگر اس نے کسی غلام کے لیے اقرار کیا پھر اسے خریدا۔ کیونکہ اس نے اس کی آزادی کا اقرار کیا تھا۔ تجھے میری موت سے دو ماہ پہلے طلاق یا اس سے زیادہ پہلے طلاق اور خاوند دو ماہ گزرنے سے پہلے مر گیا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ شرط نہیں پائی گئی۔

13206۔ (قولہ: تَعَدَّدَ) کیونکہ جو آج طلاق واقع ہوئی ہے وہ گزشتہ کل واقع ہونے والی نہیں تو اس نے دوسری طلاق کا تقاضا کیا۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''النہر'' میں کہا: تو بخوبی آگاہ ہے کہ گزشتہ کل اور آج میں مذکورہ علت آج اور گزشتہ کل میں آئے گی دونوں میں جو فرق ہے اس میں غور و فکر کرو۔ کیونکہ یہ فرق بڑا دقیق ہے۔ کیونکہ وہ قاعدہ جو قریب ہی گزرا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ الامس اور الیوم میں ایک طلاق واقع ہو کیونکہ اس نے موجود سے کلام کو شروع کیا تھا۔ تامل

13207۔ (قولہ: وَقِيلَ بِعَكْسِهِ) ''الخانیہ'' میں اس کو جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔ ''ذخیرہ'' میں ''المنتقی'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: طلاق ہے گزشتہ کل اور آج تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اس کے برعکس قول میں دو طلاقیں ہوں گی۔ گویا کہا: تجھے ایک ایسی طلاق جس سے پہلے ایک طلاق ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہی حق ہے۔ کیونکہ گزشتہ کل میں طلاق واقع کرنا آج میں بھی واقع کرنا ہے۔ ''مقدسی'' نے اسی طرح کہا ہے۔

13208۔ (قولہ: وَكَانَ مَعْهُودًا) اس کا جنون معروف تھا اگرچہ اس پر گواہی قائم کرنے کے ساتھ ہو۔

13209۔ (قولہ: كَانَ لَغْوًا) کیونکہ اس کا حاصل طلاق کا انکار ہے جس طرح پہلے (مقولہ 13203 میں) گزرا ہے۔

13210۔ (قولہ: لِإِقْرَارِهِ بِحُرِّيَّتِهِ) یہ تینوں صورتوں کی عدت ہے، ''ط''۔

13211۔ (قولہ: قَبْلَ مَوْتِي) اسی کی مثل حکم قبل موتك میں ہے، ''ط''۔

13212۔ (قولہ: لِانْتِفَاءِ الشَّرْطِ) اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ موت تو ہر صورت میں واقع ہونے والی ہے تو نہ یہ شرط ہے اور نہ شرط کے معنی میں ہے بلکہ اس وقت کی پہچان کرانے والی ہے جس کی طرف طلاق کو منسوب کیا گیا ہے۔ اسی وجہ

(وَإِنْ مَاتَ بَعْدَهُ طَلُقَتْ مُسْتَنِدًا) لِأَوَّلِ الْمُدَّةِ لَا عِنْدَ الْمَوْتِ (وَ) فَائِدَتُهُ أَنَّهُ (لَا مِيرَاثَ لَهَا) لِأَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقَضِي

اگر اس کے بعد فوت ہوا تو اسے پہلی مدت کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے طلاق ہو جائے گی موت کے وقت سے طلاق نہ ہوگی۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کے لیے میراث نہیں ہوگی۔ کیونکہ عدت

سے اگر خاوند دو ماہ بعد فوت ہوا تو طلاق اس وقت سے واقع ہوگی جو موت سے پہلے ہے۔ قدوم کا مسئلہ مختلف ہے جس کا ذکر عنقریب (مقولہ 13224 میں) آئے گا۔ ''رحمتی'' نے جواب دیا کہ مراد صحت استثنا کی شرط کی نفی ہے۔ کیونکہ اس کی شرط ایسے زمانے کا پایا جانا ہے جس کی طرف طلاق کا وقوع موت سے پہلے منسوب ہے وہ معین مدت ہے۔

میں کہتا ہوں: شرط موت نہیں بلکہ ہر قسم کے بعد دو ماہ کا گزرنا ہے۔ یہ وقوع اور عدم وقوع کا احتمال رکھتا ہے۔ جب یہ وقت نہ گزرا تو شرط نہ پائی گئی۔ اگر یہ کہا جائے: اس کی تکمیل گزرے ہوئے وقت سے ممکن ہے جس طرح وہ کہے: انت طالق امس۔ میں کہتا ہوں: یہاں احتمال موجود ہے کہ وہ دو ماہ بعد مر جائے تو اس کی کلام کی حقیقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ امس کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

13213۔ (قولہ: مُسْتَنِدًا لِأَوَّلِ الْمُدَّةِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صرف طلاق موت کے وقت واقع ہوگی۔ جب کہ موت کے وقت طلاق کے واقع کرنے اور واقع ہونے کی مہلت ختم ہو چکی ہے تو اس کا قول لغو چلا جائے گا۔ شارح کا قول لاعند الموت 'صاحبین' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا رد ہے۔ ''رحمتی''۔

13214۔ (قولہ: أَنَّهُ لَا مِيرَاثَ لَهَا) ''شرنبلالی'' نے اعتراض کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے: عورت کا وارث نہ بننا اس بنا پر کہ عدت دو ماہ میں ختم ہو جاتی ہے یہ قول ضعیف ہے۔ اور صحیح مفتی بہ قول یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدت موت کے وقت پر محصور ہے۔ پس عورت وارث ہوگی۔ ''شرح الجامع الکبیر'' میں اس پر نص قائم کی ہے کیونکہ میراث میں استناد ظاہر نہیں ہوتا جس طرح طلاق میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہوتا ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کی وجہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ فرار اختیار کرنے والے کی بیوی کی عدت دونوں عدتوں میں سے لمبی عدت ہوتی ہے۔ اور دو ماہ میں حقیقۃً تین حیض گزرنے کی صورت میں عورت کی عدت ختم نہیں ہوگی ابھی دو ماہ اور دس دن باقی ہیں۔ تاکہ دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت کو پورا کیا جائے تو وہ اس کی وارث ہوگی تو کیسے ہو سکتا ہے کہ عورت کو میراث سے محروم رکھا جائے اس وجہ سے کہ دو ماہ میں تین حیض گزرنے کا امکان ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے واضح کیا ہے کہ طلاق ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اول مدت کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے واقع ہوگی۔ اگر اس وقت سے موت تک مریض ہوا تو خاوند کی جانب سے فرار ثابت ہوگا بصورت دیگر اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس کی طلاق کا وقوع معلوم نہ ہوا مگر اس کی موت سے معلوم ہوا اور عورت کا حق اس کے مال میں متعلق ہو گیا۔ اور عدت کے بعد اس کی موت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے

بِشَهْرَيْنِ بِثَلَاثِ حِيَضٍ (قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّ يَوْمٍ) أَوْ كُلَّ جُمُعَةٍ أَوْ رَأْسَ كُلِّ شَهْرٍ

دو مہینوں میں تین حیضوں کی صورت میں ختم ہو جاتی ہے۔ خاوند نے عورت سے کہا تجھے ہر روز طلاق ہے۔ یا ہر جمعہ کو یا ہر ماہ کے سرے پر

نزدیک صحیح روایت کے مطابق اس کی موت کے وقت سے واجب ہو گی کیونکہ سبب کے پائے جانے میں شک ہو تو عدت ثابت نہیں ہوتی۔ اور ضعیف قول کے مطابق عدت منسوب ہو گی طلاق کے وقوع کے وقت کی طرف تو عدت دونوں اجلوں میں سے جو بعیدی اجل ہو گی نہ کہ صرف دو ماہ میں تین حیض گزارنے کے ساتھ عدت ہو گی۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو اس کا تحقق ضروری ہے کہ عورت اعتراف کرے کہ اسے تین حیض آئے ہیں نہ صرف دو ماہ گزرے ہوں بلکہ ایک سال یا دو سال گزرنے کا بھی اعتبار نہیں ہو گا۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ ''درر'' کی اتباع میں کہا ہے۔ یہ قول فقہ کے اصولوں پر منطبق نہیں ہوتا پس اس پر متنبہ ہونا چاہیے۔

خاوند اپنی بیوی سے کہے تجھے ہر روز، ہر جمعہ یا ہر ماہ کے سرے پر طلاق تو اس کا حکم

13215۔ (قولہ: بِشَهْرَيْنِ بِثَلَاثِ حِيَضٍ) پہلی با تعدیہ کے لیے ہے جو تنقضی کے متعلق ہے اور دوسری با مصاحبت کے لیے ہے یہ شہرین سے حال کے محل میں ہے فافہم

13216۔ (قولہ: أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّ يَوْمٍ) ''البحر'' میں کہا ہے: فی کے حذف اور اس کے ثابت رکھنے پر جو مسائل متفرع ہوتے ہیں ان میں سے یہ ہے اگر خاوند نے کہا: انت طالق کل یوم ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو گی۔ امام ''زفر'' نے کہا: تین دنوں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگر اس نے فی کل یوم کہا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی ہر دن میں ایک طلاق واقع ہو گی اس پر اجماع ہے جس طرح اگر اس نے کہا: عند کل یوم یا کلما مضی یوم۔ ہمارے نزدیک فرق یہ ہے کہ فی ظرف کے لیے ہے۔ زمانہ وقوع کے اعتبار سے ظرف ہے تو ہر دن سے جس میں طلاق کا وقوع ہو گا تو واقع کا تعدد لازم آئے گا۔ ہر اس دن کا معاملہ مختلف ہے جو واقع ہونے والی طلاق کے ساتھ متصف ہے۔ اگر اس نے نیت کی کہ ہر روز دوسری طلاق ہو تو اس کی نیت صحیح ہو گی۔

13217۔ (قولہ: أَوْ كُلَّ جُمُعَةٍ) اس کا محل ہے جب یہ نیت کی کہ ہر جمعہ جو اپنے ایام کے ساتھ گزرتا ہے یا اس کی کوئی نیت نہ ہو۔ اگر اس کی نیت ہر جمعہ کے دن کی ہو تو اسے ہر جمعہ کو طلاق ہو جائے گی یہاں تک کہ اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے روایت نقل کی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: اگر جمعہ سے مراد ہفتہ لیا یا مطلق مراد لیا تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ اگر یوم مخصوص کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ ایام کے درمیان فاصل موجود ہے جس طرح قریب ہی (مقولہ 13219 میں) وضاحت آئے گی۔

13218۔ (قولہ: أَوْ رَأْسَ كُلِّ شَهْرٍ) صحیح یہ تھا کہ رأس کا لفظ حذف کر دیا جاتا۔ ''ذخیرہ''، ''ہندیہ'' اور ''تاتر خانیہ''

(وَلَا نِيَّةَ لَهُ تَقَعُ وَاحِدَةٌ) فَإِنْ نَوَى كُلَّ يَوْمٍ۔ أَوْ قَالَ فِي كُلِّ يَوْمٍ أَوْ مَعَ أَوْ عِنْدَ أَوْ كُلَّمَا مَضَى يَوْمٌ يَقَعُ ثَلَاثٌ فِي أَيَّامٍ ثَلَاثَةٍ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى تَرَكَ كَلِمَةَ الظَّرْفِ اتَّحَدَ وَإِلَّا تَعَدَّدَ وَفِي الْخُلَاصَةِ أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ كُلِّ يَوْمٍ تَطْلِيقَةٌ وَقَعَ ثَلَاثٌ لِلْحَالِ (قَالَ أَطْوَلُكُمَا عُمْرًا طَالِقٌ الْآنَ لَا تَطْلُقُ حَتَّى تَمُوتَ إِحْدَاهُمَا فَتَطْلُقُ الْأُخْرَى)

طلاق جب کہ کوئی نیت نہ ہوتو ایک طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگر ہر دن کی نیت کی یا کہا: فی کل یوم، مع کل یوم، عند کل یوم، یا کلما مضی یوم تو تین دنوں میں تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ قاعدہ یہ ہے جب ظرف کا کلمہ ترک کیا تو طلاق ایک ہوگی ورنہ طلاقیں متعدد ہوں گی۔ ''خلاصہ'' میں ہے: انت طالق مع کل یوم تطلیقة تو تینوں فی الحال واقع ہوجائیں گی۔ خاوند نے کہا: تم دونوں میں سے جو عمر میں لمبی ہے اسے اب طلاق ہے اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک مرجائے تو دوسری کو طلاق ہوجائے گی۔

میں ہے: تجھے ہر ماہ کے سرے پر طلاق ہے اسے تین طلاقیں ہوں گی ہر مہینے کے سرے پر ایک طلاق ہوگی۔ اگر اس نے فی راس کل شھر کی بجائے صرف کل شھر کے الفاظ کہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ پہلی صورت میں وقوع میں فاصلہ کیا ہے جب کہ دوسری صورت میں ایسا نہیں کہا۔ کیونکہ رأس الشھر سے مراد اس کا اول ہوتا ہے ایک مہینے کے اول اور دوسرے مہینے کے اول میں فاصلہ ہوتا ہے تو اس کلام نے ہر مہینے کے آغاز میں طلاق واقع کرنے کا تقاضا کیا ہے۔ اس کی مثل وہ ہے جو ''الخانیہ'' سے (مقولہ 13199 میں) گزرا ہے: انت طالق الیوم و بعد غد۔ اس کا قول: فی کل شھر اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ وقت جس کی طرف طلاق کو مضاف کیا گیا ہے وہ متصل ہے۔ پس یہ ایک وقت کے قائم مقام ہے۔ پس جو طلاق مہینہ کے شروع میں واقع ہوگی وہ اس کے کل میں واقع ہوگی۔ اس کی مثل: انت طالق الیوم و غدا ہے۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا۔

13219۔ (قولہ: فَإِنْ نَوَى كُلَّ يَوْمٍ) یعنی یہ نیت کی کہ ہر روز طلاق واقع ہو یا ہر جمعہ یعنی ہفتہ میں ایک طلاق واقع ہو۔ اسی طرح اگر جمعہ سے اس کا مخصوص دن مراد لیا جس طرح (مقولہ 13217 میں) گزر چکا ہے۔

13220۔ (قولہ: أَوْ قَالَ فِي كُلِّ يَوْمٍ) کیونکہ اس نے ہر دن کو طلاق کے وقوع کی ظرف بنایا۔ پس واقع ہونے والی طلاقیں متعدد ہوں گی۔

13221۔ (قولہ: وَفِي الْخُلَاصَةِ) ''البحر'' میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ شارح نے ان کی اتباع کی ہے۔ اس میں یوم کے لفظ کے اضافہ کے ساتھ تحریف ہے۔ کیونکہ ''خلاصہ'' کی عبارت ہے: انت طالق مع کل تطلیقة اس عبارت میں یوم کا لفظ موجود نہیں۔ اس وقت یہ قول ان کے قول او مع کے مناقض نہیں۔ فافہم

13222۔ (قولہ: فَتَطْلُقُ الْأُخْرَى) یعنی مستندا عندہ و مقتصرا عندھما، ''فتح''۔ یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق بطور اسناد کے ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک بطور اقتصار کے ہے (وضاحت آگے آرہی ہے) ''مقدسی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: خاوند پر مہر لازم ہوگا اگر اس نے ان دونوں کے درمیان اس عورت سے وطی کی ہوگی اگر طلاق بائنہ ہو۔ اگر طلاق رجعی ہو تو اس وطی کے ساتھ وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔ اگر اس نے اپنی دو لونڈیوں میں سے ایک

لِوُجُودِ شَرْطِهِ حِينَئِذٍ (قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ قُدُومِ زَيْدٍ بِشَهْرٍ فَقَدِمَ بَعْدَ شَهْرٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ مُقْتَصِرًا)

کیونکہ اس وقت شرط پائی جائے گی۔ خاوند نے کہا: تجھے طلاق ہے زید کے آنے سے ایک ماہ پہلے۔ زید قول کے ایک ماہ بعد آیا تو طلاق فی الحال بطور اقتصار واقع ہوگی۔

سے اسی کی مثل کہا تو حکم اسی طرح ہوگا۔ فلیتامل۔ ''مقدسی'' کے قول بینھما سے مراد قسم اور موت ہے۔

13223۔ (قولہ: لِوُجُودِ شَرْطِهِ) کیونکہ معنوی شرط پائی جا رہی ہے وہ عمر کا لمبا ہونا ہے اور ان کا قول حینئذ یعنی جب دوسری اس سے قبل فوت ہوگئی، ''ط''۔ یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ اطولکما عمرا سے مراد ہے جس کی زندگی دوسری کی زندگی سے متاخر ہو۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ پیدائش سے لے کر وفات تک عمر دوسری سے بڑھ کر ہو ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو پہلے فوت ہوئی ہو اس کی عمر دوسری کی عمر سے طویل ہو جس طرح پہلی ستر سال کی عمر میں فوت ہوئی جب کہ دوسری کی عمر ابھی بیس سال تھی۔ اگر دوسری تعبیر مراد ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کی عمر ستر سال سے بڑھ جائے۔ دونوں معنوں میں سے ہر ایک عرف میں مستعمل ہے۔ یہاں مراد کے زیادہ قریب ''الفتح'' وغیرہ کی تعبیر ہے اطولکما حیاۃ۔ کیونکہ اس سے فوری طور پر جو ذہن میں بات آتی ہے جس کی زندگی دوسری کی زندگی سے متاخر ہو مصنف کے لیے اولی یہ تھا کہ اس سے تعبیر کرتے۔

انقلاب، اقتصار، استناد اور تبین کا معنی

13224۔ (قولہ: وَقَعَ الطَّلَاقُ مُقْتَصِرًا) امام ''زفر'' نے فرمایا: طلاق مستنداً واقع ہوگی۔ اگر خاوند نے کہا: قبل موت زید بشھر امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق مستنداً واقع ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ طلاق موت پر مقتصراً واقع ہوگی۔ اختلاف کا ثمرہ عدت کے اعتبار سے ظاہر ہوگا۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتبار مہینہ کے شروع سے ہوگا۔ اگر مہینہ میں وطی کی تو وہ رجوع کرنے والا ہوگا اگر طلاق رجعی تھی۔ اگر طلاقیں تین تھیں اور پھر مہینہ میں وطی کی تو عقر لازم ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عدت کا اعتبار اس وقت سے ہوگا اور وہ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا اور اس پر عقر لازم نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ عدت کا اعتبار موت کے وقت سے بالاتفاق احتیاطاً ہوگا۔ اگر مہینہ مکمل ہونے سے پہلے زید فوت ہوگیا تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ موت سے پہلے مہینہ نہیں گزرا اگر وہ عدت کے بعد فوت ہوا اس صورت میں جس میں اس نے مہینہ کے وسط میں طلاق دی تھی پھر عورت نے وضع حمل کیا یا وہ عورت مدخول بہا نہ تھی تو عدت واجب نہ ہوگی تو محل کے نہ ہونے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ مستقبل میں واقع ہونے والا حکم فی الحال ثابت ہوتا ہے پھر وہ استناد کرتا ہے۔ ''جامع کبیر'' اور ''اسرار'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آنے اور موت میں فرق یہ ہے کہ موت پہچان کرانے والی ہے اور جزا معرف پر مقتصر نہیں ہوتی جس طرح خاوند نے کہا: اگر زید گھر میں ہو تو تجھے طلاق ہے تو زید گھر سے دن کے پچھلے پہر نکلا تو عورت کو اس وقت سے طلاق ہو جائے گی جب سے اس نے کلام کی تھی۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ موت ابتدا میں احتمال رکھتی ہے کہ وہ ماہ سے پہلے واقع ہو جائے تو وقت اصلاً نہ پایا جائے۔ پس یہ وجود کے امکان

اعْلَمْ أَنَّ طَرِيقَ ثُبُوتِ الْأَحْكَامِ أَرْبَعَةٌ الِانْقِلَابُ، وَالِاقْتِصَارُ، وَالِاسْتِنَادُ، وَالتَّبْيِينُ فَالِانْقِلَابُ صَيْرُورَةُ مَا لَيْسَ بِعِلَّةٍ عِلَّةً كَالتَّعْلِيقِ وَالِاقْتِصَارُ ثُبُوتُ الْحُكْمِ فِي الْحَالِ وَالِاسْتِنَادُ ثُبُوتُهُ فِي الْحَالِ مُسْتَنِدًا إلَى مَا قَبْلَهُ

یہ بات علم میں رہے کہ ثبوت احکام کے طریقے چار ہیں: انقلاب، اقتصار، استناد اور تبیین۔ انقلاب سے مراد ہے جو علت نہ ہو اس کا علت بن جانا جس طرح تعلیق ہے۔ اقتصار حکم کا فی الحال ثابت ہو جانا۔ استناد سے مراد ہے فی الحال حکم کا ثابت ہونا جب کہ وہ حکم ماقبل کی طرف منسوب ہو۔

میں دوسری شروط کے مشابہ ہو گی۔ جب ایک ماہ گزر گیا تو ہم نے موت سے پہلے مہینہ کے پائے جانے کو جان لیا۔ کیونکہ موت ہر صورت میں متحقق ہے مگر طلاق فی الحال واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ ہم ایک ایسے ماہ کے محتاج ہیں جو موت کے ساتھ متصل ہو وہ ماہ ثابت نہیں جب موت اس کی پہچان کرانے والی ہے۔ پس اس وجہ سے یہ شرط سے جدا ہو گئی اور وقت کے مشابہ ہو گی اس کے اسی قول میں انت طالق قبل رمضان بشھر تو ہم نے ظہور اور اقتصار کے درمیان والا امر کیا جو استناد ہے۔ اگر وہ کہتا قبل رمضان بشھر تو بالاتفاق طلاق شعبان میں واقع ہو جاتی۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

ثبوت احکام کے طریقے

13225۔(قولہ: أَنَّ طَرِيقَ ثُبُوتِ الْأَحْكَامِ أَرْبَعَةٌ) مراد طریق کی جنس ہے۔ پس اس کی خبر اربعۃ سے لگانا صحیح ہے، ''ط''۔

13226۔(قولہ: وَالتَّبْيِينُ، اسی طرح ان کی عبارت ہے یہ مصدر ہے جو تبیین کے معنی میں ہے یعنی ظہور۔

13227۔(قولہ: كَالتَّعْلِيقِ) اسی طرح جس طرح اس قول میں ہے: انت طالق ان دخلت الدار کیونکہ انت طالق یہ حکم کے ثبوت میں علت ہے۔ حکم، طلاق ہے۔ جس طرح بعت یہ ملکیت کے ثبوت میں علت ہے، اعتقت یہ آزادی کے ثبوت میں علت ہے۔ لیکن معلق کرنے کی صورت میں یہ علت نہیں بنتی مگر جب شرط پائی جائے گی اور وہ گھر میں داخل ہونا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فی الحال علت ہے اور تعلیق حکم کے نازل ہونے کو شرط کے پائے جانے کے وقت تک موخر کر دیتی ہے۔ اور مرد سے اسی قول: ان تزوجتك فانت طالق میں اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس قول کا ملکیت کے وقت علت بنا صحیح ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا علت بنا صحیح نہیں جس طرح اصول کی کتب میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ فافہم

13228۔(قولہ: ثُبُوتُ الْحُكْمِ فِي الْحَالِ) جس طرح بیع، طلاق، عتاق وغیرہ کو واقع کیا جائے تو فی الحال حکم ثابت ہوتا ہے، ''حلبی'' نے ''المنح'' سے بیان کیا ہے۔

13229۔(قولہ: وَالِاسْتِنَادُ) ''الاشباہ'' میں کہا ہے: استناد، تبیین اور اقتصار کے درمیان دائر ہے جس طرح وہ

بِشَرْطِ بَقَاءِ الْمَحَلِّ كُلَّ الْمُدَّةِ، كَلُزُومِ الزَّكَاةِ حِينَ الْحَوْلِ مُسْتَنِدًا لِوُجُودِ النِّصَابِ وَالتَّبْيِينُ أَنْ يَظْهَرَ فِي الْحَالِ تَقَدُّمُ الْحُكْمِ كَقَوْلِهِ إِنْ كَانَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَتَبَيَّنَ فِي الْغَدِ وُجُودُهُ فِيهَا

شرط یہ ہے کہ پوری مدت محل باقی رہے جس طرح زکوٰۃ سال گزرنے پر لازم ہوتی ہے جب کہ نصاب کے پائے جانے کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور تبیین یہ ہے کہ فی الحال حکم کا مقدم ہونا ظاہر ہو جس طرح اس کا قول ہے اگر زید گھر میں ہو تو تجھے طلاق ہے اور اگلے روز زید کا گھر میں ہونا ظاہر ہوا

چیزیں جن کی ضمانت لازم ہوتی ہے ضمانت کی ادائیگی کے وقت ان پر ملکیت ثابت ہوتی ہے جب کہ یہ سبب کے وجود کے وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور جس زکوٰۃ کا نصاب ہے زکوٰۃ سال کے مکمل ہونے پر واجب ہوتی ہے جب کہ مال کے وجود کے وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے جس طرح مستحاضہ عورت اور تیمم کرنے والے کی طہارت ہوتی ہے جب وقت نکل جاتا ہے اور پانی دکھائی دیتا ہے تو وہ طہارت ختم ہوتی ہے جب کہ یہ حدث کے وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں کے لیے مسح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

13230۔ (قولہ: بِشَرْطِ بَقَاءِ الْمَحَلِّ) یہی وہ شرط ہے جو استناد اور تبیین میں فرق کرنے والی ہے جس طرح ''حلبی'' نے ''المنح'' سے نقل کرتے ہوئے واضح کیا ہے۔ مسئلہ کے فروع میں سے وہ ہے جو علما نے کہا ہے: اگر آقا نے اپنی لونڈی سے کہا: تو فلاں کی موت سے ایک ماہ پہلے آزاد ہے پھر اس لونڈی نے بچہ جن دیا پھر آقا نے دونوں کو بیچ دیا یا دونوں کو نہ بیچا یا صرف ماں کو بیچا یا اس کے برعکس کیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچہ آزاد ہو جائے گا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا۔ اور ماں بالاجماع آزاد ہو جائے گی اگر اس نے ماں کو نہ بیچا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب آزادی میں استناد ہوا تو وہ آزادی بچے کی طرف سرایت کر گئی اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آزادی نے سرایت نہ کیا۔ کیونکہ استناد نہیں۔ اگر آقا نے اسے مہینہ کے وسط میں بیچا پھر اسے خریدا پھر مہینہ کے مکمل ہونے سے پہلے فلاں مر گیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہینہ کے شروع ہونے کی طرف استناد کے ممکن نہ ہونے کی وجہ سے لونڈی آزاد نہ ہوگی۔ کیونکہ مہینہ کے دوران ملکیت زائل ہو چکی تھی۔ جب کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک لونڈی آزاد ہو جائے گی کیونکہ وہ اقتصار کرنے والا ہے۔ تمام فروع ''حواشی الاشباہ'' میں ہیں۔

13231۔ (قولہ: حِينَ الْحَوْلِ) یعنی جب سال مکمل ہوگا۔

13232۔ (قولہ: مُسْتَنِدًا لِوُجُودِ النِّصَابِ) سال کے شروع میں اس شرط کے ساتھ کہ نصاب تمام مدت موجود رہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: مراد یہ ہے کہ سال کے دوران تمام نصاب معدوم نہ ہو جائے۔ کیونکہ جب مالک تمام نصاب کو معدوم پائے گا پھر دوسرے نصاب کا مالک ہوگا اگرچہ پہلے نصاب کے معدوم ہونے کی ایک ساعت ہی بعد کیوں نہ ہو تو نئے سرے سے سال کا اعتبار کیا جائے گا۔

تَطْلُقُ مِنْ حِينِ الْقَوْلِ فَتَعْتَدُّ مِنْهُ (أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْك أَوْ مَتَى لَمْ أُطَلِّقْك أَوْ مَتَى مَا لَمْ أُطَلِّقْك وَسَكَتَ طَلُقَتْ) لِلْحَالِ بِسُكُوتِهِ (وَفِي إنْ لَمْ أُطَلِّقْك لَا) تَطْلُقُ بِالسُّكُوتِ بَلْ يَمْتَدُّ النِّكَاحُ

تو قول کے وقت سے اسے طلاق ہو جائے گی اور اس وقت سے وہ عدت گزارے گی۔ تجھے طلاق ہے جب میں تجھے طلاق نہ دوں خواہ وہ ما کا لفظ استعمال کرے یا متی اور متی ما کا لفظ استعمال کرے تو اسے طلاق ہو جائے گی جس وقت وہ خاموش ہوگا۔ اگر اس نے کہا اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو خاموش ہونے کے ساتھ طلاق نہ ہوگی۔ بلکہ نکاح ممتد ہو جائے گا

13233۔(قولہ: تَطْلُقُ مِنْ حِينِ الْقَوْلِ) جس وقت سے اس نے طلاق کا قول کیا تھا اس وقت سے اسے طلاق ہو جائے گی اس میں محل کے باقی رہنے کی شرط نہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس نے قول کے بعد تین حیض گزار لیے پھر خاوند نے اسے تین طلاقیں دے دیں پھر اس کے لیے ظاہر ہوا کہ زید تو گھر میں موجود تھا تو تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق کا وقوع واضح ہو چکا ہے اور دوسری طلاقوں کا وقوع عدت کے گزرنے کے بعد ہوا ہے جس طرح ''المنح'' میں ''الاکمل'' سے مروی ہے۔

13234۔(قولہ: فَتَعْتَدُّ مِنْهُ) جس وقت خاوند نے یہ قول کیا تھا اس وقت سے وہ عدت کا شمار کرے گی۔

13235۔(قولہ: وَسَكَتَ) اس قول کے ساتھ آنے والے قول سے احتراز کیا گیا ہے۔ آنے والا قول یہ ہے: انت طالق مالم اطلقك انت طالق۔

13236۔(قولہ: طَلُقَتْ لِلْحَالِ) اسی طرح اگر اس نے کہا: انت طالق زمان لم اطلقك یا کہا: حیث لم اطلقك یا کہا: یوم لم اطلقك۔ کیونکہ اس نے طلاق کو ایسے زمان یا مکان کی طرف مضاف کیا جو اس کی طلاق سے خالی تھا۔ اس کے خاموش ہونے کے ساتھ ہی مضاف الیہ پایا گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ ما اگرچہ مصدریہ ہے مگر وہ ظرف زمان کے قائم مقام ہو کر آتی ہے اسی سے مَادُمْتُ حَيًّا۞ (مریم) ہے۔ یہ اگرچہ شرط کے لیے استعمال ہوئی ہے مگر وضعی معنی وقت ہے۔ کیونکہ تطلیق لامحالہ وقت کا تقاضا کرتی ہے۔ پس وقت کی جہت راجح ہوگئی۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔ اس میں ہے: پھر یہ مخفی نہیں کہ قسم پوری کرنے اور قسم توڑنے میں فرق کا اثر اس قول انت طالق مالم اطلقك وغیرہ میں ظاہر نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین نے مسئلہ کے موضوع کو اس قول ثلاثا کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔ ہاں اگر اس نے کہا: کلما لم اطلقك فانت طالق تو تین طلاقیں پے در پے واقع ہوں گی۔ اسی وجہ سے اگر وہ عورت غیر مدخول بہا ہو تو ایک ہی طلاق ہوگی کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

13237۔(قولہ: إنْ لَمْ أُطَلِّقْك) علما کا یہاں ان اور اذا کا ذکر کرنا تبعیت کے طریقہ پر ہے ورنہ دونوں الفاظ کے لیے مناسب باب التعلیق ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے نقل کیا ہے۔

13238۔(قولہ: لَا تَطْلُقُ بِالسُّكُوتِ) کیونکہ قسم پوری کرنے کی شرط یہ ہے کہ مستقبل میں وہ اسے ایک طلاق نہ دے ایسے ہر آنے والے وقت میں ممکن ہے جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک فوت نہ ہو جائے۔ پس قسم توڑنے کی شرط

(حَتَّى يَمُوتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ تَطْلِيقِهِ فَتَطْلُقُ قُبَيْلَ الْمَوْتِ لِتَحَقُّقِ الشَّرْطِ وَيَكُونُ فَارًّا (وَإِذَا مَا وَإِذَا بِلَا نِيَّةٍ

یہاں تک کہ دونوں میاں بیوی میں سے ایک تطلیق سے پہلے فوت ہو جائے تو موت سے پہلے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط متحقق ہو چکی ہے اور وہ خاوند فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ اذا ما اور اذا جب نیت کے بغیر ذکر کیے جائیں

متحقق ہوگی اور وہ طلاق نہ دینا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب نیت نہ پائی جائے یا دلالت فور نہ پائی جائے جس طرح اذا کے ضمن میں بحث آرہی ہے۔

13239۔(قولہ: حَتَّى يَمُوتَ أَحَدُهُمَا) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرد کی موت عورت کی موت کی طرح ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''نوادر'' کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہ قول بھی اس کے خلاف ہے: ان لم ادخل الدار فانت طالق۔ اس صورت میں مرد کی موت کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ عورت کی موت کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت کے مرنے کے بعد بھی مرد کا گھر میں داخل ہونا ممکن ہے۔ پس عورت کی موت کے ساتھ مایوسی متحقق نہ ہوگی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو عورت کی موت کے ساتھ مایوسی متحقق ہو چکی ہے، ''فتح''۔

13240۔(قولہ: لِتَحَقُّقِ الشَّرْطِ) کیونکہ قسم توڑنے کی شرط متحقق ہو چکی ہے۔ جہاں تک خاوند کی موت کا تعلق ہے تو اس میں تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک عورت کی موت کی صورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق سے مایوسی متحقق ہو چکی ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: جب ہم نے عورت کی موت سے پہلے طلاق کے وقوع کا حکم لگا دیا تو خاوند اس عورت کا وارث نہیں ہو گا۔ کیونکہ موت سے پہلے عورت جدا ہو چکی تھی تو موت کی حالت میں دونوں میں زوجیت باقی نہ تھی۔ ہم نے طلاق بائنہ کا حکم لگایا ہے اگرچہ معلق طلاق صریح تھی۔ کیونکہ اس کی عدت منتفی ہو چکی ہے جس طرح غیر مدخول بہا میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ طلاق کا وقوع ایسے جز میں ہوا جو تقسیم کو قبول نہیں کرتا پس موت اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور اسی کے ساتھ بائنہ ہوگئی۔ ''البحر'' میں کہا: یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ خاوند کا اس عورت کا وارث نہ ہونا مطلق ہے خواہ وہ عورت مدخول بہا ہو یا مدخول بہا نہ ہو اسے تین طلاقیں واقع ہوں یا ایک طلاق واقع ہو۔ اس سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ''زیلعی'' کا یہ قید لگانا، وہ وارث نہ بنے گا جب اس نے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں یا تین طلاقیں دی ہوں، صحیح نہیں۔ اس کی مثل ''النہر'' میں ہے۔

13241۔(قولہ: وَيَكُونُ فَارًّا) جب مرنے والا وہی ہو۔ کیونکہ اس کی طلاق اس وقت واقع ہوگئی تھی جب خاوند موت پر جھانکنے والا تھا۔ طلاق المریض کے باب میں آئے گا: اگر خاوند نے اپنی صحت میں طلاق کو معلق کیا تھا اور حالت مرض میں حانث ہوا تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ یہ اسی سے ہے ''رحمتی''۔ اگر وہ عورت مدخول بہا ہو تو عورت خاوند کی وارث بنے گی کیونکہ فرار کا حکم ثابت ہو رہا ہے اگرچہ طلاقیں تین ہوں بصورت دیگر عورت وارث نہ ہوگی، ''بحر''۔

مِثْلُ إِنْ عِنْدَهُ وَ) مِثْلُ (مَتَى عِنْدَهُمَا) وَقَدْ مَرَّ حُكْمُهَا (وَإِنْ نَوَى الْوَقْتَ أَوِ الشَّرْطَ اُعْتُبِرَتْ) نِيَّتُهُ اتِّفَاقًا مَا لَمْ تَقُمْ قَرِينَةُ الْفَوْرِ

تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ان کی طرح ہیں۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ متی کی طرح ہیں ان کا حکم گزر چکا ہے۔ اگر خاوند نے یہ الفاظ بول کر وقت یا شرط کی نیت کی تو بالاتفاق اس کی نیت کا اعتبار ہوگا جب تک فور کا قرینہ قائم نہ ہو۔ اگر فور کا قرینہ ظاہر ہو

حروف شروط کا بیان

13242۔ (قولہ: مِثْلُ إِنْ عِنْدَهُ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے طلاق نہ ہوگی جب تک ان دونوں میں سے ایک مر نہ جائے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے خاموش ہوتے ہی اسے طلاق ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں اذا حرف شرط کے لیے ہے۔ کیونکہ اذا ظرف اور حرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پس شک کی وجہ سے طلاق فی الحال واقع نہ ہوگی۔ یہ بعض نحویوں کا قول ہے جس طرح ''المغنی'' میں ہے۔ لیکن یہ ذکر کیا کہ جمہور علما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شرط کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اور ظرفیت سے خارج نہیں ہوتا۔ ''البحر'' میں کہا: یہ یہاں ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کو راجح کرنے والا ہے۔ ''فتح القدیر'' میں اسے راجح کیا ہے۔

13243۔ (قولہ: وَإِنْ نَوَى الْوَقْتَ أَوِ الشَّرْطَ) ''البحر'' میں کہا: ہم نے نیت کے نہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اذا بول کر متی کی نیت کرے تو بالاتفاق قضاءً اور دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنی ذات پر سختی کی ہے۔ اسی طرح وہ جب اذا سے ان کی نیت کرے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے مطابق یہی حکم ہوگا۔ چاہیے یہ کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک صرف اس کی دیانت میں تصدیق کی جاتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ ظرف میں ظاہر ہے اور شرطیت کا احتمال ہے پس قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا۔ بحث اصل میں صاحب ''الفتح'' کی ہے دیکھو۔ اگر وہ ان بول کر فور کی نیت کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ظاہر ہے ہاں۔ جس طرح اس پر کوئی قرینہ قائم ہو جائے۔

13244۔ (قولہ: مَا لَمْ تَقُمْ قَرِينَةُ الْفَوْرِ) قرینہ کبھی لفظیہ ہوتا ہے اور کبھی معنویہ ہوتا ہے۔ پہلی قسم میں سے طلقنی طلقنی ہے تو خاوند نے کہا: ان لم اطلقك فانت كذا تو یہ علی الفور ہوگا جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ دوسری قسم میں سے ہے جب مرد نے عورت سے جماع کا مطالبہ کیا تو عورت نے اس سے انکار کر دیا تو خاوند نے کہا اگر تو خواب گاہ میں داخل نہ ہوئی تو تجھے یہ۔ وہ عورت اس وقت داخل ہوئی جب مرد کی شہوت میں سکون آ چکا تھا تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ پیشاب آنا فور کو قطع نہیں کرتا۔ چاہیے کہ خوشبو وغیرہ اور تمام وہ چیزیں جو جماع کے دواعی میں سے ہیں ان کا حکم بھی اسی طرح ہو۔ نماز میں اختلاف ہے ''نہر''۔ یعنی جب عورت کو نماز کے نکل جانے کا خوف ہو۔ ''حسن'' نے کہا: نماز فور کو قطع نہ کرے گی اسی پر فتویٰ ہے۔ ''نصیر'' یعنی ''ابوبکر نصیر بن یحییٰ بلخی'' نے کہا: نماز بھی فور کو قطع کر دے گی۔ فور کے مسائل باب الیمین کے آخر میں

فَعَلَى الْفَوْرِ (وَفِي) قَوْلِهِ (أَنْتِ طَالِقٌ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ مَعَ الْوَصْلِ) بِقَوْلِهِ مَا لَمْ أُطَلِّقْكِ (طَلُقَتْ بِ) الْمُنَجَّزَةِ (الْأَخِيرَةِ) فَقَطْ اسْتِحْسَانًا (فَرْعٌ) قَالَ إِنْ لَمْ أُطَلِّقْكِ الْيَوْمَ ثَلَاثًا فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَحِيلَتُهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا عَلَى أَلْفٍ وَلَا تَقْبَلَ الْمَرْأَةُ، فَإِنْ مَضَى الْيَوْمُ لَا تَطْلُقُ بِهِ يُفْتَى خَانِيَةٌ لِأَنَّ التَّطْلِيقَ الْمُقَيَّدَ

توفوراً اسے طلاق ہو جائے گی۔ خاوند نے کہا: انت طالق مالم اطلقك ساتھ ہی انت طالق کہہ دیا تو صرف آخری انت طالق کے ساتھ فی الفور طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بطور استحسان ہے۔ فرع: کہا: اگر آج میں تجھے تین طلاقیں نہ دوں تو تجھے تین طلاقیں۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ خاوند ہزار روپے ادا کرنے کی شرط پر عورت کو تین طلاقیں دے اور عورت اسے قبول نہ کرے اگر آج کا دن گزر جائے تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے ''خانیہ''۔ کیونکہ مقید تطلیق

(مقولہ 17595 میں) دخول وخروج کے متعلق آئیں گے ان شاء اللہ۔ ''بحر''۔ دونوں مثالوں میں ایسی دلالت موجود ہے جو اِنْ میں فور کے قرینہ کا اعتبار کرنے پر دلالت کرتی ہے اگرچہ اس میں اتفاق ہے کہ اِنْ کا لفظ محض شرط کے لیے آتا ہے۔

13245۔ (قولہ: فَعَلَى الْفَوْرِ) یہ کلام مقدر شرط کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فان قامت قرینة الفور فتطلق على الفور۔ ''ط''

13246۔ (قولہ: مَعَ الْوَصْلِ) اگر درمیان میں فاصلہ ہو تو فوری اور معلق دونوں واقع ہو جائیں گی، ''بحر''۔

13247۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی معلق طلاق واقع نہ ہوگی۔ فوری طلاق کے واقع کرنے اور معلق واقع نہ کرنے کا فائدہ یہ ہے اگر معلق تین طلاقیں ہوں تو فوری حتمی طلاق کے ساتھ صرف ایک طلاق واقع ہوگی، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: بلکہ اس کا فائدہ ظاہر ہوگا اگر طلاق معلق ایک ہو۔ کیونکہ معلق اس وقت بھی واقع نہ ہوگی بلکہ یہ ایک حتمی فوری طلاق کو ملا کر واقع کرنے کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر ایک طلاق ملا کر واقع نہ کرتا تو تین معلق طلاقیں واقع ہو جاتیں۔ اگر معلق ایک ہوتی تو ایک فوری نافذ کرنے یا نہ کرنے میں کوئی فرق نہ ہوتا مگر امام ''زفر'' کے آنے والے قول میں فرق ہوتا۔ فافہم

13248۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس تو یہ ہے کہ معلق اور فوری حتمی سب واقع ہو جائیں اگر وہ عورت مدخول بہا ہوئی بصورت دیگر صرف معلق واقع ہوگی یہ امام ''زفر'' کا قول ہے۔ کیونکہ ایسا زمانہ پایا گیا جس میں مرد نے عورت کو طلاق نہیں دی اگرچہ وہ وقت بہت تھوڑا تھا وہ وقت انت طالق کے قول سے فارغ ہونے سے پہلے کا وقت ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قسم سے بری ہونے کا زمانہ مستثنیٰ ہوتا ہے حالف کی حالت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ قسم اٹھانے سے اسکا مقصود قسم کو پورا کرنا ہوتا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنی مقدار کو مستثنیٰ بنایا جائے۔ اسکی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13249۔ (قولہ: لِأَنَّ التَّطْلِيقَ الْمُقَيَّدَ) مقید تطلیق جو ہزار کی شرط پر دی گئی وہ مطلق کے تحت داخل ہو جاتی ہے یعنی جو مطلق تطلیق اس قول میں تھی ان لم طلقك۔ کیونکہ یہ مقید اور غیر مقید دونوں پر صادق آتی ہے جب تطلیق پائی گئی اگرچہ مقید تھی تو قسم توڑنے کی شرط معدوم ہوگئی اور وہ طلاق نہ دینا تھا۔

يَدْخُلُ تَحْتَ الْمُطْلَقِ (أَنْتِ طَالِقٌ يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَنَكَحَهَا لَيْلًا حَنِثَ بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِالْيَدِ) أَیْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَوْمَ يَقْدَمُ زَيْدٌ فَقَدِمَ لَيْلًا لَمْ تَتَخَيَّرْ وَلَوْ نَهَارًا بَقِيَ لِلْغُرُوبِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْيَوْمَ

مطلق کے تحت داخل ہوتی ہے۔ جس دن میں تجھ سے عقد نکاح کروں تجھے طلاق تو اس مرد نے اس عورت سے رات کے وقت عقد نکاح کیا تو قسم توڑنے والا ہوگا۔ الامر بالید کا معاملہ مختلف ہے۔ یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں جس روز زید آ گیا تو زید رات کے وقت آیا تو اسے اختیار نہ ہوگا۔ اگر دن کے وقت آیا تو غروب آفتاب تک معاملہ عورت کے ہاتھ میں رہے گا۔ قاعدہ یہ ہے جب یوم

13250۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ أَنَّ الْيَوْمَ) الیوم کی قید لگائی کیونکہ اللیل مطلق وقت کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ وضعاً اور عرفاً رات کی سیاہی کا نام ہے۔ اگر کہا: اگر تو رات کو داخل ہوگی تو تجھے طلاق ہے اگر وہ دن کو داخل ہوگی اسے طلاق نہ ہوگی۔ جہاں تک لفظ یوم کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق حقیقت کے اعتبار سے دن کی سفیدی پر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حقیقت کے اعتبار سے مطلق وقت پر بولا جائے گا پس یہ لفظ مشترک ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مطلق وقت پر بطور مجاز بولا جائے گا یہی صحیح ہے۔ کیونکہ مجاز اشتراک سے اولی ہے کیونکہ مجاز میں بار بار وضع کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ مشہور یہ ہے کہ یوم کا لفظ طلوع فجر سے سورج کے غروب ہونے تک پر بولا جاتا ہے اور نہار کا لفظ سورج کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک پر بولا جاتا ہے۔ اگر یوم سے دن کی سفیدی مراد لی تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے کلام کے حقیقی معنی کی نیت کی۔ اس کی تصدیق کی جائے گی اگرچہ اس میں اس کی ذات پر تخفیف ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا۔ پھر یوم مطلق وقت کے لیے ہوتا ہے جب نکرہ ہو اور فعل ممتد کی طرف منسوب نہ ہو۔ اگر یوم کو الف لام عہدی کے ساتھ معرف کر دیا جائے جس طرح تو کہے لا اکلمك الیوم تو یہ یوم دن کی سفیدی کے لیے ہوگا۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔ اور جو ''النہر'' میں ہے اگر مذکورہ فرع کی تخریج کی جائے کہ کلام ان افعال میں سے ہے جو ممتد ہوں تو اس قید لگانے سے غنی کر دیتی ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ کلام رات کے داخل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو کہتا ہے کہ کلام ممتد نہیں جب کہ یوم عہد حضوری کے ساتھ معرف ہے تو یہ غیر کے لیے کیسے ہوگا۔ ''البحر'' میں جو قول ہے وہ درست ہے۔ ہاں بعض اوقات رات داخل ہو جاتی ہے جب یوم معرف باللام ہو اور وہ ایسی چیز کے ساتھ ملا ہوا ہو جس میں رات داخل ہو۔ جس طرح اس قول میں ہے: امرك بیدك الیوم و غدا۔ ''الجامع الصغیر'' میں ہے: رات اس قول میں داخل ہوگی۔ ''التلویح'' میں کہا: یہ اس پر مبنی نہیں کہ یوم مطلق وقت کے لیے ہے بلکہ اس بنا پر کہ یہ قول اس قول کے قائم مقام ہے امرك بیدك یومین اس جیسی مثالوں میں الیوم کا لفظ اللیلة کو اپنے تابع کر لیتا ہے۔ یہ قول مختلف ہے امرك بیدك الیوم و بعد غد۔ کیونکہ اکیلا الیوم اس رات کو تابع نہیں کرتا جو اس کے مقابل ہوتی ہے۔

مَتَى قُرِنَ بِفِعْلٍ مُمْتَدٍّ يَسْتَوْعِبُ الْمُدَّةَ يُرَادُ بِهِ النَّهَارُ كَالْأَمْرِ بِالْيَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ جَعْلُهُ بِيَدِهَا يَوْمًا أَوْ شَهْرًا، وَمَتَى قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَسْتَوْعِبُهَا يُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ

فعل ممتد کے ساتھ ملایا گیا ہو ایسا فعل جو پوری مدت کو گھیر لے تو اس یوم سے مراد دن ہوگا جس طرح امر بالید ہے۔ کیونکہ یہ صحیح ہے کہ یہ امر ایک دن اور ایک ماہ تک اس کے سپرد کر دیا جائے اور جب ایسے فعل کے ساتھ ملایا گیا ہو جو فعل اس مدت کو نہیں گھیرتا تو اس سے مراد مطلق وقت ہوتا ہے۔

لفظ یوم جب فعل ممتد کے ساتھ ملے

13251۔(قولہ: مَتَى قُرِنَ بِفِعْلٍ مُمْتَدٍّ) ممتد سے مراد ایسا عمل ہے جس کے لیے مدت بیان کرنا صحیح ہو جس طرح السیر (چلنا) الرکوب (سوار ہونا) الصوم، عورت کو اختیار دینا اور طلاق کا سپرد کرنا۔ اور غیر ممتد سے مراد وہ ہے جو اس کے برعکس ہو۔ جس طرح طلاق، تزوج، کلام، عتاق (آزاد کرنا) داخل ہونا، نکلنا ''بحر''۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لبست الثوب یومین، رکبت الفرس یوما۔ یہ نہیں کہا جاتا: قدمت یومین، دخلت ثلاثة ایام تلویح۔ ''تلویح'' کے حاشیہ لکھنے والے میں سے بعض نے کہا: کہ لبس اور رکوب کے امتداد سے مراد مجازاً ان دونوں کی بقا کا امتداد ہے۔ قرینہ الیوم کی قید ہے نہ ان دونوں کی اصل یعنی کیونکہ رکوب (سواری) کی حقیقت وہ حرکت ہے جو جانور کے اوپر ہوتی ہے اور لبس سے مراد کپڑے کو بدن پر رکھنا ہے یہ ممتد نہیں۔ شارح نے اپنے قول: یستوعب المدة کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''شرح الوقایہ'' میں ہے کہ مراد ایسا امتداد ہے۔ جس کا دن کو گھیر لینا ممکن ہو نہ کہ مطلق امتداد ہے کیونکہ علما نے تکلم کو غیر ممتد کے قبیل سے بنایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طویل زمانہ کو مستوعب ہو سکتا ہے لیکن دن کی سفیدی کو مستوعب نہیں ہو سکتا۔ ''ہدایہ'' میں جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ تکلم غیر ممتد ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہی حق ہے۔ ''ہندی'' نے ''شرح المغنی'' میں یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ فعل ممتد ہے۔ اور ''ہدایہ'' میں جو ہے اسے بعض مشائخ کا گمان قرار دیا ہے۔ ''الفتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر امتداد کو دن کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ یہ پہلے قول پر مبنی ہے جس طرح صاحب ''النہر'' اور ''المقدسی'' نے اسے ثابت کیا ہے ''تلویح'' کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس کے لیے مدت کا بیان کرنا صحیح ہو۔ تامل۔ اپنے قول کالامر بالید کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا کہ فعل ممتد سے مراد مظروف ہے یعنی جو الیوم میں عامل ہو نہ کہ وہ جو یوم کا مضاف الیہ ہو۔ کیونکہ محققین کے نزدیک مضاف الیہ کے امتداد یا عدم امتداد کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ مظروف ہو لیکن اسے ظرف کی تعیین کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ ظرف کے ذکر سے مقصود اس میں عامل کے وقوع کا فائدہ دینا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ صورتیں چار ہیں۔ کیونکہ مضاف الیہ اور یوم کا مظروف بعض اوقات ان چیزوں میں سے ہوتا ہے جو ممتد ہوتے ہیں جس طرح امرك بيدك يوم يركب زيد۔ بعض اوقات دونوں غیر ممتد ہوتے ہیں جس طرح انت طالق يوم يقدم زيد۔ ان دونوں صورتوں میں مضاف الیہ اور مظروف کے اعتبار میں کوئی فرق نہیں۔ بعض اوقات مظروف ممتد ہوتا

كَإِيقَاعِ الطَّلَاقِ، فَإِنَّهُ لَوْ قَالَ طَلَّقْتُكِ شَهْرًا كَانَ ذِكْرُ الْمُدَّةِ لَغْوًا وَتَطْلُقُ لِلْحَالِ (أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ) أَوْ بَرِيءٌ (لَيْسَ بِشَيْءٍ وَلَوْ نَوَى) بِهِ الطَّلَاقَ (وَتَبِينُ فِي الْبَائِنِ وَالْحَرَامِ) أَيْ أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ

جس طرح طلاق واقع کرنا۔ اگر خاوند نے کہا: میں نے تجھے طلاق دی مہینہ بھر تو مدت کا ذکر لغو ہوگا اور اسے اسی وقت طلاق ہو جائے گی مجھے تجھ سے طلاق ہے یا میں تجھ سے بری ہوں یہ کچھ بھی نہیں اگرچہ اس نے اس کے ساتھ طلاق کی نیت کی ہو بائن اور حرام میں عورت کو طلاق بائنہ ہو جائے گی یعنی یہ کہا میں تجھ سے جدا ہوں

ہے اور مضاف الیہ غیر ممتد ہوتا ہے جس طرح امرك بيدك يوم يقدم زيد یا اس کے برعکس ہوتا ہے جیسے انت حر يوم يركب زید۔ ان دونوں میں فرق ظاہر ہوگا۔ دونوں میں مظروف کے اعتبار میں اتفاق کیا ہے جب زید رات کو آیا یا رات کو سوار ہوا تو امر عورت کے ہاتھ میں نہیں ہوگا اور غلام بالاتفاق آزاد نہیں ہوگا۔ علما میں سے بعض کے کلام میں یہ واقع ہوا ہے کہ معتبر مضاف الیہ ہے۔ لیکن ان دونوں مثالوں میں اس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ پہلی دو مثالوں میں اس کا اعتبار کیا ہے۔ جب کہ تو جان چکا ہے کہ مضاف الیہ اور مظروف کے اعتبار کے حوالے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح ''الکشف''، ''التلویح'' وغیرہما میں ہے۔ جس نے اختلاف کیا ہے اس کے ساتھ اس کا رد کیا جاتا ہے اور جو کچھ ''زیلعی'' اور ''شرح الوقایہ'' میں ان میں سے ممتد کو راجح کرنے کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کا رد کیا جاتا ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ پھر یہ جان لیں جو قاعدہ ذکر کیا گیا یہ اس وقت جب تقیید نہ ہو بلکہ اطلاق ہو اور موانع سے خالی ہو۔ قرینہ کے ساتھ اس کی مخالفت مانع نہیں۔ بے شمار مواقع پر فعل ممتد ہوتا ہے جب کہ دن مطلق وقت کے لیے ہوتا ہے جیسے: اركبوا اليوم ياتيكم العدو، احسن الظن بالله يوم ياتيكم الموت اور اس کے برعکس جیسے انت طالق يوم يصوم زيد، انت حر يوم تكسف الشمس۔ ''تلویح'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

13252۔ (قولہ: كَإِيقَاعِ الطَّلَاقِ) اس کے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ ان کا قول طلاق ان امور میں سے ہے جو ممتد نہیں ہوتے۔ اس سے مراد طلاق کو واقع کرنا ہے نہ کہ یہ مراد ہے کہ عورت کو طلاق ہو چکی ہے بلکہ عورت کا طلاق والا ہونا ان امور میں سے ہیں جو ممتد ہوتے ہیں بلکہ یہ ایسا امر ہے جو جاری رہنے والا ہے۔ ظرف کو اس کے ساتھ متعلق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جس طرح ''صدر الشریعہ'' نے بیان کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: طلاق کو نئے سرے سے واقع کرنا ایسا امر ہے جو ممتد نہیں۔ بلکہ محض صادر ہونے کے ساتھ یہ فعل ختم ہو جاتا ہے اس کا اثر ختم نہیں ہوتا وہ اس کا طلاق والا ہونا ہے۔

13253۔ (قولہ: أَوْ بَرِيءٌ) انت بريئة کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے جس طرح کنایات میں آئے گا۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

13254۔ (قولہ: لَيْسَ بِشَيْءٍ) کیونکہ طلاق کا محل ہونا یہ عورت کے ساتھ قائم ہے مرد کے ساتھ قائم نہیں۔ پس مرد

أَوْ أَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ (إِنْ نَوَى) لِأَنَّ الْإِبَانَةَ لِإِزَالَةِ الْوُصْلَةِ وَالتَّحْرِيمَ لِإِزَالَةِ الْحِلِّ وَهُمَا مُشْتَرَكَانِ فَتَصِحُّ الْإِضَافَةُ إِلَيْهِ، حَتَّى لَوْ لَمْ يَقُلْ مِنْكِ أَوْ عَلَيْكِ لَمْ يَقَعْ بِخِلَافِ أَنْتِ بَائِنٌ أَوْ حَرَامٌ حَيْثُ يَقَعُ إِذَا نَوَى وَإِنْ لَمْ يَقُلْ مِنِّي، نَعَمْ

یا میں تجھ پر حرام ہوں اگر طلاق کی نیت کی۔ کیونکہ ابانہ تعلق کو زائل کرنا ہے اور التحریم حلت کو زائل کرنا ہے۔ دونوں مشترک ہیں۔ پس اضافت مرد کی طرف صحیح ہے یہاں تک کہ اگر اس نے منك یا علیك نہ کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ انت بائن یا حرام کا معاملہ مختلف ہے۔ طلاق واقع ہو جائے گی اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی اگر چہ اس نے منی نہ کہا۔ ہاں

کی طرف اسے منسوب کرنا غیر محل کی طرف منسوب کرنا ہے تو یہ کلام لغو ہوگی۔ اسی وجہ سے اگر مرد نے عورت کو طلاق کا مالک بنایا عورت نے طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی،''بحر''۔

13255۔ (قولہ: أَوْ أَنَا عَلَيْكِ حَرَامٌ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ واؤ کے ساتھ وانا ذکر کرتے جس طرح بعض نسخوں میں ہے۔

13256۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِبَانَةَ) یعنی ابانہ کا لفظ نکاح کے تعلق کو زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ البین سے مشتق ہے جس کا معنی جدا کرنا ہے جس طرح ''التحریم'' میں کہا جاتا ہے۔

13257۔ (قولہ: وَهُمَا مُشْتَرَكَانِ) یہ لفظ را کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی وصلہ اور تحریم میاں بیوی میں مشترک ہیں۔ اور کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہوگا یعنی میاں بیوی وصلہ اور تحریم میں مشترک ہیں۔

13258۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ لَمْ يَقُلْ) جیسے خاوند نے کہا: انا بائن، انا حرام۔ پھر بہتر یہ تھا کہ کہتا ولم یقل کیونکہ منك اور علیك کی قید سے احتراز ہوتا جس طرح ''البحر'' میں ہے''ط''۔ بعض نسخوں میں ولولم، حتی کے بغیر ہے۔

13259۔ (قولہ: لَمْ يَقَعْ بِخِلَافِ) ''التبیین'' میں کہا ہے: فرق یہ ہے کہ بینونت اور حرام جب عورت کی طرف مضاف ہوں تو یہ متعین ہو جاتا ہے کہ دونوں کے درمیان جو تعلق اور حلت ہے اس کو زائل کرنا ہے۔ جب مرد کی طرف مضاف ہوں تو یہ متعین نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس کی کوئی دوسری بیوی ہو تو وہ اپنے قول انا بائن سے اس سے جدائی انا حرام سے اس پر حرام ہونے کا ارادہ کرے،''ح''۔

13260۔ (قولہ: إِذَا نَوَى) یہ قید انت حرام میں اصل مذہب پر جاری ہو رہی ہے۔ جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے تو نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح ایلاء میں آئے گا،''ح''۔

13261۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَقُلْ مِنِّي) ''ابو عبد اللہ جرجانی'' کی ''خزانۃ الاکمل'' میں جو کچھ ہے اس کا رد ہے انہوں نے ذکر کیا جب خاوند نے منی نہ کہا تو وہ قول باطل ہوگا یہ سہو ہے۔ صورت مذکورہ میں اس کا محل بعد میں ہے جس طرح ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے اس کی وضاحت کی ہے۔

13262۔ (قولہ: نَعَمْ) ''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے جب حرمت اور بینونت کو عورت کی طرف منسوب کیا جس

لَوْ جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا شَرْطُ قَوْلِهَا بَائِنٌ مِنِّي وَيَقَعُ بِأَبْرَأْتُكَ عَنِ الزَّوْجِيَّةِ بِلَا نِيَّةٍ (أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إِيَّاكِ فَأَعْتَقَ) سَيِّدُهَا طَلُقَتْ ثِنْتَيْنِ (وَلَهُ الرَّجْعَةُ) لِوُجُودِ التَّطْلِيقِ بَعْدَ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ شَرْطٌ وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ أَنَّ كَلِمَةَ مَعَ إِذَا أُقْحِمَ بَيْنَ جِنْسَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ يَحُلُّ مَحَلَّ الشَّرْطِ

اگر خاوند نے عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیا تو عورت کے قول میں یہ شرط ہے بائن منی۔ اور طلاق واقع ہو جائے گی جب خاوند کہے میں نے تجھے عقد زوجیت سے بری کر دیا نیت کی ضرورت نہ ہوگی۔ تجھے دو طلاقیں تیرے آقا کے تجھے آزاد کرنے کے ساتھ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا تو اسے دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور مرد کو رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ تطلیق اعتاق کے بعد پائی گئی کیونکہ یہ شرط ہے۔ ''ابن کمال'' نے نقل کیا ہے کہ مع کا کلمہ جب خاوند دو مختلف جنسوں کے درمیان داخل کرے تو وہ شرط کے محل میں ہوگا

طرح انت بائن او حرام مرد کی طرف منسوب کرنے کے بغیر عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا جس طرح کہا انا حرام یا انا بائن۔ تو جب تک عورت کی طرف اسے منسوب نہ کرے تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ اگر مرد نے عورت کو اختیار دیا تو عورت نے حرمت اور بینونت کے ساتھ جواب دیا تو دو اضافتوں کو جمع کرنا ضروری ہے جیسے انت حرام علی، انا حرام علیک، انت بائن منی، انا بائن منک۔

13263۔(قولہ: بِلَا نِيَّةٍ) یہ حالت غضب وغیرہ میں ہے ''تاتر خانیہ''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ طلاق صریح ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''الجوہرہ'' کے کنایات کے باب میں ہے: انا بریئ من نکاحک جب طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ انا بری من طلاقک تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ کسی شے سے براءت اس کو ترک کرنا ہے۔

13264۔(قولہ: لِأَنَّهُ شَرْطٌ) کیونکہ اس نے تطلیق کو آزاد کرنے کے ساتھ معلق کیا ہے مگر اسے مجازاً عتق کے ساتھ تعبیر کیا ہے حکم کو علت کے لیے بطور مجاز ذکر کیا ہے۔ معلق شرط کے بعد پایا جاتا ہے عورت کو طلاق ہوگی جب کہ وہ آزاد ہو چکی ہوگی۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ شرط وہ ہوتی ہے جو فی الوقت معدوم ہو اور اس کے پائے جانے کا امکان ہو اور حکم کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ مذکور اسی صفت پر ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مع کا کلمہ قران کے لیے آتا ہے۔ پس یہ شرط کے معنی کے منافی ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ بعض اوقات اس کو موخر کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جب کہ متاخر کو مقارن کے قائم مقام رکھا جاتا ہے کیونکہ اس کا وقوع متحقق ہو چکا ہے۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح) یہاں اس معنی کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں موجب موجود ہے وہ عورت کے لیے شرط کے معنی کا پایا جانا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

13265۔(قولہ: بَيْنَ جِنْسَيْنِ) جس طرح طلاق وعتاق اور عسر و یسر ''ط''۔

13266۔(قولہ: يَحُلُّ مَحَلَّ الشَّرْطِ) گویا کہا: ان اعتقتک تو مع کا لفظ بعد کے معنی میں ہوگا ''ح''۔

(وَلَوْ عُلِّقَ) بِالْبِنَاءِ لِلْمَجْهُولِ (عِتْقُهَا وَ طَلَاقُهَا بِمَجِیءِ الْغَدِ فَجَاءَ الْغَدُ (لَا رَجْعَةَ لَهُ) لِتَعَلُّقِهِمَا بِشَرْطٍ وَاحِدٍ (وَعِدَّتُهَا) فِی الْمَسْأَلَتَيْنِ (ثَلَاثُ حِيَضٍ) احْتِيَاطًا

اگر معلق کیا گیا ''علق'' یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ عورت کی آزادی اور اس کی طلاق کو کل کے آنے کے ساتھ تو مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں امور ایک شرط کے ساتھ متعلق تھے اور دونوں مسئلوں میں عدت تین حیض ہوگی۔ یہ بطور احتیاط ہے۔

13267۔(قولہ: وَلَوْ عُلِّقَ) یعنی خاوند اور آقا نے معلق کیا آقا نے کہا: اذا جاء الغد فانت حرۃ اور خاوند نے کہا: اذا جاء الغد فانت طالق ثنتین، ''ط''۔

13268۔(قولہ: بِمَجِیءِ الْغَدِ) مثلاً کیونکہ دار و مدار ایک چیز پر ہے جس پر دونوں چیزوں کو معلق کیا گیا تھا۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

13269۔(قولہ: لَا رَجْعَةَ لَهُ) ایک روایت میں ہے کہ تمام ائمہ کے نزدیک رجوع کا حق نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد کو رجوع کا حق ہے۔ کیونکہ طلاق اور عتق جب دونوں ایک شرط کے ساتھ متعلق ہیں تو ضروری ہے کہ عورت کو آزادی کے واقع ہونے کے زمانہ میں طلاق ہو۔ طلاق عورت کو لاحق ہوگی جب کہ وہ آزاد تھی کیونکہ وجود میں یہ دونوں مقترن ہیں اس لیے حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہوگی۔ شیخین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزادی کے ثبوت کا زمانہ طلاق کے ثبوت کا زمانہ ہے کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ دونوں امر ایک شرط کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ آزادی کے ثبوت کے زمانہ میں آزادی ثابت نہ تھی۔ کیونکہ عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شے اپنے ثبوت کے زمانہ میں ثابت نہیں ہوتی۔ عورت کو دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی جب کہ وہ آزاد ہو۔ پہلا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں عتق شرط ہے طلاق اس کے بعد واقع ہوگی۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

13270۔(قولہ: فِی الْمَسْأَلَتَيْنِ) اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

13271۔(قولہ: ثَلَاثُ حِيَضٍ) یعنی اگر عورت حیض والی ہو ورنہ تین ماہ عدت ہوگی یا عدت وضع حمل ہوگی، ''ط''۔

13272۔(قولہ: احْتِيَاطًا) یہ قول صرف دوسرے مسئلہ کے متعلق ہے ''ح''۔ یعنی احتیاط کے ساتھ علت بیان کرنا دوسرے مسئلہ میں تین حیض کے ساتھ عدت کے وجوب میں ہے۔ کیونکہ عورت پر طلاق کے وقوع کا مقتضا یہ ہے جب کہ وہ لونڈی ہو کہ عدت دو حیض ہو۔ اسی وجہ سے دو طلاقوں کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی لیکن بطور احتیاط تین حیض عدت واجب ہو گی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ طلاق حالت غلامی میں ہوئی۔ لیکن جب آزادی اس کے بعد بغیر مہلت کے واقع ہوئی تو عدت اس پر واجب ہوگی جب کہ وہ آزاد تھی۔ کیونکہ طلاق اگرچہ عدت کے وجوب کی علت ہے اور علت معلول کے ساتھ زمانہ میں ملی ہوتی ہے لیکن معلول رتبہ میں اس سے متاخر ہے۔ تامل۔ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو تین حیضوں کے ساتھ عدت کا واجب ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ طلاق کا وقوع ہر اعتبار سے اعتاق (آزادی) کے بعد ہوا ہے۔ اسی وجہ سے وہ طلاقوں کے ساتھ جدا نہ ہوئی جس طرح پہلے (مقولہ 13269 میں) گزر چکا ہے۔

(وَلَوْ كَانَ الزَّوْجُ (مَرِيضًا لَا تَرِثُ مِنْهُ) لِوُقُوعِهِ وَهِيَ أَمَةٌ فَلَا تَرِثُ مَبْسُوطٌ (أَنْتِ طَالِقٌ هَكَذَا مُشِيرًا بِالْأَصَابِعِ) الْمَنْشُورَةِ (وَقَعَ بِعَدَدِهِ) بِخِلَافِ مِثْلَ هَذَا، فَإِنَّهُ إِنْ نَوَى ثَلَاثًا وَقَعْنَ وَإِلَّا فَوَاحِدَةٌ

اگر خاوند مریض ہو عورت اس کی وارث نہ بنے گی۔ کیونکہ طلاق اس وقت واقع ہوئی جب کہ وہ عورت لونڈی تھی پس وہ وارث نہ ہوگی "مبسوط"۔ تجھے اتنی طلاقیں اس حال میں کہ اس کی انگلیاں کھلی ہوئی تھیں تو کھلی ہوئی انگلیوں کے برابر اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس نے اسے کہا: اس کی مثل طلاقیں اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی بصورت دیگر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

13273۔(قولہ: وَلَوْ كَانَ الزَّوْجُ مَرِيضًا) یعنی تعلیق کے وقت خاوند مریض ہو۔

13274۔(قولہ: لَا تَرِثُ مِنْهُ) دوسری صورت میں ظاہر ہے "ط"۔ تعلیل اس پر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر تعلیق طلاق کے بعد ہوتی ہے۔ جس طرح پہلے گزرا ہے اور طلاق رجعی ہوگی۔ خاوند اس سے فوت ہوا جب وہ آزاد تھی اور طلاق رجعی کی عدت گزر رہی تھی تو عورت اس کی وارث ہوگی۔

13275۔(قولہ: لِوُقُوعِهِ) کیونکہ طلاق اس وقت واقع ہوئی جب کہ وہ لونڈی تھی اور لونڈی وارث نہیں ہوتی پس خاوند کی جانب سے فرار متحقق نہ ہوا۔ "النہر" میں کہا: امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ قول گزرا ہے کہ وہ وارث ہوگی۔ اس کا مقتضی یہ ہے یعنی کیونکہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر طلاق واقع ہوئی جب کہ وہ آزاد تھی۔ پس خاوند رجوع کا مالک ہوگا پس عورت وارث ہوگی۔ یہ اس کی مؤید ہے جو ہم نے پہلی صورت میں ذکر کیا ہے۔

13276۔(قولہ: الْمَنْشُورَةِ) مصنف کا قول و تعتبر المنشورۃ اس قول سے غنی کر دیتا ہے۔

13277۔(قولہ: وَقَعَ بِعَدَدِهِ) یعنی اس تعداد کے مطابق طلاقیں واقع ہوں گی جو اس نے انگلیوں سے اشارہ لغویہ کیا، یا اس تعداد کے مطابق طلاقیں واقع ہو جائیں گی جو اس نے انگلیوں سے اشارہ حسیہ کیا۔ تامل۔ اگر اس نے تین انگلیوں کا اشارہ کیا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، یا دو انگلیوں سے اشارہ کیا دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ ایک انگلی کا اشارہ کیا تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس طرح "ہدایہ" میں ہے۔ "البحر" میں کہا: یہ تشبیہ ہے اس عدد کے ساتھ جس کی طرف اشارہ کیا گیا وہ ایسا عدد ہے جن کی قیمت ان انگلیوں سے سمجھی گئی ہے جن انگلیوں کی طرف ذا کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ھا تنبیہ کے لیے ہوتا ہے اور کاف تشبیہ کے لیے ہوتا ہے اور ذا اشارہ کے لیے ہے۔ اسے دیکھو کیا انگلیوں کے علاوہ دوسری معدودات میں سے کسی کی طرف اشارہ کیا جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہوتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ عادۃً عدد کا ارادہ انگلیوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ تامل۔

13278۔(قولہ: بِخِلَافِ مِثْلِ هَذَا) یعنی اس کا یہ قول اس کے خلاف ہے انت طالق مثل ھذا (تجھے اس کی مثل طلاق ہے) اور اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا، "بحر"۔

13279۔(قولہ: وَإِلَّا فَوَاحِدَةٌ) یعنی اسے ایک طلاق بائنہ ہوگی جس طرح اس کا قول ہے: انت طالق کالف۔ "بحر" میں "المحیط" سے مروی ہے۔

لِأَنَّ الْكَافَ لِلتَّشْبِيهِ فِي الذَّاتِ وَمِثْلُ لِلتَّشْبِيهِ فِي الصِّفَاتِ، وَلِذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِيمَانِي كَإِيمَانِ جِبْرِيلَ لَا مِثْلَ إِيمَانِ جِبْرِيلَ بَحْرٌ (وَتُعْتَبَرُ الْمَنْشُورَةُ) لَا الْمَضْمُومَةُ إِلَّا دِيَانَةً

کیونکہ کاف ذات میں تشبیہ کے لیے ہوتا ہے اور مثل صفات میں تشبیہ کے لیے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرا ایمان جبریل کے ایمان جیسا ہے میرا ایمان جبریل کے ایمان کی مثل نہیں۔ کھلی ہوئی انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا بند انگلیوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ مگر دیانۃً ان کا اعتبار ہوگا

اس کی وضاحت یہ ہے: جو ''البدائع'' سے بھی نقل کیا ہے: یعنی یہ لفظ (الف) عدد میں تشبیہ کا احتمال رکھتا ہے یا صفت میں تشبیہ کا احتمال رکھتا ہے اور صفت میں مراد شدت ہے دونوں میں جن کی بھی نیت کی وہ صحیح ہے۔ اگر اس کی نیت نہ ہو تو اسے صفت میں تشبیہ پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ رتبہ میں ادنی ہے یعنی اگر اس نے نیت نہ کی تو اسے محمول کیا جائے گا کہ واقع ہونے والی ایک ایسی طلاق ہے جو شدت میں تین کے مشابہ ہے وہ بینونت ہے۔

13280۔ (قولہ: لِأَنَّ الْكَافَ) یعنی ھکذا میں کاف، ''ط''۔

13281۔ (قولہ: وَلِذَا) اس مذکورہ کاف کی وجہ سے جو کاف اور مثل میں ہے، ''ط''۔

امام صاحب کا قول ایمانی کایمان جبریل کا معنی

13282۔ (قولہ: كَإِيمَانِ جِبْرِيلَ) کیونکہ دونوں فردوں میں حقیقت ایک ہے وہ حقیقت پختہ تصدیق ہے۔

13283۔ (قولہ: لَا مِثْلَ إِيمَانِ جِبْرِيلَ) کیونکہ حضرت جبریل کا ایمان صفت میں زائد ہے۔ کیونکہ ان کا ایمان مشاہدہ کی بنا پر ہے۔ اس کے ساتھ اطمینان میں زیادتی ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اشارہ کیا گیا ہے قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (البقرہ: 260) اس کے ساتھ قرب میں زیادتی اور مقام کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جو ''امام'' سے یہاں قول نقل کیا گیا ہے وہ اس قول کے خلاف ہے جو ''الخلاصہ'' میں منقول ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی آدمی کہے: ایمانی کایمان جبریل بلکہ وہ کہے: آمنت بما آمن بہ جبریل۔ اور اسی کی مثل جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''العالم والمتعلم'' میں فرمایا: ان ایماننا مثل ایمان الملائکۃ کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی ربوبیت اور اس کی قدرت پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو آیا ہم اس پر ایمان لائے۔ اسی کی مثل جن کا فرشتوں نے اقرار کیا اور انبیاء اور رسل نے اس کی تصدیق کی۔ اس وجہ سے ہمارا ایمان ان کے ایمان کی مثل ہے۔ کیونکہ ہم ہر اس شے پر ایمان لائے جس پر فرشتے ایمان لائے ان عجائب میں جن کا فرشتوں نے مشاہدہ کیا اور ہم نے اس کا معائنہ نہیں کیا۔ اس کے بعد انہیں ہمارے اوپر ایمان اور تمام عبادات پر ثواب میں فضیلت حاصل ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ ان تین عبارات میں ظاہر کے اعتبار سے تخالف ہے۔ تطبیق دینا اس اعتبار سے ممکن ہے کہ پہلے قول کو عالم پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ آپ نے کہا: میں کہتا ہوں: ایمانی کایمان جبریل۔ اور یہ نہیں کہتا: مثل ایمان جبریل۔ دوسرا قول آپ کے

كَكَفٍّ وَالْمُعْتَمَدُ فِي الْإِشَارَةِ فِي الْكَفِّ نَشْرُ كُلِّ الْأَصَابِعِ
جس طرح ہتھیلی پر ہتھیلی کے ساتھ اشارہ میں قابل اعتماد تمام انگلیوں کا کھلا ہونا ہے۔

غیر پر محمول ہوگا۔ کیونکہ آپ نے کہا: میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی آدمی کہے۔ اور تیسرا قول اس پر محمول ہو جب مومن یہ کی تفصیل اور تصریح کی جائے اگرچہ مثلیت کے لفظ کے ساتھ ہو۔ کیونکہ تصریح کے بعد ابہام نہیں۔ پس عالم اور جاہل کے لیے جائز ہے۔ اس مسئلہ میں ''ابن کمال پاشا'' کا رسالہ ہے اس میں جو کچھ ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

13284۔ (قولہ: كَكَفٍّ) یعنی جب کف کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اس پر ایک طلاق واقع ہو گی کیونکہ ہتھیلی ایک ہے، ''ح''۔

اشارے کے بارے میں ائمہ کے اقوال اور معتمد قول

13285۔ (قولہ: وَالْمُعْتَمَدُ) جس نے اس اعتماد کی تصریح کی ہے میں نے اسے نہیں دیکھا گویا ''البحر'' کی عبارت سے اسے سمجھا ہے۔ یہ غیر محل سے معنی کا سمجھنا ہے جس طرح تو اسے پہچانتا ہے۔ ''الہدایہ'' میں ہے: اشارہ انگلیوں میں سے جو کھلی ہوتی ہے ان کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ اگر اس نے بند انگلیوں سے اشارہ کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے ہتھیلی سے اشارہ کیا یہاں تک کہ پہلی صورت میں جب دو انگلیاں بند تھیں تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور دوسری صورت میں جب ہتھیلی کی نیت کی ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کا احتمال رکھتی ہے لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: پہلی صورت سے مراد دو بند انگلیوں کے ساتھ اشارہ ہے اور دوسری صورت میں ہتھیلی سے اشارہ ہے۔ دونوں صورتوں میں قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس نے عورت کی طرف تین کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا تھا۔ ''کافی الحاکم'' میں ہے: اگر تین انگلیوں سے یہ مراد لیتا ہے کہ طلاق ایک ہے اور کہتا ہے: میں نے ہتھیلی سے اشارہ کیا ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہ اس امر میں صریح ہے کہ ہتھیلی کا ارادہ دیانۃً صحیح ہے جب کہ تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا ہو۔ ''البحر'' کی عبارت ہے: اشارہ کھلی انگلیوں کے ساتھ ہو بند انگلیوں کے ساتھ نہیں ہوگا۔ یہ عرف اور سنت کی بنا پر ہے۔ اگر اس نے دو بند انگلیوں کے ساتھ اشارہ کی نیت کی تو دیانۃً اور قضاءً تصدیق کی جائے گی۔ اور اسی طرح اگر اس نے ہتھیلی سے اشارہ کی نیت کی۔ ہتھیلی سے اشارہ یہ ہے کہ تمام انگلیاں کھلی ہوں یہ قابل اعتماد ہے۔ یہاں کئی اقوال ہیں جن کا ''معراج'' میں ذکر کیا ہے۔

(۱) اگر ہتھیلی کی پشت عورت کی طرف کرے اور کھلی ہوئی انگلیوں کا باطن اپنی طرف کرے تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کے برعکس اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

(۲) اگر ہتھیلی کا باطن آسمان کی طرف ہو تو اعتبار کھلی ہوئی انگلیوں کا ہوگا اور اگر ہتھیلی کا باطن زمین کی طرف ہو تو اعتبار بند انگلیوں کا ہوگا۔

وَنَقَلَ الْقُهُسْتَانِيُّ أَنَّهُ يُصَدَّقُ قَضَاءً بِنِيَّةِ الْإِشَارَةِ بِالْكَفِّ وَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَلَوْ لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا يَقَعُ وَاحِدَةٌ لِفَقْدِ التَّشْبِيهِ وَلَوْ قَالَ أَنْتِ هٰكَذَا مُشِيرًا وَلَمْ يَقُلْ طَالِقٌ لَمْ أَرَهُ

''قہستانی'' نے نقل کیا ہے: ہتھیلی سے اشارہ کی نیت کی تو قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی اور وہ ایک طلاق ہوگی۔ اگر اس نے ہکذا نہ کہا تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ تشبیہ مفقود ہے۔ اگر اس نے کہا تجھے اتنی، اشارہ کرتے ہوئے اور طالق کا لفظ نہ کہا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

(۳) اگر بند کرنے کے بعد کھولے تو اعتبار کھولنے کا ہوگا اگر کھولنے کے بعد بند کرے تو اعتبار بند کرنے کا ہوگا۔ ملخصاً

اس کا قول: وهذا هو المعتمد یہ ان کے اس قول کی طرف راجع ہے: والاشارة تقع بالمنشورة بغیر کسی تفصیل کے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ تینوں اقوال اس کے بعد بیان کیے ہیں۔ اس پر ''الفتح'' کا قول بھی دلالت کرتا ہے جو آپ نے مذکورہ اقوال بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے: جس پر انحصار کیا جا سکتا ہے وہ مصنف کا اطلاق ہے۔ یعنی اعتبار مطلقاً کھلی انگلیوں کا ہو گا۔ یہ مصنف کے اس قول کی طرف راجع نہیں۔ والاشارة بالكف ان تقع الاصابع كلها منشورة جس طرح شارح نے سمجھا ہے۔ کیونکہ تو جان چکا ہے اور کیونکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ''ہدایہ''، ''غایۃ البیان'' اور ''کافی الحاکم'' کا صریح قول یہی ہے کف کے ارادہ کی صحت دیانۃً ہے جب کہ ساتھ ہی صرف تین انگلیاں کھلی ہوں۔ اور جو تمام انگلیوں کے کھولنے کی شرط لگائی ہے اسے ''الفتح'' میں ''معراج الدرایہ'' کی طرف منسوب کیا ہے شاید یہ دوسرا قول ہو۔ یہ محمول ہو کہ اس وقت اس کی قضاءً تصدیق کی جائے گی جس طرح ''الفتح'' کی کلام اس کا شعور دلاتی ہے جس طرح میں نے اس کی وضاحت کی ہے اس تعلیق میں جو میں نے ''البحر'' پر لکھی ہے۔ ''القہستانی'' سے جو قول آ رہا ہے وہ اس کی موافقت کرتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ تمام انگلیوں کو کھولنا قرینہ ہے کہ خاوند نے تین طلاقوں کی نیت نہیں کی بلکہ ہتھیلی کی نیت کی۔

ظاہر یہ ہے کہ بعض انگلیوں کے کھولنے سے احتراز ہے۔ کیونکہ جب وہ تمام انگلیوں کو بند کرے تو یہ ہتھیلی کے ارادہ میں ظاہر ہے تین کے ارادہ میں نہیں۔ اس محل میں میرے لیے یہی ظاہر ہوا ہے۔ اللہ اعلم

13286۔(قولہ: وَنَقَلَ الْقُهُسْتَانِيُّ) اس کی وجہ کے ظاہر ہونے کو تو جان چکا ہے۔ فافہم

13287۔(قولہ: وَلَوْ لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا) یعنی وہ کہے: انت طالق اور تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرے اور تین طلاقوں کی نیت کرے اور زبان سے کچھ ذکر نہ کرے تو اسے ایک طلاق ہوگی، ''خانیہ''۔

13288۔(قولہ: لِفَقْدِ التَّشْبِيهِ) کیونکہ عدد کے ساتھ تشبیہ مفقود ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: کیونکہ جس طرح طلاق لفظ کے بغیر متحقق نہیں ہوتی اس کا عدد بھی اس کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔

اگر کسی نے اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا تجھے اتنی اور طلاق کا لفظ نہ کہا تو اس کا حکم

13289۔(قولہ: لَمْ أَرَهُ) ''الاشباہ'' میں احکام الاشارہ میں اسی طرح کہا ہے۔ ''خیر رملی'' نے یقین کے ساتھ اس کا

(وَلَوْ أَشَارَ بِظُهُورِهَا فَالْمَضْمُومَةُ لِلْعُرْفِ،

اگر اس نے ان کی پشت کے ساتھ اشارہ کیا تو جو انگلیاں بند ہیں وہ معتبر ہوں گی۔ یہ عرف کی وجہ سے ہے۔

ذکر کیا ہے یہ لغو ہے اگر چہ اس کے ساتھ طلاق کی نیت کی۔ اور کہا: کیونکہ لفظ اس کا شعور نہیں دلاتا۔ نیت لفظ کے بغیر مؤثر نہیں ہوتی۔ ''زیلعی'' نے اصل مسئلہ کی تعلیل میں کہا: کیونکہ انگلیوں کے ساتھ اشارہ عرف اور شرع میں عدد کا فائدہ دیتا ہے۔ جب یہ مبہم اسم کے ساتھ ملا ہو۔ یہاں کوئی طلاق نہیں اس کے ساتھ جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ فتامل۔ میں نے کتب شافعیہ میں علت مذکورہ کو دیکھا جس طرح میں نے ذکر کیا ہے۔ ''رملی'' کی کلام کی تلخیص کی گئی ہے۔

میں نے ''سائحانی'' کا مخطوطہ دیکھا: ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے اس کا مقتضا یہ ہے اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے تین طلاقیں ہیں ''ابن فضل'' نے کہا: جب وہ نیت کرے گا تو تینوں واقع ہو جائیں گی یہاں جب نیت کرے تو واقع ہو جائیں گی۔ اس میں یہ بھی ہے جب اس نے کہا: طالق، اسے کہا گیا تو نے کس کا ارادہ کیا؟ اس نے کہا: اپنی بیوی۔ تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر اس نے کہا: تجھے میری طرف سے تین۔ اگر طلاق کی نیت کی تو ہو جائے گی یا یہ قول طلاق کے مذاکرہ میں ہوا۔ مگر علما نے کہا: اس سے ڈرا جاتا ہے کہ قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے۔ ''رحمتی'' نے ''الخانیہ'' کی پہلی عبارت اس طرح نقل کی ہے پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ اس کا قول ھکذا اس کے قول بثلاث کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں میں سے ہر ایک لفظ طالق جو مقدر ہے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ ''رملی'' کا قول ہے: ان اللفظ لایشعربہ مسلم نہیں۔ ''زیلعی'' سے جو نقل کیا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ اسم مبہم سے مراد ھکذا کا لفظ ہے جس سے مراد وہ عدد ہے جس کی طرف اس لفظ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ اسے مبہم کا نام دیا کیونکہ اس کی کمیت کی تصریح نہیں کی گئی۔ جس طرح ''النہر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اسم مبہم ہمارے مسئلہ میں مذکور ہے تو یہ طلاق کی تعداد کا علم عطا کرے گا جو طلاق کا لفظ مقصود ہے متکلم نے جس کی نیت کی ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک میں عدد صریح ہے اور دوسرے میں عدد صریح نہیں۔ یہ فرق موثر نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے قول: انت طالق ھکذا جب کہ تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرے اور اس کے قول انت طالق بثلاث میں کوئی فرق نہیں۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فافہم

اگر کسی نے اپنی انگلیوں کی پشت کے ساتھ اشارہ کیا تو بند انگلیوں کا اعتبار ہوگا

13290۔ (قولہ: وَلَوْ أَشَارَ بِظُهُورِهَا فَالْمَضْمُومَةُ) اس سے قبل اس کے ساتھ اپنے قول کی تقیید کا ارادہ کیا: وتعتبر المنشورۃ لا المضمومۃ یعنی منشورہ کا اعتبار کیا جائے گا جب انگلیوں کے باطن کے ساتھ اشارہ کیا کہ کھلی ہوئی انگلی کا باطن عورت کی طرف کیا اور اس کی پشت اپنی طرف کی۔ اگر انگلیوں کی پشت کے ساتھ اشارہ کیا اس طرح کہ ان کی پشت عورت کی طرف اور ان کا باطن اپنی طرف کرے تو اعتبار بند انگلیوں کا ہوگا۔ یہ وہ تفصیل ہے جس کی تعبیر ''ہدایہ'' میں قیل کے ساتھ کی ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس کی تصریح ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور کہا: معتبر مطلقاً کھلی انگلیاں ہیں۔ اسی قول پر انحصار ہے۔ بند

وَلَوْ كَانَ رُءُوسُهَا نَحْوَ الْمُخَاطَبِ فَإِنْ نَشَرَ عَنْ ضَمٍّ فَالْعِبْرَةُ لِلنَّشْرِ، وَإِنْ ضَمًّا عَنْ نَشْرٍ فَالضَّمُّ ابْنُ كَمَالٍ (وَ) يَقَعُ (بِ) قَوْلِهِ (أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوْ أَلْبَتَّةَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَقَعُ رَجْعِيًّا لَوْ مَوْطُوءَةً (أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ الْبِدْعَةِ،

اگر انگلیوں کے سرے مخاطب کی طرف ہوں اگر بند کرنے کے بعد ان کو کھولا گیا تو اعتبار کھولنے کا ہوگا اور اگر کھولنے کے بعد بند کیا تو اعتبار بند کرنے کا ہوگا۔''ابن کمال''۔اور خاوند کے قول تجھے طلاق بائن یا تجھے طلاق بتہ تو اس سے طلاق بائن واقع ہو گی۔امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی اگر اس بیوی کے ساتھ وطی کی گئی ہو۔ یا خاوند کہے تجھے فحش ترین طلاق یا تجھے شیطان کی طلاق، طلاق بدعت

انگلیوں کا مطلق اعتبار نہیں ہوگا عرف اور سنت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور دیانۃً اعتبار کیا جائے گا جس طرح ''التبیین''، ''المواہب''، ''الخانیہ''، ''البحر'' اور ''الفتح'' میں ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: کھولنا معتبر ہوگا اگر لپیٹنے سے ہو اور لپیٹنا مراد ہوگا اگر کھولنے سے ہو۔ایک قول یہ کیا گیا: اگر ہتھیلی کا بطن آسمان کی جانب ہو تو کھلی انگلیاں مراد ہوں گی اگر ہتھیلی کا بطن زمین کی طرف ہو تو بند انگلیاں مراد ہوں گی۔اسی طرح ہم نے پہلے ''البحر'' سے بیان کیا ہے کہ قابل اعتماد اطلاق ہے۔''الفتح'' سے منقول ہے کہ اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔تینوں مفصل اقوال ضعیف ہیں اگرچہ ان میں سے پہلے قول پر ''الوقایہ'' اور ''الدرر'' پر چلے ہیں۔فافہم

اگر طلاق کو ایسے وصف کے ساتھ ذکر کیا جو شدت اور زیادتی کا معنی دے تو اس کا حکم

13291۔(قولہ: وَيَقَعُ) اب اس بحث میں شروع ہوتے ہیں کہ طلاق کے ایسے وصف کے ساتھ طلاق بائن ہوگی جو شدت اور زیادتی کا معنی دے ''نہر''۔یقع کا فاعل آنے والا قول واحدۃ بائنۃ ہے۔

13292۔(قولہ: أَلْبَتَّةَ) یہ بت امرہ کا مصدر ہے جب وہ اسے قطعی بنائے اور یقینی بنائے ''نہر''۔

13293۔(قولہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ) مناسب یہ تھا کہ مصنف کے قول واحدۃ بائنۃ کے بعد ذکر کرتے۔شارح نے یہاں ذکر کیا ہے۔کیونکہ یہ محل اختلاف ہے نہ کہ بعد والے الفاظ جس طرح ''ہدایہ'' کی کلام اس امر کا فائدہ دیتی ہے۔مگر ''درر البحار'' اور اس کی شرح کی کلام اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ اختلاف سب میں ہے۔

13294۔(قولہ: أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ) اس کے ساتھ ہر اس وصف کی طرف اشارہ کیا ہے جو افعل کے وزن پر ہوتا ہے جو ابھی آرہے ہیں۔کیونکہ یہ تفاوت کے لیے ہے۔یہ بینونت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔اور طلاق بائنہ طلاق رجعی سے افحش ہے، ''بحر''۔

13295۔(قولہ: أَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ الْبِدْعَةِ) طلاق بائنہ واقع ہوگی۔کیونکہ طلاق رجعی عموماً سنت کے مطابق ہوتی ہے۔اگر تو کہے: الطلاق البدعی میں پہلے گزر چکا ہے اگر خاوند نے کہا: تجھے طلاق بدعت۔جب کہ اس کی نیت نہ ہو اگر ایسے طہر میں ہو جس میں جماع ہوا تھا یا حالت حیض میں ہو یا حالت نفاس میں ہو تو اسی وقت ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔اگر

أَوْ أَشَرَّ الطَّلَاقِ، أَوْ كَالْجَبَلِ أَوْ كَالْأَلْفِ،
یا شریر ترین طلاق یا پہاڑ کی طرح یا ہزار کی طرح

ایسے طہر میں ہو جس میں جماع نہ ہو تو فی الحال طلاق نہ ہوگی یہاں تک اسے حیض آئے۔ یا اس طہر میں اس کے ساتھ جماع کرے۔ میں کہتا ہوں: دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہاں جس کا ذکر کیا ہے وہ ایک طلاق بائنہ ہے خواہ وہ اس وقت واقع ہو یا کسی شے کے پائے جانے کے بعد ہو''بحر''۔ لیکن ''النہر'' میں کہا: مصنف کی کلام کا مقتضا یہ ہے کہ فی الحال طلاق بائنہ ہو اگر چہ وہ اس وحدت کے ساتھ متصف نہ ہو۔ کیونکہ بدعی اس میں منحصر نہیں ہوگی جس کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ طلاق بائن بدعی ہوتی ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔

میں کہتا ہوں: فی الحال طلاق بائنہ کے وقوع کی ''شرح درر البحار'' میں تصریح کی ہے۔ ''البدائع'' کے اس باب میں جو کچھ ہے اس سے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے: اگر خاوند نے کہا: تجھے طلاق بدعت تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ بدعت بعض اوقات بائن میں ہوتی ہے اور بعض اوقات حالت حیض میں طلاق کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس بینونت میں شک واقع ہوتا ہے پس شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب کہا: طلاق الشیطان۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے۔ انت طالق للبدعۃ میں مروی ہے جب ایک طلاق بائنہ کی نیت کی تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کا لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن ''ہدایہ'' میں پہلے طلاق بائن کے وقوع کا ذکر کیا پھر اس کا ذکر کیا جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ پھر کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے یہ طلاق رجعی ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو انہوں نے پہلے ذکر کیا وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس پر متون ہیں۔ ''البدائع'' میں پہلے ذکر کیا وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور جو ''البحر'' میں ذکر کیا ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بائن کو واقع نہیں کیا مگر اس کی نیت کے ساتھ واقع کیا ہے۔ اور جب اس کی نیت نہ کی تو وہ اس تفصیل کی بنا پر ہوگا جس کا ذکر ''البحر'' میں کیا ہے۔ تامل

13296۔ (قولہ: أَوْ كَالْجَبَلِ) ''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ وہ وصف جو زیادتی کا معنی دے وہ بینونت کو طلب کرے گا۔ اور تشبیہ بھی اسی طرح ہے مشبہ بہ کوئی چیز بھی ہو جس طرح سوئی کا سرا، رائی کا دانا اور تل۔ کیونکہ تشبیہ زیادتی کا تقاضا کرتی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً عظمت کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے۔ امام ''زفر'' نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ چیز لوگوں کے ہاں عظیم ہو۔ پس سوئی کے سرا کے ساتھ تشبیہ دینے سے ''امام اعظم'' کے نزدیک طلاق بائن ہو جائے گی۔ پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دینے سے صرف ''امام اعظم'' اور امام ''زفر'' کے نزدیک طلاق بائن ہوگی۔ اور عظم الجبل کے ساتھ تشبیہ دینے سے سب کے نزدیک طلاق بائن ہوگی۔ عظم ابرۃ کے ساتھ تشبیہ دینے سے ''امام اعظم''، امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ ''امام اعظم'' کے ساتھ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

13297۔ (قولہ: أَوْ كَالْأَلْفِ) کیونکہ احتمال ہے کہ تشبیہ قوت میں ہو یا عدد میں ہو۔ اگر دوسرے یعنی عدد کی نیت کرے تو

أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ أَوْ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً، أَوْ طَوِيلَةً، أَوْ عَرِيضَةً أَوْ أَسْوَأَهُ، أَوْ أَشَدَّهُ، أَوْ أَخْبَثَهُ أَوْ أَخْشَنَهُ (أَوْ أَكْبَرَهُ أَوْ أَعْرَضَهُ أَوْ أَطْوَلَهُ، أَوْ أَغْلَظَهُ أَوْ أَعْظَمَهُ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ) فِي الْكُلِّ لِأَنَّهُ وَصَفَ الطَّلَاقَ بِمَا يَحْتَمِلُهُ (إِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا) فِي الْحُرَّةِ وَثِنْتَيْنِ فِي الْأَمَةِ، فَيَصِحُّ لِمَا مَرَّ

یا بھرے گھر کی طرح۔ یا شدید طلاق، طویل طلاق، یا چوڑی طلاق یا سب سے بری طلاق یا سب سے شدید طلاق یا سب سے خبیث طلاق یا سب سے کھردری طلاق یا سب سے بڑی طلاق یا سب سے چھوٹی طلاق یا سب سے لمبی طلاق یا سب سے غلیظ طلاق یا سب سے عظیم طلاق تو سب میں ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ طلاق کی صفت لگائی ہے جس کا طلاق احتمال رکھتی ہے۔ اگر آزاد میں تین طلاقوں کی اور لونڈی میں ایک طلاق کی نیت نہ کی تو یہ صحیح ہوگا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔

تین طلاقیں ہوں گی ورنہ اقل ثابت ہوگا وہ بینونت ہے۔ اسی طرح مثل الف اور مثل ثلاث میں ہے۔ عدد الالف اور عدد الثلاث کا معاملہ مختلف ہے۔ ان صورتوں میں بغیر اختلاف کے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ اگر یہ کہا: انت طالق واحدۃ کالف تو بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ تین کی نیت کی۔ کیونکہ ایک تین کا احتمال نہیں رکھتا۔ اس کی مفصل بحث "البحر" میں ہے۔

13298۔ (قولہ: أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ) اس کے ساتھ طلاق بائنہ کی وجہ یہ ہے کہ شے اپنی عظمت کی وجہ سے گھر کو بھرتی ہے اور کبھی اپنی کثرت کی وجہ سے گھر کو بھرتی ہے۔ دونوں میں سے جس کی بھی نیت کی اس کی نیت صحیح ہوگی۔ جب نیت نہ ہو گی تو اقل ثابت ہوگی، "بحر"۔

13299۔ (قولہ: أَوْ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً) کیونکہ جس کا تدارک مشکل ہوتا ہے وہ اس پر شدید ہوتی ہے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے اس امر کا طول وعرض ہے اور وہ بائن ہے "بحر"۔ تطلیقہ کے ذکر کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ اگر کہا: انت طالق قویۃ او شدیدۃ وغیرہما: تجھے قوی، شدید، طویل یا عریض طلاق ہے تو طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ یہ طلاق کی صفت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ یہ عورت کی صفت ہے۔ یہ "اسبیجابی" کا قول ہے۔ طویلۃ کے ساتھ قید ذکر کی کیونکہ اگر وہ کہتا طول کذا، عرض کذا تو تین کی نیت صحیح نہ ہوگی اگرچہ یہ طلاق بائن ہو جاتی، "نہر"۔

13300۔ (قولہ: أَوْ أَخْشَنَهُ) یہ لفظ نون سے پہلے نقطوں والی شین کیساتھ ہے اس میں اشدیۃ کا معنی پایا جاتا ہے، "ط"۔

13301۔ (قولہ: أَوْ أَكْبَرَهُ) یہ با کے ساتھ ہے اکثر تا یا ثا کے ساتھ آتا ہے۔ اس کا ذکر قریب ہی آئے گا۔

13302۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وَصَفَ الطَّلَاقَ بِمَا يَحْتَمِلُهُ) وہ بینونت ہے کیونکہ اس کے ساتھ دخول سے پہلے فی الحال بینونت ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی طرح مال کے ذکر کے وقت بھی بینونت ثابت ہو جاتی ہے اور حقوق زوجیت کے بعد عدت کے ختم ہونے پر بینونت ثابت ہو جاتی ہے، "بحر"۔

13303۔ (قولہ: فَيَصِحُّ لِمَا مَرَّ) اس باب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ یہ مصدر ہے فرد اعتباری کا احتمال رکھتا ہے۔ فرد اعتباری آزاد میں تین طلاقیں اور لونڈی میں دو طلاقیں ہیں۔ اور فا محذوف شرط کے جواب میں ہے۔ یعنی فان نوی ما

كَمَا لَوْ نَوَى بِطَالِقٍ وَاحِدَةً وَبِنَحْوِ بَائِنٍ أُخْرَى
جس طرح اس نے طالق سے ایک طلاق کی اور بائن وغیرہ سے دوسری طلاق کی نیت کی

ذکر صح۔''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ اگر تو کہے: اس نے اس جیسے قول میں مصدر ذکر نہیں کیا: طالق اشد الطلاق میں کہوں گا: ''الفتح'' میں کہا: بے شک طالق طلاقا کا معنی ھو اشد الطلاق۔ کیونکہ اسم تفضیل اس کا بعض ہوا کرتا ہے جس کی طرف اسے مضاف کیا جاتا ہے۔ پس اشد اس کے ساتھ اس مصدر کو تعبیر کیا گیا ہے جو طلاق ہے۔

تَطْلِيقَةٌ شَدِيدَةٌ، طَوِيلَةٌ اور عَرِيضَةٌ میں فقہاء کے اقوال

کلام کا ظاہر یہ ہے جو بھی الفاظ گزرے ہیں سب میں تین کی نیت صحیح ہے۔''النہر'' میں کہا: لیکن ''عتابی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ تطلیقۃ شدیدۃ او طویلۃ او عریضۃ میں تین کی نیت صحیح نہیں۔ کیونکہ نیت اسی میں عمل کرتی ہے لفظ جس کا احتمال رکھتا ہو۔ تطلیقۃ میں تا وحدت کی ہے یہ تین کا احتمال نہیں رکھتی۔ اسے ''سرخسی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔''الفتح'' اور ''البحر'' میں اسی کی مثل ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن متون اس کے خلاف ہیں۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ لازم نہیں آتا کہ تا یہاں وحدت کے معنی میں ہے بلکہ یہ لفظ کی تانیث کے لیے ہے یا یہ زائدہ ہے جس طرح ذنب میں علما کا قول ذنبہ ہے۔ امثال العرب میں ہے: اذا اخذت بذنبۃ الضب اغضبتہ۔''زمخشری'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں تا وحدت کے لیے ہے تو جواب دیا جائے گا جو الفاظ گزرے ہیں ان میں تین کی نیت کے صحیح ہونے کی علت بیان کی ہے کہ انہوں نے طلاق کی صفت بینونت سے لگائی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: خفیفہ، غلیظہ۔ جب دوسری کی نیت کی تو یہ صحیح ہوگا۔ اس وقت کہا جائے گا وحدت کی تا بینونت غلیظہ کے ارادہ کے منافی نہیں جس کے ہوتے ہوئے عورت اس مرد کے لیے حلال نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوسرا خاوند درمیان میں حائل ہو۔ مراد یہ نہیں کہ خاوند نے اس کے ساتھ تین طلاقوں کی نیت کی۔ بلکہ تین طلاقوں کے حکم کی نیت کی جو بینونت غلیظہ ہے۔ اس کی مثل ان کا قول ہے: اگر اس نے انت بائن انت حرام سے تین طلاقوں کی نیت کی تو یہ تین طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ ان کا معنی ہے اگر تین طلاقوں کے حکم کی نیت کی اس کے لفظ کی نیت نہیں کی۔ کیونکہ بائن اور حرام کا لفظ اس کا فائدہ نہیں دیتا۔ یہاں بھی صورتحال اسی طرح ہے کہ تین فرد اعتباری ہے۔ اس وجہ سے مصدر کے ساتھ اس کا ارادہ صحیح ہے۔ اس کے ساتھ دو کا ارادہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ دونوں عدد محض ہیں۔ اس کی فردیت اس اعتبار سے ہے جو ہم نے کہا: پس یہ تا وحدت کے منافی نہیں۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔

13304۔(قولہ: كَمَا لَوْ نَوَى) یہ صحت میں تشبیہ ہے''ط''۔

13305۔(قولہ: وَبِنَحْوِ بَائِنٍ) یعنی ہر وہ کنایہ جو طالق کے لفظ کے ساتھ ملایا گیا۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔''البحر''۔

فَيَقَعُ ثِنْتَانِ بَائِنَتَانِ؛ وَلَوْ عَطَفَ وَقَالَ وَبَائِنٌ أَوْ ثُمَّ بَائِنٌ وَلَمْ يَنْوِ شَيْئًا فَرَجْعِيَّةٌ؛ وَلَوْ بِالْفَاءِ فَبَائِنَةٌ ذَخِيرَةٌ (كَمَا) يَقَعُ الْبَائِنُ (لَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ طَلْقَةً تَمْلِكِي بِهَا نَفْسَكِ)

تو دو طلاق بائنہ واقع ہوں گی۔ اگر اس نے عطف کیا اور کہا بائن یا کہا ثم بائن اور کچھ نیت نہ کی تو طلاق رجعی ہوگی۔ اگر فاء کے ساتھ عطف کیا تو طلاق بائنہ ہوگی ''ذخیرہ''۔ جس طرح طلاق بائنہ واقع ہوگی اگر خاوند نے کہا: تجھے ایسی طلاق جس کے ساتھ تو اپنے نفس کی مالک ہوگئی ہے۔

13306۔(قولہ: فَيَقَعُ ثِنْتَانِ بَائِنَتَانِ) ترکیب میں خبر کے بعد خبر ہے۔ پھر پہلے لفظ کے ساتھ طلاق بائنہ کا واقع ہونا دوسرے لفظ کے ساتھ طلاق بائنہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی کا معنی یہ ہوتا ہے کہ خاوند رجوع کا مالک ہے۔ جب اس طلاق کے ساتھ دوسری بائنہ مل گئی تو پھر اس کی رجعیت کے ساتھ صفت لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ''فتح''۔

13307۔(قولہ: وَلَوْ عَطَفَ) مصنف نے جو عطف کے بغیر مسئلہ کی قید ذکر کی ہے اس سے احتراز کیا ہے۔

13308۔(قولہ: فَرَجْعِيَّةٌ) اس کی صورت یہ ہے هي طالق طلقة رجعية۔ ''ذخیرہ''۔

13309۔(قولہ: وَلَوْ بِالْفَاءِ فَبَائِنَةٌ) جب کوئی نیت نہ کی جس طرح ''ذخیرہ'' میں اسے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: ولو عطف بالفاء و باقی المسئلة بحالها فهي طالق طلقةً بائنة۔

شاید فرق کی وجہ یہ ہے کہ فاء مہلت کے بغیر تعقیب کے لیے ہے۔ وہ طلاق جس کے بعد بینونت ہو وہ بائنہ ہی ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک واؤ کا تعلق ہے تو یہ تعقیب کا تقاضا نہیں کرتی بلکہ یہ تعقیب اور تراخی دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے جو تراخی، ثم کا معنی ہے۔ وہ طلاق جس سے بینونت متاخر ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ طلاق بائنہ ہو۔ پس اس کا قول وبائن لغو ہو جائے گا اور واؤ کو تعقیب پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ احتمال کے وقت ادنیٰ مراد لیا جاتا ہے وہ یہاں طلاق رجعی ہے جس طرح بار بار طلاق واقع کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ نیت نہیں۔ اس امر کو پیش نظر رکھو کہ بار بار ایقاع طلاق کو کیوں متعین نہیں کیا جب کہ مذاکرہ طلاق موجود ہے؟ کیونکہ عطف میں اصل مغایرت ہے۔ چاہیے کہ واؤ اور ثم کے ساتھ دو بائنہ طلاقیں واقع ہوں۔ نیت نہ ہونے کی تقیید کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس نے تینوں حروف کے ساتھ طلاق واقع کرنے کے تکرار کی نیت یا بائن کے لفظ کے ساتھ تین کی نیت کی تو جو نیت کی تھی وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

13310۔(قولہ: كَمَا لَوْ قَالَ) مصنف کی ''المنح'' میں کلام اس بات کا شعور دلاتی ہے کہ یہ فرع منقول نہیں۔ جہاں کہا: اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہو جائے گی جس طرح مولانا صاحب ''البحر'' نے فتویٰ دیا ہے۔ اور ''البدائع'' میں جو قول ہے: اذا وصف الطلاق بصفة تدل على البينونة كان بائنا اس کے ساتھ اس کے لیے مدد لی ہے۔

13311۔(قولہ: تَمْلِكِي بِهَا نَفْسَكِ) حق یہ تھا کہ یہ کہا جاتا: تملیکن۔ کیونکہ یہ نون کے ساتھ مضارع مرفوع ہے نون کا حذف شاعر کے قول میں سنا گیا۔

لِأَنَّهَا لَا تَمْلِكُ نَفْسَهَا إِلَّا بِالْبَائِنِ وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ لَا رَجْعَةَ لِي عَلَيْكِ لَهُ الرَّجْعَةُ: وَقِيلَ لَا جَوْهَرَةٌ وَرَجَّحَ فِي الْبَحْرِ الثَّانِي، وَخَطَّأَ مَنْ أَفْتَى بِالرَّجْعِيِّ فِي التَّعَالِيقِ،

کیونکہ طلاق بائنہ کے بغیر اپنی مالک نہیں بنتی۔ اگر خاوند نے کہا تجھے طلاق اس شرط پر کہ مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں ہوگا تو خاوند کو رجوع کا حق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجوع کا حق نہیں ہوگا "جوہرہ"۔ "البحر" میں دوسرے قول کو راجح قرار دیا جس نے تعلیق اور موثقین کے قول میں طلاق رجعی کا فتویٰ دیا اس نے خطا کی

أَبِيتُ　أَسْرِي　وَتَبِيتِي　تَدْلُكِي　وَجْهَكِ　بِالْعَنْبَرِ　وَالْمِسْكِ　الزَّكِي

میں سفر کرتے ہوئے رات گزارتا ہوں اور تو اپنے چہرے پر عنبر اور عمدہ کستوری رگڑتے ہوئے رات گزارتی ہے۔ محل استدلال تبیتی، تدلکی ہے۔

یہ ایسی لغت ہے بعض محققین نے اس پر حدیث کی تخریج کی ہے: کما تکونوا یولی علیکم (1) جیسے تم ہوئے ایسے تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔ اور حدیث: لا تدخلوا الجنة حتی تومنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا (2) تم جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ۔ اور تم ایمان والے نہیں ہو گے یہاں تک کہ تم باہم محبت کرو۔

13312۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَا تَمْلِكُ نَفْسَهَا إِلَّا بِالْبَائِنِ) "البدائع" میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ بھی کہا: اذا وصف الطلاق بصفة تدل علی البينونة کان بائنا جب طلاق کی ایسی صفت کے ساتھ صفت لگائی جائے جو بینونت پر دلالت کرے تو وہ طلاق بائنہ ہوگی۔ یہ صفت اس کے معنی میں ہے: انت طالق طلقة بائنة کیونکہ عورت کا اپنی ذات کا مالک بننا طلاق رجعی کے منافی ہے جس طرح طلاق رجعی میں خاوند عورت کی رضامندی کے بغیر اس کے ساتھ رجوع کا مالک ہوتا ہے۔

13313۔ (قولہ: وَرَجَّحَ فِي الْبَحْرِ الثَّانِي) اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے جب طلاق کی صفت شدت یا زیادتی کی کسی صورت سے لگائی جائے تو ہمارے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی۔ امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ یہ خلاف مشروع ہے تو یہ کلام لغو ہوگی جس طرح وہ کہے: انت طالق علی ان لا رجعة لی علیك تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں۔ "الہدایہ" میں اس کا رد کیا ہے کہ اس کی ایسی صفت ذکر کی ہے کلام جس کا احتمال رکھتی ہے۔ اور یہ رجعت کا مسئلہ ممنوع ہے یعنی ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس میں طلاق رجعی واقع ہوگی بلکہ اس کے ساتھ طلاق بائنہ ہوگی جس طرح "العنایہ"، "الفتح"، "غایۃ البیان" اور "التبیین" میں ہے۔ "البحر" میں کہا: تو نے جان لیا ہے کہ رجعت کے مسئلہ میں مذہب طلاق بائن کا وقوع ہے۔

13314۔ (قولہ: وَخَطَّأَ) یعنی خطا کی طرف نسبت کی ہے۔ اس کی مثل ہے فسقتہ میں نے فسق کی طرف اس کی

1۔ شعب الایمان للبیہقی، باب فی طاعة اولی الامر فصل فی فضل الامام العادل، جلد 6، صفحہ 23، حدیث نمبر 7391

2۔ سنن ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی افشاء السلام، جلد 2، صفحہ 363، حدیث نمبر 2612

وَقَوْلِ الْمُوثِّقِينَ تَكُونُ طَالِقًا طَلْقَةً تَمْلِكُ بِهَا نَفْسَهَا إلَخْ لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهَا قَالَ لِلْمَدْخُولَةِ إنْ طَلَّقْتُكِ وَاحِدَةً فَهِيَ بَائِنَةٌ أَوْ ثَلَاثٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا يَقَعُ رَجْعِيًّا، لِأَنَّ الْوَصْفَ لَا يَسْبِقُ الْمَوْصُوفَ، وَكَذَا لَوْ قَالَ إنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَكَذَا ثُمَّ قَبْلَ دُخُولِهَا الدَّارَ قَالَ جَعَلْته بَائِنًا أَوْ ثَلَاثًا لَا يَصِحُّ لِعَدَمِ وُقُوعِ الطَّلَاقِ عَلَيْهَا انْتَهَى،

ان کا قول ہے: تکون طالقا طلقة تملك بها نفسها وہ ایسی طلاق والی ہو جائے جس کے ساتھ وہ اپنے نفس کی مالک ہو جائے۔ لیکن ''بزازیہ'' وغیرہا میں ہے: خاوند نے اس عورت سے کہا جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے: اگر میں تجھے ایک طلاق دوں تو وہ بائنہ یا تین ہوں گی پھر اسے طلاق دی تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ وصف موصوف پر سابق نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر خاوند نے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کہا: میں نے اس طلاق کو بائن یا تین بنا دیا ہے تو اس پر طلاق کے واقع نہ ہونے کی بنا پر یہ صحیح نہیں۔ انتھی۔

نسبت کی۔ ان کا قول قَوْلُ الْمُوثِّقِينَ جر کے ساتھ ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ تعالیق پر عطف تفسیری ہے یہ ثا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ دار القاضی کے عدول ہیں ان کو شہود کا نام دیا جاتا ہے۔ اور انہیں موثقین کہا گیا کیونکہ جو قاضی کے پاس گواہی دیتا ہے اس کے بارے توثیق کرے کہ یہ ثقہ ہے۔ یا اس لیے انہیں یہ نام دیا جاتا کیونکہ معاہدوں کے اشتام لکھا کرتے تھے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: مسئلہ کی اصل وہ ہے جسے صاحب ''البحر'' نے ذکر کیا ہے صاحب ''البحر'' نے اس میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی زوجہ سے کہا: جب تیرے سوا میری کوئی اور بیوی ظاہر ہوئی اور تو نے مجھے اپنے مہر سے بری کیا تو تجھے ایک ایسی طلاق ہے جس کے ساتھ تو اپنے نفس کی مالک ہوگی۔ پھر اس بیوی کے سوا کوئی اور عورت ظاہر ہوئی اور عورت نے اسے اپنے اوپر مہر سے بری کیا تھا تو اس میں جواب دیا اسے طلاق بائن ہے اور جن علما نے اس مسئلہ میں طلاق رجعی کا فتویٰ دیا اس کا رد کیا۔

13315۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ) اس مفتی کی مدد ہے۔ ''خیر رملی'' نے ''حواشی المنح'' میں اس کا رد کیا ہے: حادثة التعالیق میں معلق طلاق ایسی طلاق ہے جو بینونت کی صفت کے ساتھ موصوف ہے۔ اور ''البزازیہ'' کے مسئلہ میں معلق صرف بینونہ کا ہے اور موصوف ابھی تک نہیں پایا گیا۔ یہ تعلیق کا مسئلہ ہے گویا کہا: اگر میں تجھ پر کسی عورت سے شادی کروں تو تجھے طلاق بائن ہے۔ اس کے منع کا کوئی قائل نہیں۔ تامل۔

حاصل کلام یہ ہے: ''بزازیہ'' کے پہلے مسئلہ میں صرف صفت کو موصوف کے وجود پر معلق کیا گیا ہے اور معلق میں حکم یہ ہے کہ اگر تعلیق نہ ہو تو وہ فی الحال طلاق پائی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ فی الحال ایسی طلاق کی بینونت پائی جائے جو طلاق موجود ہی نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ تین ہوں۔ کیونکہ وصف اپنے موصوف سے پہلے نہیں ہوتا۔ دوسرے مسئلہ میں بھی اسی طرح معلق

وَمُفَادُهُ وُقُوعُ الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ فِي مَتَى تَزَوَّجتُ عَلَيْكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ طَلْقَةً تَمْلِكِينَ بِهَا نَفْسَكِ، إِذْ غَايَتُهُ مُسَاوَاتُهُ لِأَنْتِ بَائِنٌ، وَالْوَصْفُ لَا يَسْبِقُ الْمَوْصُوفَ كَذَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا وَفِي الْكِنَايَاتِ (بِخِلَافِ أَنْتِ طَالِقٌ (أَكْثَرَهُ) أَيِ الطَّلَاقِ

''بزازیہ'' کی تعلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے قول جب میں تیرے اوپر کسی عورت سے شادی کروں تو تجھے ایسی طلاق ہے جس کے ساتھ تو اپنی ذات کی مالک ہو جائے گی سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اس کی غایت یہ ہے کہ یہ انت بائن کے مساوی ہے اور وصف موصوف سے سابق نہیں ہوتا۔ مصنف نے یہاں اور کنایات میں یہی بیان کیا ہے۔

طلاق کو بائنہ بنایا یا تین بنایا جب کہ وہ طلاق موجود ہی نہیں تو اس طرح بھی صفت موصوف سے پہلے لازم آتی ہے۔ فافہم

13316۔ (قولہ: مُفَادُهُ) کچھ تبدیلی کے ساتھ یہ ''الکنایات'' میں مصنف کی عبارت ہے۔ تو مقیس اور مقیس علیہ میں فرق جان چکا ہے۔

13317۔ (قولہ: مُسَاوَاتُهُ لِأَنْتِ بَائِنٌ) تعبیر کا حق یہ تھا کہ کہا جاتا: یہ ھو بائن کے مساوی ہے اس پر بنا کرتے ہوئے جو انہوں نے سمجھا کہ یہ صرف طلاق کے وصف کو معلق کرنا ہے جب کہ تو مساوات نہ ہونے کو جان چکا ہے ہاں یہ انت بائن کے مساوی ہے اس شرط پر جو صاحب ''البحر'' نے کہا ہے من انہ تعلیق للموصوف و صفتہ معاتو یہ اس معنی میں ہے متی تزوجتُ علیك فانت بائن میں تجھ پر جب بھی کسی عورت سے شادی کروں تو تجھے طلاق بائن ہے۔ یہ بغیر قصد حق بات کا اظہار ہے۔

تجھے طلاق ہے تو خنزیروں کے لیے حلال ہے اور تو مجھ پر حرام ہے، تجھے طلاق ہے نہ قاضی اور نہ ہی عالم تجھے لوٹا سکتا ہے کا معنی

تتمہ: عوام کی کلام میں یہ اکثر واقع ہوتا ہے تجھے طلاق ہے تو خنزیروں کے لیے حلال ہے اور مجھ پر حرام ہے ''الخیریہ'' میں فتویٰ دیا ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے۔ کیونکہ اس کا قول تَحْرُمِيْ علیّ اگر یہ فی الحال کے لیے ہو تو مشروع کے خلاف ہے کیونکہ حرمت عدت کے ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اگر یہ استقبال کے لیے ہو تو پھر یہ صحیح ہے اور رجعت کے منافی ہے۔ اسی طرح ''فتاویٰ خیریہ'' اور ان کے اس قول میں طلاق رجعی کا فتویٰ دیا ہے: انت طالق لا یردك قاض ولا عالم۔ کیونکہ وہ اسے موضوع شرعی سے خارج کرنے کا مالک نہیں۔ اور ''المنح'' کے اوپر اپنے ''حواشی'' میں اس چیز کی تائید کی ہے جو ''الصیرفیہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: انت طالق ولا رجعة لی علیك تو یہ طلاق رجعی ہوگی۔ اگر اس نے کہا تھا: انت طالق ان لا رجعة لی علیك تو اس صورت میں طلاق بائنہ ہوگی۔ کہا: ان کا قول: لا یردك قاض ان کے اس قول کی طرح ہے: ولا رجعة لی علیك۔ کیونکہ واؤ کا حذف واؤ کو ثابت کرنے کی طرح ہے جس طرح وہ ظاہر ہے۔ اس کے اس قول: علی ان لا رجعة کی طرح نہیں۔

(بِالتَّاءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ فَوْقُ
یہ تا کے ساتھ ہے اس لفظ کے ساتھ

میں کہتا ہوں: فرق یہ ہے: ان علی ان لا رجعة یہ طلاق کی قید ہے۔ کیونکہ یہ اس میں شرط ہے تو یہ اس معنی میں ہے: انت طالق طلاقا فی عدم الرجعة تجھے ایسی طلاق ہے جس میں رجوع کا نہ ہونا مشروع ہے یعنی تجھے طلاق بائن ہے۔ یہ اس قاعدہ کے تحت داخل ہے کہ جب طلاق کی صفت شدت اور زیادتی کے ساتھ لگائی جائے تو اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی جس طرح ''ہدایہ'' سے قول گزر چکا ہے۔ جہاں تک اس کے قول: ولا رجعة لی علیك کا تعلق ہے یہ طلاق کی صفت نہیں بلکہ یہ نئی کلام ہے اس کے ساتھ اس امر کے بارے میں خبر دی گئی ہے جو شرع کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشروع تو انت طالق کے ساتھ طلاق رجعی کا وقوع ہے۔ اس کا قول: ولا رجعة لغو ہے جس طرح اس کا قول: انت طالق و بائن او ثم بائن جب نیت کے بغیر ہو جس طرح گزر چکا ہے۔ اس طرح ان کا قول ہے: لا یردك قاض یہ طلاق کی صفت نہیں بلکہ یہ عورت کی صفت ہے۔ پس یہ قاعدہ مذکورہ کے تحت داخل نہیں۔ اسی کی مثل: تحلی لخنازیر و تحرمی علیّ ہے۔ ''رحمتی'' کے اوپر یہ امر مخفی رہا۔ تو انہوں نے یقین کا اظہار کیا کہ اس میں اور ''الصیرفیہ'' میں جو دونوں مسئلوں میں فرق ہے یہ مذکورہ قاعدہ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر اس قول: وتحرمی علی سے طلاق واقع کرنے کا قصد کیا تو اس کے ساتھ ایک اور طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی جب تک اس کے ساتھ تین کی نیت نہ کرے۔ اگر تین کی نیت کرے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی جس طرح اس قول میں ہے: انت طالق و بائن جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ اسی کی مثل ہمارے زمانہ میں عام لوگوں کا قول ہے: انت طالق کلما احلك شیخ حرمك شیخ تجھے طلاق ہے جب بھی تجھے کوئی شیخ حلال کرے شیخ تجھے حرام کر دے۔ کیونکہ دوسرے قول سے ان کی مراد حرمت کی تابید ہے تو یہ اس کے اس قول کے قائم مقام ہے: كُلَّمَا حُلِّلْتِ لِیْ حَرُمْتِ عَلَیَّ جب بھی وہ اس سے عقد نکاح کرے گا وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی مگر یہ کہ وہ اس کلام کے ساتھ مذکورہ طلاق کی خبر دینا چاہتا ہو نئے سرے سے حرمت ثابت نہ کرنا چاہتا ہو۔ اور وہ اس مذکورہ جملہ کو مذکور طلاق کی صفت نہ بنائے پس وہ عورت ہمیشہ حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ مشروع کے خلاف خبر دینا ہے لیکن عام آدمی اسے نہیں سمجھتا۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ دائمی حرمت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ شیخ ''اسماعیل حائک'' کے فتاویٰ میں جو واقع ہے کہ اس کے ساتھ صرف ایک دفعہ طلاق رجعی واقع ہوگی یہ ظاہر نہیں۔ اس محل کی اس تحریر کو غنیمت جانو۔ کیونکہ یہ مخفی امور میں سے ہے۔

13318۔ (قولہ: بِالتَّاءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ فَوْقُ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید لگائی ہے کہ بدرجہ اولیٰ یہ علم ہو جب وہ تا کے ساتھ کہے اور اس امر کا فائدہ دے کہ یہ تحریف یہاں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ کیونکہ یہ لغت عامیہ بن چکی ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ طلاق تصحیف شدہ الفاظ کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے۔ ''خیریہ'' میں مصنف پر جو اعتراض کیا گیا وہ یہاں وارد نہیں ہوتا کہ یہ ان کی جانب سے غفلت ہے۔ اور ان کی کلام میں جو مذکور ہے وہ تین نقطوں کے ساتھ ہے۔ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ اس نے اس لفظ کو دو نقطوں کے ساتھ لکھا ہو۔ ''البحر'' کی عبارت ہے: الا اکثرہ بالثاء المثلثة۔ کیونکہ اس کے ساتھ تین طلاقیں

فَإِنَّهُ يَقَعُ بِهِ الثَّلَاثُ، وَلَا يُدَيَّنُ فِي إِرَادَةِ الْوَاحِدَةِ كَمَا لَوْ قَالَ أَكْثَرَ الطَّلَاقِ أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ مِرَارًا

تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ایک طلاق کی نیت میں اس کی دیانۃً تصدیق نہیں کی جائے گی جس طرح اس نے کہا: اکثر الطلاق یا کہا: انت طالق مرارا۔ تجھے کئی بار طلاق۔

واقع ہوتی ہیں اس کی دیانۃً تصدیق نہ کی جائے گی جب وہ کہے: میں نے ایک طلاق کی نیت کی۔

13319۔(قولہ: وَلَا يُدَيَّنُ فِي إِرَادَةِ الْوَاحِدَةِ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو کے ارادہ میں اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اسم تفضیل کے صیغہ سے بعض اوقات اصل فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے یعنی کثیر الطلاق۔ پس یہ اس کے کلام کا محتمل ہے تو اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی،''ح''۔

میں کہتا ہوں: لیکن ترجیح (مقولہ 13323 میں) آئے گی کہ کثیر تین ہیں دو نہیں۔اس وقت اکثر اور کثیر میں کوئی فرق نہیں۔فافہم

13320۔(قولہ: كَمَا لَوْ قَالَ أَكْثَرَ الطَّلَاقِ) یعنی تین نقطوں کے ساتھ یہ حرف ہے۔اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نے کہا ہے کہ اسے دو نقطوں کے ساتھ لکھنا تین نقطوں سے احتراز کے لیے نہیں۔

اگر مرد نے کہا انت طالق مرارا تو اس کا شرعی حکم

13321۔(قولہ: أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ مِرَارًا)''البحر'' میں''الجوہرۃ'' سے مروی ہے: اگر وہ کہے انت طالق مرارا اسے تین طلاقیں ہوں گی اگر وہ عورت مدخول بہا ہوگی۔''النہایہ'' میں اسی طرح ہے۔''البحر'' میں ایک ورقہ سے زائد پہلے''بزازیہ'' سے ذکر کیا ہے: انت علیّ حرام الف مرۃ اس کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی۔''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے اسے''ذخیرہ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔شارح نے باب ایلاء کے آخر میں (مقولہ 14545 میں) ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں:''جوہرہ'' میں جو کچھ ہے اس کے خلاف نہیں۔کیونکہ اس کا قول: الف مرۃ یہ تکبیرہ مرارا متعددۃ کے قائم مقام ہے۔پہلی دفعہ اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور دوسری دفعہ کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔کیونکہ طلاق بائنہ، طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی جب دوسری طلاق کو پہلی طلاق کی خبر بنانا ممکن ہو جس طرح انت بائن انت بائن، جس طرح اس کی وضاحت کنایات میں آئے گی۔جب اس نے انت حرام، انت بائن سے تین کی نیت کی تو معاملہ مختلف ہوگا۔کیونکہ یہ صحیح ہے۔کیونکہ ایک لفظ بینونت صغریٰ اور بینونت کبریٰ کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور اس کا قول: انت طالق مرارا یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اس لفظ کو تین بار یا اس سے زائد بار کہا جائے۔پہلی دفعہ کہنے سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔اسی طرح بعد والے الفاظ سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی تین طلاقوں تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔کیونکہ یہ لفظ صریح ہے اور صریح طلاق، صریح طلاق کو لاحق ہو جاتی ہے جب تک عورت عدت میں ہو۔اسی وجہ سے مدخول بہا کی قید لگائی ہے۔کیونکہ اس کے علاوہ پہلی دفعہ کے ساتھ جدا ہو جاتی ہے۔عدت تک اسے کوئی اور طلاق لاحق نہیں ہوتی۔اس لیے مابعد طلاق واقع نہیں ہوتی۔اس

أَوْ أُلُوفًا أَوْ لَا قَلِيلَ وَلَا كَثِيرَ فَثَلَاثٌ هُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَلَوْ قَالَ أَقَلَّ الطَّلَاقِ فَوَاحِدَةٌ؛ وَلَوْ قَالَ عَامَّةَ الطَّلَاقِ أَوْ أَجَلَّهُ

یا ہزاروں بار یا نہ کم نہ زیادہ تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہی مختار ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ اگر کہا: اقل طلاق تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا عامۃ الطلاق یا اجل طلاق

تمام کی وضاحت کو غنیمت جانو بہت سے ذہنوں پر یہ امر مخفی رہا ہے۔

13322۔(قولہ: أَوْ أُلُوفًا) الوف، الف کی جمع ہے ''ح''۔ یعنی اس لفظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوں گی اور زائد لغو ہو جائیں گی۔

13323۔(قولہ: أَوْ لَا قَلِيلَ) ''جوہرہ'' کی عبارت ہے: اگر کہا: انت طالق لا قلیل ولا کثیر تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی یہی مختار ہے کیونکہ قلیل واحد ہے اور کثیر تین ہیں۔ جب پہلے کہا: لا قلیل تو اس نے تین کا قصد کیا پھر اس کے بعد اس کا قول ولا کثیر عمل نہیں کرے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے: مختار مذہب کے مطابق تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ فقیہ ''ابوجعفر'' نے کہا: دو طلاقیں مناسب ہیں۔ ''ذخیرہ'' میں ذکر کیا: پہلا ''صدر الشہید'' کا پسندیدہ ہے۔ اور اس کی علت اس چیز کے ساتھ بیان کی ہے جو گزر چکی ہے۔ پھر کہا: ''ابوجعفر'' فقیہ سے مروی ہے کہ دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جب کہا: لا قلیل تو دو طلاقیں واقع کرنے کا قصد کیا کیونکہ دو کثیر ہیں تو بعد میں اس کا قول ولا کثیر عمل نہیں کرے گا۔ یہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے۔ ''خانیہ'' میں ہے: یہ زیادہ ظاہر ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ دونوں قول مرجح ہیں اور دونوں کی بنیاد کثیر میں اختلاف پر ہے۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر انت طالق کثیرا ''الاصل'' میں ذکر کیا اس کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ کثیر ہی تین ہیں۔ ''ابواللیث'' نے ''الفتاوی'' میں ذکر کیا: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: پہلے قول کو راجح قرار دیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ''الاصل'' ''ظاہر الروایہ'' کی کتب میں سے ہے۔ یہ اس قول پر مقدم ہے جو ''الفتاوی'' میں ہے۔

13324۔(قولہ: فَوَاحِدَةٌ) ایک طلاق رجعی ہے۔ کیونکہ جو طلاق بائنہ کا فائدہ دیتی ہے وہ یہاں موجود نہیں۔ کیونکہ طلاق رجعی طلاقوں میں سے اقل ہے۔

13325۔(قولہ: وَلَوْ قَالَ عَامَّةَ الطَّلَاقِ) اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ عموماً اس کا استعمال اس میں ہوتا ہے اور غالب طلاق دو ہیں۔

13326۔(قولہ: أَوْ أَجَلَّهُ) گویا یہ کاتب کی جانب سے تحریف ہے۔ جو ''البحر'' میں ہے: جلہ جیم کے ضمہ اور لام کی

أَوْ لَوْنَيْنِ مِنْهُ أَوْ أَكْثَرَ الثَّلَاثِ أَوْ كَبِيرَ الطَّلَاقِ فَثِنْتَانِ، وَكَذَا لَا كَثِيرَ وَلَا قَلِيلَ عَلَى الْأَشْبَهِ مُضْمَرَاتٌ وَفِي الْقُنْيَةِ طَلَّقْتُكِ آخِرَ الثَّلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ فَثَلَاثٌ وَطَالِقٌ آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ فَوَاحِدَةٌ وَالْفَرْقُ دَقِيقٌ حَسَنٌ

یا دورنگی طلاق یا تین کا اکثر طلاق یا طلاق میں سے بڑی تو دو طلاقیں ہوں گی۔ اسی طرح دو طلاقیں ہوں گی جب وہ لا کثیر (نہ زیادہ) اور لا قلیل (نہ قلیل) یہ زیادہ مناسب قول کی بنا پر ہے۔ ''مضمرات'' ''القنیہ'' میں ہے: اگر خاوند نے کہا: طلقتك آخر الثلاث تطليقات تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگر کہا انت طالق آخر ثلاث تطليقات تو ایک طلاق ہوگی۔ فرق انتہائی دقیق اور حسن ہے۔

تشدید کے ساتھ ہے۔ ''الذخیرہ'' میں بھی اسی طرح ہے۔ اوجُلّ الشیء سے مراد اس کا بڑا حصہ ہے۔ جہاں تک اجل کا تعلق ہے چاہیے کہ وہ تین طلاقیں ہوں ''رحمتی''۔ ''طحطاوی'' نے جو کہا ہے وہ احسن ہے: اگر اجل سے کمیت کے اعتبار سے اعظم کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر اجل سے مراد سنت کے موافق لی تو ایسے طہر میں ایک طلاق رجعی ہوگی جس میں وطی نہ ہو اور نہ ہی ایسے حیض میں وطی ہو جو حیض اس مہر سے پہلے تھا۔

13327۔ (قولہ: أَوْ لَوْنَيْنِ مِنْهُ) وہ دونوں طلاق رجعی ہیں۔ اگر ثلاثة الوان کے الفاظ کہے تو تین طلاقیں ہوں گی اسی طرح اگر کہا: الوانا من الطلاق تو تین طلاقیں ہوں گی۔ اگر سرخ اور زرد رنگوں کی نیت کی تو دیانۃً صحیح ہوگا۔ اسی طرح ضروبا، انواعا یا وجوها من الطلاق کے الفاظ کہے ''ذخیرہ''۔ (تو تین طلاقیں واقع ہوں گی)۔

میں کہتا ہوں: چاہیے اگر سرخ اور زرد کے رنگوں کی نیت کی تو چاہیے کہ ایک طلاق بائنہ ہو۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا اصول (مقولہ 13323 میں) گزر چکا ہے جب خاوند طلاق کی صفت کرے۔

13328۔ (قولہ: وَكَذَا لَا كَثِيرَ وَلَا قَلِيلَ) جو ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے کہ اس کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی۔ ''ذخیرہ''، ''بزازیہ''، ''خلاصہ''، ''جوہرہ'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ پس کتاب ''المضمرات'' کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ہاں ہر ایک کی دلیل ہے: ایک طلاق کی دلیل یہ ہے جب کثیر کی نفی کی تو قلیل کو ثابت کیا بعد اس کے کہ نفی کوئی فائدہ نہ دے گی۔ دو طلاقوں کی دلیل یہ ہے کہ کثیر تین طلاقیں ہیں اور قلیل ایک ہے جب دونوں کی نفی کی تو ان دونوں کے درمیان ثابت ہو گیا۔

مرد کے قول طلقت آخر الثلاث اور انت طالق آخیر ثلاث تطلیقات کے درمیان فرق

13329۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ دَقِيقٌ حَسَنٌ) فرق کی وجہ یہ ہے آخر کو تین معین و معہود کی طرف مضاف کیا اور ان کا معین و معروف ہونا ان کے وقوع کے ساتھ ہوتا ہے۔ منکر کا معاملہ مختلف ہے۔

یہ تسلیم کرنے کے بعد میں کہتا ہوں: بے شک یہ بحث مکمل ہو جاتی ہے اس پر بنا کرتے ہوئے جو شارح نے ''البحر'' کی تبع میں باب الطلاق الصریح کے شروع میں کی کہ پہلی صورت میں لفظ ثلاث کو معرف باللام اور دوسری صورت میں نکرہ ذکر کیا

(فُرُوعٌ) يَقَعُ بِأَنْتِ طَالِقٌ كُلَّ التَّطْلِيقَةِ وَاحِدَةٌ وَكُلَّ تَطْلِيقَةٍ ثَلَاثٌ، وَعَدَدَ التُّرَابِ وَاحِدَةٌ،

فروع: انت طالق کل التطلیقة سے ایک طلاق واقع ہو گی۔ اور اس کا یہ کہنا: انت طالق کل تطلیقة یہ تین طلاقیں ہوں گی۔ اور اس کا یہ کہنا: انت طالق عدد التراب اس سے ایک طلاق ہو گی۔

ہے جب کہ دونوں صورتوں میں یہ نکرہ ہے جس طرح میں نے کئی کتابوں میں دیکھا ہے جس طرح ''تاتر خانیہ''، ''ہندیہ''، ''ذخیرہ'' اور ''بزازیہ''۔ ''بزازیہ'' میں فرق بیان کیا ہے کہ آخری وہ تیسری طلاق ہے اور یہ متحقق نہیں ہوتی مگر جب اس کی دو مثل متقدم ہوں۔ لیکن پہلی صورت میں تین طلاقیں واقع کرنے کی خبر دی اور دوسری صورت میں عورت کی یہ صفت بیان کی کہ یہ عورت ایقاع کے بعد تین کی آخری ہے اور عورت کو اس کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ تو پس انت طالق باقی رہ گیا اس کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

فرق کا دارومدار پہلے قول میں فعل ماضی کے ساتھ اور دوسرے قول میں اسم فاعل کے ساتھ تعبیر ہے۔ فرق تعریف و تنکیر کے اعتبار سے نہیں۔ اسے سمجھ لیں۔ لیکن اس کا مقتضا یہ ہے کہ دوسری صورت میں آخر کا لفظ مرفوع ہے۔ یہ انت کی دوسری خبر ہے تا کہ یہ عورت کی صفت ہو جائے۔ اگر یہ منصوب ہو تو یہ طلاق کی صفت ہو گا۔ پس یہ پہلی صورت کے مساوی ہو گا۔ یہ احتمال کہ یہ ظرفیت کے اعتبار سے منصوب ہو اور خبر ثانی ہو بہت بعید ہے۔

13330۔ (قولہ: يَقَعُ بِأَنْتِ طَالِقٌ) کیونکہ کلا کا لفظ جب معرف باللام اسم کی طرف مضاف ہو تو عموم اجزاء کا فائدہ دیتا ہے۔ اور طلقہ کے اجزاء طلقہ سے زائد نہیں ہوتے۔ اور جب اسے اسم نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے تو یہ عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے ''ح''۔ اسی وجہ سے تیرا قول کل الرمان ماکول جھوٹ ہے کیونکہ انار کا چھلکا نہیں کھایا جاتا۔ کل رمان ماکول کا معاملہ مختلف ہے جب رمان کو نکرہ ذکر کیا۔ یہ اس وقت ہے جب یہ کلام قرائن سے خالی ہو جس طرح ہم نے باب المسح علی الخفین میں بیان کیا ہے۔

تنبیہ

''ذخیرہ'' میں ذکر کیا: اگر خاوند نے کہا: کل الطلاق تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ اسی طرح ''البحر'' میں ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔ لیکن ''مختارات النوازل'' میں ہے: تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: یہی امر ظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ طلاق مصدر ہے یہ تین کا احتمال رکھتا ہے۔ طلقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ''ذخیرہ'' میں بھی ذکر کیا ہے: انت طالق الطلاق کلہ تو اس کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ کل الطلاق اور الطلاق کلہ میں کوئی فرق نہیں جو ظاہر ہو۔ تامل

13331۔ (قولہ: وَعَدَدَ التُّرَابِ وَاحِدَةٌ) ''الفتح'' میں کہا: اگر طلاق کو عدد کے ساتھ تشبیہ دی جس چیز میں عدد ہوتا ہی نہیں جس طرح خاوند کہے انت طالق کعدد الشمس او التراب او مثلہ تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے

وَعَدَدَ الرَّمْلِ ثَلَاثٌ، وَعَدَدَ شَعْرِ إِبْلِيسَ أَوْ عَدَدَ شَعْرِ بَطْنِ كَفِّي وَاحِدَةٌ، وَعَدَدَ شَعْرِ ظَهْرِ كَفِّي أَوْ سَاقِي أَوْ سَاقِكَ أَوْ فَرْجِكَ أَوْ عَدَدَ مَا فِي هَذَا الْحَوْضِ مِنَ السَّمَكِ وَقَعَ بِعَدَدِهِ إِنْ وُجِدَ وَإِلَّا لَا

اور اس کا یہ کہنا: انت طالق عدد الرمل یہ تین طلاقیں ہوں گی۔ ابلیس کے بالوں برابر یا میری ہتھیلی کے بطن کے بالوں کے برابر تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ میری ہتھیلی کی پشت یا میری پنڈلی یا تیری پنڈلی یا تیری شرمگاہ کے بالوں کی تعداد برابر یا اس حوض میں مچھلیاں ہیں اس کی تعداد کے برابر اگر وہ چیز پائی گئی تو اس کی تعداد برابر طلاق ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق رجعی واقع ہوگی۔ امام الحرمین نے اسے اختیار کیا ہے جو شافعیہ میں سے ہیں کیونکہ اس چیز کے عدد کے ساتھ تشبیہ دینا جس کا عدد نہ ہو تو وہ تشبیہ لغو ہوتی ہے۔ تراب (مٹی) کا عدد نہیں ہوتا۔ امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کے نزدیک تین طلاقیں ہوں گی۔ یہ امام ''شافعی'' رطیٹھلیہ اور امام ''احمد'' کا نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ عدد کے ساتھ اسی کا ارادہ کیا جاتا ہے جب کثرت کا ذکر کیا جائے امام ''ابوحنیفہ'' رطیٹھلیہ کے قول کے قیاس میں ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ تشبیہ زیادتی کی صورت کا تقاضا کرتی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ مگر جب کہا: مثل التراب تو امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

13332۔ (قولہ: وَعَدَدَ الرَّمْلِ ثَلَاثٌ) اس پر اجماع ہے جس طرح ''البحر''، ''الجوہرہ'' سے مروی ہے۔ مٹی غیر معدود ہے کیونکہ یہ اسم جنس افرادی ہے۔ رمل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اسم جنس جمعی ہے۔ اس (جمع) کا صدق تین سے کم پر نہیں ہوتا، ''نہر''۔

اس کا حاصل یہ ہے: جو ماہیت پر دلالت کرے اس حال میں وہ قلیل وکثیر پر صادق آئے جس طرح مٹی، پانی اور شہد تو یہ اسم جنس افرادی ہے۔ وہ اس کے خلاف ہے جو تین سے کم پر دلالت نہ کرے اس کے قلیل اور کثیر میں تا کے ساتھ امتیاز کیا گیا ہے جیسے رمل اور تمر (کھجور) یہ اسم جنس جمعی ہے۔ جمع افراد والی ہوتی ہے اس کے کم سے کم افراد تین ہوتے ہیں۔ جس عدد کا لفظ اس کی طرف مضاف کیا تو اس کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

13333۔ (قولہ: وَعَدَدَ شَعْرِ إِبْلِيسَ) یعنی ایک طلاق واقع ہوگی اگر اسے ایسے عدد کی طرف منسوب کیا جس کی نفی اور اثبات مجہول تھی یا ایسے عدد کی طرف مضاف کیا جس کی نفی معلوم تھی جس طرح دونوں مثالیں ہیں جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ بائنہ ہوگی یا بائنہ نہیں ہوگی۔ عدد التراب میں جو ذکر کیا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رطیٹھلیہ کے قول کے قیاس میں طلاق بائنہ ہوگی اور امام ''ابو یوسف'' رطیٹھلیہ کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی۔ ہم ''المحیط'' سے جو عنقریب (مقولہ 13335 میں) ذکر کریں گے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عدد کا ذکر لغو ہوگا اور یہ کلام اس طرح ہو جائے گی گویا اس نے کہا: انت طالق۔

13334۔ (قولہ: وَقَعَ بِعَدَدِهِ) اس قدر طلاقیں واقع ہو جائیں گی جس قدر محل قبول کرے گا۔ زائد تعداد لغو ہو جائے گی، ''ط''۔

13335۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر بال نہ پائے جائیں جیسے اس نے بال صفا پاوڈر کے ساتھ بالوں کو صاف کر دیا ہو اور

لَسْتُ لَكَ بِزَوْجٍ أَوْ لَسْتِ لِي بِامْرَأَةٍ أَوْ قَالَتْ لَهُ لَسْتَ لِي بِزَوْجٍ فَقَالَ صَدَقْتِ طَلَاقٌ إِنْ نَوَاهُ خِلَافًا لَهُمَا وَلَوْ أَكَّدَ بِالْقَسَمِ أَوْ سُئِلَ أَلَكَ امْرَأَةٌ؟

میں تیرا خاوند نہیں یا تو میری بیوی نہیں یا عورت نے اس خاوند سے کہا تو میرا خاوند نہیں تو خاوند نے کہا: تو نے سچ بولا ہے یہ طلاق ہو گی اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اگر پہلے قول کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا یا اس سے سوال کیا گیا کیا تیری بیوی ہے؟

کوئی مچھلی نہ پائی جائے تو کوئی شے واقع نہ ہو گی۔ یہ مچھلی کے مسئلہ کے علاوہ میں صحیح ہے۔ جہاں تک مچھلی والے مسئلہ کا تعلق ہے تو ''جوہرہ'' میں ذکر کیا ہے''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے اسی طرح ہے: جب حوض میں مچھلی نہ ہو تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صحیح یہ تھا کہ اس کا ذکر ابلیس کے بالوں اور ہتھیلی کے بطن کے بالوں والے مسئلہ کے ساتھ کیا جاتا۔''النہر'' میں ذکر کیا''المحیط'' میں مچھلی کے مسئلہ، ابلیس کے بالوں اور میری ہتھیلی کے بالوں کی یہ علت بیان کی ہے جب بال اور مچھلی نہ ہوں تو عدد کے ذکر کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ وہ کلام لغو جائے گی اور کلام اس طرح ہو جائے گا جس طرح کہا: انت طالق۔''البحر'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ہتھیلی کی پشت کے بالوں جب کہ بال صفا پوڈر سے انہیں صاف کیا جا چکا ہو اور ہتھیلی کے بطن کے بالوں کے مسئلہ میں فرق نقل کیا گیا ہے۔ پہلی صورت میں کوئی طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ طلاق اگے بالوں کی تعداد کے برابر واقع ہوتی ہے۔ جب اس پر کوئی بال نہ تھے تو شرط نہ پائی گئی۔ اور دوسری صورت میں ایک طلاق ہو گی کیونکہ یہ طلاق بالوں کی تعداد پر واقع نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہتھیلی کی پشت اس کی مثل پنڈلی اور فرج ہے جو عموماً بال کا محل ہیں ان بالوں کا زوال کسی عارضہ سے ہی ہوتا ہے تو عدد شرط کے قائم مقام ہو گیا۔ جب شرط نہ پائی گئی تو کوئی چیز واقع نہ ہو گی۔ جب اس چیز کی نفی معلوم ہو تو حکم مختلف ہو گا۔ جس طرح ہتھیلی کے بطن کے بال یا وہ مجہول ہو اور اس کا علم ممکن نہ ہو جس طرح ابلیس کے بال یا علم ممکن ہو لیکن اس کی نفی کسی عارضہ پر موقوف نہ ہو جس طرح حوض کی مچھلیاں۔ تو یہ حکم عدد کے موجود ہونے پر موقوف نہیں ہو گا بلکہ طلاق مطلقاً واقع ہو جائے گی۔ لیکن مچھلی کے مسئلہ میں جب عدد کا پایا جانا ممکن ہے تو جب عدد پایا جائے گا تو اس کی تعداد کے برابر طلاق واقع ہو جائے گی۔

13336۔(قولہ: طَلَاقٌ إِنْ نَوَاهُ) کیونکہ جملہ نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح اس کے انکار کی صلاحیت رکھتا ہے تو پہلی صورت نیت کے ساتھ متعین ہو گی۔ نیت کی قید لگائی کیونکہ نیت کے بغیر بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔ اور اشارہ کیا کہ دلالت حال نیت کے قائم مقام نہ ہو گی۔ کیونکہ دلالت حال وہاں نیت کے قائم مقام ہوتا ہے جو الفاظ صرف جواب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ الفاظ ان میں سے نہیں۔ اپنے قول: طلاق کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کنایہ کے ساتھ واقع ہونے والی طلاق طلاق رجعی ہے''البحر'' میں باب الکنایات میں اسی طرح ہے۔

فَقَالَ لَا لَا تَطْلُقُ اتِّفَاقًا، وَإِنْ نَوَى لِأَنَّ الْيَمِينَ وَالسُّؤَالَ قَرِينَتَا إِرَادَةِ النَّفْيِ فِيهِمَا وَفِي الْخُلَاصَةِ قِيلَ لَهُ أَلَسْتَ طَلَّقْتَهَا؟ تَطْلُقُ بِبَلَى لَا بِنَعَمْ وَفِي الْفَتْحِ يَنْبَغِي عَدَمُ الْفَرْقِ لِلْعُرْفِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ قَالَتْ لَهُ أَنَا امْرَأَتُكَ، فَقَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ

اس نے کہا نہیں۔تو بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کرے۔ کیونکہ قسم اور سوال دونوں مسئلوں میں طلاق کی نفی کرنے میں قرینے ہیں۔''خلاصہ'' میں ہے: خاوند سے کہا گیا: کیا تو نے اسے طلاق نہیں دے دی۔ خاوند نے کہا: بلیٰ تو طلاق ہوجائے گی۔نعم کہا تو طلاق نہیں ہوگی۔''الفتح'' میں ہے: چاہیے عرف کی وجہ سے فرق نہ کیا جائے۔''بزازیہ'' میں ہے: عورت نے مرد سے کہا: میں تیری بیوی ہوں مرد نے عورت سے کہا تو طلاق والی ہے

13337۔(قولہ: لَا تَطْلُقُ اتِّفَاقًا وَإِنْ نَوَى) اسی کی مثل خاوند کا قول ہے: لم اتزوجك یا لم یکن بیننا نکاح یا لا حاجة لی فیك۔''بدائع''۔لیکن''المحیط'' میں طلاق کے وقوع کا ذکر خاوند کے قول میں ہے سوال کے وقت نہیں کیا اگر خاوند نے کہا: ہمارے درمیان نکاح نہیں تو طلاق واقع ہوجائے گی۔قاعدہ یہ ہے نکاح کی اصلاً نفی کرنا طلاق نہیں بلکہ انکار ہے۔نکاح کی فی الحال نفی کرنا طلاق ہوگی جب وہ طلاق کی نیت کرے۔اس کے علاوہ میں صحیح یہ ہے کہ یہ اسی اختلاف پر مبنی ہو''بحر''۔

13338۔(قولہ: قَرِينَتَا إِرَادَةِ النَّفْيِ فِيهِمَا) اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم جملہ خبریہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے تو اس کا جواب صرف خبر ہی ہوگا۔اسی طرح سوال کا جواب ہے طلاق صرف انشاء ہوتی ہے۔پس ضروری ہوگا کہ نکاح کی نفی سے اخبار کی طرف پھیرنا جھوٹ ہو۔

احکام شرع میں عرف معتبر ہے

13339۔(قولہ: وَفِي الْخُلَاصَةِ)''خلاصہ'' کی عبارت ہے: الستَ طلقتَها۔بعض نسخوں میں اسی طرح پایا گیا ہے جس طرح جو''حلبی'' میں ہے وہ جس کا فائدہ دیتا ہے۔صاحب''البحر'' نے''المنار'' پر اپنی شرح میں کہا: التحقیق میں ذکر کیا گیا کہ نعم کا جواب ماقبل کلام کی تصدیق ہے وہ کلام منفی ہو یا مثبت ہو، استفہام ہو یا خبر ہو۔جس طرح جب تجھے کہا جائے: قام زید یا اقام زید یا لم یقم زید تو تو کہے نعم۔تو یہ ماقبل کی تصدیق ہوگی اور ہمزہ کے جو مابعد ہے اس کی تحقیق ہوگی اور بلیٰ کا موجب نفی کے جو مابعد ہے اس کا ایجاب ہے وہ استفہام ہو یا خبر ہو۔جب کہا جائے: لم یقم زید تو تو کہے بلیٰ۔تو اس کا معنی ہوگا قد قام۔مگر احکام شرع میں معتبر عرف ہے یہاں تک ہر ایک دوسرے کی جگہ واقع ہوتا رہتا ہے۔

13340۔(قولہ: وَفِي الْفَتْحِ) اس کی عبارت ہے: جو چاہیے وہ فرق نہ کرنا ہے۔کیونکہ اہل عرف کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں (نعم، بلیٰ) سے منفی کا ایجاب سمجھتے۔

13341۔(قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) یعنی''بزازیہ'' میں کتاب النکاح کے اوائل میں ہے۔

كَانَ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ، وَتَطْلُقُ لِاقْتِضَاءِ الطَّلَاقِ النِّكَاحَ وَضْعًا عَلِمَ أَنَّهُ حَلَفَ وَلَمْ يَدْرِ بِطَلَاقٍ أَوْ غَيْرِهِ لَغَا كَمَا لَوْ شَكَّ أَطَلَّقَ أَمْ لَا وَلَوْ شَكَّ أَطَلَّقَ وَاحِدَةً أَوْ أَكْثَرَ بَنَى عَلَى الْأَقَلِّ وَفِي الْجَوْهَرَةِ طَلَّقَ الْمَنْكُوحَةَ فَاسِدًا ثَلَاثًا

یہ نکاح کا اقرار ہوگا اور عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق نکاح کا لغۃً اور شرعاً تقاضا کرتی ہے۔ خاوند کو علم ہے کہ اس نے قسم اٹھائی ہے اور یہ یاد نہیں کہ طلاق کی قسم کھائی یا غیر طلاق کی تو اس کی کلام لغو ہوگی۔ جس طرح اگر اس کو شک ہوا کہ طلاق دی ہے یا نہیں۔ اگر یہ شک ہوا کہ ایک طلاق دی تھی یا زیادہ تو اقل پر بنا کرے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: جس عورت سے نکاح فاسد کیا تھا اسے تین طلاقیں دیں

13342۔(قولہ: كَانَ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ، وَتَطْلُقُ) جب اس نکاح کا انکار کرے گا تو خاوند پر عورت کا مہر اور اس کی عدت کا نفقہ لازم ہوگا۔ اگر خاوند عورت کی عدت میں فوت ہو جاتا ہے تو عورت اس کی وارث ہوگی۔

13343۔(قولہ: لِاقْتِضَاءِ الطَّلَاقِ النِّكَاحَ وَضْعًا) کیونکہ طلاق سے لغت اور شرع میں مراد اس قید کو ختم کرنا ہے جو نکاح کے ساتھ ثابت ہو تو اس کے صحیح ہونے کے لیے پہلے نکاح کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مقتضی وہ ہوتا ہے جو کلام کی صحت کے لیے مقدر کیا جاتا ہے۔ گویا کہا: ہاں تو میری بیوی تھی اور تجھے طلاق ہے جس طرح علما نے اس مثال میں کہا: اپنے غلام کو میری جانب سے ہزار کے بدلے میں آزاد کرو۔

میں کہتا ہوں: یہ وہاں ہوتا ہے جہاں مانع کوئی نہ ہو۔ ''الخلاصہ'' میں نکاح کے باب میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: خاوند نے عورت سے کہا: تو میری بیوی نہیں اور تجھے طلاق ہے یہ نکاح کا اقرار نہیں۔ ''بزازیہ'' میں کہا: کیونکہ متقدم قرینہ قائم ہے کہ اس نے حقیقت میں طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کا زوجیت کی نفی کرنا اقتضا کے منافی ہے تو طلاق سے حقیقی طلاق مراد نہیں ہو سکتی۔

13344۔(قولہ: بَنَى عَلَى الْأَقَلِّ) جس طرح ''اسبیجابی'' نے اس کا ذکر کیا ہے مگر جب اسے اکثر کا یقین ہو یا اس کا ظن غالب ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب اسے پتہ نہ ہو کہ طلاقیں تین ہیں یا کم تو وہ تحری کرے اگر دونوں برابر ہوں تو اس میں سے جو صورت شدید ہو اس پر عمل کرے۔ ''اشباہ'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ''قاضی خان'' نے انحصار کیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ شرمگاہوں کے معاملہ میں خصوصاً احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن ہے کہ اول کو قضا اور دوسرے کو دیانت پر محمول کیا جائے۔

فائدہ: یہ ممکن ہے کہ اقل پر بنا والے قول کو قضاءً اور اکثر پر بنا والے قول کو دیانۃً پر محمول کیا جائے ''مترجم''۔

اس کی تائید باب التعلیق میں متون کا مسئلہ کرتا ہے۔ اگر کہا: ان ولدت ذكرا فانت طالق واحدة ان ولدت انثى

لَهُ تَزَوُّجُهَا بِلَا مُحَلِّلٍ وَلَمْ يَحْكِ خِلَافًا
تو اس کے لیے جائز ہے کہ محلل کے بغیر اس کے ساتھ عقد نکاح کر لے اور کسی کی جانب سے اختلاف بیان نہیں کیا۔

فانت طالق ثنتتین اس عورت نے دونوں جن دیئے مگر یہ معلوم نہیں کہ پہلے بچہ ہوا یا بچی ہوئی تو قضاءً ایک طلاق ہوگی اور دیانۃً دو طلاقیں ہوں گی۔

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''الاشباہ'' میں بھی ہے: اگر کہا: میں نے عزم کیا ہے کہ وہ تین ہیں تو انہیں چھوڑ دے۔ اگر عادل افراد نے اسے خبر دی جو اس مجلس میں حاضر تھے کہ وہ طلاق ایک تھی اور خاوند نے ان کی تصدیق کی تو ان کا قول لے لے۔

13345۔(قولہ: لَهُ تَزَوُّجُهَا بِلَا مُحَلِّلٍ) کیونکہ طلاق ایسی منکوحہ کو لاحق ہوتی ہے جس کا نکاح صحیح ہو یا جو طلاق کی عدت گزار رہی ہو یا ارتداد کی وجہ سے فسخ نکاح کی عدت گزار رہی ہو یا اسلام سے انکار کی عدت گزار رہی ہو جس طرح ہم نے اسے پہلے ''البحر'' سے (مقولہ 12121 میں) بیان کیا ہے ''حلبی''۔ یعنی جس کا عقد نکاح فاسد ہو تو یہ ان عورتوں میں سے نہیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے ''ط''۔ پس نکاح فاسد میں طلاق متحقق نہ ہوگی۔ اور یہ عدد میں کمی واقع نہ کرے گی۔ کیونکہ وہ متارکہ ہے جیسا کہ ہم نے باب المہر میں نکاح فاسد پر گفتگو کرتے وقت ''بحر'' اور ''بزازیہ'' سے پہلے بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ متارکہ ہے حقیقۃً طلاق نہیں اس کے لیے جائز ہے کہ محلل کے بغیر عقد صحیح کے ساتھ عورت سے عقد نکاح کرے اور اس نئے نکاح کی وجہ سے وہ تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ علم

بَابُ طَلَاقِ غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا

(قَالَ لِزَوْجَتِهِ غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا أَنْتِ طَالِقٌ) يَا زَانِيَةُ (ثَلَاثًا) فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ لِوُقُوعِ الثَّلَاثِ عَلَيْهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ ثُمَّ بَانَتْ بَعْدَهُ وَكَذَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا يَا زَانِيَةُ إِنْ شَاءَ اللهُ

غیر مدخولہ کی طلاق کے احکام

خاوند نے اپنی اس بیوی سے کہا جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے اے زانیہ تجھے تین طلاقیں تو نہ حد ہوگی اور نہ ہی لعان ہوگا۔ کیونکہ اس پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں جب کہ یہ اس کی بیوی تھی پھر اس کے بعد وہ جدا ہوگی۔ اور اس طرح یہ قول ہے: تجھے تین طلاقیں ہیں اے زانیہ ان شاء اللہ۔

13346۔(قولہ: فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ حد ہے اور نہ لعان ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ ایک کلام ہے۔ اور اس کا قول یا زانیة طلاق اور عدد میں فاصل نہیں اور جزا اور شرط میں فاصل نہیں جس طرح اس قول میں ہے: انت طالق یا زانیة ان دخلت الدار پس طلاق گھر میں داخل ہونے کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اور اس قول میں تین طلاقیں واقع ہوں گی: انت طالق یا زانیة ثلاثا۔ اس پر قذف کے وقوع کی وجہ سے حد جاری نہیں ہوگی۔ اور لعان بھی نہیں ہو گا کیونکہ اس کا اثر دونوں میں تفریق ہے۔ اور لعان جدائی کے بعد واقع نہیں ہوتا اور یہ اپنے اثر کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ اس کی مثل: یا زانیة انت طالق ثلاثا ہے۔ انت طالق ثلاثا یا زانیة کا معاملہ مختلف ہے۔ اس وقت اس پر حد جاری کی جائے گی جس طرح ''البحر'' کے لعان کے باب میں ہے۔ کیونکہ تہمت جدائی کے بعد ہوتی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہمارے مسئلہ میں ایک ہوگی اور اس پر حد ہوگی۔ کیونکہ اس نے قذف کو فاصل بنایا ہے تو اس کا قول ثلاثا لغو چلا جائے گا تو طلاق کا وقوع۔ انت طالق کے ساتھ ہوگا۔ طلاق بائن کے بعد بھی اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ وہ غیر مدخول بہا ہے۔ پس حد واجب ہوگی۔ ملخص کچھ زیادتی بھی ہے۔

13347۔(قولہ: لِوُقُوعِ الثَّلَاثِ) ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔ صحیح یہ ہے: لوقوع القذف۔ بعدہ میں جو ضمیر ہے یہ ''قذف'' کے لیے ہے جس طرح تیرے لیے اس گفتگو سے ظاہر ہوا جو ہم نے بیان کی ہے۔

جب کلام کے آخر میں ایسی چیز ہو جس کے ساتھ طلاق یا حد لازم ہوتی ہو تو استثنا وصف پر مرتب ہوگی

13348۔(قولہ: وَكَذَا) یعنی تین طلاقیں واقع ہوں گی اور نہ حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا جس طرح تشبیہ کا مقتضا ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ وصف سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ خاوند نے اس قول میں عورت کی صفت ذکر کی ہے: یا زانیة اور وہ قذف ہے۔ جب استثنا حذف کی طرف پھری تو حد اور لعان دونوں منتفی ہو گئے۔ کیونکہ حتمی قذف باقی نہیں اور تین طلاقیں

تَعَلَّقَ الِاسْتِثْنَاءُ بِالْوَصْفِ بَزَّازِيَّةٌ (وَقَعْنَ) لِمَا تَقَرَّرَ
استثنا وصف کے ساتھ متعلق ہوگی ''بزازیہ''۔ تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ بیان کیا جا چکا ہے

واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ استثنا کے متعلق نہیں۔ یہ وضاحت اس کے موافق ہے جو ''الملتقی'' پر ان کی شرح کے موافق ہے۔ اس کی نص ہے: تجھے تین طلاقیں ہیں اے زانیہ ان شاء اللہ طلاق واقع ہو جائے گی اور استثنا کو وصف کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح: انت طالق یا طالق ان شاء اللہ۔ اسی طرح اس کا قول ہے: انت طالق یا طالق ان شاء اللہ۔ اسی طرح اس کا قول ہے: انت طالق یا خبیثة ان شاء اللہ۔ استثنا کو کل کی طرف پھیرا جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ گویا کہا: یا فلانہ۔ ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کلام کے آخر میں جب ایسی چیز ہو جب اس کے ساتھ طلاق واقع ہوتی ہو یا اس کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہے جس طرح اس قول میں ہے: یا طالق یا زانیة تو استثنا وصف پر مرتب ہوگی۔ اگر اس کے ساتھ حد واجب نہ ہوتی ہو یا اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوتی ہو جس طرح اس کا قول ہے: یا خبیثة تو استثنا کل پر ہوگی۔

لیکن ''بزازیہ'' کا قول وکذا انت طالق یا خبیثة صحیح یہ ہے: اگر وہ کہے: انت طالق یا خبیثة جس طرح ''الذخیرہ'' وغیرہا میں تعبیر کیا ہے۔ لیکن اس میں تساہل ہے۔ کیونکہ مذکورہ اصل کے ذکر کرنے کے ساتھ مراد ظاہر ہے۔ اس کا قول یقع یعنی طلاق واقع ہوگی۔ اس پر دلیل ہے کہ وصف سے مراد قذف ہے طلاق نہیں ورنہ اس کا قول: وصرف الاستثناء الی الوصف صحیح نہ ہوگا۔ اس طرح قاعدہ بیان کیا ہے۔ اس سے زیادہ صریح ''ذخیرہ'' وغیرہا میں اس کا قول ہے: فالاستثناء علی الاخر وھو القذف ویقع الطلاق۔ فافہم

پھر جان لیجئے کہ شارح نے ''بزازیہ'' سے جو ذکر کیا ہے اس قول کو ''ذخیرہ'' میں ''النوادر'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ شرط و جزا کی صورت میں کلام ہے جس طرح: انت طالق یا زانیة ان دخلت الدار یا ایجاب و استثنا کے درمیان ہے جس طرح: انت طالق یا زانیة ان شاء اللہ۔ اصح قول کے مطابق یہ قذف نہیں خواہ ان دونوں سے پہلے ہو یا ان دونوں سے متاخر ہو۔ وہ فی الحال قذف ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جو متخلل ہے وہ فاصل نہیں۔ پس طلاق متعلق نہ ہوگی بلکہ فی الحال واقع ہوگی اور لعان واجب ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے طلاق متعلق ہوگی اور لعان واجب ہوگا۔ ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ یا زانیة یہ ندا ہے اس سے آگاہ کرنے کے لیے جس کا اس کے ساتھ ارادہ کیا گیا ہے۔ پس یہ فاصل نہ ہوگی۔ اور طلاق شرط کے ساتھ متعلق ہوگی اور قذف میں شرط کے ساتھ متعلق ہوگی۔ کیونکہ یہ شرط کے قریب تر ہے۔ ملخصاً

یہ اس امر کی تصریح ہے کہ استثنا کو کل کی طرف پھیرنا ہی اصح ہے اور ظاہر الروایہ ہے۔ ''الذخیرہ'' میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ شارح ''باب التعلیق'' میں اسی پر چلے ہیں۔

13349۔ (قولہ: وَقَعْنَ) یہ مقدر شرط کا جواب ہے جو متن کے قول قال لزوجتہ میں ہے۔ شارح کے لیے زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس قول کو ثلاثا کے قول کے بعد ذکر کرتے۔

13350۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ) کیونکہ عدد ذکر کرنے کے موقع پر واقع ہونے والا امر ایسا مصدر ہوتا ہے جس کی

أَنَّهُ مَتَى ذُكِرَ الْعَدَدُ كَانَ الْوُقُوعُ بِهِ، وَمَا قِيلَ مِنْ أَنَّهُ لَا يَقَعُ لِنُزُولِ الْآيَةِ فِي الْمَوْطُوءَةِ بَاطِلٌ مَحْضٌ

کہ جب عدد ذکر کیا جائے تو طلاق اس کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔اور یہ جو کہا گیا ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ آیت موطوءہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے محض باطل ہے۔

صفت عدد کے ساتھ لگائی جاتی ہے یعنی تطلیقا ثلاثا۔پس وہ صیغہ جو طلاق کی انشا کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کا حکم عدد ذکر کرنے کی صورت میں عدد پر موقوف ہوتا ہے''بحر''۔''الفتح'' میں کہا: اس تعبیر کے ساتھ حضرت''حسن بصری''،''عطا'' اور حضرت''جابر بن زید'' رضی اللہ عنہ کا قول مندفع ہو جاتا ہے: عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طالق کے لفظ کے ساتھ وہ خاوند سے جدا ہو چکی ہے۔اور عدد کسی شے میں مؤثر نہیں ہوگا۔امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی نص یہ ہے۔فرمایا: جب ایک مرد نے اپنی بیوی پر تین طلاقیں اکٹھیں دیں تو اس نے سنت کی مخالفت کی اور گناہ گار رہا۔بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے یا ادا نہ کیے تھے سب کا حکم برابر ہے۔ہمیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے اصحاب سے روایت پہنچی ہے (1)۔

یہ قول کہ آیت کریمہ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ...... مدخول بہا کے بارے میں نازل ہوئی باطل ہے

13351۔(قولہ: وَمَا قِيلَ) اس قول کے ساتھ اس کا رد کیا ہے جو''شرح المجمع'' میں کتاب''المشکلات'' سے نقل کیا ہے اور اسی پر ثابت رکھا ہے جہاں کہا:''المشکلات'' میں ہے: جس نے غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اسے حق حاصل ہے کہ بغیر تحلیل کے اس کے ساتھ نکاح کرے جہاں تک اس آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ:230) کا تعلق ہے تو یہ آیت مدخول بہا کے بارے میں نازل ہوئی۔

رد کی دلیل یہ ہے کہ یہ مذہب کے مخالف ہے کیونکہ یا تو اس پر تین طلاقوں کے عدم وقوع کا ارادہ کرے گا بلکہ ایک طلاق واقع ہوگی جس طرح حضرت''حسن بصری'' وغیرہ کا قول ہے جب کہ تو اس کے رد کو جان چکا ہے یا وہ ارادہ کرے گا کہ اس پر اصلاً کوئی چیز واقع نہ ہو۔شارح کی عبارت دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے۔لیکن''الدرر'' کا کلام پہلی وجہ کی تعیین رکھتی ہے یا تین طلاقوں کے وقوع کا ارادہ رکھتا ہے جب کہ محلل کی شرط نہیں۔

محقق''ابن ہمام'' نے ان کے رد میں مبالغہ کیا ہے جب آپ نے باب الرجعۃ کے آخر میں کہا: اس یعنی محلل کے شرط ہونے میں کوئی فرق نہیں وہ عورت مدخول بہا ہو یا مدخول بہا نہ ہو۔کیونکہ نص کا اطلاق صریح ہے۔بعض کتب میں واقع ہوا کہ غیر مدخول بہا خاوند کے بغیر حلال ہوتی ہے۔یہ بہت بڑی لغزش ہے جو نص اور اجماع کے متصادم ہے۔کسی ایسے مسلمان کے لیے حلال نہیں جو اسے دیکھے کہ وہ اسے روایت کرے چہ جائیکہ وہ اس کا اعتبار کرے۔کیونکہ اس کے نقل کرنے میں اس کی اشاعت ہوتی ہے۔اس وقت امر کی تخفیف میں شیطان کا دروازہ کھل جائے گا۔اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس جیسے معاملہ میں اجتہاد

1۔سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث مجموعۃ، جلد 2، صفحہ 532، حدیث نمبر 3347

مَنْشَؤُهُ الْغَفْلَةُ عَمَّا تَقَرَّرَ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ وَحَمَلَهُ فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ عَلَى كَوْنِهَا مُتَفَرِّقَةً فَلَا يَقَعُ إِلَّا الْأُولَى فَقَطْ (وَإِنْ فَرَّقَ) بِوَصْفٍ أَوْ خَبَرٍ أَوْ جُمَلٍ بِعَطْفٍ أَوْ غَيْرِهِ (بَانَتْ بِالْأُولَى)

اس قول کی وجہ اس قاعدہ سے غفلت ہے جو ثابت ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوصی سبب کا نہیں ہوتا اور ''غرر الاذکار'' میں اسے اس پر محمول کیا ہے کہ وہ تین متفرق طلاقیں ہیں۔ پس طلاق صرف پہلی واقع ہوگی۔ اگر وصف، خبر یا جملوں خواہ جملے عطف کے ساتھ ہوں یا عطف کے بغیر ہوں کے ساتھ الگ الگ طلاقیں واقع کیں تو غیر مدخول بہا پہلی طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی

جائز نہیں۔ کیونکہ اجتہاد کی شرط فوت ہو چکی ہے جو شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔ ہم کجی اور ضلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس میں امر ضروریات دین میں سے ہے جو اس کی مخالفت کرے اس کو کافر قرار دینا بعید نہیں۔

13352۔(قولہ: لِعُمُومِ اللَّفْظِ) نص کا لفظ عام ہے۔ کیونکہ یہ غیر مدخول بہا کو بھی عام ہوگا۔ اور اس میں یہ ہے کہ آیت مدخول بہا میں صریح ہے۔ کیونکہ اس میں جدا جدا ذکر کی گئی ہے۔ اور اس میں جدا جدا طلاقوں کا ہونا اسے خاص کرتا ہے۔ اور غیر مدخول بہا میں متفرق طلاق نئے نکاح سے واقع ہوتا ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ سنت کا سہارا لیا جائے۔ وہ وہی ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے،''ط''۔

13353۔(قولہ: وَحَمَلَهُ فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ) جہاں کہا: ''المشکلات'' میں جو کچھ ہے وہ اشکال پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے قول ثلاثا سے مراد ہے تین متفرق طلاقیں تاکہ یہ عام کتب حنفیہ کے موافق ہو جائیں۔ فافہم

میں کہتا ہوں: اس تعبیر میں وہ قول تائید کرتا ہے جو ''المشکلات'' میں ہے جہاں تک اس قول فان طلقھا کا تعلق ہے آیت میں جدا جدا طلاقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے صاحب ''المشکلات'' نے اس کی جانب سے یہ جواب دیا ہے کہ آیت میں جو حکم وارد ہے وہ مدخول بہا کے بارے میں ہے۔ فتامل

13354۔(قولہ: وَإِنْ فَرَّقَ بِوَصْفٍ) جس طرح وہ کہے: انت طالق واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ یا خبر کے ساتھ الگ الگ طلاقیں دے جیسے: انت طالق طالق طالق، یا جملوں کے ساتھ الگ الگ طلاقیں دے: انت طالق انت طالق انت طالق۔ ''ح''۔ اسی کی مثل ''شرح الملتقی'' میں ہے۔

13355۔(قولہ: بِعَطْفٍ) تینوں جملوں میں حرف عطف لائے خواہ واؤ ہو، فا ہو، ثم ہو یا بل ہو، ''ح''۔

مصنف عطف کا مسئلہ عنقریب ذکر کریں گے وہ فوری طلاقیں ہوں اور معلق ہوں ساتھ ہی معلق میں تفصیل ہوگی۔

13356۔(قولہ: أَوْ غَيْرِهِ) اولیٰ یہ تھا کہ ہوتا دونہ، ''ط''۔

13357۔(قولہ: بَانَتْ بِالْأُولَى) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری کلام سے فارغ ہونے سے پہلے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بعد۔ کیونکہ جائز ہے کہ وہ اپنی کلام کے آخر میں شرط یا استثنا لاحق کر دے۔ ''سرخسی'' نے

لَا إِلَى عِدَّةٍ (وَ) لِذَا (لَمْ تَقَعْ الثَّانِيَةُ) بِخِلَافِ الْمَوْطُوءَةِ حَيْثُ يَقَعُ الْكُلُّ وَعَمَّ التَّفْرِيقَ، قَوْلُهُ (وَكَذَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا مُتَفَرِّقَاتٍ) أَوْ ثِنْتَيْنِ مَعَ طَلَاقِي إِيَّاكِ (فَ) طَلَّقَهَا وَاحِدَةً وَقَعَ (وَاحِدَةٌ) كَمَا لَوْ قَالَ نِصْفًا وَوَاحِدَةً عَلَى الصَّحِيحِ جَوْهَرَةٌ وَلَوْ قَالَ وَاحِدَةً وَنِصْفًا فَثِنْتَانِ اتِّفَاقًا

عدت کے بغیر ہی اس وجہ سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ موطوءہ کا معاملہ مختلف ہے۔ موطوءہ پر تمام طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اس کا قول اور اسی طرح تجھے تین متفرق طلاقیں ہیں تفریق کو عام ہے یا تجھے دو متفرق طلاقیں تجھے میرے طلاق دینے کے ساتھ تو خاوند نے اسے ایک طلاق دی تو ایک طلاق ہوگی جس طرح اگر خاوند نے کہا نصف اور ایک صحیح قول کے مطابق۔ ''جوہرہ''۔ اگر خاوند نے کہا: ایک اور نصف تو بالاتفاق دو طلاقیں ہوں گی۔

پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ اختلاف اس صورت میں ہے جب واؤ کے ساتھ عطف کیا جائے۔ اور اس کا ثمرہ اس میں ظاہر ہوگا جب دوسری طلاق سے فارغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔

13358۔ (قولہ: وَلِذَا) کیونکہ وہ خاوند سے جدا ہو جاتی ہے اسے عدت کے ختم ہونے کا انتظار نہیں کرنا پڑتا ''ح''۔

13359۔ (قولہ: لَمْ تَقَعْ الثَّانِيَةُ) اس سے مراد پہلی کے بعد جو طلاق ہے پس یہ قول تیسری طلاق کو بھی شامل ہوگا۔

13360۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمَوْطُوءَةِ) اگرچہ وہ حکماً موطوءہ ہو جس طرح وہ عورت جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو۔ کیونکہ عدت کے لازم ہونے میں وہ موطوءہ کی طرح ہے۔ اسی طرح عدت میں دوسری طلاق بائن کے واقع ہونے کا معاملہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ صحیح پہلا قول ہے جس طرح باب المہر میں نظم میں گزر چکا ہے ہم نے وہاں اس کی وضاحت کی ہے۔

13361۔ (قولہ: حَيْثُ يَقَعُ الْكُلُّ) یعنی تمام متقدم صورتوں میں تمام طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ اس کی عدت باقی ہے اس کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے صرف پہلی طلاق کی نیت کی جس طرح فروع میں آئے گا۔ مگر جب اسے کہا جائے: ماذا فعلت تو نے کیا کیا؟ تو خاوند نے کہا: میں نے اسے طلاق دے دی، یا میں نے کہہ دیا ہے: ھی طالق۔ اسے طلاق ہے۔ کیونکہ سوال پہلی طلاق کے متعلق واقع ہوا ہے تو جواب بھی اسی طرف پھرے گا ''بحر''۔

13362۔ (قولہ: أَوْ ثِنْتَيْنِ مَعَ طَلَاقِي إِيَّاكِ) کیونکہ یہاں مع، بعد کے معنی میں ہے جس طرح اس قول میں گزرا ہے: مع عتق مولاك اياك ''ح''۔ یعنی طلاق شرط ہوگی۔ جب اس مرد نے عورت کو ایک طلاق دے دی تو دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ شرط مشروط سے پہلے ہے۔

13363۔ (قولہ: كَمَا لَوْ قَالَ نِصْفًا وَوَاحِدَةً) یعنی ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اس طریقہ پر وہ مستعمل نہیں تو تمام کو ایک کلام نہ بنایا جائے گا۔ ''المحیط'' میں اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے ''بحر''۔ کیونکہ معروف استعمال یہ

لِأَنَّهُ جُمْلَةٌ وَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ وَاحِدَةً وَعِشْرِينَ أَوْ وَثَلَاثِينَ فَثَلَاثٌ لِمَا مَرَّ
کیونکہ یہ ایک جملہ ہے۔ اگر کہا اکیس یا اکتیس اسی وجہ سے جو گزر چکا ہے۔

ہے کہ کسر (بٹا) کو عدد صحیح پر عطف کیا جاتا ہے۔

13364۔ (قولہ: لِأَنَّهُ جُمْلَةٌ وَاحِدَةٌ) کیونکہ جب اس نے دونوں کے ساتھ طلاق کے واقع کرنے کا ارادہ کیا تو دونوں کے لیے کوئی ایسی عبارت نہ تھی جس کے ساتھ نطق ممکن ہو اور وہ ان دونوں سے زیادہ مختصر ہو۔ اسی طرح اگر کہا: واحدۃ و اخری تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ ابتداء اخری کا لفظ مستعمل نہیں "نہر"۔ یہ نہ کہا جائے: انت طالق ثنتین دونوں سے زیادہ مختصر ہے۔ کیونکہ جب طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا عدد صحیح اور کسر کے ساتھ اور اخری کے لفظ کے ساتھ تو بعض اوقات اس میں اس کی کوئی غرض ہوتی ہے۔ اس شرط پر اگر اس کی کوئی غرض صحیح نہ ہو تو اعتبار لفظ کا ہوگا۔ اور ثنتین کا لفظ لغۃ نصف اور کوئی دوسرا معنی نہیں دیتا اگرچہ دونوں سے ایک طلاق مراد ہو۔ انت طالق واحدۃ و واحدۃ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ طالق ثنتین اس سے غنی کر دیتا ہے۔ ثنتین کے لفظ سے اس طرح عدول کرنا تفریق کے ارادہ پر قرینہ ہے۔ اسی طرح نصفا و واحدۃ ہے۔ کیونکہ نصف طلاق، طلاق کے حکم میں ہے جس طرح یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔ پس یہ کلام اس کلام کے قائم مقام ہے: واحدۃ و واحدۃ۔ پس یہ بھی متفرق طلاقوں میں سے ہے۔ کیونکہ اصل قاعدہ سے عدول کیا گیا ہے جو یہ ہے صحیح عدد کے کسر پر مقدم کیا جاتا ہے۔

13365۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) ما مر سے مراد لانہ جملۃ واحدۃ ہے "ح"۔ جب اس طریقہ سے طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے جو کلام اس کے لیے کی جاتی ہے ان میں سے یہ مختصر ترین ہے۔ لغت کے اعتبار سے تعبیر میں یہی طریقہ پسندیدہ ہے "بحر"۔ لیکن یہ احدی و عشرین میں ذکر کیا ہے واحدۃ و عشرین میں ذکر نہیں کیا۔ پھر "المحیط" سے یہ نقل کیا ہے: اگر کہا: واحدۃ و عشرا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ احد عشر کا معاملہ مختلف ہے۔ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ عطف نہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: واحدۃ و مأۃ، او واحدۃ والفا، واحدۃ و عشرین۔ سب صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ عام معمول میں یہ انداز مستعمل نہیں۔ کیونکہ عادت میں یہ کہا جاتا ہے: مأۃ و واحدۃ، الف و واحدۃ۔ پس اس جملہ کو ایک کلام نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں عطف کا اعتبار کیا گیا۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ اس کا قول واحدۃ و مأۃ، مأۃ و واحدۃ دونوں برابر ہیں۔

اس کا ظاہر معنی ہے کہ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان مسائل میں قابل اعتماد نہیں لیکن "النہر" میں کہا: "زیلعی" نے واحدۃ و عشرین کے قول میں اسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے جو اس قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(وَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِعَدَدٍ قُرِنَ بِهِ لَا بِهِ) نَفْسِهِ عَنْ ذِكْرِ الْعَدَدِ، وَعِنْدَ عَدَمِهِ الْوُقُوعُ بِالصِّيغَةِ

طلاق اس عدد کے ساتھ واقع ہوتی ہے جو طلاق کے ساتھ ملا ہوتا ہے نفس طلاق کے ساتھ واقع نہیں ہوتی۔ جب عدد ذکر کیا جائے اور عدد ذکر نہ کرنے کی صورت میں طلاق صیغہ کے ساتھ واقع ہوگی

طلاق نفس طلاق سے نہیں بلکہ اس عدد کے ساتھ واقع ہوتی ہے جو طلاق کے ساتھ متصل ہو

13366۔ (قولہ: وَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِعَدَدٍ قُرِنَ بِهِ لَا بِهِ) یعنی جب طلاق کو عدد کے ساتھ ملایا جائے تو طلاق کا وقوع عدد کے ساتھ ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جس پر علما کا اتفاق ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو کہا: انت طالق ثلاثا تو اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر طلاق طالق کے لفظ کے ساتھ ہوتی تو فوراً جدا ہو جاتی کیونکہ اس کی عدت نہیں ہوتی۔ پس عدد لغو ہو جاتا۔ اس وجہ سے اگر خاوند کہے: انت طالق واحدۃ ان شاء اللہ تو کوئی شے واقع نہ ہوگی اگر طالق کے لفظ کے ساتھ طلاق ہوتی تو عدد فاصل ہوتا پس طلاق واقع ہو جائے گی۔

پھر جان لو کہ طلاق کا وقوع مصدر کے ساتھ بھی ہوتا ہے جب اس کا ذکر کیا جائے جس طرح اس نے کہا: انت طالق البتۃ یہاں تک کہ اگر اس کے بعد متصل کہا: ان شاء اللہ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر طلاق صرف اسم فاعل کے ساتھ واقع ہوتی تو طلاق واقع ہو جاتی۔ ''المحیط'' میں جو کچھ ہے وہ اس پر دال ہے۔ اگر خاوند نے کہا: انت طالق للسنۃ یا کہا: انت طالق بائن اور عورت خاوند کے قول للسنۃ یا بائن سے پہلے ہی فوت ہوگئی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایقاع کی صفت ہے تطلیقۃ کی صفت نہیں۔ پس ایقاع طلاق صفت کے ذکر پر موقوف ہوگی ورنہ موت کے بعد اس کا تصور نہ ہوتا۔ ''الخانیہ'' کے باب العتق میں اسی طرح ہے: آقا نے اپنے غلام سے کہا: انت حر البتۃ، غلام البتۃ کے لفظ سے پہلے ہی مر گیا تو وہ غلام کی حیثیت سے مرے گا، ''بحر''۔ گزشتہ باب میں اس قول: انت طالق واحدۃ اولا کے ہاں اور یہاں کہا دیدخل فی العدد اصلا...... عدد میں اس کا اصل جو واحد ہے داخل ہوگا اس کا ایقاع طلاق کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے۔ اور سانس کا ٹوٹ جانا کچھ نقصان نہیں دیتا۔ اگر کہا: انت طالق اور خاموش ہو گیا پھر کہا ثلاثا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر اس کا نفس ٹوٹ گیا یا کسی انسان نے اس کا منہ پکڑ لیا پھر کہا: تین فوراً۔ تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر غیر مدخول بہا عورت سے کہا: انت طالق یا فاطمۃ او یا زینب ثلاثا تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اگر کہا: انت طالق اشھدوا ثلاثا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا: فاشھدوا تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ ''الظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ نفس کا ٹوٹ جانا اور منہ بند کر لینا یہ طلاق اور عدد میں اتصال کو قطع نہیں کرتا۔ ندا بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ یہ مخاطب کی تعیین کے لیے ہے۔ اسی طرح فاشھدوا کا فا کے ساتھ عطف ہے کیونکہ اس کا مابعد ماقبل سے متعلق ہوتا ہے پس تمام کلام ایک کلام ہوگی۔

13367۔ (قولہ: عَنْ ذِكْرِ الْعَدَدِ) جب عدد کی تصریح کی جائے اس کا قصد کافی نہ ہوگا جس طرح اس مسئلہ میں

(فَلَوْ مَاتَتْ) یَعُمُّ الْمَوْطُوْءَةَ وَغَیْرَھَا (بَعْدَ الْإِیْقَاعِ قَبْلَ) تَمَامِ (الْعَدَدِ لَغَا) لِمَا تَقَرَّرَ (وَلَوْ مَاتَ) الزَّوْجُ أَوْ أَخَذَ أَحَدٌ فَمَہٗ قَبْلَ ذِکْرِ الْعَدَدِ (وَقَعَ وَاحِدَۃٌ) عَمَلًا بِالصِّیْغَۃِ

اگر عورت مر گئی یہ قول موطوءہ اور غیر موطوءہ کو عام ہے طلاق واقع کرنے کے بعد اور عدد کے مکمل ہونے سے پہلے تو یہ کلام لغو ہو جائے گی اسی دلیل کی وجہ سے جو ثابت ہو چکی۔ اگر خاوند فوت ہو گیا یا کسی نے اس کا منہ پکڑ لیا عدد کا ذکر کرنے سے پہلے تو ایک طلاق واقع ہو گی صیغہ پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

آئے گا اگر خاوند مر گیا یا کسی نے اس کا منہ پکڑ لیا۔ فافہم

13368۔ (قولہ: بَعْدَ الْإِیْقَاعِ) مراد اس سے صیغہ کا ذکر ہے جو ایقاع طلاق کے لیے وضع کیا گیا ہو عدد مراد نہیں۔

13369۔ (قولہ: قَبْلَ تَمَامِ الْعَدَدِ) تمام کا لفظ مقدر کیا ہے یہ ''البحر'' کی اتباع میں ہے۔ یہ اس قول سے احتراز ہے اگر وہ کہے: انت طالق احد عشر۔ تو وہ عورت عدد کے مکمل ہونے سے پہلے مر گئی۔

13370۔ (قولہ: لَغَا) یعنی کوئی شے واقع نہ ہو گی ''نہر''۔ پس پورا مہر ثابت ہو گا اور خاوند عورت کا وارث ہو گا ''ط''۔

13371۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ) یعنی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ طلاق کا وقوع عدد سے ہوتا ہے جب کہ عورت عدد کے واقع ہونے کے وقت طلاق کا محل نہ تھی۔ ''ح''۔ یا اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صدر کلام، کلام کے آخری حصہ پر موقوف ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسی چیز پائی جا رہی ہوتی ہے جو اس کے حکم کو تبدیل کر دیتی ہے جس طرح شرط اور استثنا۔ یہاں تک کہ اگر خاوند نے کہا: انت طالق ان دخلت الدار یا ان شاء اللہ۔ تو وہ عورت شرط اور استثنا سے پہلے مر گئی تو اسے طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ دونوں کلام کو اس امر سے خارج کر دیتی ہیں کہ یہ کلام طلاق کو واقع کر سکیں۔ اس کا یہ قول: انت طالق ثلاثا یا عمرۃ اس کے خلاف ہے۔ پس عورت خاوند کے قول: یا عمرۃ سے پہلے مر گئی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ کلام کو تبدیل کرنے والا نہیں۔ بے شک یہ کلام عمل کرے گی جب یہ عورت کو اس وقت ملی جب کہ وہ زندہ تھی۔ اگر خاوند نے کہا: وانت طالق وانت طالق ان دخلت الدار تو وہ پہلے یا دوسرے قول پر مر گئی تو طلاق واقع نہ ہو گی اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے جس طرح ''البحر'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے۔

13372۔ (قولہ: أَوْ أَخَذَ أَحَدٌ فَمَہٗ) جب ہاتھ کو اس کے منہ سے اٹھایا گیا تو اس نے فوراً عدد کا ذکر نہ کیا مگر جب کہا: ثلاثا۔ اور یہ لفظ اس نے فوراً کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جس طرح پہلے (مقولہ 13366 میں) گزرا ہے۔

13373۔ (قولہ: عَمَلًا بِالصِّیْغَۃِ) عورت اور مرد کی موت میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خاوند عدد کے ذکر کرنے کی صورت میں طلاق کے لفظ تک پہنچا ہے جب کہ عورت پر موت واقع ہو چکی تھی اور مرد کی وفات کی صورت میں طلاق کے لفظ کے ساتھ عدد کا ذکر متصل نہیں ہوا۔ پس خاوند کا قول انت طالق باقی رہا۔ یہ لفظ طلاق کے واقع ہونے میں بذات خود عامل ہے جس طرح جب اس کے منہ کو پکڑ لیا جائے جب کہ اس نے بعد میں کچھ بھی نہ کہا۔ تو ایک

لِأَنَّ الْوُقُوعَ بِلَفْظِهِ لَا بِقَصْدِهِ (وَلَوْ قَالَ) لِغَيْرِ الْمَوْطُوءَةِ (أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً) بِالْعَطْفِ (أَوْ قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ يَقَعُ وَاحِدَةٌ) بَائِنَةٌ، وَلَا تَلْحَقُهَا الثَّانِيَةُ لِعَدَمِ الْعِدَّةِ (وَفِي) أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً (بَعْدَ وَاحِدَةٍ أَوْ قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ أَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا وَاحِدٌ

کیونکہ طلاق کا وقوع لفظ سے ہوتا ہے قصد وارادہ سے نہیں ہوتا۔ اور اگر اس نے غیر موطوءۃ سے کہا: تجھے ایک طلاق اور ایک طلاق، عطف کی صورت میں، یا تجھے ایک طلاق ایک طلاق سے پہلے یا اس کے بعد ایک طلاق تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور عدت کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے دوسری طلاق لاحق نہ ہوگی۔ اور انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ یا قبلھا واحدۃ یا مع واحدۃ یا معھا واحدۃ

طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ''البحر'' میں اسے ''المعراج'' سے بیان کیا ہے۔

13374۔ (قولہ: لِأَنَّ الْوُقُوعَ بِلَفْظِهِ لَا بِقَصْدِهِ) دونوں ضمیریں خاوند کے لیے ہیں یا عدد کے لیے ہیں۔ اور پہلی صورت میں تعلیل ماقبل اسے علت کے منطوق کی ہوگی جو اس سے پہلے ہے وہ عملاً بالصیغۃ ہے۔ اور دوسری صورت میں تعلیل اس کے مفہوم کی ہوگی وہ عدد پر عمل نہ کرنا ہے جس کا اس نے قصد کیا۔ فافہم

13375۔ (قولہ: بِالْعَطْفِ) یعنی واؤ کے ساتھ عطف ہو۔ تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے جو اس سے عام ہے کہ وہ معیت کے لیے ہو، تقدم کے لیے ہو یا تاخر کے لیے ہو۔ پس اس کا اول آخر پر موقوف نہ ہوگا مگر جب معیت کے لیے ہو۔ وہ یہاں منتفی ہے پس ہر لفظ اپنا عمل کرے گا۔ پس عورت پہلی طلاق کے ساتھ جدا ہو جائے گی اور ما بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔ واؤ کی مثل فا اور ثم کے ساتھ عطف ہے ان سے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا۔ کیونکہ فا تعقیب کا تقاضا کرتا ہے اور ثم تراخی کا تقاضا کرتا ہے جب کہ دونوں میں ترتیب کا مفہوم پایا جا رہا ہے۔ جہاں تک بل کا تعلق ہے انت طالق واحدۃ بل ثنتین تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ خاوند سے جدا ہوگئی۔ اگر وہ عورت مدخول بہا ہو تو اس کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ اس نے خبر دی کہ اس نے طلاق واقع کرنے میں غلطی کی ہے اور اس کے بدلے میں دو واقع کرنے کے ساتھ ایک سے رجوع کیا ہے۔ پس اس کا دو طلاقیں واقع کرنا صحیح ہوگا اس کا رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر کہا: طلقت امس واحدۃ لا بل ثنتین اس کے ساتھ دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ خبر ہے جو غلطی میں تدراک کو قبول کرتا ہے۔ انشا کا معاملہ مختلف ہے ''بحر'' ملخص۔

13376۔ (قولہ: أَوْ قَبْلَ وَاحِدَةٍ) ضابطہ یہ ہے: جب ظرف کو دو چیزوں کے درمیان ذکر کیا جائے اگر اسے اسم ظاہر کی طرف مضاف کیا جائے تو وہ ظرف پہلے اسم کی صفت ہوگی جس طرح جاءنی زید قبل عمرو۔ اگر اسے اول اسم کی ضمیر کی طرف مضاف کیا جائے تو یہ دوسرے اسم کی صفت ہوگی جس طرح جاءنی زید قبلہ او بعدہ عمرو۔ کیونکہ اس صورت میں یہ دوسرے اسم عمرو کی خبر ہے۔ اور خبر، مبتدا کی صفت ہوتی ہے اور صفت سے مراد صفت معنوی ہے۔ اور وصفیت کے ساتھ محکوم

ثِنْتَانِ)، الْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أُوْقِعَ بِالْأَوَّلِ لَغَا الثَّانِي، أَوْ بِالثَّانِي اقْتَرَنَا، لِأَنَّ الْإِيقَاعَ فِي الْمَاضِي إِيقَاعٌ فِي الْحَالِ (وَ) يَقَعُ (بِأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ

میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب پہلے کے ساتھ طلاق واقع کی گئی تو دوسرا لغو چلا گیا اور جب دوسرے کے ساتھ طلاق واقع کی گئی تو دو طلاقیں مل گئیں۔ کیونکہ ماضی میں ایقاع حال میں طلاق واقع کرنا ہے۔ اور دو طلاقیں واقع ہوں گی اس قول کے ساتھ کہ خاوند نے کہا: انت طالق واحدۃ و واحدۃ ان دخلت الدار

علیہ صرف ظرف ہے ورنہ جملہ قبلہ عمرو یہ زید سے حال ہے۔ کیونکہ یہ معرفہ کے بعد واقع ہے۔ اور حال صاحب حال کا وصف ہوتا ہے۔ اور واحدۃ قبل واحدۃ اس نے پہلی طلاق کو دوسری سے پہلے واقع کیا ہے تو وہ اس کے ساتھ بائنہ ہو گئی۔ پس دوسری طلاق واقع نہ ہو گی۔ اور بعدھا ثانیۃ کا حکم بھی اسی طرح ہو گا۔ کیونکہ ثانیہ کا وصف بعدیۃ کے ساتھ ہے۔ اور اگر اس نے اس کے ساتھ اس کی صفت بیان نہ کی تو وہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ یہ غیر مدخول بہا میں حکم ہے۔ اور مدخول بہا میں دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ علت موجود ہے جس طرح آگے گا۔

13377۔ (قولہ: ثِنْتَانِ) کیونکہ واحدۃ بعد واحدۃ میں بعدیۃ کو اولیٰ کی صفت بنایا ہے تو اس نے دوسری کو پہلی سے قبل واقع کرنے کا تقاضا کیا۔ کیونکہ ماضی میں ایقاع حال میں واقع کرنا ہے کیونکہ اب ماضی کی طرف نسبت ممتنع ہے۔ پس دونوں مل جائیں گی اور دونوں واقع ہو جائیں گی۔ اور اسی طرح واحدۃ قبلہا واحدۃ میں ہے۔ کیونکہ قبلیت ثانیہ کی صفت ہے۔ پس اس نے پہلی سے پہلے واقع کرنے کا تقاضا کیا پس دونوں مل جائیں گی۔ جہاں تک مع کا تعلق ہے تو یہ قران کے لیے ہوتا ہے اسے ضمیر کے ساتھ لایا جائے یا نہ لایا جائے کوئی فرق نہیں۔ پس اس لفظ نے دونوں طلاقوں کو اکٹھے واقع کرنے کا تقاضا کیا تا کہ اس کے معنی کو ثابت کیا جائے۔

13378۔ (قولہ: مَتَى أُوْقِعَ بِالْأَوَّلِ) جس طرح اس قول میں ہے: قبل واحدۃ او بعدھا واحدۃ کیونکہ دونوں میں پہلی ہی واقع ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کی صفت لگائی ہے کہ یہ دوسرے سے پہلے ہی ہے یا دوسری اس کے بعد ہے۔ اور دوسری سے پہلے ہونے کا یہی معنی ہے۔ پس دوسری دونوں صورتوں میں متاخر ہوئی تو یہ لغو ہو گی۔

13379۔ (قولہ: أَوْ بِالثَّانِي اقْتَرَنَا) ثانی سے مراد طلاق واقع کرنے میں متاخر ہے نہ کہ لفظوں میں متاخر ہے۔ یہ اسی طرح اس قول میں ہے: بعد واحدۃ، قبلہا واحدۃ۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں ایک طلاق کو واقع کیا۔ یہی وہ پہلی ہے جس کی یہ صفت لگائی گئی کہ یہ دوسری کے بعد ہے، یا دوسری اس سے پہلے ہے۔ دوسری کے بعد ہونے کا یہی معنی ہے۔ پس یہ دونوں مل گئیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ثانی سے مراد متاخر لفظ ہو۔ کیونکہ اخبار کے اعتبار سے طلاق واقع کرنے میں یہ پہلے ہے۔ کیونکہ کلام اس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ پہلی سے قبل دوسری کو واقع کرنے کی خبر دی جارہی ہے۔

13380۔ (قولہ: وَيَقَعُ) اس قول میں خاص کا عام پر عطف ہے۔ کیونکہ یہ اس کے قول: وان فرق کے تحت داخل

ثِنْتَانِ لَوْ دَخَلَتْ) لِتَعَلُّقِهِمَا بِالشَّرْطِ دَفْعَةً (وَ) تَقَعُ (وَاحِدَةٌ إِنْ قَدَّمَ الشَّرْطَ) لِأَنَّ الْمُعَلَّقَ كَالْمُنَجَّزِ (وَ) يَقَعُ (فِي الْمَوْطُوءَةِ ثِنْتَانِ) فِي كُلِّهَا لِوُجُودِ الْعِدَّةِ؛

اگر وہ عورت گھر میں داخل ہوئی۔ کیونکہ دونوں طلاقیں شرط کے ساتھ دفعۃً متعلق ہوگئیں۔ اور ایک طلاق واقع ہوگی اگر شرط کو مقدم کیا۔ کیونکہ معلق منجز کی طرح ہوتی ہے۔ اور موطوءہ عورت کو تمام صورتوں میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ اس کے حق میں عدت موجود ہے

ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے اس کے بعد ذکر کرتے۔

13381۔(قولہ: ثِنْتَانِ) یعنی اگر ان دونوں پر اقتصار کیا اگر زائد طلاقیں واقع کیں تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

13382۔(قولہ: لِتَعَلُّقِهِمَا بِالشَّرْطِ دَفْعَةً) کیونکہ شرط طلاق کے ایقاع کو تبدیل کرنے والی ہے۔ جب مغیر متصل ہو جائے تو صدر کلام اس پر موقوف ہوگا۔ پس دونوں طلاقیں اکٹھی اس کے ساتھ متعلق ہو جائیں گی۔ پس شرط کے پائے جانے کے وقت دونوں اکٹھی اسی طرح واقع ہو جائیں گی۔ جب شرط کو مقدم کیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پس مغیر نہ ہونے کی وجہ سے صدر کلام موقوف نہ ہوگی۔

13383۔(قولہ: وَ تَقَعُ وَاحِدَةٌ إِنْ قَدَّمَ الشَّرْطَ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک دو طلاقیں بھی واقع ہو جائیں گی۔ ''کمال'' نے اسے راجح قرار دیا ہے ''البحر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ اور شارح کے قول: لان المعلق کالمنجز سے مراد ہے کہ جب شرط پائی جائے تو یہ کلام منجز کی طرح ہو جائے گی اگر حقیقۃً فی الحال طلاق دی تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ جب شرط کو مؤخر کیا تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ مغیر موجود ہے، ''زیلعی''۔

تنبیہ

فا کے ساتھ عطف واؤ کے ساتھ عطف کی طرح ہے۔ اگر شرط کو مقدم کیا تو بالاتفاق صحیح ترین قول کے مطابق ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری لغو جائے گی۔ اور اگر شرط کو مؤخر کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور ثم کے ساتھ عطف کی صورت میں اگر شرط کو مؤخر کیا تو ایک طلاق فی الحال ہوگی اور اس کا مابعد لغو جائے گی۔ اگر وہ عورت موطوءہ ہو تو آخری طلاق معلق ہوگی اور ماقبل فی الحال ہو جائیں گی۔ اگر شرط کو مقدم کیا تو تیسری لغو جائے گی دوسری فوری ہو جائے گی۔ اور پہلی طلاق معلق ہوگی تو دوسری دفعہ نکاح کرنے کی صورت میں شرط کے پائے جانے کے موقع پر وہ واقع ہوگی۔ اگر وہ عورت موطوءہ ہو تو پہلی طلاق معلق ہوگی اور ما بعد فی الحال ہو جائے گی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک سب شرط کے ساتھ معلق ہوں گی شرط کو مقدم کیا یا مؤخر کیا۔ مگر شرط کے پائے جانے کے وقت موطوءہ عورت کو تین طلاقیں اور غیر موطوءہ کو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13384۔(قولہ: فِي كُلِّهَا) یعنی تمام ان صورتوں میں جن کا مصنف نے ذکر کیا ہے جب کہ وہ کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہوں۔ قبل اور بعد کی صورت میں شرط مقدم ہو یا مؤخر ہو۔

وَمِنْ مَسَائِلِ قَبْلُ وَبَعْدُ مَا قِيلَ

مَا يَقُولُ الْفَقِيهُ أَيَّدَهُ اللهُ وَلَا زَالَ عِنْدَهُ الْإِحْسَانُ

فِي فَتًى عَلَّقَ الطَّلَاقَ بِشَهْرٍ قَبْلَ مَا بَعْدَ قَبْلِهِ رَمَضَانُ

وَيُنْشَدُ عَلَى ثَمَانِيَةِ أَوْجُهٍ، فَيَقَعُ بِمَحْضِ قَبْلُ فِي ذِي الْحِجَّةِ، وَبِمَحْضِ بَعْدُ فِي جُمَادَى الْآخِرَةِ وَبِقَبْلِ أَوَّلًا أَوْ وَسَطًا أَوْ آخِرًا فِي شَوَّالٍ،

قبل اور بعد کے مسائل میں یہ اشعار کہے گئے ہیں۔ فقیہ کیا کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تائید فرمائے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں احسان ہے اس نوجوان کے متعلق جس نے طلاق کو ایک ایسے ماہ کے ساتھ معلق کیا۔ جس کے قبل کے مابعد کا قبل رمضان ہے۔ آخری مصرعہ کو آٹھ صورتوں میں پڑھا گیا اور محض قبل سے ذی الحجہ میں اور محض بعد سے جمادی الآخرہ میں اور قبل کے ساتھ اول، وسط یا آخر میں شوال کے۔

قبل ما بعد قبلہ رمضان کا مفہوم

13385۔(قولہ: وَمِنْ مَسَائِلِ قَبْلُ وَبَعْدُ مَا قِيلَ) جو بعض نے اشعار میں کہا وہ بحر خفیف سے ہے۔ میں نے ''اشمونی'' کی ''شرح المجموع'' جو ''الفیہ'' کے شارح ہیں میں دیکھا: یہ شعر علامہ ''ابوعمرو بن حاجب'' کے پاس شام کے علاقہ میں پیش کیا گیا اس میں آپ نے فتویٰ دیا اور عمدہ فتویٰ دیا۔ فرمایا: یہ معانی دقیقہ سے تعلق رکھتا ہے جسے اس جیسے زمانہ میں کوئی نہیں پہچانتا۔ اس (آخری مصرعہ) کو آٹھ صورتوں میں پڑھا جاتا ہے کیونکہ ما کا مابعد بعض اوقات دو قبل یا دو بعد ہوتا ہے، یا مختلف ہوتا ہے۔ یہ چار صورتیں بنی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بعض اوقات اس کے قبل سے قبل ہوتا ہے یا اس قبل سے بعد ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آٹھ صورتیں ہیں۔ سب میں قاعدہ یہ ہے ان صورتوں میں سے جن میں بھی قبل اور بعد جمع ہوں گے تو ان دونوں کو لغو کردے۔ کیونکہ ہر مہینہ جو حاصل ہو رہا ہے بعد اس کے جو اس سے پہلے ہے اور حاصل ہو رہا ہے قبل اس کے جو اس کے بعد ہے تو اس وقت کوئی نہیں رہتا مگر اس کے بعد رمضان ہوتا ہے پس وہ شعبان ہوگا۔ یا اس سے قبل رمضان ہوگا تو وہ شوال ہوگا۔

13386۔(قولہ: فِي ذِي الْحِجَّةِ) کیونکہ اس سے قبل ذوالقعدہ ہے اور اس قبل سے قبل شوال ہے اور قبل کے قبل کے قبل رمضان ہے، ''ط''۔

13387۔(قولہ: فِي جُمَادَى الْآخِرَةِ) کیونکہ اس کے بعد رجب ہے، اور اس بعد کے بعد شعبان ہے، بعد کے بعد کے بعد رمضان ہے، ''ط''۔

13388۔(قولہ: فِي شَوَّالٍ) صحیح شعبان ہے ''حلبی''۔ کیونکہ مسئلہ کی فرضی صورت یہ بنتی ہے کہ قبلا کو ایک دفعہ ذکر کیا گیا اور بعد کا لفظ متکرر رہا۔ پس ایک دفعہ قبل اور بعد کا لفظ لغو قرار دیا جائے گا اور دوسرا بعد کا لفظ باقی رہے گا وہی معتبر ہے۔ تو یہ اس طرح ہو جائے گا گویا اس نے کہا: بعدہ رمضان اور وہ شعبان کا مہینہ ہے جس طرح پہلے (مقولہ 13385 میں) گزر چکا ہے۔

وَبِبَعْدِ كَذَلِكَ فِي شَعْبَانَ لِإِلْغَاءِ الطَّرَفَيْنِ فَيَبْقَى قَبله أَوْ بَعْدَهُ رَمَضَانُ (وَلَوْ قَالَ امْرَأَتِي طَالِقٌ وَلَهُ امْرَأَتَانِ أَوْ ثَلَاثٌ تَطْلُقُ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ وَلَهُ خِيَارُ التَّعْيِينِ) اتِّفَاقًا

اور بعد کے ساتھ اسی طرح شعبان میں طلاق ہوگی۔ کیونکہ دونوں کو اس نے لغو کر دیا ہے۔ پس اس سے قبل یا اس کے بعد رمضان باقی رہا۔ اگر کہا: میری بیوی کو طلاق ہے اور اس کی دو یا تین بیویاں ہوں ان میں سے ایک کو طلاق ہوگی اور اسے بالاتفاق تعیین کا اختیار ہوگا۔

13389۔(قوله: وَبِبَعْدِ كَذَلِكَ) یعنی اولا یا وسطا یا آخرا، ''حلبی''۔

13390۔(قوله: فِي شَعْبَانَ) اس میں صحیح فی شوال ہے ''حلبی''۔ اس کی مثل جو ہم نے کہا ہے۔

13391۔(قوله: لِإِلْغَاءِ الطَّرَفَيْنِ) طرفین سے مراد قبل اور بعد ہے۔ کیونکہ دونوں پر طرفین کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں میں تقابل پایا جاتا ہے۔ ''فتح'' کی عبارت ہے: یلغی قبل ببعد۔ ''النہر'' کی عبارت ہے: یلغی قبل وبعد کیونکہ ہر مہینہ اپنے قبل سے بعد اور اپنے بعد سے قبل ہوتا ہے۔ پس جس سے پہلے رمضان باقی رہا تو وہ مہینہ شوال کا ہوگا یا اس کے بعد رمضان کا مہینہ باقی ہوگا تو وہ مہینہ شعبان کا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: جو ''البحر'' میں ہے کہ لغو پہلی دونوں طرفیں ہیں۔ یعنی جو ضمیر سے خالی ہوں خواہ مختلف ہوں یا متفق ہوں اس اخیر کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر تفریع بٹھائی ہے جو صرف ضمیر کی طرف مضاف ہے یہ غلط ہے اور اس امر کے خلاف ہے جس کو خود انہوں نے ثابت کیا ہے اور جسے دوسرے علما نے ثابت کیا ہے۔

تنبیہ

یہ سب بحث اس امر پر مبنی ہے کہ ماملغاۃ ہے اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں جب کہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ موصولہ ہو، نکرہ ہو یا موصوفہ ہو۔ پس یہ محل جر میں ہوگا۔ کیونکہ وہ ظرف جو اس سے پہلے ہے وہ اس کی طرف مضاف ہے۔ اس میں آٹھ صورتیں ہیں۔ لیکن ان کے احکام مختلف ہیں۔ محض قبل میں، طلاق شوال میں واقع ہوگی۔ محض بعد میں، طلاق شعبان میں واقع ہوگی۔ قبل میں پھر دو بعد میں تو جمادی الآخرہ میں طلاق واقع ہوگی اور بعد میں پھر دو قبل میں تو ذی الحجہ میں طلاق واقع ہوگی۔ اور باقی چار صورتوں میں اس کے برعکس حکم ہوگا جو ما کو ملغی کرنے کی صورت میں ہے۔ یعنی جو طلاق شوال یا شعبان میں واقع ہوتی ہے الغاء کی صورت میں اس کے برعکس طلاق واقع ہوگی جب اس ما کو موصولہ یا موصوفہ بنائیں گے جس طرح ''بدر الدین غزی'' شافعی نے ذکر کیا ہے۔ میں نے ان کا مخطوط دیکھا ہے جسے انہوں نے علامہ ''ابن حاجب'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کہا: ''سبکی'' کی اس موضوع پر ایک تالیف ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے اس مسئلہ کو ایک ایسے رسالہ میں واضح کیا ہے جس کا نام میں نے ''اتحاف الذکی النبیہ بجواب ما یقول الفقیہ'' رکھا اور اس میں ایسی وضاحت کی جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا قول بشهر

....

قبل ما قبل قبلہ رمضان اس اعتبار سے کہ ما زائدہ ہے تو رمضان کا لفظ مبتدا ہوگا۔ اور پہلی ظرف اس کی خبر ہوگی اور وہ ظرف دوسری ظرف کی طرف مضاف ہوگی۔ کیونکہ ما زائدہ عمل سے نہیں روکتا جس طرح فَبِمَا رَحْمَةٍ (آل عمران:159) میں ما عمل سے نہیں روکتا۔ اور غیر ما رجل میں ما ہے۔ دوسری ظرف تیسری کی طرف مضاف ہے۔ اور مبتدا اور خبر سے مل کر جملہ شہر کی صفت ہے اور رابطہ وہ ضمیر ہے جس کی طرف آخری ظرف مضاف ہے۔ معنی ہوگا شہر رمضان کائن قبل قبل قبلہ وہ ذی الحجہ ہے۔ اور اس تاویل کی بنا پر کہ ما موصولہ ہے تو پہلی ظرف شہر کی صفت ہوگی اور وہ اسم موصول کی طرف مضاف ہوگا اور دوسری ظرف تیسری ظرف کی طرف مضاف ہوگی اور یہ سب رمضان کی خبر مقدم ہوگی۔ اور جملہ ما کا صلہ ہوگا۔ اور ضمیر عائد آخری ضمیر ہوگی۔ معنی ہوگا بشہر کائن قبل الشہر الذی رمضان کائن قبل قبلہ پس وہ مہینہ جس کا رمضان جس کے قبل کا قبل ہے وہ ذی الحجہ ہے۔ جو اس کا قبل ہے وہ شوال ہے۔ یہی کہا جاتا ہے جب کہ ما کو نکرہ موصوفہ مقدر کیا جائے۔ باقی صورتوں میں اسی پر قیاس ہوگا۔ جو صورتیں گزری ہیں سب کو میں نے اشعار میں نظم کیا ہے۔

خُذْ جوابًا عقودُهُ المرجانُ فيه عما طلبته تبيانُ

فجمادى الاخيرُ فى محضِ بعدٍ ولعكسٍ ذو حجة اِبّانُ

ثم شوالٌ لو تكرّر قبل مع بعدٍ وعكسُه شعبان

اَلغِ ضدًا بضدّه وهو بعد مع قبل وما بقى الميزان

ذاك ان تُلغِ ما واما اذا ما وصلتَ او وصفتها فالبيانُ

جاء شوالُ فى تمحض قبل ولعكس شعبان جاء الزمانُ

و جمادى لقبل ما بعد بعد ثم ذو حجة لعكس اوانُ

وسوى ذا بعكس الغائها افهمْ فهو تحقيقُ من همُ الفرسانُ

جواب لے تو، اس کے ہار مرجان کے ہیں اس جواب میں اس کی وضاحت ہے جس کو تو نے طلب کیا ہے۔ محض بعد ہو تو جمادی الاخر ہوگا اور اس کے برعکس ذی الحجہ ہوگا۔ اگر قبل متکرر ہو بعد کے ساتھ تو مہینہ شوال کا ہوگا اور اس کے برعکس شعبان ہوگا۔ ضد کو اس کی ضد کے ساتھ لغو کر دو اور وہ قبل کے ساتھ بعد ہے اور باقی ماندہ میزان ہے۔ یہ اس صورت میں ہے اگر تو ما کو لغو کر دے۔ مگر جب تو اسے موصولہ بنائے یا موصوفہ بنائے تو وضاحت کی ضرورت ہے۔ محض قبل میں شوال آئے گا اور اس کے برعکس شعبان ہے زمانہ آگیا اور جمادی ہوگا ما بعد بعد کے قبل کے لیے پھر ذی الحجہ ہوگا برعکس اس کے لیے اوقات میں اس کے سوا اس کے الغا کے برعکس ہے۔ یہ ان لوگوں کی تحقیق ہے جو شاہسوار ہیں۔

اس کی وضاحت ہمارے مذکورہ رسالہ میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَأَمَّا تَصْحِيحُ الزَّيْلَعِيِّ فَإِنَّمَا هُوَ فِي غَيْرِ الصَّرِيحِ كَامْرَأَتِي حَرَامٌ كَمَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ وَسَيَجِيءُ فِي الْإِيلَاءِ

جہاں تک ''زیلعی'' کی تصحیح کا تعلق ہے تو وہ غیر صریح میں ہے جس طرح میری بیوی حرام ہے جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔

اگر اس نے کہا اس کی بیوی کو طلاق ہے اور اس کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو کسی ایک کو طلاق واقع ہوگی

13392۔(قولہ: وَأَمَّا تَصْحِيحُ الزَّيْلَعِيِّ) صاحب ''الدرر'' کا رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے وہی ذکر کیا جو مصنف نے ذکر کیا ہے اور کہا: یہی قول صحیح ہے یہ اس قول سے احتراز ہے جو کہا گیا: یقع علی کل واحدۃ طلاق۔ اور اسے ''زیلعی'' کے باب الایلاء، کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''المنح'' میں یہ اعتراض کیا کہ ''زیلعی'' کی عبارت اس طرح ہے: اور فتاویٰ میں ذکر کیا ہے: جب خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: انت علی حرام جب کہ اس کے نزدیک حرام سے مراد طلاق ہے مگر اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر اس کی چار بیویاں ہوں جب کہ مسئلہ اپنی حالت پر رہے تو ان میں سے ہر ایک کو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان چار میں سے ایک کو طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ وضاحت کا اختیار مرد کو ہو گا۔ یہی زیادہ ظاہر اور مناسب ہے۔ ''الفتح'' اور ''البحر'' کے ایلاء کے باب میں ہے: وہ مواقع جہاں طلاق لفظ حرام کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ایک بیوی سے زائد بیویاں ہوں تو ہر بیوی کو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ طلاق صریح کا معاملہ مختلف ہے جیسے امرأته طالق اور اس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ ''اوزجندی'' نے جواب دیا: طلاق صرف ایک پر واقع ہوگی۔ یہی زیادہ مناسب ہے۔ ''البحر'' میں ''بزازیہ''، ''الخلاصہ''، ''الذخیرہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الفتح'' میں ہے: میرے نزدیک زیادہ مناسب وہ ہے جو ''فتاویٰ'' میں ہے۔ کیونکہ اس کا قول: حلال اللہ یا حلال المسلمین استغراق کے طریقہ پر ہر بیوی کو عام ہوگا جس طرح ان کا قول ہے: ھن طوالق۔ علی سبیل البدل عام نہیں ہوگا جس طرح اس کا یہ قول ہے: احداکن طالق۔ جہاں کہیں اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع ہوگی طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ ''الخانیہ'' میں ہے: امراته طالق جب کہ اس کی دو معروف بیویاں ہوں اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ طلاق کو ان میں سے جس طرف چاہے پھیر دے۔ اور اختلاف کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ تصحیح غیر صریح میں ہے جس طرح حلال المسلمین وغیرہ ہے۔ لیکن یہ زوجہ کو عام ہوگا اس طرح نہیں جس طرح ''الدرر'' میں گمان کیا ہے کلام المنح۔ ملخصا

''النہر'' میں ایلا کے باب میں آئے گا: یہاں ''زیلعی'' کا قول والمسألة بحالها یعنی تحریم اس قید انت علی حرام کے ساتھ نہ ہو جس میں ایک کو خطاب کیا جاتا ہے بلکہ اس میں ضروری ہے کہ طلاق صرف اس عورت پر واقع ہو جس کو خطاب کیا جا رہا ہو۔

میں کہتا ہوں: حاصل یہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو کہے: امراته طالق تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ طلاق کو دونوں عورتوں میں سے جن کی طرف چاہے پھیر دے۔ ''الدرر'' میں جو روایت ہے اس کے برعکس ہے۔ اور اس میں

....

بھی کوئی اختلاف نہیں انت علی حرام کہ اس قول کے ساتھ دی گئی طلاق بھی صرف اس عورت پر واقع ہوتی ہے جس کو خطاب کیا جا رہا ہو۔ اور ''زیلعی'' کی کلام جس امر کا وہم دلاتی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اختلاف اس میں ہے جو علی سبیل الاستغراق ہر بیوی کو عام ہو۔ ''اوزجندی'' نے اختیار کیا کہ طلاق صرف ایک عورت پر واقع ہوگی۔ اسے حق حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے اسے دیکھتے ہوئے کہ لفظ مفرد ہے۔ محقق ''ابن ہمام'' نے اسے اختیار کیا ہے کہ طلاق تمام پر واقع ہوگی کیونکہ استغراق موجود ہے۔ یہی امر ظاہر ہے۔ اور اس پر دال ہے کہ اختلاف کا محل وہ ہے جو ہم نے کہا کہ ''ذخیرہ'' میں ہے اسے حکایت کیا ہے اس قول میں حلال المسلمین علی حرام۔ یہ ''الفتح'' کی تعلیل کی صریح صورت ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس میں کل حل علی حرام میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ تصریح کے بعد عموم ایسے حروف کے ساتھ ہے جسے فرد خاص پر محمول کرنا ممکن نہیں بخلاف اس عموم کے جو اضافت سے سمجھا جا رہا تھا۔ میرے لیے امر ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف کا نہ ہونا صریح میں ہے مخصوص صراحت میں نہیں۔ بلکہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ امرأتی جس کا عموم بدلی ہے یعنی یہ لفظ ایک پر صادق آتا ہے معین پر صادق نہیں آتا یعنی کوئی سا ایک ہو۔ جس طرح اس کا قول ہے: احداهن طالق۔ یہاں تک کہ اگر صریح عموم کے لفظ کے ساتھ استغراقی ہو جس طرح حلال الله طالق، من یحل لی طالق، من فی عقد نکاحی طالق تو اس میں مذکورہ اختلاف جاری ہوگا۔ اس میں ''ابن ہمام'' کی ترجیح زیادہ راجح ہوگی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا قول امرأتی حرام اس میں مذکورہ اختلاف نہیں آتا۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ اس کا عموم بدلی ہے استغراقی نہیں۔ پس یہ اس قول امرأتی طالق کے مثل ہے۔

اس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کا ''زیلعی'' کی تصحیح کو امرأتی حرام پر محمول کرنا مقام کے مناسب نہیں۔ اور شارح کا قول: کما حررہ المصنف یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے مصنف سے یہ بیان کیا ہے: فظهران التصحیح فی غیر الصریح کحلال المسلمین و نحوہ لکونه یعم کل زوجة۔ مصنف نے جو بیان کیا ہے وہ عام استغراقی پر حمل ہے جس طرح ''ابن ہمام'' نے اختیار کیا ہے۔ فافہم

جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا قول علی الطلاق جس طرح ہمارے زمانے میں عام ہے اس کے اس قول کی مثل ہے امرأتی طالق۔ کیونکہ اس کا معنی ہے جس طرح گزرا ہے: ان فعلت کذا تو طلاق لازم ہو جائے گی اور واقع ہو جائے گی۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ اس کا احتمال رکھتی ہے کہ مراد ہو: طلاق ایک عورت کو یا زیادہ کو لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ پس چاہیے کہ جس کے لیے چاہے اس کا پھیرنا ثابت ہو۔ اور چاہیے کہ اس کا قول: علی الحرام اسی طرح ہو۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: ان فعل کذا فامراته حرام علیه اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔

تنبیہ

معلق اور منجز کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ یا زیادہ قسم اٹھانے میں کوئی فرق نہیں۔ اسے حق حاصل ہے کہ اکثر کو ایک کی طرف پھیر دے۔ ''البزازیہ'' میں ''فوائد شیخ الاسلام'' سے ہے اس نے کہا: حلال الله علیه حرام

(قَالَ لِنِسَائِهِ الْأَرْبَعِ بَيْنَكُنَّ تَطْلِيقَةٌ طَلُقَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ تَطْلِيقَةً، وَكَذَا لَوْ قَالَ بَيْنَكُنَّ تَطْلِيقَتَانِ أَوْ ثَلَاثٌ أَوْ أَرْبَعٌ، إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ قِسْمَةَ كُلٍّ وَاحِدَةٍ بَيْنَهُنَّ فَتَطْلُقُ كُلُّ وَاحِدَةٍ ثَلَاثًا؛

اپنی چار بیویوں سے کہا: تمہارے درمیان ایک طلاق ہے تو ہر ایک کو ایک طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح ہوگا اگر کہا: تمہارے درمیان دو یا تین یا چار طلاقیں ہیں مگر یہ کہ وہ طلاق کے حصہ کو ان عورتوں کے درمیان تقسیم کی نیت کرے۔ تو ہر ایک عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

ان فعل کذا تو اس نے ایسا کر بھی دیا اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم اٹھائی ان فعل کذا تو اس نے ایسا کر بھی دیا جب کہ اس کی دو بیویاں تھیں تو اس نے ارادہ کیا کہ ان دو طلاقوں کو ان دونوں میں سے ہر ایک میں پھیر دے ''زیادات'' میں اشارہ کیا ہے کہ وہ اس کا مالک ہوگا۔ مگر جب دونوں میں سے دوسری طلاق کے واقع ہونے سے پہلے جدا ہو جائے تو خاوند کو طلاق اس عورت کی طرف پھیرنے کی اجازت نہیں۔ ''بزازیہ'' میں بھی کتاب الایمان سے ہے: اگر میں ایسا کروں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے جب کہ اس کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو ایک کو طلاق ہوگی وضاحت کرنا خاوند کے ذمہ ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک کو طلاق بائنہ دی یا طلاق رجعی دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر شرط پائی گئی تو دوسری طلاق کے لیے متعین ہوگی۔ اگر عدت ختم نہ ہوئی ہو تو وضاحت کا حق مرد کا ہوگا۔

ایک چیز باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے اگر طلاقیں تین ہوں تو کیا اسے حق حاصل ہوگا کہ ہر ایک کو ایک طلاق واقع کرے یا ضروری ہوگا کہ وہ تین طلاقیں ایک پر جمع کرے؟ پہلی تعبیر کی صورت میں کیا تینوں میں سے ہر ایک طلاق بائنہ ہوگی تا کہ بینونت کا وصف لغو نہ ہو جائے یہی اصل کی صفت ہے یا وہ طلاق رجعی ہوگی تا کہ امر واقع کو پیش نظر رکھا جائے؟ ہم نے اپنے شیخ المشائخ ''السایحانی'' کا ایک مخطوط جو ''المنیہ'' سے مروی ہے اس میں دیکھا: اگر ایک آدمی کی تین بیویاں ہوں اس نے کہا: میری بیوی کو تین طلاقیں تو ہر ایک بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک کو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ یہی صحیح ترین قول ہے۔ اس میں اس کی مخالفت ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسے حق حاصل ہے کہ ان میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے۔ فلیتامل

13393۔ (قولہ: لِنِسَائِهِ) ان صورتوں میں ایک طلاق واقع کرنے کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کا بعض ایک طلاق ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ پس ایک طلاق واقع کرنے کی صورت میں چاروں کو ایک چوتھائی طلاق ہوگی اور دو طلاقیں واقع کرنے کی صورت میں نصف طلاق واقع ہوگی اور تین طلاقیں واقع کرنے کی صورت میں تین بٹا چار طلاق ہوگی اور چار طلاقیں واقع کرنے کی صورت میں ایک پوری طلاق واقع ہوگی۔

13394۔ (قولہ: فَتَطْلُقُ كُلُّ وَاحِدَةٍ ثَلَاثًا) ہر ایک کو تین طلاقیں ہو جائیں گی مگر دو طلاقوں کی صورت میں پس اس صورت میں ہر ایک کو دو طلاقیں ہوں گی۔ ''کافی الحاکم الشہید'' میں اسی طرح ہے۔ ''الفتح'' اور ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔

وَلَوْ قَالَ بَيْنَكُنَّ خَمْسُ تَطْلِيقَاتٍ يَقَعُ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ طَلَاقَانِ هٰكَذَا إِلَى ثَمَانِ تَطْلِيقَاتٍ فَإِنْ زَادَ عَلَيْهَا طَلُقَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ ثَلَاثًا) وَمِثْلُهُ قَوْلُهُ أَشْرَكْتُكُنَّ فِي تَطْلِيقَةٍ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا (قَالَ لِامْرَأَتَيْنِ لَمْ يَدْخُلْ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُمَا امْرَأَتِي طَالِقٌ امْرَأَتِي طَالِقٌ ثُمَّ قَالَ أَرَدْتُ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ لَا يُصَدَّقُ، وَلَوْ مَدْخُولَتَيْنِ فَلَهُ إِيقَاعُ الطَّلَاقِ عَلَى إِحْدَاهُمَا) لِصِحَّةِ تَفْرِيقِ الطَّلَاقِ عَلَى الْمَدْخُولَةِ لَا عَلَى غَيْرِهَا

اور اگر کہے تمہارے درمیان پانچ طلاقیں ہیں تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ آٹھ طلاقوں تک معاملہ اسی طرح ہوگا۔ اگر اس سے زائد طلاقوں کی بات کی تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی۔ اسی کی مثل اس کا قول ہے: میں نے تمہیں طلاق میں شریک کیا'' خانیہ''۔ اور اس میں ہے: خاوند نے اپنی ایسی دو بیویوں سے کہا جن میں سے کسی کے ساتھ بھی دخول نہ کیا تھا: میری بیوی کو طلاق میری بیوی کو طلاق۔ پھر کہا: میں نے ان میں سے ایک کا ارادہ کیا تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور اگر دونوں کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو اسے دونوں میں سے ایک پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں اس کو الگ الگ طلاق دینا صحیح ہے کسی اور کو متفرق طلاق صحیح نہیں۔

13395۔ (قولہ: يَقَعُ عَلَى كُلِّ وَاحِدَةٍ طَلَاقَانِ) کیونکہ پانچ طلاقوں کی صورت میں ہر ایک کو ایک طلاق اور چوتھائی طلاق پہنچے گی، اور چھ طلاقوں کی صورت میں ایک طلاق اور نصف طلاق ہوگی، اور سات طلاقوں کی صورت میں ایک طلاق اور تین چوتھائی طلاق پہنچے گی، اور آٹھ میں دو طلاقیں ہوں گی۔ یہ اس وقت ہے جب کوئی نیت نہ ہو جس طرح ''الکافی'' اور ''الفتح'' میں ہے۔ اس سے احتراز کیا ہے جب خاوند ہر طلاق کو ان کے درمیان تقسیم کا ارادہ کرے تو پھر ہر ایک پر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

13396۔ (قولہ: ثَلَاثًا) کیونکہ آٹھ طلاقوں میں سے ہر ایک کو دو طلاقیں پہنچیں گی اور نویں طلاق کو ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ پس ہر ایک پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

13397۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ) ضمیر سے مراد بَيْن ہے یعنی مثل بین۔ ''الفتح'' میں کہا: بین کا لفظ اور اشراک کا لفظ برابر ہیں۔ اگر اس نے دو عورتوں میں سے ہر ایک کو ایک طلاق دی پھر تیسری کو کہا: میں نے تجھے اس میں شریک کیا ہے جو ان دونوں پر واقع کیا ہے تو اس تیسری عورت کو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی مفصل بحث سابقہ باب میں: ولو قال انت طالق ثلاثة انصاف تطليقة میں موجود ہے۔

13398۔ (قولہ: امْرَأَتِي طَالِقٌ) اسی کی مثل ہے اگر کہا: وامرأتی یعنی عطف کی صورت میں کہا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

13399۔ (قولہ: لِصِحَّةِ تَفْرِيقِ الطَّلَاقِ) ''الذخیرہ'' سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد ''البحر'' میں علت بیان کی ہے: کیونکہ مدخول بہا عدت کی وجہ سے دوسری طلاق واقع کرنے کا محل ہوتی ہے۔ پس اسے دو طلاقیں واقع کرنے کا حق ہوتا ہے۔ غیر مدخولہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غیر مدخولہ تو پہلی طلاق کے ساتھ ہی جدا ہو جاتی ہے اس لیے دوسری طلاق کے لیے اس عورت کے ارادہ کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جس طرح اس نے مدخولہ عورت کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دی اور اس کی عدت ختم

(قَالَ امْرَأَتُهُ طَالِقٌ وَلَمْ يُسَمِّ وَلَهُ امْرَأَةٌ) مَعْرُوفَةٌ طَلُقَتْ امْرَأَتُهُ اسْتِحْسَانًا فَإِنْ قَالَ لِي امْرَأَةٌ أُخْرَى إِيَّاهَا عَنَيْتُ لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ، وَلَوْ كَانَ (لَهُ امْرَأَتَانِ كِلْتَاهُمَا مَعْرُوفَةٌ لَهُ صَرْفُهُ إِلَى أَيِّهِمَا شَاءَ) خَانِيَّةٌ

خاوند نے کہا: اس کی بیوی کو طلاق ہے اور اس نے نام نہ لیا جب کہ اس کی ایک معروف بیوی ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر کہا: میری ایک اور بیوی ہے میں نے اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کا قول قبول نہیں ہو گا مگر گواہوں کے ساتھ۔ اگر اس کی دو بیویاں ہوں دونوں معروف ہوں تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں سے جس کی طرف طلاق پھیرے پھیر دے''خانیہ''۔

ہو گئی تو اس کا اول طلاق کے ساتھ ارادہ کرنا صحیح نہ ہو گا اور نہ ہی دوسری طلاق کے ساتھ اس کا ارادہ کرنا صحیح ہو گا جس طرح اس چیز سے معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ''بزازیہ'' سے قریب ہی (مقولہ 13392 میں) نقل کیا ہے۔

یہ صورت باقی رہ جاتی ہے جب ان دونوں میں صرف ایک مدخول بہا ہو جب کہ وہ اس کے نکاح میں ہو۔ اگر دونوں طلاقوں سے اسی عورت کا ارادہ کیا تو یہ صحیح ہو گا۔ اگر غیر مدخول بہا کا ارادہ کیا تو دوسری طلاق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اس کی بیوی رہی ہی نہیں بلکہ دوسری عورت ہی اس کی بیوی ہے تو دوسری طلاق اس پر واقع ہو گی جس طرح ظاہر ہے۔

13400۔ (قولہ: وَلَمْ يُسَمِّ) مگر جب اس کا نام ذکر کیا تو بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہو گا۔ اور طلاق اس پر واقع ہو گی جس کی اس نے نیت کی اگر وہ اس کی بیوی ہو۔ ''بزازیہ'' میں کہا: اگر کہا: فلانہ بنت فلاں کو طلاق ہے۔ پھر کہا: میں نے ایک اور عورت کا ارادہ کیا ہے جو اجنبی ہے اس کا نام اور نسب یہی ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ معاملہ مختلف ہے جب وہ کسی ایسے آدمی کے لیے مال کا اقرار کرے جس کا نام لے۔ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ وہ آدمی میں ہوں اور اقرار کرنے والے نے انکار کر دیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب وہ یہ قسم اٹھائے اس کا مجھ پر مال نہیں۔ اور نہ ہی یہ فلاں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: زینب کو طلاق ہے زینب اس کی بیوی کا نام ہے۔ پھر کہا: میں نے اپنی بیوی کے علاوہ زینب کا ارادہ کیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور اگر زینب اس کی بیوی ہوئی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر خاوند نے اس عورت کی نسبت اس کی ماں اور اس کی بہن یا اس کے بچے کی طرف کی جب کہ وہ اسی طرح ہوا گر اس نے قسم اٹھائی اگر وہ مصر سے نکلا تو اس کی بیوی عائشہ کو اتنی جب کہ اس کی بیوی کا نام فاطمہ ہے تو جب وہ نکلے گا تو اس کو طلاق نہ ہو گی۔

13401۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) اسی طرح ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس کی مثل ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ قیاس اس کے خلاف ہے۔ تامل۔

13402۔ (قولہ: كِلْتَاهُمَا مَعْرُوفَةٌ) اس سے احتراز کیا ہے اگر ان دونوں میں سے صرف ایک معروف ہو۔ وہ اس مسئلہ سے پہلے والا مسئلہ ہے۔ جہاں تک دو مجہول بیویوں کا تعلق ہے تو وہ دو معروف بیویوں کی طرح ہیں۔ پھر یہ مسئلہ جس طرح ''حلبی'' نے کہا ہے مکرر ہے مصنف کے اس قول کے ساتھ اگر وہ کہے ولو قال: امرأتی طالق ولہ امرأتان او ثلاث۔

وَلَمْ يَحْكِ خِلَافًا (فُرُوعٌ) كَرَّرَ لَفْظَ الطَّلَاقِ وَقَعَ الْكُلُّ، وَإِنْ نَوَى التَّأْكِيدَ دُيِّنَ كَانَ اسْمُهَا طَالِقَ أَوْ حُرَّةَ فَنَادَاهَا إِنْ نَوَى الطَّلَاقَ أَوِ الْعِتَاقَ وَقَعَا وَإِلَّا لَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ هَذِهِ الْكَلْبَةُ طَالِقٌ طَلُقَتْ،

اور اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ فروع: طلاق کے لفظ کو مکرر کیا تو سب واقع ہو جائیں گی۔ اور اگر تاکید کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی عورت کا نام طالق یا حرہ تھا خاوند نے اسے ندا دی اگر طلاق یا آزادی کی نیت کی تو دونوں ہو جائیں گی۔ وگرنہ نہیں خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: اس کتیا کو طلاق ہے تو اسے طلاق ہو جائے گی

13403۔ (قولہ: وَلَمْ يَحْكِ خِلَافًا) یہ صاحب ''الدرر'' کا رد ہے جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 13392 میں) گزر چکی ہے۔

13404۔ (قولہ: كَرَّرَ لَفْظَ الطَّلَاقِ) کہ اس نے مدخولہ عورت سے کہا: انت طالق انت طالق یا کہا: قد طلقتك قد طلقتك یا کہا: انت طالق قد طلقتك یا کہا: انت طالق و انت طالق جب کہا: انت طالق۔ پھر اسے کہا گیا تو نے کیا کہا: تو اس نے کہا: میں نے اسے طلاق دے دی ہے یا میں نے کہا ہے: اسے طلاق ہے تو اسے ایک طلاق ہو گی۔ کیونکہ یہ جواب ہے۔ ''کافی الحاکم'' میں اسی طرح ہے۔

13405۔ (قولہ: وَإِنْ نَوَى التَّأْكِيدَ دُيِّنَ) یعنی تمام طلاقیں قضاءً واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح جب اس نے مطلق ذکر کیا۔ ''اشباہ''۔ یعنی اس نے نہ استیناف کی نیت کی نہ تاکید کی نیت کی کیونکہ اصل عدم تاکید ہے۔

13406۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اس نے ندا کا قصد کیا یا مطلق ذکر کیا تو قابل اعتماد قول کے مطابق اسے طلاق واقع نہ ہو گی۔ ''اشباہ'' دسویں باب میں مباحث النية۔ اس سے قبل نویں باب میں ذکر کیا: ''محبوبی'' نے ''التنقیح'' میں طلاق اور عتق میں فرق کیا ہے طلاق واقع نہ ہو گی اور عتق واقع ہو جائے گی۔ یہ قول مشہور کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' کی عبارت میں قلب ہے۔ کیونکہ ''محبوبی'' نے فرق کیا ہے کہ حر ایسا اسم ہے جو نام رکھنے کے مناسب ہے۔ یہ بعض لوگوں کا نام بھی ہے۔ طالق اور مطلقۃ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے ساتھ ندا معنی کے اثبات پر واقع ہوتی ہے تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ حر کا معاملہ مختلف ہے۔ ''الخلاصہ'' میں جو کچھ ہے اس کے موافق ہے۔ اس نے گواہ بنائے کہ اس کے غلام کا نام حر ہے پھر اسے یا یا حر تو وہ غلام آزاد نہیں ہو گا۔ اگر اس نے اپنی بیوی کا نام طالق رکھا پھر اسے یا یا طالق تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔

13407۔ (قولہ: قَالَ لِامْرَأَتِهِ هَذِهِ الْكَلْبَةُ طَالِقٌ طَلُقَتْ) کیونکہ علما نے فرمایا ہے کہ اشارہ کے ساتھ صفت اور نام کا اعتبار نہیں ہوتا جس طرح اس کی بیوی آنکھ والی ہو۔ اور وہ کہے میری یہ اندھی بیوی طلاق والی ہے اور بینا عورت کی طرف اشارہ کیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس نے کسی فرد کو دیکھا اس نے گمان کیا یہ اس کی بیوی عمرہ ہے اس نے کہا اے عمرہ تجھے طلاق ہے اور اس کی ذات کی طرف اشارہ نہ کیا جب کہ وہ ذات اس کی بیوی نہ تھی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ جب اشارہ نہ ہو تو اعتبار نام کا ہوتا ہے جو پایا گیا جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ ہم نے باب الامامۃ میں اشارہ اور تسمیہ

أَوْ لِعَبْدِهِ هَذَا الْحِمَارُ حُرٌّ عَتَقَ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ وَعَنَى بِهِ الْإِخْبَارَ كَذِبًا وَقَعَ قَضَاءً، إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ؛ وَكَذَا الْمَظْلُومُ إِذَا أَشْهَدَ عِنْدَ اسْتِحْلَافِ الظَّالِمِ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثِ أَنَّهُ يَحْلِفُ كَاذِبًا صُدِّقَ قَضَاءً وَدِيَانَةً شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَفِي النَّهْرِ قَالَ فُلَانَةُ طَالِقٌ وَاسْمُهَا كَذَلِكَ وَقَالَ عَنَيْتُ غَيْرَهَا دُيِّنَ؛ وَلَوْ غَيْرَهُ صُدِّقَ قَضَاءً وَعَلَى هَذَا لَوْ حَلَفَ لِدَائِنِه بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ فُلَانَةَ

یا اس نے اپنے غلام سے کہا یہ گدھا آزاد ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ خاوند نے کہا: تجھے طلاق ہے یا تو آزاد ہے اور اس سے اس نے جھوٹی خبر کا ارادہ کیا تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی مگر جب وہ اس پر گواہ بنائے۔ اسی طرح مظلوم جب گواہ بنائے جب ظالم نے اس سے تین طلاقوں کی قسم اٹھانے کا مطالبہ کیا کہ وہ جھوٹی قسم اٹھا رہا ہے تو قضاءً اور دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی ''شرح وہبانیہ''۔ ''النہر'' میں ہے کہا: فلانہ کو طلاق ہے اور اس کا نام اس طرح ہے اور کہا: میں نے اس کے غیر کی نیت کی ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر اس کی بیوی کا نام کوئی اور ہو تو قضاءً بھی اس کی تصدیق کی جائے گی اسی طرح اگر اس نے قرض خواہ کے لیے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی فلانہ بیوی کی طلاق کی قسم اٹھاتا ہے

کے مسئلہ پر تفصیلی کلام (مقولہ 5087 میں) کر دی ہے۔

13408۔ (قولہ: وَعَنَى بِهِ الْإِخْبَارَ كَذِبًا) ہم نے کتاب الطلاق کے شروع (مقولہ 12995) میں اس پر کلام کر دی ہے۔

13409۔ (قولہ: عَلَى ذَلِكَ) وہ جھوٹی خبر دے رہا ہے۔

13410۔ (قولہ: الْمَظْلُومُ إِذَا أَشْهَدَ) میں کہتا ہوں: گواہ بنانے کی قید جب وہ مظلوم ہو تو لازم نہیں۔ ''الاشباہ'' میں ہے: قسم میں عام کو خاص کرنے کی نیت بالاتفاق دیانۃً مقبول ہے اور ''خصاف'' کے نزدیک قضاءً بھی اس کا قول مقبول ہوگا۔ فتویٰ ''خصاف'' کے قول پر ہے اگر قسم اٹھانے والا مظلوم ہو۔ اسی طرح علما میں اختلاف ہے کیا اعتبار قسم اٹھانے والے کی نیت کا ہوگا یا قسم لینے والے کی نیت کا ہوگا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ اعتبار قسم اٹھانے والے کی نیت کا ہوگا اگر قسم اٹھانے والا مظلوم ہو۔ اگر ظالم ہو تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح ''الولوالجیۃ'' اور ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اس کے حواشی میں ''مآل الفتاویٰ'' سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کی قسم اٹھوانا ظلم ہے اور نیت میں اعتبار قسم اٹھانے والے کی نیت کا ہوگا اگرچہ قسم لینے والا حق پر ہو۔

13411۔ (قولہ: أَنَّهُ يَحْلِفُ) یہ اشہد کے متعلق ہے، ''ح''۔

13412۔ (قولہ: قَالَ فُلَانَةُ) یعنی مثلاً زینب، اور ان کا قول واسمہا کذلک یعنی اس کا نام بھی زینب ہے غیرہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔

13413۔ (قولہ: وَعَلَى هَذَا) جب اشارہ نہ ہو تو اعتبار اسم کا ہوتا ہے جس طرح ہم نے ابھی (مقولہ 13407

وَاسْمُهَا غَيْرُهُ لَا تَطْلُقُ وَقَدْ كَثُرَ فِي زَمَانِنَا قَوْلُ الرَّجُلِ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى الْأَرْبَعَةِ مَذَاهِبَ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَيَنْبَغِي الْجَزْمُ بِوُقُوعِهِ قَضَاءً وَدِيَانَةً وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فِي قَوْلِ الْفُقَهَاءِ أَوْ فُلَانِ الْقَاضِي أَوْ الْمُفْتِي دُيِّنَ قَالَ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَوْ نِسَاءُ الْعَالَمِ طَوَالِقُ لَمْ تَطْلُقْ امْرَأَتُهُ،

جب کہ اس کی بیوی کا نام کچھ اور تھا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ ہمارے زمانے میں یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے کہ خاوند کہتا ہے تجھے چار مذہبوں پر طلاق ہے۔ مصنف نے کہا: چاہیے کہ طلاق کے وقوع کا قول یقین کے ساتھ کیا جائے کہ طلاق قضاءً اور دیانۃً واقع ہو چکی ہے۔ اگر مرد نے کہا: تو طلاق والی ہے فقہاء کے قول میں یا فلاں قاضی یا مفتی کے قول میں تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ خاوند نے کہا: دنیا کی عورتیں یا عالم کی عورتیں طلاق والی ہیں اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔

میں) ذکر کیا ہے۔ یہ فرع منقول ہے ہم نے قریب ہی (مقولہ 13400 میں) ''البزازیہ'' سے ذکر کیا ہے۔ فافہم

13414۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي الْجَزْمُ بِوُقُوعِهِ قَضَاءً وَدِيَانَةً) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائنہ ہوگی۔ کیونکہ تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ انت طالق کے الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''الخیریہ'' میں ہے۔ اس طرح اس کا کہنا: انت طالق علی مذهب اليهودية والنصاری ہے جس طرح ''خیر رملی'' نے بھی اس کا فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا ہے: انت طالق لا يردك قاض ولا عالم تحلى للخنازير وتحرمی علی۔ تو طلاق والی ہے نہ قاضی اور نہ ہی عالم تجھے لوٹا سکتا ہے تو خنزیروں کے لیے حلال ہے اور مجھ پر حرام ہے۔ تمام کے ساتھ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس طرح اس باب میں پہلے (مقولہ 13317 میں) بیان کر دیا ہے۔

13415۔ (قولہ: فِي قَوْلِ الْفُقَهَاءِ) اسی طرح في قول القضاة او المسلمين او القرآن ہے یعنی قاضیوں مسلمانوں اور قرآن کے قول میں ہے۔ پس قضاءً انہیں طلاق ہو جائے گی دیانۃً انہیں طلاق نہ ہوگی مگر نیت کے ساتھ۔ ''خانیہ''۔ لیکن ''الفتح'' میں کتاب الطلاق کے شروع میں ہے: اگر اس نے کہا: انت طالق في كتاب الله او بكتاب الله او في كتاب الله اگر تو ان الفاظ کے ساتھ اس نے طلاق سنت کی نیت کی تو سنت کے اوقات میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ورنہ فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ کتاب کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ طلاق سنت طریقہ کے مطابق ہو یا بدعت کے طریقہ پر ہو۔ پس نیت کی ضرورت ہوگی۔ اگر اس نے علی الكتاب یا بالكتاب کا لفظ ذکر کیا یا علی قول القضاة یا علی قول الفقهاء کہا یا طلاق القضاة یا طلاق الفقهاء کہا: اگر سنت کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور القضاء کا لفظ استعمال کرنے کی صورت میں فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ قول القضاة والفقهاء وامروں کا تقاضا کرتا ہے جب وہ تخصیص کرے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی اور قضا میں اسے نہیں سنا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر نہیں۔ فتامل

13416۔ (قولہ: نِسَاءُ الدُّنْيَا) ''الاشباہ'' میں ''الخانیہ'' کے باب العتق سے مروی ہے: ایک آدمی نے کہا: عبيد اهل بغداد احرار اور اپنے غلام کی نیت نہ کی جب کہ وہ خود بھی بغداد کا رہنے والا ہے یا کہا: کل عبيد اهل بغداد یا کہا کل

بِخِلَافِ نِسَاءِ الْمَحَلَّةِ وَالدَّارِ وَالْبَيْتِ وَفِي نِسَاءِ الْقَرْيَةِ وَالْبَلْدَةِ خِلَافُ الثَّانِي وَكَذَا الْعِتْقُ قَالَتْ لِزَوْجِهَا طَلِّقْنِي فَقَالَ فَعَلْتُ طَلُقَتْ، فَإِنْ قَالَتْ زِدْنِي فَقَالَ فَعَلْتُ طَلُقَتْ أُخْرَى وَلَوْ قَالَتْ طَلِّقْنِي طَلِّقْنِي طَلِّقْنِي، فَقَالَ طَلَّقْتِ فَوَاحِدَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ الثَّلَاثَ؛

جب اس نے محلہ دار اور بیت کی عورتوں کے بارے میں کہا وہ طلاق والی ہیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر کہا: قریہ اور بلدہ کی عورتیں طلاق والی ہیں تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ عتق بھی اسی طرح ہے۔ عورت نے اپنے خاوند سے کہا: کہ مجھے طلاق دے دے خاوند نے کہا: میں نے ایسا کر دیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر عورت نے کہا: تو میرے حق میں اضافہ کر دے تو خاوند نے کہا میں نے کر دیا تو اسے دوسری طلاق ہو جائے گی۔ اگر عورت نے کہا: مجھے طلاق دے دو مجھے طلاق دے دو مجھے طلاق دے دو۔ تو خاوند نے کہا: تجھے طلاق ہو چکی اسے ایک طلاق ہو جائے گی اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت نہ کی۔

عبد فی الارض یا کہا کل عبد فی الدنیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا غلام آزاد نہ ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا غلام آزاد ہوگا۔ اسی اختلاف پر طلاق بھی مبنی ہے۔ فتویٰ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ اگر کہا: اس گلی یا مسجد جامع میں جتنے بھی غلام ہیں وہ آزاد ہیں تو وہ اسی اختلاف پر مبنی ہیں۔ اگر کہا: کل عبد فی ھذہ الدار جب کہ اس کے غلام بھی اسی میں ہیں تو علما کے قول میں وہ آزاد ہوں گے۔ اگر اس نے کہا: ولد آدم کلھم احرار تو وہ آزاد نہ ہوں گے۔

یہ اس میں صریح ہے کہ محلہ میں بھی اختلاف جاری ہوگا جس طرح بلد میں اختلاف جاری ہوتا ہے کیونکہ یہ سکہ (گلی) کے معنی میں ہے۔ لیکن ''الذخیرۃ'' میں پہلے نساء اھل بغداد طالق میں اختلاف ذکر کیا ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اسے طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب وہ اس کی نیت کرے۔ کیونکہ یہ امر عام ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نیت کے بغیر اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ پھر ''فتاویٰ سمرقند'' سے نقل کیا ہے کہ قریۃ کا لفظ ذکر کرنے کی صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اسے بیت اور سکہ کے ساتھ لاحق کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ مشائخ ایسے بھی ہیں جو اسے مصر کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔ اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ سکہ میں کوئی اختلاف نہیں پھر مصر اور اہل الدنیا کا لفظ ذکر کرنے کی صورت میں طلاق واقع نہ ہونے میں یہ علت بیان کی ہے: اگر اس کے ساتھ طلاق واقع ہوگی تو یہ اس کے حق میں انشا ہوگی۔ پس یہ سب کے حق میں انشا ہوگی جب کہ وہ اہل مصر اور اہل دنیا کی اجازت پر موقوف ہوگی جب کہ یہ امر متعذر ہے۔

13417۔ (قولہ: فَقَالَ فَعَلْتُ) یعنی میں نے طلاق دے دی ہے یہ طلب کے قرینہ کی بنا پر ہے۔

13418۔ (قولہ: فَوَاحِدَةٌ إِنْ لَمْ يَنْوِ الثَّلَاثَ) یعنی اس نے ایک طلاق کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی۔ کیونکہ عطف کے بغیر پہلی طلاق کے تکرار کا احتمال ہوتا ہے اور ابتدا کا احتمال بھی موجود ہے۔ خاوند نے جس کی نیت بھی کی تو اس کی نیت صحیح ہو گی۔ ''عیون المسائل'' میں اسی طرح ہے۔ ''المنتقی'' میں ہے: تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور خاوند کی نیت کی شرط نہیں

وَلَوْ عَطَفَتْ بِالْوَاوِ فَثَلَاثٌ وَلَوْ قَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِي فَأَجَازَ طَلُقَتْ اعْتِبَارًا بِالْإِنْشَاءِ، كَذَا أَبَنْتُ نَفْسِي إِذَا نَوَى وَلَوْ ثَلَاثًا

اگر عورت نے واؤ کے ساتھ عطف کیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگر عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے تو خاوند نے اسے جائز قرار دے دیا تو اسے انشا کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دے لی تو خاوند نے اجازت دے دی جب وہ نیت کرے اگرچہ تین طلاقوں کی نیت کرے۔

لگائی۔ ''ذخیرہ''۔

13419۔ (قولہ: وَلَوْ عَطَفَتْ بِالْوَاوِ فَثَلَاثٌ) کیونکہ یہ تکرار کا قرینہ ہے۔ پس جواب اس کے مطابق ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: عورت نے اس سے کہا: مجھے تین طلاقیں دے دے تو خاوند نے کہا: میں نے ایسا کر دیا یا خاوند نے کہا: میں نے طلاق دے دی تو سب واقع ہو جائیں گی۔ اگر جواب دیتے ہوئے کہا: انت طالق یا کہا: فانت طالق تو ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس نے تین طلاقوں کی نیت کی۔

دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ طلقنی یہ طلاق کا امر ہے اور خاوند کا قول طلقت یہ تطلیق ہے پس یہ جواب صحیح ہے۔ جواب، سوال میں جو ہوتا ہے اس کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے۔ انت طالق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس صفت کی خبر دینا ہوتا ہے جو محل کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ تطلیق اقتضاءً ثابت ہوتی ہے تاکہ وصف کی تصحیح ہو۔ جو چیز اقتضاءً ثابت ہو وہ ضروری ہوتی ہے۔ پس یہ اس وصف کی صحت کے حق میں تطلیق ثابت ہوتی ہے اس کا جواب ہونے کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔ پس انت طالق یہ نئی کلام کے طور پر باقی ہے یا یہ تین طلاقوں کا احتمال رکھتی ہے۔ ''ذخیرہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13420۔ (قولہ: اعْتِبَارًا بِالْإِنْشَاءِ) کیونکہ یہ اس پر نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کا مالک ہے۔ پس وہ اجازت کا بدرجہ اولیٰ مالک ہے جو انشا سے اضعف ہے۔ ''شرح تلخیص الجامع للفارسی''۔

13421۔ (قولہ: إِذَا نَوَى) صحیح یہ ہے اذا نویا تثنیہ کی ضمیر ہو جس طرح ''تلخیص الجامع'' میں ہے۔ ''فارسی'' نے اپنی ''شرح'' میں کہا: اس طرح اگر بیوی نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دے دی۔ تو خاوند نے کہا: اجزت۔ تو طلاق ہو جائے گی۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں طلاق کی نیت کریں۔ یہاں تین طلاقوں کی نیت صحیح ہے۔ جہاں تک خاوند کی نیت کا تعلق ہے تو وہ اس لیے ضروری ہے کہ بینونت کنایہ میں سے ہے۔ جہاں تک عورت کی نیت کا تعلق ہے تو امام ''محمد'' رطیٹیایہ نے ''الکتاب'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ علما نے کہا: ضروری ہے کہ یہ شرط لگائی جائے تاکہ تصرف طلاق بن جائے پس یہ اجازت پر موقوف ہوگی۔ جہاں تک عورت کی نیت کے بغیر کا تعلق ہے تو قول اس خبر دینے پر واقع ہوگا کہ یہ کسی اور شخص سے جدا ہے یا کسی دوسری چیز سے جدا ہے۔ جس طرح خاوند کی جانب سے یہ امر واقع ہو پس یہ اجازت کا احتمال نہیں رکھتا پس یہ موقوف نہ ہوگا۔ جہاں تک تین طلاقوں کے صحیح ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس لیے

بِخِلَافِ الْأَوَّلِ وَفِي اخْتَرْتُ لَا يَقَعُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوضَعْ إِلَّا جَوَابًا وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ قَالَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ مَنْ كَانَتْ امْرَأَتُهُ عَلَيْهِ حَرَامًا فَلْيَفْعَلْ هٰذَا الْأَمْرَ فَفَعَلَهُ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَهُوَ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِحُرْمَتِهَا، وَقِيلَ لَا،

پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ اخترت کے الفاظ کہنے کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ جواب کے طور پر وضع کیا گیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنے ساتھیوں کے درمیان کہا: جس کی بیوی اس پر حرام ہے تو وہ یہ کام کرے تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے یہ کام کیا تو یہ اس کی حرمت کا اقرار ہوگا۔ ایک قول ہے: یہ اس کی حرمت کا اقرار نہیں۔

ہے کہ یہ معروف ہے کہ کنایہ کا یہ لفظ تین طلاقوں کا احتمال رکھتا ہے۔

13422۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأَوَّلِ) کیونکہ خاوند کا قول اجزتُ یہ طلّقتُ کے قائم مقام ہے۔ پس نیت کی ضرورت نہیں۔ اس میں تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں، ''ح''۔

13423۔ (قولہ: وَفِي اخْتَرْتُ لَا يَقَعُ) اگر عورت نے کہا: اخترتُ نفسی منكَ خاوند نے کہا: میں نے اجازت دی اور طلاق کی نیت کی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا قول: اخترت طلاق کے لیے وضع نہیں کیا گیا نہ صریحاً اور نہ ہی کنایۃً۔ اسی وجہ سے اگر خاوند نے خود ابتداءً یہ الفاظ کہے: اخترتك یا اخترت نفسك اور طلاق کی نیت کی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے ایسی نیت کی ہے لفظ جس کا احتمال نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا عرف بھی نہیں مگر جب یہ خاوند کی جانب سے طلاق کا اختیار دینے کی صورت میں بطور جواب واقع ہوگا۔ ''شرح التلخیص''۔

13424۔ (قولہ: مَنْ كَانَتْ امْرَأَتُهُ عَلَيْهِ حَرَامًا) بعض نسخوں میں حرام کا لفظ مرفوع ہے اور صحیح جس طرح اکثر نسخوں میں ہے وہ نصب ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔

13425۔ (قولہ: فَهُوَ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِحُرْمَتِهَا) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: ''المحیط'' میں کہا: یہ مرد کی جانب سے اقرار ہے کہ عورت حکم میں اس پر حرام ہے۔

اس کا قول فی الحکم نے اس کا فائدہ دیا کہ اس سے مراد فی القضاء ہے یعنی وہ عورت دیانۃً اس پر حرام نہ ہوگی جب خاوند نے اسے اس سے پہلے حرام نہ کیا ہو جس طرح اس نے جھوٹ بولتے ہوئے اسے طلاق کی خبر دی ہو۔ یہ نہ کہا جائے گا: پہلی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ طلاق اصلاً لفظ کے بغیر واقع ہو چکی ہے نہ یہاں لفظ صریح ہے اور نہ ہی کنایہ ہے کوئی ارتداد نہیں اور نہ ہی اسلام سے انکار ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ اس کی جانب سے سابقہ تحریم کا اقرار ہے نہ کہ فی الحال طلاق کو نئے سرے سے الفاظ کے بغیر واقع کرنا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے یہ لفظ کے بغیر اقرار ہے بلکہ یہ فعل کے ساتھ اقرار ہے۔ علما نے اس کی تصریح بیان کی ہے کہ اقرار بعض اوقات اشارہ کے ساتھ ہوتا ہے، بعض اوقات لفظ اور فعل کے بغیر ہوتا ہے جس طرح بعض مواقع پر خاموش ہونا۔ فافہم

13426۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا) یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ فعل اقرار نہیں ہوتا۔ فافہم

انْتَهَى وَسُئِلَ أَبُو اللَّيْثِ عَمَّنْ قَالَ لِجَمَاعَةٍ كُلُّ مَنْ لَهُ امْرَأَةٌ مُطَلَّقَةٌ فَلْيُصَفِّقْ بِيَدِهِ فَصَفَّقُوا فَقَالَ طَلُقْنَ، وَقِيلَ لَيْسَ هُوَ بِإِقْرَارٍ جَمَاعَةٌ يَتَحَدَّثُونَ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ مَنْ تَكَلَّمَ بَعْدَ هَذَا فَامْرَأَتُهُ طَالِقٌ ثُمَّ تَكَلَّمَ الْحَالِفُ طَلُقَتْ امْرَأَتُهُ لِأَنَّ كَلِمَةَ (مَنْ) لِلتَّعْمِيمِ وَالْحَالِفُ لَا يُخْرِجُ نَفْسَهُ عَنْ الْيَمِينِ فَيَحْنَثُ

کلام اختتام کو پہنچا۔''ابولیث'' سے پوچھا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے ایک جماعت سے کہا: جس کی مطلقہ بیوی ہو تو وہ اپنے ہاتھ سے تالی بجائے تو لوگوں نے تالی بجائی تو فقیہ''ابولیث'' نے کہا: ان کو طلاق ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اقرار نہیں۔ ایک جماعت ہے جو ایک مجلس میں باتیں کر رہی ہے ان میں سے ایک آدمی نے کہا: جس نے اس کے بعد گفتگو کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہے پھر قسم اٹھانے والے نے کلام کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ من کا کلمہ تعمیم کے لیے ہے قسم اٹھانے والا اپنے آپ کو قسم سے خارج نہیں کر سکتا۔ پس وہ حانث ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

13427۔(قولہ: وَسُئِلَ) یہ ماقبل کی تائید ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ فعل ایک سے ہو یا زیادہ افراد سے کوئی فرق نہیں۔ اس تحریم کے درمیان جو طلاق بائنہ کا فائدہ دے یا وہ طلاق رجعی کا فائدہ دے کوئی فرق نہیں۔

13428۔(قولہ: طَالِقٌ) یعنی جن افراد نے تالیاں بجائیں ان کی بیویوں کو طلاق ہو جائے گی یہ اس امر پر مبنی ہے کہ تالی بجانا اقرار ہے۔

13429۔(قولہ: ثُمَّ تَكَلَّمَ الْحَالِفُ) یہ کلام اس صورت کے بارے میں خاموش ہے جب دوسرے افراد گفتگو کریں ظاہر یہ ہے کہ ان کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ متکلم کی تعلیق کا حکم اس کے غیر کی طرف سرایت نہیں کرتا مگر جب غیر کہے مثلاً میں بھی اسی طرح ہوں۔ مگر جو سابقہ دو فروع ہیں ان دونوں کو اقرار سے بنایا جائے گا انشاء سے نہیں بنایا جائے گا۔ تعلیق انشاء ہے،''ط''۔

میں کہتا ہوں:''البزازیہ'' کے کتاب الایمان میں جو کچھ ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: ایک جماعت تھی جو ایک دوسرے کو طمانچے مار رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا: جس نے اس کے بعد دوسرے کو طمانچہ مارا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے تو ایک نے کہا: ہلا۔ پھر قائل نے اپنے ساتھی کو بھی طمانچہ مارا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ہلا قسم نہیں۔ ہلا فارسی زبان کا لفظ ہے۔

13430۔(قولہ: وَالْحَالِفُ لَا يُخْرِجُ نَفْسَهُ عَنْ الْيَمِينِ) اس کے ساتھ اشارہ کیا کہ قسم اٹھانے والا قرینہ کی وجہ سے اپنی کلام کے عموم میں داخل ہے اگرچہ ہم کہیں متکلم اپنی کلام کے عموم میں داخل نہیں۔''التحریر'' میں ہے: متکلم کا داخل ہونا جمہور کا قول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْکِنَایَاتِ

(کِنَایَتُہُ) عِنْدَ الْفُقَهَاءِ (مَا لَمْ یُوضَعْ لَهُ) أَیْ الطَّلَاقِ (وَاحْتَمَلَهُ) وَغَیْرَهُ

کنایات کے احکام

فقہا کے نزدیک کنایات سے مراد ایسا لفظ ہے جسے طلاق کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو۔ اور وہ لفظ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتا ہو۔

جب صریح کے احکام سے فارغ ہوئے جو کلام میں اصل ہے کیونکہ کلام مخاطب کو سمجھانے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ صریح کلام کا اس میں زیادہ عمل دخل ہے۔ اب کنایات میں شروع ہوتے ہیں۔ کنایہ کنایکنو کا مصدر ہے جب وہ کسی چیز کو چھپائے، ''نہر''۔

13431۔ (قولہ: کِنَایَتُہُ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ) یعنی طلاق کا کنایہ جو اس محل میں مراد ہے ورنہ اس کا معنی ان کے نزدیک مطلقاً اصولیین کی طرح ہے۔ اس کا معنی ہے جس کی مراد فی نفسہ پوشیدہ ہو۔ ''النہر'' میں کہا: آخری قید کے ساتھ وہ صریح نکل گیا اگر اس کی مراد کسی واسطہ کی وجہ سے پوشیدہ ہو جس طرح لفظ کی غرابت ہے یا تفسیر کے واسطہ سے کنایہ میں مراد منکشف ہو۔

صریح اور کنایہ حقیقت کی اقسام میں سے ہے۔ وہ حقیقت جو مہجور نہ ہو وہ صریح ہے۔ اور مہجورہ جس پر مجازی معنی غالب ہو وہ کنایہ ہے۔ ایسا مجاز جس کا استعمال غالب ہو وہ صریح ہے۔ اور ایسا مجاز جس کا استعمال غالب نہ ہو وہ کنایہ ہے، ''ح''۔

13432۔ (قولہ: مَا لَمْ یُوضَعْ) بلکہ اسے اس سے اور اس کے حکم سے اعم کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ کیونکہ آنے والے تین الفاظ جن سے طلاق رجعیہ واقع ہوتی ہے کے سوا سے اصلاً طلاق مراد نہیں بلکہ وہ اس کا حکم ہے کہ نکاح سے جدائی ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر ان کے قول واحتملہ میں تساہل ہے۔ مراد ہے اس کا احتمال رکھے اس حال میں کہ اس کے معنی سے متعلق ہو۔ ''الفتح'' میں اسے بیان کیا۔ اور حصہ نہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے ''شرح الملتقی'' میں کہا: پھر کنایہ کے الفاظ بہت زیادہ ہیں جو پچپن (55) سے بڑھ جاتے ہیں جس طرح ''النظم'' اور ''الکشف'' میں ہیں اس کے علاوہ کو بھی زائد کیا گیا ہے۔ فتنبہ

ان میں سے: عدّیتُ عنها ہے۔ پس نیت کے ساتھ اس کے ساتھ طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ شیخ ''اسماعیل حائک'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ان میں سے انت خالصة ہے جو ہمارے زمانہ میں مستعمل ہے۔ کیونکہ یہ خلیة اور بریة کے معنی میں ہے۔ تامل۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: اگر تو مجھے فلانہ کی وجہ سے مارتا تھا جس عورت سے میں نے شادی کی تھی میں نے اسے ترک کر دیا ہے پس تو اسے لے لے اور طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

تنبیہ

بعض متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کنایہ کے الفاظ میں سے یہ بھی ہے: علی یمینٌ لا افعلُ کذا اس سے اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کے ساتھ ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ علما کا قول ہے کنایہ اسے کہتے ہیں جو طلاق اور غیر کا احتمال رکھے۔ اور انہیں کے ہم عصر ''سید محمد ابوسعود'' نے ''حاشیہ مسکین'' میں اس کا رد کیا ہے: اس پر لازم نہیں آتا مگر کفارہ یمین کیونکہ انہوں نے کنایہ کی تعریف میں جو کہا ہے وہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ بلکہ یہ ایسے لفظ کے ساتھ مقید ہے جس لفظ کے ساتھ عورت کو خطاب کرنا صحیح ہو اور طلاق کا معنی جسے وہ مضمر ہے اس کو واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اخبار کی صلاحیت رکھتا ہو اس طرح کہ وہ طلاق کو واقع کرے جیسے انت حرام۔ کیونکہ یہ جملہ احتمال رکھتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے یا صحبت حرام ہے۔ اسی طرح باقی ماندہ الفاظ ہیں۔ یمین کا لفظ اس طرح نہیں۔ کیونکہ یہ صحیح نہیں کہ وہ عورت کو اس سے خطاب کرے انت یمین چہ جائیکہ اس کے ساتھ طلاق کو نئے سرے سے واقع کرنے کا ارادہ کرے یا خبر دینے کا ارادہ کرے کہ اس نے طلاق کو واقع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کہے: انتِ یمین لانی طلقتُكِ یہ صحیح نہیں۔ ہر وہ لفظ جو طلاق کا احتمال رکھتا ہو وہ اس کے کنایہ میں سے نہیں بلکہ اس میں یہ دو قیدیں ہوں۔ اور تیسری قید کا ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ لفظ طلاق کا مسبب ہو اور اس طلاق سے جنم لے جس طرح اس جملہ انت حرام میں حرمت ہے۔ اور ''البحر'' میں ان جملوں سے طلاق کے عدم وقوع کو نقل کیا ہے: لا احبُّكِ، لا اشتهيكِ، لا رغبة لي فيكِ اگرچہ وہ ان سے طلاق کی نیت کرے۔ طلاق واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے معانی طلاق سے پیدا نہیں ہوئے۔ کیونکہ عموماً طلاق کے بعد شرمندگی ہوتی ہے۔ پس محبت، اشتہا اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔ حرمت کا معاملہ مختلف ہے۔ جب ان الفاظ کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوتی جب کہ یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو لانی طلقتك تو یمین کے لفظ میں بدرجہ اولی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ علما نے کنایہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے جس طرح آگے (مقولہ 13438 میں) آئے گا: جو صرف طلاق کے سوال کا جواب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں کسی اور چیز کی صلاحیت نہیں رکھتے جس طرح اعتدی، جو سوال کا جواب اور اس کا رد بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس طرح اخرجی، جو سوال کا جواب اور سب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس طرح خلیة۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر لفظ تینوں احتمال میں سے کسی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ عورت نے جب اس سے طلاق کا سوال کیا تو اس کا جواب اس قول علی یمین لا افعل کذا سے دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ جواب اس کے ساتھ ہوتا ہے جو سوال کے جواب میں طلاق کو نئے سرے سے واقع کرنے پر دلالت کرے۔ جس طرح اعتدی یا طلاق کے نہ ہونے پر دلالت کرے جب کہ عورت کے مطالبہ کا رد ہو جس طرح اخرجی یا عورت کے لیے گالی ہو جس طرح خلیة اور علی یمین یہ طلاق کو نئے سرے سے واقع کرنے پر دلالت نہیں کرتے۔ ملخص۔ کچھ اضافہ کے ساتھ ہے۔ پھر کہا: اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ''فتاویٰ طوری'' سے جو منقول ہے وہ فحش غلطی ہے جب صاحب فتاویٰ نے کہا: مسلمانوں کی قسمیں مجھ پر لازم ہیں اس کے ساتھ۔ اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

....

فتاویٰ طوری، فتاویٰ ابن نجیم کی طرح ہے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا

میں نے اپنے بے شمار مشائخ سے سنا ہے کہ ''فتاویٰ طوری''، ''فتاوی ابن نجیم'' کی طرح ہے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر جب اسے کسی اور روایت سے تائید حاصل ہو۔

''طحطاوی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ علیّ یمین کا جملہ طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اس لفظ کے ساتھ اور باللہ تعالیٰ کے لفظ کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ جب طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت عمل کرے گی۔ گویا کہا: علیّ الطلاق لا افعل کذا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ علیّ الطلاق کا جملہ تعلیق معنوی سے تعلق رکھتا ہے اور جو ''فتاوی الطوری'' میں ہے کہ عرف کی وجہ سے اسے طلاق کے ساتھ خاص کیا جائے گا جس طرح یہ جملہ ہے: حلال المسلمین علیّ حرام۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے کہ علیّ یمین کنایہ نہیں کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور یہ صریح بھی نہیں کیونکہ صریح ہمیشہ طلاق کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس طرح نہیں۔ جب کہ یہ ظاہر ہے۔ لیکن یمین کا لفظ ان افراد کی جنس ہے جن کے ساتھ طلاق کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ جب اسے نیت کے ساتھ متعین کیا تو یہ کلام یوں ہوگی گویا اس نے کہا: علیّ حلف بالطلاق لا افعل کذا، جس امر کی اس نے نیت کی اگر اس کی وہ تصریح کرتا تو وہ اس کے ساتھ قسم اٹھانے والا ہوتا۔ اعم کے ساتھ جب اخص کا ارادہ کیا جائے تو اس کے ساتھ خاص کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ یہاں اخص طلاق صریح ہے۔ اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی طلاق بائنہ واقع نہ ہوگی۔ ''البزازیہ'' کے باب الایمان میں فصل ثانی میں ہے: اس نے کہا: لی حلف یا کہا: لی حلف بالطلاق ان لا افعل کذا پھر اس نے اسی طرح کہا اسے طلاق ہو جائے گی اور وہ قسم میں حانث ہوگا اگر چہ وہ جھوٹا ہو۔ ہم ''جامع الفصولین'' سے فصل الصریح کے شروع میں (مقولہ 13060 میں) بیان کر چکے ہیں: اگر تو نے ایسا کیا تو میرے اور تیرے درمیان شرع کا کلمہ جاری ہوگا چاہیے کہ طلاق پر قسم صحیح ہو کیونکہ یہ ان کے درمیان متعارف ہے۔ ہم وہاں بھی ''ذخیرہ'' سے (مقولہ 13065 میں) نقل کر چکے ہیں: اگر خاوند نے عورت سے کہا: الف نون تا طا الف لام قاف۔ اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ ان حروف سے وہی سمجھا جاتا ہے جو صریح لفظ سے سمجھا جاتا ہے مگر اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس یہ بھی نیت کے محتاج ہونے میں کنایہ کی طرح ہوگا۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ اگر اس نے یمین سے طلاق کا ارادہ کیا تو وہ ارادہ صحیح ہوگا اور جب وہ قسم میں حانث ہوگا تو اس کے ساتھ طلاق رجعی ہوگی۔ جہاں تک ایمان المسلمین کا تعلق ہے تو ایمان، یمین کی جمع ہے اور مسلمانوں کی طرف اضافت یہ قرینہ ہے کہ اس نے قسم کی تمام انواع کا ارادہ کیا ہے جن کے ساتھ مسلمان قسم اٹھاتا ہے جس طرح الیمین باللہ، الطلاق، العتاق جو معلق ہوں۔ کتاب الایمان میں کچھ زیادہ گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(ف) الْكِنَايَاتُ (لَا تَطْلُقُ بِهَا) قَضَاءً (إِلَّا بِنِيَّةٍ أَوْ دَلَالَةِ الْحَالِ) وَهِيَ حَالَةُ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ أَوِ الْغَضَبِ، فَالْحَالَاتُ ثَلَاثٌ رِضًا وَغَضَبٌ وَمُذَاكَرَةٌ

پس کنایات کے ساتھ قضاءً طلاق واقع نہیں ہوتی مگر جب وہ نیت کرے یا دلالت حال پائی جائے۔ اور دلالت حال مذاکرہ طلاق کی حالت ہے یا غضب کی حالت ہے۔ پس حالات تین ہیں: حالت رضا، حالت غضب اور حالت مذاکراہ۔

الفاظ کنایات کے ساتھ طلاق کے وقوع کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں

13433۔ (قولہ: قَضَاءً) اس لفظ کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ نیت کے بغیر دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ دلالت پائی جائے۔ پس طلاق کا وقوع نیت یا دلالت حال میں سے ایک سے ہو تو وہ صرف قضاءً طلاق ہوگی۔ جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

13434۔ (قولہ: أَوْ دَلَالَةِ الْحَالِ) اس سے مراد حالت ظاہرہ ہے جو امر کا فائدہ دیتی ہے اور مقصود ہوتی ہے۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ طلاق کا ذکر پہلے ہو چکا ہو۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''کنز'' کی طرح یہاں اس کے اطلاق کا اقتضا یہ ہے کہ تمام کنایات کے ساتھ طلاق دلالت حال سے پائی جاتی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اس مسئلہ میں ''قدوری'' اور ''سرخسی'' کی پیروی کی ہے۔ ''سرخسی'' نے جو ''مبسوط'' میں ذکر کیا ہے ''فخر الاسلام'' وغیرہ مشائخ نے دونوں کی مخالفت کی ہے۔ مشائخ نے فرمایا: بعض کنایات ایسے ہیں جن کے ساتھ طلاق، نیت کی صورت میں ہی ہوتی ہے۔ بعض سے مراد وہ ہیں جو رد کا احتمال رکھتے ہیں جس طرح اخرجی، اذہبی اور قومی۔ لیکن مصنف نے آنے والی تفصیل میں مشائخ کی موافقت کی ہے۔ ''کنز'' کی عبارت پر اعتراض باقی رہ گیا، ''النہر'' میں ان کی جانب سے جواب دیا ہے جس کا ذکر ''ابن کمال'' پاشا نے ''ایضاح الاصلاح'' میں ذکر کیا ہے: ان صورتوں کا رد کی صلاحیت رکھنا مذاکرہ طلاق کی حالت کے معارض ہے۔ پس رد دلیل نہ رہی۔ پس مذکورہ صورتیں دلالت حال سے خالی ہوگئیں۔ اس وجہ سے ان میں نیت پر توقف کیا جائے گا۔

13435۔ (قولہ: وَهِيَ حَالَةُ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا جو ''النہر'' میں ہے کہ دلالت حال دلالت مقالہ پر عام ہوتی ہے۔ کہا: اس تعبیر کی بنا پر مذاکرہ کی وضاحت طلاق کے سوال اور پہلے طلاق واقع کرنے سے کی جائے گی جس طرح اعتدی ثلاثا میں ہے۔ اس سے قبل کہا: مذاکرہ یہ ہے کہ عورت خود طلاق کا سوال کرے یا کوئی اجنبی طلاق کا سوال کرے۔

13436۔ (قولہ: أَوِ الْغَضَبِ) اس کا عطف مذاکرۃ پر ہے پس یہ دلالت حال میں سے ہے۔

احوال کی اقسام

13437۔ (قولہ: فَالْحَالَاتُ ثَلَاثٌ) جب غضب رضا کے بالمقابل ہو تو وہ اس سے مفہوم ہوگا تو تفریع صحیح ہوگی۔ ''الفتح'' میں ہے: جان لو احوال کی حقیقت میں دو قسمیں ہیں: حالۃ الرضا، حالۃ الغضب۔ جہاں تک مذاکرہ طلاق کی صو

وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثٌ مَا يَحْتَمِلُ الرَّدَّ أَوْ مَا يَصْلُحُ لِلسَّبِّ، أَوْ لَا وَلَا (فَنَحْوُ اُخْرُجِي وَاذْهَبِي وَقُومِي)

اور کنایات تین ہیں۔ جو رد کا احتمال رکھتے ہیں یا جو سبّ کا احتمال رکھتے ہیں یا نہ رد کا احتمال رکھتے ہیں نہ سبّ کا۔ جس طرح تو نکل جا، تو چلی جا اور تو اٹھ جا، پردہ کر لے،

ہے دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ صادق آتی ہے۔ بلکہ عورت سے طلاق کے سوال کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر دونوں حالتوں میں سے ایک حالت میں اس کا تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ضدیں ہیں دونوں میں کوئی واسطہ نہیں۔ ''البحر''۔ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ احوال تین ہیں: حالت مطلقہ جو غضب اور مذاکرہ کی قید سے خالی ہو، حالت مذاکرہ اور حالت غضب۔

''النہر'' میں ہے: میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ حالت غضب اور حالت مذاکرہ پر انحصار کیا جائے کیونکہ کلام ان احوال میں ہے جس میں دلالت مؤثر ہو مطلقاً احوال کا ذکر نہیں۔ پھر میں نے ''البدائع'' میں دیکھا انہوں نے پہلے تین احوال کا ذکر کیا کہا: حالت رضا میں قضا میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر طلاق کے مذاکرہ یا غضب کے مذاکرہ میں ہو تو علما نے کہا: کنایات کی تین قسمیں ہیں الخ۔ یہی تحقیق ہے۔

کنایات کی اقسام

13438۔ (قولہ: وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثٌ) اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب جواب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی جب وہ عورت طلاق کا سوال کرے تو یہ جواب بن سکتے ہیں۔ لیکن ان میں ایک قسم ایسی بھی ہے جو رد کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ یعنی اس کے سوال کا جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ گویا خاوند نے عورت سے کہا: تو طلاق کا مطالبہ نہ کر میں ایسا نہیں کروں گا۔ ایک قسم ایسی ہے جو سب اور شتم کا احتمال رکھتی ہے رد کا احتمال نہیں رکھتی۔ اور ایک قسم ایسی ہے جو رد اور سب کا احتمال نہیں رکھتی بلکہ جواب کے لیے خالص ہے جس طرح ''قہستانی'' اور ''ابن کمال'' سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یحتمل کے لفظ سے تعبیر کیا۔ ''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے مروی ہے: احتمال دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے جن میں ایک ہی لفظ اکٹھے صادق آتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا: اس کا یا اس کا احتمال رکھتا ہے جس طرح اس پر ''عصام'' نے ''شرح التلخیص'' میں المسند الیہ کی بحث میں متنبہ کیا ہے۔

13439۔ (قولہ: فَنَحْوُ اُخْرُجِي وَاذْهَبِي وَقُومِي) یعنی اس جگہ سے نکل جا تاکہ شر منقطع ہو جائے۔ پس یہ رد ہو گا۔ یا کیونکہ اس نے طلاق دے دی ہے تو یہ جواب ہو گا ''رحمتی''۔ اگر کسی نے کہا: فبیعی الثوب تو اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ وہ اس کی نیت کرے یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ عرف میں اس کا معنی ہے بیع کے لیے۔ پس اس کا صریح، منوی کے خلاف ہے۔ امام ''زفر'' نے ان کی موافقت کی ہے، ''نہر''۔ اگر کہا: اذهبی فتزوجی فروع میں (مقولہ 13559 میں) اس پر گفتگو آئے گی۔

تَقَنَّعِي تَخَمَّرِي اسْتَتِرِي انْتَقِلِي انْطَلِقِي أُغْرُبِي أُعْزُبِي مِنَ الْغُرْبَةِ أَوْ مِنَ الْعُزُوبَةِ (يَحْتَمِلُ رَدًّا، وَنَحْوُ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ حَرَامٌ
اوڑھنی اوڑھ لے، پردہ کر لے، منتقل ہوجا، تو چلی جا، تو چلی جا، یہ غربت سے مشتق ہوسکتا ہے یا عزوبۃ سے مشتق ہوگا۔ رد کا احتمال رکھتے ہیں اور خلیۃ، بریۃ، حرام

13440۔(قولہ: تَقَنَّعِي تَخَمَّرِي اسْتَتِرِي) یہ چہرے پر اوڑھنی لینے کا حکم ہے۔ اسی کی مثل تخمری ہے۔ اس میں بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ''البحر'' میں کہا: کیونکہ تو بائنہ ہو چکی ہے اور طلاق کے ساتھ مجھ پر حرام ہو چکی ہے یا تا کہ اجنبی تجھے نہ دیکھے۔ پہلی صورت میں جواب ہے اور دوسری صورت میں رد ہے۔ ''البحر'' میں شرح ''قاضی خان'' سے مروی ہے: اگر خاوند نے کہا: استتری منی یہ کلام کنایہ ہونے سے نکل گئی ہے۔ لیا اس سے مراد اصلا طلاق واقع نہ ہوگی یا نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی؟ ظاہر دوسرا قول ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کیا واقع ہونے والی طلاق بائنہ ہوگی یا طلاق رجعی ہوگی؟ ظاہر یہ ہے کہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ اس کا قول منی طلاق کے ارادہ پر قرینہ لفظیہ ہے یہ مذاکرہ طلاق کے قائم مقام ہے۔ تامل

13441۔(قولہ: انْتَقِلِي انْطَلِقِي) یہ اخرجی کی مثل ہے یہ بحث پہلے (مقولہ 13439 میں) گزر چکی ہے، ''ح''۔

13442۔(قولہ: مِنَ الْغُرْبَةِ) یہ غین معجمہ اور را کے ساتھ ہے یہ پہلے لفظ اغربی کی طرف راجع ہے۔ قولہ او من العزوبۃ یہ عین مہملہ اور زا کے ساتھ ہے۔ یہ دوسرے لفظ اعزبی کی طرف راجع ہے۔ یہ عزب منی فلان یعزب سے مشتق ہے۔ اس کا معنی بھی تباعد ی ہے، ''ح'' کچھ زیادتی کے ساتھ ہے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں جس طرح اخرجی میں دو احتمال ہیں۔

13443۔(قولہ: يَحْتَمِلُ رَدًّا) جواب کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور نہ سب کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ شتم یعنی گالی گلوچ کی صلاحیت رکھتے ہیں، ''ح''۔

13444۔(قولہ: خَلِيَّةٌ) یہ خا معجمہ کے ساتھ ہے۔ یہ فعیلۃ کا وزن ہے فاعلہ کے معنی میں ہے یعنی خالی۔ یا تو نکاح سے خالی یا بھلائی سے خالی۔ ''ح''۔ پہلی صورت میں یہ جواب ہے اور دوسری صورت میں سب وشتم ہے۔ اس کی مثل وہ ہے جو آگے (مقولہ 13449 میں) آئے گا۔

13445۔(قولہ: بَرِيَّةٌ) یہ لفظ ہمزہ اور ہمزہ کے ترک کے ساتھ ہوتا ہے یعنی قید نکاح یا حسن خلق سے جدا۔

13446۔(قولہ: حَرَامٌ) یہ حرم الشی حراما سے مشتق ہے جس کا معنی ممتنع ہونا ہے۔ یہاں اس سے مراد وصف ہے اس کا معنی ممنوع ہے۔ پس اسے سابقہ معنی پر محمول کیا جائے گا۔ ہمارے زمانے میں عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر بھی طلاق واقع ہوگی۔ محرمۃ و حرمتك کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ خواہ وہ علی کہے یا نہ کہے۔ یا وہ کہے: حلال المسلمین علی حرام، کل حل علی حرام، انت معی فی الحرام اور جب وہ کہے: حرمت نفسی تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ علیک کہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا جب ان الفاظ سے طلاق نیت کے بغیر واقع ہو جاتی ہے تو چاہیے کہ یہ صریح کی طرح ہوتے

....

تا کہ ان کے پیچھے رجوع کا حق ہوتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا یہ الفاظ طلاق بائنہ واقع ہونے میں معروف ہیں طلاق رجعی میں معروف نہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہے میں نے نیت نہیں کی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر اس نے دو دفعہ کہا اور پہلے لفظ سے ایک طلاق کی اور دوسرے لفظ سے تین کی نیت کی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''حلبی'' نے ''النہر'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: ایک آدمی نے دو بیویوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور دونوں میں سے ایک کے بارے میں تین طلاقوں اور دوسری میں ایک طلاق کی نیت کی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہوگی اس پر فتویٰ ہے۔

مرد کے قول علی الحرام سے ہمارے زمانے میں طلاق بائن یا رجعی ہوگی

پھر یہ جان لو کہ جس سوال اور جواب کا ذکر کیا ہے وہ ''بزازیہ'' میں بھی مذکور ہے۔ جواب کا مقتضا یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ طلاق بائنہ کا وقوع متعارف نہیں۔ کیونکہ عامی جاہل اس قول کے ساتھ حلف اٹھاتا ہے: علیّ الحرام لا افعل کذا وہ طلاق بائن اور رجعی میں کوئی امتیاز نہیں کرتا چہ جائیکہ اس کا عرف اس کے ساتھ طلاق بائن ہو۔ اس کے نزدیک معروف یہ ہے کہ جو آدمی اس کے ساتھ قسم اٹھاتا ہے اس پر طلاق واقع ہو جاتی ہے جس طرح اس کا قول ہے: علیّ الطلاق لا افعل کذا۔ یہ بات پہلے (مقولہ 13094 میں) گزر چکی ہے کہ اس کے قول: علیّ الطلاق سے طلاق عرف کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ تعلیق کے حکم میں ہے۔ اسی طرح اس کے لفظ: علیّ الحرام کا معاملہ ہے۔ ورنہ اصل تو یہ ہے کہ طلاق اصلاً واقع نہ ہو جس طرح تیرے اس قول میں ہے: طلاقك علیّ جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 13097 میں) گزر چکی ہے۔ جب ان دونوں الفاظ سے طلاق عرف کی وجہ سے ہے چاہیے کہ دونوں کے ساتھ متعارف واقع ہو تو دونوں میں کوئی فرق نہ ہوگا اگرچہ حرام اصل میں کنایہ ہو جس کے ساتھ طلاق بائنہ واقع ہوتی ہو۔ کیونکہ جب طلاق میں اس کا استعمال غالب ہو تو کنایہ باقی نہ رہا۔ اسی وجہ سے یہ نیت اور دلالت حال پر موقوف نہیں اور کنایہ میں سے کوئی چیز نہیں جس کے ساتھ طلاق نیت یا دلالت حال کے بغیر واقع ہو جس طرح ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''بزازی'' نے جو مذکورہ جواب میں اس قول کے بعد جو ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے: اس کے ساتھ متعارف طلاق بائن کو واقع کرنا ہے طلاق رجعی واقع کرنا نہیں۔ جہاں کہا جس کی نص یہ ہے: بخلاف فارسیة قوله سرحتك وهو بهایله کردم کیونکہ یہ عرف میں صریح ہے جس طرح ''نجم الزاہدی خوارزمی'' نے ''شرح القدوری'' میں تصریح کی ہے۔

''بزازی'' نے پہلے تصریح کی کہ: حلال الله علی حرام بالعربية او الفارسية کے قول میں نیت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کہا: اگر اس نے کہا: حلال ایزدبروی او حلال الله علیه حرام اس میں نیت کی ضرورت نہیں۔ یہ صحیح مفتی بہ ہے۔ کیونکہ

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

عرف یہی ہے۔ اور اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی۔ کیونکہ یہی متعارف ہے۔ پھر اس کے درمیان اور سرحتك کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ کیونکہ سرحتك کنایہ ہے لیکن ایرانیوں کے عرف میں اس کا استعمال صریح میں غالب ہے۔ جب کہا: رها كردم۔ یعنی سرحتك اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی جب کہ اصل میں یہ کنایہ ہے۔ اور یہ نہیں مگر اس لیے کیونکہ ایرانیوں کے عرف میں اس کا استعمال طلاق میں غالب ہے۔ یہ بات (مقولہ 13059 میں) گزر چکی ہے کہ صریح وہ ہوتا ہے جو صرف طلاق میں استعمال ہو وہ کسی لغت سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن جب حلال اللہ کا لفظ عربوں اور ایرانیوں کے ہاں طلاق بائن میں غالب الاستعمال ہے تو اس لفظ کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو طلاق رجعی واقع ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ متاخرین علما نے متقدمین علما سے اس امر میں مخالفت کی ہے کہ لفظ حرام سے نیت کے بغیر طلاق بائن واقع ہوگی یہاں تک کہ جب وہ کہے: میں نے نیت نہیں کی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہ اس عرف کی وجہ سے ہے جو متاخرین کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے۔ اب اس لفظ کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی اس عرف کی وجہ سے جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ مگر جب اس کا استعمال صرف طلاق کے لیے متعارف ہو گیا اس قید کے بغیر کہ یہ بائن ہو اس کے ساتھ طلاق رجعی کا واقع ہونا متعین ہو جائے گا جس طرح فارسی زبان میں ہے: سرحتك۔ اس کی مثل ہے جو ہم صریح کے باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی: سن بوش یا بوش اول یہ ترکوں کی لغت میں ہے جب کہ اس کا عربی معنی ہے انت خلیة جب کہ یہ کنایہ ہے۔ لیکن ترکی لغت میں اس کا غلبہ استعمال طلاق کے معنی میں ہوا۔ یہ میرے فہم قاصر کے لیے ظاہر ہوا میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس کو ذکر کیا ہو۔ یہ اہم مسئلہ ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے۔ فتامل

پھر ایک مدت کے بعد میرے لیے ظاہر ہوا جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ لفظ حرام ہے۔ اس کا معنی ہے وطی اور اس کے دواعی حلال نہیں۔ یہ عقد کے باقی ہونے کے ساتھ ایلاء کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ یہ غیر متعارف ہے۔ اور یہ طلاق کے ساتھ ہوتا ہے جو عقد کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: بائن اور رجعی۔ لیکن رجعی وطی کو حرام نہیں کرتا پس بائن متعین ہوگی۔ اس کا عرف کی وجہ سے صریح کے ساتھ لاحق ہونا اس کے ساتھ طلاق بائن کے منافی نہیں۔ کیونکہ صریح کے ساتھ بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے جس طرح تطلیقہ شدیدہ وغیرہ۔ جس طرح بعض کنایات کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جس طرح اعتدی، استبرئی رحمك، انت واحدة۔

حاصل کلام یہ ہے: جب طلاق اس کے ساتھ متعارف ہوگئی اس کا معنی ہو گیا کہ بیوی حرام ہوگئی اور بیوی کی حرمت طلاق بائن کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ یہ وہ انتہائی نکتہ ہے جو میرے لیے اس مقام پر ظاہر ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کی کوئی حاجت نہیں جس کے ساتھ "بزازیہ" میں جواب دیا ہے کہ اس کے ساتھ جو متعارف ہے وہ طلاق بائن کو واقع کرنا ہے کیونکہ تو اس اعتراض کو جان چکا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ اعلم

بَائِنٌ) وَمُرَادِفُهَا كَبَتَّةٌ بَتْلَةٌ (يَصْلُحُ سَبًّا، وَنَحْوُ اعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ، أَنْتِ وَاحِدَةٌ
یہ طلاق بائنہ ہے۔ اس کا مرادف بتہ اور بتلۃ کا لفظ ہے جو سبّ (گالی) کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اس کی مثل اعتدی، استبرئی رحمك، انت واحدۃ ہے۔

13447۔(قولہ: بَائِنٌ) یہ لفظ بان الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی شے کا جدا ہو جانا ہے یعنی نکاح کے تعلق یا بھلائی سے جدا ہے،''ح''۔

13448۔(قولہ: كَبَتَّةٌ) یہ البتّ سے مشتق ہے جس کا معنی قطع کرنا ہے۔ یہ لفظ بھی اسی معنی کا احتمال رکھتا ہے لفظ بائن جس کا احتمال رکھتا تھا۔''سیبویہ'' نے اس میں الف، لام کو واجب قرار دیا ہے''فراء'' نے دونوں کے اسقاط کو جائز قرار دیا ہے۔ بتلۃ یہ بتل سے مشتق ہے جس کا معنی انقطاع ہے۔ حضرت مریم کا نام بتول ہے کیونکہ وہ مردوں کے اختلاط سے منقطع رہیں۔ اور حضرت فاطمہ زہراء کا یہ نام ہے کیونکہ آپ فضل، دین اور حسب میں اپنے زمانہ کی عورتوں سے جدا ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کا یہ نام اس لیے پڑا کیونکہ وہ دنیا سے تعلق توڑ کر اپنے رب کی ہو رہیں۔ اس میں وہ احتمال بھی ہے جو گزر چکا ہے''حلبی'' نے''النہر'' سے نقل کیا ہے۔

13449۔(قولہ: يَصْلُحُ سَبًّا) یعنی یہ جواب بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اور رد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا''ح''۔ اس کی مثل''النہر''،''ابن کمال'' اور''بدائع'' میں ہے۔''البحر'' سے جو معنی ظاہر ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ رد بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔

13450۔(قولہ: اعْتَدِّي) یہ اعتداد کا امر ہے جو عدۃ یا عدّ سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہیں ان کو شمار کرو،''بدائع''۔

13451۔(قولہ: وَاسْتَبْرِئِي) رحم کی براءت کے معنی میں مشہور ہونے کا امر ہے رحم کی براءت سے مراد پانی سے اس کی پاکیزگی ہے۔ یہ اعتداد سے کنایہ ہے جو عدۃ سے مشتق ہے۔ اور یہ لفظ اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اپنی رحم کو پاک کرو تاکہ میں تمہیں طلاق دوں،''بدائع''۔

یہاں اعراب کا اعتبار نہیں

13452۔(قولہ: أَنْتِ وَاحِدَةٌ) مراد ہے انت طالق تطلیقۃ واحدۃ یہ احتمال ہے انت واحدۃ عندی یا انت واحدۃ فی قومك تو اپنی قوم میں یکتا ہے یہ مدح میں بھی ہو سکتا ہے اور مذمت میں بھی ہو سکتا ہے۔ جب پہلے معنی یعنی انت طالق تطلیقۃ واحدۃ کی نیت کی تو گویا اس نے یہ کہا عام مشائخ کے نزدیک واحدۃ کے اعراب کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہی صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ عوام اعراب کی وجوہ میں امتیاز نہیں کر سکتے اور خاص لوگ بھی اپنے مخاطبات میں اس کا التزام نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی صنعت ہے اور عرف ان کی لغت ہے۔ اس وجہ سے تو اہل علم کو دیکھے گا تو وہ اپنی کلام کے دوران اس کا التزام نہیں

أَنْتِ حُرَّةٌ، اخْتَارِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ سَرَّحْتُكِ، فَارَقْتُكِ لَا يَحْتَمِلُ السَّبَّ وَالرَّدَّ، فَفِي حَالَةِ الرِّضَا) أَيْ غَيْرِ الْغَضَبِ وَالْمُذَاكَرَةِ (تَتَوَقَّفُ الْأَقْسَامُ) الثَّلَاثَةُ تَأْثِيرًا (عَلَى نِيَّةٍ) لِلِاحْتِمَالِ وَالْقَوْلُ لَهُ

تو آزاد ہے، تو اختیار کر لے، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں، میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تجھ سے جدائی اختیار کر لی۔ یہ سب اور رد کا احتمال نہیں رکھتا۔ حالت رضا یعنی غضب اور مذاکرہ طلاق نہ ہو تو تینوں اقسام از روئے تاثیر کے نیت پر موقوف ہوں گی۔ کیونکہ احتمال موجود ہے نیت نہ ہونے میں خاوند کا قول

کرتے۔ کیونکہ رفع طلاق کے وقوع کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کا احتمال موجود ہے کہ وہ ارادہ رکھتا ہو انت طلقة واحدة تو اس نے مبالغہ کے طور پر اسے ہی طلاق بنا دیا ہو جس طرح رجل عدل۔ لیکن علما نے اقرار میں اعراب کا اعتبار کیا ہے اگر وہ کہے له علی درهم غیر دانق۔ جب مرفوع ہو یا منصوب ہو پس فرق کو طلب کیا جائے گا۔ گویا دونوں صورتوں میں احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

13453۔ (قولہ: أَنْتِ حُرَّةٌ) کیونکہ تو رق سے بری ہے یا نکاح کی غلامی سے بری ہے۔ اعتقتُكِ یہ انت حرة کی طرح ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ اسی طرح کونی حرة اور اعتقی ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے، ''نہر''۔

13454۔ (قولہ: اخْتَارِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ) یہ دونوں لفظ تفویض طلاق سے کنایہ ہیں یعنی اختاری نفسك بالفراق۔ یعنی اپنے نفس کو فراق کے ساتھ اختیار کر لے یا عمل میں اپنے نفس کو اختیار کر لے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے طلاق میں یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے کسی اور تصرف میں۔ ''النہر'' میں ''الحواشی السعدیہ'' سے مروی ہے: اسکا یہاں ذکر مناسب نہیں۔ بعض مفتیوں سے اسکے سبب عظیم خطا واقع ہوئی ہے تو انہوں نے گمان کیا کہ اسکے ساتھ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسکا فتویٰ دے دیا اور حلال کو حرام کر دیا۔ ہم اس امر سے الله تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ شارح نے اس پر اپنے قول اختاری کے ہاں متنبہ کیا ہے ''ح''۔ یعنی جب ذکر کیا کہ ان دونوں لفظوں کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک عورت خود اپنے آپ کو طلاق نہ دے ساتھ ہی خاوند عورت کو طلاق تفویض کرنے کی نیت کرے یا دلالت حال پائی جائے جیسے غضب اور مذاکرہ طلاق جس طرح آنے والے باب میں (مقولہ 13573 میں) آئے گا جو یہاں گفتگو کی گئی ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔

13455۔ (قولہ: سَرَّحْتُكِ) یہ سراح سے مشتق ہے سین پر فتحہ ہے جس کا معنی ارسال ہے یعنی میں نے تجھے بھیجا کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے یا میں نے اپنے کام کے لیے تجھے بھیجا ہے۔ اسی طرح فارقتك ہے کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے یا اس کا معنی ہے میں نے تجھے اس گھر میں الگ کر دیا ہے، ''نہر''۔

13456۔ (قولہ: لَا يَحْتَمِلُ السَّبَّ وَالرَّدَّ) یہ سب اور رد کا احتمال نہیں رکھتے بلکہ اس کا معنی صرف جواب ہے ''ح''۔ یعنی طلاق طلب کرنے کا جواب طلاق بمعنی تطلیق ہے، ''فتح''۔

13457۔ (قولہ: تَأْثِيرًا) یہ فاعل سے تمیز ہے یعنی تینوں اقسام کی تاثیر نیت پر موقوف ہے، ''ط''۔

13458۔ (قولہ: لِلِاحْتِمَالِ) کیونکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ الفاظ میں سے ہر ایک طلاق وغیرہ کا احتمال رکھتا ہے جب

بِيَمِينِهِ فِي عَدَمِ النِّيَّةِ وَيَكْفِي تَحْلِيفُهَا لَهُ فِي مَنْزِلِهِ، فَإِنْ أَبَى رَفَعَتْهُ لِلْحَاكِمِ فَإِنْ نَكَلَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا مُجْتَبَى (وَفِي الْغَضَبِ) تَوَقَّفَ (الْأَوَّلَانِ) إِنْ نَوَى وَقَعَ وَإِلَّا لَا (وَفِي مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ)

قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اتنی بات کافی ہے کہ عورت خاوند سے اس کے گھر میں قسم کا مطالبہ کرے اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کردے تو بیوی مسئلہ حاکم کے سامنے پیش کرے اور حاکم دونوں میں تفریق کردے۔ ''مجتبیٰ''۔ اور غضب کی صورت میں پہلی دو قسمیں موقوف ہوں گی۔ اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مذاکرہ طلاق میں

کہ حال یہ ہے دونوں میں سے ایک پر دلالت نہیں کرتا۔ پس اس سے نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی ''بدائع''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اگر تو کہے جو جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں چاہیے کہ ان کے ساتھ طلاق واقع ہو اگرچہ نیت نہ ہو۔ میں کہتا ہوں: اس کے جواب ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ طلاق کی تحصیل کا جواب ہو بلکہ بغیر سوال کے اس کے کلام کا جواب ہے۔ جب اس نے طلاق کے سوال کا تکلم کیا تو مذاکرہ طلاق حاصل ہو گیا اس میں وہ نیت پر موقوف نہیں مگر پہلا لفظ جس طرح آگے (مقولہ 13456 میں) آئے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے ابھی ''الفتح'' سے ذکر کیا ہے کہ اس کی تفسیر جواب کا احتمال رکھتی ہے کہ یہ طلاق طلب کرنے کا جواب ہے۔ یعنی طلاق تطلیق کے معنی میں ہے۔ پس اعتراض کا عمدہ جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اعتدی کا لفظ تطلیق کے لیے خالص ہے تا کہ اس کے سوال کا جواب دیا جائے۔ یعنی اگر وہاں طلاق کا سوال ہو تو تطلیق کے لیے خالص ہوگا۔ پس تمام حالت میں طلاق کے سوال کا پایا جانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ بعض اوقات صرف حالت رضا ہوتی ہے یا صرف حالت غضب ہوتی ہے جب کہ طلاق کا سوال نہیں ہوتا اس کے باوجود اعتدی کا لفظ جواب کے لیے خالص ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہاں سوال ہو یہ اس کے لیے بطور جواب خالص ہوگا۔ اس وجہ سے ایسی حالت غضب جو سوال سے خالی ہو نیت پر موقوف نہیں۔ ''تامل''

13459۔ (قولہ: بِيَمِينِهِ) قسم اسے لازم ہوگی خواہ وہ طلاق کا دعوی کرے یا دعویٰ نہ کرے۔ یہ الله تعالیٰ کے حق کے طور پر ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے نقل کیا ہے۔

13460۔ (قولہ: فَإِنْ نَكَلَ) یعنی اگر قاضی کے نزدیک قسم اٹھانے سے انکار کردے۔ کیونکہ کسی اور کے ہاں قسم سے انکار معتبر نہیں، ''ط''۔

13461۔ (قولہ: تَوَقَّفَ الْأَوَّلَانِ) یعنی جو رد اور جواب کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جو سب اور جواب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور جو الفاظ جواب کے لیے متعین ہیں ان میں توقف نہیں کیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ حالت غضب رد اور دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور سب وشتم کی صلاحیت بھی رکھتی ہے جس طرح یہ طلاق کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پہلی دونوں قسموں کے الفاظ اس کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ پس حال فی نفسہ طلاق وغیرہ کا احتمال رکھتا ہے۔ جب اس نے غیر طلاق کی نیت کی تو اس نے اس کی ہی نیت کی کلام جس کا احتمال رکھتا تھا اور ظاہر اس کو

يَتَوَقَّفُ (الْأَوَّلُ فَقَطْ) وَيَقَعُ بِالْأَخِيرَيْنِ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ
صرف پہلی قسم موقوف ہوگی اور آخری دو قسموں کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ نیت نہ کی ہو۔

نہیں جھٹلاتا پس قضاءً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ آخری کے الفاظ یعنی جو صرف جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ الفاظ طلاق وغیرہ کا بھی احتمال رکھتے ہیں لیکن جب رد، تبعید، سب وشتم کا احتمال زائل ہو گیا جن دونوں کی حالت غضب احتمال رکھتی ہے تو حال متعین ہو گیا کہ یہ طلاق کے ارادہ پر دال ہے۔ پس ظاہر اس کی کلام میں طلاق کی جانب راجح ہو گئی تو جب وہ کلام کو ظاہر سے پھیر دے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی نیت پر موقوف نہ ہوگی جس طرح صریح طلاق میں یہ طلاق سے گرہ سے آزادی کی نیت کرے۔

13462۔ (قوله: يَتَوَقَّفُ الْأَوَّلُ فَقَطْ) یعنی جو رد اور جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ حالۃ المذاکرہ رد اور تبعید کی صلاحیت رکھتی ہے جس طرح طلاق کی صلاحیت رکھتی ہے شتم کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پہلی قسم کے الفاظ اسی طرح ہیں اگر ان کے ساتھ رد کی نیت کی، طلاق کی نیت نہ کی تو اس نے ظاہر کی مخالفت کے بغیر اپنی کلام کے محتمل کی نیت کی۔ پس طلاق نیت پر موقوف ہوگی۔ دوسری دونوں قسموں کے الفاظ کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ یہ طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن یہ اس کا احتمال نہیں رکھتے جس کا مذاکرہ احتمال رکھتا ہے یعنی رد اور تبعید کا احتمال رکھتا ہے۔ پس ظاہراً طلاق کی جانب راجح ہو گئی۔ پس اس سے معنی کو پھیرنے میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اسی وجہ سے نیت کے بغیر قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پہلی قسم حالت رضا، حالت غضب اور مذاکرہ طلاق میں نیت پر موقوف ہے اور دوسری قسم کے الفاظ صرف حالت رضا اور غضب میں نیت پر موقوف ہوں گے۔ اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور تیسری قسم کے الفاظ صرف حالت رضا میں نیت پر موقوف ہوں گے۔ اور حالت غضب اور مذاکرہ طلاق میں نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی میں نے انہیں اپنے اشعار میں یوں نظم کیا ہے۔

نحو أُخرجی قُومی اِذہبی ردًا یصح خَلیۃٌ بَریۃ سبًا صدح

واستبرئی اعتدّی جوابا قد خُتِم فالاول القصد له دَوْمًا لزم

والثان فی الغضب والرضا انضبط لا الذکر والثالث فی الرضا فقط

جس طرح اخرجی، قومی، اذہبی یہ رد کی صلاحیت رکھتے ہیں خلیۃ، بریّۃ سب وشم کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

استبرئی، اعتدی، جواب کے لیے حتمی ہیں پہلی قسم کے لیے ہمیشہ نیت لازم ہے۔

دوسری قسم غضب اور رضا میں نیت پر منضبط ہے مذاکرہ میں نیت ضروری نہیں اور تیسری قسم رضا میں نیت پر موقوف ہے میں نے مزید وضاحت کے لیے اس نقشہ میں لکھا ہے۔

الحالات	رد و جواب: اخرجی اذہبی	سب و جواب: خلیۃ بریۃ	جواب فقط: اعتدی استبرئی
رضا:	تلزم النیۃ	تلزم النیۃ	تلزم النیۃ

لِأَنَّ مَعَ الدَّلَالَةِ لَا يُصَدَّقُ قَضَاءً فِي نَفْيِ النِّيَّةِ لِأَنَّهَا أَقْوَى لِكَوْنِهَا ظَاهِرَةً، وَالنِّيَّةُ بَاطِنَةٌ وَلِذَا تُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا عَلَى الدَّلَالَةِ لَا عَلَى النِّيَّةِ إِلَّا أَنْ تُقَامَ عَلَى إِقْرَارِهِ بِهَا عِمَادِيَّةٌ، ثُمَّ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ فَلَوْ السُّؤَالُ بِهَلْ يَقَعُ بِقَوْلِ نَعَمْ إِنْ نَوَيْت، وَلَوْ بِكَمْ يَقَعُ بِقَوْلِ وَاحِدَةٌ وَلَا يَتَعَرَّضُ لِاشْتِرَاطِ النِّيَّةِ بَزَّازِيَّةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَتَقَعُ رَجْعِيَّةٌ بِقَوْلِهِ اعْتَدِّي

کیونکہ دلالت حال کے ساتھ نیت کی نفی میں قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ دلالت اقوی ہے۔ کیونکہ دلالت ظاہر ہے اور نیت باطن ہے۔ اسی وجہ سے دلالت پر بینہ طلب کیے جاتے ہیں نیت پر بینہ طلب نہیں کیے جاتے مگر یہ کہ خاوند کی نیت کرنے کے اقرار پر گواہ قائم کیے جائیں۔ پھر ہر وہ موقع جس میں نیت کرنا شرط ہے اگر سوال ھل یقع کے ساتھ ہو تو مفتی نعم (ہاں) کے ساتھ جواب دے اگر نیت کی گئی ہے۔ اور اگر سوال کم یقع کے ساتھ ہو تو واحدۃ کے لفظ کے ساتھ ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور نیت کی کوئی شرط نہ ہوگی۔ ''بزازیہ''، فلحیفظ۔ اور خاوند کے قول اعتدی،

غضب:	تلزم النية	تلزم النية	يقع بلانية
مذاكرة:	تلزم النية	يقع بلانية	يقع بلانية

13463۔ (قولہ: لِأَنَّ مَعَ الدَّلَالَةِ) ان کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔

13464۔ (قولہ: لِأَنَّهَا) ضمیر سے مراد دلالت ہے۔

13465۔ (قولہ: بَيِّنَتُهَا) ضمیر سے مراد عورت ہے۔

13466۔ (قولہ: عَلَى الدَّلَالَةِ) دلالت سے مراد غضب اور مذاکرہ ہے۔

13467۔ (قولہ: لَا عَلَى النِّيَّةِ) اگر عورت نے گواہی قائم کی ان امور میں جو طلاق کی نیت پر موقوف ہوں کہ خاوند نے نیت کی تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

13468۔ (قولہ: فَلَوْ السُّؤَالُ بِهَلْ يَقَعُ) یعنی جب سائل کہے گا: میں نے یہ کہا ہے کیا مجھ پر طلاق واقع ہوگی؟ مفتی جواب دے گا: ہاں اگر تو نے نیت کی ہے، ''ح''۔

13469۔ (قولہ: وَلَوْ بِكَمْ يَقَعُ) یعنی اگر سائل کہے: میں نے یہ کہا: کتنی طلاقیں مجھ پر واقع ہوئیں مفتی اسے کہے گا: ایک طلاق واقع ہوگی۔ نیت کی شرط نہیں یعنی مفتی یہ نہیں کہے گا ایک طلاق واقع ہوگی اگر تو نے نیت کی، ''ح''۔

13470۔ (قولہ: وَتَقَعُ رَجْعِيَّةٌ) یعنی اگر اس نے طلاق بائنہ کی نیت کی، ''ح''۔

13471۔ (قولہ: بِقَوْلِهِ اعْتَدِّي) کیونکہ یہ اضمار کے باب میں سے ہے یعنی طلقتك فاعتدی یا اعتدی لانی طلقتك مدخول بہا میں طلاق ثابت ہو جائے گی اور عدت واجب ہوگی۔ اور غیر مدخول بہا میں نیت پر عمل کرنے کی بنا پر طلاق ثابت ہو جائے گی اور عدت واجب نہ ہوگی۔ ''تلویح'' میں اسی طرح ہے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ وَإِنْ نَوَى أَكْثَرَ، وَلَا عِبْرَةَ بِإِعْرَابِ وَاحِدَةٍ فِي الْأَصَحِّ (وَ) يَقَعُ (بِبَاقِيهَا) أَيْ بَاقِي أَلْفَاظِ الْكِنَايَاتِ الْمَذْكُورَةِ، فَلَا يَرِدُ وُقُوعُ الرَّجْعِيِّ بِبَعْضِ الْكِنَايَاتِ أَيْضًا نَحْوُ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ طَلَاقِكِ،

استبرئی رحمك اور انت واحدة کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ زیادہ کی نیت کرے۔ صحیح ترین قول کے مطابق واحدة کے اعراب کا اعتبار نہیں ہوگا۔ یعنی کنایات مذکورہ کے باقی ماندہ الفاظ سے طلاق بائنہ واقع ہوگی اس قول پر یہ اعتراض واقع نہیں ہوتا کہ بعض کنایات سے طلاق رجعی بھی واقع ہوتی ہے جیسے میں تیری طلاق سے بری ہوں۔

13472۔ (قولہ: وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ) ''البدائع'' سے ہم پہلے (مقولہ 13450 میں) بیان کر چکے ہیں۔ یہ اعتداد سے کنایہ ہے۔ یہ عدت سے مشتق ہے۔ اس کے بارے میں وہی گفتگو ہے جو ہم نے ابھی اعتدی کے بارے میں کی ہے۔

13473۔ (قولہ: وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ) کیونکہ جب طلاق کی نیت کی تو واحدة کا لفظ مصدر محذوف کی صفت ہوگا یعنی کلام یوں ہوگی: انت طالق طلقة واحدة۔ اور طلاق صریح کے بعد رجوع کا حق ہوتا ہے۔ مصدر اگرچہ تین طلاقوں کی نیت کا احتمال رکھتا ہے لیکن ایک طلاق پر نص تین طلاقوں کے ارادہ کے مانع ہوتی ہے۔

13474۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں بھی اس کی تصحیح کی ہے ہم اس پر گفتگو (مقولہ 13452 میں) پہلے کر چکے ہیں۔

13475۔ (قولہ: فَلَا يَرِدُ) یعنی جب تو نے یہ جان لیا باقیہا کی ضمیر متن میں مذکور الفاظ کی طرف لوٹ رہی ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ کنایات کے باقی ماندہ الفاظ سے بعض اوقات طلاق رجعی واقع ہوتی ہے وہ ایسے کنایہ سے ہوں جن میں طلاق کا ذکر ہو۔ لیکن ''البحر'' میں انہیں بدرجہ اولی ان تین الفاظ کے تحت داخل کیا ہے جن کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی کے وقوع کی علت لفظ طلاق کا اقتضا یا اضمار کی بنا پر موجود ہونا ہے تو جہاں لفظ طلاق صراحۃ مذکور ہو اس کے ساتھ طلاق رجعی بدرجہ اولی واقع ہوگی۔

13476۔ (قولہ: أَنَا بَرِيءٌ مِنْ طَلَاقِكِ) جب وہ اس لفظ کے ساتھ طلاق دینے کی نیت کرے گا تو اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ''فتح''۔ لیکن ''جوہرہ'' میں ہے: اگر خاوند نے کہا: انا بری من نكاحك جب وہ طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر کہا: انا بری من طلاقك کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ کسی شے سے براءت اس کو ترک کرنا ہے۔

''بزازیہ'' میں تصحیح کا اختلاف ذکر کیا ہے جب وہ کہے: برئت من طلاقك۔ اور ''خانیہ'' میں یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ طلاق کا واقع نہ ہونا صحیح ہے۔ لیکن ''الفتح'' میں کہا: ''خلاصہ'' میں ہے: برئت من طلاقك میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ طلاق بائنہ واقع ہو جائے کیونکہ طلاق سے اس کی حقیقی براءت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے واقع کرنے سے اس کا عجز لازم آ جائے وہ عدت کے ختم ہونے کے ساتھ طلاق بائنہ کا وقوع ہے یا تین طلاقوں کا واقع ہونا

وَخَلَّیْتُ سَبِیلَ طَلَاقِكِ، وَأَنْتِ مُطْلَقَةٌ بِالتَّخْفِیفِ، وَأَنْتِ أَطْلَقُ مِنْ امْرَأَةِ فُلَانٍ، وَهِیَ مُطَلَّقَةٌ، وَأَنْتِ طَ ا ل ق وَغَیْرُ ذَلِكَ مِمَّا صَرَّحُوا بِهِ

اور میں نے تیری طلاق کے راستہ کو چھوڑ دیا انت مطلقه ہے تو فلاں کی بیوی سے زیادہ طلاق والی ہے جب کہ فلاں کی بیوی طلاق والی تھی تو ط ا ل ق ہے اور اس کے علاوہ جس کی علما نے تصریح کی ہے۔

ہے یا طلاق کا اصلاً واقع نہ ہونا ہے۔ اس طرح یہ طلاق، طلاق کنایہ ہے۔ جب پہلی قسم کا ارادہ کیا تو وہ واقع ہو جائے گی اور اسے دو بینونتوں سے ایک کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ وہ بینونت ہے جو تین سے کم ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا ایک طلاق بائنہ کا وقوع ہے کیونکہ طلاق کا وقوع لفظ صریح کے ساتھ نہیں بلکہ برئت کے لفظ کے ساتھ ہے۔ ''تامل''

13477۔ (قولہ: وَخَلَّیْتُ سَبِیلَ طَلَاقِكِ) اسی طرح خلیت طلاقك یا ترکت طلاقك ہے اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر طلاق کی نیت نہ کی تو طلاق واقع نہ ہوگی ''خانیہ''۔

13478۔ (قولہ: بِالتَّخْفِیفِ) یعنی لام مشدد نہیں بلکہ مخفف ہے جہاں تک اس لفظ کا تعلق ہے جس میں لام مشدد ہے تو وہ صریح ہے اس کے ساتھ نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح اس کے باب میں (مقولہ 13061 میں) گزر چکا ہے۔

13479۔ (قولہ: وَأَنْتِ أَطْلَقُ مِنْ امْرَأَةِ فُلَانٍ) اگر یہ قول عورت کے قول ان فلانا طلق امراتہ کا جواب ہو تو طلاق واقع ہوگی اور دیانۃً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ دلالت حال نیت کے قائم مقام ہے یہاں تک کہ اگر دلالت حال قائم نہ ہو تو طلاق صرف نیت کے ساتھ قائم ہوگی۔ ''نہر'' کے باب الصریح میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔ جب کہ یہ صریح میں سے نہیں ورنہ یہ نیت پر موقوف نہ ہوتی۔ ''الفتح'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ افعل التفضیل صریح نہیں۔ فافہم

13480۔ (قولہ: وَهِیَ مُطَلَّقَةٌ) حال یہ ہے کہ فلاں کی عورت کو طلاق ہو چکی ہے ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ ایسی قید ہے جسے ''البحر'' میں ذکر کیا ہے لیکن ''الفتح'' میں باب الصریح کے شروع میں ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ اسے طلاق تھی یا طلاق نہیں تھی۔ کہا: معنی یہ ہے کہ جب وہ مطلقہ نہ ہو فلانہ کی وجہ سے۔ مراد ہے کہ من امرأۃ فلان میں من تعلیلیہ ہے۔

13481۔ (قولہ: وَأَنْتِ طَ ا ل ق) ہم پہلے باب الصریح میں ''الذخیرہ'' سے اس کی علت بیان کر چکے ہیں کہ یہ حروف ایسے ہیں کہ ان سے وہی معنی سمجھا جاتا ہے جو صریح کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر انہیں اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس نیت کی ضرورت میں یہ کنایہ کی طرح ہے۔

13482۔ (قولہ: وَغَیْرُ ذَلِكَ) جس طرح یہ جملے ہیں: الطلاق علیك، وهبتك طلاقك، بعتك طلاقك جب عورت نے کہا: میں نے بدل کے بغیر طلاق خریدی۔ خذی طلاقك اقرضتك طلاقك، قد شاء الله طلاقك، قضا الله

(خَلَا اخْتَارِی) فَإِنَّ نِیَّةَ الثَّلَاثِ لَا تَصِحُّ فِیهِ أَیْضًا، وَلَا تَقَعُ بِهِ وَلَا بِأَمْرُكِ بِیَدِكِ مَا لَمْ تُطَلِّقِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا كَمَا یَأْتِی (الْبَائِنُ إِنْ نَوَاهَا أَوْ الثِّنْتَیْنِ)

سوائے اختاری اس میں بھی تین کی نیت صحیح نہیں اور اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ ہی امرک بیدك سے طلاق واقع ہوگی جب تک عورت اپنے آپ کو طلاق نہ دے جس طرح آگے آئے گا۔ طلاق بائن واقع ہوگی اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی یا دو طلاقوں کی نیت کی۔

طلاقك یا شئت طلاقك تمام الفاظ میں طلاق کی نیت کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ ''البحر'' میں زائد ذکر کیا ہے: الطلاق لك، الطلاق علیك، انت طال آخری حرف کو حذف کر دیا لستِ لی بامرأۃ، ما انا لكِ بزوج، اعرتُك طلاقك معاملہ عورت کے ہاتھ میں چلا جائے گا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔

اس کی مثل: طلقك الله ہے۔ یہی حق ہے اس سے اس نے اختلاف کیا جس نے کہا: اس کے لیے نیت شرط نہیں جس طرح شارح نے ''باب الصریح'' میں بیان کیا ہے۔ لیکن وہاں ہم نے پہلے (مقولہ 13063 میں) بیان کیا اس میں قول خذی طلاقك نیت کی شرط نہ لگانا صحیح ہے کیونکہ یہ صریح میں سے ہے۔ مگر جو یہ کہا گیا اصح قول کے مطابق یہ بھی صریح میں سے ہیں اعرتك طلاقك، وھبته لك، شئتُ طلاقك ہم نے وہاں (مقولہ 13109 میں) اس کے خلاف تصحیح کا قول نقل کیا ہے۔ فافہم

وہاں شارح نے بیان کیا ہے کہ انت طال گر کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ نیت پر موقوف نہیں ہوگا ورنہ نیت پر موقوف ہوگا۔ ہم وہاں (مقولہ 13107 میں) گفتگو کر چکے ہیں۔ وہاں ''الفتح'' میں ذکر کیا اگر اس نے کہا: انت ثلاث اگر چہ نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ تین لفظ کا محتمل ہے۔ اگر کہا: میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو جب مذاکرہ طلاق ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ یہ قول رد کا احتمال نہیں رکھتا بصورت دیگر اس کی تصدیق کی جائے گی۔

13483۔ (قوله: خَلَا اخْتَارِی) یہ قول وبباقیھا سے استثنا ہے آنے والے قول و ثلاث ان نواہ کو دیکھتے ہوئے اگر اسے اس کے بعد لائے کہ یہ کہتے ثلاث ان نواہ الا فی اختاری تو یہ زیادہ بہتر ہوتا ''ط''۔

13484۔ (قوله: لَا تَصِحُّ فِیهِ أَیْضًا) اس میں تین طلاقوں کی نیت کرنا صحیح نہیں جس طرح سابقہ الفاظ میں تین کی نیت کرنا صحیح نہیں ''ط''۔

13485۔ (قوله: مَا لَمْ تُطَلِّقِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا) اگر چہ خاوند طلاق کی نیت کرے یا دلالت حال موجود ہو کیونکہ یہ طلاق تفویض کرنے سے کنایہ ہے ایقاع سے کنایہ نہیں۔ جس طرح آنے والے باب میں (مقولہ 13737 میں) آئے گا۔

13486۔ (قوله: الْبَائِنُ) رفع کے ساتھ یقع کا فاعل ہے جو اس قول ویقع بباقیھا میں موجود ہے۔

13487۔ (قوله: إِنْ نَوَاهَا) یعنی ایک کی نیت کی۔ یہ ضمیر بائن کے لیے نہیں۔ ضمیر کو مونث ذکر کیا۔ کیونکہ یہ طلقه کے معنی میں ہے کیونکہ طلاق بائن کا وقوع اس کی نیت پر موقوف نہیں۔ اور اس کا قول او الثنتین کا ہا پر عطف ہے۔

لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الطَّلَاقَ مَصْدَرٌ لَا يَحْتَمِلُ مَحْضَ الْعَدَدِ (وَثَلَاثٌ إِنْ نَوَاهُ) لِلْوَحْدَةِ الْجِنْسِيَّةِ وَلِذَا صَحَّ فِي الْأَمَةِ نِيَّةُ الثِّنْتَيْنِ (قَالَ اعْتَدِّي ثَلَاثًا وَنَوَى بِالْأَوَّلِ طَلَاقًا وَبِالْبَاقِي حَيْضًا صُدِّقَ)

کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ طلاق مصدر ہے۔ یہ محض عدد کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور تین طلاقیں ہوں گی اگر اس نے تین کی نیت کی۔ یہ تین طلاقیں وحدت جنسیہ کی وجہ سے ہیں۔ اسی وجہ سے لونڈی میں دو طلاقوں کی نیت صحیح ہے۔ خاوند نے تین دفعہ کہا: اعتدی اور پہلی دفعہ سے طلاق کی نیت کی اور دو باقی دفعہ سے حیض کی نیت کی تو اس کی قضاء

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک یا دو کی نیت کی تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی یہاں تک کہ اگر آزاد عورت کو ایک طلاق دی پھر اسے طلاق بائنہ دی اور دو طلاقوں کی نیت کی تو وہ ایک طلاق ہوگی اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ اس کے حق میں جدائی ان دو طلاقوں اور ایک سابقہ کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''باب الصریح'' میں یہ (مقولہ 13093 میں) گزر چکا ہے کہ ''جوہرہ'' میں جو کچھ ہے وہ سہو ہے ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

13488۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الطَّلَاقَ مَصْدَرٌ) اس میں ہے کہ پہلے تین الفاظ کو چھوڑ کر کنایات کے الفاظ لفظ طلاق کو متضمن نہیں۔ کیونکہ یہ اس سے کنایہ ہیں جو انہیں اور ان کے حکم کو عام ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ اصلاً طلاق وارد نہیں بلکہ بینونت وارد ہوئی جس طرح ہم نے باب کے آغاز میں پہلے (مقولہ 13432 میں) بیان کر دیا ہے ورنہ ان الفاظ کے ساتھ طلاق رجعی ہی واقع ہوتی جس طرح پہلے تین الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جن میں طلاق کا لفظ صراحۃً ذکر کیا گیا ہو۔ پس مناسب یہ ہے کہ بینونت کے ساتھ تعبیر کی جائے۔ کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر الفاظ وحدان میں سے ہے۔ اس میں عدد محض کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ وحدت کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ وہ فرد حقیقی یا فرد جنسی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ تثنیہ ان سے جدا ہے کیونکہ وہ عدد محض ہے۔ پھر میں نے صاحب ''الجوہرہ'' کو دیکھا انہوں نے بینونہ کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جس طرح ہم نے بدل الطلاق کہا۔

جو ہم نے ثابت کیا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ مصدر سے مراد کنایہ کے الفاظ کی ذات نہیں یہاں تک کہ اس پر اعتراض کیا جائے جیسے سرحتك، فارقتك، خلية، برية ان میں کوئی مصدر نہیں۔

13489۔ (قولہ: وَلِذَا صَحَّ فِي الْأَمَةِ) کیونکہ لونڈی کے حق میں دو کل جنس ہیں جس طرح آزاد کے حق میں تین کل جنس ہے۔

13490۔ (قولہ: قَالَ اعْتَدِّي ثَلَاثًا) اعتدی کا قول اس نے تین دفعہ کیا۔

13491۔ (قولہ: وَبِالْبَاقِي حَيْضًا) یہ اس صورت میں ہوگا جب خطاب ایسی بیوی کو ہو جو ذوات الحیض میں سے ہو۔ اگر وہ مایوسی کی مدت کو پہنچی ہوئی ہے یا ابھی چھوٹی ہے تو وہ کہے: میں نے پہلے لفظ سے طلاق مراد لی اور دوسرے لفظ سے مہینوں کی صورت میں عدت گزارنا مراد لیا ہے تو اس کا حکم اسی طرح ہوگا، ''فتح''۔

قَضَاءً لِنِيَّتِهِ حَقِيقَةَ كَلَامِهِ (وَإِنْ لَمْ يَنْوِ بِهِ) أَيْ بِالْبَاقِي (شَيْئًا فَثَلَاثٌ) لِدَلَالَةِ الْحَالِ بِنِيَّةِ الْأَوَّلِ: حَتَّى لَوْ نَوَى بِالثَّانِي فَقَطْ فَثِنْتَانِ أَوْ بِالثَّالِثِ فَوَاحِدَةٌ، وَلَوْ لَمْ يَنْوِ بِالْكُلِّ لَمْ يَقَعْ، وَأَقْسَامُهَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ ذَكَرَهَا الْكَمَالُ وَيُزَادُ لَوْ نَوَى بِالْكُلِّ وَاحِدَةً

تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنی کلام کے حقیقی معنی کی نیت کی۔ اگر اس نے باقی دفعہ سے کچھ نیت نہ کی تو تین طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ پہلی دفعہ سے نیت کرنے کے ساتھ دلالت حال پائی گئی یہاں تک کہ صرف دوسری دفعہ سے نیت کی تو دو طلاقیں ہوں گی یا تیسری دفعہ سے نیت کی تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کسی سے بھی طلاق کی نیت نہ کی تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس کی چوبیس قسمیں ہیں۔ جنہیں کمال نے ذکر کیا ہے اور یہ زائد کہا جائے گا اگر تمام سے ایک کی نیت کرے۔

13492۔ (قولہ: لِنِيَّتِهِ حَقِيقَةَ كَلَامِهِ) حقیقت کلام سے مراد ہے کہ طلاق کے بعد اس نے حیض کے ساتھ عدت گزارنے کے امر کا ارادہ کیا۔

13493۔ (قولہ: بِنِيَّةِ الْأَوَّلِ) دلالت حال اس وجہ سے متحقق ہوا کہ پہلے لفظ کے ساتھ طلاق واقع کرنے کی نیت کی۔ ''فتح القدیر'' میں کہا: جو ذکر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مذاکرہ طلاق کی حالت سوال پر منحصر نہیں۔ یہ اس کے برعکس ہے جس کو انہوں نے پہلے بیان کیا کہ یہ عورت کے سوال کرنے کی حالت میں ہو یا اجنبی آدمی کے اس کی طلاق کے سوال کرنے کی حالت ہو بلکہ یہ اس سے اور محض طلاق واقع کرنے کی ابتدا سے عام ہے۔

13494۔ (قولہ: حَتَّى) دلالت حال کے اعتبار کرنے سے جو معنی سمجھا گیا ہے اس پر تفریع ہے ''ط''۔

13495۔ (قولہ: لَوْ نَوَى بِالثَّانِي فَقَطْ) یعنی اگر دوسرے اعتدی سے طلاق کی نیت کی اور دوسرے الفاظ سے کوئی نیت نہ کی تو دو طلاقیں ہوں گے۔ یعنی دوسرے لفظ سے ایک طلاق اور اسی طرح تیسرے لفظ سے الگ طلاق ہوگی اگرچہ تیسرے سے کوئی نیت نہ کرے۔ کیونکہ دوسرے لفظ سے طلاق واقع کرنے کے ساتھ دلالت حال پائی جا رہی ہے۔ پہلے لفظ سے کوئی چیز واقع نہ ہوگی کیونکہ اس کے ساتھ اس نے کسی چیز کی نیت نہ کی تھی اور دلالت حال اس کے بعد پائی گئی۔

13496۔ (قولہ: أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ) اس کا حاصل یہ ہے: یا تو وہ سب سے طلاق کی نیت کرے گا یا پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا یا حیض کی نیت کرے گا کسی اور شے کی نیت نہ کرے گا۔ پہلے دو الفاظ سے طلاق کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہ کرے گا یا پہلے اور تیسرے سے اسی طرح نیت کرے گا یا دوسرے اور تیسرے سے طلاق کی نیت کرے گا اور پہلے سے حیض کی نیت کرے گا۔ ان چھ صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

یا دوسرے لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہ کرے گا یا پہلے سے طلاق اور دوسرے سے حیض کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا پہلے دو سے حیض کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا پہلے اور تیسرے لفظ سے حیض کی نیت کرے گا یا پہلے دو سے حیض کی نیت کرے گا یا پہلے اور دوسرے سے طلاق کی نیت کرے گا تیسرے لفظ سے حیض کی نیت

....

کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا پہلے اور دوسرے سے طلاق کی نیت کرے گا اور تیسرے سے حیض کی نیت کرے گا یا پہلے اور تیسرے سے حیض کی نیت کرے گا اور دوسرے سے طلاق کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہ کرے گا۔ یہ گیارہ صورتیں ہیں جن میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

یا ہر ایک سے حیض کی نیت کرے گا یا تیسرے سے طلاق کی نیت کرے گا یا حیض کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا دوسرے سے طلاق اور تیسرے سے حیض کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا آخری دو سے حیض کی نیت کرے گا کوئی اور نیت نہیں کرے گا یا پہلے سے طلاق دوسرے اور تیسرے سے حیض کی نیت کرے گا۔ ان چھ صورتوں مین ایک طلاق واقع ہوگی۔

چوبیسویں صورت یہ ہے: ان میں کوئی نیت نہ کرے تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ قاعدہ یہ ہے جب اس نے ایک لفظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق کا مذاکرہ ثابت ہو گیا۔ اگر مابعد سے حیض کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ طلاق کے بعد حیض شمار کرنے کا امر ظاہر ہے۔ مابعد میں نیت نہ ہونے کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جب طلاق کی کسی لفظ کے ساتھ نیت نہ کی تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح جس لفظ میں نیت کی تو اس سے پہلے جو الفاظ ہیں ان کا بھی یہی حکم ہوگا ایک لفظ سے حیض کی نیت کی جب کہ وہ کسی سے پہلے نہ ہو جس سے طلاق کی نیت نہ ہو تو اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اور طلاق کے مذاکرہ کی حالت ثابت ہو جائے گی تو اس میں مذکورہ حکم جاری ہوگا۔ جب اس سے پہلے ایک ایسا لفظ گزرا ہو جس کے ساتھ طلاق کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے تو اس کے ساتھ دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''النہر'' میں ''الفتح'' سے اسی طرح مروی ہے، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ہم مزید وضاحت کے لیے بعض گزشتہ صورتوں میں اس قاعدہ کو واضح کریں گے جب وہ پہلے لفظ سے حیض کی نیت کرے کوئی اور نیت نہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے حیض کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی لفظ کے ساتھ اسے طلاق نہیں دی گئی۔ جب دوسرے اور تیسرے لفظ سے بھی حیض کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ ان دونوں سے قبل پہلی طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اگر پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی اور دوسرے لفظ سے حیض کی نیت کی کوئی اور نیت نہ کی تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ دوسرے لفظ سے حیض کی نیت کرنا صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے لفظ سے طلاق واقع کی جا چکی ہے۔ جب تیسرے لفظ سے کوئی نیت نہ کی تو اس کے ساتھ ایک اور طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ پہلی طلاق کے واقع کرنے کے ساتھ مذاکرہ طلاق موجود ہے۔ جب تمام الفاظ سے حیض کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور وہ پہلے لفظ کے ساتھ طلاق ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے طلاق واقع نہیں کی گئی۔ دوسرے اور تیسرے لفظ کے ساتھ حیض کی نیت کرنا صحیح ہے کیونکہ ان دونوں سے پہلے ایک طلاق واقع کی جا چکی ہے۔ اس پر قیاس کرو۔

فَوَاحِدَةٌ دِيَانَةً وَثَلَاثٌ قَضَاءً؛ وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ اعْتَدِّي أَوْ عَطَفَهُ بِالْوَاوِ أَوْ الْفَاءِ، فَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ أَوْ ثِنْتَيْنِ وَقَعَتَا، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ فَفِي الْوَاوِ ثِنْتَانِ وَفِي الْفَاءِ قِيلَ وَاحِدَةٌ وَقِيلَ ثِنْتَانِ

ایک دیانۃً اور تین طلاقیں قضاءً واقع ہوں گی اگر اس نے کہا: انت طالق اعتدی یا واؤ یا فا کے ساتھ عطف کیا۔ اگر ایک کی نیت کی تو ایک ہوگی یا دو کی نیت کی تو دونوں واقع ہو جائیں گی اگرچہ نیت نہ کی۔ اور واؤ ذکر کرنے میں دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حرف عطف فا ذکر کرے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک طلاق ہوگی۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو طلاقیں ہوں گی۔

13497۔ (قولہ: فَوَاحِدَةٌ دِيَانَةً) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ تاکید کا قصد کیا ہو جس طرح انت طالق "فتح"۔

13498۔ (قولہ: وَثَلَاثٌ قَضَاءً) کیونکہ وہ ہر لفظ سے ایک تہائی طلاق کا قصد کرنے والا ہے اور طلاق ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ پس وہ طلاق مکمل ہو جائے گی پس تین طلاقیں واقع ہوں گی "بحر" میں "المحیط" سے مروی ہے۔ "الفتح" میں ہے: تاکید ظاہر کے خلاف ہے اور تو جانتا ہے کہ عورت قاضی کی طرح ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ خاوند کو اپنے اوپر قدرت دے جب خاوند کی جانب سے اسے ایسے امر کا علم ہوا ہو جو خاوند کے مدعا کے خلاف ہو۔

"البحر" میں "المحیط" سے مروی ہے: اگر خاوند نے کہا: میں نے ایسی طلاق کا قصد کیا ہے جس کے ساتھ عورت تین حیضوں کے ساتھ عدت گزارے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا احتمال ہے اور ظاہر اس کو جھٹلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی مثل "کافی الحاکم الشہید" میں ہے۔

13499۔ (قولہ: فَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً) جیسے اس نے تینوں صورتوں میں اعتدی سے طلاق مراد نہیں لی مگر حیض کے ساتھ عدت گزارنے کا حکم ہے تو خاوند کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ طلاق کے بعد عدت گزارنے کا امر ظاہر ہے جس طرح پہلے (مقولہ 13496 میں) گزر چکا ہے۔

13500۔ (قولہ: وَقَعَتَا) یہ دونوں طلاقیں رجعی ہوں گی کیونکہ اعتدی کے ساتھ طلاق بائن واقع نہیں ہوتی جس طرح تجھے علم ہے۔

13501۔ (قولہ: فَفِي الْوَاوِ ثِنْتَانِ) یہی حکم ہوگا جب اصلاً عطف نہ کیا جائے کیونکہ دونوں صورتوں میں امر مستانف اور نئی کلام ہوگی۔ مذاکرہ طلاق کی حالت میں اسے طلاق پر محمول کیا جائے گا۔ "بحر" میں "المحیط" سے مروی ہے۔

13502۔ (قولہ: قِيلَ وَاحِدَةٌ) "المحیط" میں اسے یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہی مذہب ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ فا وصل کے لیے ہوتا ہے پس یہ فائدہ دیتا ہے کہ امر کو حیض کے ساتھ عدت گزارنے پر محمول کیا جائے۔

13503۔ (قولہ: وَقِيلَ ثِنْتَانِ) "الخانیہ" میں اسی پر گامزن ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے مذاکرہ کی وجہ سے امر کو طلاق پر محمول کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: پہلی صورت زیادہ مناسب ہے۔ تامل

(طَلَّقَهَا وَاحِدَةً) بَعْدَ الدُّخُولِ (فَجَعَلَهَا ثَلَاثًا صَحَّ كَمَا لَوْ طَلَّقَهَا رَجْعِيًّا فَجَعَلَهُ) قَبْلَ الرَّجْعَةِ (بَائِنًا) أَوْ ثَلَاثًا، وَكَذَا لَوْ قَالَ فِي الْعِدَّةِ أَلْزَمْتُ امْرَأَتِي ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ أَوْ أَلْزَمْتُهَا بِتَطْلِيقَتَيْنِ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ

مرد نے عورت کو حقوق زوجیت کے بعد ایک طلاق دی پھر اسے تین بنا دیا تو یہ صحیح ہوگا جس طرح خاوند نے عورت کو طلاق رجعی دی تو اسے رجوع سے پہلے بائنہ یا تین طلاقیں بنا دیا۔ اسی طرح اگر عدت میں کہا: میں نے اسی طلاق کے ساتھ عورت کو تین طلاقیں لازم کر دیں یا میں نے اس ایک طلاق کے ساتھ دو طلاقیں لازم کر دیں۔

13504۔ (قولہ: طَلَّقَهَا وَاحِدَةً) ''ذخیرہ'' وغیرہا کی عبارت ہے: مرد نے عورت کو طلاق رجعی دی پھر عدت میں کہا: میں نے اس طلاق کو بائنہ یا تین بنا دیا ہے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ یہ مصنف کی عبارت سے مختصر ہے اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور اسے فی العدۃ کے قول کے ساتھ مقید کیا کیونکہ عدت کے بعد عورت اجنبی ہو جاتی ہے پھر اس کی طلاق کو تین یا بائنہ بنانا ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے شارح نے اسے ''بعد الدخول'' کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ حقوق زوجیت سے پہلے اسے تین بنانا صحیح نہیں کیونکہ عدت نہ ہونے کی وجہ سے بائنہ یا تین بنانے سے پہلے ہی وہ جدا ہو گئی۔ اور قبل الرجعۃ کے قول کے ساتھ قید لگائی کیونکہ اس کے بعد طلاق کا عمل باطل ہو جاتا ہے پس اسے بائنہ یا تین بنانا متعذر رہے۔ جب وہ عدت میں اسے بائنہ بنائے گا تو اس کی عدت وہاں سے شمار ہوگی جہاں سے اس نے بیوی کو طلاق رجعی دی تھی جس طرح اسے ''بزازیہ'' میں ذکر کیا یعنی اس دن سے عدت شمار نہ ہوگی جس دن سے اس نے طلاق رجعی کو بائنہ بنایا ہے۔ ہم باب الصریح کے شروع میں پہلے ہی (مقولہ 13073 میں) ''البدائع'' سے نقل کر چکے ہیں کہ ایک کو تین بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس عورت کو دو طلاقیں لاحق کیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے ایک کو تین بنا دیا ہے۔

آدمی نے طلاق کا ذکر کیا اور خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا تین

تنبیہ

عدد کے بغیر طلاق کا ذکر کیا اس کے خاموش ہونے کے بعد اسے کہا گیا کتنی؟ اس نے کہا: تین، شیخین کے نزدیک اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس سے سوال نہ کیا گیا اور اس نے خاموش ہونے کے بعد کہا: تین۔ اگر تو اس کا خاموش ہونا نفس ٹوٹنے کی وجہ سے ہو تو اسے تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ وہ مجبور تھا پس اس کی خاموشی فاصل نہ ہوگی ورنہ ایک طلاق ہوگی جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: خاوند نے کہا: تجھے طلاق ہے۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد اسے کہا گیا کتنی؟ اس نے کہا تین تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین ہوں گی۔

فائدہ: جوہرہ کی عبارت ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ ''مترجم''۔

''خانیہ'' میں ہے: یہ احتمال ہے کہ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہو کیونکہ آپ کے نزدیک جب خاوند نے ایک طلاق دی

فَهُوَ كَمَا قَالَ؛ وَلَوْ قَالَ إِنْ طَلَّقْتُكِ فَهِيَ بَائِنٌ أَوْ ثَلَاثٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا يَقَعُ رَجْعِيًّا لِأَنَّ الْوَصْفَ لَا يَسْبِقُ الْمَوْصُوفَ كَمَا مَرَّ فَتَنَبَّهْ كَرِ (الصَّرِيحُ يَلْحَقُ الصَّرِيحَ
تو حکم اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا اور اگر خاوند نے کہا اگر میں تجھے طلاق دوں تو وہ بائنہ ہوگی یا تین طلاقیں ہوں گی پھر اس نے عورت کو طلاق دے دی تو اسے طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ وصف موصوف سے پہلے نہیں ہوتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اسے یاد رکھ۔ طلاق صریح صریح طلاق کو لاحق ہوگی

پھر کہا: میں نے اسے تین بنا دیا تو تین ہو جائیں گی۔

اس سے اس کا حکم معلوم ہوتا ہے جب طلاق دینے والے سے کہا گیا: تین کہہ دو تو وہ کہے: تین تو بدرجہ اولیٰ تین واقع ہوں گی۔ کیونکہ اس میں جعل زیادہ نمایاں ہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے: خاوند نے عورت سے کہا: تجھے ایک طلاق ہے۔ عورت نے کہا: ہزار تو خاوند نے کہہ دیا ہزار۔ تو اس نے جونیت کی وہی معتبر ہوگی ورنہ کوئی چیز نہ ہوگی ہزار فارسی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں اسے الف کہتے ہیں۔

یہ اس کے مخالف نہیں جو ہم نے سمجھا ہے کیونکہ عورت نے اسے حکم نہیں دیا کہ وہ اسے ہزار بنا دے۔ بے شک اس نے محتمل تعریض پیش کی۔ جس میں ہم ہیں اس میں خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ اسے تین بنا دے تو اس نے جواب دیا۔ جواب اس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہوتا ہے جو سوال میں موجود ہوتا ہے جس طرح ہمارے شیخ المشائخ ''السائحانی'' کے مخطوطہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو امر ظاہر ہوا ہے کہ عورت کا خاوند کو یہ قول: تین کہہ دے یہ پہلی کلام کے ساتھ عدد لاحق کرنے کا عمل ہے تو اسے لاحق نہیں کیا جائے گا جس طرح وہ خاموش ہونے کے بعد طلب کے بغیر تکلم کرے۔ ہاں اگر اس نے عورت سے کہا: انت طالق تو عورت نے کہا: مجھے تین طلاقیں دے دو تو خاوند نے تین کہہ دیا تو اس کے جعل اور انشاء بنانے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ یہ طلب کا جواب ہے۔ واللہ اعلم

13505۔ (قولہ: فَهُوَ كَمَا قَالَ) یعنی پہلی صورت میں تین ہوں گی اور دوسری صورت میں دو ہوں گی جس طرح ''خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس نے پہلی طلاق کے ساتھ دو طلاقیں پہلی صورت میں اور ایک طلاق دوسری صورت میں لاحق کی ہے۔

13506۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی غیر مدخول بہا کی طلاق سے تھوڑا پہلے گزرا ہے ''ح''۔ قولہ فتنذ کر اس قول کے ساتھ وہاں صاحب ''البحر'' کے ساتھ مسئلہ تعلیق میں سابقہ بحث ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں جو کچھ ہے اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔

طلاق صریح، صریح اور بائن کے ساتھ لاحق ہوتی ہے

13507۔ (قولہ: الصَّرِيحُ يَلْحَقُ الصَّرِيحَ) جس طرح خاوند نے عورت سے کہا: انت طالق پھر کہا: انت طالق یا

وَ يَلْحَقُ (الْبَائِنَ) بِشَرْطِ الْعِدَّةِ (وَ الْبَائِنُ يَلْحَقُ الصَّرِيحَ) الصَّرِيحُ مَا لَا يَحْتَاجُ إِلَى نِيَّةٍ

اور طلاق بائنہ کو بھی لاحق ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ عدت موجود ہو۔ طلاق بائن طلاق صریح کو لاحق ہوتی ہے۔ صریح وہ ہوتی ہے جس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی

اسے مال پر طلاق دی تو اسے دوسری طلاق واقع ہو جائے گی، ''بحر''۔ دوسری جو صریح طلاق ہے اس میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائنہ ہو۔

13508۔ (قولہ: وَ يَلْحَقُ الْبَائِنَ) جس طرح مرد نے عورت سے کہا: انت بائن یا عورت سے مال پر خلع کیا پھر کہا: انت طالق یا کہا ھذہ طالق۔ ''بحر'' میں ''البزازیہ'' سے مروی ہے۔ پھر کہا: جب طلاق صریح طلاق بائن کو لاحق ہو تو وہ طلاق بائن ہوگی۔ کیونکہ سابقہ بینونت اس پر رجوع کو روک دیتی ہے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔ یہ بھی کہا: ہم نے اس صریح کو مقید کیا جو ان کو لاحق ہوئی خاوند نے اس کے ساتھ عورت کو خطاب کیا اور اس کی طرف اشارہ کیا اس سے بچنے کے لیے جب کہا: میری ہر بیوی کو طلاق۔ کیونکہ یہ خلع لینے والی پر قول واقع نہیں ہوتا۔ شارح عنقریب اپنے اس قول ویستثنی مافی ''البزازیہ'' میں اس کی وضاحت کریں گے اس میں عنقریب (مقولہ 13542 میں) کلام آئے گا۔

13509۔ (قولہ: بِشَرْطِ الْعِدَّةِ) یہ شرط لاحق کرنے کی تمام صورتوں میں لازمی ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اسے تمام سے پیچھے ذکر کیا جاتا، ''ح''۔

13510۔ (قولہ: الصَّرِيحُ مَا لَا يَحْتَاجُ إِلَى نِيَّةٍ) یہاں سے لے کر علی المشهور تک ضروری تھا کہ اس کا ذکر: والبائن یلحق الصریح سے پہلے ہوتا۔ کیونکہ یہ سب پہلے جملہ کے متعلقات میں سے ہے۔ میری مراد اس کا یہ قول ہے: الصریح یلحق الصریح والبائن کیونکہ دوسرے جملہ میں صریح سے مراد خصوصاً طلاق رجعی ہے جس طرح تو قریب ہی (مقولہ 13517 میں) اسے پہچان لے گا۔ یعنی یہاں صریح سے مراد حقیقت ہے کوئی خاص نوع نہیں۔ یعنی وہ نوع جس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہو بلکہ یہ اس سے عام ہے۔ جہاں تک ان کنایات کا تعلق ہے جن کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جیسے اعتدی، استبرئی رحمك، انت واحدۃ اور جو اسے لاحق ہوا اگرچہ وہ نیت کی شرط کے ساتھ ظاہر روایت میں طلاق بائن کو لاحق ہوتی ہے لیکن جب اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے تو وہ صریح کے معنی میں ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ یعنی یہ صریح کے ساتھ لاحق کی جائیں گی اس حکم میں کہ یہ بائنہ کو لاحق ہوتی ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ''المنح'' میں کہا: ان الفاظ کی صحت اضمار کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس کے قول انت واحدۃ کا معنی انت طالق طلقة واحدة ہے۔ پس حکم صریح کا ہوگا۔ لیکن نیت کا ہونا ضروری ہے تاکہ یہ مضمر ثابت ہو۔

اس کے صریح کے حکم میں ہونے کی وجہ کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس میں مضمر ہے اور طلاق کا واقع کرنا اس مضمر کے ساتھ ہے اس کے ساتھ نہیں جو ظاہر ہے۔ لیکن اس کا مضمر کی حیثیت سے ثبوت نیت پر موقوف ہے۔ نیت کے ساتھ اس کے ثبوت کے بعد نیت کی ضرورت نہیں۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ انت علی حرام مفتی بہ قول کے مطابق یہ

بَائِنًا كَانَ الْوَاقِعُ بِهِ أَوْ رَجْعِيًّا فَتْحٌ فَمِنْهُ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ فَيَلْحَقُهُمَا،
خواہ اس کے ساتھ واقع ہونے والی طلاق بائن ہو یا رجعی ہو،''فتح''۔ان سے تین طلاقیں ہیں جو دونوں کو لاحق ہوتی ہے۔

نیت پر موقوف نہیں جب کہ یہ بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی اور بائنہ اسے بھی لاحق نہیں ہوتی کیونکہ یہ خود طلاق بائنہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نیت پر موقوف نہ ہونا ایک ایسا امر ہے جو اسے لاحق ہوا ہے یہ اصل وضع کے اعتبار سے نہیں۔

13511۔(قولہ: بَائِنًا كَانَ الْوَاقِعُ بِهِ أَوْ رَجْعِيًّا) ہم نے ''فصل الصریح'' کے شروع میں جو ''البدائع'' سے (مقولہ 13072 میں) قول نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ صریح کی دو قسمیں ہیں: صریح رجعی، صریح بائن۔اس وقت اس میں طلاق رجعی اور مال پر طلاق اس میں داخل ہوتی ہے۔اسی طرح جو اس فصل سے پہلے گزرا ہے جس میں غیر مدخول بہا کی طلاق کا ذکر ہے کہ وہ الفاظ صریح جن کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے جیسے انت طالق بائن، البتة، افحش الطلاق، طلاق الشیطان طلاقة طویلة یا طلقة عریضة۔یہ سب صریح ہیں نیت پر موقوف نہیں اور ان کے ساتھ طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ صریح اور بائن کو لاحق ہوتی ہے۔''الخلاصہ'' میں کہا: صریح بائن کو لاحق ہوتی ہے اگر چہ وہ رجعی نہ ہو یہ چیز ذہن نشین کر لو جب کہ ''المنصوری'' جو ''مسعودی'' کی شرح ہے جو راسخ محقق ''ابو منصور سجستانی'' کی ہے کہ وہ عورت جو خلع لیتی ہے اسے صریح طلاق لاحق ہوتی ہے جب خلع لینے والی عدت گزار رہی ہو اور کنایہ بھی اسے لاحق ہوتا ہے جب کہ وہ صریح کے حکم میں ہے جیسے اعتدی۔پھر کہا: کنایات اور بائنہ طلاق میں اسے لاحق نہیں ہوتیں یعنی جس نے خلع لیا ہو۔اگر طلاق رجعی ہو تو کنایات اسے لاحق ہوتے ہیں کیونکہ نکاح کی ملکیت باقی ہے۔''عقد الفرائد'' میں کہا: یہ اس کی تائید کر رہا ہے جو ''الفتح'' میں ہے۔''منصوری'' کے قول والبوائن میں عطف کا معنی ہے جو بائنہ طلاق اس نے واقع کی کنایہ کا لفظ نہیں۔کیونکہ بائن کا ذکر لغو ہو جاتا ہے جس طرح علما نے اس پر اتفاق کیا ہے۔''النہر'' میں اسے نقل کیا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ واؤ جو والبوائن میں ہے یہ ناسخ (لکھنے والا) کی جانب سے زائد ہے۔اور ''منصوری'' کی مراد وہ کنایات ہیں جن سے طلاق بائنہ واقع ہو اور ان کنایات کے مقابل ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہو جن کا ذکر پہلے کیا۔کیونکہ تو جانتا ہے کہ کنایات کے لفظ کے بغیر بائنہ اس صریح میں سے ہے جو بائنہ کو لاحق ہوتی ہے۔ورنہ یہ ''الفتح'' کے کلام کے منافی ہوگا اس کا مؤید نہیں ہوگا۔فتدبر

13512۔(قولہ: فَمِنْهُ) یعنی جب تو پہچان چکا ہے کہ ان کا قول الصریح یلحق الصریح والبائن یہاں صریح سے مراد ہے جسے ذکر کیا جائے کہ اس سے ظاہر ہو کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی تو وہ دونوں کو لاحق ہوں گی یعنی صریح کو لاحق ہوں گی اور بائنہ کو لاحق ہوں گی جب ایک مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی پھر عدت میں اسے تین طلاقیں دے دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی یہ حلب کا واقعہ ہے۔''فتح القدیر'' میں کہا: حق یہ ہے کہ یہ اسے لاحق ہوں گی کیونکہ تو جان چکا ہے کہ صریح اگرچہ بائنہ ہو بائن کو لاحق ہوگی اور بائن سے مراد جو لاحق نہیں ہوتی وہ وہ ہے جو کنایہ ہو۔

ان کے شاگرد ''ابن شحنہ'' نے ''عقد الفرائد'' میں ان کی پیروی کی ہے۔صاحب ''البحر''، ''النہر''، ''المنح''، ''المقدسی''،

وَكَذَا الطَّلَاقُ عَلَى مَالٍ فَيَلْحَقُ الرَّجْعِيَّ وَيَجِبُ الْمَالُ، وَالْبَائِنَ وَلَا يَلْزَمُ الْمَالُ كَمَا فِي الْخُلَاصَةِ فَالْمُعْتَبَرُ فِيهِ اللَّفْظُ لَا الْمَعْنَى عَلَى الْمَشْهُورِ

اسی طرح وہ طلاق جو مال پر واقع ہو وہ طلاق رجعی کو لاحق ہوگی اور مال لازم ہوگا اور طلاق بائن کو لاحق ہوگی اور مال لازم نہیں ہوگا جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اس میں معتبر لفظ ہے معنی معتبر نہیں۔ یہ مشہور قول ہے۔

''شرنبلالی'' وغیرہم نے اسی طرح کہا ہے۔ ہم نے ''الخلاصہ'' سے جو ابھی ابھی (مقولہ 13511 میں) نقل کیا ہے یہ اس میں صریح ہے۔ ''الدرر والغرر'' کے صاحب نے اسی کی تائید کی ہے جس طرح ہم قریب ہی (مقولہ 13516 میں) ذکر کریں گے برعکس ان کے جنہوں نے تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔ یہ مشہور کے خلاف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

13513۔ (قولہ: وَكَذَا الطَّلَاقُ عَلَى مَالٍ) یہ بھی طلاق صریح میں سے ہے اگرچہ اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

13514۔ (قولہ: وَالْبَائِنَ) یہ منصوب ہے اس کا عطف الرجعی پر ہے۔

13515۔ (قولہ: وَلَا يَلْزَمُ الْمَالُ) یعنی جب اس نے طلاق بائنہ دی پھر عدت میں مال پر طلاق دی تو دوسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مال خاوند کو اس لیے عطا کیا جاتا ہے تاکہ اس سے حتمی خلاصی حاصل ہو جب کہ وہ تو اسے حاصل ہے جس طرح ''البحر'' میں ''البزازیہ'' سے مروی ہے یعنی یہ ماقبل کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب اسے طلاق رجعی دی تو خلاصی عدت کے ختم ہونے پر موقوف ہوتی ہے جب اس کے بعد عدت میں مال پر طلاق دی تو مال لازم ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ فی الحال خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں کہا: پھر جان لو اگرچہ ہمارے مسئلہ میں مال لازم نہیں ہوگا پھر بھی طلاق کے وقوع میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ خاوند کا قول: انت طالق علی الف یہ عورت کے قبول کرنے پر معلق ہے۔ پس شرط کے پائے جانے کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

صریح طلاق میں اعتبار لفظ کا ہوتا ہے معنی کا نہیں

A-13515۔ (قولہ: فَالْمُعْتَبَرُ فِيهِ) یعنی صریح میں یہاں معتبر لفظ ہے یعنی اس کا صریح الفاظ میں سے ہونا ضروری ہے اگرچہ اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے لفظ سے مراد جو مضمر کو شامل ہو جس طرح کنایات رجعیہ میں ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

13516۔ (قولہ: عَلَى الْمَشْهُورِ) یہ ان کا رد ہے جنہوں نے حلب کے واقعہ میں کہا جو ابھی گزرا ہے کہ تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ وہ معنی میں بائنہ ہے۔ اور بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی۔ معنی کا اعتبار لفظ کے اعتبار سے اور اسے اصح مفتی بہ قول بنانے سے اولیٰ ہے۔ مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الحاوی الزاہدی''، ''الاسرار'' جو ''نجم الدین'' کی تالیف ہے کی طرف منسوب ہے خاوند نے عورت سے

(لَا) یَلْحَقُ الْبَائِنُ (الْبَائِنَ)
اور بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔

کہا: انت بائن پھر عدت میں کہا: انت طالق ثلاثا "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ معنی میں تین بینونہ غلیظہ ہے "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک یہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ لفظوں میں صریح ہیں۔ صحیح ترین "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے لفظ کا نہیں ہوتا۔ پھر "شرح العیون" کی طرف اسی کی مثل منسوب کیا ہے پھر ایک اور کتاب کی طرف منسوب کیا کہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ فتویٰ آپ کے قول پر ہے۔ پھر کہا: "فصول الاستروشنی" میں اسی کی مثل ہے۔

مصنف نے "المنح" میں اس کا رد کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ اور "شرنبلالیہ" میں ان سے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہے کہ "زاہدی" ضعیف روایات نقل کرتے ہیں جن میں وہ منفرد ہوتے ہیں ان روایات میں ان کی پیروی نہیں کی جاتی۔ "خلاصہ" "بزازیہ" وغیرہما سے روایت پائی گئی ہے جو اس کے مخالف ہے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 13512 میں) بیان کر چکے ہیں۔ "الدرر" اور "الیعقوبیہ" میں اس کے خلاف پر استدلال کیا ہے جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ "فتح القدیر" میں جو ذکر کیا ہے اتباع کے لیے وہ ہمیں کافی ہے اور مابعد علما نے ان کی اتباع کی ہے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13512 میں) بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے اس پر اعتماد کیا اور اسے مشہور بنایا ہے۔ اور جو چیز اس پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے اگر خاوند نے عورت کو طلاق دی پھر اس کے ساتھ خلع کیا پھر خلع کی عدت میں کہا: انت طالق یہ لفظ صریح ہے اور معنیٰ بائنہ ہے اور یہ قطعا واقع ہے۔ علما نے اس آیت فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ:229) سے بائن کے بعد صریح کے لاحق ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس آیت سے مراد خلع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ (البقرہ:230) فا تعقیب کے لیے ہے۔ "الفتح" میں کہا: یہ خلع کے بعد تیسری طلاق کے وقوع پر نص ہے۔ اس کی مثل "الدرر" میں "التلویح" سے منقول ہے۔

"حواشی الخیر الرملی" میں ہے: "مشتمل الاحکام" میں کہا: بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔ یہاں بائن سے مراد بائن لفظی ہے۔ جہاں تک بائن معنوی کا تعلق ہے وہ لفظی کو لاحق ہوگی جس طرح تین طلاقیں۔ یہ "مبسوط" سے منقول ہے۔

طلاق بائن، بائن کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی

13517۔ (قولہ: لَا یَلْحَقُ الْبَائِنُ الْبَائِنَ) وہ بائن جو لاحق نہیں ہوتی اس سے مراد وہ ہے جو کنایہ کے لفظ کے ساتھ ہو۔ کیونکہ وہ نئے سرے سے طلاق واقع کرنے میں ظاہر نہیں ہوتی۔ "الفتح" میں اسی طرح ہے۔ الذی لا یلحق کے قول کے ساتھ یہ قید لگائی ہے مقصود یہ اشارہ کرنا ہے کہ وہ طلاق بائن جسے پہلی دفعہ واقع کیا گیا وہ اس سے عام ہے کہ کنایہ کے لفظ کے ساتھ واقع ہو یا ایسے لفظ صریح کے ساتھ ہو جو بینونت کا فائدہ دے جس طرح مال کی شرط پر طلاق ہے۔ اس وقت دوسرے جملہ

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

میں صریح سے میری مراد ان کا قول والبائن یلحق الصریح لا البائن ہے۔ وہ صرف صریح رجعی ہے صریح بائن نہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شارح نے پہلے جو ''الفتح'' سے نقل کیا ہے صریح وہ ہوتی ہے جو نیت کی محتاج نہ ہو اس کے ساتھ طلاق بائنہ ہو یا اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہو۔ وہ پہلے جملہ میں صریح کے ساتھ خاص ہے۔ میری مراد ان کا یہ قول ہے: الصریح یلحق الصریح والبائن جس پر ''الفتح'' کی وہ کلام دلالت کرتی ہے جسے ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

اس پر کئی امور دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک امر وہ بھی ہے جس پر علما نے اتفاق کیا ہے کہ علما نے یہ تعلیل بیان کی ہے کہ طلاق بائن طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ دوسرے کو پہلے کی خبر بنانا ممکن ہے۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ شامل ہے اسے جب پہلی طلاق بائن کنایہ کے ساتھ ہو یا صریح کے لفظ کے ساتھ ہو۔

ان میں سے ایک امر وہ ہے جو ''کافی الحاکم الشہید'' میں ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو جمع کرنے والی ہے جو آپ کی کتب ظاہر الروایہ میں ہے۔ کہا: جب خاوند نے عورت کو طلاق بائنہ دی پھر خاوند نے عدت میں عورت سے کہا: انت علیّ حرام یا انت علیّ خلیة یا انت علیّ بریة یا انت بائن یا انت بتة یا اس جیسا لفظ کہا جب کہ وہ اس کے ساتھ طلاق کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے قول ھی علیّ حرام، ھی منی بائن میں سچا ہے۔ کیونکہ دوسرے جملہ کو پہلے جملے کی خبر بنانا ممکن ہے۔ اور خاوند کے قول طلقها تطلیقة بائنة کا ظاہر ہے کہ اس سے مراد صریح بائن ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کا مقابل کنایہ کے الفاظ ہیں۔ ''تامل''

ان امور میں سے ''زیلعی'' کا قول ہے: ان کون البائن یلحق الصریح فظاهر کیونکہ قید حکمی ہر اعتبار سے باقی ہے کیونکہ استمتاع باقی ہے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ دوسرے جملہ میں صریح سے مراد صریح رجعی ہے کیونکہ ہر اعتبار سے نکاح کی قید اور استمتاع کی بقا صریح بائن کے بعد نہیں ہوتی۔

ان امور میں سے وہ امر بھی ہے جو منصوری کا قول پہلے (مقولہ 13511 میں) گزرا ہے: اگر طلاق رجعی ہو اسے کنایات لاحق ہوتے ہیں کیونکہ ملک نکاح باقی ہے۔ اسے رجعی سے مقید کرنا اس امر پر دلیل ہے کہ صریح بائن کو کنایات لاحق نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس کی تعلیل اس امر پر دلیل ہے۔

ان امور میں سے وہ امر بھی ہے جو ''تاتر خانیہ'' میں چھٹی فصل سے پہلے ہے: اگر اس نے مال پر طلاق دی یا طلاق رجعی کے بعد خلع کیا تو یہ صحیح ہوگا اگر اسے مال کے ساتھ طلاق دی پھر عدت میں اس عورت سے خلع کیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

دیکھیے انہوں نے کیسے طلاق رجعی اور طلاق بائن میں فرق کیا ہے اور وہ مال پر طلاق ہے جہاں خلع کو اول طلاق رجعی کے بعد بنایا دوسری (صریح بائن) کے بعد نہیں بنایا۔ یہ اس میں صحیح ہے جو ہم نے کہا کہ صریح سے مراد یہاں صرف رجعی ہے اور بائن اول سے مراد جو بائن صریح کو شامل ہوتا ہے۔

....

اس کی دوفروع ہیں جنہیں ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔

(۱) جو ''القنیہ'' میں ''اوزجندی'' سے مروی ہے: عورت کو ہزار پر طلاق دی تو عورت نے طلاق قبول کی پھر خاوند نے عورت کی عدت میں کہا انت بائن تو یہ واقع نہ ہوگی۔

(۲) جو ''الخلاصہ'' میں خلع کی چھٹی جنس میں سے ہے: اگر خاوند نے مال پر عورت کو طلاق دی پھر عدت میں عورت سے خلع کیا تو یہ خلع صحیح نہ ہوگا۔ یہ بھی اس میں صریح ہے جو ہم نے کہا ہے۔

اس کے ساتھ وہ ساقط ہو گیا جو ''البحر'' میں ہے۔ ''النہر'' میں اس کی پیروی کی کہ دونوں فرعوں کو مشکل جانا یہ اپنے فہم پر بنا کرتے ہوئے کہا کہ صریح سے مراد وہ ہے جو صریح بائن کو شامل ہو کہا: علما نے مال پر طلاق کو صریح کے قبیل سے بنایا ہے اور کہا: بے شک بائن صریح کو لاحق ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ فرع اول میں وقوع ہو اور خلع دوسری فرع میں صحیح ہو۔ پھر ''البحر'' میں کہا: کوئی چھٹکارا کی صورت نہیں کہ خلع کے صحیح نہ ہونے سے مراد مال کا لازم نہ ہونا ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ صاحب ''الخلاصہ'' نے اس کے عکس میں یہ تصریح کی ہے جب خلع کے بعد مال پر عورت کو طلاق دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی اور مال واجب نہ ہوگا۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس جیسے فرد سے عجیب و غریب ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ دوسرے جملہ میں صریح سے مراد وہ صرف طلاق رجعی ہے۔ پہلے جملہ میں صریح کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اس پر ان کی تعلیلات اور ان کی فروع جو ہم نے ذکر کی ہیں دلالت کرتی ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں فرعوں میں کوئی اشکال نہیں بلکہ دونوں اس پر دلیل ہیں جو ہم نے کہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے جو انہوں نے نجات کی صورت ذکر کی ہے وہ بہت ہی بعید ہے بلکہ نجات کی راہ میں ہے جو ہم نے کہا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے اس فرع اور اس کے عکس میں فرق نہ ہونے کا دعویٰ حد درجہ مخفی ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ جب اس نے خلع کے بعد مال کے بدلے طلاق دی تو مال واجب نہیں ہوگا کیونکہ عورت خاوند کو مال اس لیے دیتی ہے تاکہ اسے حتمی چھٹکارا حاصل ہو۔ جب کہ چھٹکارا حاصل ہو چکا ہے جس طرح ہم نے اس کی پہلے (مقولہ 13515 میں) وضاحت کر دی ہے۔ مگر جب اس نے خلع سے پہلے مال پر طلاق دی تو پھر مال ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ مال کے بغیر طلاق سے حتمی خلاصی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس صورت میں عدت کے ختم ہونے پر خلاصی موقوف ہوتی ہے جب کہ یہ خلاصی مال کے ساتھ حاصل ہو چکی ہے اور وہی اس کے ساتھ مطلوب تھی۔ جب مال کے بدلے طلاق سے خلاصی حاصل ہو چکی تھی تو اس کے بعد لاحق ہونے والے خلع سے خلاصی باطل نہ ہوگی بلکہ خلع باطل ہوگا۔ کیونکہ حتمی خلاصی اس سے قبل حاصل ہو چکی تھی۔ پس یہ خلع کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اس مقام کی وضاحت میں میرے لیے یہی ظاہر ہوا ہے جس میں اذہان لغزش کھا گئے ہیں۔ اسے غنیمت جانو کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جن کے ساتھ یہ کتاب خاص ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔

پھر میں نے ''الحواشی الیعقوبیہ'' جو ''صدر الشریعہ'' پر ہیں اسے دیکھا اس کی نص ہے: ان کا یہ قول بائن غیر صریح،

إِذَا أَمْكَنَ جَعْلُهُ إِخْبَارًا عَنِ الْأَوَّلِ كَأَنْتِ بَائِنٌ بَائِنٌ، أَوْ أَبَنْتُكِ بِتَطْلِيقَةٍ
جب اسے پہلے کی اخبار بنانا ممکن ہو جس طرح انت بائن بائن ہے یا ابنتك بتطليقة ہے

صریح کو لاحق ہوگا۔ چاہیے کہ یہ مطلق نہ ہو۔ کیونکہ صریح، بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ یہ پہلے کی خبر ہو جس طرح مخفی نہیں۔ مگر یہ کہ دونوں بائنوں میں فرق کا دعویٰ کیا جائے اور ایک کے ساتھ دوسری کی خبر صحیح نہ ہو۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جو میں نے بحمد اللہ سمجھی ہے کہ دوسرے جملہ میں صریح سے مراد صرف صریح رجعی ہے۔ اور ان کا قول: الا ان یدعی الفرق جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس سے آپ جان چکے ہوں گے کہ کوئی فرق نہیں کیونکہ ذی فہم کے لیے کوئی شبہ نہیں۔ اللہ سبحانہ اعلم

13518۔(قولہ: إِذَا أَمْكَنَ) یہ اس امر کی قید ہے کہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اور اس سے احتراز کیا ہے جسے اس قول بخلاف ابنتك باخری نے بیان کیا ہے ''ط''۔ ''البحر'' میں کہا: چاہیے کہ جب خاوند بیوی کو طلاق بائنہ دے پھر خاوند عورت سے کہے: انت بائن وہ دوسری طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت کے ساتھ دوسری طلاق واقع ہو جائے کیونکہ نیت کے ساتھ وہ خبر نہیں رہتی۔ تو یہ اسی طرح ہے جس طرح وہ کہے: ابنتك باخری مگر یہ کہا جائے کہ طلاق کا وقوع ایسے لفظ کے ساتھ ہوتا ہے جو طلاق کی صلاحیت رکھتا ہو وہ اخری کا لفظ ہے۔ محض نیت کا معاملہ مختلف ہے۔

اس میں ہے کہ دوسرا لفظ صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ صالح کو معین کے لفظ سے بدل دیتے تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا ''ط''۔

میں کہتا ہوں: علما نے اس کی امکان سے جو تعبیر کی ہے اس نے بحث کو اس کی اصل سے ہی ختم کر دیا ہے یعنی جب اسے پہلے کی خبر بنانا ممکن ہے تو اسے انشا بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے قول: انت بائن میں صادق ہے۔ کیونکہ بائن نیت کے ساتھ واقع نہیں ہوتا۔ علما کا قول: البائن لا یلحق البائن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مراد وہ بائن ہے جس کی نیت کی ہو۔ کیونکہ غیر منوی کے ساتھ اصلاً کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ اور علما نے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ اس کے ساتھ پہلی طلاق کی نیت کرے۔ پس ان کے قول اذا امکن میں اس سے احتراز ہے جب اسے خبر بنانا ممکن نہ ہو جس طرح ابنتك باخری میں ہے نہ کہ اس سے احتراز ہے جب وہ اس کے ساتھ دوسری طلاق کی نیت کرے۔ فتدبر

جہاں تک اعتدی، اعتدی کا تعلق ہے تو یہ صریح کے ساتھ ملحق ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ تو جو یہاں ہے وہ اس کے منافی نہیں جب انہوں نے اس کے ساتھ طلاق مکرر واقع کی ہے۔

13519۔(قولہ: كَأَنْتِ بَائِنٌ بَائِنٌ) بعض نسخوں میں اسی طرح مکرر ہے۔ اور اس کے بعض نسخوں میں انت بائن ہے یعنی تکرار کے بغیر ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ وہ عورت جسے طلاق بائنہ دی جا چکی ہو اسے طلاق بائنہ واقع کی جائے۔ کیونکہ جس طرح ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اس سے مراد نحوی اخبار نہیں بلکہ اس کی خبر دینا ہے جو امر پہلے صادر ہو چکا ہے اور اس لیے کیونکہ یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ لازم ہے کہ یہ ایک مجلس میں ہو اور یہ لازم نہیں۔

13520۔(قولہ: أَوْ أَبَنْتُكِ بِتَطْلِيقَةٍ) اس کا عطف دوسرے بائن پر ہے یعنی انت بائن ابنتك بتطليقة ''ح''۔

فَلَا يَقَعُ لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ فَلَا ضَرُورَةَ فِي جَعْلِهِ إِنْشَاءً، بِخِلَافِ أَبَنْتُكِ بِأُخْرَى أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ،

تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ اخبار ہے اسے انشا بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابنتك باخری یا انت طالق بائن کا معاملہ مختلف ہے۔

اور اس کے ساتھ اشارہ کیا کہ دو لفظوں کا اتحاد شرط نہیں۔ تو یہ اس صورت کو شامل ہوگا جب اول کنایہ کے لفظ کے ساتھ ہو وہ اول بائنہ کے ساتھ ہو خلع کے ساتھ ہو یا طلاق صریح کے ساتھ ہو وہ طلاق مال پر ہو یا ایسی چیز کے ساتھ موصوف ہو جو بینونت کی خبر دے جس طرح اس چیز سے معلوم ہوا جو ہم نے پہلے (مقولہ 13072 میں) بیان کیا بعد اس کے کہ دوسرا کنایہ کے لفظ کے ساتھ ہو جو بائنہ ہو جس طرح خلع وغیرہ جو نیت پر موقوف ہوتا ہے اگرچہ اصل کے اعتبار سے ہو جس طرح انت حرام۔ کنایات رجعیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ صریح کے حکم میں ہے پس یہ بائن کو لاحق ہوگا۔ جس طرح پہلے (مقولہ 13510 میں) گزر چکا ہے۔

13521۔ (قولہ: فَلَا يَقَعُ) تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کرے۔ کیونکہ ''البحر'' میں ''الحاوی'' سے مروی ہے: طلاق کے کنایات سے کچھ واقع نہ ہوگا اگرچہ وہ نیت کرے، ''ط''۔

13522۔ (قولہ: لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ) یعنی اسے اخبار بنایا جائے گا کیونکہ یہ امر ممکن ہے۔

13523۔ (قولہ: بِخِلَافِ أَبَنْتُكِ بِأُخْرَى) یعنی اگر پہلے اسے طلاق بائنہ دے دی پھر عدت میں کہا: ابنتك باخری تو طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اخری کا لفظ اس امر کے منافی ہے کہ دوسرے لفظ کے ساتھ پہلے کی خبر دی جائے۔

13524۔ (قولہ: أَوْ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ) کیونکہ انت طالق کے ساتھ وقوع ہوگا جب کہ وہ صریح ہے۔ اور اس کا قول بائن لغو ہوگا۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ بائنہ کے بعد صریح طلاق، طلاق بائن ہوتی ہے۔ ''شرح المنار'' جو صاحب ''البحر'' کی تالیف ہے اس میں اسی طرح ہے۔ اور اس میں اس فرق کی طرف اشارہ ہے جو ''البحر'' میں ''الذخیرۃ'' سے منقول ہے کہ اس میں اور جس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی ہو جب اسے یہ کہے ابنتك بتطليقة میں فرق ہے۔ وہ قول یہ ہے: جب ہم بائن کو لغو قرار دیں تو اس کا قول طالق باقی رہے گا اور اس کے ساتھ طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر ہم ابنتك کو لغو قرار دیں تو اس کا قول بتطليقة غیر مفید ہوگا۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے غیر مدخول بہا کے طلاق کے باب میں پہلے (مقولہ 13366 میں) بیان کیا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے کہ طلاق کو جب عدد، وصف یا مصدر کے ساتھ مقید کیا جائے تو طلاق کا وقوع قید کے ساتھ ہوگا۔ یہاں تک کہ جب اس نے کہا: انت طالق اور عورت اس کے قول ثلاثا یا بائن سے پہلے مر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ اس کے منافی ہے جو یہاں انہوں نے وصف کو لغو قرار دیا ہے۔ مگر یہ جواب دیا جائے کہ یہاں اس کے ساتھ طلاق کا وقوع کا اعتبار صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے طلاق بائنہ ہے اور یہاں طلاق بائنہ صریح کے ساتھ واقع ہو رہی ہے اگرچہ اس کی بینونت کے ساتھ صفت

أَوْ قَالَ نَوَيْتُ الْبَيْنُونَةَ الْكُبْرٰى لِتَعَذُّرِ حَمْلِهِ عَلَى الْإِخْبَارِ فَيُجْعَلُ إِنْشَاءً، وَلِذَا وَقَعَ الْمُعَلَّقُ كَمَا قَالَ (إِلَّا إِذَا كَانَ) الْبَائِنُ (مُعَلَّقًا بِشَرْطٍ) أَوْ مُضَافًا (قَبْلَ) إِيجَادِ (الْمُنَجَّزِ الْبَائِنِ) كَقَوْلِهِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ

یا کہا: میں نے بینونت کبری کی نیت کی ہے۔ کیونکہ اسے اخبار پر محمول کرنا متعذر ہے پس اسے انشا بنایا جائے گا۔ اسی وجہ سے معلق طلاق واقع ہوگی جس طرح کہا۔ مگر طلاق بائن شرط کے ساتھ معلق ہو یا حتمی طلاق بائنہ کے ایجاد سے پہلے مضاف ہو جس طرح وہ کہے اگر تو گھر میں داخل ہو

نہیں لگائی گئی۔ پس وصف کا لغو ہونا متعین ہو گیا جس طرح تو نے ابھی جان لیا ہے۔ ایک اور اشکال باقی ہے جو جواب کے ساتھ ''البحر'' میں مذکور ہے۔

13525۔(قولہ: أَوْ قَالَ نَوَيْتُ) دوسرے بائن سے میں نے بینونت کبری کی نیت کی۔ اس سے مراد حرمت غلیظہ ہے یہ وہ حرمت ہوتی ہے جس کے بعد حلت نہیں ہوتی مگر دوسرے خاوند کے ساتھ حلت ہوتی ہے۔ یہی قول قابل اعتماد ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ تغلیظ بینونت کی صفت ہے۔ جب نیت اصل بینونت میں لغو ہے کیونکہ بینونت حاصل ہے تو تغلیظ کا وصف ثابت کرنے میں بھی لغو ہوگی ''محیط''۔ یہ بینونت کی نیت کے لغو کرنے میں صریح ہے۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ہم نے ابھی ''الحاوی'' سے (مقولہ 13516 میں) بیان کیا ہے کہ دوسری بینونت کی نیت صحیح نہیں۔ ''البحر'' میں جو بحث کی ہے وہ اس کے خلاف ہے جس طرح (مقولہ 13518 میں) گزر چکا ہے۔ ''الدرر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: یہ قطعی طور پر دال ہے جب مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دی پھر عورت سے کہا: انت طالق ثلاث تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ حرمت غلیظہ جب محض نیت کے ساتھ ثابت ہوگی جب کہ تین کے عدد کا ذکر نہ کیا تھا کیونکہ یہ اپنے محل میں ثابت نہیں تو جب اس نے ثلاث کا لفظ صراحۃً ذکر کیا تو بدرجہ اولی حرمت غلیظہ ثابت ہوگی۔ اس کی مفصل بحث اس میں ہے۔ اس کی مثل ''یعقوبیہ'' میں ہے۔

13526۔(قولہ: لِتَعَذُّرِ) یہ بخلاف قول کی علت ہے۔

13527۔(قولہ: وَلِذَا) کیونکہ اسے اخبار پر محمول کرنا متعذر ہے۔

13528۔(قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ الْبَائِنُ مُعَلَّقًا) یہ اسے بھی شامل ہے جب اس نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا پھر چار ماہ گزرنے سے پہلے طلاق بائنہ دے دی۔ پھر وہ مدت گزر گئی جب کہ وہ اس کے قریب نہ گیا تھا جب کہ وہ عورت عدت میں تھی بے شک وہ طلاق واقع ہوگی۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''بحر''۔

13529۔(قولہ: قَبْلَ إِيجَادِ الْمُنَجَّزِ) شارح عنقریب قبلیت کے ساتھ جس سے احتراز کیا ہے اسے ذکر کریں گے دوسری طلاق کو فی الحال حتمی طور پر نافذ کرنا قید نہیں بلکہ وہ اسے معلق اول کے وقوع سے قبل معلق کرتا تو بھی اسی طرح حکم ہوتا جس طرح اسے بھی ذکر کریں گے۔

فَأَنْتِ بَائِنٌ نَاوِيًا ثُمَّ أَبَانَهَا ثُمَّ دَخَلَتْ بَانَتْ بِأُخْرَى لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ إِخْبَارًا، وَمِثْلُهُ الْمُضَافُ كَأَنْتِ بَائِنٌ غَدًا ثُمَّ أَبَانَهَا ثُمَّ جَاءَ الْغَدُ يَقَعُ أُخْرَى وَفِي الْبَحْرِ عَنْ الْوَهْبَانِيَّةِ أَنْتِ بَائِنٌ كِنَايَةٌ مُعَلَّقًا كَانَ أَوْ مُنَجَّزًا فَيَفْتَقِرُ لِلنِّيَّةِ، وَلَوْ قَالَ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ بَائِنٌ، ثُمَّ قَالَ إِنْ كَلَّمْتِ زَيْدًا فَأَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ دَخَلَتْ وَبَانَتْ

تو تجھے طلاق بائن ہے جب کہ اس نے نیت کی ہو پھر اسے طلاق بائنہ دے دی پھر عورت گھر میں داخل ہوئی اور اسے دوسری طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ یہ اخبار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور معلق کی مثل مضاف بھی ہے جس طرح وہ کہے تجھے اگلے روز طلاق ہے پھر عورت کو طلاق بائنہ دے دے تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں ''وہبانیہ'' سے مروی ہے: انت بائن یہ کنایہ ہے یہ کسی امر پر مشروط ہو یا مشروط نہ ہو اسے نیت کی ضرورت ہوگی۔ اگر خاوند نے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق بائن ہے۔ پھر کہا: اگر تو نے زید سے کلام کی تو تجھے طلاق بائنہ ہے پھر وہ داخل ہوئی اور اسے طلاق بائن ہوگی۔

13530۔(قولہ: نَاوِيًا) کیونکہ یہ کنایۃ ہے اس کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔

13531۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ إِخْبَارًا) کیونکہ تعلیق پہلے ہوئی اس لیے اسے اس کی خبر بنانا صحیح نہیں۔ اسی طرح اضافت ہے ''ح''۔ تعلیل کو دوبارہ ذکر کیا اگرچہ سابقہ قول سے اس کا علم ہو گیا: ولذا وقع المعلق۔ دوبارہ تعلیل اس لیے ذکر کی کیونکہ فاصلہ زیادہ ہو گیا تھا۔ فافہم

13532۔(قولہ: وَمِثْلُهُ الْمُضَافُ) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی: ومثال المضاف۔ کیونکہ حکم میں مماثلت سابقہ قول او مضافا سے سمجھی جارہی تھی ''ط''۔

13533۔(قولہ: وَفِي الْبَحْرِ) اس نقل سے مراد استدلال ہے ناویا کے قول پر استدلال ہے ''ح''۔

13533-a۔(قولہ: مُعَلَّقًا) اس کی مثل مضاف ہے جس طرح تو نے پہچان لیا ہے ''ط''۔

13534۔(قولہ: فَيَفْتَقِرُ لِلنِّيَّةِ) نیت یا مذاکرہ طلاق کی ضرورت ہوگی۔

13535۔(قولہ: وَلَوْ قَالَ إِنْ دَخَلْتِ) یہ اس امر کا بیان ہے جب دونوں معلق ہوں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

13536۔(قولہ: ثُمَّ دَخَلَتْ وَبَانَتْ) ثم کے لفظ کے ساتھ عطف کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ دوسری تعلیق کے پائے جانے سے قبل پہلے کی شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ داخل ہوئی اور وہ جدا ہو گئی پھر کہا: اگر تو نے زید سے کلام کی تو عورت نے زید سے کلام کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اول کی شرط دوسرے کی تعلیق سے پہلے پائی گئی تو وہ فی الفور حتمی واقع ہو گئی۔ اور معلق لاحق نہیں ہوتی مگر جب تعلیق منجز طلاق کی ایجاد سے پہلے ہو جس طرح تو نے متن کے کلام سے جانا ہے۔ کیونکہ دوسری دفعہ کہنا: فانت بائن اس میں وہ سچا ہے کیونکہ پہلے جدائی ثابت ہو چکی ہے۔ پس دوسرے کو اول کی خبر بنانا صحیح ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ قول ساقط ہو جاتا ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ کلام دوسری تعلیق کو شامل ہوگا خواہ وہ دوسری شرط کے پائے جانے کے بعد ہو یا پہلے ہو۔ اس طرح اس قائل کا قول بھی ساقط ہو جائے گا۔ اسے پہلے کی خبر بنانے کا معتذر

ثُمَّ كَلَّمَتْ يَقَعُ أُخْرَى ذَخِيرَةٌ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَحَلَالُ اللهِ عَلَيَّ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ كَذٰلِكَ لِأَمْرٍ آخَرَ فَفَعَلَ أَحَدَهُمَا بَانَتْ، وَكَذَا لَوْ فَعَلَ الثَّانِيَ) عَلَى الْأَشْبَهِ فليحفظ قَيَّدَ بِالْقَبْلِيَّةِ لِأَنَّهُ لَوْ أَبَانَهَا أَوَّلًا ثُمَّ أَضَافَ الْبَائِنَ أَوْ عَلَّقَهُ لَمْ يَصِحَّ كَتَنْجِيزِهِ بَدَائِعُ وَيُسْتَثْنَى مَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ كُلُّ امْرَأَةٍ لَهُ طَالِقٌ لَمْ يَقَعْ

پھر اس نے کلام کی تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی ''ذخیرہ''۔''بزازیہ'' میں ہے: اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز مجھ پر حرام ہے پھر کسی اور امر کے لیے اس نے اسی طرح کہا۔ اس نے دونوں امروں میں سے ایک کیا تو عورت کو طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے دوسرا امر کیا تو یہی حکم ہوگا۔ یہ قول زیادہ مناسب ہے۔ پس اسے یاد رکھا جائے قبلیت کے ساتھ مقید کیا۔ کیونکہ اگر پہلے عورت کو طلاق بائنہ دی پھر طلاق بائن کو کسی وقت کی طرف منسوب کیا یا اسے کسی امر کے ساتھ مشروط کیا تو یہ صحیح نہیں جس طرح اسے حتمی اور فی الفور طلاق دینا صحیح نہیں، ''بدائع''۔ ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ مرد نے کہا: اس کی جو بھی بیوی ہے اسے طلاق ہے یہ طلاق

ہونا معلق اور مضاف میں موجود ہے خواہ تعلیق اور اضافت تنجیز سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ چاہیے یہ کہ فرق نہ کیا جائے اگرچہ علما کا اتفاق ہے کہ یہ شرط ہے کہ وہ منجز سے پہلے ہو۔ کیونکہ اس میں کوئی خفا نہیں کہ منجز کے پائے جانے کے بعد تعلیق اس امر کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اس میں معلق جو دوسری طلاق بائنہ ہے اس منجز کی خبر ہے جو پہلے ثابت ہے۔ ما قبل کا معاملہ مختلف ہے۔ پس دلیل وہ ہوگی جو انہوں نے کہی نہ کہ وہ جو اس نے کہا۔ بعض نسخوں میں ہے نہ کہ وہ جو اس سے پہلے ہو۔ فتدبر

13537۔(قولہ: ثُمَّ كَلَّمَتْ) اگرچہ اس نے برعکس کیا یعنی عورت نے پہلے کلام کی پھر وہ داخل ہوئی ظاہر یہ ہے کہ حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ علت پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ دونوں تعلیقوں میں سے ہر ایک دوسرے کی خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہر تعلیق کے موقع پر اسے طلاق نہیں ہوتی، ''ح''۔

13538۔(قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) اس میں اور ''ذخیرہ'' میں جو کچھ ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ مگر بائن اور حرام کے لفظ میں فرق ہے۔ اور دونوں میں سے جو پہلے واقع ہو اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ فائدہ اس قول سے حاصل ہو رہا ہے یہ اس کے مؤید ہے جسے محشی نے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

13539۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ فَعَلَ الثَّانِيَ) ثانی سے مراد دوسرا ہے یہاں ترتیب مراد نہیں۔ اس قول کی دلیل احدھما ہے، ''ح''۔

13540۔(قولہ: قَيَّدَ بِالْقَبْلِيَّةِ) یعنی متن میں جو قول قبل المنجز البائن ہے۔

13541۔(قولہ: لَمْ يَصِحَّ) کیونکہ اسے پہلی منجز کی خبر بنانا ممکن ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔

مختلعہ اور مبانہ کسی اعتبار سے بھی اس کی عورت نہیں

13542۔(قولہ: وَيُسْتَثْنَى) یعنی ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے ان کے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے: الصریح یلحق البائن

عَلَى الْمُخْتَلِعَةِ، وَلَوْ قَالَ إِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَامْرَأَتُهُ كَذَا لَمْ يَقَعْ عَلَى مُعْتَدَّةِ الْبَائِنِ وَيَضْبِطُ الْكُلَّ مَا قِيلَ

اس عورت پر واقع نہ ہوگی جس نے خلع لے رکھا ہو۔ اگر مرد نے کہا: اگر میں ایسا کروں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے تو اس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی جو طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو۔ اور تمام صورتوں کو یہ اشعار جامع ہیں۔

اور تو اچھی طرح باخبر ہے کہ ان دو صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ مراۃ کا لفظ اس عورت کو لاحق نہیں ہوتا جو طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو یہاں تک کہ اگر مرأۃ کا لفظ ذکر نہ کیا تو اسے بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''النہر'' میں کہا: ''منصوری شرح مسعودی'' میں ہے: وہ عورت جس کے ساتھ خلع کیا گیا ہو اسے صریح طلاق لاحق ہوگی جب وہ عورت عدت میں ہو'' ح''۔

اس کا حاصل ہے: طلاق کا وقوع اس لیے نہیں ہوا کیونکہ وہ من کل الوجوہ اس کی عورت نہیں بلکہ اسے مختلعہ اور مبانہ کہتے ہیں اگر چہ نکاح کا اثر یعنی عدت باقی ہے یہاں تک کہ صریح طلاق اسے لاحق ہوگی جب اس طلاق کو اس عورت کی طرف خطاب یا اشارہ کے ساتھ منسوب کیا۔ اسی طرح اگر خاوند نے طلاق میں اس کی نیت کی۔ جس طرح ''کافی الحاکم'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی کی مثل ''الذخیرہ'' میں ہے جہاں کہا: کل امراۃ لی میں وہ عورت داخل نہ ہوگی جو خلع یا ایلاء کی وجہ سے جدا ہو مگر جب وہ اس کی تعیین کرے یعنی جب نیت نہ پائی جائے تو وہ اجنبیہ کے حکم میں ہوگی۔ اسے اس کی بیوی نہیں کہا جائے گا۔ اسی وجہ سے ''حاوی الزاہدی'' میں کہا: خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق واحدۃ پھر کہا: اگر تو میری بیوی ہے تو تجھے تین طلاقیں اگر پہلی طلاق طلاق بائنہ ہو تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر وہ طلاق رجعی ہو تو دوسری واقع ہو جائے گی۔

لیکن جو ''البحر'' میں ''المحیط'' سے باب التعلیق میں ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے۔ اگر اس نے قسم اٹھائی کہ اس کی بیوی اس گھر سے نہیں نکلے گی خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی اور وہ گھر سے نکلی تو وہ خاوند حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: اگر میں اپنی بیوی کا بوسہ لوں تو میرا غلام آزاد ہے تو خاوند نے جدائی کے بعد اس کا بوسہ لیا۔ کیونکہ اضافت تعریف کے لیے ہوتی ہے تقیید کے لیے نہیں ہوتی یعنی محلوف علیہ کی تعیین کے لیے ہوتی ہے نہ اس قید کے لیے کہ وہ اس کی بیوی ہو۔ جب مرأۃ کا لفظ طلاق بائن اور عدت کے ختم ہونے کے بعد بھی اسے شامل ہے تو عدت کے باقی ہونے کی صورت میں بدرجہ اولی شامل ہوگا جس طرح ہمارے مسئلہ میں ہے۔

بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ معلق میں معتبر حالت تعلیق ہے شرط کے پائے جانے کی حالت نہیں۔ یہ حالت تعلیق میں وہ ہر اعتبار سے علت ہے۔ اسی وجہ سے وہ طلاق بائن واقع ہوگی جسے حتمی طلاق بائن کے پائے جانے سے قبل معلق کیا گیا جس طرح گزر چکا ہے ہم تعلیق کے باب میں مسئلہ کی تحقیق اس قول: وزوال الملك لا يبطل اليمين کے موقع پر ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

13543۔(قولہ: وَيَضْبِطُ الْكُلَّ) یضبط کا لفظ با کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے سب سے مراد لاحق اور مستثنیٰ کی صورتیں ہیں،'' ط''۔

13544۔(قولہ: مَا قِيلَ) پہلا شعر'' شیخ الاسلام'' کے والد'' عبدالبر'' کا ہے جو'' النظم الوہبانی'' کے شارح ہیں جس

كُلًّا أَجِزْ لَا بَائِنًا مَعْ مِثْلِهِ	إِلَّا إِذَا عَلَّقْتَهُ مِنْ قَبْلِهِ
إِلَّا بِكُلِّ امْرَأَةٍ وَقَدْ خَلَعْ	وَالْحَقُّ الصَّرِيحَ بَعْدُ لَمْ يَقَعْ

اور ہر ایک کو جائز رکھ مگر اسے طلاق بائنہ دی گئی ہو اسی کی مثل کے ساتھ مگر جب تو اسے اس سے پہلے معلق کرے۔ مگر جب کہا کل امرأة لی طالق جب کہ اس نے عورت سے خلع کیا ہوا تھا اور صریح کو بعد میں لاحق کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

طرح ''المنح'' میں ہے اور دوسرا شعر صاحب ''النہر'' کا ہے، ''ح''۔

13545۔(قولہ: كُلًّا أَجِزْ) طلاق صریح اور طلاق بائن کے بعد طلاق صریح اور طلاق بائن کی ہر صورت کو جائز قرار دو۔ ''ح''۔ کلا کے لفظ میں جو ابہام ہے وہ مخفی نہیں، ''نہر''۔

میں کہتا ہوں: شرح کے کثیر نسخوں میں کلا کی جگہ لحوقا کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ حذف درست نہیں رہتا۔

13546۔(قولہ: لَا بَائِنًا) اس کا عطف کلا پر ہے مع کے وزن کے لیے عین کے سکون کے ساتھ ہے یہ بعد کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ (الم نشرح) یہ بائنا کی صفت ہے یعنی ایسی طلاق بائن کو جائز قرار نہ دے جو طلاق بائن کے بعد ہو۔ یہ عطف معنی میں استثنا کی طرح ہے۔ گویا کہا: كُلًّا اَجِزْ الا بائنا بعد مثلہ اور ان کا قول: الا اذا علقتہ من قبلہ یہ اس عطف سے استثنا ہے جو استثنا کی جگہ ہے۔ مراد یہ ہوگی طلاق بائن کے بعد طلاق بائن کو جائز قرار نہ دے مگر جب تو نے طلاق بائن کو معلق کیا ہو جو طلاق بائن کے بعد واقع ہو اور تعلیق طلاق بائن کے واقع ہونے سے پہلے ہو۔ پس علقتہ کی ضمیر پہلی طلاق بائن کے لیے ہوگی اور قبلہ کی ضمیر اس مثل کے لیے ہوگی جو بائن ثانی ہے، ''ح''۔

مثل کے ساتھ تعبیر کرنا یہ بینونت کبریٰ کے اخراج کا شعور دلاتی ہے اور شعر میں جو تعقید ہے وہ مخفی نہیں۔ زیادہ واضح یہ اشعار ہیں۔

صریح طلاق المرء یلحق مثلہ	ویلحق ایضا بائنا کان قبلہ
کذا عکسہ لا بائن بعد بائن	سوی بائن قد کان علق قبلہ

خاوند کی طلاق صریح، طلاق صریح کو لاحق ہوتی ہے اور اس طلاق بائن کو بھی لاحق ہوتی ہے جو اس سے پہلے ہو۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے طلاق بائن کے بعد طلاق بائن نہیں ہوگی سوائے اس طلاق بائن کے جو اس سے پہلے معلق کی گئی ہو۔

13547۔(قولہ: إِلَّا بِكُلِّ امْرَأَةٍ) یہ كُلًّا اَجِزْ سے دوسری استثنا ہے کیونکہ جب طلاق بائن کے بعد طلاق بائن کو خارج کیا تو صریح کے بعد صریح اور بائن کے بعد صریح باقی رہ گیا۔ ''بزازیہ'' میں جو قول ہے اس آخری کے اعتبار سے مستثنیٰ کیا ہے۔ قول ہے: کل امرأة لی طالق وکان لہ مختلعة کیونکہ یہ طلاق صریح ہے جو بائنہ کو لاحق ہوتی ہے اور انہیں لاحق نہیں ہوتی جنہیں ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ بکل کی با، فی کے معنی میں ہے۔ اور کل ضمہ کے ساتھ حکایت کے طور پر ہے۔ اور وقد خلع

(كُلُّ فُرْقَةٍ هِيَ فَسْخٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ) كَإِسْلَامٍ وَرِدَّةٍ مَعَ لِحَاقٍ
ہر فرقت جو ہر اعتبار سے فسخ نکاح ہو۔ جس طرح اسلام اور ارتداد کا اختیار کرنے کے ساتھ دار الحرب چلا جانا۔

میں واؤ حالیہ ہے اُلحق معروف کا صیغہ ہے اس کا عطف خلع پر ہے اور بعد مبنی برضمہ ہے کیونکہ اس کا مضاف الیہ لفظوں میں موجود نہیں اور اس کی نیت کی گئی ہے۔ یہ الحق کی ظرف ہے یعنی خلع کے بعد طلاق صریح کو لاحق کیا،''ح''۔

ہر ایسی فرقت جو ہر اعتبار سے فسخ ہو کی عدت میں طلاق واقع نہیں ہو گی

13548۔ (قولہ: كُلُّ فُرْقَةٍ) اس قول کے ساتھ یہ فائدہ دیا کہ اس کا قول: والصريح يلحق الصريح یہ طلاق کے متعلق ہے فسخ کے متعلق نہیں۔ اسے ذہن نشین کرلو۔ پہلے قاعدہ کلیہ پر دونوں میں سے کسی ایک کے اسلام سے انکار کرنے اور دونوں میں سے ایک کے ارتداد کرنے اور دوسرے قاعدہ پر ایسی فرقت جیسے لعان ہے سے اعتراض ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت آگے (مقولہ 13553 میں) آئے گی۔

13549۔ (قولہ: كَإِسْلَامٍ) یعنی خاوند اسلام لے آیا جب کہ اس کی بیوی مجوسی ہے اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا یا حربی کی بیوی مسلمان ہو گئی جس نے ہماری طرف ہجرت کی جب کہ خاوند نے ہماری طرف ہجرت نہ کی۔ جس طرح سائحانی کے مخطوطہ سے معلوم ہوتا ہے۔''الفتح'' میں کتاب الطلاق کے آغاز میں ذکر کیا: جب میاں بیوی میں سے ایک کو گرفتار کیا گیا تو اس خاوند کی طلاق عورت پر واقع نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر ان دونوں میں سے ایک ہماری طرف ہجرت کر کے مسلمان ہو کر یا ذمی ہو کر یا دونوں امان لے کر ہماری طرف نکلے تو ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا یا وہ ذمی ہو گیا تو یہ اس کی بیوی ہو گی یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں تو طلاق کے بغیر فرقت واقع ہو جائے گی۔ اور عورت پر مرد کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ پھر کہا: جب دو ذمی میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور دوسرے کے اسلام قبول کرنے سے انکار کی وجہ سے دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس پر خاوند کی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ وہ انکار کرنے والی ہو یعنی اگرچہ وہ مجوسیہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ وہ قول درست نہیں رہتا جو کہا گیا جب دونوں میاں بیوی میں سے ایک اسلام قبول کرے تو خاوند کی اس پر طلاق واقع نہ ہو گی۔

میں کہتا ہوں:''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے اس کا رد ہے۔ جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو دوسرے فریق پر خاوند کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ شارح نے ان کی پیروی کی ہے۔ لیکن''خیر رملی'' نے ذکر کیا کہ''البزازیہ'' میں جو کچھ ہے اس کا موضوع اہل حرب کی طلاق ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر اسلم کا لفظ سُبِی سے تحریف شدہ ہے تامل۔ اسلام سے انکار کرنے والا مسئلہ مصنف پر اعتراض کی صورت میں وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ فسخ ہے اور اس میں طلاق لاحق ہو گئی۔

13550۔ (قولہ: وَرِدَّةٍ مَعَ لِحَاقٍ) جب خاوند مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے اور اپنی بیوی کو طلاق دے

وَخِيَارِ بُلُوغٍ وَعِتْقٍ (لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي عِدَّتِهَا) مُطْلَقًا (وَكُلُّ فُرْقَةٍ هِيَ طَلَاقٌ يَقَعُ) الطَّلَاقُ (فِي عِدَّتِهَا)
خیار بلوغ اور خیار عتق سے ان کی عدت میں مطلقاً طلاق واقع نہ ہوگی اور ہر وہ فرقت جو طلاق ہو اس کی عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

دے تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر مسلمان کی حیثیت میں واپس آیا اور عدت میں اسے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور مرتدہ عورت جب دارالحرب چلی جائے اور اس کا خاوند اسے طلاق دے پھر حیض سے قبل مسلمان کی حیثیت میں واپس آ جائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی ''خانیہ''۔ دارالحرب چلے جانے کی قید لگائی ہے کیونکہ اس کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ حرمت ابدی نہیں کیونکہ یہ حرمت اسلام قبول کرنے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے ''فتح''۔ اس کی مفصل بحث باب نکاح الکافر میں (مقولہ 12950 میں) گزر چکی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: اگر عورت مرتد ہو جائے اور دارالحرب نہ جائے اور عدت میں عورت کو طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر مرد نے اس عورت سے خلع کیا ہوگا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عورت ارتداد اختیار کرنے کے ساتھ جدا ہو چکی ہے وہ عورت جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو اسے صریح طلاق لاحق ہوگی خلع لاحق نہیں ہوگا۔

اس میں کوئی خفا نہیں کہ ردت کی وجہ سے جو جدا ہوئی ہے وہ فسخ نکاح ہے اگر وہ دارالحرب جانے کے بغیر ہو۔ پس مصنف پر یہ اعتراض وارد ہوگا۔

13551۔ (قولہ: وَخِيَارِ بُلُوغٍ وَعِتْقٍ) حرمت مصاہرت کی وجہ سے فرقت کا یہی حکم ہے جس طرح خاوند کے بیٹے کا بوسہ لینا۔ کیونکہ دائمی حرمت ہے پس طلاق اس کا فائدہ نہ دے گی جس طرح ''الفتح'' میں طلاق کے شروع میں ہے۔ ایک اور جگہ اس کی تصریح کی ہے لعان کی وجہ سے فرقت میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لعان بھی دائمی حرمت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل رضاعت کی وجہ سے فرقت ہے۔ اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ کفو نہ ہونے اور مہر کے کم ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کی صورت میں طلاق لاحق نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں بھی ذکر کیا ہے کہ عورت جب خاوند کی مالک بن جائے تو اس وجہ سے فسخ نکاح کی صورت میں طلاق لاحق نہ ہوگی جب کہ خاوند نے اس عورت کو عورت سے اسے خریدنے پر آزاد کرنے سے پہلے ایک طلاق دی تھی۔ یہ صورت مختلف ہے اگر عورت نے اسے اپنی ملک سے نکال دیا جب کہ وہ عدت میں تھی تو طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ جب تک خاوند اس کا غلام تھا تو خاوند پر اس عورت کا نفقہ لازم نہ تھا اور نہ ہی رہائش لازم تھی پس اس کی طلاق اس عورت پر واقع نہ ہوگی۔ جب عورت نے اسے بیچ دیا یا اسے آزاد کر دیا تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔

13552۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی صریح یا کنایہ ''ح''۔ مابعد کلام اس کا فائدہ دے رہا ہے۔

13553۔ (قولہ: وَكُلُّ فُرْقَةٍ هِيَ طَلَاقٌ) جس طرح ایلا، لعان، مقطوع الذکر اور عنین ہونے کی صورت میں ہے۔ باب المہر میں شعروں میں فرقتوں کا بیان، ان میں سے جو فسخ نکاح ہیں ان کا بیان اور جو طلاق ہیں ان کا بیان، جو قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہیں اور جو قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں گزر چکے ہیں۔ ''الذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی ہے: وہ عورت جو لعان

عَلَی نَحوِ مَا بَیَّنَّا (فُرُوعٌ) إِنَّمَا یَلْحَقُ الطَّلَاقُ لِمُعْتَدَّةِ الطَّلَاقِ،
اسی طریقہ پر جو ہم نے بیان کیا ہے۔ فروع: طلاق اسے لاحق ہوتی ہے جو طلاق کی عدت گزار رہی ہو۔

کی عدت گزار رہی ہو اسے طلاق لاحق ہوگی۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ہم نے ''الفتح'' سے ابھی پہلے (مقولہ 13551 میں) نقل کیا ہے جب کہ لعان کی وجہ سے فرقت، طلاق ہے فسخ نکاح نہیں۔ لیکن اس کی یہ علت یہ دائمی حرمت ہے اس نے جو قول کیا اسے ترجیح دیتی ہے لیکن اس کے باب میں (مقولہ 15048 کے متن میں) آئے گا کہ جب تک وہ اہل لعان ہیں یہ دائمی حرمت ہے۔ جب وہ دونوں لعان کی اہلیت سے خارج ہو گئے یا دونوں میں سے ایک لعان کی اہلیت سے خارج ہو گیا تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس عورت سے عقد نکاح کرے۔ اسی طرح اگر خاوند نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور مرد کے لیے اس عورت سے عقد نکاح کرنا جائز ہوگا۔ تامل

13554۔ (قولہ: عَلَی نَحوِ مَا بَیَّنَّا) یعنی اس کا قول الصریح یلحق الصریح، ''ح''۔

13555۔ (قولہ: إِنَّمَا یَلْحَقُ الطَّلَاقُ لِمُعْتَدَّةِ الطَّلَاقِ) ''الفتح'' کے کتاب الطلاق کے آغاز میں اعتراض کیا ہے: اس میں حصر نہیں کیونکہ عدت بعض اوقات طلاق اور وطی کے بغیر متحقق ہوتی ہے جس طرح محض خلوت کے بعد فسخ خیار کی وجہ سے لاحق ہو مگر جس کا یہ جواب دیا جائے کہ خلوت وطی کے ساتھ ملحق ہوگی۔ پھر یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ فسخ کی عدت میں طلاق واقع نہیں ہوتی جب کہ اس کی ضد اس قول کے ساتھ واقع ہوتی ہے جب دونوں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور اسلام سے انکار کر دے تو مرد کی طلاق عورت پر واقع ہوگی جب کہ اس میں فرقت فسخ نکاح ہے۔ اور اس کے قول کے ساتھ بھی اس کی ضد واقع ہوگی جب دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے اور عورت اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس پر مرد کی طلاق واقع ہوگی جب دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے اور عورت اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو اس پر مرد کی طلاق واقع ہوگی جب کہ اس میں بھی فرقت فسخ نکاح ہوگی اور اس کے ساتھ بھی اس قول کا رد ہوتا ہے جب دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔ جب کہ مرد کے ارتداد کی وجہ سے فرقت فسخ نکاح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح بالاتفاق عورت کے ارتداد اختیار کرنے کے ساتھ ہے۔ یہ اعتراض متن کی عبارت پر بھی ہوتا ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

پس حاصل کلام یوں ہو گیا کہ طلاق، طلاق، اسلام سے انکار اور ایسا ارتداد جس میں دار الحرب جانا متحقق نہ ہو، کی عدت میں لاحق ہوگی۔ میں نے اسے اپنے اس شعر میں نظم کیا ہے۔

یلحق الطلاق فرقة الطلاق   او الابا او ردة بلا لحاق

طلاق، ابا اور ایسے ارتداد جس میں دار الحرب کی طرف نہ جایا گیا ہو کی فرقت میں لاحق ہوگی۔

یہ شعر ''مقدسی'' کے اس شعر سے خوبصورت ہے۔

فی عدة عن الطلاق یلحق   اوردة او بالاباء یفرق

أَمَّا الْمُعْتَدَّةُ لِلْوَطْءِ فَلَا يَلْحَقُهَا خُلَاصَةٌ وَفِي الْقُنْيَةِ زَوَّجَ امْرَأَتَهُ مِنْ غَيْرِهِ لَمْ يَكُنْ طَلَاقًا ثُمَّ رَقَّمَ، إِنْ نَوَى طَلُقَتْ اذْهَبِي وَتَزَوَّجِي تَقَعُ وَاحِدَةٌ بِلَا نِيَّةٍ اذْهَبِي إِلَى جَهَنَّمَ يَقَعُ إِنْ نَوَى خُلَاصَةٌ،

جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جو وطی کی عدت گزار رہی ہو تو طلاق اسے لاحق نہ ہوگی ''خلاصہ''۔ ''قنیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی بیوی کا عقد نکاح کسی مرد سے کر دیا تو یہ طلاق نہ ہوگی۔ پھر بعض مشائخ کی طرف اشارہ کر کے رقم کیا اگر اس نے نیت کی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: تو جا اور شادی کر تو ایک طلاق نیت کے بغیر واقع ہوگی۔ جہنم کی طرف جاؤ اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

طلاق کی عدت میں طلاق لاحق ہوگی یا ردت میں یا اسلام سے انکار کی صورت میں جدائی کی گئی ہو تب بھی طلاق لاحق ہوگی۔

وہ عورت جو وطی کی عدت گزار رہی ہو تو اسے طلاق لاحق نہیں ہوگی

13556۔(قولہ: أَمَّا الْمُعْتَدَّةُ لِلْوَطْءِ فَلَا يَلْحَقُهَا) اس کی مثل ہے اگر خاوند نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی یا خاوند نے عورت سے خلع کر لیا پھر مثلاً اس کی عدت کے جب دو حیض گزر چکے تو یہ جانتے ہوئے کہ یہ حرام ہے عورت سے وطی کی تو اس پر دوسری عدت لازم ہوگی اور یہ دونوں عدتیں آپس میں داخل ہوں گی۔ جب اسے تیسرا حیض آ گیا تو یہ حیض دونوں عدتوں میں سے ہوگا تو دوسری عدت کی تکمیل کے لیے اس پر دو حیض لازم ہوں گے۔ اگر اسے آخری دو حیضوں میں طلاق دی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ وطی کی عدت ہے طلاق کی عدت نہیں۔ ''ذخیرہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13557۔(قولہ: ثُمَّ رَقَّمَ) یعنی کسی دوسری کتاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے کہ وہ اصطلاحی حروف کا ذکر کرتے ہیں جن حروف کے ساتھ کتابوں کے اسماء کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

13558۔(قولہ: إِنْ نَوَى طَلُقَتْ) شاید ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کا قول: زوجتك امرأتي فلانة یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس کی تقدیر یہ ہے: ان صح تزویجها منك یا اس کی تقدیر یہ ہوگی: لانها طالق مني جب اس نے طلاق کی نیت کی تو دوسری صورت متعین ہو جائے گی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔

13559۔(قولہ: تَقَعُ وَاحِدَةٌ بِلَا نِيَّةٍ) کیونکہ تزوجی قرینہ ہے۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین ہو جائیں گی ''بزازیہ''۔ ''قاضی خان'' کی جو ''شرح الجامع الصغیر'' میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اگر خاوند نے کہا: اذهبي تزوجي اور کہا: میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: ان امکنك۔ مگر جب واؤ اور فا میں فرق کیا جائے وہ یہاں بعید ہے، ''بحر''۔

اس شرط پر کہ تزوجی کنایہ ہے جس طرح اذهبي کنایہ ہے پس نیت کی ضرورت ہوگی تو پھر اذهبي کے ساتھ طلاق کے ارادہ پر قرینہ کہاں سے آ گیا جب کہ یہ اس کے بعد مذکور ہے جب کہ قرینہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے ہو جس طرح جو اعتدی

وَكَذَا اذْهَبِي عَنِّي وَأَفْلِحِي وَفَسَخْتُ النِّكَاحَ، وَأَنْتِ عَلَيَّ كَالْمَيْتَةِ أَوْ كَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ أَوْ حَرَامٌ كَالْمَاءِ لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِالسُّرْعَةِ، وَلَا يَقَعُ بِأَرْبَعَةِ طُرُقٍ عَلَيْكِ مَفْتُوحَةٌ وَإِنْ نَوَى مَا لَمْ يَقُلْ خُذِي أَيَّ طَرِيقٍ شِئْتِ

اسی طرح جب خاوند کہے: تو مجھ سے چلی جا اور تجھے طلاق ہے اور میں نے عقد نکاح کو فسخ کر دیا ہے تو مجھ پر مردار کی طرح ہے یا خنزیر کے گوشت کی طرح ہے یا تو حرام ہے جس طرح پانی۔ کیونکہ یہ جلدی میں تشبیہ دینا ہے۔ اور اگر وہ کہے چاروں دروازے تجھ پر کھلے ہیں اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وہ نیت کرے جب تک یہ نہ کہے تو جو چاہے راستہ اپنا لے۔

ثلاثا میں گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے زیادہ مناسب وہ ہے جو ''شرح الجامع'' میں ہے۔ واؤ اور فا میں کوئی فرق نہیں۔ ''الذخیرہ'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ ''ذخیرہ'' کا قول ہے: اذھبی و تزوجی لایقع الا بالنیة تو جا تو شادی کر لے تو نیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر نیت کی تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی۔

13560۔ (قوله: أَفْلِحِي) ''البدائع'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خاوند نے عورت سے کہا: افلحی اس سے طلاق کا ارادہ کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ اذھبی کے معنی میں ہے۔ عرب کہتے ہیں: افلح بخیر یعنی ذھب بخیر۔ اور یہ قول اس معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے: اظفری بمرادك۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: افلح الرجل جب اس نے مراد پالی۔

13561۔ (قوله: وَأَنْتِ عَلَيَّ كَالْمَيْتَةِ) اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مراد اس چیز کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس کی ذات حرام ہو جس طرح خمر، خنزیر اور مردار۔ اس میں حکم اسی طرح ہے جس طرح: انت علی حرام میں ہے۔ اگر خاوند نے کہا: انت علی کمتاع فلان اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ نیت کرے۔ ''ذخیرہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ کیونکہ فلاں کے سامان کی ذات حرام نہیں اور اسے: انت علی حرام کی طرح بنانا یہ متقدمین کے مذہب پر ہے۔ اس کے ساتھ طلاق کا وقوع نیت پر موقوف ہے۔

13562۔ (قوله: لِأَنَّهُ تَشْبِيهٌ بِالسُّرْعَةِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ کلام یوں ہوتی: فی السرعة۔ گویا اس نے کہا: انت حرام سریعا کسرعة الماء فی جریه تو اتنی جلدی حرام ہے جس طرح پانی تیز چلتا ہے۔ جب کہ یہ (مقولہ 13094 میں) گزر چکا ہے کہ انت حرام صریح کے ساتھ لاحق ہے تو نیت کی ضرورت نہیں، شاید یہ غیر مفتی بہ قول پر مبنی ہے، ''ط''۔

میں کہتا ہوں: یہ متعین ہے۔

13563۔ (قوله: مَا لَمْ يَقُلْ خُذِي أَيَّ طَرِيقٍ شِئْتِ) یعنی اگر نیت کی تو ''اسد'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اس میں تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ ''ابن سلام'' نے کہا: میں خوف کھاتا ہوں کہ لوگوں کی کلام کی وجہ سے تین طلاقیں ہوں تو گویا انہوں نے ارادہ کیا کہ لوگ: اسلکی الطرق الاربع سے اسی کی مثل کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ امران راستوں میں سے ایک راستہ کو اپنانے کا معنی دیتا ہے۔ میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک طلاق بائنہ ہو، ''فتح''۔

اللہ سبحانہ اعلم

بَابُ تَفْوِيضِ الطَّلَاقِ

لَمَّا ذَكَرَ مَا يُوقِعُهُ بِنَفْسِهِ بِنَوْعَيْهِ ذَكَرَ مَا يُوقِعُهُ غَيْرُهُ بِإِذْنِهِ وَأَنْوَاعُهُ ثَلَاثَةٌ تَفْوِيضٌ، وَتَوْكِيلٌ، وَرِسَالَةٌ وَأَلْفَاظُ التَّفْوِيضِ

طلاق کا امر تفویض کرنے کا بیان

جب اس کا ذکر کیا جس کی دونوں قسموں کے ساتھ خاوند خود طلاق واقع کرتا ہے تو اس کے بعد امر کا ذکر کیا جو اس کی اجازت کے ساتھ اس کا غیر طلاق واقع کرتا ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں: تفویض، توکیل اور پیغام بھیجنا۔

یعنی خاوند بیوی کو یا کسی اور کو طلاق کا امر تفویض کر دے خواہ وہ امر صریح ہو یا کنایہ ہو۔ کہا جاتا ہے: فوض له الامر یعنی امر کو اس کی طرف لوٹا دیا ''حموی''۔ پس کنایہ اس کا یہ قول ہے: اختاری، أمرك بیدك۔ صریح اس کا یہ قول ہے: طلقی نفسك ''ابوسعود''۔

13564۔(قوله: بِنَوْعَيْهِ) دونوعوں سے مراد صریح اور کنایہ ہے، ''ح''۔

وہ امر جسے خاوند کے علاوہ کوئی اور واقع کرتا ہے، کی تین انواع ہیں

13565۔(قوله: وَأَنْوَاعُهُ) ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے جسے غیر واقع کرتا ہے۔ یہ تفویض کی طرف نہیں لوٹ رہی ورنہ وہ شے کا اپنی ذات اور غیر کی طرف تقسیم ہونا لازم ہوگا۔ ''ابوسعود''۔

13566۔(قوله: تَفْوِيضٌ وَتَوْكِيلٌ) تفویض سے مراد طلاق کا مالک بنانا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ ''الفتح'' میں المشیئة کی فصل میں کہا: کہ صاحب ہدایہ نے تملیک اور توکیل میں فرق کا دارومدار ایک دفعہ اس امر کو بنایا ہے کہ مالک اپنی رائے سے عمل کرتا ہے۔ وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ اور ایک دفعہ اس امر کو کہ وہ اپنے لیے عمل کرتا ہے اور وکیل اس کے خلاف ہوتا ہے اور ایک دفعہ یوں فرق بیان کیا کہ وہ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے جب کہ وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کہا: رائے اور مشیئت میں فرق یہ ہے کہ رائے پر عمل یہ ایسا عمل ہے جسے وہ صحیح خیال کرتا ہے اس کا اعتبار کیے بغیر کہ وہ اپنے لیے کرے یا غیر کے لیے کرے اور مشیئت پر عمل سے مراد ہے یعنی ابتداءً اپنے اختیار سے عمل کرتا ہے۔ وہ آمر کے ذمہ کے ساتھ مطابقت اور زیادہ صحیح معنی کا اعتبار نہیں کرتا۔ پہلی دونوں صورتوں میں بحث کے بعد کہا: ان الفرق الثالث اصوب تیسرا فرق زیادہ صحیح ہے۔

13567۔(قوله: وَرِسَالَةٌ) جس طرح وہ ایک آدمی کو کہتا ہے: فلانہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو تیرا خاوند تجھے کہتا ہے: اختاری وہ پیغام بھیجنے والے کے کلام کو بھیجتا ہے اپنی طرف سے نیا کلام نہیں کرتا۔ مالک اور وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ علما نے کہا کہ قاصد معبر اور سفیر ہوتا ہے یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

ثَلَاثَةٌ تَخْيِيرٌ وَأَمْرٌ بِيَدٍ، وَمَشِيئَةٌ (قَالَ لَهَا اخْتَارِي أَوْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ يَنْوِي) تَفْوِيضَ (الطَّلَاقِ) لِأَنَّهُمَا كِنَايَةٌ فَلَا يَعْمَلَانِ بِلَا نِيَّةٍ

طلاق سپرد کرنے کے الفاظ تین ہیں: تخییر، امر بید اور مشیئت۔ خاوند نے عورت سے کہا: تو اختیار کر لے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ وہ طلاق تفویض کرنے کا ارادہ کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں کنایہ ہیں۔ یہ دونوں نیت کے بغیر عمل نہیں کریں گے

تفویض کے الفاظ

13568_(قولہ: ثَلَاثَةٌ) یہ استقرا یعنی سوچ و بچار سے ظاہر ہوئیں۔ مصنف نے اختیار کے لفظ سے شروع کیا۔ کیونکہ یہ صریح اخبار سے ثابت ہے۔ اس کی علیحدہ فصل نہیں بنائی جس طرح صاحب ''الہدایہ'' نے الگ فصل بنائی ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اس کو الگ کرتے۔ آخری دو کا معاملہ مختلف ہے۔ باب میں اس پر اکتفا کیا ہے، ''نہر''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ تفویض عام ہے پس مناسب یہ تھا اس کو باب کے نام کے ساتھ ذکر کرتے۔ تین اس کی انواع ہیں پس مناسب یہ تھا کہ ہر ایک کے لیے الگ فصل کا نام ذکر کرتے۔ لیکن تخییر کا الگ عنوان نہیں بنایا کیونکہ اس سے پہلے کلام نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مصنف کا دوسرے کے لیے باب بنانا مناسب نہیں۔

13569_(قولہ: قَالَ لَهَا اخْتَارِي) عورت کے قول کو ذکر نہ کرنے کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ تملیک ہے جو صرف مملک کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔ اگر اس نے مجلس کے ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تو اس کا رجوع صحیح نہ ہوگا۔ صرف تخییر پر اقتصار کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر خاوند نے عورت سے کہا: اختاری الطلاق تو عورت نے کہا: اس نے طلاق کو اختیار کیا تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ جب طلاق کی تصریح کی تو اختیار طلاق رجعی کو اپنانے اور اس کے ترک کرنے میں تھا۔ طحطاوی نے ''البحر'' سے اسے نقل کیا ہے۔

13570_(قولہ: أَوْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ) اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کے احکام مستقل فصل میں آ رہے ہیں، ''ط''۔

13571_(قولہ: تَفْوِيضَ الطَّلَاقِ) اس مضاف پر وہ امر دلالت کرتا ہے جس کے لیے یہ باب باندھا گیا ہے جس طرح ''النہر'' میں ہے، ''ح''۔

13572_(قولہ: لِأَنَّهَا كِنَايَةٌ) یعنی یہ تفویض کے کنایات میں سے ہے، ''شرنبلالیہ''۔

13573_(قولہ: فَلَا يَعْمَلَانِ بِلَا نِيَّةٍ) یعنی حالت رضا میں قضاءً اور دیانۃً نیت کے بغیر عمل نہ کریں گے۔ جہاں تک حالات غضب اور مذاکرہ کا تعلق ہے اس کا یہ کہنا: میں نے نیت نہیں کی قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دونوں جواب کے لیے خالص ہیں۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ عورت کے لیے اس خاوند کے پاس رہنے کی گنجائش نہیں مگر اسی

(أَوْ طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ فِي مَجْلِسِ عِلْمِهَا بِهِ) مُشَافَهَةً أَوْ إِخْبَارًا (وَإِنْ طَالَ) يَوْمًا أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ يُوَقِّتْهُ وَيَمْضِ الْوَقْتُ

یا خاوند نے کہا تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تو عورت کو حق حاصل ہے کہ جس مجلس میں اسے علم ہوا اس میں اپنے آپ کو طلاق دے لے علم براہ راست خاوند سے ہوا یا اسے خبر دی گئی اگرچہ مجلس لمبی ہو جائے ایک دن یا زیادہ جب تک خاوند اس کے لیے وقت کی تعیین نہ کرے۔ اور وقت اس کے

صورت میں کہ وہ نیا عقد نکاح کرے کیونکہ اس عورت کی حیثیت قاضی کی سی ہے۔ ''الفتح'' اور ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

پھر یہ جان لو کہ نیت کا شرط ہونا یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب اس نے نفس کا ذکر نہ کیا ہو یا جو اس کی کلام میں نفس کے قائم مقام ہو۔ بے شک نفس کا ذکر عورت کی کلام میں کیا گیا جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 13644 میں) آئے گی۔ اس پر متنبہ ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا تو اپنے آپ کو طلاق دے یہ مجلس علم کے ساتھ مقید ہوگا

13574۔ (قولہ: أَوْ طَلِّقِي نَفْسَكِ) یہ طلاق صریح کی تفویض ہے اس میں نیت کی ضرورت نہیں اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اس میں تین طلاقوں کی نیت کرنا صحیح ہے جس طرح مصنف عنقریب اس کا ذکر مشیئت کی فصل کے شروع میں کریں گے۔

13575۔ (قولہ: فِي مَجْلِسِ عِلْمِهَا) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ خاوند کی مجلس کا اعتبار نہیں۔ اگر خاوند نے عورت کو اختیار دیا پھر خاوند خود اٹھ گیا تو خیار باطل نہیں ہوگا۔ عورت کے قیام کا معاملہ مختلف ہے۔ ''بحر'' میں ''البدائع'' سے نقل کیا ہے، ''ط''۔

13576۔ (قولہ: مُشَافَهَةً) وہ عورت جو مجلس میں موجود ہو اس کو بالمشافہ بنایا اور جو غائب تھی اس کو خبر دی یہ دونوں علمها سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں۔

13577۔ (قولہ: مَا لَمْ يُوَقِّتْهُ) اگر خاوند نے کہا: میں نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ آج اپنے آپ کو طلاق دے لے تو اس روز میں اس کی مجلس علم کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ دن گزر گیا پھر عورت کو علم ہوا تو امر عورت کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح ہر وہ وقت جس کے ساتھ اس نے تفویض کو مقید کیا تھا جب کہ وہ عورت غائب تھی اسے علم نہ ہوا یہاں تک کہ وقت گزر گیا تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔ ''فتح''، ''بحر''۔ باب کے آخر میں وقت کی تعیین کے متعلق مسائل آئیں گے اور یہ بھی آئے گا کہ جب وقت معین کر دیا جائے تو اعراض سے خیار باطل نہیں ہوگا۔

13578۔ (قولہ: وَيَمْضِ الْوَقْتُ) اس کا عطف یوقتہ پر ہے جو مجزوم ہے۔ یمضی میں یا کو ثابت رکھنا یہ لکھنے والوں کی تحریف ہے یا یہ ایک لغت پر ہے جس طرح ایک صورت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ

قَبْلَ عِلْمِهَا (مَا لَمْ تَقُمْ) لِتَبَدُّلِ مَجْلِسِهَا حَقِيقَةً (أَوْ) حُكْمًا بِأَنْ (تَعْمَلَ مَا يَقْطَعُهُ)

علم سے پہلے گزر گیا جب تک وہ نہ اٹھے۔ کیونکہ اس کی مجلس حقیقۃً یا حکماً بدل جاتی ہے۔ حکماً مجلس بدلنے کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسا کام کرنے لگے جو اس مجلس کو قطع کردے

(یوسف:90) میں جواب دیا جاتا ہے جب دیصبر کو رفع دیا جائے۔ معنی ہے عورت کو حق حاصل ہے کہ مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے لے اگرچہ مجلس طویل ہو جائے جب کہ مرد نے اس کے لیے وقت کی تعیین نہ کی ہو، اور تعیین کی صورت میں اس کا وقت نہ گزرا ہو اس صورت میں کہ خاوند نے اختیار کے لیے وقت کی تعیین نہ کی ہو یا وقت کی تعیین کی ہو مگر ابھی وہ وقت نہ گزرا ہو۔ اگر وقت کی تعیین کی ہو اور وقت گزر گیا ہو تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ جہاں تک اس کو رفع دینے کا تعلق ہے جب کہ واؤ حالیہ ہو تو یہ علم نحو اور معنی کے اعتبار سے فاسد ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو کیونکہ حال کا جملہ جس کا فعل مضارع مثبت ہے وہ واؤ کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معنی ہو جاتا ہے: ایسی مدت جو اس نے وقت گزرنے کی حالت میں معین نہیں کی۔ جب اس نے اس کے لیے وقت کی تعیین ہی نہیں کی تو وقت کیسے گزرے گا۔ پس اسے سمجھ لیجئے۔ ہاں بعض نسخوں میں ہے: فبمضی الوقت یعنی فا اور با جارہ ہے جو مصدر پر داخل ہے۔ معنی ہے: اگر وقت کی تعیین کی تو وقت گزرنے کے ساتھ مجلس ختم ہو جائے گی۔

13579۔ (قولہ: قَبْلَ عِلْمِهَا) یہ قید احترازی نہیں بلکہ یہ اخفی پر تنبیہ ہے تا کہ اس کے مقابل کو بدرجہ اولیٰ جان لیا جائے جس طرح شارح کا ایسے بے شمار مواقع پر معمول ہے جن مواقع کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ فافہم

13580۔ (قولہ: مَا لَمْ تَقُمْ) زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کا ایک ایسا عطف ذکر کیا جائے جس کا عطف مالم یوقتہ پر ہو۔ اگر کہتے: مالم تفعل مایدل علی الاعراض تو یہ کلام زیادہ مختصر ہوتی اور زیادہ فائدہ مند ہوتی تا کہ ان کے قول او حکما کا حقیقۃً پر عطف صحیح ہوتا۔ کیونکہ یہ اسلوب اس قول او تعمل مایقطعه سے غنی کر دیتا اور اس لیے بھی کہ اس کا مطلقاً ہر قیام کا بطلان یہ بعض کا قول ہے۔ صحیح ترین یہ ہے جس طرح ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے کہ اس فعل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے اعراض پر دلالت کرے اختلاف کا اثر اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ اگر عورت اٹھی تا کہ گواہوں کو بلائے جس طرح آگے (مقولہ 13582 میں) آئے گا۔ اگر مرد نے اسے اٹھایا یا اس کے ساتھ جماع کیا تو خیار باطل ہو جائے گا جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ وہ عورت بہت جلد اپنے آپ کو اختیار کر سکتی تھی اس کا ایسا نہ کرنا یہ اعراض کی دلیل ہے۔

13581۔ (قولہ: لِتَبَدُّلِ مَجْلِسِهَا حَقِيقَةً) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ قیام کے ساتھ مجلس حقیقت میں مختلف ہوتی ہے۔ ''ایضاح الاصلاح'' میں جو قول ہے یہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس میں کہا: مجلس اگرچہ محض قیام سے تبدیل نہیں ہوتی مگر خیار اس کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اعراض پر دال ہے یہ صاحب ''ہدایہ'' کے کلام سے ظاہر ہے۔ ''التبیین'' میں ہے: کبھی مجلس دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے سے حقیقۃً بدلتی ہے اور کبھی کوئی دوسرا کام شروع کرنے

مِمَّا يَدُلُّ عَلَى الْإِعْرَاضِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِهَا فِي الْمَجْلِسِ لَا تَوْكِيلٌ فَلَمْ يَصِحَّ رُجُوعُهُ،

اور یہ ان اعمال میں سے ہو جو اعراض پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تملیک ہے پس یہ مجلس میں عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا۔ یہ توکیل نہیں ہے۔ تو اس کا رجوع صحیح نہ ہوگا

سے حکماً بدلتی ہے۔

میں کہتا ہوں: گویا شارح نے قیام، جگہ بدلنے پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: قام عن مجلسه جب وہ اس جگہ سے منتقل ہو جائے۔ اس سے مراد محض بیٹھنے سے اٹھنا نہیں کیونکہ تو جان چکا ہے کہ مطلقاً ہر قیام کے ساتھ اختیار کا بطلان اصح قول کے خلاف ہے۔

13582۔ (قولہ: مِمَّا يَدُلُّ عَلَى الْإِعْرَاضِ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر خاوند عورت کو خیار دے پس وہ کپڑے پہنے اور پانی پیے تو اس کا خیار باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ لباس پہننا بعض اوقات اس لیے ہوتا ہے تا کہ وہ گواہوں کو بلائے اور پیاس کبھی شدید ہوتی ہے جو اسے غور و فکر سے روک دیتی ہے۔ عمل میں اجنبی کلام داخل ہو گئی ہے۔ یہ تخییر مطلق میں ہے۔ جہاں تک ایک ماہ کی تعیین کا مسئلہ ہے جب تک وقت باقی ہے اختیار باطل نہیں ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ جو چیزیں اعراض بنتی ہیں اور جو چیزیں اعراض نہیں بنتیں ان کے بارے میں مکمل گفتگو آئے گی۔

13583۔ (قولہ: فَيَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِهَا فِي الْمَجْلِسِ) قبول سے مراد جواب ہے۔ اور یتوقف میں ضمیر اس تطلیق کی طرف لوٹ رہی ہے جو فلها ان تطلق کے مفہوم کی طرف لوٹ رہی ہے تملیک کی طرف نہیں لوٹ رہی۔ کیونکہ علما نے تصریح بیان کی ہے کہ یہ تملیک صرف ملکیت عطا کرنے والے کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے اور قبول پر موقوف نہیں ہوتی۔ کیونکہ عورت طلاق کے تفویض ہونے کے بعد ہی طلاق دیتی ہے۔ اور تفویض امر تملیک کے مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے جس طرح ''الفتح'' اور ''النہر'' میں واضح کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تملیک ایسی ہے جس کی تکمیل قبول پر موقوف نہیں ہوتی اور نہ ہی مجلس میں جواب پر ہوتی ہے۔ کیونکہ جواب یعنی تطلیق اس کے مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جواب پر جو چیز موقوف ہوتی ہے وہ تطلیق کی صحت ہوتی ہے۔ فافہم

13584۔ (قولہ: فَلَمْ يَصِحَّ رُجُوعُهُ) یہ اس امر پر تفریع ہے کہ یہ توکیل نہیں کیونکہ وکالت لازم نہیں اگر یہ توکیل ہوتی تو وکالت سے معزول کرنا صحیح ہوتا۔ ''البحر'' میں ''جامع الفصولین'' سے نقل کیا ہے: طلاق کو عورت کے سپرد کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وکالت ہے خاوند عورت کو اس سے معزول کرنے کا مالک ہے۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں۔

لیکن جب یہ تملیک ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رجوع کرنا صحیح نہ ہو۔ جس طرح ''المعراج'' میں ہے کہا: کیونکہ ہبہ کے ساتھ اس کا نقض ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہبہ تملیک ہے اور رجوع کرنا صحیح ہے۔

''ذخیرہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ یمین کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ طلاق کو اس پر معلق کرنا ہے کہ عورت خود

حَتَّى لَوْ خَيَّرَهَا ثُمَّ حَلَفَ أَنْ لَا يُطَلِّقَهَا فَطَلَّقَتْ لَمْ يَحْنَثْ فِي الْأَصَحِّ (لَا) تُطَلِّقُ (بَعْدَهُ) أَيِ الْمَجْلِسِ (إِلَّا إِذَا زَادَ) فِي قَوْلِهِ طَلِّقِي نَفْسَكِ وَأَخَوَاتِهِ (مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ أَوْ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ) فَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ (وَلَمْ يَصِحَّ رُجُوعُهُ) لِمَا مَرَّ (وَ) أَمَّا فِي (طَلِّقِي

یہاں تک کہ اگر خاوند نے عورت کو اختیار دیا پھر اس نے قسم اٹھادی کہ وہ عورت کو طلاق نہ دے گا عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی تو صحیح ترین قول کے مطابق وہ حانث نہیں ہوگا۔ عورت مجلس کے بعد اپنے آپ کو طلاق نہ دے گی مگر جب طلقی نفسك وغیرہ پر یہ اضافہ کرے۔ متی شئت، متی ما شئت، اذا شئت یا اذا ما شئت یعنی جب چاہے تو یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا اور رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ جہاں تک خاوند کے اس قول کا تعلق ہے

اپنے آپ کو طلاق دے۔ ''الفتح'' میں اس پر اعتراض کیا ہے: یہ تمام وکالتوں میں جاری ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس قول اذا بعتہ فقد اجزتہ کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ جب کہ اس سے رجوع صحیح ہے۔ بے شک علت یہ ہے کہ یہ ایسی تملیک ہے جو صرف مملک کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے اس میں قبول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔ فافہم

13585۔(قولہ: حَتَّى لَوْ خَيَّرَهَا) اس کے توکیل نہ ہونے پر دوسری تفریع ہے بلکہ یہ تملیک ہے کیونکہ قسم (جو کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے) توڑنے کی علت وہ عورت کا خاوند کا نائب ہونا ہے۔ یہ ممنوع ہے جس طرح ''الفتح'' میں ''زیادات'' سے مروی ہے جو صاحب ''محیط'' کی ہے: کیونکہ وہ مالک بن چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر ایک آدمی نے کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے وکیل بنایا تو وہ حانث ہوگا جس طرح ''کتاب الایمان'' میں (مقولہ 17987 میں) آئے گا ان شاء اللہ جب ان امور کا ذکر کیا جائے گا جن میں مامور کے فعل سے آمر حانث ہوتا ہے۔

13586۔(قولہ: وَأَخَوَاتِهِ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ کہتے: واختیہ وہ اختاری اور امرك بیدك ہے۔ یہ جان لو کہ مصنف نے یہاں سے دجلوس القائمۃ تک جو ذکر کیا ہے عنقریب اسے فصل المشیئۃ میں ذکر کریں گے۔

13587۔(قولہ: فَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ) جہاں تک متی اور متی ما کا تعلق ہے ان کے مجلس کے ساتھ مقید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ دونوں عموم اوقات کے لیے ہیں۔ گویا کہا: جس وقت میں چاہو۔ پس یہ اختیار مجلس تک محدود نہیں ہوگا۔ جہاں تک اذا اور اذا ما کا تعلق ہے کیونکہ یہ دونوں اور متی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک برابر ہیں جہاں تک امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو آپ کے نزدیک دونوں شرط کے لیے استعمال ہوتے ہیں جس طرح یہ دونوں ظرف کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن امر عورت کے ہاتھ میں آجائے گا پس شک کی وجہ سے امر اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ حلبی نے ''المنح'' سے نقل کیا ہے۔

13588۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یہ گزر چکا ہے کہ یہ توکیل نہیں بلکہ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے اپنی بیوی کو وکیل بنانے کی تصریح کرے تو وہ تملیک ہوگی توکیل نہیں ہوگی جس طرح ''البحر'' میں ''الفصولین'' سے مروی ہے۔

ضَرَّتَكِ أَوْ قَوْلِهِ لِأَجْنَبِيٍّ (طَلِّقِ امْرَأَتِي) فَ (يَصِحُّ رُجُوعُهُ) مِنْهُ وَلَمْ يَتَقَيَّدْ بِالْمَجْلِسِ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ مَحْضٌ، وَفِي طَلِّقِي نَفْسَكِ وَضَرَّتَكِ كَانَ تَمْلِيكًا فِي حَقِّهَا تَوْكِيلًا فِي حَقِّ ضَرَّتِهَا جَوْهَرَةٌ (إِلَّا إِذَا عَلَّقَهُ بِالْمَشِيئَةِ) فَيَصِيرُ تَمْلِيكًا لَا تَوْكِيلًا وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا فِي خَمْسَةِ أَحْكَامٍ فَفِي التَّمْلِيكِ لَا يَرْجِعُ وَلَا يَعْزِلُ وَلَا يَبْطُلُ بِجُنُونِ الزَّوْجِ

اپنی سوکن کو طلاق دے یا مرد کا اجنبی کو کہنا میری بیوی کو طلاق دو تو اس سے رجوع صحیح ہوگا اور یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ توکیل محض ہے۔ اور خاوند کا یہ کہنا اپنے آپ اور اپنی سوکن کو طلاق دے یہ اس کے اپنے حق میں تملیک اور سوکن کے حق میں توکیل ہوگی۔ ''جوہرہ''۔ مگر جب اسے مشیئت کے ساتھ معلق کیا تو یہ تملیک ہوگی توکیل نہ ہوگی۔ دونوں میں پانچ احکام میں فرق ہے: تملیک میں رجوع نہیں کرسکتا، معزول نہیں کرسکتا، خاوند کے جنون کے ساتھ باطل نہیں ہوگی

13589۔ (قولہ: أَوْ قَوْلُهُ لِأَجْنَبِيٍّ طَلِّقِ امْرَأَتِي) طلاق کی قید ذکر کی کیونکہ اگر مرد کہے: امر امرأتی بیدك تو یہ اختیار مجلس تک محدود رہے گا۔ صحیح ترین قول کے مطابق وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے فصل المشیئۃ میں ہے۔ اگر خاوند نے اجنبی کے لیے امر بالید اور امر بالتطلیق جمع کردیا تو اس میں وہاں تفصیل مذکور ہے۔

13590۔ (قولہ: فَيَصِحُّ رُجُوعُهُ) شارح نے فا کو زائد ذکر کیا تاکہ اس اما کے جواب میں ہو جسے پہلے زائد کیا ہے۔

13591۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ مَحْضٌ) طلقی نفسك کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کررہی ہوتی ہے پس یہ تملیک ہوگی توکیل نہ ہوگی، ''بحر''۔

13592۔ (قولہ: كَانَ تَمْلِيكًا فِي حَقِّهَا) کیونکہ اس میں وہ اپنے نفس کے لیے عمل کرنے والی ہے اور اس کا قول توکیلا فی حق ضرتها کیونکہ وہ غیر کے لیے عمل کررہی ہے۔

13593۔ (قولہ: فَيَصِيرُ تَمْلِيكًا) پس وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے امر کو اس کی رائے کے سپرد کردیا ہے اور مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی خواہش کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ وکیل سے فعل کا مطالبہ ہوتا ہے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ ''طحطاوی'' نے ''المنح'' سے نقل کیا ہے۔

13594۔ (قولہ: لَا تَوْكِيلًا) یعنی اگرچہ وکالت کی تصریح کی ہے۔ ''بحر'' میں ''خانیہ'' سے منقول ہے۔

13595۔ (قولہ: لَا يَرْجِعُ وَلَا يَعْزِلُ) رجوع کی ملکیت نہ ہونے سے معزول کرنے کی ملکیت کا نہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر خاوند نے اجنبی مرد سے کہا: میری بیوی کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے پھر کہا: میں نے تجھے معزول کردیا ہے اور میں نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا ہے تو اس کا معزول کرنا صحیح نہیں جب کہ اس نے کلی طور پر امر کے تفویض سے رجوع نہیں کیا۔ فافہم

13596۔ (قولہ: وَلَا يَبْطُلُ بِجُنُونِ الزَّوْجِ) یہ قول اس بنا پر ہے کہ یہ تعلیق ہے، ''ط''۔

وَيَتَقَيَّدُ بِمَجْلِسٍ لَا بِعَقْلٍ، فَيَصِحُّ تَفْوِيضُهُ لِمَجْنُونٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ، بِخِلَافِ التَّوْكِيلِ بَحْرٌ، نَعَمْ لَوْ جُنَّ بَعْدَ التَّفْوِيضِ لَمْ يَقَعْ فَهُنَا تُسُومِحَ ابْتِدَاءً لَا بَقَاءً عَكْسَ الْقَاعِدَةِ فَلْيُحْفَظْ

اور مجلس کے ساتھ مقید ہوگی، عقل کے ساتھ مقید نہ ہوگی اس کی تفویض مجنون کو صحیح ہوگی، اور ایسا بچہ جو عقل نہ رکھتا ہو۔ توکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ ہاں اگر تفویض کے بعد اسے جنون لاحق ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو یہاں ابتداء تسامح ہوتا ہے بقاءً تسامح نہیں۔ یہ قاعدہ کے خلاف ہے اسے یاد رکھنا چاہیے۔

13597۔(قولہ: لَا بِعَقْلٍ) یہ پانچواں حکم ہے،''ط''۔

13598۔(قولہ: فَيَصِحُّ) یہ پانچویں حکم پر تفریع ہے۔ اس کی وضاحت وہی ہے جو''البحر'' میں''المحیط'' سے مروی ہے: اگر خاوند نے بیوی کا معاملہ ایسے بچے کے ہاتھ دے دیا جو عقل نہیں رکھتا یا مجنون کے حوالے کر دیا تو جب تک مجلس میں ہے اختیار اسے حاصل ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی تملیک ہے جس کے ضمن میں تعلیق ہے۔ اگر تملیک کے اعتبار سے صحیح نہیں تو تعلیق کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے صحیح ہوگی۔ پس ہم نے تعلیق کا اعتبار کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔ گویا کہا: اگر مجنون تجھے کہے انت طالق فانت طالق معنی تملیک کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار صرف مجلس تک محدود ہوگا یہ دونوں شبہوں پر عمل کرنے کی بنا پر ہے،''ط''۔

''الذخیرہ'' میں کہا: اس سے ہم نے ایک مسئلہ کا جواب نکالنا چاہا جو واقعۃ الفتوی بن چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے جب ایک آدمی نے اپنی چھوٹی بیوی سے کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو چھوٹی عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی تو یہ طلاق صحیح ہوگی کیونکہ اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی: ان طلقتِ نفسكِ فانتِ طالق۔

13599۔(قولہ: وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ) شرط یہ ہے کہ وہ گفتگو کرتا ہو تو اس کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنا صحیح ہوگا۔ عقل کی تعبیر کرنا لازم نہیں۔''طحطاوی'' نے''البحر'' سے نقل کیا ہے۔

13600۔(قولہ: بِخِلَافِ التَّوْكِيلِ) یعنی پانچوں مسائل میں توکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن آخری مسئلہ میں بحث ہے۔ میں اسے فصل المشیئۃ میں (مقولہ 13743 میں) ذکر کروں گا۔

13601۔(قولہ: نَعَمْ لَوْ جُنَّ) یعنی جس کو امر تفویض کیا گیا ہے وہ مجنون ہو گیا،''ط''۔

13602۔(قولہ: فَهُنَا تُسُومِحَ) اسی کی مثل''البحر'' کی فصل المشیئۃ میں ہے: اگر بیع کا وکیل ایسا مجنون ہو جائے جس میں وہ بیع اور شرا کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو پھر وہ بیچ دے تو اس کی بیع منعقد نہ ہوگی۔ اگر اس نے اس صفت سے موصوف کو وکیل بنایا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں بیع کی ذمہ داری وکیل پر تھی جب وہ مجنون ہو گیا تو ذمہ داری مؤکل پر ہو جائے گی تو وکیل کی بیع نافذ نہ ہوگی۔ دوسری صورت میں اس نے بیع کا وکیل بنایا تو اس کی ذمہ داری مؤکل پر تھی تو بیع اس پر نافذ ہو جائے گی جس طرح''خانیہ'' میں ہے۔ اور طلاق کے تفویض کرنے میں اگرچہ اصلاً کوئی ذمہ داری نہیں لیکن طلاق کے تفویض کرنے کے وقت خاوند عقل مند کی کلام پر ہی امر کو معلق کرتا ہے۔ جب اس نے طلاق دی تو وہ مجنون تھا تو شرط نہ پائی گئی۔ جب اس نے

(وَجُلُوسُ الْقَائِمَةِ وَاتِّكَاءُ الْقَاعِدَةِ وَقُعُودُ الْمُتَّكِئَةِ وَدُعَاءُ الْأَبِ) أَوْ غَيْرِهِ (لِلْمَشُورَةِ) بِفَتْحٍ فَضَمٍّ الْمُشَاوَرَةُ (وَ) دُعَاءُ (شُهُودٍ لِلْإِشْهَادِ) عَلَى اخْتِيَارِهَا الطَّلَاقَ

اور جو کھڑی ہو اس کا بیٹھ جانا اور جو بیٹھی ہو اس کا ٹیک لگانا اور جو ٹیک لگائے ہوئے ہو اس کا بیٹھ جانا اور باپ وغیرہ کو مشورہ کے لیے بلانا اور گواہوں کو گواہ بنانے کے لیے بلانا یہ طلاق کے اختیار پر باقی رکھے گا۔

ابتداءً امر مجنون کے سپرد کیا اگرچہ وہ کچھ سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ تعلیق کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ صحیح ہو گا۔ اور بیع کی توکیل میں صحیح نہیں ہوگا مگر جب وہ بیع وشرا کی سمجھ رکھتا ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اور گویا یہ معتوہ کے معنی میں ہے۔ تفویض اور توکیل بالبیع کی دونوں فرعوں میں ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان کی ابتدا میں تسامح ہوا ہے بقا میں تسامح نہیں۔ یہ قاعدہ فقہیہ کے خلاف ہے کہ بقا میں تسامح ہوتا ہے ابتدا میں تسامح نہیں ہوتا۔ ''البحر'' میں جو بحث ہے اس کی یہ تلخیص ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قاعدہ کو ''الاشباہ'' میں اس قول کے ساتھ تعبیر کیا ہے: چوتھا توابع میں اس سے درگزر سے کام لیا جاتا ہے جب کہ ان کے غیر میں اس سے درگزر سے کام نہیں لیا جاتا۔ پھر اس کی کئی مثالیں بیان کی ہیں۔ پھر اس کے برعکس دو مثالیں دی ہیں جو ان دو مثالوں کے علاوہ ہیں۔ پس عکس کی فروع ان دو فرعوں کی زیادتی کے ساتھ چار ہو گئیں۔

13603۔ (قولہ: وَجُلُوسُ الْقَائِمَةِ) ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر وہ کمرہ کی ایک جانب سے دوسری جانب تک چلی تو اختیار باطل نہ ہوگا۔

''البحر'' میں کہا: اس کا معنی ہے: مرد عورت کو اختیار دے جب کہ وہ کھڑی تھی تو وہ ایک جانب سے دوسری جانب تک چلی۔ مگر جب خاوند نے عورت کو اختیار دیا جب کہ وہ گھر میں بیٹھی ہوئی تھی تو وہ کھڑی ہوگئی تو محض اٹھنے سے اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں ہے کہ یہ بعض کا قول ہے۔ اور صحیح ترین یہ ہے کہ قیام کے ساتھ ساتھ اعراض کی دلیل بھی ہو جس طرح (مقولہ 13581 میں) گزرا ہے۔

13604۔ (قولہ: وَاتِّكَاءُ الْقَاعِدَةِ) مگر جب وہ پہلو کے بل لیٹ گئی تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا اختیار باطل نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس نے تکیہ کو درست کیا جس طرح سونے کے لیے کیا جاتا ہے تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ ''بحر'' میں ''خلاصہ'' سے مروی ہے۔

13605۔ (قولہ: لِلْمَشُورَةِ) اگر عورت نے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ (مقولہ 13572 میں) گزر چکا ہے کہ اجنبی کلام اعراض کی دلیل ہے۔

13606۔ (قولہ: بِفَتْحٍ فَضَمٍّ) یعنی میم پر فتحہ ہے اور شین پر ضمہ ہے۔ اسی طرح میم کے فتحہ کے ساتھ شین ساکن بھی ہوتی ہے اور واو پر فتحہ ہوتا ہے جس طرح ''المصباح'' میں ہے۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهَا مَنْ يَدْعُوهُمْ، سَوَاءٌ تَحَوَّلَتْ عَنْ مَكَانِهَا أَوْ لَا فِي الْأَصَحِّ خُلَاصَةٌ (وَإِيقَافُ دَابَّةٍ هِيَ رَاكِبَتُهَا لَا يَقْطَعُ) الْمَجْلِسَ، وَلَوْ أَقَامَهَا أَوْ جَامَعَهَا مُكْرَهَةً بَطَلَ لِتَمَكُّنِهَا مِنَ الِاخْتِيَارِ (وَالْفُلْكُ لَهَا كَالْبَيْتِ وَسَيْرُ دَابَّتِهَا كَسَيْرِهَا) حَتَّى لَا يَتَبَدَّلَ الْمَجْلِسُ بِجَرْيِ الْفُلْكِ، وَيَتَبَدَّلُ بِسَيْرِ الدَّابَّةِ لِإِضَافَتِهِ إِلَيْهَا إِلَّا أَنْ تُجِيبَ مَعَ سُكُوتِهِ أَوْ يَكُونَا فِي محمل يَقُودُهُمَا الْجَمَّالُ

جب عورت کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو انہیں دعوت دے خواہ وہ عورت اپنی جگہ کو چھوڑے یا نہ چھوڑے صحیح ترین قول کے مطابق۔''خلاصہ''۔ اس سواری کو روک لینا جس پر وہ سوار ہو یہ اس کی مجلس کو ختم نہیں کرتا۔ اگر مرد نے اسے روک لیا یا زبردستی جماع کیا تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اختیار کرنے پر قادر تھی۔ عورت جس کشتی میں بیٹھی ہے اس کی حیثیت کمرے کی طرح ہے اور اس کی سواری کا چلنا کشتی کے چلنے کی طرح ہے یہاں تک کہ کشتی کے چلنے سے مجلس تبدیل نہیں ہوتی اور سواری کے چلنے سے مجلس تبدیل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی چال عورت کی طرف منسوب ہے مگر جب عورت مرد کے خاموش ہونے کے ساتھ ہی جواب دے۔ یا دونوں میاں بیوی کجاوے میں ہیں ساربان دونوں کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے ہو

13607۔(قولہ: إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهَا مَنْ يَدْعُوهُمْ) یہ قول اس پر صادق آتا ہے جب اس کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو یا اس کے پاس کوئی ہو اور پاس ہونے والا شخص انہیں نہ بلائے۔ اگر عورت کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو انہیں بلا سکتا ہو پھر عورت خود بلائے تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں جاری ہوتا ہے جب وہ مشورہ کے لیے باپ کو بلائے،''ط''۔

13608۔(قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر عورت اپنی جگہ چھوڑ دے تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا اس پر بنا کرتے ہوئے کہ معتبر مجلس کی تبدیلی ہے یا اعراض ہے۔ اصح یہ ہے کہ اعراض کا اعتبار کیا جائے۔''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13609۔(قولہ: لِتَمَكُّنِهَا مِنَ الِاخْتِيَارِ) یعنی وہ اپنے آپ کو اختیار کرنے پر قادر تھی اس کا اختیار نہ کرنا اعراض کی دلیل ہے۔''بحر''

13610۔(قولہ: وَالْفُلْكُ) یعنی کشتی۔

13611۔(قولہ: حَتَّى لَا يَتَبَدَّلَ) کیونکہ کشتی کی چال اس کے راکب کی طرف منسوب نہیں بلکہ اس کے علاوہ یعنی ہوا اور پانی کے دھکیلنے کی طرف منسوب ہے۔ پس اس کے چلنے سے خیار باطل نہیں ہوگا بلکہ مجلس کے بدلنے سے خیار باطل ہوگا،''فتح''۔

13612۔(قولہ: إِلَّا أَنْ تُجِيبَ مَعَ سُكُوتِهِ) کیونکہ عورت کے لیے اس سے جلدی جواب دینا ممکن نہیں۔ پس حکماً مجلس تبدیل نہ ہوگی۔ کیونکہ مجلس کے اتحاد کا اعتبار کیا جاتا ہے تاکہ جواب خطاب کے ساتھ متصل ہو۔ جب فصل کے بغیر

فَإِنَّهُ كَالسَّفِينَةِ (وَفِي اخْتَارِي نَفْسَكِ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلَاثِ) لِعَدَمِ تَنَوُّعِ الِاخْتِيَارِ؛

تو یہ بھی کشتی کی طرح ہوگا۔ جب مرد عورت سے کہے اختاری نفسک تو تین کی نیت کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ اختیار میں تنوع نہیں۔

جواب پایا گیا تو اتصال پایا گیا۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''اسراع'' کی ''الخلاصہ'' میں یہ تفسیر بیان کی ہے کہ عورت کا جواب اس کے قدم اٹھانے سے سبقت لے جائے ''نہر''۔ ''الفتح'' کے قول فلا یتبدل حکما کا ظاہر یہ ہے کہ یہ سبقت شرط نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ مجلس کی نہ تو حقیقۃً تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ حکماً تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

13613۔ (قولہ: فَإِنَّهُ كَالسَّفِينَةِ) یعنی قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک میں چال سوار کی طرف منسوب نہیں۔ اس کا قیاس یہ ہے اگر وہ ایک سواری پر ہو اور وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو اس سواری کی مہار پکڑے ہوئے ہے تو اس سواری کے چلنے سے اس کا خیار باطل نہیں ہوگا ''بحر''۔ ''رملی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کہا جاتا ہے: یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر دونوں ایک محمل میں ہوں جس سواری کی مہار کو کوئی اور آدمی پکڑے ہوئے ہو تو اس چال کو قائد کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ سوار سواری کی چال پر قادر نہیں۔ سواری کے سوار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس چال پر قادر ہے۔ پس اس کی چال کو سوار کی طرف منسوب کیا جائے گا اگرچہ اس کے آگے کوئی نہیں۔ تامل

''رحمتی'' نے کہا: چاہیے کہ اگر سواری سرکش ہو اور عورت اسے روکنے سے عاجز ہو تو ایسی سواری بھی کشتی کی مانند ہو کیونکہ اس وقت سواری کا فعل سوار کی طرف منسوب نہیں ہوتا جس طرح جنایات کے باب میں آئے گا۔

تتمہ

اگر عورت بیٹھے بیٹھے سوگئی یا وہ فرض نماز یا نفلی نماز پڑھ رہی تھی تو اس نے وہ مکمل کی یا اس نے سنت موکدہ کو مکمل کیا یہ صحیح ترین قول ہے یا اس نے نفل نماز میں دوسری رکعت ملائی یا قیام کے بغیر لباس پہنا یا تھوڑا سا کھایا یا اس نے پیا یا تھوڑا سا پڑھا یا اس نے تسبیح کی یا کہا: تو مجھے اپنی زبان سے طلاق کیوں نہیں دے دیتا؟ ان تمام امور میں عورت کا خیار باطل نہیں ہوگا۔ ''الفتح'' میں کہا: کیونکہ مجلس کو تبدیل کرنے والی وہ چیز ہوگی جو پہلی کلام کو قطع کرے اور دوسری میں داخل کر دے۔ یہ اس طرح نہیں۔ بلکہ سب ایک معنی کے ساتھ معلق ہیں اور وہ طلاق ہے۔ اس کی مفصل بحث ''النہر'' میں ہے۔

13614۔ (قولہ: لِعَدَمِ تَنَوُّعِ الِاخْتِيَارِ) کیونکہ عورت کا اختیار یہ خلوص اور صفا کا فائدہ دیتا ہے اور بینونت اس کے ساتھ اقتضاءً ثابت ہوتی ہے اس میں کوئی عموم نہیں ''نہر''۔ یعنی اخترت نفسی کا معنی ہے: میں نے اپنے آپ کو کسی اور کی ملکیت سے خالص کر لیا ہے۔ یہ طلاق بائنہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ پس بینونت مقتضا ہوگی۔ مقتضا سے مراد ہے جسے کلام کی تصحیح کے لیے مقدر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خاوند کی ملکیت کے ہوتے ہوئے عورت کا اپنے آپ کا خالص کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پس یہ کلام مقدر ہوگی: لانی ابنتُ نفسی۔ مقتضا کے لیے عموم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے ضرورت کی بنا پر مقدر کیا جاتا ہے پس اسے بقدر

بِخِلَافِ أَنْتِ بَائِنٌ أَوْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ (بَلْ تَبِينُ) بِوَاحِدَةٍ (إِنْ قَالَتْ اخْتَرْتُ) نَفْسِي (أَوْ) أَنَا (أَخْتَارُ نَفْسِي) اسْتِحْسَانًا، بِخِلَافِ قَوْلِهِ طَلِّقِي نَفْسَكِ

انت بائن اور امرك بيدك کا معاملہ مختلف ہے۔ بلکہ ایک طلاق کے ساتھ وہ جدا ہو جائے گی اگر عورت نے کہا: اخترتُ نفسی میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا یا انا اختارُ نفسی میں اپنے آپ کو اختیار کرتی ہوں یہ بطور استحسان ہے۔ طلقی نفسكِ کا معاملہ مختلف ہے۔

ضرورت مقدر کیا جاتا ہے۔ پس وہ بینونت صغیرہ ہے۔ کیونکہ اس بینونت کے ساتھ وہ اپنی خلاصی کر لیتی ہے اور خاوند کی ملک سے آزاد کر لیتی ہے۔ پس لفظ جب بینونت کبری کا احتمال نہیں رکھتا تو اس کی نیت صحیح نہ ہوگی ''رحمتی''۔

13615۔ (قوله: بِخِلَافِ أَنْتِ بَائِنٌ) کیونکہ اس کا تلفظ کیا جاتا ہے اور اس کے عموم سے کوئی مانع نہیں۔ جب اسے مطلق بولا جائے تو یہ ادنی کی طرف پھرے گی وہ بینونت صغری ہے۔ اگر کبریٰ کی نیت کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہی نیت کی ہے لفظ جس کا احتمال رکھتا ہے۔ اسی طرح اس کا قول: امركِ بيدكِ ہے۔ اس کے ساتھ طلاق رجعی کو واقع کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ کنایہ کے لفظ کے ساتھ امر عورت کے سپرد کرنا ہے۔ اور کنایہ کے لفظ کے ساتھ طلاق بائن ہوتی ہے جب کہ یہ دو بینونتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ صغریٰ کی طرف پھرے گا۔ اگر کبریٰ کی نیت کی تو اس عورت نے لفظ کے ساتھ اسے واقع کیا یا اس کی نیت کے ساتھ واقع کیا تو یہ صحیح ہوگا اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

13616۔ (قوله: اسْتِحْسَانًا) یہ ان کے قول: او انا اختارُ نفسی کی طرف راجع ہے۔ یعنی اگر عورت نے مضارع کا لفظ ذکر کیا خواہ انا ذکر کیا یا ذکر نہ کیا۔ قیاس یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ کیونکہ یہ وعدہ ہے۔ استحسان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اختیار دیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بل اختار الله ورسوله (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب سمجھا کیونکہ مضارع حال میں حقیقت اور استقبال میں مجاز ہے جس طرح ایک مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دل سے اختیار کیا جا رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضارع دونوں میں مشترک ہے۔ اشتراک کی بنا پر یہاں حال کے ارادہ کو راجح قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ قرینہ پایا جا رہا ہے کہ جو امر قائم ہے اس کی فی الحال خبر دی جا رہی ہے۔ یہ اختیار میں ممکن ہے کیونکہ اختیار کا محل دل ہے۔ پس زبان سے اس امر کی خبر دی جا رہی ہے جو خبر دینے کی حالت میں کسی اور محل میں قائم ہے جس طرح شہادت میں ہے۔ عورت کے قول: اطلق نفسی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے موجود طلاق کی خبر بنانا ممکن نہیں۔ کیونکہ طلاق زبان کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا تو ایک زمانہ میں دو امر قائم ہوتے جب کہ یہ محال ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ ایقاع طلاق أُطَلِّقُ کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتی کیونکہ یہ متعارف نہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر یہ متعارف ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہاں طلاق واقع ہو جائے گی اگر وہ متعارف ہو۔ کیونکہ یہ انشا ہے اخبار نہیں۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ملخص

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب فی الایلاء، جلد 2 صفحہ 407، حدیث نمبر 2758

فَقَالَتْ أَنَا طَالِقٌ أَوْ أَنَا أُطَلِّقُ نَفْسِي لَمْ يَقَعْ لِأَنَّهُ وَعْدٌ جَوْهَرَةٌ، مَا لَمْ يُتَعَارَفْ أَوْ تَنْوِ الْإِنْشَاءَ فَتْحٌ (وَذِكْرُ النَّفْسِ أَوْ الِاخْتِيَارَةِ فِي أَحَدِ كَلَامَيْهِمَا شَرْطٌ)

پس عورت نے کہا: انا طالق یا کہا: انا اطلق نفسی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ وعدہ ہے۔ ''جوہرہ''۔ جب تک یہ اس معنی میں متعارف نہ ہو۔ یا عورت نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کی نیت کرے ''فتح''۔ نفس یا اختیارۃ کے لفظ کا دونوں کی کلاموں میں سے ایک کی کلام میں

''النہر'' میں کہا: ''المعراج'' میں مسئلہ کی یہ قید ذکر کی ہے جب اس نے نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کی نیت نہ کی۔ اگر خاوند نے نیت کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مناسب یہ تھا کہ ضمیر مؤنث کی ہوتی۔ کیونکہ مسئلہ عورت کا قول ہے: اطلق نفسی، تامل۔

13617۔ (قولہ: أَنَا طَالِقٌ) یہ ''جوہرہ'' میں نہیں اور نہ ہی ''البحر''، ''النہر''، ''المنح'' اور ''الفتح'' میں ہے بلکہ ''البحر'' میں آنے والی فصل میں ''الاختیار'' وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے شارح بھی اسے ذکر کریں گے کہ عورت کے قول انا طالق سے طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ طلاق کے ساتھ عورت کی صفت بیان کی جاتی ہے مرد کی صفت بیان نہیں کی جاتی۔

''جوہرہ'' کی عبارت ہے: اگر مرد نے کہا: طلقی نفسك تو عورت نے کہا: انا اطلق نفسی تو قیاس اور استحسان کی بنا پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہاں ''البحر'' میں فصل المشیئۃ میں ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے: مرد نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق ثلاثا ان شئت تو عورت نے کہا: انا طالق تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔

لیکن طلاق کا واقع نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ تین طلاقوں کو عورت کی مشیئت پر معلق کیا ہے کہ وہ تین کو چاہے اور طالق کے لفظ سے تین طلاقیں واقع کرنا ممکن نہیں پس کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ جس پر امر کو معلق کیا گیا وہ نہیں پایا گیا۔ اسی وجہ سے ''الذخیرہ'' میں کہا: طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب عورت کہے: انا طالق ثلاثا۔ اس سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ لفظ۔ انا طالق جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں طلاق واقع نہ ہوگی اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہی ہے۔ ''فتدبر''

13618۔ (قولہ: أَوْ تَنْوِ) یہ مضارع معروف کا صیغہ ہے، اس کا فاعل عورت کی ضمیر ہے، یا کے حذف کے ساتھ مجزوم ہے اس کا عطف یُتعارف پر ہے جو مجہول کا صیغہ ہے ''ح''۔ پھر یہ ''الفتح'' کی عبارت میں سے نہیں بلکہ شارح کی جانب سے زیادتی ہے ہم نے ''النہر'' سے انہوں نے ''المعراج'' سے جو قول ابھی (مقولہ 13616 میں) نقل کیا ہے اس سے ماخوذ ہے۔

13619۔ (قولہ: أَوْ الِاخْتِيَارَةِ) یہ اختاری کا مصدر ہے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ لفظ نفس کا ذکر خصوصی طور پر شرط نہیں بلکہ نفس مذکور ہو یا جو اس کے قائم مقام ہو جو الفاظ آگے آ رہے ہیں۔

13620۔ (قولہ: فِي أَحَدِ كَلَامَيْهِمَا) جب نفس دونوں کے کلام میں ہو تو بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ جب دونوں کا کلام اس

صِحَّةِ الْوُقُوعِ بِالْإِجْمَاعِ (وَيُشْتَرَطُ ذِكْرُهَا مُتَّصِلًا، فَإِنْ كَانَ مُنْفَصِلًا فَإِنْ فِي الْمَجْلِسِ صَحَّ) لِأَنَّهَا تَمْلِكُ فِيهِ الْإِنْشَاءَ (وَإِلَّا لَا) إلَّا أَنْ يَتَصَادَقَا عَلَى اخْتِيَارِ النَّفْسِ فَيَصِحُّ وَإِنْ خَلَا كَلَامُهُمَا عَنْ ذِكْرِ النَّفْسِ دُرَرٌ وَالتَّاجِيَّةُ وَأَقَرَّهُ الْبَهْنَسِيُّ وَالْبَاقَانِيُّ، لَكِنْ رَدَّهُ الْكَمَالُ وَنَقَلَهُ الْأَكْمَلُ بِقِيلَ، وَالْحَقُّ ضَعْفُهُ نَهْرٌ (فَلَوْ قَالَ اخْتَارِي اخْتِيَارَةً أَوْ طَلْقَةً) أَوْ أُمَّكِ

طلاق کے وقوع کے صحیح ہونے کے لیے بالاجماع شرط ہے اور اس کا متصلاً ذکر شرط ہے۔ اگر ذکر منفصل ہوا اگر اسی مجلس میں ہوتو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہ انشا کی مالک ہے ورنہ نہیں مگر جب وہ دونوں نفس کے اختیار پر باہم تصدیق کر دیں تو یہ صحیح ہو جائے گا اگر چہ ان دونوں کا کلام نفس کے ذکر سے خالی ہو۔ ''درر''، ''تاجیہ''۔ ''بہنسی'' اور ''باقانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''کمال'' نے اس کا رد کیا ہے۔ ''اکمل'' نے اسے قیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے ''نہر''۔ اگر خاوند نے کہا: اختاری اختیارۃ یا کہا: اختاری طلقة یا اپنی ماں کو اختیار کر لے

سے خالی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی، ''بحر''۔

13621۔ (قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) کیونکہ اختیار کے لفظ کے ساتھ طلاق کا وقوع یہ اجماع صحابہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور ان کا اجماع اس پر ہے کہ دونوں جانبوں میں سے ایک جانب میں لفظ کی وضاحت ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''ایضاح الاصلاح'' سے نقل کیا ہے۔

13622۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تَمْلِكُ فِيهِ الْإِنْشَاءَ) پس وہ اس کی تفسیر کی بھی مالک ہوگی۔ ''ط''۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' اور ''الخانیہ'' سے جو کہا ہے: اگر عورت نے مجلس میں کہا: عنیت نفسی میں نے اپنی ذات مراد لے لی طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ جب تک وہ اس مجلس میں ہے وہ نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کی مالک ہوگی۔

13623۔ (قولہ: إلَّا أَنْ يَتَصَادَقَا) ظاہر یہ ہے کہ مجلس کے بعد ایک دوسرے کی تصدیق کریں، ''بحر''۔

13624۔ (قولہ: التَّاجِيَّةُ) یہ ''تاج الشریعۃ'' کی طرف منسوب ہے۔

13625۔ (قولہ: لَكِنْ رَدَّهُ الْكَمَالُ) کہا: اختیار کے ساتھ طلاق واقع کرنا خلاف قیاس ہے۔ پس یہ اسی تک محدود ہوگا جس میں نص وارد ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرینہ حالیہ پر اکتفا کرنا ممکن ہوتا مقالیہ کی ضرورت نہ ہوتی بعد اس کے کہ خاوند نے اس کے ساتھ طلاق کے وقوع کی نیت کی اور انہوں نے اس میں موافقت کی۔ لیکن یہ باطل ہے ورنہ طلاق محض نیت کے ساتھ ایسے لفظ کے ساتھ واقع ہو جاتی جو لفظ طلاق کی اصلاً صلاحیت نہ رکھتا جیسے اسقنی۔

13626۔ (قولہ: وَنَقَلَهُ الْأَكْمَلُ) یعنی ''عنایہ'' میں ہے، ''ط''۔

13627۔ (قولہ: فَلَوْ قَالَ) جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ شرط، (لفظ) نفس کا ذکر ہے یا ایسی چیز کا ذکر ہے جو اختیار کی تفسیر میں نفس کے قائم مقام ہو اس سے جو معلوم ہوا اس پر تفریع ہے۔

(وَقَعَ لَوْ قَالَتْ اخْتَرْتُ) فَإِنَّ ذِكْرَ الِاخْتِيَارَةِ كَذِكْرِ النَّفْسِ إِذْ التَّاءُ فِيهِ لِلْوَحْدَةِ، وَكَذَا ذِكْرُ التَّطْلِيقَةِ وَتَكْرَارُ لَفْظِ اخْتَارِي وَقَوْلُهَا اخْتَرْتُ أَبِي أَوْ أُمِّي أَوْ أَهْلِي أَوْ الْأَزْوَاجَ يَقُومُ مَقَامَ ذِكْرِ النَّفْسِ

تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر عورت نے کہا: اخترت میں نے اختیار کیا۔ تو اختیارۃ کے لفظ کا ذکر نفس کے ذکر کی طرح ہے۔ کیونکہ اس میں تا وحدت کے لیے ہے۔ اسی طرح تطلیقہ کا ذکر ہے اور اختاری کے لفظ کا تکرار ہے۔ اور عورت کا یہ قول: میں نے اپنے باپ کو اختیار کر لیا، اپنی ماں کو اختیار کر لیا یا اپنے اہل کو اختیار کر لیا یا شوہروں کو اختیار کر لیا یہ نفس کے ذکر کے قائم مقام ہیں۔

13628۔(قولہ: إِذْ التَّاءُ فِيهِ لِلْوَحْدَةِ) یعنی عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا کبھی ایک دفعہ ہوتا ہے جیسے مرد عورت سے کہے: اختاری تو عورت کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور کبھی اختیار متعدد بار ہوتا ہے جس طرح خاوند کہے: اختاری نفسک بثلاث تطلیقات اپنے نفس کو تین طلاقوں سے اختیار کر لے تو عورت کہے اخترت۔ میں نے اختیار کر لیا تو تمام واقع ہو جائیں گی۔ جب وحدت کی قید لگائی تو یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مرد نے عورت کو ایک طلاق دینے کا اختیار دیا ہے پس مرد کا کلام مفسر ہوگا۔ اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ یہ اس کے مناقض ہے جو گزر چکا ہے کہ اختیار تقسیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اختیار کی ذات تقسیم ہوتی ہے جس طرح بینونت غلیظہ اور خفیفہ میں تقسیم ہوتی ہے یہاں تک غلیظہ اور خفیفہ تک نیت کے ساتھ پہنچا جا سکتا ہے جب کہ کسی لفظ کی زیادتی نہیں کی جاتی۔ ''الفتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13629۔(قولہ: وَكَذَا ذِكْرُ التَّطْلِيقَةِ) اگر عورت کی کلام میں تطلیقہ کا ذکر ہو تو طلاق بائنہ ہوگی جیسے عورت کہے: اخترت نفسی بتطلیقۃ۔ جب مرد کی کلام میں یہ لفظ ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ صریح طلاق کو تفویض کرنا ہے۔ اس میں تین طلاقوں کی نیت صحیح ہے جس طرح یہ (مقولہ 13574 میں) گزر چکا ہے۔

13630۔(قولہ: وَتَكْرَارُ لَفْظِ اخْتَارِي) کیونکہ طلاق کے حق میں اختیار متکرر ہوتا ہے پس وہ متعین ہو گیا۔ ''طحطاوی'' نے ''الایضاح'' سے نقل کیا ہے۔ لیکن تکرار ہونے میں یہ مفسر ہو گیا جس طرح نفس کا ذکر مفسر ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو قریب ہی (آنے والے مقولہ میں) آئے گی۔

13631۔(قولہ: وَقَوْلُهَا اخْتَرْتُ أَبِي) کیونکہ بیوی کا اپنے ان رشتہ داروں کے پاس ہونا یہ جدائی اور خاوند کے ساتھ تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اخترت قومی یا اخترت ذا رحم محرم کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کا ذکر کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ چاہیے کہ یہ قول جدائی اور طلاق پر اس وقت محمول کیا جائے جب اس کا باپ یا ماں موجود ہو۔ مگر جب اس کا باپ نہ ہو اور اس کا بھائی ہو چاہیے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت عام معمول میں اس کے پاس ہوتی ہے۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''النہر'' میں کہا: اگر عورت کہے: اخترت ابی او امی جب کہ اس کے ماں باپ مر چکے ہیں اور اس کا بھائی بھی

وَالشَّرْطُ، ذِكْرُ ذٰلِكَ فِي كَلَامِ أَحَدِهِمَا كَمَا مَثَّلْنَا، فَلَمْ يَخْتَصَّ اخْتِيَارُهُ بِكَلَامِ الزَّوْجِ كَمَا ظُنَّ، وَلَوْ قَالَتْ اخْتَرْتُ نَفْسِي وَزَوْجِي أَوْ نَفْسِي لَا بَلْ زَوْجِي وَقَعَ، وَمَا فِي الِاخْتِيَارِ مِنْ عَدَمِ الْوُقُوعِ سَهْوٌ، نَعَمْ لَوْ عَكَسَتْ لَمْ يَقَعْ

شرط یہ ہے کہ نفس وغیرہ کا ذکر میاں بیوی میں سے ایک کے کلام میں ہو جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ خاوند کے کلام میں اس کا ذکر خاص نہیں جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ اگر عورت کہے: میں نے اپنے نفس اور اپنے خاوند کو اختیار کیا ہے یا کہا: اپنے نفس نہیں بلکہ اپنے خاوند کو اختیار کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور ''الاختیار'' کتاب میں جو طلاق واقع نہ ہونے کا ذکر ہے تو یہ سہو ہے۔ ہاں اگر عورت نے اس کے برعکس کلام کی

نہ ہو تو چاہیے کہ اس کی طلاق واقع ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا یہ قول: اخترت نفسی کے قائم مقام ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تفسیر کرنے والے آٹھ الفاظ ہیں: نفس، اختیارہ، تطلیقہ، تکرار، ابی، امی، اہلی، ازواج۔ اور نویں لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے وہ مرد کا اپنی کلام میں عدد کا ذکر کرنا ہے۔ اگر خاوند نے کہا: اختاری ثلاثا تو عورت نے کہا: اخترت۔ تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ یہ طلاق کے اختیار کرنے کے ارادہ کی دلیل ہے۔ کیونکہ طلاق ہی متعدد ہوتی ہے۔ اور عورت کا قول اخترت طلاق کی طرف ہی پھرے گا پس تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13632۔ (قولہ: وَالشَّرْطِ) دونوں کلاموں میں سے ایک میں ان اشیاء کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ الفاظ مرد کی کلام میں ہوں تو عورت کا جواب ان الفاظ کے اعادہ کو متضمن ہوگا گویا عورت نے کہا: میں نے ایسا کر لیا اور اگر یہ الفاظ عورت کی کلام میں ہوں تو ایسی چیز پائی گئی جو بینونت کے ساتھ خاص ہوتا ہے ایسے لفظ میں جو طلاق کے واقع کرنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ جب خاوند کی نیت پائی گئی تو جدائی کی علت مکمل ہوئی۔ پس جدائی ثابت ہو جائے گی۔ جب نفس وغیرہ کا طرفین میں ذکر نہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مبہم، مبہم کی تفسیر نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ اس کے بارے میں اجماع گزرا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13633۔ (قولہ: فَلَمْ يَخْتَصَّ) اسے ''قہستانی'' سے اخذ کیا ہے ''ح''۔ یہ کیسے خاص ہو سکتا ہے کیونکہ یہ متون کے قول کے مخالف ہے۔ نفس اور اختیار کا ذکر دونوں کی کلاموں میں ایک میں ہونا شرط ہے۔

13634۔ (قولہ: وَمَا فِي الِاخْتِيَارِ) یہ ''المختار'' کی شرح ہے۔

13635۔ (قولہ: مِنْ عَدَمِ الْوُقُوعِ) یعنی اضراب کے مسئلہ میں۔

13636۔ (قولہ: سَهْوٌ) کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو قابل اعتماد کتب میں منقول ہے، ''بحر''۔

13637۔ (قولہ: لَوْ عَكَسَتْ) جس طرح وہ عورت کہے: اخترتُ زوجی لا بل نفسی یا عورت کہے: اخترتُ زوجی و نفسی، ''بحر''۔

اعْتِبَاراً لِلْمُقَدَّمِ وَبَطَلَ أَمْرُهَا كَمَا لَوْ عَطَفَتْ بِأَوْ، أَوْ أَرْشَاهَا لِتَخْتَارَهُ فَاخْتَارَتْهُ أَوْ قَالَتْ أَلْحَقْتُ نَفْسِي بِأَهْلِي (وَلَوْ كَرَّرَهَا) أَيْ لَفْظَةَ اخْتَارِي (ثَلَاثًا) بِعَطْفٍ أَوْ غَيْرِهِ (فَقَالَتْ) اخْتَرْتُ أَوْ (اخْتَرْتُ اخْتِيَارَةً أَوْ اخْتَرْتُ الْأُولَى أَوْ الْوُسْطَى أَوْ الْأَخِيرَةَ يَقَعُ بِلَا نِيَّةٍ) مِنْ الزَّوْجِ

تو مقدم کا اعتبار کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اس کا امر باطل ہو جائے گا جس طرح وہ حرف او کے ساتھ عطف کرے یا خاوند عورت کو رشوت دے تا کہ عورت اسے اختیار کرے تو عورت نے اسے اختیار کیا یا عورت نے کہا: میں نے اپنے نفس کو اپنے اہل کے ساتھ لاحق کر دیا اور اگر عورت نے اختاری کے لفظ کو تین بار مکرر ذکر کیا عطف کے ساتھ یا عطف کے بغیر تو عورت نے کہا: اخترت یا کہا اخترت اختیارۃ یا کہا: میں نے اولیٰ، وسطی اور اخیرہ کو اختیار کیا تو خاوند کی جانب سے نیت کے بغیر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

13638۔ (قولہ: اعْتِبَارًا لِلْمُقَدَّمِ) کیونکہ جو قول پہلے کیا گیا ہے اس کا اعتبار ہوگا کیونکہ اس سے رجوع صحیح نہیں۔

13639۔ (قولہ: وَبَطَلَ أَمْرُهَا) اس کا عطف لم یقع پر ہے''ح''۔ یعنی عکس کے دونوں مسئلوں میں امر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

13640۔ (قولہ: كَمَا لَوْ عَطَفَتْ بِأَوْ) یعنی طلاق واقع نہ ہوگی اور معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیونکہ او کا لفظ دو چیزوں میں سے ایک کے لیے ہے۔ پس اس کا اپنے نفس کو اختیار کرنا اور زوج کو اختیار تعیین کے انداز میں معلوم نہ ہوا تو پس اس کا بے معنی کام میں مشغول ہونا ثابت ہو گیا تو یہ اعراض ہوا''ح''۔

13641۔ (قولہ: أَوْ أَرْشَاهَا) مرد نے عورت کے لیے مال مختص کیا تا کہ عورت اس خاوند کو اختیار کرے تو عورت نے اس مرد کو اختیار کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور مال بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ رشوت ہے۔ کیونکہ یہ مال اس کا عوض ہے کہ عورت اپنے آپ کی جو مالک بن سکتی تھی اس کے ترک کرنے میں دیا جا رہا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جس طرح کوئی آدمی حق شفعہ ترک کرنے پر عوض دیتا ہے''فتح''۔

13642۔ (قولہ: أَوْ قَالَتْ) ''البحر'' میں کہا: اگر خاوند نے عورت سے کہا: اختاری تو عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو اپنے اہل کے ساتھ لاحق کر دیا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ یہ مشکل ہے۔ کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔ پس یہ بھی اس کے اس قول کی طرح ہے: انا بائن''ح''۔ یہی وہ چیز ہے جسے ''البحر'' میں آنے والی فصل میں ذکر کیا ہے۔ ہم اس کا جواب وہاں اس قول: وکل لفظ یصلح للایقاع کے تحت (مقولہ 13690 میں) ذکر کریں گے۔

13643۔ (قولہ: بِعَطْفٍ) واؤ، فا یا ثم کے ساتھ عطف ہو۔ ''فارسی'' کی ''شرح التلخیص'' میں ہے: ثم کے ساتھ عطف کی صورت میں اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا قبل اس کے کہ خاوند دوسری کا تکلم کرے جب کہ وہ عورت غیر مدخول بہا ہو تو پہلی کے ساتھ اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی اور اس کے علاوہ کے ساتھ کچھ بھی واقع نہ ہوگا''بحر''۔

13644۔ (قولہ: بِلَا نِيَّةٍ) ''کنز''، ''ہدایہ''، ''الصدر الشہید'' اور ''العتابی'' میں اسی طرح ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

''شارح'' نے کہا کہ طلاق کے ارادہ پر تکرار کی دلالت موجود ہے۔''تلخیص الجامع الکبیر'' میں اسی طرح کہا ہے: تعدد یعنی تکرار طلاق کے ساتھ خاص ہے۔ اس نے نفس اور نیت کے ذکر سے غنی کر دیا۔ لیکن ''غایۃ البیان'' میں کہا: ''الجامع الکبیر'' میں جس امر کی وضاحت کی گئی ہے وہ نیت کا شرط ہونا ہے۔ یہی ظاہر ہے۔

''قاضی خان'' اور ''ابو معین نسفی'' اس طرف گئے ہیں۔ اور ''الفتح'' میں اسے ترجیح دی ہے کہ اختیار کے ساتھ امر کا تکرار طلاق میں اسے ظاہر نہیں بناتا۔ کیونکہ یہ ارادہ کرنا جائز ہے۔ اختاری فی الحال یا اختاری فی النفس۔ ''البحر'' میں کہا: نیت کے بغیر طلاق کے وقوع میں اختلاف قضاءً ہے۔ جب کہ اس میں اتفاق ہے کہ نفس الامر میں طلاق نیت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روایت اور درایت میں قابل اعتماد نیت کا ہونا شرط ہے نفس کا ذکر کرنا شرط نہیں۔

میں کہتا ہوں: جس طرح علامہ ''قاسم'' اور ''مقدسی'' جس طرف مائل ہوئے ہیں وہ پہلا قول ہے۔ اور ''البحر'' کا قول کہ ''نیت شرط ہے نفس کے لفظ کا ذکر شرط نہیں'' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جس نے یہ کہا ہے کہ نیت شرط نہیں اس نے اس امر پر بنا کی ہے کہ ''تکرار طلاق کے ارادہ کی دلیل ہے'' وہ یہ کہتا ہے نفس کا ذکر کرنا بھی شرط نہیں۔ کیونکہ تکرار کی دلالت موجود ہے جس طرح ''تلخیص'' کی گزشتہ عبارت اس میں صریح ہے۔ اور جو بحث (مقولہ 13631 میں) گزر چکی ہے اس میں بھی تکرار کو ان نو مفسرات میں شمار کیا گیا ہے۔ جس نے نیت کو شرط قرار دیا ہے اس نے تکرار کو طلاق کے ارادہ کی دلیل نہیں بنایا جس طرح ''الفتح'' کی گزشتہ کلام اس میں صریح ہے۔ اسی کی مثل ''قاضی خان'' کی ''شرح الزیادات'' میں ہے جہاں تکرار طلاق کے ارادہ پر دلیل نہیں تو اختیار کا لفظ مفسر کے بغیر باقی رہ گیا۔ اس کی شرط ہونے پر اجماع گزر چکا ہے۔ نیت کے شرط ہونے کے قول سے نفس کے ذکر کا شرط ہونا لازم آتا ہے نیت کے ساتھ تفسیر حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ''الفتح'' میں ہے جہاں کہا: اختیار کے ساتھ طلاق کا واقع کرنا قیاس کے خلاف ہے۔ پس اسے نص کے مورد تک محدود رکھا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرینہ مقالیہ کی بجائے قرینہ حالیہ کی تفسیر پر اکتفا ممکن ہوتا اگر خاوند اس کے ساتھ طلاق کے وقوع کی نیت کرتا اور دونوں اس کی تصدیق کرتے لیکن یہ باطل ہے۔

اور جہاں گزشتہ اختلاف قضاءً وقوع میں ہو تو چاہیے کہ یہ کہا جائے کہ خاوند کا تکرار کے ساتھ نفس کا ذکر اس میں بالاتفاق نیت شرط نہیں۔ کیونکہ تجھے علم ہے کہ اختلاف کا دارومدار اس میں ہے کہ کیا تکرار نفس کے قائم مقام ہوتا ہے کہ طلاق کے ارادہ پر دلالت ہے یا دلالت نہیں ہے؟ جب نفس کے ذکر کے ساتھ تصریح پائی جائے تو طلاق کے ارادہ پر دلالت متعین ہو جائے گی تو قضاءً نیت کے شرط ہونے میں اختلاف کا محل باقی نہ رہا۔ کیونکہ نفس کے لفظ کا ذکر اس کے اس دعویٰ کو جھٹلاتا ہے کہ اس نے اس کی نیت نہیں کی۔ جس طرح کنایات الطلاق میں گزر چکا ہے کہ دلالت، نیت سے اقوی ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہوتی ہے اور نیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ تو اس سے متعین ہو گیا کہ گزشتہ اختلاف اس میں ہے کہ کیا تکرار کی صورت میں نیت شرط ہے یا شرط نہیں۔ اس کا محل یہ ہے جب نفس کا ذکر نہ کرے یا جو نفس کے قائم مقام ہے اس کا ذکر نہ کرے۔ یہاں میرے لیے یہی امر

لِدَلَالَةِ التَّكْرَارِ (ثَلَاثًا) وَقَالَا يَقَعُ فِي اخْتَرْتُ الْأُولَى إِلَى آخِرِهِ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ بَحْرٌ وَأَقَرَّهُ الشَّيْخُ عَلِيٌّ الْمَقْدِسِيُّ وَفِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ وَبِهِ نَأْخُذُ انْتَهَى،

کیونکہ تکرار اس پر دال ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا اخترت الاولی سے لے کر آخر تک کے الفاظ سے ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اسے ''طحاوی'' نے اختیار کیا ہے ''بحر''۔ شیخ ''علی مقدسی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''الحاوی القدسی'' میں ہے: ہم اسے ہی اپناتے ہیں۔ کلام ختم ہوئی۔

ظاہر ہوا ہے اس میں غور کرو کیونکہ یہ یگانہ روزگار نکتہ ہے۔

یہاں سے تیرے لیے ظاہر ہو چکا ہوگا یہاں جو اس کا قول ہے: بلانية اور باب کے شروع میں جو اس کا قول ہے: ینوی الطلاق میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ جو پہلے نیت کا شرط ہونا ذکر کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب نفس وغیرہ دوسرے مفسرات کا خاوند کے کلام میں ذکر نہ ہو۔ ان کا عورت کی کلام میں ذکر ہو۔ پس نیت شرط ہوگی تاکہ بینونت کی علت مکمل ہو جائے جس طرح ہم نے پہلے ''الفتح'' سے (مقولہ 13632 میں) نقل کیا ہے۔ اور ہم نے یہ بھی پہلے (مقولہ 13573 میں) بیان کیا تھا کہ غضب اور مذاکرہ طلاق قضا میں نیت کے قائم مقام ہوگا مگر جب نفس وغیرہ کا ذکر خاوند کی کلام میں ہو تو قضاءً نیت کی حاجت نہیں کیونکہ وہ چیز پائی جا رہی ہے جو بینونت کے ساتھ خاص ہے۔ کیا ایسا تکرار بھی جو مرد کی کلام میں ہو وہ نفس کی طرح مفسر ہے تو وہ نیت سے غنی کرے گا یا نہیں؟ اس میں وہ اختلاف ہے جس کو تو نے سنا ہے۔ مگر جب نفس وغیرہ کا ذکر نہ کیا جائے نہ مرد کی کلام میں اور نہ ہی عورت کی کلام میں تو اصلاً طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت کرے جس طرح پہلے (مقولہ 13625 میں) گزرا ہے۔

13645۔ (قولہ: ثَلَاثًا) بعض نسخوں میں اس کا ذکر بلانية کے قول سے پہلے ہے۔ جو ''المنح'' میں ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ تین کے لیے بھی نیت کرنا شرط نہیں، ''ط''۔

13646۔ (قولہ: فِي اخْتَرْتُ الْأُولَى) اس کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ عورت کے قول: اخترت یا اخترت اختیارة میں بالاتفاق تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح اخترتُ مرة یا اخترتُ بمرة، اخترتُ دفعة، اخترتُ بواحدة، اخترتُ اختیارة واحدة کی صورت میں تین طلاقیں علما کے قول میں واقع ہو جائیں گی، ''بحر''۔

13647۔ (قولہ: إِلَى آخِرِهِ) یعنی وہ اخترت الوسطی کہے یا اخترت الاخیرة کہے۔ مراد ہے عورت نے کہا: اخترت الاولی یا کہا: اخترت الوسطی یا کہا: اخترت الاخیرة یعنی میں نے پہلی، درمیانی یا آخری طلاق اختیار کی تو ایک طلاق ہوگی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد ہو کہ اس نے تین کا ذکر او کے ساتھ عطف کی صورت میں کیا ہو۔

13648۔ (قولہ وَأَقَرَّهُ الشَّيْخُ عَلِيٌّ الْمَقْدِسِيُّ) اس میں ہے کہ ''مقدسی'' نے اپنی شرح میں جو نظم ''الکنز'' پر ہے آپ نے دو اقوال کی حکایت کی ہے۔ پھر آپ نے دونوں قولوں کی توجیہ ذکر کی اور اس کے بعد ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ ذکر کی۔

فَقَدْ أَفَادَ أَنَّ قَوْلَهُمَا هُوَ الْمُفْتَى بِهِ لِأَنَّ قَوْلَهُمْ وَبِهِ نَأْخُذُ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمُعْلَمِ بِهَا عَلَى الْإِفْتَاءِ، كَذَا بِخَطِّ الشَّرَفِ الْغَزِّيِّ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ (وَلَوْ قَالَتْ) فِي جَوَابِ التَّخْيِيرِ الْمَذْكُورِ (طَلَّقْتُ نَفْسِي أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ) أَوْ اخْتَرْتُ الطَّلْقَةَ الْأُولَى (بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ فِي الْأَصَحِّ) لِتَفْوِيضِهِ بِالْبَائِنِ فَلَا تَمْلِكُ غَيْرَهُ (أَمْرُكِ بِيَدِكِ فِي تَطْلِيقَةٍ أَوْ اخْتَارِي تَطْلِيقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا طَلُقَتْ رَجْعِيَّةً) لِتَفْوِيضِهِ إلَيْهَا بِالصَّرِيحِ،

اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول مفتی بہ ہے۔ کیونکہ علما کا قول ''ہم اسے ہی اپناتے ہیں'' ان الفاظ میں سے ہے جن کے ذریعے افتا پر آگاہی ہوتی ہے۔ ''الشرف الغزی'' جو ''الاشباہ'' کے محشی ہیں کے مخطوطہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر عورت نے مذکورہ تخییر کے جواب میں کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق دی یا میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا یا میں نے پہلی طلاق کو اختیار کیا تو عورت ایک طلاق کے ساتھ جدا ہوگی۔ یہی صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ خاوند نے اسے طلاق بائن تفویض کی ہے۔ وہ کسی اور کی مالک نہ ہوگی۔ تیرا معاملہ ایک طلاق میں تیرے ہاتھ میں یا ایک طلاق اختیار کرلو تو اس نے اپنے آپ کو اختیار کیا تو اسے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ اس نے صریح لفظ کے ساتھ طلاق کو تفویض کیا تھا۔

13649۔ (قولہ فَقَدْ أَفَادَ) اس میں ہے کہ اصحاب متون ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر چلے ہیں اور ''ہدایہ'' میں آپ کی دلیل کو بعد میں ذکر کیا۔ پس آپ کے معمول کے مطابق آپ کے ہاں یہی راجح قول ہوگا۔ ''الفتح'' وغیرہ میں اس کی توجیہ اور جو اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے اس کے رد میں طویل گفتگو کی ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔ اصحاب متون اور اصحاب شروح کے ہاں یہی قابل اعتماد قول ہے۔ ''حاوی قدسی'' کا اعتماد اس کے معارض نہیں ہوسکتا۔

13650۔ (قولہ: فِي جَوَابِ التَّخْيِيرِ الْمَذْكُورِ) یعنی جو اختیار تین دفعہ مکرر ذکر کیا ہو جس طرح ''النہر'' میں ہے ''البحر'' کی عبارت ہے: خاوند کے قول: اختاری کے جواب میں ہے۔

13651۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) زیادہ مناسب یہ ہے اس کی جگہ ھو الصواب کا لفظ ہوتا، کیونکہ ''ہدایہ'' اور ''الجامع الصغیر'' کے بعض نسخوں میں ہے: من انه یملك الرجعة وہ رجوع کا مالک ہوتا ہے۔ شارحین نے یقین سے یہ قول ذکر کیا ہے کہ یہ قول غلط ہے۔ اور جو ''البحر'' میں ہے: من انه روایة ''النہر'' میں اسے رد کیا ہے۔

13652۔ (قولہ: لِتَفْوِيضِهِ بِالْبَائِنِ) کیونکہ تخییر کا لفظ کنایہ ہے تو اس کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوگی۔

13653۔ (قولہ: فَلَا تَمْلِكُ غَيْرَهُ) کیونکہ عورت کے طلاق واقع ہونے کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ خاوند کے سپرد کرنے کا اعتبار ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر خاوند عورت کو طلاق بائنہ دینے یا طلاق رجعی دینے کا امر کرتا عورت اس کے برعکس طلاق واقع کرتی تو وہ ہی طلاق واقع ہوتی خاوند نے جس کا امر کیا تھا، ''بحر''۔

13654۔ (قولہ: فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اخترت جس طرح اختیار کا جواب بننے کی

وَالْمُفِيدُ لِلْبَيْنُونَةِ إِذَا قُرِنَ بِالصَّرِيحِ صَارَ رَجْعِيًّا كَعَكْسِهِ قَيَّدَ بِفِي وَمِثْلُهَا الْبَاءُ بِخِلَافِ لِتُطَلِّقِي نَفْسَكِ أَوْ حَتَّى تُطَلِّقِي فَهِيَ بَائِنَةٌ كَمَا لَوْ جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا لَوْ لَمْ تَصِلْ نَفَقَتِي إِلَيْكِ فَطَلِّقِي نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ فَلَمْ تَصِلْ فَطَلَّقَتْ كَانَ بَائِنًا لِأَنَّ لَفْظَةَ الطَّلَاقِ لَمْ تَكُنْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ

اور وہ لفظ جو طلاق بائنہ کا فائدہ دیتا تھا جب اسے صریح لفظ کے ساتھ ملا دیا گیا تو وہ بھی طلاق رجعی ہوگی جس طرح اس کے برعکس میں ہوتا ہے۔ ''فی'' حرف جار کے ساتھ قید لگائی جب کہ ''با'' بھی اسی کی مثل ہے۔ لتطلقی نفسك یا حتی تطلقی کا معاملہ مختلف ہے۔ اسے طلاق بائنہ ہوگی جس طرح مرد نے عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں کر دیا اگر میرا نفقہ تجھ تک نہ پہنچے تو اپنے آپ کو طلاق دے لے جب تو چاہے تو نفقہ اس تک نہ پہنچا عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے لی تو اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق کا لفظ نفس الامر میں موجود نہیں۔

صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح امر بالید کا جواب بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جس طرح (مقولہ 13680 میں) آئے گا ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

13655۔ (قولہ: وَالْمُفِيدُ لِلْبَيْنُونَةِ) یہ ایک سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ امرك بیدك اور اختاری میں سے ہر ایک بینونت کا فائدہ دیتا ہے خاوند کے لیے اسے کسی اور کی طرف پھیرنا جائز نہیں۔ ''سائحانی'' نے کہا: اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی سے یہ کہنا: روحی طالقۃ طلاق رجعی ہوگی۔

13656۔ (قولہ: كَعَكْسِهِ) یعنی صریح جب کنایہ کے ساتھ مل جائے تو وہ بائنہ ہوگی جس طرح انت طالق بائن، ''ح''۔

13657۔ (قولہ: بِخِلَافِ) با سببیہ ہے قید کے متعلق ہے یعنی فی کے ساتھ قید لگائی۔ کیونکہ یہ مابعد لتطلقی کے خلاف ہے۔ اور اس کا قول مثلھا الباء جملہ معترضہ ہے۔

13658۔ (قولہ: فَهِيَ بَائِنَةٌ) کیونکہ خاوند نے بائن کے لفظ کے ساتھ امر تفویض کیا ہے اور صریح کو لتطلقی اور حتی تطلقی میں علت یا غایت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس اعتبار سے نہیں ذکر کیا کہ یہ امر انہیں تفویض کیا گیا۔ ''فی'' کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ امر کو طلاق میں مظروف بنایا ہے۔ یہاں باء، فی کے معنی میں ہے ''رحمتی''۔

13659۔ (قولہ: كَمَا لَوْ جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا) یعنی خاوند نے کہا: امرك بیدك تو خاوند کا قول لو لم تَصِل شرط ہے اور اس کا قول امرك بیدك جواب کی دلیل ہے۔ اور خاوند کا قول فطلقی یہ اس امر کی تفسیر ہے کہ عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہے، ''ح''۔

13660۔ (قولہ: لِأَنَّ لَفْظَةَ الطَّلَاقِ) یہ تینوں مسائل کی علت ہے، ''ط''۔

13661۔ (قولہ: لَمْ تَكُنْ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ) یعنی فی نفس الامر بالید یعنی طلاق کا لفظ امر بالید کا معمول نہیں ہوگا۔ یہاں مراد نفس الامر واقع نہیں، ''ح''۔

(فُرُوعٌ) قَالَ لِرَجُلٍ خَيِّرْ امْرَأَتِي فَلَمْ تَخْتَرْ مَا لَمْ يُخَيِّرْهَا، بِخِلَافِ أَخْبِرْهَا بِالْخِيَارِ لِإِقْرَارِهِ بِهِ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ وَاخْتَارِي فَقَالَتْ شِئْتُ وَاخْتَرْتُ وَقَعَ ثِنْتَانِ قَالَ اخْتَارِي الْيَوْمَ وَغَدًا اتَّحَدَ وَلَوْ وَاخْتَارِي غَدًا تَعَدَّدَ قَالَ اخْتَارِي الْيَوْمَ أَوْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ هَذَا الشَّهْرَ خُيِّرَتْ فِي بَقِيَّتِهِمَا،

فروع: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا: میری بیوی کو اختیار دے دو جب تک وہ آدمی عورت کو اختیار نہیں دیتا عورت اپنے حق میں اختیار استعمال نہیں کرسکتی۔ وہ کہے: عورت کو خیار کی خبر دے دو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ خاوند نے اختیار کا اقرار کیا ہے۔ مرد نے عورت سے کہا: انت طالق ان شئت و اختاری۔ عورت نے جواب میں کہا: میں نے چاہا اور اختیار کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ خاوند نے کہا: آج اور کل اختیار کرو تو یہ ایک ہی اختیار ہے۔ اگر اس نے کہا تجھے آج کا اختیار ہے اور کل بھی اختیار ہے تو یہ اختیار متعدد ہوگا کہا: تجھے آج اختیار ہے یا تیرا معاملہ اس ماہ میں تیرے ہاتھ میں ہے تو اسے دونوں کے لیے باقی ماندہ حصہ میں اختیار ہوگا

13662۔(قولہ: فَلَمْ تَخْتَرْ) یعنی عورت کے لیے خیار نہیں ہوگا جس طرح ''البحر'' میں اسے تعبیر کیا ہے جب شارح نے یہ ترکیب دی ہے تو اس پر لازم تھا کہ فا کو حذف کرتے جس طرح امر مخفی نہیں ''ح''۔ بعض نسخوں میں: فلا خیار لھا مالم یخیرھا کے الفاظ ہیں۔

13663۔(قولہ: بِخِلَافِ أَخْبِرْهَا بِالْخِيَارِ) اس آدمی کے خبر دینے سے پہلے اس نے خبر سن لی تو عورت نے اپنے آپ کو اختیار کرلیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ خبر دینے کا امر مخبر عنہ کے تقدم (پہلے واقع ہونا) کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ خاوند کی جانب سے اقرار ہوگا کہ خیار عورت کے لیے ثابت ہے۔ ''بحر''۔

13664۔(قولہ: وَقَعَ ثِنْتَانِ) ایک طلاق مشیت کے ساتھ اور ایک طلاق خیار کے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ خاوند نے اسے دو طلاقیں تفویض کیں ایک طلاق صریح تھی اور ایک طلاق کنایہ کی تھی۔ اور صریح کے ذکر کی حالت میں کنایہ نیت کا محتاج نہیں ہوتا، ''بحر''۔

13665۔(قولہ: اتَّحَدَ) یہاں تک کہ آج اگر اس نے اختیار کو رد کردیا تو اختیار اصلاً باطل ہو جائے گا ''ہندیہ'' اسی کی مثل ہے جب اس نے کہا: اختاری فی الیوم وغد جس طرح ''البحر'' میں ہے، ''ط''۔

13666۔(قولہ: وَلَوْ وَاخْتَارِي غَدًا) اس نے کہا: اختاری الیوم و اختاری غدا یہ دو خیار ہوں گے کیونکہ اختیار کے ذکر کا اعادہ کیا گیا ہے اور یہ اس کا قرینہ ہے۔ ''ط''۔ جو خیار متحد ہوں گے اور جو متعدد ہوں گے ان کا آنے والے باب میں (مقولہ 13709 میں) ذکر کیا جائے گا۔

13667۔(قولہ: قَالَ اخْتَارِي الْيَوْمَ) جب اسے معرف باللام ذکر کریں گے تو یہ معہود کی طرف پھر جائے گا اور وہ حاضر ہے اور اس سے جو حصہ گزر چکا ہے اس میں مرد کے لیے ممکن نہیں کہ اسے اختیار دے پس عورت کو اس دن کے گزرنے

وَإِنْ قَالَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا فَمِنْ سَاعَةٍ تَكَلَّمَ إِلَى مِثْلِهَا مِنَ الْغَدِ وَإِلَى تَمَامِ ثَلَاثِينَ يَوْمًا، وَلَوْ جَعَلَهُ لَهَا رَأْسَ الشَّهْرِ خُيِّرَتْ فِي اللَّيْلَةِ الْأُولَى وَيَوْمِهَا، وَلَا يَبْطُلُ الْمُوَقَّتُ بِالْإِعْرَاضِ بَلْ بِمُضِيِّ الْوَقْتِ عَلِمَتْ أَوْ لَا

اگر ایک دن یا ایک ماہ تو اسے اس ساعت سے لے کر جس میں اس نے کلام کی اگلے دن کی اسی ساعت تک۔ اور مہینہ ذکر کرنے کی صورت میں تیس دن پورے کیے جائیں گے۔ اگر مرد نے عورت کے لیے اختیار مہینے کے سرے میں رکھا تو اسے مہینے کی پہلی رات اور اس کے دن میں اختیار ہوگا اور موقت اختیار اعراض سے باطل نہیں ہوگا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اختیار باطل ہوگا عورت کو اس کا علم ہو یا علم نہ ہو۔

تک اختیار ہوگا اور وہ اس دن کے سورج کے غروب ہونے تک اختیار ہوگا۔ اور مہینہ کا جب چاند دکھائی دے گا اس وقت تک اختیار ہوگا اور سال ذکر کیا تھا تو ذی الحجہ کے مکمل ہونے تک اختیار ہوگا۔ جس طرح اس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ آج کلام نہیں کرے گا یا اس مہینہ کلام نہیں کرے گا یا اس سال کلام نہیں کرے گا۔ مگر جب اسے نکرہ ذکر کیا تو یہ اس کامل کی طرف پھر جائے گا اور اس کی ابتدا اس وقت سے ہوگی جس وقت اس نے عورت کو اختیار دیا تھا اور اگلے روز اسی وقت کے آنے کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ پس ضرورت کی وجہ سے دونوں کے درمیان جو رات ہے وہ بھی داخل ہوگی جب کہ رات یوم مفرد کے تابع نہیں ہوتی گویا یہ مسئلہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ ''الجوہرہ'' سے ماخوذ ہے اور ''البحر'' کی ''الذخیرہ'' سے آنے والے باب میں عبارت ہے: اگر خاوند نے کہا: امرك بيدك يوما او شهرا او سنة تو اس کے لیے اس ساعت سے مدۃ مذکورہ کی تکمیل ہوگی۔

یہ عبارت احتمال رکھتی ہے کہ مراد ہو کہ رات کے ساتھ اسے مکمل کیا جائے یا رات کے ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ دوسرے دن کے ساتھ اسے مکمل کیا جائے لیکن ایمان کے باب میں اس کی تصریح کی ہے: لا اکلمه یوما اس دن کو اگلے دن کے ساتھ رات کے داخل کرتے ہوئے مکمل کیا جائے گا جس طرح ''رحمتی'' کا قول گزرا ہے۔

13668۔ (قوله: وَإِلَى تَمَامِ ثَلَاثِينَ يَوْمًا) کیونکہ تفویض مہینے کے بعض میں حاصل ہوتی ہے اس میں چاندوں کا اعتبار ممکن نہیں تو بالاجماع ایام کا اعتبار ہوگا۔ ''ذخیرہ''۔ اس کا مفہوم یہ ہے اگر اختیار اس وقت ہوا جب چاند طلوع ہوا تو چاندوں کا اعتبار ہوگا جس طرح اجارہ کے مسئلہ میں ہے۔

13669۔ (قوله: فِي اللَّيْلَةِ الْأُولَى وَيَوْمِهَا) کیونکہ رأس کا معنی اول ہے۔ مہینہ کے تحت دو نوعین ہیں: رات اور دن۔ لیالی میں سے اول پہلی رات ہے اور دنوں میں سے اول پہلا دن ہے، ''ط''۔

13670۔ (قوله: وَلَا يَبْطُلُ الْمُوَقَّتُ) ایسا اختیار جس کے لیے معین وقت ذکر کیا جائے۔ وہ دن ہو، مہینہ ہو یا سال ہو۔ یعنی مجلس علم میں اعراض کرنے سے باطل نہیں ہوگا بلکہ معین وقت کے گزرنے کے ساتھ اختیار باطل ہوگا۔ اسے اختیار کا علم ہو یا علم نہ ہو جہاں تک خیار مطلق کا تعلق ہے وہ اعراض کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْأَمْرِ بِالْيَدِ

هُوَ كَالِاخْتِيَارِ إِلَّا فِي نِيَّةِ الثَّلَاثِ لَا غَيْرُ (إِذَا قَالَ لَهَا) وَلَوْ صَغِيرَةً لِأَنَّهُ كَالتَّعْلِيقِ بَزَّازِيَّةٌ (أَمْرُكِ بِيَدِكِ)

امر بالید کا بیان

امر بالید یہ بھی اختیار کی طرح ہے۔ مگر تین طلاقوں کی نیت میں اختیار سے مختلف ہے۔ کسی اور چیز میں مختلف نہیں۔ جب خاوند نے عورت سے کہا اگر چہ وہ صغیرہ ہو کیونکہ یہ تعلیق کی طرح ہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں

یہاں امر حال کے معنی میں ہے۔ اور ید تصرف کے معنی میں ہے۔ ''بحر'' میں ''المصباح'' سے مروی ہے۔ معنی ہے یہ باب ہے اس عورت کی طلاق کے حال کے بیان میں جس عورت کے خاوند نے معاملہ عورت کے تصرف میں دے دیا ہے ''ط''۔ ہم پہلے (مقولہ 13568 میں) بیان کر چکے ہیں کہ یہاں عنوان باب کی بجائے فصل سے ذکر کرنا مناسب تھا۔

13671۔ (قولہ: هُوَ كَالِاخْتِيَارِ) یعنی امر بالید نیت کے شرط ہونے، نفس کے ذکر یا جو نفس کے قائم ہو اس کے ذکر میں خاوند کے رجوع کا مالک نہ ہونے، جس مجلس میں امر تفویض کیا گیا یا جب غائب ہو تو جس مجلس میں اسے علم ہوا اس مجلس میں اختیار کے مقید ہونے یا جب اس کے لیے وقت کی تعیین کی گئی اس مدت کے ساتھ اختیار کے مقید ہونے میں یہ اختیار کی طرح ہے۔

13672۔ (قولہ: إِلَّا فِي نِيَّةِ الثَّلَاثِ) یہاں تین کی نیت صحیح ہے تخییر میں نیت صحیح نہیں۔ کیونکہ امر جنس ہے یہ خصوص و عموم کا احتمال رکھتا ہے اس نے جس کی بھی نیت کی اس کی نیت صحیح ہوگی۔ اور ''البدائع'' میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہاں نفس کا ذکر شرط نہیں یہ عام کتب کے مخالف ہے جس طرح ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔

13673۔ (قولہ: وَلَوْ صَغِيرَةً) یہ واقعۃ الفتوی ہے جسے ہم نے گزشتہ باب میں (مقولہ 13598 میں) ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔

13674۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَالتَّعْلِيقِ) یعنی اگر چہ یہ تملیک ہے لیکن یہ تعلیق کے معنی میں ہے جس طرح اس کی وضاحت تخییر کے بیان میں (مقولہ 13598 میں) ہوئی ہے۔

13675۔ (قولہ: أَمْرُكِ بِيَدِكِ) اس کی مثل معلق ہے جس طرح ان دخلت الدار فامرك بيدك اگر تو اس نے اسی وقت طلاق دے دی جونہی اس نے قدم رکھا تھا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر دو قدم چلنے کے بعد طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اس وقت طلاق دی جب معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''العتابیہ'' میں ہے: اگر ایک قدم چلی تو اختیار باطل ہو جائے گی تو اسے اس حالت پر محمول کیا جائے گا جب اس کا ایک

أَوْ بِشِمَالِكَ أَوْ أَنْفِكَ أَوْ لِسَانِكَ (يَنْوِي ثَلَاثًا) أَيْ تَفْوِيضَهَا (فَقَالَتْ) فِي مَجْلِسِهَا (اخْتَرْتُ نَفْسِي بِوَاحِدَةٍ) أَوْ قَبِلْتُ نَفْسِي، أَوْ اخْتَرْتُ أَمْرِي، أَوْ أَنْتَ عَلَيَّ حَرَامٌ، أَوْ مِنِّي بَائِنٌ، أَوْ أَنَا مِنْكَ بَائِنٌ أَوْ طَالِقٌ (وَقَعْنَ) وَكَذَا لَوْ قَالَ أَبُوهَا قَبِلْتُهَا خُلَاصَةٌ

یا تیرے بائیں ہاتھ یا تیری ناک یا تیری زبان میں ہے وہ اس قول کے ساتھ تین طلاقوں کے تفویض کی نیت کرتا ہے تو عورت نے اپنی مجلس میں کہا: میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کر لیا یا میں نے اپنے نفس کو قبول کر لیا یا میں نے اپنے امر کو اختیار کر لیا یا تو مجھ پر حرام ہے یا تو مجھ سے جدا ہے یا میں تجھ سے جدا ہوں یا میں تجھ سے طلاق والی ہوں تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر اس کے باپ نے کہا: میں نے انہیں قبول کیا۔ ''خلاصہ''۔

قدم دہلیز پر ہو اور دوسرا اندر داخل ہو۔ اور جو سابقہ قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ دہلیز سے باہر ہو۔ پہلے قدم کے ساتھ اول دخول سے تجاوز نہ کیا اور دوسرے قدم کے ساتھ تجاوز کر دیا اور معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا، ''مقدسی''۔

13676۔ (قولہ: أَوْ بِشِمَالِكَ) ''بزازیہ'' میں ہے: امرك في عينيك (تیرا معاملہ تیری آنکھوں میں) یا اسی قسم کا قول کیا تو اس سے نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، ''بحر''۔

13677۔ (قولہ: يَنْوِي ثَلَاثًا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دیانۃً تفویض کی نیت ضروری ہے یا قضاءً دلالت حال ضروری ہے جس طرح ''البحر'' میں گزرا ہے۔ ثلاثا کے قول کے ساتھ جس سے احتراز کیا ہے اس کا ذکر عنقریب (مقولہ 13683 میں) آئے گا۔

13678۔ (قولہ: أَيْ تَفْوِيضَهَا) ھا ضمیر سے مراد تین ہے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ الفاظ طلاق تفویض کرنے سے کنایہ ہیں۔ ایقاع سے کنایہ نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ طلاق واقع کرنے کی نیت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کا لفظ اس کا احتمال نہیں رکھتا۔ امر بالید کے علاوہ میں امر ظاہر ہے۔ جہاں تک امر بالید کا تعلق ہے تو یہ ایقاع طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ جب خاوند نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی تو عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں آ گیا۔ گویا عدم تعارف کی وجہ سے ایقاع طلاق سے کنایہ نہیں بنایا، ''رحمتی''۔

13679۔ (قولہ: فِي مَجْلِسِهَا) فاء تعقیبیہ سے اس قید کو سمجھا گیا ہے ''نہر''۔ یہ قید اس تفویض میں ہے جس میں وقت کی قید نہ ہو جس طرح پہلے (مقولہ 13578 میں) گزر چکا ہے۔

13680۔ (قولہ: وَقَعْنَ) یعنی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ اختیار امر بالید کا جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ تملیک ہے جس طرح تخییر میں اختیار جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ واحدۃ یہ اختارہ کی صفت ہے تو یہ یوں ہو گیا گویا عورت نے کہا: اخترت نفسي بمرة واحدة۔ اسی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، ''نہر''۔ جہاں تک طلقت نفسك کا تعلق ہے تو اختیار اس کا جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جس طرح آنے والی فصل میں (مقولہ 13753 میں) آئے گا۔

وَيَنْبَغِي أَنْ يُقَيَّدَ بِالصَّغِيرَةِ (وَأَعَرْتُكِ طَلَاقَكِ) وَأَمْرُكِ بِيَدِ اللهِ وَيَدِكِ وَأَمْرِي بِيَدِكِ عَلَى الْمُخْتَارِ خُلَاصَةٌ (كَأَمْرُكِ بِيَدِكِ) وَذِكْرُ اسْمِهِ تَعَالَى لِلتَّبَرُّكِ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا فَوَاحِدَةٌ؛ وَلَوْ طَلَّقَتْ ثَلَاثًا فَقَالَ نَوَيْتُ وَاحِدَةً وَلَا دَلَالَةَ حُلِّفَ وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا عَلَى الدَّلَالَةِ

چاہیے کہ صغیرہ کی قید لگائی جاتی۔ میں نے تجھے طلاق عاریۃً دی، تیرا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں اور تیرے ہاتھ میں اور میرا معاملہ تیرے ہاتھ میں۔ مختار مذہب کے مطابق ''خلاصہ''۔ یہ اقوال تیرے اس قول کی طرح ہیں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر برکت کے طور پر ہے۔ اگر تین کی نیت نہ کی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر تین طلاقیں دیں اور کہا: میں نے ایک طلاق کی نیت کی ہے جب کہ وہاں دلالت حال نہ تھی تو اس سے قسم لی جائے گی۔ اور دلالت پر عورت کی گواہیاں قبول کی جائیں گی

13681۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''خلاصہ'' میں ''المنتقی'' سے عبارت منقول ہے: اگر خاوند نے عورت کا معاملہ اس کے باپ کے ہاتھ میں دیا تو اس کے باپ نے کہا: میں نے اسے قبول کر لیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر خاوند نے عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیا تو عورت نے کہا: میں نے اسے قبول کر لیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ یعنی اس جیسے معاملات میں امر اس کے صغر پر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ صحیح ہے کہ امر اجنبی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اگرچہ وہ بالغ ہو۔ ''خلاصہ'' کی عبارت میں یہ نہیں کہ خاوند نے بیوی کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیا تو اس کے باپ نے اسے قبول کیا یہاں تک کہ وہ صورتحال بنتی جو شارح نے صاحب ''النہر'' کی پیروی میں بحث کی ہے، ''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: جب مرد نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ تعلیق کے معنی میں ہوگا کہ عورت اپنے آپ کو اختیار کر لے تو باپ کی جانب سے اختیار صحیح نہ ہوگا اگرچہ وہ صغیرہ ہو۔ اسی طرح اگر اختیار باپ کو دیا گیا تو عورت کی جانب سے اسے اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا اگرچہ وہ بڑی ہو۔ کیونکہ امر اس کے سپرد ہی نہیں کیا گیا۔

13682۔ (قولہ: وَذِكْرُ اسْمِهِ تَعَالَى لِلتَّبَرُّكِ) یعنی امر کے خطاب میں عورت منفرد ہو جائے گی۔

13683۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَنْوِ ثَلَاثًا) اس قول کے ساتھ ینوی ثلاثا کے قول سے احتراز کیا ہے وہ اس میں سچا ہے کہ اس نے عدد کی نیت نہیں کی یا ایک کی نیت کی یا آزاد میں دو کی نیت کی کیونکہ اس صورت میں عورت کو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ اور ہم پہلے (مقولہ 13677 میں) بیان کر چکے ہیں کہ عورت کو امر سپرد کرنے کے لیے دیانۃً نیت کا ہونا ضروری ہے یا حال اس پر دلالت کرے یہ قضاءً ضروری ہے، ''بحر''۔

13684۔ (قولہ: وَلَا دَلَالَةَ) جب تین طلاقوں پر دلالت پائی جائے جس طرح تین طلاقوں کا مذاکرہ ہو یا تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ یہ ''النہر'' کے قول سے اولیٰ ہے: جس طرح وہ حالت غضب میں ہو یا مذاکرہ طلاق ہو تو یہ تین طلاقوں کی نیت پر دلالت نہیں کرتا، ''ط''۔

13685۔ (قولہ: وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا عَلَى الدَّلَالَةِ) یعنی غضب اور مذاکرہ طلاق پر عورت کے گواہ قبول کیے جائیں

كَمَا مَرَّ (وَاتِّحَادُ الْمَجْلِسِ وَعِلْمُهَا) وَذِكْرُ النَّفْسِ أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا (شَرْطٌ، فَلَوْ جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا وَلَمْ تَعْلَمْ) بِذَلِكَ (وَ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ تَطْلُقْ) لِعَدَمِ شَرْطٍ خَافِيَةٌ (وَكُلُّ لَفْظٍ يَصْلُحُ لِلْإِيقَاعِ مِنْهُ يَصْلُحُ لِلْجَوَابِ مِنْهَا وَمَا لَا) يَصْلُحُ لِلْإِيقَاعِ مِنْهُ (فَلَا) يَصْلُحُ لِلْجَوَابِ مِنْهَا، فَلَوْ قَالَتْ أَنَا طَالِقٌ أَوْ طَلَّقْتُ نَفْسِي وَقَعَ، بِخِلَافِ نحو طَلَّقْتُكَ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ تُوصَفُ بِالطَّلَاقِ دُونَ الرَّجُلِ اخْتِيَارٌ

جس طرح گزر چکا ہے مجلس کا متحد ہونا، عورت کو اس کا علم ہونا، نفس یا جو اس کے قائم مقام ہے اس کا ذکر شرط ہے۔ اگر خاوند نے عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور عورت کو اس کا علم نہ تھا اور عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی شرط نہیں پائی گئی۔ ہر وہ لفظ جو مرد کی جانب سے طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے عورت کی جانب سے وہ جواب بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور جو لفظ مرد کی جانب سے طلاق واقع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ عورت کی جانب سے جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر عورت نے کہا: میں طلاق والی ہوں یا میں نے اپنے نفس کو طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر عورت نے کہا: میں نے تجھے طلاق دی ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ عورت کی طلاق کے ساتھ صفت ذکر کی جاتی ہے مرد کی صفت ذکر نہیں کی جاتی۔ ''اختیار''۔

گے مثلاً۔ نیت پر گواہ قبول نہ کیے جائیں گے مگر نیت کے اقرار پر گواہ قائم کیے جائیں۔ جس طرح ''النہر'' میں ''العمادیہ'' سے مروی ہے۔

13686۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی کنایات کے شروع میں گزر چکا ہے، ''ح''۔

13687۔(قولہ: أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَهَا) جس طرح اختیارہ اور اخترت امری کا لفظ ہے۔''ط''۔ یا اخترت ابی او امی او اھلی او الازواج جس طرح التخییر میں گزر چکا ہے جو معلوم ہے۔ ظاہر یہ بھی ہے کہ یہاں تکرار کی وہی حیثیت ہے جو وہاں ہے۔

13688۔(قولہ: فَلَوْ جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا) اس قول کے ساتھ اس کے قول وعلمها سے احتراز کیا ہے اور آخری دو کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں ظاہر ہیں اگر مجلس کے ختم ہونے کے بعد نفس کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب مطلق ذکر کیا۔ مگر جب وقت کے ساتھ مقید کیا جس طرح کہا: امرك بيدك يوما تو جب تک وقت ہوگا اختیار ہوگا۔ اگر مرد نے عورت سے کہا: امرك بيدك تو عورت نے کہا: اخترتُ اور نفس کا لفظ ذکر نہ کیا اور نہ ہی ایسا لفظ ذکر کیا جو نفس کے قائم مقام ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی، ''رحمتی''۔

13689۔(قولہ: لَمْ تَطْلُقْ) جس طرح وکیل وکالت کے علم ہونے سے پہلے وکیل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف صحیح نہ ہوگا۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ وراثت کی طرح خلافت ہے، ''بزازیہ''۔

13690۔(قولہ: وَكُلُّ لَفْظٍ) اس اصل کو ''البحر'' میں ''البدائع'' سے نقل کیا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس امر کی وضاحت کی ہو۔ میرے لیے اس کے بیان میں جو امر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مراد، لفظ کی مادہ اور ہیئت کے ساتھ تعیین نہیں اور نہ ہی ضمائر اور ہیئات کی تغییر کے ساتھ تعیین ہے جس طرح کہا گیا۔ بلکہ مراد ہے کہ عورت لفظ کو اس کی طرف

....

منسوب کرے جس کی طرف خاوند لفظ کو منسوب کرے تو اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے تو اس طرح جو لفظ مرد کی جانب سے طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ عورت کی جانب سے جواب بننے کی صلاحیت بھی رکھے گا۔ عورت کا قول: انت علی حرام یا انت منی بائن یا انا منك بائن یہ جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں اس نے حرمت اور بینونت کو زوج کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور خاوند اگر الفاظ کو اپنی طرف منسوب کرتا جیسے وہ کہتا: انا علیك حرام، انا منك بائن اور تیسری صورت میں عورت نے بینونت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ ایسا لفظ ہے کہ اگر عورت اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرتی جیسے کہتی: انت منی بائن۔ اسی طرح عورت کا قول: انا طالق یا طلقت نفسی تو عورت نے طلاق کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو یہ جواب بننا صحیح ہوتا۔ کیونکہ اگر خاوند طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرے تو طلاق واقع ہو جاتی۔ طلقتك کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی کی مثل عورت کا قول ہے: انت منی طالق کیونکہ عورت نے طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ اور خاوند اگر طلاق کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جب یہ طلاق واقع کرنے کی صلاحیت نہ رکھے تو یہ جواب بننے کی صلاحیت بھی نہ رکھے گی۔ اس ضابطہ کی وضاحت میں یہ صحیح انداز ہے۔ اس گفتگو کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو کیا جاتا ہے: آخری قول کے ساتھ اس میں نقص واقع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر خاوند نے عورت سے کہا: طلقتك تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مراد ضمائر اور صیغات کی تغییر ہے۔ جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ بلکہ مراد وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر جان لو کہ ان کے قول: کل ما صلح للایقاع من الزوج سے مراد ہے جو طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جب کہ وہ نیت پر موقوف نہ ہوں جب کہ عورت نے مرد سے طلاق کی نیت کی ہو۔ کیونکہ ''جامع الفصولین'' میں ہے: اصل یہ ہے کہ خاوند کی جانب سے ہر شے طلاق ہوگی جب عورت خاوند سے سوال کرے تو خاوند اس لفظ کے ساتھ اسے جواب دے۔ جب عورت اپنی ذات پر اس کی مثل طلاق واقع کرے بعد اس کے کہ طلاق عورت کے ہاتھ میں آ چکی تھی تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر عورت نے کہا: مجھے طلاق دو تو مرد نے کہا تو حرام ہے، بائن ہے، خلیہ ہے یا بریہ ہے تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ جب طلاق عورت کے ہاتھ میں آ چکی تھی تو اس کے بعد عورت نے یہ کہا تو تب بھی اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر عورت نے مرد سے کہا: طلقنی مجھے طلاق دے دو تو خاوند کہے: الحقی باھلك اپنے اہل میں چلی جاؤ۔ اور خاوند نے کہا: میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ جب معاملہ عورت کے ہاتھ میں آ چکا تھا تو عورت نے کہا: الحقت نفسی باھلی تب بھی اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔

کیونکہ یہ ان کنایات میں سے ہے جو رد کا احتمال رکھتے ہیں پس یہ حالت غضب اور مذاکرہ طلاق میں نیت پر موقوف ہوں گی۔ عورت نے جب طلاق کا سوال کیا تو یہ ایقاع طلاق کے لیے متعین نہیں ہوں گے مگر جب وہ نیت کرے۔ حرام اور بائن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ مذاکرہ طلاق میں نیت کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس وضاحت کے ساتھ وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جو الحقت نفسی اور انا بائن میں فرق کو جو مشکل خیال کیا گیا تھا۔ فافہم

(إِلَّا لَفْظَ الِاخْتِيَارِ خَاصَّةً) فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَلْفَاظِ الطَّلَاقِ وَيَصْلُحُ جَوَابًا مِنْهَا بَدَائِعُ، لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ صِحَّتُهُ بِقَبُولِهَا وَقَبُولِ أَبِيهَا كَمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ، وَفِي قَوْلِهَا فِي جَوَابِهِ (طَلَّقْتُ نَفْسِي وَاحِدَةً أَوْ اخْتَرْتُ نَفْسِي بِتَطْلِيقَةٍ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ تَفْوِيضُ الزَّوْجِ لَا إِيقَاعُهَا (وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ فِي) قَوْلِهِ (أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ)

مگر اختیار کا لفظ خاص کر کیونکہ یہ طلاق کے الفاظ میں سے نہیں اور عورت کی جانب سے جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے ''بدائع''۔ لیکن اس ضابطہ پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ عورت کا قبول کرنا اور اس کے باپ کا قبول کرنا صحیح ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے فتدبر۔ اور مرد کے جواب میں عورت کا کہنا: میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی یا ایک طلاق کے ساتھ اپنے آپ کو اختیار کر لیا اس کے ساتھ ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اعتبار خاوند کے تفویض کرنے کا ہوتا ہے عورت کے واقع کرنے کا نہیں ہوتا۔ اور خاوند کے قول: امرك بيدك اليوم وبعد غد میں رات داخل نہیں ہوگی۔

13691۔(قولہ: فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَلْفَاظِ الطَّلَاقِ) کیونکہ اگر وہ اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع کرنے کی نیت کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ طلاق تفویض کرنے سے کنایہ ہے طلاق واقع کرنے سے کنایہ نہیں لیکن یہ خلاف قیاس اجماع سے ثابت ہے جس طرح پہلے (مقولہ 13644 میں) گزر چکا ہے۔ اس کی مثل: امرك بيدك ہے۔ اس کی استثنا نہیں کی کیونکہ یہ عورت کی جانب سے جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح عورت کہے: امری بیدی جس طرح ''البحر'' میں اس کی تصریح کی ہے، ''البحر''۔

13692۔(قولہ: لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ) یعنی اس ضابطہ پر اعتراض واقع ہوتا ہے یعنی عورت اپنے اس قول کے ساتھ جواب دے تو اس کا جواب صحیح ہوگا: قبلت یا اس کا باپ کہے: قبلت۔ یہ اس صورت میں ہے جب خاوند نے معاملہ باپ کے سپرد کر دیا ہو۔ جب کہ لفظ قبول طلاق واقع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ اعتراض صاحب ''البحر'' کا ہے۔ بعض اوقات اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ عورت کا قول قبلت سے مراد اخترت نفسی ہے پس یہ مستثنیٰ کے تحت داخل ہے۔

13693۔(قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ) یہ ان کے قول بانت کی علت ہے یعنی اگر عورت نے ایسے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی جس کے ساتھ طلاق رجعی واقع ہوتی ہو لیکن پھر بھی طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ کیونکہ معتبر خاوند کا تفویض کرنا ہے اور مرد کی تفویض طلاق بائنہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے امر کی مالک بنتی ہے۔ طلاق رجعی کے ساتھ وہ اپنے امر کی مالک نہیں بنتی ہے۔ جہاں تک تین کی بجائے ایک طلاق واقع ہونے کی علت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ عورت کی کلام میں واحدۃ یہ ایک مصدر کی صفت ہے جو طلقة ہے۔ کیونکہ عامل لفظی کا خصوص مقدر کے خصوص کا قرینہ ہوتا ہے۔ اس گفتگو کے ساتھ: طلقت نفسی بواحدۃ اور اخترت نفسی بواحدۃ کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔ اور جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ دوسری صورت میں بھی ایک ہی طلاق ہونی چاہیے وہ ختم ہو گیا۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13694۔(قولہ: وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ) یہاں لیل سے مراد جنس ہے۔ پس یہ دو راتوں کو بھی شامل ہوگی۔ اس طرح

لِأَنَّهُمَا تَمْلِيكَانِ (فَإِنْ رَدَّتْ الْأَمْرَ فِي يَوْمِهَا بَطَلَ الْأَمْرُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ فَكَانَ أَمْرُهَا بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ) وَلَوْ طَلَّقَتْ لَيْلًا لَمْ يَصِحَّ وَلَا تُطَلِّقُ إلَّا مَرَّةً (وَيَدْخُلُ) اللَّيْلُ (فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَغَدًا)،

کیونکہ یہ دوالگ الگ تملیکیں ہیں۔اگراسی روز اس نے امر کورد کر دیا تو اس روز کا امر باطل ہو جائے گا اور اگلے دن کے بعد کے دن کا امراس کے ہاتھ میں ہوگا۔اگر مرد نے اسے رات کے وقت طلاق دی تو یہ صحیح نہ ہوگی اور وہ عورت صرف ایک دفعہ اپنے آپ کو طلاق دے سکے گی۔اور خاوند جب کہے: امرك بيدك اليوم وغدا تو اس صورت میں رات امر میں داخل ہوگی۔

یوم فاصل بھی داخل نہ ہوگا۔اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس سے خاموشی اختیار کی ہے''ح''۔''الحاوی القدسی'' میں ہے: اس میں رات اور غد (کل) داخل نہ ہوگا۔

13695۔(قولہ: لِأَنَّهُمَا تَمْلِيكَانِ)''البحر'' میں کہا: کیونکہ زمانہ کا دوسرے ایسے زمانہ پر عطف جو اس کا ہم مثل ہو جن دونوں زمانوں میں انہیں جیسے زمانہ کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہو تو یہ اس میں ظاہر ہوتا ہے کہ امر مذکور کو اول زمانہ کے ساتھ اور دوسرے امر کو دوسرے زمانہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔پس الیوم کا لفظ الگ ہوگا اسے مذکورہ حکم میں مابعد کی طرف جمع نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ یہ کلام ایسے ہوگی کہ ایک جملہ کا عطف دوسرے جملہ پر کیا گیا ہے یعنی امرك بيدك اليوم وامرك بيدك بعد غد۔اگر الیوم کو الگ ذکر کیا ہوتا تو رات اس میں داخل نہ ہوتی۔اسی طرح جب ایک جملہ کا عطف دوسرے جملہ پر کیا تو رات داخل نہ ہوگی،''ح''۔

13696۔(قولہ: فَكَانَ أَمْرُهَا بِيَدِهَا بَعْدَ غَدٍ) جس کی مصنف نے خود شرح کی ہے۔وکان، واؤ کے ساتھ اس کا ذکر بہتر ہے''ط''۔میں کہتا ہوں: بعض نسخوں میں یہ اسی طرح ہے۔

13697۔(قولہ: وَلَوْ طَلَّقَتْ) اس میں لام مشدد ہے یہ معروف کا صیغہ ہے اس کا مفعول محذوف ہے۔یعنی اگر عورت نے اپنے آپ کو رات کے وقت طلاق دے لی یعنی دوراتوں میں سے ایک میں تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔یہ قول اس بارے میں تصریح ہے جو ان کے قول: ولا يدخل الليل سے سمجھا گیا ہے،''ح''۔

13698۔(قولہ: وَلَا تُطَلِّقُ إلَّا مَرَّةً) اس قول کے ساتھ اس وہم کو دور کرنے کا قصد کیا ہے جو اس وجہ سے سمجھا جا رہا تھا کہ جب یہ دو تملیکیں ہیں تو یہ اس کے جواز کا تقاضا کریں گی کہ عورت اپنے آپ کو دو دفعہ طلاقیں دے لے ہر دن میں ایک دفعہ طلاق دے لے،''ح''۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں نقل صریح کی ضرورت ہے۔کیونکہ ان کا دو تملیکیں ہونا دلالت کرتا ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ آج اور کل کے بعد اپنے آپ کو طلاق دے لے۔''المنح'' میں ہے: جب یہ امر ثابت ہے کہ یہ دو امر ہیں کیونکہ دونوں کا وقت الگ الگ ہے تو عورت کو دونوں وقتوں میں سے ہر ایک وقت میں علیحدہ ثابت ہوگا۔ایک کے رد کرنے سے دوسرا رد نہیں ہوتا۔اس میں امام''زفر'' کا اختلاف ہے۔

وَإِنْ رَدَّتْهُ فِي يَوْمِهَا لَمْ يَبْقَ فِي الْغَدِ) لِأَنَّهُ تَفْوِيضٌ وَاحِدٌ (وَلَوْ قَالَ أَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ غَدًا فَهُمَا أَمْرَانِ) خَانِيَّةٌ

اگر عورت نے امر کو اسی روز رد کر دیا تو اگلے روز میں اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ یہ ایک تفویض ہے۔ اگر مرد نے کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں آج ہے اور تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں کل ہے تو یہ دو امر ہوں گے۔ ''خانیہ''۔

ظاہر یہ ہے کہ شارح کی مراد ہے کہ عورت ہر روز ایک دفعہ طلاق دے سکتی ہے۔ ''البدائع'' میں کہا: اگر عورت نے وقت میں ایک دفعہ اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اسے دوسری دفعہ اپنے نفس کو اختیار کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ لفظ وقت کا تقاضا کرتا ہے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ وقت کی بحث میں اس کا ذکر کیا ہے جیسے الیوم اور الشهر۔ جب دو وقتوں میں یہ دو تملیکیں ہیں تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں وقتوں میں سے ہر ایک میں ایک دفعہ وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے۔ اس نقطہ نظر پر وہ عبارت بھی دلالت کرتی ہے جسے ہم عنقریب (مقولہ 13702 میں) ''البدائع'' سے نقل کریں گے۔ فافہم

13699۔ (قولہ: وَإِنْ رَدَّتْهُ) اس کا عطف ان کے قول: ويدخل الليل پر ہے۔ مقصود اس فرق کو بیان کرنا ہے جو اس مسئلہ اور اس سے قبل مسئلہ میں ہے۔ فرق دو وجہ سے بیان کیا ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ رات کو طلاق دے لے، دوسری یہ ہے اگر عورت نے آج امر کو رد کر دیا تو وہ کل امر کی مالک نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فا کی بجائے واؤ کے ساتھ عطف کرنا اچھا ہے۔ فافہم

13700۔ (قولہ: لَمْ يَبْقَ فِي الْغَدِ) ''ہدایہ'' میں کہا: یہ ظاہر الروایہ ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ کل بھی اپنے آپ کو اختیار کر لے کیونکہ وہ امر کو رد کرنے کی مالک نہیں جس طرح وہ طلاق واقع کرنے کی مالک نہیں۔

13701۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَفْوِيضٌ وَاحِدٌ) کیونکہ دونوں میں کسی اور دن کے ساتھ فاصلہ نہیں کیا گیا اور یہ جمع کے حرف کے ساتھ تملیک واحد میں جمع ہوگا۔ پس یہ اس کے اس قول کی طرح ہے: امرك بيدك يومين اس میں درمیانی رات داخل ہو گی رات کا داخل ہونا لغوی اور عرفی استعمال کی وجہ سے ہے، ''بحر''۔

13702۔ (قولہ: فَهُمَا أَمْرَانِ) ''بدائع'' میں کہا: یہاں تک کہ عورت نے آج اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا امر کو رد کر دیا تو وہ کل اپنے اختیار پر باقی ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے لفظ کو مکرر ذکر کیا تو تفویض متعدد ہوگی۔ پس دونوں میں سے ایک کا رد دوسرے کا رد نہ ہوگا۔ اگر آج اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور اپنے آپ کو طلاق دے لی پھر خاوند نے کل سے پہلے پھر اس سے عقد نکاح کر لیا تو عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرنے کا ارادہ کیا تو عورت کو یہ حق ہوگا۔ اور وہ دوسری طلاق دے سکتی ہے۔ کیونکہ خاوند نے دونوں تفویضوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک طلاق دینے کا مالک بنایا تھا۔ دونوں میں سے ایک کے ساتھ طلاق کا واقع کرنا دوسرے کے ساتھ واقع کرنے سے مانع نہیں۔ یہ اس امر پر دلیل ہے جو ہم نے پہلے مسئلہ میں (مقولہ 13698 میں) ذکر کیا ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ ہر دن میں وہ ایک طلاق دے۔

وَلَمْ يَذْكُرْ خِلَافًا ؛ وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ كَمَا لَا يَخْفَى
(تَنْبِيهٌ) ظَاهِرُ مَا مَرَّ أَنَّهُ يَرْتَدُّ بِرَدِّهَا، لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ

اور اختلاف کا ذکر نہیں کیا اور رات داخل نہ ہوگی جس طرح یہ مخفی نہیں۔
تنبیہ: جو بحث گزری ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ عورت کے رد کرنے سے امر رد ہو جائے گا لیکن ''عمادیہ'' میں ہے

13703۔(قولہ: وَلَمْ يَذْكُرْ خِلَافًا) یعنی ''خانیہ'' میں اس کے دوامر ہونے میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ اور ''ہدایہ'' میں جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً روایت نقل کی ہے یہ اختلاف کو ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ ''ہدایہ'' میں مذکور فرع کا یہ قول مخرج ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔

13704۔(قولہ: وَلَا يَدْخُلُ اللَّيْلُ) کیونکہ خاوند نے عورت کے لیے یوم مفرد میں امر کو ثابت کیا ہے اور وہ امر جو اس دن میں ثابت ہے جو پہلے دن کے بعد ہے وہ ایک اور امر ہے، ''فتح''۔

13705۔(قولہ: ظَاهِرُ مَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: فان ردت الامر فی یومها بطل الامر فی ذلك الیوم سے جو ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر کا لفظ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ رد الامر سے مراد ہو کہ عورت نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا۔ اس سے یہ مراد نہیں رددته۔ اس کے بارے میں تو تفصیل کو سنے گا، ''ح''۔

13706۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ) اس میں اختصار ہے بلکہ شارح پر لازم تھا کہ وہ کہتے: ''ذخیرہ'' میں ہے کہ امر رد نہیں ہوگا۔ ''عمادیہ'' میں تطبیق دی ہے۔ اس کی وضاحت ہے: عورت کے رد کرنے کے صحیح ہونے کا حکم یہ اس کے مناقض ہے جو ''ذخیرہ'' میں ہے کہ اگر خاوند نے عورت کا امر عورت کے ہاتھ میں دیا یا اجنبی کے ہاتھ میں دیا پھر عورت نے اس امر کو رد کر دیا یا اجنبی نے اس امر کو رد کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی شے کا مالک بنانا ہے جو شے لازم ہے پس وہ امر لازماً واقع ہوگا۔

مسئلہ: ہمارے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔ ''عمادی'' نے اپنی ''فصول'' میں کہا: تطبیق یوں ہے کہ امر تفویض کرنے کے وقت ہی رد کرنے کی صورت میں رد ہو جائے گا قبول کرنے کے بعد رد نہیں ہوگا۔ اس کی مثل اقرار ہے۔ کیونکہ جس نے کسی انسان کے لیے کسی شے کا اقرار کیا مقرلہ نے اس کی تصدیق کر دی پھر مقر نے اپنے اقرار کو رد کر دیا تو اس کا رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

''ہدایہ'' کے شارحین اسی تطبیق پر جاری ہیں۔ محقق ''ابن ہمام'' نے ''الفتح'' میں ایک اور تطبیق کو اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے قول ''اگر عورت نے اسی روز امر کو رد کر دیا تو اختیار باطل ہو جائے گا'' سے مراد یہ ہے عورت کا اسی روز اپنے خاوند کو اختیار کر لینا ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عورت کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں جو کچھ ہے اس سے مراد ہے کہ عورت کہے: رددت۔

''ہدایہ'' کا قول بھی اسی طرف راہنمائی کرتا ہے کیونکہ جب عورت نے آج اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو کل اس کے لیے خیار باقی نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب اس نے امر کو رد کرتے ہوئے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا۔ ''جامع الفصولین'' میں دونوں میں تطبیق

أَنَّهُ يَرْتَدُّ قَبْلَ قَبُولِهِ لَا بَعْدَهُ كَالْإِبْرَاءِ وَأَنَّهُ فِي الْمُتَّحِدِ لَا يَبْقَى فِي الْغَدِ، لَكِنْ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ أَمْرُكِ بِيَدِكِ إِلَى رَأْسِ الشَّهْرِ فَقَالَتْ اخْتَرْتُ زَوْجِي بَطَلَ خِيَارُهَا فِي الْيَوْمِ،

کہ مرد کے قول کرنے سے قبل رد ہو جائے گا اس کے بعد رد نہیں ہوگا جس طرح بری کرنے کا معاملہ ہے۔ اور متحد تخییر میں امر کل میں باقی نہیں رہے گا۔ لیکن ''الولوالجیہ'' میں ہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں مہینے کے سرے تک تو عورت نے کہا: میں نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا تو آج اس کا خیار باطل ہو جائے گا

دی ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہوں۔ کیونکہ یہ من وجہ تملیک ہے پس تملیک کو دیکھتے ہوئے قبول سے قبل اس کا رد صحیح ہوگا۔ اور تعلیق کو دیکھتے ہوئے نہ قبول سے پہلے اور نہ قبول کے بعد اس کا رد کرنا صحیح ہوگا۔ پس رد کے صحیح ہونے کی روایت تملیک کو دیکھتے ہوئے ہے اور اس کا فاسد ہونا تعلیق کو دیکھتے ہوئے ہے۔ اور ''البحر'' میں اسے غالب کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے کہ ''ہدایہ'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ عورت امر کو رد کرنے کی مالک نہیں جس طرح وہ طلاق واقع کرنے کی مالک نہیں اور کہا: ''ابن ہمام'' اور شارحین نے جو تکلف کیا ہے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اس سے قبل ''عمادی'' اور شارحین نے جو کہا ہے کہ قبول کے بعد عورت کا قول رددت یہ اعراض ہے اور خیار کو باطل کرنے والا ہے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس اعتراض پر ان کی ''مقدسی'' نے موافقت کی ہے۔ اور کہا: یہ عجیب بات ہے کہ انہوں نے اسے باطل کر دیا ہے ایسے امر کے ساتھ جو اعراض اور رد پر دال ہے جیسے کھانا اور پینا اور صریح رد کرنے کے ساتھ اسے باطل نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: اس قول کو ترک کر دیا گیا کہ کلام تو موقت میں ہو رہی ہے اور علما نے تصریح کی ہے کہ ایسا اختیار مجلس سے اٹھ جانے، کھانے اور پینے سے باطل نہیں ہوتا جب تک وقت نہ گزر جائے۔ مطلق عن الوقت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

13707۔ (قولہ: قَبْلَ قَبُولِهِ) یہ مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اصل کلام یوں ہے: قبول المرأة التفویض۔

13708۔ (قولہ: كَالْإِبْرَاءِ) یعنی قرض سے بری کرنا۔ کیونکہ دین کے ثابت ہونے کے بعد یہ قبول پر موقوف نہیں اور رد کرنے کے ساتھ یہ رد ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اسقاط اور تملیک کا معنی پایا جاتا ہے، ''فتح''۔

13709۔ (قولہ: وَأَنَّهُ فِي الْمُتَّحِدِ) اس قول کا عطف ان کے اس قول ان یرتد بردھا پر ہے یعنی جو بحث گزری ہے۔ اس کا ظاہر معنی بھی ہے کہ متحد تخییر میں اسی طرح ہے جیسے امرك بيدك اليوم و غدا تو اگلے دن میں اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اور اس میں ہے کہ یہ مصنف کی کلام میں صریحاً منصوص ہے اور اس کا قول لکن یہ ان کے قول لا یبقی فی الغد پر استدراک ہے۔

13710۔ (قولہ: إِلَى رَأْسِ الشَّهْرِ) یعنی اگلے مہینے کے آنے تک۔

13711۔ (قولہ: بَطَلَ خِيَارُهَا فِي الْيَوْمِ) الیوم اور الغد سے مراد مجلس ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں اس کے

وَلَهَا أَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا فِي الْغَدِ عِنْدَ الْإِمَامِ وَوَجَّهَهُ فِي الدِّرَايَةِ بِأَنَّهُ مَتَى ذُكِرَ الْوَقْتُ اُعْتُبِرَ تَعْلِيقًا وَإِلَّا فَتَمْلِيكًا

اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ اگلے روز میں اپنے نفس کو اختیار کر لے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''درایہ'' میں اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب وقت کا ذکر کیا جائے تو تعلیق کا اعتبار ہوگا ورنہ تملیک کا اعتبار ہوگا۔

ساتھ تعبیر کی ہے۔ پہلے اور دوسرے دن کی کوئی تخصیص نہیں۔

13712۔(قولہ: وَلَهَا أَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا فِي الْغَدِ) یعنی اختیار باقی رہے گا جب کہ یہ تخییر متحد میں سے ہے، ''ح''۔

13713۔(قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پورے مہینے میں اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ''البدائع'' میں ذکر کیا ہے کہ بعض علما نے اختلاف اس کے برعکس ذکر کیا ہے کہ امر طرفین کے نزدیک پورے مہینے میں اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں نکلے گا۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسی طرح ہے اور کہا: یہ صحیح ہے۔

اگر خاوند نے بیوی سے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور وقت ذکر کیا تو تعلیق کا اعتبار ہوگا

13714۔(قولہ: بِأَنَّهُ مَتَى ذُكِرَ الْوَقْتُ) یعنی جس طرح تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں آج اور کل یا مہینے کے سرے تک تو اسے تعلیق کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ تعلیق رد کرنے سے رد نہیں ہوتی۔ اور اگر وقت کا ذکر نہ کیا جس طرح کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں تو اس کا تملیک کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا۔ اور تملیک قبول کرنے سے پہلے رد ہو جائے گی۔ جس طرح پہلے گزرا ہے اس میں دو اعتبار سے اعتراض کی گنجائش ہے۔

(۱) یہاں قبول اس معنی میں ہے کہ عورت دو امروں میں سے ایک کو اختیار کرے اپنے نفس کو یا اپنے خاوند کو اختیار کرے۔ جب عورت نے کہا: اخترت زوجی تو قبول پایا گیا۔ پس عورت اس کے بعد رد کی مالک نہ ہوگی کہ اپنے نفس کو اختیار کرے۔ اس وقت تعلیق اور تملیک کا اعتبار کرنے میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ فلیتامل

(۲) ''حلبی'' نے جو اعتراض کیا ہے کہ یہ توجیہ اس تناقض کو ختم نہیں کرتی جو متن اور ''الولوالجیہ'' میں ہے۔ کیونکہ وہ قول تقاضا کرتا ہے کہ امر اگلے دن عورت کے ہاتھ میں ہے جب عورت نے آج اپنے خاوند کو اختیار کر لیا ہو جب خاوند نے یہ کہا ہو: امرك بيدك اليوم وغدا جب کہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر مصنف نے نص قائم کی ہے۔ اور ''طحطاوی'' نے جواب دیا ہے کہ شارح کا مقصود تناقض کا ثبوت ہے اس کا ختم کرنا نہیں۔

میں کہتا ہوں: تناقض کا جواب یہ ہے کہ اختلاف متن کے مسئلہ میں بھی جاری ہے جس طرح ہم نے (مقولہ 13700 میں) اسے ''ہدایہ'' سے بیان کیا ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر مرد نے عورت سے کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل تو یہ اسی اختلاف پر ہوگا جو گزر چکا ہے۔ ''ولوالجی'' نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ آج اور کل کے مسئلہ میں کہا: اگر آج امر کو

بَقِيَ لَوْ طَلَّقَهَا بَائِنًا هَلْ يَبْطُلُ أَمْرُهَا إِنْ كَانَ التَّفْوِيضُ مُنَجَّزًا، نَعَمْ وَإِنْ مُعَلَّقًا كَإِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَمْرُكِ بِيَدِكِ أَوْ مُؤَقَّتًا لَا عِمَادِيَّةٌ لَكِنْ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْقُنْيَةِ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْمُعَلَّقَ كَالْمُنَجَّزِ

یہ مسئلہ باقی رہ گیا اگر خاوند نے امر تفویض کرنے کے بعد طلاق بائن دے دی تو کیا عورت کا اختیار باطل ہو جائے گا؟ اگر تفویض حتمی طور پر فی الفور ہو تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ اگر وہ معلق ہو جس طرح کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تفویض موقت تھی تو اختیار باطل نہیں ہوگا، ''عمادیہ''۔ لیکن ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ معلق منجز کی طرح ہے۔

رد کر دیا تو کل میں اختیار باقی رہے گا۔ ''جامع صغیر'' میں ہے: اختیار باقی نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ ہے۔ جو بحث (مقولہ 13713 میں) گزری ہے اس میں مہینہ کے مسئلہ میں جو اختلاف ہے اسے تو جان چکا ہے کہ طرفین کے نزدیک کل امر عورت کے ہاتھ میں باقی نہیں ہوگا جب کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ فافہم

13715۔ (قولہ: بَقِيَ لَوْ طَلَّقَهَا بَائِنًا) طلاق بائن کی قید لگائی کیونکہ اگر خاوند نے طلاق رجعی دی تو اس کا امر باقی رہے گا یہ ایک قول ہے۔ ''ح''۔ شارح نے ایک اور مناقضہ کا جواب دینے کا ارادہ کیا ہے جو ان کی کلاموں میں موجود ہے کیونکہ ''عمادی'' نے اپنی ''فصول'' میں ذکر کیا ہے: اگر خاوند نے کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں پھر اسے طلاق بائن دی تو ظاہر روایت کے مطابق معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ایک اور موقع پر کہا: معاملہ عورت کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ پھر دونوں میں یوں تطبیق دی کہ پہلا قول تفویض منجز اور دوسرا قول تفویض معلق پر محمول ہے۔ ''النہر'' میں کہا: قاعدہ وہی ہے جو گزر چکا ہے کہ طلاق بائن، بائن کو لاحق نہیں ہوتی مگر جب معلق ہو تو طلاق بائن بائن کو لاحق ہو جاتی ہے۔

13716۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْبَحْرِ) ''عمادیہ'' نے جو تطبیق دی تھی اس پر استدراک ہے۔ کیونکہ ''قنیہ'' میں تصریح کی ہے کہ جب خاوند نے کہا: ان فعلتِ کذا فامرکِ بیدکِ اگر تو نے ایسا کیا تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں۔ پھر شرط کے پائے جانے سے اسے طلاق بائن دے دی پھر خاوند نے اس سے شادی کر لی تو امر عورت کے ہاتھ میں رہے گا۔ پھر رقم کیا لایبقی ظاہر روایہ میں باقی نہیں رہے گا۔ یہ اس میں صریح ہے کہ ''ظاہر الروایہ'' میں معلق کی تخریج اسی طرح ہے جس طرح منجز کی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: حق یہ ہے کہ مسئلہ میں روایات مختلف ہیں۔ اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ طلاق بائنہ کی صورت میں عورت کا امر باطل ہو جائے گا اگر عورت نے عدت میں اپنے آپ کو طلاق دی نہ کہ دوسرے خاوند سے عقد نکاح کرنے کے بعد۔ کیونکہ علما کا قول ہے کہ یمین کے بعد ملکیت کا زوال اسے (یمین کو) باطل نہیں کرتا۔ اور تخییر تعلیق کے قائم مقام ہے۔ ''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے کہ ''قنیہ'' میں جو عبارت ہے وہ ''ظاہر الروایہ'' کے اطلاق پر مبنی ہے جب کہ وہ مقید ہے جس طرح تطبیق گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''خلاصہ'' پر ''شرح المقدسی'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: اختاری پھر اسے طلاق بائنہ دی تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح امر بالید ہے۔ اگر طلاق رجعی دی تو اختیار باطل نہیں ہوگا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ طلاق بائن طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔ اگر مرد نے اس عورت سے عدت میں یا

(فُرُوعٌ) نَكَحَهَا عَلَى أَنَّ أَمْرَهَا بِيَدِهَا صَحَّ؛ وَلَوْ ادَّعَتْ جَعْلَهُ أَمْرَهَا بِيَدِهَا لَمْ تُسْمَعْ إلَّا إذَا طَلَّقَتْ نَفْسَهَا بِحُكْمِ الْأَمْرِ ثُمَّ ادَّعَتْهُ فَتُسْمَعُ قَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِي فِي الْمَجْلِسِ بِلَا تَبَدُّلٍ وَأَنْكَرَ فَالْقَوْلُ لَهَا

فروع: مرد نے عورت سے عقد نکاح کیا اس شرط پر کہ عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے۔ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ مرد نے عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے تو اس کی بات نہ سنی جائے گی مگر جس عورت نے معاملہ اس کے ہاتھ میں دینے کی وجہ سے اپنے آپ کو طلاق دے لی پھر عورت نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ عورت نے کہا: میں نے مجلس میں مجلس کی تبدیلی کے بغیر طلاق دی ہے اور خاوند نے اس کا انکار کیا تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔

عدت کے بعد نکاح کیا تو امر اس کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اگر امر شرط کے ساتھ معلق ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پھر خاوند نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی پھر شرط پائی گئی ''الاملاء'' میں ہے: اگر مرد نے کہا: اختاری اذا شئت یا کہا: امرك بيدك اذا شئت پھر اسے ایک طلاق بائنہ دی پھر اس عورت سے عقد نکاح کیا اور عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام ''سرخسی'' نے کہا: ان کا قول ضعیف ہے۔ اس کے ساتھ اس قول کا قوی ہونا ظاہر ہو گیا جس کے ساتھ ''فصول'' میں تطبیق دی ہے۔ اگر تو کہے اختیار میں تعلیق کا معنی موجود ہے پس چاہیے کہ کوئی فرق نہ ہو ہم کہیں گے کہ صریح تعلیق اور جس میں تعلیق کا معنی پایا جائے میں فرق ظاہر ہے۔ جسے تحقیق کا کچھ بھی علم ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں۔ یہاں بعض کی ایسی گفتگو ہے جس کی طرف نظر کرنا اس پر گفتگو کرنے سے غنی کر دیتی ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ بعض سے مراد انہوں نے صاحب ''البحر'' لیا ہے۔ کیونکہ جو یہ ذکر کیا ہے ''منجز اور معلق میں کوئی فرق نہیں اور جب عورت عدت میں طلاق دے تو اس کی قید بطلان سے لگانا نہ کہ عدت کے بعد طلاق دینے کی صورت میں یہ قید لگانا اس پر بنا کرتے ہوئے کہ تخییر تعلیق کے قائم مقام ہے'' اسے ''سرخسی'' کی صریح کلام رد کرتی ہے۔ فافہم

13717۔ (قولہ: صَحَّ) یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب عورت آغاز کرے اور کہے: میں نے اپنا نکاح تجھ سے کیا کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا میں جب ارادہ کروں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہوگی تو خاوند نے کہا: میں نے قبول کر لیا۔ مگر جب خاوند شروع کرے تو عورت کو طلاق نہ ہوگی اور معاملہ عورت کے ہاتھ میں نہ ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' سے مروی ہے۔

13718۔ (قولہ: لَمْ تُسْمَعْ) کیونکہ اس کا ثمرہ حاصل نہیں ہوتا، ''ط''۔

13719۔ (قولہ: بِحُكْمِ الْأَمْرِ) باسببیہ ہے۔ کیونکہ شے کا حکم اس کا ثمرہ ہے اور اس پر مرتب ہونے والا اثر ہے۔ اور امر کا حکم عورت کا اپنی طلاق کا مالک ہونا ہے۔

13720۔ (قولہ: ثُمَّ ادَّعَتْهُ) یعنی اس نے مذکورہ امر کو اپنے لیے یا طلاق کو اپنے لیے بنانے کا دعویٰ کیا۔

13721۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا) کیونکہ اس کا سبب اس کے اقرار کے ساتھ پایا گیا جو تخییر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ کسی اور

جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا إِنْ ضَرَبَهَا بِغَيْرِ جِنَايَةٍ، فَضَرَبَهَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فَالْقَوْلُ لَهُ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا عَلَى الشَّرْطِ الْمَنْفِيِّ كَمَا سَيَجِيءُ طَلَبَ أَوْلِيَاؤُهَا طَلَاقَهَا فَقَالَ الزَّوْجُ لِأَبِيهَا مَا تُرِيدُ مِنِّي، افْعَلْ مَا تُرِيدُ وَخَرَجَ فَطَلَّقَهَا أَبُوهَا لَمْ تَطْلُقْ إِنْ لَمْ يُرِدْ الزَّوْجُ التَّفْوِيضَ فَالْقَوْلُ لَهُ فِيهِ خُلَاصَةٌ

خاوند نے عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیا اگر جنایت کے بغیر مرد اسے مارے۔ خاوند نے عورت کو مارا پھر دونوں میں اختلاف ہو گیا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ اور منفی شرط پر گواہیاں عورت کی قبول کی جائیں گی جس طرح عنقریب آئے گا۔ عورت کے اولیا نے عورت کی طلاق کا مطالبہ کیا خاوند نے عورت کے باپ سے کہا آپ مجھ سے کس کا ارادہ کرتے ہیں؟ جو ارادہ رکھتے ہو کر گزرو۔ یہ کہہ کر خاوند باہر نکل گیا عورت کے باپ نے طلاق دے دی تو عورت کو طلاق نہ ہو گی۔ اگر خاوند نے امر تفویض کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو اس بارے میں قول مرد کا معتبر ہوگا ''خلاصہ''۔

امر کی طرف مشغول نہ ہونا۔ ''بحر''۔ کیونکہ جب تخییر اور طلاق کا اقرار کیا تو وہ اپنے انکار کے ساتھ سبب کے بطلان کا مدعی بنا جب کہ اصل اس کا عدم ہے۔ اگر اس نے اپنے غلام سے کہا: میں نے تیرا معاملہ (آزادی) تیرے ہاتھ میں کل دیا تھا تو تو نے اپنے آپ کو آزاد نہ کیا تو یہ پہلے کے خلاف ہوگا۔ غلام نے کہا: میں نے ایسا کر دیا تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ آقا نے غلام کی آزادی کا اقرار نہیں کیا۔ کیونکہ معاملہ کو غلام کے ہاتھ میں دینا یہ آزادی کو واجب نہیں کرتا جب تک غلام اپنے آپ کو آزاد نہ کرے جب کہ مولیٰ اس کا انکار کر رہا ہے۔ طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ خاوند نے اس کا اقرار کیا ہے اور اس کے ابطال کا دعویٰ کیا ہے تو پس اس سے دعویٰ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح ''البحر'' میں اس کی وضاحت کی ہے اس چیز کا جواب دیتے ہوئے جو ''جامع الفصولین'' میں ہے کہ چاہیے فرق کیا جائے۔

13722۔ (قولہ: ثُمَّ اخْتَلَفَا) خاوند کہے: میں نے عورت کو اس کی غلطی کی وجہ سے مارا ہے عورت کہے: اس نے غلطی کے بغیر مارا ہے۔ چاہیے کہ یہ معاملہ اس کے بعد ہو جب عورت اپنے آپ کو اختیار کر لے جس طرح ماقبل سے معلوم ہوا ہے۔

13723۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) قول مرد کا اس لیے معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس امر کا انکار کر رہا ہے کہ امر عورت کے ہاتھ میں ہو اگرچہ خاوند نے جنایت کی وضاحت نہیں کی۔ اگر عورت نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ جنایت کے بغیر ہے تو چاہیے کہ انہیں قبول کیا جائے اگرچہ اس نے نفی پر گواہیاں قائم کی ہیں۔ کیونکہ یہ گواہیاں شرط پر ہیں اور شرط کو بینہ کے ساتھ ثابت کرنا جائز ہے اگرچہ وہ منفی ہو۔ ''نہر'' میں ''عمادیہ'' سے مروی ہے۔

13724۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی تعلیق کے باب میں ان کے قول الا اذا برھنت کے پاس آئے گا ''ح''۔

13725۔ (قولہ: مَا تُرِيدُ مِنِّي) یہ استفہام ہے اور ان کا قول افعل ماترید یہ امر ہے۔

13726۔ (قولہ: لَمْ تَطْلُقْ) اگرچہ یہ مذاکرہ طلاق میں ہے۔ لیکن یہ تفویض میں متعین نہیں۔ کیونکہ اس میں استہزا کا احتمال موجود ہے یعنی اگر تو قدرت رکھتا ہے تو کر گزر۔ تامل

لَا يَدْخُلُ نِكَاحُ الْفُضُولِيِّ مَا لَمْ يَقُلْ إِنْ دَخَلَتْ امْرَأَةٌ فِي نِكَاحِي جَعَلَ أَمْرَهَا بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَطَلَّقَهَا أَحَدُهُمَا لَمْ يَقَعْ
فضولی کا نکاح اس میں داخل نہیں ہوگا جب تک یہ نہ کہے: اگر کوئی عورت میرے نکاح میں داخل ہوئی۔ مرد نے عورت کا معاملہ دو آدمیوں کو سپرد کیا ان میں سے ایک نے اسے طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

13727۔ (قولہ: لَا يَدْخُلُ نِكَاحُ الْفُضُولِيِّ) ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: اگر میں تجھ پر کسی عورت سے شادی کروں تو اس عورت کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا۔ ایک عورت فضولی کے نکاح کے ساتھ اس کے نکاح میں داخل ہوئی اور خاوند نے بالفعل اس کی اجازت دی تو عورت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے طلاق دے۔ اگر خاوند نے کہا: اگر کوئی عورت میرے نکاح میں داخل ہوئی تو عورت کو اس کا اختیار مل جائے گا۔ توکیل میں بھی صورتحال اسی طرح ہوگی۔ یعنی فضولی کا عقد ہو جب کہ قول کے ساتھ اس کی اجازت نہ ہو تو یہ صادق نہیں آئے گا کہ مرد نے اس کے ساتھ عقد نکاح کیا ہے بلکہ یہ صادق آئے گا کہ وہ اس کے نکاح میں داخل ہوئی ہے۔ دخلتْ کی مثل اس کا قول تحِلُّ لی ہے مگر کتاب الایمان کے آخر میں مطلقاً حانث نہ ہونے کا ذکر کریں گے۔ جہاں کہا: ہر وہ عورت جو میرے نکاح میں داخل ہوگی یا میرے لیے حلال ہوگی تو معاملہ اسی طرح ہوگا تو خاوند نے بالفعل فضولی کے نکاح کی اجازت دی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اسی کی مثل ہے: ان تزوجت امرأة بنفسی او بوکیلی او بفضولی الخ...... اگر اس نے کسی عورت سے عقد نکاح کیا یا اپنے وکیل کے ذریعے کیا یا فضولی کے ذریعہ کیا یا کسی وجہ سے میرے نکاح میں داخل ہوئی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا قول او بفضولی کا عطف بنفسی کے قول پر ہے اس کا عامل تزوجت ہے یہ قول کے ساتھ خاص ہے۔ فضولی کا دروازہ بند ہو جاتا اگر وہ یہ زائد کرتا او اجزت نکاح فضولی ولو بالفعل۔ اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں مگر جب معلق متزوجہ کی طلاق ہو اور امر شافعی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ اس یمین کو فسخ کر دے جس یمین کو مضاف کیا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: یا تو وہ اپنی بیوی کی طلاق کو معلق کرے گا یا اس بیوی کی طلاق کو معلق کرے گا جس کے ساتھ شادی کرے گا۔ دوسری صورت میں معاملہ شافعی کے پاس پیش کیا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اس قول او دخلت امرأةٌ فی نکاحی میں حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا داخل ہونا یہ نکاح سے ہی ہوتا ہے گویا خاوند نے کہا: اگر میں اس سے شادی کروں اور فضولی کے نکاح کرنے سے وہ نکاح کرنے والا نہیں ہوتا۔ کل عبد دخل فی ملکی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ فضولی کے عقد کے ساتھ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ ملک یمین شرا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کے اس کے علاوہ بھی اسباب ہیں۔ مصنف نے اپنے فتاویٰ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ اور حانث نہ ہونے کے قول کو راجح قرار دیا ہے الایمان کے باب میں مفصل گفتگو (مقولہ 18294 میں) ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

13728۔ (قولہ: لَمْ يَقَعْ) کیونکہ اس کی جانب سے دونوں کو مالک بنانا ہے پس یہ دونوں کے فعل پر تعلیق کے معنی میں ہے۔ ایک کے فعل کے ساتھ معلق علیہ نہیں پایا گیا۔ اللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِی الْمَشِیئَةِ

(قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ لَمْ يَنْوِ أَوْ نَوَى وَاحِدَةً) أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْحُرَّةِ (فَطَلَّقَتْ وَقَعَتْ رَجْعِيَّةً،

مشیت کا بیان

خاوند نے عورت سے کہا: اپنے آپ کو طلاق دے لے کوئی نیت نہ کی یا ایک کی نیت کی یا آزاد میں دو کی نیت کی۔ تو عورت نے طلاق دے دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

یہ طلاق تفویض کرنے کی صورتوں میں سے تیسری صورت ہے۔ مراد طلاق کو صراحۃً مشیئت پر معلق کرنا ہے بلکہ مراد ہے جو صریح اور ضمنی دونوں کو شامل ہو۔ ''کافی الحاکم'' میں کہا: جب خاوند نے عورت سے کہا: اپنے آپ کو طلاق دے اور مشیئت کا ذکر نہ کیا تو یہ بھی مشیئت کے قائم مقام ہے اور عورت کو مجلس میں اس کا اختیار رہے۔

یعنی کیونکہ یہ عورت کی مشیئت پر موقوف ہوگا۔ اور عورت کا طلاق دینا یہ بھی مشیئت ہے۔ اسی وجہ سے ''کافی'' میں کہا: اگر خاوند نے عورت سے کہا: اگر چاہے تو اپنے آپ کو ایک طلاق دے لے تو عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ تحقیق اس نے چاہا جب اس نے اپنے نفس کو طلاق دے دی۔ جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''النہر'' میں ''العنایہ'' سے نقل کیا ہے: عنوان کے مناسب یہ تھا کہ ایسے مسئلہ سے ابتدا کی جاتی جس میں مشیئت کا ذکر ہو۔ ''الحواشی السعدیہ'' میں ان کی جانب سے جواب دیا ہے اس کی کوئی حاجت نہ تھی جس میں مشیئت کا ذکر ہے اسے اس کے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جس میں مشیئت کا ذکر نہیں جیسے مرکب کی مفرد کے مقابلہ میں حیثیت ہے یعنی مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی بھی حیثیت ہوگی جو اس کے قائم مقام ہوگی۔ یعنی اگرچہ ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ ہاں یہ اس اعتراض کا جواب بننے کی صلاحیت رکھے گا جو یوں کیا جاتا ہے: ضمناً مشیئت کے مسائل کو صریحاً مشیئت کے مسائل سے پہلے کیوں ذکر کیا اگرچہ دونوں اس باب کا مقصود ہیں؟ فافہم

13729۔ (قولہ: أَوْ نَوَى وَاحِدَةً) اگر اس کو حذف کرتے تو تب بھی بدرجہ اولیٰ اس کا علم ہوتا، ''نہر''۔

13730۔ (قولہ: أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْحُرَّةِ) کیونکہ آزاد کے حق میں دونوں عدد محض ہیں۔ لونڈی کا مسئلہ مختلف ہے۔ لونڈی کے حق میں دو کی نیت صحیح ہے۔ کیونکہ جس طرح آزاد کے حق میں تین یہ فرد اعتباری ہے۔ اسی طرح دو، لونڈی کے حق میں فرد اعتباری ہے۔

13731۔ (قولہ: فَطَلَّقَتْ) یعنی ایک یا دو یا تین طلاقیں دیں۔ اصلاً نیت نہ پائی جائے یا آزاد میں ایک یا دو کی نیت پائی جائے تو یہ نو صورتیں ہوں گی۔ ان میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے اس میں چار صورتیں ہیں۔ ''حلبی'' نے انہیں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ یا تو ایک طلاق دے گی یا دو طلاقیں دے گی ہر ایک نیت کے ساتھ ہوگی یا نیت کے بغیر

وَإِنْ طَلَّقَتْ ثَلَاثًا وَنَوَاهُ وَقَعْنَ) قَيَّدَ بِخِطَابِهَا لِأَنَّهُ لَوْ قَالَ طَلِّقِي أَيَّ نِسَائِي شِئْتِ لَمْ تَدْخُلْ تَحْتَ عُمُومِ خِطَابِهِ (وَبِقَوْلِهَا) فِي جَوَابِهِ (أَبَنْتُ نَفْسِي طَلُقَتْ) رَجْعِيَّةً إِنْ أَجَازَهُ

اگر تین طلاقیں دیں اور خاوند نے ان کی نیت کی تھی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ عورت کو خطاب کرنے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر خاوند کہے: میری بیویوں سے جسے تو چاہے طلاق دے لے تو وہ بیوی عموم خطاب کے تحت داخل نہیں ہوگی۔ اور مرد کے جواب میں جب عورت کہے: ابنت نفسی تو اسے طلاق رجعی واقع ہوگی اگر خاوند اس کو جائز قرار دے دے۔

ہوگی۔ لیکن اس کا قول او ثلاثا یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر جاری ہوگا کہ ایک طلاق واقع ہوگی۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے جب عورت نے تین طلاقیں دیں اور عورت نے ایک کی نیت کی یا اصلاً کوئی نیت نہ کی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ طلقی کا موجب فرد حقیقی ہے تو یہ ثابت ہو جائے گا اگرچہ اس نے نیت نہ کی۔ اور فرد اعتباری، میری مراد تین طلاقیں ہیں اس کا محتمل نیت کے ساتھ ہی ثابت ہوتا ہے۔ عورت کا اپنے آپ کو تین طلاقیں دینا ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو اسے تفویض ہی نہیں کیا گیا۔ تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی جس طرح ''الشرنبلالیہ'' میں بیان کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے جب خاوند نے دو کی نیت کی تو عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لیں تو بھی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ فافہم

13732۔ (قولہ: وَنَوَاهُ) خاوند نے تین کی نیت کی۔ لفظ مذکور کا اعتبار کرتے ہوئے خبر مفرد ذکر کی ہے یا کیونکہ یہ فرد اعتباری ہے۔ اس کے ساتھ قید لگائی تا کہ اس صورت میں احتراز کیا جائے جب اس نے اصلاً نیت نہ کی ہو یا ایک یا دو کی نیت کی ہو۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی چیز واقع نہ ہوگی جس طرح تجھے علم ہے۔

13733۔ (قولہ: وَقَعْنَ) یعنی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی خواہ تو لفظ واحد کے ساتھ اسے طلاق دے یا متفرق الفاظ کے ساتھ طلاق دے تین کا ارادہ صحیح ہے کیونکہ خاوند کے قول: طلقی نفسك کا معنی ہے: افعل فعل التطليق یہ لغۃ مذکور ہے۔ کیونکہ یہ لفظ کے معنی کا جز ہے پس عموم کی نیت صحیح ہے۔ مگر لونڈی کے حق میں دو طلاقیں عموم ہیں۔ آزاد کے حق میں تین طلاقیں عموم ہیں۔ ''فتح''۔ ان کا قول متفرقا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مرد نے تین طلاقوں کی نیت کی تو عورت نے ایک یا دو طلاقوں کی نیت کی تو وہ واقع ہو جائیں گے۔ اور ایک طلاق کے واقع ہونے کی تصریح آئے گی خاوند کے اس قول میں طلقی نفسك ثلاثا تو عورت نے ایک طلاق دی۔ اس کی مفصل بحث (مقولہ 13749 میں) آئے گی۔

13734۔ (قولہ: قَيَّدَ بِخِطَابِهَا) یعنی یہ کہا نفسك۔ فافہم

اگر خاوند نے کہا تو اپنے آپ کو طلاق دے تو عورت نے جواباً کہا: ابنت نفسی تو اس کا حکم

13735۔ (قولہ: وَبِقَوْلِهَا فِي جَوَابِهِ) یہ جان لو اگر خاوند نے عورت سے کہا: طلقی نفسك تو عورت نے جواب میں کہا: ابنت نفسی تو عورت کو طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اگر عورت نے کہا: اخترت نفسی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''الفتح'' میں کہا: فرق کا حاصل یہ ہے کہ جس امر کو تفویض کیا گیا ہے وہ طلاق ہے اور ابانہ طلاق کے ان الفاظ میں سے ہیں جو کنایۃ

لِأَنَّهُ كِنَايَةٌ (لَا بِاخْتَرْتُ) نَفْسِي وَإِنْ أَجَازَهُ لِأَنَّ الِاخْتِيَارَ لَيْسَ بِصَرِيحٍ وَلَا كِنَايَةٍ

کیونکہ یہ کنایہ ہے اخترت نفسی کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ خاوند اس کی اجازت دے۔ کیونکہ اختیار کا لفظ نہ صریح ہے اور نہ ہی کنایہ ہے۔

طلاق کے ایقاع کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جو امر اس کو تفویض کیا گیا اسی کا جواب دیا۔ اختیار کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ طلاق کے الفاظ میں سے نہیں نہ صریح اور نہ ہی کنایہ۔ اسی وجہ سے اگر عورت نے کہا: ابنت نفسی تو یہ قول باطل ہوگا۔ اسے اجازت لاحق نہ ہوگی۔ یہ اجماع صحابہ کی وجہ سے کنایہ ہے جب اسے تخییر کے جواب میں کہا۔ مگر اس نے اس میں بینونت کو جلدی واقع کرنے کے وصف کو زائد کر دیا تو وصف لغو ہو جائے گا اور اصل ثابت ہو جائے گا۔

صاحب ''الفتح'' کا جو قول ہے ولهذا یہ ہمارے مسئلہ میں فرق ثابت کرنے پر استدلال ہے جب کہ ایک اور مسئلہ میں فرق ثابت کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت نے شروع کیا اور کہا: ابنتُ نفسی جب کہ مرد نے عورت کو نہیں کہا: طلقی نفسك اگر خاوند نے اجازت دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ خاوند کی طرف سے نیت بھی ہو۔ اسی طرح عورت کی جانب سے نیت کا ہونا ضروری ہے جس طرح ہم نے کنایات کی بحث سے تھوڑا پہلے ''تلخیص الجامع'' اور اس کی شرح سے (مقولہ 13421 میں) نقل کیا ہے۔ اگر عورت نے ابتدا کی اور کہا: میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ خاوند نیت کے ساتھ جائز قرار دے دے۔ کیونکہ اخترت کا لفظ کنایہ کے طور پر واقع نہیں کیا گیا مگر تخییر کے جواب میں۔ اسی وجہ سے اگر مرد نے عورت سے کہا: اخترتكِ جب کہ وہ طلاق کی نیت کرتا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ ابانہ کے لفظ کا معاملہ مختلف ہے۔ اور صاحب ''الفتح'' کا قول غیر انها ہمارے مسئلہ میں طلاق رجعی کے واقع ہونے کا بیان ہے۔ جو ہم نے وضاحت کی ہے اس سے تیرے لیے امر ظاہر ہو چکا ہوگا کہ شارح پر ابتدا اور جواب کا مسئلہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ صحیح یہ تھا کہ شارح ان اجازہ کا قول ساقط کر دیتے۔ اور اسی طرح اس کے بعد والا ان اجازہ کا قول ساقط کر دیتے۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب عورت اپنے قول کے ساتھ آغاز کرے: ابنت نفسی یا اخترت نفسی۔ اس مسئلہ کو کنایات کی بحث سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔ اب ہماری کلام اس صورت میں ہے جب عورت مرد کے قول کے جواب میں کہے جب مرد عورت سے کہے: طلقی نفسك یہ اصلاً اجازت پر موقوف نہیں اور نہ ہی عورت کی طلاق کی نیت پر موقوف ہے۔ ''النہر'' میں ''التلخیص'' سے جو گزرا ہے وہ اس کے خلاف ہے کیونکہ تلخیص میں جو یہ مذکور ہے کہ عورت کا نیت کرنا شرط ہے یہ ابتدا کے مسئلہ میں ہے جواب کے مسئلہ میں نہیں۔ کیونکہ عورت کا قول: ابنت نفسی جو مرد کے قول طلقی نفسك کے جواب میں ہو اس میں نیت کی ضرورت نہیں نیز یہاں طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ابتدا کے مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگی۔ ہم نے ''طحطاوی'' کو دیکھا جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کے بعض پر متنبہ کیا ہے اس طرح ''رحمتی'' نے بھی بیان کیا ہے۔ فافہم

13736_(قوله: لِأَنَّهُ كِنَايَةٌ) یہ طلقتُ کی علت ہے جہاں تک اس کے رجعی ہونے کی علت ہے وہ گزر چکی ہے۔

13737_(قوله: وَلَا كِنَايَةٍ) یہ طلاق کے کنایات میں سے نہیں بلکہ یہ تفویض کے کنایات میں سے ہے۔ یہ اس

(وَلَا يَمْلِكُ) الزَّوْجُ (الرُّجُوعَ عَنْهُ) أَيْ عَنِ التَّفْوِيضِ بِأَنْوَاعِهِ الثَّلَاثَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى التَّعْلِيقِ (وَتَقَيَّدَ بِالْمَجْلِسِ) لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ (إِلَّا إِذَا زَادَ مَتَى شِئْتِ) وَنَحْوَهُ

تفویض کی تینوں قسموں میں خاوند رجوع کا اختیار نہیں رکھتا۔ کیونکہ ان میں تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور یہ مجلس کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ یہ تملیک ہے مگر جب وہ یہ کہے: جب تو چاہے۔ اور اسی کی مثل ہوگا

تخییر کے جواب کے طور پر معروف ہے جو اختاری کے لفظ کے ساتھ ہو یہ اجماع سے ثابت ہے۔ امر بالید اس کے ساتھ ملحق ہے۔ طلقی کا معاملہ مختلف ہے۔ اختیار اس کا جواب واقع نہیں ہوتا۔ ''البحر'' میں کہا: جب یہ جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس نے اس کا فائدہ دیا کہ امر عورت کے ہاتھ سے نکل جائے گا کیونکہ عورت بے مقصد کام میں مشغول ہوئی جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ اختیار کی نفی پر اقتصار دلالت کرتا ہے کہ ہر لفظ جو خاوند کی جانب سے ایقاع طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے وہ طلقی نفسك کے جواب کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح امر بالید کا جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح ''الخلاصہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

13738۔ (قولہ: بِأَنْوَاعِهِ الثَّلَاثَةِ) یعنی تخییر، امر بالید اور مشیئت۔

13739۔ (قولہ: لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى التَّعْلِيقِ) کیونکہ یہ تملیک ہے۔ یہ صرف مالک بنانے والے کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے یہ قبول پر موقوف نہیں جس طرح ''الفتح'' میں اس کی علت بیان کی ہے۔ ہم تفویض کی بحث میں پہلے اسے (مقولہ 13584 میں) بیان کر چکے ہیں۔

13740۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ) اگرچہ وکالۃ کے لفظ کے ساتھ اس کی تصریح کرے جس طرح جب وہ کہے: وکلتك فی طلاقك میں نے تجھے تیری طلاق کے لیے وکیل بنایا جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ یعنی کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنے والی ہے اور وکیل غیر کے لیے عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ تطلیق اور طلاق کی تعلیق میں اس حکم کے حق میں کوئی فرق نہیں یعنی مجلس کے ساتھ مقید کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ''المحیط'' میں ہے: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے نفس کو طلاق دے اور مشیئت کا ذکر نہ کیا تو وہ مشیئت کے قائم مقام ہے مگر ایک خصوصیت میں وہ یہ ہے کہ طلقی میں تین کی نیت صحیح ہے، انت طالق ان شئت میں صحیح نہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب مجلس میں نہ چاہا تو امر عورت کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

13741۔ (قولہ: وَنَحْوَهُ) جس طرح وہ کہے: اذا شئتِ، اذا ما شئتِ یا حین شئتِ پس عورت کو حق حاصل ہے کہ مجلس میں اور مجلس کے بعد اپنے آپ کو طلاق دے۔ کیونکہ یہ الفاظ عموم اوقات کے لیے ہیں۔ تو یہ ایسے ہی ہو گیا جس طرح جب وہ کہے: فی ای وقت شئت۔ اور کلما، متی کی طرح ہے۔ ساتھ ہی یہ تین طلاقوں تک تکرار کا فائدہ دیتا ہے۔ ان، کیف، حیث، کم، این اور اینما کا معاملہ مختلف ہے۔ ان الفاظ میں اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوتا ہے ''نہر''۔ ارادہ، رضا اور محبت

مِمَّا يُفِيدُ عُمُومَ الْوَقْتِ فَتَطْلُقُ مُطْلَقًا وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ ذَلِكَ أَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي ضَرَّتَكِ (لَمْ يَتَقَيَّدْ بِالْمَجْلِسِ) لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ فَلَهُ الرُّجُوعُ

جو عموم وقت کا فائدہ دے۔ پس وہ مطلقاً اپنے آپ کو طلاق دے لے گی۔ جب خاوند نے کسی مرد کو یہ کہا یا خاوند نے بیوی سے کہا: اپنی سوکن کو طلاق دے تو یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ توکیل ہے پس مرد کو رجوع کا حق ہوگا۔

مشیئت کی طرح ہے۔ جب خاوند طلاق کو عورت کے کسی اور فعل جیسے کھانا کھانے کے ساتھ معلق کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق تمام افعال میں مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔ ''بحر'' فتامله۔

یہ جان لو جب مشیئت کا ذکر کیا خواہ ایسا لفظ ذکر کیا جو عموم کو ثابت کرتا ہو یا عموم کو ثابت نہ کرتا ہو جب عورت نے اپنے آپ کو غلطی سے ارادہ کے بغیر طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جب وہ خاوند مشیئت کا ذکر نہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا اس وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ ''الفتح'' میں کہا: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو اس امر کو واجب کرتا ہے کہ طلاق کا لفظ جب غلطی سے موکد کیا جائے تو علما نے طلاق کے وقوع کو جو مطلق بیان کیا ہے اسے قضاءً طلاق پر محمول کیا جائے اسے دیانۃً طلاق کے وقوع پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ ''نہر''۔

13742۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی مجلس میں اور مجلس کے بعد بھی وہ طلاق واقع کر سکتی ہے۔

جب خاوند نے کسی مرد یا اپنی بیوی سے کہا: اپنی سوکن کو طلاق دے تو اس کا حکم

13743۔ (قولہ: وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ ذَلِكَ) اسم اشارہ امر بالتطلیق کی طرف راجع ہے یعنی جب خاوند نے کسی مرد سے کہا: میری بیوی کو طلاق دے دو۔ یہ قید لگا کر اس سے احتراز کیا ہے جب خاوند کسی دوسرے مرد کو کہے: امر امرأتی بیدك یہ اختیار مجلس تک محدود رہے گا۔ اصح قول کے مطابق وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب خاوند اس مرد کو کہے: میں نے اس عورت کی طلاق تیرے سپرد کر دی ہے تو اس مرد نے اس کی عورت کو طلاق دے دی تو یہ اختیار مجلس تک محدود رہے گا۔ پس یہ طلاق رجعی ہوگی۔ ''بحر''۔ یہاں رجل سے مراد عقل مند ہوگا۔ یہ بچے اور مجنون سے احتراز ہے۔ کیونکہ توکیل کے صحیح ہونے کے لیے وکیل کا عقل مند ہونا ضروری ہے جس طرح ''کتاب الوکالہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ جب خاوند، عورت کا معاملہ بچے یا مجنون کے ہاتھ میں دے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ صحیح ہے کیونکہ یہ تملیک ہے جس کے ضمن میں تعلیق ہے۔ گویا کہا: اگر تجھے مجنون کہے: انت طالق فانت طالق تجھے طلاق ہے تو تجھے طلاق ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جن میں تملیک توکیل کے خلاف ہوتی ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ''باب التفویض'' میں یہ پہلے (مقولہ 13602 میں) گزر چکا ہے۔ لیکن ''البحر'' میں اس کے بعد ''البزازیہ'' سے نقل کیا ہے: طلاق کا وکیل بنانا یہ وکیل کے ساتھ طلاق کی تعلیق ہے۔ اسی وجہ سے حالت سکر میں بھی اس کی جانب سے یہ واقع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ یہ اس کے منافی نہیں کہ ابتداً توکیل کے صحیح ہونے کے لیے عقل شرط ہے مگر وکیل کے لفظ کے ساتھ تعلیق کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی عقل کا ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ تطلیق کے ساتھ معلق

إِلَّا إِذَا زَادَ وَكُلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلٌ (إِلَّا إِذَا زَادَ إِنْ شِئْتَ) فَيَتَقَيَّدُ بِهِ (وَلَا يَرْجِعُ) لِصَيْرُورَتِهِ تَمْلِيكًا فِي الْخَانِيَةِ طَلِّقْهَا إِنْ شَاءَتْ لَمْ يَصِرْ وَكِيلًا مَا لَمْ تَشَأْ، فَإِنْ شَاءَتْ فِي مَجْلِسِ عِلْمِهَا طَلَّقَهَا فِي مَجْلِسِهِ لَا غَيْرُ

مگر جب وہ یہ اضافہ کرے: جب بھی میں تجھے معزول کروں تو تو وکیل ہے۔ مگر جب وہ یہ زائد کرے: اگر تو چاہے تو وہ اسی مجلس کے ساتھ متقید ہوگا اور وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تملیک ہے۔ ''خانیہ'' میں ہے: اگر عورت چاہے تو تو اسے طلاق دے دے جب تک عورت نہ چاہے تو وہ وکیل نہیں ہوگا۔ اگر عورت اپنی مجلس علم میں چاہے تو اپنی اسی مجلس میں وکیل عورت کو طلاق دے کسی اور مجلس میں طلاق نہ دے۔

علیہ پایا جارہا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں تملیک اور توکیل میں کوئی فرق نہیں۔ فلیتامل

13744۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا زَادَ وَكُلَّمَا عَزَلْتُكَ) کیونکہ یہ قول رجوع کو قبول نہیں کرتا۔ پس یہ لازم ہوگا جس طرح ''خلاصہ'' وغیرہا میں ہے ''نہر''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اسے معزول کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ رجوع کی اقسام میں سے ہے۔ ''البحر'' میں جو ''الخانیہ'' سے منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ اسے معزول کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ عزل کے طریقہ میں کئی اقوال ہیں۔ ''سرخسی'' نے کہا: وہ کہتا ہے میں نے تجھے تمام وکالتوں سے معزول کر دیا ہے پس یہ قول معلق اور منجز کی طرف پھر جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے تجھے معزول کیا جس طرح تجھے وکیل بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہتا ہے: میں نے معلق وکالتوں سے رجوع کیا اور تجھے معلق وکالت سے معزول کیا۔

13745۔ (قولہ: فَيَتَقَيَّدُ بِهِ) کیونکہ اسے مشیئت کے ساتھ معلق کیا اور مالک وہی ہوتا ہے جو اپنی مشیئت سے تصرف کرتا ہے ''ہدایہ''۔ پھر جان لو اگر کہا: میں نے چاہا۔ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ خاوند نے اسے حکم دیا کہ اگر وہ چاہے تو عورت کو طلاق دے دے اور اس کے قول شئت سے تطلیق نہیں پائی گئی۔ اگر خاوند نے کہا: اسے طلاق ہے اگر تو چاہے تو اس مرد نے کہا: میں نے چاہا۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط پائی گئی وہ اس کی مشیئت ہے۔ اگر خاوند نے کہا: تو اسے طلاق دے تو اس نے کہا: میں نے ایسا کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ خاوند کے طلقتُ سے کنایہ ہے۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اس میں ''کافی الحاکم'' سے مروی ہے: اگر خاوند نے اسے وکیل بنایا کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے تو وکیل نے اسے تین طلاقیں دے دیں اگر خاوند نے تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو واقع ہو جائیں گی ورنہ ''امام صاحب'' رضی اللہ عنہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: ایک طلاق واقع ہوگی جب کہ وکلا اس سے غافل ہیں۔ مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے یا دو طلاقیں دے لے عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اسے جو امر تفویض کیا گیا ہے یہ اس کا بعض ہے۔

13746۔ (قولہ: طَلَّقَهَا فِي مَجْلِسِهِ لَا غَيْرُ) اگر خاوند اپنی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا تو توکیل باطل ہو جائے گی یہی صحیح

وَالْوُكَلَاءُ عَنْهُ غَافِلُونَ (قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا) أَوْ اثْنَتَيْنِ (وَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَقَعَتْ) لِأَنَّهَا بَعْضُ مَا فَوَّضَهُ، وَكَذَا الْوَكِيلُ مَا لَمْ يَقُلْ بِأَلْفٍ

جب کہ وکلا اس سے غافل ہیں۔ مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے یا دو طلاقیں دے لے عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اسے جو امر تفویض کیا گیا ہے یہ اس کا بعض ہے۔ اور اسی طرح وکیل کا حکم ہے جب تک خاوند یہ نہ کہے: ہزار کے عوض۔

قول ہے۔ کیونکہ طلاق کی وکالت کا ثبوت اس مشیئت پر مبنی ہے جو امر خاوند نے عورت کے سپرد کیا ہے اور عورت کی مشیئت مجلس تک محدود ہوتی ہے۔ اسی طرح وکالت بھی مجلس تک محدود ہوگی۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''حلوانی'' نے کہا: اسے یاد رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں بلوی عام ہے۔ کیونکہ وکلاء طلاق کے واقع کرنے کو عورت کی مشیئت سے مؤخر کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس طرح طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ ان میں سے ہے جسے لم یتقید بالمجلس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، ''نہر''۔ یہ ان امور میں سے ہے جن میں پہیلی پوچھی جاتی ہے۔ پس کہا جاتا ہے وکالت وکیل کی مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، ''بحر''۔

13747۔ (قولہ: وَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً) ''البحر'' میں کہا: ایک اور دو میں کوئی فرق نہیں۔ اگر یوں قول کرتے: و طلقت اقل وقع ما او قعته تو یہ بہتر ہوتا۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اگر عورت نے تین طلاقیں دے دیں تو وہ بدرجہ اولیٰ واقع ہو جائیں گی خواہ وہ متفرق ہوں یا ایک لفظ کے ساتھ ہوں۔

13748۔ (قولہ: وَقَعَتْ) یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ لفظ صریح ہے۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔

13749۔ (قولہ: لِأَنَّهَا) ھا سے مراد واحدۃ ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: جب عورت تین طلاقیں واقع کرنے کی مالک ہو گئی تو عورت کو حق حاصل ہے کہ ان میں سے جو چاہے طلاقیں دے جس طرح خاوند خود جو چاہے طلاقیں دے۔ ''رملی'' نے کہا: اس کا مقتضا ہے کہ اس مسئلہ میں جب مرد نے عورت سے کہا: طلقی نفسك اور تین کی نیت کی تو اس عورت نے دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ جب وہ تین طلاقیں واقع کرنے کی مالک ہو گئی تو اسے حق حاصل ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے طلاق دے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ اس پر علما کا قول دلالت کرتا ہے: کوئی فرق نہیں کہ عورت ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع کرے یا متفرق الفاظ کے ساتھ طلاق واقع کرے۔ ہم نے تیسری سے پہلے دوسری طلاق کے واقع کرنے کا حکم لگایا اگر ہم دوسری پر اکتفا کرتے تو صرف دو طلاقیں واقع ہوتیں اگر عورت دو کی مالک نہ ہوتو تفویض جائز نہ ہوتی۔ تامل

13750۔ (قولہ: وَكَذَا الْوَكِيلُ) ''البحر'' میں کہا: اس حکم میں تملیک اور توکیل میں کوئی فرق نہیں۔ اگر خاوند نے اس مرد کو وکیل بنایا کہ اس کی بیوی کو تین طلاقیں دے تو اس وکیل نے اسے ایک طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر خاوند نے اسے وکیل بنایا کہ اسے ہزار درہم کے بدلے میں تین طلاقیں دے تو وکیل نے اسے ایک طلاق دی تو اسے کوئی طلاق

(لَا) يَقَعُ شَيْءٌ (فِي عَكْسِهِ) وَقَالَا وَاحِدَةٌ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا إنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً (وَ) كَذَا (عَكْسُهُ لَا يَقَعُ فِيهِمَا

اس کے برعکس میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ایک طلاق واقع ہوگی۔ خاوند نے عورت سے کہا: اگر چاہے تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے تو اس نے ایک طلاق دی۔ اور اسی طرح اس کے برعکس صورتوں میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

واقع نہ ہوگی مگر جب پورے ہزار کے عوض ایک طلاق دے۔''کافی الحاکم'' میں اسی طرح ہے۔ یعنی ایک اگرچہ اس طلاق کا بعض ہے جو وکیل کو تفویض ہوا لیکن خاوند مخصوص عوض کے بغیر طلاق پر راضی نہیں۔ پس اس عوض کے بغیر طلاق صحیح نہ ہوگی۔

13751۔(قولہ: لَا يَقَعُ شَيْءٌ فِي عَكْسِهِ) یعنی اس صورت میں جب خاوند نے اسے ایک طلاق کا کہا تھا تو عورت نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دیں یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ مگر جب عورت کہے ایک، ایک اور ایک تو بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ پہلی طلاق دینے کے ساتھ اس نے اطاعت کی اور مابعد طلاقیں لغو جائیں گے۔ اسی طرح اگر خاوند نے کہا: امرك بيدك اس لفظ کے ساتھ وہ ایک طلاق کی نیت کرے تو عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں ''المبسوط'' میں کہا: بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ خاوند نے لفظاً عدد سے تعرض نہیں کیا۔ اور لفظ خصوص و عموم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13752۔(قولہ: وَقَالَا وَاحِدَةٌ) یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ایک طلاق واقع ہوگی۔

13753۔(قولہ: طَلِّقِي نَفْسَكِ) مشیت کے ساتھ معلق کرنے کی صورت میں کوئی فرق نہ ہوگا کہ امر تطلیق کا ہو یا نفس طلاق کا ہو یہاں تک کہ اگر خاوند نے عورت سے کہا: تجھے تین طلاقیں اگر تو چاہے، یا تجھے ایک طلاق اگر تو چاہے تو عورت نے امر کی مخالفت کی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔

13754۔(قولہ: وَكَذَا عَكْسُهُ) مثلاً خاوند کہے: اپنے آپ کو ایک طلاق دے لے اگر تو چاہے تو اس نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لیں،''بحر''۔

13755۔(قولہ: لَا يَقَعُ فِيهِمَا) پہلی صورت میں اختلاف کے بغیر کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ تین طلاقوں کی تفویض شرط کے ساتھ معلق ہے وہ عورت کا ان تین طلاقوں کا چاہنا ہے۔ کیونکہ اس کلام کا معنی ہے اگر تو تین چاہے۔ پس شرط نہ پائی گئی۔ کیونکہ عورت نے صرف ایک کو چاہا۔ جب خاوند مشیت کے ساتھ مقید نہ کرے تو معاملہ مختلف ہے۔ اگر عورت یہ کہے: میں نے چاہی ایک، ایک اور ایک۔ ان میں سے بعض بعض سے خاموشی کے ساتھ الگ تھیں تو یہ مرد کی کلام میں داخل ہوں گی۔ کیونکہ یہ سکوت فاصل ہے پس تین کی مشیت نہ پائی گئی۔ اگر سکوت کے بغیر متصل پائی گئیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ تین کی مشیت تمام سے فارغ ہونے کے بعد پائی گئی جب کہ وہ عورت مرد کے نکاح میں تھی مدخولہ اور غیر مدخولہ میں کوئی فرق نہیں۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کہ وہ ایک طلاق کو مشیت پر معلق کرے اور وہ تین دے دے اس میں طلاق

لِاشْتِرَاطِ الْمُوَافَقَةِ لَفْظًا لِمَا فِی تَعْلِیقِ الْخَانِیَّةِ أَمَرَهَا بِعَشْرٍ فَطَلَّقَتْ ثَلَاثًا أَوْ بِوَاحِدَةٍ فَطَلَّقَتْ نِصْفًا لَمْ یَقَعْ (أَمَرَهَا بِبَائِنٍ أَوْ رَجْعِیٍّ فَعَکَسَتْ فِی الْجَوَابِ وَقَعَ مَا أَمَرَ الزَّوْجُ (بِهِ) وَیَلْغُو وَصْفُهَا

کیونکہ لفظاً موافقت شرط ہے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' کے باب التعلیق میں ہے: خاوند نے عورت کو دس طلاقوں کا حکم دیا تو اس نے تین طلاقیں دیں یا ایک طلاق کا حکم دیا تو عورت نے نصف طلاق دی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ خاوند نے عورت کو طلاق بائنہ کا یا طلاق رجعی کا حکم دیا تو عورت نے برعکس جواب دیا تو وہی طلاق واقع ہوگی جو خاوند نے حکم دیا تھا اور عورت نے جو وصف ذکر کیا وہ لغو چلا جائے گا۔

کا واقع نہ ہونا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی، ''بحر''۔

13756۔ (قولہ: لِاشْتِرَاطِ الْمُوَافَقَةِ لَفْظًا) لفظاً موافقت شرط ہے اس صورت میں جس میں عدد اصل ہو نہ کہ وہ جس میں تبع ہو۔ یہاں یہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ عدد کے ساتھ طلاق کا ایقاع عدد کے ذکر کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصف کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب خاوند نے عورت کو تین طلاقوں کا یا ایک طلاق کا امر کیا تو عورت نے اس کے برعکس طلاق دی تو عورت نے اصل میں مخالفت کی جس کے ساتھ طلاق واقع کی گئی۔ جو (مقولہ 13735 میں) گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ مرد نے عورت سے کہا تھا: طلقی نفسك عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے صرف وصف میں مخالفت کی پس وہ وصف لغو چلا جائے گا اور طلاق رجعی واقع ہو جائے گی جس طرح یہ (مقولہ 13735 میں) گزر چکا ہے۔ لیکن یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ جسے مشیئت کے ساتھ معلق کیا جائے یا اس کے غیر کے ساتھ معلق کیا جائے ان میں فرق نہ کیا جائے جبکہ جب اسے مشیئت کے ساتھ معلق نہ کیا جائے تو وہ صورت گزر چکی ہے جس طرح خاوند کہے طلقی نفسكِ ثلاثا اور عورت اپنے آپ کو ایک طلاق دے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ مگر جب یہ کہا جائے: لفظاً موافقت کی شرط یہ خاص ہے جب مشیئت کے ساتھ معلق کیا جائے پس یہ تعلیق ہوگی۔ کیونکہ یہ لفظ کی صورت میں لایا ہے جس طرح اس کا وہ قول فائدہ دے گا جس کا شارح قریب ہی ''خانیہ'' سے ذکر کریں گے۔ فلیتامل

13757۔ (قولہ: لِمَا فِی تَعْلِیقِ الْخَانِیَّةِ) ''البحر'' میں اس کی عبارت ہے: طلقی نفسك عشرا ان شئت اگر تو چاہے تو اپنے آپ کو دس طلاقیں دے۔ عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی پھر کہا: اگر خاوند نے عورت سے کہا: تجھے ایک طلاق اگر تو چاہے تو عورت نے کہا: میں نے نصف طلاق چاہی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ شارح نے مشیئت کی قید کو ساقط کر دیا ہے۔ طلاق واقع نہ ہونے کی وجہ لفظوں میں مخالفت ہے اگرچہ معنی میں موافقت ہے۔ کیونکہ اس میں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں اور نصف سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

13758۔ (قولہ: أَمَرَهَا بِبَائِنٍ أَوْ رَجْعِیٍّ) جیسے مرد عورت سے کہے: تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائنہ دے تو عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق رجعی دی یا مرد نے عورت سے کہا: طلاق رجعی دے تو عورت نے کہا: میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی۔ یہ اسے بھی شامل ہوگا جب عورت کہے: میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی۔ کیونکہ یہ ماقبل کی طرف راجع

وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُخَالَفَةَ فِي الْوَصْفِ لَا تُبْطِلُ الْجَوَابَ بِخِلَافِ الْأَصْلِ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُعَلَّقًا بِمَشِيئَتِهَا، فَإِنْ عَلَّقَهُ فَعَكَسَتْ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ؛ لِأَنَّهَا مَا أَتَتْ بِمَشِيئَةِ مَا فَوَّضَ إِلَيْهَا خَانِيَّةٌ بَحْرٌ

قاعدہ یہ ہے کہ وصف میں مخالفت جواب کو باطل نہیں کرتی۔ اصل کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مشیت کے ساتھ معلق نہ ہو۔ اگر خاوند نے اسے معلق کیا تو عورت نے اس کے برعکس کیا تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ جو امر خاوند نے اسے تفویض کیا تھا عورت اسے مشیت کے ساتھ نہیں لائی۔ ''خانیہ''، ''بحر''۔

ہے۔ وکیل کے حق میں ''قاضی خان'' نے دونوں کے درمیان تفریق کی ہے کہا: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میری بیوی کو طلاق رجعی دے وکیل نے عورت سے کہا: میں نے تجھے طلاق بائنہ دی تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اگر وکیل نے کہا: ابنتها تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ شاید وکیل اور مامور میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا وکیل کنایہ کے لفظ کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ کنایہ اس کی نیت پر موقوف ہوتا ہے جب کہ خاوند نے اسے طلاق کا حکم دیا ہے جو نیت پر موقوف نہیں۔ پس وہ اصل میں مخالفت کرنے والا ہے۔ عورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ خاوند نے عورت کو ہر ایسے لفظ کے ساتھ طلاق کا مالک بنایا ہے جس کے ساتھ وہ طلاق واقع کرنے کا مالک تھا وہ لفظ صریح ہو یا کنایہ ہو لیکن یہ نقل کے وجود پر موقوف ہے کہ وکیل کنایہ کے لفظ کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں۔ ''بحر''۔ ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ ''خانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس میں صریح ہے کہ وکیل کنایہ کی صورت میں طلاق واقع کرنے میں مخالفت کرنے والا ہے اسے ذہن نشین کر لو۔ ''شہاب شلبی'' نے متن کا کلام اس کے ساتھ مقید کیا ہے جب عورت کہے: طلقت نفسی بائنة میں نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی۔ جب کہ ابنت نفسی کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کہا: اس تحریر کو غنیمت جان۔ تو اسے کسی شرح میں نہیں پائے گا ''شرنبلالی'' نے اسے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''شلبی'' نے ''قاضی خان'' کی وکیل کے بارے میں جو کلام ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے اس کے ساتھ قید لگائی ہے وہ اس پر موقوف ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس میں جو کچھ ہے اسے تو پہلے (مقولہ 13735 میں) فصل کے آغاز میں جان چکا ہے کہ عورت کے اس قول ابنت نفسی سے اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ فلیتامل

13759۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ) ''الفتح'' میں کہا: حاصل یہ ہے کہ مخالفت اگر وصف میں ہو تو یہ جواب کو باطل نہ کرے گی بلکہ وہ وصف باطل ہوگا جس کے ساتھ مخالفت ہوئی تھی اور طلاق اسی وصف پر واقع ہو جائے گی جب وصف پر اسے امر تفویض ہوا تھا۔ جب اصل میں مخالفت ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ باطل ہو جائے گی جس طرح خاوند نے اسے ایک طلاق سپرد کی تو عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دیں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یا خاوند نے اسے تین طلاقیں سپرد کیں تو اس نے ہزار طلاقیں دے دیں۔

13760۔ (خَانِيَّةٌ بَحْرٌ) یعنی ''البحر'' میں ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ بعض نسخوں میں وبحر واؤ کے ساتھ ہے یہ بھی صحیح ہے بلکہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کتابوں کے مجموعہ سے مستفاد ہے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ''باب التعلیق'' میں ذکر کیا: خاوند

(قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ شِئْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْتَ، فَقَالَ شِئْتُ يَنْوِي الطَّلَاقَ أَوْ قَالَتْ شِئْتُ إِنْ كَانَ كَذَا لِمَعْدُومٍ) أَيْ لَمْ يُوجَدْ بَعْدُ كَإِنْ شَاءَ أَبِي أَوْ إِنْ جَاءَ اللَّيْلُ وَهِيَ فِي النَّهَارِ (بَطَلَ) الْأَمْرُ لِفَقْدِ الشَّرْطِ (وَإِنْ قَالَتْ شِئْتُ إِنْ كَانَ الْأَمْرُ قَدْ مَضَى) أَرَادَ بِالْمَاضِي الْمُحَقَّقَ وُجُودُهُ

خاوند نے عورت سے کہا: تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے عورت نے کہا: میں نے چاہا اگر تو نے چاہا۔ خاوند نے کہا: میں نے چاہا اس کے ساتھ وہ طلاق کی نیت کرے یا عورت نے کہا: میں نے چاہا اگر معاملہ اس طرح ہے اور امر ایسا ذکر کیا جو ابھی پایا نہ گیا تھا۔ اگر عورت نے کہا: میں نے چاہا اگر امر اس طرح ہے اور ماضی سے اس نے مراد یہ لیا جس کا وجود محقق ہے

نے عورت سے کہا: اپنے آپ کو ایک طلاق بائنہ دے اگر تو چاہے تو عورت نے اپنے آپ کو طلاق رجعی دی یا خاوند نے کہا: ایک طلاق دے اگر میں چاہوں تو رجوع کا مالک ہوں گا۔ تو عورت نے طلاق بائنہ دے دی۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس میں کوئی چیز واقع نہ ہوئی۔ کیونکہ اسے جو امر تفویض کیا گیا تھا وہ اس کی مشیئت کے ساتھ نہیں لائی۔ ''البحر'' میں اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جو مشیئت پر معلق نہیں۔ فافہم

13761۔ (قولہ: أَيْ لَمْ يُوجَدْ بَعْدُ) جب اس کا قول لمعدوم ایسے امر پر صادق آتا تھا جو گزر چکا ہو اور منقطع ہو چکا ہو جب کہ اس کے ساتھ امر کو معلق کرنا تنجیز ہوتی ہے تو اس کی تخصیص اس قول کے ساتھ کی۔ لم یوجد بعد۔ ''ح''۔ مصنف نے اسے مطلق ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مقابل جو ذکر کیا ہے اس پر اعتماد کیا ہے۔

13762۔ (قولہ: كَإِنْ شَاءَ) دو مثالوں کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مثال دی ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ معدوم ایسا ہو جس کا آنا محقق ہو یا محتمل ہو، ''ح''۔

13763۔ (قولہ: بَطَلَ الْأَمْرُ) الامر سے مراد حال الطلاق ہے۔ ''البحر'' میں کہا: خاوند نے طلاق کو اس کی حتمی مشیئت کے ساتھ معلق کیا تھا جب کہ وہ عورت مشیئۃ معلقہ لائی ہے پس شرط نہ پائی گئی۔ اس قول کے ساتھ قید لگائی شئت جب کہ یہ اس پر مقصور ہے۔ کیونکہ عورت کہتی: شئت طلاقی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ جب عورت نے طلاق کا ذکر نہیں کیا تو نیت کا اعتبار ایسے لفظ کے بغیر نہیں ہوگا جو طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اس سے یہ معنی سمجھ آتا ہے کہ اگر خاوند کہے: شئت طلاقك تو نیت کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ مشیئت کا معنی وجود ہے کیونکہ یہ شے سے مشتق ہے جس کا معنی وجود ہے اردت طلاقك کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ وجود کا معنی نہیں دیتا۔ فقہاء نے بندوں کی صفات میں مشیئت اور ارادہ میں فرق کیا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ مترادف ہیں۔ جس طرح دونوں میں لغت یہی ہے اجبتُ اور رضیتُ یہ اردتُ کی مثل ہے۔

13764۔ (قولہ: وَإِنْ قَالَتْ) یعنی مجلس میں کہا: ''بحر''۔

13765۔ (قولہ: أَرَادَ بِالْمَاضِي الْمُحَقَّقَ وُجُودُهُ) خواہ وہ امر پایا گیا اور گزر گیا جیسے: اگر فلاں آیا ہے جب کہ وہ آ چکا تھا۔ یا وہ امر حاضر تھا جس طرح شارح نے بیان کی ہے۔

كَإِنْ كَانَ أَبِي فِي الدَّارِ وَهُوَ فِيهَا، أَوْ إِنْ كَانَ هَذَا لَيْلًا وَهِيَ فِيهِ مَثَلًا (طَلُقَتْ) لِأَنَّهُ تَنْجِيزٌ (قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ مَتَى شِئْتِ أَوْ مَتَى مَا شِئْتِ أَوْ إِذَا شِئْتِ أَوْ إِذَا مَا شِئْتِ فَرَدَّتْ الْأَمْرَ لَا يَرْتَدُّ

جس طرح کہا: اگر میرا باپ گھر میں ہے جب کہ باپ گھر میں تھا یا عورت نے کہا: میں نے چاہا اگر یہ رات ہے جب کہ وہ اس وقت رات میں تھی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تنجیز ہے۔ مرد نے عورت سے کہا: تو جب چاہے تجھے طلاق ہے عورت نے امر کو رد کر دیا تو امر رد نہیں ہوگا۔

13766۔ (قولہ: مَثَلًا) یہ لیلا کے قول کی طرف راجع ہے۔

13767۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَنْجِيزٌ) کیونکہ ایسی شے کے ساتھ کسی امر کو معلق کرنا جو موجود ہو وہ تنجیز ہوتا ہے تعلیق نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے ابراء کو موجود امر کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہوتا ہے۔ یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا اگر وہ کہے: وہ کافر ہے اگر میں ایسا ہوں جب کہ وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے جب کہ مختار یہ ہے کہ اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ کفر تو اعتقاد کی تبدیلی پر مبنی ہوتا ہے جب کہ اعتقاد کی تبدیلی اس فعل کے ساتھ واقع نہیں ہوئی۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13768۔ (قولہ: فَرَدَّتْ الْأَمْرَ) کہ عورت نے کہا: میں خواہش نہیں کرتی، ''نہر''۔

اگر خاوند نے کہا تو جب چاہے تجھے طلاق تو عورت کے رد کرنے سے امر رد نہیں ہوگا

13769۔ (قولہ: لَا يَرْتَدُّ) عورت کو حق حاصل ہے کہ اس کے بعد بھی چاہے۔ کیونکہ اس نے اسے فی الحال مالک نہیں بنایا بلکہ امر کو عورت کی مشیئت کی طرف منسوب کیا تھا۔ پس اس سے قبل یہ تملیک نہ ہوگی۔ پس رد کرنے سے امر کو عورت کی مشیئت کی طرف منسوب کیا تھا پس اس سے قبل یہ تملیک نہ ہوگی۔ پس رد کرنے سے امر رد نہیں ہوگا۔ ''ہدایہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے: یہ کسی حال میں بھی اصلاً تملیک نہ ہوگی بلکہ یہ عورت کی مشیئت پر طلاق کو معلق کرنا ہے۔ عورت کا قول طلقت یہ اس شرط کی ایجاد ہے جو عورت کی مشیئت ہے پس واقع نہ ہوگی مگر معلق طلاق۔ ہاں یہ اس کے قول طلقی نفسكِ ان شئتِ میں صحیح ہے۔ ''فتح''۔ ''البحر'' میں اس کا جواب دیا ہے اس قول کے ساتھ جو ''المحیط'' میں ہے: یہ تعلیق کا معنی اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یہ لازم ہے یہ ابطال اور تملیک کے معنی کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی مشیئت اور ارادہ سے تصرف کرتا ہے جب کہ عورت تطلیق میں اپنے لیے عمل کر رہی ہے اور مالک وہی ہوتا ہے جو اپنے لیے عمل کرتا ہے۔ تملیک کا جواب مجلس تک محدود رہتا ہے۔ ''الجامع'' میں ہے: انت طالق ان شئتِ او احببتِ او هويتِ یہ یمین نہیں۔ کیونکہ یہ معنی تملیک ہے صورۃً تعلیق ہے۔ اسی وجہ سے یہ مجلس تک محدود رہے گا۔ اعتبار معنی کا ہوتا ہے صورت کا نہیں ہوتا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ خاوند اس قسم میں حانث نہیں ہوگا: لا یحلف وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول ''وجواب التمليك يقتصر على المجلس'' یہ خاص ہے اس حالت کے ساتھ کہ اس نے تعلیق ایسے اداۃ شرط کے ساتھ کی جو عموم وقت کا فائدہ نہ دے جس طرح ان، کیف، حیث، کم، این۔ جو اداۃ شرط عموم پر دلالت

وَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَلَا تُطَلِّقُ) نَفْسَهَا (إِلَّا وَاحِدَةً) لِأَنَّهَا تَعُمُّ الْأَزْمَانَ لَا الْأَفْعَالَ فَتَمْلِكُ التَّطْلِيقَ فِي كُلِّ زَمَانٍ لَا تَطْلِيقَ بَعْدَ تَطْلِيقٍ (وَلَهَا تَفْرِيقُ الثَّلَاثِ فِي كُلَّمَا شِئْتَ وَلَا تَجْمَعُ) وَلَا تُثَنِّي

اور اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتا اور عورت اپنے آپ کو ایک ہی طلاق دے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ زمانوں کو عام ہیں افعال کو عام نہیں۔ پس وہ ہر زمانہ میں طلاق واقع کرنے کی مالک ہے۔ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق کی مالک نہیں۔ اور جب خاوند کلما شئتِ کے الفاظ کہے تو عورت الگ الگ طلاق دے گی نہ سب کو جمع کرے گی اور نہ ہی دو کو جمع کرے گی۔

کرتے ہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔ یہاں یہی مذکور ہے فصل کے شروع میں (مقولہ 13741 میں) یہ بھی گزر چکا ہے۔

13770۔(قولہ: وَلَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ) جہاں تک متی اور متی ما کا تعلق ہے تو یہ توقیت کے لیے ہیں یہ تمام اوقات میں عام ہیں گویا کہا: فی ای وقت شئت جہاں تک اذا اور اذا ما کا تعلق ہے تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ متی کی طرح ہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ یہ شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے تو جس طرح یہ شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح وقت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن امر عورت کے ہاتھ میں آچکا تھا تو مجلس سے اٹھ جانے کے ساتھ شک کے ساتھ معاملہ اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ ہاں اگر کہا: میں نے محض شرط کا ارادہ کیا تھا تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں: اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور تہمت کی نفی کے لیے وہ قسم اٹھائے گا۔ ''نہر'' اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

13771۔(قولہ: لِأَنَّهَا تَعُمُّ الْأَزْمَانَ) مجلس کے ساتھ مقید نہ ہونے کی علت بیان کی ہے جس طرح ان کا قول لا الافعال یہ ولا تطلق الا واحدۃ کی علت ہے، ''ط''۔

13772۔(قولہ: لَا تَطْلِيقَ) بعض نسخوں میں اسی طرح نصب کے ساتھ ہے۔ اس کا عطف التطليق پر ہے۔ اکثر نسخوں میں لا تطلیق ہے۔ اس کی یہ تاویل ممکن ہے کہ لا کو جنس کی نفی کرنے والا بنا دیا جائے۔ خبر محذوف ہے اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: لا تطليق بعد تطليق مملوك لها، فافهم

اگر خاوند نے کلما شئت کے الفاظ استعمال کیے تو اس کا حکم

13773۔(قولہ: وَلَا تَجْمَعُ وَلَا تُثَنِّي) ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: فلا تملك الايقاع جملة و جمعا ''عنایہ'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جملہ سے مراد ہے کہ تو یہ کہے طلقت نفسی ثلاثا اور جمع سے مراد ہے: طلقت واحدة و واحدة و واحدة یہی ظاہر ہے۔

جمع کی تفسیر میں مراد لیتے ہیں گویا اشارہ کیا ہے اس کی طرف جو ''الدرایہ'' میں ہے جہاں جمع کی تفسیر بیان کی کہ وہ کہے طلقتُ و طلقتُ و طلقتُ کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے یعنی دونوں ایک معنی میں ہیں۔ ''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ سے مراد دو ہوں اور جمع سے مراد تین ہوں۔ اس کا قول: ولا تجمع ولا تثنی میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر جان لو کہ ''الدرایہ'' میں جو جمع کی تفسیر ہے کہ وہ کہے: طلقت و طلقت و طلقت جب کہ زیادہ صحیح اس کے برعکس ہے یہ اس امر کا

....

فائدہ دیتا ہے کہ صحیح ترین قول کے مطابق عورت ایک مجلس میں تین متفرق طلاقیں دے سکتی ہے۔''العنایہ'' میں جو عبارت ہے وہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں اس کی یہ تفسیر بیان کی: طلقتُ واحدۃً و واحدۃً و واحدۃً عامل کے متحد ہونے کی وجہ سے یہ جمع ہے۔''الدرایہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ تفریق ہے جمع نہیں کیونکہ فعل متکرر ہے۔اسی وجہ سے جو''قہستانی'' میں ہے کہ وہ تین متفرق طلاقیں دے یعنی تین مجلسوں میں طلاقیں دے اور ہر مجلس میں ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دے کیونکہ کلما عموم افراد کے لیے ہے وہ تین اکٹھی طلاقیں نہیں دے سکتی یہ اصح کے خلاف پر مبنی ہے مگر اس کے قول اکثر من واحدۃ کو مجتمع پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ قول فلا تطلق ثلاثا مجتمعۃ اس کا قرینہ ہے۔تامل

''جامع الفصولین'' میں جو کچھ ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے جو ہم نے کہا ہے۔''جامع الفصولین'' میں ہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے آپ کو اختیار کر لے مجلس میں یا مجلس کے بعد یہاں تک کہ وہ تین طلاقوں کے ساتھ جدا ہو جائے مگر وہ ایک ہی دفعہ ایک سے زیادہ طلاقیں نہیں دے سکتی۔کیونکہ اس کا مقتضا ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک مجلس میں متفرق تین طلاقیں دے سکتی ہے۔مگر ان میں فرق کیا جائے گا جب وہ کہے: انت طالق اور امرك بیدك۔لیکن''غایۃ البیان'' میں ہے کہا: یہ''الجامع الصغیر'' کے مسائل میں سے ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ یعقوب سے وہ امام''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے بارے میں نقل کرتے ہیں جس نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق کلما شئتِ فرمایا: عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے لے اگرچہ وہ اپنی مجلس سے اٹھ جائے اور کسی اور کام میں شروع ہو جائے وہ یکے بعد دیگرے طلاق دے سکتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے۔''غایۃ البیان'' میں کہا: کیونکہ کلما کا کلمہ عموم افعال کے لیے ہے اسے مشیئت کے بعد مشیئت حاصل ہے یہاں تک کہ وہ تین طلاقیں دے لے۔جب وہ مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی اور کام میں شروع ہو گئی تو اس مجلس میں جو اسے مشیئت حاصل ہوئی تھی وہ باطل ہو جائے گی۔کیونکہ اعراض کی دلیل پائی جا رہی ہے۔لیکن کلما کے حکم کی وجہ سے اسے ایک اور مشیئت حاصل ہوگی۔اور یہ اس امر میں صریح ہے کہ عورت کو ایک مجلس میں تین متفرق طلاقیں دینے کا حق حاصل ہے۔

اس سے زیادہ صریح وہ ہے جو''تاتر خانیہ'' میں''المحیط'' سے منقول ہے: اگر خاوند نے عورت سے کہا: تجھے طلاق ہے جب کبھی تو چاہے تو عورت کو ہمیشہ کے لیے ایسا کرنے کا اختیار ہوگا۔جب بھی وہ مجلس میں یا اس کے علاوہ ایک کے بعد ایک چاہے یہاں تک کہ وہ تین طلاقیں دے لے۔فافہم

تنبیہ

''الفتح'' میں کہا: اگر عورت نے تین یا دو طلاقیں دیں تو''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔''البحر'' میں''المبسوط'' سے مروی ہے: کلما شئتِ فانت طالق ثلاثا تو جب بھی چاہے تو تجھے تین طلاقیں۔تو عورت نے کہا: میں نے ایک طلاق چاہی تو یہ باطل ہوگا۔کیونکہ اس کے کلام کا

لِأَنَّهَا لِعُمُومِ الْإِفْرَادِ (وَلَوْ طَلَّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَا يَقَعُ) إنْ كَانَتْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا مُتَفَرِّقَةً وَإِلَّا فَلَهَا تَفْرِيقُهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْهَدْمِ الْآتِيَةُ

کیونکہ یہ عموم افراد کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اس عورت نے دوسرے مرد سے شادی کرنے کے بعد اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ اس نے اپنے آپ کو تین متفرق طلاقیں دی ہوں ورنہ اسے دوسرے خاوند کے بعد متفرق طور پر طلاقیں دینے کا اختیار رہے گا یہ آنے والا ہدم کا مسئلہ ہے۔

معنی ہے: تو نے جب بھی تین طلاقیں چاہیں۔

میں کہتا ہوں: اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ تین طلاقوں کو الگ الگ دینا یہ اس صورت میں سے ہے جب وہ عدد کی تصریح نہ کرے۔ ''کافی الحاکم'' میں ہے: کلما شئتِ فانتِ طالق ثلاثا تو اس نے ایک طلاق چاہی تو یہ باطل ہے۔ اسی طرح خاوند نے کہا: کلما شئتِ فانت طالق واحدۃ تو اس عورت نے تین چاہیں۔ اسی طرح اگر مرد نے کہا: کلما شئتِ فانتِ طالق اور ثلاثا کا لفظ ذکر نہ کیا تو عورت نے تین طلاقیں چاہیں۔ یعنی اکٹھی اگرچہ متفرق ہوں اگرچہ ایک مجلس میں ہوں تو یہ جائز ہوگا جس طرح تو نے جان لیا ہے۔

13774۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لِعُمُومِ الْإِفْرَادِ) یعنی افراد کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے۔ شارح نے ''المنار'' پر اپنی شرح میں اسی طرح حرکت ڈالی ہے۔ ''حلبی'' نے بھی اسی طرح حرکت ڈالی ہے۔ اور کہا: یہ مصدر ہے پس یہ اس کے موافق ہے جو علما نے انفراد کے ساتھ اسے تعبیر کیا ہے اور ہمزہ پر فتحہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

''شرح العینی'' میں ہے: کیونکہ کلما اوقات اور افعال کو عام ہوتا ہے اور عموم انفراد کے طریقہ پر ہوتا ہے عموم اجتماع نہیں ہوتا۔ پس یہ ہر دفعہ لا الی نہایہ تک ایک طلاق واقع کرنے کا تقاضا کرے گا مگر قسم ملک قائم کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔

13775۔ (قولہ: لَا يَقَعُ) کیونکہ تعلیق ملک قائم کی طرف پھیر دی جاتی ہے وہ تین طلاقیں ہیں۔ جب تین مکمل ہو جائیں تو تفویض ختم ہو جائے گی، ''بحر''۔

13776۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر عورت نے اپنے آپ کو اصلاً طلاق نہ دی یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں یا اپنے آپ کو صرف ایک طلاق دی یا ایک مجلس میں دو طلاقیں دیں ''ح''۔

ہدم کا مسئلہ

13777۔ (قولہ: وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْهَدْمِ الْآتِيَةِ) یعنی ''باب الرجعۃ'' کے آخر میں آئے گا۔ وہ یہ ہے کہ دوسرا خاوند تین سے کم طلاقوں کو اسی طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح تین طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جس نے اپنی بیوی کو ایک یا زیادہ طلاقیں دیں پھر وہ عورت ایک اور خاوند کے بعد اسی خاوند کی طرف لوٹی تو نئی ملکیت کے ساتھ اس کی طرف لوٹے گی۔ پس خاوند اسے تین طلاقیں دینے کا مالک ہو جائے گا۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا خاوند صرف تین طلاقوں کے اثر

(أَنْتِ طَالِقٌ حَيْثُ شِئْتِ أَوْ أَيْنَ شِئْتِ لَا تَطْلُقُ إِلَّا إِذَا شَاءَتْ فِي الْمَجْلِسِ، وَإِنْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا قَبْلَ مَشِيئَتِهَا لَا) مَشِيئَةَ لَهَا لِأَنَّهُمَا لِلْمَكَانِ
تجھے طلاق ہے جہاں تو چاہے اسے طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب وہ مجلس میں چاہے۔ اگر وہ مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی جب کہ اس نے طلاق نہ چاہی تھی تو اب اس کے لیے کوئی مشیئت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ مکان کے لیے ہوتے ہیں۔

کو ختم کرتا ہے اس سے کم طلاقوں کے اثر کو ختم نہیں کرتا۔ جس مرد نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی ہوں پھر دوسرے خاوند کے بعد پہلے خاوند کی طرف لوٹے تو وہ باقی طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی جب کہ وہ ایک طلاق ہے۔ جب لوٹنے کے بعد پہلے خاوند نے اسے ایک طلاق دی تو شیخین کے نزدیک وہ عورت مرد پر حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام نہ ہوگی۔ جب کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح جب خاوند نے کہا: تو جب بھی گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ وہ عورت گھر میں دو دفعہ داخل ہوئی اور عورت پر طلاق واقع ہوگئی اور اس کی عدت ختم ہوگئی پھر دوسرے خاوند کے بعد اس کی طرف لوٹی تو شیخین کے نزدیک اسے طلاق ہو جائے گی جب بھی وہ گھر میں داخل ہوئی یہاں تک کہ اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''زیلعی'' نے باب التعلیق میں اس قول ویبطل تنجیز الثلاث تعلیقه کے ہاں کہا۔ یہاں ''البحر'' کی عبارت ہے: ہم نے تین طلاقوں کے بعد کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر عورت نے اپنے آپ کو ایک یا دو طلاقیں دیں پھر دوسرے خاوند کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی تو عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تین متفرق طلاقیں دے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے یہ آنے والا یوم کا مسئلہ ہے۔

یہ اسی کے موافق ہے جو ہم نے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ''الفتح'' اور ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ پہلے خاوند کی طرف لوٹنے کے بعد عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ متفرق تین طلاقیں دے لے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صرف باقی طلاقیں دے گی۔ تین متفرق طلاقیں دینا یہ شیخین کے قول پر ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر نہیں۔ فافہم

اس تعبیر پر گزشتہ تعلیل اشکال پیدا کرتی ہے کہ تعلیق ملک قائم کی طرف پھر جاتی ہے وہ تین طلاقیں ہیں۔ یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو دو طلاقیں دیں پھر دوسرے خاوند کے بعد پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی تو عورت کو حق حاصل نہیں کہ وہ شیخین کے نزدیک اصلاً طلاق دے کیونکہ وہ نئی ملکیت کے ساتھ لوٹی ہے اور پہلی ملکیت کی طلاقوں کو دوسرے خاوند نے ختم کر دیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک وہ صرف ایک طلاق دے سکے گی کیونکہ یہ باقی طلاق ہے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا خاوند تین سے کم طلاقوں کے اثر کو ختم نہیں کرتا۔ پھر میں نے ''الفتح'' میں المحقق کو دیکھا کہ انہوں نے ''باب التعلیق'' میں اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ علما کا قول ''معلق اس ملک کی تین طلاقیں ہیں'' یہ مقید ہے جب تک وہ ان طلاقوں کا مالک رہے۔ جب ان میں سے بعض سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی تو معلق تین مطلق طلاقیں ہو گئیں۔

13778۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا لِلْمَكَانِ) حیث ظرف مکان ہے مبنی بر ضمہ۔ این ظرف مکان ہے اور یہ استفہام کا معنی دیتا

وَلَا تَعَلُّقَ لِلطَّلَاقِ بِهِ فَجُعِلَا مَجَازًا عَنْ إِنْ لِأَنَّهَا أُمُّ الْبَابِ (وَفِي كَيْفَ شِئْتِ يَقَعُ) فِي الْحَالِ (رَجْعِيَّةٌ، فَإِنْ شَاءَتْ بَائِنَةً أَوْ ثَلَاثًا وَقَعَ) مَا شَاءَتْهُ (مَعَ نِيَّتِهِ)

طلاق کا مکان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پس دونوں کو ان سے مجاز بنایا جائے گا۔ کیونکہ ''ان'' اس باب کی اصل ہے۔ اور کیف شئت کہا تو فی الحال طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اگر عورت طلاق بائن یا تین طلاقیں چاہے گی تو جو چاہے گی وہ طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ مرد کی نیت ہو۔

ہے۔ جب کہا جائے این زید تو مکان کی تعیین کے ساتھ جواب لازم ہوگا اور یہ شرط بھی ہے اس میں ما کا اضافہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اینما تقم اقم۔ ''بحر'' میں ''المصباح'' سے مروی ہے۔

13779۔ (قولہ: وَلَا تَعَلُّقَ لِلطَّلَاقِ بِهِ) اسی وجہ سے اگر اس نے کہا: انت طالق بمکة یا انت طالق فی مکة تو یہ معلق طلاق نہ ہوگی بلکہ فی الحال فوری طلاق ہو جائے گی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اسے فی الحال ہر جگہ طلاق ہو جائے گی۔ زمانہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ طلاق زمانہ کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔

13780۔ (قولہ: فَجُعِلَا مَجَازًا عَنْ إِنْ) یہ دو اعتراضوں کا جواب ہے ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے جب مکان کا ذکر لغو ہو گیا تو کلام ہوگئی: انت طالق شئت اس کے ساتھ فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح اس کلام کے ساتھ فی الحال طلاق واقع ہو جاتی ہے: انت طالق دخلت الدار۔

دوسرا اعتراض یہ ہے جب یہ شرط سے مجاز ہے تو اسے ان پر کیوں محمول کیا ہے متی پر محمول نہیں کیا جو ان کلمات میں سے ہے جو مجلس سے اٹھنے کے ساتھ باطل نہیں ہوتے؟ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظرف کو شرط سے مجاز بنایا گیا کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کچھ تاخیر کا فائدہ دیتا ہے۔ اسے کلی طور پر لغو قرار دینے سے شرط کے معنی میں لینا بہتر ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے اسے ان پر محمول کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ شرط کے باب میں اِنْ اصل ہے اور اس لیے بھی کہ یہ حرف شرط ہے اور اس صورت میں اختیار قیام کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ ''الفتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13781۔ (قولہ: يَقَعُ فِي الْحَالِ رَجْعِيَّةٌ) یعنی محض اس کے اس قول کے ساتھ اسے طلاق رجعی ہو جائے گی۔ عورت چاہے یا نہ چاہے۔ پھر اگر عورت کہے: میں نے طلاق بائنہ یا تین طلاقیں چاہیں جب کہ خاوند نے اس کی نیت بھی کی تھی تو اتنی ہی واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ موافقت پائی جا رہی ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے جب کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک عورت نہیں چاہے گی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کی اصل عورت کی مشیئت کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس کی صفت متعلق ہوتی ہے۔ جب کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں چیزیں عورت کی مشیئت کے ساتھ متعلق ہوئی ہیں۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔ میں نے اپنے حاشیہ جو ''شرح المنار'' پر ہے میں لکھا ہے: اس تفویض اور عام تفویضات میں فرق یہ ہے جہاں عورت خاوند کی نیت کی محتاج نہیں ہوتی کہ یہاں جو امر

وَإِلَّا فَرَجْعِيَّةٌ لَوْ مَوْطُوءَةً وَإِلَّا بَانَتْ وَبَطَلَ الْأَمْرُ، وَقَوْلُ الزَّيْلَعِيِّ وَالْعَيْنِيِّ قَبْلَ الدُّخُولِ صَوَابُهُ بَعْدَهُ فَتَنَبَّهْ (وَفِي كَمْ شِئْتِ أَوْ مَا شِئْتِ لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ مَا شَاءَتْ)
اگر وہ موطوءہ ہوئی تو طلاق رجعی واقع ہوگی ورنہ اسے طلاق بائنہ ہوگی اور امر باطل ہو جائے گا۔''زیلعی'' اور''عینی'' کا قول ہے: دخول سے پہلے طلاق رجعی ہوگی۔ جب کہ صحیح ہے: بعد میں۔ اسے خوب سمجھ لے۔ اگر خاوند کم شئت یا ما شئت کہے تو عورت کو حق حاصل ہے جتنی چاہے

تفویض کیا گیا ہے وہ طلاق کی حالت ہے۔ وہ حالت بینونت اور عدد میں متنوع ہوتی ہے۔ پس دونوں میں سے ایک کی تعیین کے لیے نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام تفویضات کا معاملہ مختلف ہے۔

13782۔ (قولہ: وَإِلَّا فَرَجْعِيَّةٌ) یہ قول اس صورت میں صادق آتا ہے جب عورت اس کو چاہے جو مرد کی نیت کے خلاف ہو اور جب عورت نے کسی چیز کی نیت نہ کی ہو۔ مراد پہلی صورت ہے۔ کیونکہ''الفتح'' میں ہے: اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے جیسے عورت طلاق بائنہ چاہے اور خاوند تین طلاقیں چاہے یا اس کے برعکس ہو تو یہ طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مشیئت لغو ہو جائے گی۔ پس خاوند کی طلاق صریح کا وقوع باقی رہ گیا۔ اور مرد کی نیت اسے بائنہ یا تین بنانے میں عمل نہ کرے گی۔ اور اگر خاوند کی نیت نہ ہو تو اصل میں اس کا ذکر نہ کرتے۔ ضروری ہے کہ عورت کی مشیئت کا اعتبار کیا جائے یہاں تک کہ اگر عورت طلاق بائنہ چاہے یا تین طلاقیں چاہے تو بالاتفاق وہی طلاق واقع ہوگی جس کی خاوند نیت کرے گا۔

13783۔ (قولہ: لَوْ مَوْطُوءَةً) یہ دونوں جگہ جو اس کا رجعية کا قول ہے اس کے لیے قید ہے۔''باب المہر'' میں اشعار گزر چکے ہیں کہ عدت کے لازم ہونے میں وہ عورت جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو اس عورت کی طرح ہے جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو۔ اسی طرح اس کی عدت میں دوسری طلاق واقع ہونے کا معاملہ ہے۔ فافہم

13784۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ عورت غیر مدخول بہا ہو تو اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی اور معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیونکہ عورت نہ ہونے کی وجہ سے طلاق کا محل فوت ہو چکا ہے۔''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو تو اس پر عدت لازم ہوگی جس طرح تجھے علم ہو چکا ہے۔ پس اسے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور امر اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ فافہم

13785۔ (قولہ: وَقَوْلُ الزَّيْلَعِيِّ) اس کی عبارت ہے: اختلاف کا ثمرہ دو مواقع پر ظاہر ہوگا: جب وہ عورت مشیئت سے پہلے مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جب کہ اس کے ساتھ ابھی حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں۔ کیونکہ جب حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہوں تو''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی اور''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ اور رد کرنا مجلس سے اٹھ جانے کی طرح ہے،''ح''۔

13786۔ (قولہ: لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ مَا شَاءَتْ) یعنی ایک یا دو یا تین طلاقیں چاہیں، اصل طلاق بالاتفاق عورت کی مشیئت کے متعلق ہوگی۔ کیف شئت کا مسئلہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ کم اسم عدد ہے اور

فِي مَجْلِسِهَا وَلَمْ يَكُنْ بِدْعِيًّا لِلضَّرُورَةِ (وَإِنْ رَدَّتْ) أَوْ أَتَتْ بِمَا يُفِيدُ الْإِعْرَاضَ (ارْتَدَّ) لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ فِي الْحَالِ فَجَوَابُهُ كَذٰلِكَ

اپنی مجلس میں طلاق دے اور تین طلاقیں ایک مجلس میں دیں تب بھی ضرورت کی بنا پر بدعی نہ ہوں گی۔ اگر عورت نے امر کو رد کر دیا اور یا ایسا عمل کیا جو اعراض کا فائدہ دے تو امر رد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ فی الحال تملیک ہے تو اس کا جواب بھی اسی طرح ہوگا۔

ماشئت عدد کی تعمیم ہے اور واحد فقہاء کی اصطلاح میں عدد ہے۔ پس تفویض نفس عدد میں ہوئی اور جب عدد ذکر کیا جائے تو واقع ہونے والا عدد ہی ہوتا ہے۔ پس تفویض نفس واقع میں ہوئی تو جب تک وہ نہ چاہے گی تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی، ''فتح''۔

تنبیہ

خاوند کی جانب سے نیت کے شرط ہونے کا ذکر نہ کیا اور شارح نے ''المنار'' پر اپنی شرح میں اسے شرط قرار دیا ہے۔ ''شرح المرقاۃ'' میں اسی طرح ہے۔ ''الکشف'' میں ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے شیخ کا مخطوطہ دیکھا جو علامہ ''بزدوی'' کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے کہ خاوند کے ارادہ کی مطابقت شرط ہے۔ کیونکہ جب یہ عدد مبہم کے لیے ہو تو نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''التقریر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''الہدایہ'' اور ''الفتح'' وغیرہ کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ شرط نہیں۔ صاحب ''البحر'' نے ''المنار'' پر اپنی شرح میں اسے غالب قرار دیا ہے۔ کیونکہ کوئی اشتراک نہیں۔ کیونکہ جو امر عورت کو تفویض کیا گیا ہے وہ صرف مقدار ہے۔ اس کے افراد ہیں جس میں کوئی ابہام نہیں۔ کیف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت کو جو تفویض کیا گیا ہے وہ حالت ہے۔ وہ مشترک ہے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13741 میں) بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہی متون کا ظاہر معنی ہے۔

13787۔(قولہ: فِي مَجْلِسِهَا) کیونکہ یہ تملیک ہے۔ پس مجلس تک اختیار محدود رہے گا جس طرح گزر چکا ہے۔

13788۔(قولہ: لَمْ يَكُنْ بِدْعِيًّا) ''البحر'' میں کہا: ماشاءت کے قول سے یہ بیان کیا کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ بغیر کراہت کے ایک سے زیادہ طلاقیں دے لے اور طلاق بدعت نہ ہوگی مگر جو عورت واقع کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے پر مجبور تھی کیونکہ اگر وہ الگ الگ طلاقیں دیتی تو معاملہ عورت کے ہاتھ سے نقل جاتا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر وہ عورت حائضہ ہو اس کی تصریح، طلاق کے شروع میں (مقولہ 12960 میں) گزر چکی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اسی کی مثل کیف شئت میں کہا جا سکتا ہے جب عورت نے خاوند کی نیت کے ہوتے ہوئے تین طلاقیں واقع کیں۔

13789۔(قولہ: وَإِنْ رَدَّتْ) کہ عورت کہے لا اطلق، ''فتح''۔

13790۔(قولہ: بِمَا يُفِيدُ الْإِعْرَاضَ) جیسے سو جانا اور مجلس سے اٹھ کھڑا ہونا۔

13791۔(قولہ: لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ فِي الْحَالِ) یہ اذا اور متی سے احتراز ہے یعنی یہ حتمی تملیک ہے یہ زمانہ مستقبل میں

(قَالَ لَهَا طَلِّقِي) نَفْسَكِ (مِنْ ثَلَاثٍ مَا شِئْتِ تُطَلِّقُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ، وَمِثْلُهُ اخْتَارِي مِنَ الثَّلَاثِ مَا شِئْتِ) لِأَنَّ مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ وَقَالَا بَيَانِيَّةٌ، فَتَطْلُقُ الثَّلَاثَ، وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ (فُرُوعٌ) قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ إنْ شِئْتِ وَإِنْ لَمْ تَشَائِي طَلُقَتْ لِلْحَالِ

مرد نے عورت سے کہا: تو تین میں سے جو چاہے طلاقیں دے لے تو وہ تین سے کم طلاقیں دے سکے گی۔ اسی طرح اگر خاوند نے عورت سے کہا: اختاری من الثلاث ما شئت۔ کیونکہ من تبعیضیہ ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: من بیانیہ ہے پس وہ تین طلاقیں دے سکے گی۔ اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ (فروع) خاوند نے کہا: تجھے طلاق تو چاہے یا نہ چاہے اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی۔

کسی وقت کی طرف منسوب نہیں تو اس نے فی الحال جواب کا تقاضا کیا، ''فتح''۔

13792۔ (قولہ: وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ) کیونکہ اگر مراد بیان ہوتا تو اس کا قول طلقی ما شئت کافی ہوتا جس طرح ''النہر'' میں ''التحریر'' سے منقول ہے، ''ح''۔

طلاق کو مشیئت اور عدم مشیئت کے ساتھ معلق کرنا

13793۔ (قولہ: إِنْ شِئْتِ وَإِنْ لَمْ تَشَائِي) یہ جان لو جب خاوند نے مشیئت اور عدم مشیئت کو ایک شرط بنا دیا یا مشیئت اور انکار کو ایک شرط بنایا تو اسے کبھی بھی طلاق نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ امر متعذر ہے جس طرح وہ کہے: انت طالق ان شئت و لم تشاءی یا ان شئتِ و ابیتِ۔ اگر ان کو مکرر ذکر کیا اور جزا کو مقدم کیا جس طرح: انت طالق ان شئت و ان لم تشاءی تو عورت نے مجلس میں طلاق چاہی یا طلاق نہ چاہی اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے ہر ایک کو الگ شرط بنایا ہے جس طرح اس کا قول ہے: انتِ طالق ان دخلتِ الدار او لم تدخلی۔ اور اگر جزا کو موخر کیا جس طرح ان شئت و ان لم تشاءی فانت طالق تو کبھی بھی طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ جزا موخر کرنے کے ساتھ دونوں ایک شرط کی طرح ہو گئیں اور دونوں کا اجتماع متعذر ہے۔ جب ان کا جمع ہونا ممکن ہو تو معاملہ مختلف ہو گا تو عورت کو طلاق نہ ہو گی یہاں تک کہ دونوں شرطیں پائی جائیں۔ جس طرح وہ کہے ان اکلتِ و ان شربت فانت طالق اگر تو کھائے اور اگر تو پیئے تو تجھے طلاق ہے۔ اگر ان کو مکرر ذکر کیا ان میں ایک مشیئت ہو اور دوسری اس کا انکار ہو جس طرح وہ کہے: انتِ طالق ان شئتِ وان ابیتِ تجھے طلاق ہے اگر تو چاہے اور تو انکار کرے۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی وہ چاہے یا انکار کرے۔ اگر وہ خاموش ہو گئی یہاں تک کہ مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ شرط ہے۔ اور انکار کرنا بھی ایک فعل ہے جس طرح مشیئت فعل ہے۔ پس جو فعل بھی پایا گیا طلاق واقع ہو جائے گی۔ جب دونوں فعل معدوم ہوں تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر اس نے ان کو مکرر ذکر نہ کیا اور او کے ساتھ عطف کیا جس طرح وہ کہے انتِ طالق ان شئتِ اور ابیت کیونکہ اس نے طلاق کو ایک پر معلق کیا ہے۔ اگر خاوند نے کہا: ان شئتِ فانتِ طالق و ان لم تشاءی فانت طالق تو اسے فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان

وَلَوْ قَالَ إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينَ الطَّلَاقَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، وَإِنْ كُنْتِ تُبْغِضِينَهُ فَأَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ لِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ لَا تُحِبَّهُ وَلَا تُبْغِضَهُ وَلَا يَجُوزُ أَنْ تَشَاءَ وَلَا تَشَاءَ، وَلَوْ قَالَ لَهُمَا أَشَدُّ كُمَا حُبًّا لِلطَّلَاقِ أَوْ أَشَدُّ كُمَا بُغْضًا لَهُ

اگر مرد نے کہا: اگر تو طلاق سے محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے اور اگر تو طلاق سے بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق ہے اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ نہ طلاق سے محبت رکھتی ہو اور نہ طلاق سے بغض رکھتی ہو یہ جائز نہیں کہ وہ چاہتی ہو اور نہ چاہتی ہو۔ اگر خاوند نے دو بیویوں سے کہا: تم میں سے جو طلاق سے زیادہ محبت رکھتی ہے یا تم میں سے جو طلاق سے زیادہ بغض رکھتی ہے

کنت تحبین الطلاق فانت طالق او ان کنت تبغضین فانت طالق اگر تو طلاق سے محبت رکھتی ہے تو تجھے طلاق یا اگر تو بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ نہ محبت رکھتی ہو۔ نہ بغض رکھتی ہو پس وقوع کی شرط یقینی نہیں۔ یہ جائز نہیں کہ وہ چاہے اور نہ چاہے۔ پس دونوں شرطوں میں سے ایک شرط لامحالہ ثابت ہے۔ پس طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے کہا: انت طالق ان ابیتِ او کرہتِ عورت نے کہا: ابیتُ تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے کہا: ان لم تشاءی فانتِ طالق تو عورت نے کہا: میں نہیں چاہتی تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ابیتِ اباء کے ایجاد کا صیغہ ہے پس خاوند نے طلاق کو اباء کے ساتھ معلق کیا جب کہ وہ اباء پایا گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور خاوند کا قول وان لم تشاءی عدم کا صیغہ ہے ایجاد کا صیغہ نہیں۔ پس یہ ان لم تدخلی الدار کے قائم مقام ہو گیا۔ اور عدم مشیت اس کے قول لا اشاء کے ساتھ متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعد میں چاہے۔ بے شک عدم مشیت موت کے ساتھ متحقق ہوئی۔ ''بحر'' میں ''محیط'' سے مروی ہے۔ اس کے بعد ذکر کیا: اگر خاوند نے طلاق کو اپنی ذات کی مشیت کے ساتھ معلق کیا تو وہ اسی طرح ہو گی۔ اگر اس نے کہا: اگر فلاں نے طلاق نہ چاہی اس نے کہا: میں نہیں جانتا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فرق یہ ہے اجنبی میں قسم سے بری ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ اسی مجلس میں عورت کی طلاق چاہے اور اس اجنبی کے قول لا اشاء سے مجلس بدل گئی ہے۔ کیونکہ یہ ایسے امر میں مشغول ہونا ہے جس کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ طلاق واقع کرنے میں خاموشی کافی تھی یہاں تک کہ وہ کھڑا ہو جاتا۔

13794۔ (قولہ: لَمْ تَطْلُقْ) اس کا محل یہ ہے جب وہ عورت کہے: میں نہ محبت کرتی ہوں اور نہ بغض رکھتی ہوں۔ مگر جب وہ عورت کہے میں محبت کرتی ہوں یا بغض رکھتی ہوں تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ محبت وغیرہ پر امر کو معلق کرنا یہ اس کی خبر دینے پر معلق کرنا ہوتا ہے اگرچہ خبر امر واقع کے خلاف ہو۔ جس طرح عنقریب (مقولہ 13800 میں) آئے گا۔

13795۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ أَنْ تَشَاءَ وَلَا تَشَاءَ) کیونکہ مشیت کا معنی وجود ہے۔ پس وجود اور اس کی عدم میں کوئی واسطہ نہیں۔

13796۔ (قولہ: أَوْ أَشَدُّ كُمَا بُغْضًا لَهُ) یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ شارح کا قول: فقالت کل انا اشد حبا لہ پہلے مسئلہ کا جواب ہے اور دوسرے مسئلہ کا جواب ترک کر دیا جو قیاس کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے: فقالت کل: انا

طَالِقٌ فَقَالَتْ كُلٌّ أَنَا أَشَدُّ حُبًّا لَهُ لَمْ يَقَعْ لِدَعْوَى كُلٍّ أَنَّ صَاحِبَتَهَا أَقَلُّ حُبًّا مِنْهَا فَلَمْ يَتِمَّ الشَّرْطُ، ثُمَّ التَّعْلِيقُ بِالْمَشِيئَةِ أَوِ الْإِرَادَةِ أَوِ الرِّضَا أَوِ الْهَوَى أَوِ الْمَحَبَّةِ يَكُونُ تَمْلِيكًا فِيهِ مَعْنَى التَّعْلِيقِ، فَيَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ كَأَمْرُكِ بِيَدِكِ

اسے طلاق ہے تو ہر ایک نے کہا میں اس سے زیادہ محبت کرتی ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اس کی سوکن اس سے کم محبت رکھتی ہے۔ پس شرط مکمل نہ ہوئی۔ پھر مشیئت، ارادہ، رضا، ہویٰ یا محبت کے ساتھ طلاق کو معلق کرنا یہ ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کا معنی موجود ہے پس یہ اختیار مجلس کے ساتھ متقید ہوگا جس طرح امرك بيدك ہے۔

اشد بغضا له لم يقع لدعوى كل ان صاحبتها اقل بغضا منها پس شرط مکمل نہ ہوئی۔ ''ح''۔

13797۔(قولہ: فَقَالَتْ كُلٌّ) یعنی خاوند نے دونوں کو جھٹلا دیا جس طرح ''کافی الحاکم'' میں اس کی قید لگائی۔ اس کا مقتضا ہے: اگر خاوند نے دونوں بیویوں کی تصدیق کر دی تو دونوں کو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ ایک اور زائد کو جامع ہوتا ہے جس طرح الوقف کے باب میں (مقولہ 21501 میں) آئے گا لو شرط النظر للارشد، تامل۔

13798۔(قولہ: فَلَمْ يَتِمَّ الشَّرْطُ) کیونکہ عورت کی اپنے سوکن کے بارے میں شہادت کی تصدیق نہیں کی جاتی ''بحر''۔ کیونکہ وہ زیادہ محبت اور زیادہ بغض رکھنے والی نہیں ہو سکتی جب تک دوسری اس سے کم محبت اور بغض والی نہ ہو۔ اور دوسرے کے دل میں جو کچھ ہے اس پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ پس یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ دوسری سے زیادہ محبت یا بغض رکھنے والی ہے۔ دوسری کے بارے میں بھی یہ قول کیا جائے گا۔ پس دونوں میں سے کسی کی اشدیت ثابت نہ ہوئی۔ پس ان دونوں میں سے کسی پر بھی طلاق کے وقوع کی شرط مکمل نہیں ہوئی۔ تعلیل کا مقتضا یہ ہے کہ اگر ان میں سے صرف ایک نے کہا: انا اشد میں زیادہ محبت یا بغض رکھتی ہوں تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی مگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک کے دعویٰ میں دوسری کی تکذیب ہے۔ دونوں میں سے ایک کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ تعلیق کے باب میں عنقریب (مقولہ 13910 میں) آئے گا اگر خاوند نے کہا: ان كنت تحبين كذا فانت كذا و فلانه اگر تو فلاں سے محبت کرتی ہے تو تجھے اور فلانہ کو یہ۔ تو اس نے کہا: میں محبت کرتی ہوں تو اس کی اس کی ذات کے حق میں تصدیق کی جائے گی۔ تامل

13799۔(قولہ: ثُمَّ التَّعْلِيقُ بِالْمَشِيئَةِ) اسی طرح تعلیق کا معاملہ ہوگا ہر اس امر کے متعلق جس کے معنی پر دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا۔ ''بحر'' میں منقول ہے، ''ط''۔

13800۔(قولہ: فَيَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ) اسی طرح جب وہ محبت اور بغض کی خبر دینے میں وہ جھوٹی ہو تو مجلس میں ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ حیض وغیرہ کے ساتھ معلق کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ پھر یہ تملیک پر تفریع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اولیٰ یہ تھا کہ ان الفاظ کو زیادہ کیا جاتا: ولا تمليك الرجوع عنه تا کہ اس کے معلق ہونے پر تفریع ہو۔ کیونکہ یہ تملیک پر تفریع سے زیادہ ظاہر ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں ہے کہ مراد یہ بیان کرنا ہے کہ ان مذکورہ امور کے ساتھ تعلیق غیر کے ساتھ

بِخِلَافِ التَّعْلِيقِ بِغَيْرِهَا
دوسرے امور پر طلاق کو معلق کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔

تعلیق کے مخالف ہے۔ اس سے رجوع نہ ہونا ان امور میں سے ہے جن میں سب متفق ہیں۔ فافہم

13801۔(قولہ: بِخِلَافِ التَّعْلِيقِ بِغَيْرِهَا) جس طرح طلاق کو حیض یا گھر میں داخل ہونے پر معلق کیا جائے۔ کیونکہ یہ تعلیق محض ہے جو مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔ اسی طرح جھوٹی خبر دینے کے ساتھ بھی نفس الامر میں طلاق واقع نہ ہو گی جس طرح آگے آئے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بَابُ التَّعْلِيقِ

(هُوَ) لُغَةً مِنْ عَلَّقَهُ تَعْلِيقًا قَامُوسٌ جَعَلَهُ مُعَلَّقًا وَاصْطِلَاحًا (رَبْطُ حُصُولِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ بِحُصُولِ مَضْمُونِ جُمْلَةٍ أُخْرَى) وَيُسَمَّى يَمِينًا مَجَازًا

تعلیق کا بیان

تعلیق لغت میں یہ علقه تعلیقا کا مصدر ہے یعنی کسی نے اسے معلق بنا دیا'' قاموس''۔ اور اصطلاح میں اس سے مراد ایک جملہ کے مضمون کے حصول کو دوسرے جملہ کے مضمون کے حصول کے ساتھ مربوط کرنا۔ اس کو مجازاً یمین کہتے ہیں۔

حتمی اور فوری طلاق خواہ صریح ہو یا کنایہ کے بعد اس کا ذکر کیا کیونکہ یہ طلاق اور شرط کے ذکر سے مرکب ہے اسے مفرد طلاق سے موخر کیا،''نہر''۔

تعلیق کا لغوی معنیٰ

13802۔ (قولہ: مِنْ عَلَّقَهُ تَعْلِيقًا) ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے: یہ علقه کا مصدر ہے یعنی اسے کسی پر معلق کر دیا''ط''۔ یعنی شارح کا کلام وہم دلاتا ہے کہ مصدر فعل سے مشتق ہے۔ یہ مختار مذہب کے خلاف ہے۔ لیکن مراد مادہ کا بیان ہے تاکہ اس امر کا فائدہ دے کہ لغۃ اس سے مراد مطلق تعلیق ہے جو حسی اور معنوی دونوں کو شامل ہے۔

تعلیق کی اصطلاحی تعریف

13803۔ (قولہ: وَاصْطِلَاحًا رَبْطُ الخ) یہ صرف معنوی تعلیق کے ساتھ خاص ہے مصنف کے قول میں پہلے جملہ سے مراد جزا کا جملہ ہے اور دوسرے جملہ سے مراد شرط کا جملہ ہے اور مضمون سے مراد جملہ جس معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہو۔ وہ اس مثال میں ان دخلت الدار فانت طالق طلاق کے حصول کو گھر میں داخل ہونے کے حصول کے ساتھ مربوط کرنا ہے۔

13804۔ (قولہ: وَيُسَمَّى يَمِينًا مَجَازًا) کیونکہ ''النہر'' میں ہے کہ حقیقت میں تعلیق شرط و جزا ہے۔ پس اس پر یمین کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ اس میں سببیت کا معنی پایا جاتا ہے۔

اس میں ہے کہ یہ اس جملہ شرطیہ کا بیان ہے جو اس تعلیق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جس کی تعریف ربط خاص کے ساتھ کی گئی ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔ اس ربط کو یمین کہتے ہیں۔ ''الفتح'' میں کہا: یمین کا اصل معنی قوت ہے۔ دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو یمین کہتے ہیں کیونکہ دوسرے ہاتھ کی بنسبت اس میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے کو یمین کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ محلوف علیہ کی قوت کا فائدہ دیتی ہے خواہ وہ کسی فعل کے کرنے سے متعلق ہو یا اس کے ترک سے متعلق ہو جب کہ نفس اس میں متردد تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک امر جو نفس کے ہاں ناپسندیدہ ہو اسے ایسے امر پر

....

معلق کرنا کہ جب وہ امر پایا جائے تو مکروہ امر بھی پایا جائے تو اس امر سے رکنے کی قوت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور وہ امر جو نفس کے ہاں محبوب ہو اسے کسی امر پر معلق کرنا یہ اس امر پر برانگیختہ کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ پس یہ یمین ہوگا۔ لیکن یہ اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ لغت میں حقیقت ہے یا مجاز ہے۔

''البحر'' میں ایمان کی بحث میں ہے۔ ''البدائع'' میں جو ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تعلیق لغت میں بھی یمین ہے کہا: کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یمین کا اطلاق کیا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول لغت میں حجت ہے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ یہ لغت اور اصطلاح میں یمین ہے۔ اسی وجہ سے ''معراج الدرایہ'' میں کہا: یمین کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے اور تعلیق پر بھی ہوتا ہے۔

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ قسم نہیں اٹھائے گا تو اس کا حکم

میں کہتا ہوں: لیکن ''الفتح'' کی گزشتہ کلام کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد ایسے امر پر کسی شے کو معلق کرنا جو معلق کے اختیار میں ہوتا کہ محلوف علیہ امر سے رکنے کی قوت کا فائدہ دے یا اس پر برانگیختہ کرنے کی قوت کا فائدہ دے جیسے ان بشرتنی بکذا فانت حر اگر تو مجھے یہ خوشخبری دے تو آزاد ہے۔ اس کے علاوہ جو تعلیق ہے اسے یمین نہیں کہتے جیسے ان طلعت الشمس او ان حضت فانت کذا۔ لیکن ''تلخیص الجامع'' اور فارسی کی جو ''تلخیص'' کی شرح ہے اس میں ہے: اگر اس نے قسم اٹھائی وہ قسم نہیں اٹھائے گا تو وہ جزا کو ایسے امر کے ساتھ معلق کرنے سے حانث ہو جائے گا جو شرط بننے کی صلاحیت رکھے خواہ شرط اس کا اپنا فعل ہو، کسی غیر کا فعل ہو، وقت کا آنا ہو جس طرح: انتِ طالق ان دخلتِ، انتِ طالق ان قدم زید یا انتِ طالق اذا جاء غد۔ اسی طرح وہ کہے: انتِ طالق اذا جاء رأس الشھر یا انتِ طالق اذا اھل الھلال۔ جب کہ عورت ایسی ہو جس کو حیض آتا ہو وہ مہینوں والی نہ ہو۔ کیونکہ یمین کا رکن پایا جا رہا ہے وہ جزا کو معلق کرنا ہے۔ یمین کا وجود حانث ہونے کی شرط ہے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ مگر جب وہ دل کے اعمال میں سے کسی عمل کے ساتھ معلق کرے جس طرح وہ کہے: ان شئتِ او اردتِ او احببتِ او ھویتِ او رضیتِ یا وہ مہینے کے آنے کے ساتھ اسے معلق کرے جب عورت ان میں سے ہو جن کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو وہ تملیک میں استعمال ہیں۔ اسی وجہ سے مجلس تک محدود ہیں پس وہ تعلیق کے لیے خالص نہیں۔

طلاق کو تطلیق کے ساتھ معلق کرنے سے حانث نہیں ہوگا

جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ طلاق سنت کے وقت کے بیان میں مستعمل ہے۔ کیونکہ ایسی عورت کے حق میں مہینے کا سرا طلاق سنت کے وقوع کا وقت ہے۔ پس وہ تعلیق کے لیے خالص نہیں۔ اسی وجہ سے وہ طلاق کو تطلیق کے ساتھ معلق کرنے کے ساتھ حانث نہیں جس طرح انتِ طالق ان طلقتكِ۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ امر واقع کی حکایت کا ارادہ ہو کہ وہ اس عورت کو طلاق

....

دینے کا مالک ہے۔ پس یہ تعلیق کے لیے خالص نہیں۔ اور اسی طرح جب وہ اپنے غلام کو یہ کہے: ان ادیتِ الیّ الفافانتِ حر وان عجزتَ فانتَ رقیق تو وہ حانث نہیں ہوگا اگر چہ شرط اور جزا پائے گئے۔ کیونکہ یہ کتابت (عقد مکاتبہ) کی تفسیر ہے۔ پس یہ تعلیق کے لیے خالص نہیں۔ اور اس قول کے ساتھ انتِ طالق ان حضتِ حیضة سے حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ کامل حیض کا کوئی وجود نہیں مگر جب طہر کا جز پایا جائے۔ پس طلاق طہر میں واقع ہوگی پس اسے طلاق سنت کی تفسیر بنانا ممکن ہے۔ پس یہ تعلیق کے لیے خالص نہیں۔ بے شک ہم نے ان صورتوں میں اسے ایسے امور کے ساتھ حانث قرار نہیں دیا جو تعلیق کے لیے خالص ہیں۔ کیونکہ طلاق کی قسم اٹھانا ممنوع ہے۔ اور دانش مند کی کلام کو ایسی وجہ پر محمول کرنا جس میں ممنوع امر نہ پایا جائے یہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جب کہ یہاں اس کا حمل ایسی چیز پر ممکن ہے جو تملیک اور تفسیر کا احتمال رکھتی ہے۔ پس اسے طلاق کی ہر قسم پر محمول نہ کیا جائے۔ وہ اپنے اس قول کے ساتھ حانث ہو جائے گا ان حضتِ فانت طالق کیونکہ قسم توڑنے کی شرط موجود ہے وہ ایسی یمین ہے جس کا رکن مذکور ہے اور وہ شرط و جزا ہے۔ اور اس کا قول ان حضتِ یہ طلاق بدعت کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ طلاق بدعت کی کئی اقسام ہیں پس اسے تفسیر بنانا ممکن نہیں۔ سنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی صرف نوع ہے۔ جب مرد نے عورت سے کہا: انت طالق ان طلعت الشمس تو وہ حانث ہو جائے گا۔ جب کہ یمین کا معنی برانگیختہ کرنا یا روکنا یہاں مفقود ہے۔ جب کہ سورج کا طلوع ایسا امر ہے جو محقق الوجود ہے یہ شرط بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کے وجود میں احتمال نہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں برانگیختہ کرنا اور روکنا قسم کا ثمرہ ہے اور اس کی حکمت ہے۔ یمین میں رکن مکمل ہو گیا ثمرہ اور حکمت مکمل نہ ہوئے۔ کیونکہ عقود شرعیہ میں حکم شرعی صورت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے ثمرہ اور حکمت کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اگر اس نے قسم اٹھائی وہ نہیں بیچے گا تو اس نے بیع فاسد کی تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ بیع کا رکن پایا گیا ہے اگر چہ بیع کا مطلب جو ملکیت کا انتقال ہے ثابت نہیں۔ ہم عدم خطر کو تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ ہر زمانہ میں قیامت کے برپا ہونے کا احتمال موجود ہے ملخص۔

حاصل کلام یہ ہے: ہر تعلیق یمین ہے خواہ وہ اپنے عمل، غیر کے فعل اور وقت کے آنے پر امر کو معلق کرے اگر چہ اس میں یمین کا ثمرہ نہ پایا جائے جو برانگیختہ کرنا اور منع کرنا ہے۔ اس نے اگر یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ قسم نہیں اٹھائے گا تو حانث ہو جائے گا مگر جب اسے تعلیق کی صورت سے تملیک بنانے یا طلاق سنت، امر واقع کا بیان یا کتابت کی تفسیر بنانا ممکن ہو جس طرح ان پانچ مسائل میں ہے جن کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس طرح کتاب الایمان میں عنقریب (مقولہ 17123 میں) آئے گا۔ ان شاء اللہ

اس وضاحت کے ساتھ وہ قول بھی واضح ہو جاتا ہے جو "البحر" میں کہا: کہ مصنف نے التعلیق کے ساتھ جو تعبیر کی ہے وہ اس تعبیر سے اولیٰ ہے جو "ہدایہ" میں باب الیمین بالطلاق کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔ کیونکہ تعلیق صوری کو بھی شامل ہے جس طرح یہ پانچ ہیں۔ ان میں بعض کو اس باب میں ذکر کیا جب کہ وہ یمین نہیں جس طرح تو نے جان لیا ہے۔ "النہر" میں اس کا قول: "اس میں وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ وہ عرفا یمین نہیں پس یہ اس کے منافی نہیں کہ وہ اصطلاح الفقہاء میں یمین ہے" ساقط ہے۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ اس میں اس کا حانث نہ ہونا اس کا تعلیق کے لیے خالص نہ ہونا ہے اور یہ ان کے نزدیک

وَشَرْطُ صِحَّتِهِ كَوْنُ الشَّرْطِ مَعْدُومًا عَلَى خَطَرِ الْوُجُودِ ؛ فَالْمُحَقَّقُ كَإِنْ كَانَ السَّمَاءُ فَوْقَنَا تَنْجِيزٌ، وَالْمُسْتَحِيلُ كَإِنْ دَخَلَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ لَغْوٌ

تعلیق کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ شرط تعلیق کے وقت معدوم ہو مگر پائی جاسکتی ہو۔ پس شرط امر محقق ہو جیسے اگر آسمان ہمارے اوپر ہے تو یہ تعلیق نہ ہوگی تنجیز ہوگی۔ اور شرط امر محال ہو جیسے اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے تو یہ لغو ہوگا۔

یمین نہیں۔ نیز اگر یہ عرف پر مبنی ہے تو عرف میں ان حضت اور ان حضت حیضة میں کیا فرق ہوگا۔ یہاں تک کہ پہلی یمین ہو گی دوسری یمین نہ ہوگی۔

13805۔ (قولہ: كَوْنُ الشَّرْطِ) یعنی فعل شرط کا مدلول۔

13806۔ (قولہ: عَلَى خَطَرِ الْوُجُودِ) یعنی متردد ہو کہ ایسا ہو یا ایسا نہ ہو کہ وہ محال ہو اور نہ ہی لامحالہ متحقق ہو۔ کیونکہ شرط تو برانگیختہ کرنے اور منع کرنے کے لیے ہے ان دونوں میں سے کسی کا بھی ان دونوں میں تصور نہیں کیا جاسکتا، ''شرح التحریر''۔

13807۔ (قولہ: فَالْمُحَقَّقُ) اس کے ساتھ معدوما کے قول سے احتراز کیا گیا ہے، ''ح''۔

13808۔ (قولہ: تَنْجِيزٌ) یہ اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ یہ اس میں حکم ہے جس کی بقا کے لیے اس کی ابتدا کا حکم ہو۔ جس طرح ایک آقا اپنے غلام سے کہے: ان ملكتك فانت حر تو جونہی خاموش ہوگا اسے طلاق ہو جائے گی۔ اور خاوند کا اپنی بیوی کو کہنا: ان ابصرتِ او سمعتِ او صححتِ جب کہ وہ بینا ہے، سننے والی ہے یا صحیح ہے تو اسی وقت اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ممتد ہے۔ پس اس کے بقا کے لیے ابتدا کا حکم ہے۔ اگر اس نے کہا: ان حضتِ یا کہا: مرضتِ جب کہ وہ حائضہ یا مریضہ ہو تو اس کے نئے حیض پر حکم ہوگا۔ کیونکہ حیض اور مرض ممتد نہیں ہوتے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے کہ حیض اور مرض اگرچہ ممتد ہیں مگر جب شرع نے احکام کو مجموعہ کے ساتھ معلق کیا ہے تو احکام ان میں سے ہر جز کے ساتھ متعلق نہ ہوں گے پس مکمل کو ایک شے بنا دیا ہے۔ فافہم

13809۔ (قولہ: وَالْمُسْتَحِيلُ) اس قول کے ساتھ علی خطر الوجود کے قول سے احتراز کیا گیا ہے، ''ح''۔

13810۔ (قولہ: لَغْوٌ) پس اصلاً تعلیق واقع نہ ہوگی کہ اس سے اس کی غرض امر منفی کو ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ اس نے اسے محال امر کے ساتھ معلق کیا ہے یہ طرفین کے قول کی طرف راجح ہے۔ قسم پورا کرنے کا امکان یمین کے منعقد ہونے کی شرط ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ ظاہر ہوگیا ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے: اگر مرد نے عورت سے کہا: اگر تو نے مجھے وہ دینار واپس نہ کیا جو تو نے میری ہتھیلی سے لیا ہے تو تجھے طلاق ہے جب کہ دینار اس خاوند کی ہتھیلی میں ہے تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اسی قسم سے وہ بھی ہے جو ''القنیہ'' میں ہے: نشے میں مست آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا عورت نے اس کے لیے دروازہ نہ کھولا اس نشئی خاوند نے کہا: اگر اس رات تو نے دروازہ نہ کھولا تو تجھے طلاق ہے جب کہ گھر میں کوئی بھی نہ تھا تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی، ''نہر''۔ اسی قسم سے وہ مسائل ہیں جو باب کے آخر میں ''الفروع'' میں

....

عنقریب آئیں گے۔

اگر تو نے فلاں مرد کے ساتھ شادی نہ کی تو تجھے طلاق کا بیان

تنبیہ

''فتاوی الکازرونی''میں''فتاوی المحقق عبدالرحمٰن المرشدی'' سے منقول ہے: ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق ان لم تتنزوجی بفلان تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی خفا نہیں کہ اس تعلیق سے خاوند کی مراد یہ ہے کہ وہ فلاں سے اس وقت شادی نہ کرے جب اس خاوند کا اس عورت پر غلبہ عصمت ختم ہو جائے اور عدت ختم ہو جانے کے ساتھ غلبہ ختم ہو جائے جب کہ اس وقت وہ اس خاوند کی ملک میں نہیں پس یہ قول ان لم تتنزوجی بفلان لغو ہو جائے گا۔ پس شرط لغو ہوگی اور اس کا قول انت طالق باقی رہ جائے گا تو اس عورت کو تنجیز اً طلاق ہو جائے گی۔ جس طرح علما یمن میں سے متاخرین نے اسے اختیار کیا۔ ان کا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ وہ شرط جس پر طلاق معلق ہے اس کا وجود محال ہے اس حال میں کہ وہ عورت خاوند کی عصمت (نکاح) میں باقی ہو۔ اور ان میں سے بعض نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہ تعلیق صحیح ہے اور اسے ممکن بنایا ہے اور خاوند کو زندگی یا بیوی کی زندگی کے آخری جز میں طلاق کو واقع کیا ہے۔ کیونکہ یہ عدم کے معنی میں ہے اور عدم متحقق ہے اور دائمی ہے۔ لیکن جب اس نے اسے مستقبل کے ساتھ معلق کیا تو یہ تمام زمانہ مستقبل کے لیے موزوں ہو گیا۔ کیونکہ مستقبل پایا گیا پس اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہوگا یہاں تک کہ زندگی کے آخری جز پر اس کی انتہا ہوگی۔ پس وقت تنگ ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ بعض نے یہ لحاظ رکھا ہے کہ یہ الزامی شرط ہے۔ گویا خاوند ارادہ کرتا ہے کہ اسے لازم کرے اس امر کے ساتھ کہ عورت فلاں کے ساتھ شادی نہ کرے تو یہ ایسا امر لازم کرنا ہے جو لازم نہیں ہوتا۔ پس یہ کلام لغو چلی جائے گی اور طلاق فوراً واقع ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: اگر کہا جائے کہ خاوند کی مراد یہ ہے کہ وہ طلاق کو معلق کرے اس امر کے ساتھ کہ عورت طلاق کے بعد فلاں سے عقد نکاح کا ارادہ نہ کرے تاکہ عقل مند کی کلام کو لغو ہونے سے بچایا جائے تو یہ کوئی بعید نہیں۔ اس میں قول عورت کا معتبر ہو گا جب کہ عورت کی قسم بھی ہو جس طرح دلی امور میں اس جیسی مثالوں میں ہوتا ہے جیسے اگر تو مجھ سے محبت کرتی ہے اگر عورت خاوند کو کہہ دے میں تیرے بعد کسی سے نکاح کا ارادہ نہیں رکھتی تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ ملخصاً

پھر''کازرونی'' نے اس مسئلہ کو دوبارہ''حدادی'' صاحب''الجوہرہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس مسئلہ کا جواب''سراج الدین ہاملی'' نے اپنے شیخ''علی بن نوح'' سے روایت کرتے ہوئے جواب دیا کہ عورت کو طلاق ہو جائے گی اور جس سے ارادہ کرے گی اس سے شادی کر لے گی۔''کازرونی'' نے کہا: یہی وہ قول ہے جس پر بھروسہ کرنا چاہیے یعنی اس پر بنا کرتے ہوئے کہ محال امر پر تعلیق ہے یا شرط الزامی پر تعلیق ہے۔

وَكَوْنُهُ مُتَّصِلًا إِلَّا لِعُذْرٍ وَأَنْ لَا يُقْصَدَ بِهِ الْمُجَازَاةُ، فَلَوْ قَالَتْ يَا سِفْلَةُ فَقَالَ إِنْ كُنْتُ كَمَا قُلْتِ فَأَنْتِ كَذَا تَنْجِيزٌ كَانَ كَذَلِكَ أَوْ لَا وَذِكْرُ الْمَشْرُوطِ، فَنَحْوُ أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ لَغْوٌ

اور شرط کا متصل ہونا ضروری ہے مگر عذر کی بنا پر متصل نہ ہو تو بھی ٹھیک ہے اور اس کے ساتھ عورت کو بدلہ دینے کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ اگر عورت نے کہا: اے سفلہ! اے بے غیرت! تو مرد نے کہا: اگر میں اسی طرح ہوں جس طرح تو نے کہا ہے تو تجھے طلاق ہے تو یہ کلام تنجیز ہو گی تعلیق نہ ہو گی مرد ایسا ہو یا نہ ہو۔ اور تعلیق کے صحیح ہونے کے لیے مشروط کا ذکر ہونا شرط ہے جیسے انت طالق ان کا یہ قول لغو ہو گا۔

13811۔ (قولہ: وَكَوْنُهُ مُتَّصِلًا) درمیان میں اجنبی امر کا فاصلہ نہ ہو۔ اس کے بارے میں کلام اس کے قول انت طالق ان شاء اللہ کے تحت آئے گی جب کہ ان شاء اللہ کو متصل کہا ہو۔

تعلیق سے مراد تنجیز ہے نہ کہ شرط

13812۔ (قولہ: وَأَنْ لَا يُقْصَدَ بِهِ الْمُجَازَاةُ) ''البحر'' میں کہا: اگر عورت نے اپنے خاوند کو گالی دی جیسے یا قرطبان، یا سفلة مرد نے کہا: اگر میں اسی طرح ہوں جس طرح تو نے کہا ہے تو تجھے طلاق ہے تو یہ تعلیق نہ ہو گی تنجیز ہو گی۔ خواہ خاوند اس طرح ہو جس طرح عورت نے کہا یا ایسا نہ ہو۔ کیونکہ خاوند اکثر طلاق کے ساتھ عورت کو اذیت دینا چاہتا ہے۔ اگر اس نے تعلیق کا ارادہ کیا تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اہل بخارا کا فتویٰ اس پر ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔

یعنی یہ کلام جزا دینے کے لیے ہے شرط کے لیے نہیں جس طرح میں نے ''الفتح'' میں دیکھا ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: مختار اور فتویٰ اس پر ہے اگر یہ حالت غضب میں کہے تو یہ بدلہ کے لیے ہو گی ورنہ بطور شرط ہو گی۔ اسی کی مثل ''التاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر تعلیق کا ارادہ کیا تو طلاق واقع نہ ہو گی جب تک وہ بے غیرت نہ ہو۔ علما نے سفلہ کے معنی میں گفتگو کی ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مسلمان سفلہ نہیں ہو سکتا بے شک سفلہ کافر ہی ہو سکتا ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے سفلہ وہ ہوتا ہے جو کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اس نے کیا کہا ہے اور اسے کیا کہا گیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کبوتروں سے کھیلتا ہو اور جوا بازی کرتا ہو۔ ''خلف'' نے کہا: جب اسے کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ وہاں سے کوئی چیز اٹھا لے۔ فتویٰ اس پر ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کیونکہ وہ مطلقاً سفلہ ہے۔ قرطبان اسے کہتے ہیں جس میں غیرت نہ ہو۔

13813۔ (قولہ: تَنْجِيزٌ) اولی یہ تھا تنجز یعنی ماضی کا صیغہ ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ یہ اس کے قول فلو قال کا جواب ہے۔

13814۔ (قولہ: وَذِكْرُ الْمَشْرُوطِ) مشروط سے مراد فعل شرط ہے۔ کیونکہ یہ جزا کے پائے جانے کیلئے مشروط ہوتا ہے۔

13815۔ (قولہ: لَغْوٌ) یعنی عورت کو طلاق نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے مرسل (غیر مشروط) کلام ذکر نہیں کی یہی حکم ہو گا

بِهِ يُفْتَى وَوُجُودُ رَابِطٍ حَيْثُ تَأَخَّرَ الْجَزَاءُ كَمَا يَأْتِي (شَرْطُهُ الْمِلْكُ) حَقِيقَةً كَقَوْلِهِ لِقِنِّهِ إِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ حُكْمًا، وَلَوْ حُكْمًا

اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اس تعلیق کے صحیح ہونے کے لیے رابطہ کا پایا جانا ضروری ہے جہاں جزا موخر ہو جس طرح آگے آئے گا اور تعلیق کے لازم ہونے کی شرط یہ ہے کہ حقیقۃً ملکیت پائی جائے۔ جس طرح آقا اپنے غلام سے کہے: اگر تو نے یہ کیا تو تو آزاد ہے یا حکماً ملکیت ہو اگر حکماً ملکیت ہو

اگر وہ کہے: انت طالق ثلاثا لولا او الا او ان کان او ان لم یکن ''بحر''۔

13816۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی، ''بحر''۔

13817۔ (قولہ: وَوُجُودُ رَابِطٍ) جس طرح فا اور اذا مفاجاتیہ ہے، ''ح''۔

13818۔ (قولہ: كَمَا يَأْتِي) یہ الفاظ الشرط کے قول کی بحث میں وہاں آئے گی، ''ح''۔

13819۔ (قولہ: شَرْطُهُ الْمِلْكُ) یعنی اس کے لزوم کی شرط یہ ہے۔ کیونکہ غیر ملک میں اور ملک کی طرف مضاف میں تعلیق صحیح ہوتی ہے اور خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ایک اجنبی نے ایک انسان کی بیوی سے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو یہ خاوند کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر خاوند نے اسے جائز قرار دے دیا تو تعلیق لازم ہو جائے گی۔ اجازت کے بعد عورت گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق ہو جائے گی اس سے قبل طلاق نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس طلاق کا حکم ہے جو اجنبی کی جانب سے حتمی طور پر دی گئی ہو اور وہ خاوند کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ جب خاوند نے اجازت دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اس حال میں کہ وہ اجازت کے وقت پر مقصور ہوگی۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اجازت کے ساتھ یہ بیع کے وقت کی طرف منسوب ہوگا۔

اس میں قانون یہ ہے جس امر کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہو وہ اجازت کے وقت پر مقصور ہوتا ہے اور جسے معلق کرنا صحیح نہ ہو وہ امر کے وقوع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

13820۔ (قولہ: حَقِيقَةً) اشارہ کیا ہے کہ مراد وہ ہے جو طلاق اور عتق کی تعلیق کو شامل ہو۔ اسی طرح نذر بھی جیسے اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو اللہ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں یہ کپڑا صدقہ کروں تو اس میں یہ شرط نہیں کہ حالت تعلیق میں اس کپڑا پر اس کی ملکیت ہو۔ ''رحمتی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

13821۔ (قولہ: أَوْ حُكْمًا) یا ملکیت حکماً ہو جس طرح ملک نکاح ہوتی ہے۔ کیونکہ ملک نکاح میں بضع سے انتفاع ہوتا ہے اس میں ملک رقبہ نہیں ہوتی۔

پھر یہ حکمی ملکیت، اگر نکاح قائم ہو تو یہ حقیقۃً حکمی ہوگی۔ اگر طلاق کے بعد ہو جب کہ وہ عورت عدت گزار رہی ہو تو یہ حکماً حکمی ہوگی۔ اسی امر کی طرف اپنے اس قول ولو حکما میں اشارہ کیا ہے، ''ط''۔

(كَقَوْلِهِ لِمَنْكُوحَتِهِ) أَوْ مُعْتَدَّتِهِ (إنْ ذَهَبْت فَأَنْتِ طَالِقٌ، أَوْ الْإِضَافَةُ إلَيْهِ) أَيْ الْمِلْكِ الْحَقِيقِيِّ عَامًّا أَوْ خَاصًّا كَإِنْ مَلَكْتُ عَبْدًا أَوْ إنْ مَلَكْتُك لِمُعَيَّنٍ فَكَذَا أَوْ الْحُكْمِيِّ كَذَلِكَ (كَإِنْ) نَكَحْت امْرَأَةً أَوْ إنْ (نَكَحْتُك فَأَنْتِ طَالِقٌ)

جس طرح خاوند اپنی منکوحہ یا معتدہ سے کہے: اگر تو گئی تو تجھے طلاق ہے یا ملک حقیقی کی طرف مضاف ہو خواہ ملک حقیقی عام ہو یا خاص ہو۔ جس طرح: اگر میں کسی غلام کا مالک بنا یا میں تیرا مالک بنا یعنی معین غلام کا مالک بنا تو تو آزاد ہے یا اضافت حکمی ملکیت کی طرف ہو تو بھی حکم اسی طرح ہے جس طرح: اگر میں کسی عورت سے نکاح کروں یا اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے۔

13822۔(قولہ: لِمَنْكُوحَتِهِ أَوْ مُعْتَدَّتِهِ) اس میں نشر مرتب ہے۔''البحر'' میں کہا: ہم کنایات کے آخر میں (مقولہ 12705 میں) یہ قول اس قول والصریح یلحق الصریح...... کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ عدت میں معتدہ کی طلاق کی تعلیق تمام صورتوں میں صحیح ہے مگر جب وہ طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو اور طلاق بائنہ کو معلق کیا ہو جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ یہ تعلیق کو تنجیز پر قیاس کرنے کی بنا پر ہے۔

13823۔(قولہ: أَوْ الْإِضَافَةُ إلَيْهِ) یعنی وہ ملک کے ساتھ معلق ہو جس طرح مثال دی اور اس کے اس قول کی طرح اگر تو میری بیوی بنی یا ملکیت کے سبب کے ساتھ معلق ہو جس طرح نکاح ہے اور شرا ہے جیسے ان اشتریت عبدا۔ اگر کوئی آدمی اپنے مورث کے غلام سے کہے: اگر تیرا آقا مر گیا تو تو آزاد ہے۔ یہ تعلیق صحیح نہیں۔ کیونکہ موت ملکیت کے لیے وضع نہیں کی گئی بلکہ اس کے باطل کرنے کے لیے وضع کی گئی۔

پھر جان لو کہ یہاں اضافت سے مراد اس کا لغوی معنی ہے جو تعلیق اور اضافت اصطلاحیہ کو شامل ہے جس طرح: انت طالق یوم اتزوجك جس طرح ''الفتح'' میں اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''البحر'' میں دونوں کے فرق کے بیان میں طویل گفتگو کی ہے اس کی طرف رجوع کرو۔

13824۔(قولہ: فَكَذَا) یعنی وہ آزاد ہے یا تو آزاد ہے۔

13825۔(قولہ: أَوْ الْحُكْمِيِّ) اس کا عطف الحقیقی پر ہے، ''ح''۔

13826۔(قولہ: كَذَلِكَ) یعنی وہ عام ہو یا خاص ہو اس قول کے ساتھ امام مالک کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ آپ نے اسے خاص کیا ہے خاص کے ساتھ۔ وہ امرأۃ ہو، مصر ہو، قبیلہ ہو، بکارت ہو یا ثیوبت ہو جیسے وہ کہے: کل بکر او ثیب ہر باکرہ یا ہر ثیبہ۔

13827۔(قولہ: كَإِنْ نَكَحْتُ امْرَأَةً) یعنی اگر میں کسی عورت سے شادی کروں تو اسے طلاق ہے اور کلام کے اس حصہ کو حذف کر دیا ہے کیونکہ مابعد اس پر دلالت کرتا ہے۔

13828۔(قولہ: أَوْ إنْ نَكَحْتُك) کوئی فرق نہیں اس میں کہ وہ اجنبی ہو یا معتدہ ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

وَكَذَا كُلُّ امْرَأَةٍ وَيَكْفِي مَعْنَى الشَّرْطِ إِلَّا فِي الْمُعَيَّنَةِ بِاسْمٍ أَوْ نَسَبٍ أَوْ إِشَارَةٍ فَلَوْ قَالَ الْمَرْأَةُ الَّتِي أَتَزَوَّجُهَا طَالِقٌ تَطْلُقُ بِتَزَوُّجِهَا، وَلَوْ قَالَ هَذِهِ الْمَرْأَةُ إِلَخْ لَا لِتَعْرِيفِهَا بِالْإِشَارَةِ

یہی حکم ہوگا کل امرأۃ کا یعنی جس بھی عورت سے عقد نکاح کروں۔ اور شرط کا معنی کافی ہے مگر معینہ عورت میں خواہ وہ نام، نسب یا اشارہ سے معین ہو۔ اگر مرد نے کہا: وہ عورت جس سے میں شادی کروں اسے طلاق ہے تو عورت کو شادی کرنے کے ساتھ ہی طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر کہا: ہذہ المرأۃ تو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ اسم اشارہ کے ساتھ وہ معروف ہوگئی

13829۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ امْرَأَةٍ) یعنی جب کہا: کل امرأۃ اتزوجھا طالق۔ ہر وہ عورت جس سے میں عقد نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ اس میں حیلہ وہی ہوسکتا ہے جو "البحر" میں ہے کہ ایک فضولی اس کا عقد نکاح کرے اور خاوند فعل کے ساتھ اس کو جائز قرار دے جس طرح مہر اس کو بھیج دے یا اس عورت سے شادی کرلے جب کہ پہلے اسے طلاق واقع ہو چکی ہو۔ کیونکہ کل کا کلمہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ ہم نے مشیئت والی فصل سے پہلے (مقولہ 13727 میں) وہ کچھ بیان کر دیا ہے۔ جو اس بحث سے تعلق رکھتا ہے۔

فرع

کہا: ہر عورت جس سے میں شادی کروں تو اسے طلاق ہے اگر میں فلاں سے کلام کروں۔ اس نے فلاں سے کلام کی پھر عورت سے شادی کی تو اس عورت کو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر اس نے فلاں سے کلام کی پھر شادی کی پھر اس نے کلام کی تو پہلی کلام کے بعد شادی کرنے والی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ "خانیہ"، "الذخیرہ" دسویں فصل کو دیکھو۔

13830۔ (قولہ: بِاسْمٍ أَوْ نَسَبٍ) جو "البحر" وغیرہ میں ہے: ونسب واؤ کے ساتھ ہے۔ کہا: اگر مرد نے کہا: فلانہ بنت فلاں جس سے میں شادی کروں تو اسے طلاق ہے۔ مرد نے اس عورت سے شادی کی تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ یعنی جب شادی کرنے والا وصف لغو ہو گیا تو اس کا یہ قول باقی رہ گیا: فلانہ بنت فلاں طالق جب کہ وہ اجنبیہ ہے۔ پس اضافت ملک کی طرف نہ پائی گئی۔ جب مرد اس عورت سے شادی کرے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

13831۔ (قولہ: أَوْ إِشَارَةٍ) اشارہ کے ساتھ تعریف صرف حاضر عورت میں ہے اور اسم اور نسب کے ساتھ تعریف غائب میں ہے یہاں تک کہ اگر عورت قسم کے وقت حاضر ہو تو نام اور نسب ذکر کرنے کے ساتھ تعریف حاصل نہ ہوگی اور صفت لغو نہ ہوگی۔ اور طلاق، تزوج کے ساتھ متعلق ہوگی۔ "الجامع" میں جو ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے: ایک آدمی ہے جس کا نام محمد بن عبداللہ ہے اس کا ایک غلام ہے اس نے کہا: اگر کسی نے محمد بن عبداللہ کے اس غلام سے کلام کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہے قسم اٹھانے والے نے غلام کی طرف اشارہ کیا اپنی ذات کی طرف اشارہ نہ کیا پھر غلام سے خود کلام کی تو عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ قسم اٹھانے والا حاضر ہے تو اس کی تعریف اشارہ یا اضافت کے ساتھ ہوتی تھی جب کہ یہ دونوں صورتیں نہیں پائی گئیں پس وہ نکرہ باقی رہا پس وہ اسم نکرہ کے تحت داخل ہو گیا۔ "البحر" میں اسے "جامع شیخ الاسلام" سے بیان کیا ہے۔

فَلَغَا الْوَصْفُ (فَلَغَا قَوْلُهُ لِأَجْنَبِيَّةٍ إِنْ زُرْتِ زَيْدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ فَنَكَحَهَا فَزَارَتْ) وَكَذَا كُلُّ امْرَأَةٍ أَجْتَمِعُ مَعَهَا فِي فِرَاشٍ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَمْ تَطْلُقْ، وَكُلُّ جَارِيَةٍ أَطَؤُهَا حُرَّةٌ فَاشْتَرَى جَارِيَةً فَوَطِئَهَا لَمْ تَعْتِقْ لِعَدَمِ الْمِلْكِ وَالْإِضَافَةِ إِلَيْهِ وَأَفَادَ فِي الْبَحْرِ أَنَّ زِيَارَةَ الْمَرْأَةِ فِي عُرْفِنَا

تو اس کا وصف لغو ہو گیا۔ اس کا اجنبیہ کے لیے یہ قول لغو ہو جائے گا۔ اگر تو نے زید سے ملاقات کی تو تجھے طلاق ہے مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کیا تو عورت نے زید سے ملاقات کی۔ اسی طرح ہر وہ عورت جس کے ساتھ میں فراش میں جمع ہوں تو اسے طلاق ہے۔ اس مرد نے عورت سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اس کی مثل اس کا قول: ہر لونڈی جس سے میں وطی کروں وہ آزاد ہے اس نے لونڈی خریدی اور اس سے وطی کی تو وہ آزاد نہ ہوگی۔ کیونکہ قول کے وقت نہ وہ اس کی ملک میں تھی اور نہ ہی ملک کی طرف اس کی آزادی کو معلق کیا۔ ''البحر'' میں بیان کیا ہے کہ ہمارے عرف میں عورت کی زیارت نہیں ہوتی

13832۔ (قولہ: فَلَغَا الْوَصْفُ) یعنی اس کا قول اتزوجها لغو ہو جائے گا تو کلام یوں ہو جائے گی گویا اس نے کہا: هذه طالق۔ جس طرح مرد اپنی بیوی سے کہے: هذه المرأة تدخل الدار طالق اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی وہ گھر میں داخل ہو یا گھر میں داخل نہ ہو۔ اجنبی عورت کو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ ملکیت نہیں پائی جا رہی تھی اور طلاق کو ملکیت کی طرف مضاف نہیں کیا کیونکہ وصف لغو چلا گیا۔ اپنی بیوی کا معاملہ مختلف ہے۔

13833۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْمِلْكِ وَالْإِضَافَةِ إِلَيْهِ) جہاں تک متن کے مسئلہ کا تعلق ہے اس میں یہ ظاہر ہے۔ اسی طرح مابعد میں ہے۔ کیونکہ فراش میں جو اجتماع ہے اس میں لازم نہیں کہ یہ نکاح کی وجہ سے ہو جس طرح لونڈی سے وطی میں یہ لازم نہیں کہ وہ ملک کی وجہ سے ہو۔ اسی کی مثل ہے اگر وہ اپنے والدین سے کہے: اگر تم دونوں کسی عورت سے میری شادی کرو گے تو اسے تین طلاقیں ہیں والدین نے اس کی شادی اس کے کہنے کے بغیر کسی عورت سے کر دی تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ طلاق ملک کی طرف مضاف نہ تھی۔ کیونکہ والدین کی اس کے امر کے بغیر اس کی شادی صحیح نہیں۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ پھر کہا: اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا عقد نکاح اس کے امر سے ہو یا امر کے بغیر ہو۔ جس طرح ''المعراج'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الخانیہ'' میں امر کی صورت میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یمین صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ جب کہ یہ اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ گفتگو اس میں ہو رہی ہے کہ تعلیق کی شرط پائی جائے۔ وہ ملک ہے یا ملک کی طرف اضافت ہے۔ والدین کا شادی کرنا ہر اعتبار سے ملکیت کا سبب نہیں کیونکہ یہ تزویج کبھی اس کے امر سے ہوتی ہے اور کبھی اس کے امر کے بغیر ہوتی ہے۔ مگر ''الخانیہ'' کی مراد ہے: جب وہ کہے: اگر تم دونوں نے میرے امر سے شادی کی اس وقت یمین صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ مذکورہ تفصیل کی تعلیق کے صحیح ہونے سے پہلے کوئی وجہ نہیں۔ پس زیادہ مناسب وہ ہے جو ''المعراج'' میں ہے۔

13834۔ (قولہ: وَأَفَادَ فِي الْبَحْرِ) میں کہتا ہوں: دمشق میں یہ عرف اس وقت عام نہیں بلکہ یہ عرف تھا اور ختم ہو چکا

لَا تَكُونُ إِلَّا بِطَعَامٍ مَعَهَا يُطْبَخُ عِنْدَ الْمَزُورِ فَلْيُحْفَظْ (كَمَا لَغَا إِيقَاعُهُ) الطَّلَاقَ (مُقَارِنًا لِثُبُوتِ مِلْكٍ) كَأَنْتِ طَالِقٌ مَعَ نِكَاحِكِ، وَيَصِحُّ مَعَ تَزَوُّجِي إِيَّاكِ لِتَمَامِ الْكَلَامِ بِفَاعِلِهِ وَمَفْعُولِهِ (أَوْ زَوَالِهِ)

مگر کھانے کے ساتھ جو اس کے ہاں پکایا جائے جس کی زیارت کی جارہی ہو۔ اسے یادرکھنا چاہیے۔ جس طرح اس کا طلاق واقع کرنا لغو ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ ملک کے ثبوت کے ساتھ مقارن ہے جس طرح وہ کہے: تیرے نکاح کے ساتھ تجھے طلاق اور طلاق کا واقع کرنا یوں صحیح ہے کہ میرا تیرے ساتھ نکاح کرنے کے ساتھ تجھے طلاق ہے۔ کیونکہ اس دوسری صورت میں کلام اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے یا ملک کے زوال کے ساتھ طلاق واقع کرنا لغو ہے

تھا۔ ہاں بعض لوگوں میں یہ باقی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: میں کہتا ہوں مصر میں اب بھی یہ عرف جاری ہے کہ عورت کو زائرہ شمار کیا جاتا ہے اگر چہ اس کے پاس ایسی چیز ہو جسے پکایا نہ جاتا ہو۔

طلاق کے واقع کرنے کو نکاح کی طرف مضاف کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی

13835۔ (قولہ: كَمَا لَغَا) اس کی اصل ''البحر'' میں ''المعراج'' سے مروی ہے: اگر طلاق کے ایقاع کو نکاح کی طرف مضاف کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جس طرح وہ کہے: انتِ طالق مع نکاحك یا کہے انت طالق فی نکاحك۔ اسے ''الجامع'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ قول انت طالق مع تزوجی ایاك اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے جب کہ یہ قول اشکال پیدا کر رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرق یہ ہے کہ جب تزوج کو اس کے فاعل کی طرف منسوب کیا اور اس کا مفعول بھی ذکر ہو گیا تو تزویج کو ملک سے مجاز بنالیا جائے گا۔ کیونکہ تزوج ملک کا سبب ہے اور مع کے لفظ کو بعد پر محمول کیا جائے گا تا کہ اس کی کلام کو صحیح قرار دیا جا سکے اور انت طالق مع نکاحك میں فاعل مذکور نہیں پس کلام ناقص ہے۔ پس بعد النکاح کو مقدر نہ کیا جائے گا۔ پس طلاق واقع نہ ہوگی اور نکاح صحیح ہو جائے گا۔

شارح نے اس فرق کی طرف اپنے اس قول لتمام الکلام کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے: اگر خاوند نے کہا: مع نکاحی ایاك یا کہا: مع تزوجك تو حکم الٹ جائے گا۔ لیکن ''حلبی'' نے کہا: دل میں اس تعلیل کے بارے میں کچھ خلش ہے کیونکہ خاوند کا قول: مع نکاحك اس تقدیر پر ہے: مع نکاحی ایاك اور مقدر ملفوظ کی طرح ہے۔ اس کمزوری کی طرف تمریض کے صیغہ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر یہ فرق ہے کہ فاعل کی تصریح نہ کی جائے تو یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ خود اس عورت سے شادی کرے یا کوئی اور اس کی اس عورت سے شادی کرے۔ لیکن اس کا مقتضا یہ ہے کہ نکاح اور تزوج کے لفظ استعمال کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا کہ اگر اس نے فاعل کی تصریح کی تو دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوگی ورنہ دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ فتامل

ان سب سے قریب ترین وہ فرق ہے جو بعض مدرسین نے مستنبط کیا ہے کہ تزوج تزویج کے بعد واقع ہوتا ہے۔ جب مرد نے طلاق کو تزوج کے ساتھ ملایا تو تزویج کے ساتھ ملکیت پہلے پائی گئی۔ پس یہ تعلیق صحیح ہوگی اور اسے طلاق ہو جائے گی۔ مع

كَمَعَ مَوْتِي أَوْ مَوْتِكَ (فَائِدَةٌ) فِي الْمُجْتَبَى عَنْ مُحَمَّدٍ فِي الْمُضَافَةِ لَا يَقَعُ وَبِهِ أَفْتَى أَئِمَّةُ خُوَارِزْمَ انْتَهَى، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَلِلْحَنَفِيِّ تَقْلِيدُهُ بِفَسْخِ قَاضٍ

جس طرح کہے: تجھے طلاق ہے میری موت یا تیری موت کے ساتھ۔ فائدہ، امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''المجتبیٰ'' میں ایک روایت ہے کہ طلاق جس کو مضاف کیا جائے واقع نہیں ہوگی خوارزم کے ائمہ نے یہی فتویٰ دیا ہے انتہی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ حنفی آدمی کو اجازت ہے کہ وہ شافعی قاضی کے مضاف یمین کے فسخ کرنے کی صورت میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے۔

نکاحث کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ملک کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔

13836۔(قولہ: كَمَعَ مَوْتِي أَوْ مَوْتِكَ) کیونکہ پہلی صورت میں یہ اس حالت کی طرف مضاف ہے جو ایقاع طلاق کے منافی ہے اور دوسری صورت میں وقوع طلاق کے منافی ہے جس طرح باب الصریح میں (مقولہ 13202 میں) گزر چکا ہے۔

13837۔(قولہ: فِي الْمُجْتَبَى عَنْ مُحَمَّدٍ فِي الْمُضَافَةِ) یعنی ایسی یمین جو ملک کی طرف مضاف ہو اور ''مجتبیٰ'' کی عبارت جس طرح ''البحر'' میں ہے: میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت پانے میں کامیاب ہوا وہ یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ بہت سے ائمہ یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو ''ظہیریہ'' میں ہے ''یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے'' مگر یہ وہ قول ہے جو ہماری بحث سے متعلق نہیں جس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔ فافہم

وہ قسم جو ملکیت کی طرف مضاف ہو اس کے فسخ کا حکم

13838۔(قولہ: وَلِلْحَنَفِيِّ تَقْلِيدُهُ) یعنی حنفی کے لیے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنا جائز ہے۔ ''البحر'' میں کہا: حنفی کے لیے جائز ہے کہ وہ معاملہ کو شافعی قاضی کے سامنے پیش کرے جو مضاف یمین کو فسخ کردے۔ اگر آدمی کہے: ان تزوجتُ فلانۃ فھی طالق ثلاثا مرد نے اس عورت سے شادی کی عورت نے شافعی قاضی کے پاس مسئلہ پیش کیا اور طلاق کا دعویٰ کیا قاضی نے فیصلہ کردیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور کوئی طلاق نہیں تو مرد کے لیے یہ حلال ہے۔ اگر خاوند نے نکاح کے بعد فسخ سے پہلے اس بیوی سے وطی کی پھر قاضی نے یمین کو فسخ کردیا جب قاضی نے یمین کو فسخ کردیا تو خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر مرد نے کہا: کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق مرد نے عورت سے عقد نکاح کیا اور قاضی نے یمین کو فسخ کردیا پھر مرد نے دوسری عورت سے عقد نکاح کیا تو ہر عورت سے عقد نکاح کرنے کے لیے یمین کو فسخ کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ''الخلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''ظہیریہ'' میں ہے: یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور آپ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ہر عورت سے عقد نکاح کرتے وقت فسخ یمین کی ضرورت ہوگی۔ اور ''ظہیریہ'' میں بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ یہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب شافعی قاضی نے ایک عورت میں یمین کو فسخ کیا پھر قسم اٹھانے والے نے دوسری عورت سے عقد نکاح کیا تو شیخین کے نزدیک پہلا فسخ کافی نہیں بلکہ جب دوسری عورت کے بارے میں قاضی نے یمین کو فسخ نہ کیا تو دوسری عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی عورت کے عقد

....

نکاح کے وقت ایک دفعہ قسم کا فسخ کافی ہوگا اسے دوبارہ فسخ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔

اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ اس پر مبنی ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یمین صحیح ہے اور اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ''المجتبیٰ'' سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ وہ قول یہ ہے: طلاق کا واقع نہ ہونا آپ سے ایک روایت ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ ''ظہیریہ'' میں عدم وقوع کو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول بنایا ہے ان سے روایت نہیں بنایا اور اس پر فتویٰ ہے تو اس کو وہم ہوا ہے۔ فافہم

پھر ''البحر'' میں کہا: جب ایک آدمی نے ایک عورت پر کئی قسمیں اٹھائیں جب اس کے بعد نکاح کے صحیح ہونے کا فیصلہ ہوا تو تمام کی تمام قسمیں اٹھ جائیں گی۔ جب ہر عورت پر علیحدہ قسم اٹھائی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ایک عورت پر قاضی نے یمین کو فسخ کیا تو دوسری عورت پر یمین فسخ نہ ہوگی۔ جب اس نے یمین کلما کے کلمہ کے ساتھ اٹھائی تو یہ یمین میں فسخ کے تکرار کی ضرورت ہوگی۔ مصنف کی ''شرح المجمع'' میں چار مسائل ہیں۔ اگر اس کے بعد حنفی قاضی نے اسے نافذ کیا تو اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

شافعی قاضی کی جانب سے یمین کے فسخ کا محل یہ ہے جب یہ خاوند کی جانب سے تین طلاقیں واقع کرنے سے پہلے ہو۔ کیونکہ اگر قاضی نے یمین کو فسخ کر دیا تو نکاح کے بعد تنجیز کے ساتھ تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ تو یہ کچھ فائدہ نہ دے گی جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: اسکی شرط یہ ہے کہ قاضی اس پر مال نہ لے۔ اگر وہ مال لے تو سب کے نزدیک اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا مگر جب تحریر لکھنے پر اجرت مثل لے۔ اگر زائد لے تو اسکا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اولیٰ یہ ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی چیز نہ لے۔

تنبیہ

''البحر'' میں ''الولوالجیہ'' سے کتاب القاضی الی القاضی میں ذکر کیا ہے: اگر مرد نے عورت سے کہا: انت طالق البتۃ دونوں نے اپنے قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کیا جو اسے رجعی خیال کرتا ہے جب کہ خاوند اسے بائنہ خیال کرتا ہے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ قاضی کی رائے کی اتباع کرے گا۔ اس مرد کے لیے اس عورت کے پاس رہنا حلال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے حلال نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب قاضی اس کے حق میں فیصلہ کرے۔ اگر قاضی نے مرد کے خلاف بینونت کا فیصلہ کر دیا جب کہ خاوند اس کی رائے نہیں رکھتا تو بالاجماع وہ قاضی کی رائے کا اتباع کرے گا۔ یہ سب اس صورت میں ہوگا جب خاوند عالم ہو اور وہ رائے قائم کرنے اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر وہ عامی ہے تو وہ قاضی کی رائے کا اتباع کرے گا خواہ اس کے حق میں فیصلہ کرے یا اس کے خلاف فیصلہ کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے حق میں فیصلہ کرے مگر جب اسے فتویٰ دے تو وہ سابقہ اختلاف پر ہوگا کیونکہ مفتی کا قول جاہل کے حق میں اس کی رائے اور اجتہاد کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی جاہل پر مفتی کے قول کی اتباع لازم ہے جس طرح عالم پر قاضی کی رائے اور اجتہاد کی اتباع لازم ہے۔

بَلْ مُحَكِّمٍ بَلْ إِفْتَاءِ عَدْلٍ
بلکہ شافعی ثالث بلکہ عادل کے فتویٰ کی تقلید بھی جائز ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضا کے ساتھ تقلید کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ قضا لازم ہے خواہ خاوند کی رائے کے موافق ہو یا اس کے خلاف ہوا گر خاوند جاہل ہوتو افتاء کے ساتھ بھی یہی صورتحال ہوگی۔

اگر ثالث شافعی ہوتو اس کے فتویٰ کی تقلید جائز ہے

13839۔(قولہ: بَلْ مُحَكِّمٍ)''الخانیہ'' میں ہے: صحیح روایت کے مطابق ثالث کا حکم قضا کی طرح ہے۔''بزازیہ'' میں ہے:''صدر'' سے مروی ہے: میں کہتا ہوں: کسی ایک کے لیے بھی حلال نہیں کہ وہ ایسا کرے۔''حلوانی'' نے کہا: یہ معلوم تو ہے اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا تا کہ جاہل لوگ مذہب کو ناپید کرنے کے لیے راستے تلاش نہ کرنے لگیں۔

13840۔(قولہ: بَلْ إِفْتَاءِ عَدْلٍ) اس کا عطف با کے مجرور پر ہے وہ فسخ ہے۔''البحر'' میں''البزازیہ'' سے مروی ہے: ہمارے اصحاب سے اس سے بھی وسیع معنی والا قول منقول ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس نے کسی عادل فقیہ سے فتویٰ طلب کیا تو اس نے اسے یمین کے باطل ہونے کا فتویٰ دے دیا تو اس کے فتویٰ پر عمل اور عورت کو اپنے پاس رکھنا حلال ہو جائے گا۔ اور اس سے بھی وسیع معنی والا قول مروی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مفتی نے حلت کا فتویٰ دیا پھر جب یہ اس کے فتویٰ پر عمل کر چکا تھا تو دوسرے مفتی نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا تو وہ دوسری بیوی کے بارے میں دوسرے فتویٰ پر عمل کرے۔ پہلی کے حق میں اس پر عمل نہ کرے۔ اور دو حادثوں میں دو فتووں پر عمل کرے گا۔ لیکن اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: مراد ہے کہ مفتی صاحب حادثہ (جس کا مسئلہ ہے) کو ایسا فتویٰ نہیں دے گا جس کے ذریعے وہ یمین کے فسخ تک پہنچ جائے۔ مفتی اسے یہ نہیں کہے گا معاملہ کسی شافعی کے سامنے پیش کرو یا اس بارے میں اسے ثالث بنالو یا اس سے فتویٰ طلب کرو بلکہ وہ کہے گا تجھ پر طلاق واقع ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس پر لازم ہے کہ اسے وہی جواب دے جس کا وہ اعتقاد رکھتا ہو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ اسے ایسی رہنمائی کرے جو اس کے مذہب کو ملیا میٹ کر دے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ اسے یمین کے فسخ ہونے کا فتویٰ نہ دے جب صاحب الحادثہ نے اس میں سے کوئی عمل کیا ہو (یعنی شافعی سے فتویٰ لیا ہو)۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ جاہل پر قاضی اور مفتی کی رائے کی اتباع لازم ہے۔ کیونکہ محل اجتہاد میں قاضی کی قضا اختلاف کو ختم کر دیتی ہے جب اس نے ایسا عمل کیا تو حنفی مفتی پر لازم ہے کہ یمین کے فسخ ہونے کے صحیح ہونے کا فتویٰ دے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے گا: جب یہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو اس کے مطابق فتویٰ کیوں نہیں دے گا؟ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ یہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ اور وقوع میں امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول شیخین کے قول کی طرح ہے اور''ظہیریہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے منافی نہیں جس طرح ہم نے ابھی (مقولہ 13838 میں) اسے ثابت کیا ہے۔ مفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ضعیف روایت کے مطابق فتویٰ دے اور خوارزم کے کثیر ائمہ کا اس کے مطابق فتویٰ دینے پر اس کے ضعف کی نفی نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے''صدر''

وَبِفَتْوَتَيْنِ فِي حَادِثَتَيْنِ، وَهٰذَا يُعْلَمُ وَلَا يُفْتَى بِهِ بَزَّازِيَّةٌ (وَيُبْطِلُ تَنْجِيزُ الثَّلَاثِ) لِلْحُرَّةِ وَالثِّنْتَيْنِ لِلْأَمَةِ (تَعْلِيقَهُ) لِلثَّلَاثِ وَمَا دُونَهَا

اور دو مقدمات میں دو فتووں پر عمل کرنا جائز ہے اس کا علم ہونا چاہیے اور اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے ''بزازیہ''۔ آزاد عورت کو فی الحال تین طلاقیں دینا اور لونڈی کو فی الحال دو طلاقیں دینا تین یا اس سے کم معلق طلاقوں کو باطل کر دیتا ہے

سے یہ گزر چکا ہے کہ کسی ایک کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایسا کرے۔ اسی طرح پہلے ''حلوانی'' سے گزر چکا ہے کہ اسے جانا جائے گا اور اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اگر یہ روایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہوتی یا روایت صحیح ہوتی تو علما حکم کی بنا اس پر کرتے تو انہیں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بنا کی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ امر اسی پر دلالت کرتی ہے کہ یہ شاذ روایت ہے جس طرح ''المجتبیٰ'' کی گزشتہ کلام (مقولہ 13837 میں) اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ فافہم

یہ ذہن نشین کرلو۔ ''البحر'' میں ''البزازیہ'' سے مروی ہے: فعلاً شادی کرنا ہمارے زمانہ میں فسخ یمین سے زیادہ بہتر ہے۔ چاہیے کہ وہ ایک عالم کی طرف آئے اور اسے بتائے جو اس نے قسم اٹھائی ہے اور فضولی کے نکاح کی ضرورت کا ذکر کرے عالم اس مرد کا عقد نکاح کسی عورت سے کردے اور وہ آدمی بالفعل اس کی اجازت دے دے پس وہ قسم میں حانث نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب وہ ایک جماعت کو کہے: مجھے فضولی کے نکاح کی حاجت ہے تو ان لوگوں میں سے ایک نے اس کی شادی کردی مگر جب ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا: اعقدلی عقد فضولی یکون توکیلا میرے لیے فضولی کا عقد کرو تو یہ وکیل بنانا ہوگا۔

13841۔ (قولہ: وَبِفَتْوَتَيْنِ) صحیح بفتوتین دو یاءوں کے ساتھ ہے ان میں سے ایک الف مقصورہ سے بنی ہے اور دوسری یاء تثنیہ کی ہے جس طرح حبلی اور قصوی کی تثنیہ میں ہوتا ہے ''الالفیہ'' میں کہا: آخر مقصور تثنی اجعلہ یا اسم مقصور کے آخر کو یا بنادے اگر تو اس کا تثنیہ بنائے۔

بعض فقہا کا قول کہ مقلد کے لیے اپنے مذہب سے رجوع صحیح نہیں کا معنی

13842۔ (قولہ: فِي حَادِثَتَيْنِ) اس کی قید لگائی کیونکہ فتویٰ طلب کرنے والا جب ایک حادثہ میں مفتی کے قول پر عمل کرے دوسرے مفتی نے پہلے کے قول کے خلاف اسے فتویٰ دیا تو اس حادثہ میں اسے سابقہ عمل کا نقض جائز نہیں۔ ہاں دوسرے حادثہ میں دوسرے فتویٰ پر عمل جائز ہے۔ جس طرح مثلاً ایک آدمی اجنبی عورت کو چھونے کے بعد ظہر کی نماز پڑھتے جب کہ وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہو تو اس نے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی اسے ظہر کی نماز کو باطل کرنے کا حق نہیں۔ ہاں وہ دوسری ظہر میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرسکتا ہے جس نے کہا لیس للمقلد الرجوع عن مذھبہ کی مراد بھی یہی ہے کتاب کے شروع میں رسم المفتی میں اس پر مکمل بحث (مقولہ 502 میں) گزر چکی ہے۔

13843۔ (قولہ: وَلَا يُفْتَى بِهِ) تو اس کی وجہ ابھی جان چکا ہے۔

13844۔ (قولہ: تَعْلِيقَهُ لِلثَّلَاثِ) یہ صرف آزاد عورت کے ساتھ خاص ہے اور شارح کا قول وما دونہا آزاد

إِلَّا الْمُضَافَةَ إِلَى الْمِلْكِ كَمَا مَرَّ (لَا تَنْجِيزُ مَا دُونَهَا) اعْلَمْ أَنَّ التَّعْلِيقَ يَبْطُلُ بِزَوَالِ الْحِلِّ لَا بِزَوَالِ الْمِلْكِ فَلَوْ عَلَّقَ الثَّلَاثَ أَوْ مَا دُونَهَا بِدُخُولِ الدَّارِ ثُمَّ نَجَّزَ الثَّلَاثَ ثُمَّ نَكَحَهَا بَعْدَ التَّحْلِيلِ بَطَلَ التَّعْلِيقُ فَلَا يَقَعُ بِدُخُولِهَا شَيْءٌ، وَلَوْ كَانَ نَجَّزَ مَا دُونَهَا

مگر اسی معلق طلاق جس کو ملک کی طرف مضاف کیا ہو جس طرح گزر چکا ہے اس سے کم فی الحال طلاقیں دینا تعلیق کو باطل نہیں کرتیں۔ جان لو تعلیق حلت کے زائل ہونے کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے ملک کے زائل ہونے کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ اگر خاوند نے گھر میں داخل ہونے پر تین یا اس سے کم طلاقوں کو معلق کیا پھر فی الحال تین طلاقیں دے دیں پھر تحلیل کے بعد اس عورت سے عقد نکاح کیا تعلیق باطل ہو جائے گی تو گھر میں داخل ہونے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر فی الحال تین سے کم طلاقیں دیں

اور لونڈی دونوں کو عام ہے۔ لونڈی کے بارے میں اس کی تقدیر ہے: ویبطل تنجیز الثنتین فی الامة تعلیق مادون الثلاث۔ پس مادون الثلاث کا لفظ دو اور ایک پر صادق آتا ہے۔ شارح کی عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ تعلیقه کی ضمیر زوج معلق کے لیے ہے۔ اسے طلاق کی طرف لوٹانے سے یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ مصدر کو اس کے فاعل کی طرف مضاف کیا جائے۔ جس طرح ''النہر'' میں ذکر کیا ہے، ''ط''۔

13845۔ (قولہ: إِلَّا الْمُضَافَةَ إِلَى الْمِلْكِ) جیسے کلما تزوجت امرأة فهی طالق ثلاثا پس اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے اس عورت سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے جو فی الحال طلاقیں دی تھیں وہ ان طلاقوں کا غیر تھیں جو اس نے معلق کی تھیں کیونکہ معلق طلاقیں نئی ملکیت کی طلاقیں ہیں۔ اس سے قبل کی ملکیت فی الفور طلاقیں اسے باطل نہیں کریں گی۔

13846۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) اس کی کلام میں صراحۃً نہیں گزرا۔ یہ ممکن ہے کہ اس کی مراد وہ ہو جو فصل المشیئة میں پہلے اس قول: انت طالق کلما شئت فطلقت بعد زوج آخر لا یقع ان کانت طلقت نفسها ثلاثا متفرقة کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

13847۔ (قولہ: يَبْطُلُ بِزَوَالِ الْحِلِّ) حلت کا زوال تین طلاقوں کے وقوع کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اور اس کا قول لا بزوال الملك یہ تین طلاقوں سے کم کے وقوع کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ ملکیت اگرچہ عورت کے ختم ہونے کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے لیکن حلت ثابت رہتی ہے کیونکہ اس مرد کو حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے خاوند کے بغیر اس کی طرف رجوع کرے۔ تین طلاقوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ تین طلاقوں کا وقوع حلت کو کلی طور پر زائل کر دیتا ہے کہ محلل کے بغیر وہ مرد اس عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ جب معلق اس ملک کی طلاقیں ہیں تو اس کے زوال کے ساتھ تعلیق باطل ہو گئی اس سے کم طلاقوں کے ساتھ ملکیت کے زوال سے تعلیق باطل نہ ہوگی۔

13848۔ (قولہ: بَطَلَ التَّعْلِيقُ) یعنی تین فوری طلاقیں دینے کے ساتھ حلت کے زائل ہونے کی وجہ سے تعلیق

لَمْ يَبْطُلْ فَيَقَعُ الْمُعَلَّقُ كُلُّهُ، وَأَوْقَعَ مُحَمَّدٌ فِيهِ الْأَوَّلَ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْهَدْمِ الْآتِيَةُ وَثَمَرَتُهُ فِيمَنْ عَلَّقَ وَاحِدَةً ثُمَّ نَجَّزَ ثِنْتَيْنِ ثُمَّ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ فَدَخَلَتْ لَهُ رَجْعَتُهَا خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ

تو تعلیق باطل نہ ہوگی۔ پس تمام معلق طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نکاح کی باقی ماندہ طلاقیں واقع کی ہیں۔ یہی ہدم کا آنے والا مسئلہ ہے۔ اس کا ثمرہ اس آدمی میں ظاہر ہوگا جس نے ایک طلاق کو معلق کیا پھر فی الفور دو طلاقیں دے دیں پھر ایک اور خاوند کے بعد عورت سے نکاح کیا تو وہ گھر میں داخل ہوئی تو خاوند کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے رجوع کرے جب کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

باطل ہوگئی۔

13849۔ (قولہ: لَمْ يَبْطُلْ) کیونکہ تین سے کم فوری طلاقیں دینے کے ساتھ حلت زائل نہیں ہوئی اگرچہ ملکیت زائل ہوگئی۔

13850۔ (قولہ: فَيَقَعُ الْمُعَلَّقُ كُلُّهُ) کیونکہ تعلیق کا بطلان حلت کے زوال کے ساتھ ہوتا ہے اور حلت زائل نہیں ہوئی تو تعلیق باقی رہے گی۔ جب معلق علیہ یعنی گھر میں داخل ہونا پایا گیا تو معلق واقع ہوگا جو تین طلاقیں ہیں۔ ان کا قول: ان المعلق طلقات هذا الملك وقد زال بعضها اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب تین باقی ہوں۔ جب ان کا بعض زائل ہوگیا تو معلق تین مطلق ہوگئیں جس طرح ''الفتح'' میں بیان کیا ہے اور ہم نے اس باب سے پہلے اسے (مقولہ 13777 میں) بیان کیا ہے۔

13851۔ (قولہ: فِيهِ الْأَوَّلَ) یعنی پہلے نکاح کی جو طلاقیں باقی تھیں۔

13852۔ (قولہ: وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْهَدْمِ الْآتِيَةِ) ہم اس باب سے پہلے (مقولہ 13777 میں) اس پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرا خاوند تین اور تین سے کم طلاقوں کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے جب کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف تین طلاقوں کے اثر کو ختم کرتا ہے۔

13853۔ (قولہ: ثَمَرَتُهُ) یہ مسئلہ ہدم میں اختلاف کا ثمرہ۔

13854۔ (قولہ: لَهُ رَجْعَتُهَا) یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ کیونکہ دوسرے خاوند نے باقی ماندہ ایک طلاق کا اثر ختم کیا تھا۔ اور عورت پہلے خاوند کی طرف ملک جدید کے ساتھ لوٹی تھی۔ پس خاوند اسے تین طلاقیں واقع کرنے کا مالک ہوگا۔ جب عورت گھر میں داخل ہوئی تو تین میں سے ایک طلاق اسے واقع ہوئی اور دو باقی ہیں۔ پس خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔

13855۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد عورت سے رجوع کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت پہلے نکاح کی باقی ماندہ ملکیت کے ساتھ خاوند کی طرف لوٹی ہے وہ صرف ایک طلاق تھی جو گھر میں داخل ہونے کے ساتھ واقع ہوگئی، ''ط''۔

وَكَذَا يَبْطُلُ بِلَحَاقِهِ مُرْتَدًّا بِدَارِ الْحَرْبِ خِلَافًا لَهُمَا وَبِفَوْتِ مَحَلِّ الْبِرِّ كَإِنْ كَلَّمْتُ فُلَانًا أَوْ دَخَلْتُ هَذِهِ الدَّارَ فَمَاتَ أَوْ جُعِلَتْ بُسْتَانًا كَمَا بَسَطْنَاهُ فِيمَا عَلَّقْنَاهُ عَلَى الْمُلْتَقَى وَسَتَجِيءُ مَسْأَلَةُ الْكُوزِ بِفُرُوعِهَا

اسی طرح تعلیق اس صورت میں باطل ہو جائے گی جب خاوند مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا "صاحبین" رحمہما اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور قسم پوری کرنے کے محل کے فوت ہونے سے بھی تعلیق باطل ہو جائے گی جس طرح: اگر میں فلاں سے کلام کروں یا میں اس دار میں داخل ہوں تو وہ خود مر گیا یا اس دار کو باغ بنا دیا گیا جس طرح ہم نے اسے تفصیل سے بیان کیا ان تعلیقات میں جو ہم نے "الملتقی" پر رقم کی ہیں۔ مسئلہ کوزا اپنی فروع کے ساتھ عنقریب آئے گا۔

13856_(قولہ: وَكَذَا يَبْطُلُ) یعنی تعلیق باطل ہو جائے گی اس کا عطف متن پر ہے،"ح"۔

13857_(قولہ: بِلَحَاقِهِ) لام پر فتحہ ہے۔"طحطاوی" نے "قاموس" سے نقل کیا ہے۔

13858_(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) "صاحبین" رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔"صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک تعلیق باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ ملکیت کا زوال اسے باطل نہیں کرتا۔"امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے تعلیق کی بقا اہلیت کے قائم ہونے کے اعتبار سے ہے ارتداد اختیار کرنے کے ساتھ عصمت ختم ہو گئی تو اہلیت کے فوت ہو جانے سے تعلیق باقی نہ رہی۔ جب وہ اسلام کی طرف لوٹے گا تو وہ تعلیق جس کے سقوط کا حکم لگایا جا چکا تھا وہ نہیں لوٹے گی۔"بحر" میں مصنف کی "شرح المجمع" سے منقول ہے۔

13859_(قولہ: وَبِفَوْتِ مَحَلِّ الْبِرِّ) "البحر" میں امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن الفاظ یہ ہیں: تعلیق کو جو چیز باطل کرتی ہے وہ محل شرط کا فوت ہونا بھی ہے جس طرح جز کے محل کا فوت ہونا ہے جس طرح جب اس نے کہا: ان کلمت فلانا۔ مذکورہ تمثیل محل شرط کے فوت ہونے کی ہے۔ کیونکہ شرط کلمت اور دخلت ہے یعنی ان کا مضمون ہے اور وہ کلام اور داخل ہونا ہے۔ ان دونوں کا محل فلاں اور ایسا گھر ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور محل جزا کا فوت ہونا ہے جس طرح عورت کا مر جانا جو طلاق کا محل ہے۔ کیونکہ ان دونوں محلوں کے فوت ہونے سے تعلیق باطل ہو گئی۔ کیونکہ تعلیق ایسے امر پر ہونی چاہیے جس کے پائے جانے کا امکان ہو جب کہ اس کا عدم متحقق ہو چکا ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ زید کی موت کے بعد اس کی زندگی اور باغ کو گھر بنانا ممکن ہے۔ کیونکہ اس کی قسم ایسی زندگی پر واقع ہوئی جو زندگی اس میں موجود تھی جس طرح علما نے اس قول میں کہا: لیقتلن فلانا اور جو گھر دوبارہ بنایا گیا وہ اور گھر ہے اور اس گھر کا غیر ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جس طرح علما نے اس قول میں اس کی تصریح کی ہے: لایدخل ھذہ الدار۔ تامل۔

کوزے کا مسئلہ

13860_(قولہ: وَسَتَجِيءُ مَسْأَلَةُ الْكُوزِ بِفُرُوعِهَا) یعنی کتاب الایمان کے باب الیمین فی الاکل والشرب میں (مقولہ 17618 میں) آئے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں قسم پوری کرنے کے تصور کا ممکن ہونا قسم کے منعقد

(فَرْعٌ) قَالَ لِزَوْجَتِهِ الْأَمَةِ إنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَعَتَقَتْ فَدَخَلَتْ لَهُ رَجْعَتُهَا قُنْيَةٌ

فرع: خاوند نے اپنی بیوی جو کسی کی لونڈی ہے سے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہو گی تو تجھے تین طلاقیں ہیں وہ لونڈی آزاد ہو گئی اور گھر میں داخل ہوئی تو خاوند کو رجوع کا حق ہے "قنیہ"۔

ہونے اور اس کی بقا کی شرط ہے۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر کسی نے قسم اٹھائی وہ آج اس کوزے کا پانی ضرور پیئے گا جب کہ اس میں پانی نہ ہو یا اس میں پانی ہو اور دن کے گزرنے سے پہلے اسے انڈیل دیا گیا ہو تو طرفین کے نزدیک وہ حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ پہلی صورت میں یمین منعقد ہی نہیں ہوئی اور دوسری صورت میں یمین باطل ہو گئی ہے۔ اگر اس نے "الیوم" نہ کہا جب کہ کوزے میں پانی نہیں تھا تو حکم اسی طرح ہو گا۔ کیونکہ یمین منعقد نہ ہوئی تھی۔ اگر اس میں پانی ہو تو اسے انڈیل دیا گیا تو بالاتفاق وہ حانث ہو گا۔ کیونکہ یمین منعقد ہوئی تھی کیونکہ قسم کا پورا کرنا ممکن تھا پھر وہ انڈیلنے کے ساتھ حانث ہو گا۔ کیونکہ اس پر قسم کا پورا کرنا واجب تھا جونہی وہ فارغ ہوا تھا جب اسے انڈیلا گیا تو قسم کا پورا کرنا فوت ہو گیا تو وہ حانث ہو جائے گا جس طرح اگر وہ آدمی فوت ہو گیا جب کہ پانی باقی تھا۔ موقت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر قسم کا پورا کرنا واجب نہ تھا مگر وقت معین کے آخری جز میں۔ اس کی فروع میں سے یہ ہے: وہ آج زید کو ضرور قتل کرے گا یا وہ آج ضرور اس روٹی کو کھائے گا یا وہ کل ضرور اپنا فرض ادا کرے گا تو زید مر گیا یا روٹی کسی اور نے کھالی جب کہ ابھی آج نہیں گزرا تھا یا اس نے قرض ادا کر دیا یا کل آنے سے قبل فلاں نے اسے بری کر دیا تو وہ حانث نہیں ہو گا۔ اس کی مفصل بحث "البحر" میں "کتاب الایمان" میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تفصیل کو مسئلہ سابقہ میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں قسم توڑنے کی شرط امر وجودی تھا وہ کلام کرنا اور داخل ہونا تھا۔ جب آدمی مر جائے یا اسے باغ بنا دیا جائے تو محل فوت ہو گیا اور قسم توڑنے سے مایوسی واقع ہو گئی تو قسم کو باقی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں خواہ وہ موقت ہو یا مطلق ہو۔ جب قسم توڑنے کی شرط امر عدمی ہو تو معاملہ مختلف ہو گا جیسے اگر میں زید سے کلام نہ کروں یا اگر میں گھر میں داخل نہ ہوں تو یہ محل کے فوت ہونے سے باطل نہ ہو گی بلکہ قسم کا توڑنا متحقق ہو گا۔ کیونکہ وہ قسم پوری کرنے کی شرط سے مایوس ہو چکا ہے۔ یہ اس وقت ہو گا جب قسم پوری کرنے کی شرط محال نہ ہو ورنہ وہ کوزہ والا مسئلہ ہو گا۔ اس میں جو تفصیلات ہیں وہ تو جان چکا ہے اس میں سے یہ قول نہیں لا صعدن السماء کیونکہ اس میں قسم منعقد ہو گی اور اس کے بعد وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ آسمان پر چڑھنا فی نفسہ ممکن امر ہے بعض انبیاء اور ملائکہ وغیرہا کے لیے یہ واقع بھی ہوا۔ مگر وہ قسم کے بعد حانث ہو جائے گا یا موقت میں آخری وقت میں حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ عادۃً اس سے مایوسی متحقق ہوتی ہے۔ یہ کوزہ والے مسئلہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جو کوزے میں موجود ہی نہیں یا جسے بہا دیا گیا ہے اس کا پینا فی نفسہ ممکن ہی نہیں اور نہ ہی عادت میں ایسا ہے اسی وجہ سے یمین باطل ہو جائے گی۔ جب پانی کو اس سے انڈیل دیا گیا تو وہ حانث نہیں ہو گا جب کہ یمین مطلقہ ہو جس طرح اس کی تحقیق "کتاب الایمان" میں (مقولہ 13774 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ ہم باب کے آخر میں (مقولہ 14068 میں) جو ذکر کریں گے اسے دیکھو۔

13861۔ (قولہ: لَهُ رَجْعَتُهَا) کیونکہ جب اس نے تین طلاقوں کو معلق کیا تھا تو وہ لونڈی تھی جب کہ وہ اس وقت دو

(وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ) أَيْ عَلَامَاتُ وُجُودِ الْجَزَاءِ (إِنْ) الْمَكْسُورَةُ؛ فَلَوْ فَتَحَهَا وَقَعَ لِلْحَالِ مَا لَمْ يَنْوِ التَّعْلِيقَ فَيُدَيَّنُ وَكَذَا لَوْ حَذَفَ الْفَاءَ مِنَ الْجَوَابِ

الفاظ شرط یعنی جزا کے وجود کی علامات اِنْ ہے جس کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے اگر وہ ہمزہ کو فتحہ دے تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے جب وہ تعلیق کی نیت نہ کرے۔ اگر تعلیق کی نیت کرے تو دیانۃً اس کی بات مانی جائے گی۔ یہی حکم ہوگا اگر جواب سے فا کو حذف کیا۔

طلاقیں دینے کا مالک تھا پس اس نے دو طلاقیں معلق کیں،''ح''۔

کلمات شرط کا بیان

13862۔(قولہ: وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ) اسماء اور حروف سے عدول کیا ہے کیونکہ الفاظ ان دونوں کو جامع ہے۔ شرط را کے سکون کے ساتھ ہے یہ الشرط سے اشتقاق کبیر کے ساتھ مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ دوسرے جملہ کو پہلے جملہ پر مرتب کرنے کی علامت ہے اور دوسرے کو جواب کہتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ قول اول کو لازم ہوا تو یہ اس کلام کی طرح ہو گیا جو سائل کی کلام کے بعد آتا ہے اور مجازاً اسے جزا کہتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ ایک اور فعل پر مرتب ہوا تو یہ جزا کے مشابہ ہو گیا۔''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ الفاظ کی الشرط کی طرف اضافت مسمی کی اسم کی طرف اضافت ہے''ح''۔ ہم کتاب کے شروع میں (مقولہ 743 میں) اشتقاق پر گفتگو کر چکے ہیں۔

ظاہر یہ ہے کہ یہاں کوئی اشتقاق نہیں۔ کیونکہ اشتقاق کے لیے لفظاً مغایرت ضروری ہے بلکہ یہاں شرط خاص شے پر علامت کے معنی میں ہے۔ تامل

13863۔(قولہ: أَيْ عَلَامَاتُ وُجُودِ الْجَزَاءِ) یعنی یہ ادوات بالذات جزا کے وجود پر دلالت کرتے ہیں جس طرح''النہر'' میں ہے یعنی جب شرط پائی جائے تو جزا کے وجود پر دلالت کرتے ہیں،''ح''۔

13864۔(قولہ: فَلَوْ فَتَحَهَا وَقَعَ لِلْحَالِ) یہ جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ اِنّ یہ تعلیل کے لیے آتا ہے۔ طلاق کے وقوع کے وقت علت کا پایا جانا شرط نہیں۔ بلکہ طلاق واقع ہوگی ظاہر لفظ کو دیکھتے ہوئے۔''کسائی'' نے''رشید'' کی مجلس میں ''شیبانی'' سے مناظرہ کرتے ہوئے یہ گمان کیا: یہ شرطیہ ہے جو اذا کے معنی میں ہے۔ یہ کوفیوں کا مذہب ہے۔ اور''المغنی'' میں اسے ترجیح دی ہے۔ ہر حال میں جب اس نے تعلیق کی نیت کی تو چاہیے کہ اس کی نیت صحیح ہو۔''نہر'' مختصر۔ شارح نے اپنے قول: فیدین سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے،''ط''۔

اگر جواب سے فا کو حذف کر دیا جائے تو اس کا حکم

13865۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ حَذَفَ الْفَاءَ مِنَ الْجَوَابِ) یعنی طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی جب اس نے تعلیق کی نیت نہ کی ہو۔ اگر نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تعلیق ہوگی تا کہ اس کی

فِي نَحْوِ	طَلَبِيَّةٌ وَاسْمِيَّةٌ وَبِجَامِدٍ	وَبِمَا وَقَدْ وَبِلَنْ وَبِالتَّنْفِيس
جیسے طلبیہ جملہ میں، جملہ اسمیہ میں، جملہ جامدہ میں اور جس جملہ میں ما، قد، لن اور سین یا سوف ہو		

کلام کو فائدہ پر محمول کیا جائے۔ پس فا کو مضمر مانا جائے گا جب کہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ اس کا حذف اختیاراً جائز ہو۔ اہل کوفہ نے اسے جائز قرار دیا ہے مذہب اسی پر متفرع ہے ''بحر''۔ اس سے قبل ''مغنی'' سے ذکر کیا ہے کہ ''اخفش'' نے کہا: یہ نثر فصیح میں واقع ہے۔ ان میں سے ہے اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ (البقرہ:180) ''ابن مالک'' نے کہا: نثر میں نادر طور پر ایسا کرنا جائز ہے۔ اسی معنی میں لقطہ والی حدیث ہے: فان جاء صاحبها والا استمتع بها۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو ٹھیک ورنہ اس سے لطف اندوز ہو۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں چاہیے کہ جب وہ کہے: ان دخلت انت طالق تو قضاءً اسے معلق سمجھا جائے۔ کیونکہ عام لوگ فا کے داخل ہونے اور داخل نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کرتے جب کہ تعلیق کا قصد کرتے ہیں یہ ان کی لغت بن چکی ہے خصوصاً یہ کلام فصیح میں واقع ہوا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور جس طرح اس ارشاد میں ہے وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (الانعام) وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ (الجاثیہ:25) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ (الشوریٰ) وغیرہ۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ پہلی کی تاویل یہ ہے کہ یہ قسم کے مقدر ہونے کی بنا پر ہے اور دوسری اور تیسری آیت میں اِذَآ صرف وقت کے لیے ہے اس میں شرط پیش نظر نہیں تو یہ تاویل کوفیوں کے قول کی مؤید ہوگی۔ جب کہ تاویل ظاہر کے خلاف ہوتی ہے جب یہ عام کی لغت ہے تو چاہیے کہ ان کی کلام کو اس پر محمول کیا جائے جس طرح اس کا وہ تکلم کرے جو عربوں میں سے اس لغت کے اہل میں سے ہو۔ اسی طرح اگر تعلیق عجمی لفظ کے ساتھ ہو۔ علامہ ''قاسم'' نے کہا: عاقد، نذر ماننے والے اور قسم اٹھانے والے کا کلام ان کی لغت پر محمول کیا جائے گا۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا۔ الله سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پھر میں نے اس کی کتابت کے بعد ''شرح نظم الکنز'' جو علامہ ''مقدسی'' کی ہے میں دیکھا: میں کہتا ہوں: چاہیے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ کیونکہ فا اکثر حذف ہوتا ہے۔ جس طرح تو نے سنا۔ اور کہا: عوام کے قول میں اعرابی غلطی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا جس طرح: انت واحدۃ کسی نے بھی اس بابت کچھ نہیں کہا۔

تنبیہ

جواب پر فا کا آنا واجب ہے جہاں جواب متاخر ہو جس طرح شارح نے باب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔ جب اداۃ شرط، ان ہو تو اذا مفاجاتیہ جواب کے ربط میں فا کے قائم مقام ہو جائے گا جس طرح اس کے محل میں ثابت ہوگا۔

وہ مقامات جن میں جواب شرط پر فا کا لانا واجب ہے

13866۔ (قولہ: فِي نَحْوِ طَلَبِيَّةٌ) یعنی ان سات مقامات پر جو شاعر کے قول میں مذکور ہیں۔ طلبیۃ جب طلبیہ جملہ

كَمَا لَخَّصْنَاهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَإِذَا وَإِذَا مَا وَكُلَّ وَ) لَمْ تُسْمَعْ (كُلَّمَا) إِلَّا مَنْصُوبَةً وَلَوْ مُبْتَدَأً لِإِضَافَتِهَا لِمَبْنِيٍّ (وَمَتَى وَمَتَى مَا)

جس طرح ہم نے اسے ''شرح الملتقی'' سے ملخص کیا ہے۔ اور الفاظ شرط میں اذا اور اذا ما اور کل۔ کلما منصوب ہی سنا گیا ہے اگر چہ مبتدا ہو کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہوتا ہے اور الفاظ شرط میں سے متی، متی ما

جواب واقع ہو تو اس پر فا کا لانا واجب ہے۔ ''النہر'' میں کہا: جملہ طلبیہ سے مراد امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض، تحضیض، دعا ہے اور جامد سے مراد نعم، بئس، عسی اور فعل تعجب ہے۔ اور ان کے قول بما سے مراد ہے ایسا جملہ فعلیہ جو ما نافیہ کے ساتھ ملا ہو۔ قد سے مراد ہے جو ظاہر ہو یا مقدر ہو جس طرح ''التسہیل'' میں ہے۔ رَضی کی عبارت ہے: ہر وہ جملہ فعلیہ مضارع میں لا اور لم کے علاوہ کوئی اور حرف شروع میں ہو خواہ وہ فعل ماضی ہو یا مضارع ہو۔ ان کے ساتھ نفی داخل ہے جس طرح ''مرادی'' نے اس کا اضافہ کیا اور ایسا جملہ فعلیہ جو قسم اور رُبّ کے ساتھ ملا ہوا ہو اسے زائد کیا۔ لیکن ''ابن ہشام'' نے قسمیہ کو طلبیہ سے شمار کیا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زائد چار ہیں: جو جملہ سوف، اِنْ، رُبّ یا قسم کے ساتھ ملا ہو۔ جملہ کے گیارہ مواقع ہیں۔ شارح نے اپنے اس قول فی نحو: طلبیة کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ محقق ''ابن ہمام'' نے ''الفتح'' میں یوں نظم کیا ہے۔

تَعَلَّمْ جوابُ الشرط حتمٌ قِرانُه　　بفاء اذا ما فعلُه طلبا اتی
كذا جامدا او مقسما كان اوبقد　　ورب و سين او بسوف ادر يافتی
او اسمية او كان منفی ما وان　　ولن من يحد عما حددناه قدعتی

(وضاحت گزر چکی ہے)

13867۔ (قولہ: وَكُلَّ) نحویوں نے کلا اور کلما کو ادوات شرط میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ دونوں ادوات شرط میں سے نہیں۔ فقہا نے انہیں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ دونوں کے ساتھ شرط کا معنی ثابت ہوتا ہے۔

وہ ایسے امر کا معلق کرنا جس کا پایا جانا ممکن ہو۔ یہ ایسا فعل ہے جو اس اسم کی صفت بنتا ہے جس کی طرف کل اور کلما مضاف ہوتے ہیں، ''بحر''۔

13868۔ (قولہ: وَلَمْ تُسْمَعْ كُلَّمَا إِلَّا مَنْصُوبَةً) ''النہر'' میں کہا: نحویوں نے نقل کیا ہے کہ کلما جو تکرار کا تقاضا کرتا ہے یہ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اس میں عامل محذوف ہے جس پر جواب شرط دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: انت طالق کلما کان کذا او کذا اور جو ما اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ مصدریہ توقیتیہ ہوتا ہے۔ ''ابن عصفور'' نے گمان کیا کہ یہ مبتدا ہے اور ما نکرہ موصوفہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے اور شرط و جزا والا جملہ خبر کے محل میں ہے۔ ''ابوحیان'' نے اس کا رد کیا ہے کہ کلما کو منصوب ہی سنا گیا ہے۔ تو باخبر ہے کہ اس کے تسلیم کرنے کے بعد یہ مبتدا ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس میں جو

وَنَحْوُ ذٰلِكَ
وغیرہ ہیں۔

فتحہ ہے وہ مبنی ہونے کا فتحہ ہے۔ یہ مبنی اس لیے ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے۔

نصب سے شارح کی مراد وہ ہے جو اعراب اور بنا کے فتحہ کو شامل ہو جس طرح متقدمین کا عرف ہے۔ اور اس کا قول: ولو مبتدأ جس طرح ''ابن عصفور'' کا قول ہے جس کے ساتھ ''ابوحیان'' کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس میں مسموع اس کے لام کا فتحہ ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں کہ اسے مبتدا بنایا جائے اور فتحہ کو مبنی ہونے کا فتحہ بنا دیا جائے۔ کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے۔ ''النہر'' میں جو کچھ ہے اس نے مختصر ترین عبارت کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ فافہم

شرط کا حکم

13869۔ (قولہ: وَنَحْوُ ذٰلِكَ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد الفاظ شرط کو چھ الفاظ میں محصور کرنا نہیں۔ کیونکہ ان میں سے لو، من، این، ایان، انی، ای اور ماہیں۔ ''الفتح'' میں ہے: فرع: کہا: انت طالق لولا دخولك اولولا ابوك اولولا مهرك تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اخبار میں ہے اس نے کہا: طلقتك بالامس لولا كذا۔

میں کہتا ہوں: الفاظ شرط میں سے وہ بھی ہیں جو ان کا معنی دیں۔ ''البحر'' میں ہے: انت طالق بدخول الدار او بحيضك عورت کو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو یا اسے حیض آئے۔ کیونکہ با وصل اور الصاق کے لیے ہوتی ہے۔ بے شک طلاق دخول کے ساتھ متصل ہوگی جب اس کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اگر کہا: انت طالق على دخولك الدار اگر عورت نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے دخول کو استعمال کیا ہے جس طرح اعواض کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پس شرط عوض کا قبول کرنا ہے اس کا وجود نہیں۔ جس طرح اگر اس نے کہا: على ان تعطيني الف درهم۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کلام تعلیق کو متضمن ہوتی ہے جب کہ اداۃ شرط کی تصریح نہیں ہوتی جس طرح اس قول: ويكفى معنى الشرط میں گزر چکا ہے۔ اسی میں سے وہ ہے جو ''البحر'' میں ہے جہاں کہا: ''المحیط'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر کہا: انتِ طالق لدخلتُ یہ قول اس امر کی خبر دیتا ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوا اور قسم کے ساتھ اسے مؤکد کیا تو وہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے کہا: انت طالق ان لم اكن دخلت الدار۔ اگر وہ داخل نہ ہوا تھا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر کہا: انت طالق لا دخلت الدار تو طلاق گھر میں داخل ہونے کے ساتھ متعلق ہو جائے گی۔

پھر کہا: اگر کہا: انت طالق والله لا افعل كذا تو یہ تعلیق اور یمین ہوگی۔ اگر اس نے کہا: انت طالق والله لا افعل كذا تو اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی۔ دونوں کو ''جوامع الفقہ'' میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: فرق یہ ہے جب اس نے قسم کا عطف نہ کیا تو مابعد اس کا جواب متعین ہو گیا اور قسم فاصل ہو گئی۔ پس انت طالق تعلیق کی صلاحیت نہیں رکھتی تو یہ طلاق تنجیز ہو گئی۔ اسی سے یہ بھی ہے على الطلاق لا افعل كذا۔

كَلَوْ كَانَتِ طَالِقٌ لَوْ دَخَلْتِ الدَّارَ تَعَلَّقَ بِدُخُولِهَا، وَمَنْ نَحْوَ مَنْ دَخَلَ مِنْكُنَّ الدَّارَ فَهِيَ طَالِقٌ، فَلَوْ دَخَلَتْ وَاحِدَةٌ مِرَارًا طَلُقَتْ بِكُلِّ مَرَّةٍ لِأَنَّ الدُّخُولَ أُضِيفَ إِلَى جَمَاعَةٍ فَازْدَادَ عُمُومًا، كَذَا فِي الْغَايَةِ وَهِيَ غَرِيبَةٌ وَجَعَلَهُ فِي الْبَحْرِ أَحَدَ الْقَوْلَيْنِ (وَفِيهَا) كُلِّهَا

جس طرح حرف لو ہے جیسے انت طالق لو دخلت الدار طلاق گھر میں داخل ہونے کے ساتھ متعلق ہوگی۔اور الفاظ شرط میں سے من ہے جس طرح تم میں سے جو گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق ہے اگر ایک گھر میں بار بار داخل ہوئی تو ہر بار اسے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق کو جماعت کی طرف منسوب کیا گیا۔ پس عموم میں اضافہ ہو گیا۔ ''غایۃ'' میں اسی طرح ہے۔ جب کہ یہ غریب ہے۔ اور ''البحر'' میں اسے دو قولوں میں سے ایک قول بنایا ہے۔ ان سب الفاظ شرط میں

13870۔(قولہ: كَلَوْ) یہ وہی ہے جس کو ''البحر'' میں جزم سے ذکر کیا ہے۔ مذہب یہ ہے کہ یہ شرط کے معنی میں ہے۔ ''الفتح'' میں جو ہے اس کے خلاف ہے۔ یہ عدم شرط کسی تحقیق کے لیے ہے یہ تعلیق کے لیے نہیں ہوگا جس میں فعل کے وجود کا امکان ہوتا ہے۔

13871۔(قولہ: تَعَلَّقَ بِدُخُولِهَا) ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: انت طالق لو دخلت الدار لطلقتك یہ ایسا آدمی ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ ضرور طلاق دے گا اگر وہ گھر میں داخل ہوئی جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو خاوند پر لازم ہوگا کہ اسے طلاق دے۔ کسی ایک کی موت کے ساتھ طلاق واقع ہوگی جس طرح ایک آدمی کہے: ان لم آت البصرۃ۔ ''بحر''۔ ہم اس پر گفتگو باب الصریح کے اوائل میں (مقولہ 13094 میں) کر چکے ہیں۔

13872۔(قولہ: فَازْدَادَ عُمُومًا) اس میں ہے فعل میں عموم نہیں ہوتا۔ ''الغایہ'' کی عبارت جس طرح ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ہے: کیونکہ فعل جو دخول ہے جماعت کی طرف منسوب ہے تو عرفاً اس میں عموم ہوگا جو یکے بعد دیگرے واقع ہوگا۔ تو عموم سے اس کی مراد تکرار ہے۔

13873۔(قولہ: وَهِيَ غَرِيبَةٌ) کیونکہ یہ متون کے قول کے خلاف ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب شرط ایک دفعہ پائی گئی تو قسم ختم ہو جائے گی مگر کلما میں باقی رہے گی۔ ''الفتح'' اور ''البحر'' میں اس کی غرابت کو جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''زیلعی'' نے اسے مشکل جانا ہے۔

13874۔(قولہ: وَجَعَلَهُ فِي الْبَحْرِ أَحَدَ الْقَوْلَيْنِ) اس کا ذکر ''الکنز'' کے قول: ففیها ان وجد الشرط کے ہاں ذکر کیا ہے۔ جہاں کہا: حق یہ ہے کہ ''غایۃ'' میں جو ہے وہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ ''القنیہ'' میں سطح پر چڑھنے کے مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ یہاں ''المعراج'' اور بعض حنابلہ سے نقل کیا ہے کہ متی تکرار کا تقاضا کرتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کلما کے علاوہ الفاظ شرط تکرار کو ثابت نہیں کرتے۔ اس قول سے اس امر کا فائدہ دیا کہ یہ قول اور بعض حنابلہ سے جو منقول ہے وہ ضعیف ہے۔ فافہم

(تَنْحَلُّ) أَيْ تَبْطُلُ (الْيَمِينُ) بِبُطْلَانِ التَّعْلِيقِ (إِذَا وُجِدَ الشَّرْطُ مَرَّةً إِلَّا فِي كُلَّمَا فَإِنَّهُ يَنْحَلُّ بَعْدَ الثَّلَاثِ) لِاقْتِضَائِهَا عُمُومَ الْأَفْعَالِ كَاقْتِضَاءِ كُلِّ عُمُومَ الْأَسْمَاءِ

تعلیق کے باطل ہونے کے ساتھ یمین باطل ہو جاتی ہے۔ جب شرط ایک دفعہ پائی جائے مگر کلما میں کیونکہ یمین تین طلاقوں کے بعد ختم ہوتی ہے۔ کیونکہ کلما عموم افعال کا تقاضا کرتا ہے جس طرح کل عموم اسماء کا تقاضا کرتا ہے۔

13875۔(قولہ: أَيْ تَبْطُلُ الْيَمِينُ) یعنی یمین ختم ہو جاتی ہے اور مکمل ہو جاتی ہے۔ جب یمین مکمل ہو جاتی ہے تو وہ حانث ہو جاتا ہے دوبارہ قسم توڑنے کا تصور نہیں ہو سکتا مگر جب دوبارہ قسم اٹھائے۔ کیونکہ لغۃً یہ عموم اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتے۔

13876۔(قولہ: بِبُطْلَانِ التَّعْلِيقِ) اس میں ہے یہاں یمین سے مراد تعلیق ہے۔

کلما عموم افعال جب کہ کل عموم اسما کا تقاضا کرتا ہے

13877۔(قولہ: إِلَّا فِي كُلَّمَا) کیونکہ یمین ایک دفعہ شرط پائے جانے کے ساتھ ختم نہیں ہوتی۔ اس کے حصر نے یہ فائدہ دیا کہ متی تکرار کا فائدہ نہیں دیتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: متی تکرار کا فائدہ دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ متی عموم اوقات کا فائدہ دیتا ہے۔ اس مثال: متی خرجت فانت طالق اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ جس وقت میں خروج متحقق ہو طلاق واقع ہو جائے گی پھر دوسری دفعہ نکلنے سے طلاق متحقق نہیں ہوگی۔ اور أبدًا کے لفظ کے ساتھ جو ملا ہو وہ متی کی طرح ہے۔ جب کہا: ان تزوجت فلانة ابدا فهي كذا تو اس عورت سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق ہو جائے گی پھر دوبارہ اس سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ تابید توقیت کی نفی کرتی ہے پس عدم تزوج میں تابید ہوگی اور یہ متکرر نہ ہوگا۔ ای کا کلمہ بھی اسی طرح ہے یہاں تک کہ اگر کہا: ای امرأة اتزوجها فهي طالق صرف ایک عورت سے عقد نکاح کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔ کل امرأة اتزوجها کا معاملہ مختلف ہے، ''نہر''۔

فرق یہ ہے کہ لفظ کل یہ عموم کے لیے ہے اور لفظ ای یہ عموم صفت کے لیے ہے۔ کیونکہ ان کا قول: ای عبیدی ضربته فهو حر یہ صرف ایک غلام کو شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ خاص کی طرف منسوب ہے۔ اور ای عبیدی ضربك میں جب وہ سب غلام ماریں گے تو سب آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ عام کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ قول: ای امرأة زوجت نفسها منی فهی طالق سب عورتوں کو شامل ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13878۔(قولہ: كَاقْتِضَاءِ كُلِّ عُمُومَ الْأَسْمَاءِ) کیونکہ کلما افعال پر داخل ہوتا ہے اور کل اسماء پر داخل ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک جس پر داخل ہوتا ہے اس کے عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ جب ایک فعل یا ایک اسم پایا گیا تو محلوف علیہ پایا گیا۔ پس اس کے حق میں قسم ختم ہو گئی۔ اور اس کے علاوہ افعال و اسماء میں یمین اپنے حال پر باقی ہے۔ تو جب بھی محلوف علیہ پایا گیا تو وہ حانث ہوگا مگر محلوف علیہ اس ملک کی طلاقیں ہیں جب کہ وہ متناہی ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کلما عموم افعال کے لیے ہے۔ اور عموم اسماء ضروری ہے۔ پس وہ ہر فعل کے ساتھ حانث ہوگا یہاں

(فَلَا يَقَعُ إِنْ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ إِلَّا إِذَا دَخَلَتْ) كُلَّمَا (عَلَى التَّزَوُّجِ نَحْوُ كُلَّمَا تَزَوَّجْتُكِ فَأَنْتِ كَذَا)

اگر اس نے ایک اور خاوند کے بعد اس عورت سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب کلما تزوج پر داخل ہو جیسے: کلما تزوجتك فانت کذا۔

تک کہ اس ملک کی طلاقیں ختم ہو جائیں گی۔ اور کل عموم اسماء کے لیے ہے۔ اور عموم افعال ضروری ہے۔ اگر مصنف الا فی کل و کلما کہتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا اگرچہ کل ذکر کرنے کی صورت میں یمین ایک اسم کے حق میں ختم ہو چکی ہے دوسرے اسماء کے حق میں باقی ہے۔

اس کے فروع میں سے ہے: اگر اس کی چار بیویاں ہوں تو وہ کہے: کل امرأۃ تدخل الدار فھی طالق جو عورت گھر میں داخل ہوگی تو اسے طلاق ہے ایک عورت گھر میں داخل ہوئی اسے طلاق ہو جائے گی اگر وہ سب داخل ہوئیں تو سب کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر وہی عورت دوبارہ داخل ہوئی تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اگر مرد نے کہا: کلما دخلتِ۔ تو ایک عورت داخل ہوئی تو اسے طلاق ہو جائے گی اگر دوبارہ داخل ہوئی تو اسے دوبارہ طلاق ہو جائے گی اسی طرح تیسری دفعہ طلاق ہو جائے گی۔ اگر تین طلاقوں کے بعد اس عورت نے عقد نکاح کیا اور پہلے خاوند کی طرف لوٹی پھر داخل ہوئی تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے: اگر اس نے کہا: کلما دخلتُ فامرأتی طالق۔ جب بھی داخل ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ جب کہ اس کی چار بیویاں تھیں وہ چار دفعہ داخل ہوا اس نے کسی معین عورت کا ارادہ نہ کیا تو ہر دفعہ داخل ہونے کے ساتھ ایک طلاق واقع ہو جائے گی چاہے تو طلاق ان پر متفرق کر دے چاہے انہیں ایک پر جمع کر دے، ''بحر''۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: ایسی فرع جس کا وقوع بہت زیادہ ہوتا ہے: ''السراج'' میں ''المنتقی'' سے منقول ہے کہا: اگر میں کسی عورت سے شادی کروں تو اسے تین طلاقیں ہیں جب بھی وہ عورت حلال ہوگی وہ حرام ہو جائے گی مرد نے عورت سے شادی کی تو وہ تین طلاقوں کے ساتھ جدا ہو گئی پھر اس نے ایک اور خاوند کے بعد اس سے شادی کی تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس نے اپنے قول: کلما حلت حرمت سے طلاق مراد لیا تو یہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر اس کے ساتھ طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو وہ یمین ہوگی۔

میں کہتا ہوں: شاید اس کی وجہ ہے کہ ان کا قول: کلما حلت حرمت یہ ملک خاص کے ساتھ تعلیق نہیں۔ کیونکہ یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حلت عقد کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ عورت مرتد ہو جائے پھر اسے قیدی بنا لیا جائے۔ فلیتامل

13879۔ (قولہ: فَلَا يَقَعُ) یہ اس کے قول: فانه ینحل بعد الثلاث پر تفریع ہے۔ طلاق اس لیے واقع نہیں ہوگی کیونکہ محلوف علیہ اس ملک کی طلاقیں ہیں اور یہ متناہی ہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر دوسرے خاوند سے شادی تین طلاقوں سے پہلے ہو تو ما بقی طلاق واقع ہو جائے گی۔

13880۔ (قولہ: لِدُخُولِهَا عَلَى سَبَبِ الْمِلْكِ) سبب ملک سے مراد تزوج ہے جب بھی یہ شرط پائی جائے گی تو تین کی ملکیت پائی جائے گی تو اس کی جزا اس کے پیچھے واقع ہوگی، ''بحر''۔ اس میں ''کافی'' وغیرہ سے مروی ہے: اگر کہا:

لِدُخُولِهَا عَلَى سَبَبِ الْمِلْكِ وَهُوَ غَيْرُ مُتَنَاهٍ، وَمِنْ لَطِيفِ مَسَائِلِهَا لَوْ قَالَ لِمَوْطُوْءَتِهِ كُلَّمَا طَلَّقْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَفِي كُلَّمَا وَقَعَ عَلَيْكِ طَلَاقِي يَقَعُ ثَلَاثٌ لِتَكْرَارِ الْوُقُوعِ لَكِنَّهُ لَا يَزِيدُ عَلَى الثَّلَاثِ

کیونکہ یہ سبب ملک پر داخل ہے جبکہ وہ غیر متناہی ہے۔ اور کلما کے مسائل میں سے لطیف مسئلہ یہ ہے: اگر خاوند نے اپنی موطوءہ بیوی سے کہا: میں جب بھی تجھے طلاق دوں تو تجھے طلاق ہے تو اس عورت کو دو طلاقیں ہو جائیں گی اور جب کہا: جب بھی تجھے طلاق واقع ہو تو تجھے طلاق تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ وقوع میں تکرار ہے لیکن یہ تین سے زائد نہ ہوں گی۔

کلما نکحتك فانت طالق اس مرد نے اس عورت سے دن میں تین دفعہ نکاح کیا اور ہر دفعہ وطی کی تو اس پر دو طلاقیں ہو جائیں گی اور اس پر دو مہر اور نصف لازم ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تین طلاقوں کے ساتھ وہ جدا ہو جائے گی اور اس پر چار مہر اور نصف ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کی دلیل ہے جس طرح ''الولوالجیہ'' میں ہے: جب مرد نے عورت سے پہلی دفعہ عقد نکاح کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور نصف مہر واجب ہوگا اور جب اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تو کامل مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ وطی شبہ فی المحل ہے اور عدت واجب ہوگی۔ جب دوبارہ عقد نکاح کیا تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ ایسی طلاق ہے جو معنیٰ دخول کے بعد واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ جب اس نے معتدہ سے عقد نکاح کیا اور اس کے ساتھ وطی سے پہلے اسے طلاق دے دی تو امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں معنیٰ دخول کے بعد طلاق ہوگی۔ پس کامل مہر واجب ہوگا پس دو مہر اور نصف لازم ہوگا۔ جب اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے جب کہ وہ طلاق رجعی کی عدت گزار رہی تھی تو وہ رجوع کرنے والا ہوگا اور وطی کی وجہ سے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ جب اس سے تیسری دفعہ عقد نکاح کیا تو عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ مرد نے اس سے عقد نکاح کیا جب کہ وہ اس کی منکوحہ ہے۔

13881۔ (قولہ: لِتَكْرَارِ الْوُقُوعِ) فرق کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں اس نے طلاق کے وقوع کو اپنی جانب سے طلاق واقع کرنے پر معلق کیا ہے۔ جب ایک دفعہ طلاق دی تو اس پر دوسری دفعہ طلاق واقع ہو جائے گی اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ دوسری طلاق واقع ہوئی ہے اسے واقع نہیں کیا گیا۔ دوسری صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے وہ اس طلاق کا وقوع ہے جو طلاق واقع کرنے کے ساتھ صادق آ رہا ہے۔ کیونکہ ایقاع طلاق وقوع طلاق کو مستلزم ہے۔ جب مرد نے اسے ایک دفعہ طلاق دی تو شرط پائی گئی تو دوسری طلاق واقع ہوگئی اور دوسری طلاق کے واقع ہونے کے ساتھ ایک اور شرط پائی گئی تو ایک اور طلاق واقع ہوگئی'' ح''۔

کلما کے کلمہ کے ساتھ منعقد ہونے والی ایسی قسمیں ہیں جو فی الحال منعقد ہو جاتی ہیں

تنبیہ: کلما کے کلمہ کے ساتھ منعقد ہونے والی ایسی قسمیں ہیں جو فی الحال منعقد ہوتی ہیں۔ کیونکہ کلما کا لفظ شرط و جزا کے تکرار

(وَزَوَالُ الْمِلْكِ) مِنْ نِكَاحٍ أَوْ يَمِينٍ (لَا يُبْطِلُ الْيَمِينَ)

اور ایسی ملکیت جو نکاح یا غلامی کی صورت میں تھی اس کا زوال قسم کو باطل نہیں کرتا۔

کے قائم مقام ہے۔ یہ ''الجامع'' کی روایت ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ ''المبسوط'' کی روایت میں ہے: فی الحال منعقد ایک یمین ہے اور جب وہ حانث ہوتا ہے تو یمین کا انعقاد یکے بعد دیگرے متجدد ہوتا ہے، ''محیط''۔

چاہیے کہ ثمرہ ظاہر ہو اس میں جب وہ کہے: کلما حلفت فانت طالق۔ پھر کلما کے کلمہ کے ساتھ معلق کیا تو پہلی صورت میں اسی وقت تین طلاقیں ہو جائیں گی اور دوسری صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور ''البزازیہ'' کے باب القضاء میں ہے کہا: جب بھی میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے تین طلاقیں۔ شافعی قاضی نے یمین کو فسخ کیا پھر خاوند نے اسے تین طلاقیں دے دیں پھر ایک اور خاوند کے بعد اس سے عقد نکاح کیا تو ''الجامع'' کی روایت کے مطابق جو اصح ہے وہ دوبارہ شافعی قاضی کے یمین فسخ کرنے کا محتاج ہوگا ''بحر'' ملخصاً۔

ملکیت کا زوال یمین کو باطل نہیں کرتا

13882۔ (قولہ: وَزَوَالُ الْمِلْكِ لَا يُبْطِلُ الْيَمِينَ) یعنی تین طلاقوں سے کم کے ساتھ ملکیت کا زوال یمین کو ختم نہیں کرتا جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے جو گزر چکا ہے کہ تعلیق، حلت کے زوال کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ اور حلت کے زوال سے مراد فی الحال تین طلاقیں دینا ہے۔ وہاں اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ارتداد اختیار کرتے ہوئے دار الحرب چلے جانے کے ساتھ تعلیق باطل ہو جاتی ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''البحر'' میں اس کا جواب دیا ہے۔ اس میں تعلیق کا باطل ہونا اس وجہ سے ہے کہ معلق اہلیت سے خارج ہو گئی ہے نہ کہ اس کا بطلان ملکیت کے زائل ہونے سے ہوا ہے۔ ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے اس کے مدبر غلاموں اور امہات اولاد کا آزاد ہونا اس کی ملکیت کے زوال کی دلیل ہے۔ زوال ملک کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ قسم پوری کرنے کے محل کا زوال یمین کو باطل کرنے والا ہے جس طرح (مقولہ 13859 میں) گزر چکا ہے۔

اگر تو یہ کہے علما نے زوال ملک کو یمین کا مبطل بنایا ہے اس صورت میں جب وہ قسم اٹھائے اس کی بیوی گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی تو وہ عورت طلاق اور عدت کے ختم ہونے کے بعد نکلی تو وہ حانث نہیں ہوگا اور جدائی کے ساتھ یمین باطل ہو جائے گی یہاں تک کہ اگر عورت نے دوسری دفعہ عقد نکاح کیا پھر وہ عورت اجازت کے بغیر نکلی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: دلالت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یمین اجازت دینے اور منع کرنے کی ولایت کی حالت کے ساتھ مقید ہو گی۔ یہ زوجیت کے قیام کی حالت ہے۔ پس یمین زوجیت کے زوال کے ساتھ ساقط ہو جائے گی جس طرح اس نے قسم اٹھائی: وہ نہیں نکلے گا مگر جب اس کا قرض خواہ اسے اجازت دے گا اس نے قرض ادا کر دیا پھر وہ نکلا تو حانث نہیں ہوگا مگر جب وہ باذن فلان (فلاں کی اجازت کے ساتھ) کہے جب کہ دونوں کے درمیان کوئی معاملہ بھی نہ ہو کیونکہ وہ مطلقہ ہے جس

....

طرح ''المحیط'' میں ہے، ''بحر''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ملکیت کے زوال کی وجہ سے یمین باطل نہیں ہوگی بلکہ اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے یمین باطل ہوگی جس کے ساتھ یمین مقید ہو۔ اس کی نظیر ہے اگر والی نے اس سے قسم لی کہ وہ ہر فسادی کے بارے میں اسے آگاہ کرے گا تو یہ قسم اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اس کی ولایت باقی رہے گی۔ جس طرح کتاب الایمان میں (مقولہ 18259 میں) آئے گا۔

تنبیہ

''البحر'' میں استثنا کی کہ ملکیت کے زوال کے ساتھ یمین باطل نہیں ہوگی۔ ''القنیہ'' میں فرع کے طور پر ہے: اگر میں اس شہر میں رہا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے اور فوری طور پر اس شہر سے نکل گیا اور اپنی بیوی سے خلع کر لیا پھر عدت کے ختم ہونے سے پہلے اس میں سکونت پذیر ہو گیا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ شرط کے پائے جانے کے وقت وہ اس کی بیوی نہیں۔

''البحر'' میں کہا: یہاں ملکیت کے زوال کے ساتھ یمین باطل ہو جائے گی اس تعبیر کی بنا پر فانت طالق اور فامرأتہ طالق کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ کیونکہ جدائی کے بعد وہ اس کی بیوی نہیں رہی۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے کیونکہ یہ بہت اچھا ہے شارح عنقریب فروع میں اسے ذکر کریں گے۔

اس کا حاصل ہے ان کے قول کی تقلید ہے: ملکیت کا زوال یمین کو باطل نہیں کرتا جب جزا فامرأتہ طالق نہ ہو۔ اگر جزا اس طرح ہو تو یمین باطل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' میں جو ہے وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ شرط کی حالت کے اعتبار پر مبنی ہے۔ اس کی دلیل اس قول کے ساتھ تعلیل ہے۔ کیونکہ شرط کے پائے جانے کے وقت وہ اس کی بیوی نہیں تھی۔ یہ اظہر کے خلاف ہے۔ ''قنیہ'' میں بھی ہے: اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ مجھ پر حرام ہے۔ پھر کہا: اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ مجھ پر حرام ہے تو اس نے دونوں فعلوں میں سے ایک کیا یہاں تک کہ اس کی بیوی جدا ہو جائے گی۔ پھر اس نے دوسرا فعل کیا ایک قول یہ کیا گیا: دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ شرط کے پائے جانے کے وقت وہ اس کی بیوی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طلاق واقع ہوگی۔ یہی اظہر ہے۔

اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اظہر حالت تعلیق کا اعتبار ہے۔ وجود شرط کی حالت کا اعتبار نہیں۔ حالت تعلیق میں وہ اس کی بیوی تھی اس کے بعد اس کا جدا ہونا اسے نقصان نہیں دیتا۔ یہی اس کے موافق ہے جسے اصحاب متون نے یہاں مطلق ذکر کیا ہے اور اس کے بھی موافق ہے جس کی علما نے الکنایات میں تصریح کی ہے کہ طلاق بائنہ، طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی مگر جب فوری طلاق بائنہ دینے سے قبل طلاق بائن معلق ہو جس طرح اس کا قول ہے: ان دخلت الدار فانت بائن پھر اسے طلاق بائن دے دی پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے دوسری طلاق ہو جائے گی۔ یہ حالت تعلیق کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی

فَلَوْ أَبَانَهَا أَوْ بَاعَهُ ثُمَّ نَكَحَهَا أَوْ اشْتَرَاهُ فَوُجِدَ الشَّرْطُ طَلُقَتْ وَعَتَقَ لِبَقَاءِ التَّعْلِيقِ بِبَقَاءِ مَحَلِّهِ (وَتَنْحَلُّ) الْيَمِينُ

اگر اسے طلاق بائنہ دی یا اسے بیچ دیا پھر اس سے نکاح کیا یا اس کو خرید اتو شرط پائی گئی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور وہ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ محل کے باقی رہنے کی وجہ سے تعلیق باقی رہے گی اور شرط کے پائے جانے کے ساتھ یمین

من کل الوجوہ بیوی ہے۔ اگر شرط کے پائے جانے کی حالت کا اعتبار کیا جاتا تو لازم آتا کہ معلق طلاق واقع نہ ہوتی۔

اگر مرد نے کہا لا تخرج امرأتی من الدار تو اضافت تعریف کے لیے ہوگی نہ کہ تقیید کے لیے

تحقیق یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ترجیح اس کو ہے کہ حالت تعلیق کا اعتبار ہوگا ''البحر'' میں ''المحیط'' سے جو مروی ہے اسی پر اعتبار کیا گیا ہے: اگر اس نے قسم اٹھائی میری بیوی اس گھر سے نہیں نکلے گی مرد نے اسے طلاق دے دی، اس کی عدت ختم ہو گئی اور وہ گھر سے نکلی یا اس نے کہا: اگر میں نے اپنی فلاں بیوی کا بوسہ لیا تو میرا غلام آزاد ہوگا تو بینونت کے بعد اس کا بوسہ لیا تو دونوں صورتوں میں حانث ہوگا۔ کیونکہ یہ اضافت تعریف کے لیے ہے تقیید کے لیے نہیں۔

اسی طرح ہم نے پہلے ''البحر'' سے (مقولہ 13878 میں) نقل کیا ہے: اگر مرد نے کہا: میں جب بھی داخل ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے جب کہ اس کی چار بیویاں تھیں وہ چار مرتبہ داخل ہوا۔ ان کا تصریح کرنا کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ ان تمام طلاقوں کو ایک بیوی پر جمع کر دے یہ قول اسے بھی شامل ہے جب وہ عورت غیر موطوءہ ہو۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ اعتبار تعلیق کی حالت کا ہوگا۔ کیونکہ تعلیق کے وقت وہ اس کی بیوی تھی۔ پس وہ تینوں قسموں میں داخل ہو گئی۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ ترجیح اسے دی گئی ہے کہ ''کلما'' کے ساتھ جو قسم منعقد ہوتی ہے وہ فی الحال منعقد قسمیں ہیں۔ اس قول کی بنا پر چاہیے کہ جب بھی وہ حانث ہوگا تو ایک اور قسم منعقد ہو جائے گی تو وہ ان قسموں کو ایک عورت پر جمع کرنے کا مالک نہ ہو۔ کیونکہ حانث ہونے کے بعد وہ اس کی بیوی نہیں رہی تو اس کے بعد منعقد ہونے والی یمین میں وہ عورت داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ ہم کنایات کے آخر میں پہلے (مقولہ 13542 میں) بیان کر چکے ہیں کہ جب اس نے کہا: کل امرأۃ لی پس وہ عورت داخل نہ ہوگی جو خلع اور ایلا کے ساتھ جدا ہو چکی ہو مگر جب وہ اس عورت کو معین کرے۔ اس تحقیق کو غنیمت جانو وعلیک السلام۔

13883۔ (قولہ: مِنْ نِكَاحٍ أَوْ يَمِينٍ) یہ ملک کا بیان ہے ان کا قول: فلو ابانها او باعه نشر مرتب کے طریقہ پر دونوں پر تفریع ہے۔

13884۔ (قولہ: فَلَوْ أَبَانَهَا) اگر تین سے کم طلاقوں کے ساتھ اسے جدا کیا۔

13885۔ (قولہ: وَتَنْحَلُّ الْيَمِينُ) اس قول اور سابقہ قول میں کوئی تکرار نہیں سابقہ یہ قول تھا: وفيها تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة۔ کیونکہ وہاں مقصود کلما کے علاوہ میں ایک دفعہ فعل کے ساتھ قسم کا باطل ہو جانا ہے یہاں مجرد قسم کا ختم ہونا ہے ''ح''۔ کیونکہ یہاں یہ واضح کیا ہے کہ غیر ملک میں شرط کے پائے جانے کے ساتھ قسم ختم ہو جاتی ہے۔ سابقہ کا معاملہ

(بَعْدَ) وُجُودِ (الشَّرْطِ مُطْلَقًا) لَكِنْ إنْ وُجِدَ فِي الْمِلْكِ طَلُقَتْ وَعَتَقَ وَإِلَّا لَا، فَحِيلَةُ مَنْ عَلَّقَ الثَّلَاثَ بِدُخُولِ الدَّارِ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً ثُمَّ بَعْدَ الْعِدَّةِ تَدْخُلُهَا فَتَنْحَلُّ الْيَمِينُ فَيَنْكِحُهَا (فَإِنْ اخْتَلَفَا فِي وُجُودِ الشَّرْطِ) أَيْ ثُبُوتِهِ

مطلقاً باطل ہو جاتی ہے۔لیکن اگر شرط ملک میں پائی جائے تو عورت کو طلاق ہو جاتی ہے اور غلام آزاد ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ جس آدمی نے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ تین طلاقوں کو معلق کیا اس کا حیلہ یہ ہے کہ اسے ایک طلاق دے پھر عدت کے بعد وہ عورت گھر میں داخل ہو تو قسم ختم ہو جائے پھر خاوند اس سے نکاح کر لے۔اگر میاں بیوی میں شرط کے ثبوت میں اختلاف ہو جائے وجود کی تعبیر ثبوت سے کی جائے گی

مختلف ہے،''ط''۔

13886۔(قولہ: مُطْلَقًا) خواہ شرط ملک میں پائی جائے یا غیر ملک میں پائی جائے۔جس پر لاحق دلالت کرتا ہے۔''ح''۔

13887۔(قولہ: لَكِنْ إنْ وُجِدَ فِي الْمِلْكِ طَلُقَتْ) ملک کو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ قول اسے بھی شامل ہوگا جب شرط عدت میں پائی جائے۔مراد ملکیت میں شرط مکمل ہونا ہے تمام شرط کا ملکیت میں پایا جانا ضروری نہیں یہاں تک کہ اگر کہا: ان حضت حیضتین فانت طالق۔اس عورت کو پہلا حیض غیر ملک میں آیا اور دوسرا اس کی ملک میں آیا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔اس کا ذکر عنقریب مصنف کے قول: علق الثلاث بشیئین یقع المعلق ان وجد الثانی فی الملك والالا میں (مقولہ 13943 میں) آئے گا۔

13888۔(قولہ: فَحِيلَةُ) یہ شارح کے قول والالا پر تفریع ہے۔

شرط کے پائے جانے میں زوجین کے اختلاف کا بیان

13889۔(قولہ: فِي وُجُودِ الشَّرْطِ) یعنی اصلاً یا تحقیقاً اختلاف پڑ جائے جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے یعنی دونوں میں اختلاف واقع ہوا کہ امر کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا یا تعلیق کے بعد شرط پائی گئی ہے یا نہیں۔''بزازیہ'' میں ہے: خاوند نے استثنا یا شرط کا دعویٰ کیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔پھر ذکر کیا: ''نسفی'' نے ذکر کیا: خاوند نے استثنا کا دعویٰ کیا عورت نے اس کا انکار کر دیا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اور نیت کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔اگر مرد نے طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کا دعویٰ کیا اور عورت نے تعلیق کے بغیر کا دعویٰ کیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔مصنف دعویٰ الاستثناء میں اختلاف کا عنقریب (مقولہ 13982 میں) ذکر کریں گے۔

''نسفی'' سے جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہر معنی ہے کہ اختلاف، دعویٰ شرط میں جاری نہیں۔تامل

''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: عورت نے دعویٰ کیا کہ مرد نے عورت کو شرط کے بغیر طلاق دی جب کہ خاوند کہتا ہے

لِيَعُمَّ الْعَدَمِيَّ (فَالْقَوْلُ لَهُ مَعَ الْيَمِينِ) لِإِنْكَارِهِ الطَّلَاقَ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِعَدَمِ وُصُولِ نَفَقَتِهَا أَيَّامًا فَادَّعَى الْوُصُولَ وَأَنْكَرَتْ أَنَّ الْقَوْلَ لَهُ وَبِهِ جَزَمَ فِي الْقُنْيَةِ، لَكِنْ صَحَّحَ فِي الْخُلَاصَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ الْقَوْلَ لَهَا،

تا کہ یہ عدمی کو عام ہو جائے۔ تو قول قسم کے ساتھ مرد کا ہو گا کیونکہ وہ طلاق کا انکار کر رہا ہے اور اس سے یہ پتا چلتا ہے اگر اس نے طلاق کو معلق کیا تھا چند دنوں تک نفقہ نہ پہنچنے کے ساتھ مرد نے نفقہ کو پہنچنے کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کیا تو قول مرد کا ہو گا۔ ''القنیہ'' میں اسے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں اس کی تصحیح کی کہ قول عورت کا معتبر ہو گا

میں نے شرط کے ساتھ مشروط کر کے طلاق دی ہے جب کہ وہ شرط نہیں پائی گئی تو گواہ اس میں عورت کے ہوں گے۔ اگر عورت نے مرد پر دعویٰ کیا کہ وہ عورت کو نہیں مارے گا مرد نے دعویٰ کیا کہ اس نے کہا تھا وہ گناہ کے بغیر نہیں مارے گا دونوں نے گواہ پیش کر دیے تو دونوں امر ثابت ہو جائیں گے اور دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی طلاق ہو جائے گی۔

13890۔ (قولہ: لِيَعُمَّ الْعَدَمِيَّ) جیسے اگر تو آج گھر میں داخل نہ ہوئی۔

13891۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) قول مرد کا معتبر ہو گا مگر جب وہ امر ایسا ہو جس کے وجود کا علم عورت سے ہی معلوم ہو تو اس میں قول عورت کا معتبر ہو گا اس کی ذات کے حق میں۔ جس طرح آگے (مقولہ 13899 میں) آئے گا۔

13892۔ (قولہ: لِإِنْكَارِهِ الطَّلَاقَ) یعنی مرد طلاق کے وقوع کا انکار کرتا ہے۔ یہ اس تعلیل سے اولیٰ ہے کہ وہ اپنی اصل سے تمسک کرنے والا ہے وہ شرط نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اصل اس قول کو شامل نہیں: ان لم اجامعک فی حیضتک مرد کہے کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو قول اس کا معتبر ہو گا۔ جب کہ ظاہر دو وجہ سے عورت کا شاہد ہے: اصول کا عارض نہ ہونا، حرمت کا جماع سے مانع ہونا۔

13893۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) اس کے قول فالقول لہ کا مطلق ہونا۔

13894۔ (قولہ: أَنَّ الْقَوْلَ لَهُ) اصل میں ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور جملہ لو کا جواب ہے یہ اور اس کا جواب پہلے ان کی خبر ہے جس کے ہمزہ پر فتحہ ہے مصدر موول مبتدا کی خبر ہے جو مبتدا مفادہ ہے۔ ''البحر'' میں کہا: پھر جان لو کہ متون کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ اگر خاوند عورت کی طلاق کو ایک ماہ تک نفقہ نہ پہنچنے پر معلق کرتا ہے پھر نفقہ پہنچنے کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے تو قول مرد کا معتبر ہو گا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اور مال نہ پہنچنے میں قول عورت کا معتبر ہو گا۔

13895۔ (قولہ: فَادَّعَى الْوُصُولَ) یعنی معین ایام کے گزرنے کے بعد جس طرح ''القنیہ'' اور ''الذخیرہ'' میں ہے۔

13896۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ فِي الْقُنْيَةِ) اسی طرح ''البحر'' اور ''النہر'' میں کہا: لیکن میں نے ''القنیہ'' میں ''العیون'' اور ''الاصل'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا کہ قول عورت کا ہو گا۔ پھر ''منتقی'' کی طرف اشارہ کیا کہ قول اس کے برعکس ہے یعنی قول مرد کا معتبر ہے۔

وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَهُوَ يَقْتَضِي تَخْصِيصَ الْمُتُونِ: لَكِنْ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَجَزَمَ شَيْخُنَا فِي فَتْوَاهُ بِمَا تُفِيدُهُ الْمُتُونُ وَالشُّرُوحُ لِأَنَّهَا الْمَوْضُوعَةُ لِنَقْلِ الْمَذْهَبِ كَمَا لَا يَخْفَى
اور ''البحر'' و''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ یہ متون کی تخصیص کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن مصنف نے کہا اور ہمارے شیخ نے اپنے فتویٰ میں اسے یقین سے ذکر کیا ہے جس کا فائدہ متون اور شروح دیتی ہیں کیونکہ یہی مذہب کو نقل کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں جس طرح یہ مخفی نہیں۔

13897۔(قولہ: وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ فصل الامر بالید میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا: قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ طلاق کے وقوع کا انکار کرتا ہے لیکن نفقہ کے عورت تک پہنچنے کو ثابت نہیں کرتا۔ صحیح ترین قول اس مسئلہ میں عورت کا معتبر ہے ہر موضع میں مرد حق پورا پورا پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ عورت انکار کرتی ہے۔ اور یہاں کہا: گویا مال نہ پہنچنے میں عورت کا قول قبول کیا جائے گا اس کے ضمن میں یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔ ''خیر رملی'' نے بھی ''الفیض'' اور ''الفصول'' سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

پھر جان لو کہ ''جامع الفصولین'' میں ''فوائد صدر الاسلام'' کے اشارے سے ذکر کیا کہ نفقہ کے مسئلہ میں کہا: اگر عورت نے نشوز کیا ہو یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو چاہیے کہ اسے طلاق نہ ہو۔ کیونکہ جب عورت نے نشوز کیا خاوند کے پاس نہ رہی تو اس کے لیے نفقہ باقی نہ رہا۔

13898۔(قولہ: وَهُوَ يَقْتَضِي تَخْصِيصَ الْمُتُونِ) یہ متون کی تخصیص کا تقاضا کرتے ہیں کہ قول مرد کا معتبر ہوگا جب اس کا قول مال پہنچانے کو متضمن نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

13899۔(قولہ: وَجَزَمَ شَيْخُنَا) یعنی شیخ ''زین بن نجیم'' صاحب ''البحر'' جب آپ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے قرض خواہ کے لیے طلاق کی قسم اٹھائی کہ وہ اسے وقت معین سے قرض دے دے گا تو آپ نے جواب دیا کہ طلاق کے واقع نہ ہونے میں قرض دے دینے کے اس قول کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی اور وہ آدمی قرض سے بری نہیں ہوگا اور قرض خواہ سے قسم لی جائے گی کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا اور وہ اپنے قرض کا مستحق ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کی مثل ہے جس کو قرض دینے کا حکم دیا گیا جب اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے آمر کے مال سے مال دے دیا ہے تو اس کی اس معاملہ میں تصدیق کی جائے گی کہ اس کا نفس بری ہے۔ لیکن آمر کے بری ہونے کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اسے ذہن نشین کر لو جو ہم نے پہلے (مقولہ 13896 میں) ''القنیہ'' اور صاحب ''البحر'' سے بیان کیا ہے کہ مسئلہ میں صرف دو قول ہیں۔ دونوں میں سے ایک تو قول بالتفصیل ہے اور دوسرا یہ کہ طلاق کے حق میں اور مال نہ پہنچنے کے حق میں قول عورت کا ہوگا۔ جہاں تک دونوں امور میں مرد کے قول کا معاملہ ہے تو اس کا کوئی قائل نہیں۔ ''خیر رملی'' نے ''جامع الفصولین'' کی کلام سے جو توہم کیا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح صاحب ''نور العین'' نے اختلاف کیا ہے جہاں ذکر کیا: قول مرد کا ہوگا کیونکہ وہ حکم کا انکار کرنے والا ہے۔ پھر ذکر کیا: قول عورت کا معتبر ہوگا اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ پھر ''ذخیرہ'' کی طرف

إِلَّا إِذَا بَرْهَنَتْ) فَإِنَّ الْبَيِّنَةَ تُقْبَلُ عَلَى الشَّرْطِ وَإِنْ كَانَ نَفْيًا كَإِنْ لَمْ تَجِئْ صِهْرَتِي اللَّيْلَةَ فَامْرَأَتِي كَذَا فَشَهِدَ أَنَّهَا لَمْ تَجِئْهُ قُبِلَتْ وَ طَلُقَتْ مِنَحٌ وَفِي التَّبْيِينِ إِنْ لَمْ أُجَامِعْكِ فِي حَيْضَتِكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ ثُمَّ قَالَ جَامَعْتُكِ إِنْ حَائِضًا فَالْقَوْلُ لَهُ

مگر جب عورت گواہیاں قائم کردے تو بے شک بینہ کو شرط پر قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ شرط نفی کی ہو جیسے آج رات میری ساس نہ آئی تو میری بیوی کو طلاق تو دو گواہوں نے گواہی دی کہ وہ نہیں آئی تو گواہی قبول کی جائے گی اور اسے طلاق ہو جائے گی ''منح''۔ ''التبیین'' میں ہے: اگر میں تجھ سے تیرے حیض میں جماع نہ کروں تو تجھے طلاق سنت پھر خاوند نے کہا: میں نے تجھ سے جماع کیا ہے اگرچہ وہ حائضہ ہو تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔

تفصیل کا اشارہ کیا تو اس سے وہم پیدا ہوا کہ اقوال تین ہیں جب کہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ مال عورت تک پہنچانے میں قول اصلاً مرد کا معتبر ہوگا یا قرض خواہ تک مال پہنچانے میں مقروض کا قول اصلاً معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کی کوئی توجیہ نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ لازم آتا ہے کہ اس کو اپنایا جائے تو یہ مقروض کے لیے ایک حیلہ بہانا ہاتھ آجائے گا جو مستحق سے اس کے حق کو روکنے کا ارادہ کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ وقت معین میں قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں طلاق کو معلق کرے پھر ادائیگی کا دعویٰ کرے۔ یہ ایسا قول ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں چہ جائیکہ متون اور شروح سے یہ سمجھا جا رہا ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''جامع الفصولین'' کے آخر میں جو ذکر کیا ہے وہی اس قول کی مراد ہے جسے پہلی دفعہ ذکر کیا ہے۔ تعلیل: بانه منکر للحکم اس پر دلالت کرتی ہے۔ الحکم سے مراد حکم التعلیق ہے وہ شرط کے پائے جانے کے وقت قسم توڑنا ہے۔ ''فتدبر''

13900۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا بَرْهَنَتْ) اسی طرح اگر کوئی اور گواہیاں قائم کردے۔ کیونکہ یہ شرط نہیں کہ عورت ہی طلاق کا دعویٰ کرے اور نہ ہی شرط ہے کہ وہی گواہیاں قائم کرے۔ کیونکہ لونڈی کی آزادی اور عورت کی طلاق پر گواہی دعویٰ کے بغیر بھی قبول کی جاتی ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کردیں تو ظاہر یہی ہے کہ عورت کی گواہی کو راجح قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ جب قول مرد کا تسلیم کیا جانا ہے تو اس کی گواہی لغو ہو جائے گی۔ اس پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو ہم نے پہلے (مقولہ 13889 میں) ''البحر'' سے اور انہوں ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے جس میں عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ مرد نے اسے شرط کے بغیر طلاق دی ہے۔

13901۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ نَفْيًا) کیونکہ یہ صورۃً نفی پر گواہی ہے اگرچہ حقیقۃً طلاق کے اثبات پر گواہی ہے۔ اعتبار مقاصد کا ہوتا ہے صورت کا نہیں ہوتا۔ جس طرح اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ اسلام لایا اور استثنا کی اور دو اور گواہوں نے گواہی دی کہ وہ اسلام لایا اور اس نے استثنا نہیں کی تو دوسری گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ اس میں استثنا کی نفی ہے۔ کیونکہ ان دونوں گواہوں کی غرض اس کے اسلام کا ثابت کرنا ہے۔ اس میں وہ کلام اشکال پیدا کرتا ہے جو الایمان کے باب میں (مقولہ 18123 میں) آئے گا: اگر ایک آدمی نے کہا: اس کا غلام آزاد ہے اگر اس نے اس سال حج نہ کیا دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے کوفہ میں دسویں کا دن گزارا ہے تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لِاَنَّهُ یَمْلِکُ الْاِنْشَاءَ وَاِلَّا لَا انتهٰی
کیونکہ وہ نئے سرے سے طلاق واقع کرنے کا مالک ہے ورنہ نہیں، کلام ختم ہوا۔

کیونکہ معنیٰ یہ نفی پر گواہی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے اس نے حج نہیں کیا۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نفی کی شہادت شرط پر قبول نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ مناسب ہے۔ لیکن یہ کہا گیا: غلام کے آزاد نہ ہونے کی علت غلام کے آزاد ہونے کی شہادت میں دعویٰ کا شرط ہونا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ لونڈی ہو تو بالاتفاق آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا دعویٰ شرط نہیں اس وقت کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13902۔ (قولہ: أَنَّهُ یَمْلِکُ الْاِنْشَاءَ) پس اس پر کوئی تہمت نہیں لگائی جائے گی۔ مگر جب وہ حیض سے پاک ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اس حکم کو باطل کرنے کا ارادہ کرتا ہے جو ظاہر میں واقع ہے کیونکہ سنت کا وقت پایا جا رہا ہے جب کہ اس نے سبب کا اعتراف کیا۔ کیونکہ مضاف فی الحال سبب ہے، ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: یہ مشکل ہے کیونکہ سبب کا اعتراف شرط کے ثبوت کے وقت ثابت ہوتا ہے جب کہ اس نے شرط کا انکار کیا ہے۔ ہاں یہ ظاہر ہوگا اگر وہ کہے: انت طالق للسنة اس میں تعلیق نہ کرے۔ ''البحر'' میں ''الکافی'' سے منقول ہے: اگر خاوند نے اپنی موطوءہ بیوی سے کہا: انت طالق للسنة تو طلاق واقع نہ ہوگی مگر ایسے طہر میں جو طلاق اور وطی سے خالی ہو جب کہ وہ ایسے حیض کے بعد ہو جو طلاق اور وطی سے خالی ہو۔ جب عورت کو حیض آئے اور حیض سے پاک ہو اور خاوند اس کے ساتھ جماع کا دعویٰ کرے اور حیض میں اس کی طلاق کا دعویٰ کرے تو طلاق سنی کے ممنوع ہونے میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مضاف فی الحال سبب بن چکا ہے صرف اس کا حکم متراخی ہوگا۔ پس اس کے بعد طلاق اور جماع کا دعویٰ مانع ہے۔ پس طہر میں طلاق واقع ہونے سے منع میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ مگر حیض میں طلاق کے اقرار سے ایک اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر طلاق اور جماع کا دعویٰ کیا جب کہ وہ حائضہ ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر کہا: اگر میں حیض میں تجھ سے جماع نہ کروں تو تجھے طلاق ہے تو اس نے حیض میں جماع کا دعویٰ کیا تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے طلاق کو صریح شرط کے ساتھ معلق کیا ہے اور جسے شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو وہ شرط کے پائے جانے پر ہی سبب منعقد ہوگا۔ کیونکہ یہ معروف ہے۔ جب شرط کا انکار کیا تو اس نے سبب کا انکار کیا تو اس کا قول قبول ہوگا۔ اسی طرح اگر کہا: اللہ کی قسم میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا تو رات گزر گئی پھر اس نے مدت میں اس کے قریب آنے کا دعویٰ کیا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ایلا فی الحال سبب ہے لیکن طلاق کا وقوع مدت کے گزرنے تک متاخر ہوگا جب کہ مدت گزر چکی ہے اور ظاہراً طلاق واقع ہو چکی ہے پس قربت کا دعویٰ مانع کا دعویٰ ہے جو قبول نہیں کیا جائے گا اگر اس نے بیوی کے قریب ہونے (حقوق زوجیت) کا دعویٰ مدت گزرنے سے پہلے کیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔ جب کہ اس نے ایسے امر کی خبر دی جس کو نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک تھا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: اگر میں چار ماہ میں تیرے قریب نہ آؤں تو تجھے طلاق پس مدت گزر گئی۔ پھر اس نے مدت میں عورت کے قریب ہونے کا دعویٰ کیا

قُلْت فَالْمَسْأَلَةُ السَّابِقَةُ وَالْآتِيَةُ لَيْسَتَا عَلَى إِطْلَاقِهِمَا (وَمَا لَا يُعْلَمُ) وُجُودُهُ (إِلَّا مِنْهَا صُدِّقَتْ فِي حَقِّ نَفْسِهَا خَاصَّةً)
میں کہتا ہوں: سابقہ اور آنے والا مسئلہ دونوں اپنے اطلاق پر نہیں۔ اور وہ امر جس سے آگاہی عورت سے ہی ہو سکتی ہو تو بطور استحسان قسم کے بغیر خاص کر اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔

تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے طلاق کو صریح شرط کے ساتھ معلق کیا۔ پس جب شرط کا انکار کیا تو اس نے سبب کا انکار کیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ جس طرح تو نے دیکھا ہے یہ اس کے مخالف ہے جو ''زیلعی'' سے قول گزرا ہے۔ فلیتامل

13903۔(قولہ: فَالْمَسْأَلَةُ السَّابِقَةُ) وہ یہ قول ہے: فان اختلفا فی وجود الشرط اور آنے والا قول یہ ہے: ان حضت جس طرح شارح نے اس میں بیان کیا ہے، ''ح''۔ آنے والے قول کی زیادہ اچھی تفسیر اس قول: وما لا یعلم الا منہا کے ساتھ ہے۔

13904۔(قولہ: لَيْسَتَا عَلَى إِطْلَاقِهِمَا) پہلے مسئلہ کو مقید کیا جائے گا جب وہ انشا کا مالک ہو اور آنے والے مسئلہ کو مقید کیا جائے گا جب وہ انشا کا مالک نہ ہو یہاں اس مذکورہ تفصیل سے اخذ کیا ہے۔ شارح نے جو کہا ہے اس میں ''ابن کمال'' کی پیروی کی ہے جو انہوں نے ''شرح الاصلاح'' میں کہا ہے۔ اس میں بحث ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کیونکہ تو اس تفصیل کی مخالفت جان چکا ہے کیونکہ ہم نے اسے ''الکافی'' سے ذکر کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے یہاں اختلاف جماع میں ہے حیض میں نہیں۔ اور جماع ایسا امر نہیں ہے جس کا وجود عورت سے ہی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ آدمی اسے جانتا ہے کیونکہ یہ اس کا فعل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے اگر اس مسئلہ میں اس تفصیل کو جانا جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ ان دو مسئلوں کو مقید کیا جائے جو دونوں قاعدے ہیں جن کے تحت مسائل جزئیہ ہیں جن کے بعض کو معلق ذکر کیا اور ان میں سے بعض میں ایسی تصریح کی گئی جو اس تفصیل کے خلاف ہے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13895 میں) نفقہ کے مسئلہ میں ''الذخیرہ'' اور ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نفقہ کے پہنچنے کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ معین ایام گزر چکے ہیں جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13902 میں) ''الکافی'' سے قریب ہی اس قول: ان لم اقربك فی اربعة اشہر میں بیان کیا ہے۔ من ان الدعوی بعد مضی المدة اس کا قول قبول ہوگا جب کہ وہ انشا کا مالک نہیں۔ ''فتدبر''

وہ امر جس سے آگاہی عورت سے ہی ہو سکتی ہو اس کا حکم

13905۔(قولہ: وَمَا لَا يُعْلَمُ وُجُودُهُ إِلَّا مِنْهَا) اس کے ساتھ قید لگائی اگر اس امر کا علم عورت کے علاوہ کسی اور سے ہوتا تو اس کی تصدیق یا گواہوں پر موقوف ہوتی جس طرح داخل ہونا اور کلام کرنا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ علما نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اگر خاوند نے عورت کے بچے جننے پر طلاق کو معلق کیا ہو۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: ایک دایہ کی گواہی

اسْتِحْسَانًا بِلَا يَمِينٍ نَهْرٌ بَحْثًا
''نہر'' میں بطور بحث کے مذکور ہے۔

سے اسے قبول کر لیا جائے گا جب کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو گواہوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے ''جوہرہ''۔ اگر اس نے کہا: اگر میں تیری اجازت کے بغیر کوئی نشہ آور چیز پیوں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں۔ خاوند نے نشہ آور چیز پی پھر اختلاف ہو گیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ طلاق کے وقوع کا انکار کرتا ہے مگر اجازت تو عورت سے معلوم ہو سکتی ہے لیکن اس پر آگاہی قول کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ حیض اور محبت کا معاملہ مختلف ہے۔

13906۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ قول مرد کا معتبر ہوتا۔ کیونکہ عورت خاوند کے خلاف قسم توڑنے کی شرط کے پائے جانے کا دعویٰ کرتی ہے اور طلاق کے واقع ہونے کا دعویٰ کرتی ہے جب کہ وہ منکر ہے۔ پس قول مرد کا معتبر ہوگا پس حجت کے بغیر عورت کی تصدیق نہ کی جائے گی جس طرح اس کے علاوہ دوسری شروط ہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس کی پہچان عورت کی جانب سے ہی ہو سکتی ہے جب کہ اس پر حکم شرعی مرتب ہو چکا ہے تو عورت پر لازم تھا کہ وہ اس کی خبر دیتی تا کہ وہ حرام میں واقع نہ ہو۔ کیونکہ حرام سے اجتناب شرعی طور پر دونوں پر واجب ہے تو اس کا طریق بھی واجب ہے جو اخبار ہے۔

پس عورت کا قول قبول کرنا واجب ہے تا کہ وہ واجب کی ذمہ داری سے فارغ ہو ''زیلعی''۔

13907۔ (قولہ: نَهْرٌ بَحْثًا) اصل بحث صاحب ''البحر'' کی ہے جہاں انہوں نے کہا: اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عورت پر قسم لازم نہیں۔ اس پر علما کا قول دلالت کرتا ہے کہ طلاق عورت کے خبر دینے کے ساتھ معلق ہوگی جب کہ وہ پائی جا چکی۔ قسم کا مطالبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ طلاق اس کے قول کے ساتھ واقع ہو چکی ہے قسم کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہ امید ہوتی ہے کہ وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے گا۔ اگر عورت نے خبر دی پھر کہا: میں جھوٹ بول رہی تھی تو طلاق مرتفع نہ ہوگی کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ لیکن ''حواشی مسکین'' میں ہے: ''حموی'' نے ''مقدسی'' سے اشارۃً نقل کیا ہے کہ بالاجماع عورت پر قسم ہوگی۔ کیونکہ یہ ان مواضع میں سے نہیں جو ان کے قول سے مستثنیٰ ہیں: کل من قبل قولہ فعلیہ الیمین جس آدمی کا قول قبول کیا جائے گا اس پر ہی قسم ہوگی۔

میں کہتا ہوں۔ اس میں جو کچھ ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ قسم اٹھوانے میں کوئی فائدہ نہیں اور تو یہ بھی جان چکا ہے جو استحسان کی وجہ ہے۔ اور مستثنیات میں ان کا ذکر نہ ہونا ان میں سے نہ ہونے پر دال نہیں۔ کتنے ہی قاعدے ہیں جن سے بعض چیزوں کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے جب کہ ان کا غیر ان میں باقی رہتا ہے۔ کیونکہ جن کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے وہ اسی قدر ہوتا ہے جو استثنا کرنے والے کے ذہن میں کھٹکتا ہے۔ خصوصاً وجہ ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں قضا میں یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے تو چاہیے کہ حیض اور محبت میں فرق کیا جائے۔ کیونکہ طلاق اس کی خبر دینے کے ساتھ قضا اور دیانت دونوں اعتبار سے متعلق ہے۔ یہ محبت میں ہے۔ جہاں تک حیض کا تعلق ہے تو دیانت میں اسے طلاق نہ ہوگی مگر جب وہ سچی ہو جس طرح تو

وَمُرَاهِقَةٌ كَالْبَالِغَةِ وَاحْتِلَامُ كَحَيْضٍ فِي الْأَصَحِّ (كَقَوْلِهِ إِنْ حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ، أَوْإِنْ كُنْتِ تُحِبِّينَ عَذَابَ اللهِ فَأَنْتِ كَذَا أَوْ عَبْدُهُ حُرٌّ، فَلَوْ قَالَتْ حِضْتُ وَالْحَيْضُ قَائِمٌ، فَإِنْ انْقَطَعَ

قریب البلوغ بالغہ کی طرح ہے اور احتلام حیض کی طرح ہے۔ یہ صحیح ترین قول ہے۔ اسی طرح اس کا قول: اگر تجھے حیض آئے تو تجھے اور فلانہ کو طلاق یا اگر تو اللہ کے عذاب سے محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق یا اس کا غلام آزاد ہے اگر عورت نے کہا: مجھے حیض آ گیا ہے۔ جب کہ حیض قائم تھا۔ اگر حیض منقطع ہو جائے

قریب ہی اسے پہچانے گا۔ فافہم

13908۔(قولہ: وَمُرَاهِقَةٌ كَالْبَالِغَةِ) جہاں تک ایسی صغیرہ کا حکم ہے جس کو حیض نہیں آتا اور جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اس کا حکم اس جیسا ہے۔ ''النہر'' میں کہا: میں نے اسے نہیں دیکھا چاہیے کہ آئسہ کا قول قبول کیا جائے صغیرہ کا قول قبول نہ کیا جائے۔

13909۔(قولہ: وَاحْتِلَامُ كَحَيْضٍ فِي الْأَصَحِّ) ''النہر'' میں کہا: اگر آقا نے اپنے غلام کو کہا: اگر تجھے احتلام ہو تو تو آزاد ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ غلام نے کہا: مجھے احتلام ہو گیا ہے۔ ''ہشام'' نے یہ روایت کی ہے کہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اصح یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ احتلام ایسا امر ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں پہچانتا جس طرح حیض ہے۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔

13910۔(قولہ: كَقَوْلِهِ إِنْ حِضْتِ) جان لو محبت پر تعلیق، حیض پر تعلیق کی طرح ہے مگر دو چیزوں میں مختلف ہے: دونوں میں سے ایک یہ ہے محبت پر طلاق کو معلق کیا جائے تو یہ مجلس تک محدود ہو گا۔ کیونکہ یہ تخییر ہے یہاں تک کہ وہ اگر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا: میں تجھ سے محبت کرتی ہوں تو اسے طلاق نہیں ہو گی۔ اور حیض پر طلاق کو معلق کیا تو یہ قیام سے باطل نہ ہو گی جس طرح باقی تعلیقات ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے اگر وہ خبر دینے میں جھوٹی ہو تو محبت کے ساتھ طلاق معلق کرنے میں طلاق ہو جائے گی اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔ اور حیض پر معلق کرنے میں دیانۃً طلاق نہ ہو گی ''زیلعی''۔ اسی کی مثل ''الفتح'' وغیرہ میں ہے ''کافی الحاکم الشہید'' میں ہے: اگر خاوند نے کہا: اگر تو فلاں فلاں شے سے محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے خاوند پہچانتا ہے کہ عورت اس سے محبت کرتی ہے یا عورت اس سے محبت نہیں کرتی تو عورت جب تک مجلس میں ہے قول عورت کا معتبر ہو گا۔ اسی طرح اگر عورت نے کہا اگر تو فلاں شے سے بغض رکھتی ہے وہ جانتا ہے کہ عورت اس شے سے محبت رکھتی ہے جس طرح زندگی اور غنا ہے تو عورت نے کہا: میں اس سے بغض رکھتی ہوں تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر خاوند نے کہا: اگر تو فلاں شے سے محبت رکھتی ہے تو تجھے تین طلاقیں۔ عورت نے کہا: میں اس سے محبت نہیں کرتی جب کہ وہ جھوٹی ہو تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر مرد نے کہا: تجھے تین طلاقیں اگر میں فلاں سے محبت کرتا ہوں پھر کہا: میں اس سے محبت نہیں کرتا جب کہ وہ اس قول میں جھوٹا ہو تو یہ اس کی بیوی ہو گی۔ دیانۃً اسے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔ اسی طرح بغض پر قسم اٹھانے کا معاملہ ہے۔ اسی طرح

....

اگر خاوند نے کہا: اگر تو دل سے طلاق سے محبت رکھتی ہے یا تو اس کا ارادہ رکھتی ہے یا تو اس کو چاہتی ہے یا تو اپنے دل سے خواہش کرتی ہے اپنی زبان سے خواہش نہیں کرتی تو تجھے تین طلاقیں۔ عورت نے کہا: میں نہیں چاہتی، میں محبت نہیں کرتی، میں خواہش نہیں کرتی، میں ارادہ نہیں کرتی اور نہ میں اشتہا کرتی ہوں تو یہ اس کی بیوی ہوگی۔ اس کے بعد اس قول کے خلاف قول کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر عورت اپنی اسی مجلس میں ہو یا وہ عورت خاموش ہوگئی اور اس نے کچھ نہ کہا یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو یہ اس کی بیوی ہوگی۔ اگر اس کے دل میں اس کے برعکس ہو جو اس نے ظاہر کیا ہو تو عورت کے لیے گنجائش ہے کہ وہ دیانۃً اسی خاوند کے پاس رہے۔ یہ شیخین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس مرد کے پاس رہے مگر اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو اس نے زبان سے ظاہر کیا ہو۔

''البحر'' میں اس مسئلہ: ان کنت انا احب کذا میں ذکر کیا ہے: ''شمس الائمہ'' نے کہا: یہ مشکل ہے کیونکہ اس کے دل میں جو کچھ ہے اسے حقیقۃً جانتا ہے اگرچہ عورت کے دل میں جو کچھ ہے اسے حقیقۃً نہیں جانتا لیکن جو ہم نے کہا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ حکم کا دارومدار ظاہر پر ہوگا۔ وہ وجوداً اور عدماً خبر دینا ہے۔ ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے: خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں تجھے خوش کروں تو تجھے طلاق ہے خاوند نے اسے مارا تو عورت نے کہا اس نے مجھے خوش کیا ہے۔ علما نے کہا اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ ہمیں اس کے جھوٹ کا یقین ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: اس میں اشکال ہے۔ سروران امور میں سے ہے جس پر آگاہی حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس چاہیے کہ طلاق عورت کی خبر پر معلق ہو اور اس کے بارے میں عورت کا قول قبول کیا جائے اگرچہ ہمیں اس کے جھوٹے ہونے کا یقین ہو جس طرح اگر خاوند نے کہا: اگر تو یہ پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ کا عذاب دے تو تجھے طلاق ہے عورت کہے: میں پسند کرتی ہوں تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ ''البحر'' میں کہا: یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ''ہدایہ'' کا قول ہے: اس کے جھوٹا ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عورت اپنے خاوند سے شدت بغض کی بنا پر بعض اوقات عذاب کے ساتھ اس سے چھٹکارے کو پسند کرتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خاوند نے دل کے فعل کے ساتھ طلاق کو معلق کیا اور عورت نے اس کی خبر دی اگر دونوں کو عورت کے جھوٹ کا یقین ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر تو جنت کو ناپسند کرتی ہے تو طلاق کراہت کی خبر دینے کے ساتھ معلق ہوگی جب کہ وہ ایسی حالت تک نہیں پہنچتی کہ وہ جنت کو ناپسند کرے۔ پس دونوں کو عورت کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے: وہ دنیا کی زندگی سے حد درجہ محبت کرنے کی وجہ سے جنت کو ناپسند کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اس تک موت کے ذریعے ہی پہنچتی ہے جب کہ وہ موت کو ناپسند کرتی ہے اس وجہ سے اس کے جھوٹ کا یقین نہیں۔ یہاں ان کے کلام کا ظاہر معنی ہے وہ اپنے اس قول: انا احب عذاب جھنم واکرہ الجنۃ کی وجہ سے کافر نہیں ہوگی۔

''النہر'' میں اس میں اور سرور والے مسئلہ میں فرق کیا ہے کہ مار کی تکلیف جو عورت کے ساتھ قائم ہے یہ عورت کے جھوٹا ہونے پر ظاہر دلیل ہے۔ محض عذاب کی محبت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو عورت کے یقینی جھوٹا

لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهَا زَيْلَعِيٌّ وَحَدَّادِيٌّ (أَوْ أُحِبُّ طَلُقَتْ هِيَ فَقَطْ) إنْ كَذَّبَهَا الزَّوْجُ،
تو اسکا قول قبول نہ ہوگا ''زیلعی''،''حدادی''۔ یا میں محبت کرتی ہوں تو صرف اسے طلاق واقع ہوگی اگر خاوند اسکی تکذیب کرے۔

ہونے پر دال ہو اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ایک مسئلہ میں اشکال باقی ہے: ان کنتُ احبُّ کذا جب وہ اس کے خلاف خبر دے جو اس کے دل میں ہے کیونکہ اس مرد کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے جب حکم کا دارومدار خبر دینے پر ہے جس طرح ''شمس الائمہ'' سے قول گزرا ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ لیکن مسئلہ سرور میں ''قاضی خان'' کا اشکال متوجہ ہوتا ہے مگر جب یہ جواب دیا جائے کہ حکم خبر دینے کے ساتھ متعلق ہوگا جب تک خبر کا غیر اس کے جھوٹ کا یقین ظاہر نہ کرے۔ اس کے ساتھ ''شمس الائمہ'' کا اشکال اور ''قاضی خان'' کا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ فتامل۔

تنبیہ

''البحر'' میں کہا: عورت کی محبت کی قید ذکر کی کیونکہ اگر خاوند نے طلاق کو اس عورت کے غیر کی محبت پر معلق کیا تو ''المحیط'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ خاوند کی تصدیق ضروری ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر خاوند کہے۔ انت طالق ان لم تکن امك تهوی ذلك تجھے طلاق اگر تیری ماں اسے پسند نہ کرے تو ماں نے کہا: انا لا اهوی میں اسے پسند نہیں کرتی اور خاوند اس کو جھٹلائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر خاوند اس کی تصدیق کرے تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو معروف ہے۔ ''ابن رستم'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے: اگر خاوند نے کہا: اگر فلاں مومن ہے تو تجھے طلاق ہے تو اسے طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا امر ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے اور اس کی اس کے علاوہ پر تصدیق نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ مسلمانوں میں سے ہو نماز پڑھتا ہو اور حج کرتا ہو۔ اگر مرد نے کسی اور سے کہا: مجھے تجھ سے کام ہے وہ کام کر دو۔ دوسرے نے کہا: اس کی بیوی کو طلاق ہے اگر میں تیرا کام نہ کروں۔ تو پہلا کہے: میرا کام یہ ہے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو دوسرے کو حق حاصل ہے کہ وہ اس پہلے کی اس معاملہ میں تصدیق و تائید نہ کرے اور دوسرے کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلے کا قول صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے اس لیے اس کے غیر پر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

''خیر رملی'' نے کہا: ان فروع سے معلوم ہو گیا ہے کہ اگر اس نے طلاق کو غیر کے فعل کے ساتھ معلق کیا تو غیر کی اس پر تصدیق نہ کی جائے گی خواہ اس امر کا علم اسی غیر سے ہوتا ہو یا یہ ایسا نہ ہو۔ دونوں امور میں خاوند کی تصدیق و تائید ضروری ہے یا گواہ ضروری ہے اس امر میں جو گواہوں کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ امر ایسا ہوتا ہے جو معلوم ہو۔

13911۔ (قولہ: لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهَا) کیونکہ یہ ضروری ہے پس اس میں شرط کا قیام شرط ہے ''زیلعی''۔ کیونکہ عورت کے قول کا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ اس پر حکم شرعی مرتب ہوتا ہے۔ اس کی مفصل بحث (مقولہ 13926 میں) آئے گی۔

13912۔ (قولہ: طَلُقَتْ هِيَ فَقَطْ) صرف اسے ہی طلاق ہوگی فلانہ کو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ شرعی طور پر اس کے حق

فَإِنْ صَدَّقَهَا أَوْ عَلِمَ وُجُودَ الْحَيْضِ مِنْهَا طَلُقَتَا جَمِيعًا حَدَّادِيٌّ (وَفِي إِنْ حِضْتِ لَا يَقَعُ بِرُؤْيَةِ الدَّمِ) لِاحْتِمَالِ الِاسْتِحَاضَةِ (فَإِنِ اسْتَمَرَّ ثَلَاثًا وَقَعَ مِنْ حِينِ رَأَتْ) وَكَانَ بِدْعِيًّا،

اگر خاونداس کی تصدیق کرے یا خاوند کواس کے حیض کا علم ہوتو دونوں کوطلاق واقع ہوجائے گی۔ ''حدادی''۔ اگر خاوند نے کہا: تجھے طلاق ہے اگر تجھے حیض آئے تو خون دیکھتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ احتمال موجود ہے کہ یہ خون استحاضہ کا ہو۔ اگر خون تین دن جاری رہا تو جس دن سے اس نے خون دیکھا تھا طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ طلاق بدعی ہوگی۔

میں جسے دیکھا جائے گا وہ اس کا خبر دینا ہے۔ کیونکہ وہ امینہ ہے اور سوکن کے حق میں وہ متہم ہے۔ اور اس مسئلہ میں عورت کی گواہی ایک فرد کی گواہی ہے۔ اور اس میں حقیقت سے کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کا قول اس کے اپنے حق میں قبول کیا جائے غیر کے حق میں قبول نہ کیا جائے جس طرح وارثوں میں سے کوئی جب میت پر دین کا اقرار کرے تو یہ اقرار اس کے حصہ تک محدود رہے گا جب اس کے باقی وارث اس کی تصدیق نہ کریں۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔

13913۔ (قولہ: أَوْ عَلِمَ وُجُودَ الْحَيْضِ مِنْهَا) جو قول پہلے گزرا ہے: وما لا یعلم الا منہا وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ قول اس کے بارے میں تھا جب اس کا امر اشکال پیدا کرے اور یہ اس کے بارے میں ہے جب اشکال پیدا نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنی معروف عدت کے وقت میں خاوند اور اپنی سوکن کو خبر دے اور اس کے خون کو دیکھا گیا ہو اس طرح کہ کوئی شک باقی نہ رہا۔ تامل۔ ''رملی''۔

13914۔ (قولہ: وَفِي إِنْ حِضْتِ) جس کو پہلے مجمل ذکر کیا تھا یہ اس کی تفصیل اور بیان ہے۔ اسی کی مثل تعلیق ہے اس قول: انت طالق فی حیضتك یا انت طالق مع حیضتك میں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

13915۔ (قولہ: وَقَعَ مِنْ حِينِ رَأَتْ) کیونکہ خون جاری رہنے سے واضح ہوگیا کہ یہ ابتدا سے ہی حیض تھا۔ مفتی پر ضروری ہے کہ وہ تعیین کرے اور کہے: اسے اس وقت سے طلاق ہوگئی ہے جس وقت سے اس نے خون دیکھا ہے۔ یہ استناد کے باب سے نہیں بلکہ یہ تبیین کے باب سے ہے۔ اسی وجہ سے کہا: من حین رأت۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے۔ ''البحر'' میں ''الکافی'' میں اس مسئلہ: ان حضت فعبدی حر و ضرتك طالق میں مروی ہے جب عورت خون دیکھے تو کہے مجھے حیض آ گیا ہے اور خاونداس کی تصدیق کردے خون لگاتار جاری رہنے سے قبل خاوند کو عورت کے ساتھ وطی کرنے سے منع کیا جائے گا اور غلام سے تین دنوں میں خدمت لینے سے روک دیا جائے گا۔ کیونکہ خون کے لگاتار رہنے کا احتمال موجود ہے۔

13916۔ (قولہ: وَكَانَ بِدْعِيًّا) طلاق کیونکہ حیض میں واقع ہوئی ہے۔ ان حضت حیضۃ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔ یہ واضح ہونے کا ثمرہ ہے۔ اور نیز اس میں بھی ظاہر ہوگا اگر حیض کے ساتھ آزادی کو معلق کیا گیا ہو۔ پس غلام نے جنایت کی یا خون دیکھنے کے بعد اس پر جنایت کی گئی۔ پس خون لگاتار جاری رہنے کی صورت میں جنایت آزاد کی جنایت ہوگی اور اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شرط جب خون دیکھنا تھا تو لازم آئے گا کہ طلاق کا وقوع اس

فَإِنْ غَيْرَ مَدْخُولَةٍ فَتَزَوَّجَتْ بِآخَرَ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ صَحَّ، فَلَوْ مَاتَتْ فِيهَا فَإِرْثُهَا لِلزَّوْجِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي وَتُصَدَّقُ فِي حَقِّهَا دُونَ ضَرَّتِهَا (وَ) فِي (إِنْ حِضْتِ حَيْضَةً) أَوْ نِصْفَهَا أَوْ ثُلُثَهَا

اگر وہ عورت غیر مدخولہ ہو تو اس نے تین دنوں میں کسی اور مرد سے شادی کی تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر عورت ان دنوں میں مرگئی تو اس کی وراثت پہلے خاوند کے لیے ہوگی نہ کہ دوسرے کیلئے۔ عورت کی اسکے اپنے حق میں تصدیق کی جائے گی اسکی سوکن کے حق میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اگر کہا: اگر تجھے مکمل حیض آیا یا اس کا نصف آیا یا ایک تہائی حیض آیا

کے بعض کے بعد ہو۔ اسی وجہ سے کہا: یہ طلاق بدعی ہے۔ اور اس صورت میں جب خاوند نے عورت سے تین دنوں میں خلع کیا خلع باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے طلاق ہو چکی ہے۔ یہ ''حدادی'' نے کہا۔ ''البحر'' میں اس میں اعتراض کیا ہے کہ خلع تو صریح طلاق کو لاحق ہوتا ہے۔ اور ''النہر'' میں جواب دیا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہوگا جب عورت مدخول بہا نہ ہوگی۔

13917۔ (قولہ: فَإِنْ غَيْرَ مَدْخُولَةٍ) یہ ان کے اس قول وقع من حين رأت پر تفریع ہے۔ مدخول بہا سے احتراز کیا ہے اگر چہ مدخول بہا حکماً ہو جس طرح وہ عورت جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہو۔ کیونکہ اس کے لیے تین دنوں میں کسی اور مرد سے عقد نکاح ممکن نہیں۔ کیونکہ اس پر پہلے خاوند کی عدت لازم ہوتی ہے۔

13918۔ (قولہ: فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں کلام ہوتی فی الثلاثۃ الایام۔ ''النہر'' کی عبارت ہے: اس عورت نے شادی کی جب اس نے خون دیکھا، ''ح''۔

13919۔ (قولہ: فَإِرْثُهَا لِلزَّوْجِ الْأَوَّلِ) کیونکہ یہ پتا نہیں ہوتا کہ کیا یہ حیض ہے یا نہیں؟ ''بحر''۔ یعنی طلاق کے وقوع کی شرط متحقق نہیں ہوتی۔ پس یہ اس کے نکاح میں باقی ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس پر دوسرا نکاح باطل ہے پس مہر لازم نہیں ہوگا۔

13920۔ (قولہ: وَتُصَدَّقُ فِي حَقِّهَا) یعنی جب خاوند نے عورت کی طلاق اور اس کی سوکن کی طلاق کو اس کے حیض پر معلق کیا۔ مصنف کا گزشتہ قول طَلُقَتْ هِيَ فقط اس سے غنی کر دیتا ہے۔ ''البحر'' میں ''شرح المجمع'' سے مروی ہے: اگر خاوند نے کہا: تین دنوں میں خون ختم ہو گیا ہے عورت نے اور غلام نے انکار کر دیا تو قول ان دونوں کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ خاوند نے ظاہراً آزادی کی شرط کے پائے جانے کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ خون کا اس کے وقت میں دیکھنا حیض ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اسے نماز اور روزہ کے ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا پھر اس نے ایسے عارضہ کا دعویٰ کیا جو دکھائی دینے والی چیز کو اس امر سے خارج کر دیتا ہے کہ وہ حیض ہو۔ پس خاوند کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر عورت اس کی تصدیق کرے اور غلام اس کی تین دنوں میں تکذیب کرے تو قول میاں بیوی کا معتبر ہوگا۔ اگر تین دنوں کے بعد یہ ہو تو قول غلام کا ہوگا۔

13921۔ (قولہ: وَفِي إِنْ حِضْتِ حَيْضَةً) اس کی مثل: انت طالق مع حيضتكم یا انت طالق فی حیضتك تا کے ساتھ ہے، ''بحر''۔

أَوْ سُدُسَهَا لِعَدَمِ تَجَزِّيْهَا (لَا يَقَعُ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْهَا) لِأَنَّ الْحَيْضَةَ اسْمٌ لِلْكَامِلِ، ثُمَّ إِنَّمَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا مَا لَمْ تَرَ حَيْضَةً أُخْرَى جَوْهَرَةٌ

اسکا چھٹا حصہ آیا تو ایک ہی حکم ہے۔ کیونکہ یہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ کیونکہ حیضہ کا لفظ کامل حیض کا نام ہے۔ پھر عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ایک اور حیض نہ دیکھے ''جوہرہ''۔

13922۔ (قولہ: لِعَدَمِ تَجَزِّيْهَا) یہ اس مساوات کی علت ہے کہ نصف کے ساتھ تعبیر کریں اور اس کی حیضہ کے ساتھ تعبیر کریں۔ کیونکہ اس چیز کے بعض کا ذکر جو تقسیم کو قبول نہیں کرتا یہ اس کے کل کے ذکر کی طرح ہے۔ ''النہر'' میں ''الجوہرۃ'' سے مروی ہے: اگر خاوند نے کہا: تجھے نصف حیض آجائے تو تجھے یہ یعنی طلاق جب تجھے حیض کا نصف آخر آئے تو تجھے طلاق جب تک اسے حیض نہ آئے اور وہ پاک نہ ہو تو اسے کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ جب وہ پاک ہو جائے گی تو اسے دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

13923۔ (قولہ: لَا يَقَعُ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْهَا) یا پورے دس دن اسے حیض آئے اور پھر ختم ہو یا وہ غسل کرلے یا جو چیز اس کے قائم مقام ہو جیسے ایک نماز اس کے ذمہ لازم ہو جائے اس صورت میں جب خون اسے دس دنوں سے کم میں ختم ہو''نہر''۔

13924۔ (قولہ: لِأَنَّ الْحَيْضَةَ) حیضہ یہ حا کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ایک بار ہے۔ حِیضۃ کسرہ کے ساتھ اسم ہے اور اس کی جمع حِیَض آتی ہے۔ ''بحر'' میں ''الصحاح'' سے مروی ہے۔

13925۔ (قولہ: اسْمٌ لِلْكَامِلِ) یعنی حیض مکمل نہیں ہوتا مگر جب عورت اس سے پاک ہو اگر عورت حائضہ ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ پاک ہو پھر اسے حیض آئے۔ اگر اس نے نیت کی اس چیز کی جو اس حیض سے جنم لیتی ہے تو حکم اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے نیت کی۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: اگر تو حاملہ ہو۔ مگر یہاں یہ ہے جب اس نے اس حمل کی نیت کی جس میں وہ عورت ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس کے متعدد اجزا نہیں۔ حیض کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ ''حدادی'' نے کہا ہے، ''نہر''۔

13926۔ (قولہ: مَا لَمْ تَرَ حَيْضَةً أُخْرَى) اس کی صورت یہ ہے وہ خبر دیتی ہے جب کہ وہ حیض میں مبتلا ہو یا اس حیض سے پاک ہونے کے بعد خبر دیتی ہے۔ مگر جب وہ خبر دے جب کہ وہ دوسرے حیض میں مبتلا ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ دوسرے حیض سے پاک ہو۔ یہ اس کے اس قول اذا حِضْتِ جب کہ اس کے ساتھ حیضۃ نہ کہا کے خلاف ہے۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ اس وقت خبر دے جب اس کا حیض موجود ہو بعد میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے ''الفتح'' میں کہا: کیونکہ یہ ضروری ہے پس شرط کا قیام شرط ہوگا۔ اس کا قول ان حضت حیضۃ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا قول اس طہر میں قبول کیا جائے گا جو اس حیض کے ساتھ ملا ہوتا ہے نہ اس سے پہلے اور نہ ہی اس کے بعد قبول کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر عورت نے مدت کے بعد کہا: مجھے حیض آیا اور میں پاک ہو گئی اور اس وقت مجھے ایک اور حیض آیا ہے تو

وَفِي إِنْ صُمْتِ يَوْمًا فَأَنْتِ طَالِقٌ تَطْلُقُ حِينَ غَرَبَتْ) الشَّمْسُ (مِنْ يَوْمِ صَوْمِهَا، بِخِلَافِ إِنْ صُمْتِ) فَإِنَّهُ يَصْدُقُ بِسَاعَةٍ (قَالَ لَهَا إِنْ وَلَدْتِ غُلَامًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً، وَإِنْ وَلَدْتِ جَارِيَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْهُمَا وَلَمْ يُدْرَ الْأَوَّلُ تَلْزَمُهُ طَلْقَةٌ وَاحِدَةٌ قَضَاءً وَثِنْتَانِ تَنَزُّهًا)

اگراس نے کہا: اگر تو نے پورا دن روزہ رکھا تو تجھے طلاق ہے تو اس کے روزے والے دن جب سورج غروب ہوگا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس نے کہا: اگر نے روزہ رکھا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک ساعت کے روزہ پر بھی صادق آئے گا۔ خاوند نے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے ایک طلاق ہے اگر تو نے بچی جنی تو تجھے دو طلاقیں۔ عورت نے دونوں کو جنا اور پہلے کون تھا اس کا پتہ نہیں تو اسے قضاءً ایک طلاق ہوگی اور احتیاطاً دو طلاقیں ہوں گی۔

اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے شرط کی اس وقت خبر دی جب کہ شرط معدوم ہو چکی تھی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر جب وہ اس حیض کے گزرنے کے بعد طہر کے بارے میں خبر دے تو اس وقت طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر جب وہ اس حیض کے گزرنے کے بعد طہر کے بارے میں خبر دے تو اس وقت طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ شرعاً وہ امینہ ہے جس کے بارے میں وہ خبر دے رہی ہے وہ حیض ہو یا طہر ہو۔ کیونکہ بدیہی بات ہے کہ احکام ان کے متعلق ہیں۔ ان احکام کے نہ ہوتے ہوئے اس کو امین نہ مانا جائے گا کیونکہ اسے امین ماننے کی ضرورت نہیں جب خاوند اس کو جھٹلائے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے حیض سے اس کے محض پاک ہونے سے اسے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی خبر دے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ جن امور کا علم اس سے ہی ہو سکتا ہے وہ اس کے خبر دینے کے متعلق ہوگا۔ اس کے قول: اذا کذبها الزوج سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جب خاوند نے اس کی تصدیق کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ وہ دوسرے طہر سے پاک نہ ہو۔

13927۔ (قولہ: وَفِي إِنْ صُمْتِ يَوْمًا) اس کی مثل اس کا یہ قول ہے: ان صُمتِ صوماً تو طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب تمام دن مکمل ہو جائے۔ کیونکہ اسے معیار کے ساتھ مقدر کیا گیا ہے، ''فتح''۔

13928۔ (قولہ: بِخِلَافِ إِنْ صُمْتِ) یہ اس کے متعلق ہے جسے شرع میں صوم کہتے ہیں جب کہ روزہ اپنے رکن اور شرط کے ساتھ ایک ساعت رکنے کے ساتھ ہی متحقق ہو جاتا ہے۔ پس اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ بعد میں اسے توڑ دے۔ اسی طرح جب اس نے کہا: تو نے دن میں روزہ رکھا یا ماہ میں روزہ رکھا۔ کیونکہ اس کو مکمل کرنا شرط نہیں۔ جب وہ کہے اذا صلیتِ صلاۃ تو یہ دو رکعتوں کے ساتھ واقع ہوگی۔ جب اس نے کہا اذا صلیتِ تو ایک رکعت کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔

13929۔ (قولہ: فَوَلَدَتْهُمَا) یعنی ایک کے بعد ایک جنا، ''نہر''۔ اس کا محترز آئے گا اور ولم یدر الاول اس کے قول کا محترز ہے۔

13930۔ (قولہ: وَثِنْتَانِ تَنَزُّهًا) یعنی حرمت سے دوری اختیار کرتے ہوئے۔ ''نہر''۔ ''قہستانی'' میں ہے: یعنی

أَیْ احْتِیَاطًا لِاحْتِمَالِ تَقَدُّمِ الْجَارِیَةِ (وَمَضَتْ الْعِدَّةُ) بِالثَّانِی فَلِذَا لَمْ یَقَعْ بِهِ شَیْءٌ لِأَنَّ الطَّلَاقَ الْمُقَارِنَ لِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لَا یَقَعُ، فَإِنْ عُلِمَ الْأَوَّلُ فَلَا كَلَامَ، وَإِنْ اخْتَلَفَا فَالْقَوْلُ لِلزَّوْجِ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَإِنْ تَحَقَّقَ وِلَادَتُهُمَا مَعًا وَقَعَ الثَّلَاثُ وَتَعْتَدُّ بِالْأَقْرَاءِ (وَإِنْ وَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِیَتَیْنِ وَلَا یُدْرَی الْأَوَّلُ یَقَعُ ثِنْتَانِ قَضَاءً وَثَلَاثٌ تَنَزُّهًا) وَإِنْ وَلَدَتْ غُلَامَیْنِ وَجَارِیَةً

یعنی بطور احتیاط کیونکہ بچی کے پہلے پیدا ہونے کا احتمال ہے اور دوسرے بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ عدت گزر جائے گی اس وجہ سے اس کے ساتھ کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ طلاق جو انقضاء عدت کے ساتھ ملی ہو وہ واقع نہیں ہوتی۔ اگر پہلے کون پیدا ہوا اس کا علم ہو تو کوئی نزاع نہیں۔ اگر اختلاف ہو جائے تو قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ اگر دونوں کی ولادت اکٹھے متحقق ہو تو تینوں طلاقیں اکٹھی ہوں گی اور عورت حیضوں کے ساتھ عدت گزارے گی۔ اگر اس عورت نے ایک بچہ اور دو بچیاں جنیں اور پہلے کا پتہ نہیں۔

دیانۃً۔ یعنی جو معاملہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے جس طرح مصنف وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا یہ ہے کہ جب اس پر دوسری طلاق واقع ہو چکی ہے تو دیانۃً اس پر واجب ہے کہ بطور احتیاط اور حرمت سے دوری اختیار کرتے ہوئے اس سے جدا ہو جائے اگرچہ قاضی اس کا حکم نہ دے بلکہ مفتی اس کا فتویٰ دے۔ مصنف اور دوسرے علما نے جو لزوم کے ساتھ اسے تعبیر کیا ہے وہ بھی اس پر دال ہے۔ لیکن ''ہدایہ'' میں ہے: اولیٰ یہ ہے کہ وہ تنزہ اور احتیاط کے طور پر دو طلاقیں اپنائے۔ فتامل۔ قضا میں دو طلاقیں اسے لازم نہ ہوں گی۔ کیونکہ دونوں کا وقوع ثابت نہیں اور حلت یقینی طور پر ثابت تھی۔ پس احتمال کے ساتھ یہ زائل نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ کہتے: واخری تنزھا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ عبارت وہم دلاتی ہے کہ دو ایک کے علاوہ ہیں۔ اگر اسے تسلیم ہی کر لیا جائے تو تنزہ ایک کے ساتھ ہوگی اور دوسری قضاء ہوگی۔

13931۔(قولہ: وَمَضَتْ الْعِدَّةُ بِالثَّانِی) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہ رجوع ہے اور نہ ہی وراثت ہے،''بحر''۔

13932۔(قولہ: فَلَا كَلَامَ) کیونکہ معلق طلاق پہلے بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ واقع ہوگی اور دوسرے بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ کوئی شے واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ذکر کیا ہے: من ان الطلاق المقارن۔

13933۔(قولہ: لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ) وہ زائد طلاق کا انکار ہے یہ ان کے قول: وان اختلفا فی وجود الشرط کی فرع ہے۔

13934۔(قولہ: وَإِنْ تَحَقَّقَ وِلَادَتُهُمَا مَعًا) مصنف نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ عادۃً یہ محال ہے۔''بحر''۔ اگر اس نے خنثیٰ کو جنا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری موقوف ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کا حال واضح ہو جائے گا۔''ہندیہ'' میں ''البحر الزاخر'' سے مروی ہے،''ط''۔

13935۔(قولہ: یَقَعُ ثِنْتَانِ قَضَاءً) کیونکہ بچہ اگر پہلا ہو یا دوسرا ہو تین طلاقیں ہو جائیں گی ایک بچے کے ساتھ

فَوَاحِدَةٌ قَضَاءً وَثَلَاثٌ تَنَزُّهًا (وَ) هٰذَا بِخِلَافِ مَا (لَوْ قَالَ إِنْ كَانَ حَمْلُكِ غُلَامًا فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً، وَإِنْ كَانَ جَارِيَةً فَثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً لَمْ تَطْلُقْ) لِأَنَّ الْحَمْلَ اسْمٌ لِلْكُلِّ، فَمَا لَمْ يَكُنِ الْكُلُّ غُلَامًا أَوْ جَارِيَةً لَمْ تَطْلُقْ (وَكَذَا) لَوْ قَالَ (إِنْ كَانَ مَا فِي بَطْنِكِ غُلَامًا) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا لِعُمُومِ مَا (بِخِلَافِ إِنْ كَانَ فِي بَطْنِكِ) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (فَإِنَّهُ يَقَعُ الثَّلَاثُ) لِعَدَمِ اللَّفْظِ الْعَامِّ

تو دو قضاءً واقع ہوں گی اور تین تنزہا واقع ہوں گی۔ اگر اس نے دو بچے جنے اور ایک بچی جنی تو ایک قضاءً اور تین تنزہا ہوں گی۔ یہ اس کے خلاف ہے اگر خاوند کہے: اگر تیرا حمل بچہ ہے تو تجھے ایک طلاق اگر بچی ہے تو تجھے دو طلاقیں۔ اس نے ایک بچہ اور ایک بچی جنی تو کوئی طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ حمل کل کا نام ہے جب تمام بچہ یا بچی نہیں تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر خاوند نے کہا: اگر تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے بچہ ہے۔ مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا کیونکہ ما عام ہے۔ ان کان فی بطنك کا معاملہ مختلف ہے۔ مسئلہ اپنی حالت پر ہے تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ لفظ عام نہیں۔

اور دو پہلی بچی کے ساتھ۔ کیونکہ عدت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک بطن میں بچہ ہو۔ اگر بچہ آخر میں ہو تو دو طلاقیں پہلی بچی کے ساتھ واقع ہو جائیں گی اور دوسری کے ساتھ کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ بچی کے بارے میں قسم پہلی بچی کے ساتھ ختم ہوگئی اور بچے کے ساتھ کوئی شے واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عدت کے ختم ہونے کی حالت ہے۔ پس تین اور دو کے درمیان معاملہ متردد ہوگا۔ پس اقل پر قضاءً حکم لگایا جائے گا اور اکثر پر تنزہاً حکم لگایا جائے گا، ''فتح''۔

13936۔ (قولہ: فَوَاحِدَةٌ قَضَاءً) اگر دونوں بچے پہلے ہوں تو دونوں میں سے پہلے کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرے بچے کے ساتھ کوئی چیز واقع نہ ہوگی اور آخری بچی کے ساتھ کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ عدت ختم ہو چکی ہے اگر بچی پہلی یا درمیانی ہو تو اس کے ساتھ دو واقع ہو جائیں گی اور ایک بچے کے ساتھ پیدا ہوگی خواہ بچے کی پیدائش بچی کے بعد ہو یا پہلے ہو پس تین اور ایک کے درمیان معاملہ متردد ہوگا۔

13937۔ (قولہ: لِأَنَّ الْحَمْلَ اسْمٌ لِلْكُلِّ) کیونکہ یہ اسم جنس ہے جو مضاف ہے پس یہ تو عام ہوگا، ''فتح''۔

13938۔ (قولہ: وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا) یعنی عورت نے بچہ اور بچی جنی۔

13939۔ (قولہ: لِعُمُومِ مَا) پس ما تقاضا کرتا ہے کہ ایک یا دو طلاقوں کے وقوع کی شرط اسکے بطن میں جو کچھ ہے سب کا بچہ یا لونڈی ہونا شرط ہے۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ''الفتح'' میں ہے: ان کان ما فی هذا العِدلِ حنطةً فهی طالق او دقیقا فطالق اگر اس بوری میں گندم ہے تو اسے طلاق ہے یا آٹا ہے تو اسے طلاق ہے اس میں گندم اور آٹا دونوں تھے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

13940۔ (قولہ: لِعَدَمِ اللَّفْظِ الْعَامِّ) یعنی عام لفظ نہیں بلکہ لفظ اس پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ لفظ بچی اور بچے پر صادق آتا ہے جو دونوں اس کے بطن میں تھے ''ط''۔ ''الجامع'' میں ہے: اگر مرد نے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق ہے۔ اگر وہ جو تو جنے گی وہ بچہ ہے تو تجھے دو طلاقیں ہیں اس نے بچہ جنا تو دونوں شرطیں پائے جانے کی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو

(فُرُوعٌ) عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِحَبَلِهَا لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَلِدَ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْيَمِينِ قَالَ إِنْ وَلَدْتِ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ وَلَدًا مَيِّتًا طَلُقَتْ وَعَتَقَتْ قَالَ لِأُمِّ وَلَدِهِ إِنْ وَلَدْتِ فَأَنْتِ حُرَّةٌ تَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ جَوْهَرَةٌ (عَلَّقَ) الْعَتَاقَ أَوْ الطَّلَاقَ وَلَوْ (الثَّلَاثَ بِشَيْئَيْنِ حَقِيقَةً

فروع: مرد نے عورت کی طلاق کو اس کے حمل پر معلق کیا اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک قسم کے وقت سے دو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد بچہ جنے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق ہے یا تو آزاد ہے تو اس نے مردہ بچہ جنا تو اسے طلاق ہو جائے گی اور وہ آزاد ہو جائے گی اس نے اپنی ام ولد سے کہا: اگر تو نے جنا تو تو آزاد ہے۔ اس کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی ''جوہرہ''۔ آزادی یا طلاق کو معلق کیا اگرچہ تین طلاقیں ہوں دو چیزوں پر فی الحقیقت دو پر تعلیق ہو

جائیں گی۔ کیونکہ مطلق مقید میں موجود ہے۔ یہ امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمہما اللہ کا قول ہے، ''فتح''۔

13941۔ (قولہ: لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَلِدَ) کیونکہ اس نے طلاق کو معلق کیا اس حمل کے ساتھ جو قسم کے بعد پیدا ہوگا۔ یہ وہم موجود ہے جو بچہ دو سال سے پہلے پیدا ہو وہ حمل قسم سے پہلے ٹھہرا ہو۔ پس پیدا ہونے والے بچے میں شک واقع ہو گیا پس طلاق شک سے واقع نہیں ہوتی۔ ''محیط'' میں اسی طرح ہے، ''بحر''۔ عدت بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے جس طرح ''کافی الحاکم'' میں ہے۔ یہ قول اس میں صریح ہے کہ طلاق ولادت کے بعد واقع نہیں ہوتی ورنہ ولادت کے ساتھ عدت ختم نہ ہوتی بلکہ طلاق اس حمل کے ساتھ واقع ہو گئی تھی جو قسم کے بعد ٹھہرا تھا۔ کیونکہ حمل یہی معلق علیہ تھا۔ شارح کا قول حتی تلد کا معنی ہے یمین کے وقت سے دو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے پر دلالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق حمل کی ابتداء سے ہو گئی تھی۔ قسم کے وقت سے دو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے میں یہ شرط ہے تا کہ یہ ثابت ہو کہ حمل قسم کے بعد ٹھہرا ہے۔ اگر اس سے کم عرصہ میں پیدا ہو تو احتمال موجود ہے کہ حمل قسم سے پہلے ٹھہرا ہو پس طلاق شک سے واقع نہیں ہوگی۔ پھر جب ولادت کے ساتھ طلاق کا وقوع حمل کے وقت سے ظاہر ہوا تو حمل کا وقت مجہول ہے۔ پس طلاق کے وقوع کا وقت معلوم نہیں مگر جب یہ کہا جائے کہ ولادت سے چھ ماہ پہلے طلاق ہوئی۔ کیونکہ اس میں حمل یقینی ہے اور اس سے ماقبل مشکوک ہے۔ پس طلاق شک کے ساتھ واقع نہ ہوگی۔ ''حلبی'' نے اسی طرح بحث کی ہے۔

تنبیہ: یہ قسم وطی کو حرام نہیں کرتی۔ مگر مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ وطی نہ کرے جب تک استبرا نہ کر لے۔ کیونکہ حمل کا نئے سرے سے واقع ہونا متصور ہے جس طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ استبرا واجب نہیں کیونکہ وطی کا حلال ہونا اصل ہے اور حمل کا ٹھہرنا موہوم ہے۔ جس طرح ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

13942۔ (قولہ: تَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ) عبارت میں سقوط ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: عتقت لانہ ولد تنقضی بہ العدۃ ''جوہرۃ'' کی عبارت اسی طرح ہے۔ جب مرد نے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق ہے اس نے مردہ بچہ جنا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح جب مرد نے اپنی لونڈی سے کہا: جب تو نے بچہ جنا تو تو آزاد ہے تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہوگا۔

بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ
شرط کے مکرر ہونے کے ساتھ

کیونکہ موجود مولود ہے پس وہ حقیقۃً ولد ہوگا۔ شرع میں بھی اس کے ولد ہونے کا اعتبار ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی اس کے بعد جو خون ہوگا وہ نفاس ہوگا اور اس کی ماں ام ولد ہوگی۔ پس شرط متحقق ہوگئی وہ بچے کی ولادت ہے۔

فقوله: حتی تنقضی به العدة، یہ ویعتبر ولدا فی الشرع کی غایت ہے۔ اس کا معنی وہ نہیں جو ''شرح'' سے سمجھا جا رہا ہے کہ ام ولد اس بچے کی ولادت کے ساتھ عدت سے خارج ہو جائے گی کیونکہ عدت آزادی کے بعد واجب ہوتی ہے اور آزادی ولادت پر معلق ہوتی ہے۔ پس یہ ولادت کے بعد واقع ہوگی پس ولادت عورت کے وجوب پر دو مرتبوں سے متقدم ہے تو وحدت کے ساتھ عدت کیسے ختم ہو جاتی ہے جس طرح ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

اگر عطف کے ساتھ یا عطف کے بغیر شرط کا تکرار ہو تو اس کا حکم

اگر اداۃ شرط کا تکرار بغیر عطف کے ہو تو اسے تقدیم و تاخیر پر محمول کیا جائے گا

13943۔(قوله: بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شرط کو دوسری شرط پر عطف کیا اور جزا کو موخر کیا جیسے: اذا قدم فلان واذا قدم فلان فانت طالق تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ دونوں آ جائیں۔ کیونکہ اس نے شرط محض کو شرط پر عطف کیا جس کا حکم نہیں پھر جزا کا ذکر کیا۔ پس یہ جزا دونوں کے ساتھ متعلق ہوگی۔ پس یہ دونوں شرطیں ہوں گی پس طلاق ان دونوں کے وجود کے ساتھ واقع ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک شرط کے ساتھ طلاق واقع ہوگی تو اس کی نیت صحیح ہو گی کہ اس نے جزا کو ان دونوں میں سے ایک پر مقدم کیا ہے۔ اس میں سختی ہے۔ یا اس نے ادات شرط کو عطف کے بغیر مکرر کیا جس طرح وہ کہے: ان اکلتِ ان لبستِ فانت طالق اسے طلاق نہ ہوگی جب تک وہ لباس نہ پہنے اور پھر کھانا نہ کھائے۔ پس تو موخر کو مقدم کرے گا۔ تقدیر کلام یہ ہے: ان لبستِ فان اکلت فانت طالق۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر کہا: کل امرأة اتزوجها ان کلمت فلانا فھی طالق موخر کو مقدم کیا جائے گا۔ پس تقدیر کلام یہ ہوگی: ان کلمت فلانا فکل امرأة اتزوجها طالق۔ اسی تعبیر کی بنا پر جب اس نے کہا: ان اعطیتُكِ ان وعدتُكِ ان سألتنی فانت طالق اسے طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ عورت پہلے اس سے سوال کرے پھر خاوند اس سے وعدہ کرے پھر خاوند اسے عطا کرے۔ کیونکہ خاوند نے عطیہ میں وعدہ کی شرط لگائی اور وعدہ میں سوال کی شرط لگائی گویا خاوند نے کہا: ان سألتِنی ان وعدتُكِ ان اعطیتُكِ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب دوسری شرط پہلی شرط پر عادۃً مترتب نہ ہو اور جزا دونوں شرطوں سے متاخر یا دونوں سے متقدم ہو ورنہ ہر شرط اپنی جگہ پر ہوگی۔ ان اکلتِ ان شربتِ فانت حر یہاں تک کہ وہ پیے پھر کھائے وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ اسی طرح ہے: ان دعوتنی ان اجبتكِ او ان رکبتِ الدابة ان اتیتِنی۔ ہر شرط کو اپنی جگہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ جب دونوں عرفاً مرتب ہیں تو ثم کا کلمہ مضمر ہوگا۔ یہی حکم ہوگا جب جزا دو شرطوں کے درمیان ہو ہر شرط کو اس کی جگہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ حرف

أَوْ لَا كَإِنْ جَاءَ زَيْدٌ وَبَكْرٌ فَأَنْتِ كَذَا (يَقَعُ) الْمُعَلَّقُ (إِنْ وُجِدَ) الشَّرْطُ (الثَّانِي فِي الْمِلْكِ وَإِلَّا لَا) لِاشْتِرَاطِ الْمِلْكِ حَالَةَ الْحِنْثِ

یا وہ حقیقت میں دو شرطیں نہ ہوں۔ جس طرح وہ کہے: ان جاء زید و بکر فانت کذا تو معلق امر واقع ہوگا اگر ملکیت میں دوسری شرط پائی جائے ورنہ نہیں۔ کیونکہ حالت حنث میں ملکیت کا ہونا شرط ہے۔

وصل جو فا ہے اس کے ساتھ جزا دو شرطوں کے درمیان ہے۔ پس پہلی شرط یمین کے انعقاد کے لیے شرط ہے اور دوسری قسم توڑنے کی شرط ہے جس طرح: ان دخلتِ الدار فانتِ طالق ان کلمتِ فلانا۔ پہلی شرط کے وقت مالک کے قیام کی شرط لگائی جائے گی۔ کیونکہ اسے انعقاد یمین کی شرط بنایا گیا ہے گویا دخول کے وقت اس نے کہا: ان کلمتِ فلانا فانت طالق یمین ملک میں منعقد ہوتی ہے یا ملک کی طرف مضاف ہوکر منعقد ہوتی ہے۔ اگر گھر میں داخل ہونے کے وقت مرد کی ملکیت میں ہو تو وہ قسم صحیح ہو جائے گی جو کلام پر متعلق ہوگی۔ جب عورت نے کلام کی تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ یعنی جب وہ عورت طلاق اور عدت کے بعد داخل ہوئی تو یمین صحیح نہ ہوگی اگرچہ وہ کلام کرے۔ جب عورت عدت میں گھر میں داخل ہوئی اور اس میں کلام کی تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے: جب اداۃ شرط کو عطف کے بغیر مکرر ذکر کیا تو طلاق کا وقوع دونوں کے وجود پر موقوف ہوگا۔ لیکن اگر جزا کو ان دونوں پر مقدم کیا یا اسے موخر کیا تو ملک ان دونوں میں سے دوسری کے پائے جانے کے وقت شرط ہوگی۔ وہ وہ ہے جسے تقدیم و تاخیر کی صورت میں پہلے تلفظ کیا گیا۔ اگر جزا کو درمیان میں ذکر کیا تو دونوں شرطوں کے پائے جانے کے وقت ملکیت کا ہونا ضروری ہے اگر عطف کی صورت میں ہو تو یہ دونوں میں سے ایک پر موقوف ہوگی جزا کو مقدم کیا ہو یا وسط میں ذکر کیا ہو۔ اگر جزا کو مؤخر کیا تو یہ دونوں پر موقوف ہوگی۔ اگر اداۃ شرط کو مکرر ذکر نہ کیا ہو تو دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے دونوں پر جزا کو مقدم کیا ہو یا اسے مؤخر کیا ہو۔ ''بحر'' ملخصا۔ اس کی مفصل بحث اس میں ہے۔

13944۔ (قولہ: أَوْ لَا) اس کا عطف حقیقۃ پر ہے ''البحر'' میں کہا: جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے میری مراد ہے جو حقیقت میں دونوں شرطیں نہ ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے وہ ایسا فعل ہو جو دو چیزوں سے متعلق ہو اس حیثیت سے کہ وہ فعل دونوں سے متعلق ہے جیسے: ان دخلتِ ھذہ الدار وھذہ یا ان کلمتِ ابا عمرو و ابا یوسف فکذا یہ دونوں ایک شرط ہیں مگر جب وہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ طلاق کے وقوع کی نیت کرے۔ پس طلاق کے وقوع کے لیے دوسری شرط کے پائے جانے کے وقت ملکیت کا قائم ہونا شرط ہے۔ اسی طرح جب فعل دو چیزوں کے ساتھ قائم ہو اس حیثیت سے کہ وہ دونوں کے ساتھ قائم ہے۔ جیسے ان جاء زید و عمرو فکذا کیونکہ شرط ان دونوں کا آنا ہے۔

13945۔ (قولہ: إِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ الثَّانِي فِي الْمِلْكِ) یہ پہلی شرط سے احتراز ہے جس طرح تو جانتا ہے۔ یہ امر تفصیل پر مبنی ہے۔ جہاں تک اصل تعلیق کا تعلق ہے تو اس کے صحیح ہونے کی شرط ملک ہے یا ملک کی طرف اضافت ہے جس

وَالْمَسْأَلَةُ رُبَاعِيَّةٌ (عَلَّقَ الثَّلَاثَ أَوِ الْعِتْقَ) لِأَمَتِهِ (بِالْوَطْءِ) حَنِثَ بِالْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ وَ (لَمْ يَجِبْ) عَلَيْهِ (الْعُقْرُ) فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ (بِاللَّبْثِ) بَعْدَ الْإِيلَاجِ لِأَنَّ اللَّبْثَ لَيْسَ بِوَطْءٍ (وَ) لِذَا (لَمْ يَصِرْ بِهِ مُرَاجِعًا

اور مسئلہ رباعیہ ہے۔ تین طلاقوں یا لونڈی کی آزادی کو وطی کے ساتھ معلق کیا تو جب دونوں شرمگاہیں مل جائیں گی تو حانث ہوجائے گا۔ اور شرمگاہ داخل کرنے کے بعد اسی حالت پر ٹھہرنے کے ساتھ عقر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسی حالت پر ٹھہرنا وطی نہیں۔ اور اسی وجہ سے طلاق رجعی دینے کی صورت میں

طرح شروع باب میں (مقولہ 13819 میں) گزر چکا ہے۔ پس کلام تو اس بارے میں ہے جو تعلیق کی صحت کے بعد ہے۔

13946۔ (قولہ: وَالْمَسْأَلَةُ رُبَاعِيَّةٌ) کیونکہ دونوں شرطیں یا تو ملک میں پائی جائیں گی یا ملک کے باہر پائی جائیں گی یا پہلی شرط ملک میں پائی جائے گی یا اس کے برعکس ہوگا۔ اگر دوسری شرط ملک میں پائی جائے تو طلاق واقع ہوجائے گی خواہ پہلی ملک میں پائی جائے یا پہلی ملک میں نہ پائی جائے۔ اگر دوسری شرط ملک سے باہر پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی خواہ پہلی شرط ملک میں پائی جائے یا ملک میں نہ پائی جائے۔ ''ح''۔ اس قول میں: اذا جاء زید و بکر فانت طالق جب وہ دونوں اکٹھے آئیں جب کہ وہ لونڈی اس کی ملک میں ہو یا جب خاوند نے عورت کو طلاق دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی تو زید آیا پھر اس نے اس عورت سے شادی کی تو عمرو آیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگر دونوں عدت کے بعد اور نئی شادی سے پہلے آئے یا زید عدت میں آیا اور عمرو عدت کے بعد شادی سے پہلے آیا تو اسے طلاق نہیں ہوگی۔

13947۔ (قولہ: وَ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْعُقْرِ) صرف عقر کی نفی کرنے کے ساتھ ٹھہرنے کی حرمت کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ فی الحال شرمگاہ سے نکال لے۔ عقر کا لفظ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ مہر ہے جو شبہ کی بنا پر وطی سے لازم آتا ہے اور جب فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد زخم لگانا ہے جس طرح صحاح میں ہے۔ ''بحر'' میں ''القاموس'' سے مروی ہے۔

13948۔ (قولہ: بِاللَّبْثِ) لام کے فتحہ اور با کے سکون کے ساتھ ہے جس کا معنی ٹھہرنا ہے یہ لبث سے مشتق ہے جس طرح سَمِعَ ہے یہ نادر ہے۔ کیونکہ فَعِلَ سے مصدر قیاساً حرکت کے ساتھ آتا ہے جب وہ متعدی نہ ہو۔ ''بحر'' میں ''القاموس'' سے مروی ہے۔

13949۔ (قولہ: لِأَنَّ اللَّبْثَ لَيْسَ بِوَطْءٍ) کیونکہ وطی یعنی جماع سے مراد فرج کو فرج میں داخل کرنا ہے۔ اس میں دوام نہیں ہوتا کہ اس کے دوام پر نیا حکم لگایا جائے جس طرح کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا جب کہ وہ اسی گھر میں ہو تو ٹھہرنے سے حانث نہیں ہوگا۔

13950۔ (قولہ: لَمْ يَصِرْ بِهِ مُرَاجِعًا) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ یہ ایک فعل ہے اس فعل کے آخر کا کوئی علیحدہ حکم نہیں۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ شہوت کے ساتھ چھونا متحقق ہو چکا ہے۔ یہ

فِی) الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ إِلَّا إِذَا أَخْرَجَ ثُمَّ أَوْلَجَ ثَانِیًا) حَقِیقَةً أَوْ حُکْمًا بِأَنْ حَرَّكَ نَفْسَهُ فَیَصِیرُ مُرَاجِعًا بِالْحَرَكَةِ الثَّانِیَةِ، وَیَجِبُ الْعُقْرُ لَا الْحَدُّ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ (لَا تَطْلُقُ) الْجَدِیدَةُ (فِی) قَوْلِهِ لِلْقَدِیمَةِ (إِنْ نَكَحْتُهَا) أَیْ فُلَانَةَ (عَلَیْكِ فَهِیَ طَالِقٌ إِذَا نَكَحَ) فُلَانَةَ (عَلَیْهَا فِی عِدَّةِ الْبَائِنِ)

وہ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ شرمگاہ کو نکالے پھر دوبارہ اس میں داخل کرے حقیقۃً یا حکماً جیسے اس نے اپنے آپ کو حرکت دی تو دوسری حرکت کے ساتھ وہ رجوع کرنے والا ہوگا اور عقر واجب ہوگا حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ مجلس ایک ہے۔ نئی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اگر اس نے قدیمہ سے کہا: اگر فلانہ سے تیرے اوپر نکاح کروں تو اسے طلاق ہوگی جب اس نے قدیمہ پر فلاں سے عقد نکاح کیا جب کہ قدیمہ طلاق بائن کی عدت گزار رہی تھی۔

قیاس ہے''نہر''۔''البحر'' میں کہا: مصنف نے امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جزم ویقین کا اظہار کیا ہے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ یہی قول مختار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چاہیے کہ وہ سب کے نزدیک رجوع کرنے والا ہو۔ کیونکہ شہوت کے ساتھ چھونا متحقق ہے۔''المعراج'' میں اسی طرح ہے۔ چاہیے کہ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح کی جائے۔ کیونکہ ان کی دلیل ظاہر ہے۔

13951۔(قولہ: فِی الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ) اس صورت میں جب وطی پر معلق طلاق رجعی ہو۔

13952۔(قولہ: حَقِیقَةً أَوْ حُکْمًا) اسے عام بنانا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کا قول ثم اولج ثانیا ان کے قول اذا اخرج کے بعد ہے۔ کیونکہ آلہ تناسل نکالنے کے بعد اپنے نفس کو حرکت دینا ممکن نہیں مگر جب حقیقۃً دوسری دفعہ آلہ تناسل کا ادخال کرے تو دوسری دفعہ آلہ تناسل داخل کرنے سے رجوع کرنے والا ہوگا۔ حرکت دینے سے رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ پس اس کو عام بنانا اس قول اخرج ثم اولج کے مجموعہ سے متعین ہوگیا۔ اور تمام صورتوں میں ان کے قول: فیصیر مراجعا بالحرکۃ الثانیۃ کی قید لگانے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر جب مسئلہ کی یہ صورت بنائی جائے جب اس نے ادخال کیا تو کہا: ان جامعتك فانت طالق تو یہ اسی طرح ہے جس طرح''البحر'' میں کہا: اذا لم ینزع ولم یتحرك حتی انزل لا تَطْلُق فان حرك نفسه طَلُقَتْ ویصیر مراجعا بالحرکۃ الثانیۃ اگر اس نے آلہ تناسل نہ نکالا اور حرکت نہ کی یہاں تک کہ اسے انزال ہوگیا تو اسے طلاق نہ ہوگی اگر اپنے نفس کو حرکت دی تو اسے طلاق ہوجائے گی اور وہ دوسری حرکت کے ساتھ رجوع کرنے والا ہوگا۔

13953۔(قولہ: وَیَجِبُ الْعُقْرُ) جب اس نے تین طلاقوں کو معلق کیا یا لونڈی کی آزادی کو معلق کیا''ط''۔ کیونکہ شئ محترم عقر(حد) یا عُقر(مہر) سے خالی نہیں ہوتا''بحر''۔

دوبارہ ایلاج کی صورت میں مجلس کے متحد ہونے کی وجہ سے حد لازم نہ ہوگی

13954۔(قولہ: لَا الْحَدُّ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ) یعنی دوسری دفعہ داخل کرنے سے حد لازم نہ ہوگی اگرچہ وہ جماع ہے۔ کیونکہ یہ شبہ موجود ہے کہ یہ ایک جماع ہے۔ یہ مقصود کے متحد ہونے کو دیکھنے کی بنا پر ہے وہ ایک مجلس میں شہوت کو پورا کرنا ہے۔ اس کا اول حد کا موجب نہیں تھا تو اس کا آخر بھی حد کا موجب نہیں ہوگا۔ اگر کہا: میں نے گمان کیا ہے کہ یہ مجھ پر حرام ہے

لِأَنَّ الشَّرْطَ مُشَارَكَتُهَا فِي الْقَسْمِ وَلَمْ يُوجَدْ (فَلَوْ) نَكَحَ (فِي عِدَّةِ الرَّجْعِيِّ) أَوْ لَمْ يَقُلْ عَلَيْكَ (طَلُقَتْ) الْجَدِيدَةُ ذَكَرَهُ مِسْكِينٌ، وَقَيَّدَهُ فِي النَّهْرِ بَحْثًا بِمَا إِذَا أَرَادَ رَجْعَتَهَا وَإِلَّا فَلَا قَسْمَ لَهَا

کیونکہ شرط قسم میں دونوں کی مشارکت ہے جو نہیں پائی گئی اگر اس نے قدیمہ کی طلاق رجعی کی عدت میں نکاح کیا تھا یا اس نے علیک یعنی تجھ پر کے الفاظ نہیں لکھے تھے تو جدیدہ کو طلاق ہو جائے گی۔ ''مسکین'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں بحث کرتے ہوئے یہ قید لگائی ہے کہ وہ پہلی کے ساتھ رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو ورنہ تو اس کے لیے کوئی باری نہیں

تو اس کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ آزادی کو معلق کرنے کی صورت میں اس پر حد ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جو نہ ملک میں ہے اور نہ ہی شبہ ملک میں ہے جو عدت ہے۔ طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عدت پائی جا رہی ہے۔ ''المعراج'' میں اسے بیان کیا ہے۔ لیکن امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر ایک آدمی نے ایک عورت سے بدکاری کی پھر اسی حالت میں اس عورت سے نکاح کیا اگر وہ اسی حالت پر رہا اور آلہ تناسل کو خارج نہ کیا تو دو مہر واجب ہوں گے ایک مہر وطی کی وجہ سے کیونکہ عقد کی وجہ سے حد ساقط ہو گئی ہے اور ایک مہر عقد کی وجہ سے اگرچہ وہ نئے سرے سے آلہ تناسل داخل نہ کرے۔ کیونکہ جماع پر دوام اختیار کرنا اس خلوت سے بڑھ کر ہے جو خلوت عقد کے بعد ہوتی ہے۔ ''النہر'' میں کہا: یہ اس بحث پر اشکال پیدا کرتا ہے جو گزر چکی ہے۔ کیونکہ اس فعل واحد کے آخر کے لیے ایک علیحدہ حکم لگایا گیا ہے۔

''حلبی'' نے ''حموی'' کی اتباع کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور وہ بھی ان کا قول ہے۔ پس منافات نہیں۔ ''البحر'' میں جو کچھ ہے اس مسئلہ کے بعد ''طحطاوی'' نے اعتراض کیا ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی تخصیص اختلاف پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ ایسی روایت ہے جو آپ سے مروی ہے کسی اور سے مروی نہیں۔ ''فتامل''

میں کہتا ہوں: وہ جواب جو اشکال کو اس کی اصل سے ختم کرتا ہے وہ یہ ہے یہاں فعل کے آخر کا اعتبار اس وجہ سے ہے کہ یہ خلوت ہے جو مہر کو ثابت کرتی ہے بلکہ یہ فعل خلوت سے بڑھ کر ہے اس اعتبار سے نہیں کہ یہ وطی ہے۔ حد کے واجب کرنے اور رجوع کے ثبوت میں اس کا اعتبار کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ خلوت اسے ثابت نہیں کرتی۔ فافہم

13955۔ (قولہ: لِأَنَّ الشَّرْطَ) ''البحر'' کی عبارت ہے: کیونکہ شرط نہیں پائی گئی کیونکہ اس پر کسی سے عقد نکاح کرنے سے مراد ہے کہ ایسی عورت کو داخل کرے جو فراش میں اس کے مزاحم ہو اور باری میں اس سے جھگڑا کرے اور وہ نہیں پائی گئی۔

13956۔ (قولہ: وَقَيَّدَهُ) طلاق کو مذکورہ صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب اس نے دوسری عورت سے طلاق رجعی کی عدت میں عقد نکاح کیا جب کہ یہ تعلیل کے مفہوم سے اخذ کیا ہے۔ اور کہا: یہ مصنف پر اعتراض وارد ہوتا ہے یعنی صاحب ''کنز'' پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ باری میں مزاحمت حکماً موجود ہے اگر طلاق کے وقت مراجعت کا ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مراجعت کے ارادہ کے بعد اس کا ارادہ تبدیل ہو جائے جس طرح ایک آدمی حالت سفر

كَمَا مَرَّ (قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللهُ
جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ مرد نے عورت سے کہا: انت طالق اور متصلاً ان شاء اللہ

میں اس سے عقد نکاح کرے یا پہلی عورت سے ناچاکی اور اس کی نافرمانی کی حالت میں دوسری سے عقد نکاح کرے۔ بے شک جو امر ظاہر ہے وہ طلاق کا وقوع ہے اگرچہ شادی کے وقت حقیقت میں مزاحمت موجود نہ تھی۔ فتامل

13957۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب القسم میں گزر چکا ہے۔''ح''۔

13958۔ (قولہ: قَالَ لَهَا) استثنا کے مسائل میں شروع ہو رہے ہیں اور ''الہدایہ'' میں ان کے لیے علیحدہ فصل ذکر کی ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: استثنا کو تعلیق کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس امر میں شریک ہیں کہ یہ کلام کو اس کے حکم کے اثبات سے روک دیتے ہیں مگر شرط کل سے روک دیتی ہے اور استثنا بعض سے روک دیتی ہے۔ ان شاء اللہ کے مسئلہ کو مقدم کیا۔ کیونکہ یہ کل سے روکنے میں شرط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اداۃ تعلیق کا ذکر کیا لیکن یہ اپنے طریقہ پر نہیں۔ کیونکہ یہ روکنا ہے مگر غایت تک نہیں۔ اور شرط اس کے تحقق کی غایت تک روکنا ہے جس طرح اس امر کا فائدہ یہ قول دیتا ہے: اکرم بنی تمیم ان دخلوا۔ اسی وجہ سے تعلیقات کی بحث میں اسے وارد نہیں کیا استثنا کا لفظ توقیفی اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ (القلم) یعنی وہ ان شاء اللہ نہیں کہتے نیز اسم میں مشارکت پائی جاتی ہے اس لیے فعل الاستثنا میں اس کا ذکر مناسب ہے۔

استثنا اور مشیئت کے مسائل

اس کا حکم اخبار کے صیغوں میں ثابت ہوتا ہے اگرچہ یہ ایجاب کا انشا ہے امر و نہی میں اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کہا: اعتقوا عبدی من بعد موتی ان شاء اللہ استثنا عمل نہیں کرے گا۔ پس انہیں غلام آزاد کرنے کا حق ہوگا۔ اگر اس نے کہا: بع عبدی ھذا ان شاء اللہ۔ مامور کو اس کی بیع کرنے کی اجازت ہوگی۔ ''حلوانی'' سے مروی ہے: جو امر زبان کے ساتھ خاص ہے استثنا اسے باطل کردے گی جس طرح طلاق اور بیع ہے۔ جو زبان کے ساتھ خاص نہیں اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح روزہ ہے۔ اس کی نفی نہیں کرے گا اگر وہ کہے: نویت صوم غد ان شاء اللہ تو اس آدمی کے لیے اسی نیت کے ساتھ روزہ کی ادائیگی صحیح ہوگی۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ان کے قول: توقیفی کا معنی ہے کہ لغت میں اسی طرح سے وارد ہے یہ صرف اصطلاحی نہیں۔

لغت اور استعمال کے اعتبار سے استثنا کا اطلاق شرط پر ہوتا ہے

''خفاجی'' کے ''حاشیہ بیضاوی'' میں سورۃ کہف میں ہے: استثنا کا اطلاق لغت اور استعمال میں شرط کے ساتھ تقیید پر ہوتا ہے جس طرح ''سیرافی'' نے ''شرح الکتاب'' میں بیان کیا ہے۔ ''راغب'' نے کہا: استثنا سے مراد سابق عموم جسے ثابت کرتا ہے اس کو اٹھا دینا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ

مُتَّصِلًا إِلَّا لِتَنَفُّسٍ أَوْ سُعَالٍ أَوْ جُشَاءٍ أَوْ عُطَاسٍ أَوْ ثِقَلِ لِسَانٍ أَوْ إِمْسَاكِ فَمٍ أَوْ فَاصِلٍ مُفِيدٍ لِتَأْكِيدٍ أَوْ تَكْمِيلٍ أَوْ حَدٍّ أَوْ طَلَاقٍ، أَوْ نِدَاءٍ
کہا۔ مگر سانس لینے کی وجہ سے، کھانسی، ڈکار، چھینک، زبان کے بوجھل ہونے یا منہ کو روکنے کی وجہ سے۔ یا ایسا فاصلہ ہو جو تاکید کا فائدہ دے یا تکمیل کا فائدہ دے یا حد کا فائدہ دے یا طلاق کا فائدہ دے یا ندا کا فائدہ دے

اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً (الانعام: 145) یا لفظ جسے ثابت کرتا تھا اسے اٹھا دینا۔ جس طرح مرد کا قول ہے: امرأتی طالق ان شاء اللہ حدیث طیبہ میں ہے جس نے کسی چیز پر قسم اٹھائی اور کہا ان شاء اللہ تو استثنا کی (1)۔ اس میں اختلاف آگے (مقولہ 13997 میں) آئے گا کہ یہ ابطال ہے یا تعلیق ہے۔

مرد نے کہا انت طالق اور خاموش ہو گیا پھر کہا: تین تو ایک واقع ہو گی

13959۔ (قولہ: مُتَّصِلًا) اس قول کے ساتھ منفصل سے احتراز کیا ہے یعنی دو لفظوں کے درمیان سکوت سے فاصلہ بنایا جائے جب کہ سانس لینے کی کوئی ضرورت نہ ہو یا لغو کلام کے ساتھ فاصلہ پایا جائے جس طرح آگے آئے گا۔ ''الفتح'' میں سکوت کی قید کثیر سے لگائی ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: خاوند نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق اور خاموش ہو گیا پھر کہا: تین اگر تو خاموشی سانس ٹوٹنے کی وجہ سے ہو تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی ورنہ ایک طلاق واقع ہو گی۔ ''بزازیہ'' کے ''کتاب الایمان'' میں ہے: والی نے اسے پکڑ لیا اور کہا: باللہ۔ اس نے بھی اسی کی مثل کہا۔ پھر کہا: تو جمعہ کے روز ضرور آئے گا۔ اس آدمی نے بھی اسی کی مثل کہا اور نہ آیا تو حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ حکایت کرنے اور خاموشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام اور قسم میں فاصلہ کرنے والا ہو گیا ہے۔ یہی صورت حال ہو گی اگر قسم طلاق کی صورت میں ہو۔

13960۔ (قولہ: إِلَّا لِتَنَفُّسٍ) اگر چہ اس سے کوئی چارہ کار ہو مگر جب وہ سانس لینے کی مقدار خاموش ہو گیا پھر استثنا کی تو معاملہ مختلف ہو گا تو فاصلہ کی وجہ سے استثنا صحیح نہ ہو گی۔ ''الفتح'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ سانس لینے کے برابر خاموشی جب کہ سانس نہ لیا ہو تو یہ سکوت کثیر ہو گا اور سانس لینے کے لیے خاموشی اگر بلا ضرورت ہو تو یہ عفو ہے۔

13961۔ (قولہ: أَوْ إِمْسَاكِ فَمٍ) یعنی استثنا اس وقت کی جب اس کے منہ سے ہاتھ اٹھایا گیا۔

13962۔ (قولہ: لِتَأْكِيدٍ) جیسے انت طالق طالق ان شاء اللہ۔ جب وہ تاکید کا قصد کرے بے شک کنایات سے تھوڑا پہلے فروع میں گزرا ہے: اس نے طلاق کا لفظ مکرر ذکر کیا تو تمام طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر اس نے تاکید کی نیت کی تو دیانۃً اس کی بات مانی جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ کہے: انت حر حر ان شاء اللہ جس طرح ''البحر'' میں ہے ''ح''۔ اس پر تمام گفتگو آگے آئے گی۔

13963۔ (قولہ: أَوْ تَكْمِيلٍ) جس طرح انت طالق واحدۃ و ثلاثا ان شاء اللہ، اگر وہ انت طالق ثلاثا و واحدۃ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب الاستثناء فی الیمین، جلد 2، صفحہ 517، حدیث نمبر 2838

كَأَنْتِ طَالِقٌ يَا زَانِيَةُ أَوْ يَا طَالِقُ إِنْ شَاءَ اللهُ
جس طرح اس کا قول انت طالق یا زانیة یا طلاق ان شاء الله۔

ان شاء الله کہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تو تین طلاق واقع ہوگی جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ تین کے بعد ایک کا ذکر لغو ہے۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔

13964۔ (قولہ: كَأَنْتِ طَالِقٌ يَا زَانِيَةُ أَوْ يَا طَالِقُ إِنْ شَاءَ اللهُ) یہ دونوں مثالیں ہیں جو لف نشر مرتب کے طریقہ پر حد اور طلاق کا فائدہ دے رہی ہیں۔ ''البحر'' میں کہا: ''بزازیہ'' میں ہے: انت طالق ثلاثا یا زانیة ان شاء الله۔ طلاق واقع ہو جائے گی اور استثنا کو وصف کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح: انت طالق یا طالق ان شاء الله۔ اسی طرح: انت طالق یا صبیة ان شاء الله استثنا کو کل کی طرف پھیر دیا جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ گویا کہا: یا فلانة۔ ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ کلام کے آخر میں مذکور جب طلاق واقع ہوتی ہے یا اس پر حد لازم ہوتی ہے جس طرح اس کا قول یا طالق، یا زانیة تو استثنا کل پر ہوگی''ح''۔

میں کہتا ہوں: اس عبارت میں تحریف اور سقوط ہے۔ اس کے قول میں اول یہ ہے: وکذا: انت طالق یا صبیة کیونکہ صحیح ہے اگر وہ کہے: انت طالق یا صبیة جس طرح ''ذخیرہ'' میں تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ماقبل کے حکم کے خلاف ہے۔ دوسرا ان کے اس قول والاصل میں ہے۔ کیونکہ ان کا قول: فالاستثناء علی الکل یہ ان کے پہلے قول: یقع و صرف الاستثناء الی الوصف کے مخالف ہے۔ یعنی اس کے اس قول: انت طالق کے قول سے طلاق واقع ہو جائے گی اور استثنا کو وصف کی طرف پھیر دیا جائے گا یعنی اس نے جو عورت کی صفت بیان کی ہے اپنے اس قول میں یا طالق یا یا زانیه میں ذکر کیا ہے۔ پس اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ پس صحیح ''ذخیرہ'' میں ان کا قول ہے: قاعدہ یہ ہے کہ کلام کے آخر میں مذکور سے جب طلاق واقع ہو یا اس کے ساتھ حد واجب ہو تو استثنا اس پر ہوگی جس طرح اس کا قول ہے: یا زانیة یا یا طالق۔ اگر اس کے ساتھ حد واجب نہ ہو اور اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہو تو استثنا سب پر ہوگی جس طرح اس کا قول ہے: یا خبیثة۔

پھر جان لو یہ ایسی تفصیل ہے جسے ''ذخیرہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ''نوادر ابی الولید'' میں امام ''ابو یوسف'' رحلیٹیلیہ سے مروی ہے۔ اور اس سے قبل ظاہر الروایہ سے نقل کیا ہے تو استثنا کو کل کی طرف پھیر دیا جائے گا اس میں کوئی تفصیل نہیں کہا: یہ صحیح ہے۔ اسی کی مثل شرح ''تلخیص الجامع'' میں ہے۔ اور ''بزازیہ'' میں جس رائے پر چلے ہیں وہ صحیح کے خلاف ہے جس طرح ہم نے غیر مدخول کی طلاق کے باب کے شروع میں (مقولہ 13348 میں) واضح کیا ہے۔ یہاں شارح کا قول صح الاستثناء اس کے موافق ہے۔ کیونکہ اس سے جو معنی فوری طور پر سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ استثنا کو کل کی طرف پھیرا جائے گا۔ یعنی طلاق اور وصف کی طرف پھیرا جائے گا صرف وصف کی طرف نہیں پھیرا جائے گا اس وقت طلاق واقع نہ ہوگی اور اس پر حد اور لعان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن ''بزازیہ'' میں جو نقطہ نظر اپنایا ہے یہ اس کے خلاف ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ پس شارح

صَحَّ الِاسْتِثْنَاءُ بَزَّازِيَّةٌ وَخَانِيَّةٌ، بِخِلَافِ الْفَاصِلِ اللَّغْوِ كَأَنْتِ طَالِقٌ رَجْعِيًّا إِنْ شَاءَ اللهُ وَقَعَ وَبَائِنًا لَا يَقَعُ وَلَوْ قَالَ رَجْعِيًّا أَوْ بَائِنًا يَقَعُ بِنِيَّةِ الْبَائِنِ لَا الرَّجْعِيِّ قُنْيَةٌ وَقَوَّاهُ فِي النَّهْرِ

استثنا صحیح ہوگی ''بزازیہ''، ''خانیہ''۔ لغو فاصل کا معاملہ مختلف ہے جس طرح انت طالق رجعیا ان شاء اللہ۔ طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور بائن واقع نہ ہوگی۔ اگر کہا: رجعی یا بائن تو بائنہ، بائنہ کی نیت سے واقع ہوگی رجعی کی نیت سے واقع نہ ہوگی۔ ''قنیہ''۔ اور ''النہر'' میں اس کو تقویت دی ہے۔

کے مسئلہ کو ''بزازیہ'' کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔ فافہم

13965۔ (قولہ: وَقَعَ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں قول کرتے: فانه یقع۔ یہاں فاصل لغو ہے۔ کیونکہ رجعی کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ شرعاً صیغہ کا مدلول ہے۔ دیکھو: اسے تاکید یا تفسیر کیوں نہیں بنایا گیا جس طرح علما نے کہا: حرحر یا حر وعتیق؟۔

13966۔ (قولہ: وَقَوَّاهُ فِي النَّهْرِ) جان لو کہ جو ''القنیہ'' میں ہے: اگر کہا: تجھے طلاق رجعی ہے یا بائنہ ہے ان شاء اللہ۔ اس سے اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر رجعی کی نیت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی اگر بائنہ کی نیت کی تو وہ واقع ہو جائے گی اور استثنا عمل نہ کرے گی۔

''البحر'' میں کہا: صحیح یہ ہے اگر رجعی مراد لی تو واقع ہو جائے گی کیونکہ فاصل کی وجہ سے استثنا کی صحت نہیں اگر بائن مراد لی تو واقع نہ ہوگی کیونکہ استثنا صحیح ہے۔

''النہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں بلکہ صحیح وہ ہے جو ''القنیہ'' میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام کا معنی ہے: انت طالق احد هذین تجھے ان دونوں میں سے ایک طلاق ہے۔ اس اعتبار سے رجعی لغو نہ ہوگی اگرچہ وہ اس کی نیت کرے۔ جب وہ بائن کی نیت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ جہاں تک بائن کا تعلق ہے وہ کسی حال میں بھی لغو نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کلام میں جو عدم مناسب اور تناقض تام ہے وہ مخفی نہیں۔ اس کی وضاحت یوں ہے ان کا قول: واما البائن فلیس لغوا علی کل حال یہ طلاق کے عدم وقوع کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ استثنا صحیح ہے۔ اور یہ اس رجعی کے مساوی ہے جس کے بارے میں کہا: انه لا یکون لغوا وان نواه اس وقت دونوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ''القنیہ'' میں ہے اور ان کے قول بخلاف ما اذا نوی البائن کے مناقض ہے۔ فافہم۔ اسی وجہ سے ''حلبی'' نے کہا: حق وہ ہے جو ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ جب اس نے رجعی کی نیت کی تو انت طالق کا جملہ اس کا فائدہ دے گا۔ تو اس کا قول: رجعیا او بائنا جو احد هذین کے معنی میں ہے لغو ہوگا۔ جب اس نے البائن کی نیت کی تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ جملہ اس کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس اس کا قول رجعیا او بائن لغو نہیں ہوگا۔

اگر تو کہے: جب اس نے بائن کی نیت کی تو اس کا قول رجعیا لغو ہوگا۔ کیونکہ اس کیلئے اتنا کہنا کافی تھا: انت طالق بائنا۔

(مَسْمُوعًا) بِحَيْثُ لَوْ قَرَّبَ شَخْصٌ أُذُنَهُ إِلَى فَمِهِ يَسْمَعُ فَيَصِحُّ اسْتِثْنَاءُ الْأَصَمِّ خَانِيَّةٌ (لَا يَقَعُ) لِلشَّكِّ (وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ إِنْ شَاءَ اللهُ) وَإِنْ مَاتَ يَقَعُ (وَلَا يُشْتَرَطُ) فِيهِ (الْقَصْدُ)

جس استثنا کو سنا گیا ہو اس طرح کہ ایک شخص نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کیا تو سن لے تو بہرے آدمی کا استثنا کرنا صحیح ہوا، ''خانیہ''۔ شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ ان شاء اللہ کے قول سے پہلے وہ عورت فوت ہوگئی۔ اور اگر خاوند اس سے پہلے فوت ہوگیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اس میں قصد شرط نہیں

میں کہتا ہوں: یہ ترکیب لغت اور شرع کے اعتبار سے صحیح ہے جس طرح کوئی آدمی کہے: احدی امرأتی طالق جب کہ اس کا مقصود طلاق بائن تھی۔ اور اس کا قول: انت طالق طلاق بائن کا فائدہ نہ دے گی تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ کہے: انت طالق رجعیا او بائنا اور طلاق بائن کی نیت کرے اور یہ کہے: انت طالق بائنا۔

13967۔ (قولہ: مَسْمُوعًا) یہ ''ہندوانی'' کے نزدیک ہے۔ یہی صحیح ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ اور ''کرخی'' کے نزدیک یہ شرط نہیں۔

13968۔ (قولہ: بِحَيْثُ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مسموع سے مراد ہے جس کو سنا جا سکے اگرچہ مثلاً زیادہ آوازوں کی وجہ سے انشاء اللہ کہنے والا نہ سنے، ''ط''۔

13969۔ (قولہ: لِلشَّكِّ) طلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شک ہے۔ کیونکہ اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی، ''ح''۔

13970۔ (قولہ: وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهِ إِنْ شَاءَ اللهُ) کیونکہ جو کلام جاری ہے وہ تطلیق ہے تعلیق نہیں اور عورت کی موت تعلیق کے منافی نہیں۔ کیونکہ تعلیق مبطل ہے اور موت بھی مبطل ہے۔ پس یہ آپس میں متنافی ہوں گی پس استثنا صحیح ہوگی پس عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''التبیین'' میں اسی طرح ہے، ''ح''۔

13971۔ (قولہ: وَإِنْ مَاتَ يَقَعُ) جب خاوند فوت ہوگیا جب کہ وہ استثنا کا ارادہ رکھتا تھا تو طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ استثنا متصل نہیں اور اس کا علم اس طرح ہو سکتا ہے کہ طلاق سے پہلے وہ اس کا ذکر کسی اور سے کرے۔ ''النہر'' میں اسی طرح ہے، ''ح''۔

13972۔ (قولہ: وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْقَصْدُ) یہی مذہب میں سے ظاہر ہے۔ کیونکہ استثنا کے ساتھ طلاق، طلاق نہیں۔ ''شداد بن حکیم''، یہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ساٹھ سال ظہر کے وضو سے دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھی، نے کہا: اس مسئلہ میں ''خلف بن ایوب زید'' نے میری مخالفت کی ہے۔ میں نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا میں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے میرے قول کے مطابق جواب دیا۔ میں نے آپ سے دلیل کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا: مجھے بتاؤ اگر وہ کہتا انت طالق اور اس کی زبان پر جاری ہوجاتا او غیر طالق تو کیا طلاق واقع ہوگی؟ میں نے

وَلَا التَّلَفُّظُ بِهِمَا، فَلَوْ تَلَفَّظَ بِالطَّلَاقِ وَكَتَبَ الِاسْتِثْنَاءَ مَوْصُولًا أَوْ عَكَسَ أَوْ أَزَالَ الِاسْتِثْنَاءَ بَعْدَ الْكِتَابَةِ لَمْ يَقَعْ عِمَادِيَّةٌ (وَلَا الْعِلْمُ بِمَعْنَاهُ) حَتَّى لَوْ أَتَى بِالْمَشِيئَةِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ جَاهِلًا لَمْ يَقَعْ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَأَفْتَى الشَّيْخُ الرَّمْلِيُّ الشَّافِعِيُّ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى شَيْءٍ بِالطَّلَاقِ فَأَنْشَأَ لَهُ الْغَيْرُ ظَانًّا صِحَّتَهُ بِعَدَمِ الْوُقُوعِ انتهى

دونوں کا تلفظ شرط نہیں۔ اگر طلاق کا تلفظ کیا اور موصولاً استثنا لکھی یا اس کے برعکس کیا یا کتابت کے بعد استثنا کو زائل کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، ''عمادیہ''۔ اور نہ ہی اس کے معنی کا علم ہونا شرط ہے یہاں تک کہ اگر اس نے ارادہ کے بغیر جہالت کی بنا پر ان شاء اللہ کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ شیخ ''رملی'' شافعی نے فتویٰ دیا اس آدمی کے بارے میں جس نے کسی شے پر طلاق کی قسم کھائی تو دوسرے آدمی نے ان شاء اللہ کہا تو قسم کھانے والا اس کے صحیح ہونے کا گمان رکھتا ہے تو ان کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ انتھی۔

عرض کی نہیں۔ کہا: یہ بھی اسی طرح ہے ''بزازیہ''، ''فتح''۔

13973۔ (قولہ: وَلَا التَّلَفُّظُ بِهِمَا) یعنی طلاق اور استثنا کا تلفظ نہیں کرتا۔

13974۔ (قولہ: أَوْ عَكَسَ) یعنی طلاق کو لکھا اور استثنا کا تلفظ کیا۔

13975۔ (قولہ: أَوْ أَزَالَ الِاسْتِثْنَاءَ) اس کے ساتھ چوتھی قسم کی طرف اشارہ کیا یہ اس صورت میں ہے جب دونوں کو اکٹھے کیا کیونکہ یہ بھی صحیح ہے اگرچہ کتابت کے بعد استثنا کو زائل کر دیا۔ فافہم

13976۔ (قولہ: وَلَا الْعِلْمُ بِمَعْنَاهُ) تو یہ ایسے ہی ہو جائے گا جس طرح باکرہ کا سکوت ہے جب باکرہ کا باپ اس کا عقد نکاح کرے اور بچی نہیں جانتی کہ خاموش رہنا ہے تو قاضی اس خاموشی کی وجہ سے عقد اس پر لازم کر دے گا۔

13977۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ) یہ ان کے قول ولا یشترط القصد کی طرف اور ان کا قول جاھلا ان کے قول ولا العلم بمعناہ کی طرف راجع ہے۔ ''ح''

اگر آدمی نے قسم اٹھائی

13978۔ (قولہ: وَأَفْتَى الشَّيْخُ الرَّمْلِيُّ الشَّافِعِيُّ) یہ جان لو کہ یہ مسئلہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر مبنی ہے جس نے غیر کے قول کو لیا جب کہ اس پر اعتماد کرتا ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ علما نے اس پر تفریع بٹھائی ہے کہ اگر اس نے محلوف علیہ عمل کو کیا جب کہ وہ مفتی کے اس فتویٰ پر اعتماد رکھتا ہو کہ اس کے ساتھ وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور اس آدمی کے نزدیک اس کے صدق کا ظن غالب ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا اگرچہ وہ فتویٰ دینے کا اہل نہ ہو۔ کیونکہ دار و مدار غلبہ ظن کے ہونے یا نہ ہونے پر ہے اہلیت پر دار و مدار نہیں۔ علما نے کہا: اس سے یہ صورت بھی ہے کہ غیر حالف کا قول اس کی قسم کے بعد ہو۔ الا ان شاء اللہ پھر وہ اسے بتاتا ہے کہ غیر کا ان شاء اللہ کہنا بھی اسے نفع دیتا ہے تو قسم اٹھانے والا مخبر کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے محلوف علیہ کو کرتا ہے۔

قُلْت وَلَمْ أَرَهُ لِأَحَدٍ مِنْ عُلَمَائِنَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَلَوْ شَهِدَ بِهَا وَهُوَ لَا يَذْكُرُهَا، إنْ كَانَ بِحَالٍ لَا يَدْرِي مَا يَجْرِي عَلَى لِسَانِهِ لِغَضَبٍ جَازَ لَهُ الِاعْتِمَادُ عَلَيْهِمَا وَإِلَّا لَا بَحْرٌ

میں کہتا ہوں: میں نے اپنے علما میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ جس نے اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر دو آدمی استثنا کے بارے میں گواہی دیں جب کہ خود اسے یاد نہیں اگر وہ ایسی حالت پر ہو وہ نہیں جانتا کہ اس کی زبان پر کیا جاری ہوتا ہے اور یہ غضب کی وجہ سے ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان دونوں گواہوں پر اعتماد کرے ورنہ نہیں ''بحر''۔

اس کے ساتھ تو وہ خفا جان لیتا ہے جو شارح کی عبارت میں ہے۔ کیونکہ اس کا قول: ظانا صحته یہ لہ میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یہ اخبار کے ساتھ مشروط ہے جس طرح تو جانتا ہے اور ان کا قول بعد م الوقوع ان کے قول وافتی کے متعلق ہے۔

13979۔(قولہ: قُلْت) جان لو کہ ہمارے نزدیک ثابت شدہ امر یہ ہے کہ وہ آدمی محلوف علیہ فعل کے کرنے سے حانث ہو جائے گا اگرچہ وہ مکرہ ہو، مخطی ہو، ذھول کرنے والا ہو، ناسی ہو، ساہی، اس پر غشی ہو یا مجنون ہو جب وہ اس فعل کے کرنے سے حانث ہو جاتا ہے جب کہ اسے مجبور کیا گیا ہو وغیرہ تو جب قصداً فعل کرے گا تو حانث کیوں نہیں ہوگا جب کہ گمان یہ رکھتا ہے کہ فعل کے کرنے سے حانث نہیں ہوگا۔ ہاں علمانے کتاب الایمان میں اس کی تصریح کی ہے کہ اگر ایک آدمی نے ماضی یا حال پر قسم اٹھائی جب کہ وہ اپنے آپ کو سچا گمان کرتا ہو تو تین امور کے علاوہ اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ طلاق، عتاق، نذر۔ شارح نے وہاں کہا: طلاق ظن غالب کے طور پر واقع ہو جائے گی جب اس کا خلاف واضح ہو شافعیہ سے اس کے برعکس مشہور ہے۔

13980۔(قولہ: إنْ كَانَ بِحَالٍ) اگر وہ ایسی حالت پر نہ ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان دونوں گواہوں پر اعتماد کرے جس طرح ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس فرع کا مقتضا یہ ہے کہ جو آدمی غصہ میں ایسی حالت تک جا پہنچے جس میں وہ نہیں جانتا کہ اس نے کہا کیا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی ورنہ دونوں گواہوں کے قول پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس نے ان شاء اللہ کہا تھا۔ ساتھ ہی طلاق کے شروع میں (مقولہ 13044 میں) یہ گزر چکا ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''خیر رملی'' نے اس آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے طلاق دی جب کہ وہ غصہ میں تھا اور مدہوش تھا کیونکہ دہش جنون کی اقسام میں سے ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ جو آدمی اس حالت تک جا پہنچے جس حالت میں وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہتا ہے تو ایسا آدمی مجنون کے حکم میں ہوگا۔ ہم وہاں (مقولہ 13044 میں) اس کا جواب دے چکے ہیں کہ یہاں جو کلام ہے کہ وہ ایسی حالت تک جا پہنچا کہ وہ جو کہتا ہے اسے نہیں جانتا اس کی یہ مراد نہیں کہ وہ اس کا قصد نہیں کرتا اور اس کا معنی نہیں سمجھتا کہ وہ اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح سویا ہوا اور نشہ میں مست ہو بلکہ اس سے مراد ہے کہ وہ جو کہتا ہے بعض اوقات اسے بھول جاتا ہے کیونکہ غصہ کے غلبہ کی وجہ سے اس کی فکر میں اشغال پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

(وَيُقْبَلُ قَوْلُهُ إنْ ادَّعَاهُ) وَأَنْكَرَتْهُ (فِي ظَاهِرِ الْمَرْوِيِّ) عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ (وَقِيلَ لَا) يُقْبَلُ

''اور اس کا قول قبول کیا جائے گا اگر وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی بیوی اس کا انکار کرے صاحب المذہب سے ظاہر المروی میں اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا

13981۔ (قولہ: وَيُقْبَلُ قَوْلُهُ) ''خیر رملی'' نے ''حواشی المنح'' میں کہا: یہ ذکر نہیں کیا کہ کیا اس کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا؟ صاحب ''البحر''، صاحب ''النہر'' اور کمال نے اسی طرح کیا ہے۔ میں نے کسی کو اس سے تعرض کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چاہیے جیسا کہ قابل اعتماد ہے کہ اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ قبول کیا جائے جب اس کی بیوی اس کا انکار کرے۔ مگر جب وہ انکار نہ کرے تو مرد پر کوئی قسم نہیں مگر جب قاضی اس پر تہمت لگائے۔

اگر مرد استثنا کا دعویٰ کرے اور اس کی بیوی اس کا انکار کرے تو اس کا حکم

13982۔ (قولہ: إنْ ادَّعَاهُ وَأَنْكَرَتْهُ) یعنی استثنا کا دعویٰ کیا اسی کی مثل شرط ہے جس طرح ''الفتح'' وغیرہ میں ہے عورت کے انکار کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ یہی محل خلاف ہے کیونکہ جب اس کے ساتھ جھگڑا کرنے والا نہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ قول مرد کا ہی معتبر ہوگا جس طرح ''الفتح'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''التاتر خانیہ'' میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: جب عورت طلاق کو سنے اور استثنا نہ سنے تو عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرد کو وطی پر قدرت دے یعنی جب عورت استثنا کو نہ سنے تو عورت پر مرد سے جھگڑا کرنا لازم ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اگر لوگوں نے گواہی دی کہ مرد نے اسے طلاق دے دی ہے یا اس سے خلع کر لیا ہے یا لوگوں نے گواہی دی کہ اس نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ یہ ان امور میں سے ہے جس میں نفی پر گواہیاں قبول کی جاتی ہیں۔ کیونکہ معنی میں یہ وجودی امر ہے۔ کیونکہ اس سے مراد موجب کے تکلم کے بعد ہونٹوں کو جمع کرنا ہے۔ اگر لوگوں نے کہا: اس نے طلاق دی اور ہم نے اس سے خلع کے کلمہ کے سوا کچھ نہیں سنا جب کہ خاوند استثنا کا دعویٰ کرتا ہے تو قول مرد کا ہی معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس نے کہا ہو اور لوگوں نے اسے نہ سنا ہو۔ شرط اس کا خود سننا ہے لوگوں کا سننا شرط نہیں جس طرح ''الجامع الصغیر'' میں معروف ہے۔

''النہر'' میں اس کے بعد کہا: ''فوائد شمس الاسلام'' میں ہے: اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''الفصول'' میں ہے: یہی صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا جب اس سے صحت خلع کی دلیل ظاہر ہو جس طرح بدل وغیرہ پر قبضہ کی صورت ہوتی ہے۔ جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: مراد بدل کا ذکر ہے بدل کا حقیقت میں لینا نہیں۔ اسی وجہ سے جب طلاق اور خلع کے وقت بدل کا ذکر کیا تو استثنا کے دعویٰ میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

13983۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا يُقْبَلُ) ''خیر رملی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: جب دونوں قولوں میں سے ہر قول میں

إِلَّا بِبَيِّنَةٍ (وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ) وَالْفَتْوَى احْتِيَاطًا لِغَلَبَةِ الْفَسَادِ خَانِيَّةٌ، وَقِيلَ إِنْ عُرِفَ بِالصَّلَاحِ فَالْقَوْلُ لَهُ (وَحُكْمُ مَا لَمْ يُوقَفْ عَلَى مَشِيئَتِهِ)

مگر گواہوں کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اس پر اعتماد ہے اور غلبہ فساد کی وجہ سے احتیاطاً اسی پر فتویٰ ہے ''خانیہ''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس کی صالحیت معروف ہو تو قول اسی کا معتبر ہوگا۔ جس مسئلہ کا ذکر ہوا ہے اس میں جس کی مشیت پر آگاہی حاصل

اختلاف اور ترجیح واقع ہو جائے تو ضروری ہے کہ ظاہر روایت کی طرف رجوع کیا جائے۔ کیونکہ اس کے علاوہ جو چیز ہے وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں اور نیز جس طرح مردوں میں فساد غالب ہے عورتوں میں بھی فساد غالب ہو گیا ہے۔ بعض اوقات عورت خاوند کو ناپسند کرتی ہے تو اس سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ پس خاوند پر افترا باندھتی ہے۔ پس مفتی ظاہر روایت پر فتویٰ دے گا جو مذہب ہے اور امر کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ فتامل۔ اور اپنے نفس سے انصاف کیجئے۔

میں کہتا ہوں: فساد اگرچہ دونوں فریقوں میں سے ہے لیکن اکثر عوام نہیں پہچانتے کہ استثنا یمین کو باطل کر دیتی ہے۔ بے شک بعض ایسے لوگ اسے حیلہ سکھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے۔ نیز خاوند کا دعویٰ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ استثنا کے ساتھ وہ اعتراف کے بعد موجب کو باطل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ شرط کے پائے جانے میں قول مرد کا معتبر ہوگا جس طرح مثلاً عورت کے گھر میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اس کے قول: ان دخلت الدار فانت طالق کے بعد طلاق کا موجب منعقد نہیں ہوتا مگر گھر میں داخل ہونے کے بعد موجب منعقد ہوگا جب کہ خاوند اس کا انکار کرتا ہے۔ ظاہر خاوند کے حق میں گواہی دیتا ہے۔ جہاں تک یہاں معاملہ ہے ظاہر اس کے قول کے خلاف ہے۔ جب فساد عام ہو جائے تو چاہیے کہ ظاہر کی طرف رجوع کیا جائے۔ ''الفتح'' میں کہا: ''نجم الدین نسفی'' نے ''شیخ الاسلام ابو الحسن'' سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ نے طلاق کے مسئلہ میں استثنا کے دعویٰ میں جواب دیا ہے کہ خاوند کی گواہوں کے بغیر تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے جب کہ لوگوں کا حال فاسد ہو چکا ہے۔

13984۔ (قولہ: وَقِيلَ إِنْ عُرِفَ بِالصَّلَاحِ) قائل صاحب ''الفتح'' ہیں جب انہوں نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا جسے ہم نے ابھی نقل کیا ہے: جو میرے ہاں ہے وہ یہ ہے کہ دیکھا جائے اگر آدمی صلاح میں معروف ہو اور گواہ نفی پر گواہی نہ دیتے ہوں تو چاہیے کہ اسے اپنایا جائے جو ''محیط'' میں ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی یہ حکم مرد کی تصدیق کرنے کی بنا پر ہوگا اگر اس کا فسق معروف ہو یا اس کا حال مجہول ہو تو پھر اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس زمانہ میں فساد غالب آ گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ دوسرا قول جو مفتی بہ ہے اس کو ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ علما نے اس کی علت فساد زمان سے بیان کی ہے یعنی خاوند متہم ہوگا جب وہ صالح ہوگا تو تہمت ختم ہو جائے گی۔ تو اس کا قول قبول کیا جائے گا تو یہ تیسرا قول نہ ہوگا۔ فتدبر

13985۔ (قولہ: وَحُكْمُ مَا لَمْ يُوقَفْ عَلَى مَشِيئَتِهِ) یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات

فِيمَا ذُكِرَ (كَالْإِنْسِ وَالْجِنِّ) وَالْمَلَائِكَةِ وَالْجِدَارِ وَالْحِمَارِ (كَذَلِكَ) وَكَذَا إِنْ شَرَكَ كَإِنْ شَاءَ اللهُ وَشَاءَ زَيْدٌ لَمْ يَقَعْ أَصْلًا؛ وَمِثْلُ إِنْ إِلَّا، وَإِنْ لَمْ، وَإِذَا،

نہ کی جاسکے جیسے انسان، جن، فرشتے، دیوار اور حمار اس کا حکم اسی طرح ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ملا یا مشیئتوں کو جس طرح کہا ان شاء اللہ وشاء زید تو اصلاً طلاق واقع نہ ہوگی۔ ان کی مثل الا، ان لم، اذا،

ہے جس کی مشیئت پر آگاہی نہیں ہوتی۔ تمثیل کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ مراد عام ہے جس کی مشیئت تو ہو مگر اس پر آگاہ نہ ہو سکے جس طرح ان شاء الانس۔ اور یہ بھی عام ہے جس کی مطلق مشیئت ہی نہ ہو جس طرح ان شاء الجدار۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

13986۔ (قولہ: فِيمَا ذُكِرَ) یہ حکم کے متعلق ہے مراد وہ ہے جس کا ذکر ہوا یعنی مشیئت کے ساتھ حکم کو معلق کیا، ''ح''۔

13987۔ (قولہ: كَذَلِكَ) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر طلاق معلق کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کی مشیئتوں پر طلاق معلق کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، ''ح''۔

13988۔ (قولہ: وَكَذَا إِنْ شَرَكَ) یعنی مثلاً طلاق کو اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر معلق کیا اور اس کی مشیئت پر معلق کیا جس کی مشیئت سے آگاہی حاصل ہوسکتی ہے۔

13989۔ (قولہ: لَمْ يَقَعْ أَصْلًا) یعنی اگر زید چاہے بھی تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی، ''بحر''۔

13990۔ (قولہ: وَمِثْلُ إِنْ إِلَّا) یعنی جب کہا الا ان یشاء اللہ تو یہ ان شاء اللہ کی مثل ہے۔ یہ احتمال ہے کہ مراد لیا جائے مگر جو ان شرطیہ اور لا نافیہ سے مرکب ہو جس طرح اس قول میں ہے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ (الانفال: 73) اگر تم ان حکموں پر عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ۔

تنبیہ

''الولوالجیہ'' میں ذکر کیا: ایک آدمی نے کہا: میں اس سے کلام نہیں کروں گا مگر بھول کر تو اس نے بھول کر کلام کی پھر یاد کرتے ہوئے کلام کی تو حانث ہوگا۔ جب یہ کہا: لا اکلمہ الا ان انسی کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے ساتھ وہ حانث نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں کلام مطلق کی اور صرف بھول کر کلام کرنے کی استثنا کی۔ دوسری صورت میں قسم کی نسیان کے ساتھ تخصیص کی کیونکہ اس کا قول الا ان یہ حتی کے معنی میں ہے پس قسم نسیان کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔

13991۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ) یعنی ان لم یشاء اللہ۔ اگر خاوند نے کہا: انت طالق واحدۃ ان شاء اللہ تعالیٰ اور کہا: انت طالق ثنتین ان لم یشاء اللہ تو کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں استثنا کی وجہ سے اور دوسری صورت میں اگر ہم طلاق کو واقع کرتے تو ہم جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق چاہی ہے۔ کیونکہ طلاق کا وقوع مشیئت کی دلیل ہے۔ کیونکہ ہر واقع ہونے والی طلاق اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ ہے جب کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عدم مشیئت کے ساتھ طلاق کو معلق کیا ہے۔

وَمَا، وَمَا لَمْ يَشَأْ وَمِنَ الِاسْتِثْنَاءِ أَنْتِ طَالِقٌ لَوْلَا أَبُوك، أَوْ لَوْلَا حُسْنُك، أَوْ لَوْلَا أَنِّي أُحِبُّك لَمْ يَقَعْ خَانِيَّةٌ وَمِنْهُ سُبْحَانَ اللهِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْهُمَامِ فِي فَتْوَاهُ (قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا وَثَلَاثًا) إنْ شَاءَ اللهُ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ وَحُرٌّ إنْ شَاءَ اللهُ طَلُقَتْ ثَلَاثًا وَعَتَقَ الْعَبْدُ (عِنْدَ الْإِمَامِ) لِأَنَّ اللَّفْظَ الثَّانِيَ لَغْوٌ، وَلَا وَجْهَ لِكَوْنِهِ تَوْكِيدًا لِلْفَصْلِ بِالْوَاوِ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ حُرٌّ حُرٌّ أَوْ حُرٌّ وَعَتِيقٌ

ما اور مالم یشا ہے۔ استثنا میں سے یہ ہے: تجھے طلاق ہے اگر تیرا باپ نہ ہو یا تیرا حسن نہیں ہے یا اگر میں تجھ سے محبت نہیں کرتا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''خانیہ''۔ ان میں سے سبحان اللہ ہے ''ابن ہمام'' نے اپنے فتویٰ میں اس کا ذکر کیا ہے کہا: تجھے تین طلاقیں ہیں اور تین طلاقیں ان شاء اللہ یا تو آزاد ہے اور آزاد ہے ان شاء اللہ اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ دوسرا لفظ لغو ہے اس کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ تو کید کے لیے ہو۔ کیونکہ واؤ کے ساتھ فاصلہ ہے۔ حر حر یا حر و عتیق کا معاملہ مختلف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ طلاق کو معلق نہیں کیا پس ایقاع طلاق ضرورۃً باطل ہو جائے گی، ''بحر''۔

اس مسئلہ پر مفصل کلام ''تلویح'' میں ہے جب فی ظرفیہ پر کلام کی ہے۔

13992_(قولہ: وَمَا) یعنی ماشاء اللہ۔ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے ماشاء اللہ میں ما مصدر یہ ظرفیہ ہو تو طلاق کا واقع نہ ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ شک پایا جا رہا ہے۔ جہاں تک ما کے موصولہ ہونے کا تعلق ہے تو پھر بھی حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ مراد ہے: انت طالق الطلاق الذی شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت معلوم نہیں ہو سکتی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ عصمت یقینی طور پر ثابت ہے پس یہ شک کے ساتھ زائل نہ ہوگی۔ ''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

13993_(قولہ: وَمَا لَمْ يَشَأْ) اس کا معنی ہے: انت طالق مدۃ عدم مشیئۃ اللہ طلاقک۔ طلاق واقع نہ ہونے کی وجہ وہی ہے جو ان لم میں مذکور ہے، ''ط''۔

13994_(قولہ: لَوْلَا أَبُوك) یہ استثنا ہے کیونکہ لولا جزا کے امتناع پر دلالت کرتا ہے جزا جو طلاق ہے۔ کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے وہ باپ یا اس کے حسن کا پایا جانا ہے، ''ط''۔

13995_(قولہ: ذَكَرَهُ ابْنُ الْهُمَامِ فِي فَتْوَاهُ) گویا شارح نے اسے اس فتویٰ میں دیکھا جو ''ابن ہمام'' کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ ہم نے نہیں سنا ہے کہ ان کی کوئی فتاویٰ کی کتاب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ان سے ثابت نہیں کیونکہ ''فتح القدیر'' میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ کہا: ذکر قلیل کے ساتھ فاصلہ کرنے میں اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ ''النوازل'' میں ذکر کیا اگر کہا: اللہ کی قسم میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا استغفر اللہ ان شاء اللہ وہ دیانۃً استثنا کرنے والا ہے قضاءً استثنا کرنے والا نہیں۔ ''الفتاوی'' میں ہے: اگر وہ ارادہ کرے کہ کسی آدمی سے قسم لے اور اسے خوف ہو کہ وہ راز داری سے استثنا کرے گا وہ اس سے قسم لے اور اسے حکم دے کہ وہ قسم کے متصل بعد کہے سبحان اللہ یا اس کے علاوہ کلام کرے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ فاصلہ کرنے کے ساتھ استثنا صحیح نہ ہو جس طرح تو دیکھ رہا ہے یہ صریح ہے اس

لِأَنَّهُ تَوْكِيدٌ وَعَطْفُ تَفْسِيرٍ فَيَصِحُّ الِاسْتِثْنَاءُ (وَكَذَا) يَقَعُ الطَّلَاقُ بِقَوْلِهِ (إنْ شَاءَ اللهُ أَنْتَ طَالِقٌ) فَإِنَّهُ تَطْلِيقٌ عِنْدَهُمَا تَعْلِيقٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

کیونکہ یہ تاکید اور عطف تفسیری ہے پس استثنا صحیح ہے۔ اسی طرح طلاق، ان شاء اللہ انت طالق سے واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ طرفین کے نزدیک یہ تطلیق ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تعلیق ہے۔

صورت میں کہ یمین کے بعد سبحان اللہ کہنا ایسا فاصلہ ہے جو استثنا کو باطل کر دیتا ہے۔ جہاں تک اس کے استثنا ہونے کا تعلق ہے تو یہ کسی نے بھی نہیں کہا فافہم۔

13996۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَوْكِيدٌ) یہ حرحر قول کی طرف راجح ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: قیاس یہ ہے کہ جب اس نے تین دفعہ واؤ کے بغیر کہا تو یہ اس کی مثل ہوگا۔

(قولہ: وَعَطْفُ تَفْسِيرٍ) یہ ان کے قول حرو عتیق کی طرف راجع ہے۔ اس میں لف نشر مرتب ہے اسے عطف تفسیری نہیں بنایا۔ کیونکہ اس کے الفاظ مختلف ہیں جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔

لفظ ان شاء اللہ ابطال ہے یا تعلیق؟

13997۔ (قولہ: فَإِنَّهُ تَطْلِيقٌ) جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ تعلیق طرفین کے نزدیک ابطال ہے یعنی ایجاب سابق کے حکم کو اٹھا دینا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعلیق ہے۔ اسی وجہ سے یہ شرط لگائی کہ دوسری شروط کی طرح یہ متصل ہو۔ طرفین کا کہنا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیئت کی معرفت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تو یہ ابطال ہوگا۔ باقی شروط کا معاملہ مختلف ہے۔ تمام کے نزدیک اس میں طلاق واقع نہ ہوگی انت طالق ان شاء اللہ ہاں اختلاف کا ثمرہ کئی مواقع پر ظاہر ہوگا۔

ان میں سے ایک یہ ہے جب شرط کو مقدم کرے اور جواب میں فا ذکر نہ کرے جس طرح ان شاء اللہ انت طالق۔ طرفین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ان شاء اللہ یہ حکم کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے مقدم و موخر ذکر کرنے میں کوئی اختلاف نہیں جب کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ جس جگہ فا کا ذکر کرنا واجب ہو وہاں فا کے بغیر تعلیق صحیح نہ ہوگی۔

ان میں سے ایک صورت یہ ہے جب وہ قسم اٹھائے وہ طلاق کی قسم نہیں اٹھائے گا اور اس نے قسم اٹھا دی تو وہ تعلیق پر حانث ہوگا ابطال پر حانث نہیں ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ یہ وہ امر ہے جسے ''زیلعی''، ''ابن ہمام'' اور دوسرے علما نے ثابت کیا ہے۔ اسی کی مثل ''مواہب الرحمٰن'' کے متن میں ہے جہاں کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ ان شاء اللہ کو تعلیق کے لیے بناتے ہیں جب کہ طرفین ابطال کے لیے بناتے ہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر اس نے کہا ان شاء اللہ انت کذا فا کا ذکر نہ کیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسری تعبیر میں کلام لغو جائے گی۔

لیکن ''المجمع'' کے متن میں اس کے برعکس ذکر کیا جہاں کہا: ان شاء اللہ انت طالق امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اسے تعلیق بناتے

....

ہیں اور طرفین اسے تطلیق بناتے ہیں۔ ''البحر'' میں اسے اس پر محمول کیا جو گزر چکا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ تعلیق کو تطلیق کے مقابل رکھنا تقاضا کرتا ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی جو تعلیق کے قائل ہیں اور طرفین کے قول کے مطابق طلاق واقع ہوگی۔ صاحب ''المجمع'' نے اپنی شرح میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ صاحب خانہ بہتر جانتا ہے۔ اور اسی امر کی ''شرح درر البحار'' میں تصریح کی ہے جہاں پہلے ذکر کیا کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اسے تعلیق بناتے ہیں کیونکہ مبطل جب ایجاب کے ساتھ متصل ہو تو اس کے حکم کو باطل کر دیتا ہے پھر کہا: دونوں یعنی طرفین نے اسے تنجیز بنایا ہے۔ کیونکہ جب دونوں جملوں کا رابطہ یعنی فاجب منتفی ہو گیا تو اس کا قول انت طالق منجز اً باقی رہ گیا۔

''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر کہا: ان شاء الله انت طالق فا کا حرف ذکر نہ کیا تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ استثنا صحیح ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: ہم اسے اپناتے ہیں۔ ''المحیط'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ استثنا منقطع ہے۔ اور طلاق قضا میں واقع ہے۔ اگر اس کے ساتھ استثنا کا ارادہ کیا تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ''قدوری'' میں اختلاف اس صورت پر ذکر کیا گیا ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر طلاق واقع نہ ہو گی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر طلاق واقع ہوگی اور فتویٰ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اس کی مثل ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس سے پہلے باب التعلیق کے شروع میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جو ''زیلعی'' وغیرہ سے گزرا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ مشیئت تعلیق ہے لیکن ان کے قول کی تخریج میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب میں فا لازم ہے جس طرح باقی شروط میں ہے پس اس کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں پس طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ یہ ابطال ہے۔ آپ کے قول پر تخریج میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابطال ہوگا اگر جواب میں فا کے پائے جانے کے ساتھ ربط صحیح ہو۔ جہاں فا کا ذکر کرنا واجب تھا اگر وہاں سے اسے حذف کیا گیا تو طلاق تنجیزاً واقع ہوگی اس وقت یہ تطلیق کے معنی میں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے نزدیک مطلقاً ابطال کے لیے ہے پس طلاق واقع نہ ہوگی اگر فا ساقط ہو۔ جہاں تک امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے ''البحر'' میں جو قول ہے تعلیق کے قول کی بنا پر طلاق واقع نہ ہوگی جب وہ فا کو نہیں لائے گا۔ ''الفتح'' میں جو وہم کیا ہے کہ طلاق واقع ہوگی وہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں اعتراض ہے کیونکہ تو تخریج کے اختلاف کو جان چکا ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے جو ''الفتح'' میں ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ مشیئت ابطال کے لیے ہے ''الخانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہ اس کے مخالف ہے جو تو نے سنا ہے۔ کیونکہ جو میں نے ''الخانیہ'' میں دیکھا ہے وہ اس امر کی تصریح ہے کہ آپ کے نزدیک یہ تعلیق ہے۔ اسی طرح اس میں ہے کہ ''شرح المجمع'' میں جو ہے وہ غلط ہے۔ ''النہر'' میں اس کی پیروی کی

لِاتِّصَالِ الْمُبْطِلِ بِالْإِيجَابِ فَلَا يَقَعُ كَمَا لَوْ أَخَّرَ، وَقِيلَ الْخِلَافُ بِالْعَكْسِ، وَعَلَى كُلٍّ فَالْمُفْتَى بِهِ عَدَمُ الْوُقُوعِ إِذَا قَدَّمَ الْمَشِيئَةَ وَلَمْ يَأْتِ بِالْفَاءِ، فَإِنْ أَتَى بِهَا

کیونکہ مبطل ایجاب کے ساتھ متصل ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح اگر وہ استثنا کو موخر کرے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اختلاف اس کے برعکس ہے۔ ہر صورت میں مفتی بہ یہ قول ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی جب مشیئت کو مقدم کیا اور فا کا ذکر نہ کیا۔اگر فا کا ذکر کیا

ہے یہ حقیقت سے بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ یہ متعدد معتبر کتب کے موافق ہے اور ''قدوری'' نے اس کی تصریح کی ہے بلکہ یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ یہ صاحب ''الفتح''، صاحب ''البحر''، صاحب ''النہر'' وغیرہم پر امر مخفی رہا۔اس مقام کی تحریر کو غنیمت جانو جس میں اذہان پھسل گئے۔

13998۔(قولہ: لِاتِّصَالِ الْمُبْطِلِ بِالْإِيجَابِ) یہ ان کے قول تعلیق کی علت ہے جس طرح ''شرح درر البحار'' میں (مقولہ 13997 میں) قول گزر چکا ہے مبطل سے مراد لفظ ان شاء اللہ ہے۔ کیونکہ یہ استثنا صحیح ہے اگرچہ جواب سے فا ساقط ہو جس طرح ''تاتر خانیہ'' سے (مقولہ 13997 میں) گزر چکا ہے۔ پس ایجاب لغو جائے گا۔ اور وہ اس کا قول انت طالق ہے پس طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''البحر'' میں اسے مشکل جانا ہے کہ تعلیق کا مقتضا تو یہ تھا کہ فا کے نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی کیونکہ رابطہ نہیں۔''الولوالجیہ'' میں جو ہے ''رملی'' نے اس کے ساتھ جواب دیا ہے کہ اس سے مقصود حکم کو معدوم کرنا ہے تعلیق نہیں۔ اور اعدام حکم میں جزا کے حرف کی ضرورت نہیں۔ ان دخلت الدار فانت طالق کا قول مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود تعلیق ہے۔ پس دونوں متفرق ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: یہ دو تخریجوں میں سے ایک کی بنا پر ہے۔ یہ وہی قول ہے ''المجمع'' وغیرہ میں جس پر چلے ہیں جہاں تک دوسری تخریج کا تعلق ہے کہ فا کے بغیر تعلیق صحیح نہیں۔ وہ ''زیلعی'' وغیرہ میں ہے۔ پس طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح (مقولہ 13997 میں) گزر چکا ہے۔ فافہم

13999۔(قولہ: وَقِيلَ الْخِلَافُ بِالْعَكْسِ) یعنی اختلاف اس میں ہے کہ مشیئت کے ساتھ تعلیق کیا یہ ابطال ہے یا تعلیق ہے؟ نہ کہ متن کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابطال ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعلیق ہے۔ اس قائل نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں کیا۔ متن کے مسئلہ میں بھی اختلاف کے ارادہ کا بھی احتمال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی طرفین کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی جس طرح ''زیلعی'' وغیرہ سے (مقولہ 13997 میں) گزرا ہے۔ فافہم

14000۔(قولہ: وَعَلَى كُلٍّ) خواہ کہا جائے کہ تعلیق یا ابطال امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یا کسی دوسرے کا قول ہے۔ مفتی بہ قول طلاق کے واقع نہ ہونے کا ہے۔ مصنف جس پر چلے ہیں وہ مفتی بہ کے خلاف ہے۔

لَمْ يَقَعْ اتِّفَاقًا كَمَا فِي الْبَحْرِ وَالشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَالْقُهُسْتَانِيِّ وَغَيْرِهَا فَلْيُحْفَظْ وَثَمَرَتُهُ فِيمَنْ حَلَفَ لَا يَحْلِفُ بِالطَّلَاقِ وَقَالَهُ حَنِثَ عَلَى التَّعْلِيقِ لَا الْإِبْطَالِ (وَبِأَنْتِ طَالِقٌ بِمَشِيئَةِ اللهِ أَوْ بِإِرَادَتِهِ أَوْ بِمَحَبَّتِهِ أَوْ بِرِضَاهُ) لَا تَطْلُقُ، لِأَنَّ الْبَاءَ لِلْإِلْصَاقِ فَكَانَتْ كَإِلْصَاقِ الْجَزَاءِ بِالشَّرْطِ (وَإِنْ أَضَافَهُ)

تو بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی جس طرح ''البحر''، ''الشرنبلالیہ'' اور ''قہستانی'' وغیرہا میں ہے۔ پس اسے یاد رکھا جائے۔ اس کا ثمرہ اس میں ظاہر ہوگا جس نے قسم اٹھائی کہ وہ طلاق کی قسم نہیں اٹھائے گا اور اس نے یہ قول کیا تو تعلیق کی بنا پر وہ حانث ہوگا ابطال کی بنا پر حانث نہیں ہوگا۔ اور اس قول کے ساتھ تجھے اللہ تعالیٰ کی مشیئت، اس کے ارادہ، اس کی محبت اور اس کی رضا کے ساتھ طلاق ہے تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ با الصاق کے لیے ہے تو گویا یہ جزا کو شرط کے ساتھ الصاق کے لیے ہے۔ اگر مذکورہ مشیئت وغیرہ کو

14001۔(قولہ: لَمْ يَقَعْ اتِّفَاقًا) اس وقت تعلیق کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔

14002۔(قولہ: وَثَمَرَتُهُ) یہ ضمیر ایسی ہے کلام میں جس کا کوئی مرجع نہیں کیونکہ یہ لو اخر الشرط کی طرف راجع ہے۔ اس نے کہا: انت طالق ان شاء اللہ یا یہ راجع ہے لو قدم الشرط اور جواب میں فالائے تو طرفین کے نزدیک یہ ابطال ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تعلیق ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 13997 میں) بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف کا ثمرہ کئی مواقع پر ظاہر ہوتا ہے۔

ان میں ایک متن کا مسئلہ ہے وہ یہ ہے جب شرط کو مقدم کرے اور جواب میں فانہ لائے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 13997 میں) ثابت کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے اس کی وضاحت وہ ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے جہاں کہا: اگر کہا: اگر میں طلاق کی قسم اٹھاؤں تو تجھے طلاق ہے پھر اسے کہا: انت طالق ان شاء اللہ تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اسے طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق: انت طالق ان شاء اللہ یہ یمین ہے۔ کیونکہ شرط اور جزا پائی جا رہی ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یمین نہیں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک یہ ابطال کے لیے ہے۔ اور ہم پہلے (مقولہ 13997 میں) بیان کر چکے ہیں کہ فتویٰ اس پر ہے۔

جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قالہ میں ضمیر لو اخر الشرط کی طرف راجع ہے جس طرح یہ قول ہے: انت طالق ان شاء اللہ یا یہ راجع ہے لو قدم شرط کی طرف اور فا رابطہ والی ذکر کرے جس طرح: ان شاء اللہ فانت طالق۔

14003۔(قولہ: أَوْ بِرِضَاهُ) رضا سے مراد ہے فاعل پر اعتراض کو چھوڑ دینا ہے اگرچہ اس کے ساتھ محبت نہ ہو، ''ط''۔

14004۔(قولہ: لِأَنَّ الْبَاءَ لِلْإِلْصَاقِ) یہی با کا حقیقی معنی ہے پس طلاق کا وقوع ان چار چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ یہ امور غیب میں سے ہیں جن پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ پس شک کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی، ''ط''۔

14005۔(قولہ: وَإِنْ أَضَافَهُ) یعنی با کے ساتھ منسوب کیا۔

أَيِ الْمَذْكُورَ مِنَ الْمَشِيئَةِ وَغَيْرِهَا (إِلَى الْعَبْدِ كَانَ) ذَلِكَ (تَمْلِيكًا فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ) كَمَا مَرَّ (وَإِنْ قَالَ بِأَمْرِهِ أَوْ بِحُكْمِهِ أَوْ بِقَضَائِهِ أَوْ بِإِذْنِهِ أَوْ بِعِلْمِهِ أَوْ بِقُدْرَتِهِ يَقَعُ فِي الْحَالِ أُضِيفَ إِلَيْهِ تَعَالَى أَوْ إِلَى الْعَبْدِ) إِذْ يُرَادُ بِمِثْلِهِ التَّنْجِيزُ عُرْفًا (كَقَوْلِهِ) أَنْتِ طَالِقٌ (بِحُكْمِ الْقَاضِي، وَإِنْ) قَالَ ذَلِكَ (بِاللَّامِ يَقَعُ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا) لِأَنَّهُ لِلتَّعْلِيلِ (وَإِنْ) كَانَ ذَلِكَ (بِحَرْفِ فِي إِنْ أَضَافَهُ إِلَى اللهِ تَعَالَى لَا يَقَعُ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا) لِأَنَّ فِي بِمَعْنَى الشَّرْطِ

بندے کی طرف منسوب کرے تو یہ تملیک ہوگی۔ پس وہ مجلس تک محدود ہوگی جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر کہا: تجھے اس کے امر، اس کے حکم، اس کی قضا، اس کے اذن، اس کے علم اور اس کی قدرت کے ساتھ طلاق ہے تو فی الحال طلاق ہوگی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یا بندے کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ اس جیسی صورت سے عرفاً تنجیز کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح اس کا قول: انت طالق بحکم القاضی۔ یعنی تجھے قاضی کے حکم سے طلاق ہے۔ اگر یہ ہی الفاظ لام کے ساتھ ذکر کیے تو تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ تعلیل کے لیے ہے۔ اگر یہ مذکورہ الفاظ فی کے حرف کے ساتھ مضاف ہوں اگر اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو تمام صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ فی شرط کے معنی میں ہے۔

14006۔ (قولہ: أَيِ الْمَذْكُورَ) یہ مصنف کی جانب سے جواب ہے۔ کیونکہ آپ نے ضمیر مفرد ذکر کی جب کہ اس کا مرجع متعدد چیزیں ہیں، ''ط''۔

14007۔ (قولہ: فَيَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ) یعنی اس کی مجلس علم تک محدود رہے گا۔ اگر اس مجلس میں وہ طلاق چاہے گا تو طلاق ہو جائے گی ورنہ امر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

14008۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی فصل المشيئة میں گزرا ہے، ''ح''۔

14009۔ (قولہ: إِذْ يُرَادُ بِمِثْلِهِ التَّنْجِيزُ عُرْفًا) یعنی تعلیق کے ارادہ میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ دیانۃً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ تامل

14010۔ (قولہ: وَإِنْ قَالَ ذَلِكَ) ذلك سے مراد مذکورہ دس الفاظ ہیں۔

14011۔ (قولہ: فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا) خواہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے یا بندے کی طرف منسوب کیا جائے۔

14012۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لِلتَّعْلِيلِ) یہ طلاق واقع کرنے کی علت ہے جس طرح اس قول میں: طالق لد خولك الدار ''فتح''۔ یعنی ایقاع طلاق اس کی علت کے پائے جانے پر موقوف نہ ہوگی جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ مشیئت وغیرہا غیر معلوم ہیں اور نہ ہی یہ اعتراض کیا جائے گا کہ طلاق کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت معدوم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مبغوض ترین حلال ہے۔

14013۔ (قولہ: لِأَنَّ فِي بِمَعْنَى الشَّرْطِ) پس یہ ایسی تعلیق ہے جس پر آگاہی نہیں ہو سکتی، ''فتح''۔ ایک قول یہ کیا گیا

(إِلَّا فِي الْعِلْمِ فَإِنَّهُ يَقَعُ فِي الْحَالِ) وَكَذَا الْقُدْرَةُ إِنْ نَوَى بِهَا ضِدَّ الْعَجْزِ لِوُجُودِ قُدْرَةِ اللهِ تَعَالَى قَطْعًا كَالْعِلْمِ (وَإِنْ أَضَافَ إِلَى الْعَبْدِ كَانَ تَمْلِيكًا فِي الْأَرْبَعِ الْأُوَلِ) وَمَا بِمَعْنَاهَا كَالْهَوَى وَالرُّؤْيَةِ (تَعْلِيقًا فِي غَيْرِهَا) وَهِيَ سِتَّةٌ، ثُمَّ الْعَشَرَةُ إِمَّا أَنْ تُضَافَ لِلَّهِ أَوْ لِلْعَبْدِ، وَالْعِشْرُونَ إِمَّا أَنْ تَكُونَ بِبَاءٍ أَوْ لَامٍ أَوْ فِي فَهِيَ سِتُّونَ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ كَتَبَ الطَّلَاقَ وَاسْتَثْنَى بِالْكِتَابَةِ صَحَّ

مگر علم میں معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فی الحال طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح ملک ہے اگر قدرت سے عجز کی ضد مراد لی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت علم کی طرح قطعی طور پر پائی جا رہی ہے۔ اگر انہیں بندے کی طرف مضاف کیا تو پہلے چار الفاظ میں یہ تملیک ہوگی اور جو الفاظ ان کے معنی میں ہوں جیسے ہوی اور رویۃ اور باقی الفاظ میں تعلیق ہوگی۔ اور وہ چھ ہیں۔ پھر دس یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب ہوں گے یا بندے کی طرف منسوب ہوں گے اور بیس یا با کے ساتھ یا لام کے ساتھ یا فی کے ساتھ مضاف ہوں گے تو یہ ساٹھ ہو گئے "بزازیہ" میں ہے طلاق لکھی اور کتابت کے ساتھ استثنا کی تو یہ صحیح ہوگا۔

ہے کہ "بمعنی شرط" میں اشارہ ہے کہ یہ شرط مخفی نہیں یہاں تک کہ اس کے بعد طلاق واقع ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا جب وہ کسی اجنبی عورت سے کہے: انت طالق فی نکاحك مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کیا تو اسے طلاق نہ ہوگی جس طرح اگر مرد نے کہا مع نکاحك۔ ان تزوجتك کا معاملہ مختلف ہے "تلویح"۔ کیونکہ طلاق نکاح سے پیچھے ہوتی ہے۔

14014۔(قولہ: فَإِنَّهُ يَقَعُ فِي الْحَالِ) کیونکہ علم کی اللہ تعالیٰ سے کسی حال میں بھی نفی کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو نہیں ہوا پس موجود امر پر تعلیق ہوئی۔ پس یہ ایقاع طلاق ہوگی، "زیلعی"۔

14015۔(قولہ: إِنْ نَوَى بِهَا ضِدَّ الْعَجْزِ) یعنی اس نے قدرت کے حقیقی معنی کی نیت کی۔ کیونکہ ایسی صفت ہے جو عجز کے منافی ہے۔ پس یہ موجود امر پر تعلیق ہوئی۔ اگر اس کے ساتھ تقدیر کی نیت کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شے کو مقدر کرتا ہے اور کبھی کسے شے کو مقدر نہیں کرتا۔

14016۔(قولہ: وَالرُّؤْيَةِ) اس میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ آنکھ سے دیکھنے کا مصدر ہوتا ہے اور دل سے دیکھنے کا مصدر رأی ہوتا ہے اور خواب دیکھنے کا مصدر رؤیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا ہے یہ اسی میں سے ہے۔ کیونکہ عورت کی طلاق کی رؤیۃ دل سے ہوتی ہے آنکھ سے نہیں ہوتی، "رحمتی"۔

14017۔(قولہ: ثُمَّ الْعَشَرَةُ) ترکیب میں زیادہ ظاہر یہ کہنا ہے: فالحاصل ان العشرۃ جس طرح یہ مخفی نہیں، "ح"۔

14018۔(قولہ: إِمَّا أَنْ تَكُونَ بِبَاءٍ) إن کو تقسیم سے ترک کر دیا ہے جس طرح مصنف نے باقی کلام کو اس پر ترک کیا ہے۔ اس کے حکم کا حاصل یہ ہے یہ دس میں ابطال ہوگا یا تعلیق ہوگی اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا۔ اور اگر انہیں بندے کی طرف منسوب کیا تو یہ تملیک ہوگی۔ "البحر" میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: اگر ان کے ساتھ لایا تو تمام میں طلاق

وَعَلَى مَا مَرَّ عَنْ الْعِمَادِيَّةِ فَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانُونَ وَفِي كَيْفَ شَاءَ اللهُ تَطْلُقُ رَجْعِيَّةً

جس طرح ''عمادیہ'' سے گزرا ہے۔ پس یہ ایک سو اسی صورتیں ہوئیں۔ اور انت طالق کیف شاء اللہ کہنے سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

واقع نہ ہوگی یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اس وقت اقسام اسی ہوگئیں'' ح''۔

میں کہتا ہوں: مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ غیر کی طرح ہے کہ پہلے چار تملیک کے لیے ہیں اگرچہ انہیں با اور فی کے ساتھ ذکر کیا لیکن یہ دونوں شرط کے معنی میں ہیں۔ ادوات شرط کا اصل ان ہے باقی ماندہ چھ اصلاً تملیک کے لیے نہیں۔ پھر میں نے ''زیلعی'' کو دیکھا جس نے اس کی تصریح کی جہاں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ یہ الفاظ دس ہیں ان میں سے چار تملیک کے لیے ہیں وہ مشیئت اور اس کی اخوات ہیں۔ اور چھ تملیک کے لیے ہیں۔ وہ امر اور اس کی اخوات ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر جب انہیں اِن کے ساتھ بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو پہلی چار تملیک کے لیے ہیں۔ پس یہ مجلس تک محدود رہیں گے اور باقی چھ تعلیق کے لیے ہیں وہ مجلس تک محدود نہ ہوں گے۔ ان کا قول ''البحر'' میں ہے: لم یقع فی الکل یعنی اصلاً طلاق واقع نہ ہوگی اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کیا جائے اور فی الحال طلاق واقع نہ ہوگی اگر انہیں بندے کی طرف مضاف کیا جائے۔ فافہم۔ لیکن ''البحر'' پر اعتراض وارد ہوگا جس طرح ''طحطاوی'' نے کہا: یہ اس کے منافی ہے جو مصنف نے علم کی صورت میں ذکر کیا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ بے شک طلاق واقع ہوگی۔ اور اس کی علت یہ بیان کی کہ یہ موجود امر پر تعلیق ہے پس یہ تنجیز ہوگی۔

14019۔ (قولہ: وَعَلَى مَا مَرَّ عَنْ الْعِمَادِيَّةِ) یعنی یہ قول: فلو تلفظ بالطلاق و کتب الاستثناء موصولا او عکس او ازال الاستثناء بعد الکتابۃ لم یقع گزرا ہے۔

14020۔ (قولہ: فَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانُونَ) صحیح یہ ہے مائتان و اربعون۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے وہ ایک صورت ہے۔ وہ طلاق اور استثنا کو اکٹھے لکھا ہے۔ ''عمادیہ'' میں تین صورتیں ہیں۔ اور جب چار کو ساٹھ سے ضرب دی جائے تو دو سو چالیس تک تعداد جا پہنچتی ہے۔ بعض اوقات تعداد بڑھ بھی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دس کو یا اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جائے گا یا بندوں میں سے جن کی مشیئت پر آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے اور جن کی مشیئت پر آگاہی حاصل نہیں کی جاسکتی یا تینوں کی طرف یا تین میں سے دو کی طرف تو یہ سات صورتیں ہوئیں۔ سات کو دس سے ضرب دی تو ستر ہوئیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک یا تو ان، با، لام اور فی کے ساتھ ذکر کیا جائے گا تو یہ دو سو اسی ہوئیں۔ پھر ہر ایک کے ساتھ یا تو طلاق اور استثنا اور اس کا جو ہم معنی ہے اس کا تلفظ کرے گا یا ان دونوں کو لکھے گا یا کتابت کے بعد دونوں کو مٹا دے گا یا طلاق کو مٹا دے گا یا ان شاء اللہ کو مٹا دے گا یا طلاق کا تلفظ کرے گا اور دوسرے کو لکھے گا یا اس کے برعکس ہوگا یا جو لکھا ہے اسے مٹا دے گا آٹھ کو دو سو اسی میں ضرب دینے سے دو ہزار دو سو چالیس صورتیں ہوں گی۔

14021۔ (قولہ: تَطْلُقُ رَجْعِيَّةً) کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی مشیئت کی طرف مضاف ہے وہ طلاق کی حالت اور اس کی

(أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً يَقَعُ ثِنْتَانِ وَفِي إِلَّا ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ، وَفِي إِلَّا ثَلَاثًا) يَقَعُ (ثَلَاثٌ) لِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْكُلِّ بَاطِلٌ

خاوند نے کہا: تجھے تین طلاقیں مگر ایک۔ تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر کہا: تجھے تین طلاقیں مگر دو تو ایک طلاق واقع ہو گی۔ اگر کہا: تجھے تین طلاقیں مگر تین تو تین طلاقیں ہوں گی۔ کیونکہ کل کی استثنا باطل ہے

کیفیت ہے یعنی مفرد، متعدد، رجعی اور بائن ہے۔ اس کی اصل مضاف نہیں پس اقل واقع ہو گی۔ کیونکہ یہ یقینی ہے وہ ایک طلاق رجعی ہے۔

استثنا وضعی کے احکام

14022۔(قولہ: أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً) وہ استثنا جو حکم کو معطل کرتی تھی اس سے فارغ ہونے کے بعد اس استثنا میں شروع ہوتے ہیں جو حکم کو ثابت کرتی ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں ہے۔ استثنا کی دو قسمیں ہیں عرفی۔ وہ وہی ہے جو مشیت پر معلق کرنے کی صورت میں لازمی ہے۔ وضعی۔ یہاں وضع وہی مراد ہے وہ الا اور اس کے اخوات میں سے کسی کے ساتھ یہ بیان کرنا ہے کہ ان کا جو مابعد ہے۔ اس میں صدر کلام کے حکم کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ اور یہ استثنا پانچ چیزوں سے باطل ہو جاتی ہے: اختیار کے ساتھ خاموشی اختیار کرنا، مستثنیٰ منہ سے زیادتی کرنا، مستثنیٰ منہ کے برابر استثنا کرنا، بعض طلاق کی استثنا کرنا اور بعض کو باطل کرنا۔ جیسے انت طالق ثنتین، ثنتین الا ثلاثا جس طرح الخانیہ میں ہے۔ ملخص۔ کیونکہ ایک ثنتین سے تین کو نکالنا لغو ہے۔

''الفتح'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: انت طالق ثلاثا و ثلاثا الا اربعا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس کا قول و ثلاثا ایسا فاصل ہے جو لغو ہے جب کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ گویا اس نے کہا تھا: انت طالق ستا الا اربعا۔ اگر اس نے کہا تھا: انت طالق ثلاثا الا واحدۃ او ثنتین تو اس سے وضاحت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ وضاحت سے پہلے فوت ہو گیا تو اسے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی صحیح ہے۔ ایک روایت میں: دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

14023۔(قولہ: وَفِي إِلَّا ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اکثر کی استثنا صحیح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ صحیح نہیں یہ اہل عربیہ کے ایک طائفہ کا قول ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ اسکی تحقیق ''الفتح'' میں ہے۔

14024۔(قولہ: لِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْكُلِّ بَاطِلٌ) یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب اس کے بعد ایسی استثنا نہ ہو جو صدر کلام کی کمی کو پورا کرے۔ اگر ایسا ہو تو یہ استثنا صحیح ہو گی۔ اسی پر مسئلہ متفرع ہوتا ہے اگر اس نے کہا: انت طالق ثلاثا الا ثلاثا الا واحدۃ تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، ''نہر''۔ یہ تعدد استثنا سے ہے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ کل کی استثنا باطل ہو گی۔ کیونکہ اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہی جس کے ساتھ وہ تکلم کرنے والا ہو۔ اور استثنا تو وضع ہی اس لیے کی گئی کہ استثنا کے بعد

إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الصَّدْرِ أَوْ مُسَاوِيهِ، وَإِنْ بِغَيْرِهِمَا كَنِسَائِي طَوَالِقُ إِلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إِلَّا زَيْنَبَ وَعَمْرَةَ وَهِنْدَ وَعَبِيدِي أَحْرَارٌ إِلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إِلَّا سَالِمًا وَغَانِمًا وَرَاشِدًا وَهُمُ الْكُلُّ صَحَّ كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ (وَيُعْتَبَرُ فِي الْمُسْتَثْنَى كَوْنُهُ كُلًّا أَوْ بَعْضًا مِنْ جُمْلَةِ الْكَلَامِ لَا مِنْ جُمْلَةِ الْكَلَامِ الَّذِي يُحْكَمُ بِصِحَّتِهِ) وَهُوَ الثَّلَاثُ،

اگر صدر کلام کے الفاظ کے ساتھ ہو یا اس کے مساوی کے ساتھ ہو اگر ان دونوں کے غیر کے ساتھ ہو جس طرح میری بیوی کو طلاق ہے مگر ان کو یا میری بیویوں کو طلاق ہے مگر زینب، عمرہ، ہند کو اور کہا: میرے غلام آزاد ہیں مگر یہ یا میرے غلام آزاد ہیں مگر سالم، غانم اور راشد جب کہ وہ سب اس کے غلام تھے تو یہ صحیح ہوگا جس طرح اقرار کے باب میں (مقولہ 28216 میں) آئے گا۔ مستثنیٰ میں اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ جملہ کلام کا کل ہو یا بعض ہو نہ کہ اس کلام کے مجموعہ کا کل یا بعض ہو جس کی صحت پر حکم لگایا جاتا ہے وہ تین طلاقیں ہیں۔

جو باقی بچتا ہے اس کا تکلم کیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ امر کے تقرر کے بعد اس سے رجوع کیا جائے جس طرح ایک قول کیا گیا ہے ورنہ یہ اس امر میں صحیح ہوتا جو رجوع کو قبول کرتا ہے جس طرح اس نے کہا: او صیت لفلان بثلث مالی الاثلث مالی۔ ''الفتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔

14025۔ (قولہ: إِنْ كَانَ بِلَفْظِ الصَّدْرِ) جس طرح متن میں اس کی مثال بیان کی ہے۔ اور اس کا قول ہے: نسائی طوالق الانسائی اور عبیدی احرار الاعبیدی۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے ''ح''۔ ''الفتح'' میں ہے: اگر اس نے کہا: واحدۃ و ثنتین الاثنتین یا کہا: انت طالق ثنتین و واحدۃ الاثنتین تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر کہا انت طالق ثنتین و واحدۃ الا واحدۃ۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں دو طلاقوں کو دو طلاقوں سے یا ایک سے نکالا گیا ہے اور تیسری صورت میں ایک کو ایک سے نکالا گیا ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اگر اس نے کہا: واحدۃ و ثنتین الا واحدۃ تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس وقت دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ ایک کو دو سے نکالنا صحیح ہے۔ اصل یہ ہے استثنا پھر جاتی ہے اس کی طرف جو اس سے ملا ہوتا ہے۔ جب وہ کئی جملوں کے پیچھے ہو تو یہ ان میں سے آخری کے لیے قید ہوتی ہے۔

14026۔ (قولہ: أَوْ مُسَاوِيهِ) جیسے انت طالق ثلاثا الا واحدۃ و واحدۃ تجھے تین طلاقیں مگر ایک اور ایک اور ایک۔ اور انت طالق ثلاثا الاثنتین و واحدۃ۔ تجھے تین طلاقیں مگر دو اور ایک۔ اس کی مثل ہے: انتن طوالق الا زینب و عمرۃ و هند۔ تم سب کو طلاق مگر زینب، عمرہ اور ہند کو۔ جب کہ اس کی چوتھی بیوی نہ ہو۔ انتم احرار الا سالما و غانما و راشدا۔ جب کہ اس کا چوتھا غلام نہ ہو، ''ح''۔

14027۔ (قولہ: صَحَّ) یعنی ان مثالوں میں استثنا صحیح ہوگی۔ اسی طرح اس کا قول ہے: کل امراۃ لی طالق الاھذہ۔ جب کہ اس کے سوا اس کی کوئی بیوی نہ ہو تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ وجود میں مساوات اس کی صحت کے مانع نہیں اگر وہ وضعاً عام ہو۔ کیونکہ یہ تصرف صیغی ہے۔ ''بحر''۔ یعنی اس میں مستثنیٰ منہ کے صیغہ کی طرف دیکھا جائے گا اگر وہ مستثنیٰ اور اس کے غیر کو

فَفِي أَنْتِ طَالِقٌ عَشْرًا إِلَّا تِسْعًا تَقَعُ وَاحِدَةٌ، وَإِلَّا ثَمَانِيَةً تَقَعُ ثِنْتَانِ، وَإِلَّا سَبْعًا تَقَعُ ثَلَاثٌ، وَمَتَى تَعَدَّدَ الِاسْتِثْنَاءُ بِلَا وَاوٍ كَانَ كُلٌّ إِسْقَاطًا مِمَّا يَلِيهِ فَيَقَعُ ثِنْتَانِ

انت طالق عشرا الا تسعا تو اسے ایک طلاق واقع ہوگی۔ انت طالق عشرا الا ثمانیۃ۔ تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ انت طالق عشرا الا سبعا تو اسے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ جب حرف واؤ کے بغیر متعدد مستثنیٰ ہوں تو ہر ایک کا اسقاط اس سے ہوگا جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ اس نے کہا:

وضعاً عام ہو تو استثنا صحیح ہوگی۔ کیونکہ کل امراۃ وضع میں اسے اور اس کے غیر کو عام ہے۔ اسی طرح نسائی کا لفظ ہے یہ مسمیات اور غیر کو عام ہے۔ انتن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ لفظ انہیں عام نہیں جو مسمیات مخاطبات کے علاوہ ہیں۔ جب اس میں اصلاً عموم نہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اسی میں سے ہے جو ''الفتح'' میں ہے جہاں کہا: اگر کہا: طالق واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ الا ثلاثا تو بالاتفاق استثنا باطل ہوجائے گی۔ کیونکہ تعدد نہیں پایا جا رہا جس کے ساتھ شے کا اخراج صحیح ہو۔

اسی طرح ''البحر'' میں ہے: اگر خاوند نے مدخولہ سے کہا: انت طالق انت طالق انت طالق الا واحدۃ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے مگر ایک۔ تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اسی طرح اگر اس نے کہا: انت طالق واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ الا واحدۃ تو حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس نے متفرق کلمات ذکر کیے ہیں پس ہر کلام استثنا کی صحت میں یوں معتبر ہوگی گویا اس کے ساتھ غیر نہیں۔ اسی طرح: هذه طالق و هذه و هذه الا هذه۔ اگر اس نے کہا: انتن طوالق الا هذه تو استثنا صحیح ہوگی۔

14028۔ (قولہ: تَقَعُ وَاحِدَةٌ) دس میں سے جس کی صحت کا اعتبار کیا جاتا تھا اگر معتبر وہ کلام ہوتی تو وہ تین طلاقیں ہیں۔ تو پھر تین میں سے نو کی استثنا لازم آتی تو استثنا لغو جاتی اور تین طلاقیں واقع ہوتیں۔

استثنا کے تعدد کے بیان میں

14029۔ (قولہ: وَمَتَى تَعَدَّدَ الِاسْتِثْنَاءُ) یعنی بعض کی بعض سے استثنا ممکن ہو۔ جب ممکن نہ ہو تو معاملہ مختلف ہے جیسے قاموا الا زیدا الا بکرا الا عمرا۔ وہ کھڑے ہوئے مگر زید مگر بکر مگر عمرو۔ اول کے بعد کا حکم اول کے حکم کی طرح ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: استثنا میں سے استثنا کی صحت کا اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (الحجر)

14030۔ (قولہ: بِلَا وَاوٍ) اگر تعدد استثنا واؤ کے ساتھ ہو تو کل کو صدر کلام سے ساقط کیا جائے گا جیسے انت طالق عشرا الا خمسا و الا ثلاثا و الا واحدۃ تجھے پندرہ طلاقیں مگر پانچ اور مگر تین اور مگر ایک۔ تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی، ''ح''۔

14031۔ (قولہ: كَانَ كُلٌّ) تقدیر کلام یہ ہے: كل واحد من المستثنيات اسقاطا مما يليه یعنی ہر مستثنیٰ کو ما قبل سے ساقط کیا جائے گا۔ یلیہ میں جو ضمیر مستتر ہے وہ کل کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر بارز ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس یہ

بِأَنْتِ طَالِقٌ عَشَرًا إِلَّا تِسْعًا إِلَّا ثَمَانِيَةً إِلَّا سَبْعَةً، وَيَلْزَمُهُ خَمْسَةٌ بِ لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةٌ إِلَّا (9) إِلَّا (8) إِلَّا (7) إِلَّا (6) إِلَّا (5) إِلَّا (4) إِلَّا (3) إِلَّا (2) إِلَّا وَاحِدَةً وَتَقْرِيبُهُ أَنْ تَأْخُذَ الْعَدَدَ الْأَوَّلَ بِيَمِينِكَ وَالثَّانِيَ بِيَسَارِكَ وَالثَّالِثَ بِيَمِينِكَ وَالرَّابِعَ بِيَسَارِكَ وَهَكَذَا، ثُمَّ تُسْقِطَ مَا بِيَسَارِكَ مِمَّا بِيَمِينِكَ، فَمَا بَقِيَ

انت طالق عشرًا الا تسعًا الا ثمانية الا سبعًا تو اس کے ساتھ دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگر اس نے کہا فلاں کے مجھ پر دس مگر نو، مگر آٹھ، مگر سات، مگر چھ، مگر پانچ، مگر چار، مگر تین، مگر دو، مگر ایک ہے تو پانچ لازم ہوں گے۔ اس کو دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تو پہلے عدد کو دائیں ہاتھ میں اور دوسرے کو بائیں ہاتھ میں لے تیسرے کو دائیں ہاتھ میں اور چوتھے کو بائیں ہاتھ میں اسی طرح کرتا جا پھر تیرے بائیں ہاتھ میں جو ہے اس کو دائیں ہاتھ میں جو ہے اس سے ساقط کر دے تو جو باقی بچے

صلہ ہے جو غیر حقیقی معنی میں استعمال ہو رہی ہے لیکن التباس سے امن ہے۔ کیونکہ اکثر کو اقل سے ساقط کرنا صحیح نہیں پس ضمیر کو ظاہر کرنا واجب نہیں "ح"۔

اس کی وضاحت مسئلہ طلاق میں ہے کہ تو سات کو آٹھ سے ساقط کر دے تو ایک باقی رہ جائے گا ایک کو نو سے ساقط کرے گا تو آٹھ رہ جائیں گے آٹھ کو دس سے ساقط کرے گا تو دو باقی رہ جائیں گے۔

14032۔ (قولہ: أَنْ تَأْخُذَ الْعَدَدَ الْأَوَّلَ) اس کی وضاحت یہ ہے کہ طاق اعداد کو اپنے دائیں ہاتھ میں شمار کرے یعنی پہلے، تیسرے، پانچویں، ساتویں اور نویں کو جو نو، سات، پانچ، تین اور ایک ہیں۔ ان کا مجموعہ پچیس ہے۔ اور جفت اعضاء کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے یعنی دوسرے، چوتھے، چھٹے اور آٹھویں اور وہ آٹھ، چھ، چار اور دو ہیں ان کا مجموعہ بیس ہے۔ انہیں ان سے ساقط کر دیں جو دائیں ہاتھ میں ہیں پانچ باقی رہ گئے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ایک اور طریقہ بھی ہے وہ طاق اعداد کو نکالنا اور جفت کو داخل کرنا اس طرح کہ تو ہر وتر کو ہر اس جفت سے نکالے جو اس سے پہلے ہے تو دس سے نو کو نکالے تو ایک باقی رہے گا تو اسے آٹھ کے ساتھ ملائے تو نو ہو گئے اس میں سے سات نکال دو تو دو رہ جائیں گے۔ دو کو چھ کے ساتھ ملا دو تو وہ آٹھ ہو جائیں گے۔ اس میں سے پانچ نکالو تو تین باقی رہ جائیں گے تو تین کو چار کے ساتھ ملاؤ تو وہ سات ہو جائیں گے اس سے تین نکالو تو چار باقی رہ جائیں گے۔ چار کو دو کے ساتھ ملاؤ تو وہ چھ ہو جائیں گے۔ اس سے ایک نکالو تو پانچ باقی رہ گئے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے عدد کو ماقبل سے ساقط کر دو جس طرح گزر چکا ہے۔ تو ایک کو دو سے نکالے تو ایک باقی رہ جائے گا اس ایک کو تین سے نکالے دو باقی رہ جائیں گے۔ دو کو چار سے ساقط کرو تو پھر بھی دو باقی رہ جائیں گے۔ دو کو پانچ سے نکالو تو تین باقی رہ جائیں گے۔ تین کو چھ سے ساقط کرو تو بھی تین رہ جائیں گے۔ تین کو سات سے خارج کرو تو چار باقی رہ جائیں گے۔ چار کو آٹھ سے خارج کرو تو بھی چار باقی رہ جاتے ہیں۔ چار کو نو سے خارج کرو تو پانچ باقی رہ جائیں گے پانچ کو دس سے ساقط کرو تو باقی پانچ رہ جاتے ہیں۔

فَهُوَ الْوَاقِعُ (إِخْرَاجُ بَعْضِ التَّطْلِيقِ لَغْوٌ، بِخِلَافِ إِيقَاعِهِ، فَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ وَقَعَ الثَّلَاثُ فِي الْمُخْتَارِ) وَعَنْ الثَّانِي ثِنْتَانِ فَتْحٌ، وَفِي السِّرَاجِيَّةِ أَنْتِ طَالِقٌ إِلَّا وَاحِدَةً يَقَعُ ثِنْتَانِ انْتَهَى فَكَأَنَّهُ اسْتَثْنَى مِنْ ثَلَاثٍ مُقَدَّرٍ (سَأَلَتْ امْرَأَةٌ الطَّلَاقَ فَقَالَ أَنْتِ طَالِقٌ خَمْسِينَ طَلْقَةً فَقَالَتْ الْمَرْأَةُ ثَلَاثٌ تَكْفِينِي فَقَالَ ثَلَاثٌ لَكِ وَالْبَوَاقِي لِصَوَاحِبِكِ وَلَهُ ثَلَاثُ نِسْوَةٍ غَيْرُهَا تُطَلَّقُ الْمُخَاطَبَةُ ثَلَاثًا لَا غَيْرَهَا أَصْلًا) هُوَ الْمُخْتَارُ لِصَيْرُورَةِ الْبَوَاقِي لَغْوًا فَلَمْ يَقَعْ بِصَرْفِهِ لِصَوَاحِبِهَا شَيْءٌ

وہ واقع ہے۔ بعض تطلیق کو خارج کرنا لغو ہے۔ اس کو واقع کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر کہا: انت طالق ثلاثا الا نصف تطليقة تو مختار مذہب کے مطابق تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو طلاقیں ہوں گی ''فتح''۔ ''سراجیہ'' میں ہے: انت طالق الا واحدۃ اس قول سے دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کلام ختم ہوا۔ گویا اس نے تین مقدر طلاقوں سے اسے مستثنیٰ کیا۔ ایک عورت نے طلاق کا سوال کیا اس نے کہا: انت طالق خمسين طلقة۔ تجھے پچاس طلاقیں ہیں عورت نے کہا: مجھے تین طلاقیں کافی ہیں خاوند نے کہا: تین تیرے اور باقی تیری سوکنوں کے لیے جب کہ اس کے علاوہ اس کی تین بیویاں تھیں تو مخاطبہ کو تین واقع ہو جائیں گی۔ باقی ماندہ کو اصلاً واقع نہ ہوں گی۔ یہی پسندیدہ قول ہے۔ کیونکہ باقی لغو ہیں تو اسے اس کی سوکنوں کی طرف پھیرنے سے کوئی شے واقع نہ ہو گی۔

14033۔ (قولہ: فَهُوَ الْوَاقِعُ) یعنی اس کا اقرار کیا گیا ہے، ''ط''۔

14034۔ (قولہ: وَعَنْ الثَّانِي ثِنْتَانِ) کیونکہ تطلیقہ ایقاع میں تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ اسی طرح استثنا میں بھی تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ گویا کہا الا واحدۃ۔ جواب یہ ہے کہ ایقاع تجزی کو اس معنی کی وجہ سے قبول نہیں کرتی جو موقع میں پایا جاتا ہے وہ استثنا میں موجود نہیں ہوتا۔ پس وہ اس میں تجزی کو قبول کرتا ہے۔ پس اس کی کلام کا معنی ہوگا۔ اسے دو پوری اور نصف طلاق ہے پس اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ ''الفتح'' میں یہ اسی طرح ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نصف طلاق کو واقع کرنا شرعاً غیر متصور ہے پس یہ کل کو واقع کرنا ہوگا۔ نصف کے استثنا کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے لیکن یہ لغو ہوگا۔ کیونکہ باقی نصف کے ساتھ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: جواب میں سب سے مناسب یہ ہے جب اس نے نصف کو خارج کیا جس کے لیے کل کا حکم ہے اور نصف کو باقی چھوڑ دیا۔ اسی طرح ہم نے ما بقی سے اس پر ایک طلاق واقع کر دی اس کا اخراج صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتو ایک حکمی طلاق کو ایک حکمی طلاق سے خارج کرنا لازم ہوگا تو یہ لغو ہوگا۔

14035۔ (قولہ: فَكَأَنَّهُ اسْتَثْنَى مِنْ ثَلَاثٍ مُقَدَّرٍ) میں کہتا ہوں: اس کی توجیہ ہے کہ طالق کا لفظ دو کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ دو عدد محض ہیں بلکہ یہ فرد حقیقی یا جنس کا احتمال رکھتا ہے میری مراد تین طلاقیں ہیں۔ یہاں پہلا یعنی فرد حقیقی مراد لینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے استثنا کو لغو قرار دینا لازم آتا ہے پس دوسرا معنی یعنی جنس متعین ہو گیا۔ فافہم

(فُرُوعٌ) فِي أَيْمَانِ الْفَتْحِ مَا لَفْظُهُ، وَقَدْ عُرِفَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّهُ لَوْ قَالَ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَقَعَ الثَّلَاثُ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ ثَمَّةَ إِنْ سَكَنْتُ هَذِهِ الْبَلْدَةَ فَامْرَأَتُهُ طَالِقٌ وَخَرَجَ فَوْرًا وَخَلَعَ امْرَأَتَهُ ثُمَّ سَكَنَهَا قَبْلَ الْعِدَّةِ لَمْ تَطْلُقْ، بِخِلَافِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَلْيُحْفَظْ إِنْ تَزَوَّجْتُك وَإِنْ تَزَوَّجْتُك فَأَنْتِ كَذَا لَمْ يَقَعْ حَتَّى يَتَزَوَّجَهَا مَرَّتَيْنِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ قَدَّمَ الْجَزَاءَ فَلْيُحْفَظْ

فروع: ''الفتح'' کے کتاب الایمان میں ہے جس کے الفاظ ہیں: کتاب الطلاق میں معروف ہو چکا ہے اگر خاوند نے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے، اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے، اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ مصنف نے وہاں اس کو ثابت رکھا ہے۔ کہا: اگر میں اس شہر میں رہا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے وہ فوراً اس شہر سے نکل گیا اور اپنی اس بیوی سے خلع کر لیا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے وہاں رہا تو اس عورت کو طلاق واقع نہ ہوگی۔ فانت طالق کا معاملہ مختلف ہے۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ ان تزوجتك وان تزوجتك فانت كذا اسے طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ اس عورت سے دو دفعہ شادی کرے۔ اگر جزا کو مقدم کرے تو معاملہ مختلف ہے اسے یاد رکھنا چاہیے۔

14036۔ (قولہ: فِي أَيْمَانِ الْفَتْحِ) یہ ما کی خبر ہے یہ فروع کی صفت نہیں۔ کیونکہ صرف پہلا مسئلہ ''الفتح'' کے کتاب الایمان میں ہے، ''ح''۔

14037۔ (قولہ: وَقَعَ الثَّلَاثُ) یعنی ایک دفعہ گھر میں داخل ہونے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی جس طرح ''الفتح'' کی کتاب الایمان کی عبارت دلالت کرتی ہے جہاں کہا: اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: والله لا اقربك الله کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا۔ پھر کہا: والله لا اقربك تو وہ ایک دفعہ اس کے قریب گیا تو اس پر دو کفارے لازم آجائیں گے۔

ظاہر یہ ہے اگر اس نے تاکید کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: مسئلہ کی صورت یہ ہے جب وہ ہر شرط کی جزا ذکر کرے۔ اگر وہ ایک جزا پر اکتفا کرے تو ''بزازیہ'' میں ہے: ان دخلت هذه الدار ان دخلت هذه الدار فعبدی حر جب کہ دونوں گھر ایک ہی ہوں تو قیاس یہ ہے کہ حانث نہ ہو یہاں تک کہ گھر میں دو دفعہ داخل ہو۔ استحسان یہ ہے کہ ایک دفعہ داخل ہونے کے ساتھ حانث ہو جائے اور باقی کو تکرار اور اعادہ بنایا جائے۔ پھر اشکال اور اس کا جواب ذکر کیا اور اس کی مکمل عبارت ''البحر'' میں اس قول: والملك يشترط لاخر الشرطين کے ہاں ذکر کی۔ اور ان کا قول: وهما واحد یعنی دونوں گھر دونوں جگہوں میں ایک ہے۔ اگر اس نے دو گھروں کی طرف اشارہ کیا تو معاملہ مختلف ہوگا تو پھر دونوں گھروں میں داخل ہونا ضروری ہوگا۔ جس طرح امر ظاہر ہے۔

14038۔ (قولہ: لَمْ تَطْلُقْ) یہ ضعیف قول پر مبنی ہے جس طرح ہم نے اس قول: وزوال الملك لا يبطل اليمين کے ہاں اس کی تحقیق کی ہے۔

14039۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ قَدَّمَ الْجَزَاءَ) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں ہے: بخلاف

إِنْ غِبْتُ عَنْكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَأَمْرُكِ بِيَدِكِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَاعْتَدَّتْ فَتَزَوَّجَتْ ثُمَّ عَادَتْ لِلْأَوَّلِ ثُمَّ غَابَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَلَوْ اخْتَلَعَتْ لَا لِأَنَّهُ تَنْجِيزٌ وَالْأَوَّلُ تَعْلِيقٌ دَعَاهَا لِلْوِقَاعِ فَأَبَتْ فَقَالَ مَتَى يَكُونُ؟ فَقَالَتْ غَدًا، فَقَالَ إِنْ لَمْ تَفْعَلِي هَذَا الْمُرَادَ غَدًا فَأَنْتِ كَذَا ثُمَّ نَسِيَاهُ حَتَّى مَضَى الْغَدُ

اگر میں تجھ سے چار ماہ غائب رہوں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں پھر اس عورت کو طلاق دے دی اس عورت نے عدت گزار لی پھر اس نے شادی کی پھر پہلے خاوند کی طرف لوٹی پھر چار ماہ تک غائب رہا تو عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے اگر عورت اس سے خلع لے تو نہیں۔ کیونکہ یہ تنجیز ہے اور پہلی تعلیق ہے۔ مرد نے عورت کو حقوق زوجیت کی دعوت دی تو عورت نے انکار کر دیا مرد نے کہا: کب ہوگا؟ عورت نے کہا: کل۔ مرد نے کہا اگر تو اس مراد کو کل نہ کرے تو تجھے طلاق ہے پھر دونوں اسے بھول گئے یہاں تک کہ کل گزر گیا

مالو لم یوخر الجزاء دونوں صحیح ہیں۔ بعض نسخوں میں ہے: بخلاف مالو اخر الجزاء۔ ''حلبی'' نے کہا: صحیح ہے: قدم الجزاء اس کے ساتھ اس صورت کو ترک کر دیا ہے جب جز اوسط میں ہو۔ ''النہر'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے: اگر کہا: ان تزوجتك وان تزوجتك فانت طالق۔ عورت کو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ خاوند دو دفعہ عورت سے شادی کرے جب جزا کو مقدم یا درمیان میں رکھے تو معاملہ مختلف ہے۔ اھ کلام ''النہر''۔

''الفتاویٰ الہندیہ'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے کہا: اگر صرف شرط کو مکرر ذکر کیا اور کہا ان تزوجتك وان تزوجتك یا کہا: ان تزوجتك فان تزوجتك یا کہا: اذا تزوجتك یا متی تزوجتك تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ دو دفعہ اس سے نکاح کرے۔ اگر طلاق کو مقدم کیا اور کہا انت طالق ان تزوجتك وان تزوجتك۔ تو یہ ایک دفعہ نکاح کرنے پر حکم مرتب ہوگا۔ اگر کہا: ان تزوجتك فانت طالق وان تزوجتك تو دونوں دفعہ نکاح کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

14040۔ (قولہ: إِنْ غِبْتُ عَنْكِ) میں کہتا ہوں: مسئلہ کا ذکر ''البحر'' میں ''کنز'' کے قول: وزوال الملك بعد اليمين لا یبطلها کے ہاں ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے: ''القنیہ'' میں ہے: اگر خاوند نے عورت سے کہا: امرك بیدك تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ پھر عورت نے مرد سے خلع کر لیا اور دونوں جدا ہو گئے پھر مرد نے عورت سے شادی کی تو عورت کے ہاتھ میں امر باقی رکھنے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اختیار باقی نہیں ہوگا۔ کہا: اگر میں تجھ سے چار ماہ غائب رہوں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں۔ پھر مرد نے عورت کو طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی اور عورت نے کسی مرد سے شادی کی پھر وہ پہلے خاوند کی طرف لوٹی خاوند چار ماہ تک اس سے غائب رہا تو عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت تخییر کی تنجیز ہے پس ملکیت کے زوال کے ساتھ امر باطل ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت تخییر کی تعلیق ہے پس یہ یمین ہوگی تو امر باطل نہیں ہوگا۔ اھ کلام ''البحر''۔ اس سے تو جان چکا ہوگا جو شارح کی کلام میں خلل ڈالنے والا ایجاز ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تخییر طلاق بائن کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے جب وہ تخییر منجز ہو بخلاف معلق کے۔ یہ وہ تعبیر ہے جس کے مطابق ''الفصول العمادیہ'' میں ان کی کلام میں تطبیق دی ہے جس طرح ہم نے فصل المشیئة سے تھوڑا پہلے (مقولہ

لَا يَقَعُ حَلَفَ أَنْ لَا يَأْتِيَهَا فَاسْتَلْقَى فَجَاءَتْ فَجَامَعَتْ إِنْ مُسْتَيْقِظًا حَنِثَ إِنْ لَمْ أُشْبِعْكِ مِنَ الْجِمَاعِ فَعَلَى إِنْزَالِهَا إِنْ لَمْ أُجَامِعْكِ أَلْفَ مَرَّةٍ فَكَذَا فَعَلَى الْمُبَالَغَةِ لَا الْعَدَدِ وَإِنْ وَطِئْتُكِ فَعَلَى جِمَاعِ الْفَرْجِ، وَإِنْ نَوَى الدَّوْسَ بِالْقَدَمِ حَنِثَ بِهِ أَيْضًا

تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ خاوند نے قسم اٹھائی وہ بیوی کے پاس نہیں آئے گا خاوند چت لیٹ گیا عورت آئی اور مرد سے جماع کیا اگر وہ بیدار تھا تو حانث ہو جائے گا۔ اگر میں تجھے جماع سے سیر نہ کراؤں تو یہ عورت کے انزال تک لازم آئے گا۔ خاوند نے کہا: اگر میں تجھ سے ہزار بار جماع نہ کروں تو تجھے طلاق ہے تو اس کا اطلاق مبالغہ پر ہوگا عدد پر نہیں ہوگا۔ کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اس کا صدق فرج کے جماع پر ہوگا۔ اگر وہ قدم سے روندنا مراد لے تو اس کے ساتھ بھی حانث ہوگا۔

13715 میں) بیان کیا ہے۔

14041۔(قولہ: لَا يَقَعُ) کیونکہ حانث ہونے کی شرط یہ ہے کہ کل عورت سے مطالبہ کیا جاتا اور وہ انکار کرتی جب کہ مرد نے مطالبہ نہ کیا، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا ہے یہاں نسیان کی کوئی تاثیر نہیں لیکن کتاب الایمان میں اس کی تعلیل (مقولہ 17846 میں) آئے گی کہ قسم پوری کرنے کا امکان یمین کے باقی رہنے کے لیے شرط ہے جس طرح یمین کے انعقاد کے لیے شرط ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس میں جو امر ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ قسم پوری کرنے کا امکان یاد کرنے کے ساتھ محقق ہے۔ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس صورت کے علاوہ میں بھی حانث نہ ہونے میں بھول جانا عذر ہو جب کہ یہ منصوص کے خلاف ہے۔ فافہم

14042۔(قولہ: إِنْ مُسْتَيْقِظًا حَنِثَ) کیونکہ حالت بیداری میں یہ مرد کی جانب سے ہی تصور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ (البقرہ: 223) سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو''۔

14043۔(قولہ: فَعَلَى إِنْزَالِهَا) قسم اس فعل پر منعقد ہو جائے گی کہ وہ عورت سے جماع کرے یہاں تک عورت کو انزال ہو جائے۔ کیونکہ عورت کے سیر ہونے سے مراد اس فعل کے ساتھ عورت کی شہوت کا ختم ہونا ہے۔

14044۔(قولہ: فَعَلَى الْمُبَالَغَةِ لَا الْعَدَدِ) اس کی مقدار مراد نہیں۔ سبعون سے مراد کثیر ہے'' خانیہ''۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ محل اس صورت میں ہوگا جب وہ عدد کی نیت نہ کرے۔ اگر وہ عدد کی نیت کرے تو اس کی نیت موثر ہوگی کیونکہ اس نے اپنی جان پر سختی کی ہے،'' ط''۔

14045۔(قولہ: حَنِثَ بِهِ أَيْضًا) یعنی جس طرح وہ جماع سے حانث ہوتا ہے اسی طرح اس عمل کے ساتھ بھی حانث ہو جائے گا۔ پس اس متبادر معنی کی نفی صحیح نہیں ہوگی۔ جس کی وہ نیت کرے گا اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس پر شدت اختیار کی ہے جو بھی کہا اس وجہ سے حانث ہو جائے گا۔ یہ صورت باقی ہے اگر اس نے دونوں فعل کیے کیا دونوں دفعہ حانث ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ چاہیے کہ دیانۃً حانث نہ ہو مگر جس کی وہ نیت کرے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اگر

لَهُ امْرَأَةٌ جُنُبٌ وَحَائِضٌ وَنُفَسَاءُ فَقَالَ أَخْبَثُكُنَّ طَالِقٌ طَلُقَتْ النُّفَسَاءُ، وَفِي أَفْحَشُكُنَّ طَالِقٌ فَعَلَى الْحَائِضِ قَالَ لِي إلَيْكَ حَاجَةٌ فَقَالَ امْرَأَتُهُ طَالِقٌ إنْ لَمْ أَقْضِهَا، فَقَالَ هِيَ أَنْ تُطَلِّقَ امْرَأَتَكَ فَلَهُ أَنْ لَا يُصَدِّقَهُ قَالَ لِأَصْحَابِهِ إنْ لَمْ أَذْهَبْ بِكُمْ اللَّيْلَةَ إلَى مَنْزِلِي فَامْرَأَتُهُ كَذَا فَذَهَبَ بِهِمْ بَعْضَ الطَّرِيقِ فَأَخَذَهُمْ الْعَسَسُ فَحَبَسَهُمْ

اس کی ایک بیوی جنبی ہے ایک حائضہ ہے اور ایک نفاس والی ہے تو اس نے کہا: تم میں سے جو خبیث ترین ہے اسے طلاق ہے تو نفاس والی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اس نے کہا: تم میں سے افحش کو طلاق ہے تو اس کا صدق حائضہ پر ہوگا۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: مجھے تجھ سے کام ہے اس نے کہا: اگر میں یہ کام نہ کروں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے تو دوسرے مرد نے کہا: وہ کام یہ ہے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ اس کی تصدیق نہ کرے۔ ایک مرد نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اگر میں تمہیں آج رات اپنے گھر نہ لے جاؤں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ وہ انہیں کچھ راستہ تک لے گیا تو انہیں کوتوال نے پکڑ لیا اور انہیں محبوس کر دیا

اس نے کہا: اگر میں وطی کروں نہ عورت کا ذکر کیا اور نہ ہی اس کی ضمیر کا ذکر کیا تو مراد قدم سے روندنا ہے۔ یہی لغت اور عرف ہے۔ یہ ہمارے اصحاب کے اتفاق کے ساتھ ہے۔ اس کا یہ محل اس وقت ہوگا جب وہ جماع کی نیت نہ کرے ورنہ اس کی نیت ان امور میں موثر نہ ہوگی جو ظاہر ہیں۔

14046۔ (قولہ: لَهُ امْرَأَةٌ) اس باب میں اس مسئلہ کی کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ اس میں تعلیق نہیں۔ اور اس کا قول: طلقتِ النفساءُ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خبیث کا لفظ بعض اوقات ایسی چیز پر کیا جاتا ہے جس کی بو ناپسندیدہ ہو جس طرح تھوم، پیاز۔ اور نفاس کا خون زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے بدبودار ہو جاتا ہے۔

14047۔ (قولہ: فَعَلَى الْحَائِضِ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں نصاً اس سے نہی کی گئی ہے یا اس کے زیادہ ہونے اور اوقات کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس پر صدق آئے گا۔ اسی سے ایک لفظ ہے غبن فاحش۔ پھر میں نے ''البحر'' میں ''القنیۃ'' سے قول دیکھا اس کی علت اس قول: لانہ نص سے بیان کی ہے۔

14048۔ (قولہ: فَلَهُ أَنْ لَا يُصَدِّقَهُ) اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلے آدمی کا قول صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے اس لیے اس کے غیر پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے گا: یہ ایسا امر ہے جس پر اس کی جانب سے ہی آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے تو قول مرد کا معتبر ہوگا جس طرح مرد عورت سے کہے: ان کنت تحبین عورت نے کہا: میں محبت کرتی ہوں۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب معلق علیہ بیوی کی جانب سے ہو اجنبی کی جہت سے نہ ہو جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 13910 میں) بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے اگر خاوند نے اس کی تصدیق کی تو وہ حانث ہو جائے گا۔

لَا يَحْنَثُ إِنْ خَرَجْتِ مِنَ الدَّارِ إِلَّا بِإِذْنِي فَخَرَجَتْ لِحَرِيقِهَا لَا يَحْنَثُ حَلَفَ لَا يَرْجِعُ الدَّارَ ثُمَّ رَجَعَ لِشَيْءٍ نَسِيَهُ لَا يَحْنَثُ

تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی۔ وہ گھر کے جل جانے کی وجہ سے گھر سے نکلی تو حانث نہیں ہو گا۔ اس نے قسم اٹھائی وہ گھر کی طرف نہیں لوٹے گا پھر اس چیز کو لینے کے لیے لوٹا جسے بھول گیا تھا تو حانث نہیں ہوگا۔

14049۔ (قولہ: لَا يَحْنَثُ) یہ اس قول کے منافی ہے جو قریب ہی (مقولہ 14068 میں) آئے گا کہ حنث کی شرط اگر عدمی ہو اور وہ عاجز آ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ ''ح'' اس کی اصل صاحب ''البحر'' سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس پر صادق آتا ہے کہ وہ گیا پس قسم توڑنے کا نہ ہونا قسم پوری کرنے کی وجہ سے ہے۔ کتاب الایمان میں متن میں (مقولہ 17550 میں) جو آ رہا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: وہ مکہ کی طرف نہیں نکلے گا یا وہ مکہ کی طرف نہیں جائے گا وہ مکہ کے ارادہ سے نکلا پھر لوٹ آیا تو حانث ہو جائے گا جب وہ مصر کی آبادی سے مکہ مکرمہ کے ارادہ سے تجاوز کر گیا۔ کیونکہ اس میں حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محلوف علیہ پایا جا رہا ہے'' ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''خانیہ'' میں جو ذکر کیا ہے کہ کوتوال پکڑے تو وہ آدمی حانث نہیں ہوگا وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے جو اس قول میں ہے: جب ایک آدمی نے قسم اٹھائی کہ وہ آج اس پانی کو ضرور پیئے گا جو اس کوزے میں ہے تو اس دن کے گزرنے سے پہلے اس نے اس پانی کو بہا دیا تو طرفین کے نزدیک وہ حانث نہیں ہوگا۔ ''الذخیرہ'' میں جو ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

14050۔ (قولہ: فَخَرَجَتْ لِحَرِيقِهَا لَا يَحْنَثُ) اسی طرح اگر وہ گھر سے اس لیے نکلتی ہے کہ وہ گھر غرق ہو گیا تھا کیونکہ شرط ایسا نکلنا ہے جو غرق ہونے اور جلنے کے بغیر ہو، ''بحر''۔ کیونکہ عرفاً یہ مراد نہیں ہوتا۔ پس یہ قسم میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ نکاح کے باقی رہنے کے ساتھ مقید ہوگا۔ جس طرح کتاب الایمان میں (مقولہ 17579 میں) آئے گا۔ ''الفتح'' میں وہاں اس کی علت بیان کی ہے کہ اجازت دینا اس کا معتبر ہوگا جس کو منع کرنے کا حق ہو۔ وہ سلطان کی مثل ہے جب اس نے کسی آدمی سے قسم لی کہ شہر میں جو فسادی ہوگا اس کے بارے میں اسے بتائے گا تو یہ قسم اس کی ولادیت کی مدت تک باقی رہے گی۔ اگر مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی پھر مرد نے اس سے شادی کی تو وہ عورت اجازت کے بغیر نکلی تو اسے طلاق نہ ہوگی اگرچہ ہمارے نزدیک ملکیت کا زوال یمین کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یہ بقاء نکاح پر ہی منعقد ہوتی ہے۔

اس کی مثل ہے جب قرض خواہ مقروض سے قسم لے کہ وہ اس شہر سے اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا تو یہ قسم اس وقت تک ہوگی جب تک قرض اس کے ذمہ باقی ہے جس طرح وہاں (مقولہ 17855 میں) ان شاء اللہ آئے گا۔

قسم عرف اور عادت کی دلالت سے خاص ہے

14051۔ (قولہ: حَلَفَ لَا يَرْجِعُ) ''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی والی کے ساتھ نکلا اس نے قسم اٹھائی کہ وہ والی کی

حَلَفَ لَيَخْرُجَنَّ سَاكِنُ دَارِهِ الْيَوْمَ وَالسَّاكِنُ ظَالِمٌ فَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ إِخْرَاجُهُ فَالْيَمِينُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِاللِّسَانِ
اس نے قسم اٹھائی کہ اس کے گھر کا رہائشی آج ہر صورت نکلے گا جب کہ اس گھر کا رہائشی ظالم ہے۔ اگر اس کا نکالنا ممکن نہ ہوتو قسم زبان سے تلفظ کرنے پر ہے۔

اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا تو قسم اٹھانے والے سے کوئی شے ساقط ہوگئی تو وہ اس وجہ سے لوٹ آیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوٹنا عادۃً قسم سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ محلوف علیہ وہ لوٹنا ہے جو اجازت کے ساتھ جانے کو ترک کرنا ہے۔ جب لوٹنے کی نیت سے کسی کام سے واپس آیا تو محلوف علیہ متحقق نہ ہوا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ اور وہ مسئلہ جو اس سے پہلے ہے دونوں میں قسم عادت کی دلالت کے ساتھ خاص ہے اور عادت تخصیص کرنے والی ہے جس طرح کتب اصول میں ثابت ہے۔

اس کی مثل وہ بھی ہے جو ''الخانیۃ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے قسم اٹھوائی کہ وہ اس معاملہ میں اس کی اطاعت کرے گا جس کا وہ حکم دے گا یا جس سے منع کرے گا۔ پھر اس نے اسے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے منع کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا اگر وہاں ایسا کوئی سبب نہ ہو جو اس امر پر دلالت کرے۔ کیونکہ لوگ عادۃً اس نہی سے اپنی بیوی سے جماع سے نہی مراد نہیں لیتے جس طرح اس نہی سے اکل و شرب سے نہی مراد نہیں لیتے۔ اس میں یہ بھی ہے: ایک آدمی کی بیوی نے مرد پر لونڈی کے بارے میں تہمت لگائی تو مرد نے قسم اٹھائی وہ اسے نہیں چھوئے گا تو یہ قسم اس چھونے کی طرف پھر جائے گی جسے عورت ناپسند کرتی ہے اس طرح اگر مرد نے کہا: اگر میں اپنا ہاتھ اپنی لونڈی پر رکھوں تو وہ آزاد ہے مرد نے اسے مارا اور اپنا ہاتھ اس پر رکھا تو حانث نہیں ہوگا اگر قسم بیوی کی وجہ سے ہو یا ایسے امر کی وجہ سے ہو جو اس پر دلالت کرے کہ وہ وضع (رکھنا) سے مراد مارنا نہیں لے رہا۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ہے وہ جسے حنابلہ کے بعض محققین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو مجھ سے کلام کرے اور میں تجھے اس کی مثل نہ کہوں تو تجھے طلاق ہے۔ عورت نے مرد سے کہا انت طالق تجھے طلاق ہے۔ مرد نے اسے اس کی مثل نہ کہا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ خاوند کی کلام اس کے ساتھ خاص ہے جب وہ سب، دعا وغیرہ ہو۔ کیونکہ مرد کی مراد یہ نہ تھی اگر عورت کہے: میرے لیے کپڑا خرید و تو مرد اسے اسی کی مثل کہے بلکہ ایسی کلام کا ارادہ کیا جو اس کی قسم اٹھانے کا سبب تھا۔

(اگر آدمی نے قسم اٹھائی) کہ وہ فلاں کو اس گھر میں نہیں رہنے دے گا

14052۔ (قولہ: فَالْيَمِينُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِاللِّسَانِ) ''القنیۃ'' اور زاہدی کی ''الحاوی'' میں جسے ''وبری'' کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح ہے۔ شاید اسے اس پر محمول کیا ہے کہ قسم اٹھانے والا قسم اٹھاتے وقت جانتا تھا کہ بالفعل اسے نکالنا ممکن نہیں۔ پس یہ قسم اس کے اس قول کی طرف پھر جائے گی۔ أُخْرُجْ مِنْ دَارِيْ۔ اگر اسے یمین موقت پر محمول

....

کرتے جس طرح اس میں ہے: لاشربن ماء هذا الكوز اليوم جب کہ اس میں پانی نہ ہو تو چاہیے یہ تھا کہ دن گزرنے کے ساتھ وہ حانث نہ ہوتا اگرچہ وہ اسے نہ کہے: اخرج۔ شاید اسے اس پر محمول نہیں کیا کیونکہ قسم کو مذکورہ لفظ کی طرف پھیرنا ممکن ہے کیونکہ حقیقی معنی سے عجز کا قرینہ موجود ہے جس طرح اگر اس نے قسم اٹھائی وہ دونوں کو اس گھر میں نہیں رہنے دے گا۔ تو علما نے کہا: اگر گھر حالف کی ملکیت ہو تو منع قول اور فعل کے ساتھ ہوگا ورنہ صرف قول کے ساتھ ہوگا۔ یعنی بالفعل منع کرنے کا مالک نہیں۔ اس کی مثل ہے اگر اس نے دوسرے شخص کو گھر اجرت پر دیا تو علما نے تصریح کی ہے کہ وہ اس قول: اخرج من داری کے قول سے بری ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے مستاجر منافع کا مالک ہوتا ہے۔ پس قسم اٹھانے والا اس اجنبی کی طرح ہو گیا جس کی گھر میں کوئی ملکیت نہیں۔

مگر شارح جسے کتاب الایمان کے آخر میں (مقولہ 18305 میں) عنقریب ذکر کریں گے جہاں کہا: فلاں اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا تو اس کی قسم صرف منع کرنے پر ہوگی اگر وہ اسے منع کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو ورنہ منع اور نہی دونوں پر قسم صادق آئے گی۔ یہ اس کے مخالف ہے جسے میں نے بہت سی کتابوں میں دیکھا ہے جب وہ یہ قسم اٹھائے: لا يدعه اولا يتركه۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے کہا: اگر میں فلاں کو اپنے کمرے میں داخل کروں یا کہا: اگر فلاں میرے کمرے میں داخل ہوا یا کہا: اگر میں فلاں کو چھوڑوں کہ وہ میرے کمرے میں داخل ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ پہلی صورت میں قسم اس پر صادق آئے گی کہ وہ آدمی اس کے امر سے داخل ہو۔ کیونکہ جب وہ اس کے امر سے داخل ہوا تو اس نے اسے داخل کیا۔ دوسری صورت میں قسم کا صدق داخل ہونے پر ہوگا خواہ قسم اٹھانے والا حکم دے یا حکم نہ دے، اسے علم ہو یا علم نہ ہو۔ کیونکہ دخول پایا گیا۔ تیسری صورت میں قسم اٹھانے والے کے علم پر صادق آئے گا۔ کیونکہ قسم توڑنے کی شرط داخل ہونے کو ترک کرنا ہے جب علم ہوا اور منع نہ کیا تو ترک کیا۔ ''البحر'' کے کتاب الایمان میں ''المحیط'' وغیرہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔

دوسرے مسئلہ میں تعلیل بانه وجد الدخول اس میں صریح ہے کہ قسم غیر کے نفس پر منعقد ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے وہاں (مقولہ 18300 میں) کہا: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: اللہ کی قسم تو اس طرح کرے گا تو وہ قسم اٹھانے والا ہو جائے گا۔ جب مخاطب ایسا نہ کرے تو قسم اٹھانے والا حانث ہو جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب اس نے یہ قسم اٹھائی لا يدخل فلان داره تو اس آدمی کے داخل ہونے کے ساتھ حانث ہو جائے گا۔ اگرچہ قسم اٹھانے والا اسے منع کرے کیونکہ قسم توڑنے کی شرط پائی گئی۔ اگر اس نے کہا تھا لا يتركه يدخل تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس میں گزشتہ تفصیل موجود ہے۔ اگر قسم میں یہ تفصیل فعل غیر پر جاری ہو تو یہ لازم آئے گا اگر اس نے کہا: اگر فلاں میرے گھر میں داخل ہوا تو تجھے طلاق ہے اگر قسم اٹھانے والے نے اسے داخل ہونے سے منع کیا پھر وہ داخل ہو گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر مرد نے کہا: اللہ کی قسم تو ضرور یہ کرے گا اور اسے کرنے کا حکم دیا اس نے ایسا نہ کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کتاب الایمان میں جو شارح کا قول ہے: فيمينه على النهي ان لم يملك منعه اسے اس معنی پر محمول کرے جواب دیا جاتا ہے جسے یہاں ذکر کیا ہے کہ محلوف علیہ ظالم

إِنْ لَمْ تَجِيئِي بِفُلَانٍ أَوْ إِنْ لَمْ تَرُدِّي ثَوْبِي السَّاعَةَ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَجَاءَ فُلَانٌ مِنْ جَانِبٍ آخَرَ بِنَفْسِهِ وَأَخَذَ الثَّوْبَ قَبْلَ دَفْعِهَا لَا يَحْنَثُ، كَذَا إِنْ لَمْ أَدْفَعْ إِلَيْكَ الدِّينَارَ الَّذِي عَلَيَّ إِلَى رَأْسِ الشَّهْرِ فَكَذَا فَأَبْرَأَتْهُ قَبْلَ رَأْسِ الشَّهْرِ بَطَلَ الْيَمِينُ بَقِيَ مَا يُكْتَبُ فِي التَّعَالِيقِ

اگر تو فلاں کو نہ لائی یا تو نے میرے کپڑے اس وقت واپس نہ کیے تو تجھے طلاق ہے تو فلان دوسری جانب سے خود ہی آ گیا اور خاوند نے کپڑا عورت کے دینے کے بغیر ہی لے لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کہا: اگر آج میں تجھے وہ دینار مہینے کے سرے تک نہ دوں جو مجھ پر لازم ہے تو یہ، تو عورت نے مہینہ کا سرا آنے سے پہلے ہی اسے بری کر دیا تو قسم باطل ہو جائے گی۔ وہ امور باقی رہ گئے ہیں جو وثائق میں لکھے جاتے ہیں

ہو۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ قسم میں مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ وہ قسم اٹھانے والے کے گھر پر ہو اور مذکورہ تفصیل جاری کرنا ممکن نہ ہوگا جب گھر حالف کی ملکیت ہو یا غیر کی ملکیت ہو کتاب الایمان میں اس محل کے متعلق زیادہ وضاحت (مقولہ 18305 میں) آئے گی ان شاء اللہ۔ ہم نے یہاں اس کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ''الاشباہ'' کے بعض محشی شارح کی کتاب الایمان میں مذکور عبارت سے دھوکہ میں مبتلا ہوئے ہیں تو اس نے عدم دخول کے ساتھ حانث نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس قول میں: لا ید خل فلان داری لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے کہ قسم میں حانث نہیں ہوتا جب وہ ایسی چیز پر قسم اٹھائے جس کا مالک نہ ہو۔ جب کہ یہ مطلق نہیں۔ اس پر متنبہ ہو۔

14053۔ (قولہ: إِنْ لَمْ تَجِيئِي) صیغہ واحد مونث مخاطب کا ہے تا کہ خاوند کے قول فانت طالق کے مناسب ہو'' ح''۔

14054۔ (قولہ: السَّاعَةَ) یہ دونوں قولوں کی طرف راجع ہے۔ اس کی قید لگائی کیونکہ مطلق قسم میں قسم اٹھانے والا حانث نہیں ہوتا مگر جب مایوسی ہو جائے جیسے قسم اٹھانے والا مر جائے یا کپڑا ضائع ہو جائے'' ط''۔

14055۔ (قولہ: لَا يَحْنَثُ) کیونکہ قسم پوری کرنے کا امکان نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''خانیہ'' میں ہے: مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو کل فلاں سامان نہ لائی تو تجھے طلاق ہے عورت نے وہ سامان کسی انسان کے ہاتھ بھیج دیا اگر تو خاوند نے یہ نیت کی تھی کہ کل سامان پہنچنا چاہیے تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی نیت کی جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے اگر اس نے کوئی نیت نہ کی یا یہ نیت کی کہ عورت خود اٹھا کر لائے تو وہ حانث ہو جائے گا اور مال پہنچنے پر قسم کا محمول کرنا نیت پر منحصر ہوگا۔

14056۔ (قولہ: بَطَلَ الْيَمِينُ) کیونکہ جب عورت نے مرد کو اس حق سے بری کر دیا تو عورت کا اس مرد پر کوئی حق باقی نہ رہا پس اسے دینا ممکن نہ رہا۔

14057۔ (قولہ: مَا يُكْتَبُ فِي التَّعَالِيقِ) یعنی خاوند اپنی ذات پر کوئی تحریر کر دیتا ہے جب عورت کو خوف ہو کہ وہ

مَتَى نَقَلَهَا أَوْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا وَأَبْرَأَتْهُ مِنْ كَذَا أَوْ مِنْ بَاقِي صَدَاقِهَا، فَلَوْ دَفَعَ لَهَا الْكُلَّ هَلْ تَبْطُلُ؟ الظَّاهِرُ لَا لِتَصْرِيحِهِمْ بِصِحَّةِ بَرَاءَةِ الْإِسْقَاطِ وَالرُّجُوعِ بِمَا دَفَعَهُ

جب خاوند بیوی کو شہر سے باہر لے جائے گا یا اس پر کسی عورت سے شادی کرے گا یا عورت مرد کو قرض سے بری کرے یا باقی ماندہ مہر سے بری کرے (تو یہ ہوگا) اگر خاوند عورت کو سب دے دے تو کیا یمین باطل ہو جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ علما نے تصریح کی ہے کہ قرض دینے کے بعد بھی براءت اسقاط صحیح ہے اور جو مال دیا ہے اسے واپس لینا بھی صحیح ہے۔

اسے اس شہر سے باہر لے جائے گا یا اس پر کسی اور عورت سے شادی کرے گا۔

14058۔ (قولہ: مَتَى نَقَلَهَا) متی کا جواب محذوف ہے یعنی فھی طالق اس کا قول وابرأتہ یہ واؤ عاطفہ کے ساتھ نقلھا او تزوج علیھا پر معطوف ہے۔

14059۔ (قولہ: فَلَوْ دَفَعَ لَهَا الْكُلَّ) یعنی پورا قرض جسے من کذا سے تعبیر کیا یا اس سے مراد باقی ماندہ مہر کا کل۔

14060۔ (قولہ: هَلْ تَبْطُلُ) یعنی کیا مذکورہ قسم باطل ہو جاتی ہے توقف کی وجہ یہ ہے کہ طلاق دو شرطوں پر معلق ہے وہ دونوں شہر سے لے جانا اور بری کرنا ہے یا شادی کرنا اور بری کرنا ہیں۔ جب ایک شرط پائی گئی تو دوسری شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ بری کرنا ہے ساتھ ہی جس سے بری کیا جا رہا ہے خاوند نے وہ عورت کو دے دیا ہے۔

14061۔ (قولہ: لِتَصْرِيحِهِمْ) ''الاشباہ'' میں کہا: قرض ادا کرنے کے بعد بری کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی کے ساتھ جو چیز ساقط ہوتی ہے وہ مطالبہ ہے اصل دین نہیں۔ جب قرض خواہ نے مدیون سے براۃ اسقاط کیا تھا تو مدیون نے جو دیا ہے اسے واپس لے سکتا ہے۔ اور جب قرض خواہ نے براءت استیفا کیا تھا تو پھر کوئی رجوع نہیں۔ علما نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب اس نے مطلق ذکر کیا تھا۔ اسی تعبیر کی بنا پر اگر خاوند نے عورت کی طلاق کو معلق کیا تھا اس شرط پر کہ عورت اسے مہر سے بری کر دے پھر خاوند نے مہر عورت کو دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی۔ جب عورت نے مرد کو براءت اسقاط کر دیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور مرد اس سے مہر کا مطالبہ کر سکے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دین مدیون کے ذمہ میں ایک وصف ہے اور دین کو اس کی مثل سے ادا کیا جا سکتا ہے یعنی جب مقروض نے قرض خواہ کو پورے کا پورا اتنا مال دے دیا جو اس پر لازم تھا تو قرض خواہ پر بھی اس کی مثل مقروض کے لیے لازم ہو گیا۔ پس مطالبہ ساقط ہو جائے گا جب قرض خواہ نے مقروض کو براءت اسقاط کے ساتھ بری کر دیا تو قرض خواہ کے لیے مقروض کے جو ذمہ تھا وہ ساقط ہو جائے گا تو مقروض نے جو مال قرض خواہ کو دیا تھا اس کا قرض خواہ پر مطالبہ ثابت ہو جائے گا۔ پس حق دینے کے بعد براءت صحیح ہوگی۔ پس قسم باطل نہ ہوگی۔ بلکہ طلاق کا وقوع براءت پر موقوف رہے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ مقروض کو قرض سے بری کرے کہ قرض خواہ نے اپنا حق لے لیا ہے۔ کیونکہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ اقرار کر رہا ہے کہ اس نے اپنا پورا حق لے لیا ہے اور یہ اقرار کر رہا ہے کہ اس کا مقروض پر کوئی مطالبہ نہیں۔ تو کیوں کہ مدیون کے ذمہ جو تھا

حَلَفَ بِاللهِ أَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ هٰذِهِ الدَّارَ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ عَبْدُهُ حُرٌّ وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ لَا كَفَّارَةَ وَلَا يَعْتِقُ عَبْدُهُ، إِمَّا لِصِدْقِهِ أَوْ لِأَنَّهَا غَمُوسٌ، وَلَا مَدْخَلَ لِلْقَضَاءِ فِي الْيَمِينِ بِاللهِ حَتّٰى لَوْ كَانَتْ يَمِينُهُ الْأُولٰى بِعِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ حَنِثَ فِي الْيَمِينِ لِدُخُولِهَا فِي الْقَضَاءِ أَخَذَتْ مِنْ مَالِهِ دِرْهَمًا فَاشْتَرَتْ بِهِ لَحْمًا وَخَلَطَهُ اللَّحَّامُ بِدَرَاهِمِهِ وَقَالَ لَهَا زَوْجُهَا إِنْ لَمْ تَرُدِّيهِ الْيَوْمَ فَأَنْتِ كَذَا فَحِيلَتُهُ أَنْ تَأْخُذَ كِيسَ اللَّحَّامِ وَتُسَلِّمَهُ لِلزَّوْجِ قَبْلَ مُضِيِّ الْيَوْمِ وَإِلَّا حَنِثَ،

ایک آدمی نے قسم کھائی کہ اگر وہ آج اس گھر میں داخل نہیں ہوا پھر کہا: اس کا غلام آزاد ہے جب کہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوا تھا اس پر کفارہ نہیں ہوگا اور اس کا غلام آزاد نہیں ہوگا یا تو اس لیے کہ وہ سچا ہے یا اس لیے کہ یہ یمین غموس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کے قسم اٹھانے میں قاضی کی قضا کا کوئی عمل دخل نہیں یہاں تک کہ اگر اس کی پہلی قسم غلام آزاد کرنے کی ہو یا طلاق کی ہو تو دونوں قسموں میں حانث ہوگا۔ کیونکہ قسم قاضی کی قضا میں داخل ہے۔ عورت نے مرد کے مال میں سے درہم لیا اور اسکے بدلے میں گوشت خریدا اور قصاب نے اس درہم کو اپنے درہم کے ساتھ ملا دیا اس کے خاوند نے اسے کہا: اگر آج تو نے مجھے وہ درہم واپس نہ کیا تو تجھے طلاق ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ عورت قصاب کی تھیلی لے اور دن گزرنے سے پہلے خاوند کے حوالے کر دے ورنہ خاوند حانث ہو جائے گا۔

وہ ساقط نہیں ہوا۔ اس لیے مدیون اس کا مطالبہ نہیں کرے گا مگر جب وہ مطلق کلام کرے تو ہمارے زمانے میں چاہیے کہ اسے پورا حق لے لینے پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے علاوہ کو سمجھتے ہی نہیں۔

14062۔ (قولہ: حَلَفَ بِاللهِ أَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں لا یدخل ہے۔ صحیح پہلا ہے۔ کیونکہ دوسری تعبیر کی صورت میں یمین منعقد ہوگی۔ کیونکہ وہ زمانہ مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ اور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب وہ ماضی کے اعتبار سے ہوتا کہ یہ دوسری قسم کے مناقض ہو۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' سے باب الایمان میں ہے جن میں سے بعض بعض کی تکذیب کرتی ہیں: ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی کہ وہ آج اس گھر میں داخل نہیں ہوا پھر اس نے کہا: اس کا غلام آزاد ہے اگر آج وہ اس میں داخل نہیں ہوا اس پر کفارہ نہیں ہوگا اور اس کا غلام بھی آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے میں سچا ہے تو وہ حانث نہیں اور اس پر کفارہ نہیں۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو یہ یمین غموس ہے تو یہ کفارہ کو واجب نہیں کرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے میں قضا کا کوئی عمل دخل نہیں تو شرعاً اس میں اسے جھٹلایا نہیں گیا۔ اور غلام آزاد کرنے میں قسم توڑنے کی شرط متحقق نہیں ہوگی وہ گھر میں داخل ہونا ہے۔ اگر پہلی قسم غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی ہو تو دونوں قسموں میں وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا قضا میں عمل دخل ہے۔

14063۔ (قولہ: حَنِثَ فِي الْيَمِينِ) کیونکہ ہر ایک کے ساتھ اس نے دوسری قسم میں قسم توڑنے کا گمان ہے۔ جس طرح باب عتق البعض میں (مقولہ 16701 میں) آئے گا، ''ح''۔

وَلَوْ ضَاعَ مِنَ اللَّحَّامِ فَمَا لَمْ يُعْلَمْ أَنَّهُ أُذِيبَ أَوْ سَقَطَ فِي الْبَحْرِ لَا يَحْنَثُ حَلَفَ إِنْ لَمْ أَكُنِ الْيَوْمَ فِي الْعَالَمِ أَوْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا فَكَذَا يُحْبَسُ وَلَوْ فِي بَيْتٍ حَتَّى يَمْضِيَ الْيَوْمُ، وَلَوْ حَلَفَ إِنْ لَمْ يُخَرِّبْ بَيْتَ فُلَانٍ غَدًا فَقُيِّدَ وَمُنِعَ حَتَّى مَضَى الْغَدُ حَنِثَ وَكَذَا إِنْ لَمْ أَخْرُجْ مِنْ هَذَا الْمَنْزِلِ فَكَذَا فَقُيِّدَ، أَوْ إِنْ لَمْ أَذْهَبْ بِكِ إِلَى مَنْزِلِي فَأَخَذَهَا فَهَرَبَتْ مِنْهُ، أَوْ إِنْ لَمْ تَحْضُرِي اللَّيْلَةَ مَنْزِلِي فَكَذَا فَمَنَعَهَا أَبُوهَا

اگر وہ درہم قصاب سے ضائع ہو گیا معلوم نہ ہو کہ اسے پگھلا دیا گیا یا وہ سمندر میں گر گیا ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے قسم اٹھائی اگر آج میں عالم میں یا اس دنیا میں نہ ہوا تو یہ اسے محبوس کر دیا جائے گا اگر چہ کمرے میں یہاں تک کہ دن گزر جائے اور اگر اس نے قسم اٹھائی اگر وہ کل فلاں کے گھر کو نہ گرائے اسے قید کر دیا گیا اور اسے روک دیا گیا یہاں تک کہ اگلا دن گزر گیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر میں اس گھر سے نکلوں تو یہ، تو اسے قید کر دیا گیا یا اگر میں تجھے اپنی منزل کی طرف نہ لے جاؤں مرد نے اس عورت کو پکڑا اور وہ عورت اس سے بھاگ گئی یا اگر آج رات تو میرے گھر نہ آئی تو یہ، تو اس کے باپ نے اسے روک دیا

14064۔ (قولہ: وَلَوْ ضَاعَ مِنَ اللَّحَّامِ) یہ وہ قول ہے جو ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے: فی الیمین المطلقة عن ذکر الیوم میں منقول ہے۔ پھر کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب رد کرنا ممکن نہ ہو تو وہ حانث ہو جائے گا۔ تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان کا قول: یمین کے باقی رہنے کے لیے، قسم کے پورا کرنے کا امکان، شرط ہے۔ یہ صرف اس میں شرط ہے جو وقت کے ساتھ مقید ہو اس کا عدم یعنی قسم پورا نہ ہونے کا امکان اس کو باطل کرنے والا ہے۔ جہاں تک یمین مطلقہ کا تعلق ہے تو اس کا عدم قسم توڑنے کو ثابت کرتا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس کی یمین وقت کے ساتھ مقید ہو تو وقت گزرنے کے ساتھ حانث ہو جائے گا مگر جب وہ عورت اس کے رد کرنے سے عاجز آ جائے وہ گم ہو جائے یا اسے پگھلا دیا جائے۔ مگر جب یمین مطلق ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا اگر چہ وہ ضائع ہو جائے جب تک وہ دونوں زندہ ہیں کیونکہ اس درہم کے پائے جانے کا امکان ہے۔ مگر جب ان دونوں میں ایک مر گیا یا معلوم ہو گیا کہ اس درہم کو پگھلا دیا گیا ہے یا وہ سمندر میں گر گیا ہے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اب لوٹانا متعذر ہو چکا ہے۔ اس تعبیر کے ساتھ تو جان گیا ہوگا جو شارح کی کلام میں تسامح ہے۔

14065۔ (قولہ: إِنْ لَمْ أَكُنْ) ''البحر'' میں ''الصیرفیہ'' سے اسی طرح منقول ہے۔ پس ''الصیرفیہ'' کی عبارت کی طرف رجوع کیا ہے تو میں نے اس میں ان اکن، لم کے بغیر پایا۔ یہی صحیح ہے۔

محبوس دنیا میں نہیں ہے کا معنی

14066۔ (قولہ: يُحْبَسُ) خواہ قاضی یا ولی اسے محبوس کرے کیونکہ حبس کو جلا وطنی کا نام دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ (المائدہ: 33)۔ ''بحر'' میں ''الصیرفیہ'' سے منقول ہے۔ کیونکہ آیت ہمارے نزدیک محبوس کرنے پر محمول

حَنِثَ فِي الْمُخْتَارِ، بِخِلَافِ لَا أَسْكُنُ فَأُغْلِقَ الْبَابُ أَوْ قُيِّدَ لَا يَحْنَثُ فِي الْمُخْتَارِ قُلْتُ قَالَ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى عَجَزَ عَنْ شَرْطِ الْحِنْثِ حَنِثَ فِي الْعَدَمِيِّ لَا الْوُجُودِيِّ

تو مختار مذہب کے مطابق وہ حانث ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہے کہ کوئی آدمی کہتا ہے: میں اس میں نہیں رہوں گا تو دروازہ بند کر دیا گیا یا اسے قید کر دیا گیا تو مختار مذہب میں حانث نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ''ابن شحنہ'' نے کہا: قاعدہ یہ ہے جب وہ قسم توڑنے کی شرط سے عاجز ہو تو عدمی میں حانث ہو جائے گا وجودی میں حانث نہیں ہوگا۔

ہے۔ بعض کتابوں میں میں نے دیکھا ہے کہ وزیر ''ابن مقلہ'' کو جب راضی باللہ نے 322ھ میں محبوس کیا تو یہ اشعار کہے۔

خرجنا من الدنیا و نحن من اهلها فلسنا من الموتی نعدُّ ولا الاحیا

اذا جاء نا السجان یوما لحاجة فرحنا و قلنا جاء هذا من الدنیا

ہم دنیا سے نکل گئے جب کہ ہم اس کے اہل سے ہیں ہم نہ مردوں میں اور نہ ہی زندوں میں شمار ہوتے ہیں جب کسی روز داروغہ کسی کام کے لیے آتا ہے تو ہم خوش ہوتے ہیں اور ہم کہتے ہیں یہ دنیا سے آیا ہے۔

14067۔ (قولہ: حَنِثَ فِي الْمُخْتَارِ) کیونکہ اسے سکونت پر مجبور کیا گیا ہے وہ خود اس میں سکونت پذیر نہیں اور قسم توڑنے کی شرط رہائش پذیر ہونا ہے۔ بے شک سکونت اس کے فعل کے ساتھ ہوگی جب وہ اپنے اختیار کے ساتھ سکونت اختیار کرے۔ اگر کہے: اگر میں نہ نکلوں وغیرہ تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ قسم توڑنے کی شرط فعل کا نہ ہونا ہے اور عدم اختیار کے بغیر بھی متحقق ہو جاتا ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا ہے اختلاف اس میں ہے جب دروازے کو بند کر دیا گیا نہ کہ جب اسے قید کرنے کے ساتھ روک دیا گیا۔ اسی کی مثل ''البحر'' میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: اگر روکنا حسی ہو تو بغیر کسی اختلاف کے حانث نہیں ہوگا اگر یہ روکنا کسی اور کی جانب سے ہو تو پھر بھی مختار مذہب کے مطابق حانث نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حانث ہو جائے گا۔

اصل یہ ہے کہ حنث کی شرط اگر عدمی ہو اور آدمی اس سے عاجز ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا

14068۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ) ''ابن شحنہ'' کی عبارت ہے: اصل یہ ہے حنث کی شرط اگر عدمی ہو تو وہ آدمی خود اسے کرنے سے عاجز ہو تو مختار یہ ہوگا کہ وہ حانث ہو جائے گا اگر وہ وجودی ہو اور وہ عاجز آ جائے تو مختار یہ ہے کہ وہ حانث نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ قول مباشرتہ میں ضمیر قسم پوری کرنے کی شرط کی طرف لوٹ رہی ہے قسم توڑنے کی شرط کی طرف نہیں لوٹ رہی۔ کیونکہ کسی شے سے عاجز آنا اس کی طلب کی فرع ہے۔ قسم اٹھانے والا قسم پوری کرنے کی شرط کا مطالبہ کرتا ہے پس وہ اسے حاصل کرے گا یا اس سے عاجز آئے گا۔ پس شارح پر لازم تھا کہ کہتا: متی عجز عن شرط البر۔ فافہم۔

....

اسے ذہین نشین کرلو۔ ''البحر'' میں ان دونوں مسئلوں میں اشکال پیدا کیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کوتوال والا گزشتہ مسئلہ ہے۔ دوسرا مسئلہ وہ ہے جو''القنیہ'' میں ہے: اگر اس پورا سال میں مزارعت نہ کروں پھر وہ بیمار ہو گیا اور پورا سال کام نہ کیا تو حانث ہوگا اگر سلطان نے اسے محبوس کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کہا: دونوں میں شرط عدم تھی پس محبوس کرنا اس میں موثر ہوا۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک کوتوال کا مسئلہ ہے اس کا جواب (مقولہ 14049 میں) گزر چکا ہے۔ جہاں تک''القنیہ'' کا جو مسئلہ ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ مختار مذہب کے اختلاف پر مبنی ہے۔ وہ اس میں حانث نہ ہونا ہے جس میں منع غیر حسی ہو۔ اسی وجہ سے مرض کی وجہ سے منع اور سلطان کے محبوس کرنے کی وجہ سے منع میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ حبس سے مراد ہے قید خانہ کے دروازے کو بند کرنا۔ یہ منع غیر حسی ہے۔ مرض کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ قید (بیڑی ڈالنا) کی طرح ہے یہ منع حسی ہے۔ لیکن ''بزازیہ'' کے باب الایمان میں پندرہویں فصل میں ہے: اگر آج رات تو حاضر نہ ہوئی تو یہ یعنی تجھے طلاق ہے اسے بیڑی پہنا دی گئی اور اسے حسی طور پر روک دیا گیا''فضلی'' نے ذکر کیا ہے وہ حانث ہو جائے گا۔ صحیح ترین قول یہ ہے: وہ حانث نہیں ہوگا۔ منع حسی میں حانث نہ ہونے کی تصحیح کی ہے۔ لیکن''الذخیرہ'' میں ذکر کیا ہے: مختار حانث ہونا ہے۔ یہ قید نہیں لگائی کہ اسے حسی طور پر روکا گیا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ''فضلی'' کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ گزشتہ اصل کے موافق ہے۔ کیونکہ یہاں شرط عدمی ہے۔ پس تفصیل مانع حسی اور مانع غیر حسی کے درمیان خاص ہوگی جب شرط وجودی ہو۔''القنیہ'' اور''البزازیہ'' میں جو کچھ ہے وہ عدمی میں بھی اسے جاری کرنے پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم

محلوف علیہ کا فعل سے عاجز ہونا اور محل کا فوت ہونا یمین کو باطل کر دیتا ہے

یہ جان لو کہ علما نے تصریح کی ہے کہ محل کا فوت ہونا یمین کو باطل کر دیتا ہے اور محلوف علیہ کے فعل سے عاجز ہونا بھی اسے باطل کر دیتا ہے اگر وہ موقت ہو نہ کہ وہ مطلق ہو۔ اور قسم پوری کرنے کے تصور کا امکان مطلقاً ابتدا میں قسم کے منعقدہ ہونے کے لیے شرط ہے۔ اگر وہ موقت ہو تو اس کی بقا کے لیے بھی شرط ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر ان کا قول: لیشربن ماء هذا الكوز اليوم ولا ماء فيه اس میں وہ حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم منعقد ہی نہیں ہوئی کیونکہ ابتداءً اس قسم کا پورا کرنا ممکن نہیں۔ اس صورت میں جب اس میں پانی ہو تو اسے بہا دیا گیا تو قسم باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ قسم کے منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے کا امکان نہیں۔ اس میں عجز محل کے فوت ہونے کی وجہ سے جنم لیتا ہے۔ اس قول میں ان لم اخرج وغیرہ میں اسے بیڑیاں ڈال دی گئیں اور اسے روک دیا گیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ عجز محل کے فوت ہونے سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ اس میں محل قسم اٹھانے والا یا عورت وغیرہ ہے جب کہ وہ موجود ہے۔ اس پانی کا معاملہ مختلف ہے جسے انڈیل دیا گیا ہو۔ جب وہ نکلا تو قسم توڑنے کی شرط متحقق ہو گئی۔ کیونکہ محل باقی ہے اگر چہ وہ حقیقۃً عاجز ہوا اور عقلاً قسم پوری کرنا ممکن ہے کہ جس نے اسے محبوس کیا ہے وہ اسے چھوڑے جس طرح اس قول میں ہے: ان لم امس السماء اليوم اگر آج میں آسمان کو نہ

قَالَ فِي النَّهْرِ وَمُفَادُهُ الْحِنْثُ فِيمَنْ حَلَفَ لَيُؤَدِّيَنَّ الْيَوْمَ دَيْنَهُ فَعَجَزَ لِفَقْرِهِ وَفَقْدِ مَنْ يُقْرِضُهُ، خِلَافًا لِمَا بَحَثَهُ فِي الْبَحْرِ فَتَدَبَّرْ

''النہر'' میں ہے: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنث ثابت ہوگا اس آدمی میں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ آج اپنا دین ادا کر دے گا۔ تو وہ اپنے فقر اور ایسے آدمی کے نہ ہونے کی وجہ سے جو اسے قرض دے اس سے عاجز آ گیا۔ ''البحر'' میں جو بحث کی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ فتدبر۔

چھوؤں تو وہ دن گزارنے کے ساتھ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر چہ یہ عادۃً محال ہے لیکن فی نفسہ ممکن ہے۔ کیونکہ بعض انبیاء سے یہ عمل پایا گیا ہے۔ اگر پانی کو انڈیل دیا گیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ جس پانی پر قسم اٹھائی گئی تھی اس کا عادۃً لوٹنا غیر ممکن ہے۔ اور لا اسکن کہنے میں جب اسے بیڑیاں ڈال دی گئیں اور اسے روک دیا گیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ قسم توڑنے کی شرط وجودی ہے وہ اس کا خود رہائش رکھنا ہے۔ اور وجودی امر کا اعدام اکراہ اور منع کے ساتھ ممکن ہے اس طرح کہ اسے غیر کی طرف منسوب کیا جائے۔ وہ مکرہ ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی وہ کہتا ہے: لا یخرج وہ نہیں نکلے گا۔ کیونکہ قسم توڑنے کی شرط عدمی ہے۔ اکراہ (جبر کرنا) کے ساتھ اب اعدام (معدوم کرنا) ممکن نہیں کیونکہ اعدام مکرہ سے متحقق ہوتا ہے۔ یہی ان کے قول کا معنی ہے: الاکراہ یوثر فی الوجودی لا فی العدمی۔

پس حاصل کلام یہ ہو گیا۔ اگر حنث کی شرط عدمی ہو اگر محل کے فوت ہونے کے ساتھ قسم پوری کرنے کی شرط سے عاجز آ گیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اگر محل باقی ہو تو وہ حانث ہو جائے گا خواہ مانع حسی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اگر مانع عادۃً مستحیل ہو جس طرح آسمان کو چھونا۔ اگر شرط وجودی ہو تو وہ مطلقاً حانث نہیں ہوگا اگر چہ مانع مختار مذہب کے مطابق غیر حسی ہو۔ میرے لیے ان کی تحریر سے یہی واضح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم فافہم

14069۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) کیونکہ اس میں حنث کی شرط عدمی ہے وہ ادا نہ کرنا ہے اور محل یعنی قسم اٹھانے والا باقی ہے۔ جب وہ اپنی قسم میں حانث ہوگا کہ وہ آج ضرور آسمان کو چھوئے گا جب کہ قسم پوری کرنے کی شرط عادۃً محال ہے تو یہاں حنث بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ قسم پوری کرنے کی شرط ممکن ہے کہ وہ مال غصب کرے یا ایسا آدمی پائے جو اسے قرض دے یا اپنے قریبی کا وارث بن جائے وغیرہ۔ کیونکہ یہ آسمان چھونے سے زیادہ بعید نہیں۔ اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو کہا گیا: ''المنح'' میں جوان کا قول ہے اس سے عدم حنث سمجھ آتا ہے: اس نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو کل اس کا قرض ضرور دے گا اور کل گزرنے سے پہلے ایک مر گیا یا اس سے قبل قرض ادا کر دیا یا دوسرے نے اسے بری کر دیا تو قسم منعقد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں حانث نہ ہونا قسم کے بطلان کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ محل فوت ہو گیا ہے جس طرح جو کچھ کوزے میں ہے اسے انڈیل دیا جائے۔ کیونکہ قسم پوری کرنے کی شرط عقلاً اور عادۃً محال ہے۔ آسمان چھونے کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عقلاً ممکن ہے عادۃً محال ہے۔ اسی طرح ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا: اگر میں آج یہ روٹی نہ کھاؤں تو کسی اور نے غروب

....

سے پہلے اس روٹی کو کھالیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کوزہ کے مسئلہ کے فروع میں سے ہے جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ قسم کا محل فوت ہو جاتا ہے جو روٹی ہے۔ صاحب ''البحر'' نے اس سے استشہاد کیا ہے جہاں کہا: ''القنیہ'' میں اس کا قول ہے: جب محلوف علیہ سے وہ عاجز آ گیا جب کہ یمین موقت تھی تو قسم باطل ہو جائے گی۔ یہ حادثہ مذکورہ میں قسم کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے۔ اس میں اعتراض ہے۔ کیونکہ ''قنیہ'' میں مراد عجز حقیقی ہے جس طرح مسئلہ کوز ہے ورنہ اس کے مناقض ہوگا جس پر اصحاب متون نے اتفاق کیا کہ قسم باطل نہ ہوگی جب آدمی قسم اٹھائے: میں ضرور آسمان پر چڑھوں گا۔ پھر میں نے ''رملی'' کو دیکھا آپ نے فتاویٰ صاحب ''البحر'' سے نقل کیا ہے: انہوں نے ہمارے مسئلہ میں حنث کا فتویٰ دیا اس حال میں کہ یہ حقیقۃً اور عادۃً قسم پوری ہونے کی طرف منسوب ہے جب کہ یہ مشکل ہے کہ اسے ہبہ کیا جائے، اس پر صدقہ کیا جائے یا اسے کسی غیر سے وراثت ملے۔ یہ بعینہ وہ قول ہے جو ہم نے پہلے پہلے کیا ہے۔ وللہ الحمد

بَابُ طَلَاقِ الْمَرِيضِ

عَنْوَنَ بِهِ لِأَصَالَتِهِ، وَيُقَالُ لَهُ الْفَارُّ لِفِرَارِهِ مِنْ إِرْثِهَا، فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ

مریض کی طلاق

اس باب کو یہ عنوان دیا کیونکہ یہی اصل ہے اور اسے فار بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو وراثت کا مال دینے سے بھاگتا ہے۔ عدت کے مکمل ہونے تک اس کا قصد

جب مرض عوارض میں سے ہے تو اسے بعد میں ذکر کیا۔

طلاق المریض کی وجہ تسمیہ

14070۔ (قولہ: عَنْوَنَ بِهِ لِأَصَالَتِهِ) یعنی عنوان میں صرف مریض کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جب کہ مصنف کا قول: من غالب حالہ الهلاك بمرض او غیرہ اس میں صریح ہے کہ مریض کے علاوہ میں بھی حکم اسی طرح ہے۔ لیکن اس باب میں اصل مریض ہے اس کے علاوہ جو اس کے حکم میں ہو وہ اس کے ساتھ لاحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مریض سے مراد جس کی عمومی حالت ہلاکت پر منتج ہوتی ہے۔ اس پر اس کا صدق مجازاً ہوتا ہے پس یہ غیر کو بھی شامل ہے۔

14071۔ (قولہ: لِفِرَارِهِ مِنْ إِرْثِهَا) یعنی ظاہراً وہ بیوی کو وراثت سے محروم رکھنا چاہتا ہے اگرچہ یہ اتفاق ہو کہ اس نے فرار کا قصد نہ کیا ہو۔

14072۔ (قولہ: فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ) عورت کو خاوند سے جو وراثت دی جا رہی تھی اس کی وجہ کا بیان ہے اسے مورث کے قاتل پر قیاس کیا جا رہا ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ غرض فاسد کے لیے ایسا فعل کیا جا رہا ہے جو حرام ہے۔ اس کی مفصل وضاحت ''الفتح'' میں ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں کہا: علما کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ کیونکہ مرد کے مال میں عورت کا حق ثابت ہو چکا ہے مگر جب عورت اس پر راضی ہو۔

''النہر'' میں کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ شارح نے اس پر اس کا قصد رد کر دیا تو وہ اسے ابطال کی صورت میں لانے والا ہے وہ اس کی حقیقت کے طور پر لانے والا نہیں ''فتدبر''

بعض اوقات کہا جاتا ہے: اگر یہ قصد ممنوع نہ ہوتا تو شارح اس کے قصد کو اس پر نہ لوٹاتے جس طرح کوئی آدمی اپنے مورث کو قتل کر دیتا ہے تاکہ جلدی اس کی وراثت لے لے۔ پھر میں نے ''تاتر خانیہ'' میں ''الملتقط'' سے دیکھا ہے امام ''محمد'' رحلیٹھلیہ نے کہا: جب ایک آدمی مریض ہو جائے جب کہ اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تھا میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ اسے طلاق دے۔ اگر یہ حقوق زوجیت سے پہلے ہو تو مکروہ نہیں۔

إِلَى تَمَامِ عِدَّتِهَا، وَقَدْ يَكُونُ الْفِرَارُ مِنْهَا كَمَا سَيَجِيءُ (مَنْ غَالِبُ حَالِهِ الْهَلَاكُ بِمَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ بِأَنْ أَضْنَاهُ مَرَضٌ عَجَزَ بِهِ عَنْ إِقَامَةِ مَصَالِحِهِ خَارِجَ الْبَيْتِ) هُوَ الْأَصَحُّ

اس پر رد کیا جائے گا۔ بعض اوقات اس عورت سے فرار واقع ہوتا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ جس کی عمومی حالت ہلاکت پر منتج ہوتی ہے وہ مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے اس طرح کہ مرض اسے لازم رہے جس کی وجہ سے وہ گھر سے باہر اپنی ضروریات پوری نہ کر سکے۔ یہی صریح ترین قول ہے۔

14073۔ (قولہ: إِلَى تَمَامِ عِدَّتِهَا) کیونکہ ضروری ہے کہ میراث یا تو نسب کی وجہ سے ہو یا سبب کی وجہ سے ہو۔ سبب سے مراد رشتہ ازدواج اور آزادی ہے۔ زوجیت کا رشتہ جدائی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ امام ''مالک'' کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے: بارثها وان مات بعد تزوجها جس طرح آگے (مقولہ 14105 میں) آئے گا۔

14074۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی مصنف کے قول ولو باشرت سبب الفرقة وهي مريضة میں آئے گا''ط''۔

مرض موت کے مصداق میں فقہاء کے اقوال

14075۔ (قولہ: بِأَنْ أَضْنَاهُ مَرَضٌ) یعنی مرض اسے لازم رہی یہاں تک کہ وہ موت پر جھانکنے لگا''مصباح''۔

14076۔ (قولہ: عَجَزَ بِهِ) اگر وہ گھر میں اپنے امور سرانجام دے سکے جس طرح وضو، بیت الخلا کی طرف جانا، تو وہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا۔ ''الہدایہ'' میں اس کی تفسیر بیان کی ہے کہ وہ صاحب فراش ہو اور وہ اپنے امور اس طرح نہ بجا لائے جس طرح صحت مند لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ پہلے قول سے بھی زیادہ تنگ ہے۔ کیونکہ صاحب فراش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر میں بھی اپنے مصالح بجا نہ لا سکے۔ اگر وہ گھر میں مصالح بجا لانے پر قادر ہو تو وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''الفتح'' میں اس کی تصحیح کی ہے جہاں کہا: جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ جب گھر میں اس کے لیے اپنے مصالح بجا لانا ممکن ہے جب کہ باہر مصالح بجا لانا ممکن نہ ہو تو صحیح قول یہی ہے کہ وہ صحت مند ہے۔

میں کہتا ہوں: سب کا مقتضا یہ ہے اگر وہ ایسی مرض میں مبتلا ہے جس سے ہلاک ہونا غالب ہو۔ لیکن مرض نے اسے مصالح سے عاجز نہ کیا ہو جس طرح مرض کی ابتدا میں ہوتا ہے تو وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''نور العین'' میں ہے: ''ابولیث'' نے کہا: اس کا صاحب فراش ہونا شرط نہیں کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہے بلکہ اعتبار غلبہ کا ہوگا۔ اگر اس مرض سے عموماً موت واقع ہوتی ہے تو وہ مرض الموت ہوگا اگرچہ وہ گھر سے نکلتا ہو۔ ''صدر شہید'' یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پھر صاحب ''المحیط'' سے نقل کیا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں ایسے مسائل ذکر کیے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ عموماً ہلاکت کا خوف نہ ہو نہ کہ یہ شرط ہے کہ وہ صاحب فراش ہو۔ اس کی مکمل بحث آگے (مقولہ 14078 میں) آئے گی۔

14077۔ (قولہ: هُوَ الْأَصَحُّ) ''زیلعی'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو چلتا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: جس کی مرض زیادہ ہوتی ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''قہستانی'' سے نقل کیا ہے۔

كَعَجْزِ الْفَقِيهِ عَنِ الْإِتْيَانِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَعَجْزِ السُّوقِيِّ عَنِ الْإِتْيَانِ إِلَى دُكَّانِهِ وَفِي حَقِّهَا أَنْ تَعْجِزَ عَنْ مَصَالِحِهَا دَاخِلَهُ كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ، وَمُفَادُهُ أَنَّهَا لَوْ قَدَرَتْ عَلَى نَحْوِ الطَّبْخِ دُونَ صُعُودِ السَّطْحِ لَمْ تَكُنْ مَرِيضَةً

جس طرح فقیہ کا مسجد آنے سے عاجز ہونا اور دکاندار کا اپنی دکان پر آنے سے عاجز آنا اور عورت کے حق میں یہ ہے وہ گھر کے اندر اپنے مصالح بجالانے سے عاجز آجائے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے اگر وہ کھانا پکانے پر قادر ہو چھت پر نہ چڑھ سکے تو وہ مریضہ نہ ہوگی۔

14078۔ (قولہ: كَعَجْزِ الْفَقِيهِ) چاہیے کہ مراد اس جیسے فرد سے مسجد کی طرف آنے یا دکان کی طرف آنے سے عجز ہو تا کہ ان مصالح کو بجالائے جو تمام کے حق میں مصالحہ قریبہ شمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ مشکل پیشہ اپنانے والا ہو جس طرح وہ سامان اٹھالاتا ہو یا لوہار ہو یا نجار ہو یا اس جیسا کام کرتا ہو جن کی بجا آوری تھوڑی سی مرض کے ساتھ بھی ممکن نہ ہو اس کے باوجود وہ مسجد کی طرف نکلنے یا بازار کی طرف نکلنے کی قدرت رکھتا ہو تو وہ مریض نہیں اگرچہ یہ بھی مصالح ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ بیع وشراء کے لیے دکان کی طرف جانے کی قدرت کا نہ ہونا ایک اعتبار سے مرض ہو اور دوسری اعتبار سے مرض نہ ہو۔ یہ مصالح کے مختلف ہونے کے اعتبار سے ہے۔ فتامل

پھر یہ بھی ہے کہ اس کے حق میں عجز ظاہر ہوگا جب مرض سے پہلے اسے نکلنے پر قدرت ہو۔ مگر جب وہ مرض سے پہلے ہی قادر نہ ہو جیسے بڑھاپا یا پاؤں میں بیماری ہو تو یہ عجز ظاہر نہ ہوگا۔ پس چاہیے کہ اس کے حق میں ہلاکت کے غلبہ کا اعتبار کیا جائے یہ وہی ہے جو ''ابولیث'' سے مروی ہے۔ چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ ''صدر شہید'' یہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس میں یہ عام ہوتا ہے جو مرض سے پہلے عاجز ہو۔ اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جسے مریض کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے جس طرح ایک آدمی نے دعوت مبارزت دی اس میں عموماً ہلاکت کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ باہر نکلنے سے عاجز ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کو نیزے کا زخم لگایا گیا ہو یا مرض کے غلبہ سے پہلے سے استسقاء کا مرض ہو وہ اپنے مصالح کے لیے باہر جاتا ہے جب کہ وہ اس مریض سے ہلاک ہونے کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس مریض کی بنسبت جو سر درد اور کمزوری کی وجہ سے باہر نکلنے سے ضعیف ہو۔

بعض اوقات دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی جاتی ہے اگر یہ معلوم ہو کہ اسے ایسا مرض لاحق ہے جو غالباً ہلاک کرنے والا ہے جب کہ وہ موت تک بڑھتا جا رہا ہے تو وہ مرض معتبر ہوگا۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مرض ہلاک کرنے والا ہے تو مصالح کے لیے نکلنے سے عاجز ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

اگر تو سوال کرے کہ مرض موت تو وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ موت متصل ہو تو جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا کیا فائدہ ہے۔

میں کہوں گا: اس کا فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات مرض سال یا اس سے زیادہ عرصہ لمبا ہو جاتا ہے جس طرح آگے (مقولہ 14084 میں) آئے گا۔ تو اسے مرض الموت نہیں کہتے اگرچہ اس کے ساتھ موت متصل ہو۔ بعض اوقات مریض کسی اور سبب سے مرجاتا ہے جس طرح قتل تو حد فاصل کا ہونا ضروری ہے جس پر احکام مبنی ہوں۔

قَالَ فِي النَّهْرِ وَهُوَ الظَّاهِرُ قُلْت وَفِي آخِرِ وَصَايَا الْمُجْتَبَى الْمَرَضُ الْمُعْتَبَرُ الْمُضْنِي الْمُبِيحُ لِصَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوجُ وَالْمَسْلُولُ إِذَا تَطَاوَلَ وَلَمْ يُقْعِدْهُ فِي الْفِرَاشِ كَالصَّحِيحِ ثُمَّ رَمَزَ شح حَدُّ التَّطَاوُلِ سَنَةٌ انْتَهَى وَفِي الْقُنْيَةِ الْمَفْلُوجُ وَالْمَسْلُولُ وَالْمُقْعَدُ مَا دَامَ يَزْدَادُ كَالْمَرِيضِ

''النہر'' میں کہا: یہی ظاہر ہے۔ میں کہتا ہوں ''المجتبیٰ'' کی کتاب الوصایا کے آخر میں ہے: معتبر مرض وہ ہے جو عاجز کو کمزور کر دے جو نماز کو بیٹھ کر ادا کرنے کو جائز کر دے۔ اپاہج، مفلوج اور جسے سل کی بیماری ہو جب لمبی ہو جائے اور اسے صاحب فراش نہ کرے تو یہ تندرست کی طرح ہے۔ پھر شح اشارہ ذکر کیا کہ بیماری کے لمبا ہونے کی حد ایک سال ہے۔ ''قنیہ'' میں ہے: مفلوج، سل کا مریض اور اپاہج ہیں جب تک مرض بڑھ رہا ہو تو وہ مریض کی طرح ہیں۔

14079۔(قولہ: قَالَ فِي النَّهْرِ وَهُوَ الظَّاهِرُ) ''الفتح'' میں جو قول ہے یہ اس کا رد ہے۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے اگر اس کے لیے چھت پر چڑھنا ممکن نہ ہو تو وہ مریضہ ہوگی۔ کیونکہ یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ اس سے عاجز ہو تو وہ مریضہ ہو گی نہ کہ اس سے کم عمل سے عاجز ہو جس طرح کھانا پکانا۔ جب کہ ''ملتقی'' وغیرہ میں ہے کہ اعتبار گھر کے امور سرانجام دینے پر قدرت کا نہ ہونا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ تامل

14080۔(قولہ: الْمَرَضُ) یہ مبتدا ہے المعتبر اس کی صفت ہے۔ المضنی اس کی خبر ہے۔ تو جان چکا ہے کہ یہ قول الاصح کے بالمقابل ہے۔

14081۔(قولہ: وَالْمُقْعَدُ) اسے کہتے ہیں جس کے جسم میں بیماری کی وجہ سے کوئی حرکت نہ ہو گویا اسے بیماری نے بٹھا دیا ہے۔ اطبا کے نزدیک اسے زمن کہتے ہیں۔ بعض نے ان میں فرق کیا ہے اور کہا: مقعد اسے کہتے ہیں جس کے اعضا میں تشنج ہو اور زمن اسے کہتے ہیں جس کی مرض طویل ہو جائے ''مغرب''۔

14082۔(قولہ: وَلَمْ يُقْعِدْهُ فِي الْفِرَاشِ) اس سے احتراز ہے جب وہ مرض طویل ہو جائے پھر اس کا حال بدل جائے۔ کیونکہ جب اس تغیر سے وہ مر جائے تو تہائی مال میں اس کے تصرف کا اعتبار ہوگا۔ جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

14083۔(قولہ: ثُمَّ رَمَزَ شح) یعنی شین اور حا۔ یہ ''شمس الائمہ حلوانی'' کے لیے رمز ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''تمرتاشی'' سے مروی ہے: ہمارے اصحاب نے سال بھر مرض کے لمبا ہونے کی تفسیر کی ہے۔ جب وہ ایک سال تک اسی بیماری پر باقی رہا تو اس کے بعد کا تصرف اس کا حالت صحت جیسا تصرف ہے یعنی جب تک اس کی حالت تبدیل نہ ہو جس طرح تجھے علم ہے۔

14084۔(قولہ: وَفِي الْقُنْيَةِ) ''حلبی'' نے ''ہندیہ'' سے جو قول گزرا ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے کہا: یہ ماقبل کے منافی نہیں کیونکہ اس کی زیادتی صرف سال تک ہے اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔

''ہندیہ'' میں بھی ہے: مقعد اور مفلوج جب تک ان کی مرض میں اضافہ ہوتا رہے وہ مریض کی طرح ہے۔ اگر مرض قدیمی ہو جائے اور اس میں اضافہ نہ ہو تو وہ صحیح کی طرح ہے معاملہ طلاق کا ہو یا کوئی اور ہو۔ ''کافی'' میں اسی طرح ہے۔ بعض مشائخ نے اسے ہی اپنایا ہے۔ ''صدر شہید''، ''حسام الائمہ'' اور صدر کبیر برہان الائمہ یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ہمارے

(أَوْ بَارَزَ رَجُلًا أَقْوَى) مِنْهُ (أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ مِنْ قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ)

یا اس نے ایسے آدمی کو دعوت مبارزت دی جو اس سے قوی ہے یا اسے آگے بھیجا گیا تا کہ اسے قتل کیا جائے خواہ وہ قصاص کی وجہ سے ہو یا رجم کی وجہ سے۔

اصحاب نے تفسیر بیان کی ہے جو گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے اگر مرض قدیمی ہو جائے اس طرح کہ ایک سال لمبی ہو جائے اور اس میں اضافہ نہ ہو تو وہ صحیح ہوگا اگر وہ اس زیادتی کی حالت میں مر گیا جو زیادتی مرض کے لمبا ہونے سے پہلے یا مرض کے لمبا ہونے کے بعد واقع ہو تو وہ مریض ہے۔

14085۔ (قولہ: أَوْ بَارَزَ رَجُلًا أَقْوَى مِنْهُ) اس صحیح کے حکم کا بیان ہے جسے یہاں مریض کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے۔ وہ وہ ہے جس کی غالب حالت ہلاکت ہوتی ہے جس طرح ''النہایہ'' وغیرہا میں ہے۔ زیادہ بہتر تھا کہ یہ کہا جاتا: جس کے بارے میں غالب ہلاکت کا خوف ہو اس شرط پر کہ غالباً خوف کے متعلق ہے اگر چہ واقع ہونے والا امر ہلاکت کا غلبہ نہ ہو۔ کیونکہ دعوت مبارزت میں عموماً ہلاکت نہیں ہوتی مگر ایسے آدمی کو وہ دعوت مبارزت دے جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس کا ہم پلہ نہیں۔ ہلاکت کے خوف کے غلبہ کا معاملہ مختلف ہے ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ اسی کی مثل ''الفتح'' میں ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس تقیید کو ترک کیا جائے کہ جس کو وہ دعوت مبارزت دے وہ اس سے زیادہ قوی ہے۔ اسی وجہ سے ''کنز'' وغیرہ میں اس کی قید نہیں لگائی اس پر بنا کرتے ہوئے کہ معتبر ہلاکت کے خوف کا غلبہ ہے نہ کہ ہلاکت کا غلبہ ہے کیونکہ جو آدمی صف القتال سے نکلتا ہے اور کسی آدمی کو دعوت مبارزت دیتا ہے تو اس پر ہلاکت کا خوف غالب ہوتا ہے۔ اگر چہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ قوی نہ ہو۔ اس پر ہلاکت غالب نہیں آتی مگر جب یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے زیادہ قوی ہے۔ مصنف نے جس قول کو اپنایا ہے وہ اس قول پر مبنی ہے جو ''النہایہ'' میں ہے کہ معتبر ہلاکت کا غلبہ ہے۔ ''النہر'' میں اسے ہی اپنایا ہے۔ اور کہا: اسی وجہ سے ان میں سے بعض نے مسئلہ کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے جب یہ معلوم ہو کہ دعوت مبارزت دینے والا اس کا ہم پلہ نہ ہو بلکہ اس سے قوی تر ہو۔

جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ متن میں جو قول ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ''البحر'' میں ہے۔ یہ ''الفتح'' کی پیروی کی وجہ سے ہے۔ فافہم

''الفتح'' میں جو کچھ ہے اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جسے ''معراج الدرایہ'' کے کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے: اگر دو جماعتیں جنگ کے لیے خلط ملط ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک جماعت دوسری جماعت کے ہم پلہ ہو یا اس سے مغلوب ہو تو وہ مرض الموت کے حکم میں ہوں گے۔ اگر وہ آپس میں خلط ملط نہ ہوں تو پھر ایسا نہیں ہوگا کیونکہ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہم پلہ ہونا کافی ہے۔

14086۔ (قولہ: مِنْ قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ) یہی حکم ہوگا جب اسے آگے کرے تا کہ اسے قتل کرے، ''قہستانی''۔

أَوْ بَقِيَ عَلَى لَوْحٍ مِنَ السَّفِينَةِ أَوْ افْتَرَسَهُ سَبُعٌ وَبَقِيَ فِي فِيهِ (فَارٌّ بِالطَّلَاقِ) خَبَرُ مَنْ، وَ (لَا يَصِحُّ تَبَرُّعُهُ إِلَّا مِنَ الثُّلُثِ فَلَوْ أَبَانَهَا)

یا وہ کشتی کے تختہ پر تھا یا ایک درندے نے اسے پکڑ لیا ہوا اور وہ آدمی اس درندے کے منہ میں تھا تو طلاق دینے کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ یہ قول فار بالطلاق یہ من کی خبر ہے۔ اور اس آدمی کا تبرع ایک تہائی مال سے ہی صحیح ہوگا۔ اگر مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی

14087۔ (قولہ: أَوْ بَقِيَ عَلَى لَوْحٍ مِنَ السَّفِينَةِ) یہ قول اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ کشتی کا ٹوٹنا اس کے فار ہونے کے لیے شرط ہے جب کہ یہ امر اس طرح نہیں۔ ''المبسوط'' میں کہا: اگر موجیں متلاطم ہو جائیں اور غرق ہونے کا خوف ہو تو وہ مریض کی طرح ہے۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔ ''اسبیجابی'' نے اسے مقید کیا ہے کہ وہ اس موج سے مر جائے مگر جب موج ساکن ہو پھر وہ مر جائے تو وہ عورت وارث نہ بنے گی، ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: یہ دعوت مبارزت وغیرہا میں بھی شرط ہے جس طرح آگے (مقولہ 14100 میں) آئے گا۔

14088۔ (قولہ: وَبَقِيَ فِي فِيهِ) مگر جب درندہ اسے چھوڑ دے تو وہ صحیح کی طرح ہوگا جب تک اسے ایسا زخمی نہ کیا ہو جس سے عموماً ہلاک ہونے کا خوف ہو جس طرح اس قول سے سمجھا جا رہا ہے جو (مقولہ 14085 میں) گزر چکا ہے۔

14089۔ (قولہ: فَارٌّ بِالطَّلَاقِ) یعنی اس حالت میں طلاق کے سبب عورت کو اپنے مال کا وارث بنانے سے بھاگ رہا ہے۔

14090۔ (قولہ: خَبَرُ مَنْ) یعنی یہ قول اس میں موصولہ کی خبر ہے جو اس قول من غالبُ حالہ الھلاك میں ہے۔

14091۔ (قولہ: وَلَا يَصِحُّ تَبَرُّعُهُ إِلَّا مِنَ الثُّلُثِ) جس طرح وہ وقف کرے، محابات کرے، مہر مثل سے زیادہ مہر پر شادی کرے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت اور فرار کے حق میں مرض مختلف نہیں ہوتا۔ ''ط''۔ مصنف کے قول تبرعہ سے مراد اجنبی کے حق میں ایسا قول کرنا ہے۔ اگر وارث کے حق میں ایسا کیا تو یہ اصلاً صحیح نہ ہوگا۔

14092۔ (قولہ: فَلَوْ أَبَانَهَا) اگر خاوند نے عورت کو ایک طلاق بائنہ دی یا زیادہ طلاق بائنہ دی اور یہ نہیں کہا: او طلقھا رجعیا جس طرح ''کنز'' میں کہا ہے۔ کیونکہ ''النہر'' میں کہا: میرے نزدیک یہ ہے کہ اس باب سے طلاق رجعی کا حذف کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ عورت اس میں وارث ہوتی ہے اگر مرد نے عورت کو صحت کی حالت میں طلاق دی جب تک عدت باقی رہے۔ بائن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس طلاق کی صورت میں عورت اس کی وارث نہ بنے گی مگر جب وہ حالت مرض میں ہو۔ امام ''قدوری'' نے طلاق بائن پر اختصار کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔

امام ''طحطاوی'' نے کہا: طلاق کوئی قید نہیں اگر خیار بلوغ یا عورت کی ماں کا بوسہ لینے، یا اس کی بیٹی کا بوسہ لینے یا مرد کے مرتد ہونے کے ساتھ عورت کو جدا کیا تو حکم اسی طرح ہوگا جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ گویا اس قول کے ساتھ ہر اس فرقت کو کنایۃً ذکر کیا ہے جو فرقت مرد کی جانب سے واقع ہوتی ہے ''حموی''۔ لیکن یہ ''کنز'' کے قول میں: طلقھا ہے۔ مگر جو مصنف کا

وَهِيَ مِنْ أَهْلِ الْمِيرَاثِ عَلِمَ بِأَهْلِيَّتِهَا أَمْ لَا، كَأَنْ أَسْلَمَتْ أَوْ أُعْتِقَتْ وَلَمْ يَعْلَمْ (طَائِعًا) بِلَا رِضَاهَا،
جب کہ عورت اہل میراث میں سے ہو مرد کو اس کی اہلیت کا علم ہو یا علم نہ ہو جیسے وہ اسلام لائی یا اسے آزاد کیا گیا جب کہ خاوند کو علم نہ تھا مرد نے خوشی سے طلاق دی جب کہ عورت کی رضامندی شامل نہ تھی

قول ہے: ابانها یہ کنایہ کے دعویٰ کا محتاج نہیں۔

14093۔(قولہ: وَهِيَ مِنْ أَهْلِ الْمِيرَاثِ) یعنی طلاق کے وقت سے لے کر موت کے وقت تک جس طرح شارح عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

14094۔(قولہ: عَلِمَ بِأَهْلِيَّتِهَا أَمْ لَا) یہ سب متن اور شرح میں آئے گا۔ شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کا یہاں ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا۔

14095۔(قولہ: فَلَوْ أُكْرِهَ) طائعا کے قول سے احتراز کیا ہے یعنی اگر اسے طلاق بائن پر مجبور کیا گیا تو عورت پر عدت نہ ہوگی۔ یہ حکم اسی صورت میں ہوگا اگر اکراہ تلف کی وعید کے ساتھ ہو۔ اگر اکراہ حبس یا قید کے ساتھ ہو تو فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ جس طرح ''ہندیہ'' میں ''عتابیہ'' سے منقول ہے۔

پھر جان لو کہ ''جامع الفصولین'' میں ذکر کیا ہے کہ کتب میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں۔ اس مسئلہ میں مشائخ سے دو قول ذکر کیے: پہلا قول ہے وہ وارث ہوگی۔ کیونکہ اکراہ طلاق میں موثر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے چاہیے کہ عورت وارث نہ بنے کیونکہ جبر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر ایک آدمی کو اپنے مورث کو قتل کرنے پر مجبور کیا جائے تو وہ اس کا وارث بنتا ہے اور مجبور کرنے والا وارث نہیں بنتا اگر وہ وارث ہو اگرچہ اس سے قتل واقع نہیں ہوا۔

''رحمتی'' نے پہلے قول کو غالب گردانا ہے۔ کیونکہ عورت کا حق مرد کی وراثت میں مرد کی مرض میں ثابت ہو چکا تھا عورت کی جانب سے کوئی ایسا امر نہیں پایا گیا جو اس کو باطل کر دے مگر عورت خود مرد کو طلاق دینے پر مجبور کرے۔ اس کی تائید یہ قول بھی کرتا ہے اگر اس مرد کا بیٹا اس عورت سے زبردستی جماع کرے تو عورت وارث بنے گی جب کہ فرقت میاں بیوی کے اختیار سے نہیں ہوئی۔

میں کہتا ہوں: ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے ''البحر'' کی اتباع کرتے ہوئے اس قول کو جزم سے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جس نے اپنی بیوی کو اپنی مرض میں طلاق بائنہ دی تو اس کی وراثت اس لیے عورت کو دی جا رہی ہے کیونکہ مرد کا قصد اس پر لوٹایا جا رہا ہے مرد کے قصد سے مراد عورت کو اپنا وارث بنانے سے فرار اختیار کرنا ہے۔ اکراہ کی صورت میں مرد سے فرار ثابت نہیں۔ پس طلاق اپنا عمل کرے گی تو عورت اس کی وارث نہیں بنے گی۔ جس طرح قاتل کا اپنے مورث مقتول کی وراثت کے وارث نہ بننے کی علت اس کا یہ قصد و ارادہ ہے کہ وہ جلدی میراث چاہتا ہے پس اس کا قصد اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ جب اسے مجبور کیا جائے گا تو یہ قصد ظاہر نہ ہوا پس وہ مقتول کا وارث بنے گا جب کہ قتل اس پر ممنوع تھا۔ طلاق کا

فَلَوْ أُكْرِهَ أَوْ رَضِيَتْ لَمْ تَرِثْ وَلَوْ أُكْرِهَتْ عَلَى رِضَاهَا أَوْ جَامَعَهَا ابْنُهُ مُكْرَهَةً وَرِثَتْ (وَهُوَ كَذَلِكَ) بِذَلِكَ الْحَالِ (وَمَاتَ) فِيهِ،

اگر خاوند کو مجبور کیا گیا یا عورت راضی ہوگئی تو وہ وارث نہ ہوگی۔ اگر عورت کو رضامندی پر مجبور کیا گیا یا مرد کے بیٹے نے عورت کو مجبور کر کے اس کے ساتھ جماع کیا تو عورت وارث بنے گی وہ اسی حال میں رہا اور اس میں مر گیا۔

معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مجبور کرنے کے ساتھ وہ ممنوع نہیں۔

ان کا قول: او جا معها ابنه مكرهة و رثت اس میں صحیح قول یہ ہے کہ وہ وارث نہیں بنے گی جس طرح اس پر تنبیہ (مقولہ 14098 میں) آئے گی۔ یہ اس قول کا موید ہے جو ہم نے کیا ہے۔

14096۔ (قولہ: أَوْ رَضِيَتْ) اس قول کے ساتھ بلا رضاھا کے قول سے احتراز کیا ہے جس طرح ان خالعت ہے۔ اس حکم میں وہ تمام فرقتیں ہوں گی جو عورت کی جانب سے واقع ہوئیں جس طرح عنین کی عورت اپنے نفس کو اختیار کر لیتی ہے۔ ''قہستانی''۔''ط''۔

14097۔ (قولہ: وَلَوْ أُكْرِهَتْ عَلَى رِضَاهَا) یعنی ایسے امر پر مجبور کیا تھا جو عورت کی رضامندی کا فائدہ دے جس طرح عورت طلاق کا سوال کرے۔ اگر یہ قول کرتے: على سوالها الطلاق جس طرح دوسرے علما نے کہا ہے تو یہ بہتر ہوتا''ط''۔

14098۔ (قولہ: أَوْ جَامَعَهَا ابْنُهُ مُكْرَهَةً) صاحب ''النہر'' نے بحث کرتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے۔ ''حموی'' نے اسے اس پر ثابت رکھا ہے۔ ''البحر'' میں ''البدائع'' سے جو مروی ہے وہ اس کے خلاف ہے: جدائی اس وجہ سے واقع ہوئی کہ خاوند کے بیٹے نے اس کا بوسہ لیا ہو عورت وارث نہ ہوگی وہ اس میں رضامند ہو یا مجبور ہو۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہے جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو خاوند کی جانب سے عورت کے اس حق کا ابطال نہیں جو وراثت کے متعلق تھا۔ کیونکہ فرقت غیر کے فعل کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ حرمت مصاہرت میں جماع بوسہ کی طرح ہے۔ ہمیں نص کی اتباع ہی کرنی چاہیے''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں بھی ہے: مریض کے بیٹے نے عورت سے جماع کیا جب کہ عورت کو مجبور کیا گیا تھا عورت اس کی وارث نہیں ہوگی مگر اس صورت میں کہ باپ اسے اس کا حکم دے۔ پس فرقت کے حق میں بیٹے کا فعل باپ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پس وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ اسی کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے جو ''الاصل'' کی طرف منسوب ہے۔ ''الولوالجیہ'' اور ''الہندیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''رحمتی'' کی یہاں کلام ہے جو منقول کے ساتھ متصادم ہے پس غیر مقبول ہے۔

14099۔ (قولہ: بِذَلِكَ الْحَالِ) یہ مصنف کے قول كذلك سے بدل ہے مراد ہلاکت کے غلبہ کا حال ہے وہ مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو۔ اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا جب صحت کی حالت میں طلاق دی پھر وہ مریض ہوا اور مر گیا جب کہ وہ عورت عدت میں ہو تو وہ عورت اس مرد کی وارث نہ ہوگی ''بحر''۔ یعنی مگر جب عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو

(بِذَلِكَ السَّبَبِ) مَوْتِهِ (أَوْ بِغَيْرِهِ) كَأَنْ يُقْتَلَ الْمَرِيضُ أَوْ يَمُوتَ بِجِهَةٍ أُخْرَى فِي الْعِدَّةِ لِلْمَدْخُولَةِ (وَرِثَتْ هِيَ) مِنْهُ لَا هُوَ مِنْهَا لِرِضَاهُ بِإِسْقَاطِ حَقِّهِ وَعِنْدَ أَحْمَدَ تَرِثُ بَعْدَ الْعِدَّةِ مَا لَمْ تَتَزَوَّجْ بِآخَرَ فَلَوْ صَحَّ

موت کے اس سبب سے یا کسی اور سبب سے جیسے مریض کو قتل کر دیا جائے یا وہ مریض مدخولہ عورت کی عدت میں کسی اور وجہ سے مرجائے۔ عورت مرد کی وارث ہوگی مرد عورت کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاوند اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہے۔ امام ''احمد'' کے نزدیک عورت عدت کے بعد بھی خاوند کی وارث ہوگی جب تک کسی اور خاوند سے شادی نہ کرے۔ اگر وہ صحیح ہوگیا

اس صورت میں عورت وارث ہوگی۔ اسی طرح خاوند عورت کا وارث ہوگا اگر وہ عورت عدت میں مرگئی۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: خاوند نے اپنی مرض میں کہا: میں نے تجھے اپنی صحت کی حالت میں طلاق بائنہ دی تھی یا میں نے تجھ سے گواہوں کے بغیر عقد نکاح کیا تھا یا نکاح سے پہلے ہمارے درمیان رضاعت کا رشتہ تھا یا میں نے عدت میں تجھ سے عقد نکاح کیا تھا اور عورت نے اس کا انکار کر دیا عورت خاوند سے جدا ہوجائے گی اور عورت مرد کی وارث ہوگی۔ اگر عورت نے مرد کی تصدیق کی تو وہ وارث نہیں بنے گی۔

14100۔(قولہ: فَلَوْ صَحَّ) اولیٰ یہ تھا کہ تحریر ہوتی: فلو زال ذلك الحال۔ ''ح''۔ تا کہ یہ قول اسے بھی عام ہوتا اگر دعوت مبارزت دینے والا صف کی طرف لوٹ آتا یا جسے قتل کے لیے نکالا گیا تھا اسے دوبارہ محبوس کر دیا جاتا یا موج پرسکون ہوجاتی پھر وہ مرجاتا تو وہ اس مریض کی طرح ہوتا جب وہ مرض سے صحت یاب ہوجاتا جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ اور ''فتاویٰ ہندیہ'' میں اسے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو ہم پہلے ''اسبیجابی'' سے بیان کر چکے ہیں وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اس کی تصریح یہ ہے: اگر موج پرسکون ہوجائے پھر وہ مرجائے تو عورت وارث نہ ہوگی۔ لیکن ''الفتح'' میں ہے: اگر مرد کو قتل کے لیے مقتل کے قریب کیا گیا تو مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی پھر اس کا راستہ چھوڑ دیا گیا یا اسے محبوس کر دیا گیا پھر اسے قتل کیا گیا یا وہ مرگیا تو وہ اس مریض کی طرح ہے عورت اس کی وارث بنے گی۔ کیونکہ اس طلاق کے ساتھ اس کا فرار ظاہر ہوگیا ہے پھر اس کی موت اس پر مرتب ہوئی ہے۔ تو کسی اور وجہ سے اس کی موت کی کوئی پرواہ نہ کی جائے گی۔ ''معراج الدرایہ'' میں اسی طرح تعلیل کے بغیر ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔

یہ اشکال کا باعث ہے کیونکہ اس پر لازم آتا ہے کہ اگر مریض صحت مند ہوجائے پھر وہ مرجائے تو عورت اس کی وارث بنے۔ کیونکہ مذکورہ تعلیل اس پر صادق آتی ہے۔ جب کہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر علما نے اتفاق کیا ہے کہ علما نے اس وجہ میں اس کی موت کی شرط لگائی ہے یعنی وہ وجہ جو ہلاکت کے غلبہ کی حالت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اس کا راستہ چھوڑ دیا گیا یا اسے دوبارہ محبوس کر دیا گیا پھر وہ مرگیا تو وہ اس وجہ میں تو ہلاک نہیں ہوا بلکہ وہ اس کے علاوہ ایسی حالت میں مرا ہے جس میں عموماً ہلاکت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اگر اس نے طلاق دے دی جب کہ وہ ابھی قید خانہ میں تھا اسے قتل کے لیے نہیں نکالا گیا تھا تو وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ قید خانہ میں تھا اسے قتل کے لیے نہیں نکالا گیا تھا تو وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اسے قید خانہ میں دوبارہ لوٹایا گیا تب بھی فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ ہاں جو

ثُمَّ مَاتَ فِي عِدَّتِهَا لَمْ تَرِثْ

پھر وہ عورت کی عدت میں مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی۔

تعلیل ذکر کی ہے یہ اس کی موت کے لیے صحیح ہے جو اس وجہ میں کسی اور سبب سے واقع ہو جس طرح مریض کی موت قتل کے ساتھ ہو جائے اور جس آدمی کو قتل کے لیے باہر نکالا گیا تو درندے کے حملے کرنے سے مر گیا۔ وغیرہ

ظاہر یہ ہے کہ ''الفتح'' کی عبارت میں لکھنے والے سے کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ عبارت میں اصل یہ ہے: پس وہ مریض کی طرح ہے جب وہ صحت مند ہو جائے۔ جب اس کی موت کسی اور سبب سے ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں عورت اس کی وارث ہوگی کیونکہ مرد کا فرار ظاہر ہو گیا ہے۔ فیتامل

14101۔(قولہ: بِذَلِكَ السَّبَبِ) یہ و مات کے متعلق ہے لیکن شارح کی زیادتی جو اس کا قول موتہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا اعراب ہو یہ خبر مقدم ہو۔ و موتہ مبتدا موخر ہے۔ اس زیادتی کی کوئی حاجت نہیں بعض نسخوں میں یہ ساقط ہے۔

14102۔(قولہ: فِي الْعِدَّةِ) عورت کا قول معتبر ہوگا اس صورت میں جب وہ یہ کہے کہ خاوند اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے مر گیا تھا جب کہ اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو عورت کے لیے کوئی وراثت نہ ہوگی۔ اگر عورت نے خاوند کی موت سے پہلے نکاح کر لیا پھر کہا: میری عدت ختم نہیں ہوئی تھی تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ لونڈی ہو جو آزاد ہوئی اور خاوند فوت ہو گیا عورت کی مرد کی زندگی میں آزادی کا دعویٰ کیا وارثوں نے دعویٰ کیا کہ اس کی آزادی موت کے بعد ہوئی تو قول ورثاء کا معتبر ہوگا۔ آقا کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح عورت دعویٰ کرے کہ وہ اس کی زندگی میں مسلمان ہو گئی تھی اور وارثوں نے کہا: وہ خاوند کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تھی تو قول ورثاء کا معتبر ہو گا۔ اس کی مفصل بحث ''البحر'' میں ہے جو ''الخانیہ'' سے منقول ہے۔

14103۔(قولہ: لِلْمَدْخُولَةِ) یعنی جس کے ساتھ حقیقت میں دخول کیا گیا ہو۔ میری مراد موطوءہ ہے تا کہ جس کے ساتھ خلوت کی گئی ہے وہ اس سے نکل جائے اگرچہ اس پر عدت واجب ہوگی لیکن وہ وارث نہیں ہوگی جس طرح باب المہر میں (مقولہ 12020 میں) گزرا ہے کہ خلوت اور دخول میں فرق کیا جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ فافہم

14104۔(قولہ: لَا هُوَ مِنْهَا) یعنی اگر خاوند نے اپنی بیوی کو اپنی مرض میں طلاق بائنہ دی تو عورت عدت ختم ہونے سے پہلے فوت ہو گئی تو مرد عورت کا وارث نہیں بنے گا۔ جب مرد نے اسے طلاق رجعی دی تھی تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح آگے (مقولہ 14110 میں) آئے گا۔

14105۔(قولہ: وَعِنْدَ أَحْمَدَ) امام ''مالک'' سے مروی ہے: اگرچہ اس نے کئی خاوندوں سے نکاح کیا ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت جس نے خلع لیا ہو اور جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ وارث نہیں بنے گی ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ وارث بنیں گی۔ کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کنایات بھی طلاق رجعی ہیں، ''در منتقی''۔

(وَكَذَا) تَرِثُ (طَالِبَةُ رَجْعِيَّةٍ) أَوْ طَلَاقٍ فَقَطْ (طُلِّقَتْ) بَائِنًا (أَوْ ثَلَاثًا) لِأَنَّ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ حَتَّى حَلَّ وَطْؤُهَا، وَيَتَوَارَثَانِ فِي الْعِدَّةِ مُطْلَقًا، وَتَكْفِي أَهْلِيَّتُهَا لِلْإِرْثِ وَقْتَ الْمَوْتِ،

اسی طرح وہ عورت بھی وارث ہوگی جو طلاق رجعی یا صرف طلاق کی طالب ہو تو اسے طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دی جائیں۔ کیونکہ طلاق رجعی نکاح کو زائل نہیں کرتی یہاں تک کہ عورت کے ساتھ وطی کرنا حلال ہوتا ہے۔ وہ مطلقاً عدت میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے موت کے وقت عورت کی وارث بننے کی اہلیت کافی ہے۔

14106۔(قولہ: وَكَذَا تَرِثُ طَالِبَةُ رَجْعِيَّةٍ) یعنی خاوند کی مرض میں عورت نے طلاق رجعی کا ارادہ کیا تھا جس طرح موضوع ہے۔ رجعی سے اس بائنہ سے احتراز کیا ہے اگر مرد نے عورت کے کہنے پر اسے طلاق بائنہ دی جس طرح اس کا ذکر کریں گے۔

14107۔(قولہ: أَوْ طَلَاقٍ فَقَطْ) یعنی عورت نے خاوند کی مرض میں کہا: طلقنی مجھے طلاق دے دے مرد نے اسے تین طلاقیں دے دیں خاوند عدت میں مر گیا تو عورت اس کی وارث ہوگی۔ کیونکہ خاوند ابتدا کرنے والا تھا پس وراثت میں عورت کا حق باطل نہیں ہوگا۔ جس طرح عورت کہے: طَلِّقْنِي رجعية تو مرد نے اسے طلاق بائن دے دی،'' جامع الفصولین''۔

14108۔(قولہ: لِأَنَّ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ) یعنی عدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح زائل نہیں ہوتا۔ پس وہ اپنے حق کے ساقط کرنے پر راضی نہیں۔ اگر اس نے طلاق بائن کا مطالبہ کیا تھا تو معاملہ مختلف ہوگا۔

14109۔(قولہ: حَتَّى حَلَّ وَطْؤُهَا) یعنی عقد کی تجدید کے بغیر وطی حلال ہوتی ہے۔ لیکن جب وطی قولی رجوع سے پہلے ہو تو یہ ایسا رجوع ہے جو مکروہ ہے۔

14110۔(قولہ: وَيَتَوَارَثَانِ فِي الْعِدَّةِ مُطْلَقًا) خواہ مرد اسے طلاق اپنی صحت کی حالت میں دے یا اپنی مرض کی حالت میں دے عورت کی رضامندی سے ہو یا اس کی رضامندی کے بغیر ہو جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ دونوں میں سے جو بھی فوت ہوا جب کہ عورت عدت میں ہو تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ عدت کے بعد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ نکاح زائل ہو چکا۔ ہم قریب ہی (مقولہ 14102 میں) بیان کر چکے ہیں کہ قول عورت کا معتبر ہوگا اس صورت میں کہ مرد عدت ختم ہونے سے پہلے مر گیا تھا۔

یہاں ایک مسئلہ باقی ہے جو واقعۃ الفتویٰ ہے اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے میں نے اسے صراحۃ نہ دیکھا: ایک آدمی ہے جس نے اپنی مریض بیوی کو طلاق رجعی دی پھر عورت دو ماہ کے بعد مر گئی مرد نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ابھی عورت کی عدت ختم نہیں ہوئی تا کہ وہ عورت کا وارث بنے عورت کے ورثاء نے دعویٰ کیا کہ عورت کی عدت ختم ہو چکی ہے جب کہ عورت نے موت سے پہلے عدت کے ختم ہونے کا اقرار نہ کیا تھا اور عورت مایوسی کی عمر کو بھی نہیں پہنچی تھی کیا قول خاوند کا معتبر ہوگا یا عورت کے ورثاء کا معتبر ہوگا؟ جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وراثت کا سبب، رشتہ زوجیت متحقق ہے کیونکہ طلاق رجعی اسے زائل نہیں کرتا پس یہ احتمال کے ساتھ زائل نہیں ہوگا۔ اگر عورت نے اپنی موت سے پہلے

بِخِلَافِ الْبَائِنِ (وَكَذَا) تَرِثُ (مُبَانَةٌ قَبَّلَتْ) أَوْ طَاوَعَتْ (ابْنَ زَوْجِهَا) لِمَجِيءِ الْحُرْمَةِ بِبَيْنُونَتِهِ (وَمَنْ لَاعَنَهَا فِي مَرَضِهِ أَوْ آلَى مِنْهَا مَرِيضًا كَذَلِكَ) أَيْ تَرِثُهُ لِمَا مَرَّ (وَإِنْ آلَى فِي صِحَّتِهِ وَبَانَتْ بِهِ) بِالْإِيلَاءِ (فِي مَرَضِهِ أَوْ أَبَانَهَا فِي مَرَضِهِ فَصَحَّ فَمَاتَ أَوْ أَبَانَهَا فَارْتَدَّتْ فَأَسْلَمَتْ)

بائن کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح وہ عورت وارث بنے گی جسے طلاق بائنہ دی گئی پھر اس نے بوسہ لیا یا قدرت دی اپنے اوپر اپنے خاوند کے بیٹے کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرمت طلاق بائنہ کی وجہ سے متحقق ہو چکی تھی۔ جس آدمی نے اپنی مرض میں عورت سے لعان کیا یا مریض ہوتے ہوئے ایلا کیا تو عورت اس کی وارث ہوگی اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اگر خاوند نے اپنی حالت صحت میں ایلا کیا اور عورت ایلا کی وجہ سے مرد کی مرض میں جدا ہوئی یا خاوند نے اپنی مرض میں عورت کو طلاق بائنہ دی پھر خاوند صحیح ہو گیا پھر مر گیا یا مرد نے اسے طلاق بائنہ دی تو عورت مرتد ہو گئی پھر مسلمان ہو گئی

عدت کے ختم ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ مدت اتنی ہے جو عدت کے ختم ہونے کا احتمال رکھتی ہے تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا علم عورت کی جانب سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے وارثوں کا معاملہ مختلف ہے۔ فتامل

14111۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْبَائِنِ) بائن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وارث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ طلاق کے وقت سے لے کر موت کے وقت تک اہلیت برقرار رہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

14112۔ (قولہ: وَكَذَا تَرِثُ مُبَانَةٌ) جس نے عورت کو طلاق بائنہ دی اس کے ساتھ قید لگائی۔ کیونکہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو تو عورت وارث نہ ہوگی جس طرح مصنف ذکر کریں گے۔ اسی طرح اگر عورت سے جدا ہوا اس وجہ سے کہ اس نے اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا اگرچہ وہ مجبور ہو جس طرح (مقولہ 14098 میں) گزر چکا ہے۔

14113۔ (قولہ: لِمَجِيءِ الْحُرْمَةِ بِبَيْنُونَتِهِ) پس فرار مرد کی جانب سے ہوا۔

14114۔ (قولہ: وَمَنْ لَاعَنَهَا فِي مَرَضِهِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ قول شامل ہوگا جب قذف صحت میں ہو یا مرض میں ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر قذف صحت میں ہو اور لعان مرض میں ہو تو عورت وارث نہ ہوگی، ''نہر''۔

14115۔ (قولہ: أَوْ آلَى مِنْهَا مَرِيضًا) اس کے ساتھ یہ ارادہ کیا ہے کہ مدت کا اختتام بھی مرض میں ہو، ''بحر''۔

14116۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی فرقت ایسے سبب سے ہو جو مرد کی جانب سے واقع ہو۔ ''ہدایہ'' میں کہا: یہ اس کے ساتھ لاحق ہے جس میں ایسے فعل کے ساتھ طلاق کو معلق کیا گیا ہو جس کے بغیر مرد کے لیے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ کیونکہ عورت عار کو دور کرنے کے لیے خصومت پر مجبور ہے۔

14117۔ (قولہ: وَإِنْ آلَى فِي صِحَّتِهِ) اس میں وارث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایلا اس معنی میں ہے کہ طلاق کو ایسے چار ماہ کے گزرنے کے ساتھ معلق کیا جائے جو جماع سے خالی ہو۔ ضروری ہے کہ تعلیق اور شرط اس کی مرض میں ہو۔ یہاں اگرچہ اس کا باطل کرنا رجوع کے ساتھ خاوند کے لیے ممکن ہے۔ لیکن ایسی ضرر کے ساتھ جو خاوند کو لازم ہوتا ہے وہ کفارہ کا اس پر واجب ہونا ہے پس وہ قدرت رکھنے والا نہیں، ''بحر''۔

فَمَاتَ (لَا) تَرِثُهُ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمَرَضُ الَّذِي طَلَّقَهَا فِيهِ مَرَضَ الْمَوْتِ، فَإِذَا صَحَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَرَضَ الْمَوْتِ، وَلَا بُدَّ فِي الْبَائِنِ أَنْ تَسْتَمِرَّ أَهْلِيَّتُهَا لِلْإِرْثِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ كِتَابِيَّةً أَوْ مَمْلُوكَةً وَقْتَ الطَّلَاقِ ثُمَّ أَسْلَمَتْ أَوْ أُعْتِقَتْ لَمْ تَرِثْ كَمَا) لَا تَرِثُ (لَوْ طَلَّقَهَا رَجْعِيًّا) أَوْ لَمْ يُطَلِّقْهَا (فَطَاوَعَتْ) أَوْ قَبَّلَتْ (ابْنَهُ) لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا (أَوْ أَبَانَهَا بِأَمْرِهَا) قَيَّدَ بِهِ لِأَنَّهَا لَوْ أَبَانَتْ نَفْسَهَا فَأَجَازَ وَرِثَتْ عَمَلًا بِإِجَازَتِهِ قُنْيَةٌ

تو خاوند مر گیا عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ ضروری ہے کہ وہ مرض جس میں طلاق ہو اس کا مرض الموت ہونا ضروری ہے۔ جب وہ صحت مند ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ مرض الموت نہیں۔ طلاق بائن میں ضروری ہے کہ عورت کی وراثت کی اہلیت طلاق کے وقت سے موت کے وقت تک رہے یہاں تک کہ اگر طلاق کے وقت وہ کتابیہ ہو یا مملوکہ ہو پھر مسلمان ہو جائے یا اسے آزاد کر دیا جائے تو وہ وارث نہیں ہوگی۔ جس طرح وہ وارث نہیں ہوگی اگر وہ طلاق رجعی دے یا وہ طلاق نہ دے پھر وہ خاوند کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دے یا عورت خاوند کے بیٹے کا بوسہ لے۔ کیونکہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہو رہی ہے یا مرد نے عورت کو طلاق بائنہ عورت کے امر سے دی۔ اس کے ساتھ قید لگائی کیونکہ عورت نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی مرد نے اس کی اجازت دے دی تو عورت مرد کی وارث بنے گی اس کی اجازت پر عمل کرتے ہوئے۔ ''قنیہ''۔

14118۔(قولہ: فَمَاتَ) یعنی عورت کی عدت میں خاوند مر گیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

14119۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَا بُدَّ) یہ دوسرے مسئلہ کی تعلیل ہے، ''ط''۔

14120۔(قولہ: وَلَا بُدَّ فِي الْبَائِنِ) یہ تیسرے مسئلہ کی تعلیل ہے یعنی ردت وراثت کی اہلیت کو قطع کر دیتی ہے، ''ط''۔

14121۔(قولہ: أَوْ لَمْ يُطَلِّقْهَا) طلاق رجعی اور اصلاً طلاق نہ دینے میں کوئی فرق نہیں۔

14122۔(قولہ: فَطَاوَعَتْ) فطاوعت قید نہیں کیونکہ اگر اسے مجبور کیا گیا تب بھی عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ خاوند کی جانب سے عورت کے حق کا ابطال نہیں ہوا جس طرح ''البحر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔ لیکن اگر اس کا باپ اسے اس امر کا حکم دے تب وارث ہوگی جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 14098 میں) بیان کیا ہے۔

14123۔(قولہ: لِمَجِيءِ الْفُرْقَةِ مِنْهَا) یعنی عورت اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی تھی۔

14124۔(قولہ: أَوْ أَبَانَهَا بِأَمْرِهَا) یہ قول اس پر بھی صادق آتا ہے جب عورت مرد سے طلاق بائنہ کا مطالبہ کرے تو مرد عورت کو تین طلاقیں دے دے۔ ان کا قول ''البحر'' میں لم ار حکمہ یعنی صریح حکم نہیں دیکھا پھر کہا: جس طرح ''البحر'' کے بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے: چاہیے کہ عورت کے لیے کوئی میراث نہ ہو کیونکہ عورت طلاق بائن پر راضی تھی۔

14125۔(قولہ: عَمَلًا بِإِجَازَتِهِ) کیونکہ اجازت ہی وراثت کو باطل کرنے والی تھی۔ ''النہر'' میں اعتراض کیا ہے کہ یہ قید کچھ نفع نہیں دیتی جب طلاق خاوند کی مرض میں ہو کیونکہ اس میں رضا کی دلیل قائم ہے۔

(أَوْ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ أَوْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا) وَلَوْ بِبُلُوغٍ وَعِتْقٍ وَجَبٍّ وَعِنَّةٍ لَمْ تَرِثْ لِرِضَاهَا (وَلَوْ) كَانَ الزَّوْجُ (مَحْصُورًا) بِحَبْسٍ

یا عورت نے اس سے خلع لے لیا یا اپنے نفس کو اختیار کیا اگرچہ وہ بالغ ہونے، آزاد ہونے، آلہ تناسل کے کٹا ہونے اور مرد کے عنین ہونے کی وجہ سے ہوتو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ عورت خود جدائی پر راضی تھی۔ اگر خاوند حبس کی وجہ سے محصور ہو

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ وہ طلاق موقوف پر راضی ہوئی ہے جو عورت کے حق کو باطل کرنے والی نہیں۔ جو حق کو باطل کرے عورت کی رضا اس کے بارے میں لازم نہیں آتی۔ ''جامع الفصولین'' کی عبارت ہے: یہ اس طلاق کی طرح نہیں عورت جس کا سوال کرے کیونکہ عورت مبطل کے عمل سے راضی نہیں۔ کیونکہ عورت کا قول: طلّقتُ نفسی یہ مبطل نہیں بلکہ اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ جب مرد نے اپنی مرض میں طلاق کی اجازت دی گویا اس نے نئے سرے سے طلاق دی پس وہ فرار اختیار کرنے والا ہے۔ فافہم

14126۔ (قولہ: أَوْ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ) اس کی قید لگائی کیونکہ اگر اجنبی آدمی مریض خاوند کی جانب سے عورت سے خلع کرے تو عورت کے لیے وراثت ہوگی اگر خاوند عدت میں مر گیا ہو۔ کیونکہ عورت اس طلاق پر راضی نہیں پس خاوند فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ ''بحر'' میں ''جامع الفصولین'' سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعلیل سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اجنبی آدمی اگر عورت سے اس کے خاوند سے اس کے مہر پر خلع کرے اور عورت اجنبی مرد کے فعل کو جائز قرار دے تب بھی وہ وارث ہوگی۔ کیونکہ عورت کی اجازت بینونت کے بعد حاصل ہوئی۔ پس اجازت وراثت میں موثر نہ ہوئی بلکہ عورت کے مہر کے سقوط میں موثر ہے پس اجازت سے پہلے فرار ثابت ہو گیا۔ پس اس اجازت کے ساتھ وراثت کے ثبوت کا حکم مرتفع نہیں ہوگا۔ یہ کہنا صحیح نہیں عورت وارث نہیں ہوگی کیونکہ رضا کی دلیل قائم ہے۔ کیونکہ معتبر بینونت سے پہلے دلیل رضا کا قیام ہے اس کے بعد اس کا قیام معتبر نہیں۔ فافہم

14127۔ (قولہ: وَلَوْ بِبُلُوغٍ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ یہ تفویض طلاق کے اختیار پر متصور نہیں۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ خیار بلوغ میں فرقت قاضی کے فسخ کرنے پر موقوف ہے۔ پس وہ فرقت عورت کے فعل سے نہیں تو یہ ایسے ہی ہو گیا گویا اگر عورت نے اپنے آپ کو طلاق بائنہ دی اور خاوند نے اسے اجازت دے دی۔ کیونکہ قاضی کا فسخ کرنا یہ اس پر موقوف ہے کہ عورت اس کا مطالبہ کرے تو یہ ایسے ہی ہے کہ عورت اپنے خاوند سے طلاق بائن کا مطالبہ کرے یہ رضا ہو گی۔ یہ میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔

14128۔ (قولہ: لِرِضَاهَا) کیونکہ فرقت عورت کے اختیار سے واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس پر صبر کرنے پر قادر ہے۔ ''بدائع''۔

14129۔ (قولہ: مَحْصُورًا بِحَبْسٍ) ''الدر المنتقی'' میں اس کی عبارت ہے: فی حصن یعنی جب وہ قلعہ میں محصور ہو۔ اسی طرح دوسری کتابوں کی بھی یہی عبارت ہے۔ حصر اگرچہ منع کے معنی میں ہے اور یہ لفظ حبس اور حصن دونوں کو شامل ہے

(أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ) وَمِثْلُهُ حَالُ فُشُوِّ الطَّاعُونِ أَشْبَاهٌ

یا صف قتال میں ہو اسی کی مثل طاعون کے پھیلنے کی حالت ہے۔''اشباہ''

لیکن جس کے مسئلہ کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ ان کا قول او فی صف القتال یہ اس سے احتراز ہے جب وہ مقابلہ کے لیے صف سے نکل جائے تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا جس طرح (مقولہ 14085 میں) گزر چکا ہے۔ اسی طرح قتال زوروں پر ہو اور دونوں صفیں گتھم گتھا ہوں جس طرح ہم نے پہلے ''معراج'' سے (مقولہ 14085 میں) بیان کیا ہے یہاں سے فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ علما نے کہا: کہ حصن (قلعہ) دشمن کے حملہ سے دفاع کے لیے ہوتا ہے اسی طرح منعہ ہے یعنی جس کے ساتھ قتال کرنے والے ہوتے ہیں۔ ''النہر'' میں کہا: اس کا اطلاق فائدہ دیتا ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ دوسری جماعت کے مقابلہ میں تھوڑی جماعت ہو یا نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے جب تک وہ صف میں ہو تو کوئی فرق نہیں مگر جب وہ خلط ملط ہو جائیں تو ہم نے پہلے معراج سے جو بیان کیا ہے اسے تو (مقولہ 14085 میں) جان چکا ہے کہ وہ مرض کے حکم میں ہوگا مگر جب ان میں سے ایک غالب ہو۔

تنبیہ

جو صف میں ہے اس کی مثل وہ ہے جو غرق ہونے کے خوف سے قبل کشتی میں سوار ہو یا ایسی جگہ اترا ہو جہاں درندے رہتے ہوں یا جہاں دشمنوں سے خوف ہو، ''بحر''۔

طاعون کے پھیلنے کی حالت میں تندرست پر مریض کا حکم لگانا صحیح ہے؟

14130۔(قولہ: وَمِثْلُهُ حَالُ فُشُوِّ الطَّاعُونِ) ''الفتح'' میں الشافعیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ مرض کے حکم میں ہوگا۔ اور کہا: (جب کہ میں نے اسے اپنے مشائخ سے یہ نہیں دیکھا) حنفیہ کے قواعد تقاضا کرتے ہیں کہ وہ صحیح کی طرح ہے۔ حافظ ''عسقلانی'' نے اپنی کتاب ''بذل الماعون'' میں کہا: یہی وہ بات ہے جو میرے لیے ان کے علما کی ایک جماعت نے ذکر کی ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: اس کی غایت یہ ہے کہ وہ اس آدمی کی طرح ہو جو صف القتال میں ہو پس وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام ''مالک'' کے نزدیک یہی صحیح ہے جس طرح ''الدر المنتقی'' میں ہے۔ ''الشرنبلالیہ'' میں کہا: یہ مسلم نہیں کیونکہ کوئی مماثلت نہیں اس میں جو ایسی قوم کے درمیان ہو جو صف میں اس کا دفاع کرتی ہے اور اس میں جو ان لوگوں کے ساتھ ہو جو اس کی مثل ہیں جب طاعون کی وبا پھیل چکی ہو تو ان میں سے کسی کو بھی کسی کا دفاع کرنے کی قوت نہیں۔

میں کہتا ہوں: جب طاعون محلہ یا گھر میں داخل ہو گیا ہو تو اس کے اہل پر ہلاکت کا خوف غالب آ جاتا ہے جس طرح جب جنگ زوروں پر ہو۔ اس محلہ اور گھر کا معاملہ مختلف ہوگا جس میں طاعون داخل نہیں ہوا۔ چاہیے کہ تفصیل اسی پر جاری ہو۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اعتبار ہلاکت کے خوف کا غلبہ ہے۔ پھر یہ مخفی نہیں کہ یہ سب اس کے بارے میں ہے جسے طاعون کا مرض لاحق نہ ہو۔

(أَوْ قَائِمًا بِمَصَالِحِهِ خَارِجَ الْبَيْتِ مُشْتَكِيًا) مِنْ أَلَمٍ (أَوْ مَحْمُومًا أَوْ مَحْبُوسًا بِقِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ لَا) تَرِثُ لِغَلَبَةِ السَّلَامَةِ (وَالْحَامِلُ لَا تَكُونُ فَارَّةً إلَّا بِتَلَبُّسِهَا بِالْمَخَاضِ) وَهُوَ الطَّلْقُ، لِأَنَّهَا حِينَئِذٍ كَالْمَرِيضَةِ وَعِنْدَ مَالِكٍ إذَا تَمَّ لَهَا سِتَّةُ أَشْهُرٍ (إذَا عَلَّقَ) الْمَرِيضُ (طَلَاقَهَا) الْبَائِنَ

یا وہ گھر سے باہر امور سرانجام دیتا ہو جب کہ درد کی شکایت کرتا ہو یا اسے تپ ہو یا قصاص یا رجم کے لیے اسے قید کیا ہو تو اس حالت میں طلاق دی تو عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ سلامتی کا غلبہ ہے حاملہ عورت فرار اختیار کرنے والی نہیں ہوتی مگر جب اسے دردزہ لاحق ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ مریضہ کی طرح ہے۔ امام ''مالک'' کے نزدیک وہ فرار اختیار کرنے والی ہوگی جب اس کو چھ ماہ گزر چکے ہوں۔ جب مریض نے اپنی بیوی کی طلاق بائن کو

14131۔ (قولہ: أَوْ مَحْمُومًا) اس کا عطف مشتکیا پر ہے۔ او محبوسا کا عطف قائما پر ہے۔ محموما کا عطف قائما پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر لازم آتا ہے کہ وہ عورت اس کی وارث نہ ہوا گرچہ گھر سے باہر وہ مصالح بجا نہ لاتا ہو کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بخار والا آدمی جب اپنے مصالح بجالانے پر قادر ہو تو وہ مریض نہ ہوگا۔ ورنہ وہ مریض ہوگا جس طرح ''ملتقی'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک ''الدرایہ'' میں جو تصریح ہے کہ محموم مریض ہے وہ اس پر محمول ہے جب وہ اپنے مصالح بجانہ لاسکتا ہو۔ تو ''ملتقی'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے مخالف نہیں۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جو ''النہر'' میں ہے کہ مخالفت کا دعویٰ کیا اور تطبیق کا دعویٰ کیا کہ ''الدرایہ'' میں جو کچھ ہے اسے اس پر محمول کیا جب بخار کی باری آئے گی تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہوگی۔ کیونکہ جب بخار کی باری ہوتی ہے اور وہ مصالح بجالانے سے عاجز نہ ہو تو وہ اس حاملہ کے درجہ کا مریض نہ ہوگا جسے دردزہ لاحق ہو چکا ہو پھر اسے سکون ہو جاتا ہے جس طرح قریب ہی (مقولہ 14133 میں) آئے گا۔

14132۔ (قولہ: لِغَلَبَةِ السَّلَامَةِ) کیونکہ قلعہ دشمن کے حملہ سے دفاع کے لیے ہوتا ہے بعض اوقات وہ درندوں اور قید خانہ سے کسی حیلہ کے ذریعہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

14133۔ (قولہ: وَهُوَ الطَّلْقُ) طلق کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایسا درد ہے جو ختم نہیں ہوتا یہاں تک کہ عورت مر جاتی ہے یا وہ بچہ جن دیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگرچہ درد کو سکون ہو جائے کیونکہ درد کبھی سکون پا جاتا ہے اور کبھی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ ''بحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔

14134۔ (قولہ: إذَا عَلَّقَ الْمَرِيضُ) یعنی جو تعلیق اور شرط کے وقت مریض تھا یا ان دونوں میں سے ایک کے وقت مریض تھا یہ اس سے احتراز کیا جب وہ تعلیق اور شرط دونوں کے وقت صحت مند تھا تو وہ مسئلہ کی صورت میں سے نہیں۔ فافہم

14135۔ (قولہ: الْبَائِنُ) یہ قید لگائی کیونکہ فرار کا حکم اسی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے ''بحر''۔ کیونکہ طلاق رجعی میں کوئی فرار نہیں اگرچہ مرض میں خود ہی طلاق دی جب کہ عورت کی رضا شامل نہ ہو جس طرح (مقولہ 14110 میں) گزر چکا ہے۔

(بِفِعْلِ أَجْنَبِيٍّ) أَيْ غَيْرِ الزَّوْجَيْنِ وَلَوْ وَلَدُهَا مِنْهُ (أَوْ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ وَ) الْحَالُ أَنَّ (التَّعْلِيقَ وَالشَّرْطَ فِي مَرَضِهِ أَوْ) عَلَّقَ طَلَاقَهَا (بِفِعْلِ نَفْسِهِ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ أَوْ الشَّرْطُ فَقَطْ) فِيهِ (أَوْ عَلَّقَ بِفِعْلِهَا وَلَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ) طَبْعًا أَوْ شَرْعًا كَأَكْلٍ وَكَلَامِ أَبَوَيْنِ (وَهُمَا فِي الْمَرَضِ أَوْ الشَّرْطُ) فِيهِ فَقَطْ (وَرِثَتْ) لِفِرَارِهِ،

اجنبی یعنی میاں بیوی کے علاوہ کے فعل کے ساتھ معلق کیا اگرچہ اس خاوند سے اس عورت کا بیٹا ہو یا طلاق کو معلق کیا وقت کے آنے کے ساتھ جب کہ حال یہ ہے کہ تعلیق اور شرط مرد کی مرض میں ہو یا مرد نے عورت کی طلاق کو اپنے فعل کے ساتھ معلق کیا جب کہ دونوں مرض میں ہوں یا صرف شرط مرض میں ہو یا عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا جس سے عورت کے لیے طبعاً یا شرعاً کوئی چارہ کار نہ ہو جیسے کھانا اور والدین سے کلام۔ دونوں مرض میں ہوں یا صرف شرط مرض میں ہو تو عورت وارث ہوگی۔

14136۔(قولہ: بِفِعْلِ أَجْنَبِيٍّ) خواہ اس فعل سے کوئی چارہ کار تھا یا چارہ کار نہ تھا، ''بحر''۔ فعل سے مراد وہ ہے جو ترک کو عام ہے جس طرح ''ایضاح الصلاح'' میں ہے، ''ط''۔

14137۔(قولہ: أَيْ غَيْرِ الزَّوْجَيْنِ) اس کے ساتھ اس اعتراض کو دور کیا جو اجنبی کا حقیقی معنی کے ارادہ کرنے سے وہم پیدا ہوتا تھا۔ وہ وہ ہوتا ہے جس کی کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی، ''ط''۔

14138۔(قولہ: أَوْ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ) اس سے مراد امر سماوی پر معلق کرنا ہے یعنی جس میں بندے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اسے تعلیق سے بنایا ہے کہ مضاف شرط کے معنی میں ہے اس حیثیت سے کہ حکم اس پر موقوف ہوتا ہے جس طرح ''البحر'' میں باب التعلیق میں اسے ثابت کیا ہے۔ فافہم

14139۔(قولہ: بِفِعْلِ نَفْسِهِ) خواہ اس فعل سے کوئی چارہ کار ہو یا چارہ کار نہ ہو۔

14140۔(قولہ: أَوْ الشَّرْطِ فَقَطْ) یعنی جس پر امر کو معلق کیا گیا جس طرح گھر میں داخل ہونا جیسے ان دخلتِ الدار۔

14141۔(قولہ: كَأَكْلٍ وَكَلَامِ أَبَوَيْنِ) لف نشر مرتب ہے۔ اور تمام ذی رحم محرم والدین کی طرح ہیں جس طرح ''حموی'' نے ''برجندی'' سے نقل کیا ہے ''ط''۔ اسی کی مثل روزہ، نماز، دین کی ادائیگی اور اس کی وصولی ہے ''نہر''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر خاوند نے عورت کی طلاق کو اس کے والدین کی منزل کی طرف نکلنے پر معلق کیا پس عورت نکلی تو عورت وارث ہو گی۔ کیونکہ عورت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چاہیے کہ اسے مقید کیا جائے کہ جب وہ ایسے طریقہ سے نکلے کہ مرد کو اس سے روکنے کا حق نہ ہو۔

14142۔(قولہ: أَوْ الشَّرْطِ فِيهِ فَقَطْ) اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تعلیق حالت صحت میں ہو تو مطلقاً اس کے لیے میراث نہ ہوگی۔ ''البحر'' میں کہا: علما نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح کی ہے۔ ''النہر'' میں اس کی تصحیح ''فخر الاسلام'' سے نقل کی ہے۔

14143۔(قولہ: وَرِثَتْ لِفِرَارِهِ) جب تعلیق اجنبی کے فعل یا وقت کے آنے پر ہو اور دونوں حالت مرض میں پائے جائیں تو عورت وارث ہوگی۔ کیونکہ فرار کا قصد متحقق ہو گیا ہے۔ کیونکہ تعلیق ایسے وقت میں ہوئی جب عورت کا حق مرد کے مال

وَمِنْهُ مَا فِي الْبَدَائِعِ إِنْ لَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ إِنْ لَمْ أَتَزَوَّجْ عَلَيْكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى مَاتَ وَرِثَتْهُ وَلَوْ مَاتَتْ هِيَ لَمْ يَرِثْهَا (وَفِي غَيْرِهَا لَا تَرِثُ وَهُوَ مَا إِذَا كَانَا فِي الصِّحَّةِ أَوِ التَّعْلِيقُ فَقَطْ

اسی سے وہ بھی ہے جو ''البدائع'' میں ہے: اگر میں تجھے طلاق نہ دوں اگر میں تجھ پر شادی نہ کروں تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ مرد نے اس طرح نہ کیا یہاں تک کہ خاوند مر گیا تو عورت اس کی وارث ہوگی۔ اگر عورت فوت ہوگئی تو مرد اس کا وارث نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ میں عورت وارث نہ ہوگی وہ وہ صورت ہے جب دونوں صحت کی حالت میں ہوں یا صرف تعلیق صحت میں ہو۔

میں ثابت ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے اگر مرض میں موجود صرف شرط ہو تو ہمارے نزدیک وہ وارث نہیں ہوگی۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے مگر جب طلاق کو اپنے فعل پر معلق کیا جب کہ دونوں مرض میں ہوں یا صرف شرط مرض میں ہو۔ کیونکہ اس نے عورت کے حق کے ابطال کا قصد تعلیق اور شرط کے ساتھ یا صرف شرط کے ساتھ کیا اور مرد کا اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا جس طرح حالت اضطرار میں غیر کے مال کو تلف کرنا۔ مگر جب طلاق کو عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا ہو جس کے بغیر عورت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں جب کہ شرط حالت مرض میں ہو تو عورت اس فعل کو کرنے پر مجبور ہے یا تو دنیا میں ہلاکت کا خوف ہوتا ہے یا آخرت میں ہلاکت کا خوف ہوتا ہے ''نہر'' ملخصا۔

14144۔ (قولہ: وَمِنْهُ) ضمیر سے مراد فرار ہے۔ یہ تعلیق کی اس قسم سے متعلق ہے جس میں وہ طلاق کو اپنے فعل پر معلق کرتا ہے۔ عورت اس کی وارث ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی وہ طلاق واقع نہ کرنا یا اپنی موت سے پہلے شادی نہ کرنا ہے یہ مرض کا وقت ہے۔ پس وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا اگرچہ تعلیق حال صحت میں ہوتی ہے۔ مرد اس کا وارث نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے کیونکہ مرد نے شرط کو عورت کی موت تک موخر کیا ہے۔ ''البدائع'' میں بھی اسے ذکر کیا ہے: اگر مرد نے کہا: اگر میں بصرہ نہ آؤں تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ وہ بصرہ نہ آیا یہاں تک کہ وہ مر گیا عورت مرد کی وارث ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔ مگر جب عورت مر گئی تو مرد اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ عورت فوت ہوئی جب کہ وہ اس کی بیوی تھی۔ کیونکہ وقوع کی شرط نہیں پائی گئی کیونکہ جائز ہے کہ وہ بصرہ عورت کی موت کے بعد آئے۔ عورت کو طلاق دینے اور اس پر شادی کرنے کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ عورت کی موت کے بعد یہ ممکن نہیں۔

تنبیہ

شارح نے تین طلاقوں کی قید لگائی ہے یہ عورت کی موت کے مسئلہ میں لازم نہیں کیونکہ اگر وہ طلاق رجعی ہو اور ہم عورت کی زندگی کے آخری جز میں طلاق کے وقوع کا فیصلہ کر دیں وہ وہ جز ہے جس کے بعد موت واقع ہوگئی تو طلاق کے وقوع کے ساتھ ہی بائنہ ہو جائے گی۔ کیونکہ عدت کا امکان نہیں جس طرح جس نے اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں جس طرح ہم ''الفتح'' کے باب الصریح میں: ان لم اطلقك فانت طالق کے ہاں (مقولہ 13240 میں) ذکر کر چکے ہیں۔

14145۔ (قولہ: أَوِ التَّعْلِيقُ فَقَطْ) تعلیق فعل اجنبی یا وقت کے آنے پر ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ متن سے

أَوْ بِفِعْلِهَا وَلَهَا مِنْهُ بُدٌّ) وَحَاصِلُهَا سِتَّةَ عَشَرَ لِأَنَّ التَّعْلِيقَ إِمَّا بِمَجِيءِ وَقْتٍ أَوْ بِفِعْلِ أَجْنَبِيٍّ أَوْ بِفِعْلِهِ أَوْ بِفِعْلِهَا، وَكُلُّ وَجْهٍ عَلَى أَرْبَعَةٍ، لِأَنَّ التَّعْلِيقَ وَالشَّرْطَ إِمَّا فِي الصِّحَّةِ أَوْ الْمَرَضِ أَوْ أَحَدِهِمَا، وَقَدْ عُلِمَ حُكْمُهَا

یا عورت کے فعل پر طلاق معلق کی جب کہ فعل ایسا تھا کہ جس سے عورت کے لیے چارۂ کار تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سولہ صورتیں ہیں یا تعلیق وقت کے آنے پر ہوگی یا اجنبی کی فعل پر ہوگی یا مرد اپنے فعل پر طلاق معلق کرے گا یا عورت کے فعل پر طلاق معلق کرے گا۔ ہر وجہ کی چار صورتیں ہیں کیونکہ تعلیق اور شرط یا تو صحت میں ہوں گے یا مرض میں ہوں گے یا ان میں سے ایک ہوگا جب کہ ان کا حکم معلوم ہو چکا ہے۔

یہی مفہوم ہے جو (مقولہ 14136 میں) گزر چکا ہے۔ یہاں تعلیق کو اس کے عموم پر محمول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے ذاتی فعل کو شامل ہو۔ کیونکہ صرف تعلیق حالت صحت میں پائی جائے یعنی شرط حالت مرض میں پائی جائے تو عورت اس کی وارث ہوگی۔ متن نے اس کی تصریح کی ہے۔ عموم میں اس کا دخول صحیح نہیں ''سائحانی'' کے ''مخطوطہ'' میں اسی طرح ہے۔ فافہم

14146۔ (قولہ: أَوْ بِفِعْلِهَا وَلَهَا مِنْهُ بُدٌّ) یعنی مطلقاً خواہ تعلیق اور شرط مرض میں ہوں یا دونوں میں سے ایک مرض میں ہو یا کوئی بھی مرض میں نہ ہو تو وارث نہ ہوگی۔ ''التبیین'' میں کہا: یعنی وہ صورتیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ میں عورت وارث نہ ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ تعلیق اور شرط تمام وجوہ صحت میں ہوں یا تعلیق حالت صحت میں ہو۔ ان امور میں جب مرد نے طلاق کو اجنبی کے فعل پر کیا یا وقت کے آنے پر معلق کیا یا کیسی صورتحال ہو جب مرد نے طلاق کو عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا جس سے عورت کے لیے چارہ کار تھا کیونکہ ان تمام صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی'' ''ح''۔

جب خاوند نے طلاق کو اپنے، عورت کے یا اجنبی کے فعل کے ساتھ معلق کیا تو اس کی صورتیں

14147۔ (قولہ: وَحَاصِلُهَا سِتَّةَ عَشَرَ) ان کو اٹھائیس تک پھیلانا ممکن ہے۔ کیونکہ جب خاوند نے طلاق کو اپنے فعل، عورت کے فعل یا اجنبی کے فعل پر معلق کیا یا تو فعل ایسا ہوگا جس سے چارۂ کار نہ ہوگا یا چارہ کار ہوگا تو یہ چھ صورتیں ہیں جنہیں شرط اور تعلیق کی چار صورتوں میں ضرب دی جائے تو یہ چوبیس ہو جائیں گی۔ اور وقت پر معلق کرنے میں چار صورتیں اور بنتی ہیں تو یہ اٹھائیس صورتیں ہو جائیں گی۔ لیکن خاوند کے فعل اور اجنبی کے فعل میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے کہ اس سے کوئی چارہ کار ہے یا چارہ کار نہیں۔ عورت کے فعل کا معاملہ مختلف ہوتا ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ پھر اس میں کوئی خفا نہیں کہ جب تعلیق اور شرط صحت کی حالت میں ہوں تو طلاق المریض میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ پس مناسب اس کا ساقط کرنا ہے اور صورتیں اکیس ہو گئیں۔

14148۔ (قولہ: أَوْ أَحَدِهِمَا) یہ نصب اور رفع دونوں صورتوں میں إنّ کے اسم پر معطوف ہے یعنی یا ان دونوں میں ایک، مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک میں ہے اس طرح کہ تعلیق حالت صحت میں ہو اور شرط حالت مرض میں ہو یا اس

(قَالَ لَهَا فِي صِحَّتِهِ إِنْ شِئْتِ) أَنَا (وَفُلَانٌ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ثُمَّ مَرِضَ فَشَاءَ الزَّوْجُ وَالْأَجْنَبِيُّ الطَّلَاقَ مَعًا أَوْ شَاءَ الزَّوْجُ ثُمَّ الْأَجْنَبِيُّ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ لَا تَرِثُ، وَإِنْ شَاءَ الْأَجْنَبِيُّ أَوَّلًا ثُمَّ الزَّوْجُ وَرِثَتْ) كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ، وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى إِذْ بِمَشِيئَةِ الْأَجْنَبِيِّ أَوَّلًا صَارَ الطَّلَاقُ مُعَلَّقًا عَلَى فِعْلِهِ فَقَطْ (تَصَادَقَا) أَيْ الْمَرِيضُ مَرَضَ الْمَوْتِ وَالزَّوْجَةُ (عَلَى ثَلَاثٍ فِي الصِّحَّةِ وَ) عَلَى (مُضِيِّ الْعِدَّةِ ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ عَيْنٍ (أَوْ اوصَى لَهَا بِشَيْءٍ فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْهُ) أَيْ مِمَّا أَقَرَّ أَوْ أَوْصَى (وَمِنَ الْمِيرَاثِ)

مرد نے حالت صحت میں عورت سے کہا: اگر میں اور فلاں چاہے تو تجھے تین طلاقیں۔ پھر وہ مریض ہو گیا تو خاوند اور فلاں نے اکٹھے طلاق چاہی یا پہلے خاوند نے چاہی پھر اجنبی نے چاہی پھر خاوند فوت ہو گیا تو عورت وارث نہیں ہو گی اگر اجنبی نے پہلے طلاق چاہی پھر خاوند نے چاہی تو عورت وارث ہو گی۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ فرق مخفی نہیں کہ پہلے اجنبی کے چاہنے سے طلاق صرف خاوند کے فعل پر معلق ہو گی۔ وہ، مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہے، اور بیوی دونوں نے تصدیق کی کہ حالت صحت میں تین طلاقیں ہوئیں اور عدت کے گزرنے کی تصدیق کی پھر اس مرد نے عورت کے لیے دین یا عینی چیز کا اقرار کیا یا مرد نے عورت کے لیے کسی شے کی وصیت کی تو عورت کے لیے اقرار یا وصیت اور میراث میں سے جو چیز کم ہو گی وہ ہو گی

کے برعکس ہو۔

14149۔ (قولہ: قَالَ لَهَا فِي صِحَّتِهِ) مگر جب یہ تعلیق حالت مرض میں ہو تو عورت تمام صورتوں میں اس کی وارث ہو گی۔ کیونکہ یہ اجنبی اور اپنے فعل پر معلق کرنا ہے سابقہ صورتوں میں سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں وہ پہلے ذکر ہو چکی ہیں'' ط''۔

14150۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى) ''البحر'' میں کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق دونوں کی مشیئت پر معلق ہے جب دونوں اکٹھے چاہیں گے تو خاوند مکمل علت نہ ہوا۔ پس وہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہو گا۔ جب خاوند کی مشیئت متاخر ہو تو معاملہ مختلف ہو گا۔ کیونکہ اس وقت اس کی علت مکمل ہو جاتی ہے یعنی تعلیق خاوند کے فعل پر ہو گی۔ پس اس میں یہ کافی ہو گا کہ شرط صرف حالت مرض میں ہو۔ پہلی دونوں صورتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اجنبی کے فعل پر تعلیق میں سے ہیں۔ پس تعلیق اور شرط میں سے ہر ایک حالت مرض میں ہونی چاہیں جب کہ فرض یہ ہے کہ تعلیق حالت صحت میں ہے۔

14151۔ (قولہ: وَعَلَى مُضِيِّ الْعِدَّةِ) اس کی قید لگائی تا کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ظاہر ہو۔ کیونکہ دونوں نے اس کے اقرار اور اس کی وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ عدت کے ختم ہونے کے ساتھ تہمت ختم ہو جاتی ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر دونوں نے حالت صحت میں تین طلاقوں پر ایک دوسرے کی تصدیق کی اور عدت کے ختم ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق نہ کی تو بالاتفاق عورت کے لیے اقل ہو گا'' ح''۔

14152۔ (قولہ: فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْهُ وَمِنَ الْمِيرَاثِ) من دونوں جگہ اقل کے لیے بیان ہے۔ واؤ، او کے معنی میں ہے۔ اور اقل کا صلہ محذوف ہے۔ تقدیر اس کی یہ ہے من الآخر۔ معنی ہے عورت کے لیے وہ ہو گا جس کی اس کے حق میں

لِلتُّهْمَةِ وَتَعْتَدُّ مِنْ وَقْتِ إِقْرَارِهِ بِهِ يُفْتَى

کیونکہ تہمت پائی جارہی ہے۔عورت خاوند کے اقرار کے وقت سے عدت شمار کرے گی اسی پر فتویٰ ہے۔

وصیت کی گئی جو میراث سے کم ہے یا اس کے لیے میراث ہوگی جو وصیت کیے گئے مال سے کم ہے۔ یہ جائز نہیں کہ واؤ جمع کے لیے ہو کیونکہ اس وقت معنی ہوگا اس عورت کے لیے میراث اور وصیت کیا گیا مال ہوگا جو دونوں اقل ہیں جب کہ یہ فاسد ہے جس طرح یہ جائز نہیں کہ دونوں جگہ وہ اقل کا صلہ ہو خواہ واؤ جمع کے لیے ہو یا او کے معنی میں ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں معنی یہ بنتا ہے اس کے لیے دونوں میں سے ہر ایک سے اقل ہوگا اور دوسری صورت میں دونوں میں سے ایک سے اقل ہوگا۔ دونوں فاسد ہیں''ح''۔ کیونکہ اقل ایسی شے ہوگی جو میراث اور موصی بہ سے خارج ہوگی۔ جب کہ مراد دونوں میں سے اقل ہے جب کہ وہ دوسرے سے اقل ہے۔

14153۔(قولہ: لِلتُّهْمَةِ) یعنی میاں بیوی نے فرقت اور عدت کے ختم ہونے پر اتفاق کیا ہے اس کی تہمت موجود ہے تاکہ خاوند عورت کو میراث سے زائد دے سکے یہ تہمت صرف زیادتی میں ہوتی ہے۔ پس ہم نے اسے رد کر دیا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما اقرار اور وصیت کے جواز کا قول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ عورت عدت نہ ہونے کی وجہ سے اجنبیہ بن چکی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس مرد کی اس عورت کے حق میں عدت قبول ہوگی۔ اور خاوند اس عورت کو زکوٰۃ دے سکے گی اور عورت کسی اور مرد سے شادی کر سکے گی۔ جواب یہ ہے کہ عموماً زکوٰۃ، شہادت اور شادی کرنے کے حق میں موافقت نہیں کی جاتی۔ پس کوئی تہمت نہیں۔''الہدایہ'' وغیرہما سے ملخص ہے۔

14154۔(قولہ: وَتَعْتَدُّ مِنْ وَقْتِ إِقْرَارِهِ)''الہدایہ'' اور''الخانیہ'' کے باب العدۃ میں یہی ذکر کیا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے اور اس وقت ابھی جو احکام مذکور ہیں ان سے کوئی چیز ثابت نہ ہوگی۔ اور خاوند اس عورت کی بہن اور اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح نہیں کر سکے گا۔ یہ اس کے برعکس ہے جس کی علما نے یہاں تصریح کی ہے۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو''غایۃ السروجی'' میں ہے: تحکیم الحال ہونی چاہیے۔ اگر دونوں میں خصومت جاری ہو اور عورت مرد کی مرض میں اس کی خدمت چھوڑ دے تو یہ اتفاق نہ کرنے کی دلیل ہے۔ پس کوئی تہمت نہیں ورنہ تہمت کی وجہ سے صحیح نہ ہوگا۔''بحر''، ملخص۔ اور''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ علما نے جو یہاں مرد کی عورت کے حق میں شہادت کو ثابت کیا ہے اور اس جیسے دوسرے احکام کو ثابت کیا ہے تو یہ تقاضا کرتے ہیں کہ عدت کی ابتدا طلاق کے وقت کی طرف منسوب ہوگی۔ اور علما نے عدت کے باب میں اقرار کے وقت سے جو اس کی تصحیح کی ہے وہ تصحیح ان احکام کی نفی کا تقاضا کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی خفا نہیں کہ عدت طلاق کے وقت سے واجب ہوتی ہے۔ جب دونوں میاں بیوی نے عدت کے گزرنے کا اقرار کیا تو اس معاملہ میں ان کی تصدیق کی جائے گی جس میں تہمت نہ ہو۔ اسی وجہ سے علما نے تصریح کی ہے کہ عورت کے لیے نفقہ اور سکنی واجب نہیں ہوگا اس پر عمل کرنے کی وجہ سے کہ عورت نے مرد کی تصدیق کی ہے۔ شہادت اور اس

وَلَوْ مَاتَ بَعْدَ مُضِيِّهَا فَلَهَا جَمِيعُ مَا أَقَرَّ أَوْ أَوْصَى عِمَادِيَّةٌ؛

اگر اقرار کے وقت سے عدت گزرنے کے بعد خاوند فوت ہوا تو خاوند نے جو اقرار کیا یا وصیت کی سب عورت کا ہوگا''عمادیہ''۔

جیسے احکام جو گزر چکے ہیں ان میں کوئی تہمت نہیں۔ کیونکہ عادۃً ان میں کوئی موافقت نہیں ہوتی جس طرح گزر چکا ہے۔ وصیت کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وہ میراث سے زائد ہو تو امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے حق میں ان دونوں کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور یہ مقدر کیا ہے کہ عدت ختم نہیں ہوگی تاکہ زیادتی کو باطل کیا جائے۔ کیونکہ یہ تہمت کا موقع ہے۔ مراد باقی احکام میں عدت کا ختم ہونا نہیں بلکہ یہ صرف تہمت کے موقع پر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قول کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہوگا اور اقرار کے وقت سے اعتبار کا قول اپنے عموم پر نہیں۔ اسی وجہ سے فتح القدیر میں باب العدۃ میں کہا: متاخرین کا فتویٰ کہ اقرار کے وقت سے عدت واجب ہوگی۔ یہ ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ اور تابعین کے خلاف ہے۔ اور کیونکہ یہ مخالفت تہمت کی وجہ سے ہے تو چاہیے کہ ان کے محل کو تلاش کیا جائے اور لوگ ہی اس کا محل ظن ہیں۔ اسی وجہ سے امام ''سغدی'' نے امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی جو کلام''مبسوط'' میں ہے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ عدت کی ابتدا طلاق کے وقت سے ہو گی جب دونوں اس وقت میں اختلاف کرنے والے ہوں جس کی طرف خاوند نے طلاق کو منسوب کیا ہے۔ مگر جب دونوں متفق ہوں تو دونوں کے کلام میں کذب ظاہر ہے۔ پس اسناد میں ان دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی۔''البحر'' میں وہاں کہا: یہی تطبیق ہے یعنی متقدمین اور متاخرین کے کلام میں تطبیق ہے۔

اس سے''سروجی'' کے قول کی صحت ظاہر ہو جاتی ہے کہ تحکیم الحال چاہیے۔ لیکن انہوں نے جو کہا ہے کہ خصومت اور ترک خدمت عدم اتفاق کی دلیل ہے''الفتح'' میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ مرد کا عورت کے حق میں میراث سے زیادہ وصیت کرنا اس میں ظاہر ہے کہ وہ خصومت ایک حیلہ تھی وہ اپنی حقیقت پر نہ تھی۔

ہاں امام''سغدی'' نے جو فرق کیا ہے وہ موافقت نہ کرنے میں ظاہر ہے تاکہ مرد کی عورت کے حق میں وصیت، اس کی بہن سے شادی اور اس عورت کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح صحیح ہو جائے۔ اللہ سبحانہ اعلم۔

تنبیہ: جان لو کہ عورت جو لے گی اسے میراث کے ساتھ مشابہت ہے۔ اگر تقسیم سے پہلے ترکہ میں سے کوئی شے ہلاک ہو گئی تو یہ کل مال پر واقع ہوگی۔ اگر عورت نے دراہم لینے کا مطالبہ کیا جب کہ ترکہ سامان تجارت ہے تو عورت کو یہ حق حاصل نہیں اور اسے دین کے ساتھ بھی مشابہت ہے یہاں تک کہ ورثاء کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے ترکہ کے علاوہ سے دے دیں۔ یہ عورت کے گمان کو بنیاد بنائے ہوئے ہیں کہ وہ گمان رکھتی تھی کہ جو وہ لے رہی ہے وہ دین ہے جس طرح فتح القدیر،''البحر'' وغیرہ میں بیان کیا ہے۔

14155_(قولہ: بَعْدَ مُضِيِّهَا) یعنی اقرار کے وقت سے عدت کے گزرنے۔

14156_(قولہ: فَلَهَا جَمِيعُ مَا أَقَرَّ أَوْ أَوْصَى) کیونکہ وہ اجنبیہ ہوگئی پس تہمت ختم ہوگئی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ عورت جو مال لے گی اس کی میراث کے ساتھ اصلاً مشابہت نہ ہوگی۔ جو بھی (مقولہ 14153 میں) گزرا ہے وہ اس میں

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ بِمَرَضِ مَوْتِهِ صَحَّ إِقْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ، وَلَوْ كَذَّبَتْهُ لَمْ يَصِحَّ إِقْرَارُهُ شَرْحُ الْمَجْمَعِ وَفِي الْفُصُولِ ادَّعَتْ عَلَيْهِ مَرِيضًا أَنَّهُ أَبَانَهَا فَجَحَدَ وَحَلَّفَهُ الْقَاضِي فَحَلَفَ ثُمَّ صَدَّقَتْهُ وَمَاتَ تَرِثُهُ لَوْ صَدَّقَتْهُ قَبْلَ مَوْتِهِ لَا لَوْ بَعْدَهُ

اگر خاوند مرض موت میں نہ ہوتو اس کا اقرار اور وصیت صحیح ہوگی۔ اگر عورت اس کو جھٹلا دے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا ''شرح المجمع''۔ ''الفصول'' میں ہے: اگر عورت نے مرد پر دعویٰ کیا جب کہ وہ مریض تھا کہ خاوند نے اسے طلاق بائنہ دی قاضی نے اس سے قسم لی تو خاوند نے قسم اٹھا دی پھر عورت نے مرد کی تصدیق کر دی اور خاوند مر گیا تو عورت وارث ہوگی اگر عورت نے مرد کی موت سے پہلے اس کی تصدیق کی۔ اگر موت کے بعد مرد کی تصدیق کی تو وارث نہ بنے گی۔

واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ عدت گزرنے سے پہلے عورت کو میراث سے زائد مال نہیں دیا جائے گا کیونکہ تہمت پائی جارہی ہے۔ پس عورت جو لے گی وہ وارثوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وراثت ہوگی اور عورت کے گمان کے اعتبار سے وصیت ہوگی۔ اس میں دونوں مشابہتیں معتبر ہوں گی۔ عدت کے گزرنے کے بعد تہمت باقی نہ رہی۔ اسی وجہ سے عورت مستحق ہوگی جس چیز کا خاوند نے اقرار کیا یا وصیت کی۔ تو اس کا دین یا وصیت ہونا خالص ہو گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس نے یہاں ''النہر'' کی عبارت کی پیروی میں دونوں مشابہتیں ذکر کی ہیں وہ حقیقت تک نہیں پہنچا۔ فافہم

14157۔(قولہ: وَلَوْ لَمْ يَكُنْ بِمَرَضِ مَوْتِهِ) یہاں با، فی کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر باہم تصدیق خاوند کی مرض موت میں نہ ہو اس طرح کہ خاوند صحیح ہو گیا یا وہ اصلاً مریض نہ تھا پھر وہ عورت کی عدت میں مر گیا تو مرد کا اقرار اور اس کی وصیت صحیح ہوگی کیونکہ تہمت موجود نہیں۔

14158۔(قولہ: وَلَوْ كَذَّبَتْهُ) یہ مصنف کے قول تصادقا سے احتراز ہے ''ط''۔

14159۔(قولہ: لَمْ يَصِحَّ إِقْرَارُهُ) اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی وصیت صحیح ہوگی۔ یہ اس کے گمان، وہ اس مرد کی بیوی ہے، پر معاملہ کیا جائے گا۔ جب کہ وہ عورت اس مرد کی وارث ہوگی اور وارث کے حق میں وصیت اور اقرار نہیں ہوتا ''ط''۔ چاہیے یہ تھا کہ قید لگائی جاتی کہ جب خاوند اقرار کے وقت سے عدت کے گزرنے سے قبل اپنی مرض میں مر جائے۔ کیونکہ جب مرد نے عورت کی تین طلاقوں کا اقرار کیا تو اس کے عمل پر اقرار کرتے ہوئے عورت خاوند سے جدا ہو جائے گی اگرچہ عورت اس کو جھٹلا دے اور خاوند فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ جب وہ اپنی مرض سے صحت یاب ہو گیا پھر عدت میں مر گیا یا صحت یاب نہ ہوا اور عدت کے بعد مر گیا تو عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ پس مرد کی عورت کے لیے وصیت اور اس کے حق میں مال کا اقرار صحیح ہوگا۔ عورت کا سابقہ طلاق میں مرد کو جھٹلانا یہ اس وقت واقع ہونے والی طلاق پر رضا نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہے۔

14160۔(قولہ: لَا لَوْ بَعْدَهُ) میں کہتا ہوں: یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ طلاق بائنہ حالت صحت میں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا دعویٰ اپنے ضمن میں عورت کے اعتراف کو لیے ہوئے ہے کہ وہ اس کی وارث نہیں۔ کیونکہ

(كَمَنْ طُلِّقَتْ ثَلَاثًا بِأَمْرِهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ أَوْصَى لَهَا أَوْ أَقَرَّ) فَإِنَّ لَهَا الْأَقَلَّ (قَالَ صَحِيحٌ لِامْرَأَتَيْهِ إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ ثُمَّ بَيَّنَ) الطَّلَاقَ (فِي مَرَضِهِ) الَّذِي مَاتَ فِيهِ (فِي إِحْدَاهُمَا صَارَ فَارًّا بِالْبَيَانِ فَتَرِثُ مِنْهُ) كَافِي،

جس طرح وہ عورت جس کو اس کے کہنے پر اس کی مرض میں تین طلاقیں دی گئیں پھر مرد نے عورت کے حق میں وصیت کی یا اقرار کیا تو عورت کے لیے اقل ہوگا۔ ایک صحت مند آدمی نے اپنی دو بیویوں سے کہا: تم دونوں میں سے ایک کو طلاق ہے پھر اپنی اس مرض میں طلاق کو واضح کیا جس میں وہ مر گیا تھا۔ ان دونوں میں سے ایک میں بیان کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا ہو گا۔ پس عورت اس کی وارث ہوگی، ''کافی''۔

خاوند فرار اختیار کرنے والا نہیں۔ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ جدائی اس مرض میں ہوئی جس میں خاوند مرا تھا تو پھر ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ عورت نے مرد پر ایسی طلاق کا دعویٰ کیا جس کے ساتھ وہ مرد کی وارث بنے گی۔ مگر جب عورت نے گمان کیا کہ وہ خاوند سے جدا ہو چکی ہے تو عورت پر اس کی مفارقت واجب ہوگی۔ جب عورت نے مرد پر اس واجب کا دعویٰ کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت اپنی طلاق پر راضی ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ پس ضروری ہوگا کہ عورت اس کی وارث بنے خواہ عورت اپنے دعویٰ پر اقرار کرے یا خاوند کی عدت سے پہلے اس کی تصدیق کرے یا اس کے بعد اس کی تصدیق کرے جس طرح خاوند عورت کے حق میں اس کا اقرار کرے جس کا عورت نے اس پر دعویٰ کیا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس سے تعرض کیا ہو گویا علما اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس سے خاموش رہے۔ فافہم

14161۔ (قولہ: كَمَنْ طُلِّقَتْ) پہلے مسئلہ کے حکم کو اس مسئلہ کے مشابہ بنا دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح تجھے علم ہے۔

14162۔ (قولہ: بِأَمْرِهَا) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی: برضاھا تا کہ یہ عورت کے اختیار کو بھی شامل ہو جاتی جب وہ تفویض کے معاملہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی۔ ''حموی'' نے اسے برجندی سے بیان کیا ہے،''ط''۔

14163۔ (قولہ: فَإِنَّ لَهَا الْأَقَلَّ) یعنی مرد کے اقرار، وصیت اور وراثت میں سے جو کم ہو وہ عورت کے لیے ہوگا۔ یہ وجہ شبہ کی تصریح ہے جو تشبیہ کاف سے سمجھی جا رہی ہے۔

14164۔ (قولہ: قَالَ صَحِيحٌ) اس کی قید لگائی تا کہ اس کا فرار بیان کے ساتھ ہو مگر جب وہ مریض ہو تو وہ اس قول کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ نفس بیان سے فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ فافہم

14165۔ (قولہ: إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ) تم دونوں میں سے ایک کو تین طلاقیں ہیں جس طرح ''الفتح'' کی عبارت ''الکافی'' سے لی گئی ہے۔ وہی مراد ہے۔ کیونکہ کلام اس میں ہے جس میں خاوند فرار اختیار کرنے والا بنتا ہے۔ طلاق رجعی میں کوئی فرار نہیں۔

14166۔ (قولہ: فَتَرِثُ مِنْهُ) کیونکہ خاوند نے طلاق کی وضاحت کی جب کہ عورت کا حق مرد کے مال میں ثابت ہو

وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ حَلَفَ صَحِيحًا وَحَنِثَ مَرِيضًا فَبَيَّنَهُ فِي إِحْدَاهُمَا صَارَ فَارًّا وَلَمْ أَرَهُ نَهْرٌ (وَلَا يُشْتَرَطُ عِلْمُهُ) أَيُ الزَّوْجِ (بِأَهْلِيَّتِهَا) أَيِ الْمَرْأَةِ لِلْمِيرَاثِ (فَلَوْ طَلَّقَهَا بَائِنًا فِي مَرَضِهِ وَقَدْ كَانَ سَيِّدُهَا أَعْتَقَهَا قَبْلَهُ)

اس کا مفاد یہ ہے: اگر وہ حالت صحت میں قسم اٹھائے اور مرض کی حالت میں حانث ہو تو اس نے ایک میں اسے واضح کیا تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ''نہر''۔ خاوند کے لیے عورت کی اس اہلیت کا علم شرط نہیں کہ وہ وارث بنے گی اگر مرد نے اپنی مرض میں عورت کو طلاق بائنہ دے دی جب کہ اس عورت کے آقا نے اس سے قبل اسے آزاد کر دیا تھا۔

چکا تھا۔ پس مرد کا قصد اس پر رد کر دیا جائے گا جس طرح اگر وہ نئے سرے سے طلاق واقع کرے۔ پس اس بیان کو وراثت کے حق میں انشا بنایا جائے گا۔ کیونکہ تہمت پائی جارہی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک مرد سے پہلے فوت ہوگئی پھر خاوند فوت ہوا تو دوسری متعین ہوگی اور وارث نہ بنے گی۔ کیونکہ وہ بیان حکمی ہے پس مرد سے عورت منتفی ہوگی۔ اس کی مکمل وضاحت ''الفتح'' میں ہے۔

طلاق مبہم میں بیان

میں کہتا ہوں: جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اس بیان کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا ہے وہ اس قول کی تائید کرتا ہے کہ طلاق مبہم میں بیان، یہ اس طلاق کو واقع کرنا ہے جو طلاق معنیٰ بیان کی شرط کے ساتھ معلق تھی۔ یعنی بیان کے وقت طلاق کے وقوع میں حال کا سبب بنے گا۔ پس بیان کے وقت سابقہ کلام سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر اس قول کہ یہ فی الحال ایک عورت جو غیر معین ہے پر طلاق کا ایقاع ہے اور اس کا بیان اس کی تعیین ہے جس پر طلاق واقع ہوگی۔ پس چاہیے کہ وہ فرار اختیار کرنے والا نہ بنے کیونکہ طلاق کا وقوع حالت صحت میں ہوا ہے۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔ اس پر مکمل کلام اس میں مفصل طور پر موجود ہے۔

14167۔ (قولہ: لَوْ حَلَفَ صَحِيحًا) جیسے طلاق کو غیر کے فعل پر معلق کرے جیسے کہے: اگر زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو تم دونوں میں سے ایک کو تین طلاق۔ اگر اس نے طلاقوں کو اپنے فعل پر معلق کیا تو اپنی مرض میں اسی فعل کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا ہوگا، نفس بیان سے فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ فافہم

14168۔ (قولہ: صَارَ فَارًّا) اس کی وجہ تیرے لیے اس قول سے ظاہر ہو جائے گی جو ہم نے ابھی (مقولہ 14144 میں) ''البدائع'' سے ذکر کیا ہے۔

14169۔ (قولہ: وَلَا يُشْتَرَطُ عِلْمُهُ) حاصل یہ ہے کہ زوجہ کی میراث کے لیے اہلیت، خاوند کے فار (فرار اختیار کرنے والا) ہونے کے لیے شرط ہے جب بیوی لونڈی یا کتابیہ ہو۔ خاوند نے اپنی مرض میں اسے طلاق بائنہ دے دی تو عورت وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت میراث کی اہل ہی نہ تھی۔ مگر جب اسے آزاد کر دیا گیا یا عورت مسلمان ہوگئی جب کہ خاوند کو اس کا علم نہ تھا تو خاوند نے اپنی مرض میں اسے طلاق بائنہ دے دی تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہو جائے گا اور عورت اس کی وارث ہوگی۔ کیونکہ جدائی کے وقت شرط متحقق ہو چکی تھی۔

أَوْ كَانَتْ كِتَابِيَّةً فَأَسْلَمَتْ (وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ كَانَ فَارًّا) فَتَرِثُهُ ظَهِيرِيَّةٌ، بِخِلَافِ مَا لَوْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنْتِ حُرَّةٌ غَدًا وَقَالَ الزَّوْجُ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بَعْدَ غَدٍ (وَإِنْ عَلِمَ بِكَلَامِ الْمَوْلَى كَانَ فَارًّا وَإِلَّا) يَعْلَمُ (لَا) تَرِثُ خَانِيَّةٌ

یا وہ کتابیہ تھی تو وہ اسلام لے آئی اور خاوند کو اس کا علم نہ ہو تو خاوند فرار اختیار کرنے والا ہوگا اور عورت اس کی وارث ہوگی ''ظہیریہ''۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر آقا نے اپنی لونڈی سے کہا: تو کل آزاد ہے اور خاوند نے کہا: تجھے کل کے بعد تین طلاقیں ہیں۔ اگر تو خاوند کو آقا کی کلام کا علم ہو تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا اگر علم نہ ہو تو وارث نہ ہوگی۔ ''خانیہ''۔

14170۔ (قولہ: بَعْدَ غَدٍ) مگر جب مرد نے بھی عورت سے یہ کہا: انت طالق غدا تو طلاق اور عتاق اکٹھے واقع ہو جائیں گے اور عورت کے لیے کوئی میراث نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے کہا: جب تجھے آزاد کیا جائے تو تجھے تین طلاقیں تو مرد فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ ''ظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ معلق، معلق علیہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ پس طلاق کے وقوع سے پہلے فرار کی شرط متحقق ہو جائے گی۔ ماقبل مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ جو دو امور غد (کل) کی طرف منسوب تھے وہ دونوں اکٹھے واقع ہوں گے۔

14171۔ (قولہ: إِلَّا يَعْلَمُ لَا تَرِثُ) کیونکہ تعلیق کے وقت اس نے عورت کے حق کو باطل کرنے کا قصد نہیں کیا۔ کیونکہ اسے علم ہی نہ تھا اگرچہ طلاق کے وقوع سے پہلے وہ اہل ہو چکی ہے اور تعلیق کے وقت وہ آزاد نہ تھی۔ کیونکہ عورت کی آزادی وقت کی طرف مضاف ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب تعلیق کے وقت عورت آزاد ہو اور مرد کو اس کا علم نہ ہو۔ کیونکہ وہ امر حکمی ہے پس اس کا علم شرط نہیں۔ ''البحر'' میں معاملہ اسی طرح ہے۔ یہ کہنا زیادہ ظاہر ہے: لانہ امر ثابت کیونکہ یہ امر ثابت ہے تامل۔

تنبیہ

مصنف کے قول کان فارا کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں ورنہ وہ طلاق رجعی ہوگی۔ کیونکہ وہ آزاد ہو گئی ہے اور طلاق رجعی میں فرار نہیں ہوتا۔ فافہم

''باب التعلیق'' میں الفاظ شرط سے تھوڑا پہلے جو گزرا ہے: انہ لو قال لزوجتہ الامۃ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا فعتقت فدخلت لہ رجعتھا اشکال پیدا کرتا ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ یہاں دو طلاقیں ہو جائیں گی اور وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ بعض علما کے قول سے اخذ کرتے ہوئے جواب دیا ہے جو علما نے اضافت اور تعلیق میں فرق کیا ہے کہ مضاف، حال کا سبب بن جاتا ہے۔ معلق کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ اگر خاوند نے کہا: انت حر غدا تو کل آزاد ہے تو آقا اس کو بیچنے کا مالک نہیں ہوگا۔ جب اس نے کہا تھا: اذا جاء غد جب کل آئے تو آج اس کو بیچنے کا مالک ہوگا جس طرح ''الاشباہ والنظائر'' کے طلاق کے باب میں ہے۔ ہمارے مسئلہ میں جب آقا نے اپنی لونڈی سے کہا: انت حرۃ غدا تو یہ قول حال کا سبب بن جائے گا۔ جب خاوند نے کہا: انت طالق ثلاثا بعد غد تجھے کل کے بعد تین طلاقیں ہیں تو یہ قول طلاق کا سبب بنے گا جب حریت کا سبب متحقق ہو جائے گا۔ اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ تعلیق کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ تعلیق کے وقت وہ دو طلاقوں سے زیادہ کا مالک نہیں تھا اس وقت حریت کا سبب متحقق نہیں ہوا۔ پس جتنی طلاقوں کا مالک ہے اس سے زیادہ واقع نہ ہوں گی۔ میرے لیے جو کچھ ظاہر ہوا یہ اس کی انتہا ہے۔ فتاملہ

وَلَوْ عَلَّقَهُ بِعِتْقِهَا أَوْ بِمَرَضِهِ أَوْ وَكَّلَهُ بِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ فَأَوْقَعَهُ حَالَ مَرَضِهِ قَادِرًا عَلَى عَزْلِهِ كَانَ فَارًّا (وَلَوْ بَاشَرَتْ) الْمَرْأَةُ (سَبَبَ الْفُرْقَةِ وَهِيَ) أَيْ وَالْحَالُ أَنَّهَا (مَرِيضَةٌ وَمَاتَتْ قَبْلَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَرِثَهَا) الزَّوْجُ

اگر مرد نے طلاق بائن کو بیوی کی آزادی پر معلق کیا یا اپنی مرض پر معلق کیا یا خاوند نے کسی کو طلاق دینے کا وکیل بنایا جب کہ صحت مند تھا اس اجنبی وکیل نے خاوند کی مرض میں اسے طلاق دی جب کہ خاوند اسے معزول کرنے پر قادر تھا تو خاوند فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ اگر عورت نے فرقت کے سبب کو اپنایا جب کہ عورت مریض تھی اور عورت عدت ختم ہونے سے پہلے مر گئی تو خاوند اس کا وارث ہوگا

14172۔ (قولہ: وَلَوْ عَلَّقَهُ) یعنی طلاق بائنہ کو بیوی کی آزادی پر معلق کیا جب کہ تعلیق اور شرط حالت مرض میں تھے۔ کیونکہ یہ اجنبی کے فعل پر تعلیق تھی، ''ط''۔

14173۔ (قولہ: أَوْ بِمَرَضِهِ) جس طرح اس کا قول: ان مرضت فانت طالق ثلاثا اگر میں مریض ہوا تو تجھے تین طلاقیں ہیں تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس نے قسم توڑنے کی شرط مطلقاً مرض کو بنایا ہے۔ مرض مطلق سے مراد ہے جس میں آدمی صاحب فراش ہو جائے جس میں غالباً موت واقع ہو۔ پس وہ مرض موت ہوگی۔ ''الولوالجیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں اس کی تصحیح ''الخانیہ'' سے نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا ہے اگر وہ اس سے قبل مریض ہو جائے پھر وہ اس سے صحت مند ہو جائے تو اسے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مرض کو مطلق یعنی کامل پر محمول کیا ہے وہ وہ مرض ہوتی ہے جس کے ساتھ موت متصل ہو۔ مراد وہ نہیں جس پر مرض کو بولا جائے۔ بلکہ اس سے مراد مرض مطلق یعنی کامل مرض ہے۔ دونوں میں فرق واضح ہے جیسے ماء مطلق و مطلق ماء میں فرق ہے۔ فافہم

14174۔ (قولہ: أَوْ وَكَّلَهُ بِهِ) ''البدائع'' میں کہا: علما نے اس آدمی کے بارے میں کہا: جس نے اپنی بیوی کی طلاق کو حالت صحت میں اجنبی کے سپرد کر دیا اور اجنبی نے مرض میں اسے طلاق دی۔ اگر تفویض طلاق اس طریقہ پر ہو کہ خاوند اسے معزول کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو اس طرح کہ خاوند نے اجنبی کو طلاق کا مالک بنا دیا تھا تو عورت وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ جب مرض کے بعد اسے فسخ کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو تو حالت مرض میں ایقاع طلاق، صحت میں ایقاع کی طرح ہے۔ اس کے لیے معزول کرنا ممکن تھا۔ اور اس نے معزول نہ کیا تو وہ اس طرح ہو گیا جس طرح مرض میں اس نے نئے سرے سے وکیل بنایا۔ پس عورت اس کی وارث بنے گی۔

14175۔ (قولہ: وَلَوْ بَاشَرَتْ) اب اس بحث میں شروع ہو رہے ہیں جن میں عورت فرار اختیار کرنے والی ہوتی ہے جب کہ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مرد فرار اختیار کرتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف باب کے شروع میں اس قول کے ساتھ اشارہ کیا تھا وقد یکون الفرار منہا۔

14176۔ (قولہ: وَرِثَهَا الزَّوْجُ) کیونکہ جس طرح عورت کا حق مرد کے مال میں مرد کی مرض موت میں متعلق ہوتا

(كَمَا إِذَا وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ) بَيْنَهُمَا (بِاخْتِيَارِهَا نَفْسَهَا فِي خِيَارِ الْبُلُوغِ وَالْعِتْقِ أَوْ بِتَقْبِيلِهَا) أَوْ مُطَاوَعَتِهَا (ابْنَ زَوْجِهَا) وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِأَنَّهَا مِنْ قِبَلِهَا وَلِذَا لَمْ يَكُنْ طَلَاقًا (بِخِلَافِ وُقُوعِ الْفُرْقَةِ) بَيْنَهُمَا (بِالْجَبِّ وَالْعُنَّةِ وَاللِّعَانِ) فَإِنَّهُ لَا يَرِثُهَا (عَلَى) مَا فِي الْخَانِيَّةِ وَالْفَتْحِ عَنِ الْجَامِعِ وَجَزَمَ بِهِ فِي الْكَافِي قَالَ فِي الْبَحْرِ فَكَانَ هُوَ (الْمَذْهَبَ)

جس طرح دونوں میں فرقت واقع ہوئی اس طرح کہ عورت نے خیار عتق اور خیار بلوغ میں اپنے آپ کو اختیار کیا یا عورت نے اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا یا اسے اپنے اوپر قدرت دے دی جب کہ وہ مریضہ تھی۔ کیونکہ یہ فرقت عورت کی جانب سے ہوئی ہے اس لیے یہ طلاق نہیں۔ دونوں میں آلہ تناسل کے کٹا ہونے، عنین ہونے اور لعان کی وجہ سے فرقت واقع ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ بے شک خاوند اس کا وارث نہیں ہوگا اس قول کی بنا پر جو ''خانیہ'' اور ''فتح'' میں جامع سے منقول ہے۔ ''کافی'' میں اسے جزم ویقین سے ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہی مذہب ہے

ہے اسی طرح عورت کی مرض موت میں مرد کا حق عورت کے مال میں متعلق ہو جاتا ہے، ''بحر''۔

14177۔ (قولہ: أَوْ مُطَاوَعَتِهَا ابْنَ زَوْجِهَا) یہ اس سے احتراز ہے اگر خاوند عورت کو مجبور کرے۔ کیونکہ خاوند عورت کا وارث نہیں ہوتا جب عورت فرقت کے سبب کو نہیں اپناتی۔ بدرجہ اولیٰ اس کی مثل ہوگا اگر خاوند نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ اس کی بیوی کو مجبور کرے۔ اگر مرد مریض ہو اور وہ اپنے بیٹے کو حکم دے کہ اس کی بیوی کو مجبور کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مرد فرار اختیار کرنے والا ہوگا اور عورت اس کی وارث بنے گی۔ اگر خاوند بیٹے کو حکم نہ دے تو پھر ایسا نہیں ہوگا جس طرح پہلے (مقولہ 14098 میں) گزر چکا ہے۔

14178۔ (قولہ: وَهِيَ مَرِيضَةٌ) یہ مذکورہ فروع کے لیے قید ہے۔ اس کی تصریح کی تا کہ مذکورہ اصل کے تحت ان کا اندراج صحیح ہو وہ یہ قول ہے: ولو باشرت المرأۃ۔ پس کوئی تکرار نہیں۔ فاہم

14179۔ (قولہ: لِأَنَّهَا) یعنی اسباب مذکورہ کی وجہ سے فرقت۔ اسی کی مثل عورت کا مرتد ہونا ہے جس طرح آگے آئے گا۔

14180۔ (قولہ: وَلِذَا) کیونکہ یہ فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوئی ہے۔ یہ طلاق نہ ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگی۔ کیونکہ عورت طلاق دینے کی اہل نہیں۔

14181۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا يَرِثُهَا) یعنی عورت اس کی وارث نہ ہوگی جس طرح مصنف کے قول: و اختلعت منہ او اختارت نفسها کے ہاں گزرا ہے یعنی جب یہ اس کی مرض میں ہو، ''ط''۔ لیکن لعان کی صورت میں وہ عورت مرد کی وارث ہو گی۔ جس طرح پہلے گزرا ہے کیونکہ لعان کی ابتدا مرد کی جانب سے ہوتی ہے۔

لِأَنَّهَا طَلَاقٌ فَكَانَتْ مُضَافَةً إِلَيْهِ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الزَّيْلَعِيُّ (هُوَ كَالْأَوَّلِ) فَيَرِثُهَا

کیونکہ یہ طلاق ہے۔ پس وہ مرد کی طرف منسوب ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے قائل ''زیلعی'' ہیں یہ بھی پہلے کی طرح ہے۔ پس خاوند عورت کا وارث ہوگا۔

اگر زوجین میں آلۂ تناسل کے کٹا ہوا ہونے عنین ہونے اور لعان کی وجہ سے فرقت ہو تو اس کا حکم

14182۔ (قولہ: لِأَنَّهَا طَلَاقٌ) پس مرد کی جانب سے اس کے ایقاع کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس عورت فرار اختیار کرنے والی نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ جہاں تک لعان کا تعلق ہے تو یہ اس لیے تا کہ عورت اپنے آپ سے عار کو دور کرے۔ جہاں تک مقطوع الذکر ہونے یا عنین ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کیونکہ نکاح سے جو پاک دامنی مطلوب ہوتی ہے وہ ان عوارض میں اس نکاح سے حاصل نہیں ہوتی۔ پس یہ اس تعلیق کی طرح صورتحال ہوگئی جس میں عورت کے ایسے فعل پر طلاق کو معلق کیا جاتا ہے جس کے بغیر عورت کے لیے چارۂ کار نہیں ہوتا۔ جب عورت خاوند کی مرض میں طلاق کا مطالبہ کرے اور خاوند اسے طلاق دے دے تو معاملہ مختلف ہے۔ تو کیونکہ عورت ضرورت کے بغیر اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے۔ پس عورت خاوند کی وارث نہ ہوگی اگرچہ طلاق خاوند کی جانب سے واقع کی جارہی ہے۔ فافہم

ہاں عورت کا مرد کا وارث نہ بننا جب عورت خاوند کی مرض میں مقطوع الذکر ہونے اور عنین ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کو اختیار کرے کیونکہ وارث نہ ہونے کی علت عورت کا طلاق پر راضی ہونا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ پس یہ اضطرار کے دعویٰ کے منافی ہے۔ جواب یہ ہے: یہ اضطرار حقیقی نہیں۔ پس کوئی منافات نہیں۔ اگر عورت کا اضطرار حقیقیۃً تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت مرد کی وارث بنے۔ کیونکہ عورت کا مرد کا وارث بننا یہ متحقق نہیں ہوتا مگر جب مرد کا فرار ثابت ہو۔ اور فرار ثابت نہیں کیونکہ خاوند نے اسے اس پر مجبور نہیں کیا۔ پس وہ عورت اس عورت کی طرح ہے جس کے ساتھ خاوند کے بیٹے نے مجبور کرتے ہوئے اس کے ساتھ وطی کی ہو۔ عورت اس کی وارث نہ بنے گی مگر جب خاوند نے بیٹے کو اس کا حکم دیا ہو جس طرح پہلے (مقولہ 14098 میں) گزر چکا ہے۔ عورت کے مجبور ہونے سے خاوند کا فرار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ مرد نے عورت پر کوئی جنایت نہیں کی۔ یہاں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عورت کا اضطرار عورت کے فرار کی نفی میں عذر ہے کیونکہ وہ عورت کی جانب سے ہوتا ہے پس وہ اس میں موثر ہوگا۔ مرد کے فرار کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ فرار مرد کی جانب سے ہے۔ پس عورت کا مجبور ہونا اس میں موثر نہیں ہوگا جس طرح مکرَہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ مرد کا غیر کو قتل کرنے میں مجبور ہونا یہ اس کے فعل میں موثر ہے یعنی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا غیر کے فعل میں موثر نہیں ہوگا اور غیر وہ ہے جس نے اسے مجبور کیا۔ ہمارے قول کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جو ''الفتح'' میں ہے: اگر مرد کی مرض میں فرقت مقطوع الذکر ہونے، عنین ہونے، خیار بلوغ اور خیار عتق کی وجہ سے حاصل ہو تو عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت مبطل پر راضی ہے اگرچہ وہ مجبور تھی۔ کیونکہ اضطرار کا سبب مرد کی جہت سے نہیں۔ پس وہ فرقت میں جنایت کرنے والا نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے اس محل میں ظاہر ہوا ہے۔ فتامّلہ

(وَلَوْ ارْتَدَّتْ ثُمَّ مَاتَتْ أَوْ لَحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَإِنْ كَانَتْ الرِّدَّةُ فِي الْمَرَضِ وَرِثَهَا زَوْجُهَا) اسْتِحْسَانًا (وَإِلَّا) بِأَنْ ارْتَدَّتْ فِي الصِّحَّةِ (لَا يَرِثُهَا بِخِلَافِ رِدَّتِهِ فَإِنَّهَا فِي مَعْنَى مَرَضِ مَوْتِهِ فَتَرِثُهُ مُطْلَقًا وَلَوْ ارْتَدَّا مَعًا، فَإِنْ أَسْلَمَتْ هِيَ وَرِثَتْهُ وَإِلَّا لَا خَانِيَّةٌ (قَالَ آخِرُ امْرَأَةٍ أَتَزَوَّجُهَا طَالِقٌ ثَلَاثًا فَنَكَحَ امْرَأَةً ثُمَّ أُخْرَى ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ) طَلُقَتْ الْأُخْرَى (عِنْدَ التَّزَوُّجِ) وَ(لَا يَصِيرُ فَارًّا)

اگر عورت مرتد ہوگئی پھر وہ مرگئی یا دارالحرب چلی گئی اگر ردت مرض میں ہوئی تو خاوند اس کا استحسانا وارث ہوگا۔ ورنہ یعنی اگر وہ حالت صحت میں مرتد ہوئی تو خاوند اس عورت کا وارث نہیں ہوگا۔ مرد کی ردت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ خاوند کی ردت اس کی مرض موت کے معنی میں ہے پس مطلقاً اس کی وارث ہوگی۔ اگر میاں بیوی دونوں اکٹھے مرتد ہو جائیں اگر عورت مسلمان ہوگئی تو مرد کی وارث بنے گی ورنہ وارث نہ ہوگی، ''خانیہ''۔ خاوند نے کہا: آخری عورت جس سے میں شادی کروں اسے تین طلاقیں اس نے ایک عورت سے شادی کی پھر دوسری سے شادی کی پھر خاوند مر گیا تو دوسری عورت کو نکاح کے وقت سے طلاق ہو جائے گی اور خاوند فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔

14183۔ (قولہ: ثُمَّ مَاتَتْ أَوْ لَحِقَتْ) یعنی عدت کے ختم ہونے سے پہلے، ''ط''۔

14184۔ (قولہ: وَرِثَهَا) کیونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ عورت کا ارادہ فرار کا تھا۔

14185۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ خاوند اس کا وارث نہ بنے کیونکہ مسلمان اور کافر میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

14186۔ (قولہ: لَا يَرِثُهَا) کیونکہ عورت نفس ردت کے ساتھ جدا ہوگئی قبل اس کے کہ وہ ہلاکت پر جھانکتی وہ ارتداد کے ساتھ ہلاکت پر جھانکنے والی نہیں۔ کیونکہ عورت کو ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔

14187۔ (قولہ: بِخِلَافِ رِدَّتِهِ) مرد کے مرتد ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ اس پر قائم رہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ''ط''

14188۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ ارتداد حالت صحت میں واقع ہو یا حالت مرض میں واقع ہو، ''ط''۔

14189۔ (قولہ: وَلَوْ ارْتَدَّا مَعًا) ''البحر'' میں کہا: اگر دونوں اکٹھے مرتد ہوئے پھر دونوں میں سے ایک مسلمان ہوا پھر دونوں میں سے ایک مر گیا اگر مسلمان فوت ہوا تو مرتد وارث نہیں ہوگا۔ اگر مرتد فوت ہوا وہ خاوند تھا تو مسلمان عورت اس کی وارث بنے گی۔ اگر مرتدہ ہوگئی اگر عورت کی ردت مرض میں ہوئی تو مسلمان خاوند اس کا وارث ہوگا۔ اگر ارتداد حالت صحت میں ہوئی تو عورت اس کی وارث نہ بنے گی۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔

14190۔ (قولہ: طَلُقَتْ الْأُخْرَى) شارح نے ''الدرر'' کی پیروی میں اضافہ کیا تاکہ متن کی عبارت کی اصلاح کریں۔ کیونکہ مصنف کا قول عند التنزوج، شارح کے قول طَلُقَتْ کے متعلق ہے۔ اور متن میں جو ہے وہ مات کے متعلق ہے

خِلَافًا لَهُمَا لِأَنَّ الْمَوْتَ مُعَرِّفٌ وَاتِّصَافُهُ بِالْآخِرِيَّةِ مِنْ وَقْتِ الشَّرْطِ فَيَثْبُتُ مُسْتَنِدًا دُرَرٌ (فُرُوعٌ) أَبَانَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ قَالَ لَهَا إِذَا تَزَوَّجْتُك فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَمَاتَ فِي مَرَضِهِ لَمْ تَرِثْ لِأَنَّهَا فِي عِدَّةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ،

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے کیونکہ مدت پہچان کرانے والی ہے۔ اور آخریت کے ساتھ اتصاف شرط کے وقت سے ہوگا پس وہ اس تزوج کی طرف استناد کے طور پر ثابت ہوگی۔ ''درر''۔ فروع: خاوند نے عورت کو اپنی مرض میں طلاق بائنہ دی پھر خاوند نے عورت سے کہا جب میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے تین طلاقیں خاوند نے عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا اور اپنی مرض میں مرگیا عورت وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نئی عدت میں تھی

اور معنی اس کے مطابق نہیں۔ اور مصنف کے قول ولا یصیر فارا میں واؤ شرح سے ہے تاکہ طلقت پر اس کا عطف ہو۔ جب وہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہوگا تو عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو عورت کے لیے مہر اور نصف ہوگا۔ مہر شبہ کی وجہ سے دخول کی بنا پر اور نصف دخول سے پہلے طلاق کی بنا پر۔ اس کی عدت حیض کی صورت میں ہوگی مگر وہ سوگ نہیں منائے گی ''زیلعی''۔ باب الیمین بالطلاق والعتاق۔

14191۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک طلاق ان کی موت کے وقت واقع ہوگی۔ کیونکہ یہی وقت ہے جس میں آخریت متحقق ہوئی۔ پس مرد فرار اختیار کرنے والا ہے۔ پس عورت اس کی وارث ہوگی جب کہ عورت کے لیے ایک مہر ہوگا اور عورت طلاق اور عتاق کی عدتوں میں سے لمبی عدت گزارے گی۔ اگر طلاق رجعی ہو تو عورت پر وفات اور سوگ کی عدت ہوگی۔ ''زیلعی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

14192۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَوْتَ مُعَرِّفٌ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی علت ہے یعنی موت کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری عورت ہے۔

14193۔ (قولہ: وَاتِّصَافُهُ) ضمیر سے مراد تزوج ہے من وقت الشرط شرط سے مراد تزوج ہے، ''ط''۔

14194۔ (قولہ: فَيَثْبُتُ مُسْتَنِدًا) یعنی تزوج کے وقت کی طرف منسوب ہوتے ہوئے طلاق ثابت ہوگی جس طرح ایک آدمی طلاق کو اس کے حیض پر معلق کرتا ہے تو صرف خون دیکھنے سے حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ احتمال موجود ہے کہ وہ (تین دن سے پہلے) ختم ہو جائے۔ جب خون تین دن لگاتار جاری رہا تو یہ ظاہر ہوگیا کہ طلاق پہلے دن سے واقع ہوگی ''زیلعی''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر وہ تزوج کے وقت مریض تھا تو وہ فرار اختیار کرنے والا ہوگا پس عورت اس کی وارث بنے گی۔

14195۔ (قولہ: لَمْ تَرِثْ) اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کی پہلی عدت نکاح کرنے کے ساتھ باطل ہوگئی۔ اور خاوند کی مرض میں عورت کے لیے جو وراثت ثابت تھی وہ باطل ہوگئی۔ کیونکہ عورت وارث ہوگی جب تک وہ عدت میں ہوگی۔ جب کہ عدت زائل ہو چکی ہے اور دوسری طلاق کی وجہ سے اس پر ایک نئی عدت واجب ہو چکی ہے جس طرح عدت کے باب میں آئے گا۔ جس نے وطی سے قبل اپنی معتدہ کو طلاق دی اس پر نئی عدت واجب ہوگی۔ اور ممکن نہیں کہ دوسری طلاق کے بعد

وَقَدْ حَصَلَ التَّزَوُّجُ بِفِعْلِهَا فَلَمْ يَكُنْ فِرَارًا خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ خَانِيَّةٌ كَذَّبَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ فِي الطَّلَاقِ فِي مَرَضِهِ فَالْقَوْلُ لَهَا كَقَوْلِهَا طَلَّقَنِي وَهُوَ نَائِمٌ وَقَالُوا فِي الْيَقَظَةِ وَلْوَالِجِيَّةٌ طَلَّقَهَا فِي الْمَرَضِ وَمَاتَ بَعْدَ الْعِدَّةِ فَالْمُشْكِلُ مِنْ مَتَاعِ الْبَيْتِ لِوَارِثِ الزَّوْجِ لِصَيْرُورَتِهَا أَجْنَبِيَّةً بِخِلَافِهِ فِي الْعِدَّةِ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

تزوج عورت کے فعل سے ہوا پس یہ فرار نہ ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''خانیہ''۔ وارثوں نے خاوند کی موت کے بعد خاوند کی مرض میں طلاق دینے کے بارے عورت کو جھٹلایا۔ قول عورت کا معتبر ہوگا جس طرح عورت کہے: خاوند نے مجھے طلاق دی جب کہ وہ سویا ہوا تھا۔ اور ورثاء نے کہا: بیداری کی حالت میں دی ''ولوالجیہ''۔ خاوند نے عورت کو حالت مرض میں طلاق دی اور عورت عدت کے بعد مرگئی تو گھر کے اسباب میں سے مشکل خاوند کے ورثاء کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ عورت اجنبیہ ہو چکی ہے عدت میں ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ''جامع الفصولین''۔

وارث بنے۔ کیونکہ طلاق کے وقوع کی شرط تزوج ہے جو دونوں کے فعل کے ساتھ حاصل ہوا۔ پس عورت تین طلاقوں کے ساتھ راضی ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ وارث ہوگی۔ کیونکہ اس پر صرف پہلی عدت کو مکمل کرنا لازم ہے۔ پس پہلی طلاق کے ساتھ فرار کا حکم باقی ہے کیونکہ عدت باقی ہے، ''رحمتی''۔

14196۔ (قولہ: كَذَّبَهَا الْوَرَثَةُ) اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ مرد نے اپنی مرض موت میں اسے طلاق بائنہ دی جب کہ خاوند فوت ہو گیا جب کہ عورت عدت میں تھی وارثوں نے کہا: بلکہ وہ طلاق حالت صحت میں تھی تو قول عورت کا اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ کیونکہ عورت وراثت کے سقوط کا انکار کرتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی طلاق کا اقرار کر رہی ہے جو میراث کو ساقط نہیں کرتی۔

14197۔ (قولہ: فَالْمُشْكِلُ مِنْ مَتَاعِ الْبَيْتِ) یہ ایسا سامان ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے مناسب ہو۔ مگر وہ سامان جو ایک کے لیے موزوں ہو تو تمام سامان میں قول اسی کا معتبر ہوگا سامان جس کے مناسب ہوگا۔ اس مسئلہ میں تفصیل انشاء اللہ کتاب الدعویٰ کے باب التحالف میں (مقولہ 27821 میں) آئے گی۔

14198۔ (قولہ: لِصَيْرُورَتِهَا أَجْنَبِيَّةً) اس عورت کا قبضہ نہیں رہا بلکہ قبضہ وارثوں کا ہو گیا ہے اور قول قبضہ والے کا ہوگا۔

14199۔ (قولہ: بِخِلَافِهِ فِي الْعِدَّةِ) یعنی عورت کی عدت میں خاوند فوت ہو جائے تو معاملہ مختلف ہو جائے گا۔ اس وقت مشکل اسباب امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کے ہوں گے۔ کیونکہ عورت وارث ہوگی پس وہ اجنبیہ نہ ہوگی۔ گویا خاوند طلاق سے قبل فوت ہوا۔ ''جامع الفصولین''۔ واللہ سبحانہ اعلم

بَابُ الرَّجْعَةِ

بِالْفَتْحِ وَتُكْسَرُ يَتَعَدَّى وَلَا يَتَعَدَّى (هِيَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ الْقَائِمِ)

طلاق کے بعد رجوع کے احکام

رجعت کا لفظ را کے فتحہ کے ساتھ ہے اور را کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے کبھی یہ فعل متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا اس سے مراد قائم ملک کو دوام بخشنا ہے۔

طلاق کے بعد اس کا ذکر کیا کیونکہ طبعاً یہ طلاق سے متاخر ہوتی ہے اسی طرح وضعاً بھی متاخر ہے، ''نہر''۔

لفظ رجعت کی لغوی تحقیق

14200۔(قولہ: بِالْفَتْحِ وَتُكْسَرُ) ''النہر'' میں کہا: جمہور علما کی رائے ہے کہ اس لفظ میں را پر فتحہ کسرہ سے زیادہ فصیح ہے۔ ''ازہری'' نے کسرہ کے اکثر قول ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ اور ''مکی'' نے ''ابن درید'' کی تبع میں فقہا پر کسرہ کا انکار کرتے ہوئے اختلاف کیا ہے۔

14201۔(قولہ: يَتَعَدَّى وَلَا يَتَعَدَّى) یعنی اس کا فعل متعدی بنفسہ اور لازم استعمال ہوتا ہے۔ پس وہ الی کے ساتھ متعدی ہوگا۔ ''الفتح'' میں کہا: کہا جاتا ہے: رجع الی اھلہ و رجعتہ الیھم یعنی وہ اپنے اہل کی طرف لوٹا اور میں نے اسے ان کی طرف لوٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ (التوبۃ:83) اس کے مصدر میں یہ بھی کہا جاتا ہے: رجعا، رجوعا، مرجعا، رِجعۃ، رِجعی۔ را کے کسرہ کے ساتھ۔ بعض اوقات علما نے کہا: الی اللہ رُجعانك۔

رجعت کی شرعی تعریف

14202۔(قولہ: هِيَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ) اسے رد کی بجائے استدامت کے ساتھ تعبیر کیا رد جو رجعت کا معنی ہے۔ کیونکہ رد سے جو فوری طور پر معنی ذہن میں آتا ہے وہ زوال کے بعد ہے۔ پس یہ ان کے قول القائم کے منافی ہوگا۔ یہاں اس سے مراد باقی رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرہ:228) ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے۔ ''الفتح'' میں کہا: رد حقیقت میں زوال ملک کے سبب کے انعقاد کے بعد صادق آتا ہے اگرچہ ابھی زوال نہ ہوا ہو یہ کہا جاتا ہے: رد البائع المبیع فی بیع الخیار للبائع وہ خیار جو بائع کو حاصل تھا اس میں بائع نے مبیع کو لوٹا دیا۔

اس رد سے مراد موجود ملکیت کو قائم رکھنا ہے یعنی اسے دوام بخشنا اور اسے روکنا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (البقرہ:234) اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو۔ یعنی مدت کے پورا ہونے کے قریب پہنچ جائے فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (البقرہ:231) یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ۔ ''النہر'' میں کہا: امساک سے مراد قائم ملکیت کو دوام بخشنا ہے زائل کا

بِلَا عِوَضٍ مَا دَامَتْ (فِي الْعِدَّةِ) أَيْ عِدَّةِ الدُّخُولِ حَقِيقَةً إِذْ لَا رَجْعَةَ فِي عِدَّةِ الْخَلْوَةِ ابْنُ كَمَالٍ، وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ ادَّعَى الْوَطْءَ بَعْدَ الدُّخُولِ وَأَنْكَرَتْ فَلَهُ الرَّجْعَةُ

عوض کے بغیر جب تک عدت میں ہو یعنی جب حقیقت میں دخول کیا گیا ہو اس کی عدت ہو کیونکہ جب خلوت کی عدت ہو تو پھر کوئی رجوع نہیں ''ابن کمال''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: خاوند نے خلوت کے بعد دخول کا دعویٰ کیا اور عورت نے وطی کا انکار کیا تو مرد کو رجوع کا حق ہوگا

اعادہ نہیں۔ اسی وجہ سے اس عورت سے ایلا، ظہار اور لعان کرنا صحیح ہے۔ اس کا قول: زوجاتی طوالق اسے شامل ہوگا۔ اس میں گواہ شرط نہیں اور عوض مالی واجب نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر مرد نے اس سے رجوع کیا تو اس کا لزوم عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا اور اسے عورت کے مہر میں زیادتی بنادیا جاتا۔ ''ابوبکر'' نے کہا: زیادتی نہیں ہوتی پس واجب نہ ہوگی۔ اگر خاوند نے اس لونڈی بیوی سے رجوع کیا جس لونڈی کے ساتھ عقد نکاح اس نے آزاد بیوی کو طلاق دینے کے بعد کیا تھا تو یہ رجوع صحیح ہوگا۔

14203۔ (قولہ: بِلَا عِوَضٍ) یعنی عوض کی شرط کے بغیر۔ مراد اس کے شرط لگانے کی نفی ہے اس کے وجود کی نفی نہیں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے۔ اسے ذکر کیا تاکہ قیام ملک کے دعویٰ کو مؤکد کرے کیونکہ اگر ملکیت زائل ہو چکی ہوتی تو عورت کے مرد کی طرف لوٹانے میں عوض شرط ہوتا۔

خاوند کے لیے رجوع کا حق دخول حقیقی کی عدت میں ہے خلوت صحیحہ کی عدت میں نہیں

14204۔ (قولہ: أَيْ عِدَّةِ الدُّخُولِ حَقِيقَةً) یعنی دخول سے مراد وطی ہے، ''ح''۔

14205۔ (قولہ: إِذْ لَا رَجْعَةَ فِي عِدَّةِ الْخَلْوَةِ) اگرچہ خلوت کے ساتھ شہوت کے ساتھ چھونا یا دیکھنا ہو اگرچہ دیکھنا فرج داخل کی طرف ہو۔ ''ح''۔ اس کی وجہ یہ ہے وطی کے بعد عدت کے مشروع ہونے میں اصل یہ ہے کہ رحم کی براءت کو پہچانا جائے تاکہ نسب کے اختلاط سے تحفظ ہو اور وطی کے بغیر خلوت کے بعد بطور احتیاط واجب ہوتی ہے اور یہ کوئی احتیاط نہیں کہ خلوت میں رجعت کو صحیح قرار دیا جائے، ''رحمتی''۔

14206۔ (قولہ: ابْنُ كَمَالٍ) آپ نے دخول کے بعد عدت میں کہا: یہ قید ضروری ہے کیونکہ عدت خلوت صحیحہ کے ساتھ دخول کے بغیر واجب ہوتی ہے اور اس میں رجعت صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: باب المہر میں بھی پہلے (مقولہ 12019 میں) گزر چکا ہے کہ خلوت صحیحہ رجعت میں وطی کی طرح نہیں۔ جب یہ حکم خلوت صحیحہ میں ہے تو خلوت فاسدہ میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

14207۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) بہتر تھا کہ اسے ساقط کر دیا جاتا کیونکہ یہ متن اور شرح میں آئے گا۔ اور ان کا قول: بعد الدخول اس سے مراد خلوت کے بعد ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اسے اس کے ساتھ تعبیر کرتے جس طرح اسے اس قول میں تعبیر کیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

لَا فِي عَكْسِهِ وَتَصِحُّ مَعَ إِكْرَاهٍ وَهَزْلٍ وَلَعِبٍ وَخَطَإٍ (بِنَحْوِ) مُتَعَلِّقٌ بِاسْتِدَامَةُ (رَجَعْتُكِ) وَرَدَدْتُكِ وَمَسَكْتُكِ بِلَا نِيَّةٍ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ

اس کے برعکس نہیں اور رجعت اکراہ کے ساتھ صحیح ہے۔ہنسی مذاق، کھیل کود اور خطا سے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ بنحو یہ استدامة کے متعلق ہے جیسے الفاظ راجعتك، رددتك و مسكتك۔ نیت نہ کی ہو تب بھی یہ رجوع صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ الفاظ صریح ہیں۔

رجعت اکراہ، ہنسی مذاق، کھیل کود اور خطا سے بھی صحیح ہے

14208۔(قولہ: وَتَصِحُّ مَعَ إِكْرَاهٍ)''البحر'' میں کہا: اس کے احکام میں سے ہے کہ اس کی مستقبل میں وقت کی طرف اضافت صحیح نہیں۔اور نہ ہی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جس طرح جب کہا: اذا جاء غد فقد راجعتُكِ جب کل آئے گا تو میں تجھ سے رجوع کرلوں گا یا ان دخلتِ الدار فقد راجعتُكِ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔رجوع اکراہ، ہنسی مذاق، کھیل کود اور خطا سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔''البدائع'' میں اسی طرح ہے''ط''۔''القنیہ'' میں ہے: اگر فضولی کی مراجعت کو جائز قرار دیا تو یہ صحیح ہوگا،''بحر''۔

14209۔(قولہ: وَهَزْلٍ وَلَعِبٍ)''قاموس'' میں هزل کی تفسیر جد کی ضد کے ساتھ کی ہے۔''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

14210۔(قولہ: وَخَطَإٍ) جیسے اس نے ارادہ کیا کہ کہے: اسقنی الماء تو اس نے کہہ دیا: راجعت زوجتی۔

وہ کلمات جن سے رجوع ثابت ہوتا ہے

14211۔(قولہ: بِنَحْوِ رَجَعْتُكِ) اولی یہ تھا کہ یہ قول کرتے: بالقول نحو: راجعتك تاکہ آنے والے قول وبالفعل کو اس پر عطف کرتے''ط''۔ یہ رجعت کے رکن کا بیان ہے اس کا رکن قول یا فعل ہے۔ پہلے کی دو قسمیں ہیں (۱) صریح جس طرح مثال دی گئی۔اس سے نکاح اور تزویج ہے جس طرح آگے (مقولہ 14222 میں) آئے گا اس سے شروع کیا کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں اور (۲) کنایہ۔ جیسے انت عندی کما کنت تو میرے ہاں وہی حیثیت رکھتی ہے جس طرح تو تھی۔ انتِ امرأتی تو میری بیوی ہے۔اس وقت نیت کے بغیر وہ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔''البحر'' اور''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

14212۔(قولہ: رَجَعْتُكِ) جب عورت سے خطاب کرے اس حالت میں یہ کہے۔اسی کی مثل راجعت امرأتی ہے یہ اس وقت ہے جب عورت غائب ہو۔اور نیز جب وہ حاضر ہو تب بھی یہی حکم ہے۔اسی سے ارتجعتك و رجعتك ہے،''فتح''۔

14213۔(قولہ: وَرَدَدْتُكِ وَمَسَكْتُكِ)''الفتح'' میں کہا:''المحیط'' میں ہے: مسكتك یہ امسكتُكِ کے قائم مقام ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں بعض مواقع پر رددتك میں صلہ کا ذکر شرط ہے۔ وہ کہے گا: الی، الی نکاحی، الی عصمتی۔ یہ بہت اچھا ہے کیونکہ اس کا مطلق قبول کی ضد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(وَ) بِالْفِعْلِ مَعَ الْكَرَاهَةِ (بِكُلِّ مَا يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ) كَمَسٍّ

اور فعل سے بھی رجوع ثابت ہوجاتا ہے جب کہ اس میں کراہت ہے۔ یعنی ایسے فعل سے جو حرمت مصاہرت کو واجب کرتا ہے جیسے چھونا۔

رجوع بالفعل مکروہ تنزیہی ہے

14214۔ (قولہ: بِالْفِعْلِ) یہ نہ صریح میں سے ہے اور نہ ہی کنایہ میں سے ہے۔ کیونکہ صریح اور کنایہ لفظ کے عوارض میں سے ہے فافہم۔ ہاں ان کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ فعل صریح کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ مجنون سے بھی رجوع ثابت ہوجاتا ہے جس طرح آگے (مقولہ 14220 میں) آئے گا۔

14215۔ (قولہ: مَعَ الْكَرَاهَةِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے جس طرح ''البحر'' کا کلام اس قول: والطلاق الرجعی لا یحرم الوطی، ''رملی'' کی شرح میں اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''الفتح'' میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ وطی حرام ہے پر کلام کرتے ہوئے: انه عندنا یحل لقیام ملك النكاح من كل وجه و انما یزول عند انقضاء العدة فیكون الحل قائما قبل انقضاء ھا (ہمارے نزدیک یہ حلال ہے کیونکہ نکاح کی ملکیت ہر اعتبار سے قائم ہے یہ ملکت عدت کے ختم ہونے پر زائل ہوگی پس عدت کے ختم سے پہلے حلت قائم رہے گی) کا جو قول کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔
اس کے ہوتے ہوئے سفر کی حرمت کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے جس طرح آگے (مقولہ 14304 میں) آئے گا۔ ''الفتح'' میں جو قول ہے: والمستحب ان یراجعها بالقول اس کی تائید کرتا ہے۔ فافہم

ہر ایسا عمل جو حرمت مصاہرت کا باعث ہو سے رجوع ثابت ہوتا ہے

14216۔ (قولہ: بِكُلِّ مَا يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ) یہ الفعل سے بدل ہے جس طرح کل سے بدل بعض ہوتا ہے۔ کیونکہ افعال میں سے کچھ افعال ایسے ہیں جو حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتے جس طرح نکاح کرنا اور دبر میں وطی کرنا۔ اسی وجہ سے مصنف نے دونوں کو اپنے قول بکل پر معطوف کیا ہے۔ مراد ان کا حصر نہیں جو حرمت مصاہرت کو ثابت کرتے ہیں۔ فافہم۔ اس عطف کا اعتبار کیا جائے تو یہ صحیح ہوگا کہ اسے مجمل سے بدل مفصل بنایا جائے۔

14217۔ (قولہ: كَمَسٍّ) یعنی شہوت کے ساتھ چھوئے جس طرح ''المنح'' میں ہے۔ مصنف کا قول: لما یوجب حرمة المصاهرة اس کا فائدہ دیتا ہے ''ح''۔ ''البحر'' میں کہا: وطی اور شہوت کے ساتھ بوسہ اس میں داخل ہوں گے بوسہ منہ پر ہو، رخسار پر ہو، ٹھوڑی پر ہو، پیشانی پر ہو یا سر پر ہو، پردہ کے بغیر چھونا ہو یا پردہ کے ساتھ ہو۔ اس کے ساتھ حرارت پائے جب کہ شہوت ہو اور شہوت کے ساتھ فرج کے داخل کی طرف دیکھنا ہو اس طرح کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ جب یہ افعال شہوت کے بغیر ہوں یا داخل فرج کے علاوہ کی طرف دیکھنا ہو جب کہ شہوت کے ساتھ ہو اگرچہ دبر کے حلقہ کی طرف ہو۔ اس وقت وہ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ لیکن یہ عمل مکروہ ہے جس طرح ''الولوالجیہ'' میں ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: اگر وہ رجوع کا

وَلَوْ مِنْهَا اخْتِلَاسًا، أَوْ نَائِمًا، أَوْ مُكْرَهًا أَوْ مَجْنُونًا، أَوْ مَعْتُوهًا إِنْ صَدَّقَهَا هُوَ أَوْ وَرَثَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ جَوْهَرَةٌ وَرَجْعَةُ الْمَجْنُونِ بِالْفِعْلِ بَزَّازِيَّةٌ

اگر چہ یہ چھونا عورت کی جانب سے بطور جھپٹا کے ہو یا خاوند سو یا ہوا ہو یا اسے مجبور کیا گیا ہو یا مجنون ہو یا معتوہ ہو اگر خاوند خود اس کی تصدیق کرے یا خاوند کے فوت ہونے کے بعد اس کے وارث اس کی تصدیق کریں ''جوہرہ''۔ اور مجنون کا رجوع فعل سے ہوتا ہے۔ ''بزازیہ''۔

ارادہ نہ رکھتا ہو تب بھی اس کی نظر شرمگاہ پر شہوت کے ساتھ پڑ جائے تو وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔

''المحیط'' میں ہے: شہوت کے بغیر بوسہ لینا اور چھونا مکروہ ہے جب وہ رجوع کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

14218۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْهَا اخْتِلَاسًا) خَلَسْتُ الشئی خلسا یہ ضَرَبْتُ کے باب سے ہے میں نے اسے تیزی کے ساتھ غفلت کی حالت میں جھپٹ لیا۔ اختلستہ بھی اسی طرح ہے ''مصباح''۔ ''البحر'' میں کہا: بوسہ لینا، چھونا اور دیکھنا جب شہوت کے ساتھ ہو جو مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی جانب سے ہو اس شرط کے ساتھ کہ خاوند اس عورت کی تصدیق کرے۔ خواہ مرد نے اسے قدرت دی ہو یا عورت نے جھپٹے سے ایسا کیا ہو یا خاوند سو یا ہوا ہو، اسے مجبور کیا گیا ہو یا وہ معتوہ ہو۔ مگر جب عورت نے اس کا دعویٰ کیا اور خاوند نے انکار کیا ہو تو رجوع ثابت نہیں ہوگا۔

14219۔ (قولہ: إِنْ صَدَّقَهَا) ''الفتح'' میں کہا: یہ اس صورت میں ہے جب خاوند نے عورت کی شہوت میں تصدیق کی۔ اگر خاوند نے انکار کیا تو رجوع ثابت نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر خاوند فوت ہو گیا اور وارثوں نے عورت کی تصدیق کی شہوت پر گواہوں کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شہوت امر غائب ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: محرمات النکاح میں متن اور شرح میں گزر چکا ہے اگر عورت نے شہوت کا دعویٰ کیا جب اس نے اس کا بوسہ لیا یا عورت نے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا جب کہ مرد نے اس کا انکار کیا تو مرد کی تصدیق کی جائے گی عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ مگر جب مرد اس کی طرف اٹھا جب کہ اس کا آلہ منتشر تھا پھر وہ عورت سے معانقہ کرے۔ کیونکہ مرد کے جھوٹ کا قرینہ موجود ہے یا مرد عورت کے پستان کو پکڑ لے یا اس پر سوار ہو جائے یا مرد اس کی شرمگاہ کو چھوئے یا مرد عورت کے منہ پر بوسہ لے۔ اس کا مقتضا ہے اگر عورت مرد کی شرمگاہ کو چھوئے یا عورت اس کے منہ پر بوسہ لے تو عورت کی تصدیق کی جائے گی اگر چہ مرد عورت کو جھٹلائے۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ شہوت پر گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جسے آثار سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس کی مفصل بحث (مقولہ 14224 میں) آئے گی۔ فتامل

مجنون کا رجوع فعل کے ساتھ ہوتا ہے قول کے ساتھ نہیں

14220۔ (قولہ: وَرَجْعَةُ الْمَجْنُونِ بِالْفِعْلِ) یعنی جب مرد نے طلاق رجعی دی پھر اسے جنون لاحق ہو گیا۔ ''الفتح'' میں کہا: مجنون کا رجوع فعل کے ساتھ ہوتا ہے قول کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے برعکس سے

(وَ) تَصِحُّ (بِتَزَوُّجِهَا فِي الْعِدَّةِ) بِهِ يُفْتَى جَوْهَرَةٌ (وَ وَطْئِهَا فِي الدُّبُرِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ) لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ مَسٍّ بِشَهْوَةٍ (إِنْ لَمْ يُطَلِّقْ بَائِنًا)

عدت میں اس عورت سے عقد نکاح کر لے تو رجعت صحیح ہو جاتی ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''جوہرہ''۔ اور قابل اعتماد قول کے مطابق دبر میں وطی سے بھی رجوع ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وطی شہوت کے ساتھ چھونے سے خالی نہیں ہوتی اگر خاوند نے طلاق بائنہ نہ دی ہو۔

رجوع ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں سے رجوع ہو جاتا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے قول کو ترجیح دی جائے۔ ''بزازی'' میں اس پر اقتصار کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: شاید یہ قول راجح ہے۔ کیونکہ یہ معروف ہے کہ مجنون کا مواخذہ اس کے افعال پر ہوتا ہے اس کے اقوال پر نہیں ہوتا۔ ''الصیرفیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ رضا شرط نہیں۔ اس وجہ سے اگر اسے فعل کے ساتھ رجوع پر مجبور کیا جائے تو یہ رجوع صحیح ہوگا۔

14221۔ (قولہ: وَ تَصِحُّ بِتَزَوُّجِهَا) اولیٰ یہ تھا کہ تصح کو حذف کیا جاتا۔ کیونکہ مصنف کا قول ویتزوجھا ان کے قول بکل پر معطوف ہے جو ان کے قول استدامۃ کے متعلق ہے۔

14222۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''البحر'' میں کہا: یہ ظاہر الروایہ ہے۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے، یہی مختار ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں اسی طرح ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''الینابیع'' میں بھی اسی طرح ہے۔ شارحین کا قول: انه ليس برجعة عنده خلافا لمحمد یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ نکاح رجعت سے مجاز ہے اور رجعت نکاح کے لیے مستعار نہیں۔ ملخص

میں کہتا ہوں: اس میں ہے انہوں نے خود نکاح میں اس کی تصریح کی ہے کہ جب خاوند اپنی اس بیوی سے کہے جس کو طلاق بائنہ دی ہو، راجعتك بكذا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے فافہم۔ مگر یہ جواب دیا جائے کہ ان کی مراد اجنبیہ سے نکاح کی ہے۔

14223۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) کیونکہ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ہے۔

14224۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ مَسٍّ بِشَهْوَةٍ) کیونکہ یہاں معتبر شہوت کے ساتھ مس کرنا ہے۔ مصاہرت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں اس پر اس شہوت کی زیادتی کا اعتبار کیا جاتا ہے جو بچے کا سبب ہو۔ اسی وجہ سے ایسی وطی جو دبر میں ہو حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتی جس طرح اگر چھونے سے انزال ہو جائے۔ اسی وجہ سے یہاں کسی نے بھی چھونے وغیرہ کے ساتھ انزال نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی۔

رجوع کی شرائط

14225۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يُطَلِّقْ بَائِنًا) یہ رجعت کی شرط کا بیان ہے اس کی پانچ شرطیں ہیں جنہیں تامل سے جانا جاتا ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

فَإِنْ أَبَانَهَا فَلَا (وَإِنْ أَبَتْ)، أَوْ قَالَ أَبْطَلْتُ رَجْعَتِي، أَوْ لَا رَجْعَةَ لِي
اگر مرد نے عورت کو طلاق بائنہ دی تو کوئی رجوع نہیں۔ اگر عورت انکار کردے یا مرد نے کہا: میں نے رجعت کو باطل کر دیا یا میرے لیے کوئی رجوع نہیں

میں کہتا ہوں: وہ یہ ہیں کہ طلاقیں آزاد میں تین اور لونڈی میں دو نہ ہوں اور نہ ایسی ایک جو عوض مالی کے ساتھ مقترن ہو اور نہ ہی ایسی صفت کے ساتھ مقترن ہو جو بینونت کا معنی دے جیسے طویلۃ، شدیدۃ، نہ ہی اسے تشبیہ دی گئی ہو جیسے طلقۃ مثل الجبل نہ کنایہ ہو جس کے ساتھ طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ شرط ایک ہے وہ طلاق رجعی ہو۔ یہ اس کے طلاق رجعی ہونے کی شروط ہیں۔ جب ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو وہ طلاق بائنہ ہوگی جس طرح ہم نے اسے کتاب الطلاق کے شروع میں واضح کر دیا ہے۔ مصنف اپنے قول ان لم یطلق بائنا کے ساتھ اس سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ یہ ''کنز'' کے قول: ان لم یطلق ثلاثا سے اولیٰ ہے۔ لیکن ''خیر رملی'' نے کہا: اس قول: استدامۃ الملك القائم فی العدۃ اس قول کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ طلاق بائن میں من کل الوجوہ ملکیت نہیں ہوتی اور گفتگو طلاق رجعی میں ہے طلاق بائن میں نہیں۔ اکثر علما اس محل سے غافل رہے ہیں۔

لیکن اس میں کوئی خفا نہیں کہ عبارت میں مسابلت وضاحت کی زیادتی کے لیے ہے افادہ کے مقام میں اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

تنبیہ

لونڈی میں دو طلاقوں کا، آزاد میں تین طلاقوں کی طرح ہونے کی شرط اس لیے ہے تاکہ لونڈی کی غلامی دو طلاقوں کے بعد اس کے اقرار سے ثابت نہ ہو۔ ''النہر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: اگر لقیط عورت ہو جس نے کسی امر کے لیے لونڈی ہونے کا اقرار کیا جب کہ خاوند نے اسے دو طلاقیں دے دی تھیں تو خاوند کو رجوع کا حق ہوگا۔ اگر اس نے اقرار ایک طلاق کے بعد کیا ہو تو وہ رجعت کا مالک نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں عورت اقرار کے ساتھ وہ اس حق کو باطل کرتی ہے جو مرد کے لیے ثابت ہوتا ہے وہ رجعت ہے۔ دوسری صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مرد کے لیے کسی صورت میں حق ثابت نہیں۔

14226۔ (قولہ: فَلَا) یعنی اس کے لیے رجعت نہیں۔

14227۔ (قولہ: وَإِنْ أَبَتْ) خواہ عورت رجعت کے علم کے بعد راضی ہو یا اس نے انکار کر دیا ہو۔ اسی طرح اگر اسے رجعت کا اصلاً علم ہی نہ ہو۔ ''العنایہ'' میں جو کچھ ہے کہ غائب عورت کو رجعت کے بارے آگاہ کرنا شرط ہے تو یہ سہو ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کو رجعت کے بارے آگاہ کرنا صرف مستحب ہے، ''نہر''۔

14228۔ (قولہ: أَوْ قَالَ) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں قالت ہے فعل کے آخر میں تائے تانیث ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تحریف ہے۔

فَلَهُ الرَّجْعَةُ بِلَا عِوَضٍ، وَلَوْ سَمَّى هَلْ يُجْعَلُ زِيَادَةً فِي الْمَهْرِ؟ قَوْلَانِ وَيَتَعَجَّلُ الْمُؤَجَّلُ بِالرَّجْعِيِّ وَلَا يَتَأَجَّلُ بِرَجْعَتِهَا خُلَاصَةٌ وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ لَا يَكُونُ حَالًّا حَتَّى تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ

تو خاوند کو عوض کے بغیر رجوع کا حق ہوگا۔ اگر وہ عوض کا ذکر کرے کیا اسے مہر میں زیادتی بنا دیا جائے گا۔ اس میں دو قول ہیں جو مہر مؤجل تھا وہ طلاق رجعی کے ساتھ معجّل ہو جائے گا اگر اس عورت سے رجوع کر لیتا ہے تو مہر موخر نہیں ہوگا ''خلاصہ''۔ ''صیرفیہ'' میں ہے: وہ مہر فوری طور پر ادا کرنا لازم نہیں ہوگا یہاں تک عدت ختم ہو جائے۔

14229۔(قولہ: فَلَهُ الرَّجْعَةُ) کیونکہ یہ ایسا حکم ہے جسے شارح نے عورت کی رضا کے ساتھ مقید کیے بغیر ثابت کیا ہے۔ یہ ساقط کرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا جس طرح میراث ہوتی ہے۔ شارح نے مصنف کی کلام میں جو ان وصلیہ ہے اسے شرطیہ بنا دیا ہے اور اپنے قول فلہ الرجعۃ کو اس کا جواب بنایا ہے ''ط''۔ اسے وصلیہ باقی رکھنا جائز ہے۔ شارح کا قول فلہ الرجعۃ اس پر تفریع ہے جو ماقبل سے سمجھا گیا ہے اور اس کی تصریح بنایا ہے تا کہ مابعد اس پر مرتب ہو۔

14230۔(قولہ: بِلَا عِوَضٍ) یہ پہلے گزر چکا ہے گویا اسے مابعد کی تمہید کے طور پر دوبارہ ذکر کیا ہے، ''رحمتی''۔

14231۔(قولہ: قَوْلَانِ) یعنی یہ کہا گیا: ہاں اگر اس نے قبول کر لیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا: نہیں جس طرح ہم پہلے (مقولہ 11957 میں) بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے قول کی وجہ وہ ہے جو ''الجوہرہ'' میں ہے کہ طلاق رجعی ملکیت کو زائل نہیں کرتی اور عوض انسان پر اس کی ملکیت کے مقابلہ میں واجب نہیں ہوتا۔

14232۔(قولہ: وَيَتَعَجَّلُ الْمُؤَجَّلُ بِالرَّجْعِيِّ) یعنی اگر اس نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی تو اس کے ذمہ جو مہر مؤجل ہے وہ فوری طور پر ادا کرنا لازم ہوگا۔ پس عورت فی الحال اس کا مطالبہ کرے گی اگر چہ ابھی عدت ختم نہ ہوئی ہو۔ جب اس خاوند نے عدت میں اس عورت سے رجوع کر لیا تو وہ دوبارہ موخر نہیں ہوگا۔ ''البحر'' میں باب المہر میں کہا: یعنی جب تاخیر طلاق تک تھی مگر جب اسے ایک معین مدت تک موخر کیا گیا تھا تو وہ طلاق کے ساتھ معجّل نہیں ہوگا۔

14233۔(قولہ: وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ) ''البحر'' میں باب المہر میں کہا: ''فتاوی صیرفیہ'' میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ مہر مؤجل طلاق رجعی کے ساتھ مطلقاً معجّل ہو جائے گا یا عدت کے ختم ہونے تک معجّل ہوگا۔ ''القنیہ'' میں اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ عدت کے ختم ہونے تک اسے معجّل نہیں کیا جائے گا۔ کہا: یہ ہمارے عام مشائخ کا قول ہے یعنی کیونکہ عادت یہ ہے کہ اسے طلاق تک موخر کیا جائے جو طلاق ملکیت کو زائل کر دیتی ہے یا مدت تک موخر کیا جائے اور طلاق رجعی ملکیت کو زائل نہیں کرتی مگر جب عدت گزر جائے۔ پس عدت کے ختم ہونے سے پہلے اسے فوری ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ جو ہم نے نقل کیا ہے اس میں تیرے لیے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ''الخلاصہ'' میں دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ''صیرفیہ'' کی وہ کلام جس پر شارح نے اکتفا کیا ہے اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس امر کا فائدہ دے کہ مراجعت کے ساتھ مہر کو فی الحال ادا کرنا لازم ہے اگر چہ مراجعت کے ساتھ عدت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عدت کے ختم ہونے کے ساتھ مہر

(وَنُدِبَ إِعْلَامُهَا بِهَا) لِئَلَّا تَنْكِحَ غَيْرَهُ بَعْدَ الْعِدَّةِ، فَإِنْ نَكَحَتْ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَإِنْ دَخَلَ شُمُنِّيٌّ (وَنُدِبَ الْإِشْهَادُ) بِعَدْلَيْنِ وَلَوْ بَعْدَ الرَّجْعَةِ بِالْفِعْلِ

عورت کو رجعت کے بارے میں آگاہ کرنا مستحب ہے تا کہ عدت کے بعد وہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اگر اس نے نکاح کیا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اگر چہ اس نے عورت کے ساتھ دخول کیا، ''شمنی''۔ دو عادل آدمیوں کو گواہ بنانا مستحب ہے اگر چہ فعل کے ساتھ رجعت کے بعد ہو۔

کے فوراً ادا کرنے کا قول فرقت کے حاصل ہونے اور ملکیت کے زائل ہونے کے سبب سے ہے جس طرح ہم نے کہا ہے عدت کے زائل ہونے کے سبب سے نہیں۔ مراجعت کے ساتھ اس عدت کا ختم ہونا نہیں پایا جاتا جس عدت کا ختم ہونا مہر کے فوراً ادا کرنے کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس شرط کا فائدہ یہ ہے کہ مراجعت کے ساتھ مہر فوری ادا کرنا لازم نہیں ہوگا نہ کہ مراجعت کے ساتھ فوری ادا کرنا لازم ہوگا۔ فافہم

رجوع کے بارے میں عورت کو آگاہ کرنا اور دو عادل آدمیوں کو گواہ بنانا مستحب ہے

14234۔ (قولہ: لِئَلَّا تَنْكِحَ غَيْرَهُ) یہ قول ''الہدایہ'' کے قول: لئلا تقع فی المعصیة سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ جب عورت کو مراجعت کا علم ہی نہیں تو اس نکاح میں کوئی معصیت نہیں۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ معصیت اس بنا پر ہے کہ اس نے سوال کو ترک کر کے کوتاہی کی ہے۔ کیونکہ اس میں یہ ہے کہ اس پر سوال کرنا واجب ہوتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ معصیت عمل کے ساتھ ہوتی ہے اس وجہ سے جو اس (عورت) کے ہاں ظاہر ہوا۔ اس کی مفصل گفتگو ''الفتح'' میں ہے۔

14235۔ (قولہ: فُرِّقَ بَيْنَهُمَا) یعنی جب بینہ کے ساتھ مراجعت ثابت ہوگئی تو جس مرد کے ساتھ اس عورت نے عقد نکاح کیا تھا ان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ قولہ: وان دخل، یعنی اگر چہ دوسرے خاوند نے اس سے وطی کی تھی۔ ''الفتح'' میں قول ہے: دخل بھا الاول اولا شاید یہ لکھنے والوں کی جانب سے تحریف ہے یا سبقت قلم ہے۔ کیونکہ جب تک پہلا حقوق زوجیت ادا نہ کرے تو رجوع ہی نہیں ہوتا۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

14236۔ (قولہ: وَنُدِبَ الْإِشْهَادُ) یہ باہم انکار کرنے اور تہمت کے مواقع میں واقع ہونے سے احتراز ہے۔ کیونکہ لوگ تو اسے مطلقہ جانتے ہیں۔ پس مرد جب اس کے پاس اٹھے بیٹھے گا تو اس پر تہمت لگائی جائے گی۔ اگر گواہ نہ بنائے تو بھی صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ (الطلاق: 2) میں امر کا صیغہ ندب کے لیے ہے۔ ''زیلعی''

14237۔ (قولہ: وَلَوْ بَعْدَ الرَّجْعَةِ بِالْفِعْلِ) کیونکہ ''البحر'' میں ''الحاوی المقدسی'' سے ہے: جب مرد نے عورت سے بوسہ اور لمس سے رجوع کیا تو افضل یہ ہوگا کہ دوبارہ گواہ بنا کر رجوع کرے یعنی قول پر گواہ بنائے۔ وطی، شہوت کے ساتھ چھونے اور دیکھنے پر گواہ نہیں بنائے جائیں گے۔ کیونکہ شاہد کو ان چیزوں کا علم نہیں ہوتا جس طرح ''الظہیریہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ''درمنتقی''۔ ''البحر'' میں کہا: مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ رجوع کی دو قسمیں ہیں: سنی، بدعی۔ سنی یہ

(وَ) نُدِبَ (عَدَمُ دُخُولِهِ بِلَا إِذْنِهَا عَلَيْهَا) لِتَتَأَهَّبَ وَإِنْ قَصَدَ رَجْعَتَهَا لِكَرَاهَتِهَا بِالْفِعْلِ كَمَا مَرَّ (ادَّعَاهَا بَعْدَ الْعِدَّةِ فِيهَا) بِأَنْ قَالَ كُنْتُ رَاجَعْتُكِ فِي عِدَّتِكِ

اور مستحب یہ ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر اس کے پاس داخل نہ ہوتا کہ عورت تیاری کر لے اگرچہ خاوند رجوع کا قصد رکھتا ہو۔ کیونکہ فعل کے ساتھ رجعت مکروہ ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ خاوند نے عدت کے گزرنے کے بعد دعویٰ کیا کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا یہ قول کہا: کنت راجعتك فی عدتك میں نے تیری عدت میں تجھ سے رجوع کیا تھا۔

ہے کہ قول کے ساتھ رجوع کرے، اپنے رجوع پر گواہ بنائے اور عورت کو آگاہ کرے۔ اگر قول کے ساتھ رجوع کیا اور گواہ نہ بنائے یا گواہ بنائے اور عورت کو آگاہ نہ کیا تو وہ سنت کی مخالفت کرنے والا ہوگا جس طرح ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر عورت سے فعل کے ساتھ رجوع کیا اور دوبارہ گواہ نہ بنائے۔ ''رحمتی'' نے کہا: یہاں بدعی مندوب کے خلاف ہے اور طلاق میں بدعی مکروہ تحریمی ہے۔

مطلقہ رجعیہ کے پاس بلا اجازت داخل ہونا مکروہ ہے

14238۔ (قولہ: بِلَا إِذْنِهَا) حق یہ تھا کہ یہ کہتے: بلا ایذانها یعنی آگاہ کیے بغیر۔ کیونکہ جب عورت مرد کو اجازت نہ دے تب بھی مرد کے لیے داخل ہونا کوئی مکروہ نہیں۔ ''کنز'' کی عبارت ہے: حتی یؤذنها۔ ''البحر'' میں کہا: ای یعلمها بدخوله...... یعنی عورت کو اپنے داخل ہونے کے بارے میں آگاہ کرے یا تو جوتے کھٹکھٹانے کے ساتھ یا کھانسنے کے ساتھ یا ندا کے ساتھ وغیرہ۔

14239۔ (قولہ: وَإِنْ قَصَدَ رَجْعَتَهَا) ''ہدایہ'' وغیرہا میں عدم قصد کی جو قید لگائی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں کہا ہے: اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ شامل ہوگا جب وہ عورت کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ اگر پہلی صورت ہو تو اس سے امن نہیں کہ فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھ لے تو یہ فعل کے ساتھ رجعت ہوگی جو گواہ بنانے کے بغیر ہے۔ یہ دو اعتبار سے مکروہ ہے جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 14237 میں) بیان کیا ہے۔ اگر دوسری صورت ہو تو بعض اوقات یہ عمل اس کی عدت کو طویل کر دیتا ہے اس طرح کہ وہ ارادہ کے بغیر نظر کے ساتھ رجوع کرنے والا ہو جائے پھر وہ عورت کو طلاق دے یہ اسے ضرر پہنچانا ہے۔

صاحب ''البحر'' کا قول: وهو مکروه من جهتین۔ ایک وجہ یہ ہے کہ یہ فعل کے ساتھ رجعت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ گواہی کے بغیر رجعت ہے دونوں میں کراہت تنزیہی ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

14240۔ (قولہ: ادَّعَاهَا) عدت کے بعد خاوند نے عدت میں رجوع کا دعویٰ کیا۔ ظرف ادعی کے متعلق ہے جار مجرور اس ضمیر کے متعلق ہیں جو رجعت کی طرف راجع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: ادّعی بعد العدۃ الرجعۃ فی العدۃ۔ پس یہ

(فَصَدَّقَتْهُ صَحَّ) بِالْمُصَادَقَةِ (وَإِلَّا لَا) يَصِحُّ إِجْمَاعًا (وَ) كَذَا (لَوْ أَقَامَ بَيِّنَةً بَعْدَ الْعِدَّةِ أَنَّهُ قَالَ فِي عِدَّتِهَا قَدْ رَاجَعْتُهَا، أَوْ) أَنَّهُ (قَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا) وَتَقَدَّمَ قَبُولُهَا عَلَى نَفْسِ اللَّمْسِ وَالتَّقْبِيلِ فَلْيُحْفَظْ (كَانَ رَجْعَةً) لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ بِالْمُعَايَنَةِ

عورت نے اس کی تصدیق کی تو دونوں کی باہمی تصدیق کی وجہ سے رجوع صحیح ہو جائے گا ورنہ بالا جماع صحیح نہیں ہو گا اور اس طرح اگر اس نے عدت کے بعد گواہیاں قائم کیں کہ اس نے عورت کی عدت میں کہا تھا: میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے یا اس نے کہا: میں نے اس سے جماع کیا اور نفس لمس اور تقبیل پر گواہی قبول کرنے کی بات پہلے گزر چکی ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے۔ یہ رجعت ہو گی۔ کیونکہ جو امر بینہ کے ساتھ ثابت ہو وہ آنکھ سے دیکھے ثابت امر کی طرح ہے۔

شاعر کے قول کے طریقہ پر ہے: وما ھو عنھا بالحدیث المترجم یعنی مراد وما الحدیث عنھا ہے۔

14241۔ (قولہ: صَحَّ بِالْمُصَادَقَةِ) کیونکہ نکاح دونوں کی باہمی تصدیق سے ثابت ہو جائے گا۔ پس رجعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گی، ''بحر''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر چہ وہ دونوں جھوٹے ہوں۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ قضا کا حکم ہے۔ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے تو اس کا حکم وہی ہو گا جو نفس الامر میں ہے۔

14242۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا يَصِحُّ) یعنی اس نے جو رجوع کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے ایسی شے کی خبر دی جس کو وہ فی الحال واقع نہیں کر سکتا جب کہ وہ عورت اس کا انکار کر رہی ہے۔ پس قول قسم کے بغیر عورت کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ اشیاء ستہ میں معروف ہے، ''بحر''۔ یعنی وہ چھ اشیاء جن کا ذکر ''کتاب الدعویٰ'' میں آ رہا ہے جہاں مصنف نے کہا: ولا تحلیف فی نکاح ...... نکاح، رجوع، ایلاء، استیلاد، رق، نسب، ولاء، حد اور لعان میں قسم نہیں لی جائے گی۔ فتویٰ اس پر ہے کہ ساتوں اشیاء میں قسم لی جائے گی۔

14243۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی اس لیے خاوند کا قول قبول نہیں کیا جاتا جب عورت اس کی تصدیق نہ کرے۔ اگر مرد گواہیاں قائم کر دے تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ جب قول عورت کا معتبر ہے تو گواہی قائم کرنا مرد پر لازم ہو گا۔ کیونکہ بینہ اس لیے ہوتے ہیں تاکہ خلاف ظاہر کو ثابت کیا جائے۔ ایک نسخہ میں ہے: وکذا یعنی لام کی جگہ کاف ہے۔ دونوں صحیح ہیں۔ فافہم

14244۔ (قولہ: وَتَقَدَّمَ) یعنی فصل المحرمات میں یہ گزر چکا ہے ''ح''۔ جہاں کہا: شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے کے اقرار پر گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح نفس لمس، نفس تقبیل، نفس نظر پر گواہی قبول کی جائے گی جو نظر شہوت کے ساتھ مرد یا عورت کی شرمگاہ کی طرف ہو۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ ''تجنیس''۔ کیونکہ شہوت ان امور میں سے ہے جن پر فی الجملہ آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ جیسے انتشار آلہ ہو یا کوئی اور آثار ہوں۔

ہم قریب ہی (مقولہ 14219 میں) بیان کر چکے ہیں کہ انتشار آلہ کے ساتھ معانقہ، فرج کو چھونے اور منہ پر بوسہ لینے

وَهَذَا مِنْ أَعْجَبِ الْمَسَائِلِ حَيْثُ لَا يَثْبُتُ إِقْرَارُهُ بِإِقْرَارِهِ بَلْ بِالْبَيِّنَةِ (كَمَا لَوْ قَالَ فِيهَا كُنْت رَاجَعْتُك أَمْسِ) فَإِنَّهَا تَصِحُّ (وَإِنْ كَذَّبَتْهُ) لِمِلْكِهِ الْإِنْشَاءَ فِي الْحَالِ (بِخِلَافِ) قَوْلِهِ لَهَا (رَاجَعْتُك) يُرِيدُ الْإِنْشَاءَ (فَقَالَتْ) عَلَى الْفَوْرِ (مُجِيبَةً لَهُ قَدْ مَضَتْ عِدَّتِي)

یہ عجیب مسائل میں سے ہے کہ اس کا اقرار اقرار سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بینہ پیش کرنے سے ثابت ہوتا ہے جس طرح خاوند عورت سے رجعت کے بارے کہے: میں نے گزشتہ روز تجھ سے رجوع کرلیا تھا۔ تو یہ رجوع صحیح ہوگا اگرچہ بیوی اس کو جھٹلا دے۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی رجوع کا اختیار رکھتا ہے مگر یہ صورت مختلف ہوگی کہ خاوند عورت سے کہے: راجعتك (میں نے تجھ سے رجوع کرلیا) وہ نئے سرے سے رجوع کا ارادہ رکھتا ہے تو جواب کے طور پر عورت فوراً کہہ دے میری عدت گزر چکی

میں جو شہوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ شہوت پر گواہی دی جائے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

14245۔(قولہ: وَهَذَا مِنْ أَعْجَبِ الْمَسَائِلِ) علما نے اسے ''مبسوط الامام السرخسی'' سے نقل کیا ہے یعنی: جب تجھے کہا جائے: ایک آدمی نے فی الحال ایک چیز کا اقرار کیا ہے تو اس کا اقرار ثابت نہیں ہوگا اگر وہ گواہی قائم کرے کہ اس نے ماضی میں اس کا اقرار کیا تھا تو وہ ثابت ہوجائے گا۔ بے شک تو اس سے متعجب ہوگا۔ کیونکہ اس کا فی الحال اقرار معاینہ سے ثابت ہے اور یہ بینہ کے ساتھ ثابت ہونے والے امر سے قوی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ گواہ جھوٹے ہوں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی آدمی کسی پر مال کا دعویٰ کرے اس پر گواہی قائم کرے پھر مدعی علیہ اس کا اقرار کرلے تو گواہیاں باطل ہوجائیں گی۔ کیونکہ اقرار اقوی ہے۔ یہاں انہوں نے معاملہ اس کے الٹ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا فی الحال اقرار کہ اس نے عدت میں اقرار کیا تھا محض دعویٰ ہے اور دعویٰ بینہ کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ جب سبب ظاہر ہوگیا تو عجب باطل ہوگیا۔ ان پر اعتراض کرنا کہ اس میں کوئی عجب نہیں یہ سوءادب سے پیدا ہوا۔ فافہم

14246۔(قولہ: لِمِلْكِهِ الْإِنْشَاءَ فِي الْحَالِ) فی الحال یعنی جو نئے سرے سے رجوع واقع کرنے کا مالک ہے وہ خبر دینے کا مالک ہے جس طرح وصی، مولی، بیع کا وکیل اور جسے خیار ہو۔ ''بحر'' میں ''تلخیص الجامع'' سے مروی ہے۔

14247۔(قولہ: يُرِيدُ الْإِنْشَاءَ) مگر جب وہ خبر دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو یہ عورت کی تصدیق کی طرف راجع ہوگا، ''ط''۔

14248۔(قولہ: فَقَالَتْ عَلَى الْفَوْرِ مُجِيبَةً لَهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ عورت نے موصولا کہا جس طرح وہ قول آئے گا جس سے احتراز کیا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خاوند نے کلام شروع کی۔ اگر عورت نے گفتگو شروع کی اور کہا: میری عدت ختم ہوچکی تو خاوند کہے: راجعتك تو قول بالاتفاق عورت کا معتبر ہوگا۔ ''الفتح'' میں ہے: اگر دونوں کلام اکٹھی واقع ہوں تو چاہیے کہ رجوع ثابت نہ ہو، ''نہر''۔

فَإِنَّهَا لَا تَصِحُّ عِنْدَ الْإِمَامِ لِمُقَارَنَتِهَا لِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ، حَتَّى لَوْ سَكَتَتْ ثُمَّ أَجَابَتْ صَحَّتْ اتِّفَاقًا كَمَا لَوْ نَكَلَتْ عَنْ الْيَمِينِ عَنْ مُضِيِّ الْعِدَّةِ (قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَهَا) أَيْ الْعِدَّةِ

تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ رجوع صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ رجوع عدت کے ختم ہونے کے ساتھ ملا ہوا ہے یہاں تک کہ اگر عورت خاموش ہوگئی پھر اس نے جواب دیا تو بالاتفاق رجوع صحیح ہو جائے گا جس طرح عورت عدت کے گزرنے کے بارے میں قسم اٹھانے سے انکار کردے۔ لونڈی کے خاوند نے عدت کے بعد کہا:

14249۔ (قولہ: فَإِنَّهَا لَا تَصِحُّ) اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ امر مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ جب مدت عدت کے ختم ہونے کا احتمال رکھتی ہو ورنہ رجعت ثابت ہو جائے گی۔ مگر جب عورت دعویٰ کرے کہ اس نے بچے کو جنا اور وہ ثابت ہو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک رجوع صحیح ہوگا۔ کیونکہ ظاہراً یہ عدت کے قائم ہونے کی حالت میں نئے سرے سے رجوع ہے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کلام کی حالت میں عدت کے قیام کے مانع ہیں۔ کیونکہ عورت خبر دینے میں امین ہے۔ قریب ترین زمانہ جس پر اس کی خبر کو پھیرا جائے گا وہ اس کے تکلم کا زمانہ ہے۔ پس رجوع عدت کے ختم ہونے کے مقارن ہوگا۔ پس یہ رجوع صحیح نہیں۔ اس کی مفصل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

14250۔ (قولہ: صَحَّتْ اتِّفَاقًا) کیونکہ عورت پر تہمت آئی ہے۔ کیونکہ وہ خاموش رہی اور فی الفور جواب نہ دیا، ''الفتح''۔

14251۔ (قولہ: كَمَا لَوْ نَكَلَتْ) ''الفتح'' میں کہا: اجماع کی وجہ سے عورت سے یہاں قسم کا مطالبہ کیا جائے گا کہ جب عورت نے خبر دی کہ اس کی عدت ختم ہو چکی تھی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، اس کے اور اس رجعت کے درمیان جہاں عورت سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، فرق یہ ہے کہ مرد نے عدت میں عورت سے رجوع نہیں کیا۔ کیونکہ قسم کو لازم اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ قسم کے انکار کا فائدہ ہو۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بذل ہے۔ رجوع وغیرہ جو چھ چیزیں ہیں ان کا بذل جائز نہیں۔ عدت یہ شادی سے رکنا اور خاوند کے گھر میں رہنا ہے۔ اس کا بذل جائز ہے۔ پھر جب اس نے یہاں قسم سے انکار کیا تو رجوع ثابت ہوگا اس پر بنا کرتے ہوئے کہ عدت ثابت ہے۔ کیونکہ اس نے بدیہی طور پر قسم اٹھانے سے انکار کیا ہے جس طرح دائی کی گواہی سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ وہ ولادت کی گواہی دیتی ہے۔

لیکن جو اجماع ذکر کیا ہے یہ ''زیلعی'' اور ''شرح المجمع'' کی پیروی میں ہے۔ ''البحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ دونوں کا مذہب یہاں رجوع کا صحیح ہونا ہے۔ پس ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قسم کے مطالبہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے ''بدائع'' وغیرہ میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم کے مطالبہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

14252۔ (قولہ: عَنْ مُضِيِّ الْعِدَّةِ) اولیٰ یہ ہے کہ یہ عبارت ہو علی مضی العدۃ کیونکہ یہ الیمین کے متعلق ہے، ''ط''۔

(رَاجَعْتُهَا فِيهَا فَصَدَّقَهُ السَّيِّدُ وَكَذَّبَتْهُ) الْأَمَةُ وَلَا بَيِّنَةَ (أَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِي وَأَنْكَرَ) الزَّوْجُ وَالْمَوْلَى (فَالْقَوْلُ لَهَا) عِنْدَ الْإِمَامِ لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ (فَلَوْ كَذَّبَهُ الْمَوْلَى وَصَدَّقَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ لَهُ) أَيْ لِلْمَوْلَى عَلَى الصَّحِيحِ لِظُهُورِ مِلْكِهِ فِي الْبُضْعِ فَلَا يُمْكِنُهَا إِبْطَالُهُ (قَالَتْ انْقَضَتْ عِدَّتِي ثُمَّ قَالَتْ لَمْ تَنْقَضِ كَانَ لَهُ الرَّجْعَةُ) لِإِخْبَارِهَا بِكَذِبِهَا فِي حَقٍّ عَلَيْهَا شُمُنِّيٌّ،

میں نے عدت میں بیوی سے رجوع کر لیا تھا آقا نے خاوند کی تصدیق کی اور لونڈی نے اس کو جھٹلا دیا جب کہ کوئی گواہ نہیں یا لونڈی نے کہا: میری عدت گزر چکی اور خاوند اور آقا نے اس کا انکار کر دیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ امینہ ہے اگر آقا نے اسے جھٹلایا اور لونڈی نے اس کی تصدیق کی تو قول آقا کا معتبر ہوگا۔ یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ اس کی ملکیت بضع میں ظاہر ہو گئی ہے تو اس کا باطل کرنا لونڈی کے لیے ممکن نہیں۔ عورت نے کہا: میری عدت گزر چکی پھر کہا: عدت نہیں گزری تو مرد کو رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے جھوٹا ہونے کی خبر دی اس حق میں جو اس پر لازم تھا ''شمنی''۔

14253۔ (قولہ: فَصَدَّقَهُ السَّيِّدُ وَكَذَّبَتْهُ) اس کے ساتھ امر کو مقید کیا ہے کیونکہ اگر دونوں تصدیق کر دیتے تو بالاتفاق رجعت ثابت ہوتی۔ اگر دونوں اسے جھٹلا دیتے تو بالاتفاق رجعت ثابت نہ ہوتی۔ ''طحطاوی'' نے ''النہر'' سے نقل کیا ہے۔

14254۔ (قولہ: وَلَا بَيِّنَةَ) اگر مرد گواہیاں قائم کر دے تو رجوع ثابت ہو جائے گا ''نہر''۔

14255۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا عِنْدَ الْإِمَامِ) ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: قول آقا کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کے بارے میں اقرار کیا جو خالص اس کا حق تھا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح آقا لونڈی پر نکاح کا اقرار کرے۔ ''امام اعظم'' کی رائے ہے کہ رجعت کے صحیح ہونے یا صحیح نہ ہونے کا حکم علت پر مبنی ہے کہ وہ موجود ہے یا ختم ہو چکی ہے۔ عورت اس میں امینہ ہے وہ عدت کے ختم ہونے یا باقی ہونے کے بارے میں جو بھی خبر دے گی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اس میں مولیٰ کا اصلاً کوئی قول نہیں ہوگا۔ نکاح میں اس کا قول قبول کیا جائے گا کیونکہ اس میں وہ منفرد ہے رجعت کا معاملہ مختلف ہے، ''نہر''۔

14256۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) یعنی سب کے نزدیک۔ ''الفتح'' میں کہا: بالاتفاق قول آقا کا ہوگا۔ الصحیح کے قول میں اس سے احتراز کیا ہے جو ''ینابیع'' میں ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے۔

14257۔ (قولہ: لِظُهُورِ) ''النہر'' میں کہا: امام کے نزدیک اس میں اور جو گزرا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ یہاں فی الحال عدت گزر جائے گی اور مولیٰ کی متعہ پر ملکیت کا ظہور لازم آئے گا۔ پس اس کے ابطال میں عورت کا قول قبول نہیں ہوگا۔ جو گزرا ہے اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ جب رجعت کی تصدیق کرتا ہے تو وہ عدت کے قیام کا اقرار کرنے والا ہے۔ عدت کے ہوتے ہوئے اس کی ملکیت ظاہر نہیں ہوئی کہ آقا کا قول قبول کیا جاتا۔

ثُمَّ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ لَوْ بِالْحَيْضِ لَا بِالسِّقْطِ، وَلَهُ تَحْلِيفُهَا أَنَّهُ مُسْتَبِينُ الْخَلْقِ، وَلَوْ بِالْوِلَادَةِ لَمْ يُقْبَلْ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَلَوْ حُرَّةً فَتْحٌ (وَتَنْقَطِعُ) الرَّجْعَةُ (إِذَا طَهُرَتْ مِنَ الْحَيْضِ الْأَخِيرِ) يَعُمُّ الْأَمَةَ (لِعَشَرَةِ) أَيَّامٍ مُطْلَقًا (وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ أَوْ يَمْضِ وَقْتُ صَلَاةٍ وَ) لِأَقَلَّ (لَا) تَنْقَطِعُ (حَتَّى تَغْتَسِلَ) وَلَوْ بِسُؤْرِ حِمَارٍ لِاحْتِمَالِ طَهَارَتِهِ مَعَ وُجُودِ الْمُطْلَقِ، لَكِنْ لَا تُصَلِّي لِاحْتِمَالِ النَّجَاسَةِ وَلَا تَتَزَوَّجُ احْتِيَاطًا

مدت کا اعتبار ہوگا اگر عدت کا ختم ہونا حیض کے اعتبار سے ہو، سقط کے اعتبار سے نہ ہو۔ خاوند کو حق حاصل ہے کہ عورت سے قسم لے کہ اس کے اعضا ظاہر ہو چکے تھے اگر بچے کی ولادت کے ساتھ عدت کے ختم ہونے کا دعویٰ کرے تو بینہ کے بغیر اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ عورت آزاد ہو۔ اور رجوع ختم ہو جائے گا جب وہ آخری حیض سے پاک ہوگی۔ یہ حکم لونڈی کو عام ہے۔ دس دنوں میں مطلقاً اگر چہ اس نے غسل نہ کیا ہو یا نماز کا وقت گزر جائے اور اس سے کم دنوں میں ختم ہونے کی صورت میں عدت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ غسل کر لے اگر چہ گدھے کے جوٹھے کے ساتھ۔ کیونکہ اس کی طہارت کا احتمال ہے جب کہ مطلق پانی موجود ہو۔ لیکن وہ نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ نجاست کا احتمال ہے اور احتیاطاً وہ کسی اور سے شادی نہ کرے

''البحر'' میں کہا: حاصل یہ ہے کہ دوسرے مسئلوں میں حکم میں کوئی فرق نہیں وہ رجعت کا صحیح نہ ہونا ہے اگر چہ تصور مختلف ہے۔

14258۔ (قولہ: ثُمَّ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ) یعنی وہ مسائل جن میں عورت کا یہ قول قبول ہوگا انقضت عدتی۔ اس میں ضروری ہے کہ مدت اس کا احتمال رکھتی ہو۔ پھر اس مدت کا احتمال شرط ہے جب عدت حیض کی صورت میں ہو۔ اگر عدت وضع حمل کی صورت میں ہو اگر چہ وہ سقط ہو جس کے اعضاء ظاہر ہو چکے ہوں تو مدت شرط نہیں ''ح''۔ مدت کا بیان باب کے آخر میں آئے گا۔

14259۔ (قولہ: يَعُمُّ الْأَمَةَ) کیونکہ اس کی عدت دو حیض ہیں۔ اخیر کا لفظ دوسرے کو بھی شامل ہے۔ یہ قول ''الہدایہ'' کے قول: من الحيضة الثالثة سے عام ہے۔

14260۔ (قولہ: لِعَشَرَةِ) یہ طہرت کی علت ہے تا کہ اسے مکمل کرے خواہ خون ختم ہو یا ختم نہ ہو۔ لیکن جب حیض دس دنوں میں ختم نہ ہو اور اس کی عادت ہو تو رجوع اس وقت سے ختم ہو جائے گا جب اس کی عادت ختم ہوگی جس طرح ''الدر المنتقی'' میں ''زیلعی'' وغیرہ سے مروی ہے۔

14261۔ (قولہ: مُطْلَقًا) مابعد اس کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد ہو خون ختم ہوا یا خون ختم نہیں ہوا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف ہم نے ابھی ''النہر'' سے اشارہ کیا ہے۔

14262۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) یہ سب کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ گدھے کے جوٹھے کی طہوریت میں شک ہے جب وہ ماء مطلق کی موجودگی میں غسل کرے تو احتیاط اس میں ہے کہ رجوع ختم ہو۔ کیونکہ اس کی تطہیر کا احتمال ہے یعنی وہ پاکیزگی عطا کر سکتا ہے۔ نماز اور شادی نہ کرنا یہ تطہیر کا احتمال نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(أَوْ يَمْضِیْ) جَمِيعُ (وَقْتِ صَلَاةٍ) فَتَصِيرَ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهَا، وَلَوْ عَاوَدَهَا وَلَمْ يُجَاوِزْ الْعَشَرَةَ فَلَهُ الرَّجْعَةُ (أَوْ) حَتَّى (تَتَيَمَّمَ) عِنْدَ عَدَمِ الْمَاءِ (وَتُصَلِّيَ) وَلَوْ نَفْلًا صَلَاةً تَامَّةً

یا اس پر نماز کا پورا وقت گزر جائے۔ اور وہ نماز اس کے ذمہ قرض ہو جائے۔ اگر اسے خون دوبارہ آئے اور دس دنوں سے تجاوز نہ کرے تو مرد کو رجوع کا حق ہوگا یہاں تک کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں وہ تیمم کرلے اور مکمل نماز پڑھ لے اگرچہ وہ نماز نفلی ہو۔

14263۔ (قولہ: أَوْ يَمْضِيَ جَمِيعِ وَقْتِ الصَّلَاةِ) مراد نماز کے پورے وقت کا گزر جانا ہے۔ خواہ اس کا انقطاع اس سے پہلے مہمل وقت میں ہو جس طرح سورج کے طلوع ہونے کے وقت خون ختم ہو خواہ خون وقت کے شروع میں یا درمیان میں ختم ہو۔ اس قول کے ذریعے اس سے احتراز کیا ہے کہ ایسا زمانہ گزرے جس میں نماز پڑھی جاسکتی ہو۔ بے شک اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا جب تک وقت مکمل طور پر نکل نہ جائے۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ نماز اس کے ذمہ قرض ہو۔ اسی وجہ سے اگر وہ آخری وقت میں پاک ہوئی اس طرح کہ اس سے اتنا وقت باقی نہ ہو جس میں وہ غسل اور تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو رجعت ختم ہوگی جب تک بعد والا وقت نکل نہ جائے۔ کیونکہ پہلا وقت نکلنے کے ساتھ نماز اس کے ذمہ قرض نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں وہ ادائیگی پر قادر نہ تھی۔ فافہم

اگر دس دنوں سے کم مدت میں خون منقطع ہونے کے بعد پھر لوٹ آئے تو اس کا حکم

14264۔ (قولہ: وَلَوْ عَاوَدَهَا) ''البحر'' میں کہا: اقل میں دو چیزوں میں سے ایک کی شرط لگائی۔ کیونکہ جب مدت کے باقی رہنے کی وجہ سے خون کے لوٹنے کا احتمال ہے تو ضروری ہے کہ انقطاع حقیقی غسل یا طاہر عورتوں کے احکام میں سے کسی چیز کے لازم ہونے کے ساتھ وہ قوی ہو جائے۔ پس کتابیہ نکل گئی۔ کیونکہ اس کے حق میں زائد علامت متوقع نہیں۔ پس اس میں انقطاع پر اکتفا کیا جائے گا۔ شارحین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اس کا ظاہر ہے کہ رجعت کو قطع کرنے والی چیز خون کا ختم ہونا ہے لیکن جب یہ محقق نہیں تو اس کے ساتھ وہ شرط ہوگی جو اس کو ثابت کرے۔ پس اس نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اگر اس نے غسل کیا پھر خون لوٹ آیا اور دس دنوں سے تجاوز نہ کیا تو مرد کو رجوع کا حق ہوگا۔ اور یہ واضح ہوگیا کہ رجعت غسل کے ساتھ منقطع نہیں ہوتی۔ اگر اس نے دس دنوں سے کم میں خون ختم ہونے کی صورت میں غسل سے پہلے اور وقت کے گزرنے سے پہلے نکاح کیا تو نکاح کا صحیح ہونا واضح ہوگیا۔ ''فتح القدیر'' میں بحث کرتے ہوئے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ متون کے ظاہر کے خلاف ہے لیکن معنی اس کی مدد کرتا ہے اور قواعد اس کا انکار نہیں کرتے۔

یعنی متون کی عبارت فائدہ دیتی ہے کہ رجوع کا قاطع وہ غسل یا وقت کا گزرنا ہے خون کا نفس انقطاع قاطع نہیں۔ اگر خون ختم ہوگیا پھر اس نے غسل کیا یا وقت گزر گیا پھر مرد نے اس سے رجوع کیا یا عورت نے شادی کی پھر خون لوٹ آیا اور اس نے دس دنوں سے تجاوز نہیں کیا پس متون کا ظاہر تو یہ معنی دیتا ہے کہ نکاح صحیح ہوگا۔ رجوع صحیح نہ ہوگا۔ اگر خون ختم ہو جائے اور نہ لوٹے تو اس نے غسل کرنے اور وقت گزرنے سے پہلے کسی اور مرد سے شادی کی تو نکاح صحیح نہ ہوگا اور رجوع باقی رہے گا۔

فِي الْأَصَحِّ وَفِي الْكِتَابِيَّةِ
یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے۔ کتابیہ عورت میں

اس میں کوئی شک نہیں یہ اس کے خلاف ہے جسے ''الفتح'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ ''النہر'' میں جو مفہوم اخذ کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: دس سے کم دنوں میں انقطاع سے ان کی مراد حقیقۃً انقطاع ہے اس طرح کہ اس کے ساتھ خون کا لوٹنا نہ ہو۔ کیونکہ جب خون دوبارہ آیا اور دس دنوں سے اس نے تجاوز نہ کیا تو اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ اس کا غسل صحیح نہ تھا۔ اور نماز اس کے ذمہ قرض نہیں ہوئی۔ پس رجعت باقی رہی اور اس کا شادی کرنا صحیح نہ ہوا۔ لیکن مخالفت باقی رہے گی اس مسئلہ میں اگر مرد نے اس سے رجوع کیا یا غسل کیا اور وقت گزرنے سے پہلے نکاح کیا اور خون دوبارہ اصلاً نہ آیا تو متون کا مقتضا تو یہ ہے کہ رجوع صحیح ہوگا شادی کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ محض بحث کے ساتھ اس کی مخالفت قابل قبول نہیں۔ جب نفس انقطاع رجوع کو ختم کرنے والا ہو تو یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہو جو اسے قوت عطا کرے وہ اس پر شرع کا حکم ہے کہ وہ طاہرات کے احکام لے گی۔ کیونکہ جب اس نے غسل کیا تو شرع قراءت، طواف وغیرہما کو اس کے لیے جائز قرار دیتی ہے۔ اسی طرح جب اس پر یہ حکم لگایا جائے کہ نماز اس کے ذمہ دین ہو جائے گی۔ کیونکہ قیاس یہ ہے کہ اس کا حیض باقی رہے گا جب تک ایسی مدت موجود ہے جس میں خون لوٹ سکتا ہے۔ جب شرع نے اس پر طاہرات کے احکام میں سے کسی حکم کو جاری کر دیا تو اس سے حیض کے ارتفاع کا حکم مان لیا جائے گا جب تک مدت میں خون کے لوٹنے کا یقین نہ ہو۔ جب خون لوٹے تو مذکورہ حکم زائل ہو جائے گا ورنہ وہ حکم باقی رہے گا۔ اس وقت انقطاع دم رجعت کے ختم ہونے اور نکاح کے صحیح ہونے جیسے عمل میں اپنا عمل نہیں کرے گا مگر اس شرط کے ساتھ جب یہ شرط موجود ہو اور وہ مذکورہ حکم ہے جو جاری ہے۔ جب خون کے لوٹنے کے ساتھ وہ حکم زائل ہو گیا تو اس سے اس کا عمل باطل ہو گیا۔ اگر حکم باقی رہا تو عمل بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ شارح نے اس گفتگو کی بجائے مذکورہ بحث کے بعض حصوں تک اپنی کلام کو محدود رکھا ہے جن پر ان کی کلام کو محمول کرنا ممکن تھا اور جو ممکن نہ تھا اس کو ترک کر دیا۔

14265۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الفتح'' میں ''المبسوط'' سے اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔ ''التبیین'' اور ''شرح المجمع'' میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''جوہرہ'' میں ''الفتاویٰ'' سے محض خون کے شروع ہونے کے ساتھ رجعت کے انقطاع کی صحت کا قول نقل کیا ہے۔ اگر اس نے مصحف کو چھو لیا یا قرآن کی قراءت کی یا مسجد میں داخل ہوئی ''کرخی'' نے کہا: رجعت منقطع ہو جائے گی۔ ''رازی'' نے کہا: رجعت ختم نہیں ہوگی۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے ''شرنبلالیہ''۔ ''النہر'' میں کہا: مصنف کا نماز کے ساتھ اسے مقید کرنا ''رازی'' کے قول کے اختیار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: محض تیمم سے رجعت ختم ہو جائے گی یہی قیاس ہے۔ کیونکہ یہ طہارت مطلقہ ہے۔ ''الفتح'' نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

بِمُجَرَّدِ الِانْقِطَاعِ مُلْتَقًى لِعَدَمِ خِطَابِهَا قُلْت وَمُفَادُهُ أَنَّ الْمَجْنُونَةَ وَالْمَعْتُوهَةَ كَذَلِكَ (وَلَوْ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ تَنْقَطِعُ) لِتَسَارُعِ الْجَفَافِ فَلَوْ تَيَقَّنَتْ عَدَمَ الْوُصُولِ، أَوْ تَرَكَتْهُ عَمْدًا لَا تَنْقَطِعُ (وَلَوْ نَسِيَتْ (عُضْوًا لَا) تَنْقَطِعُ وَكُلٌّ وَاحِدٍ مِنْ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ كَالْأَقَلِّ لِأَنَّهُمَا عُضْوٌ وَاحِدٌ

محض خون کے انقطاع کے ساتھ رجعت ختم ہو جائے گی ''ملتقی''۔ کیونکہ اسے احکام کا خطاب نہیں کیا گیا۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مجنونہ اور معتوہہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر عورت نے غسل کیا اور عضو سے کم بھول گئی تو رجعت ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ جلد خشک ہو جاتا ہے۔ اگر عورت کو پانی نہ پہنچنے کا یقین ہو یا اس نے جان بوجھ کر جگہ چھوڑ دی ہو تو رجعت ختم نہ ہوگی اگر وہ عضو بھول گئی تو رجعت ختم نہ ہوگی۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا یہ اقل کی طرح ہیں۔ کیونکہ صحیح قول کے مطابق

14266۔ (قولہ: بِمُجَرَّدِ الِانْقِطَاعِ) یعنی غسل، وقت کے گزرنے یا تیمم پر موقوف نہ ہوگا جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 14264 میں) ''البحر'' سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ حالت کفر میں اسے ادائیگی کا خطاب نہیں کیا گیا۔

14267۔ (قولہ: قُلْت وَمُفَادُهُ) بحث صاحب ''النہر'' کی ہے۔

14268۔ (قولہ: وَنَسِيَتْ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ) جس طرح ایک انگلی، دو انگلیاں، بعض بازو، بعض کلائی، ''بحر''۔ نسیان سے مراد شک ہے۔ کیونکہ مراد ہے کہ عورت نے بعض عضو کو خشک پایا اور یہ پتہ نہ چلا کیا اسے پانی پہنچا تھا یا نہیں۔ کیونکہ ما بعد اس کا قرینہ ہے۔ ''رحمتی'' اور ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

14269۔ (قولہ: تَنْقَطِعُ) یعنی رجعت منقطع ہو جاتی ہے اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ خاوند کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس کے قریب جائے۔ اس عورت کا کسی اور مرد سے عقد نکاح کرنا حلال نہیں جب تک اس حصہ کو نہ دھوئے یا اس پر نماز کا ادنیٰ وقت نہ گزر جائے جب کہ وہ غسل پر قادر ہو۔ ''بحر'' میں ''اسبیجابی'' سے منقول ہے۔ یعنی شرمگاہوں کے معاملہ میں احتیاط کی جائے گی، ''نہر''۔ اس وجہ سے یہاں ان چیزوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جن کا طہارت میں اعتبار کرتے ہیں کہ جب غسل سے فارغ ہونے سے پہلے اسے شک ہو تو جس میں شک ہوا اسے دھو لے اگر فارغ ہونے کے بعد شک ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ فافہم

14270۔ (قولہ: لِتَسَارُعِ الْجَفَافِ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جب شک تری ختم ہونے سے پہلے ہو۔ اگر اسے طویل مدت کے بعد شک ہو جس میں تری ختم ہو چکی ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ خواہ شک پورے عضو میں ہو یا اس سے کم عضو میں۔ کیونکہ یہاں علت ظاہر نہیں۔ تامل

14271۔ (قولہ: وَلَوْ نَسِيَتْ عُضْوًا) عضو بھول گئی جیسے ہاتھ، پاؤں، ''بحر''۔

مذہب میں اقوال کی تصحیح میں ملتقی اور صاحب ہدایہ کی اصطلاح

14272۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا عُضْوٌ وَاحِدٌ) یعنی دونوں عضو ایک عضو کے قائم مقام ہیں اور ہر ایک انفرادی طور پر ایک

عَلَى الصَّحِيحِ بَهْنَسِيٌّ (طَلَّقَ حَامِلًا مُنْكِرًا وَطْأَهَا فَرَاجَعَهَا) قَبْلَ الْوَضْعِ (فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ وَلِسِتَّةِ أَشْهُرٍ (فَصَاعِدًا) مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ (صَحَّتْ) رَجْعَتُهُ السَّابِقَةُ، وَتَوَقُّفُ ظُهُورِ صِحَّتِهَا عَلَى الْوَضْعِ لَا يُنَافِي صِحَّتَهَا قَبْلَهُ، فَلَا مُسَامَحَةَ فِي كَلَامِ الْوِقَايَةِ

یہ ایک عضو ہے ''بہنسی''۔ ایک آدمی نے ایسی عورت کو طلاق دی جو حاملہ تھی جس کے ساتھ وہ وطی سے انکار کرتا تھا وضع حمل سے قبل رجوع کیا تو اس عورت نے طلاق کے وقت سے چھ ماہ پہلے بچہ جن دیا اور نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ گزرنے سے بچہ جن دیا تو اس کی سابقہ رجعت صحیح ہوگی۔ رجعت کی صحت کے ظہور کا وضع حمل پر موقوف ہونا یہ اس کے منافی نہیں کہ اس سے قبل رجعت صحیح ہو۔ ''وقایہ'' کے کلام میں کوئی مسامحت نہیں

عضو سے کم ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے۔ اور ایک روایت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی ہے کہ ہر ایک کا انفرادی طور پر ترک کرنا ایک عضو کو ترک کرنے کی طرح ہے۔ اور ''ملتقی'' میں پہلے قول کی تصحیح کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور ''ہدایہ'' میں اسے اس کی علت کے ساتھ مؤخر کیا ہے کہ مرض کی ضرورت میں اختلاف ہے۔ دوسرے اعضاء کا معاملہ مختلف ہے۔

14273۔ (قولہ: طَلَّقَ حَامِلًا) طلاق کے وقت جس کا حاملہ ہونا ظاہر ہو۔ کیونکہ طلاق کے وقت سے چھ ماہ پہلے اس نے بچہ جن دیا تھا۔

14274۔ (قولہ: فَرَاجَعَهَا قَبْلَ الْوَضْعِ) مصنف نے اسے ''صدر الشریعۃ'' کی اتباع میں زائد ذکر کیا ہے جس طرح آگے (مقولہ 14277 میں) آئے گا کیونکہ وضع حمل کے بعد کوئی مراجعت نہیں۔

14275۔ (قولہ: فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ) اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں ہے: فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر من وقت الطلاق ولستة اشهر فصاعدا من وقت النكاح یہی درست ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچے کی پیدائش نکاح کے بعد طلاق سے قبل شروع ہوگئی۔

14276۔ (قولہ: صَحَّتْ رَجْعَتُهُ السَّابِقَةُ) یعنی وہ رجعت جو اس قول فراجعها قبل الوضع میں مذکور ہے یعنی اس ولادت کے ساتھ یہ امر ظاہر ہوا کہ وہ رجعت صحیح تھی اگرچہ اس کے وطی کے انکار کا مقتضا یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ مرد کے گمان کے مطابق یہ وطی سے پہلے حمل ٹھہرا تھا۔ اور جس عورت کو وطی سے قبل طلاق دی گئی ہو اس کے لیے کوئی رجوع نہیں۔ لیکن جب اس سے ثابت ہوگیا تو شرعاً اس کو جھٹلا دیا گیا۔ پس اس کی رجعت صحیح ہے۔

14277۔ (قولہ: وَتَوَقُّفُ ظُهُورِ صِحَّتِهَا) یہ جان لو کہ ''وقایہ'' میں کہا: ایک آدمی نے حاملہ یا صاحب ولد عورت کو طلاق دی اور کہا: میں نے اس سے وطی نہیں کی تو اس سے رجوع کر لے۔ اسی کی مثل ''کنز''، ''ہدایہ'' وغیرہما میں ہے۔ محقق ''صدر الشریعۃ'' نے اس پر اعتراض کیا کہ حمل والی عورت میں اشکال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے طلاق کے وقت حمل کے وجود کا پتا

....

تب چلتا ہے جب وہ عورت طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دے اور جب وہ بچہ جن دے تو عدت ختم ہو جائے گی تو وہ رجوع کا مالک کیسے بنے گا۔ یہ مراد نہیں کہ وہ وضع حمل سے قبل رجوع کا مالک ہوگا یعنی اس سے قبل رجوع کی صحت کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ جب اس نے وطی کا انکار کیا تو شرعاً اس کی تکذیب نہ کی جائے گی مگر ولادت کے بعد، وہ بھی اس صورت میں جب وہ طلاق کے وقت سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جن دے ولادت سے قبل شرعاً اس کی تکذیب نہ کی جائے گی۔ صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے: جس نے ایسی حاملہ عورت کو طلاق دی جس سے وطی سے انکار کیا پھر اس سے رجوع کیا تو وہ عورت چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دے تو اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا۔ ملخصاً۔

مصنف نے اپنے متن میں اس کی پیروی کی جس طرح تو نے دیکھا ہے۔ شارح نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''وقایہ'' سے ماخوذ ہے کہ ان کا قول راجع اس کا معنی ہے: اگر اس نے ولادت سے قبل رجوع کیا تو اس کا رجوع صحیح ہوگا جو طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچے کی ولادت پر موقوف ہوگا۔ ولادت پر رجوع کی صحت کے ظہور کا موقوف ہونا رجوع کی صحت کے منافی نہیں۔ لیکن اس میں جو بعد ہے وہ مخفی نہیں۔ لیکن ''البحر'' میں مشائخ کی تائید کی ہے۔ اور ''صدر الشریعۃ'' کے قول: ان وجود الحمل کا رد کیا ہے کہ حمل تو وضع سے پہلے ثابت ہوتا ہے اور اس کے ساتھ نسب ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ خیار العیب کے باب میں اس کی تصریح کی ہے کہ ایسی لونڈی جس کو بیچا گیا ہے اس کا حمل وضع سے پہلے اس کے ظہور کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ اور ثبوت نسب کے باب میں حمل، ظاہر حمل سے ثابت ہوتا ہے یعنی جب حمل ولادت سے قبل ثابت ہو جاتا ہے تو رجوع کی صحت کا حکم اس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ ''یعقوب باشا'' نے بھی اس پر اپنے حواشی میں دو اعتبار سے رد کیا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ وہ ہے جو ''البحر'' سے گزری ہے اور دوسری وجہ وہ ہے جو آنے والے مسئلہ میں آئے گی۔ اگر مرد نے اس سے رجوع کیا پھر عورت نے دو سال سے کم میں بچہ جن دیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کہا: اس سے یہ معلوم ہوا کہ حمل چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں بچہ پیدا ہونے سے پہچانا جائے گا۔ ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

بعض کا قول کہ حمل ولادت سے ہی ثابت ہوتا ہے کا معنی

میں کہتا ہوں علامہ ''مقدسی'' نے پہلی وجہ کا جواب دیا ہے جہاں کہا: صدر الشریعہ کا کلام تحقیق ہے جو قبول کے لائق ہے اور جس نے اسے رد کیا ہے اس کا قول کہ حمل وضع سے قبل ثابت ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وضع سے قبل ہی نسب ثابت ہو جاتا ہے وہ مردود ہے۔ باب خیار العیب میں اس کے ساتھ جو استدلال کیا گیا ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ضعیف روایت ہے کہ عیب کی وجہ سے عورت کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ دونوں میں سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ عورت کا قول خصومت کے لیے قبول کیا جائے گا رد کے لیے قبول نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک ''باب ثبوت النسب'' میں ان کا قول ہے ظاہر حمل، بے شک نسب، فراش اور ولادت کے ساتھ عورت کے قول سے ثابت ہو جاتا ہے۔ یہاں اختلاف معروف

....

ہے کہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب خاوند نے معتدہ کی ولادت کا انکار کیا تو وہ ولادت ثابت نہیں ہوگی مگر دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں مگر جب حمل ظاہر ہو۔ حمل ظاہر ہونے کی صورت میں ایک عورت جب کہ وہ دائی ہو اس کی گواہی سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ نہیں کہ حمل ثابت ہوتا ہے۔ بے شک اس کا ظہور عورت کی شہادت کی تائید کرتا ہے۔ جہاں تک اس کے ثبوت کا تعلق ہے تو وہ ولادت پر موقوف ہے جس طرح اس پر ''مبسوط'' میں نص قائم کی ہے۔ اس میں ہے: اگر کہا: اگر تو حاملہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو کہا: اگر اس نے ایک دفعہ عورت سے وطی کی ہوئی ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ عورت کے قریب نہ جائے پھر کہا: اگر اس عورت نے مذکورہ قول کے بعد دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور بچے کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی۔ اس نے حمل کو ثابت نہیں کیا مگر مخصوص طریقہ سے بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ثابت کیا۔ حمل کے ظہور کو ثبوت کا نام نہیں دیا جاتا۔ اور جو امر ثبوت پر موقوف ہوتا ہے وہ اس پر مترتب نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ ''زیلعی'' نے وہاں جو بیان کیا ہے کہ ولادت عورت کے اس قول کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ میں نے بچہ جنا جب وہاں حمل ظاہر تھا یا قائم فراش تھا یا خاوند کی جانب سے حمل کے ظاہر ہونے کا اعتراف تھا یہاں تک کہ اگر مرد نے عورت کی طلاق کو بچے کی ولادت کے ساتھ معلق کر دیا تو طلاق عورت کے اس قول: ولدتُ سے واقع ہو جائے گی۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ اور دائی کی گواہی بچے کی تعیین کے لیے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ولادت ثابت نہیں ہوتی مگر دائی جب گواہی دے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ولادت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وقت ثابت ہو جاتی ہے جب حمل ظاہر ہو۔ علامہ ''قاسم'' نے وہاں کہا: ظہور سے مراد یہ ہے کہ اس کی علامات ظاہر ہوں اس حیثیت سے کہ جو بھی اس کا مشاہدہ کرے اس کا ظن غالب ہو کہ یہ عورت حاملہ ہے۔ ہاں اس کے ظہور کا اعتبار کیا جائے گا جب اس کا غیر اس کا معارض نہ ہو جس طرح ہمارے مسئلہ میں ہے۔ اس کا اقرار کہ اس نے وطی نہیں کی یہ اس کے رجوع کی صحت کے منافی ہے جب تک اس کا کذب ظاہر نہ ہو اس طرح کہ وہ عورت چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دے۔ اس کی مثل وہ ہے کہ معتدہ عورت اپنی عدت کے ختم ہونے کا قول کرے پھر حمل کا دعویٰ کر دے۔ بے شک علما اس کے حمل کے ظاہر ہونے کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ اس کی ولادت کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب خبر دینے کے وقت سے چھ ماہ سے پہلے وہ بچہ جن دے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے جھوٹ کا یقین ہے اگر اس سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ تناقض کے وقت انہوں نے حمل کے ظاہر ہونے کی طرف نہیں دیکھا انہوں نے اس امر کی طرف دیکھا جس سے پہلی خبر کا جھوٹ یقینی طور پر ظاہر ہو جائے۔ یہ اس کا مؤید ہے جو 'صدر الشریعہ' نے کہا ہے۔

دوسری وجہ کا جواب ہے کہ آنے والے مسئلہ میں طلاق بیوی کے ساتھ خلوت کے اقرار کے بعد مفروض ہے۔ اور خلوت کے بعد طلاق عدت کو واجب کرتی ہے۔ اور طلاق رجعی کی معتدہ جب اپنی عدت کے گزرنے کا اقرار نہ کرے اور بچہ جن دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ دو سال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے تو ولادت رجعت ہوگی ورنہ ولادت رجعت نہ ہو

(كَمَا) صَحَّتْ (لَوْ طَلَّقَ مَنْ وَلَدَتْ قَبْلَ الطَّلَاقِ) فَلَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ فَلَا رَجْعَةَ لِمُضِيِّ الْعِدَّةِ (مُنْكِرًا وَطْأَهَا) لِأَنَّ الشَّرْعَ كَذَّبَهُ بِجَعْلِ الْوَلَدِ لِلْفِرَاشِ، فَبَطَلَ زَعْمُهُ حَيْثُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِإِقْرَارِهِ حَقُّ الْغَيْرِ

جس طرح رجعت صحیح ہوتی ہے اگر مرد نے اس عورت کو طلاق دی جس نے طلاق سے قبل بچہ جنا ہو۔ اگر اس نے طلاق کے بعد بچہ جنا ہو تو عدت کے گزر جانے کی وجہ سے کوئی طلاق نہ ہوگی۔ دراں حالیکہ وہ وطی سے انکاری ہو۔ کیونکہ شرع نے اسے جھٹلا دیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شرع نے بچہ صاحب فراش کا بنایا ہے اس کا گمان باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس کے اقرار سے غیر کا حق متعلق نہیں۔

گی۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ طلاق سے قبل اس کی ولادت کا عمل شروع ہوا ہو جس طرح عدت میں آئے گا۔ جب بچے کا نسب ثابت ہو گا جب کہ مرد نے قول کے ساتھ رجوع کیا تھا تو جب دو سال سے کم عرصہ میں بچہ ہوا تو اس رجعت کا صحیح ہونا واضح ہو جائے گا۔ جہاں تک ہمارے مسئلہ کا تعلق ہے اس نے خلوت کا اقرار نہیں کیا کہ اس پر عدت لازم ہوتی۔ جب مرد نے اسے طلاق دی تو ظاہر ہے یہ دخول سے قبل طلاق ہو گی تو اس پر کوئی عدت نہ ہو گی۔ جب اس نے طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دیا تو اس سے یہ واضح ہو گیا کہ طلاق دخول کے بعد ہوئی تھی جب کہ وہ معتدہ تھی۔ جب اس نے ولادت سے قبل بیوی سے رجوع کیا تھا تو رجوع کا صحیح ہونا واضح ہو گیا۔ کیونکہ وہ عدت میں ہے۔ جب اس نے طلاق کے وقت سے چھ ماہ بعد بچہ جنا تو معاملہ مختلف ہو گا۔ تو اس سے معلوم نہیں ہو گا کہ رجعت عدت میں ہوئی اور بچے کا نسب ثابت نہیں ہو گا۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر عورت جس پر عدت واجب نہ ہو تو اس کے بچے کا نسب خاوند سے ثابت نہیں ہوتا مگر جب یقینی طور پر علم ہو کہ یہ اسی خاوند سے ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جنے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں کہ رجعت کی صحت ولادت اور ثبوت نسب پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے مسئلہ میں نسب طلاق کے وقت سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے ولادت سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ حمل طلاق سے پہلے ٹھہرا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عورت معتدہ ہے۔ آنے والا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس عورت کے بارے میں فرض کیا گیا ہے جس سے خلوت کی گئی ہو جس پر عدت واجب ہو گئی۔ پس اس کی رجعت صحیح ہو گی اگرچہ وہ چھ ماہ سے زیادہ میں وہ بچہ جنے۔ اس مقام پر اس وضاحت کو غنیمت جان جس میں دانستیں بھٹک گئی ہیں۔ والسلام۔ فافہم

14278۔ (قولہ: مَنْ وَلَدَتْ قَبْلَ الطَّلَاقِ) جب اس نے نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے گزرنے پر بچہ جنا ہو۔

14279۔ (قولہ: حَيْثُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِإِقْرَارِهِ حَقُّ الْغَيْرِ) ''البحر'' میں کہا: اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جسے ''الکافی'' میں وارد کیا ہے کہ جس نے کسی اور کے لیے غلام کا اقرار کیا پھر اسے خریدا پھر اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا پھر وہ غلام مقرلہ تک پہنچ گیا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ غلام کو مقرلہ تک پہنچا دے اگرچہ اسے شرعاً جھٹلایا گیا ہو۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہے۔ رجعت کا مسئلہ مختلف ہے'' ح''۔

(وَلَوْ خَلَا بِهَا ثُمَّ أَنْكَرَهُ) أَيِ الْوَطْءَ (ثُمَّ طَلَّقَهَا لَا) يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يُكَذِّبْهُ، وَلَوْ أَقَرَّ بِهِ وَأَنْكَرَتْهُ فَلَهُ الرَّجْعَةُ وَلَوْ لَمْ يَخْلُ بِهَا فَلَا رَجْعَةَ لَهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا وَلْوَالِجِيَّةٌ (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَرَاجَعَهَا) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ حَوْلَيْنِ) مِنْ حِينِ الطَّلَاقِ (صَحَّتْ) رَجْعَتُهُ السَّابِقَةُ لِصَيْرُورَتِهِ مُكَذَّبًا كَمَا مَرَّ (وَلَوْ قَالَ إِنْ وَلَدْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ) فَطَلُقَتْ فَاعْتَدَّتْ (ثُمَّ وَلَدَتْ (آخَرَ بِبَطْنَيْنِ)

اگر مرد نے عورت سے خلوت کی پھر مرد نے وطی کا انکار کر دیا پھر مرد نے عورت کو طلاق دے دی تو وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ شرع نے اسے نہیں جھٹلایا۔ اگر مرد نے اسے طلاق دی اور اس سے رجوع کیا جب کہ مسئلہ اسی حالت پر ہو اس عورت نے دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دیا یعنی جس وقت طلاق دی تھی تو اس کی سابقہ رجعت صحیح ہوگی۔ کیونکہ وہ ایسا ہو گیا جس کو جھٹلا دیا گیا جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر مرد نے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق ہے عورت نے بچہ جنا تو اسے طلاق ہو جائے گی اور وہ عدت گزارے گی۔ پھر اس نے دو بطنوں سے بچہ جنا

14280۔(قولہ: لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يُكَذِّبْهُ) کیونکہ وہ رجوع کا مالک نہیں ہوتا مگر جب وہ وطی کی عدت گزارے نہ کہ خلوت کی عدت گزارے جب کہ اس نے وطی کا انکار کیا۔ پس اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی جب کہ رجوع مرد کا حق ہے اور شرع نے اسے اس میں نہیں جھٹلایا۔ جو (مقولہ 14277 میں) گزر چکا ہے اور جو آئے گا وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ نسب کے ثبوت کے ساتھ اسے شرعاً جھٹلا دیا گیا ہے۔ اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ مہر متاکد ہوگا اور عدت واجب ہوگی۔ کیونکہ مہر کا متاکد ہونا مبدل کے سپرد کرنے پر مبنی ہے۔ اور عدت احتیاطاً واجب ہوگی۔ کیونکہ وطی کا احتمال موجود ہے۔ اس سے وطی کا اثبات لازم نہیں آتا اور اس کے انکار سے شرعاً اسے جھٹلایا نہیں گیا۔ ''البحر'' سے یہی سمجھا گیا ہے۔

14281۔(قولہ: فَلَهُ الرَّجْعَةُ) کیونکہ ظاہر اس کا شاہد ہے کیونکہ خلوت دخول کی دلالت ہے، ''بحر''۔

14282۔(قولہ: وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا) یعنی مرد نے اس کے ساتھ خلوت کی اور اس کی وطی کا انکار کیا۔

14283۔(قولہ: صَحَّتْ رَجْعَتُهُ) یعنی رجعت کی صحت ظاہر ہوگئی۔

14284۔(قولہ: لِصَيْرُورَتِهِ مُكَذَّبًا) یعنی اس کے قول لم اجامعها میں اسے جھٹلا دیا گیا ہے۔ کیونکہ نسب ثبوت کے ساتھ اسے اس وطی کرنے والے کے مقام پر رکھا جائے گا جس نے طلاق سے قبل وطی کی نہ کہ جس نے طلاق کے بعد وطی کی اگرچہ اس کا انکار کرے۔ کیونکہ اسے جھٹلانا اسے زنا پر محمول کرنے سے بہتر ہے، ''نہر''۔ ہم نے مسئلہ کی تحقیق پہلے (مقولہ 14270 میں) کر دی ہے۔

14285۔(قولہ: فَاعْتَدَّتْ) یعنی وہ عدت میں داخل ہوئی یہ ''البحر'' کے قول کا معنی ہے: ووجبت العدة۔ اس کا معنی یہ معنی نہیں کہ اس کی عدت گزر گئی ہے یہاں تک کہ کہا جائے صحیح اس کا حذف ہے۔ فافہم

14286۔(قولہ: بِبَطْنَيْنِ) یہ پہلے ولدت اور دوسرے ولدت کے مفعول سے حال ہے یہ ولدت کے متعلق نہیں۔

يَعْنِي بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَلَوْ لِأَكْثَرَ مِنْ عَشْرِ سِنِينَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِأَنَّ امْتِدَادَ الطُّهْرِ لَا غَايَةَ لَهُ إِلَّا الْيَأْسَ (فَهُوَ) أَيِ الْوَلَدُ الثَّانِي (رَجْعَةٌ) إِذْ يُجْعَلُ الْعُلُوقُ بِوَطْءٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَا بِبَطْنٍ وَاحِدٍ (وَفِي كُلَّمَا وَلَدْتِ) فَأَنْتِ طَالِقٌ - (فَوَلَدَتْ ثَلَاثَ بُطُونٍ تَقَعُ الثَّلَاثُ وَالْوَلَدُ الثَّانِي رَجْعَةٌ) فِي الطَّلَاقِ الْأَوَّلِ كَمَا مَرَّ وَتَطْلُقُ بِهِ ثَانِيًا (كَالْوَلَدِ الثَّالِثِ) فَإِنَّهُ رَجْعَةٌ فِي الثَّانِي

یعنی چھ ماہ کے بعد اگر چہ دس سال کے بعد جنے جب تک وہ عدت کے ختم ہونے کا اقرار نہ کرے۔ کیونکہ طہر کا لمبا ہونا اس کی کوئی انتہا نہیں مگر مایوسی۔ پس دوسرے بچے کی پیدائش رجوع ہوگا۔ کیونکہ دوسرے بچے کی پیدائش کا عمل عدت میں ہوا۔ اگر دونوں ایک بطن سے ہوتے تو معاملہ مختلف ہوتا۔ اور اس کے قول کلما ولدت فانت طالق میں اس نے تین بطون سے بچے جنے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ دوسرا بچہ پہلی طلاق سے رجوع ہوگا جس طرح گزر چکا ہے اور اسے دوسری طلاق ہو جائے گی جس طرح تیسرے بچے کی پیدائش یہ دوسری طلاق سے رجوع ہوگا

14287۔ (قولہ: يَعْنِي بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ) یہ ببطنین قول کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اگر دو ولادتوں کے درمیان اس سے کم عرصہ ہو تو یہ متعین ہو گیا کہ دوسرا بچہ پہلے کی ولادت سے پہلے موجود تھا۔ پس وہ دونوں ایک بطن میں مجتمع تھے پس دوسرے کی ولادت رجوع نہ ہوگی۔ کیونکہ طلاق سے پہلے اس کی ولادت کا عمل یقینی طور پر شروع تھا۔

14288۔ (قولہ: فَهُوَ رَجْعَةٌ) یعنی وہ وطی جس سے بچے کی ولادت ہوئی وہ رجوع ہے اور رجعت کو ولد کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وطی کا علم اس سے ہی ہوتا ہے۔

14289۔ (قولہ: بِوَطْءٍ حَادِثٍ) یعنی طلاق کے بعد عدت میں وطی ہو۔ پس اس کے ساتھ وہ رجوع کرنے والا ہو جائے گا۔ یہ دونوں کی حالت کو صلاح پر محمول کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس نے عورت کے ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ جس طرح جب ایک آدمی نے اسے طلاق رجعی دی تو اس نے دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا تو وہ یقیناً نئی وطی سے ہوا ہے۔ اگر وہ دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دے تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ رجوع نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق سے پہلے بچے کی ولادت کا عمل شروع تھا۔ جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 14277 میں) بیان کر دیا ہے۔ یہ احتمال یہاں ساقط ہے کیونکہ جب دونوں دو بطنوں سے تھے تو دوسرا بچہ ایسی وطی سے ہوا جو لازماً طلاق کے بعد ہوئی جس طرح ''الفتح'' میں اس کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''شرح مسکین'' میں مخالفت کے دعویٰ کا کیا گیا ہے۔

14290۔ (قولہ: بِخِلَافِ) اس کی وجہ ابھی آپ جان چکے ہیں۔

14291۔ (قولہ: ثَلَاثَ بُطُونٍ) اس طرح کہ دو طلاقوں کے درمیان چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا عرصہ تھا۔

14292۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی نئے بچے کے حمل کو عدت میں نئی وطی سے تسلیم کیا جائے۔ اس کے بارے میں یہ اعتراض نہ کیا جائے گا اس پر حکم نفاس میں وطی کا حکم ہوگا جب کہ وہ حرام ہے۔ کیونکہ نفاس کی کم سے کم کی کوئی حد نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اصلاً خون نہ دیکھے، ''نہر''۔

وَتَطْلُقُ بِهِ ثَلَاثًا عَمَلًا بِكُلَّمَا (وَتَعْتَدُّ) لِلطَّلَاقِ الثَّالِثِ (بِالْحَيْضِ) لِأَنَّهَا مِنْ ذَوَاتِ الْأَقْرَاءِ مَا لَمْ تَدْخُلْ فِي سِنِّ الْيَأْسِ فَبِالْأَشْهُرِ وَلَوْ كَانُوا بِبَطْنٍ يَقَعُ ثِنْتَانِ بِالْأَوَّلَيْنِ لَا بِالثَّالِثِ لِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ بِهِ فَتْحٌ (وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَزَيَّنُ) وَيَحْرُمُ ذَلِكَ فِي الْبَائِنِ وَالْوَفَاةِ (لِزَوْجِهَا)

اور اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ یہ کلما پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوگا۔ وہ اس تیسری طلاق کی عدت حیضوں سے گزارے گی۔ کیونکہ وہ ذوات الاقرا میں سے ہے جب تک وہ مایوسی کی عمر کو نہ پہنچے۔ اگر مایوسی کی عمر کو پہنچ جائے تو مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی۔ اگر وہ ایک ہی بطن سے جنم لیں تو پہلے دو بچوں کی پیدائش سے دو طلاقیں ہو جائیں گی۔ تیسرے بچے سے طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس کے ساتھ عدت ختم ہو رہی ہے "فتح"۔ مطلقہ رجعیہ زیب و زینت کرے گی۔ طلاق بائن اور وفات کی عدت میں یہ حرام ہے۔ وہ موجود خاوند

14293۔ (قولہ: ثَلَاثًا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ کہا جاتا ثالثا کہ یہ شارح کے قول ثانیا کے موافق ہو جاتا۔

14294۔ (قولہ: عَمَلًا بِكُلَّمَا) یہ ان کے قول و تطلق فی الموضعین کی علت ہے۔ یعنی کلما تکرار کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ عموم افعال کے لیے ہوتا ہے۔

14295۔ (قولہ: فَبِالْأَشْهُرِ) یعنی وہ عدت مہینوں کے اعتبار سے گزارے گی اور حیض میں سے جو گزرے ہیں وہ باطل ہو جائیں گے اگر اس میں سے کوئی چیز پائی گئی۔ "ط"

14296۔ (قولہ: وَلَوْ كَانُوا بِبَطْنٍ) یعنی دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم عرصہ ہو۔

14297۔ (قولہ: لِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ بِهِ) پس شرط کا وقت، جو ولادت ہے، عدت کے ختم ہونے کے وقت کے ساتھ مل گیا ہے تو اس کے ساتھ کوئی چیز واقع نہ ہوگی۔ "الدر المنتقی" میں ہے: الا ان تجیء برابع یعنی اسے تیسری طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس نے تیسرا بچہ نہ جنا تو اسے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر پہلے دو بچے ایک بطن سے اور تیسرا ایک بطن سے پیدا ہوں تو پہلے بچے کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرے بچے کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی۔ اور تیسرے بچے سے کوئی شے واقع نہ ہوگی۔ اگر پہلا ایک بطن سے اور دوسرا و تیسرا ایک بطن سے ہوں تو پہلے اور دوسرے سے دو طلاقیں ہو جائیں گی اور تیسرے بچے کے ساتھ عدت ختم ہو جاتی ہے تو کوئی شے واقع نہ ہوگی۔ "بحر" میں "الفتح" سے مروی ہے۔

مطلقہ رجعیہ کے لیے زیب و زینت کرنا مستحب ہے

14298۔ (قولہ: وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَزَيَّنُ) کیونکہ وہ خاوند کے لیے حلال ہے۔ کیونکہ اس کا نکاح قائم ہے۔ رجوع مستحب ہے۔ اور زیب و زینت کرنا اس پر برانگیختہ کرنا ہے۔ پس یہ مشروع ہوگا "بحر"۔

طلاق بائن اور وفات کی عدت میں زیب و زینت حرام ہے

14299۔ (قولہ: وَيَحْرُمُ ذَلِكَ فِي الْبَائِنِ وَالْوَفَاةِ) جہاں تک طلاق بائن کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی

الْحَاضِرِ لَا الْغَائِبِ لِفَقْدِ الْعِلَّةِ (اِذَا كَانَتْ) الرَّجْعَةُ (مَرْجُوَّةً) وَإِلَّا فَلَا تَفْعَلُ، ذَكَرَهُ مِسْكِينٌ (وَلَا يُخْرِجُهَا مِنْ بَيْتِهَا) وَلَوْ لِمَا دُونَ السَّفَرِ لِلنَّهْيِ الْمُطْلَقِ (مَا لَمْ يُشْهِدْ عَلَى رَجْعَتِهَا) فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ، وَهَذَا

کیلئے زیب وزینت کرے گی غائب خاوند کیلئے ایسا نہیں کرے گی۔ کیونکہ علت مفقود ہے جب رجوع کی امید ہو۔ ورنہ ایسا نہ کرے۔ "مسکین" نے اسے ذکر کیا ہے۔ خاوند اسے اس کے گھر سے باہر نہیں لے جائے گا اگرچہ سفر سے کم کی مسافت ہو۔ کیونکہ نہی مطلق ہے جب تک اس کی رجعت پر گواہ نہ بنالے۔ اگر گواہ بنائے تو عدت باطل ہوجائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے

طرف نظر کرنا حرام ہے اور رجوع کرنا مشروع نہیں۔ جہاں تک وفات کا تعلق ہے تو سوگ منانا واجب ہے۔ "البحر" میں اسے بیان کیا ہے۔

14300۔ (قولہ: لِفَقْدِ الْعِلَّةِ) وہ مراجعت پر برانگیختہ کرنا ہے، "ط"۔

14301۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی عورت جانتی ہے کہ خاوند شدت بغض کی وجہ سے اس کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا، "بحر"۔

14302۔ (قولہ: ذَكَرَهُ مِسْكِينٌ) یعنی "ملا مسکین" نے یہ قول ذکر کیا ہے: اذا کانت الرجعة مرجوة۔ "البحر" وغیرہ میں اس قول کو ثابت رکھا ہے۔

14303۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ الْمُطْلَقِ) یعنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ (الطلاق: 1) یہ حکم اس عورت کے بارے میں نازل ہوا جسے طلاق رجعی دی گئی ہو۔ گھر سے نکالنے کی نہی مطلق ہے اور سفر سے کم مسافت کو بھی شامل ہے۔

14304۔ (قولہ: مَا لَمْ يُشْهِدْ عَلَى رَجْعَتِهَا) اولیٰ یہ تھا کہ یہ قول ذکر کرتے: مالم یراجعها کیونکہ گواہ بنانا مستحب ہے، "ط"۔ یعنی گواہ بنانے کو گھر سے نکالنے کی حرمت کی غایت بنانا اچھا نہیں۔ کیونکہ عدت رجوع کے ساتھ مطلقاً ختم ہوجاتی ہے "الفتح" میں ذکر کیا: "الہدایہ" میں جو کچھ ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ مسافرت اور خلوت کی کراہت کو بھی صرف مراجعت کے ارادہ نہ کرنے تک محدود رکھا جائے اس تقدیر کے ساتھ جب وہ اس کے بعد عدت میں اس سے رجوع نہ کرے۔ کیونکہ اس سے واضح ہوگیا ہے کہ یہ اجنبیہ نہیں۔ کیونکہ طلاق نے اپنا عمل نہیں کیا۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ مطلقاً سفر کو حرام کیا جائے کیونکہ اس کے منع میں نص مطلق ہے خلوت میں نہیں کیونکہ اس میں نص نہیں۔ ملخصاً۔ فافہم

14305۔ (قولہ: فَتَبْطُلُ الْعِدَّةُ) یعنی اگر اس نے رجعت پر گواہ بنالیے تو عدت باطل ہوجائے گی۔

14306۔ (قولہ: وَهَذَا) یہ اس مفہوم کی طرف اشارہ ہے جو ان کے قول: مالم یشهد من ان الا خراج لیس رجعة سے سمجھا گیا ہے۔ "البحر" میں ہے: مراد ہے اگر خاوند اس کی طرف رجوع نہ کرنے کی تصریح کردے، مگر جب وہ خاموش ہوجائے تو مسافرت دلالۃً رجوع ہوگا جس طرح "الفتح"، "قاضی" کی "شرح الجامع الصغیر" ان کے فتاویٰ، "البدائع" اور "غایۃ البیان" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ سب یہ علت بیان کرتے ہیں کہ سفر رجعت کی دلالت ہے۔ "زیلعی" نے جو ذکر کیا ہے کہ سفر رجعت کی دلالت نہیں وہ منتفی ہوجاتا ہے۔

إِذَا صَرَّحَ بِعَدَمِ رَجْعَتِهَا، فَلَوْ لَمْ يُصَرِّحْ كَانَ السَّفَرُ رَجْعَةً دَلَالَةً فَتْحٌ بَحْثًا وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (فَلَوْ وَطِئَ لَا عُقْرَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ مُبَاحٌ (لَكِنْ تُكْرَهُ الْخَلْوَةُ بِهَا) تَنْزِيهًا (إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الرَّجْعَةُ وَإِلَّا لَا) تُكْرَهُ

جب وہ رجوع نہ کرنے کی تصریح کرے۔ اگر وہ تصریح نہ کرے تو سفر دلالۃً رجعت ہوگی۔ ''فتح'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس نے وطی کی تو اس پر عقر (مہر) لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مباح ہے۔ لیکن اس عورت کے ساتھ خلوت کرنا مکروہ تنزیہی ہے اگر اس کا رجوع کا ارادہ نہ ہو ورنہ مکروہ نہیں۔

14307۔ (قولہ: فَتْحٌ بَحْثًا) اس میں ہے: ''الفتح'' کے کلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس امر کا فائدہ دے کہ یہ ان کی جانب سے بحث ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ سابقہ کتب میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ''الفتح'' کی عبارت ہے: اس نص سے مسافرت کیونکہ حرام ہے اس لیے یہ رجوع نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اور نہ ہی رجوع کی دلالت ہوگی۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس کے ساتھ رجوع نہ کرنے کی تصریح کی گئی ہو۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شہوت کے ساتھ بوسہ دینا وغیرہ بذات خود رجوع ہے اگرچہ وہ اپنی ذات پر عدم رجوع کا اعلان کرے۔ اس کا جواب حل اور حرمت کے ساتھ فرق ہے۔

یعنی بوسہ لینا حلال ہے پس یہ رجوع ہوگا۔ مسافرت حرام ہے تو یہ رجوع نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر دلالت ہوگی جب اس نے رجوع نہ کرنے کی تصریح کر دی تھی۔ صاحب ''الفتح'' کا قول: لان الکلام اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ تو منقول ہے بحث نہیں۔ فافہم

14308۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رجوع قائم ملکیت کو دوام بخشا ہے جب کہ آپ کے نزدیک زائل ہو جانے والی حلت کو نئے سرے سے پیدا کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حلال ہے کیونکہ من کل الوجوہ نکاح کی ملکیت قائم ہے یہ اس وقت ختم ہوگی جب عدت ختم ہوگی۔

14309۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُبَاحٌ) اس میں مسامحت ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وطی مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے جس طرح وضاحت پہلے (مقولہ 14215 میں) گزر چکی ہے۔ مباح اسے کہتے ہیں جس کے متعلق شارع کا خطاب فعل کے کرنے اور اسے ترک کرنے میں اختیار برابر طور پر ہو۔ مکروہ اگرچہ تنزیہی ہو اس میں ترک راجح ہوتا ہے تو وہ مباح نہ ہوگا۔ زیادہ مناسب تھا کہ یہ کہتے: کیونکہ یہ جائز ہے۔ کیونکہ جائز کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو شرعاً حرام نہ ہو وہ واجب ہو یا مکروہ ہو جس طرح ''التحریر'' میں بیان کیا ہے۔

14310۔ (قولہ: لَكِنْ تُكْرَهُ الْخَلْوَةُ بِهَا) استدراک متدرک ہے۔ کیونکہ وطی کا حکم اسی کی مثل ہے جس طرح تجھے علم ہے۔

14311۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الرَّجْعَةُ) کیونکہ خلوت بعض اوقات شہوت کے ساتھ چھونے کی طرف

(وَيَثْبُتُ الْقَسْمُ لَهَا إِنْ كَانَ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ وَإِلَّا لَا) قَسْمَ لَهَا بَحْرٌ عَنِ الْبَدَائِعِ قَالَ وَصَرَّحُوا بِأَنَّ لَهُ ضَرْبَ امْرَأَتِهِ عَلَى تَرْكِ الزِّينَةِ وَهُوَ شَامِلٌ لِلْمُطَلَّقَةِ رَجْعِيًّا (وَيَنْكِحُ مُبَانَتَهُ بِمَا دُونَ الثَّلَاثِ فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَهَا بِالْإِجْمَاعِ) وَمُنِعَ غَيْرُهُ فِيهَا لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ

اور ایسی عورت کے لیے باری ثابت ہو جائے گی اگر اس کا ارادہ رجوع کا ہو۔ ورنہ اس کے لیے کوئی باری نہ ہوگی۔ ''بحر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے کہا: علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ وہ زینت کے ترک کرنے پر بیوی کو مار پیٹ سکتا ہے۔ یہ حکم مطلقہ رجعیہ کو بھی شامل ہوگا جب عورت کو تین سے کم طلاقیں دی ہوئی ہوں اس کے ساتھ عدت میں اور عدت کے بعد نکاح کر سکتا ہے اس پر اجماع ہے۔ کسی اور مرد کو عدت میں نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ نسب کے اشتباہ کا اندیشہ ہے۔

لے جاتی ہے۔ پس وہ رجوع کرنے والا ہو جاتا ہے جب کہ وہ رجوع کا ارادہ نہیں کرتا۔ پس وہ اسے طلاق دے دے گا پس عورت پر عدت لمبی ہو جائے گی۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے نقل کی ہے۔

14312۔ (قولہ: وَيَثْبُتُ الْقَسْمُ لَهَا) آنے والے باب میں عنقریب (مقولہ 14482 میں) آئے گا کہ مطلقہ رجعیہ کا جماع میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ نہ قضاءً نہ دیانۃً۔ اس وجہ سے مراجعت کسی اور امر سے مستحب ہوگی اس صورت میں باری صرف انس حاصل کرنے کے لیے ہوگی۔ تامل

14313۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) اگر مراجعت کا قصد نہ ہو تو باری ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر مراجعت کے ارادہ کے بغیر باری ثابت ہو تو بعض اوقات وہ اسے خلوت کی طرف لے جاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ حکم لازم ہوتا ہے جو گزر چکا ہے'' ط''۔

مبانہ سے نکاح کا بیان

14314۔ (قولہ: وَيَنْكِحُ مُبَانَتَهُ بِمَا دُونَ الثَّلَاثِ) جب اس امر کا ذکر کیا جس کے ساتھ طلاق رجعی کا تدارک ہوتا ہے اب اس امر کا ذکر کیا جس کے ساتھ غیر کا تدارک ہوتا ہے ''فتح''۔ اسی وجہ سے ''ہدایہ'' میں اس کے لیے فصل ذکر کی ہے۔

14315۔ (قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) یہ قول ان کے قول فی العدۃ کی طرف راجع ہے۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ (البقرہ: 235) عام ہے۔ مراد عدت کے ختم ہونے تک۔ تو پھر خاوند کے لیے جائز ہے کہ عدت میں اس سے شادی کر لے جب کہ نص اپنے عموم کی وجہ سے اس سے مانع ہے۔ جواب ہے کہ اجماع سے ثابت ہے کہ اس نص سے خاوند کی عدت کو خارج کر دیا گیا ہے۔

14316۔ (قولہ: وَمُنِعَ غَيْرُهُ) عدت میں خاوند کے علاوہ کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ حمل ٹھہرنے سے نسب میں اشتباہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حقیقتاً یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ پہلے خاوند سے ٹھہرا ہے یا دوسرے خاوند سے ٹھہرا ہے۔ اصل میں عدت کے مشروع ہونے کی یہی حکمت ہے۔ یہاں اس کے ذکر سے مراد یہ بیان کرنا ہے کہ خصوصاً خاوند سے نکاح کرنا بالاجماع منع نہیں یہ اس کی علت کو بیان کرنا نہیں۔ کیونکہ صغیرہ، آئسہ، جو دخول سے قبل وفات کی عدت گزار رہی ہو، ایسے خاوند کی طلاق کی عدت گزار

(لَا يَنْكِحُ (مُطَلَّقَةً) مِنْ نِكَاحٍ صَحِيحٍ نَافِذٍ كَمَا سَنُحَقِّقُهُ (بِهَا) أَيْ بِالثَّلَاثِ (لَوْ حُرَّةً وَثِنْتَيْنِ لَوْ أَمَةً) وَلَوْ قَبْلَ الدُّخُولِ.

وہ ایسی عورت سے نکاح نہیں کرے گا جو نکاح صحیح نافذ سے مطلقہ ہو جس طرح ہم اس کو عنقریب ثابت کریں گے یعنی اسے تین طلاقیں دی گئی ہوں اگر وہ آزاد ہو، اور دو طلاقیں دی گئی ہوں اگر وہ لونڈی ہو اگرچہ دخول سے پہلے۔

رہی ہو جو بچہ ہو دوسرا اور تیسرا حیض ہوتے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔ مدت میں ایک اور عورت کی وجہ سے شادی کرنا جائز نہیں یہ محل کی عظمت کا اظہار ہے یا وہ حکم تعبدی ہے۔ اس کی مفصل وضاحت "الفتح" میں ہے۔

14317۔ (قولہ: لَا يَنْكِحُ مُطَلَّقَةً) تقدیر کلام تو لفظ ینکح ہے یہی ماقبل پر عطف کا مقتضی ہے لیکن زیادہ بہتر لا کا اضافہ ہے ولا یطأ بملک یمین۔ کیونکہ جس طرح اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ عقد کے ساتھ نکاح کرے اسی طرح ملک یمین کے ساتھ اس کے لیے وطی کرنا حلال نہیں جس طرح آگے (مقولہ 14339 میں) آئے گا۔ اگر وہ کہتے: لا تحل جس طرح آیت کریمہ میں ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو شامل ہوتا۔

14318۔ (قولہ: مِنْ نِكَاحٍ صَحِيحٍ نَافِذٍ) صحیح کا لفظ ذکر کر کے نکاح فاسد سے احتراز کیا ہے وہ ایسا نکاح ہوتا ہے جس میں نکاح کی بعض شرطیں معدوم ہوتی ہیں جس طرح گواہوں کے بغیر نکاح کرنا۔ کیونکہ وطی سے قبل اس کا کوئی حکم نہیں۔ اس کے بعد مہر مثل واجب ہوتا ہے اس میں طلاق، تعداد طلاق میں کمی نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ متارکہ ہوتا ہے۔ اگر مرد نے اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کے ساتھ کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ بغیر محلل کے اس کا اس مرد سے عقد نکاح کرنا جائز ہوتا ہے جس طرح پہلے باب المہر کے آخر میں (مقولہ 13345 میں) گزرا ہے۔ نافذ کا لفظ ذکر کر کے موقوف سے احتراز کیا ہے۔ "الفتاوی الہندیہ" میں "المحیط" سے "نکاح الرقیق" میں ہے: جب غلام، مکاتب، مدبر اور ام ولد کے بیٹے نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کی پھر آقا کی اجازت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں یہ طلاق متارکہ نکاح ہے حقیقت میں طلاق نہیں یہاں تک کہ اس سے طلاق کے عدد میں کمی نہ ہوگی۔ اگر آقا نے اس کے بعد نکاح کی اجازت دی تو اس کی اجازت موثر نہ ہوگی۔ اگر اس کے بعد اس کے آقا نے اسے عقد نکاح کی اجازت دے دی میں اس مرد کے لیے مکروہ جانتا ہوں کہ وہ اس سے شادی کرے اور میں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔

14319۔ (قولہ: كَمَا سَنُحَقِّقُهُ) یعنی ہم باب العدۃ میں اسے ثابت کریں گے جہاں کہا: نکاح فاسد میں خلوت عدت کو واجب نہیں کرتی اور اس میں طلاق، طلاق کی تعداد کو کم نہیں کرتی کیونکہ یہ فسخ نکاح ہے "جوہرہ"۔ وہاں موقوف کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ بھی فاسد کی اقسام میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ ہو جو عنقریب ان کا قول آئے گا: خرج الفاسد والموقوف اگرچہ یہ محلل کے بارے میں ہے لیکن یہ سمجھا جاتا ہے کہ جسے طلاق دی ہے اس میں بھی غیر معتبر ہے۔ اس سے مراد اس امر کی تحقیق کی طرف اشارہ کرنا نہیں جو قول بعد میں آئے گا: ثم هذا كله فرع صحة النكاح الاول۔ کیونکہ

وَمَا فِي الْمُشْكِلَاتِ بَاطِلٌ، أَوْ مُؤَوَّلٌ كَمَا مَرَّ (حَتَّى يَطَأَهَا غَيْرُهُ
''المشکلات'' میں جو کچھ ہے وہ باطل ہے یا مؤول ہے جس طرح گزر چکا ہے یہاں تک کہ غیر

اس سے مراد تمام مذاہب میں اس کی صحت ہے جس طرح تو عنقریب اسے پہچانے گا جس بحث میں ہم اس وقت ہیں یہ اس سے تعلق نہیں رکھتا۔ فافہم

14320۔ (قولہ: وَمَا فِي الْمُشْكِلَاتِ) جہاں کہا: جس نے اپنی بیوی کو حقوق زوجیت سے قبل تین طلاقیں دے دیں تو اسے اجازت ہے کہ تحلیل کے بغیر اس سے عقد نکاح کرے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ: 230) یہ اس عورت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں۔

14321۔ (قولہ: بَاطِلٌ) یعنی اگر اسے ظاہر پر محمول کیا جائے۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' میں کہا ہے: یہ عظیم لغزش ہے جو نص اور اجماع کے متصادم ہے۔ جو مسلمان اسے دیکھے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اسے نقل کرے چہ جائیکہ اس کا اعتبار کرے۔ کیونکہ ایسی بات نقل کرنے میں اس کی اشاعت ہے اس امر میں تخفیف کی جائے تو شیطان کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس میں اجتہاد کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اجتہاد کی شرط مفقود ہے وہ شرط کتاب اور اجماع کا مخالف نہ ہونا ہے۔ ہم زیغ وضلال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس میں امر ضروریات دین میں سے ہے اس کی مخالفت کرنے والے کو کافر قرار دینا یہ بعید نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس قول سے دھوکہ کھانے سے بچ جو ''زاہدی'' نے ''حاوی'' کے آخر میں کتاب الحیل کے شروع میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس میں اس عورت کے حلال قرار دینے کے حیلہ کے لیے ایک فصل باندھی ہے جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ اور اس میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے جو آنے والی تاویل کو قبول نہیں کرتا۔ بہت سے حیلے ذکر کیے ہیں سب کے سب باطل ہیں جو اس پر مبنی ہیں جس کا رد آ رہا ہے کہ وطی کے بغیر صرف عقد پر اکتفا کیا جائے۔

14322۔ (قولہ: أَوْ مُؤَوَّلٌ) یعنی جو علامہ ''بخاری'' نے ''درر البحار'' پر اپنی شرح ''غرر الاذکار'' میں کہا ہے: اور جو ''المشکلات'' میں ہے وہ تجھے اشکال میں نہ ڈالے۔ کیونکہ ان کے قول ثلاثا سے مراد تین متفرق طلاقیں ہیں تاکہ یہ عام کتب حنفیہ کے موافق ہو جائے اور صاحب ''المشکلات'' نے جو آیت کا جواب دیا ہے ہم اس تاویل کی تائید کو پہلے (مقولہ 14320 میں) بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس میں اس طلاق کا ذکر ہے جسے الگ الگ دیا گیا جب کہ اس میں عدم حل کی تصریح کی گئی ہے تو انہوں نے کہا: یہ آیت مدخول بہا کے بارے میں ہے۔ فافہم

14323۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی غیر مدخول بہا کے طلاق کے باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

14324۔ (قولہ: حَتَّى يَطَأَهَا غَيْرُهُ) یعنی اس کا غیر حقیقۃً یا حکماً وطی کرے جس طرح ایک عورت ایسے مرد سے عقد نکاح کرے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو تو وہ اس سے حاملہ ہو جائے جس طرح آگے (مقولہ 14384 میں) آئے گا۔ یہ اس صورت

وَلَوْ الْغَيْرُ (مُرَاهِقًا) يُجَامِعُ مِثْلُهُ
خواہ وہ مراہق ہو اس کے ساتھ وطی کرے جب اس کی مثل لڑکا جماع کرتا ہو۔

کو بھی شامل ہے جب عورت حائضہ ہو یا محرمہ ہو۔ اسے بھی شامل ہے اگر کئی خاوندوں نے اسے طلاق دی ہو ہر خاوند نے حقوق زوجیت سے پہلے تین طلاقیں دے دی ہوں۔ اس نے ایک اور مرد سے عقد نکاح کیا اور مرد نے حقوق زوجیت ادا کیے ہوں تو وہ عورت سب کے لیے حلال ہو جائے گی،''بحر''۔ اگر وہ عورت مدخول بہا ہے تو ضروری ہوگا کہ نکاح سے وطی پہلی طلاق کی عدت کے گزرنے کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ امر ظاہر تھا اس لیے وہ اس سے خاموش رہے۔

پھر جان لو کہ دخول کی شرط اجماع سے ثابت ہے صرف عقد کافی نہیں۔''قہستانی'' نے کہا:''کشف'' وغیرہ کتب اصول میں ہے کہ علما نے سوائے حضرت سعید بن مسیب کے حقوق زوجیت کے شرط ہونے پر اتفاق کیا ہے۔''زاہدی'' میں ہے: یہ اجماع امت سے ثابت ہے۔''المنیہ'' میں ہے: حضرت سعید بن مسیب نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ جو اس پر عمل کرے گا اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اسے دھتکار دیا جائے گا اور جو اس کا فتویٰ دے گا اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ جو''صدر شہید'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے آپ کی تصنیفات میں اس کا کوئی اثر (روایت) نہیں بلکہ کتابوں میں اس کی نقیض ہے۔ ''الخلاصہ'' میں آپ سے ذکر کیا۔ جس نے اس کا فتویٰ دیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اس میں قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ اس کی مفصل بحث اس میں ہے۔

14325۔(قولہ: وَلَوْ مُرَاهِقًا) اس سے مراد وہ ہے جو بلوغ کے قریب پہنچ گیا ہو۔ اور ضروری ہے کہ وہ بالغ ہونے کے بعد اسے طلاق دے کیونکہ مراہق کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔''در منتقی'' میں''التتارخانیہ'' سے مروی ہے۔

ہمارے اصحاب ضرورۃً امام مالک کے بعض اقوال کی طرف مائل ہیں

14326۔(قولہ: يُجَامِعُ مِثْلُهُ) یہ مراہق کی تفسیر ہے۔''الجامع'' میں ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ ہوتا ہے جس کا آلہ حرکت کرتا ہے اور وہ عورتوں کی خواہش کرتا ہے۔''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں''نہر''۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ آزاد بالغ ہو۔ کیونکہ امام''مالک'' کے نزدیک انزال شرط ہے جس طرح''خلاصہ'' میں ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں مذہبوں کو جمع کیا جائے۔ کیونکہ امام''مالک'' امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کی طرح ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے اصحاب آپ کے بعض اقوال کی طرف ضرورۃً مائل ہوئے جس طرح''المصفی'' کے دیباچہ میں ہے۔''قہستانی''۔

''حاشیہ الفتال'' میں ہے۔''الفقیہ ابو اللیث'' نے''تاسیس النظائر'' میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی مسئلے میں امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں قول نہ ہو تو امام''مالک'' کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ آپ کا مذہب احناف کے مذہب کے سب سے قریب ہے۔

وَقَدَّرَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ بِعَشْرِ سِنِينَ، أَوْ خَصِيًّا، ، أَوْ مَجْنُونًا، أَوْ ذِمِّيًّا لِذِمِّيَّةٍ (بِنِكَاحٍ) نَافِذٍ خَرَجَ الْفَاسِدُ وَالْمَوْقُوفُ، فَلَوْ نَكَحَهَا عَبْدٌ بِلَا إِذْنِ سَيِّدِهِ وَوَطِئَهَا قَبْلَ الْإِجَازَةِ لَا يُحِلُّهَا حَتَّى يَطَأَهَا بَعْدَهَا

''شیخ الاسلام'' نے دس سال کی مدت مقرر کی ہے، یا خصی ہو، مجنون ہو یا ذمی ہو ذمیہ کے لیے، ایسے نکاح کے ساتھ جو نافذ ہو۔ اس قید کے ساتھ نکاح فاسد اور نکاح موقوف اس سے خارج ہو جائیں گے۔ اگر اس عورت سے غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور اجازت سے پہلے اس سے وطی کی تو وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرے گا یہاں تک کہ اجازت کے بعد اس سے وطی نہ کرے۔

14327۔ (قولہ: أَوْ خَصِيًّا) یہ لفظ خا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے خصیتین کاٹ دیے گئے ہوں آلہ کے موجود ہونے کی وجہ سے تحلیل جائز ہے،''ط''۔

14328۔ (قولہ: أَوْ مَجْنُونًا) یہ لفظ دونونوں کے ساتھ ہے''ح''۔ ایک نسخہ میں مجبوب دو با کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے لیے کوئی چیز باقی نہ بچی ہو جسے وہ شرمگاہ میں داخل کرے۔ لیکن اس صورت میں تحلیل کی شرط یہ ہے کہ اس کی وطی سے وہ حاملہ ہو جائے جس طرح آگے (مقولہ 14348 میں) آئے گا۔

14329۔ (قولہ: أَوْ ذِمِّيًّا لِذِمِّيَّةٍ) یعنی اگر تحلیل مسلمان خاوند کی وجہ سے ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

14330۔ (قولہ: خَرَجَ الْفَاسِدُ وَالْمَوْقُوفُ) یہ دونوں نافذ کی قید کے ساتھ خارج ہو گئے۔ اس میں یہ ہے: فاسد صحیح کے مقابل ہے نافذ کے مقابل نہیں۔ کیونکہ عقود میں سے نافذ عقد وہ ہوتا ہے جو عاقد کے علاوہ کی اجازت پر موقوف نہ ہو۔ پس شرط فاسد کے ساتھ بیع معنی مذکور کے ساتھ نافذ ہے۔ ہاں اس میں جو موقوف ہوتی ہے اس میں مشائخ کے دو طریقے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح کی ایک قسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فاسد کی ایک قسم ہے جس طرح اس کی تحقیق البیوع میں (مقولہ 23253 میں) آئے گی ان شاء اللہ۔ دوسرے طریقے پر ہر موقوف فاسد ہے اور لغوی طور پر اس کا کوئی عکس نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ہر صحیح نافذ ہے۔ دونوں طریقوں میں عکس صحیح نہیں۔ فافہم

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو چاہیے تھا کہ نکاح صحیح کے ساتھ تعبیر کرنے میں ''کنز'' وغیرہ کی متابعت کرتے۔ پس فاسد نکل جاتا اسی طرح نکاح موقوف دو طریقوں میں سے ایک طریقہ پر نکل جاتا۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ نکاح مطلق صرف نکاح صحیح ہے۔ پس اس کے ساتھ نکاح فاسد خارج ہو جاتا ہے۔

14331۔ (قولہ: وَوَطِئَهَا قَبْلَ الْإِجَازَةِ لَا يُحِلُّهَا) اگرچہ آقا بعد میں اجازت دے دے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نکاح جو نص کے ساتھ مشروط ہے وہ نکاح کامل کی طرف پھر جاتا ہے کیونکہ یہی شرعاً معہود (معروف) ہے۔ فاسد اور موقوف کا معاملہ مختلف ہے۔ ورنہ علما نے تصریح کی ہے کہ نکاح موقوف فی الحال سبب منعقد ہوتا ہے اور اس کا حکم اجازت تک متاخر ہوتا ہے۔ پس اس کے ساتھ عقد کے وقت سے حلت ظاہر ہو جاتی ہے۔

وَمِنْ لَطِيفِ الْحِيَلِ أَنْ تُزَوَّجَ لِمَمْلُوكٍ مُرَاهِقٍ بِشَاهِدَيْنِ فَإِذَا أَوْلَجَ يُمَلِّكُهُ لَهَا فَيَبْطُلُ النِّكَاحُ ثُمَّ تَبْعَثُهُ لِبَلَدٍ آخَرَ فَلَا يَظْهَرُ أَمْرُهَا، لَكِنْ عَلَى رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْمُفْتَى بِهَا أَنَّهُ لَا يُحِلُّهَا لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ إِنْ كَانَ لَهَا وَلِيٌّ وَإِلَّا فَيُحِلُّهَا اتِّفَاقًا كَمَا مَرَّ (وَتَمْضِي عِدَّتُهُ)

حیلوں میں سے لطیف حیلہ یہ ہے کہ اس عورت کی شادی دو گواہوں کی موجودگی میں ایسے غلام سے کی جائے جو قریب البلوغ ہو جب وہ حقوق زوجیت ادا کر لے تو غلام کو عورت کی ملکیت میں دے دے پس نکاح باطل ہو جائے گا۔ پھر وہ عورت اس غلام کو کسی اور شہر بھیج دے تو اس عورت کا امر ظاہر نہیں ہوگا۔ لیکن ''حسن'' کی روایت کے مطابق جو مفتی بہ ہے کہ یہ اس عورت کو خاوند کے لیے حلال نہیں کرے گا کیونکہ کفو نہیں پایا جا رہا اگر اس عورت کا ولی ہو ورنہ یہ خاوند اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا اس پر سب کا اتفاق ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ دوسرے خاوند کی عدت گزر رے

14332۔ (قولہ: وَمِنْ لَطِيفِ الْحِيَلِ) یعنی تحلیل کے حیلوں میں سے لطیف حیلہ جو اس طریقہ پر ہو جس میں خاوند سے عورت کا حمل ٹھہرنے سے امن ہو، خاوند کی جانب سے طلاق سے رک جانے سے امن ہو اور لوگوں کے درمیان تحلیل کے امر کے ظاہر ہونے سے امن ہو۔ جب خاوند آزاد اور بالغ ہوگا تو معاملہ مختلف ہوگا۔

14333۔ (قولہ: لَكِنْ) اس حیلہ پر استدراک ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر مذہب پر تو یہ مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ نکاح میں کفاءت، نکاح کے انعقاد کی شرط نہیں مگر جو ''حسن'' کی روایت ہے جس پر فتویٰ ہے کہ یہ شرط ہے کہ غلام اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرے گا۔ کیونکہ کفاءت نہیں پائی جا رہی اگر اس عورت کا ولی ہو جو اس امر پر راضی نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی کہ اس عورت کا اصلاً ولی نہ ہو یا ہو اور وہ راضی ہو جائے تو بالاتفاق اسے حلال کر دے گا جس طرح باب الکفاءۃ میں (مقولہ 11745 میں) گزر چکا ہے۔ یہ دو وجہوں میں سے ایک ہے جنہیں امام ''حلوانی'' نے ذکر کیا ہے۔ اس میں سے دوسری وجہ وہ ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے: مراہق میں اختلاف ہے۔ ممکن ہے مسئلہ ایسے حاکم کے سامنے پیش کیا جائے جو اس مذہب کا حامل ہو جو اس نکاح کی صحت کا قائل نہ ہو تو وہ اسے فسخ کر دے پس مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

14334۔ (قولہ: أَنَّهُ لَا يُحِلُّهَا) اولیٰ یہ تھا کہ انہ کو حذف کر دیتے۔

حلالہ کرنے والے کی عدت کو ساقط کرنے کا حیلہ

14335۔ (قولہ: وَتَمْضِي عِدَّتُهُ) بعض شوافع نے عدت کے اسقاط کا حیلہ ذکر کیا: اس عورت کی شادی ایسے چھوٹے سے کی جائے جس کی عمر دس سال کی نہ ہو ایسا لڑکا اپنے آلہ کے انتشار کے ساتھ عورت کی فرج میں دخول کرتا ہے اور نکاح کے صحیح ہونے کا حکم ایک شافعی عالم لگاتا ہے پھر بچہ اسے طلاق دے دیتا ہے اور حنبلی عالم اس کی طلاق کی صحت اور اس پر عدت نہ ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔ مگر جب وہ دس سال کی عمر کا ہو جائے تو حنبلی عالم کے نزدیک عدت لازم ہو جائے گی یا خاوند کا ولی

أَيْ الثَّانِي (لَا بِمِلْكِ يَمِينٍ) لِاشْتِرَاطِ الزَّوْجِ بِالنَّصِّ، فَلَا يُحِلُّهَا وَطْءُ الْمَوْلَى وَلَا مِلْكُ أَمَةٍ بَعْدَ طَلْقَتَيْنِ، أَوْ حُرَّةٍ بَعْدَ ثَلَاثٍ وَرِدَّةٍ وَسَبْيٍ وَنَظِيرُهُ

وہ وطی ملک یمین کی وجہ سے نہ ہو۔ کیونکہ خاوند کا ہونا نص سے شرط ہے آقا کی وطی خاوند کے لیے اسی عورت کو حلال نہ کرے گی اور نہ ہی دو طلاقوں کے بعد لونڈی کا مالک ہونا یا تین کے بعد آزاد کا مالک ہونا، ارتداد اور گرفتاری کے بعد بھی اسے حلال نہیں کرے گی۔ اس کی مثل ہے

اس عورت کو طلاق دے دے اگر اس میں مصلحت دیکھے۔ اور مالکی اس کا اور اس کی وطی کی وجہ سے عدت کے واجب نہ ہونے کا حکم لگا دے پھر پہلا خاوند اس کے ساتھ عقد نکاح کر لے اور شافعی عالم اس کی صحت کا حکم لگائے کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے جب کہ پہلے ایسا دعویٰ موجود ہو جو اپنی تمام شرائط کو جامع ہو پس وہ مطلقہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: اس کی شرط میں سے ہے کہ وہ فیصلہ کرنے پر مال نہ لے۔ اور ان کے قول: و یحکم بہ مالکی مالکی فیصلہ کرے یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے (مقولہ 14326 میں) امام ''مالک'' کے نزدیک انزال کی شرط ذکر کی ہے گویا یہ دوسرا قول ہے۔

14336۔ (قولہ: أَيْ الثَّانِي) یعنی نکاح ثانی۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد زوج ثانی ہو۔ ''زیلعی'' اسی پر چلے ہیں۔ لیکن یہ مجاز ہے۔ ''عینی'' نے کہا: پہلا قول زیادہ قریب ہے اور دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے، ''نہر''۔

14337۔ (قولہ: لَا بِمِلْكِ يَمِينٍ) اس کا عطف بنکاح نافذ پر ہے۔

14338۔ (قولہ: لِاشْتِرَاطِ الزَّوْجِ بِالنَّصِّ) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ: 230) کیونکہ اسے اس عدم حل کی غایت بنایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (البقرہ: 230) سے ثابت ہے۔ جب خاوند نے اپنی لونڈی بیوی کو دو طلاقیں دیں پھر عدت کے بعد اس کے آقا نے اس سے وطی کی تو یہ وطی پہلے خاوند کے لیے عورت کو حلال نہ کرے گی۔ کیونکہ آقا خاوند نہیں۔

14339۔ (قولہ: وَلَا مِلْكُ أَمَةٍ) اس کا عطف وطء المولی پر ہے یعنی اگر خاوند نے اسے دو طلاقیں دے دیں جب کہ وہ لونڈی ہو پھر وہ اس کا مالک بن جائے یا تین طلاقیں دیں جب کہ وہ آزاد ہو تو وہ عورت مرتد ہو جائے اور دار الحرب لاحق ہو جائے پھر اسے قیدی بنا لیا جائے اور وہ مرد اس کا مالک بن جائے تو ایسے مرد کے لیے ملک یمین کی وجہ سے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ کوئی مرد اس کے ساتھ نکاح کرے اور خاوند اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے پھر خاوند اسے طلاق دے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ پھر اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے مصنف کا کلام نہ منطوقاً شامل ہے نہ مفہوماً شامل ہے۔ اس وجہ سے اسے مصنف کے قول لا بملك يمين پر تفریع کے طور پر ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ پس مشروط نکاح کی

مَنْ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا بِظِهَارٍ، أَوْ لِعَانٍ ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَسُبِيَتْ ثُمَّ مَلَكَهَا لَمْ تَحِلَّ لَهُ أَبَدًا (وَالشَّرْطُ التَّيَقُّنُ بِوُقُوعِ الْوَطْءِ فِي الْمَحَلِّ) الْمُتَيَقَّنِ بِهِ، فَلَوْ كَانَتْ صَغِيرَةً لَا يُوطَأُ مِثْلُهَا لَمْ تَحِلَّ لِلْأَوَّلِ وَإِلَّا حَلَّتْ

جن دومیاں بیوی کے درمیان ظہار یا لعان کی وجہ سے تفریق کی گئی پھر وہ مرتد ہوگئی اور اسے قیدی بنایا گیا پھر وہ مرد اس کا مالک بن گیا تو وہ عورت اس کے لیے کبھی حلال نہ ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ محل متیقن میں وطی کے وقوع کا یقین ہو۔ اگر وہ چھوٹی ہو کہ اس جیسی کے ساتھ وطی نہیں کی جاتی تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ ورنہ وہ عورت حلال ہو جائے گی

وجہ سے وطی ہے ملک کی وجہ سے وطی نہیں۔ وطی کرنے والا غیر ہونا چاہیے مطلق کی ذات نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ پہلے کی تصریح صحیح ہے وہ عورت کا آقا کی وطی کے ساتھ طلاق دینے والے کے لیے حلال نہ ہونا ہے۔ ہاں اگر مصنف گزشتہ قول میں کہتے: لا ینکح و لایطأ بملك یمین تو اس کی تصریح بھی صحیح ہوتی جس طرح ''حلبی'' نے بیان کیا۔ پس اس کو ان کے قول لا شتراط الزوج بالنص کی تفریع بنانا متعین ہوگیا۔ کیونکہ خاوند جو نص میں مشروط ہے اسے عدم حل کی غایت بنایا گیا ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ پس یہ نکاح یا ملک یمین کے ساتھ عدم حل کو شامل ہے۔ پس دونوں مسئلوں کی اس پر تفریع صحیح ہے۔ فافہم

14340۔ (قولہ: مَنْ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا) تفریق سے مراد وطی سے منع کرنا لیا ہے۔ یہ عموم مجاز کے قاعدہ میں سے ہے۔ پس یہ نکاح کے قاطع اور اس کے غیر کو شامل ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ ظہار میں کوئی تفریق نہیں۔ فافہم

14341۔ (قولہ: لَمْ تَحِلَّ لَهُ أَبَدًا) یعنی جب تک وہ ظہار کا کفارہ نہ دے، اور اپنے نفس کو نہ جھٹلائے یا لعان میں اس کی تصدیق نہ کرے، ''ح''۔ دونوں مسئلوں میں وجہ شبہ یہ ہے کہ ردت، دار الحرب میں جانا اور قیدی بنانے نے ظہار اور لعان کے حکم کو باطل نہیں کیا جس طرح طلاق کے حکم کو باطل نہیں کیا۔

14342۔ (قولہ: فِي الْمَحَلِّ الْمُتَيَقَّنِ) وہ قبل میں حشفہ کے غائب ہونے کا محل ہے۔

14343۔ (قولہ: فَلَوْ كَانَتْ صَغِيرَةً) اس قول کے ساتھ اس قول: والشرط التیقن بوقوع الوطء سے احتراز ہے اور ان کا قول فلو وطیء مفضاۃ یہ اس قول فی المحل المتیقن پر تفریع ہے اور اس پر واؤ کے ساتھ عطف ہے۔

14344۔ (قولہ: لَمْ تَحِلَّ لِلْأَوَّلِ) کیونکہ اس کے قبل میں حشفہ غائب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے محض اس کے ساتھ وطی کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس کے واطی کے لیے حلال ہے کہ اس کی بیٹی سے وطی کرے۔

14345۔ (قولہ: وَإِلَّا) اس طرح کہ عورت چھوٹی ہو اس کی مثل سے وطی کی جاتی ہو تو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط پائی گئی ہے وہ محل متیقن میں وطی ہے جو غسل کو واجب کرتی ہے جس طرح آگے (مقولہ 14350 میں) آئے گا اگرچہ اس وطی کے ساتھ اس نے عورت کو مفضاۃ بنا دیا۔ کیونکہ افضاء اس وطی کے بعد حاصل ہوا ہے جو شرعاً معتبر ہے۔ اس سے قبل مفضاۃ کا حکم اور ہے کیونکہ اس میں شک ہے کہ وطی قبل میں ہوئی یا دبر میں ہوئی۔ یہ شک وطی سے قبل حاصل ہوا ہے وطی کے بعد حاصل نہیں ہوا۔ فافہم

وَإِنْ أَفْضَاهَا بَزَّازِيَّةٌ (فَلَوْ وَطِئَ مُفْضَاةً لَا تَحِلُّ لَهُ إِلَّا إِذَا حَبِلَتْ) لِيُعْلَمَ أَنَّ الْوَطْءَ كَانَ فِي قُبُلِهَا (كَمَا لَوْ تَزَوَّجَتْ بِمَجْبُوبٍ) فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ حَتَّى تَحْبَلَ لِوُجُودِ الدُّخُولِ حُكْمًا حَتَّى يَثْبُتُ النَّسَبُ فَتْحٌ، فَالِاقْتِصَارُ عَلَى الْوَطْءِ قُصُورٌ

اگر چہ وہ اسے مفضاۃ بنا دے ''بزازیہ''۔ اگر نئے خاوند نے مفضاۃ سے وطی کی تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی مگر جب وہ حاملہ ہو جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وطی اس کے قبل میں ہوئی جس طرح اگر وہ ایسے مرد سے عقد نکاح کرے جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ عورت حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ کیونکہ حکماً دخول پایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ نسب ثابت ہو جائے ''فتح''۔ صرف وطی پر اکتفا کرنا تو یہ توکجی ہے

14346۔(قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) میں نے ''بزازیہ'' میں: وان افضاھا کا قول نہیں دیکھا۔ ہاں میں نے ''الفتح'' اور ''النہر'' میں دیکھا ہے۔

مفضاۃ کا مسئلہ

14347۔(قولہ: إِلَّا إِذَا حَبِلَتْ) ''الدرر المنتقی'' میں کہا: الفقیہ الاجل ''سراج الدین ابوبکر علی بن موسیٰ الہاملی'' رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ اشعار میں اسے نظم کیا ہے۔ کہا

وفی المفضاة مسألةٌ عجیبة	لدی من لیس یعرفُها غریبه
اذا حرُمت علی زوج و حلت	لثان نال من وطء نصیبه
فطلّقها فلم تحبل فلیست	حلالا للقدیم ولا خطیبه
لشك ان ذاك الوطء منها	بفرج او شکیلته القریبه
فان حبلت فقد وُطئت بفرج	ولم تبق الشکوكُ لنا مریبه

اشعار میں وہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قول والا کی وضاحت میں گزر چکا ہے۔

14348۔(قولہ: فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ حَتَّى تَحْبَلَ) یہ وہ عبارت ہے جسے مصنف نے ''المنح'' میں ''بزازیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ جو ''الفتح'' میں ہے وہ اس طرح ہے: فلا تحل بسحقہ حتی تحبل جب تک حاملہ نہ ہو وطی سے حلال نہ ہو گی۔ پھر کہا: ''تجرید'' میں کہا: اگر خاوند مقطوع الذکر ہو تو وہ عورت حلال نہ ہوگی۔ اگر عورت حاملہ ہو اور بچہ جن دے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

14349۔(قولہ: حَتَّى يَثْبُتُ) فعل پر رفع ہے کیونکہ حتی ابتدائیہ ہے۔

14350۔(قولہ: فَالِاقْتِصَارُ عَلَى الْوَطْءِ قُصُورٌ) متون تو ان کے قول حتی یطأغیرہ تک محدود ہیں۔ یہ ''المنح'' میں مصنف نے جو کہا ہے اس سے ماخوذ ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا: اسے کوتاہی اور کجی بنایا ہے جب کہ اسی قول پر متون اور شروح

إِلَّا أَنْ يُعَمَّمَ بِالْحَقِيقِيِّ وَالْحُكْمِيِّ (وَالْإِيلَاجُ فِي مَحَلِّ الْبَكَارَةِ يُحِلُّهَا وَالْمَوْتُ عَنْهَا لَا) كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَاسْتَشْكَلَهُ الْمُصَنِّفُ، وَفِي النَّهْرِ وَكَأَنَّهُ ضَعِيفٌ

مگر جب یہ حقیقی اور حکمی دخول کو عام ہو۔ محل بکارت میں آلہ کو داخل کرنا یہ اسے حلال کر دے گا اور خاوند کو ایسی عورت کو چھوڑ کر مرجانا یہ اسے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرتا جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ مصنف نے اسے مشکل جانا ہے۔ ''النہر'' میں ہے گویا یہ ضعیف ہے۔

ہیں۔ حدیث عسیلہ اس کی شہادت دیتی ہے جس سے حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ جس سے تمسک کیا ہے وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی روایت ہے جس پر اعتماد نہیں تو اسے مذہب پر ترجیح دینا یہ قصور (کوتاہی) ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' وغیرہ میں اسے جزم و یقین سے ذکر کیا ہے۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔ ''زیلعی'' نے ''الغایہ'' سے اسے نقل کیا ہے اور کہا: خلافا لزفر۔ اس کی مثل ''البدائع'' میں ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معتمد ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ ہاں زیادہ مناسب امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' کا قول ہے۔ نسب کا ثبوت اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ فراش کے قیام پر منحصر ہے اگرچہ حقیقۃ وطی نہ پائی جائے۔ تحلیل، وطی پر منحصر ہے صرف عقد پر منحصر نہیں جو نسب کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے جس طرح پہلے (مقولہ 14324 میں) گزرا ہے۔ اس پر تحلیل کا ثبوت لازم آتا ہے جب ایک مشرقی (مشرق میں رہنے والا) مرد مغربی عورت سے عقد نکاح کرے جو عورت چھ ماہ میں بچہ جن دے کیونکہ اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جب کہ وطی نہ ہونے کا علم ہے۔ اور یہ کچھ بھی نہیں مگر یہ کہ نسب کو ثابت کرنے کے لیے حیلہ کیا جائے جس صورت سے بھی ممکن ہو اگرچہ وہ تو ہم ہو یہ محض اس نص پر عمل کرنے کی وجہ سے الولد للفراش (1) اور عقد کو وطی کے قائم مقام رکھنے کی بنا پر ہے جس طرح خلوت عدت کو واجب کر دیتی ہے۔ جہاں تک تحلیل کا تعلق ہے تو شرع نے اس کے ثبوت میں سختی کی ہے۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: اس کی مشروعیت خاوند کو غصہ دلانے کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ ایسے عمل کا معاملہ کیا گیا جو اسے غیظ و غضب میں مبتلا کر دے جب اس نے ایسا عمل کیا تھا جو مباح میں سے مبغوض ترین تھا۔ اسی وجہ سے علما نے اس میں ایسی ہی شرط لگائی ہے جو غسل کو واجب کر دے کہ محل متیقن میں پردہ کے بغیر حشفہ کو داخل کیا جائے۔ وجہ مفضاۃ اور صغیرہ سے احتراز کرنا ہے۔ اور وہ وطی اس بالغ اور مراہق کی جانب سے ہو جو اس فعل پر قادر ہو جو وطی عقد صحیح کے ساتھ ہو نہ کہ وطی عقد فاسد، نہ ہی عقد موقوف کے ساتھ اور نہ ہی ملک یمین کے ساتھ ہو۔

14351۔ (قولہ: وَالْمَوْتُ عَنْهَا لَا) یعنی اگر خاوند وطی سے قبل مرجائے تو اس کا مرنا پہلے خاوند کے لیے اسے حلال نہیں کرے گا اگرچہ موت، عدت کے واجب کرنے اور مہر معین کو ثابت کرنے میں دخول کی طرح ہے کیونکہ یہاں شرط وطی ہے۔

14352۔ (قولہ: وَاسْتَشْكَلَهُ الْمُصَنِّفُ) ضمیر اس احلال کی طرف لوٹ رہی ہے جو کہ مصنف کے قول یحلها سے سمجھا جا رہا ہے۔ اصل اشکال صاحب ''البحر'' کا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس فرع کے ذکر کرنے کے بعد کہا: ''ساتھ ہی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الولد للفراش، جلد 2، صفحہ 369، حدیث نمبر 2695

لِمَا فِي التَّبْيِينِ يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْإِيلَاجُ مُوجِبًا لِلْغُسْلِ وَهُوَ الْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ بِلَا حَائِلٍ يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ، وَكَوْنُهُ عَنْ قُوَّةِ نَفْسِهِ فَلَا يُحِلُّهَا مَنْ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِمُسَاعَدَةِ الْيَدِ إِلَّا إِذَا انْتَعَشَ وَعَمِلَ وَلَوْ فِي حَيْضٍ وَنِفَاسٍ وَإِحْرَامٍ؛ وَإِنْ كَانَ حَرَامًا؛ وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ لِأَنَّ الشَّرْطَ الذَّوْقُ لَا الشِّبَعُ قُلْت وَفِي الْمُجْتَبَى

کیونکہ ''تبیین'' میں ہے: یہ شرط ہے کہ شرمگاہ میں داخل کرنا غسل کو واجب کرنے والا ہو وہ ایسے پردہ کے بغیر شرمگاہوں کا ملانا ہے جو حرارت کے مانع ہو اور آلہ تناسل کا اپنی ذاتی قوت سے اس میں داخل ہونا ہے جو اس پر ہاتھ کی مدد کے بغیر قادر نہ ہو وہ عورت کو حلال نہ کرے گا مگر جب اس میں استادگی ہو اور وہ عمل کرے۔ اگرچہ وہ وطی حیض، نفاس اور احرام میں ہو اگرچہ یہ حرام عمل ہے اور اگرچہ اسے انزال نہ ہوا ہو۔ کیونکہ شرط چکھنا ہے سیر ہونا نہیں۔ میں کہتا ہوں: ''المجتبیٰ'' میں ہے

''المحیط'' میں کتاب الطہارۃ سے نقل کیا ہے اگر وہ ایسی عورت کے پاس آیا جب کہ وہ باکرہ ہو تو اس پر کوئی غسل نہ ہوگا جب تک اسے انزال نہ ہو کیونکہ پردہ بکارت حشفہ کو چھپنے سے مانع ہوتا ہے یعنی اس عورت کو حلال نہیں کرتی مگر ایسی وطی جو غسل کو واجب کرتی ہو'' ، ''ط''۔ ''رحمتی'' اور ''سائحانی'' نے جواب دیا جو ''القنیہ'' میں ہے اسے محمول کیا جائے گا جو پردہ بکارت کو زائل کر دے۔ کیونکہ ایلاج کا قرینہ موجود ہے کیونکہ اس کے بغیر یہ نہیں ہوتا۔ اس میں ہے: ''القنیہ'' کی عبارت اس طرح ہے: اذا اولج الی مکان البکارۃ۔ الی کوفی کے معنی پر محمول کرنا بعید ہے۔

جس قول میں صاحب قنیہ منفرد ہو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا

پھر اس میں کوئی خفا نہیں کہ صاحب ''القنیہ'' جس قول میں منفرد ہوں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اعتماد کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ اس کے مخالف ہے جو مشاہیر میں ہے جس طرح ''ہدایہ'' کا قول ہے: شرط ایلاج (داخل کرنا) ہے۔ ''الفتح'' کا قول ہے: یہ قید ہے کہ دخول اس کی ذاتی قوت سے ہو اگرچہ اس پر کوئی کپڑا لپٹا ہوا ہو جب وہ محل کی حرارت کو پائے الخ۔ جو ''التبیین'' سے آئے گا۔ اسی طرح جو ''البزازیہ'' کا قول اور مسألۃ المفضاۃ (مقولہ 14378 میں) گزرا ہے۔

مصنف نے جب اس کے اشکال کا اعتراف کر لیا تو اسے متن نہیں بنانا چاہیے تھا۔

14353۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا انْتَعَشَ وَعَمِلَ) ''التبیین'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں ''الفتح'' اور ''النہر'' میں ذکر کیا ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ انتعاش کا معنی ایستادہ (کھڑا) ہونا ہے۔ اس سے اور عمل سے مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کا انتشار ہو جس کے ساتھ شرمگاہ میں داخل کرنا حاصل ہو جائے تاکہ محل میں خرقہ کے داخل کرنے کے قائم مقام نہ ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ بعض اوقات شرمگاہیں نہیں ملتیں۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' کے بعد کہا: جس کے آلہ میں شکستگی ہو تو اس کا معاملہ مختلف ہے اور اس نے شرمگاہ میں اسے داخل کیا ہو یہاں تک کہ دونوں شرمگاہیں مل جائیں کیونکہ اس کے ساتھ وہ عورت حلال ہو جاتی ہے۔

14354۔ (قولہ: وَلَوْ فِي حَيْضٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہاں سے اس جملہ کو حذف کر دیا جاتا اور اسے مصنف کے قول: حتی یطأھا غیرہ کے پاس ذکر کرتے۔

الصَّوَابُ حِلُّهَا بِدُخُولِ الْحَشَفَةِ مُطْلَقًا، لَكِنْ فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ لِابْنِ مَالِكٍ لَوْ وَطِئَهَا وَهِيَ نَائِمَةٌ لَا يُحِلُّهَا لِلْأَوَّلِ لِعَدَمِ ذَوْقِ الْعُسَيْلَةِ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْوَطْءُ فِي حَالَةِ الْإِغْمَاءِ كَذَلِكَ

صحیح یہ ہے کہ مطلقاً حشفہ کے داخل ہونے سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ لیکن ''ابن ملک'' کی ''شرح المشارق'' میں ہے۔ اگر مرد نے بیوی سے وطی کی جب کہ وہ سوئی ہوئی تھی تو وہ پہلے خاوند کے لیے اسے حلال نہیں کرے گا۔ کیونکہ ذوق عسیلہ نہیں پایا گیا۔ چاہیے کہ غشی کی حالت میں وطی بھی اسی طرح ہو۔

14355۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ شرمگاہ میں داخل کرنا ہاتھ کی مدد سے ہو یا ایسا نہ ہو۔ ''مجتبیٰ'' کی عبارت ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: شیخ فانی ہاتھ کی مدد سے داخل کرے تو یہ اس عورت کو حلال کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کا آلہ منتشر نہ ہو تو مرد نے اپنے ہاتھ یا عورت کے ہاتھ کی مدد سے اسے داخل کیا یا ذکر شل تھا تو اسے داخل کرنے کے ساتھ عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرے گا۔ درست اس عورت کا حلال ہونا ہے۔ کیونکہ یہ حشفہ کے داخل ہونے کے متعلق ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جس پر ''زیلعی''، ''ابن ہمام'' اور صاحب ''النہر'' چلے ہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں ہے: حلت شہد کے چکھنے کے ساتھ معلق ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ فتامل

کتاب (شرح المشارق) مذہب کو نقل کرنے کے لیے وضع نہیں کی گئی

14356۔ (قولہ: لَكِنْ فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ) اس کے بارے میں ہے یہ کتاب مذہب حنفیہ کو نقل کرنے کے لیے وضع نہیں کی گئی۔ متون اور شروح کا اطلاق اسے رد کرتا ہے۔ عسیلہ کو چکھنا سونے والی عورت کے لیے بھی حکماً موجود ہے کیا یہ دیکھا نہیں جاتا کہ سونے والا جب تری پاتا ہے تو اس پر غسل واجب ہوتا ہے۔ یہی کیفیت اس کی ہے جس پر غشی طاری ہو ساتھ ہی منی کا نکلنا غسل کو واجب نہیں کرتا مگر جب لذت پائی جارہی ہو اور یہ حکم نہیں ہوتا مگر اس لیے کہ لذت پائی جارہی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات لذت حاصل ہوتی ہے اور مرد اس سے ذہول کا اظہار کرتا ہے جب کہ نیند شدید ہو اور غشی زیادہ ہو۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مجنون اسے حلال کر دیتا ہے اور جنون غشی اور نیند سے بڑھ کر ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''معراج الدرایہ'' میں دیکھا ہے: سونے والی اور جس پر غشی ہو اس سے وطی کرنا ہمارے نزدیک حلت کو ثابت کرتا ہے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول ایسا ہے۔ ایک کمزور نسخہ میں میں نے اسی طرح دیکھا ہے پس کسی اور نسخہ کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ پھر اس میں کوئی خفا نہیں کہ مرد کی نیند اور اس کی غشی عورت کی نیند اور اس کی غشی کی طرح ہے۔ لیکن جب ہم نے کہا شیخ فانی کا آلہ تناسل کو داخل کرنا اس عورت کو حلال نہیں کرتا جب تک وہ خود کھڑا نہ ہو اور عمل نہ کرے۔ یہ اس امر کو لازم کرتا ہے کہ سونے والا اور جس پر غشی ہو وہ بھی اسی طرح ہو۔ عورت کی جانب بھی اسی طرح ہے۔ ہاں ''مجتبیٰ'' میں جب اس امر کی تصویب کی ہے کہ حشفہ کے داخل ہونے پر اکتفا کیا جائے گا تو سب میں حلت کو ثابت کرنا ظاہر ہوگا۔ فتامل

(وَكُرِهَ) التَّزَوُّجُ لِلثَّانِي (تَحْرِيمًا) لِحَدِيثِ لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ (بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ) كَتَزَوَّجْتُكِ عَلَى أَنْ أُحَلِّلَكِ (وَإِنْ حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ) لِصِحَّةِ النِّكَاحِ وَبُطْلَانِ الشَّرْطِ فَلَا يُجْبَرُ عَلَى الطَّلَاقِ كَمَا حَقَّقَهُ الْكَمَالُ، خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الْبَزَّازِيُّ وَمِنْ لَطِيفِ الْحِيَلِ قَوْلُهُ إِنْ تَزَوَّجْتُكِ وَجَامَعْتُكِ،

دوسرے مرد کیلئے ایسی عورت سے عقد نکاح کرنا تحلیل کی شرط پر حرام ہے۔ کیونکہ حدیث ہے: اللہ تعالیٰ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت کی ہے۔ جیسے میں نے تجھ سے اس لیے شادی کی تا کہ تجھے حلال کروں اگر چہ پہلے خاوند کیلئے یہ حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے۔ اس خاوند کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس طرح ''کمال'' نے تحقیق کی ہے۔ ''بزازی'' نے جو گمان کیا ہے وہ اسکے خلاف ہے۔ لطیف حیلہ ہے نیا خاوند یہ کہے: اگر میں تجھ سے شادی کروں اور تجھ سے جماع کروں

تحلیل کی شرط پر عورت سے عقد نکاح حرام ہے

14357۔ (قولہ: وَكُرِهَ التَّزَوُّجُ لِلثَّانِي) ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''قہستانی'' میں ہے: پہلے اور دوسرے خاوند کے لیے مکروہ ہے۔ محشی ''مسکین'' نے اسے ''حموی'' کی طرف منسوب کیا ہے جو ''ظہیریہ'' سے منقول ہے۔ چاہیے کہ المرأة کا اضافہ کیا جاتا بلکہ مرد کی بنسبت یہ کراہت کی زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ تحلیل کی شرط سے عقد عورت اور دوسرے مرد میں جاری ہوتا ہے۔ پہلا مرد تو اس میں کاوش کرنے والا اور متسبب ہوتا ہے۔ اور جو آدمی براہ راست کسی کام کو کرنے والا ہو وہ تسبب کی بنسبت اس کراہت کا زیادہ مستحق ہے۔ حدیث کے الفاظ سب کو شامل ہیں۔ کیونکہ محلل لہ کے الفاظ عورت پر بھی صادق آتے ہیں۔

14358۔ (قولہ: لِحَدِيثِ لَعْنِ الْمُحَلِّلِ وَالْمُحَلَّلِ) حدیث کے لفظ کو لعن کی طرف مضاف کرنا یہ معنی کی حکایت ہے ورنہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں جس طرح ''الفتح'' میں ہیں: لعن الله المحلل والمحلل له (1) بعض نسخوں میں یہ اسی طرح ہے۔

14359۔ (قولہ: بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ) یہ حدیث کی تاویل ہے لعن کو اس پر محمول کیا ہے۔ اس پر مفصل گفتگو آگے (مقولہ 14368 میں) آئے گی۔

14360۔ (قولہ: وَإِنْ حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ) یہ ''امام اعظم'' کا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ نکاح فاسد ہوگا۔ کیونکہ یہ نکاح موقت کے معنی میں ہے اور وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: نکاح صحیح ہے اور یہ اس عورت کو حلال نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس نے اس امر کو جلدی واقع کرنا چاہا ہے جسے شرع نے مؤخر کیا تھا جس طرح جب وارث مورث کو قتل کر دے ''ہدایہ''۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

14361۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الْبَزَّازِيُّ) کہا مطلقہ عورت نے اپنا نکاح دوسرے مرد سے کیا اس شرط پر کہ اس

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی التحلیل، جلد 2، صفحہ 32، حدیث نمبر 1778

أَوْ وَأَمْسَكْتُكِ فَوْقَ ثَلَاثٍ مَثَلًا فَأَنْتِ بَائِنٌ، وَلَوْ خَافَتْ أَنْ لَا يُطَلِّقَهَا تَقُولُ زَوَّجْتُكَ نَفْسِي عَلَى أَنَّ أَمْرِي بِيَدِي زَيْلَعِيٌّ وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ

یا تجھے تین دن سے زیادہ اپنے پاس روکوں مثلاً تو تجھے طلاق بائن ہے۔ اگر عورت کو خوف ہو کہ وہ اسے طلاق نہ دے گا تو وہ کہے: میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کی مفصل بحث ''عمادیہ'' میں ہے۔

کے ساتھ جماع کرے گا اور اسے طلاق دے دے گا تا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نکاح اور شرط دونوں جائز ہیں یہاں تک کہ اگر دوسرا خاوند اس عورت کو طلاق دینے سے انکاری ہو تو قاضی اسے اس پر مجبور کرے گا اور وہ عورت پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی۔

یہ ''روضۃ الزندوستی'' سے ماخوذ ہے۔ ''النہر'' میں کہا: امام ''ظہیر الدین'' نے کہا: یہ بیان دوسری کتب میں نہیں پایا گیا۔ ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''فتح القدیر'' میں ہے: یہ ایسا قول ہے جو ''ظاہر الروایہ'' سے معلوم نہیں ہوا۔ یہ مناسب نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اس پر حکم لگایا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ضعیف الثبوت ہے مذہب کے قواعد اس کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں یہ نکاح میں ایسی شرط ہے عقد جس کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور یہ ان عقود میں سے ہے جو فاسد شرا کے ساتھ باطل نہیں ہوتے بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔ پس اس کا بطلان ثابت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اسے طلاق پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

14362۔ (قولہ: أَوْ وَأَمْسَكْتُكِ) یعنی یا وہ یہ کہے گا: ان تزوجتك و امسكتك یہ اس صورت میں ہے جب اسے ڈر ہو کہ وہ اسے مطلقاً روک لے گا۔ پہلا قول یہ تھا: جب اسے یہ خوف ہے کہ جماع کے بعد اسے روک لے گا۔

14363۔ (قولہ: وَلَوْ خَافَتْ) اولیٰ یہ ہے کہ وہ کہے: زوجتك۔ کیونکہ دونوں سابقہ حیلوں کا سبب مذکورہ حذف ہے، ''ط''۔

14364۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ) کہا: اگر مرد نے عورت سے کہا: تزوجتكِ على ان امرَكِ بيدِكِ میں نے تجھ سے اس شرط پر شادی کی کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا۔ عورت نے اسے قبول کر لیا نکاح جائز ہو جائے گا اور شرط لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ امر اس وقت صحیح ہوتا ہے جب ملک ہو یا ملک کی طرف مضاف ہو۔ ان دونوں میں سے کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ امر اس کے ہاتھ آیا ہے اس حال میں وہ اس عورت کے منکوحہ ہونے کے ساتھ ملا ہوا ہے ''نہر''۔ ہم فصل المشیئۃ سے پہلے (مقولہ 11234 میں) اسے بیان کر چکے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ شرط صحیح ہے جب عورت آغاز کرے نہ کہ جب مرد آغاز کرے لیکن فرق مخفی ہے۔ ہاں اس قول پر فرق ظاہر ہوگا کہ خاوند ہی اسے ثابت کرنے والا ہے وہ پہل کرے یا بعد میں کلام کرے۔ اور عورت اسی طرح اسے قبول کرنے والی ہے۔ تامل

(أَمَّا إِذَا أَضْمَرَا ذٰلِكَ لَا) يُكْرَهُ (وَكَانَ) الرَّجُلُ (مَأْجُورًا) لِقَصْدِ الْإِصْلَاحِ، وَتَأْوِيلُ اللَّعْنِ إِذَا شَرَطَ الْأَجْرَ ذَكَرَهُ الْبَزَّازِيُّ

مگر جب دونوں اسے چھپا کر رکھیں تو یہ مکروہ نہیں ہوگا اور مرد کو اجر ملے گا۔ کیونکہ اس نے اصلاح کا قصد کیا اور لعن کی تاویل یہ ہوگی جب وہ اجرت کی شرط لگائے۔ ''بزازی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔

اگر عاقدین تحلیل کی شرط ظاہر نہ کریں تو مکروہ نہیں ہوگا

14365۔(قولہ: أَمَّا إِذَا أَضْمَرَا ذٰلِكَ) بشرط التحلیل کے قول سے احتراز کیا گیا ہے۔

14366۔(قولہ: لَا يُكْرَهُ) بلکہ سب کے قول میں مرد کیلئے حلال ہے۔ ''قہستانی'' نے ''المضمرات'' سے نقل کیا ہے۔

14367۔(قولہ: لِقَصْدِ الْإِصْلَاحِ) یعنی جب اس کا قصد یہ ہو محض شہوت پوری کرنا نہ ہو وغیرہ۔ ''سروجی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جو امر عادۃً ثابت ہو وہ اس امر کی طرح ہوتا ہے جو نصاً ثابت ہو تو گویا تحلیل کی شرط ایسے ہوگئی گویا عقد میں اسے ذکر کیا گیا ہے پس یہ عقد مکروہ ہوگا۔ ''الفتح'' میں اس کا جواب دیا ہے: خاوند کے اس امر کے قصد کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگوں کے درمیان یہ معروف ہے۔ بے شک یہ اس آدمی کے بارے میں ہوگا جو اپنے آپ کو اس امر کے لیے معین کرے اور اس کے ساتھ مشہور ہو جائے۔ تامل

عصاۃ پر لعنت کرنے کا حکم

14368۔(قولہ: وَتَأْوِيلُ اللَّعْنِ) یہ کہنا زیادہ بہتر تھا: وقیل تاویل اللعن جس طرح ''بزازیہ'' کی عبارت ہے۔ خصوصاً اسے ذکر کیا ہے جب کہ مصنف اس تاویل پر گامزن ہوئے جو ہمارے علما کے نزدیک مشہور ہے تاکہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ دوسری تاویل ہے اور یہ فائدہ دے کہ یہ ضعیف ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: یہاں ایک اور قول ہے وہ یہ ہے کہ اسے اجر ملے گا اگرچہ اس نے شرط لگائی۔ کیونکہ اس نے اصلاح کا ارادہ کیا ہے۔ ان علما کے نزدیک لعن کی تاویل ہوگی جب وہ اس پر اجرت کی شرط لگائے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی پر محمول کرنے کی بنا پر لعن زیادہ نمایاں ہوگی۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے نر چھوڑنے پر اجرت لی جائے جب کہ یہ حرام ہے اور اس تاویل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد قریب کر دیتا ہے کہ آپ نے اسے التیس المستعار (1) (مانگا ہوا نر) کا نام دیا ہے۔ پہلی تاویل پر یہ اعتراض کیا گیا کہ تحلیل کی شرط پر یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ اور حرام فعل کا مرتکب لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو مکروہ فعل کا کرنے والا بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: لعن کی حقیقت جو مشہور ہے، وہ رحمت سے دور کرنا ہے۔ یہ صرف کافر کے لیے ہے۔ اس وجہ سے کسی ایسے معین فرد پر لعنت کرنا جائز نہیں جس کی موت کے کفر پر ہونے کا علم، دلیل سے نہ ہوا گرچہ وہ فاسق ہو متہور (لا پروا) ہو جس

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب المحلل والمحلل لہ، جلد 1، صفحہ 600، حدیث نمبر 1925

....

طرح یزید کے بارے میں قابل اعتماد قول ہے۔ ابلیس، ابولہب اور ابوجہل کا معاملہ مختلف ہے۔ پس ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ غیر معین کا معاملہ مختلف ہے جیسے ظالمین اور کاذبین تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ مراد ظالمین کی جنس ہے۔ اور ان میں سے وہ بھی ہے جو کافر کی حیثیت سے مرے گا تو لعن اس امر کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ وصف کافروں کا وصف ہے تا کہ اس سے نفرت دلائی جائے اور اس سے بچا جائے نہ کہ اس کے لیے کہ اس جنس کے ہر فرد پر لعنت کی جائے۔ کیونکہ ایک معین شخص پر لعنت جیسے اس ظالم پر لعنت ہو جائز نہیں تو ظالموں کے ہر فرد پر لعنت کیسے جائز ہوگی۔ جب مراد جنس ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے تنفیز اور تحذیر کا قول کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معصیت حرام ہے اور کبائر میں سے ہے۔ اس سے انہوں نے اختلاف کیا ہے جو کبائرہ گناہ کی وجہ سے لعنت کو جائز خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ میں بھی لعنت وارد ہوئی ہے جس طرح مصوروں پر لعنت کی گئی ہے (1) اور جس نے ایسی قوم کی امامت کی جو اسے ناپسند کرتے ہوں (2) اسی طرح جس نے راستہ میں براز کیا (3)، ایسی عورت جو اپنے ہاتھ نہیں رنگتی، جو سرمہ نہیں لگاتی، جو عورت اپنے گھر سے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے (4)، ناکح الید پر لعنت کی گئی (5)۔

قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے (6) اور جو حلقہ کے درمیان بیٹھتا ہے اس پر لعنت کی گئی ہے (7) اور اس کے علاوہ بھی لوگ ہیں۔ ان میں سے وہ ہیں جو یہاں ہیں۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا۔ لیکن معین فرد پر لعنت کی ممنوعیت کو لعان کی مشروعیت اشکال میں ڈالتی ہے اس میں معین لعن ہوتا ہے اس کا جواب دیا جائے گا کہ یہ لعنت اس پر معلق ہے کہ وہ آدمی جھوٹا ہو لیکن پھر بھی یہ معین لعنت سے خارج نہیں۔ تامل

پھر میں نے ''قہستانی'' کے باب اللعان میں دیکھا کہا: لعن اصل میں دھتکارنے اور دور کرنے کو کہتے ہیں۔ اور شرعاً یہ کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا اور مومنین کے حق میں ابرار کے درجہ سے نیچے گرانے کے معنی میں ہے۔ ''البحر'' کے باب اللعان میں ہے: اگر تو کہے: کیا معین جھوٹے پر لعنت کرنا مشروط ہے؟ میں کہوں گا: ''غایۃ البیان'' میں باب العدۃ میں ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: من شاء باهلته (8)۔ مباہلہ کا معنی باہم لعنت کرنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من لعن المصور، جلد 3، صفحہ 396، حدیث نمبر 5505

2۔ سنن ترمذی، کتاب ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فیمن ام قوما وهم له كارهون، جلد 1، صفحہ 237، حدیث نمبر 326

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الطهارة، باب النهي عن التخلي في طريق الناس، جلد 1، صفحہ 98

4۔ کنز العمال، باب فی ترهيبات و ترغيبات تختص بالنساء فصل في الترهبات، جلد 16، صفحہ 382، حدیث نمبر 45006

5۔ شرح فتح القدیر، کتاب الصوم باب مايوجب القضا، جلد 2، صفحہ 330

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب زيارة النساء القبور، جلد 2، صفحہ 508، حدیث نمبر 2817

7۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء في كراهية العقود، جلد 2، صفحہ 391، حدیث نمبر 2677

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب في عدة الحامل، جلد 2، صفحہ 125، حدیث نمبر 1963

ثُمَّ هٰذَا كُلُّهُ فَرْعُ صِحَّةِ النِّكَاحِ الْأَوَّلِ، حَتّٰى لَوْ كَانَ بِلَا وَلِيٍّ بَلْ بِعِبَارَةِ الْمَرْأَةِ، أَوْ بِلَفْظِ هِبَةٍ، أَوْ بِحَضْرَةِ فَاسِقَيْنِ ثُمَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَأَرَادَ حِلَّهَا بِلَا زَوْجٍ يَرْفَعُ الْأَمْرَ لِشَافِعِيٍّ

پھر یہ سب پہلے نکاح کے صحیح ہونے کی فرع ہیں یہاں تک کہ اگر وہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوا بلکہ عورت کی کلام سے ہوا یا ہبہ کے لفظ سے ہوا یا دو فاسقوں کی موجودگی میں ہوا پھر مرد نے اسے تین طلاقیں دے دیں اور وہ نئے خاوند کے بغیر اس کی حلت کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ معاملہ شافعی قاضی کے سامنے پیش کرے۔

ہے۔ علما جب کسی شے میں اختلاف کرتے تو کہتے: بهلة الله على الكاذب منا ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ یہ ہمارے زمانہ میں بھی مشروع ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا: اس جیسی صورت میں لعنت سے مراد ابرار کے منازل سے دور کرنا ہے نہ کہ عزیز غفار کی رحمت سے دور کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہاں لعنت مقصود نہیں بلکہ مقصود محلل کی خساست کا اظہار ہے جو اس قسم کا عمل کرتا ہے اور محلل لہ کی خساست کا اظہار ہے کہ وہ اس عورت کی طرف لوٹتا ہے جو غیر کے پہلو میں لیٹی ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ''الکشف'' کی طرف منسوب کیا ہے پھر کہا: اس میں کلام ہے۔ فتامل۔

شاید اس کی وجہ یہ ہے اگر یہ اسی طرح ہوتا تو اس سے اس کا مکروہ تحریمی ہونا لازم نہ آتا۔

14369_(قولہ: ثُمَّ هٰذَا كُلُّهُ) یعنی گزشتہ شرطوں کے ساتھ تحلیل اور شرط کے تصریح کے ساتھ اس کی کراہت جو لازم آتی ہے سب مراد ہیں۔

14370_(قولہ: فَرْعُ صِحَّةِ النِّكَاحِ) ''النہر'' میں اسی طرح تعبیر کیا ہے۔ مراد ائمہ کے اتفاق کے ساتھ ہے نہ کہ ہمارے نزدیک اس کی صحت ہے کیونکہ مابعد اس کا قرینہ ہے۔ فافہم

جب کہ یہ (مقولہ 14330 میں) گزر چکا ہے اگر نکاح فاسد ہو یا موقوف ہو تو تحلیل لازم نہ ہوگی۔ بلکہ اس کے بغیر ہی وہ حلال ہو جائے گی اگرچہ وہ مکروہ ہے۔ کیا خاوند کا یہ دعویٰ کہ نکاح فاسد تھا تحلیل کو ساقط کرنے کے لیے ہمارے نزدیک قبول کیا جائے گا؟ میں نے آج تک اسے نہیں دیکھا ہاں باب کے آخر میں آئے گا: اگر مرد نے تین طلاق دینے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس بیوی کو پہلے ایک طلاق دی تھی اور اس کی عدت گزر چکی تھی تو ان دونوں کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہ مسئلہ عدت کے باب میں (مقولہ 15426 میں) آئے گا۔ وہاں اس بارے میں حادثۃ الفتویٰ بھی آئے گا اس کی طرف رجوع کیجئے۔

14371_(قولہ: أَوْ بِحَضْرَةِ فَاسِقَيْنِ) یعنی دونوں کا فسق متحقق ہو چکا تھا۔ ورنہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہری عدالت کافی ہے۔ فافہم

شافعی قاضی کے حکم سے تحلیل کے اسقاط کا حیلہ

14372_(قولہ: يُرْفَعُ الْأَمْرُ لِشَافِعِيٍّ) میں کہتا ہوں: شافعیہ کے نزدیک جس پر عمل ہے وہ وہ ہے جسے ''ابن حجر'' نے ''التحفہ'' میں تحریر کیا ہے: حاکم تحلیل کو ساقط کرنے کے لیے نکاح کے فسخ ہونے کا حکم نہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

....

ذکر کیا: اگر میاں بیوی اتفاق کر لیں تو نکاح کے فساد پر گواہیاں قائم کر دیں تو تحلیل کے سوا کے لیے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہاں باطناً اس پر عمل کرنا دونوں کے لیے جائز ہے۔ لیکن جب حاکم کو اس کا علم ہوگا تو وہ ان میں تفریق کر دے گا۔ پھر ایک اور موقع پر کہا: اس وقت جس نے ایسا نکاح کیا جس میں اختلاف تھا اگر اس نے اس کی صحت کے قائل کی تقلید کی یا جو اس کی رائے رکھتا تھا اسے حکم بنایا پھر اس نے تین طلاقیں دے دیں تو تحلیل متعین ہو جائے گی۔ ایسے فرد کی تقلید کا حق نہیں ہوگا جو اس کے بطلان کی رائے رکھتا ہو۔ کیونکہ یہ ایک مسئلہ میں تقلید کرنے میں تلفیق ہے۔ اور یہ قطعاً ممتنع ہے۔ اگر تقلید اور حکم منتفی ہو جائے تو محلل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں اگر تین طلاقیں دینے کے بعد تقلید نہ کرنے کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ اس تحلیل کے اٹھانے کا ارادہ کر رہا ہے جو اس کے ظاہر فعل کی بنا پر اسے لازم ہو چکا تھا۔ نیز مکلف کے فعل کو لغو ہونے سے بچایا جائے گا خصوصاً اس صورت میں اگر اس سے ایسا فعل واقع ہو جو اس کے شمار کرنے اور اس کی جانب سے تسلیم کرنے کی تصریح کرتا ہو جس طرح یہاں تین طلاقوں کا مسئلہ ہے۔

اس کی ان دو کلاموں سے جو واضح ہوتا ہے اگر خاوند کو نکاح کے فساد کا علم ہوا اگر اس نے ایسے امام کی تقلید کی جو اس کی حجت کا قائل تھا یا ایسے حاکم نے اس کا فیصلہ کیا جو اس کی رائے رکھتا تھا تو تحلیل ساقط نہ ہوگی ورنہ تحلیل ساقط ہو جائے گی۔ اور تین طلاقیں دینے کے بعد اسے دیانۃً نیا عقد نکاح کرنا چاہیے۔ جب حاکم کو اس کا علم ہو تو وہ دونوں کے درمیان جدائی کر دے گا۔ اگر وہ عدم تقلید کا دعویٰ کرے تو حاکم اس کی تصدیق نہ کرے گا۔ جب تجھے یہ علم ہو گیا تو تجھے یہ علم بھی ہو گیا کہ شارح کے قول جو انہوں نے غیر کی اتباع میں کیا: یرفع الامر لشافعی کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ شافعی تحلیل کے سقوط کا فیصلہ نہیں کرتا اور جو اسے ساقط کرتا ہے اسے قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ دوسرا قضیہ ہے جب حاکم پہلی تقلید کی صحت کا حکم نہیں لگائے گا تو کوئی تلفیق نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ دیانت میں ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ جب حاکم کو علم ہوگا تو وہ دونوں میں تفریق کر دے گا۔ کیونکہ تحلیل اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ہاں ''شیخ الاسلام زکریا'' نے اپنی ''شرح منہج'' میں تصریح کی ہے: اگر دونوں میاں بیوی مہر مسمی اور مہر مثل میں اختلاف کریں اور نکاح کے فساد پر گواہیاں قائم کی گئیں تو مہر مثل ثابت ہو جائے گا۔ اور تبعاً تحلیل ساقط ہو جائے گی۔ لیکن ''ابن حجر'' نے تحلل کے عدم سقوط کو غالب خیال کیا ہے۔ اللہ اعلم

اگر تو کہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے ہمارے نزدیک بھی یہ حکم دینا ممکن ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ مذہب میں جو قابل اعتماد قول ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ اور قاضی اس قول کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے مامور ہوتے ہیں جو اقوال میں سے اصح ہو۔ کیونکہ ''تتارخانیہ'' میں نقل کیا ہے کہ ''شیخ الاسلام'' سے پوچھا گیا کیا اس کے مطابق فیصلہ کرنا صحیح ہے؟ فرمایا: میں نہیں جانتا۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ ولی کی شرط لگائی ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے: اگر اس نے طلاق دی پھر اگر ارادہ کیا کہ اس سے شادی کرے تو میں اس کے لیے یہ ناپسند کرتا ہوں۔ کیونکہ اکرہ کا لفظ بعض اوقات مجتہد کی جانب سے حرام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

فَيَقْضِي بِهِ وَبِبُطْلَانِ النِّكَاحِ أَيْ فِي الْقَائِمِ وَالْآتِي لَا فِي الْمُنْقَضِي بَزَّازِيَّةٌ وَفِيهَا قَالَ الزَّوْجُ الثَّانِي كَانَ النِّكَاحُ فَاسِدًا، أَوْ لَمْ أَدْخُلْ بِهَا وَكَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ لَهَا وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ الْأَوَّلُ ذَلِكَ فَالْقَوْلُ لَهُ أَيْ فِي حَقِّ نَفْسِهِ

اور وہ عورت کے پہلے خاوند کے لیے حلت اور موجود اور آنے والے نکاح کے بطلان کا فیصلہ کرے نہ کہ گزشتہ نکاح کے بطلان کا حکم کرے،''بزازیہ''۔اس میں ہے: دوسرے خاوند نے کہا: نکاح فاسد تھا یا میں نے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تھا اور عورت نے اس کو جھٹلایا تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔اگر پہلے خاوند نے یہ قول کیا تو اس کی ذات کے حق میں اس کا قول معتبر ہوگا

14373۔(قولہ: فَيَقْضِي بِهِ) یعنی پہلے خاوند کے لیے اس کی حلت کا فیصلہ کرے گا۔اور شارح کا قول وببطلان النکاح یہ سبب کا مسبب پر عطف ہے۔کیونکہ قاضی جب پہلے نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کرے گا تو یہ فیصلہ کسی اور خاوند کے بغیر عورت کی حلت کا سبب ہو جائے گا،''ح''۔

قضا کا ذکر کیا تا کہ اختلافی حادثہ اس کی طرح ہو جائے جس پر سب کا اتفاق ہے''ط''۔ہم باب التعلیق میں (مقولہ 13847 میں) اس کو بیان کر چکے ہیں جس کا یہاں ذکر ہونا چاہیے ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے کیونکہ وہ قریب ہی گزرا ہے۔

14374۔(قولہ: فِي الْقَائِمِ وَالْآتِي لَا فِي الْمُنْقَضِي)''بزازیہ'' کی عبارت جو''النہر'' میں ہے اس کے ساتھ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ پہلے نکاح میں وطی حرام تھی اور نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد میں خباثت تھی۔کیونکہ لاحق ہونے والا فیصلہ دلیل نسخ کی طرح ہوتا ہے۔یہ موجود اور آنے والے معاملہ میں موثر ہوتا ہے گزرے ہوئے میں موثر نہیں ہوتا۔کیونکہ جو گزر چکا ہے وہ حلت کے اعتقاد پر مبنی تھا۔اور مذہب صحیح کی تقلید کی بنا پر تھا اس کے خلاف پر عمل حکم ملزم کے بعد لازم ہوگا جس طرح کوئی حکم منسوخ کر دیا جائے تو اس سے گزشتہ کا بطلان لازم نہیں آتا۔اسی کی مثل یہ بھی ہے کہ مجتہد کی رائے بدل جائے۔اسی طرح اگر ایک حنفی نے وضو کیا اور نیت نہ کی اور اس کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر عصر کے وقت کے داخل ہونے کے بعد وہ شافعی ہو گیا تو نیت کے ساتھ وضو کا اعادہ لازم ہوگا لیکن جو نماز پڑھ لی تھی اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

14375۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا)''البحر'' میں اسی طرح ہے۔''بزازیہ'' کی عبارت ہے: عورت نے دعویٰ کیا کہ دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا اور خاوند نے جماع سے انکار کیا تو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔اس کے برعکس ہو تو وہ حلال نہ ہوگی۔اسی کی مثل''فتاویٰ ہندیہ'' میں''الخلاصہ'' سے ہے۔

''بزازیہ'' کا جو قول ہے: وعلی القلب لا''الفتح'' اور''البحر'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے: اگر عورت نے کہا: دوسرے خاوند نے مجھ سے دخول کیا اور دوسرا انکار کرتا ہے تو معتبر عورت کا قول ہوگا۔اس کے برعکس بھی اسی طرح ہے۔فتامل

14376۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) یعنی فرقت کے حق میں قول مرد کا معتبر ہے گویا مرد نے اسے طلاق دے دی عورت کے حق میں قبول نہیں ہوگا یہاں تک عورت کے لیے نصف مہر واجب ہوگا یا پورا مہر واجب ہوگا اگر مرد نے اس عورت سے دخول کیا،''بحر''۔

(وَالزَّوْجُ الثَّانِي يَهْدِمُ بِالدُّخُولِ) فَلَوْ لَمْ يَدْخُلْ لَمْ يَهْدِمْ اتِّفَاقًا قُنْيَةٌ (مَا دُونَ الثَّلَاثِ أَيْضًا) أَيْ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ إِجْمَاعًا لِأَنَّهُ إِذَا هَدَمَ الثَّلَاثَ فَمَا دُونَهَا أَوْلَى خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ، فَمَنْ طُلِّقَتْ دُونَهَا وَعَادَتْ إِلَيْهِ بَعْدَ آخَرَ عَادَتْ بِثَلَاثٍ لَوْ حُرَّةً وَثِنْتَيْنِ لَوْ أَمَةً وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ بِمَا بَقِيَ وَهُوَ الْحَقُّ فَتْحٌ،

دوسرا خاوند حقوق زوجیت ادا کرنے کے ساتھ پہلی طلاق کو منہدم کر دیتا ہے۔ اگر وہ حقوق زوجیت ادا نہ کرے تو انہیں منہدم نہیں کرتا اس پر سب کا اتفاق ہے''قنیہ''۔ تین سے کم طلاقوں کے اثر کو ختم کر دیتا ہے جس طرح بالاجماع تین طلاقوں کے اثر کو ختم کرتا ہے۔ کیونکہ جب دوسرا خاوند تین طلاقوں کے اثر کو ختم کر دیتا ہے تو اس سے کم کے اثر کو بدرجہ اولیٰ ختم کر دے گا۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جس عورت کو اس سے کم طلاقیں دی گئیں اور وہ دوسرے خاوند کے بعد پہلے خاوند کی طرف لوٹے تو وہ تین طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی۔ اگر لونڈی ہوگی تو دو طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور باقی ماندہ ائمہ کے نزدیک باقی ماندہ طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی۔ وہی حق ہے''فتح''۔

14377۔(قولہ: وَالزَّوْجُ الثَّانِي) یعنی اس کا نکاح،''نہر''۔

طلاق کے اثر کو ختم کرنے کا مسئلہ

14378۔(قولہ: مَا دُونَ الثَّلَاثِ) یعنی ایک یا دو طلاقیں واقع ہوں ان کے اثر کو ختم کر دیتا ہے انہیں وہ یوں کر دے گا گویا وہ تھیں ہی نہیں۔ اور جو یہ کہا گیا مراد ہے کہ ملک اول کی باقی ماندہ طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے تو یہ سوء تصور ہے جس طرح اس پر''ہندی'' نے متنبہ کیا ہے۔''النہر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

14379۔(قولہ: أَيْ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ) یہ ایضا کے قول کی تفسیر ہے۔

14380۔(قولہ: لِأَنَّهُ) یہ اس قول کا جواب ہے جو امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ: 230) اسے حرمت غلیظہ کے لیے غایت بنایا گیا ہے۔ پس یہ ان طلاقوں کے اثر کو ختم کر دے گا۔ اس کا جواب ہے: جب وہ تین طلاقوں کے اثر کو ختم کر دے گا تو ان سے کم کے اثر کو بدرجہ اولیٰ ختم کر دے گا۔ یہ ان امور میں سے ہے جو دلالۃ النص سے ثابت ہیں اس کی مکمل مباحث کتب اصول میں ہیں۔ شیخین کا قول حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جس طرح''الفتح''میں ہے۔

14381۔(قولہ: وَهُوَ الْحَقُّ) یہ''الفتح'' کی عبارت نہیں بلکہ''التحریر'' میں اسے ذکر کیا ہے''النہر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔''الفتح'' میں دونوں جانب سے طویل کلام کے بعد یہ عبارت ذکر کی ہے پس ظاہر ہوا کہ قول وہ ہے جو امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور باقی ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے۔ صاحب''الاسرار'' کا قول سچا ہے: یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں کبار صحابہ نے اختلاف کیا ہے جس کا سمجھنا مشکل ہے اور اس سے نکلنا مشکل ہے۔

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ كَغَيْرِهِ (وَلَوْ أَخْبَرَتْ مُطَلَّقَةُ الثَّلَاثِ بِمُضِيِّ عِدَّتِهِ وَعِدَّةِ الزَّوْجِ الثَّانِي) بَعْدَ دُخُولِهِ (وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُهُ جَازَ لَهُ)

مصنف نے دوسرے علما کی طرح اسے ثابت رکھا ہے۔ اگر اس عورت نے جسے تین طلاقیں دی گئی تھیں پہلے خاوند اور دوسرے خاوند کی عدت کے گزرنے کی خبر دی جب کہ دوسرے خاوند نے حقوق زوجیت ادا کیے تھے جب کہ مدت اس کا احتمال رکھتی تھی تو پہلے خاوند کے لیے جائز ہے

14382۔ (قولہ: أَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ كَغَيْرِهِ) جس طرح صاحب ''البحر''، ''النہر''، ''مقدسی''، ''شرنبلالی''، ''رملی'' اور ''حموی'' ہیں۔ اسی طرح شارح ''التحریر'' محقق ''ابن امیر الحاج'' ہیں۔ لیکن متون ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں۔ ''الملتقی'' کے متن میں آپ کے قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی ترجیح کو علامہ ''قاسم'' نے اصحاب ترجیح کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور ان کے شیخ نے جو ''الفتح'' میں قول کیا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ اسی طرح ''مواہب الرحمٰن'' میں اس پر اعتماد نہیں کیا حالانکہ اکثر وہ صاحب ''الفتح'' کی ترجیح پر اعتماد کرتے ہیں۔

14383۔ (قولہ: بِمُضِيِّ عِدَّتِهِ) یعنی پہلے خاوند کی عدت کے گزرنے کی خبر دی۔ عورت کو مرد کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ مرد ہی عورت کا سبب ہے ''نہر''۔ ورنہ عدت تو طلاق کی ہوتی ہے۔

14384۔ (قولہ: وَعِدَّةِ الزَّوْجِ الثَّانِي) یہ مراد نہیں کہ عورت نے کہا: میری صرف دوسرے خاوند سے عدت گزر چکی ہے بلکہ وہ کہے: میں نے عقد نکاح کیا خاوند نے میرے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے، اس نے مجھے طلاق دی اور میری عدت گزر گئی۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ عورت کا قول: مضت عدتی اس کا فائدہ نہیں دیتا جو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ عدت تو خلوت کے ساتھ واجب ہو جاتی ہے اور محض خلوت کے ساتھ عورت حلال نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے ''النہایہ'' میں کہا: ''الہدایہ'' میں اس معاملہ کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ عورت کہے: میں تیرے لیے حلال ہو چکی ہوں اور مرد نے اس سے شادی کر لی پھر عورت نے کہا: دوسرے خاوند نے میرے ساتھ دخول نہیں کیا اگرچہ وہ حلت کی شرائط کو جانتی تھی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بصورت دیگر تصدیق کی جائے گی اور جو میں نے تفصیل ذکر کی ہے عورت کی کسی حال میں تصدیق نہ کی جائے گی۔ ''سرخسی'' سے مروی ہے: مرد کے لیے حلال نہیں کہ وہ عورت سے نکاح کرے یہاں تک کہ وہ عورت سے استفسار کر لے۔ کیونکہ محض عقد کے ساتھ عورت کے حلال ہونے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ امام ''فضلی'' سے مروی ہے: اگر عورت نے کہا: تو مجھ سے نکاح کر لے کیونکہ میں نے تیرے سوا ایک مرد سے عقد نکاح کیا اور میری عدت گزر چکی ہے پھر کہا: میں نے نکاح نہیں کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ مگر جب عورت دوسرے خاوند کے حقوق زوجیت ادا کرنے کا اقرار کرے۔ کیونکہ یہ اس کے متناقص نہیں کہ عورت کے قول: تزوجت کو عقد پر محمول کیا جائے۔ اور عورت کا قول: ما تزوجت اس کا معنی ہو جس نے میرے ساتھ دخول نہیں کیا۔ جب اس نے دخول کا اقرار کیا تو متناقض ثابت ہو گیا جس طرح ''الفتح'' میں اسے بیان کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث (مقولہ 14393 میں) آئے گی۔

أَيْ لِلْأَوَّلِ (أَنْ يُصَدِّقَهَا إِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ صِدْقُهَا) وَأَقَلُّ مُدَّةِ عِدَّةٍ عِنْدَهُ بِحَيْضٍ شَهْرَانِ
کہ وہ اس کی تصدیق کرے اگر اس کے گمان کے مطابق اس عورت کا صدق غالب ہو۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیض کی صورت میں عدت گزارے تو کم از کم مدت دو ماہ ہے۔

14385۔ (قولہ: لِلْأَوَّلِ أَنْ يُصَدِّقَهَا) کیونکہ یا تو یہ معاملات ہی سے ہے کیونکہ بضع دخول کے وقت متقوم ہوتا ہے یا یہ دیانات سے ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ حلت متعلق ہے۔ ایک آدمی کا قول دونوں میں مقبول ہے، ''درر''۔

14386۔ (قولہ: إِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ صِدْقُهَا) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ عورت کی عدالت شرط نہیں۔ اسی وجہ سے ''البدائع''، ''کافی الحاکم'' وغیرہا میں کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کی تصدیق کرے اگر وہ عورت مرد کے نزدیک ثقہ ہو یا مرد کے دل میں عورت کا صدق واقع ہو۔

اسی طرح اگر ایک مرد کی منکوحہ نے دوسرے آدمی سے کہا: میرے خاوند نے مجھے طلاق دی اور میری عدت ختم ہو گئی تو مرد کے لیے عورت کی تصدیق کرنا جائز ہو گی جب مرد کے گمان میں اس کا صدق واقع ہو وہ عورت عادل ہو یا نہ ہو۔ اگر عورت نے کہا: میرا پہلا نکاح فاسد تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر وہ عادل ہو۔ ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے، ''بحر''۔

14387۔ (قولہ: وَأَقَلُّ مُدَّةِ عِدَّةٍ عِنْدَهُ) یعنی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ یہ ان کے قول: والمدة تحتمله کا بیان ہے۔ اس سے کم عرصہ میں احتمال موجود نہیں۔

14388۔ (قولہ: بِحَيْضٍ) یہ ان کے قول عدۃ کے متعلق ہے۔ یہ اس سے اولیٰ ہے جو کہا گیا: بسبب كون المرأة حائضا۔ اس قول کے ساتھ مہینوں کے ساتھ عدت گزارنے سے احتراز کیا ہے جو ان کے حق میں ہے جو مہینوں والیاں ہیں۔ کیونکہ ان عورتوں کی عدت کم اور زیادہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر وہ عورت آزاد ہو تو تین ماہ ہوتی ہے اور اگر لونڈی ہو تو ان کا نصف ہوتی ہے۔

حائضہ کی عدت کی کم از کم مدت

14389۔ (قولہ: شَهْرَانِ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ساٹھ دن ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ طہر کے شروع میں اسے طلاق دینے والا قرار دیتے ہیں اس سے بچنے کے لیے کہ طلاق ایسے طہر میں واقع ہو جس میں خاوند نے اس سے وطی کی ہو۔ پس وہ تین طہروں کا پینتالیس دنوں کے ساتھ اور تین حیضوں کا پندرہ دنوں کے ساتھ محتاج ہوتا ہے۔ یہ مقدار طہر کو کم سے کم مدت پر محمول کرنے کی بنا پر اور حیض کو درمیانی مدت پر محمول کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ دونوں کے اقل کا اجتماع ایک مدت میں نادر ہے۔ یہ تعبیر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کی بنا پر ہے جو آپ نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ہے۔ جہاں تک ''حسن'' کی تخریج کا تعلق ہے تو آپ اسے طہر کے آخر میں مطلق بناتے ہیں تا کہ عدت کے لمبا ہونے سے بچا جائے۔ پس وہ دو طہروں کی تیس دنوں کے ساتھ محتاج ہوئی اور تین حیضوں کی تیس دنوں کے ساتھ، یہ طہر کو اقل مدت پر اور حیض کو اکثر مدت پر

وَلِأَمَةٍ أَرْبَعُونَ يَوْمًا مَا لَمْ تَدَّعِ السِّقْطَ كَمَا مَرَّ وَلَوْ تَزَوَّجَتْ بَعْدَ مُدَّةٍ تَحْتَمِلُهُ ثُمَّ قَالَتْ لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتِي، أَوْ مَا تَزَوَّجْتُ بِآخَرَ لَمْ تُصَدَّقْ

اور لونڈی کے لیے چالیس دن ہوں گے جب تک وہ سقط کا دعویٰ نہ کرے جس طرح گزرا ہے۔ اگر اس نے ایسی مدت کے بعد شادی کی جو اس کا احتمال رکھتی ہے پھر عورت نے کہا: میری عدت ختم نہیں ہوئی یا میں نے کسی اور سے نکاح نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

محمول کیا جائے گا تا کہ دونوں میں اعتدال آ جائے۔ اور دوسرے خاوند کی عدت میں عورت اس کی مثل کی محتاج ہوگی۔ اور ''حسن'' کی تخریج کے مطابق ایک طہر کی زیادتی کی محتاج ہوگی۔ پس اس عورت کی ایک سو پینتیس دنوں میں تصدیق کی جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کے مطابق ایک سو بیس دنوں میں تصدیق کی جائے گی۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: طہر کی زیادتی سے مراد ایسا طہر ہے جس میں دوسرے خاوند نے اس سے عقد نکاح کیا اور اس کے آخر میں اسے طلاق دی۔ لیکن اس تخریج سے یہ لازم آتا ہے کہ طلاق کا وقوع ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس عورت سے وطی کی ہو۔ کیونکہ دوسرے خاوند کا اس عورت سے حقوق زوجیت ادا کرنا ضروری ہے۔ تامل۔ یہ قول امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کی تائید کرتا ہے۔

14390۔ (قولہ: وَلِأَمَةٍ أَرْبَعُونَ) اس کا محذوف پر عطف ہے گویا کہا: لحرۃ شهران ولامۃ اربعون یوما یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کے مطابق دو طہر تیس دنوں کے ساتھ اور دو حیض دس دنوں کے ساتھ اور ''حسن'' کی تخریج کے مطابق پنتیس دن۔ ایک طہر پندرہ دنوں میں اور دو حیض بیس دنوں میں۔ پس امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کے مطابق اسی دنوں کے ساتھ اس لونڈی کی تصدیق کی جائے گی۔ اور ''حسن'' کی تخریج کے مطابق پچاسی دنوں کے ساتھ تصدیق کی جائے گی۔ مکمل تفصیل اور اختلاف کی حکایت ''التبیین'' میں ہے، ''ح''۔

14391۔ (قولہ: مَا لَمْ تَدَّعِ السِّقْطَ) یعنی پہلے خاوند سے سقط (حمل کا گر جانا) کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ اسقاط تو طلاق کے دن بھی ممکن ہے۔ پس اس کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔ جہاں تک دوسرے سے اس کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس پر اتنے عرصہ کا گزرنا ضروری ہے جس میں ممکن ہو کہ اس میں اس کے بعض اعضاء ظاہر ہوں، ''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر عورت نے پہلے خاوند سے اس کا دعویٰ کیا تو ضروری ہے کہ اس کے اور پہلے کے عقد کے درمیان چار ماہ کا عرصہ ہو۔

14392۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب کے شروع میں گزر چکا ہے، ''حلبی''۔

14393۔ (قولہ: وَلَوْ تَزَوَّجَتْ) ''الفتح'' میں کہا: ''التفاریق'' میں ہے: اگر مرد نے اس سے شادی کر لی اور عورت سے سوال نہ کیا پھر عورت نے کہا: ما تزوجت (میں نے نکاح نہیں کیا) یا کہا: اس نے میرے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تو عورت کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا علم عورت کی جانب سے ہی ہوسکتا ہے۔ اسے مشکل جانا گیا۔ کیونکہ عورت کا

....

اس نکاح پر اقدام یہ عورت کی جانب سے اس نکاح کی صحت کا اعتراف ہے۔ پس وہ مناقض (متضاد قول) کرنے والی ہے۔ پس چاہیے تھا کہ عورت کی جانب سے اس قول کو قبول نہ کیا جاتا جس طرح وہ نکاح کرنے کے بعد کہے: میں مجوسیہ تھی، مرتدہ تھی، معتدہ تھی، غیر کی منکوحہ تھی یا نکاح گواہوں کے بغیر تھا۔ اسے ''الجامع الکبیر'' وغیرہ میں ذکر کیا۔ اس کا قول: لم تنقض عدتی اس کے خلاف ہے۔ پھر میں نے ''الخلاصہ'' میں ایسا قول دیکھا جو مذکورہ اشکال کے موافق تھا۔ ''الفتاویٰ'' میں باب الباء میں کہا: جب اس سے پہلے خاوند نے نکاح کر لیا تو اس وقت عورت نے کہا: میں نے تو کسی اور مرد سے عقد نکاح نہ کیا تو پہلے خاوند نے کہا: تو نے ایک اور مرد سے نکاح کیا اور اس نے تجھ سے وطی کی تو عورت کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جو ''الفتح'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اشکال کو اس طریقہ سے دور کیا جاتا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اس میں عقد وارد کرنے سے مانع قائم ہو گیا پس وہ مانع زائل نہیں ہوگا مگر اس کے بعد جب حلت کی شرط پائی جائے گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عورت خبر دے کہ اس نے اس کے بعد ایک اور مرد سے عقد نکاح کیا، اس نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے اور اس کی عدت گزر گئی ہے جب کہ مدت اس کا احتمال رکھتی ہو یا عورت خبر دے کہ وہ اس پہلے مرد کے لیے حلال ہو چکی ہے اور وہ عورت حلت کی شرائط کو جانتی ہو جس طرح ''النہایہ'' سے (مقولہ 14384 میں) گزر چکا ہے۔ اس وقت تناقض نہیں۔ کیونکہ عورت کا یہ گمان ہے کہ محض عقد سے حلت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عورت کے تفسیر کے بغیر عقد پر اقدام سے مانع زائل نہیں ہوتا پس یہ اعتراف نہ ہوا۔ اسی وجہ سے ''سرخسی'' نے کہا: عورت سے استفسار کرنا ضروری ہے۔ ''فضلی'' سے جو قول (مقولہ 14384 میں) گزرا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ عورت کا قول: كنت مجوسية اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ عقد کے وقت عقد وارد کرنے سے کوئی مانع نہیں تھا۔ پس عقد صحیح ہو گیا۔ عورت جو اس کے منافی خبر دے اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے قول میں تناقض ہے۔ کیونکہ اس کا محض عقد پر اقدام مانع نہ ہونے کا اعتراف ہے۔ جب عورت نے اس کا دعویٰ کیا جو اس کے منافی ہے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ''الفتاویٰ'' سے جو قول گزرا ہے وہ اس پر محمول ہے جب مرد نے عورت سے اس وقت شادی کی جب عورت تفسیر بیان کر چکی تھی تاکہ ان کی کلاموں میں تطبیق ہو جائے۔

نکاح پر اقدام عدت کے گزرنے کا اقرار ہے

''بزازیہ'' میں ہے: مطلقہ عورت نے شادی کی پھر عورت نے دوسرے خاوند سے کہا: تو نے میرے ساتھ عدت میں عقد نکاح کیا ہے اگر طلاق اور نکاح کے درمیان دو ماہ سے کم عرصہ ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کی تصدیق کی جائے گی اور دوسرا نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور دوسرا عقد صحیح ہوگا۔ نکاح پر اقدام عدت کے گزرنے کا اقرار ہے۔ کیونکہ عدت پہلے کا حق ہے اور نکاح دوسرے کا حق ہے۔ اور یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس نکاح پر اقدام عدت کے گزرنے پر دلیل ہوگی۔ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ جب اس عورت نے ایک مدت کے بعد پہلے خاوند سے عقد نکاح کیا پھر اس عورت نے کہا: میں نے تیرے ساتھ دوسرے

لِأَنَّ إِقْدَامَهَا عَلَى التَّزَوُّجِ دَلِيلُ الْحِلِّ، وَعَنِ السَّرَخْسِيِّ لَا يَحِلُّ تَزَوُّجُهَا حَتَّى يَسْتَفْسِرَهَا وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ قَالَتْ طَلَّقَنِي ثَلَاثًا ثُمَّ أَرَادَتْ تَزْوِيجَ نَفْسِهَا مِنْهُ لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ أَصَرَّتْ عَلَيْهِ أَمْ أَكْذَبَتْ نَفْسَهَا (سَمِعَتْ مِنْ زَوْجِهَا

کیونکہ عورت کا شادی پر اقدام حلت کی دلیل ہے۔ ''سرخسی'' سے مروی ہے: مرد کے لیے اس عورت سے عقد نکاح کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت سے استفسار کرے ''بزازیہ'' میں ہے: عورت نے کہا: مرد نے مجھے تین طلاقیں دیں پھر اس عورت نے ارادہ کیا کہ اس مرد سے اپنا عقد نکاح کرلے اس عورت کے لیے ایسا کرنے کی اجازت نہیں عورت اس پر اصرار کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے۔ عورت نے اپنے خاوند سے سنا

خاوند کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے عقد نکاح کیا تو اس کا نکاح پر اقدام دوسرے نکاح کے صحیح ہونے پر دلیل نہ ہوگی۔ وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں اس نے کہا: میں نے ایک اور مرد سے عقد نکاح کیا اور پہلے خاوند نے اس سے عقد نکاح کر لیا۔ پھر عورت نے کہا: جو میں نے قول کیا ہے میں اس میں جھوٹی تھی میں نے عقد نکاح نہ کیا تھا اگر اس نے دوسرے خاوند کے حقوق زوجیت ادا کرنے کا اقرار نہ کیا تو دوسرا نکاح باطل ہوگا۔ اگر اس نے حقوق زوجیت کا اقرار کیا تھا تو عورت کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جو ہم نے فرق اور تطبیق کا قول کیا ہے یہ اس کے لیے مؤید ہے۔ وباللہ التوفیق

جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے تیرے لیے ظاہر ہو چکا ہے جو شارح کی کلام میں ضعف ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ شارح نے اس کی پیروی کی ہے جو ''الفتح'' میں بحث کی ہے۔

14394۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) ''البحر'' کی اتباع کرتے ہوئے ''بزازیہ'' کی بعض عبارت پر اقتصار کیا ہے جو پسندیدہ نہیں۔ اس کی مکمل عبارت اس طرح ہے: رضاع کے باب میں اس پر نص قائم کی کہ جب عورت نے کہا: یہ میرا رضاعی بیٹا ہے اور اس پر اصرار کیا مرد کو اس عورت سے عقد نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حرمت عورت کے سپرد نہیں۔ علما نے کہا: تمام صورتوں میں اس پر فتویٰ دیا جائے گا۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ اس مرد سے نکاح کرلے۔ شارح نے رضاعت کے باب کے آخر میں اسے اپنے قول و مفادہ الخ سے بیان کیا ہے۔ اور ہم نے پہلے (مقولہ 12882 میں) بیان کیا ہے کہ شارح نے وہاں جسے ذکر کیا ہے اسے ''خلاصہ'' میں ''الصدر الشہید'' سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: اس میں دلیل ہے کہ عورت نے اگر تین طلاقوں کا دعویٰ کیا اور خاوند نے ان کا انکار کر دیا تو عورت کے لیے حلال ہے کہ اس مرد سے عقد نکاح کرلے۔

''النہر'' میں اس کی یہ تعلیل بیان کی ہے کہ عورت کے حق میں طلاق ان چیزوں میں سے ہے جو مخفی ہوتے ہیں۔ کیونکہ طلاق دینے میں مرد مستقل ہوتا ہے پس عورت کا لوٹنا صحیح ہوگا۔ یعنی حکم میں صحیح ہوگا۔ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے اگر عورت کو طلاق کا علم ہو تو پھر حلال نہیں۔ جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ شارح نے جو پہلے بیان کیا ہے یہ منقول ہے

أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَلَا تَقْدِرُ عَلَى مَنْعِهِ مِنْ نَفْسِهَا) إِلَّا بِقَتْلِهِ (لَهَا قَتْلُهُ) بِدَوَاءٍ خَوْفَ الْقِصَاصِ، وَلَا تَقْتُلُ نَفْسَهَا وَقَالَ الْأُوزْجَنْدِيُّ تَرْفَعُ الْأَمْرَ لِلْقَاضِي، فَإِنْ حَلَفَ وَلَا بَيِّنَةَ فَالْإِثْمُ عَلَيْهِ، وَإِنْ قَتَلَتْهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا وَالْبَائِنُ كَالثَّلَاثِ، وَفِيهَا شَهِدَا أَنَّهُ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا لَهَا التَّزَوُّجُ بِآخَرَ لِلتَّحْلِيلِ لَوْ غَائِبًا انْتَهَى قُلْت يَعْنِي دِيَانَةً وَالصَّحِيحُ عَدَمُ الْجَوَازِ قُنْيَةٌ، وَفِيهَا لَوْ لَمْ يَقْدِرْ هُوَ أَنْ يَتَخَلَّصَ عَنْهَا وَلَوْ غَابَ سَحَرَتْهُ وَرَدَّتْهُ إِلَيْهَا

کہ اس نے اسے طلاق دے دی ہے اور وہ عورت مرد کو قتل کیے بغیر اپنے آپ سے نہیں روک سکتی تو عورت قصاص کے خوف سے دوا کے ساتھ قتل کر دے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرے۔''اوزجندی'' نے کہا: وہ عورت اپنا معاملہ قاضی کے سامنے رکھے اگر مرد قسم اٹھا دے اور عورت کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو گناہ مرد پر ہوگا اگر عورت ایسے مرد کو قتل کر دے تو اس پر کوئی چیز لازمی نہ ہو گی۔ اور طلاق بائن تین طلاقوں کی طرح ہے۔''بزازیہ''۔ اس میں ہے: دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مرد نے عورت کو تین طلاقیں دی تھیں تو اگر مرد غائب ہو تو عورت کے لیے جائز ہے کہ حلت ثابت کرنے کے لیے کسی اور مرد سے عقد نکاح کر لے۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں: یعنی دیانۃ ایسا کرنا جائز ہے صحیح جائز نہ ہونا ہے۔''قنیہ''۔ اس میں ہے: اگر مرد اس پر قادر نہ ہو کہ عورت سے چھٹکارا پائے (جس کو تین طلاقیں دی ہیں) اگر مرد غائب ہوتا ہے تو عورت اس پر جادو کرتی ہے اور اپنی طرف لوٹا لیتی ہے

بحث نہیں۔ فافہم

اگر مطلقہ الثلاث مرد کو بغیر قتل کے اپنے آپ سے نہ روک سکے تو اس کا حکم

14395۔ (قولہ: أَنَّهُ طَلَّقَهَا) یعنی عورت کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ تین سے کم میں تجدید عقد ممکن ہے مگر جب مرد انکار کرے۔

14396۔ (قولہ: لَهَا قَتْلُهُ بِدَوَاءٍ) ''المحیط'' میں کہا: عورت کو چاہیے کہ مال کا فدیہ دے اس مرد سے بھاگ جائے اگر اس پر قادر نہ ہو تو عورت اسے قتل کر دے جب عورت کو معلوم ہو کہ مرد اس سے ہم بستری کرے گا۔ لیکن چاہیے کہ دوا کے ساتھ قتل کر دے۔ عورت کو اپنے آپ کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آلہ سے قتل کرے تو قصاص واجب ہوگا،''بحر''۔

14397۔ (قولہ: فَالْإِثْمُ عَلَيْهِ) صرف مرد پر گناہ ہوگا۔ چاہیے تھا کہ یہ قید لگاتے جب وہ فدیہ دینے یا بھاگ جانے پر قادر نہ ہو۔

14398۔ (قولہ: وَإِنْ قَتَلَتْهُ) یہ قول دونوں امروں کے مباح ہونے کا فائدہ دیتا ہے،''ط''۔

14399۔ (قولہ: لَوْ غَائِبًا) ''بزازیہ'' کی مکمل عبارت یہ ہے: اگر مرد حاضر ہو تو پھر ایسا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خاوند نے اگر انکار کر دیا تو فرقت کے لیے اسے قضا کی ضرورت ہوگی۔ اور فرقت کی قضا خاوند کی موجودگی کے بغیر جائز نہ ہوگی۔

14400۔ (قولہ: وَالصَّحِيحُ عَدَمُ الْجَوَازِ) ''القنیہ'' میں کہا: یعنی ''بدیع'' نے کہا: ''شمس الائمہ اوزجندی''، ''نجم

لَا يَحِلُّ لَهُ قَتْلُهَا، وَيَبْعُدُ عَنْهَا جُهْدَهُ (وَقِيلَ لَا) تَقْتُلُهُ، قَائِلُهُ الْإِسْبِيجَابِيُّ (وَبِهِ يُفْتَى) كَمَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ وَشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنْ الْمُلْتَقَطِ أَيْ، وَالْإِثْمُ عَلَيْهِ كَمَا مَرَّ (قَالَ بَعْدُ) أَيْ بَعْدَ طَلَاقِهِ ثَلَاثًا (كَانَ قَبْلَهَا طَلْقَةٌ وَاحِدَةٌ)

تو مرد کے لیے اسے قتل کرنا حلال نہیں جتنی طاقت رکھتا ہے وہ اس عورت سے دور رہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عورت اسے قتل نہیں کرے گی۔ اس کے قائل ''اسبیجابی'' ہیں۔ اس پر فتویٰ ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' اور ''شرح وہبانیہ'' میں ''ملتقط'' سے مروی ہے۔ یعنی گناہ خاوند پر ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔ تین طلاقیں دینے کے بعد کہا: اسے اس سے پہلے ایک طلاق تھی

الدین نسفی''، ''سید ابو شجاع''، ''ابو حامد'' اور ''سرخسی'' کے جواب کا حاصل یہ ہے عورت کے لیے حلال ہے کہ دیانۃً وہ کسی اور مرد سے عقد نکاح کر لے اور باقیوں کے جواب کے مطابق نکاح نہ کرے۔

''فتاویٰ سراجیہ'' میں ہے: جب ثقہ آدمی نے عورت کو خبر دی کہ اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی ہے جب کہ خاوند غائب تھا تو عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ عدت گزارے شادی کرے اور اُسے دیانت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں یہ مذکورہ ائمہ کے قول کی تائید ہے جب اس عورت کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ ثقہ کی خبر دینے سے نکاح کرلے تو اس کے لیے تحلیل بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی۔ جب وہ خود طلاق کا سنے اور دو عادل آدمی اس عورت کے پاس آ کر گواہی دیں۔ بلکہ علما نے اس کی تصریح کی جب عورت کو طلاق کا مکتوب پہنچے تو وہ نکاح کرلے اگرچہ وہ مکتوب ثقہ آدمی کے ہاتھ پر نہ آئے جب عورت کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ حق ہے۔ اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ قضا میں یہ جائز ہے یہاں تک کہ قاضی کو اگر اس کا علم ہو تو قاضی اسے ترک کر دے۔ عدم جواز کی تصحیح یہاں مشکل ہے مگر اسے قضا پر محمول کیا جائے اگرچہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ فتامل

ہاں اگر مرد نے عورت کو طلاق دی جب کہ وہ مرد عورت کے ساتھ بحیثیت خاوند رہا تھا تو عورت کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ابھی اس کی عدت ختم نہیں ہوئی جس طرح اس کی وضاحت عدت کے بیان میں (مقولہ 15368 میں) آئے گی۔

14401۔ (قولہ: لَا يَحِلُّ لَهُ قَتْلُهَا) یعنی چاہیے اس میں بھی اختلاف جاری ہو۔ بلکہ عورت کے قتل کرنے کا قول یہاں اس قول کی بنسبت کہ ''عورت مرد کو قتل کر دے'' زیادہ حقیقت کے قریب ہے اس بحث میں جو (مقولہ 14396 میں) گزر چکی ہے۔ کیونکہ عورت جادوگر ہے اور جادوگر کو قتل کیا جاتا ہے اگرچہ وہ توبہ کرے۔ ''تامل''

14402۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا تَقْتُلُهُ) ''تاتر خانیہ'' میں بھی پہلے قول کو نقل کیا ہے اور یہ قول انہوں نے شیخ امام ''ابو القاسم''، ''شیخ الاسلام ابو الحسن، عطاء بن حمزہ''، ''امام ابو شجاع'' سے نقل کیا ہے اور اسے فتاویٰ امام ''محمد بن ولید سمرقندی'' سے انہوں نے ''عبد اللہ بن مبارک'' سے انہوں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا کہ شیخ ''امام نجم الدین''، امام ''ابو شجاع'' کے قول کی حکایت کرتے اور کہتے: وہ عظیم انسان تھے ان کے بڑے بڑے مشائخ ہیں۔ جو کہتے

وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَصَدَّقَتْهُ الْمَرْأَةُ (فِي ذَلِكَ لَا يُصَدَّقَانِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتَى بِهِ) كَمَا لَوْ لَمْ تُصَدِّقْهُ هِيَ، وَقِيلَ يُصَدَّقَانِ، وَلَوْ طَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ قَبْلَ الدُّخُولِ ثُمَّ قَالَ كُنْتُ طَلَّقْتُهَا قَبْلَهُمَا وَاحِدَةً أُخِذَ بِالثَّلَاثِ قنيه

اس کی عدت گزر چکی تھی عورت نے اس مسئلہ میں مرد کی تصدیق کر دی تو مفتی بہ مذہب کے مطابق ان دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی جس طرح عورت اس مرد کی تصدیق نہ کرے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کی تصدیق کی جائے گی۔اگر مرد نے عورت کو حقوق زوجیت سے قبل دو طلاقیں دے دیں پھر کہا: میں نے اسے ان دو سے قبل ایک طلاق دی تھی تو تین طلاقوں کو اپنایا جائے گا۔''قنیہ''۔

اسے صحت کے ساتھ کہتے ان کے قول پر اعتماد ہے۔اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بھی قابل اعتماد قول ہے۔

14403۔(قولہ: وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا) یہ اس لیے کہا تا کہ وہ اجنبی ہو جائے اسے تین طلاقیں لاحق نہ ہوں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس صورت میں ہے جب عدت کا ختم ہونا معروف نہ ہو۔کیونکہ شارح نے عدت کے باب کے آخر میں ''القنیہ'' سے بھی (مقولہ 15426 میں) ذکر کریں گے۔مرد نے عورت کو تین طلاقیں دیں اور وہ کہتا ہے: میں نے اسے ایک طلاق دی تھی اور اس کی عدت گزر چکی ہے۔اگر عدت کا گزرنا لوگوں میں معروف ہو تو تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی ورنہ واقع ہو جائیں گی۔اگر مرد کے انکار کے بعد اس پر تین طلاقوں کے وقوع کا حکم لگا دیا جائے اگر وہ گواہیاں قائم کرے کہ اس نے کچھ عرصہ پہلے اسے ایک طلاق دی تھی تو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔

14404۔(قولہ: أُخِذَ بِالثَّلَاثِ) کیونکہ طلاق پر اس کا اقدام عصمت کی بقا پر دلالت کرتا ہے۔اس کے اقرار پر عمل کرنے کی وجہ سے اور احتیاط کی وجہ سے اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

اس جز کے ترجمہ کی سعادت ناچیز محمد بوستان عفی عنہ کو نصیب ہوئی